قرآن کریم کی ایسی تفسیر جو کہ ماثور و معقول کو
جامع اور مستند ترین تفاسیرؒ سے ماخوذ ہے

اردو ترجمہ

صفوۃ التفاسیر

فی تفسیر القرآن الکریم

www.toobaaelibrary.com

تالیف

فضیلۃ الشیخ محمد علیؒ الصابونی

استاذ کلیۃ الشریعۃ والدراسات العالمیۃ
مکۃ المکرمۃ جامعۃ الملک عبد العزیز

اردو ترجمہ

مولانا محمد یوسفؒ تنولی

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

عنوانات ونظرثانی

مولانا مفتی محمد عابد قریشی

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

دار الاشاعت

اردو بازار کراچی نمبر ۱

صَفوةُ التَّفاسِير

قرآنِ کریم کی ایسی تفسیر جو کہ ماثور و معقول کو جامع اور مُستند ترین تفاسیرؒ سے ماخوذ ہے

اردو ترجمہ

صَفوَةُ التَّفَاسِير

فی تفسیر القرآن الکریم

جلد اوّل

سورۂ فاتحہ تا سورۂ یونس

تالیف

فضیلۃ الشیخ محمد علیؒ الصّابونی

استاذ کلیۃ الشریعۃ والدّراسات العالمیۃ مکّۃ المکرّمۃ جامعۃ الملک عبد العزیز

اردو ترجمہ

مولانا محمد یوسفؒ تنولی

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

عنوانات ونظرثانی

مولانا مفتی محمدؒ عابد قریشی

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

دارالاشاعت

اردو بازار، ایم اے جناح روڈ

کراچی پاکستان 02132213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : گجرات پرنٹنگ پریس
ضخامت : 808 صفحات

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

﴿........ ملنے کے پتے ....﴾

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

﴿انگلینڈ میں ملنے کے پتے﴾

AZHAR ACADEMY LTD.
54-68 LITTLE ILFORD LANE
MANOR PARK, LONDON E12 5QA

ISLAMIC BOOKS CENTRE
119-121, HALLI WELL ROAD
BOLTON BL 3NE, U.K.

﴿امریکہ میں ملنے کے پتے﴾

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A.

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

فہرست عنوانات

اُسلوب بیان

قرآن کا معنی:......قرآن "قَرَءَ، یقرأ" سے مصدر ہے اور مصدر ہی علم بن گیا اور اس میں مبالغہ کا معنی پایا جاتا ہے اور مبنی برمفعول ہے۔ "مقروء" کے معنی میں ہے۔ یعنی بہت زیادہ پڑھی جانے والی کتاب۔

علامہ جرجانی المتوفی ۸۱۶ھ نے قرآن کی تعریف یوں کی ہے:

القرآن ''هو المنزل على الرسول المكتوب في المصاحف المَنْقول عنه نقلا متواترا بلاشبهة''

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر محمد ﷺ پر نازل کیا گیا، جو صحیفوں میں لکھا ہوا ہے اور اللہ کے پیغمبر سے تواتر کے ساتھ نقل کیا گیا ہے اور اس کے نقل ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

صاحب تلویح، ملاجیون اور دوسرے اصولیین سے یہی تعریف منقول ہے۔ یہ جامع تعریف ہے۔

اسمائے قرآن:......کتاب اللہ کے پانچ نام ہیں: القرآن، الفرقان، الذکر، الکتاب اور التنزیل۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور القرآن ہے۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اکسٹھ (۶۱) بار اپنے کلام کو اسی نام سے ذکر کیا ہے۔[۱]

نزول قرآن:......احادیث وآیات کی روشنی میں تنزیل قرآن کے متعلق مختصراً درج ذیل امور مترشح ہوتے ہیں۔

الف:......قرآن مجید دفعۃً لوح محفوظ سے بیت عزت پر نازل ہوا۔

ب:......پھر بتدریج آنحضرت ﷺ پر نازل ہوا۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿۲۱﴾ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿۲۲﴾ (سورۃ البروج، آیت ۲۱،۲۲)

ترجمہ:......بلکہ یہ قرآن مجید ہے جو لوح محفوظ میں ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ (سورۃ الدخان، آیت ۳)

ترجمہ:......ہم نے قرآن مجید کو ایک بابرکت رات میں اتارا۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴿۱﴾ (سورۃ القدر، آیت ۱)

بابرکت رات سے مراد لیلۃ القدر ہے جب کہ سورۃ البقرہ کی آیت سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید رمضان کے مہینے میں نازل ہوا۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ (سورۃ البقرہ، آیت ۱۸۵)

قرآن مجید لوح محفوظ سے بیت عزت پر بابرکت رات میں اور ماہ رمضان میں نازل ہوا، پھر رسول کریم ﷺ پر بھی بابرکت رات میں اور رمضان میں نازل ہوا۔ ان دونوں نزولوں کا معزز اوقات میں جمع ہونا مشیت ایزدی ہے اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

تاریخی اعتبار سے سال، مہینہ اور دن کی تعیین جو قطعی ہو مشکل ہے تاہم ماہرین تقویم نے حساب سے نزول قرآن کی درج ذیل تاریخ کا تخمینہ لگایا ہے۔

۱۷ رمضان المبارک دوشنبہ مطابق ۶ اگست ۶۱۰ء

اس وقت رسول کریم ﷺ کی عمر ۴۰ سال ۶ ماہ ۱۲ دن تھی۔

آپ ﷺ غار حرا میں عبادت خداوندی کے لیے عزلت نشین تھے کہ آپ ﷺ پر سورۂ علق کی ابتدائی ۵ آیات نازل ہوئیں۔

جبکہ قرآن مجید کی آخری آیت اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳﴾ ۱۱ ہجری ۹ ذی الحجہ بروز جمعہ نازل ہوئی۔ یوں پورا قرآن مجید ۲۲ سال ۲ ماہ ۲۲ دن کے

---

[۱] ملخص از علوم القرآن

عرصے میں نازل ہوا۔

حفاظت قرآن:...... کتاب اللہ، اللہ تعالیٰ کا آخری کلام ہے جس نے سابقہ تمام کتابوں کو منسوخ کر دیا ہے۔ گو قرآن مجید آسمانی کتب کی غیر محرف تعلیمات کی تصدیق کرتا ہے۔ قرآن مجید کو اسی وجہ سے معجزہ ابدیہ قرار دیا گیا ہے کہ جیسا یہ رسول کریم ﷺ پر نازل ہوا تا قیامت ایسا ہی رہے گا۔ چوں کہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۹﴾ (سورۃ الحجر، آیت ۹)

بے شک ہم ہی نے قرآن مجید نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

چنانچہ حفاظت قرآن کے اللہ تعالیٰ نے بظاہر اسباب پیدا کر دیے۔

رسول کریم ﷺ پر جونسی پوری سورت یا آیات نازل ہوئیں آپ کاتبین وحی کو ہدایت فرما دیتے کہ اس سورت کو فلاں سورت کے بعد یا ان آیات کو فلاں سورت کی ان ان آیات کے بعد لکھ دو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چمڑے پر، ہڈیوں پر اور کھجور کے پتوں پر قرآن مجید لکھ لیتے۔ آپ ﷺ لکھا ہوا سنتے اور اگر کتابت میں غلطی ہو جاتی تو آپ ﷺ اصلاح بھی فرما دیتے۔ یوں زمانہ نبوت میں قرآن مجید کو لکھ کر محفوظ کیا جاتا رہا۔ اس سے بھی زیادہ بہتر حفاظت کا ذریعہ حافظہ تھا۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آیاتِ کریمات کو فوراً حفظ کر لیتے تھے۔

پھر جنگ یمامہ میں بہت سارے قرا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔ اس جانی نقصان سے کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اندیشہ ہوا کہ کہیں قرآن کا کچھ حصہ غیر محفوظ نہ ہو جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تحریک پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو جمع قرآن کا حکم دیا اور ایک کمیٹی بنا کر زید رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر کر دیا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے نہایت چابکدستی اور محنت شاقہ سے یہ کوہ گراں سر کیا اور جمع قران میں کڑی شرائط کی پاسداری کی۔ یوں قرآن مجید کا ایک نسخہ تیار کیا جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس رہا۔

پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ خلافت آیا تو اسلام عرب سے نکل کر دور دراز علاقوں تک پہنچ گیا اور ہر شہر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مختلف شاگرد جمع ہوتے جو قرآن مجید کو مختلف قرأتوں میں پڑھتے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ ایک آدمی اگر ایک قرأت میں قرآن مجید کی تلاوت کر رہا ہوتا تو دوسرا سننے والا کسی دوسری قرأت میں پڑھنے کا ذھان رکھتا۔ یوں ان میں بحث و تکرار ہو جاتی اور وہ لڑ پڑتے۔

چنانچہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ آرمینیا اور آذربائیجان کے محاذوں سے مدینہ منورہ تشریف لائے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے خلیفہ رسول! امت مسلمہ یہود و نصاریٰ کی طرح اختلاف کا شکار ہو اس سے پہلے پہلے امت کی خبر لیجیے۔ چوں کہ کچھ لوگ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قرأت میں قرآن پڑھتے ہیں اور انہیں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں پڑھنے والے غلط کہتے ہیں اور وہ انہیں غلط کہتے ہیں۔ بات ایک دوسرے کو کافر قرار دینے تک پہنچ جاتی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس سے پہلے بھی اس خطرے کا احساس ہو چکا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع کر کے انہیں خطبہ دیا اور اس معاملے کی نزاکت پر روشنی ڈالی۔ پھر چار صحابہ کرام حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت سعید بن العاص اور حضرت عبدالرحمٰن بن حارث رضی اللہ عنہم کو یہ کام سپرد کیا کہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جمع کردہ نسخہ کا مکمل صحیفہ تیار کریں۔ جب یہ کام ہو گیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس پہلے سے جو قرآن لکھا موجود تھا اس کا اس کے ساتھ بھی تقابل کیا گیا اور اس نسخہ میں ہر سورت کو ترتیب کے ساتھ ایک ہی مصحف میں لکھا اور کتابت میں خیال رکھا گیا کہ تمام متواتر قرأتیں پڑھی جاسکیں اور اس نسخے کی سات نقول تیار کروا کے مختلف صوبوں میں ارسال کی گئیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انفرادی نسخے نذر آتش کرنے کا حکم جاری کیا تا کہ امت میں آئندہ قرآن کے حوالے سے اختلاف رونما نہ ہو۔

آج ہمارے پاس جو قرآن موجود ہے یہ اسی نسخے کی نقل ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں جمع کروایا تھا۔ سبحان اللہ! ذرا دیکھیں تو سہی مشرق تا مغرب، شمال تا جنوب قرآن ایک ہی ہے۔ جیسا نسخہ اہل مشرق کے پاس ہے ویسا ہی اہل مغرب کے پاس ہے۔ یہ اعجاز قرآن ہے۔

اعجاز قرآن

اعجاز مصدر مبنی للفاعل ہے جو معجز کے معنی میں ہے یعنی ایسی چیز جو مخلوق کو عاجز کر دے اور سب اس کے آگے ہار مان جائیں۔ علامہ جرجانی نے الاعجاز کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔ هو أن يودى المعنى بطريق هو ابلغ من جميع ماعداه من الطرق ایسے طریقے سے معنی ادا کرنا کہ وہ طریقہ تمام طریقوں سے بلیغ تر ہو۔ اعجاز قرآن سے مراد قرآن مجید کا معجز ہونا ہے۔ علما نے مستقلاً اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں۔ چنانچہ علامہ خطابی، رمانی، زملکانی، امام رازی، ابن سراقہ، قاضی ابوبکر باقلانی اور امام رافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اعجازِ قرآن میں مختلف کتابیں لکھی ہیں۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اعجازِ قرآن کے متعلق الاتقان جلد دوم میں مستقلاً ایک فصل قائم کی ہے۔

ان سطور میں ہم مختصراً اعجازِ قرآن کا تعارف کروانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ جب لفظ اعجاز قرآن بولا جاتا ہے اگر چہ پردہ سماعت سے یہ سوال نہیں ٹکراتا لیکن محسوس ضرور کیا جاتا ہے کہ اعجازِ قرآن سے مراد کیا ہے؟ قرآن کلام اللہ ہے اور یہ ایسا عظیم الشان ابلغ وافصح کلام ہے کہ عرش سے لے کر فرش تک جمیع خلائق اس کی مثل پیش کرنے سے عاجز ہے۔

عرب کی فصاحت وبلاغت اوج کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ ان کے پاس سخن گوئی کے ہزاروں اسالیب تھے، ایک ایک چیز کے دسیوں نام تھے۔ ہر عمر کے آدمی کے پاس الفاظ کا زبردست ذخیرہ موجود تھا۔ چنانچہ امراؤالقیس، زہیر، عنترہ، لبید اور طرفہ جیسے نابغۂ روزگار شعرا اسی زمانے کی پیداوار تھے۔ ان کی فصاحت وبلاغت کے آگے عرب نے گھٹنے ٹیک دیے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے قصائد کو بیت اللہ کے ساتھ لٹکا دیا گیا تھا۔ جب ان کے کلام کو پڑھا اور سمجھا جاتا ہے تو بڑی دقت محسوس ہوتی ہے۔ بڑی بڑی لغات اور شروح کو کھنگالنا پڑتا ہے۔ چوں کہ ان شعرا نے جن الفاظ کا انتخاب کیا ان میں غرابت بھی ہے اور منافرت بھی۔ ان کے کلام میں استعارات وتشبیہات بھی ہیں اور بیان وبدیع کا بلندہ معلوم ہوتے ہیں جب کہ کلام اللہ جن الفاظ سے نظم ہے وہ ایسے الفاظ ہیں جو اس زمانے کے لڑکے بالے بولتے تھے اور سمجھتے تھے۔ کلام اللہ لفاظی سے پاک، بے دریغ استعارات، تشبیہات اور مرصّعات سے منزہ ومبرہ ہے۔ جو لفظ جس موقع ومحل کے موزوں ومناسب تھا لایا گیا۔ جہاں بات کو اوقع بنانا ضروری تھا وہاں استعارات وتشبیہات اور بیان وبدیع کا موزوں استعمال کیا گیا۔ جب ایسا شاندار اسلوب وسیاق اختیار کیا گیا تو اول وھلہ میں چیلنج کر دیا گیا کہ اے اہل عرب! اے جماعت مشرکین! اس قرآن کی مثل لے آؤ۔ اس آیت میں چیلنج نہیں بلکہ عاجز ہونا بتایا گیا ہے۔

قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۝۸۸

اے محمد! کہہ دیجیے اگر سارے کے سارے انسان اور جنات اس بات پر جمع ہو جائیں کہ اس قرآن جیسا کلام لے آئیں، کسی صورت میں بھی اس جیسا کلام نہیں لا سکتے۔ گو وہ ایک دوسرے کی مدد کو کیوں نہ آ جائیں۔ (سورۃ الاسراء، آیت ۸۸)

فصحائے عرب سے ایسا نہ ہو سکا تو قرآن جیسی دس سورتوں کا چیلنج دیا گیا کہ چلو پورا قرآن تو کجا تو دس سورتیں لے آؤ۔

قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝۱۳ (سورۃ ہود، آیت ۱۳)

کہہ دیجیے تم اپنی طرف سے گھڑی ہوئی کلام اللہ جیسی دس سورتیں لے آؤ۔

جب بلغائے عرب سے ایسا بھی نہ ہو سکا تو صرف ایک سورت کا چیلنج دیا گیا کہ چلو صرف ایک سورت لے آؤ۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ۪ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝۲۳

اگر تم قرآن کے بارے میں شک کرتے ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو اس جیسی ایک سورت ہی لے آؤ۔ (سورۃ البقرہ، آیت ۲۳)

اس کے بعد آیت تک نوبت پہنچی، لیکن وہ بھی نہ لا سکے اور اس کی مثل لانے سے تا قیامت عجز وشکست کا اقرار کر گئے۔

معجزہ دو قسم پر ہے۔ ایک حسّی جو حواس خمسہ سے محسوس کیا جائے، جیسے انبیائے بنی اسرائیل کے معجزات۔ مثلاً عصائے موسیٰ، ہاتھ کا سفید ہونا، کوڑھی کا تندرست ہو جانا، مردوں کو زندہ کرنا، چٹان سے اونٹنی کا نکل پڑنا وغیرہ۔ چوں کہ وہ لوگ عقل فہم اور بصیرت سے عاری تھے اس لیے ان کے

لیے ایسے معجزات کا انتخاب کیا گیا جو جلد ان کی سمجھ میں آنے والے تھے۔ حسّی معجزہ جزوقتی ہوتا ہے۔ جب تک اس کا مشاہدہ رہتا ہے وہ معجزہ بھی رہتا ہے اور اس کا اعجاز بھی رہتا ہے۔ جب مشاہدہ ختم ہوا اس کا اعجاز بھی جاتا رہا۔ دوسرا معجزہ عقلیہ ہے، جو عقل، فراست اور بصیرت سے سمجھ میں آتا ہے۔ اس قسم کے معجزے کا تعلق مشاہدے سے نہیں ہوتا بلکہ اس کا تعلق دل کی آنکھوں اور بصیرت سے ہوتا ہے۔ اسی لیے اس کا اعجاز باقی رہتا ہے اور ختم نہیں ہوتا۔

قرآن مجید جو کہ کلام اللہ ہے کا اعجاز عقلی بھی ہے اور حسی بھی، تاہم اس کی حیثیت پر عقلیت غالب ہے۔ اسی لیے اس کا حسی اعجاز بھی جزوقتی نہیں بلکہ ابدی ہے۔ چنانچہ آنکھ اس معجزے کا دیدار کرتی ہے۔ کان اس کی سماعت کرتے ہیں، بصیرت دل پر اس کے نقوش ثبت کردیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب نسخہ قرآن کھول کر سامنے رکھا جاتا ہے آنکھیں برودت محسوس کرتی ہیں۔ جب کسی قاری کی آواز پردۂ سماعت سے ٹکراتی ہے تو رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ جب انسان خود تلاوت کرتا ہے تو اس کا رواں رواں روحانی فضاؤں میں تیرنے لگتا ہے۔ سبحانه ما اعظم شانه

اس تمہید کے بعد اعجاز قرآن کو سمجھنا آسان ہے۔

الاعجاز:...... لغوی معنی اثباتِ عجز، عجز کسی کام کو بجالانے کی سکت نہ رکھنا۔ عجز قدرت کی ضد ہے۔ اسی سے معجزہ بھی ہے۔ خارق عادت امر جس کا چیلنج دیا گیا ہو اور وہ معارضہ سے سلامت رہے۔

اعجاز قرآن:...... حضور نبی کریم ﷺ کا دعوائے نبوت میں اظہار صدق بایں طور کہ عرب آپ کے دائمی معجزہ کا معارضہ کرنے سے عاجز ہیں۔ دائمی معجزہ سے مراد قرآن ہے۔

وجوہ اعجاز:...... علمانے اعجاز قرآن کے سلسلے میں مختلف وجوہ کا ذکر کیا ہے۔ مختصراً ان میں سے بعض حسب ذیل ہیں۔

اخبار عن الماضی:...... قرآن مجید میں جا بجا سابقہ امتوں کے واقعات وقصص بیان کیے گئے ہیں جو نزول قرآن سے پہلے وقوع پذیر ہوئے۔ قرآن نے ان واقعات کو مقصدیت کے تحت بیان کیا ہے۔ جیسے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق، ان کا جنت میں جانا پھر وہاں سے زمین پر اترنا، طوفان نوح، قصہ ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات، حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ، حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ...... الخ

اِخبار عن المستقبل:...... قرآن مجید نے ایسے مختلف امور کی خبر دی جن کا وقوع مستقبل میں ہوا۔ قرآن مجید میں اس نوع کی خبریں بے شمار ہیں۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾ (سورہ آل عمران، آیت ۱۲)

یہ آیت بنی قینقاع کے بارے میں نازل ہوئی۔ انہوں نے کہا تھا: اے محمد! تم نے مٹھی بھر قریش کو زیر کرلیا۔ تم کسی قسم کے دھوکے میں مت آؤ۔ انہیں جنگ کی شناسائی ہی نہیں، ہم تو جنگجو ہیں۔ ہم جیسوں کو تم نے کبھی دیکھا ہی نہیں۔ چنانچہ بعد میں مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کیا اور ذلیل و خوار کرکے انہیں جلاوطن کردیا۔

بیان شریعت:...... اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی صورت میں انسانوں کی ہدایت کے لیے رہنمائے اصول عطا کیے ہیں۔ زندگی تو ساری مخلوق گزارتی ہے۔ انسانوں اور حیوانوں کی زندگی میں بہت بڑا فرق ہے۔ انسان کسی قانون کے تحت زندگی بسر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لائے ہوئے قوانین ایسے ہیں جو نہ نزول قرآن سے پہلے تھے اور نہ بعد میں۔ زندگی کے تمام مراحل کا قرآنی شریعت نے احاطہ کردیا ہے۔ عبادات، معاملات و معاشرت سبھی کے اصول وضوابط قرآن نے بیان کردیے ہیں اور انسانوں کی فلاح کے لیے ایسا قانون پیش کردیا ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے مزید کسی قانون کی ضرورت نہیں۔

علمی اعجاز:...... واضح رہے قرآن عقیدہ اور ہدایت کی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو نازل کیا ہے تاکہ انسانیت گمراہی کی تاریکیوں سے نکل کر ہدایت کے نور کی طرف آئے۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ قرآن تمام علوم کا سرچشمہ ہے۔ ہم مثال میں دو چار علوم کا ذکر نہیں کریں گے۔ چوں کہ قرآن سے مستفاد علوم ان گنت ہیں۔

اعجاز بلاغی:...... بعض علمانے قرآنی فصاحت وبلاغت کو اعجاز قرآنی کا نام دیا ہے لیکن حق یہ ہے کہ قرآنی فصاحت وبلاغت اعجاز قرآن کا جز ہے۔

کل اعجاز قرآن نہیں۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے مجموعۂ آیات کی تفسیر کے بعد مختصر اًبلاغت کے نکات سے کشفِ قناع کیا ہے۔ مصنف کا مقصد قرآن کے اعجاز بلاغی کو نمایاں کرنا ہے۔

اعجازِ لفظی:......اوپر بیان کر دیا ہے کہ قرآن جن الفاظ سے مرکب ہے وہ الفاظ عرب میں شائع وذائع تھے بلکہ یوں کہیے کہ لغت قریش میں قرآن نازل ہوا جس سے سارا عرب واقفیت رکھتا تھا۔ پھر ان ہی الفاظ کو ایسے خوبصورت انداز میں ایک لڑی میں پرو دیا گیا ہے کہ ان الفاظ کو دیکھ کر بڑے بڑے فصحا سر دھنتے رہ گئے۔

چنانچہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ ولید بن مغیرہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے قرآن مجید کی چند آیات سنائیں۔ اس پر زبردست رقت طاری ہوگئی۔ ابوجہل کو خبر ہوئی، وہ ولید کے پاس آیا اور کہا: اے چچا! آپ کی قوم چاہتی ہے کہ کچھ مال جمع کر کے آپ کو پیش کرے تاکہ آپ محمد کے پاس نہ جائیں۔ ولید نے جواب دیا۔ قریش جانتے ہیں کہ میرے پاس ان سب سے زیادہ مال ہے۔ مجھے مال کی ضرورت نہیں۔ ابوجہل نے کہا۔ پھر آپ محمد کی شان میں گستاخی کر دیں تاکہ آپ کی قوم کو معلوم ہو جائے کہ آپ محمد کو ناپسند کرتے ہیں۔ ولید نے جواب دیا۔ اللہ کی قسم! تم لوگوں میں کوئی ایسا نہیں جو مجھ سے زیادہ شعر جانتا ہو اور نہ ہی کوئی شخص ہے جو مجھ سے زیادہ رجز، قصائد اور جنات کے اشعار سے واقفیت رکھتا ہو۔ اللہ کی قسم ہمارا کوئی کلام بھی محمد کے کلام کے مشابہ نہیں۔ یہ کلام کچھ اور طرز کا ہے۔ اس کی حلاوت انتہا کو پہنچی ہوتی ہے۔ یہ ایسا کلام ہے جس میں خوبی ہی خوبی ہے۔ یہ ایسا بار آور درخت ہے جس کی تمام ٹہنیاں پھلوں سے لدی ہوئی ہیں۔ یہ کلام عالیشان ہے۔ اس سے برتر کوئی کلام نہیں۔ باقی تمام کلام اس کے آگے ہیچ ہیں۔ ابوجہل نے کہا: لیکن آپ کی قوم آپ سے کسی طرح راضی نہیں ہوگی، کوئی بات کہہ دیجیے۔ ولید نے کہا: اچھا مجھے سوچنے کی مہلت دو۔ پھر گویا ہوا کہ یہ جادو ہے جو جلد اثر کر جاتا ہے۔

اس مضمون کے بہت سارے شواہد موجود ہیں کہ مشرکین بھی کلام اللہ کی عظمت کا اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکے۔

اعجازِ معنوی:......قرآن کے الفاظ کا اعجاز سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اعجاز معنوی بھی مخفی نہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن کا ہر جملہ، ہر آیت اپنے اندر معانی کا سمندر چھپائے ہوئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زمانے میں قرآن مجید کی تفاسیر لکھی جاتی رہیں اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

علامہ سیوطی الاتقان میں لکھتے ہیں: اہل علم کا قرآن کی وجہ اعجاز میں اختلاف ہے اور اس بارے میں مختلف وجوہ کا ذکر کیا ہے۔ یہ ساری وجوہ اعجاز قرآن ہونے میں درست وصواب ہیں۔ لیکن یہ ساری وجوہ اعجاز قرآن کا ایک جزو ہیں جو دسویں حصے کے برابر بھی نہیں، تاہم کچھ علما کا قول ہے کہ اعجاز قرآن ایجاز مع البلاغت ہے۔ بعض کا قول ہے کہ قرآن ایسے الفاظ سے مرکب ہے جو عرب کے فصحا میں عام بولے جاتے تھے اور ان کے کلمات کی جنس سے ہیں جو خطبات، اشعار، نظم اور نثر پر مشتمل ہیں۔ چنانچہ الفاظ ومعانی کا مجموعہ اور یہ اسلوب انداز اور طرز کلام اعجاز قرآن ہے۔ اگر صرف معانی باقی رکھے جائیں۔ الفاظ سے صرف نظر کر دیا جائے تو وہ رونق باقی نہیں رہے گی۔ اگر معانی کی طرف اعتنا نہ کیا جائے تو ایسے کلام کی معنوی حیثیت باقی نہیں رہتی۔ بعض کہتے ہیں کہ اعجاز قرآن یہ ہے کہ قرآن کا قاری کبھی تھکتا نہیں اور سامع اکتاتا نہیں۔ بعض کہتے ہیں: اخبارِ ماضیہ اعجاز قرآن ہے۔ بعض نے اخبارِ مستقبل کو اعجازِ قرآن قرار دیا ہے۔ بعض نے علم غیب وحکمت کو اعجاز قرآن قرار دیا ہے۔

زرکشی نے برھان میں لکھا ہے: حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ بالا تمام اقوال اعجاز قرآن ہیں۔ کسی ایک وجہ کو اعجاز قرآن نہیں قرار دیا جا سکتا۔

مذکورہ تفصیل کے بعد جو بات دل میں آتی ہے کہ اعجاز قرآن کے حوالے سے اس کی وجوہ کا احاطہ ناممکن ہے۔ جس رُخ سے دیکھو گے اعجاز قرآن دکھائی دے گا۔ الفاظ کو دیکھیں، اعجاز قرآن ہے۔ معانی اعجاز قرآن، انوکھی ترتیب وتنظیم اعجاز قرآن ہے۔ تلاوت اعجاز قرآن ہے، بلاغت اعجاز قرآن ہے۔ فصاحت، بیان ومعانی، بدیع سب اعجاز قرآن، دلوں پر قرآن کا اثر اعجاز قرآن ہے۔ رقت قلبی اعجاز قرآن ہے۔ علوم پر نظر کی جائے تو بس یہی اعجاز قرآن دکھائی دیتا ہے۔ بیان کردہ مسائل وواقعات اعجاز قرآن، اخبار عن الماضی اعجاز قرآن، اخبار عن المستقبل اعجاز، اخبار عن الحکم اعجاز قرآن، قرآن جیسا نازل ہوا، آج بھی ایسا ہی ہے یہ امر اعجاز قرآن ہے۔

علوم تفسیر

تفسیر کا معنی اور تعریف:...... تفسیر "فَسَرَ" سے ہے بمعنی کھولنا، ظاہر کرنا۔ علامہ جرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

توضیح معنی الآیة وشأنها وقصتها۔ والسبب الذی نزلت فیه، بلفظ یدل علیه دلالة ظاهرةً

یعنی ایسے الفاظ کے ساتھ آیت کے معنی کی تشریح کرنا، اس کی شان، اس کا قصہ اور سبب نزول واضح کرنا کہ وہ الفاظ آیت کی مراد پر واضح دلالت کرتے ہوں۔ علامہ آلوسی نے ان الفاظ میں علم تفسیر کی تعریف کی ہے:

علم یبحث فیه عن کیفیة النطلق بألفاظ القرآن ومدلولاتها وأحکامها الأفرادیة والترکیبیّة ومعانیها التی تحمل علیها حالة الترکیب وتتماست لذالك

علم تفسیر ایسا علم ہے جس میں قرآنی الفاظ کی ادائیگی کی کیفیت، اس کے مدلول ومفہوم، افرادی وترکیبی احکام اور ان معانی سے بحث کی جاتی ہے جو ترکیبی حالت میں مراد لیے جاتے ہیں اور اس کے متعلقات کی توضیح کی جاتی ہے۔

تفسیر وتاویل میں بعض علما نے فرق بیان کیا ہے۔ بعض نے دونوں الفاظ کو مترادف قرار دیا ہے۔ بعض نے آیت کریمہ کے یقینی معنی کو تفسیر اور متردد معنی کو تاویل کہا ہے۔ بعض نے آیت کے معنی کو تفسیر اور اس معنی سے مترشح نتائج کو تاویل قرار دیا ہے۔ بعض نے انفرادی تشریح کو تفسیر اور چند اقوال کو تاویل کہا ہے لیکن حق یہ ہے کہ دونوں الفاظ میں حقیقی فرق نہیں ہے۔

علم تفسیر کا شرف ومرتبہ:...... قرآن کی نسبت جس چیز سے ہوئی ہے وہ چیز اشرف واعلیٰ ہو گئی۔ چنانچہ قرآن کلام اللہ ہے جو تمام کلاموں سے افضل، جس ہستی پر نازل ہوا وہ ہستی سید الانبیا جس امت کے لیے نازل ہوا وہ خیر الامم، جن لوگوں کے زمانے میں نازل ہوا وہ لوگ انبیا کے بعد افضل ترین کہلائے۔ جس زمانے میں قرآن نازل ہوا وہ زمانہ تمام زمانے سے افضل، جس جگہ نازل ہوا وہ جگہ روئے زمین میں سب جگہوں سے اعلیٰ، جس رات نازل ہوا وہ رات ہزار مہینوں سے افضل، جس ماہ میں نازل ہوا وہ ماہ تمام مہینوں کا سردار، حافظ قرآن آیات پڑھتا جائے گا اور جنت کے زینوں پر چڑھتا جائے گا۔ حامل قرآن یعنی عالم قرآن مرتبہ میں بنی اسرائیل کے انبیا جیسا ہے۔ فرق مرتبہ نبوت کا ہے۔ اس شرف ومرتبہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تمام علوم سے افضل علم، علم تفسیر ہے۔ چوں کہ علم تفسیر کا تعلق قرآن سے ہے۔

علامہ راغب اصفہانی نے مقدمۃ التفسیر میں نہایت خوبصورت بات لکھی ہے:

"افضل کام اور شغل جس میں انسان اپنے آپ کو کھپائے وہ قرآن کی تفسیر وتاویل ہے۔ یہ اس لیے کہ حقیقی مشغلے تین چیزوں سے اشرف واعلیٰ ہوتے ہیں یا تو مشغلے اپنے موضوع کے اعتبار سے اشرف ہوتے ہیں۔ چنانچہ اہل دنیا کہتے ہیں زرگری کا پیشہ چمڑا سازی (دباغت) سے افضل ہے۔ ظاہر ہے زرگری میں سونا وچاندی موضوع بنتے ہیں جو کہ چمڑے سے افضل ہیں۔

یا مشاغل اپنی صورت سے افضل بنتے ہیں، جیسے کہا جاتا ہے کہ تلوار سازی کا پیشہ بیڑی سازی سے افضل ہے۔

یا مشاغل اپنی اغراض وکمال سے افضل ہوتے ہیں، جیسے طب کا پیشہ جس کی غرض وغایت انسانی صحت ہے جب کہ طب جھاڑ ودینے اور صفائی کرنے کے پیشہ وشغل سے افضل ہے۔

جب یہ بات ثابت ہو چکی تو تفسیر کی افضلیت تین جہات سے ثابت ہوئیں۔ وہ یہ کہ مفسر کا موضوع کلام اللہ ہے جو کہ حکمت کا منبع اور فضائل کی معدن ہے۔ تفسیر کی صورت یہ ہے کہ کلام اللہ میں ودیعت کیے ہوئے اسرار ورموز کو عیاں کیا جاتا ہے تا کہ اہل دانش غور وفکر کریں اور تفسیر کی غرض عروہ وثقی کو مضبوطی سے تھامے رکھنا اور سعادت دارین حاصل کرنا ہے۔ اسی لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا جسے علم تفسیر کیا گیا اسے خیر کثیر مل گیا۔ (سورۃ البقرہ، آیت ۲۶۹)

مفسرین نے آیت میں حکمت سے مراد علم تفسیر لیا ہے۔

صفوۃ التفاسیر تعارف و اسلوب

مصنف نے تفسیر کے مختصر مقدمہ میں امورِ ثلاثہ کی مختصراً وضاحت کر دی ہے۔ اول یہ کہ کتاب کس فن میں تالیف کی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کتاب علم تفسیر کے موضوع پر ہے۔ دوم وجہ تسمیہ: یہ کہ یہ تفسیر مختلف تفاسیر کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔ سوم وجہ تالیف: وہ یہ کہ عصر حاضر میں سہل و آسان فہم اور مختصر تفسیر کی ضرورت محسوس کی گئی ہے۔ الحمدللہ! صفوۃ التفاسیر نے اس ضرورت کو پورا کر دیا ہے۔

خصوصیات: ...... ہر فن میں کئی کئی کتب تالیف کی جاتی ہیں۔ کسی ایک کتاب سے کما حقہ سیری حاصل نہیں ہوتی بلکہ تشنگی بڑھتی رہتی ہے۔ بالخصوص تفسیر کا تعلق کلام اللہ سے ہے اور قرآن مجید کلاسیکل کتاب ہے جس کی ہر دور میں اشد ضرورت ہے۔ جس طرح ہر زبان کا روزمرہ بدلتا ہے اور نئے اسلوب کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے، اسی طرح آئے روز کلام پاک کی تفسیر کی ضرورت محسوس ہوتی رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور کے علما نے تفسیر لکھی اور تفسیر پڑھائی۔ بعد میں آنے والے علما نے اپنے پیشرو علما کی تفاسیر پر تکیہ نہیں کیے رکھا۔ اس کا یہ مطلب تو قطعاً نہیں کہ سابقہ تفاسیر کی ضرورت ختم ہو جاتی ہے یا ان سے استفادہ بے معنی ہے۔ العیاذ باللہ۔ سابقہ تفاسیر کے بغیر تو کوئی مفسر بھی ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتا بلکہ مقصد یہ ہے کہ سابقہ کے ساتھ ساتھ ھل من مزید کی ضرورت ہے۔ چنانچہ

① ......صفوۃ التفاسیر مختصر ہے۔

② ......سہل اور آسان ہے۔ عصر حاضر کے روزمرہ کے محاورہ میں ہے۔

③ ......مختلف الاقوال تفسیر میں صرف ایک قول یا زیادہ سے زیادہ دو اقوال پر اکتفا کیا گیا ہے۔

④ ......آیات کا ربط و مناسبت بیان کیا گیا ہے۔

⑤ ......لغات کا مختصراً اور واضح بیان۔

⑥ ......سبب نزول۔

⑦ ......بلاغت کے اہم نکات واضح کر دیے گئے ہیں۔

⑧ ......فوائد و لطائف

اسلوب: ...... مصنف نے نہایت سہل و آسان اسلوب اختیار کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اختصار کو بھی ملحوظ رکھا ہے۔ چنانچہ مصنف نے سب سے پہلے سورت کا مختصر تعارف بیان کر دیا ہے جس سے سورت میں بیان کردہ مضامین سے واقفیت حاصل ہو جاتی ہے اور بنیادی مقاصد کی توضیح ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد آیات ذکر کی ہیں۔ اگر بڑی سورت ہے تو اس کے ایک رکوع سے دو رکوع تک آیات ذکر کی ہیں جن میں بیان کردہ موضوع و مضمون کی یکسانیت نمایاں ہو اور اگر چھوٹی سورت ہے تو پوری ذکر کر دی ہے۔ اس کے بعد مذکورہ آیات کا سابقہ آیات کے ساتھ ربط ذکر کر دیا ہے۔

مصنف نے ذکر ربط میں خاص خیال رکھا ہے کہ جو ربط نمایاں ہو وہی ذکر کیا ہے اور اس میں بے جا تکلف سے قطعی طور پر گریز کیا ہے۔

ربط و مناسبت کے بعد لغات کی توضیح کر دی ہے۔ لغات میں معنی مقصود، معنی مشہور و متداول پر اکتفا کیا ہے۔ طوالت سے مکمل گریز کیا ہے۔ لغات کے ذیل میں معنی مقصود کو زبان و بیان کے شواہد سے مبرھن کیا ہے اور جہاں ضرورت محسوس کی ہے بلغائے عرب کے اشعار سے استشہاد پیش کیا ہے۔

اس کے بعد آیات یا سورت کا سبب نزول بیان کیا ہے۔ اس میں بھی مصنف نے نہایت اعتدال اور شفافیت سے کام لیا ہے اور صرف ان ہی آیات اور سورتوں کا سبب نزول بیان کیا ہے جن کی روایات حد صحت کو پہنچتی ہوں۔ اس میں رطب و یابس اور ضعاف اسانید سے اجتناب کیا ہے۔

اگر احادیث سے کسی آیت یا سورت کے دو سبب نزول ثابت ہوتے ہیں تو وہ دونوں ذکر کر دیے ہیں۔

اس کے بعد مصنف نے آیات کی تفسیر بیان کی ہے۔ جیسا کہ مصنف نے اپنے مختصر مقدمہ میں خود اعتراف کیا ہے کہ اولاً کتب امہات التفسیر کا نہایت باریک بینی سے مطالعہ اور غور وخوض کیا ہے اور پھر آیت کی تفسیر لکھنے کو قلم اٹھایا ہے۔ بلاشبہ مصنف کا یہ دعویٰ حقیقت ہے۔ تفسیری مضامین کتب امہات تفسیر سے لیے ہیں۔ الفاظ وادائیگی مصنف کی ہے۔

مصنف نے شروع تا آخر عام فہم الفاظ ومحاوروں کا انتخاب کیا ہے اور اس میں مصنف کامیاب بھی رہا ہے۔

جن آیات کی تفسیر میں مختلف اقوال منقول ہوں ان میں رجحان کے اعتبار سے دو یا تین اقوال پر اکتفا کیا ہے اور تفسیر میں قدما کا حوالہ ساتھ ساتھ دیا ہے۔

احکام شرعیہ کی بے غبار اور مختصر وضاحت کر دی ہے۔ اختلاف ائمہ سے گریز کیا ہے۔ ہاں البتہ جہاں مصنف نے ضروری سمجھا وہاں اختلاف بھی ذکر کیا ہے۔

آیات کی تفسیر میں مصنف نے بھرپور ماخذ تفسیر کا سہارا لیا ہے۔ چنانچہ تفسیر القرآن بالقرآن، تفسیر القرآن بالاحادیث، تفسیر القرآن باقوال الصحابہ والتابعین والائمۃ اور تفسیر القرآن باشعار العرب سے اکثر وبیشتر کام لیا ہے۔

بلاشبہ مصنف نے نہایت شاندار اسلوب اختیار کیا ہے، جسے زبردست پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔ وللہ الحمد۔

آیات کی تفسیر کے بعد متعلقہ آیات میں نکات بلاغت کو مختصراً بیان کیا ہے۔ گو تفسیر کی بڑی کتب میں بلاغت کے نکات بیان کیے گئے ہیں بالخصوص کشاف کی اہم خصوصیت ہی یہی ہے۔ روح المعانی اور تفسیر کبیر میں بھی اصناف بلاغت کو ذکر کیا گیا ہے لیکن مستقلاً جداگانہ انداز سے عناوین کے تحت مصنف ہی کا خاصہ ہے۔

بلاغت کے بعد اگر آیات میں کوئی اہم فائدہ مصنف نے ذکر کرنا مناسب سمجھا ہے تو اسے ضرور ذکر کیا ہے۔ بسا اوقات دو دو اور تین تین بلکہ چار چار فوائد بھی اکٹھے ذکر کر دیے ہیں اور کہیں ایک فائدہ بھی ذکر نہیں کیا۔

مصنف کے ذکر کردہ فوائد کا من وجہ تفسیر سے تعلق جڑتا ہے، لیکن تفسیر کا وہ جزو نہیں ہوتے۔ اس لیے علیحدہ ذکر کر دیے ہیں۔

فوائد میں بسا اوقات کسی حدیث کا ذکر کر دیا ہے یا علما وحکما کے اقوال ذکر کر دیے ہیں۔ بسا اوقات صوفیا کے اقوال ذکر کیے ہیں۔ بسا اوقات علما کا اختلاف ذکر کر دیا ہے۔ بسا اوقات آیات مختلفہ میں ظاہراً دکھائی دینے والے تضاد اور اس کے دفعیہ کا ذکر ہے۔

بسا اوقات فوائد میں کوئی علمی بات بیان کر دی ہے اور کبھی کبھار ملحدین پر بھی رد کیا ہے۔

فائدہ کے بعد مصنف نے تنبیہ کا عنوان قائم کیا ہے۔ اس میں بھی مصنف نے اختصار کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور جہاں مناسب سمجھا وہاں تنبیہ ذکر کی۔ تنبیہ کے ذیل میں کہیں بظاہر آیات کے تعارض کا دفعیہ کیا ہے، کہیں اختلاف ائمہ کا ذکر ہے اور کہیں آیات پر ہونے والے شبہے کا ازالہ کیا ہے۔ کہیں کسی اہم مسئلے پر متنبہ کر دیا ہے، کہیں آیات کی تفسیر سے پیدا ہونے والے مغالطے کا دفعیہ کیا ہے۔ کہیں قرآنی اسرار ورموز کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کہیں اہم علمی نکتہ بیان کر دیا ہے اور کہیں حدیث ذکر کر دی ہے۔ کہیں دو آیات کے درمیان بظاہر دکھائی دینے والے تعارض کو رفع کیا ہے۔

ترجمہ تفسیر:.....قرآن مجید کا سب سے پہلے فارسی میں ترجمہ کیا گیا۔ انیسویں صدی کے شروع میں شاہ رفیع الدین اور شاہ عبد القادر نے قرآن مجید کا سب سے پہلے اردو ترجمہ کیا۔ اس کے بعد قرآن مجید کے اردو تراجم آہستہ آہستہ ہوتے رہے۔ اب قرآن مجید کے سب سے زیادہ تراجم اردو زبان میں ہیں۔ جہاں تک اردو تفاسیر کی بات ہے تو موضح البیان، تفسیر عثمانی، معارف القرآن، بیان القرآن اور کنز الایمان وغیرھا کو اساسی مقام حاصل ہے۔

چوں کہ یہ امر واضح ہے کہ قرآن مجید سرچشمۂ حیاۃ وہدایت ہے، تا قیامت اس کی ضرورت واہمیت انسانیت کے لیے ناگزیر ہے۔ سلسلہ وحی آنحضور ﷺ پر ختم ہو چکا اور قرآن مجید نے ابدی صحیفۂ ہدایت بن کر تمام کتب سماویہ کو منسوخ کر دیا ہے۔ روزمرہ سیاسی، سماجی، معاشرتی، معاشی

حوالے سے تبدیلیاں رونما ہورہی ہیں۔لوگ دین کی بنسبت بے دینی، الحاد اور لامذہبیت کی طرف مائل ہوتے جارہے ہیں بلکہ یوں کہیے کہ الحاد اور لبرل ازم نے مستقلاً ایک دین کی شکل اختیار کرلی ہے۔مذہب اور اہل مذہب پر آوازے کسی جارہی ہیں۔زمانے کی ترجیحات بدل رہی ہیں۔

چنانچہ ہر دور میں علما نے اصول تفسیر کو سامنے رکھتے ہوئے قرآن مجید کی تفسیر لکھی۔بعد کے آنے والے علما نے ایسا نہیں کیا کہ متقدمین کی تفاسیر پر اکتفا کرلیا ہو اور بس۔بلکہ متقدمین کی تفاسیر کو اصل اور بنیاد بنا کر متاخرین نے تفاسیر میں اضافہ کیا ہے، جس طرح فقہی مسائل میں جدت آرہی ہے۔بعینہ تفسیر بھی ہر آنے والے زمانے کی ضرورت ہے۔بیسویں صدی کے وسط میں بعض اہل علم سائنسی نظریات کو قرآنی آیات سے مدلل کرنے کے درپے ہوگئے تھے، اگرچہ انہیں اس روش سے باز رہنے کی تاکید بھی کی گئی لیکن انہوں نے اس کی ضرورت تو بہرحال سمجھی، تبھی قلم اٹھایا۔

اسی طرح تفسیر کشاف، بیضاوی اور تفسیر کبیر جیسی ضخیم علمی تفاسیر کو سمجھنا ہر کس وناکس کے بس کا روگ نہیں بلکہ تفاسیر کو سمجھنے کے لیے غیر معمولی علمی استعداد کی ضرورت ہے۔قرآن مجید کے ابتدائی اردو تراجم کے سمجھنے میں بھی دقت محسوس ہوتی ہے۔عصر حاضر کا نو تعلیم یافتہ طبقہ شاہ عبدالقادر کے اردو ترجمہ کو نہیں سمجھ سکتا۔اسی طرح شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کو سمجھنے میں بھی مشکل پڑتی ہے جب کہ آسان ترجمہ قرآن (از مفتی محمد تقی عثمانی) ہر اردو بولنے، پڑھنے اور لکھنے والے کے لیے سمجھنا نہایت آسان ہے۔علامہ صابونی نے اپنی تفسیر میں جس طرح سہل پسندی کا اسلوب اختیار کیا ہے اسی طرح ترجمہ میں بھی اسی اسلوب کو اختیار کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

قرآن مجید کے تراجم سے استفادہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے چند آیات کی تلاوت کی جائے، پھر نفس ترجمہ پڑھا جائے، پھر تفسیر پڑھی جائے۔اگر کوئی بات سمجھ نہ آتی ہو تو علماء کی طرف رجوع کیا جائے۔اچھا تو یہ ہے کہ کسی عالم کی نگرانی میں ترجمہ قرآن کا مطالعہ ہو۔صرف تراجم پر اکتفا کرلینے کو علما نے درست قرار نہیں دیا گویا ترجمہ کو عربی عبارت کے تحت پڑھا جائے۔

عصر حاضر میں لادینیت اور لامذہبیت کا رجحان بڑھتا جارہا ہے اور چند نئی چیزوں مثلاً انٹرنیٹ وغیرہ کے غلط استعمال نے جلتی پر تیل کا سا کام کیا ہے، جو کسر باقی رہی وہ مغرب زدہ میڈیا نے پوری کردی ہے۔دین اور اہل دین کو حقارت کی نظر سے دیکھا جارہا ہے۔اس غربت کے دور میں ہدایت کی تلاش بھی جاری ہے۔اسباب ہدایت مختلف ہیں۔کوئی ایک چیز بھی کسی وقت کسی کے لیے ذریعہ ہدایت بن سکتی ہے۔قرآن مجید ہدایت کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔بے شمار ایسے لوگ جو سیدھی راہ سے ہٹ گئے۔کوئی ایک قرآنی آیت ان پر اثر کرگئی اور وہ توبہ کرکے درجۂ ولایت تک جا پہنچے۔عزم پختہ ہو، نیت سچی ہو اور جستجو کا دامن ہاتھ میں ہو تو نور ہدایت مل ہی جاتا ہے۔

بڑھتی ہوئی لامذہبیت و الحاد اور لبرل ازم نے مستقلاً ایک دین کی صورت اختیار کرلی ہے۔ہماری نئی نسل اور نو تعلیم یافتہ افراد میں شعوری و غیر شعوری طور پر ناسور پھیلتا جارہا ہے۔ہر ایک کے پاس لامذہبیت کی تعلیم وتبلیغ کا سامان موجود ہے۔ویسے بھی انسان مادی مظاہر کی طرف بہت جلد متوجہ ہوتا ہے اور مادیت پرستی لامذہبیت کا پہلا زینہ ہے۔لامذہبیت جسے عربی میں علمانیہ اور انگریزی میں سیکولر ازم کہا جاتا ہے کا معنی تمام دنیوی امور کو دین سے جدا کرنا ہے۔لامذہبیت کی بنیاد اٹھارویں صدی میں یورپ اور مغرب میں رکھی گئی۔گویا اس زمانے میں کنیسہ کے خلاف یہ بغاوت تھی اور رفتہ رفتہ اس نے الگ ہی رنگ اختیار کرلیا اور ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔سیکولر ازم کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ سیاست، معاشرت، معاملات وغیرھا کو یکسر دین سے الگ کردیا جائے۔سیکولر ازم کے نزدیک دین میں وہ روح باقی نہیں رہی جو عصری ضروریات کو پوری کرسکے اور دین سے دنیا کا نظام مفلوج ہوتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ عیسائیت اور یہودیت میں جان باقی نہیں رہی اور نہ ہی یہ مذاہب عصری ضروریات کو پورا کرتے ہیں۔اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ اسلام کو بھی ان بوسیدہ مذاہب میں شامل کرلیا جائے۔اہل یورپ جو صدیوں سے وحشی چلے آرہے تھے جنہیں انسانیت کی شناسائی ہی نہیں تھی جن کی بود وباش اور تمدن جنگلی تھا۔انہوں نے گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں صدی عیسوی میں انسانیت، معاشرت، معاملات، مدنیت اور تہذیب اہل اسلام سے سیکھی۔جدید عمرانی نظریات مسلمانوں سے حاصل کیے، جدید سائنس کے اصول مسلمانوں سے لیے۔

لامذہبیت ہر سال نئے رنگ میں سامنے آتی ہے۔جو رنگ بھی ہو اس پر لامذہبیت کا جھنڈا نہیں لہرارہا ہوتا بلکہ اس کی سوچ، اس کی فکر اور اس کا

نظریہ لامذہبیت ہوتا ہے۔

چنانچہ عصرِ حاضر میں جس کلچر، جس تمدن کی سرِعام تشہیر کی جارہی ہے اور جس ادب کو پروان چڑھایا جارہا ہے، تعلیمی اداروں میں جو علوم پڑھائے جارہے ہیں اور جو انداز ہائے تدریس اپنائے جارہے ہیں اکثر لامذہبیت اور سیکولرازم کی طرف لے کر جانے والے ہیں۔

اس مختصر مقدمہ میں تفصیل کی گنجائش نہیں۔ صرف اشارات پر اکتفا کیا گیا ہے، تاہم اسلام کا پہلا زینہ عقائد ہیں جو پہلی فرصت ہی میں سیکولرازم اور لامذہبیت کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیتے ہیں۔ جب انسان لاالٰہ الا اللہ کا اقرار کرتا ہے وہ مادیت پرستی سے دستبرداری کا اعلان کرتا ہے۔ اس کی نظر آخرت اور دین پر مرکوز ہوجاتی ہے۔ وہ لامذہبیت کے تمام بتوں کو توڑ دیتا ہے۔ اسلام کے تمام ادیان کے لیے ناسخ ہونے کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ سابقہ ادیان عصر حاضر کی ضروریات کو پورا نہیں کرسکتے۔ یہ صلاحیت نہ صرف اسلام میں موجود ہے بلکہ علی وجہ الاتم اسلام میں پائی جاتی ہے اور مختلف ادوار میں اسلام نے اس کی مثالیں پیش کر کے ثابت بھی کیا ہے۔

قارئین کرام! قرآن مجید سیکولرازم، لامذہبیت اور الحاد کے آگے سدِّ سکندری ہے۔ قرآن کی تعلیم ہی انسانیت کو دین کی پاکیزگی کی طرف لاتی ہے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسائل بالخصوص معرکہ ایمان و مادیت میں جا بجا اس امر کا تذکرہ کیا ہے۔

مسلمانو! لامذہبیت کی لعنت سے جو چیز ہمیں بچاسکتی ہے وہ قرآنی علوم ہیں۔ وہ قرآن ہے۔ اگر ہم نے اس نسخۂ کیمیا کو ہاتھ سے چھوڑ دیا، پھر انسانیت اور حیوانیت میں کوئی فرق باقی نہیں رہے گا۔ مرحوم اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ایک صدی قبل یورپ کی مادیت پرستی کو بھانپ لیا تھا اور ان کی تباہی کی ان الفاظ میں پیش گوئی کی تھی۔

خبر ملی ہے خدایان بحر و بر سے مجھے
کہ فرنگ رہِ گزرِ سیل رواں میں ہے

علامہ موصوف نے اپنی تفسیر میں جا بجا لامذہبیت اور سیکولرازم پر رد کیا ہے اور اس لعنت سے بچنے کی تاکید کی ہے۔ اس لیے یہ تفسیر اس امر کی مقتضی ہے کہ اس کا نہ صرف اردو بلکہ ہر زبان میں ترجمہ کیا جائے۔

چند ضروری اصطلاحات

فصاحت و بلاغت:......فصاحت کا لغوی معنی بیان و ظہور کے ہیں۔ یہ لفظ کلمہ، کلام اور متکلم کی صفت بنتا ہے۔

کلمۂ فصیح:......ایسا کلمہ جو تنافر حروف، غرابت اور قیاس لغوی کی مخالفت سے خالی ہو۔ تنافر حروف ایسے وصف کو کہا جاتا ہے جس کی وجہ سے کلمے کا تلفظ ثقیل اور دشوار ہو۔ جیسے مستشزرات اور الھُعْخع۔ غرابت کا معنی ہے کہ لفظ اوپرا اور مجہول المعنی ہو۔ جیسے تَکَأْکَأْتُمْ۔ مخالفت قیاس لغوی کا معنی ہے کہ لفظ صرفی و لغوی قاعدہ کے مخالف ہو جیسے الأجلل۔

کلام فصیح:......وہ کلام جس کے تمام کلمات فصیح ہوں۔

متکلم فصیح:......جس کے اندر ایسا ملکہ ہو کہ اس کے سبب سے وہ اپنے مقصود کو فصیح الفاظ میں بیان کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔

بلاغت:......علم بلاغت اس علم کا نام ہے جس کے قواعد ملحوظ رکھنے سے مقتضائے حال کے مطابق کلام کرنے میں خطا واقع نہ ہو۔

مجاز عقلی:......فعل یا معنی فعل کی اسناد اس چیز کی طرف کرنا جس کے ساتھ حقیقت میں وہ متصف نہ ہو اور یہ اسناد کسی علاقہ کی وجہ سے ہو اور اس کا قرینہ موجود ہو۔ جیسے النھر جارٍ۔ جب کہ جاری تو پانی ہوتا ہے نہ کہ نہر۔

قصر:......ایک شئی دوسری شئی کے ساتھ ایک خاص طریقہ پر مخصوص کرنے کو قصر کہتے ہیں۔ جیسے لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔

استفہام وعید:......ایسا استفہام جو دھمکی کے معنی میں ہو جیسے أتفعل کذا۔

استفہام تعجب:......وہ استفہام جو تعجب کے معنی میں ہو جیسے مالی لا اری الھدھد۔

استفہام انکاری:......کے معنی توبیخ اور جھڑکنے کے ہیں۔ جیسے اتأتون الذکران۔

استفہام تشویق:......بمعنی شوق دلانا جیسے ھل أدلکم علی تجارۃ۔

استفہام تہکم:......بمعنی مذاق اڑانا۔ أَعَقْلُكَ یُسَوِّغُ لك أن تفعل کذا۔ کیا تمہاری عقل تمہیں اجازت دیتی ہے کہ تم ایسا کام کرو۔

استفہام تحیر:......جس میں حیرانی کا معنی ہو جیسے أیا منازل سلمٰی۔

استفہام تہویل:......جس میں ہولناکی کا معنی ہو جیسے من فرعون۔

تہدید:......جس میں دھمکی کا معنی ہو جیسے اعملوا ما شئتم۔

تعجیز:......جس میں عاجز کرنے کا معنی ہو جیسے فاتوا بسورۃ۔

ایجاز:......یہ کہ الفاظ معنی مقصود سے کم ہوں، لیکن کافی ہوں۔

ایجاز قصر:......یہ ہے کہ عبارت چھوٹی ہو اور معانی بہت ہوں اور اس میں عبارت حذف بھی نہ ہو، جیسے ولکم فی القصاص حیوٰۃ۔

ایجاز حذف:......یہ ہے کہ جس میں ایک یا ایک سے زائد کلمے یا جملے حذف ہوں اور اس حذف پر کوئی قرینہ موجود ہو۔ جیسے واسئل القریۃ ای واسئل اھل القریۃ۔

اطناب:......یہ کہ کسی فائدہ کے پیش نظر الفاظ معنی مقصود سے زائد ہوں، جیسے تنزل الملائکۃ والروح فیھا

جملۂ معترضہ:......کلام کے درمیان ایسا جملہ جس کا ترکیب کلام سے کوئی تعلق نہ ہو۔ جیسے ویجعلون للہ البنات سبحانہ ولھم ما یشتھون۔ میں سبحانہ جملہ معترضہ ہے۔

تکریر:......یعنی کلام کو مکرر لانا، جیسے کلا سوف تعلمون، ثم کلا سوف تعلمون۔

ذکر العام بعد الخاص:......یعنی خاص شے کو بیان کرنے کے بعد عام شئی کو بیان کرنا۔ جیسے رب اغفر لی ولوالدی ولمن دخل بیتی مؤمنا وللمؤمنین والمؤمنات۔

ذکر الخاص بعد العام:......یعنی عام شے کے بعد خاص شے کو بیان کرنا جیسے تنزل الملائکۃ والروح۔

مجاز:......کلام میں کوئی ایسا قرینہ موجود ہو جس سے معلوم ہو کہ یہاں معنی موضوع لہ مراد نہیں ہے۔

کنایہ:......یہ ہے کہ معنی غیر موضوع لہ مراد ہو مگر اس پر کوئی قرینہ نہ ہو۔

تشبیہ:......ایک شے کو دوسرے شے کے ساتھ کسی ایسی صفت میں لاحق کرنا جو دونوں میں پائی جاتی ہو تشبیہ کہلاتی ہے۔ جیسے زید کالأسد۔

ارکان تشبیہ:......ارکان تشبیہ چار ہیں۔ مشبہ وہ چیز جسے تشبیہ دی جارہی ہو۔ مشبہ بہ وہ چیز جس کے ساتھ کسی دوسری چیز کو تشبیہ دی جارہی ہو۔ اداۃِ تشبیہ وہ حرف جس کے ذریعے تشبیہ دیں، جیسے کاف وغیرہ۔

وجہ تشبیہ:......وہ وصف جس میں تشبیہ دی جائے۔ مثلاً بہادری۔

تمثیل:......وہ تشبیہ جس میں وجہ شبہ کئی چیزوں سے اخذ کی گئی ہو۔ مثلاً ثریا۔

مجاز مرسل:......ایسا کلام جس میں حقیقی معنی کے بجائے مجازی معنی مراد ہو جب کہ حقیقی اور مجازی معنی میں تشبیہ کے علاوہ کوئی اور علاقہ پایا جائے۔ جیسے اَمۡطَرَتِ السَّمَآءُ نباتًا۔ اس میں علاقہ سببیت کا ہے۔

استعارہ:......وہ مجاز ہے جس میں علاقہ تشبیہ کا ہو۔ استعارہ میں مشبہ کو مستعار لہ اور مشبہ بہ کو مستعار منہ اور وجہ شبہ کو وجہ جامع کہا جاتا ہے۔

استعارہ تحقیقیہ:......وہ استعارہ ہے جس میں مستعار لہ حسی یا عقلی طور پر متحقق ہو۔

استعارہ تخییلیہ:......وہ استعارہ ہے جس میں مستعار لہ کا تحقق حسی یا عقلی طور پر نہ ہوا ہو۔

استعارہ مصرحہ:......وہ استعارہ ہے جس میں لفظ مستعار منہ (مشبہ بہ) صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہو۔ جیسے اَمۡطَرَتۡ لؤلؤا من نرجس۔

استعارہ مکنیہ:......وہ استعارہ ہے کہ متکلم ایک کو دوسری چیز کے ساتھ اپنے دل ہی میں تشبیہ دے دے اور ارکان تشبیہ میں سے سوائے مشبہ (مستعار لہ) کے کچھ اور ذکر نہ کرے، لیکن مشبہ بہ (مستعار منہ) کے لوازم اور خصوصیات ذکر کرے۔ جیسے:

اذا المنیۃ انشبت اظفارھا الفیت کل تمیمۃ لا تنفع

کنایہ:......وہ لفظ ہے جس سے اس کا لازم معنی مراد لیا جائے اور اس کے ساتھ اس کے معنی ملزوم (اصل معنی) کا بھی مراد لینا درست ہو جیسے طویل النجاد۔

تعریض:......وہ کنایہ جس میں موصوف مذکور نہ ہو یا کلام سے ایک جانب اشارہ کرنا جب کہ مراد دوسری جانب ہو۔ جیسے کسی بڑے آدمی کے سامنے کہا جائے: خیر الناس من ینفع الناس۔

تلویح:......وہ کنایہ ہے جس میں واسطے بہت سارے ہوں جیسے کثیر الرماد مراد سخی آدمی ہے۔

محسنات بدیعیہ:......کلام کے اندر ایسی لفظی و معنوی خوبیاں جن سے لفظ و معنی میں حسن و جمال پیدا ہو۔

طباق:......ایسے دو لفظ جن کے معنی میں فی الجملہ تقابل اور ضد ہو۔

مقابلہ:......یہ ہے کہ دو یا دو سے زیادہ موافق معنی الفاظ لائے جائیں، پھر علی الترتیب ہر لفظ کا مقابل لایا جائے۔ جیسے فلیضحکوا قلیلا ولیبکوا کثیرًا

مراعاۃ النظیر:......یہ ہے کہ ایسے دو یا دو سے زیادہ امور کو ایک جگہ جمع کریں جو ایک دوسرے کے مناسب ہوں، لیکن یہ مناسبت تضاد کی نہ ہو۔ جیسے الشمس والقمر بحسبان۔

مشاکلت:......یہ ہے کہ ایک معنی کو اس لفظ سے ذکر کریں جو دوسرے معنی کے لیے موضوع ہو۔ اس مناسبت سے کہ دونوں ایک جگہ مذکور ہوئے ہیں، جیسے یمکرون ویمکر اللہ۔

توریہ:......ایک لفظ بولنا جس کا ایک قریبی معنی ہو اور ایک بعید معنی ہو۔ قریبی معنی فوراً ذہن میں آجائے لیکن مراد بعید معنی ہو، جیسے ہجرت کے

موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں فرمایا: رجل یهدینی السبیل۔ ایک صاحب ہیں جو مجھے راستہ دکھارہے ہیں۔

لف ونشر: ...... یہ کہ کلام میں پہلے کئی چیزیں ذکر کریں۔ یہ لف ہے پھر ان میں سے ہر ایک کی مناسبات اور متعلقات بلاتعیین بیان کریں یہ نشر ہے۔ جیسے ومن رحمته جعل لكم الليل والنهار لتسكنوا فيه ولتبتغوا من فضله

تجرید: ...... یہ ہے کہ ایک شے ذی صفت سے ایک اور شے ذی صفت اسی طرح نکالی جائے بقصد مبالغہ تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ پہلی شے اس صفت میں ایسی کامل ہے کہ اس سے ایک اور شے اسی طرح کی نکل سکتی ہے۔ جیسے لی من فلان صدیقٌ حمیمٌ۔

مبالغہ: ...... یہ ہے کہ کسی وصف (برائی یا بھلائی) کے بارے میں یہ دعویٰ کیا جائے کہ وہ زیادتی یا کمی، سختی یا نرمی میں اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ جو محال یا بعید از عقل ہے۔

حسن تعلیل: ...... یہ ہے کہ کسی وصف کے لیے مناسب علت کا دعویٰ کیا جائے۔ کسی ایسے لطیف اعتبار سے جو حقیقی نہ ہو۔

تجنیس: ...... یہ ہے کہ نطق میں دو لفظ مشابہ ہوں اور ان کے معنی جدا جدا ہوں۔ جیسے

لم نلق غيرك انسانا يلاذ به فلا برحت لعين الدهر انسانا

اس شعر کے پہلے مصرعہ میں انسان کا معنی بشر ہے جب کہ دوسرے مصرعہ میں انسان بمعنی آنکھ کی پتلی ہے۔

ردالعجز علی الصدر: ...... یہ ہے کہ جو لفظ کلام کے ابتدا میں ہو وہی لفظ یا اس کا مترادف یا اس کا ہم جنس کلام کے آخر میں لائیں۔ جیسے "وتخشى الناس والله احق ان تخشاه۔"

قلب: ...... یہ ہے کہ حرفوں کے الٹ دینے سے پھر وہی عبارت بن جائے جو پہلے تھی۔ جیسے ربك فكبر۔

تضمین: ...... یہ ہے کہ شاعر اپنے شعر میں دوسرے شاعر کے شعر کا کچھ حصہ ذکر کرے۔

تلمیح: ...... یہ ہے کہ متکلم اپنے کلام میں کسی آیت یا حدیث یا شعر یا قصہ یا کہاوت کی طرف اشارہ کرے۔ جیسے:

فوالله ما أدرى أحلام نائم ألمت بنا ام كان فى الركب يوشع

برأتِ استہلال: ...... یہ ہے کہ ابتدائے کلام میں ایسے الفاظ لائیں جو مقصود کے مناسب ہوں اور اس کی طرف اشارہ کرتے ہوں۔ جیسے قل هو الله احد۔

سجع: ...... نثر کی صورت میں آخری حرف میں دو فاصلوں کا موافق ہونا سجع کہلاتا ہے۔

عرضِ مدّعا

رئیس دارالاشاعت محترم خلیل اشرف عثمانی حفظہ اللہ کے ساتھ عرصہ چار سال سے اس امر پر مشاورت ہو رہی کہ کسی عربی تفسیر کا آسان اردو میں ترجمہ کر دیا جائے۔ روح المعانی اور تفسیر قرطبی جیسی مفصل تفاسیر کے متعلق بھی مشاورت ہوئی لیکن ان تفاسیر کا علمی انداز ترجمہ و ترجمانی کے متصادم نظر آیا۔ بالآخر سوچ و بچار کے بعد ہمارا اتفاق ''صفوۃ التفاسیر'' پر ہوا۔

چنانچہ اللہ کا نام لے کر کام شروع کر دیا گیا۔ یقیناً یہ کام مشکل تھا لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور رئیس دارالاشاعت کی ہمدردی اور ترغیبات نے قدم قدم پر ہمت افزائی کی۔ اسی عرصہ کے دوران کچھ صحت بھی خراب ہوگئی تھی جس کی وجہ سے دو دو، تین تین مہینے کام میں تعطل رہا۔ بالآخر کام بفضل اللہ تمام ہوا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے وہ کم ہے۔

مجھے اپنی علمی کم مائیگی کا اعتراف ہے اور بالخصوص تفسیر قرآن نہایت حساس امر ہے۔ حتی الامکان کوشش کی ہے کہ مصنف کی مراد اور مفہوم کو واضح اور آسان اسلوب میں اتار دیا جائے۔ میں اس میں کتنا کامیاب رہا؟ میں کچھ فیصلہ نہیں کر سکتا، تاہم جہاں بھی معنی اور مفہوم میں غلطی اور سہو ہو اس کا ذمہ دار بندہ ناچیز ہے اور اس سے مطلع کرنا قارئین کی علمی ذمہ داری ہے۔ ان شاء اللہ بندۂ ناچیز فراخدلی سے اسے قبول کرے گا۔

ترجمہ اور تفسیر سے ہمارا مقصد تجارت یا دنیا نہیں بلکہ محض آخرت کی کامیابی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرمائے اور ہم سب کے لیے ذریعہ نجات بنائے۔ آمین ثم آمین

بندۂ ناچیز

محمد یوسف تنولی

مطابق ۱۸ اپریل ۲۰۱۷

وضاحت:..... سورۂ فاتحہ و سورۂ بقرہ کی تفسیر و ترجمہ محترم جناب مولانا آصف نسیم صاحب نے کیا ہے۔ از ادارہ

مشاہیر علماء کرام کی اس تفسیر کے بارے میں آراء

جناب شیخ ''الجامع الازھر'' ڈاکٹر عبدالحلیم محمود کے کلمات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی أشرف المرسلین سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ ومن کن اتبع ھدیہ الی یوم الدین۔ امابعد!

مجھے میرے بھائی ''الاستاذ محمد علی الصابونی'' نے اپنی نئی تصنیف ''صفوۃ التفاسیر'' کے چند جز دکھلائے۔ (ان اوراق کو دیکھنے سے معلوم ہوا کہ) مؤلف موصوف نے اس تفسیر میں سہولت واختصار کے ساتھ صحیح آراء واقوال کو تلاش کر کے لکھا ہے، کسی بات کو اختیار کرنا آدمی کا ایک عقلی فیصلہ ہوتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مؤلف موصوف نے علم وبصیرت کے ساتھ اہم کتبِ تفسیر کی طرف رجوع کیا اور یہ خدا کی طرف سے انہیں اَز حَد توفیق تھی۔ مؤلف موصوف کی قرآن کے موضوع پر یہ کوئی پہلی کتاب نہیں، اس سے قبل یہ ''تفسیر ابن کثیر'' کا خلاصہ بھی تالیف کر چکے ہیں جو لوگوں کے لیے بے حد مفید ہے، کیوں کہ اس میں تمام مشکل باتوں کو حل کر دیا ہے اور ''روائع البیان فی تفسیر آیات الاحکام'' کے نام سے ایک اور مستقل تفسیر بھی تالیف کر چکے ہیں، جس میں صرف احکام (شرعیہ یعنی اَمر ونہی وغیرہ کے احکام) کی متعلقہ آیات کی تفسیر بیان کی گئی ہے، اس کتاب میں انہوں نے احکام کو بیان کرنے میں خود قرآن کریم کو سب سے پہلا مرجع وماخذ ٹھہرایا ہے اور اس سے قبل مولف موصوف نے ''البیان فی علوم القرآن''[1] کے عنوان سے ''علوم القرآن'' پر بھی ایک کتاب تالیف فرمائی ہے۔

مؤلف موصوف کی یہ تفسیر معلومات (دینیہ) کے پھولوں کا ایک نہایت عمدہ گلدستہ ہے اور تفسیرِ قرآن میں اسلاف رضوان اللہ علیہم اجمعین کے علوم کا نچوڑ ہونے کی وجہ سے سب کتابوں کا (گویا کہ) تاج ہے۔

ہم رب تعالیٰ سے توفیق مانگتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ رب تعالیٰ مؤلفِ موصوف کی اس کتاب کو بھی اور اس کے ذریعے دوسروں کو بھی راہِ ہدایت نصیب فرمائے۔ بے شک! وہ سننے والا، قریب اور (دعاؤں کو) قبول کرنے والا ہے۔

عبدالحلیم محمود
شیخ ''الجامع الازھر، مکۃ المکرمۃ
۲۷ صفر ۱۳۹۶ھ مطابق ۲۷ فروری ۱۹۷۶ء

[1] بندہ محمد آصف نسیم مترجم تفسیر ''صفوۃ التفسیر'' نے ''البیان'' کی ایک مختصر سی شرح لکھی ہے جو ''نسیم البیان'' کے نام سے ''المیزان'' لاہور سے طبع ہو چکی ہے۔ ''نسیم''

صدر سپریم کورٹ اور مسجد حرام کے مذہبی امور کے نگرانِ اعلیٰ

جناب ''شیخ عبداللہ بن حُمید'' کے کلمات:

الحمد للہ وحدہ۔ اما بعد!

الأخ فضیلت الاستاذ الشیخ محمد علی الصابونی مدرس ''جامعہ ملک عبدالعزیز'' کلیّۃ الشریعۃ والدراسات الاسلامیۃ' مکۃ المکرمۃ نے مجھے اپنی کتاب ''صِفوۃ التفاسیر'' کے بعض مقامات کو خود پڑھ کر سنایا اور پوری کتاب کے سننے کا وقت نہ تھا (وگرنہ میں یہ ساری ان سے ضرور سنتا) اس کے بعد انہوں نے مجھ سے اس کتاب پر تقریظ لکھنے کو طلب کیا۔ مؤلف موصوف نے یہ بہت عمدہ کتاب لکھی ہے اور جو میں نے سنا انہوں نے مجھے بہت فائدہ دیا۔ موصوف نے اس کتاب میں صحیح اور راجح اقوال وآرا کو خوب تلاش کر کے اور چن کے جمع کیا ہے اور اس تفسیر میں معقول ومنقول (ماثور)[1] دونوں کو اکٹھا کر دیا ہے۔

اس میں انہوں نے واضح اسلوب اور جدید سہل انداز اختیار کیا ہے۔ وہ ہر سورت سے پہلے اس کے بنیادی مقاصد کو بیان کرتے ہیں، کلمات کے معانی اوران کے [2] اشتقاق اور گزشتہ اور آئندہ آیات کے درمیان مناسبت کو بھی بیان کرتے ہیں، آیات کے سبب [3] نزول کو بھی بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد وہ آیات کو بغیر اعراب [4] لکھتے ہیں اور ان کی تفسیر بیان کرنا شروع کرتے ہیں، اس کے بعد وہ ان آیات سے متعلقہ فوائد کو بیان کرتے ہیں جن کا انہوں نے اپنی آیات سے استنباط [5] کیا ہوتا ہے، اس کے بعد بیان کی صورتیں اور بلاغت [6] کے نکات کو بیان کرتے ہیں۔

ہم رب تعالیٰ سے اپنے لیے اور علامہ موصوف کے لیے توفیق اور راستی کا اور اس بات کا سوال کرتے ہیں کہ وہ اس کتاب کے نفع کو عام کرلے اور مؤلف موصوف کی اس کاوش کا انہیں اجر دے۔ واللّٰہ الموفق وصلی اللّٰہ علی محمد وآلہ وصحبہ وسلم

عبداللہ بن حمید

صدر سپریم کورٹ۔ نگران اعلیٰ مذہبی اُمور ''مسجد حرام''

۷ ربیع الثانی ۱۳۹۷ھ

---

[1] اثر، ماثور، خبر منقول، سنت باقیہ، مروی حدیث (القاموس الوحید ص ۱۰۹) کسی چیز کا باقی ماندہ حصہ، نشان۔

اس کی اصطلاحی تعریف کی بابت تین اقوال ہیں: (i) یہ حدیث کا ہم معنی اور مترادف لفظ ہے اسی لیے محدث کو ''اثری'' بھی کہتے ہیں۔ (ii) صحابہ یا تابعین کی طرف منقول قول (iii) وہ چیز جس کی نسبت صحابہ کی طرف ہو'' (علوم الحدیث ص ۱۸۔۱۹) ''نسیم''

[2] اشتقاق: علم صرف میں اشتقاق کسی قاعدے کے تحت ایک لفظ سے دوسرا لفظ بنانے کو کہتے ہیں جیسی کَتَبَ ''فعل'' سے کَاتِبٌ ''اسم بنانا (القاموس الوحید ص ۸۷۸ کالم نمبر ۲) ''نسیم''۔

[3] سبب نزول: جن آیات کا نزول کسی خاص واقعہ کی وجہ سے یا کسی کے سوال کے جواب میں ہوا ہو، جسے ان آیتوں کا پس منظر کہنا چاہیے، یہ پس منظر مفسرین کی اصطلاح میں ''سبب نزول'' یا ''شانِ نزول'' کہلاتا ہے۔ (علوم القرآن ص ۲۷)

''آئمہ تفسیر کی اصطلاح میں قرآنِ کریم سے تعلق رکھنے والے ان واقعات کو ''اسبابِ نزول'' یا ''شان نزول'' کہا جاتا ہے جو بعض آیتوں کے نزول کے وقت پیش آئے۔ اسی طرح اَسباب نزول یا شانِ نزول میں وہ آیتیں بھی شامل ہیں جو کسی کے سوال وجواب میں نازل ہوئیں'' (نسیم البیان ص ۲۷ بحوالہ احسن البیان ج ۱ ص ۸۰) ''نسیم''

[4] اعراب، عربی زبان کے الفاظ کے آواخر میں لاحق ہونے والی تبدیلی جو پیش، زبر اور زیر اور جزم (سکون) کی شکل میں ہوتی ہے یا لفظ کے آخر کی حرکت کو اعراب کہتے ہیں۔ (القاموس الوحید میں ۱۰۶۲ کالم نمبر ۲) آسان لفظوں میں کسی بھی عربی لفظ کی حرکات وسکنات کو اعراب کہہ سکتے ہیں۔ واللہ اعلم ''نسیم''

[5] استنباط۔ کسی بات پر غور وفکر کر کے علت مشترکہ کی بنا پر کوئی نئی بات دریافت کرنا یا کسی مسئلہ سے نیا جزئیہ نکالنا استنباط کہلاتا ہے۔ (القاموس الوحید ص ۱۶۰۳ کالم نمبر ۲)

[6] بیان: جس سے کسی معاملہ یا صورت حال کا انکشاف ہو، فصیح کلام، فصاحت ووضاحت۔ (القاموس الوحید ص ۱۹۱ کالم نمبر ۱)

بلاغت: حسن بیان، زورِ بیان، فصاحت کے ساتھ کلام کا مقتضائے حال کے مطابق ہونا۔ (ص ۱۷۹ کالم نمبر ۳ حوالہ بالا)

''یہ مفردات الفاظ کا کلام میں غرابت، تنافرِ حروف اور مخالفت قیاس سے بری ہونا اور مجموعہ کلام کا ضعفِ تالیف، تنافرِ کلمات اور تعقیدِ لفظی ومعنوی سے بچنا ہے۔'' (نسیم البیان ص ۳۰۷۵ بحوالہ تفسیر حقانی ج ۱ مقدمہ ص ۱۴۳۔۱۴۴)

نَدوۃُ العلماء لکھنؤ ہند کے نگرانِ اعلیٰ

جناب شیخ ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے کلمات

الحمد للہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسّلام علی سیّد المرسلین محمد وآلہ وصحبہ أجمعین، اما بعد!

تالیفات اسلامیہ کے پہلے اَدوار میں مرّوجہ علمی رجحان کسی بھی موضوع پر تمام روایات اور اقوال کو جمع کرنے کا تھا اور تفسیر، حدیث، سیرت اور تاریخ کے موضوعات پر مؤلفین کی کتابیں گویا کہ (اپنے اپنے موضوع پر) ایک انسائیکلو پیڈیا (دائرۃ المعارف) تھیں، اگرچہ اس رجحان اور مرّوجہ اسلوب کے بڑے بڑے فوائد بھی تھے، مثلاً: اس عظیم علمی سرمائے کا ضائع ہونے سے محفوظ رہنا، اور قاری کا اپنے ذوق کے قریب اور موافق تر قول کے اختیار کرنے کی سہولت ہونا (وغیرہ کہ اس عظیم علمی ذخیرہ کے یہ دو بنیادی فوائد تھے) لیکن ان (ضخیم ترین کتب) نے ایک مشکل پیدا کر دی، خاص طور پر اس زمانہ میں، وہ یہ کہ ایک مبتدی اور متوسط استعداد کا طالب علم درستی کے قریب قول کے اختیار کرنے میں پریشانی کا شکار ہو جاتا ہے اور اس کا ذہن منتشر ہو جاتا ہے، وہ کسی ایک قول پر جمتا نہیں، اور وہ خود کو اقوال وآراء اور مذاہب ومسالک کے ایک گنجان جنگل میں پاتا ہے، اسی لیے ہر زمانہ کے (بعض) علما ان انسائیکلو پیڈیا طرز کی کتب کے خلاصہ اور جوہر کو پیش کرنے کے طریقہ کو اختیار کرنے کی طرف مائل ہونے لگے اور زیادہ مضبوط اور صحیح اقوال کو چھانٹ کر الگ دینے لگے۔ چنانچہ اس طرز پر لکھی جانے والی کتب کا بہت بڑا فائدہ تھا اور یہ علومِ دینیہ کے طلبا پر بہت بڑا احسان تھا۔

دوسری طرف وقت کی قلّت، ہمتوں کی کمزوری اور ذہنوں کے انتشار کی وجہ سے اس زمانہ کے لوگ اس طرز کی کتب کے زیادہ محتاج تھے، اسی لیے ہمارے فاضل دوست فضیلت الشیخ علامہ محمد علی الصابونی (زید مجدہم) کو ربِ تعالیٰ کی طرف سے ''صفوۃ التفاسیر'' کے نام سے ایک کتاب کی تالیف کی خدا کی طرف سے توفیق ملی، انہوں نے ''علم تفسیر'' کے طلبا پر اپنا بہت زیادہ قیمتی وقت خرچ کر کے ان پر یہ احسان کیا اور ان کے سامنے اپنے تفسیری لیکچرز اور اسباق کا خلاصہ اور نچوڑ رکھ دیا، ایسا ہی شخص کر سکتا ہے، جس کی معلومات اور تحقیقات کا دائرہ بہت وسیع ہو اور وہ حسن ذوق اور سلامتی طبع رکھنے کے ساتھ ساتھ فنِ تدریس کی خاطر خواہ مہارت بھی رکھتا ہو۔

علامہ موصوف اپنی اس کاوش پر طلبا کرام اور فنِ تفسیر کے ساتھ دلچسپی رکھنے والے حضرات کے شکریہ کے مستحق ہیں۔ رب تعالیٰ انہیں بہترین جزا دے اور اس پر انہیں اجر وثواب سے نوازے اور ان کی اس تفسیر کو قبول فرمائے۔ (آمین)

ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ
مکۃ المکرمۃ، ۹ ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ

ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف کے کلمات

وائس چانسلر ''ملک عبدالعزیز'' یونیورسٹی

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی عبدہ ورسولہ نبینا الامین محمد بن عبداللہ المبعوث رحمۃ للعالمین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

امابعد!

تلاش وجستجو کرنے والوں نے سب سے بہتر جوشی پیش کی ہے اور تالیف کرنے والوں نے سب سے اعلیٰ جو تالیف کیا ہے وہ قرآنِ عظیم اور اس کے جلیل القدر، روشن علوم کی خدمت میں ان کی تالیفات وتحقیقات ہیں۔ انسان کی شرافت اس پیغام خداوندی کی عزت وشرافت سے ہے جس کا بار اس نے اٹھایا ہے اور ان انتہائی کوششوں کی بدولت ہے جو وہ اس ربانی پیغام کی تحقیقات میں کرتا ہے اور کوئی جدوجہد علماء کی جہد کے برابر نہیں، کیوں کہ یہ ہر زمانہ اور ہر جگہ میں نور وضیا کی مشعلیں ہیں، اس لیے رب تعالیٰ نے ان کے رتبے بلند کیے ہیں اور اپنے اس ارشاد میں ان کی شان کو بلند کیا ہے، (ارشاد باری تعالیٰ ہے):

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۗ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٩﴾ (سورۃ الزمر، ۹)

''کہو بھلا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو نہیں رکھتے دونوں برابر ہو سکتے ہیں (؟) اور نصیحت تو وہی پکڑتے ہیں جو عقلمند ہیں۔''

استاذ برادرِ عزیز شیخ محمد علی صابونی (زید مجدہم) نے متعدد ماہر نقاد آئمہ مفسرین کی اہم کتب تفسیری ''کلیۃ الشریعۃ والدراسات الاسلامیۃ'' مکۃ المکرمہ کے علوم القرآن والتفسیر کے خلاصہ پیش کر کے ایک بڑا عظیم کام سرانجام دیا ہے تاکہ ان کی اس تالیف سے علما اور طلبا دونوں سہولت اور آسانی کے ساتھ فائدہ اٹھا سکیں۔ مؤلف موصوف کو یہ رب تعالیٰ کی طرف سے توفیق عطا ہوئی ہے، رب تعالیٰ نے انہیں تفاسیر کے خزانوں سے یہ قیمتی علوم ایک ہی کتاب میں پیش کرنے کی ہمت دی، جس کا نام ''صفوۃ التفاسیر'' ہے، تاکہ ''کتاب اللہ العزیز'' معانی وَمَفاہیم پر معلومات حاصل کرنے والوں کو سہولت ہو۔

میں رب تعالیٰ سے اس بات کا سوال کرتا ہوں کہ وہ مؤلف موصوف کو ان کی اس کوشش پر اجر وثواب سے نوازے، عام مسلمانوں کو اس سے نفع دے، اور ان سب کی طرف سے مؤلف موصوف کو بہترین جزائے خیر عطا فرمائے کہ رب تعالیٰ ہی اس بات کا والی وکارساز اور اس پر قادر ہے۔

واللہ من وراء القصد وھو الھادی الی سواء السبیل

ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف
وائس چانسلر ''ملک عبدالعزیز'' یونی ورسٹی جدہ
۱۵ صفر ۱۴۰۰ھ مطابق ۳ جنوری ۱۹۸۰ء

ڈین فکلیٹی آف ''کلیۃ الشریعۃ والدّراسات الاسلامیۃ'' مکۃ المکرمہ

جناب ڈاکٹر راشد بن راجح کے کلمات

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی أشرف الانبیاء والمرسلین سیدنا ونبینا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین

امابعد!

میں نے فضیلت الشیخ استاذِ فاضل شیخ محمد علی الصابونی کی کتاب ''صفوۃ التفاسیر'' دیکھی اور اس کے چند صفحات کا مطالعہ کیا، میں نے اس کو ایک نہایت عمدہ کتاب پایا جس نے آئمہ تفسیر کے اقوال کے خلاصہ کو لیا ہوا ہے، تاکہ طلبا کرام کو اس کتاب کا آسان اسلوب، سہل عبارتوں اور عمدہ وضاحتوں کی وجہ سے سمجھنا آسان ہوجائے۔ اس کے ساتھ ہی مؤلف موصوف نے لغت و بیان کی طرف بھی توجہ دی ہے، اس بنا پر یہ کتاب اس بات کی مستحق ہے کہ زیورِ نشر و طباعت سے آراستہ ہو، تاکہ اس نفع عام ہو۔

اللہ تعالیٰ مؤلف موصوف کو جزائے خیر عطا فرمائے اور عام مسلمانوں کو اس تالیف سے فائدہ پہنچائے۔ بے شک رب تعالیٰ اس بات کا والی و کارساز اور اس پر قادر ہے، ہمیں وہی کافی ہے اور وہی ہمارا بہتر کارساز ہے۔

اپنے مولا کے عفو و مغفرت کا محتاج

راشد بن راجح شریف

ڈین فیکلٹی آف ''کلیۃ الشریعۃ والدراسات الاسلامیۃ''

مکۃ المکرمہ، ۱۵ شوال ۱۳۹۶ھ

خطیبِ مسجد حرام

جناب فضیلت الشیخ عبداللہ خیاط صاحب کے کلمات

مجھے اس بات کی طرف رغبت تھی کہ طالب علموں کے لیے آسان طریقہ پر تفسیر قرآن ہونی چاہیے جس میں ان باتوں کا اجمال (اور خلاصہ) ہو جو معتبر کتب تفسیر میں بکھری پڑی ہیں اور وہ کتاب طالب علم کو ''مراجع مطوّلہ'' (طویل و ضخیم کتبِ مُراجعت) سے بے نیاز کردے اور وہ اسے لغتِ قرآن اور سببِ نزول کے بارے میں ایک واضح فکر دے اور اس پر قرآن کریم کے معانی کو آسان کردے، وہ کتاب اس کا زادِ راہ اور اثاثہ بنے، کتاب ''صفوۃ التفاسیر'' گویا کہ وہی گمشدہ متاع اور کڑا ہے، جس کی ڈھنڈیا پڑی ہوئی تھی (اور لوگ گویا کہ اسی کی تلاش میں تھے کہ جو ''صفوۃ التفاسیر'' کی صورت میں انہیں مل گئی) کیوں کہ مؤلف موصوف، فضیلت الشیخ محمد علی الصابونی نے اس کتاب میں ان سب باتوں کی طرف توجہ دی جن کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے اور وہ ہماری رغبت و ضرورت کو پورا کرتی ہیں۔

میں رب تعالیٰ سے اس بات کا سوال کرتا ہوں کہ وہ اس کتاب کو مفید بنائے، مؤلف موصوف کے اس محنت اور قربانی پر اس کو اجر دے۔ (آمین)

وصلی اللّٰہ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ

رب کا محتاج

عبداللہ خیّاط

خطیبِ مسجدِ حرام

۲۵ شوال ۱۳۹۰ھ

صدر شعبہ ''الدعوۃ واصول الدین'' کلیۃ الشریعۃ والدراسات الاسلامیہ مکۃ المکرمہ

جناب فضیلت الشیخ محمد الغزالی کے کلمات

الحمدللہ اھل التقویٰ والمغفرۃ والصلوٰۃ والسلام علی منار العلم والھدی فی الدنیا والآخرۃ۔

امابعد!

بے شک قرآنی ثقافت ایک ایسے قلم کی محتاج ہے جس کی عبارت سہل، ادائیگی میں سلاست، فنی اصطلاحات سے دور اور فلسفیانہ مباحث سے گریزاں ہو، اور اس کا زیادہ زور اس آسمانی عبارت کو واضح کر دینے اور کسی تکلّف والتوا کے بغیر عام لوگوں کو اس کے معانی ومطالب تک پہنچا دینے پر لگے۔

جناب محترم فضیلت الشیخ علامہ محمد علی الصابونی اس مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب رہے ہیں کہ انہوں نے قرآن کریم کی ایک نہایت آسان تفسیر لکھی ہے۔ آپ نے اپنی اس تفسیر میں آئمہ تفسیر کے ان اقوال کو جمع کیا ہے جو علم وادب کا خلاصہ ہیں، ان اقوال نے اس تفسیر کو حقائق ومعارف اور پر از حکمت باتوں سے لبریز کر دیا ہے۔

ہم نے اس کتاب میں یہ ملاحظہ کیا ہے کہ جناب الشیخ محمد علی الصابونی نے اسلاف کے اقوال اور اخلاف کے اجتہادات کو ملا کر ذکر کیا ہے۔ یعنی انہوں نے منقول اور معقول کو جمع کر دیا ہے۔ جیسا کہ اس کتاب کا مطالعہ کرنے والے کہتے ہیں۔ چنانچہ اس کتاب کا قاری (عقل ونقل) کے دونوں رنگوں کو اپنے سامنے پاتا ہے اور وہ ان دونوں طرزوں کے سب سے بہتر اقوال سے بہرہ مند ہوتا ہے۔

دوسری تفاسیر میں ہم اس بات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ وہ کبھی ایک طرف مائل ہو جاتی ہیں کہ یا تو ان میں بے حد اختصار ہے اور یا اتنی طوالت ہے جس کی عصرِ حاضر میں سکت نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ الشیخ محمد علی الصابونی (زید مجدہم) کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے اپنے علمی مسلک میں ان دونوں باتوں کی درمیانی راہ اختیار کی ہے۔

چنانچہ آپ نے بڑے مفید انداز میں اختصار کا طرز اختیار کیا ہے کہ دوسروں کی طرح بے حد طویل بھی نہیں کی اور نہ ہی اس میں مبالغہ سے کام لیا ہے اور بحث وتمحیص کے وقت جن احادیث اور علمی نظریات کا ذکر کرنا ضروری تھا ان میں اٹکل اور اندازے سے کام نہیں لیا۔ رب تعالیٰ اس کتاب کا (لوگوں کو) نفع دے اور سینوں کو اس کے لیے کھولے، اور مؤلف موصوف کو پوری امت کی طرف سے جزائے خیر عطا کرے۔

محمد الغزالی

صدر شعبہ ''الدعوۃ واصول الدین''

کلیۃ الشریعۃ والدراسات اور سلامیہ مکۃ المکرمہ

۶ ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مقدمہ

تمام تعریفیں اس اللہ کی ہیں جس نے متقین کے دلوں کو اپنی کتاب مبین کے نور سے منور کیا اور قرآن کریم کو دلوں کی بیماریوں کے لیے شفا بنایا اور اہلِ ایمان کے لیے رحمت و ہدایت بنایا اور صلوٰۃ وسلام ہو خاتم الانبیاء، اشرف المرسلین سیدنا محمد عربی نبی الامین پر جن کی ذات بابرکات کے فیض سے رب تعالیٰ نے ہماری اندھی آنکھوں کو بینا کیا، ہمارے بند کانوں کو کھولا اور دلوں پر سے غفلت کے پردے کھینچ دیے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی کی برکت سے لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قبروں میں سے اٹھائے جانے اور میدانِ محشر میں اکٹھا کیے جانے کے دن تک ہمیشہ صلوٰۃ وسلام ہو۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طیّب وطاہر آل اور اولاد پر اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہدایت یافتہ نیکوکار حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر بھی صلوٰۃ وسلام ہو اور ان پر بھی جو قیامت تک نیکی کے ساتھ ان کے (سچے) پیروکار ہوں گے۔ امابعد!

قرآن کریم ہمیشہ سے علوم ومعارف کا ایک گہرا سمندر رہا ہے، جو اس کے موتی اور گوہر حاصل کرنا چاہتا ہے اسے اس کی گہرائی میں اترنا ہوگا۔ قران کا فصاحت وبلاغت کے اساطین اور قادر الکلام علماء کو قیامت تک کے لیے اس بات کا چیلنج ہے کہ یہ ایک ''معجز کتاب'' ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اُتری ہے، جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صِدق کی شاہد اور گواہ ہے، یہ کتاب اپنی جلد کے دونوں پٹھوں کے درمیان اپنے کمال کی دلیل، اپنے اعجاز[1] کی نشانی، اور اس بات کی دلیل لیے ہوئے ہے کہ یہ حکیم وعلیم ذات کی اتاری ہوئی کتاب ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ﴿١٩٣﴾ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿١٩٤﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ﴿١٩٥﴾ (سورۃ الشعراء، ۱۹۳۔۱۹۵)

ترجمہ:...... ''اس کو امانت دار فرشتہ لے کر اترا ہے (یعنی اس نے) تمہارے دل پر (القا) کیا ہے تاکہ (لوگوں کو) نصیحت کرتے رہو (اور القا بھی) فصیح عربی زبان میں (کیا ہے)۔''

باوجود یہ کہ جلیل القدر کتاب قرآن کریم کی خدمت کرنے کے لیے علماء کرام نے بے شمار کتابیں لکھی ہیں جن سے ضخیم کتب کا ایک مستقل اسلامی کتب خانہ وجود میں آگیا ہے، لیکن پھر بھی قرآن کریم (ابھی تک) عجائبات سے لبریز، موتیوں اور جواہر سے لبالب باقی ہے۔ یہ قرآن وقتاً فوقتاً ہمیں ان موتیوں سے واقف کراتا رہتا ہے، جن سے عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں اور اہلِ فہم حیران اور انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں، کیوں کہ اس کتاب میں وہ قدسی فیوض، الٰہی روشنیاں اور نورانی خوشبوؤں کے جھونکے ہیں، جو انسانیت کے لیے بدبخت اور جہنم کی آگ میں سلگتی جھلستی زندگی کے لیے چھٹکارہ اور نجات کی ذمہ دار ہیں، ہر علم ختم ہو کر فنا ہو جائے سوائے ''علم تفسیر'' کے کہ یہ ہمیشہ ایک متلاطم اور اتھاہ سمندر بن کر زندہ رہے گی اور ان کے انتظار میں رہے گا جو اس کی گہرائیوں اور پنہائیوں میں اتر کر اس کے قیمتی خزانوں کو نکال لائیں اور اس کے نہایت عمدہ اور نفیس اسرار کو تلاش کر لائیں، علما کرام علم کے اس سمندر کے ساحل پر آکر اس کے چشمہ صافی سے (ان کے علوم کا آبِ حیات) پیتے رہیں، مگر سیراب نہ ہوں گے اور بھلا کون ایسا ہو سکتا ہے جو ربِّ ذوالجلال والاکرام کے اس کلام کا علمی احاطہ کر سکے اور اس کے بھیدوں کو جان سکے اور اس کے دقائق وحقائق تک رسائی حاصل کر سکے اور اس کی اعجاز نمائیوں تک پہنچ سکے اور پھر اپنے تئیں یہ گمان کر بیٹھے کہ میں نے قرآنِ کریم کے علوم کے حصول میں کمال حاصل کر لیا یا بہت حاصل کر لیا (کہ اس کو جتنا بھی حاصل کرتے جائیں گے وہ کم ہی ہوگا)۔

یہ ایک معجزہ نما کتاب ہے جو انسانیت کو اپنے ان علوم ومعارف اور بھیدوں اور حکمتوں سے نوازتی رہے گی جو ان کے اس ایمان ویقین کو بڑھاتی رہیں گی کہ یہ کتاب نبی اُمّی وعربی حضرت محمد بن عبداللہ صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ کا ایک ''دائمی معجزہ'' اور ربّ حکیم وحمید کی اتاری ہوئی ہے۔

جب مسلمانوں کو معاشی فکروں نے گھیر لیا، ان بڑی بڑی تفسیروں تک رسائی کے لیے ان کے پاس وقت تنگ ہو گیا جو ہمارے اسلاف رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ربّ تعالیٰ کی کتاب کی خدمت کے لیے لکھیں تھیں، جن میں انہوں نے اس کی آیات کی تفصیل ووضاحت کی، اس کی بلاغت کو ظاہر کیا، اس کی معجز نمائی کو واضح کیا، اور جس شریعت وتہذیب اور اخلاقی، تربیتی اور اصلاحی احکام پر یہ مشتمل تھی ان کو کھولا تھا، تو آج کے علما کی یہ ذمہ داری بنتی

---

[1] اعجاز: ''اعجاز قران سے مراد یہ ہے کہ اس کی نظیر پیش کرنا انسانی قدرت سے باہر ہے، اس وجہ سے اس کو سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ کہا جاتا ہے'' (علوم القرآن ص ۲۷۸)

''اعجاز، عربی زبان میں دوسرے کی طرف عجز کی نسبت کرنے کو کہتے ہیں اور معجزہ کو معجزہ اسی لیے کہتے ہیں کہ انسان اس کی مثل لانے سے قاصر ہوتا ہے۔

اعجاز قرآن کا مطلب ساری انسانیت کا ''فرد فرد کا، گروہ گروہ کا، اس کی مثل لانے سے عاجزی ثابت کرنا ہے'' (نسیم البیان شرح البیان فی علوم القرآن ص ۳۰۲) ''نسیم''

ہے کہ وہ لوگوں کے لیے قرآن کے سمجھنے کو آسان کرنے کے لیے اپنی کوششیں خرچ کریں، اس کے لیے ایسا واضح اسلوب اور عمدہ پیرائیہ بیان اختیار کریں، جو طوالت، (فنی) پیچیدگیوں اور (بیانی فصاحتوں اور بلاغتوں کے) تکلفات سے خالی ہو، اور قرآنِ کریم کے اعجاز اور بیان کی اس شان وشوکت اور حسن وجمال کو ظاہر اور واضح کریں جو عصرِ حاضر کی روح کے مناسب ہو اور آج کے اس مہذب وتعلیم یافتہ نوجوان کی (قرآنی تفسیر کو جاننے کی) ضرورت وحاجت کو پورا کرے جو قرآنِ کریم کے علوم ومعارف کا توشہ اکٹھا کرنے کی پیاس رکھتا ہے۔ میں نے اب تک اس طرز پر کوئی تفسیر نہیں دیکھی، باوجود یہ کہ ایک ایسی تفسیر کی ضرورت تھی اور لوگ نہ صرف یہ کہ اس کے بارے میں پوچھتے تھے، بلکہ اپنے شوق ورغبت کا اظہار بھی کرتے تھے، چنانچہ میں نے ایک ایسی تفسیر لکھنے کا عزم کرلیا (اور اس کے لیے کمر ہمت باندھ لی) حالاں کہ یہ ایک بڑا مشکل اور تھکا دینے والا کام تھا اور اس کے لیے کافی وقت کی بھی ضرورت تھی جو اس دور میں بڑی مشکل سے میسر آتا ہے، جس نے رب کریم سے مدد مانگی، اس پر بھروسہ کیا اور اس سے التجا کی کہ وہ مجھے اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے میں مدد دے اور مجھے ایسے طرز پر یہ تفسیر لکھنے کی توفیق دے، جو کتاب اللہ کی شان کے لائق ہو، جو مسلمانوں کو کتاب اللہ کی آیات سمجھنے میں مدد دے اور اس کے بیان وتفصیل سے اس کو وہ توشہ آخرت اکٹھا کرنے کی توفیق دے، جو ان کے ایمان ویقین کو بڑھائے اور اس کو اس نیک عمل کی راہ پر ڈالے جو اس کو رب تعالیٰ کی مرضیات کی توفیق نصیب کرے۔ میں نے اپنی اس کتاب کا نام ''صفوۃ التفاسیر'' رکھا ہے، کیوں کہ یہ اختصار وترتیب اور وضاحت وبیان کے ساتھ بڑی تفصیلی کتبِ تفسیر کے چشموں کو جامع ہے۔ بہر حال میں امید کرتا ہوں کہ یہ کتاب اسم بامسمی ثابت ہو، امت اسلامیہ کو اس سے نفع حاصل ہو، اور یہ کتاب ان کے سامنے صراط مستقیم اور سیدھے راستہ کو واضح کرے۔

میں نے اپنی اس تفسیر میں مندرجہ ذیل طرز واسلوب اختیار کیا ہے:

① ......سورت کا تعارف: اس میں اس سورت کا اجمالی بیان اور اس کے بنیادی مقاصد کی وضاحت ہوتی ہے۔

② ......گزشتہ اور آئندہ آیات میں مناسبت ③ ......لغوی اشتقاق اور اس کی دوسری عربی مثالوں سمیت لغت کا بیان۔

④ ......سببِ نزول۔ ⑤ ......تفسیر ⑥ ...... بلاغت ⑦ ......فوائد ولطائف[1]

اس تفسیر کو لکھنے میں مجھے پانچ سال لگ گئے، میں نے اس کی تکمیل میں دن رات ایک کردیا، میں اس میں کوئی بات اس وقت تک نہ لکھتا جب تک کہ میں معتبر اہم کتبِ تفسیر کا مطالعہ نہ کرلیتا، اس میں صحیح اور راجح قول کو اختیار کرنے میں پوری باریکی سے چھان بین کرتا۔ میں ربّ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں کہ اس نے میرے لیے یہ کام آسان کردیا۔ میرا یہ گمان ہوگیا کہ جیسا وقت کو میرے لیے لپیٹ دیا گیا ہے، یہ سب کی سب اس خدا کے گھر کی برکات ہیں جس کے پڑوس کی رب تعالیٰ نے مجھے عزت وشرافت بخش رکھی ہے۔ رب تعالیٰ نے مجھے اس نعمت سے ۱۳۸۱ھ سے نواز رکھا ہے کہ میں ۱۳۸۱ھ سے ''کلیۃ الشریعۃ والدراسات الاسلامیہ'' مکۃ المکرمہ میں تدریس کررہا ہوں۔ میں رب تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ میری خطاؤں کی اصلاح کرے، روزِ قیامت مجھے اس کا اجر وثواب عطا کرے، میں نے یہ تفسیر محض رب کی رضا کے حصول کے لیے لکھی ہے، میں رب تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ وہ میرے اس عمل کو خالص اپنے لیے ٹھہرالے، اور اس کو روز قیامت میرے لیے ذخیرہ بنالے۔ اور میں ان پڑھنے والوں سے جنہیں اس سے کسی بھی طرح کا فائدہ پہنچا ہے، اس بات کی امید کرتا ہوں کہ وہ اپنی ان نیک دعاؤں میں میرا حصہ بھی رکھیں گے جو قیامت کے دن مجھے کام آئے۔[2]

وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم تسلیمًا

رب غفور کی رحمت ومغفرت کا محتاج

محمد علی الصابونی
الاستاذ ''کلیۃ الشریعۃ والدراسات الاسلامیہ''
مکۃ المکرمہ مُلک عبدالعزیز یونیورسٹی، یکم ذی الحجہ ۱۳۹۹ھ

[1] لطائف: یہ لطیفہ کی جمع ہے، لطیفہ کسی خوشگوار نکتہ، دلچسپ بات اور کسی بات کے باریک اور عمدہ پہلو کو کہتے ہیں۔ (القاموس الوحید ص ۱۴۷۳ کالم نمبر ۲ بتصرف)

[2] بندہ ''محمد آصف نسیم'' مترجم ''صفوۃ التفسیر'' کی بھی اس کے اردو ترجمہ پڑھنے والوں سے یہی التجا ہے۔

سورۂ فاتحہ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

ترجمہ:...... "میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں شیطان مردود سے"۔

اِستعاذہ[1] کی تفسیر:...... استعاذہ کا معنی ہے کہ میں سرکش نافرمان شیطان کے شر سے رب تعالیٰ کی جناب میں اس بات سے پناہ اور حفاظت چاہتا ہوں کہ وہ میری دین یا دنیا کو نقصان پہنچائے یا مجھے رب کے احکام کی تعمیل سے روکے اور میں شیطان کے وسوسوں، چوکوں اور شرارتوں سے خالق سمیع و علیم کی پناہ چاہتا ہوں، کیوں کہ شیطان کو اللہ رب العالمین ہی انسان سے دور رکھ سکتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو (تہجد کی نماز ادا کرنے کے لیے) کھڑے ہوتے تھے تو اپنی نماز کو تکبیر کے ساتھ شروع فرماتے پھر یہ (کلماتِ طیبات) پڑھتے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَ نَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ (ترمذی، نسائی، ابوداؤد)

ترجمہ:...... "میں اللہ سمیع و علیم کی شیطان مردود سے اس کے جوکے، اس کے (مجھے پھونک مار کر) مغرور بنا دینے اور اس کی (مجھے نافرمانیوں پر آمادہ کرنے کے لیے میرے جی میں) پھونکیں مارنے سے پناہ چاہتا ہوں"۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ترجمہ:...... "شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے"۔

بسم اللہ کی تفسیر:...... اس کا معنی یہ ہے کہ میں ہر بات سے پہلے اللہ کے نام اور ان کے ذکر سے اپنے تمام اُمور میں اللہ جل جلالہ کی مدد چاہتے ہوئے اور اسے ایک اکیلے خدا کی مدد مانگتے ہوئے ابتدا کرتا ہوں، کیوں کہ وہی (ہمارا) پروردگار، عبادت کے لائق، جود و کرم والا، وسیع رحمت والا اور اس بڑے فضل و احسان والا ہے جس کی رحمت نے ہر شی کو گھیر رکھا ہے اور جس کا فضل ساری مخلوقات پر عام ہے۔

تنبیہ:...... رب تعالیٰ نے "سورہ توبہ" کے سوا "سورہ فاتحہ" اور سب سورتوں کو "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" سے شروع کیا تا کہ مسلمانوں کی اس بات کی طرف رہنمائی کرے کہ وہ اپنے تمام اقوال و افعال کو رب تعالیٰ سے مدد و توفیق مانگتے ہوئے "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" سے شروع کریں اور ان بت پرستوں کی مخالفت کریں جو اپنے کاموں کو اپنے (جھوٹے) خداؤں اور طاغوتوں کے نام سے شروع کرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں، کہ "میں لات، عُزّیٰ یا ھُبل یا قوم قبیلہ[2] کے نام سے شروع کرتا ہوں"۔

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، رب ذوالجلال نے "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" کو ذکر کیا اس میں رب تعالیٰ نے اپنے نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا ادب سکھلایا کہ وہ اپنے تمام افعال سے پہلے رب تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ کو ذکر کریں اور اس کو ساری مخلوق کے لیے سنت ٹھہرایا جس کی وہ اتباع اور پیروی کریں، چنانچہ کسی سورت کی تلاوت سے پہلے کسی کا "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" پڑھنا یہ بتلاتا ہے کہ اس کی یہ مراد ہے کہ "میں اللہ تعالیٰ کا نام لے کر تلاوت شروع کرتا ہوں"، یہی حکم باقی تمام افعال کا بھی ہے۔

(جامع البیان۔ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ)

---

[1] استعاذہ: پناہ لینا، پناہ چاہنا، حفاظت میں آنا۔ (القاموس الوحید ص ۱۴۰ کالم نمبر ۱)

[2] قوم پرستی بھی ایک طاغوت ہے واللہ اعلم "نسیم"

سورۂ فاتحہ کی تفسیر

سورت کا تعارف:...... یہ مکی سورت ہے اور اس کی سات آیات ہونے پر (سب علما کرام کا) اجماع ہے۔ اس کا نام ''فاتحہ'' اس لیے ہے کہ رب تعالیٰ کی کتاب عزیز کا افتتاح اور ابتدا اس سورت سے ہوتی ہے کیوں کہ ترتیب کے اعتبار سے یہ قرآن کریم کی پہلی سورت ہے نا کہ نزول کے اعتبار سے۔ [1] یہ سورت اختصار وایجاز کے باوجود قران کریم کے معانی کو لیے ہوئے ہے اور یہ اجمالی طور پر قرآن کریم کے اساسی مقاصد پر مشتمل ہے یہ سورت دین کے اصول وفروع، عقیدہ، عبادت اور تشریع، آخرت پر اعتقاد، رب تعالیٰ کی صفات حسنیٰ پر ایمان، ایک اکیلے اللہ کے ہی عبادت واستعانت کے مستحق ہونے اور دین حق اور صراط مستقیم کی رب ذوالجلال سے ہدایت طلب کرنے اور اس سے دعا مانگنے، پختہ ایمان کے ساتھ اسی کے آگے رونے اور گڑگڑانے، نیکوکاروں کی راہ پر جمنے اور گمراہوں اور رب کے غصے کے شکار لوگوں کی راہ سے بچنے کے مضامین کو شامل ہے۔ اس

---

[1] قرآن کریم کی ترتیب نزولی اور موجودہ ترتیب کے بارے میں حضرت علامہ مفتی تقی عثانی دامت برکاتہم نے ''علوم القرآن'' میں بڑی دلچسپ تفصیل لکھی ہے، ہم ذیل میں اس کا خلاصہ اپنے الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

''قرآن کریم اس وقت جس ترتیب کے ساتھ موجود ہے نبی کریم ﷺ پر اس ترتیب کے ساتھ اترا نہ تھا، نزول کی ترتیب ضرورت اور حالات کے مطابق تھی، لیکن ہر آیت کے نزول کے وقت آپ ﷺ کاتبین وحی کو بتلا دیتے تھے کہ اس آیت کو کہاں درج کرنا ہے چنانچہ وہ آپ ﷺ کے بتلائے ہوئے مقام پر درج کر دی جاتی تھی۔

یوں قرآن کی موجودہ ترتیب تو تشکیل پاتی گئی مگر نزول کی ترتیب کو یاد رکھنے کی نہ تو نبی کریم ﷺ نے کوشش فرمائی اور نہ ہی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہی پوری طرح یاد رہی۔ لہٰذا قرآن کے نزول کی تکمیل کے بعد لوگوں کو پوری ترتیب نزول یاد نہ رہی۔ البتہ بعض سورتوں اور آیتوں کی جزوی نزولی ترتیب ضرور یاد رہی۔ اسی لیے پورے قرآن کو نزولی ترتیب کے ساتھ بیان کرنا یقینی نہیں بلکہ نہایت مشکل کام ہے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاتقان'' میں اگرچہ ترتیب نزول کو بیان کرنے اور متعین کرنے کی کوشش کی ہے، مگر وہ بھی سورتوں کے مکی یا مدنی ہونے کو متعین کرنے کے سوا ترتیب نزول کی تفصیلات کو بیان کرنے سے قاصر ہے۔

پھر اس میدان میں ماضی قریب میں مستشرقین نے قدم رکھا اس کی وجہ ان کی ایک مخصوص ذہنیت تھی، نا کہ قران کریم کی کوئی علمی خدمت اور وہ اس بات کو ثابت کرنے کی نامسعود کوشش تھی کہ ''قرآن ابھی تک غیر مرتب ہے۔''

اس نامعقول قافلہ کا سالار تو ''نولڈیکی'' مشہور جرمن مستشرق تھا، پھر اس کے پیچھے ولیم میور، اور جے، ایم راڈیل مغربی مستشرقین نے قدم اٹھایا۔ مگر انہوں نے ''نولڈیکی'' کے مفروضات سے آگے قدم نہ بڑھایا۔ اس کے بعد بیسویں صدی کے آغاز میں ''ہارٹ وگ ہرشیفلڈ''، ''رچرڈ بیل'' اور مشہور فرانسیسی مستشرق ''ریجس بلاشیر'' نے سورتوں اور آیتوں تک کی تاریخی ونزولی ترتیب کو متعین کرنے کی کوشش کر کے مغربی دنیا میں کافی نام کمایا۔

ان کی دیکھا دیکھی بعض مسلمان بھی اس میدان میں اتر آئے، مگر ہماری نظر میں اس موضوع پر اپنی کوششیں ایک غیر یقینی کام میں صرف کے مترادف ہیں، کیوں کہ خود ان مستشرقین کے متعین کردہ نتائج زیادہ تر ان کے قیاسات تھی نا کہ اصولی نتائج، اسی لیے خود ان میں بھی باہم ترتیب کی تعیین وتفصیل میں اختلاف رہا، اسی لیے بسیار کوشش کے باوجود ان قیاسات سے استفادہ کرنا خاصہ مشکل کام ہے۔ ان مستشرقین نے ان کوششوں کے درپردہ دراصل قرآن کو ایک مفروضہ اور خیالی دلیل بلکہ خلاف واقع دلیل کے ذریعہ غیر مرتب ثابت کرنا چاہا تھا۔ (معاذ اللہ!) یہ لوگ اس ترتیب کو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ترتیب باور کرواتے ہیں جو تاریخی اور ترتیبی نزول سے بے نیاز تھی اور یہ (اسلام دشمن) بزعم خویش قران کے اس نقص کو اپنی ایماندارنہ کوششوں کو صرف کر کے دور کرنا چاہتے ہیں۔'' اعاذنا اللہ من شرھم ومن شر الشیاطین''

''نور خدا ہے کفر کی حرکتوں پہ خندہ زن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا''

فتح الباری ج ۹ ص ۱۸ میں بحوالہ سنن اربعہ ومسند احمد وغیرہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے صراحۃً مروی ہے کہ ''نبی کریم ﷺ پر جب کوئی وحی نازل ہوتی تھی تو آپ ﷺ کاتبین وحی کو ساتھ ہی یہ بھی بتا دیتے تھے کہ یہ آیت فلاں سورت میں فلاں آیت کے بعد لکھی جائے۔'' (فتح الباری ج ۹ ص ۱۸)

آیات کی ترتیب میں تو سب کا اجماع ہے کہ اس کی ترتیب خود نبی کریم ﷺ نے ہی متعین فرمادی تھی البتہ سورتوں کی ترتیب کے بارے میں اہل علم کے دو اقوال ہیں: بعض نے اس کو بھی بذریعہ وحی بلسان نبوت قرار دیا ہے اور بعض کے خیال میں یہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجتہاد تھا۔

اس بارے میں زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ بعض سورتوں کی ترتیب تو بذریعہ وحی ہی ہے، البتہ بعض سورتوں مثلاً: سورۂ توبہ وغیرہ کے بارے میں کسی صریح ہدایت کے نہ ہونے کی وجہ سے اس کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے اجتہاد کے ساتھ سورۂ انفال کے بعد رکھ دیا۔ واللہ اعلم۔ (علوم القرآن ص ۶۹ ۔ ۷۲ ملخصاً وبتصرف) ''نسیم''

سورت میں گزشتوں اُمتوں کے قصوں کی خبر اور سعادت مندوں کے مقامات اور بدبختوں کے ٹھکانوں کی اطلاع ہے۔ اس میں رب تعالیٰ کے امر و نہی کے ذریعے اس کی عبادت کرنے کا بیان ہے، اس کے علاوہ دیگر کئی (اصولی و اساسی) مقاصد، اغراض اور اہداف ہیں (جو غور کرنے سے سمجھ میں آتے ہیں)۔ باقی دوسری سورتوں کی نسبت سورۂ فاتحہ "ام" (جڑ اور اصل) ہے اسی لیے اس سورت کو "اُمّ الکتاب" کہتے ہیں کیوں کہ یہ قرآن کریم کے تمام اساسی مقاصد کو جمع کیے ہوئے ہے۔

سورۂ فاتحہ کی فضیلت:...... مسند احمد میں روایت ہے کہ "حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور امّ القرآن (سورۂ فاتحہ) کی تلاوت کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اس جیسی سورت نازل نہیں ہوئی، نہ تو تورات میں، نہ انجیل میں، نہ زبور میں اور نہ بقیہ قرآن میں ہے یہ "سبع مثانی" (ہے) اور قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا کیا گیا ہے۔" (مسند احمد)

اس حدیث میں سورہ حجر کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾ (سورۃ الحجر، ۸۷)

ترجمہ:...... "اور ہم نے تم کو سات (آیتیں) جو (نماز میں) دہرا کر پڑھی جاتی ہیں (یعنی سورۃ الحمد) اور عظمت والا قرآن عطا فرمایا ہے۔"

صحیح بخاری میں مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسعید بن معلیٰ رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ:

"میں تمہیں قرآن کریم کی سب سے بڑی (یعنی سب افضل) سورت سکھلاتا ہوں اور "الحمد للہ رب العالمین" ہے جو "سبع مثانی"[۱] ہے اور عظمت والا قرآن ہے جو مجھے عطا کیا گیا ہے۔ (بخاری)

سورۂ فاتحہ کے نام:...... سورۂ فاتحہ کے (متعدد) نام (ہیں جن میں سے چند ایک یہ) ہیں "فاتحہ، ام الکتاب، سبع مثانی، شافیہ، وافیہ، کافیہ، اَساس اور حمد"۔ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بارہ نام گنوائے ہیں۔

اٰيَاتُهَا ۷ سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ (۱) (۵) رُكُوْعَاتُهَا ۱

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱﴾ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۲﴾ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۳﴾ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴿۴﴾ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۵﴾ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴿۷﴾

ترجمہ:...... "سب طرح کی تعریف خدا ہی کو (سزاوار) ہے جو تمام مخلوقات کا پروردگار ہے، بڑا مہربان نہایت رحم والا، انصاف کے دن کا حاکم، (اے پروردگار!) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں، ہم کو سیدھے راستے پر چلا، ان لوگوں کے راستے پر جن پر تو اپنا فضل و کرم کرتا رہا، نہ ان کے جن پر غصے ہوتا رہا اور نہ گمراہوں کے۔"

لغت:...... "اَلْحَمْدُ" یہ محبت کے ساتھ ملی ہوئی تعظیم و تکریم کے طور پر کی جانے والی ثنائے جمیل کو کہتے ہیں یہ "ذَم" (یعنی مذمت اور بُرائی بیان کرنے) کی نقیض اور "شُکر" (کے مفہوم و معنی) سے عام ہے کیوں کہ "شکر" یہ نعمت کے بالمقابل ہوتا ہے بخلاف "حمد" کے (کہ وہ نعمت کے

---

[۱] سبع مثانی "سبع کا معنی سات ہے" مثانی یہ مثنیٰ کی جمع ہے جو مبالغہ کے لیے ہے اور اس کا معنی ہے "دہرانا"۔

یعنی سورۂ فاتحہ کی یہ سات آیتیں جو نماز میں بار بار دہرا کر پڑھی جاتی ہیں یہ عظیم مضامین کو جامع ہونے کی وجہ سے اس قابل ہیں کہ ان کے دیے جانے کو قرآن دیے جانے کے مترادف قرار دیا جائے، اسی عظمت کی وجہ سے اس کو "ام القرآن" کہا جاتا ہے۔ (بیان القرآن ج ۶ ص ۳۲۔ ۳۳ بالتسہیل) "نسیم"

(مذکورہ بالا دونوں حدیثوں اور سورۂ حجر کی آیت میں) سورۂ فاتحہ کو قرآن عظیم کہنے میں اس طرف اشارہ ہے سورۂ فاتحہ میں سب اصول اسلام مذکور ہونے کی وجہ سے ایک حیثیت سے یہ پورا قرآن عظیم ہی ہے۔" (معارف القرآن ج ۵ ص ۳۱۳) "نسیم"

اور سورۂ فاتحہ کے روزانہ متعدد بار نماز پنجگانہ میں دہرائے جانے کی وجہ سے اس کو "مثانی" (دہرا دہرا کر پڑھی جانے والی سورت) کہا جاتا ہے۔ واللہ اعلم "نسیم"

بالمقابل نہیں ہوتی)۔

لِلّٰهِ یہ اس ذاتِ مقدس کا مخصوص نام ہے جس (کے مصداق) میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "اللہ" یہ ربِ تعالیٰ کا سب سے بڑا اور سب سے جامع نام ہے، یہ اس وجود برحق کا نام ہے جو اُلوھیّت کی صفات کو جامع، صفات رَبوبیّت سے مُتصف اور وجودِ حقیقی کے ساتھ یکتا ہے کہ جس کی ذات پاک کے سوا کوئی دوسرا عبادت کا مستحق نہیں۔

رَبِّ یہ تربیت سے مشتق ہے اور یہ دوسرے کے احوال کی اصلاح اور اس کے معاملات کی رعایت کرنے کا نام ہے۔ علامہ [1] ہروی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو کسی شئ کی اصلاح کر لے اور اس کو تکمیل تک پہنچائے تو اس کو "قَدْ رَبَّه" (اس نے دوسرے کی تربیت کی) کہتے ہیں، اسی سے لفظ "رَبَّانِيُّون" ہے کیوں کہ وہ لوگ کتب (سماوی) کو قائم کرتے تھے۔ (تفسیر قرطبی ج۱ ص ۱۳۲)

لفظ رب کا متعدد معانی پر اِطلاق ہوتا ہے یہ مالک، معبود، مصلح، سید (آقا) اور مطاع (مقتدا، قابل اقتدا) پر بولا جاتا ہے۔

الْعٰلَمِيْنَ یہ عالَم کی جمع ہے۔ یہ [2] اسم جنس ہے جس کی واحد اسی لفظ سے نہیں آتی جیسے لفظ "رَهط" قوم مشہور نحوی اور لغوی عالم امام اور [3] فراء کہتے ہیں کہ قبیلہ کہ لفظ عالَم اور رھط میں اگرچہ جمع کا مفہوم ہے مگر اسی لفظ سے ان کی واحد نہیں آتی) اور لفظ عالَم جن وانس اور ملائکہ وشیاطین سب کو شامل ہے۔ یہ لفظ "علامت" سے مشتق ہے کیوں کہ یہ عالم (اس کے) خالق جل جلالہ کے وجود پر علامت ہے۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (رب ذوالجلال کی) دو صفتیں ہیں جو لفظِ "رحمت" سے مشتق ہیں اور کبھی ان دونوں میں الگ الگ معانی کی رعایت بھی کی جاتی ہے۔ چنانچہ لفظ "رَحْمٰن" عظیم رحمت والے کے معنی میں ہے کیوں کہ (عِلمِ صرف میں) "فَعْلان" کا وزن کسی شئ کی کثرت وعظمت پر دلالت کرنے کے لیے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ لیکن اس میں اس معنی کے دَوام اور ہمیشگی پر دلالت نہیں جیسے لفظ "غضبان" اور "سکران" (غصہ والا اور نشہ والا کہ ان دونوں لفظوں میں ہمیشہ غصہ اور نشہ میں ہونے کے معنی پر دلالت نہیں) اور لفظ "رَحِيْم" "دائمی رحمت والا" ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ کیوں کہ "فَعِيْل" کا صیغہ دائمی صفات (پر اطلاق کرنے) کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے "كَرِيْم" (ہمیشہ کرم کرنے والا) اور "ظَرِيْف" (ہمیشہ خوش اسلوب رہنے والا) گویا کہ (الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کا معنی) عظیم رحمت والا اور ہمیشہ فضل واحسان کرنے والا ہے۔

(کشف المعانی۔ تفسیر ابن جماعہ)

امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "رَحْمٰنِ" یہ اس وسیع رحمت والے کا نام ہے جس کی رحمت ساری مخلوق کی روزی اور ان کی مصلحتوں کو وسیع ہے، اور یہ رحمت مؤمن اور کافر ہر دو کو عام ہے اور لفظ "رحیم" (میں رحمت کا معنی) صرف مومن کے ساتھ خاص ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿۴۳﴾ (الاحزاب۔ ۴۳) "اور خدا مؤمنوں پر مہربان ہے۔"

الدِّيْنِ اس کا معنی بدلہ اور جزاء ہے اسی معنی میں یہ حدیث ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] یہ خراسان کے شیخ ابو اسماعیل عبداللہ ھروی حنبلی (ت ۴۸۱ھ/۱۰۸۹ء) ہیں جو اپنے عہد کے جلیل القدر صوفی، مؤرخ اور محدث تھے۔ آپ نے متعدد کتب لکھیں، ان میں "منازل السائرین"، "ذم الکلام واھلہ" اور "طبقات الصوفیہ" ہیں۔ (المنجد العربی الآعلام ص ۵۹۵ کالم نمبر ۳) نسیم۔

[2] یہ مشہور لغوی امام ابوزکریا یحییٰ دیلمی کوفی (۱۶۱ھ۔ ۸۲۲ھ) ہیں جو امام کسائی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں اور مامون الرشید کے بیٹوں کے استاذ واتالیق تھے۔ کوفہ میں پیدا ہوئے اور (غالباً سفرِ حج کے دوران) مکہ کی راہ میں اس دارفانی سے کوچ کر گئے۔

"الحدود"، "معانی القرآن"، "المقصور والممدود" اور "المذکر والمونث" آپ کی مشہور کتب ہیں۔" (ص ۴۰۷ کالم نمبر ۲۔ ۳) حوالہ بالا۔ نسیم۔

[3] اسم جنس۔ یہ وہ اسم ہے جس کے اجزاء ایک دوسرے کے مشابہ ہوں وراس کا اطلاق قلیل وکثیر دونوں پر ہو" (شرح جامی۔ عربی کا معلم وغیرہ) "نسیم"۔

[4] یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بھائی زید بن خطاب رضی اللہ عنہ کی اولاد سے مشہور محدث، فقیہ اور لغوی امام ابوسلیمان محمد خطابی رحمۃ اللہ علیہ (۹۳۱۔ ۹۹۸ھ) ہیں جن کا تعلق "بُست" سے تھا۔ ابوداؤد کی مشہور شرح "معالم السنن" اور "بیان اعجاز القرآن" آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ (المنجد العربی الاعلام ص ۲۳۲ کالم نمبر ۱) نسیم۔

"كَمَا تَدِيْنُ تُدَانُ" "جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔"

یعنی جیسا تم فعل کرو گے ویسا ہی بدلہ دیا جاؤ گے۔

"نَعْبُدُ" امام زمخشری[1] کہتے ہیں، عبادت ذلت وعاجزی کی آخری حد کو کہتے ہیں، اسی لیے لفظ عبادت کو فقط رب تعالیٰ کے حضور عاجزی وذلت کے اختیار کرنے میں استعمال کیا جاتا ہے کیوں کہ وہ عظیم نعمتوں کا مالک ہمارا وَالی ومولی ہے اسی لیے وہ ہی انتہائی ذلت وعاجزی کے لائق وسزاوار ہے۔" (الکشاف۔ ج۱ ص ۱۱)

الصِّرَاط اس کا معنی راستہ ہے اور دراصل یہ لفظ "سین" کے ساتھ ہے (نا کہ "ص" سے)۔ یہ "الِاسْتِرَاط" سے ہے جس کا معنی نگل جانا ہے گویا کہ راستہ چلنے والے کو نگل رہا ہوتا ہے۔ شاعر کہتا ہے:

شحنّا ارضهم بالخيل حتّى ترکنا هم اَذَلَّ مِنَ الصِّرَاط

"ہم نے ان کی زمین کو گھوڑوں سے بھر دیا (ہماری فوج کی اتنی کثرت دیکھ کر انہیں ہتھیار ڈالنے کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا) حتیٰ کہ (جب) ہم نے انہیں چھوڑا (تو) وہ "راستہ" سے بھی زیادہ (ہموار اور) فرمانبردار تھے (کہ جیسے راہ کسی کے آگے سر نہیں اٹھاتا اسی طرح وہ بھی ہمارے آگے سرنگوں تھے۔)"

"الْمُسْتَقِيْمَ" یہ وہ راستہ ہے جس میں کجی اور اِنحراف نہ ہو۔

"آمین" یعنی اے خدا ہماری اس (مذکورہ بالا) دعا کو قبول فرما۔ کلمۂ آمین کے قرآن کریم کا جزو نہ ہونے پر علما کرام کا اجماع ہے۔

حمد وثنا کی تعلیم

تفسیر: ......رب تعالیٰ نے ہمیں یہ سکھلایا ہے کہ ہم اس کی وہ تعریف وتقدیس اور حمد وثنا کیسے بیان کریں جس کا وہ اہل ہے چنانچہ رب تعالیٰ نے فرمایا: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" یعنی اے میرے بندو! جب تم میری حمد وثناء اور شکر ادا کرنا چاہو تو کہو "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" میں نے تمہارے ساتھ جو فضل واحسان اور اچھا سلوک کیا ہے اس پر میرا شکر ادا کرو۔ میں اللہ ہوں، عظمت، بڑائی اور شان وشوکت میری ہے۔ میں اکیلا ہی (تمام مخلوق کی) خلق (و پیدائش) اور (عدم سے اس کی) ایجاد کرنے والا ہوں۔ میں جن وانس، ملائکہ اور زمینوں اور آسمانوں کا پروردگار ہوں۔ پس شکر وثناء اسی اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے نا کہ رب کے سوا ان (جھوٹے) معبودوں کی ہے جو (بلا دلیل) پوجے جا رہے ہیں۔

"الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" یعنی وہ ذات جس کی رحمت ہر شئی کو وسیع اور حاوی ہے۔ اور سب انسانوں پر اس نے تخلیق، رزق اور دارین کی سعادت کی ہدایت کا اپنا فضل عام کیا ہے۔ پس وہ رب جلیل عظیم رحمت اور دائمی احسان والا ہے۔

"مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" یعنی وہ پاک ذات جزا وسزا اور حساب وکتاب کی مالک ہے۔ وہی انصاف کے دن (یعنی قیامت کے دن) پر اس طرح تصرف کرنے والا ہے جیسے کوئی مالک اپنی مِلک میں تصرف کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ۭ وَالْاَمْرُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ﴿١٩﴾ (الانفطار:۱۹)

ترجمہ: ......"کہ جس روز کوئی کسی کا کچھ بھلا نہ کر سکے گا اور حکم اس روز خدا ہی کا ہوگا۔"

---

[1] یہ اپنے وقت کے لغت، نحو، بیان اور تفسیر کے امام ابو القاسم محمود زمخشری (۱۰۷۵ – ۱۱۴۴ء) ہیں خوارزم کے گاؤں زمخشر میں پیدا ہوئے۔ ایک عرصہ تک مکہ میں مقیم رہے۔ متعدد علاقوں کا سفر کیا پھر جرجانیہ چلے آئے اور وہیں انتقال کر گئے معتزلہ سے متاثر تھے اور متصوفین کا بھرپور رد کرتے تھے۔
ان کی مشہور کتب میں قرآن کریم کی تفسیر "الکشاف"، "اساس البلاغة"، "المفصل" "الفائق" (فی غریب الحدیث)، "اطواق الذہب" اور "نوابغ الکلم" ہیں۔ (المنجد العربی الاعلام ص ۲۸۰ کالم نمبر ۱) "نسیم"

اِیَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡنُ: یعنی اے اللہ! ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ کو ہی عبادت کے لیے خاص کرتے ہیں اور خاص تجھ سے ہی مدد طلب کرتے ہیں۔ تیرے سوا کسی کی عبادت نہ کریں گے۔ صرف تیرے ہی آگے ذلت و عاجزی اختیار کریں، جھکیں گے، اور پستی وانکساری اختیار کریں گے۔ تو ہی ہمارا پروردگار ہے، اپنی اطاعت و فرمانبرداری اور مرضیات پر ہماری مدد فرما۔ ہر قسم کی تعظیم و اجلال کا تو ہی مستحق وسزاوار ہے۔ تیرے سوا کسی میں ہماری مدد کرنے کی قدرت و طاقت نہیں۔

"اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ" یعنی اے رب! ہماری سیدھی راہ اور حق دین کی طرف ہدایت و رہنمائی فرما اور ہمیں اس اسلام پر ثابت قدم فرما جس کے ساتھ تو نے اپنے نبیوں اور رسولوں کو بھیجا اور خاتم الرسل (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو (بھی) یہ (دین) اسلام دے کر بھیجا۔ ہمیں ان لوگوں میں سے بنا جو مقربین (بارگاہ الٰہی) کی راہ پر چلے۔

"صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ" یعنی ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے اپنے جود و کرم اور انعام و اکرام کا فضل فرمایا، جو انبیا کرام علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں۔ اور یہ کتنے اچھے (راہ دین، ہدایت اور آخرت کے) رفقاء ہیں۔

"غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ" یعنی اے اللہ! ہمیں سیدھی راہ سے بھٹکنے والے اپنے ان دشمنوں میں سے نہ بنا، جو تیرے غصہ کا شکار یہود اور گم کردہ راہ نصاریٰ ہیں، جو کج راہ پر چلے اور تیری شریعت قدسیہ سے بھٹک کر تیرے غضب اور ابدی لعنت کے مستحق ٹھہرے۔ (اللھم آمین)

بلاغت: ①...... اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ یہ جملہ لفظوں کے اعتبار سے خبریہ ہے اور معنی کے اعتبار سے انشائیہ ہے یعنی (اس کا مطلب یہ ہے کہ) "تم لوگ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ کہو" اور یہ حمد کی صرف رب تعالیٰ کے لیے بیان کرنے کا فائدہ دیتا ہے۔ جیسا کہ عربوں کا قول ہے: "الکرم فی العرب" (کریمی عربوں میں ہے، کہ یہ جملہ بھی بظاہر خبریہ ہے لیکن معنوی طور پر انشائیہ ہے یعنی "تم لوگ کہو کہ" کریمی عربوں میں ہے۔")

②...... اِیَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡنُ میں غیب کے صیغوں سے خطاب کے صیغوں کی طرف اِلتفات ہے کہ اگر کلام (اپنی گزشتہ) اصل پر جاری رہتا تو رب تعالیٰ (یوں) فرماتے: اِیَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡنُ (ہم اس کی ہی عبادت کرتے ہیں اور اس سے مدد چاہتے ہیں) اور (دوسرے نحوی ترکیب کے اعتبار سے) مفعول بہ کو فعل سے پہلے لے آنے سے "قصر"[1] کا فائدہ ہوا یعنی "ہم تیرے سوا کسی کی عبادت نہ کریں گے"۔

جیسا کہ اس ارشاد باری تعالیٰ میں (مفعول بہ کو مقدم کرنے میں قصر کا فائدہ حاصل کیا گیا) ہے۔

وَاِیَّایَ فَارۡهَبُوۡنِ "اور مجھ سے ڈرتے رہو۔" (البقرہ۔۴۰)

①...... علامہ ابوحیان[2] غرناطی رحمۃ اللہ علیہ (اپنی شہرۂ آفاق تفسیر) "البحر المحیط" میں لکھتے ہیں، اس سورتِ کریمہ میں فصاحت و بلاغت کی کئی اقسام ہیں:

پہلی:...... اس میں افتتاح (و ابتداء) کا حسن (اور عمدگی) اور آغاز کا کمال ہے۔

دوسری:...... "الِ"[3] استغراق کے ذریعے (رب تعالیٰ کی) حمد و ثنا میں مبالغہ کا فائدہ ہے۔

---

[1] نحوی ترکیب کے اعتبار سے مفعول بہ فعل کا معمول ہوتا ہے جو فعل کے بعد ہی ذکر کیا جاتا ہے اس کو فعل سے مقدم لا کر معنوی فوائد حاصل کیے جاتے ہیں۔ یہاں قصر کا فائدہ حاصل کیا گیا ہے قصر کہتے ہیں کسی شئی کو کسی چیز تک محدود کرنا۔ گویا کہ یوں کہا گیا کہ "ہم اپنے مدد مانگنے اور عبادت کرنے کو اے خدا تیری ذات تک ہی محدود کرتے ہیں اور تیرے علاوہ کسی اور سے نہ مدد مانگیں گے اور نہ ان کی عبادت کریں گے فقط۔ واللہ اعلم۔

(قصر کے معنی کے لیے دیکھیں "القاموس الوحید ص ۱۳۱۸ کالم نمبر ۲)" "نسیم"۔

[2] ابوحیان غرناطی (۱۲۵۶ء - ۱۳۴۴ء) اندلس کی مشہور لغوی ہیں۔ غرناطہ میں پیدا ہوئے اور قاہرہ میں انتقال فرما گئے۔ "منھج السالك فی الکلام علی الفیۃ بن مالك" اور "الادراك للسان الاتراك" کے علاوہ قرآن کریم کی شہرہ آفاق تفسیر "البحر المحیط" آپ کی مشہور تصانیف ہیں" (المنجد العربی الاعلام ص ۱۸ کالم نمبر ۱)" "نسیم"

[3] الف اور لام اسم کے شروع میں داخل ہو کر مختلف معانی کو ادا کرتے ہیں جن میں سے ایک معنی "استغراق" کا بھی ہے۔ استغراق، کا معنی احاطہ کرنا، چاروں طرف سے گھیر لینا اور کل کا لے لینا ہے۔ (القاموس الوحید ص ۱۱۶۴ کالم نمبر ۱) استغراق کا اصطلاحی معنی یہ ہے کہ "یہ وہ الف لام ہے جس کے مدخول سے تمام افراد مراد ہوں" (فصول اکبری۔ رسالہ لامیہ، شرح جامی وغیرھا)۔ اب یہاں الف لام کے "الحمد" پر استغراق کے لیے ہونے کا یہ مطلب ہے کہ "اس سے حمد کے تمام افراد مراد ہیں۔ یعنی ہر قسم کی اور سب کی سب تعریفیں رب تعالیٰ کے لیے ہی ہیں۔" فقط واللہ اعلم۔ نسیم۔

تیسری:......اس میں خطاب کی "تلوین"[1] ہے کیوں کہ اس کا صیغہ تو خبر کا ہے (جو غائب کے معنی کے لیے ہوتا ہے) اور اس کا معنی[2] "امر" (جو حاضر کے معنی کے لیے ہوتا ہے) یعنی (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کا معنی) "تم اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہو" ہے۔

چوتھی:......اس میں "اختصاص" ہے۔ جیسا کہ لفظ "لِلّٰهِ" میں (یعنی تعریف اللہ ہی کے ساتھ خاص ہے اور وہی اس کا مستحق ہے)۔

پانچویں:......اس میں "حذف"[3] ہے۔ جیسے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ سے لفظ "صِرَاط" حذف کیا گیا ہے کہ تقدیری عبارت ہے غَيْرِ صِرَاطِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ (یعنی "نہ ان کے راستہ پر جن پر تو غصے ہوتا رہا اور نہ گمراہوں کے راستہ پر)۔

چھٹی:......اس میں تقدیم و تاخیر ہے (یعنی فعل اور مفعول بہ کو اپنے اپنے ترکیبی مقامات سے ہٹا کر آگے پیچھے کیا گیا ہے) جیسے "اِيَّاكَ نَعْبُدُ" میں (کہ مفعول بہ کو مقدم اور فعل کو موخر[4] کیا گیا ہے)

ساتویں:......اس میں ابہام کے بعد تصریح ہے (یعنی پوشیدگی اور پیچیدگی کے بعد وضاحت و صراحت ہے) جیسے مثلاً پہلے "الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" (مبہم) کہا پھر "صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" کہہ کر اس کی تفسیر بیان کی (کہ سیدھی راہ وہ ہے جس پر رب کے انعام یافتہ لوگ چلے)۔

آٹھویں:......اس میں التفات ہے جیسے "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" میں۔

نویں:......اس میں کسی شئی کا طلب کرنا ہے۔ اس سے مراد اس کے دَوام و اِستمرار (اور ہمیشگی) کو مانگنا ہے جیسے "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ" میں کہ (اس میں ہدایت کی راہ کا دوام اور استمرار طلب کیا گیا ہے، یعنی) ہمیں اس پر بھی دے۔

دسویں:......اس میں سجع[5] متوازی ہے، جیسے "الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" اور "الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" میں اور "نَسْتَعِيْنُ" اور "الضَّآلِّيْنَ" میں۔

(البحر المحید ج۱ ص ۳۱)

"اللہ" ذاتِ باری تعالیٰ کی مقدس ذات جلیل کا خاص نام ہے

فوائد: پہلا فائدہ:......لفظ "اللہ" اور "الٰہ" میں فرق ہے۔ لفظ "اللہ" ذاتِ باری تعالیٰ کی مقدس ذات جلیل کا خاص نام ہے (جس کو نحوی اصطلاح میں "عَلَمْ"[6] کہتے ہیں) جس کا معنی "معبودِ برحق" کا ہے۔ جب کہ "الٰہ" کا معنی مطلق معبود کا ہے خواہ وہ سچا معبود ہو یا جھوٹا۔ اسی لیے لفظ الٰہ کو رب تعالیٰ اور دوسری ذاتوں دونوں پر بولا جاتا ہے۔

دوسرا فائدہ:......"نَعْبُدُ" اور "نَسْتَعِيْنُ"، جمع متکلم کے صیغے لائے گئے ہیں اور "اِيَّاكَ اَعْبُدُ" اور "اِيَّاكَ اَسْتَعِيْنُ" واحد متکلم کے صیغے نہیں لائے گئے، اس میں گویا کہ بندے کا اس بات کا اعتراف ہے کہ میں مَلِک الملوک (ربِ ذوالجلال) کی بارگاہ میں کھڑا ہونے سے قاصر ہوں گویا کہ

---

[1] "تلوین" کہتے ہیں "کلام میں ایک اسلوب سے دوسرے اسلوب کی طرف منتقل ہونے" کو۔ (القاموس الوحید ص ۱۶۱۲ کالم نمبر ۱)
یہاں غائب کے معنی کے اسلوب سے خطاب کے معنی کے اسلوب کی طرف منتقل ہوا گیا ہے۔ "واللہ اعلم" (نسیم)

[2] خبر کسی بات کے ہونے یا کرنے کے بتلانے کو کہتے ہیں اور امر کسی بات کے کرنے یا ہونے کے طلب کرنے کو کہتے ہیں۔" (دیکھیں "تیسر المبتدی۔ نحومیر، شرح جامی وغیرہ)۔ (نسیم)

[3] حذف عبارت سے کسی لفظ کے کم کرنے، ہٹانے اور قلم زد کرنے کو کہتے ہیں، (ص ۳۲۱۔ ۳۲۲ حوالہ بالا)۔ (نسیم)

[4] نحوی ترکیب کے اعتبار سے فعل پہلے ذکر کیا جاتا ہے اور اس کے دیگر تمام متعلقات مثلاً فاعل، کسی بھی قسم کا مفعول اور جار مجرور وغیرہ کو فعل کے بعد ذکر کیا جاتا ہے۔ لیکن کبھی ان کی نشستیں اور مقامات کو خاص خاص معنوی فوائد کو حاصل کرنے کے لیے بدل دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا آیت میں کہ یہاں حصر اور قصر کے معنی کا فائدہ حاصل کیا گیا ہے۔ قصر کا معنی گذشتہ میں بیان کر دیا گیا ہے۔ "نسیم"

[5] سجع وہ نثری کلام ہے، جس کے جملوں کی آخری حرفوں پر حرکت اور سکون کی یکسانیت ملحوظ ہو۔
اور یہ وہ قافیہ بند کلام ہے، جس میں وزن شعری کا لحاظ نہ ہو۔ (القاموس الوحید ص ۷۴۵ کالم نمبر ۳)۔ (نسیم)

[6] علَم نحو میں خاص اس اسم کو کہتے ہیں جو کسی معین ذات پر دلالت کرے اور اس لفظ کے مصداق و اطلاق میں دوسری کوئی ذات شریک نہ ہو۔ واللہ اعلم۔
اس کے لیے دیکھیں کتب نحو کی متداولہ کتب نحومیر، شرح جامی وغیرہ۔ نسیم

وہ یوں کہہ رہا ہے کہ "اے میرے پروردگار! یہ حقیر وذلیل بندہ اس لائق نہیں ہے کہ اس مقام پر اکیلا کھڑا ہو کر تیرے ساتھ مناجات (اور رازونیاز) کی باتیں (کرنے کی جسارت) کرے بلکہ میں تیری توحید بیان کرنے والے مؤمن بندوں کے ساتھ خود کو ملا کر تجھ سے بات کرتا ہوں۔ پس تو مجھے ان میں شمار کر کے میری اس دعا کو شرفِ قبولیت سے نواز دے۔ ہم سب کے سب تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد کے طلبگار ہیں۔

تیسرا فائدہ: ...... اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ اس میں رب تعالیٰ نے نعمت کو اپنی ذات جلّ جلالہ کی طرف تو منسوب کیا مگر غضب اور گمراہ کر دینے کو اپنی طرف منسوب کر کے یوں نہیں کہا کہ "غَضَبْتَ عَلَيْهِمْ تونے ان پر غضب کیا یا اَلَّذِيْنَ اَضْلَلْتَهُمْ جن لوگوں کو تونے گمراہ کیا۔ اس میں بندوں کو رب تعالیٰ کے ساتھ گفتگو کے ادب کی تعلیم ہے کہ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ کسی بھی بُری بات کی رب تعالیٰ کی طرف نسبت نہ کی جائے اگرچہ وہ بات رب تعالیٰ کی تقدیر سے ہی کیوں نہ ہو کہ

اَلْخَيْرُ كُلُّهٗ بِيَدَيْكَ وَالشَّرُّ لَا يُنْسَبُ اِلَيْكَ

ترجمہ: ......"ساری کی ساری خیریں تیرے ہاتھ میں ہیں اور برائی تیری طرف منسوب نہیں کی جاتی۔"

خاتمہ

سورۂ فاتحہ کے اَسراءِ قدسیّہ

شہید الاسلام شیخ "حسن البناء" اپنے قیمتی رسالہ "مقدمۃ فی التفسیر" میں فرماتے ہیں "بے شک جو بھی سورہ فاتحہ میں نگاہ تدبر ڈالے گا وہ اس میں معانی کے حسن و جمال ان کی وسعت اور تناسب کی وہ شوکت اور جلال پائے گا جو اس کی عقل کو اپنی گرفت لے کر اس کے دل کے گوشوں کو روشن کر دیتے ہیں۔ آدمی اس کی تلاوت کو "بسم اللہ" سے شروع کرتا ہے جو ذکر کے ساتھ ساتھ باعث برکت بھی ہے کہ اس ذات کا نام ہے جو صفت رحمت کے ساتھ متصف ہے، جس کی رحمت کے آثار ہر شئی میں ہر پل بدل کر ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ آدمی جب اس معنی کے شعور و ادراک کے ساتھ دل میں اس کے وقار کو بٹھاتا ہے تو اس کی زبان پر اس معبود برحق کی حمد جاری ہو جاتی ہے چنانچہ وہ "الرحمٰن الرحیم" کہہ اٹھتا ہے۔ یہ حمد اس کو رب تعالیٰ کی عظیم نعمتوں، اس کے فضل کے کرم، اور اس کی ان تمام عمدہ نعمتوں کو یاد دلاتی ہے جو اس کی تمام جہانوں کی پرورش میں ظاہر ہوتی ہیں۔ پھر آدمی اپنی بصیرت (اور فہم و فراست) کو اس بحر ناپیدا کنار میں گھماتا ہے تو وہ ایک بار پھر یہ جان لیتا ہے کہ رب تعالیٰ کی یہ عظیم نعمتیں اور اس کی شاندار پرورش یہ کسی شئی کی رغبت (اور حرص و طمع) یا (کسی کے) ڈر خوف کی وجہ سے نہیں ہیں بلکہ یہ محض اس کی رحمت اور اس کا فضل ہے چنانچہ وہ دوبارہ "الرحمٰن الرحیم" کہہ اٹھتا ہے اس عظیم اللہ کے کمال میں سے یہ بات ہے کہ اس نے (اپنی صفت) "رحمٰن" کو "عدل" کے ساتھ ملا کر ذکر کیا ہے اور وہ اپنے فضل و رحمت (کے ذکر) کے ساتھ (روز محشر کے عدل و انصاف پر مبنی) حساب و کتاب کو یاد دلاتا ہے۔ پس رب تعالیٰ کی ذات اپنے ہر پل برسنے والے کامل رحمتوں کے ساتھ عنقریب اپنے بندوں کو (ان کے اعمال کا اچھا یا برا) بدلا دے گا اور حساب و انصاف کے دن ان سے (ان کے اعمال کا) حساب لے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَوۡمَ لَا تَمۡلِكُ نَفۡسٌ لِّنَفۡسٍ شَيۡـئًا ؕ وَالۡاَمۡرُ يَوۡمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴿۱۹﴾ (الانفطار: ۱۹)

ترجمہ: ......"کہ جس روز کوئی کسی کا کچھ بھلا نہ کر سکے گا اور حکم اس روز صرف خدا ہی کا ہوگا۔"

اس رب تعالیٰ کی اپنی ساری مخلوق کی پرورش اس کی رحمت کی ترغیب اور اس کی عدالت اور حساب کی ترہیب کی بنیاد پر قائم ہے۔ (اسی کا بیان) مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ (میں ہے)۔ جب یہ بات طے ہوگئی تو بندہ خیر اور نیکی کو تلاش کرنے اور (آخرت کے عذاب سے) نجات اور دستگاری کے اسباب اور وسائل کی جستجو کرنے کا مکلف ہے۔ اس بارے میں وہ کسی ایسی ذات کا بے حد محتاج ہے جو اس کو سیدھی راہ بتلائے اور صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرے۔ اور اس بارے میں خود اس کے مولیٰ اور اس کے خالق سے بڑھ کر بہتر کوئی دوسری ذات نہیں، پس وہ

اپنے پروردگار کی پناہ کی طرف ہی آئے، اس کا سہارا لے، اور اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ کہہ کر اسی کو پکارے اور اسی سے ہی اس کے فضل سے اس صراطِ مستقیم کی ہدایت کا سوال کرے جو حق کی معرفت رکھنے والے اور اس حق کی اتباع کرنے والے اس کے انعام یافتہ بندوں کی راہ ہے تاکہ ان لوگوں کی راہ پر جن پر تیرا غصہ ہوا چنانچہ تم نے انہیں عطا کر ان سے چھین لیا، اور وہ ہدایت نصیب ہونے کے بعد الٹے قدموں چلے۔ اور نہ ان گم کردہ راہ لوگوں کی راہ پر جو بھٹک رہے ہیں جو حق سے برگشتہ ہیں یا وہ لوگ راہِ حق تک پہنچنا چاہتے ہیں مگر ٹھوکر کھانے کی وجہ سے انہیں راہِ حق کی توفیق نہیں ملتی۔ (آمین)

بے شک یہ ''آمین'' کا کلمہ نہایت حسن و جمال کے ساتھ سورۂ فاتحہ کے اختتام کے کمال پر دلالت کرتا ہے۔ اور سورۂ فاتحہ کے اس کمال اور رب تعالیٰ کی طرف دعا کے ساتھ متوجہ ہونے کے کمال پر دلالت کرنے کے لیے اس سے بہتر اور کونسا کلمہ ہوسکتا ہے؟ اور جتنی دقیق ترتیب اور سلیقہ اور جتنا مستحکم ربط تم نے اس آیت کریم کے معانی میں دیکھا ہے اتنا کہیں اور (کسی کی بھی عبارت میں) دیکھا ہے؟ سورۂ فاتحہ کے بارے میں حدیث قدسی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب تعالیٰ سے جو روایت کرتے ہیں ذرا اس کو دیکھو، اس میں غور کرو یقیناً تم اس حدیث (جو سورۂ فاتحہ کے معانی کی فصاحت و بلاغت اور عظمت کے بارے میں ہے) کے حسن و جمال کی وادی میں حیراں و سرگرداں رہ جاؤ گے (اور اس کی عظمتوں میں کھو جاؤ گے)۔

رب تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

''نماز میرے اور میرے بندے کے درمیان نصانصف تقسیم کر دی گئی ہے اور میرا بندہ جو مانگے گا اسے وہ ملے گا''۔ ''الحدیث''

تم رب تعالیٰ کے اس انعام کو ہمیشہ یاد رکھو اور اس میں تدبر کرتے رہو، اور کوشش کرو کہ اس سورت کو نماز میں بھی اور نماز کے علاوہ میں بھی غور و فکر اور اطمینان اور خشوع و خضوع اور عاجزی اور انکساری کے ساتھ تلاوت کرو اور ہر آیت کے شروع میں توقف کرو اور کسی قسم کے تکلّف، الفاظ میں نغمگی و موسیقیت اور ان کے معانی کے بدلے بغیر تجوید اور خوش الحانی کے ساتھ ان کی تلاوت کے حق کو ادا کرو۔ یہ بات ان آیات کے سمجھنے میں مددگار ثابت ہوگی اور (دل کی قساوت کو دور کر کے اس میں رِقّت پیدا کرے گی جس سے فرط جذبات و محبت سے) آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جائے گی اور تدبر اور خشوعِ خضوع کے ساتھ تلاوت کرنے سے بڑھ کر دل کو نفع دینے والی کوئی دوسری شئ نہیں۔'' (مقدمۃ التفسیر ص ۵۹)

(سورۂ فاتحہ کی تفسیر ختم ہوئی)

پارہ نمبر ۱ ...... الٓمّٓ

سورۃ البقرہ

یہ پوری سورت بالاتفاق مدنی ہے اور ہجرت کے بعد نازل ہونے والی پہلی سورتوں میں سے ہے۔ اس میں دو سو ستاسی [۱] آیتیں اور چالیس رکوع ہیں۔

تعارف: ...... یہ علی الاطلاق قرآن کریم کی سب سے طویل سورت ہے جو مدنی ہے اور تشریعی پہلوؤں پر توجہ دیتی ہے۔ یہ بھی (اپنے اسلوب بیان اور احکاماتِ تشریعیہ کے بیان کرنے میں) دوسری مدنی سورتوں جیسی شان رکھتی ہے اور مسلمانوں کو اپنی معاشرتی اور اجتماعی زندگی میں جن تشریعی قوانین اور نظم وضبط کی ضرورت ہے ان کو بیان کرتی ہے۔

✿ ...... یہ سورت کریمہ عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق اور نکاح، طلاق اور عدت وغیرہ کے بیشتر شرعی احکامات (کی تشریح وتفصیل) پر مبنی ہے۔

✿ ...... اس سورت کی ابتدائی آیات مومنین کا فرین اور منافقین (کے تینوں طبقوں) کی صفات کو بیان کرتی ہیں۔ یہ ابتدائی آیات سعادت مندوں اور بدبختوں کے درمیان موازنہ کرنے کے لیے ایمان اور کفر کی حقیقت کو واضح کر کے بیان کرتی ہیں۔

✿ ...... ان کے بعد کی آیات میں انسان کی خلقت وآفرینش کی ابتدا کا بیان ہے چنانچہ یہ آیات ابوالبشر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصے اور ان کی پیدائش کے وقت جو عجیب وغریب واقعات پیش آئے جو رب تعالیٰ کے جنس انسانی کی عزت وتکریم کرنے پر دلالت کرتے ہیں، کو بیان کرتی ہیں۔

✿ ...... اس کے بعد کی آیات میں اہل کتاب اور خاص طور پر یہود و بنی اسرائیل پر رب تعالیٰ کی بے حد بخشش وعطا کا ذکر ہے کیوں کہ یہ مکہ اور مدینہ دونوں میں مسلمانوں کے پڑوسی۔ (اور محلے دار) تھے (اسی ضمن میں ان سے ان نعمتوں کے چھین لیے جانے کا بھی ذکر ہے) اس کے بعد رب تعالیٰ نے ان کے خبث ومکر اور ان کے شریر نفسوں کی برائیوں پر متنبہ کیا ہے اور مسلمانوں کو ان کی غداری، خیانت، نقض عہد، کمینگی اور ان برائیوں اور جرائم سے آگاہ کیا ہے جن کے یہ شر پسند مرتکب (اور خوگر) تھے جو ان کے نہایت خطرناک اور حد درجہ موذی ہونے کو [۲] بتلاتے ہیں۔ سورۂ بقرہ کا تقریباً ایک ثلث انہی کے ذکر کو شامل ہے۔ ان کا ذکر یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ (البقرہ:۴۰) سے شروع ہو کر وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ (البقرہ:۱۲۴) تک ہے (جو تقریباً ۸۵ آیات بنتی ہیں)۔

✿ ...... باقی سورت تشریعی پہلو کو شامل ہے کیوں کہ یہ مسلمانوں کی ''مملکت اسلامیہ'' کا ابتدائی دور تھا، اس وقت انہیں اس ربانی نہج اور آسمانی شریعت کی اشد ضرورت تھی جس پر چل کر وہ اپنی زندگی گزار سکیں اور عبادات ومعاملات دونوں میں انہیں رہنمائی ملے۔ اس لیے اس سورت کا زیادہ تر حصہ تشریعی پہلوؤں پر مشتمل ہے۔ ان میں مذکورہ احکام کا اختصار کے ساتھ خلاصہ یہ ہے۔

---

[۱] سورۂ بقرہ کی آیات کی تعداد دو سو چھیاسی ہے اور اس کے کلمات چھ ہزار دو سو اکیس ہیں اور حروف کی تعداد پچیس ہزار پانچ سو ہے'' (بحوالہ ابن کثیر) اور چالیس رکوع ہیں۔ اس کے لیے دیکھیں۔ معارف القرآن مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ ج ۱ ص ۱۰۳۔ معارف القرآن مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ج ۱ ص ۳۶۔ بیان القرآن حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی ج ۱ ص ۲ مع حواشی۔ تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۴۵۔ تفسیر حقانی ج ۱ ص ۷۹۔

جب کہ تفسیر مظہری ج ۱ ص ۱۳۱ اردو اور صفوۃ التفاسیر ج ۱ ص ۲۲ عربی میں آیات کی تعداد دو سو ستاسی لکھی ہے۔ تفسیر حقانی میں کلمات کی تعداد چھ ہزار اکیس لکھی ہے بظاہر ''دوسو'' کا لفظ کتابت سے رہ گیا ہے کہ دو سو کلمات کا فرق روایات کے اختلاف کے قرین قیاس نہیں۔ جب کہ تفسیر مظہری مطبوعہ دار الاشاعت کراچی میں کلمات کی تعداد ''۶۱۲۱'' لکھی یہاں بھی کلمات کا فرق ہے جبکہ حروف کی تعداد تفسیر مظہری میں ''۳۵۵۰۰۰'' (تین لاکھ پچپن ہزار) درج ہے جو کتابت کی نہایت فاحش غلطی ہے۔

بندہ محمد آصف نسیم کو اپنے ذخیرہ کتب میں میسر تفاسیر میں سے کسی میں بھی سورۂ بقرہ کی آیات کی تعداد کی بابت اختلاف مذکور نہیں ملا اور کسی دلیل سے تطبیق یا ترجیح کی جسارت مجھ کم سواد اور بے علم میں نہیں، البتہ اکثر تفاسیر اور قرآن کریم کے مُتداولہ مطبوعہ نسخوں میں تعداد دو سو چھیاسی ہی لکھی ملتی ہے۔ رہا حروف وکلمات کی تعداد کا اختلاف تو بندہ کی ناقص رائے میں یہ روایات کے اختلاف سے زیادہ کتابت کا سہو لگتا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ نسیم

[۲] یہود بے بہبود کی نہایت خطرناک اور بھیانک تاریخ کو جاننے کے لیے دیکھیں جناب شیر احمد کی تصنیف ''فری میسنری'' ''اسلام دشمن خفیہ یہودی تنظیم'' مطبوعہ اسلامک اسٹڈی فورم راولپنڈی اور بندہ محمد آصف نسیم کی تالیف ''اللہ کو کیا پسند اور کیا ناپسند'' ص ۶۳ تا ص ۶۷ بعنوان ''اللہ تعالیٰ کا یہودیوں پر غضب ہے'' مطبوعہ بیت العلوم لاہور۔

✿......"روزے کے احکام، جن میں بعض کی تفصیل کو بیان کیا گیا ہے، حج اور عمرہ کے احکام، جہاد فی سبیل اللہ کے احکام، خاندان اور اس کے متعلقہ احکام مثلاً نکاح، طلاق، رضاعت، عدت، مشرک عورتوں سے نکاح کی حرمت اور حالتِ حیض میں عورتوں کے ساتھ مباشرت کی حرمت وغیرہ کے احکام کہ ایک بڑی سوسائٹی کی بنیاد انہی (احکامات کی تفصیلات وتشریحات) پر (موقوف) ہے۔"

اس کے بعد یہ سورت "سود" کی حرمت کو بیان کرتی ہے جو کسی بھی سوسائٹی کے لوگوں کو برباد اور ان کی بنیادوں کو اکھیڑ کر رکھ دیتا ہے۔ اس کے بعد ان آیات نے سودی لین دین کرنے والوں پر اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے صاف صاف اعلان جنگ کے ساتھ نہایت سخت حملہ کیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا ٱتَّقُوا ٱللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ ٱلرِّبَوٰٓا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ ۖ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَٰلِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ۝ (سورۃ البقرۃ: ۲۷۸-۲۷۹)

ترجمہ:......مومنو! خدا سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو اور اگر ایسا نہ کرو گے تو خبردار ہو جاؤ (کہ تم خدا اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کے لیے (تیار ہوتے ہو) اور اگر توبہ کر لو گے (اور سود چھوڑ دو گے) تو تم کو اپنی اصل رقم لینے کا حق ہے جس میں نہ اوروں کا نقصان ہو اور نہ تمہارا نقصان۔

✿......ان آیات کے بعد اس دہشت ناک دن سے ڈرایا گیا جس میں انسان کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا خیر کے بدلے خیر اور شر کے بدلے شر ارشاد ہے:

وَٱتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى ٱللَّهِ ۖ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝ (سورۃ البقرہ: ۲۸۱)

ترجمہ:......"اور اس دن سے ڈرو جب کہ تم خدا کے حضور لوٹ کر جاؤ گے اور ہر شخص اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ پائے گا۔ اور کسی کا کچھ نقصان نہ ہوگا۔"

قرآن کریم کی نازل ہونے والی یہ سب سے آخری آیت ہے اور آسمان سے زمین پر اترنے والی آخری وحی ہے اس آیت کے نزول کے بعد وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رسالت کو پہچانے اور امانت ادا کرنے کے بعد رب ذوالجلال کے جوارِ رحمت میں تشریف لے (جا کر اس دنیا سے پردہ فرما)[1] گئے۔

سورت کے اختتام پر مومنوں کو توبہ وانابت کرنے، بوجھوں اور طوقوں کے ان پر سے اٹھا دیے جانے کی وجہ سے رب ذوالجلال کی طرف تضرع وزاری کرنے، کفار کے خلاف فتح ونصرت طلب کرنے اور دارین کی سعادت مانگنے کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِۦ ۖ وَٱعْفُ عَنَّا وَٱغْفِرْ لَنَا وَٱرْحَمْنَآ ۚ أَنتَ مَوْلَىٰنَا فَٱنصُرْنَا عَلَى ٱلْقَوْمِ ٱلْكَٰفِرِينَ ۝ (سورۃ البقرہ، ۲۸۶)

ترجمہ:......اے پروردگار! جتنا بوجھ اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں اتنا ہمارے سروں پر نہ رکھیو، اور (اے پروردگار) ہمارے گناہوں سے در گزر کر اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما، تو ہی ہمارا مالک ہے اور ہم کو کافروں پر غالب فرما۔

اس سورت کی ابتدا مومنین کی صفات سے اور اس کا اختتام مومنین کی دعا پر ہو رہا ہے تاکہ ابتدا اور خاتمہ میں تناسب ہو جائے تاکہ اس سورت کی آیات کی نہایت افضل طریقہ سے شیرازہ بندی ہو جائے۔

---

[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ "یہ آیت نزول کے اعتبار سے سب سے آخری ہے اس کے بعد کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔" امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی روایت ہے۔ اس آیت کے نزول کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کتنے دن تک حیات رہے اس بارے میں مختلف روایات ہیں، ایک روایت اکتیس روز کی ہے، ایک میں صرف نو دن بعد انتقال فرما جانے کا ذکر ہے۔ ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں اکیس روز کا ذکر ہے اور فریابی کی روایت میں سات رات تک زندہ رہنے کا بیان ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال مبارک بروز پیر ۳ ربیع الاول بعد از زوال ۱۱ھ میں ہوا وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین

تفصیل کے لیے دیکھیں معارف القرآن ج ۱ ص ۶۰۸ تفسیر مظہری ج ۲ ص ۸۷)"نسیم"

وجہ تسمیہ:......اس سورت کریمہ کا نام "سورۂ بقرہ" ایک نہایت زبردست معجزہ کی یاد کو زندہ رکھنے کے لیے رکھا گیا جو حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے زمانہ میں ظاہر ہوا۔ ہوا یوں کہ بنی اسرائیل کا ایک شخص قتل ہو گیا اور اس کے قاتل کا کھوج نہ لگا، لوگوں نے یہ معاملہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے پیش کیا کہ شاید آپ علیہ السلام کو اس کے قاتل کا (بذریعہ وحی) علم ہو۔ تو رب تعالیٰ نے وحی میں انہیں ایک گائے کے ذبح کرنے کا حکم بھیجا اور حکم دیا کہ اس گائے کے گوشت کا ٹکڑا اس مقتول کے جسم پر مارو جس سے وہ حکم خداوندی سے زندہ ہو جائے گا اور اپنے قاتل کا نام بتلا دے گا۔ اور یہ واقعہ رب تعالیٰ کے مرنے پیچھے زندہ کر دینے اور دوبارہ تخلیق کرنے کی قدرت پر ایک نشانی اور دلیل بن جائے گا آگے یہ قصہ اپنے مقام پر مفصل آ رہا ہے۔ (انشاء اللہ)

سورۂ بقرہ کی فضیلت:...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ (کہ نہ نماز نہ دعا، نہ ذکر نہ تلاوت) بے شک جس گھر میں سورۂ بقرہ کی تلاوت کی جاتی ہے شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے۔" (مسلم۔ ترمذی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "سورۂ بقرہ کو پڑھا کرو کیوں کہ اس کا پڑھنا برکت ہے اور اس کا چھوڑنا حسرت ہے اور اہل باطل اس پر قابو نہیں پا سکتے۔" (مسلم) یعنی جادوگر اس پر قابو نہیں پا سکتے۔[1]

اٰیَاتُهَا ۲۸۶ — (۲) سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ (۸۷) — رُكُوْعَاتُهَا ۴۰

الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛۚ فِيْهِ ۚۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۙ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾

ترجمہ:......الٓمّٓ ① یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے۔ اس میں ہدایت ہے متقیوں کے لیے۔② جو ایمان لاتے ہیں غیب پر اور قائم کرتے ہیں نماز کو اور ہمارے دیے ہوئے میں سے خرچ کرتے ہیں۔③ اور وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اُس پر جو اُتارا گیا آپ کی طرف اور جو اتارا گیا آپ سے پہلے اور آخرت پر وہ یقین رکھتے ہیں۔④ یہ لوگ بڑی ہدایت پر ہیں اپنے رب کی طرف سے اور یہ لوگ ہی کامیاب ہیں۔⑤

لغت:......"ریب" یہ شک اور بے اطمینانی کو کہتے ہیں، عربی میں "اِرتاب" (وہ شک میں پڑ گیا) اور "اَمْرٌ مریب" (مشکوک بات) اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب کسی بات میں شک اور کھٹک ہو۔ زمخشری کہتے ہیں: "رَیْب" یہ "رَابَهٗ" (فعل) کا مصدر ہے یہ (اس وقت بولا جاتا ہے) جب کسی کو شک لاحق ہو۔ یہ جی کی کھٹک، دل کے متعلق اور طبیعت کی بے چینی کو کہتے ہیں۔ اسی لفظ سے "ریب الزمان" (زمانہ کی گردش) کا کلمہ ہے جو زمانہ کے حوادث کے لیے بولا جاتا ہے۔ (الکشاف ج۱ ص ۲۷)

اَلْمُتَّقِيْنَ:......لفظ تقویٰ کی اصل ناپسندیدہ شئی سے ایسی چیز کے ذریعے بچنا ہے جو اس کے اور اس ناپسندیدہ و ناگوارشی کے درمیان آڑ بن جائے۔[2] "نابغہ" کہتا ہے:

---

[1] قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اس جگہ اہل باطل سے مراد جادوگر ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اس سورت کے پڑھنے والے پر کسی کا جادو نہ چلے گا۔ (قرطبی از مسلم بروایت ابوامامہ باہلی) "معارف القرآن ج۱ ص ۱۰۳" "نسیم" [2] غالباً یہ نابغہ زبیانی ہے جو عہد جاہلیت کا زبردست شاعر اور نصرانی تھی۔ ۶۰۴ء میں وفات پا گیا تھا۔ "شاہان حیرہ" کا مصاحب اور ان کے محلات میں رہائش پذیر تھا۔ اس نے نعمان ابوقابوس کو ناراض کر دیا تھا اسی لیے شاہِ غسان کے پاس چلا آیا مگر پھر معافی مانگ کر دوبارہ حیرہ کے محلات لوٹ گیا۔ "غسانیات" اور "الاعتذاریات" اس کے مشہور شعری مجموعے اور دیوان ہیں، شاعرانہ قوت تخیل اور باریکیوں میں منفرد مقام رکھتا تھا۔" (المنجد العربی الاعلام ص ۵۶۷ کالم نمبر ۱) "نسیم"

سقط النصیف ولم ترد اسقاطه　　فتنا ولته واتقتنا بالید

ترجمہ: ......" (میری محبوبہ کی) اوڑھنی (سر سے ڈھلک کر) گر گئی جبکہ وہ اس کو گرنے دینا نہیں چاہتی تھی پس (اس نے جلدی سے) اس کو سنبھالا (مگر اتنے میں چہرہ کھل گیا تھا) تو (شرم کے مارے اپنے) ہاتھ کے ذریعے ہم سے (اپنے چہرے کو) چھپانے لگا۔"

پس متقی وہ ہے جو ان باتوں سے بچے جو اس کو نقصان دیں، یہ وہ شخص ہے جو رب کی اطاعت کے ذریعے اس کے عذاب سے بچتا ہے۔ تقویٰ کی جڑ یہ ہے کہ آدمی رب کے اوامر کی اتباع اور اس کی منہیات سے اجتناب کرے۔

اَلْغَیْبِ: ...... یہ وہ شئی ہے جو حواس (کے ادراک) سے پوشیدہ ہو، بس ہر چھپی ہوئی شئی "غیب" ہے جیسے جنت و دوزخ اور حشر اور نشر۔ امام راغب [1] اصفہانی فرماتے ہیں، "غیب وہ ہے جو حواس کے تحت نہ آتا ہو"۔ (مفردات القرآن للراغب)

اَلْمُفْلِحُوْنَ: ...... فلاح یہ کامیابی اور نجات کو کہتے ہیں۔ "ابو عبیدہ" [2] کہتے ہیں: "ہر شخص جس کو کوئی بھی خیر ملی ہو فلاح پانے والا ہے"۔

(مجاز القرآن لابی عبیدہ ص ۲۹)

علامہ بیضاوی [3] رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "فلاح پانے والا شخص وہ ہے جو مطلوب و مقصود کو پا کر کامیاب ہو گیا ہو گویا کہ اس کے لیے کامیابی کی سب صورتوں کو کھول دیا گیا۔ (انوار التنزیل ج۱ ص ۱۰)

لغت میں "فَلَحَ" کا اصلی معنی شق اور پھٹن ہے۔ اسی معنی میں عربوں کا محاورہ ہے "ان الحدید بالحدید یُفلَحُ" یعنی لوہے کو لوہے کے ذریعے پھاڑا جاتا ہے۔ اسی لیے کاشتکار اور کسان کو بھی "فَلّاح" کہتے ہیں کہ وہ کاشتکاری کرتے ہوئے زمین (کے سینہ) کو چیرتا ہے۔ [4]

تفسیر: ...... اس سورت کریمہ کی ابتداء میں مومنین کی صفات کو ذکر کیا گیا ہے۔ اور سب سے پہلے حروف مقطعہ "الٓمٓ" کو ذکر کیا گیا۔ ان حروف ہجائیہ کو بالکل شروع میں لانا قرآن سے نگاہیں موڑنے والوں کی نظروں کو کھینچتا ہے کیوں کہ ان کی روزمرہ کی گفتگو میں یہ نامانوس الفاظ اول وہلہ میں ہی ان کے کانوں کو جھنجوڑنے لگتے ہیں چنانچہ وہ ان روشن آیات کی طرف خوب متوجہ اور متنبہ ہو جاتے ہیں جو آگے انہیں سنائی (اور بتلائی) جاتی ہیں۔ اس طرح کے حروف میں "قرآن کے اعجاز" پر تنبیہ ہے۔ کیوں کہ یہ کتاب بعینہ ان کلمات سے نظم ہے جن کو یہ عرب استعمال کرتے تھے

---

[1] یہ بغداد کے باسی علا حکما کے امام حسین بن محمد الراغب الاصفہانی (ت ۵۰۲ھ/۱۱۰۸ء) ہیں۔ آپ نے فن لغت اور تفسیر میں شہرت پائی۔
المفردات فی غریب القرآن: الذریعة الی مکارم الشریعة، جامع التفاسیر اور محاضرات الادباء آپ کی شہرۂ آفاق کتب ہیں۔

[2] مشہور بصری عالم ابو عبیدہ معمر بن مثنیٰ (۷۲۸ـ۸۲۳) ہیں۔ ابو عمرو بن العلاء اور یونس بن حبیب سے علم حاصل کیا، ابو عبید ابن سلام اور ابونواس ان کے مشہور تلامذہ میں ہیں۔ عربوں کے اخبار و انساب کو جمع کیا۔ خارجی اور شعوبی تھے۔
انہوں نے اپنی کتاب "المثالب" میں عربوں کے انساب پر طعن کیا ہے۔ "مجاز القرآن" کے نام سے ایک تفسیر بھی لکھی۔ اس کے علاوہ "کتاب الخیل" اور "نقائض جریر والفرزدق" آپ کی مشہور کتب ہیں۔ (المنجد العربی الاعلام ص ۲۰ کالم نمبر ۲)
شعوبی: ...... جو عہد عباسی میں ظہور پذیر ہونے والے ایک خاص نظریہ "شعوبیہ" کا قائل ہو۔ اس نظریہ کے قائلین کے نزدیک عربوں کو غیر عربوں پر کوئی فضیلت نہیں۔"
(القاموس الوحید ص ۸۶۶ـ۸۶۷)
خارجی: ...... فرقہ خوارج کے ایک فرد کو خارجی کہتے ہیں یہ ایک اسلامی فرقہ تھا جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی تھی۔ (ص ۴۲۳ کالم نمبر ۱ اور ۳ حوالہ بالا)
ان کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیں بندہ محمد آصف نسیم کی تالیف "اللہ کو کیا پسند کیا ناپسند" میں عنوان "اللہ تعالیٰ کو خوارج ناپسند ہیں" (ص ۲۷۰ تا ۲۷۵)۔ نسیم

[3] یہ شیراز کے قریب ایک گاؤں بیضاء میں پیدا ہونے والے مشہور مفسر قرآن "ناصر الدین عبداللہ بیضاوی (ت ۶۸۵ھ/۱۲۸۶ء) ہیں۔ ایک مدت تک شیراز کے قاضی بھی رہے ان کی نہایت اہم تفسیر و تصنیف "انوار التنزیل و اسرار التاویل" ہے۔ اہل سنت کے نزدیک اس کی بڑی قدر و منزلت ہے اس کے علاوہ "منہاج الوصول الی علم الاصول" اور توحید کے موضوع پر "طوالع الانوار" بھی آپ کی تصانیف ہیں۔ (المنجد الاعلام العربی ص ۱۶۱۔ کالم نمبر ۲۔۳)
"انوار التنزیل" اور علامہ بیضاوی کے مفصل تعارف کے لیے دیکھیں علامہ غلام احمد حریری مرحوم کی "تاریخ تفسیر و مفسرین ص ۲۶۸ـ۲۶۲" "نسیم"

[4] اسی لیے لغات میں جہاز کی کپتان کو بھی فلاح کہتے ہیں کہ وہ دریاؤں کا سینہ چیرتا ہوا چلتا ہے۔ (القاموس الوحید ص ۱۲۵۱ کالم نمبر ۱) "نسیم"

(اور اپنی منظوم عبارتیں بنا کر مقابلہ کے لیے پیش کرتے تھے) تو جب وہ قرآن کی مثل لے آنے سے عاجز ہو گئے تو یہ قرآن کے اعجاز پر بہت بڑی دلیل بن گئی علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ان حروف کو سورتوں کے شروع میں قرآن کے اعجاز کو بیان کرنے کے لیے ذکر کیا گیا ہے اور یہ بتلانے کے لیے کہ خلق خدا قرآن جیسی کوئی عبارت بنا کر اس کے مُعارضہ و مقابلہ سے عاجز ہیں باوجود یہ کہ یہ ان حروف مقطعہ سے مرکب ہے، جن کو یہ عرب لوگ استعمال کرتے تھے قرآن کے اعجاز (اور حروف مقطعہ کی عظمت کے بارے میں) یہ سب محققین کا قول ہے۔ امام زمخشری نے اپنی تفسیر "الکشاف" میں اسی قول کو لے کر اس کی بھرپور تائید کی ہے۔ اسی طرف علامہ ابن تیمیہ[1] بھی گئے ہیں۔ آگے فرماتے ہیں: اسی لیے ہر وہ سورت جس کو ان حروف سے شروع کیا گیا ہے ان میں قرآن کی عظمت اور اس کے اعجاز اور قرآن کی فتح کو ذکر کرنا ضروری ہے۔ جیسے مثلاً یہ آیات:

الٓمّٓ ۚ ﴿۱﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۲﴾ (سورۃ البقرہ، ۱-۲)

الٓمّٓصٓ ﴿۱﴾ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾ (سورۃ الاعراف، ۱-۲)

الٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ (سورۃ لقمان۔ ۱-۲)

حٰمٓ ﴿۱﴾ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ﴿۳﴾ (سورۃ الدخان۔ ۱-۳)

اور اس جیسی دوسری آیات[2] جو قرآن کریم کے اعجاز پر دلالت کرتی ہیں۔" (مختصر تفسیر ابن کثیر ج۱/ص۲۷)

شک سے پاک مقدّس کلام

اس کے بعد رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ (یہ کتاب قرآن مجید اس میں کچھ شک نہیں کہ کلام خدا ہے) یعنی اے محمد! یہ قرآن آپ پر اتارا گیا ہے یہ وہ کتاب ہے کہ کوئی دوسری کتاب اس کے قریب یا مشابہ نہیں ہے۔

لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ: ......(اس کے کلام خدا ہونے میں کچھ شک نہیں) یعنی جو شخص بھی اس میں غور و فکر اور تفکر و تدبر کرتا ہے اور حضور قلب کے ساتھ اس پر توجہ کرتا ہے تو اس کو یہ بات بے غبار ہو کر آ جائے گی کہ "یہ کتاب رب تعالیٰ کی طرف سے ہے۔"

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ: ......(خدا سے ڈرنے والوں کی رہنما ہے) یعنی یہ ان مومنین متقین کو راہ دکھانے والی ہے جو اس کے احکام کی پیروی اور اس کی منہیات سے اجتناب کر کے اس کی ناراضگی سے بچنے والی ہیں۔ اور اس کے عذاب کو اس کی اطاعت کر کے دور کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، "متقی وہ لوگ ہیں جو شرک سے بچتے ہیں اور رب تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔"

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "یعنی حرام سے بچتے ہیں اور جو فرائض ان کے ذمہ ہیں ان کو ادا کرتے ہیں" آگے رب تعالیٰ متقیوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ: ......(جو غیب پر ایمان لاتے ہیں) یعنی جنت، دوزخ، پل صراط، حساب اور مرنے کے بعد جی اٹھنے کی ان باتوں پر ایمان لاتے ہیں جن کا ادراک ان کے حواس نہیں کر سکتے اور وہ اشیا ان کی نظروں سے غائب ہیں اسی طرح ہر اس بات کی تصدیق کرتے ہیں جس کی قرآن نے اور یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے اور وہ نظروں سے پوشیدہ ہے۔

---

[1] علامہ تقی الدین احمد ابن تیمیہ حرانی رحمۃ اللہ علیہ ۶۶۱) ۔۷۲۸ھ/ ۱۲۶۳۔ ۱۳۲۸ء)

ایک جلیل القدر حنبلی فقیہ اور عالم تھے جنہوں نے حنبلی مذہب کی تجدید کی۔ حران میں ولادت ہوئی، دمشق میں قیام رہا اور پابند سلاسل تھے کہ رحلت فرما گئے، آپ کو وفات سے قبل تدریس سے منع کر دیا گیا تھا۔ "الفتاوی" اور "الرسائل" آپ کی مشہور تالیفات ہیں۔ (المنجد العربی الاعلام ص ۵ کالم نمبر ۳)

علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک نہایت جلیل القدر تفسیر "تفسیر کبیر" کے نام سے ہے، وہ پہلی بار عالم اسلام میں طبع ہو کر منصۂ مشہود پر آ چکی ہے۔ بندہ محمد آصف نسیم کو رب تعالیٰ نے اس کے ترجمہ کی توفیق نصیب فرمائی ہے جو عنقریب طبع ہو کر منظر عام پر آ رہا ہے۔ ان شاء اللہ۔

[2] حروف مقطعہ کی تفصیلی بحث کے لیے دیکھیں "معارف القرآن ج، ص ۱۰۶۔ ۱۰۷۔
"تفسیر مظہری ج ۱ ص ۳۱۔ ۳۶" وغیرہ۔ نسیم

وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ:......(اور آداب کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں) یعنی وہ نماز کی شرائط، اس کے ارکان اور خشوع وخضوع کے ساتھ اس کو کامل درجہ پر ادا کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ''نماز کا قائم کرنا یہ اس کے رکوع، سجدوں، تلاوت اور خشوع وخضوع کو پورا کرنا ہے۔

(تفسیر طبری، ابن کثیر، تفسیر جلالین وغیرہ)

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ:......(اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں) یعنی ہم نے انہیں جو اموال عطا کیے ہیں۔ ان میں سے نیکی اور بھلائی کے کاموں میں خرچ کرتے ہیں۔ یہ آیت زکوٰۃ، صدقہ، اور تمام نفقات (واجبہ) کو شامل ہے۔ اسی کو علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: اس آیت سے اموال کی زکوٰۃ مراد ہے'' علامہ[1] ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''رب تعالیٰ نے بیشتر مقامات پر نماز اور اموال کے خرچ کرنے کے ذکر کو اکٹھا ذکر فرمایا ہے کیوں کہ نماز یہ رب ذوالجلال کا حق ہے جو اس کی توحید وتمجید اور حمد وثناء کو شامل ہے اور انفاق یعنی خرچ کرنا یہ خلق خدا پر احسان کرنا ہے جو ان کا حق ہے چنانچہ تمام نفقات واجبہ اور فرض زکوٰۃ اس آیت میں شامل ہیں۔ (مختصر تفسیر ابن کثیر ج۱ ص ۳۰)

اہل ایمان کی صفات

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ:......اور اے محمد! جو کتاب تم پر نازل ہوئی ہے اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ یعنی رب تعالیٰ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ بھی لے کر آئے ہیں اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ وَمَآ أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ: (اور جو کتابیں تم سے پہلے پیغمبروں پر نازل ہوئی ہیں ان پر بھی ایمان رکھتے ہیں) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے پیغمبر جو کچھ لے کر آئے ہیں اس کی بھی تصدیق کرتے ہیں یہ رب تعالیٰ کی کتابوں اور اس کے پیغمبروں میں فرق نہیں کرتے (سب کتابوں اور سب رسولوں کو مانتے ہیں)۔ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ: (اور آخرت کا یقین رکھتے ہیں) یعنی وہ دنیا کے بعد دار آخرت کا ایسا پختہ اور ٹھوس یقین رکھتے ہیں جو شک وشبہ کی آمیزش سے پاک ہے۔ یہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے، جزا وسزا، جنت دوزخ، حساب کتاب اور میزان وغیرہ آخرت کی سب باتوں پر پختہ یقین رکھتے ہیں۔ اس جہاں کا نام دارِ آخرت (آخری یا بعد میں آنے والا گھر) اس لیے ہے کہ یہ دنیا کے بعد آئے گا۔ أُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ: (یہی لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں) گزشتہ مذکورہ صفاتِ جلیلہ والے لوگ ہدایت، نور، دلیل اور خدا کی طرف سے بصیرت پر ہیں۔ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ:......(اور یہی نجات پانے والے ہیں) یعنی یہی لوگ جنات نعیم میں اونچے درجات پا کر کامیاب ہونے والے ہیں۔

بلاغت:......یہ آیات کریمہ بیان اور[2] بدیع کی متعدد صورتوں کو لیے ہوئی ہیں۔ ہم ان کو اختصار کے ساتھ ذیل میں درج کرتے ہیں۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ:......میں مجاز عقلی ہے، کیوں کہ یہاں ہدایت کی نسبت قرآن کی طرف کی گئی ہے، جو سب کی طرف نسبت کرنا ہے جب کہ درحقیقت ہادی تو رب تعالیٰ کی حقیقی ذات ہے پس اس میں مجاز[3] عقلی ہے۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ: اس میں قریب کی طرف اشارہ کرنے والے اسم اشارہ کی جگہ بعید والا اسم اشارہ لایا گیا جو قرآن کریم کے کامل مرتبہ ہونے اور اس کی شان کے نہایت بلند ہونے کی خبر دے رہا ہے۔ پس مرتبے کی دوری اور بلندی کو حسی بعد اور دوری کے بمنزلہ ٹھہرایا گیا (یعنی اس کی معنوی بلندی اور دوری کو حسی دوری اور بلندی کے بمنزلہ لیا گیا) أُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ اور وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ: میں اسم اشارہ أُولٰٓئِكَ کو دہرایا گیا ہے اس میں متقین کی شان کی طرف عنایت ہے اور هُمْ کی ضمیر کو حصر کا فائدہ دینے کے لیے لایا گیا گویا کہ رب تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ یہی لوگ ہی کامیاب ہیں نہ کہ ان کے علاوہ کوئی دوسرے۔

---

[1] یہ علامہ اسماعیل ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (۷۰۰ھ ۱۳۰۰ء - ۷۷۴ھ ۱۳۷۳ء) دمشقی ہیں جو مفسر اور مورخ تھے۔ آپ کی کتب میں ''البدایۃ والنہایۃ'' اور ''تفسیر القرآن العظیم'' نے شہرت دوام اور قبولیت تام پائی۔ (المنجد العربی الاعلام ص ۱۳ کالم نمبر ۲ بتصرف) ''نسیم'' [2] بدیع وہ علم ہے جس سے تحسین کلام کے ضوابط معلوم ہوں (القاموا لوحید ص ۱۵۴ کالم نمبر ۱) اور بیان وہ علم ہے جس سے ایک مفہوم کو تشبیہ وکنایہ کے مختلف طریقوں سے ادا کرنا معلوم ہو (ص ۱۹۱ حوالہ بالا) [3] مجاز۔ وہ بات ہے جو کسی مناسبت کی وجہ سے اپنے معنی وضعی سے ہٹ کر کسی اور مفہوم میں استعمال کی جائے۔ (القاموس الوحید ص ۲۹۸ کالم نمبر ۲) نسیم

کفار کی صفات کا ذکر

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝٦ خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝٧

ع

ترجمہ: ...... بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے برابر ہے کہ آپ اُن کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔۶ اللہ تعالیٰ نے مُہر لگا دی اُن کے دِلوں پر، اور اُن کے سننے کی قوت پر، اور اُن کی آنکھوں پر بڑا پردہ ہے اور اُن کے لیے بڑا عذاب ہے۔۷

مناسبت: ......گزشتہ آیات میں مؤمنین کی صفات کو بیان کیا گیا ان کے بعد کافروں کی صفات کا ذکر کیا تا کہ نیکوں اور بدوں کے درمیان موازنہ کرنے کے قرآنی طریقے کے ذریعے ان دونوں طبقوں کے درمیان واضح فرق کو اور خوش بختوں اور بد بختوں کے درمیان تمیز کو ظاہر کیا جائے (جیسا کہ مشہور محاورہ ہے) وبضدھا تتمیّز الاشیاء چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں۔

لغت: ...... كَفَرُوا کفر کا لغوی معنی ہے نعمت کا چھپانا۔ کافر کو کافر اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ (اپنے اوپر رب تعالیٰ اور خالق پروردگار کی) نعمتوں کو چھپاتا ہے۔ اسی معنی کی وجہ سے کسان اور رات کو بھی (لغت میں) کافر کہا جاتا ہے (کیوں کہ کسان کاشتکاری کے دوران بیج وغیرہ کو زمین میں دبا کر چھپاتا ہے اور رات کی تاریکی کا تو ہر ایک شئ کو چھپانا بالکل ظاہر ہے۔ نسیم)

(اسی معنی میں) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ "(جیسے بارش کہ اس سے کھیتی اگتی ہے اور) کسان کو کھیتی بھلی لگتی ہے۔" (سورۃ الحدید: آیت ۲۰)

یہاں "كُفَّار" سے مراد زُرّاع "یعنی کاشکار ہیں۔ اور رات کو اس لیے رات کہتے ہیں کہ اس کی تاریکی ہر شئ چھپا لیتی ہے۔

ءَأَنذَرْتَهُمْ: ......"إِنذَار" یہ ڈرانے کے ساتھ کسی کو خبردار کرنے کو کہتے ہیں۔ اور اگر اس آگاہ کرنے میں ڈرانا دھمکانا نہ ہو تو وہ خبر دینا اور آگاہ کرنا کہلائے گا نہ کہ إنذار۔ خَتَمَ: خَتَم یہ کسی شئ کو ڈھانپ کر (اس کو بند کر کے) اس پر مہر لگانے کا نام ہے کہ پھر اس میں دوبارہ کوئی شئ داخل نہ کی جاسکے۔ "ختم الکتاب" کا محاورہ اسی سے ہے (اب اس کے بعد اس کتاب میں مزید کسی مضمون یا تحریر کا اضافہ نہ کیا جائے) غِشَاوَةٌ: یہ "پردہ" کو کہتے ہیں۔ یہ "غشاہ" فعل سے ہے جس کا معنی ہے "اس نے ڈھانپ دیا۔" یا "اس پر پردہ کر دیا۔" اسی معنی میں لفظ "غاشیہ" ہے جو قیامت کا نام ہے کیوں کہ اس کی ہولناکیاں لوگوں کو ڈھانپ لیں گی۔

جن کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ان کو ڈرانا سود مند نہیں

تفسیر: ......إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا یعنی جن لوگوں نے رب تعالیٰ کی آیات کا (ڈھٹائی کے ساتھ) انکار کیا اور نبی کریم حضرت محمد ﷺ کی رسالت کو جھٹلایا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ: ......یعنی ان کے نزدیک برابر ہے (کہ) ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ: اے محمد ﷺ! آپ انہیں رب تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائیں اور خوفزدہ کریں یا نہ کریں ان کے لیے یہ بات برابر ہے (کہ وہ ڈرنے والے نہیں اور رب کے عذاب کے لیے خود کو تیار کیے بیٹھے ہیں) لَا يُؤْمِنُونَ: کہ وہ ان باتوں کی تصدیق کرنے والے نہیں جو آپ ﷺ لے کر آئے ہیں۔ لہٰذا نہ تو آپ ﷺ ان کے ایمان لے آنے کی طمع کریں اور نہ ہی ان پر کڑھیں اور غم زدہ ہوں، اس آیت میں رب تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم ﷺ کو آپ کی قوم کے آپ ﷺ کو جھٹلانے (کے صدمہ) پر تسلی ہے۔ آگے رب تعالیٰ ان لوگوں کے ایمان لے آنے پر آمادہ نہ ہونے کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ: "ہم نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے" اب اس میں نورِ ایمان داخل نہیں ہوگا اور نہ ہی یہ دل ایمان سے روشن ہوں گے۔

مفسرین کہتے ہیں کہ "خَتَم" یہ ڈھانپنا اور مہر لگانا ہے۔ وہ اس لیے کہ جب کوئی دل کثرت کے ساتھ گناہ کرتا ہے تو اس سے ایمان کے نور کو مٹا

دیا جاتا ہے تو ایمان کو اس دل میں جانے کی راہ نہیں ملتی اور وہ دل کفر سے اپنا دامن نہیں چھڑا پاتا، جیسا کہ رب تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

بَلۡ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيۡهَا بِكُفۡرِهِمۡ (سورۃ النساء، ۱۵۵)

"(خدا نے ان کو مردود کر دیا اور ان کے دلوں پر پردے نہیں ہیں) بلکہ ان کے کفر کے سبب خدا نے ان پر مہر کر دی ہے۔"[۱]

وَعَلٰی سَمۡعِهِمۡ ؕ وَعَلٰۤی اَبۡصَارِهِمۡ غِشَاوَةٌ: ......یعنی ان کے کانوں اور آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے۔ پس یہ نہ تو ہدایت کو دیکھ ہی پاتے ہیں اور نہ ہی اس کو سن اور سمجھ پاتے ہیں۔ گویا کہ ان کی آنکھوں اور کانوں پر پردوں کی دبیز طے ہے۔ اسی لیے یہ حق دیکھ کر بھی اس کی اتباع نہیں کرتے اور نہ ہی اس کو سن کر اس کی مدد کرتے ہیں۔

علامہ ابو حیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "رب تعالیٰ نے ان کے حق سے انکاری دلوں، ان کے نجات کی دعوت دینے والے کی سننے سے منہ موڑنے والے کانوں، اور ان کی نور ہدایت کی چمک دمک سے آنکھیں چرا لینے والی آنکھوں کو اس منہ بند برتن سے تشبیہ دی ہے جس کا کوئی منفذ کھلا نہ ہو۔ اور جو کس پردے سے اس طرح ڈھکا ہو کہ اس کی اصلاح کی کوئی ترکیب اس تک نہ پہنچ پائے اور ایسا اس لیے کہ ان کے دل قوت ادراک اور (شعور واحساس کی) صحت (و درستی) کے باوجود حق کے قبول کرنے، اس کے سننے اور اس کی روشنی سے مستفید ہونے سے روک دیے گئے تھے۔ اس مثال کو "استعارۃ"[۲] کے طریق پر بیان کیا گیا ہے۔ (البحر المحیط لابی حیان ج۱ ص ۵۱)

وَّلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ: ......یعنی ان کو آخرت میں وہ سخت عذاب دیا جائے گا جو ختم نہ ہوگا کیوں کہ ان لوگوں نے کفر کے جرم کا ارتکاب کیا اور رب تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا۔

بلاغت: سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ: ......میں ان کفار کے ایمان لے آنے سے (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو) مایوس کرنا ہے۔ اس جملے میں ان کے کفر اور سرکشی میں حد سے آگے نکل جانے اور ایمان کے (قبول کرنے کے) لیے استعداد نہ ہونے پر تنبیہ ہے۔ اس جملے میں (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو) ان (سرکش کافروں) کے ایمان لے آنے سے مایوس کر دیا گیا ہے خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ: اس میں ایک صاف اور لطیف استعارہ ہے کہ ان کے دلوں کو حق سے انکار کرنے، اور آنکھوں اور کانوں کو نور ہدایت سے روشنی حاصل کرنے سے رکنے کی وجہ سے اس برتن سے تشبیہ دی گئی ہے جسے مہر لگا کر ایسا بند کر دیا گیا ہو کہ اس کا کوئی منفذ کھلا نہ رہ گیا ہو اور اس کو ایسے کسی پردے سے ڈھانپ دیا گیا کہ کوئی اس کے حق میں خیر کی بات اس کی تہہ تک پہنچ نہ پائے۔ لفظ "ختم" اور لفظ "غشاوۃ" کو اس معنی پر دلالت کرنے کے لیے بطور استعارہ استعمال کیا گیا۔ اس کو "استعارہ تصریحیہ" کہتے ہیں۔ ("تلخیص البیان" للشریف الرضی ج۱ ص ۳، البحر المحیط ج۱ ص ۵۱)

منافقین کی صفات کا ذکر

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَمَا هُمۡ بِمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۸﴾ يُخٰدِعُوۡنَ اللّٰهَ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ۚ وَمَا يَخۡدَعُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَهُمۡ وَمَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۹﴾ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۢ بِمَا كَانُوۡا يَكۡذِبُوۡنَ ﴿۱۰﴾ وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ لَا تُفۡسِدُوۡا فِى الۡاَرۡضِ ۙ قَالُوۡۤا اِنَّمَا نَحۡنُ مُصۡلِحُوۡنَ ﴿۱۱﴾

وقف لازم

---

[۱] "ختم" کے معنی کی نہایت عمدہ اور دلنشین تفصیل کے لیے دیکھیں علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی "تفسیر القرآن العظیم" میں "ختم" کی بحث۔ (مؤلف)

[۲] "استعارہ"۔ علم البیان میں استعارہ یہ ہے کہ ایک کلمہ کو دوسرے کلمہ کی جگہ کسی مشابہت کی بناء پر استعمال کیا جائے اور اس کا کوئی قرینہ موجود ہو جیسے لفظ "اسد" (شیر) کا استعمال "شجاع" (بہادر) کے لیے استعارہ ہے، دونوں میں مشابہت کا تعلق ہے اور انسان کے لیے "اسد" نہ ہو سکنا اس استعارے کا قرینہ ہے کہ درحقیقت وہ شخص "اسد" نہیں ہے بلکہ لفظ "اسد" اس کے لیے بطور استعارہ استعمال کیا گیا ہے" (القاموس الوحید ص ۱۱۴۱ کالم نمبر ۱)
اور ان دونوں میں مشابہت کا علاقہ اور تعلق "بہادری" ہے۔ "نسیم"

أَلَآ إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَٰكِن لَّا يَشْعُرُونَ ﴿١٢﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَآ آمَنَ النَّاسُ قَالُوٓا أَنُؤْمِنُ كَمَآ آمَنَ السُّفَهَآءُ ۗ أَلَآ إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلَٰكِن لَّا يَعْلَمُونَ ﴿١٣﴾ وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوٓا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ قَالُوٓا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ ﴿١٤﴾ اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١٥﴾ أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿١٦﴾ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّآ أَضَآءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَّا يُبْصِرُونَ ﴿١٧﴾ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿١٨﴾ أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِيٓ آذَانِهِم مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۚ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿١٩﴾ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ ۖ كُلَّمَآ أَضَآءَ لَهُم مَّشَوْا فِيهِ وَإِذَآ أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ۚ وَلَوْ شَآءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٠﴾

ع ۲

ترجمہ: ......اور بعض لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخری دِن پر ایمان لائے۔ حالانکہ وہ ایمان والے نہیں ہیں۔⑧ وہ دھوکہ دیتے ہیں اللہ کو اور اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور نہیں دھوکہ دیتے مگر اپنی جانوں کو اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔⑨ ان کے دِلوں میں بڑا روگ ہے سو اللہ نے اُن کا روگ بڑھا دیا اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہے اِس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔⑩ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد مت کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح ہی کرنے والے ہیں۔⑪ خبردار بلاشبہ یہی لوگ مفسد ہیں لیکن سمجھتے نہیں ہیں۔⑫ اور جب کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ جیسا کہ اور لوگ ایمان لائے تو کہتے ہیں کہ کیا ہم ایمان لائیں جیسے یہ بیوقوف ایمان لے آئے، خبردار بلاشبہ یہی بیوقوف ہیں لیکن نہیں جانتے۔⑬ اور جب یہ لوگ اُن سے ملتے ہیں جو ایمان لائے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور جب تنہائیوں میں اپنے شیطانوں کے پاس ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ بے شک ہم تو تمہارے ساتھ ہیں، ہم تو صرف مذاق بنانے والے ہیں۔⑭ اللہ اُن کا مذاق بناتا ہے اور اُن کو ڈھیل دے رہا ہے وہ اپنی سرکشی میں اندھے ہو کر بھٹک رہے ہیں۔⑮ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی، سو اُن کی تجارت نفع مند نہ ہوئی اور نہ وہ ہدایت پر چلنے والے بنے۔⑯ ان کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلائی پھر جب اُس آگ نے اس شخص کے آس پاس کو روشن کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی روشنی کو ختم کر دیا اور اُن کو اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ وہ دیکھ نہیں رہے ہیں۔⑰ یہ لوگ بہرے ہیں، گونگے ہیں اندھے ہیں پس یہ لوگ رجوع نہ ہوں گے۔⑱ یا ان کی مثال مینہ کی سی ہے کہ آسمان سے (برس رہا ہو اور) اس میں اندھیرے پر اندھیرا (چھا رہا) ہو اور (بادل) گرج (رہا) ہو اور بجلی (کوند رہی) ہو تو کڑک سے (ڈر کر) موت کے خوف سے کانوں میں انگلیاں دے دیں اور خدا کافروں کو (ہر طرف سے) گھیرے ہوئے ہے، قریب ہے کہ بجلی (کی چمک) ان کی آنکھوں (کی بصارت) کو اچک لے۔ جب یہ بجلی (چمکتی ہے اور) ان پر روشنی ڈالتی ہے تو اس میں چل پڑتے ہیں اور جب اندھیرا ہو گیا تو کھڑے کے کھڑے رہ گئے، اور اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کے سننے اور دیکھنے کی قوتوں کو ختم فرما دے، بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔⑳

مناسبت: ...... جب سب سے پہلے رب تعالیٰ نے مؤمنین کی صفات کو ذکر کیا پھر اس کے بعد کافروں کی صفات بیان کیں، تو اب یہاں "منافقوں" کی صفات جو ایک تیسرا طبقہ ہیں، کو بیان کیا یہ وہ لوگ ہیں جو بظاہر تو ایمان دکھلاتے تھے مگر دلوں میں کفر چھپائے پھرتے تھے۔ رب تعالیٰ نے تیرہ آیات تک ان کا طویل ذکر کیا تاکہ ان کی زبردست خطرناکی اور ان کے نہایت مُوذی ہونے پر تنبیہ کرے۔ پھر ان کے جیوؤں کی ظلمت، گمراہی اور نفاق کو اور بالآخر ان کی جو ہلاکت و بربادی ہونی ہے اس کے حال کو خوب واضح اور بیان کرنے اور کھول کر رکھ دینے کے لیے دو (نہایت عمدہ) مثالیں بیان کیں۔

لغت: يُخٰدِعُوْنَ: ...... یہ "خِدَاعٌ" سے ہے جس کا معنی مکر کرنا، دھوکہ دینا (حیلہ کرنا، چال چلنا) اور باطن کے خلاف ظاہر کرنا ہے۔ اس کی اصل "چھپانا" ہے۔ اسی معنی میں زمانے کو "مُخَادِع" کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے مصائب وحوادث کو چھپائے رکھتا ہے (کہ وہ اچانک ظاہر ہوتے ہیں) اور اسی لیے اندر کی کوٹھڑی کو "مخدع" کہا جاتا ہے کہ وہ گھر والوں کو اس میں چھپا لیتی ہے۔ مرض، بیماری، یہ صحت کی ضد کو کہتے ہیں، کبھی یہ حسی ہوتی ہے جیسے جسمانی بیماریاں اور کبھی یہ معنوی ہوتی ہے جیسے نفاق، حسد اور ریاکاری وغیرہ کی معنوی بیماریاں۔ ابن فارس[1] کہتے ہیں: "مرض ہر وہ شی ہے جس کی وجہ سے آدمی صحت وتندرستی کی حد سے نکل جائے خواہ وہ کوئی (حسی) بیماری ہو یا (کوئی معنوی بیماری) جیسے نفاق (وریاکاری وغیرہ) ہو یا وہ کسی امر میں کوتاہی ہو۔ تُفْسِدُوْا: فساد یہ استقامت سے نکل جانے کو کہتے ہیں یہ صلاح (اور درستی) کی ضد ہے۔ السُّفَهَآءُ: یہ سفیہ کی جمع ہے۔ سفیہ جاہل، کمزور رائے والے اور نفع ونقصان کو خوب اچھی طرح نہ جاننے والے کو کہتے ہیں سفه کی اصل "خفت" ہے اور سفیہ خفیف العقل (یعنی ہلکی اور کمزور عقل والے) کو کہتے ہیں۔ علمائے لغت کہتے ہیں، "سفہ یہ رائے کی خفت (ہلکا پن) اور سخافت (کمزوری) کو کہتے ہیں اور ان کا مقتضی عقل میں کمی کا ہونا ہے سفاهت (نادانی اور بے وقوفی) کے مقابلہ میں حلم (دوراندیشی) ہوتا ہے" (اس کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیں، "تہذیب اللغۃ"، "الصحاح" اور القاموس) طُغْيَانِهِمْ: طغیان یہ کسی بھی شے کا حد سے نکل جانا ہے۔ اسی معنی میں یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ "جب پانی طغیانی پر آیا" (تو ہم نے تم لوگوں کو کشتی میں سوار کرلیا)۔ (سورۃ الحاقۃ، آیت ۱۱)

یعنی وہ پانی بلند ہوا او چڑھتا چلا گیا اور اپنی حد سے نکل گیا۔ اور طاغیہ جبیار سرکش (اور ہٹ دھرم) کو کہتے ہیں۔

يَعْمَهُوْنَ: ...... العمه: یہ کسی شے میں حیران وسرگرداں رہ جانے کو کہتے ہیں۔[2] روبہ کہتا ہے۔

أعمى الهدى بالحائرين العمه

"کیا حیران وسرگشتہ بھٹکنے والے سیدھے راستہ سے اندھے ہوگئے؟"[3]

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عما (اندھا پن) اور عمہ (بے بصیرتی وحیرانی) دونوں ایک جیسے ہیں البتہ عما۔ یہ نگاہ اور عقل دونوں کے اندھے پن کو عام ہے جب کہ عمہ صرف (عقل وخرد اور) رائے کے اندھے پن کے ساتھ خاص ہے۔ یہ اس بے بصیرتی اور حیرانی کو کہتے ہیں جس میں آدمی کو یہ معلوم نہ ہو کہ کہاں جانا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۷۱)

---

[1] یہ کوفی المذہب ماہر لغت ابو الحسین احمد ابن فارس (ت ۳۹۵ھ/ ۱۰۰۴ء) ہیں۔ ہمذان میں پڑھاتے تھے بدیع الزمان ہمذانی اور صاحب بن عباد آپ کے تلامذہ میں ہیں "المجمل فی اللغۃ" آپ کی ایک نہایت اہم کتاب "ابجدی معجم" ہے اس کے علاوہ "الصاحبی فی فقه اللغة" اور "مقاييس اللغة" بھی آپ کی لغت پر مشہور تصانیف ہیں۔" (المنجد العربی الاعلام ص ۱۲ کالم نمبر ۱)

مولانا وحید الزمان قاسمی کیرانوی رقم طراز ہیں کہ "وہ لغوی تالیفات جن میں حصر کے طور پر الفاظ کو جمع کیا گیا ہو اور انتہائی دقت کے ساتھ اس کی تشریح کرتے ہوئے قرآن وحدیث اور فصیح اشعار کے ساتھ اس کے شواہد پیش کیے گئے ہوں کہ لغات کو مرتب کرنے کا یہ رنگ "معجم" کہلاتا ہے۔ (مقدمہ القاموس الوحید ص ۲۵)

"معاجم ابجدی" وہ معاجم ہیں جن کو حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کیا گیا ہو کہ سب سے پہلے ہمزہ سے شروع ہونے والے الفاظ لائے جائیں پھر با سے شروع ہونے والے۔ نیز ہر لفظ میں اس کے دوسرے تیسرے اور چوتھے حرف میں بھی حروف تہجی کی ترتیب کا خیال رکھا گیا ہو اور کسی بھی لفظ کے حروف زائدہ کا اس ترتیب میں خیال نہ رکھا گیا ہو کہ اس طرح مرتب ہونے والی لغات کو "دبستان لغات" کے تیسرے دبستان "دبستان ابجدی" کی لغات کہا جاتا ہے۔" اور حروف زائدہ کسی بھی کلمہ کے حروف اصلیہ کے علاوہ حروف کو کہا جاتا ہے جیسے "مستغفر" میں م، س، ت حروف زائدہ ہیں اور "غفر" حروف اصلیہ ہیں۔ (ص ۲۷۔ حوالہ بالا) نسیم

[2] یہ رجز یہ اشعار کہنے والا بہت بڑا شاعر رؤبہ بن عجاج تمیمی (۶۸۵۔ ۷۶۲) ہے۔ اہل لغت نے ان سے علم سیکھا اور اس کے اشعار سے دلیل پکڑتے ہیں۔ (المنجد العربی الاعلام ص ۲۶۷ کالم نمبر ۲) نسیم

[3] مفسر قرآن امام فخر الدین رازی (ت ۶۰۶ھ/ ۱۲۱۰ء) رے میں پیدا ہوئے اور ہرات میں انتقال کر گئے۔ علوم عقلیہ ونقلیہ کا وسیع علم رکھنے والے "شافعی اشعری" فلسفی اور متکلم تھے۔ معتزلہ کے ساتھ خوب مناظرے کیے۔ آپ کی فارسی اور عربی میں دسیوں تالیفات ہیں۔ جن میں سب سے مشہور "مفاتیح الغیب" ہے جو تفسیر کبیر کے نام سے زبان زد خلائق ہوئی۔ اس کے علاوہ "معالم اصول الدین"، "شرح الاشارات"، "محصل افکار المتقدمین والمتاخرین" اور نہایۃ الایجاز فی درایۃ الاعجاز" بھی آپ کی مشہور تصانیف ہیں" (المنجد الاعلام العربی ص ۲۵۹ کالم نمبر ۱)

اِشۡتَرَوُا:...... اِشۡتِرَاء (خریدنا) کی حقیقت کسی شے کو (کسی کے عوض) بدلنا ہے۔ اس کی اصل کسی مطلوب ومقصود شے کو حاصل کرنے کے لیے تیرا قیمت کو خرچ کرنا ہے۔ اور جو ایک شے کو دوسری شے کے بدلے بدلتا ہے اس کو عرب لوگ اشتراء (اس نے اس شے کو خرید لیا یا اپنی شے کے بدلے میں اس کو لے لیا) کہتے ہیں، شاعر کہتا ہے:

فان تزعمینی کنت اجھل منکم فانی اشتریت الحلم بعدك بالجھل

"(اے میری محبوبہ) اگر تیرا یہ گمان ہے کہ میں تم میں سب سے زیادہ گنواء (اور مغلوب الغضب) ہوں تو (جان لو کہ) میں نے تیرے بعد اس "جھل" (اور نادانی) کے بدلے دور اندیشی خرید لی ہے۔"

صُمٌّ:...... یہ اصم کی جمع ہے یہ بہرے کو کہتے ہیں۔

بُكۡمٌ:...... یہ ابکم کی جمع ہے یہ نہ بول سکنے والے گونگے کو کہتے ہیں۔

عُمۡيٌ:...... یہ اعمی کی جمع ہے جس کی بینائی جاتی رہی ہو۔

صَيِّبٍ:...... یہ صوب سے ماخوذ ہے جس کا معنی موسلا دھار بارش ہے۔ شاعر کہتا ہے:

سقتك رويا المزن حيث تصوب

ترجمہ:...... "تجھے پانیوں سے لدے بادل سیراب کریں گے (جب بھی اور) جہاں (بھی) وہ برسیں گے۔"

اَلصَّوَاعِقِ:...... یہ صاعقہ کی جمع ہے جو جلا دینے والی آگ کو کہتے ہیں اور جس شے پر سے بھی گذرتی ہے اس کو برباد کر دیتی ہے۔ یہ "صعق" سے مشتق ہے جس کا معنی "سخت آواز" ہے۔ اَلسَّمَآءِ: لغت میں سماء ہر اس شے کو کہتے ہیں جو تیرے اوپر ہو اور تجھ پر سایہ کرے۔ اسی معنی میں گھر کی چھت کو بھی "سماء" کہتے ہیں اور بارش کو آسمان سے نازل ہونے کی وجہ سے "سماء" کہتے ہیں شاعر کہتا ہے:

اذا سقط السماء بارض قوم رعیناہ وان کانوا غضابا

"جب کسی قوم کی زمین پر بارش برستی ہے (اور اس سے سرسبزی وشادابی ہوتی ہے) تو ہم ان کی زمینوں پر (اپنے جانور) چراتے خواہ وہ ناراض بھی ہوں۔"

يَخۡطَفُ:...... خطف جلدی کے ساتھ کسی شئی کو اچک لینے کو کہتے ہیں۔ یہ ارشاد باری تعالیٰ اسی معنی میں ہے:

اِلَّا مَنۡ خَطِفَ الۡخَطۡفَةَ (الصافات،۱۰) "ہاں جو کوئی (فرشتوں کی کسی بات کو) چوری سی جھپٹ لینا چاہتا ہے۔"

اور پرندے کو بھی اسی سرعت اور تیزی (سے اچک لینے کی عادت کی وجہ) سے "خَطَّاف" کہتے ہیں۔ اور "خاطف" وہ ہے جو نہایت تیزی سے کسی شئی کو اچک لے۔"

سبب نزول:...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "یہ آیات اہل کتاب منافقین جیسے: عبداللہ بن ابی بن سلول، معتب بن قشیر اور جد بن قیس وغیرہ کے بارے میں نازل ہوئیں۔ کہ یہ لوگ جب مسلمانوں سے ملتے تھے تو اپنا ایمان اور تصدیق ظاہر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ "ہم اپنی کتاب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات اور اوصاف کو لکھا پاتے ہیں۔" (تفسیر کبیر، ج ۲، ص ۱۶)

منافقین کی حقیقت

تفسیر: وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ:...... یعنی لوگوں کی ایک جماعت ایسی ہے، جو اپنی زبانوں سے یہ کہتی ہے کہ "ہم اللہ کی اور جو آیات بینات اس کے رسول پر نازل ہوئی ہے، ان سب کی تصدیق کرتے ہیں۔" وَبِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ: "یعنی ہم مرنے کے دوبارہ زندہ کیے جانے اور میدان محشر میں اکٹھے کیے جانے کی تصدیق کرتے ہیں۔" وَمَا هُمۡ بِمُؤۡمِنِيۡنَ: یعنی درحقیقت نہ وہ ان سب باتوں کی تصدیق کرنے والے ہیں اور نہ ان پر ایمان لانے والے ہیں، کیوں کہ وہ یہ بات بغیر (قلبی) تصدیق کے اور بغیر دل کے اعتقاد کے کرتے ہیں۔

علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "یہ وہ تیسری قسم کے لوگ ہیں، جو (مومنین اور کافرین دونوں کے) درمیان میں لٹک رہے ہیں۔ یہ وہ

لوگ ہیں جو زبان سے تو ایمان کا اقرار کرتے ہیں مگر دل سے اس کے قائل نہیں۔ یہ سب سے خبیث اور رب کے نزدیک سب سے مبغوض کافر ہیں کیوں کہ ان لوگوں نے دھوکہ دینے اور مذاق اڑانے کے لیے کفر پر (جھوٹے ایمان کے اقرار کی) ملمع سازی کی۔ اسی لیے رب تعالیٰ نے ان کے جہل اورخبث کا طویل ذکر کیا، ان کے افعال کا خوب مذاق اڑایا اور ان کے ساتھ ہنسی کی اور (ان کی قسمت میں) گمراہی وسرکشی کو لکھ دیا اور ان کی مثالیں بیان کیں۔'' (تفسیر البیضاوی ج۱/ ص ۱۱)

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: ......یعنی یہ لوگ اپنے اعمال میں دھوکہ کی روش اختیار کرتے تھے کہ کفر پر ڈٹے رہنے کے باوجود (جھوٹ موٹ کا) اپنا ایمان ظاہر کرتے تھے اور اپنی نادانی سے یہ گمان کرتے تھے کہ وہ خدا کو اس طرح دھوکہ دے رہے ہیں اور یہ طرز ان کے لیے خدا کے نزدیک نفع بخش ہے اور ان کا یہ طریقہ خدا کو مخمصہ میں ڈال دے گا جس طرح کہ ان لوگوں نے ان طریقوں سے بعض مسلمانوں کو چکر میں ڈال رکھا تھا۔ مگر یہ لوگ نہیں جانتے کہ رب تعالیٰ دھوکہ نہیں کھاتے کیوں کہ کوئی چھپنے والی شے ان سے چھپی ہوئی نہیں۔ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''نفاق یہ خیر کو ظاہر کرنا اور شر کو چھپانا ہے۔ اس کی کئی قسمیں ہیں ''اعتقادی نفاق'' کہ یہ نفاق آدمی کو ہمیشہ کے لیے آگ میں جھونک دیتا ہے۔ ''عملی نفاق'' کہ یہ سب سے بڑا گناہ اور سب سے بڑا جھوٹ ہے، کیوں کہ منافق کا قول اس کے فعل کے خلاف ہوتا ہے اسی طرح اس کا باطن اس کے ظاہر کے خلاف ہوتا ہے۔ منافقین کی صفات کے متعلق مدینہ میں اس لیے نازل ہوئیں کہ مکہ میں سرے سے نفاق تھا ہی نہیں بلکہ اس کے خلاف (یا تو ایمان تھا یا صاف کفر) تھا۔ (مختصر تفسیر ابن کثیر ج۱ ص ۳۲)

وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ: ......یعنی درحقیقت یہ صرف اپنے آپ ہی کو دھوکہ دے رہے ہیں کیوں کہ ان کے اعمال کا وبال خود ان کے سر پر پڑے گا۔ وَمَا يَشْعُرُوْنَ: یعنی اپنی بھرپور حماقت اور انتہائی غفلت کی وجہ سے نہ تو وہ اس کو سمجھ رہے ہیں اور نہ ہی اس کا احساس کررہے ہیں۔ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا: یعنی ان کے دلوں میں شک ونفاق (کی پلیدی کا مرض) ہے تو رب تعالیٰ نے ان کی (اس شک ونفاق کی) گندگی اور گمراہی کو اور زیادہ بڑھادیا۔ یہ دعائیہ جملہ ہے۔ ابن مسلم کہتے ہیں کہ ''یہ دین میں مرض تھا نہ کہ جسم میں اور یہ وہ شک تھا جس نے انہیں اسلام میں داخل (ہونے پر مجبور) کیا تو رب رب تعالیٰ نے بھی ان کی گندگی اور شک کو اور بڑھادیا۔'' (تفسیر ابن کثیر مختصر ج۱ ص ۳۲)

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ: ......یعنی ایمان کے جھوٹے دعوے اور رب رحمٰن کی آیات کا مذاق اڑانے کی وجہ سے انہیں دردناک عذاب دیا جائے گا۔ آگے رب تعالیٰ ان کی قبیح (عادات) اور گھناؤنے (کردارو) حالات کو بیان کرنا شروع فرمارہے ہیں، چنانچہ فرمایا: وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ: یعنی جب بعض مسلمان انہیں یہ کہتے کہ زمین میں فساد نہ مچاؤ اور فتنے برپا نہ کرو، کفر نہ پھیلاؤ اور خدا کی راہ سے نہ روکو۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''کفر اور نافرمانی یہ زمین میں فساد ہے، پس جو خدا کی نافرمانی کرتا ہے، وہ زمین میں فساد پھیلاتا ہے۔'' قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ: یعنی ہم تو کبھی بھی فساد پھیلانے والے لوگ نہیں، ہم تو اصلاح کرنے والے لوگ ہیں، جو خیر وبھلائی کی کوشش کرتے پھرتے ہیں، ہمیں مفسد کہنا ٹھیک نہیں۔ علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ان لوگوں نے فساد کو صلاح تصور کیا، کیوں کہ ان کے دلوں میں مرض تھا۔ یہ ان لوگوں کی طرح تھے جن کے بارے میں رب تعالیٰ فرماتے ہیں:

اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا (سورہ فاطر، آیت ۸)

''بھلا جس شخص کو اس کے عمال بدآراستہ کرکے دکھائے جائیں اور وہ ان کو عمدہ سمجھنے لگے'' (کیا وہ نیکوں کار آدمی جیسا ہوسکتا ہے)۔''

اسی لیے رب تعالیٰ نے جملہ کے شروع میں دو حرف تاکید لاکر ان کی نہایت بلیغ (اور بھرپور) تردید کی (ایک تو) اَلَآ (لائے) جو تنبیہ

---

۱ یہ جلیل القدر تابعی ابو اسامہ یا ابوعبداللہ زید بن اسلم عدوی مدنی ہیں۔ روایت تفسیر میں شہرت پائی، امام احمد بن حنبل جیسے بزرگوں نے انہیں ثقہ کہا، ارباب صحاح ستہ نے ان سے اخذ وروایت کی کثرت، علم میں معاصرین میں اس قدر ممتاز تھے کہ خود ان کے اساتذہ ان سے استفادہ کرتے تھے۔ امام زین العابدین دوسری مجالس چھوڑ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس غلام کی علمی مجلس میں حاضر ہوتے تھے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جیسے آئمہ آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ (تاریخ تفسیر ومفسرین ص ۱۱۳۔ ۱۱۴ ملخصاً بحوالہ ''تہذیب التہذیب'' ج ۳ ص ۳۹۵) ''نسیم''

کے لیے ہوتا ہے اور (پھر) "اِنَّ" (لائے) جو تاکید کے لیے ہوتا ہے اور (دوسرے اس جملہ اسمیہ کی) خبر کو معرفہ اور (خبر اور اس کے اسم کے) درمیان میں (ھُم ضمیر کے ذریعے) فصل لائے (کہ یہ سب اُمور علم نحو کے مطابق کلام میں تاکید پیدا کرنے کے لیے ہوتے ہیں) پھر ان کی غلطی کا استدراک کیا اور اس پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: کہ خود انہیں (اپنے مفسد ہونے کا) شعور نہیں۔[1] (تفسیر بیضاوی ج۱ ص ۱۲)

چنانچہ فرمایا:

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ:...... یعنی خبردار لوگو! آگاہ ہو جاؤ کہ فی الواقع فسادی یہی لوگ ہیں، نا کہ کوئی دوسرے۔ لیکن اپنے دلوں میں ایمان کا نور بجھ جانے کی وجہ سے تو انہیں اس بات کا احساس ہی ہے اور نہ ہی سمجھ۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ: یعنی جب ان منافقین کو یہ کہا جاتا ہے کہ تم بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح سچا ایمان لے آؤ، جس میں نفاق اور ریا کاری کی آمیزش نہ ہو کہ وہ حضرات رب تعالیٰ کی اطاعت اور اپنے ایمان میں خالص تھے۔

منافقین کا استہزاء

قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ:...... یہ ہمزہ "استفہام انکاری"[2] کے لیے ہے، جس میں استہزا اور تمسخر کا معنی بھی ہے۔ یعنی ان منافقوں نے یہ کہا کہ کیا ہم بھی (معاذ اللہ) صہیب، عمار اور بلال (رضوان اللہ علیہم اجمعین) جیسے (خاکم بدھن) ناقص العقل، جاہل لوگوں کی طرح ایمان لے آئیں؟ علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ان لوگوں نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بے وقوف ٹھہرایا۔ یا تو اس لیے کہ ان منافقوں کا یہ اعتقاد تھا کہ ان حضرات کی رائے درست نہیں اور یا وہ ان کی تحقیر کرنا چاہتے تھے۔ کیوں کہ (اس وقت) اکثر اہل ایمان تنگدست و فقیر تھے اور کچھ ان میں آزاد کردہ غلام تھے، جیسے کہ حضرت صہیب اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما وغیرہ۔" (تفسیر بیضاوی، ج۱ ص ۱۲)

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ:...... یعنی آگاہ ہو جاؤ کہ درحقیقت بے وقوف لوگ یہی ہیں، کیوں کہ جو باطل کی پیٹھ پر سوار ہو جائے وہ بلاشبہ بے وقوف ہوتا ہے، لیکن ان لوگوں کو اپنے گمراہ ہونے اور جاہل ہونے کا حال معلوم نہیں۔ اور یہ اندھے پن میں اور زیادتی اور ہدایت سے اور زیادہ دور ہونے کا نام ہے۔ رب تعالیٰ نے بڑی تاکید اور حصر کے ساتھ اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ سفاہت و جہالت (اور حماقت و بے تدبیری) ان میں ہی ہے۔ آگے رب تعالیٰ ان کے نفاق اور بناوٹ پر تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا:

---

[1] "اِنَّ" حرف تاکید عربی زبان میں جملہ کے شروع میں آتا ہے اور جملہ کے مضمون کو پکا کرتا ہے۔ "استدراک" یہ پہلی بات کی غلطی کے دور کرنے کو کہتے ہیں۔ "لیکن" یہ استدراک کے معنی پر دلالت کرتا ہے۔ "جملہ خبریہ" وہ جملہ ہے جس میں کسی ذات پر کسی بات کے ہونے یا کرنے کا حکم لگایا جاتا ہے۔ اس میں دو جز ہوتے ہیں عموماً پہلے جز کو مبتداء کہتے ہیں، جو کوئی اسم یا عَلَم ہوتا ہے اور اکثر معرفہ ہوتا ہے اور دوسرا اجزا اکثر تو اسم ہوتا ہے مگر کبھی فعل بھی ہوتا ہے اور اس کو خبر کہتے ہیں۔ اسم ہونے کی صورت میں زیادہ تر تو نکرہ ہوتا ہے، مگر کبھی تاکید کا معنی ادا کرنے کے لیے معرفہ بھی ہوتا ہے۔ اکثر ان دونوں اجزا میں کوئی تیسرا کلمہ فصل بن کر نہیں آتا ہے، مگر کبھی ضمیر کو ان دونوں کے بیچ میں لا کر فصل پیدا کرتے ہیں، جس سے تاکید کا فائدہ حاصل کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا آیت میں منافقین کی بھرپور تردید کرنے کے لیے تاکید در تاکید ہے۔ پہلے "الا" کو لایا گیا جو خود تنبیہ پر دلالت کرنے والا حرف ہے پھر "ان" حرف کے ذریعے تاکید پیدا کی گئی۔ پھر "ھم" ضمیر کے ذریعے مبتدا اور خبر میں فصل کیا گیا پھر خبر کو "المفسدون" معرفہ لا کر تاکید میں اور زیادہ شدت پیدا کی گئی۔ پھر "لکن" حرف استداک کے ذریعے ہر قسم کے شک کو رفع کر کے ان کی غلطی کو پکا کر دیا گیا کہ انہیں شعور ہی نہیں کہ یہ "فسادی" ہیں۔ فقط واللہ اعلم

معرفہ وہ کلمہ ہوتا ہے جو کسی معین شی پر بولا جائے اور نکرہ وہ کلمہ ہوتا ہے جو کسی غیر معین پر بولا جائے۔ ان نحوی اصطلاحات کی مزید تفصیل جاننے کے لیے دیکھیں شرح جامی" کافیہ" وغیرہ۔ اور بندہ محمد آصف نسیم کی تالیف "النسیم العربیہ فی حلّ مطالب الطریقۃ العصریۃ"۔ "نسیم"

[2] استفہام فعل کی نسبت یا نا معلوم بات کو معلوم کرنے کے لیے ہوتا ہے اور جب استفہام کسی بات کو دریافت کرنے کے بجائے اس پر انکار اور اس کا رد کرنے کے لیے ہو تو اس کو "استفہام انکاری" کہتے ہیں جیسا کہ مذکورہ بالا آیت میں ہے کہ یہ دریافت کرنا مقصود نہیں کہ کیا ہم ایمان لے آئیں؟ بلکہ ایمان لانے سے انکار کرنا مراد ہے۔
استفہام کے معنی پر کئی کلمات سے دلالت کی جاتی ہے، جیسے ھل اور ھمزہ وغیرہ۔ اور استفہام کے انکاری ہونے کی تعیین معنوی قرینہ سے ہوتی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ "نسیم"

یعنی جب یہ مؤمنین کو دیکھتے ہیں اور ان سے جب ان کا سامنا ہوتا ہے، تو نفاق اور بناوٹ کے طور پر ان کے سامنے اپنے ایمان اور ان کے ساتھ دوستی ظاہر کرتے ہیں۔ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ: یعنی جب وہ اکیلے ہوتے ہیں اور اپنے گمراہ اور منافق سرداروں اور بڑوں کے پاس لوٹتے ہیں۔ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ: یعنی ان (گمراہ سرداروں) کو کہتے ہیں کہ نہ صرف تمہارے دین پر ہیں بلکہ اس اعتقاد پر بھی ہیں جو تمہارا ہے۔ ہم لوگ تو اپنے ایمان کا اظہار کر کے ان مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور ان کے ساتھ ٹھٹھا کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ ان پر رد فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ: یعنی رب تعالیٰ اس تمسخر واستہزا کے بدلہ میں ایک تو انہیں ڈھیل دے رہا ہے اور دوسرے انہیں عبرتناک سزا دے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: یعنی خدا ان سے بدلہ لینے کے لیے ان کے ساتھ ہنسی کرتا ہے اور انہیں ڈھیل دے رہا ہے۔ اس معنی میں یہ ارشاد خداوندی ہے:

وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ "اور میں ان کو مہلت دیے جاتا ہوں میری تدبیر (بڑی) مضبوط ہے۔" (سورۃ الاعراف، آیت ۱۸۳)

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "یہ رب تعالیٰ کی طرف سے اس بات کی خبر دینا ہے کہ وہ ان کو ان کے مذاق اڑانے کا بدلہ دے گا اور اس دھوکہ دہی پر سزا دے گا۔ بس رب تعالیٰ نے بدلہ دینے کی خبر کو اس فعل کی خبر دینے کے قائم مقام بنایا جن کے باعث یہ لوگ عذاب خداوندی کے مستحق ٹھہرے۔ پس الفاظ تو ایک ہیں مگر معنی مختلف ہے۔"[1]

قرآن کریم میں اس طرح کی جتنی بھی آیات ہیں، علماء بیان نے ان سب کی یہی توجیہ بیان کی ہے جیسے مثلاً یہ دو آیات، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَجَزٰۗؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا "اور برائی کا بدلہ تو اسی طرح کی برائی ہے۔" (سورۃ الشوریٰ، آیت ۴۰)

اور فرمایا:

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ "پس اگر کوئی تم پر زیادتی کرے، تو اس پر (ویسی ہی زیادتی) تم (بھی) کرو۔" (سورۃ البقرہ، آیت ۱۹۴)

کہ ان دونوں آیات میں پہلے لفظ سے مراد تو ظلم ہے، جب کہ دوسرے اسی جیسے لفظ سے مراد (ظلم نہیں بلکہ) عدل ہے۔

وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ: ...... یعنی رب تعالیٰ انہیں چھوٹ دے کر اور ڈھیل دے کر ان کے کفر اور گمراہی کو بڑھائے گا کہ وہ اس کفر و ضلالت میں حیراں و سرگرداں خبطیوں کی ٹکریں مارتے پھریں گے اور اس سرگشتگی اور حیرت وتردد سے نکلنے کی انہیں کوئی سُجھائی نہ دے گی کیوں کہ رب تعالیٰ نے ایک تو ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ دوسرے ان کی آنکھوں کو نابینا کر دیا ہے۔ پس نہ تو وہ رُشد وہدایت کو دیکھ پاتے ہیں اور نہ ہی سیدھی راہ کی ہدایت پاتے ہیں۔ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى: یعنی انہوں نے ایمان کے بدلہ میں کفر اور گمراہی کو لیا اور اس گمراہی کو خریدنے کی قیمت ہدایت دے کر ادا کی۔ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ: یعنی اس لین دین اور خرید وفروخت میں ان کا سودا خسارہ میں رہا۔

نفاق کی مثال

وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ: ...... یعنی اپنے اس فعل میں وہ راہ یاب نہ ہوئے، کیوں کہ یہ دونوں جہان کی سعادت کو گنوا کر خسارے میں رہے۔ اس کے بعد رب تعالیٰ نے دو مثالیں دیں جن میں ان کے زبردست نقصان کو خوب واضح فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا: مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا:

---

[1] علماء بیان کے نزدیک اس کو "مشاکلت" کہتے ہیں۔ مشاکلت یہ دو جملوں کا لفظوں میں ایک ہونا اور معانی میں مختلف ہونا ہے۔ اسی معنی میں شاعر کا یہ شعر ہے:

قالوا: اقترح شيئًا نُجد لك طبخه قلت: اِطبخُوا لي جبة وقميصه

"ہم نے کہا کہ تم کوئی چیز پسند کرو ہم وہ تمہیں اچھی طرح (مزیدار کر کے) پکا کر دیں۔ تو میں نے (انہیں) کہا کہ "تم مجھے ایک جبہ اور ایک قمیص سی کر دو۔" (مؤلف)

مشاکلت: ...... فن بدیع میں مشاکلت یہ ہے کہ ایک معنی کو ایسے دیگر لفظ کے ذریعے ادا کیا جائے جو اس کے لیے وضع نہیں کیا گیا لیکن اس سے ملا ہوا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے قول نسوا الله فنسيهم (ان لوگوں نے رب کو بھلا دیا تو رب تعالیٰ نے انہیں بھلا دیا) اور ومكروا ومكر الله (اور انہوں نے ایک چال چلی، تو خدا نے بھی ایک چال چلی) کہ پہلی مثال میں دوسرا نسی بھلانے کے معنی میں نہیں۔ اور دوسری مثال میں دوسرا مکر چال کے معنی میں نہیں، کیوں کہ مکر ونسیان کی خدا کی طرف نسبت نہیں ہو سکتی۔ لیکن ترک کے معنی کو لفظ "نسیان" سے اور "تدبیر" کے معنی کو "مکر" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بظاہر دونوں لفظ یکساں ہیں مگر معنی جدا جدا ہیں۔" (القاموس الوحید ص ۸۸۲ کالم نمبر ۲۔۳)

یعنی ان کے نفاق کی مثال اور اس نفاق میں ان کا عجیب و غریب حال ایسے شخص کے حال کی طرح ہے۔ جس نے اس لیے آگ روشن کی تا کہ اس سے سینک لے اور روشنی حاصل کرے۔ مگر وہ آگ (زیادہ دیر) نہ جلی اور بالآخر بجھ گئی اور اس کو سخت اندھیروں اور شدید خوف میں چھوڑ دیا۔ (اسی کو اگلی آیت میں بیان کر رہے ہیں کہ) فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ: جب آگ نے اس کے اردگرد کی جگہ کو روشن کر دیا اور وہ دیکھنے لگا اور سلامتی میں آ گیا اور اس روشنی پھیلاتی لپٹیں مارتی آگ سے مانوس ہو گیا تو رب تعالیٰ نے اس آگ کو بالکل ہی بجھا دیا پس وہ آگ ختم ہو گئی اور روشنی معدوم ہو گئی۔ وَتَرَكَهُمْ فِیْ ظُلُمٰتٍ لَّا یُبْصِرُوْنَ: یعنی ان کو سخت اندھیروں اور شدید خوف میں رکھا۔ وہ اس اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مارنے لگے مگر انہیں راہ نہ ملتی۔ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''رب تعالیٰ نے منافقین کی یہ مثال بیان فرمائی ہے اور ان کو ہدایت کے بدلہ میں گمراہی خریدنے پر اور ان کے بصیرت و بینائی کے بعد اندھے ہو جانے پر اس شخص کے مشابہ قرار دیا ہے، جس نے آگ جلائی، پھر جب آگ نے اردگرد کی جگہ کو روشن کر دیا اور وہ اس آگ سے نفع اٹھانے لگا اور اس سے مانوس ہو گیا اور دائیں بائیں کی چیزوں کو (با آسانی) دیکھنے لگا کہ اچانک اس کی آگ بجھ گئی اور وہ شدید تاریکی میں کھڑے کا کھڑا رہ گیا کہ کچھ سجھائی نہ دیتا تھا اور راہ نہ ملتی تھی۔ ان منافقوں نے ہدایت کے بدلے جو گمراہی لی ہے اور ہدایت پر گمراہی کو پسند کیا ہے، ان کی مثال اسی شخص کی سی ہے۔ اس مثال میں اس بات پر دلالت ہے کہ یہ لوگ پہلے ایمان لائے تھے، پھر کافر ہو گئے تھے۔ اس لیے رب تعالیٰ نے ان کی روشنی چھین لی اور انہیں کفر و نفاق اور شک کے اندھیروں میں (بھٹکنے کے لیے) چھوڑ دیا کہ نہ تو خیر کے راہ کو پا سکے اور نہ ہی راہ نجات کو پہچان سکے۔'' (مختصر تفسیر ابن کثیر ۱/۲۱ ص ۳۶)

صُمٌّ: ...... یعنی یہ ان بہروں کی طرح ہیں جو خیر کی بات سن نہیں سکتے۔ بُكْمٌ: یعنی یہ ان گونگوں کی طرح ہیں جو اپنے لیے نفع بخش بات کو بول نہیں سکتے۔ عُمْیٌ: یہ ان اندھوں کی طرح ہیں، جو نہ تو راہ ہدایت دیکھ پاتے ہیں اور نہ ہی اس پر چل پاتے ہیں۔ فَهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ: یعنی جس ضلالت و گمراہی میں یہ لوگ بھٹک رہے ہیں، اس سے نہ مڑیں گے۔ اس کے بعد ان منافقوں کے حال کو اور زیادہ واضح کرنے اور کھولنے کے لیے ان کے بارے میں دوسری مثال بیان فرمائی۔ چنانچہ فرمایا:

منافقین کی تردد و حیرت کی مثال

اَوْ كَصَیِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ: ...... یعنی یا ان منافقوں کی حیرت اور تردد کی مثال ان لوگوں کی سی ہے، جو شدید موسلا دھار بارش میں پھنس گئے اور (سیاہ بادلوں نے) اندھیرا کر دیا۔ وہ سخت گرجنے لگے، ساتھ ہی بجلی چمکنے کڑکنے اور کوندنے لگی۔ فِیْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ: یعنی ان بادلوں میں سخت تیرہ و تاریک اندھیرا، تیز زوردار اور گونج دار گرج اور اچک لینے والی بجلی کی کوند اور کڑک ہے۔ یَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ: یعنی یہ لوگ کڑک کے ڈر کو دور کرنے کے لیے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں۔ اور آدمی ایسا دہشت اور خوف کی زیادتی کے وقت کرتا ہے گویا کہ وہ لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ایسا کرنا انہیں (کڑک کے خوف سے) بچا لے گا۔ حَذَرَ الْمَوْتِ: یعنی ایسا یہ لوگ اس تباہ کر دینے والی کڑک سے موت آ جانے کے ڈر سے کرتے ہیں۔ وَاللّٰهُ مُحِیْطٌۢ بِالْكٰفِرِیْنَ: یہ ''جملہ اعترافیہ''[1] ہے۔ یعنی رب تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان کا احاطہ کر رکھا ہے اور یہ لوگ رب تعالیٰ کی مشیت و ارادہ کے تحت ہیں، جس سے وہ راہ فرار اختیار نہیں کر سکتے۔ جیسے وہ آدمی جو ہر طرف سے دشمنوں کے نرغے میں ہو کہ وہ ان سے بچ کر نکل نہیں سکتا۔

یَكَادُ الْبَرْقُ یَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ: ...... یعنی یہ بجلی اپنی شدت و قوت اور انتہائی چمکدار ہونے کی وجہ سے قریب ہے کہ ان کی بینائی زائل کر دے۔ چنانچہ یہ بجلی تیزی کے ساتھ کوند کر ان کو اندھا کر دے۔ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِیْهِ: یعنی جب بجلی چمک کر ان کی راہ کو روشن کر دیتی ہے تو یہ لوگ اس کی روشنی میں چلنے لگتے ہیں۔ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَیْهِمْ قَامُوْا: یعنی جب بجلی چھپ جاتی ہے اور اس کی روشنی مدہم پڑ جاتی ہے، تو وہ چلنے سے رک جاتے ہیں اور اپنی جگہوں پر کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں۔ اس مثال میں ان کی انتہائی حیرت اور جہل کی منظر کشی ہے۔ کہ پھر جب

[1] جملہ اعترافیہ یا معترضہ یا عبارت معترضہ اس کلام کو کہتے ہیں جو اثنائے عبارت میں آ کر کلام کی تشریح کرے'' (القاموس الوحید ص ۱۰۶۹ بتصرف) ''نسیم''

ذرا بجلی چمکتی ہے۔ اور روشنی پھیلاتی ہے تو باوجود یہ کہ انہیں اس بات کا بھی ڈر ہوتا ہے کہ کہیں بجلی ہماری بینائی نہ ختم کردے مگر پھر بھی جلدی سے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے چند قدم چل لیتے ہیں، لیکن جب دوبارہ اس کی روشنی چھپ جاتی ہے، تو رک جاتے ہیں اور اس ڈر سے آگے قدم نہیں بڑھاتے کہ کہیں کسی گڑھے میں نہ گر جائیں۔ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ: یعنی اگر خدا چاہے تو اس گرج میں اضافہ کردے اور انہیں بہتر کردے اور ان سے ان کی شنوائی کی قوت چھین لے۔ اور (اگر چاہے تو بجلی کی) کڑک اور کوند میں اضافہ کردے، جو ان سے ان کی بینائی چھین کر انہیں اندھا کردے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ: وہ رب تعالیٰ کی ذات ہر شی پر قدرت رکھتی ہے۔ زمین و آسمان میں کوئی اس کو عاجز اور درماندہ نہیں کرسکتا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اس جگہ رب تعالیٰ نے اپنی ہر شے پر قادر ہونے کی صفت کو ذکر فرمایا، اس میں منافقین کو اپنے عذاب اور اپنی سطوت وشوکت سے ڈرایا ہے اور انہیں اس بات کی خبر دی ہے کہ اس نے ان سب کا احاطہ کیا ہوا ہے اور وہ انہیں اندھا اور بہرا کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔'' (تفسیر طبری ج ۱ ص ۷۹)

بلاغت:...... یہ آیات کریمہ بھی بلاغت وبدیع کی کئی انواع کو شامل ہیں ذیل میں ان کو مختصراً ذکر کیا جاتا ہے:

پہلی: وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ...... اس میں رب تعالیٰ نے ان منافقوں کی تکذیب میں مبالغہ کیا ہے۔ کہ دراصل یہ کہنا تھا کہ ''یہ لوگ ایمان نہیں لائے'' یعنی جملہ اسمیہ کی بجائے جملہ فعلیہ لاکر یوں کہتے: وما امنوا تاکہ یہ قول گزشتہ اس قول کے مطابق ہوجاتا: من یقول امنا (بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے)۔ لیکن رب تعالیٰ نے فعل کی بجائے جملہ اسمیہ[1] کا پیرایہ اختیار کیا تاکہ ان لوگوں کو مسلمانوں کے شمار سے ہی نکال دے اور اس میں [2]''با'' کے ذریعے، ان سے ایمان کی نفی کرنے میں مبالغہ کرنے کے لیے اور زیادہ تاکید پیدا کی۔

دوسری: یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ...... اس میں ''استعارہ تمثیلیہ'' ہے۔ ایمان کا اظہار کرنے اور کفر کو چھپانے میں ان کے اپنے رب کے ساتھ حال کو رب تعالیٰ نے اس رعایا کے حال کے ساتھ تشبیہ دی ہے، جو اپنے بادشاہ کو دھوکہ دیتی ہے۔ اس میں استعارہ کے طریق پر مشبہ بہ کے نام کو مشبہ کے لیے مستعار لیا گیا ہے۔

تیسری: اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ...... اس میں قصر (وحصر) ہے اور یہ ''موصوف کو صفت پر قصر کرنے کی قسم میں سے ہے (یعنی اس موصوف میں مذکورہ یہی صفت ہی ہے) یعنی ہم تو صرف اور صرف اصلاح کرنے والے ہی ہیں۔

چوتھی: فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ...... اس میں ایک ''لطیف کنایہ'' ہے [3] کہ مرض کبھی حقیقت میں جسموں میں ہوتا ہے اور کبھی یہ نفاق سے کنایہ ہوتا ہے کیوں کہ مرض جسم کو بگاڑ دیتا ہے تو نفاق (ایمان اور جائے ایمان یعنی) دل کو بگاڑ دیتا ہے۔

پانچویں: اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ...... اس میں کئی طرح کی تاکید ہے۔ اس جملہ میں چار تاکیدیں آئی ہیں: ایک "اَلَاۤ" کہ یہ تنبیہ کا فائدہ دیتا ہے، دوسری "اِنَّ" کہ جو تاکید کے لیے ہے تیسری ضمیر فصل "هُمْ" اور پھر خبر "اَلْمُفْسِدُوْنَ" کا معرفہ ہونا۔ [4] ایسی ہی تاکید درتاکید "اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ" میں بھی ہے۔ اس میں رب تعالیٰ نے ان منافقوں پر نہایت مضبوط ومحکم اور بہت بلیغ رد فرمایا ہے۔

چھٹی: اَللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ...... اس میں ''مشاکلت'' یہاں استہزا کی جزا اور اس کے بدلے کو بھی استہزا بطور ''مشاکلت'' کے کہا گیا ہے اور یہ لفظوں کا ایک اور ان کے معانی کا مختلف ہونا ہے۔

ساتویں: اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰی...... اس میں ''استعارہ تصریحیہ'' ہے۔ مراد یہ ہے کہ ان لوگوں نے رشد وہدایت کے بدلے گمراہی اور ایمان

---

[1] جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ کے خواص اور صفات جاننے کے لیے علم نحو کی متداول کتب کا مطالعہ کیجیے۔ دیکھیے شرح جامی، کافیہ، نحو میر وغیرہ۔ ''نسیم'' [2] یہ ''با'' زائدہ کہلاتا ہے، جو جملہ اسمیہ منفیہ میں تاکید اور مبالغہ کے معنی کو ادا کرنے کے لیے آتا ہے اور ترکیب میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ فقط واللہ اعلم۔ اس کے لیے دیکھیں، ''السراج'' ترجمہ ''المنہاج'' مطبوعہ المیزان لاہور۔ نسیم [3] کنایہ اس کا معنی اشارہ ہے اور علم بیان کی اصطلاح میں وہ لفظ ہے جس کے معنی کا کوئی لازم (متعلق) مراد لیا جائے۔ اور اصلی معنی مراد لینے کا بھی اس بنیاد پر جواز ہو کہ وہاں کوئی قرینہ بھی اصلی معنی مراد لینے میں مانع نہیں نہ ہو۔ جیسے ''امت الدولار'' (ڈالروں والی امت) بول کر امریکہ مراد لیا جائے وغیرہ۔ (القاموس الوحید ص ۱۴۳۰ کالم نمبر ۲) ''نسیم'' [4] اس پر تفصیلی کلام گزشتہ حاشیہ میں گزر چکا ہے۔ ''نسیم''

کے بدلے کفر لیا تو ان کا یہ سودا خسارے میں رہا۔ ان کی اس تجارت نے انہیں نفع نہ دیا۔ یہاں "شراء" (خریدنا) کے لفظ کو "استبدال" (بدلنا) کے (معنی کے) لیے بطور استعارہ کے لیا گیا۔ پھر اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ (انہیں ان کی تجارت نے نفع نہ دیا)۔ یہ وہ "ترشیح" [1] ہے جو استعارہ کے ذریعے (معانی کی) بلند چوٹی تک پہنچتی ہے۔

آٹھویں: مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا ...... اور اسی طرح اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ کہ ان دونوں میں "تمثیلی تشبیہ" ہے کہ پہلی مثال میں منافق کو آگ جلانے والے سے تشبیہ دی گئی ہے اور اس کے ایمان کے اظہار کو "آگ روشن کرنے اور پھر اس آگ کے بجھ جانے سے اس سے فائدہ اٹھانے کے ختم ہو جانے سے تشبیہ دی گئی ہے۔" اور دوسری مثال میں اسلام کو بارش سے تشبیہ دی گئی ہے کیوں کہ دل اسلام سے اسی طرح زندہ ہوتے ہیں جس طرح بارش سے مردہ زمین زندہ ہوتی ہے۔ اور کافروں کے شبہات کو "ظلمات" (اندھیروں) سے تشبیہ دی گئی ہے اور قرآن کریم کے وعدہ اور وعید کو گرج اور چمک (بجلی) سے تشبیہ [2] دی گئی ہے"۔

نویں: صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ ...... میں نہایت "بلیغ تشبیہ" ہے۔ یعنی یہ لوگ ان حواس (صحیح) فائدہ اٹھا سکنے کی وجہ سے گویا کہ اندھے بہرے اور گونگے ہیں۔ یہاں سے حرف تشبیہ اور وجہ تشبیہ [3] کو حذف کر کے اس کو نہایت بلیغ بنا دیا گیا۔

دسویں: يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِىْٓ اٰذَانِهِمْ ...... اس میں "مجاز مرسل" ہے۔ مجاز مرسل یہ کل بول کر جزو مراد لینے کو کہتے ہیں۔ یعنی وہ اپنے کانوں میں (پوری انگلیاں نہیں بلکہ) انگلیوں کے سرے اور "پورے" داخل کرتے ہیں (کہ یہاں کل بول کر یعنی "انگلیاں" ان کے سرے مراد لیے گئے ہیں جو جزو ہیں) کیوں کہ کانوں میں پوری انگلیاں داخل کرنا ناممکن ہے۔

گیارہویں: ...... لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ۔ اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ اور وَيَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ وغیرہ آیات میں آخری کلمات ایک دوسرے کے موافق ہیں کہ اس کا قوت سماعت پر نہایت خوب صورت اثر مرتب ہوتا ہے اور یہ نفس پر بڑی گہرائی سے اثر انداز ہوتا ہے۔ یہ بات کلام کے "بدیعی" "حسن" میں سے ہے۔ [4]

مثال دینے کا مقصد اور اس کی غرض و غایت

فوائد: ① ...... مثال دینے کا مقصد اور اس کی غرض و غایت یہ ہوتی ہے کہ دور کی بات کو قریب کیا جائے، دقیق مبہم اور پیچیدہ بات کو واضح کیا جائے یہاں تک کہ بات اس طرح (کھل کر) واضح ہو جائے گویا کہ یہ دیکھی ہوئی اور محسوس کی ہوئی ہے۔ اور مثالیں آدمی کے جی پر نہایت عجیب اثر ڈالتی ہیں۔ (جیسا کہ خود رب تعالیٰ فرماتے ہیں)

---

[1] "ترشیح" یہ اہل بیان کے یہاں مشبہ بہ کے ساتھ اس کے مناسب (کوئی خاص صفت) ذکر کرنا ہے (القاموس الوحید ص ٦٢٧ کالم نمبر ١) "نسیم" امام زمخشری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ "بدیع" کی وہ صنعت ہے جو مجاز کے ذریعے (معنوی) انتہائی بلندی کو پہنچتی ہے۔ (دیکھیں الکشاف ج ١ ص ٣٥) "مؤلف" [2] امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "اس جگہ تشبیہ نہایت درست ہے کیوں کہ پہلے پہل ان منافقوں نے ایمان لا کر ایمان کا نور حاصل کیا پھر منافق بن کر اس نور کو ضائع کر دیا اور ایک شدید حیرت (اور گم گشتگی) میں مبتلا ہو گئے کیوں کہ دین میں "تردّد و حیرانی" سے بڑھ کر کوئی دوسری (حیرانی اور) بے یقینی نہیں کیوں کہ اس میں ابدالآباد تک کا نقصان ہے" (تفسیر کبیر ج ٢ ج ٧٣) "مؤلف" [3] علم البیان میں ایک شے کو دوسری شے کے ساتھ دونوں میں ایک مشترکہ صفت کی وجہ سے لاحق کرنا تشبیہ کہلاتا ہے، جیسے بہادری کی بنا پر "ایک شخص کو شیر سے تشبیہ دینا" (القاموس الوحید ص ٨٣٩ کالم نمبر ٣) اس میں پہلی شئ کو "مشبہ" دوسری شئ کو "مشبہ بہ" کہتے ہیں اور جس حرف کے ذریعے تشبیہ دینے کا معنی ادا کیا جاتا ہے اس کو "حرف تشبیہ" اور جس بنا پر تشبیہ دی جائے اس کو "وجہ تشبیہ" کہتے ہیں۔ جیسے "زيد كالاسد" زید شیر کی طرح ہے۔ اس میں زید مشبہ، اسد مشبہ بہ "ک" حرف تشبیہ اور بہادری و شجاعت وجہ تشبیہ ہے۔ اور کبھی حرف تشبیہ اور وجہ تشبیہ کو لفظوں سے حذف کر دیتے ہیں تا کہ معنی میں اور زیادہ بلاغت پیدا ہو۔ جیسا کہ مذکورہ بالا آیت میں ان منافقوں کے حد درجے بے حس ہونے کی وجہ سے انہیں اندھے، گونگے اور بہرے سے تشبیہ دی گئی اور حرف تشبیہ کو حذف کر دیا گیا۔ گویا کہ انہیں اندھا گونگا اور بہرہ ہی قرار دیا گیا ہے اور یہ معنی حرف تشبیہ کو حذف کرنے سے حاصل کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔ "نسیم" [4] ہم نے ان بلاغت پر مبنی مثالوں کو بطور مثال کے ذکر کیا ہے تا کہ حصر کے طور پر تا کہ قاری قرآن کریم کی بعض عمدگیوں اور خصوصیات سے لطف اندوز ہو۔ وگرنہ کلام خداوندی تو ایک معجزہ ہے اس میں وہ شاندار بیان اور بلاغت کی صورتیں ہیں کہ جن سے ایک انسان لطف اندوز تو ہو سکتا ہے مگر اس کی زبان ان کی صفات بیان کرنے (اور انہیں شمار کرنے) سے عاجز ہوتی ہے۔" "مؤلف"

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ (عنکبوت، ۴۳)

ترجمہ:...... "اور یہ مثالیں تو ہم لوگوں کے (سمجھانے کے) لیے بیان کرتے ہیں اور اسے تو اہل دانش ہی سمجھتے ہیں"۔

(۲)...... ان آیات میں رب تعالیٰ نے منافقین کی دس نہایت بری اور قبیح صفات کو بیان کیا ہے جو ان کے نہایت گمراہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں، وہ یہ ہیں: "جھوٹ، دھوکہ، چالبازی، حماقت، ٹھٹھہ بازی، زمین میں فساد پھیلانا، جہالت گمراہی، بے یقینی (تذبذب) اور اہل ایمان کا مذاق اڑانا" اللہ ہمیں منافقین کی ان صفات سے بچائے۔ (آمین)

منافقین کو قتل نہ کرنے کی حکمت

(۳)...... باوجود یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ یہ منافق کافر ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے بعض کو اچھی طرح پہچانتے بھی تھے لیکن پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قتل کرنے کا حکم نہ دیا تو اس میں بھی ایک حکمت تھی، جس کو بخاری شریف کی یہ روایت واضح کرتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا:

مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ عرب (عوام) یہ باتیں کریں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔ (مختصر تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۲)

ایک لطیف نکتہ:...... علامہ ابن قیم[1] رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تو ذرا ارشاد خداوندی ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ میں غور کر کہ رب تعالیٰ نے ذَهَبَ اللّٰهُ بِنَارِهِمْ نہیں فرمایا (یعنی "ان کا نور ختم کر دیا" فرمایا: اور ان کی آگ بجھادی نہیں فرمایا) حالاں کہ آیت کی شروع کا مقتضا یہی تھا (نار کو ذکر کیا جاتا نہ کہ نور کو) تاکہ یہ شروع آیت "اِسْتَوْقَدَ نَارًا" (جس میں نار یعنی کا آگ کا ذکر ہے) کے مطابق ہوجائے۔ کیوں کہ آگ روشنی بھی پھیلاتی ہے اور جلاتی بھی ہے۔ رب تعالیٰ نے اس کی روشنی پھیلانے والی صفت نور کو ختم کر دیا۔ اب اس کی صرف جلانے والی صفت "ناریہ" باقی رہ گئی۔ ذرا غور کرو کہ رب تعالیٰ نے "بِنُوْرِهِمْ" فرمایا کہ "بِضَوْءِهِمْ" کہ ضوء یعنی روشنی یہ نور سے ایک زائد وصف کو کہتے ہیں (یعنی روشنی کی زیادتی کو ضوء کہتے ہیں) لہٰذا اگر رب تعالیٰ "ذَهَبَ اللّٰهُ بِضَوْءِهِمْ" فرماتے تو اس بات کا وہم ہوسکتا تھا کہ رب تعالیٰ نے اصل نور کو تو باقی رکھا مگر اس کی زیادتی کو ختم کر دیا اور (ذرا مزید) غور کر کہ ایک طرف تو رب تعالیٰ نے نور کو واحد لا کر فرمایا "ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ" جب کہ اندھیرے کا ذکر جمع کے ساتھ کیا چنانچہ فرمایا: وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمٰتٍ کیوں کہ حق (اور اس کی روشنی) ایک ہی ہے اور وہ رب کا وہ صراط مستقیم ہے کہ جس کے سوا دوسرا کوئی راستہ اس تک پہنچاتا نہیں۔ بخلاف باطل کے راستوں کے وہ متعدد اور چند در چند ہیں۔ اس لیے رب تعالیٰ نے قرآن کریم کے متعدد مقامات پر "حق" کو تو واحد ذکر فرمایا ہے اور "باطل" کو جمع کے صیغہ میں ذکر کیا ہے۔ مثال کے طور پر چند آیات درج ہیں:

يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّوْرِ (سورۃ البقرۃ، ۲۵۷)

ترجمہ:...... "(رب تعالیٰ اہل ایمان کو) اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے جاتا ہے۔"

(کہ یہاں باطل یعنی "ظلمات" کو جمع اور "حق" یعنی نور کو واحد ذکر کیا ہے اسی طرح یہ آیات ہیں:

وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ترجمہ:...... "اور (اس نے) اندھیروں اور روشنی کو پیدا کیا" (سورۃ الانعام، ۱)

وَأَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ (سورۃ الانعام، ۱۵۳)

ترجمہ:...... "اور یہ کہ میرا سیدھا راستہ یہی ہے تو تم اسی پر چلنا اور راستوں پر نہ چلنا کہ (ان پر چل کر) خدا کے رستے سے الگ ہوجاؤ گے۔"

یہاں پر رب تعالیٰ نے باطل کے راستوں کو جمع کے صیغے کے ساتھ ("سُبُل" کہہ کر) ذکر کیا ہے جبکہ حق کے راستہ کو واحد ذکر فرمایا" (یہ مضمون علامہ قاسمی کی "محاسن التاویل" سے نقل کیا گیا ہے)۔

---

[1] یہ دمشق کے رہنے والے حنبلی فقیہ علامہ محمد ابن قیم جوزیہ رحمۃ اللہ علیہ (ت ۷۵۱ھ / ۱۳۵۰ء) ہیں۔
یہ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں، ان کے ساتھ قید و بند کو بھی جھیلا۔ متکلم اور مناظر تھے اور فلاسفہ سے مناظرے کیے۔ آپ کی متعدد تصنیفات ہیں جن میں "مدارج السالکین"، "اعلام الموقعین" "شفاء العلیل"، "الفوائد" اور "روضۃ المحبین" کو شہرت دوام حاصل ہے۔ (المنجد العربی الاعلام ص ۱۳ کالم نمبر ۱)

اللہ تبارک وتعالیٰ کی وحدانیت پر دلائل

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱعۡبُدُواْ رَبَّكُمُ ٱلَّذِي خَلَقَكُمۡ وَٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُونَ ﴿٢١﴾ ٱلَّذِي جَعَلَ لَكُمُ ٱلۡأَرۡضَ فِرَٰشٗا وَٱلسَّمَآءَ بِنَآءٗ وَأَنزَلَ مِنَ ٱلسَّمَآءِ مَآءٗ فَأَخۡرَجَ بِهِۦ مِنَ ٱلثَّمَرَٰتِ رِزۡقٗا لَّكُمۡۖ فَلَا تَجۡعَلُواْ لِلَّهِ أَندَادٗا وَأَنتُمۡ تَعۡلَمُونَ ﴿٢٢﴾ وَإِن كُنتُمۡ فِي رَيۡبٖ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلَىٰ عَبۡدِنَا فَأۡتُواْ بِسُورَةٖ مِّن مِّثۡلِهِۦ وَٱدۡعُواْ شُهَدَآءَكُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ إِن كُنتُمۡ صَٰدِقِينَ ﴿٢٣﴾ فَإِن لَّمۡ تَفۡعَلُواْ وَلَن تَفۡعَلُواْ فَٱتَّقُواْ ٱلنَّارَ ٱلَّتِي وَقُودُهَا ٱلنَّاسُ وَٱلۡحِجَارَةُۖ أُعِدَّتۡ لِلۡكَٰفِرِينَ ﴿٢٤﴾ وَبَشِّرِ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّٰلِحَٰتِ أَنَّ لَهُمۡ جَنَّٰتٖ تَجۡرِي مِن تَحۡتِهَا ٱلۡأَنۡهَٰرُۖ كُلَّمَا رُزِقُواْ مِنۡهَا مِن ثَمَرَةٖ رِّزۡقٗا قَالُواْ هَٰذَا ٱلَّذِي رُزِقۡنَا مِن قَبۡلُۖ وَأُتُواْ بِهِۦ مُتَشَٰبِهٗاۖ وَلَهُمۡ فِيهَآ أَزۡوَٰجٞ مُّطَهَّرَةٞۖ وَهُمۡ فِيهَا خَٰلِدُونَ ﴿٢٥﴾

ترجمہ:......اے لوگو! عبادت کرو اپنے رب کی جس نے تم کو پیدا فرمایا اور اُن لوگوں کو بھی پیدا فرمایا جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ، ﴿٢١﴾ جس نے بنایا تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت، اور اُتارا آسمان سے پانی، پھر نکال دیا اس کے ذریعہ پھلوں سے تمہارے لیے رزق، لہٰذا مت بناؤ اللہ کے لیے مقابل، حالانکہ تم جانتے ہو۔ ﴿٢٢﴾ اور اگر تم اس کتاب کی طرف سے شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندہ پر نازل کی تو لے آؤ کوئی سورت جو اس جیسی ہو اور بلا لو اپنے مددگاروں کو اللہ تعالیٰ کے سوا اگر تم سچے ہو۔ ﴿٢٣﴾ سو اگر تم نہ کرو اور ہرگز نہیں کر سکو گے، سو ڈرو آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، وہ تیار کی گئی ہے کافروں کے لیے۔ ﴿٢٤﴾ اور بشارت دیجیے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے کہ بلاشبہ ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جب کبھی بھی ان کو اُن باغوں میں سے کوئی پھل بطورِ غذا کے دیا جائے گا تو کہیں گے کہ یہ وہی ہے جو ہمیں اس سے پہلے دیا گیا اور ان کو ہم شکل پھل دیے جائیں گے اور ان کے لیے ان باغوں میں بیویاں ہوں گی جو پاکیزہ بنائی ہوئی ہیں، اور وہ اُن باغوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿٢٥﴾

مناسبت:......جب رب تعالیٰ نے اہلِ ایمان، کافروں اور منافقوں تینوں قسم کے لوگوں کا ذکر فرمایا تو (اس کے بعد) ایمان یا نفاق اور سعادت و بدبختی کو واضح کرنے والی باتوں کو بھی ذکر فرمایا اور مثالیں پیش کیں اور گمراہی کے راستوں کو واضح فرمایا۔ اس (تفصیل کو بیان کرنے) کے بعد (ان آیات میں) اللہ رب العالمین کی وحدانیت پر دلائل کو ذکر فرمایا اور لوگوں کو اس کی نعمتیں جتلائیں تاکہ وہ ان نعمتوں پر اپنے پروردگار کے شکر گزار بندے بنیں۔ چنانچہ رب تعالیٰ "يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ" کہہ کر مخاطب ہوئے، جو ساری کی ساری مخلوق کو خطاب ہے، جن پر رب تعالیٰ نے اپنی تخلیق اور رزق کی نعمت کا احسان فرمایا ہے۔ اور نہایت روشن بیان اور واضح دلیل کے ذریعے ان کے لیے "قرآن کا معجزہ" ظاہر فرمایا کہ جو دلوں سے شک اور بے یقینی کی جڑوں کو اکھاڑ پھینکے۔

لغت: خَلَقَكُمۡ "خلق"......یہ بغیر کسی (پہلے سے موجود شے کی) مثال کے کسی شے کو بنانا اور وجود میں لانا ہے۔ لغت میں اس کا اصلی معنیٰ "اندازہ کرنا" (تقدیر) ہے۔ عربی میں "خَلَقَ النَّعۡلَ" (اس نے جوتے کو کاٹنے سے پہلے اس کو ناپا اور اس کی پیائش کی) اس وقت کہا جاتا ہے جب کسی پیمانہ سے اس کی پیائش لی جائے اور اس کو ٹھیک کیا جائے اور "خَلَقَ الۡأَدِيمَ لِلسِّقَاءِ" (اس نے مشکیزہ کے لیے کھال کی پیائش کی) اس وقت کہا جاتا ہے جب (مشکیزہ بنانے کے لیے) کھال کی پیائش کی جائے۔" حجاج خَلَقَ کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "وما خلقت الا فریت وعدت الا وفیتُ" یعنی میں نے جس شی کا بھی اندازہ کیا اس کو پورا کیا اور جو وعدہ بھی کیا اس کو پورا کیا۔

فِرَاشًا:......فرش یہ نرم زمین یا بستر کو کہتے ہیں یہ وہ بچھونا ہے جس پر آدمی بیٹھتا اور سوتا ہے۔ بِنَآءً: بناء یہ کسی بھی بنائے جانے والے گنبد، گھر یا پشم، یا اون یا بالوں سے بنائے جانے والی دو یا تین ستونوں والے خیمے کو کہتے ہیں۔ اَنْدَادًا: یہ "نِدٌّ" کی جمع ہے یہ ہمسر مثیل (مثل) یا نظیر کو کہتے ہیں، اسی معنی میں علمائے کرام نے رب کی توحید بیان کرتے ہوئے یہ کہا ہے: لَیْسَ لِلّٰہِ نِدٌّ وَّلَا ضِدٌّ: نہ رب کا کوئی ہمسر ہے اور نہ کوئی اس کی ضد (منافی یا مخالف یا مثل یا نظیر یا ہم رتبہ) ہے"

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ[1] کا شعر ہے:

اَتَھْجُوْہُ وَلَسْتَ لَہٗ بِنِدٍّ   فَشَرُّکُمَا لِخَیْرِکُمَا الْفِدَاءُ

ترجمہ:......کیا تو اس کی ہجو (یعنی مذمت) کرتا ہے جب کہ تو اس کا ہم رتبہ (اور ہمسر) نہیں ہے پس تم دونوں کا شر تم دونوں کی خیر پر فدا ہے۔

(تفسیر قرطبی ج۱ ص ۲۳۰)

زمخشری کہتے ہیں، کہ "ند" "مثل" کو کہتے ہیں، اور یہ فقط مخالف و مقابل کو ہی کہتے ہیں۔[2] جریر کہتا ہیں۔

اَتَیْمًا تَجْعَلُوْنَ اِلَیَّ نِدًّا (الکشاف ج۱ ص ۴۷)   ترجمہ:......"کیا تم لوگ "تیم"[3] کو میرا ہمسر ٹھہراتے ہو۔"

وَقُوْدُھَا:......وقود یہ اس ایندھن کو اور جلانے کی لکڑیوں کو کہتے ہیں جن سے آگ جلائی جاتی ہے۔[4] قرطبی کہتے ہیں، "وقود" اگر "واؤ" کے زبر کے ساتھ ہو تو اس کا معنی جلانے والی لکڑیاں اور ایندھن ہے اور اگر یہ "واؤ" کی پیش کے ساتھ ہو تو یہ مصدر ہے[5] جو "تَوَقُّدٌ" (آگ کے سلگنے اور جلنے) کے معنی میں ہے۔ (تفسیر قرطبی ج۱ ص ۲۳۸)

اُعِدَّتْ:......یعنی تیار کی گئی ہے۔ علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اُعِدَّتْ یعنی ان (کافروں) کے لیے تیار کی گئی ہے اور ان کے عذاب دینے کے لیے "تیار کردی گئی" ہے۔ (تفسیر البیضاوی ج۱ ص ۱۸)

بَشِّرِ:......بشارت یہ اس خوشی کی خبر کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے چہرہ خوشی سے کھل اٹھتا ہے۔ اور جب اس کو (خوشی کے بجائے کسی) "بری بات" (کے معنی کو ادا کرنے) کے لیے استعمال کیا جاتا ہے تو یہ "تَھَکُّمٌ" (مذاق اڑانے) کے معنی میں ہوتا ہے، جیسے یہ ارشاد خداوندی ہے:

فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۱﴾ (آل عمران، ۲۱)   ترجمہ:......"ان کو دکھ دینے والی عذاب کی خوشخبری سنادو"۔

اَزْوَاجٌ:......یہ زوج کی جمع ہے یہ مذکر اور مؤنث دونوں پر بولا جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ (سورۃ البقرہ، ۳۵)   ترجمہ:......"(اے آدم!) تم اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو"۔

---

[1] یہ اہل مدینہ میں سے مخضرمی شاعر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے عہد جاہلیت میں غسانیوں کی مدح میں اشعار کہے تھے پھر اسلام لے آئے اور "شاعر رسول" کہلائے۔ آپ نے قریش کی ہجو میں اشعار بھی کہے۔ آپ کا ایک دیوان بھی ہے (جو دیوان حسان" کے نام سے مشہور ہے)۔ (المنجد العربی الاعلام ص ۲۲۰ کالم نمبر ا) مخضرمی ان لوگوں کو کہتے ہیں جنہوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں کا زمانہ پایا ہو۔ (القاموس الوحید ص ۴۵۰ کالم نمبر ا) "نسیم" [2] یہ مشہور اموی شاعر ابو حزرہ جریر (۶۵۳ ـ ۷۳۳) ہے جو یمامہ میں پیدا ہوا۔ ہجائیہ (دشمن کی مذمت پر مبنی) شاعری میں مشہور ہوا خاص طور پر اپنے دو مقابلوں اخطل اور فرزدق کی (خوب) مذمت بیان کی۔ ابوجعفر بن حبیب نے اس کے دیوان کو جمع کیا ہے جو مدح وہجاء، فخر، غزل اور مرثیہ کے تقییدی فنون پر مشتمل ہے" (المنجد الاعلام العربی ص ۲۰۰ کالم نمبر ا۔ ۲) "نسیم"

[3] "تیم" یہ ایک قبیلہ کا نام ہے (القاموس الوحید ص ۲۰۸ کالم نمبر ۲)۔ یہ شرقی لبنان جبل الشیخ کی ایک وادی کا نام ہے اور "راشیا" اس کا ایک اہم شہر ہے (المنجد الاعلام العربی ص ۱۸۹ کالم نمبر ا) "نسیم" [4] یہ بڑے عالم و فاضل عابد و زاہد ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی انصاری خزرجی اندلسی قرطبی ہیں، جنہوں نے بڑی زاہدانہ اور شب بیدار زندگی گزاری۔ مشہور محدث ابو علی حسن بن محمد البکری وغیرہ سے درس حدیث لیا۔ شیخ ابو العباس بن عمر قرطبی مؤلف "المفہم فی شرح صحیح مسلم" سے اس شرح کا کچھ حصہ پڑھا۔ شوال ۶۷۱ھ میں وفات پائی۔ آپ نے ایک گراں بہا علمی ذخیرہ یادگار چھوڑا جس میں "الجامع لاحکام القرآن" کو شہرت دوام ملی۔ اس کے علاوہ "شرح اسماء الحسنیٰ" "التذکرہ بامور الآخرۃ" وغیرہ بھی آپ کی یادگار کتب ہیں۔" (تاریخ تفسیر و مفسرین ص ۶۱۴ ملخصا) "نسیم" [5] مصدر۔ علمائے لغت کے نزدیک مصدر اسم کی وہ شکل ہے جو کسی کام کے ہونے یا کرنے پر دلالت کرے اور اس سے (مخصوص صرفی اور نحوی قواعد کے تحت) دیگر افعال اور اسماء بنائے جائیں" (القاموس الوحید ص ۹۱۵ کالم نمبر ۲) "نسیم"

چنانچہ عورت کو "مرد کا زوج" اور مرد کو "عورت کا زوج" کہا جاتا ہے۔ [1] اصمعی کہتے ہیں۔ عرب "زوجۃ" کا لفظ استعمال نہیں کرتے۔ خٰلِدُوْنَ: یعنی وہ باقی ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔

وحدانیت اور قدرت کے دلائل

تفسیر:...... رب تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنی وحدانیت اور قدرت کے دلائل پر متنبہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ یعنی اے اولاد آدم! تم اپنے اوپر رب تعالیٰ کی عظیم نعمتوں کو یاد کرو اور اپنے اس پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمہاری پرورش کی اور تمہیں عدم سے وجود میں لا کر تمہاری نشوونما کی۔ اس کی توحید، اس کے شکر اور اس کی اطاعت کے ذریعے اس کی عبادت کرو۔

الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ :...... یعنی جس نے اپنی قدرت سے تمہیں عدم سے وجود بخشا اور تم سے پہلے کے لوگوں کو پیدا کیا۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ:...... تاکہ تم ان تقویٰ والوں میں سے ہو جاؤ جو ہدایت وفلاح کے ذریعے کامیاب ہوئے۔ علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "جب رب تعالیٰ نے "مکلف" [2] (بندوں) کی جماعتوں کو گنوایا، تو رب تعالیٰ نے سننے والے کو ہشاش بشاش کرنے (اور فرحت وسرور کی کیفیت سے سرشار کرنے)، عبادت کی اہمیت اور اس کی شان کی عظمت کو بیان کرنے کے لیے (بندوں کی طرف) التفات (اور توجہ) کرتے ہوئے (ان سے) خطاب فرمایا۔ قرآن کریم میں "یاایھا" ندا کا صیغہ کثرت کے ساتھ اس لیے آیا ہے کہ یہ خود تاکید کی کئی صورتوں کا معنیٰ ادا کرتا ہے۔ اور وہ تمام باتیں جن کی طرف رب تعالیٰ نے اپنے بندوں کو پکارا (اور بلایا اور پکار کر متوجہ کیا) ہے اس اعتبار سے کہ وہ اتنے اہم اور عظیم ہیں کہ جن کا حق ہے کہ بندے انہیں سمجھیں اور دل کی گہرائیوں سے انہیں قبول کریں جب کہ اکثر لوگ ان سے غافل ہیں وہ اس لائق ہیں کہ انہیں نہایت بلیغ اور تاکیدی کلمات کے ساتھ پکارا جائے۔" (تفسیر بیضاوی ج۱ ص ۱۶)

رب تعالیٰ کی چند نعمتوں کا ذکر

پھر رب تعالیٰ بندوں پر اپنی نعمتوں کو شمار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا:...... یعنی اس نے زمین کو تمہارے لیے بچھونا اور ٹھہرنے کی جگہ بنایا، جس پر تم ٹھہرتے ہو اور اس کی کروی (گیند نما) ہونے کا باوجود تم لوگ اس کو بچھائے ہوئے بستر کی طرح استعمال کرتے ہو وگرنہ تمہارے لیے اس پر ٹھہرنا اور زندگی گزارنا ممکن نہ تھا۔ علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "رب تعالیٰ نے زمین کو ایک بچھی ہوئے بستر کی طرح بیٹھنے اور سونے کے لیے تیار کر دیا ہے۔ اور اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ زمین (گول نہیں بلکہ مسطح یعنی) ہموار (چپٹی) ہے کیوں کہ اس کا نہایت عظیم حجم والا کروی جسم اور شکل "اس کے اوپر بیٹھنے" (کے ممکن ہونے) کا انکار نہیں کرتا۔ [3] وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً: یعنی آسمان کو زمین کے اوپر ایک گنبد کی شکل میں اس کی چھت بنایا۔ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً: یعنی اپنی قدرت سے بادلوں سے وہ پانی برسایا جو پیاس بجھانے والا اور میٹھا ہے۔ فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ: یعنی اس بارش سے انواع واقسام کے میوے پھل اور سبزیاں تمہاری غذا کے واسطے پیدا کیں۔ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ: یعنی بتوں اور انسانوں میں سے کسی کو بھی رب کی عبادت میں شریک نہ کرو جب کہ تم جانتے ہو کہ یہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے اور نہ ہی یہ کسی کو رزق روزی ہی دیتے ہیں، اور روزی دینے والا اللہ، اور پیدا کرنے والا وہ ایک اکیلا اللہ ہی ہے، جو زورآور اور مضبوط ہے۔

---

[1] یہ ابو عمرو بن العلاء کے شاگرد لغت کے مشہور عالم ابو سعید عبد الملک اصمعی (۷۴۰-۸۲۸) بصری ہیں۔ ہارون الرشید نے انہیں "امین" کا اتالیق مقرر کیا تھا۔ ان کی سب سے مشہور کتاب "الاصمعیات" ہے جو اشعار عرب کی روایت کے بارے میں ہے۔ اس کے علاوہ خلق الانسان، الخیل، الابل اور الاضداد بھی آپ کی مشہور کتب ہیں۔ (المنجد العربی الاعلام ص ۵۲ کالم نمبر ۱) "نسیم" [2] مکلف...... وہ بالغ مرد یا عورت جس کی عمر اور حالت اس بات کی اجازت دیں کہ اس پر شریعت یا قانون کے احکام لاگو ہو سکیں۔ (القاموس الوحید ص ۱۴۲۰ کالم نمبر ۱) "نسیم" [3] تفسیر بیضاوی ج۱ ص ۱۶۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے زمین کے "کروی" (یعنی گیند نما) ہونے پر صریح دلالت کرتی ہے۔ اور یہ اس دور میں ان کی رائے تھی جب محققین نے یہ رائے ہوا اور خلا وفضا میں (سیاروں اور طیاروں سے) زمین کے گرد چکر لگا کر قائم نہیں کی تھی۔ "مؤلف"

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "یہاں سے رب تعالیٰ نے اپنی الوہیت کی وحدانیت کو بیان کرنا شروع فرمایا ہے، کہ اسی خدا نے بندوں کو عدم سے وجود میں لانے کا ان پر انعام بخشا ہے، اور ان پر اپنی نعمتیں خوب برسائیں ہیں۔ اور یہاں "السماء" سے مراد بادل ہیں۔ رب تعالیٰ بندوں کو جب ضرورت ہوتی ہے تو اس وقت ان کے لیے بارش برساتے ہیں اور ان کے لیے اور ان کے جانوروں کے لیے اس بارش کی برکت سے طرح طرح کی کھیتیاں، پھل اور رزق پیدا فرماتے ہیں۔ خلاصہ اس آیت کا یہ ہے کہ "رب تعالیٰ ہی خالق، رازق، دنیا اور اس کے باسیوں کا مالک اور ان کا رازق ہے۔ اسی لیے وہ اللہ ہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کے ساتھ شرک کیے بغیر صرف اسی ایک اکیلے کی عبادت کی جائے۔"

(مختصر تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۸)

نبوت کی صداقت کی دلیل

توحید کے دلائل ذکر کرنے کے بعد رب تعالیٰ نبوت (کی صداقت) کی دلیل بیان فرماتے ہیں اور قرآن کے اعجاز پر دلیل قائم کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا :...... یعنی اے لوگو! جب تم اس قرآن کی صداقت میں شک اور بے یقینی کا شکار ہو، جو اپنے بیان، نظم اور تشریع میں معجز (نما) ہے کہ جس کو رب تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے۔ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ تو تم اس قرآن جیسی ایسی سورت ہی بنا کر دکھاؤ جس کی بلاغت فصاحت اور (زور) بیان (قرآن کی ایک سورت ہی) جیسی ہو۔ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ: یعنی خدا کے سوا قرآن کا معارضہ کرنے کے لیے جو لوگ بھی تمہیں مددگار مل سکتے ہیں ان کو بھی (اس کام کے لیے) بلا لو۔ مراد یہ ہے کہ خدا کی سوا جس کو چاہو اپنا مددگار ٹھہرا لو (مگر تم سب مل کر بھی یہ کام نہ کر سکو گے) علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کا معارضہ کرنے کے لیے ہر اس شخص کو بلا لو جو تمہارے سامنے ہے یا جن وانس اور جھوٹے خداؤں میں سے جس سے بھی تمہیں امید ہے کہ وہ اس کام میں تمہاری مدد کرے گا، ان سب کو بلا لو، مگر خدا کے سوا کوئی بھی اس قرآن کا مثل بنا کر نہ دکھا سکے گا۔" (تفسیر بیضاوی ج ۱ ص ۱۷)

إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ:...... یعنی (اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ) یہ قرآن کسی بشر کا کلام ہے اور اپنی طرف سے بنایا ہوا ہے (تو اس کی دلیل لاؤ یعنی پھر تم بھی اسی طرح کا بنا لاؤ)۔ اور (نحوی ترکیب کے اعتبار سے اس شرط کی) جزا (اس لیے) محذوف ہے کہ ماقبل کا کلام اس پر دلالت کرتا ہے (اور وہ ہے فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ گویا کہ پوری عبارت یوں بنے گی کہ "اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ یہ قرآن کسی آدمی کا کلام ہے نہ کہ خدا کا تو تم بھی اس جیسی کوئی سورت بنا لاؤ۔" "نسیم") فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا: یعنی اگر تم اس کی سورتوں جیسی ایک سورت بنا کر لانے کی قدرت نہیں رکھتے اور زمانہ ماضی میں تم اپنے زور آور فصحا و بلغا اور عبقری شخصیات سے مدد لے کر بھی اس کے برابر یا اس کی قریب قریب ایک سورت بھی بنا کر نہیں لا سکے ہو۔ وَلَنْ تَفْعَلُوا: اور زمانہ مستقبل میں بھی تم اس کی مثل بنا کر نہ دکھا سکو گے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ﴿٨٨﴾ (الاسراء: ۸۸)

"تو اس جیسا (قرآن) بنا کر نہ لا سکیں گے اگرچہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں۔"

یہ آیت جملہ اعتراضیہ ہے جو حال اور استقبال دونوں زمانوں میں قرآن کا مثل بنا کر لے آنے سے عاجز ہونے کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ہے۔ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "باوجود یہ کہ عرب لوگ سب سے زیادہ زبان آور (اور فصیح و بلیغ) لوگ تھے لیکن قرآن نے پھر بھی انہیں (اپنے جیسی ایک بھی سورت بنا کر لانے کا) چیلنج کر دیا اور وہ لوگ عاجز ہو کر رہ گئے۔ "لن" یہ مستقبل میں (کسی بات کی) ہمیشہ کی نفی کرنے کے لیے آتا ہے۔ یعنی یہ لوگ کبھی بھی ایسا نہ کر سکیں گے۔ اور یہ قرآن کا ایک دوسرا معجزہ ہے کہ اس نے کسی خوف اور کھٹکے کے بغیر اس بات کی قطعی اور پکی خبر دے دی ہے کہ ابدالآباد اور رہتی دنیا تک کوئی بھی اس قرآن کی مثل بنا کر اس کا معارضہ نہ کر سکے گا۔ اور واقعی ایسا ہی ہوا کہ آج تک کوئی بھی ایسا نہ کر سکا اور نہ آئندہ کوئی ایسا کر سکے گا۔ (جو بھی قرآن میں نگاہ تدبر ڈالے گا وہ ظاہری و باطنی فنون کے (ایسے ایسے) اعجاز کے مظاہر پائے گا جو کسی بھی دوسری

کتاب میں نہ ہوں گے) لفظوں میں اور (نہ) معانی میں۔ جو عربی کلام کو پہچانتا ہے اور کلام (عرب) کی صرفی (باریکیوں اور) وضاحت کو سمجھتا ہے وہ جانتا ہے کہ سارے کا سارا قرآن انتہائی درجہ کا فصیح و بلیغ اور (زور بیان والا ہے۔" (مختصر تفسیر ابن کثیر ج۱ ص ۴۱)

جہنم کی آگ اور اس کی حقیقت

فَاتَّقُوا النَّارَ:...... یعنی جب تم قرآن کا مثل بنا کر لانے سے عاجز ہو اور سمجھتے ہو کہ یہ ایک سچا کلام ہے۔ اور خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے، پھر بھی اس کا انکار کرتے ہو تو خدا کے عذاب سے ڈرو اور اس بھڑکتی آگ سے بچو جس کو رب تعالیٰ نے جھٹلانے والوں (یعنی اس قرآن کے جھٹلانے والوں) کو عذاب دینے کے لیے بنایا ہے۔ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ: یعنی اس آگ سے بچو جس کا مادہ کہ جس کے ذریعے اس کو جلایا جائے گا اور اس کو بھڑکانے کے لیے جس کو جلایا جائے گا۔ وہ کفار اور وہ (جھوٹے) بت ہیں جن کو یہ لوگ خدا کے سوا پوجتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ (الانبیاء،۹۸)

"(کافرو! اس روز) تم اور جن کی خدا کی سوا عبادت کرتے ہو دوزخ کا ایندھن بنو گے۔"

مجاہد[1] رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "آگ (یعنی گندھک یا سلفر کے جہنم) کے پتھر مردار سے بھی زیادہ بدبودار ہوں گے جن کے ساتھ ان کافروں کو آگ سمیت عذاب دیا جائے گا۔"

اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ:...... یعنی وہ آگ ان انکار پر ڈٹنے والے کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے اور وہ ان کی گھات میں (اور ان کے انتظار میں) ہے۔ اس میں وہ طرح طرح کے رسوا کن عذابوں کا سامنا کریں گے۔

اہل ایمان کے لیے بشارت

قرآن کریم کا طریقہ یہ ہے کہ وہ نیکوں اور بروں کے احوال کا موازنہ کرنے کے لیے ترغیب و ترہیب کے مضامین کو جمع کرتا ہے اسی لیے جب ان عذابوں کو ذکر کیا جو رب تعالیٰ نے اپنے دشمنوں کے لیے تیار کیے ہیں، تو ان کے ذکر کرنے کے بعد ان نعمتوں کو بھی بتلایا جو اس نے اپنے دوستوں کے لیے تیار کر رکھی ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ:...... یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اہل ایمان متقین کو جو دنیا میں نیکوکار تھے جنہوں نے ایمان اور نیک اعمال دونوں کو جمع کیا ان کو خوشخبری سنا دیجیے! کہ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ: ان کے لیے درختوں والے باغات اور ایسے ٹھکانے ہیں کہ جن کے محلات کے نیچے جنت کی نہریں بہتی ہوں گی۔[2] كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا: یعنی جب بھی انہیں جنت کے پھلوں کا رزق عطا کیا جائے گا۔ قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ: یعنی اسی جیسا کھانا ہمیں اس سے پہلے بھی دیا گیا ہے۔ مفسرین فرماتے ہیں: "فرشتے جنتیوں کو جنت کے پھل لا کر دیں گے، جب وہی پھل دوبارہ ان کے سامنے پیش کیے جائیں گے تو وہ کہیں گے کہ، "یہ پھل تو تم ہمیں پہلے بھی لا کر

---

[1] ۲۱ھ میں عہد فاروقی میں پیدا ہونے والے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سب سے زیادہ قابل اعتماد شاگرد مجاہد بن جبر ابوالحجاج مخزومی ہیں۔ آپ نے ۱۰۴ھ میں بعمر تراسی سال مکہ میں بحالت سجدہ وفات پائی۔ بخاری کتاب التفسیر میں آپ کے اقوال بکثرت نقل ہیں۔ آپ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو تیس ۳۰ مرتبہ (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۹) یا تین مرتبہ (تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۲) پورا قرآن کریم سنایا اور ہر آیت کی بابت ان سے دریافت کیا کہ یہ کیسے اور کہاں نازل ہوئی۔ امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے تفسیری اقوال کو حرف آخر قرار دیا ہے۔ (ابن جریر طبری ج ۱ ص ۳۰) پوری امت آپ سے اخذ و احتجاج کرنے اور آپ کی امامت پر متفق تھی صحاح ستہ کے جامعین نے بھی آپ سے روایت کی ہے۔ (المیزان) (دیکھیں تاریخ تفسیر مفسرین ص ۱۰۵ ملخصاً) نسیم [2] حدیث میں آتا ہے کہ "جنت کی نہریں کھالیوں کے بغیر بہتی ہوں گی"۔ "مؤلف" "یعنی زمین کی ہموار سطح پر جس میں کوئی گڑھا یا کھائی نہ ہوگی، وہ نہریں اس طرح بہتی ہوں جیسے ان کو کسی سانچے میں ڈھالا ہوا ہے کہ پانی اطراف سے چھلک کر نہ بہے گا بلکہ یوں بہے گا جیسے کسی کھودی ہوئی کھلائی یا کھائی میں ہے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ اس کی حقیقت کیا ہے دنیا میں اس کی مثال نہیں اور ہمارا اس کے ہونے پر پختہ ایمان ہے اور خدا اس کی حقیقت کا ادراک ان جنتوں میں اپنے فضل و کرم سے داخل کر کے نصیب فرمائے، ہر مسلمان کو...... آمین برحمتك یا ارحم الراحمین۔ "نسیم"

دے چکے ہو۔" تو فرشتے ان سے کہیں گے: "اے اللہ کے بندے! (ذرا) انہیں کھا (کر تو دیکھ) کہ رنگ (تو) ایک ہے جب کہ ذائقہ (پہلے پھل سے) مختلف ہے"[1] (اس پر) رب تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا: یعنی وہ شکل وصورت میں تو ایک جیسی ہوں گے جب کہ (ذائقہ، لذت) کھانے اور بناوٹ میں مختلف ہوں گے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "یعنی وہ ظاہری رنگ روپ میں ایک جیسے ہوں گے جب کہ ذائقہ میں ایک جیسے نہ ہوں گے۔" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: "جنت کی کوئی شے دنیا کی کسی شے کے، سوائے نام ایک جیسے ہونے کے، کسی بات میں مشابہ نہیں۔

وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ: ...... یعنی ان کے لیے جنت میں "حورِعین" میں سے ایسی پاک بیویاں ہوں گی جو حیض ونفاس، پیشاب، پاخانہ اور تھوک رینٹھ کی گندگیوں سے پاک ہوں گی۔ احادیث میں آتا ہے کہ "دنیا کی مؤمن عورتیں روز قیامت حورعین سے بھی زیادہ خوبرو (حسین وجمیل) ہوں گی۔" جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿۳۶﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿۳۷﴾ (سورۃ الواقعہ، ۳۵-۳۷)

"ہم نے جوان (حوروں) کو پیدا کیا تو ان کو کنواریاں بنایا (اور شوہروں کی) پیاریاں اور ہم عمر۔"

وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ: ...... یعنی (وہ اس جنت میں) ہمیشہ رہیں گے۔ یہ (انتہائی) سعادت اور اس کی تکمیل ہے کہ وہ اس امن کی جگہ میں ان نعمتوں کے جھرمٹ، اپنی بیویوں کی آغوش میں، ہمیشہ کی خوشگوار زندگی گزاریں گے جو کبھی ختم نہ ہوگی۔"

بلاغت: اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ: ...... اس آیت میں رب تعالیٰ نے بڑائی (تَفْخِيْم) اور تعظیم کے لیے اپنی ربوبیت کو مخاطبین کی طرف مضاف کر کے (رَبَّكُمُ کہہ کے) بیان کیا۔ عَلٰی عَبْدِنَا: اس میں "عبد" کو اپنی طرف مضاف کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت افزائی (تشریف) اور تخصیص فرمائی ہے کہ عبدیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے بڑا وصف ہے۔ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ: اس میں "تعجیز" (دوسروں کو عاجز بتلانا) ہے۔ اس میں رب تعالیٰ فَاْتُوْا کے صیغے کو تعجیز کے معنی کی طرف لے گئے ہیں۔ اور سُوْرَةٍ اس کو نکرہ[2] لاکر عموم اور شمول کو مراد لیا۔ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً: اس میں ایک لطیف تقابل ہے کہ زمین کا آسمان سے اور فرش کا چھت سے تقابل کیا ہے۔ یہ "بدیعی حسن" میں سے ہے۔ وَلَنْ تَفْعَلُوْا: یہ جملہ اعتراضیہ ہے جو ماضی ومستقبل میں اس چیلنج کو بیان کرنے اور (ہر سطح اور ہر طرح کے لوگوں کے) ہر ہر زمانے میں مکمل طور پر عاجز ہونے کو بیان کرنے کے لیے ہے۔ فَاتَّقُوا النَّارَ: یہاں کنایہ کے ذکر سے "ایجاز بدیع"[3] کو پیدا کیا گیا ہے۔ (عبارت کا ایجاز واختصار تو واضح ہے اور کنایہ یوں ہے کہ) اگر تم (قرآن کی مثل بنالانے سے) عاجز ہو تم قرآن کی تصدیق کر کے جہنم کی آگ سے ڈرو (اور اس سے بچو)۔

کفار کے ایک شبہ کا ازالہ

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ

وقف لازم

---

[1] بعض مفسرین نے اس آیت کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ، (س وقت جنتی یہ کہیں گے کہ) "ہمیں دنیا میں یہ پھل دیا جاچکا ہے" یہ مرجوح قول ہے۔ صحیح وہی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ حضرات سے مروی ہے کہ "یہ جنت کے ہی پھل کے بارے میں ہے" اور یہ کہ دنیا میں تو جنت کی نعمتوں کی مثال ہی نہیں، ہاں نام ضرور ایک جیسے ہیں۔" (فقط واللہ اعلم) "مؤلف"

[2] نکرہ کی تعریف گزشتہ میں گزر چکی ہے کہ جو کسی بھی غیر معین شی پر بولا جائے۔ لفظ قرآن کا نکرہ نہیں بلکہ فاتوا بسورۃ میں لفظ سورۃ نکرہ ہے۔ یہاں بھی قرآن کا غیر معین لفظ مراد ہے کہ تم کافروں کو چیلنج ہے کہ قرآن کی کسی بھی سورت یا آیت کی مثل بنالاؤ۔ گویا کہ یہ چیلنج عام چیلنج ہے جو قرآن کی سب سورتوں اور آیتوں کو شامل ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ "نسیم"

[3] کنایہ اور بدیع کی تعریف گزشتہ میں گزر گئی ہے "ایجاز" یہ اختصار کے ساتھ کلام کی بلاغت کو کہتے ہیں۔ (القاموس الوحید ۱۸۱۵ بتصرف) "نسیم"

اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۚ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾ ع ۳

ترجمہ:...... بے شک اللہ تعالیٰ اِس بات سے نہیں شرماتا کہ کوئی بھی مثال بیان فرمائے مچھر ہو یا اس سے بھی بڑھی ہوئی کوئی چیز ہو، سو جو لوگ ایمان لائے وہ جانتے ہیں کہ بلاشبہ یہ مثال حق ہے ان کے رب کی طرف سے اور رہے وہ لوگ جنھوں نے کفر اختیار کیا سو وہ کہتے ہیں کیا ارادہ کیا اللہ نے اس کے ذریعہ مثال دینے کا۔ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ بہت سوں کو گمراہ کرتے ہیں اور اس کے ذریعہ بہت سوں کو ہدایت دیتے ہیں اور اس کے ذریعہ نہیں گمراہ کرتے مگر فرمانبرداری سے نکل جانے والوں کو۔ ﴿۲۶﴾ جو اللہ کے عہد کو توڑتے ہیں اس کی مضبوطی کے بعد، اور کاٹتے ہیں اُن چیزوں کو جن کو جوڑے رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اور فساد کرتے ہیں زمین میں، یہ لوگ پورے خسارہ والے ہیں۔ ﴿۲۷﴾ کیسے کفر کرتے ہو اللہ کے ساتھ، حالانکہ تم بے جان تھے سو اُس نے تم کو زندگی دی پھر تم کو موت دے گا، پھر زندہ فرمائے گا، پھر اُس کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ ﴿۲۸﴾ اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے پیدا فرمایا جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب، پھر قصد فرمایا آسمان کی طرف سو ٹھیک طرح بنا دیا، ان کو سات آسمان، اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ ﴿۲۹﴾

مناسبت:...... جب رب تعالیٰ نے روشن اور ٹھوس دلیل سے اس بات کو بیان کر دیا کہ قرآن کلام خدا ہے جس میں کوئی شک پیدا نہیں ہو سکتا اور رب تعالیٰ نے اس معجزانہ کتاب کو خاتم المرسلین پر نازل فرمایا ہے اور اس بات کا (بھی) ان (عربوں اور زمانہ بھر کے فصحا و بلغا) کو چیلنج کر دیا کہ (اگر ہمت ہے تو) اس کی چھوٹی سے چھوٹی سورت جیسی ہی ایک سورت بنا لاؤ، تو یہاں رب تعالیٰ نے کفار کے ایک شبہ کو ذکر کیا جو وہ قرآن میں نقص اور عیب نکالنے کے لیے کیا کرتے تھے، وہ یہ کہ رب تعالیٰ نے قرآن میں ''شہد کی مکھی، مکھی، مکڑی اور چیونٹی (جیسی حقیر مخلوقات)'' کا ذکر کیا ہے اور ایسی معمولی باتوں کا ذکر کرنا فصحا و بلغا کے کلام کے شایاں نہیں چہ جائیکہ رب الأرباب کے کلام میں (ان کا ذکر ہو) تو رب تعالیٰ نے ان کے اس شبہ کا جواب دیتے ہوئے اور ان پر رد فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ''ان اشیاء کا حقیر ہونا قرآن کی فصاحت اور اس کے اعجاز میں عیب نہیں کہ جب ان کو مثال کے طور پر ذکر کرنے میں نہایت زبردست حکمتیں ہوں''۔

لغت: لَا يَسْتَحْيٖ: حیا، یہ انسان پر طاری ہونے والی اس تبدیلی اور انکساری کو کہتے ہیں، جو اس بات کے خوف سے ہو جو آدمی کی مذمت اور عیب کا سبب بنے۔ اور یہاں اس کا لازمی معنی مراد ہے (کہ حیا کے حقیقی معنی سے خدا کی ذات پاک ہے) اور وہ ہے ''ترک کرنا''، زمخشری رحمۃ اللہ علیہ (اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے) فرماتے ہیں، ''یعنی رب تعالیٰ کا مچھر کی مثال کو بھی بیان کرنا اس شخص کی طرح نہیں چھوڑتا جو اس کے ذکر کو اس کی حقارت کی وجہ ذکر کرتے ہوئے عار کھا کر چھوڑ دے۔ (الکشاف، ج۱ ص ۸۵)

فَمَا فَوْقَهَا:...... یعنی جو اس سے بھی چھوٹی اور معمولی ہو۔ اَلْفٰسِقِيْنَ: عربی زبان میں فسق کا اصلی معنی ہے کسی شے سے نکل جانا۔ اور فاسق اس لیے فاسق کہلاتا ہے کہ وہ رب کی اطاعت سے نکل جاتا ہے۔ فراء کہتے ہیں کہ لفظ فاسق کو عربوں کے اس قول ''فَسَقَتِ الرُّطَبَةُ مِنْ قِشْرِهَا'' یعنی ''(پکی ہوئی کھجور چھلکے سے باہر نکل آئی'' اور فاسق کو رب تعالیٰ کی اطاعت (کے دائرے) سے نکل جانے کی وجہ سے فاسق کہتے ہیں اور چوھیا کو بھی ''فُوَيسِقه'' (نافرمان) اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ اپنے بل سے (دوسروں کو) نقصان پہنچانے کے لیے نکلتی ہے۔''

(تفسیر للرازی رحمۃ اللہ علیہ، ج۲ ص ۱۴۷)

يَنْقُضُوْنَ:...... نقض یہ کسی عمارت، رسی یا عہد کی جزائی یا بناوٹ کو کھولنا، توڑنا اور برباد کرنا ہے، جس کو تم نے مضبوطی سے بنایا اور قائم کیا ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا (سورۃ النحل، ۹۲)

ترجمہ:...... ''اور اس عورت کی طرح مت ہو جانا جس نے (اپنی سخت محنت سے) کاتا ہوا سوت توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔''

اور فرمایا:

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ (النساء، ۱۵۵) ترجمہ:...... ''تو ان کے عہد توڑ دینے۔''

عہد:...... یہ وہ قول وقرار اور وعدہ ہے جو ایک انسان دوسرے کو دیتا ہے اسی معنی میں یہ محاورہ ہے "عَهِدَ اِلَيْهِ" یعنی ''اس نے وصیت کی'' اور ''ذمہ داری سپرد کی۔''

اَلْمِيْثَاق:...... یہ وہ وعدہ اور قول وقرار ہے جس کو قسم کھا کر مزید پختہ کر دیا ہو، یہ عہد سے زیادہ پختہ ہوتا ہے۔ اِسْتَوٰى: استواء کا اصلی معنی اعتدال (درستگی) اور استقامت (درستگی اور ثابت قدمی) ہے۔ عربی میں کہتے ہیں "اِسْتَوَى الْعُوْدُ" یعنی لکڑی سیدھی ہوگئی'' کہ جب وہ سیدھی اور درست ہو جائے اور کہتے ہیں: "استوی الیه کالسهم" اس نے تیر کی طرح اس کی طرف رخ کیا'' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب سیدھا اسی کی طرف جانے کا قصد وارادہ کیا جائے۔ [1] ثعلب کہتے ہیں، ''استواء یہ کسی کی طرف متوجہ ہونے کا نام ہے''۔

(الصاوی علی الجلالین ج۱ ص ۱۹، الکشاف ج۱ ص ۹۲)

فَسَوّٰىهُنَّ:...... یعنی ان کو پیدا کیا اور ان کو مضبوط کیا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی ''ان کی ماہیّت بدل دی'' ہے۔

سببِ نزول:...... جب رب تعالیٰ نے قرآن کریم میں مکھی اور مکڑی کی مثال بیان کر کے اس سے مشرکین کے لیے ایک مثال ذکر فرمائی تو یہود (ان کے ذکر سے) ہنسنے لگے اور کہنے لگے کہ ''یہ بات تو کلام خداوندی کے مشابہ نہیں اور اس گھٹیا مثال سے رب تعالیٰ کی کیا مراد ہے؟ تو اس پر رب تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔'' (تفسیر قرطبی ج۱ ص ۲۴۲، الصاوی علی الجلالین ج۱ ص ۱۷)

یہود و منافقین کے باطل گمان

تفسیر: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا:...... اس آیت میں رب تعالیٰ یہود اور منافقین کے (باطل) گمانوں کو رد کرتے ہیں۔ یعنی رب تعالیٰ کسی بھی بات کی مثال پیش کرنے سے، نہ تو عار کھاتے ہیں اور نہ ہی اس کو بیان کرنے سے رکتے ہیں خواہ چھوٹی شے ہو یا کوئی بڑی شے ہو۔

بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا:...... یعنی برابر ہے کہ وہ مثال مچھر وغیرہ کی ہو یا حقارت اور چھوٹے ہونے میں مچھر سے بھی کم تر درجہ کی مثال ہو، جس طرح رب تعالیٰ اتنی حقیر مخلوق کو پیدا کرنے سے عار نہیں رکھتے اسی طرح اتنی حقیر شے کی مثال بیان کرنے سے بھی عار نہیں محسوس کرتے۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ:...... یعنی جو ایمان لانے والے ہیں وہ اس بات کو جانتے ہیں کہ رب تعالیٰ کی ذات حق ہے اور وہ حق کے علاوہ کچھ نہیں کہتی اور وہ اس بات پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ یہ مثال خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا:...... اور جو کافر ہیں وہ (رب تعالیٰ کی بیان کردہ اس مثال کو سن کر) تعجب کرتے ہیں اور کہتے ہیں: ''رب تعالیٰ ان حقیر اور گھٹیا اشیا کی مثال بیان کر کے کیا کہنا چاہتے ہیں؟ رب تعالیٰ ان کی بات کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا:...... یعنی رب تعالیٰ اس مثال کو بیان کر کے بہت سے کافروں کو گمراہ کرے گا کیوں کہ وہ اس مثال کا انکار کریں گے اور بہت سارے اہل ایمان کو اس مثال سے ہدایت دے گا کیوں کہ وہ اس کی تصدیق کریں گے، چنانچہ کافر اور زیادہ گمراہ ہوں گے اور ایمان والے اپنے ایمان میں اور زیادہ ترقی کریں گے۔ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ: یعنی اس مثال یا اس قرآن سے رب تعالیٰ صرف ان لوگوں کو ہی گمراہ کرے گا جو اس کی اطاعت کے دائرے سے نکل جائیں گے اور اس کی آیات کا انکار کریں گے۔ آگے رب تعالیٰ ان نافرمانوں (فاسقوں) کے اوصاف گنواتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

---

[1] یہ فراء اور ابن الاعرابی کے شاگرد مشہور نحوی ابو العباس ثعلب (۸۱۵ـ ۹۰۴) ہیں جو قدیم اشعار کی روایت اور ان کی یاد کرنے میں مشہور تھے۔ بغداد میں کوفیوں کے امام تھے۔ ''الفصیح''، ''قواعد الشعر'' اور ''کتاب اختلاف النحویین'' آپ کی مشہور کتابیں ہیں۔ (المنجد العربی الاعلام ص ۱۹۱ کالم نمبر ۳) ''نسیم''

عہد اور رشتہ داری کو توڑنے کی ممانعت وقباحت

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ:...... یعنی ان اقراروں کو توڑ ڈالتے ہیں جو ان سے رب تعالیٰ نے گزشتہ آسمانی کتابوں میں لیے تھے مثلاً یہ کہ وہ حضرت محمد ﷺ پر ایمان لے آئیں گے حالاں کہ رب تعالیٰ نے ان سے یہ اقرار بڑی مضبوطی کے ساتھ لیا تھا (اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ) یہ لوگ رب تعالیٰ پر ایمان لانے، رسولوں کی تصدیق کرنے اور آسمانی شریعتوں پر عمل کرنے کے سب اقراروں کو توڑ ڈالتے ہیں۔

وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ:...... یعنی صلہ رحمی اور قرابت کے ان رشتوں کو توڑ ڈالتے ہیں (جن کے جوڑنے کا رب تعالیٰ نے حکم دیا ہے)۔ اس آیت کے الفاظ عام ہیں جو ہر اس قطع رحمی کو شامل ہیں جن سے خدا ناراض ہوتا ہے، جیسے نبیوں کے ساتھ قطع رحمی کرنا (یعنی ان پر ایمان نہ لانا) قرابت کے رشتوں کو توڑنا، اور مومنوں کے درمیان باہمی محبت کے تعلق کو توڑنا (وغیرہ)۔

وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ:...... یعنی (رب کی) نافرمانیوں، فتنہ انگیزیوں، ایمان لانے سے روکنے، اور قرآن کے متعلق شبہات اڑانے کے ذریعے (یہ لوگ رب کی زمین پر فساد مچاتے پھرتے ہیں)۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ: یعنی یہ مذکورہ لوگ جن میں یہ نہایت قبیح صفات ہیں یہی لوگ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہیں، کیوں کہ انہوں نے ہدایت کے بدلہ میں گمراہی اور مغفرت کے بدلہ میں عذاب لے لیا، جس کا نتیجہ ان کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کی جہنم کی آگ کی صورت میں نکلا۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ:...... یہ توبیخ (یعنی ڈانٹ) اور (ان کے کفریہ عقائد واعمال پر) انکار کرنے کے لیے استفہام ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ تم لوگ کس طرح (اپنے) خالق کا انکار کرتے ہو اور صانع حقیقی کے منکر بنتے ہو؟

وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا:...... یعنی جب کہ تم لوگ اپنے آباؤ اجداد کی صلبوں اور اپنی ماؤں کے رحموں میں نطفہ کی شکل میں عدم میں تھے۔

فَاَحْيَاكُمْ:...... یعنی تم کو دنیا کی طرف (پیدا کرکے) نکالا۔

ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ:...... یعنی (تمہاری زندگیوں کی) عمروں کے پورا ہونے کے وقت (تمہیں دوبارہ موت دے دے گا۔)

ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ:...... یعنی تمہیں قبروں سے (دوبارہ زندہ کرکے) اٹھائے گا۔

ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ:...... (پھر) اس (دوبارہ) جی اٹھنے کے دن جزا وسزا اور حساب کتاب کے لیے (تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے)۔ اس کے بعد رب تعالیٰ دوبارہ زندہ کرکے اٹھائے جانے پر دلیل قائم کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

آسمان وزمین اور اس کی ہر ایک چیز کو اللہ نے پیدا کیا ہے

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا:...... یعنی رب تعالیٰ نے تمہارے لیے زمین اور جو کچھ زمین میں ہے اس کو پیدا کیا، تاکہ تم لوگ زمین سمیت ان سب چیزوں سے فائدہ اٹھاؤ اور یہ عبرت حاصل کرو کہ رب تعالیٰ ہی خالق اور رازق ہے۔

ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ:...... یعنی رب تعالیٰ نے پھر اپنے ارادہ کو آسمان کی طرف متوجہ کیا۔

فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ:...... یعنی ان کو سات مضبوط آسمان بنا ڈالا، یہ رب تعالیٰ کی زبردست قدرت کی دلیل ہے۔''

وَهُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ:...... یعنی رب تعالیٰ نے جو کچھ پیدا فرمایا ہے اور اس کو (عدم سے) وجود بخشا ہے اس سب کو جانتا ہے۔ تو کیا تم لوگ اس بات کی عبرت نہیں پکڑتے کہ وہ خدا جس نے تم سے کہیں بڑھ کر ان عظیم اشیا کو پیدا کیا ہے وہ اس بات کی قدرت نہیں رکھتا کہ تمہیں دوبارہ پیدا کردے؟ کیوں نہیں! کہ وہ ہر شے کو پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔

بلاغت: لَا يَسْتَحْىٖٓ:...... یہاں مجاز کی ایک قسم ہے اور وہ ہے ''ملزوم بول کر لازم مراد لینا''۔

مطلب یہ ہے کہ ''وہ (خدا اتنی معمولی مثال بیان کرنے کو بھی) نہیں چھوڑتا'' یہاں رب تعالیٰ نے ''ترک کرنے'' کو ''حیا'' سے تعبیر کیا کیوں کہ ترک یہ حیا کے ثمرات میں سے ہے اور جو کسی کام کرنے سے حیا کھاتا ہے وہ اس کو ترک کر دیتا ہے۔ (اس کو امام زمخشری نے بیان کیا ہے)

يَنۡقُضُوۡنَ عَهۡدَ اللّٰهِ:......اس میں ''استعارہ مکنیہ'' ہے کیوں کہ یہاں ''عہد'' کورسی سے تشبیہ دی گئی ہے اور مشبہ بہ کو حذف کر دیا گیا ہے اور اس کی طرف اس کے لوازم کے ذریعے اشارہ کیا گیا ہے اور وہ ''توڑنا'' ہے کہ یہ ''استعارہ مکنیہ'' ہے۔ كَيۡفَ تَكۡفُرُوۡنَ بِاللّٰهِ:......یہ ''التفات'' کے باب میں سے ہے (یعنی غائب کے صیغوں سے حاضر کے صیغوں کی طرف منتقل ہو گیا ہے) (ایسا ان کافروں کی) توبیخ وتقریع (یعنی ان کی ڈانٹ ڈپٹ اور ان سرزنش) کے لیے کیا گیا۔ پہلے کلام میں غائب کے صیغے تھے، پھر ان کی طرف التفات کرتے ہوئے انہیں حاضر کے صیغوں کے ساتھ خطاب کیا۔ یہ (بھی) ''بدیع'' کی ایک قسم ہے۔ عَلِيۡمٌ:......یہ مبالغہ کا صیغہ ہے اور اس کا معنی وہ ''وسیع علم والا'' ہے جس کے علم نے تمام اشیا کا احاطہ کیا ہوا ہو۔ ابوحیان کہتے ہیں: رب تعالیٰ نے (قرآن کریم میں متعدد جگہ "علیم، عالم اور علام" کے لفظوں کے ساتھ اپنی صفت (علم) بیان کی ہے۔ ان میں عَلیم اور عَلّامٌ مبالغہ کے صیغے ہیں اور کبھی عرب ''علام'' پر ''ۃ'' کو مبالغہ میں تاکید پیدا کرنے کے لیے داخل کرتے ہیں اور ''علامہ'' کہتے ہیں لیکن رب تعالیٰ کو ''علامہ'' کہنا جائز نہیں۔ (البحر المحیط ج ۱ ص ۱۳۶)

مثال بیان کرنے کا مقصد

فوائد: پہلا:......علامہ زمخشری فرماتے ہیں: تمثیل کو اس لیے بیان کیا جاتا ہے کہ اس میں معنی کا کھولنا اور مطلوب پر سے حجاب کو اٹھانا ہے۔ پس دی گئی مثال میں بڑائی اور حقارت فقط ایک امر ہے جو مثال دی گئی شے کے حال کا مقتضا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ باوجود یہ کہ حق بالکل واضح، صاف اور روشن ہے لیکن پھر بھی نور اور روشنی کے ساتھ اس کی مثال بیان کی جاتی ہے؟ اور کیا تو باطل کی طرف نہیں دیکھتا کہ وہ بالکل حق کی صفت کے خلاف ہے، لیکن کس طرح اس کی مثال ''ظلمت'' (یعنی اندھیرے) سے بیان کی جاتی ہے؟ اور جب ان جھوٹے خداؤں کا حال جن کو ان کافروں نے رب تعالیٰ کا ہمسر ٹھہرایا تھا وہ اس مچھر کی مثال سے کسی طرح بھی کم حقیر اور ذلیل نہ تھا تو رب تعالیٰ نے کمزوری اور ضعیفی میں مکڑی کے جالے کے ساتھ ان کی مثال بیان کی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كَمَثَلِ الۡعَنۡكَبُوۡتِ ۚ اِتَّخَذَتۡ بَيۡتًا ؕ (سورہ عنکبوت، ۴۱)

ترجمہ:......''(خدا کے سوا اوروں کو کارساز بنانے والوں کی مثال) مکڑی کی سی ہے کہ وہ (بھی) ایک (طرح کا) گھر بناتی ہے''۔

اور ان کو مکھی سے بھی کمتر اور ذلیل رتبہ والا ٹھہرایا گیا، ارشاد ہے:

لَنۡ يَّخۡلُقُوۡا ذُبَابًا وَّلَوِ اجۡتَمَعُوۡا لَهٗ ؕ وَاِنۡ يَّسۡلُبۡهُمُ الذُّبَابُ شَيۡـئًا لَّا يَسۡتَنۡقِذُوۡهُ مِنۡهُ ؕ (سورۃ الحج، ۷۳)

ترجمہ:......''(کہ جن لوگوں کو تم خدا کے سوا پکارتے ہو) وہ ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے، اگرچہ اس کے لیے سب اکٹھے ہو جائیں اور اگر ان سے مکھی کوئی چیز چھین لے جائے تو اسے اس سے چھڑا نہیں سکتے۔''

پس ان کافروں پر تعجب ہے کہ وہ اس مثال کا کس طرح انکار کرتے ہیں، حالاں کہ لوگ ہمیشہ سے جانوروں اور پرندوں کی اور حشرات الارض اور چوپایوں کی مثال بیان کرتے آئے ہیں اور عربوں کی یہ ضرب الامثال ان کے دیہاتوں اور شہروں میں زبان زد خلائق ہیں۔'' (الکشاف ج ۱ ص ۸۳)

دوسرا: يُضِلُّ بِهٖ كَثِيۡرًا ۙ وَّيَهۡدِىۡ بِهٖ كَثِيۡرًا:......امام علامہ ابوسعود[1] رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں گمراہی کو پہلے ذکر کیا اور ہدایت کو بعد

[1] یہ محمد بن محمد بن مصطفیٰ ابوسعود عمادی حنفی ہیں۔ ۸۹۳ھ میں قسطنطنیہ کے قریب ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق ایک معروف علمی گھرانے سے تھا۔ ساری زندگی تحصیل و تعلیم علم میں گذاری۔ اکثر کتابیں اپنے والد سے پڑھیں۔ بروسہ، قسطنطنیہ اور عسکر میں قاضی بھی رہے۔ ۹۵۲ھ کے بعد متواتر تیس سال تک عہدہ افتا پر فائز رہے۔ نظمیہ سوال کا نظم کے پیرائے میں اور نثری نثر میں جواب دیتے۔ ۹۸۲ھ قسطنطنیہ میں انتقال فرما گئے۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے جوار میں دفن ہونے کی سعادت ملی (العقد المنظوم فی ذکر افاضل الروم برحاشیہ وفیات الاعیان ج ۲ ص ۲۸۲) سلطان سلیمان خان کی زیر نگرانی لکھی جانے والی حسن تعبیر اور طریق ادا میں بے نظیر اور عدیم المثال تفسیر ''ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم'' آپ کی شہرۂ آفاق تصنیف ہے، جس میں قرآن کریم کے ابلاغی اسرار و رموز پر اس طرح قلم اٹھایا ہے کہ آج تک کوئی مفسر اسی طرح قلم نہیں اٹھا سکا۔

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الفوائد البہیہ'' ص ۸۲ میں انہیں حسن تعبیری بنا پر ''خطیب المفسرین کہا ہے''(تاریخ تفسیر مفسرین ص ۲۹۶۔۲۹۷ ملخصاً و بتصرف) نسیم

میں تا کہ ان کے کانوں سے سب سے پہلا جو جواب جا کر ٹکرائے وہ ایک ہولناک (اور بڑا) امر ہو، جو انہیں بُرا لگے اور ان کی طاقت کو کمزور کر دے اور صیغہ مستقبل کو ترجیح اس لیے دی گئی تا کہ تجدد اور استمرار[1] کو بتلائے۔" (ارشاد العقل السلیم ج۱ ص ۶۰)

آسمان سے پہلے زمین کی تخلیق

تیسرا: خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۚ ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ...... "ابن جُزی[2]" اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں "یہ آیت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ رب تعالیٰ نے زمین پیدا کرنے کے بعد آسمان کو پیدا فرمایا جب کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَٰلِكَ دَحَاهَا ﴿٣٠﴾ (النازعات: ۳۰) ترجمہ:...... "اور اس کے بعد زمین کو پھیلا دیا۔"

کا ظاہر اس کے برعکس ہے۔ تو اس کے دو جواب ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ زمین کو پیدا تو پہلے کیا گیا مگر اس کو آسمان کی تخلیق کے بعد پھیلایا اور بچھایا گیا۔ تو اس صورت میں دونوں آیتوں کے درمیان کوئی تعارض نہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں "ثُمَّ" اخبار کی ترتیب کے لیے ہے۔ (التحصیل فی علوم التنزیل ج۱ ص ۴۳)

انسان کی تخلیق کا ذکر

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۖ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٣٠﴾ وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَٰؤُلَاءِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣١﴾ قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۖ إِنَّكَ أَنتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿٣٢﴾ قَالَ يَا آدَمُ أَنبِئْهُم بِأَسْمَائِهِمْ ۖ فَلَمَّا أَنبَأَهُم بِأَسْمَائِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿٣٣﴾

ترجمہ:...... اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ بے شک میں پیدا کرنے والا ہوں زمین میں خلیفہ، فرشتوں نے عرض کیا آپ پیدا فرمائیں گے زمین میں جو اُس میں فساد کرے گا اور خون کو بہائے گا اور ہم آپ کی تسبیح بیان کرتے ہیں جو حمد کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے اور آپ کی پاکی بیان کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ ﴿٣٠﴾ اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو سکھا دیے سارے نام، پھر ان کو فرشتوں پر پیش فرمایا، پھر فرمایا کہ مجھے بتا دو اِن چیزوں کے نام اگر تم سچے ہو۔ ﴿٣١﴾ فرشتوں نے عرض کیا کہ ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں ہمیں اُس کے سوا کچھ علم نہیں جو آپ نے ہمیں سکھایا، بے شک آپ جاننے والے ہیں حکمت والے ہیں۔ ﴿٣٢﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! ان کو اِن چیزوں کے نام بتا دو، سو جب اُنھوں نے اُن کو ان چیزوں کے نام بتا دیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا میں نے تم سے نہیں کہا کہ بے شک میں جانتا ہوں آسمانوں اور زمین کی غیب کی چیزوں کو اور میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔ ﴿٣٣﴾

مناسبت:...... جب رب تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اپنی خلق و ایجاد کی نعمت کو جتلایا اور بتلایا کہ اس نے ان کے لیے زمین (اور زمین) کی سب

---

[1] تجدد کے نئے معنی بیان کرنے کو اور استمرار تسلسل و دوام کو کہتے ہیں۔ "از القاموس الوحید" واللہ اعلم "وسیم"۔ [2] غالباً یہ غرناطہ کے فقیہ ابوالقاسم محمد ابن جزی (ت ۷۴۱ھ/ ۱۳۴۰ء) ہیں "التسهيل في علوم التنزيل" کے علاوہ آپ کی مشہور تالیف "القوانين الفقهية في تلخيص مذهب المالكية" بھی ہے۔ (دیکھیں المنجد الاعلام العربی ص ۵-۶)

چیزوں کو مسخر کر دیا ہے اور انہیں عدم سے وجود بخشا ہے تو اس کے بعد بندوں کی تخلیق کی ابتدا کو ذکر فرمایا اور بندوں کے (حقیقی اور پہلے) باپ کی تشریف و تکریم کا ان پر احسان جتلایا اور یہ احسان جتلایا کہ اس نے انہیں اپنا نائب بنایا اور انہیں عزت والے گھر ٹھہرایا، ان کی شان کی تعظیم کی خاطر فرشتوں سے انہیں سجدہ کرایا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ (کسی) اصل پر (جیسے مثلاً بندوں کی اصل حضرت آدم علیہ السلام پر) احسان کرنا (اس کی) فرع پر (یعنی اولاد آدم پر) احسان کرنا ہے۔ اور آباواجداد کو نعمتوں سے نوازنا یہ اولاد احفاد کو نعمتوں سے نوازنا ہے۔ اسی لیے مناسب تھا کہ بندوں کو (ان کے جدّ اعلیٰ پر کیے جانے والے) یہ (سب احسان) یاد دلا دیے جائیں۔ کیوں کہ یہ بھی بندوں پر کی جانے والی نعمتوں میں سے ہیں۔

لغت: اِذْ[1]:...... یہ ظرف زمان ہے جو فعل محذوف کا منصوب (یعنی مفعول فیہ)[2] ہے اور تقدیری عبارت یہ ہے "اذکر حِیْنَ" یا "اذکر وقت" (یعنی اس وقت کو یاد کرو جب) اور کبھی اس محذوف فعل کو لفظوں میں صراحۃً ذکر بھی کر دیتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ (الانفال، ۲۶) ترجمہ:...... "اور (اس وقت کو) یاد کرو جب تم (مکہ میں) تھوڑے تھے۔"

مبرّد[3] کہتے ہیں، "جب" "اِذْ" فعل مستقبل کے ساتھ آتا ہے تو ماضی کے معنی میں ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ (سورۃ الانفال، آیت ۳۰)

ترجمہ:...... "اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اس وقت کو یاد کرو) جب (کافر لوگ) تمہارے بارے میں چال چل رہے تھے۔"

یہاں اِذْ يَمْكُرُوْنَ (جو فعل مستقبل ہے) کا معنی "اِذْ مکروا" ہے (جو فعل ماضی ہے)۔ اور جب "اذا" فعل ماضی میں آتا ہے تو اس میں زمانہ استقبال کا معنی ہوتا ہے جیسا کہ یہ ارشادات ہیں:

اِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ (النازعات، ۳۴) ترجمہ:...... "تو جب (بڑی) آفت آئے گی۔"

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ (النصر، ۱) ترجمہ:...... جب اللہ کی مدد آ پہنچی اور فتح (حاصل ہوگئی)۔

(ان دونوں آیتوں میں ماضی کا صیغہ استقبال یعنی) "یجیئ" کے معنی میں ہے۔ (تفسیر قرطبی ج۱ ص ۲۶۲)

خَلِيْفَةً:...... یہ وہ شخص ہے جو کسی کا قائم مقام اور اس کا نائب ہو یہ "فَعِیْل" (کا صیغہ) "فاعل" کے معنی میں ہے اور اس میں "تا" مبالغہ کی (معنی کے) لیے ہے۔ اور آدمی کو خلیفہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ احکام کے جاری کرنے اور ربانی اَوامر کی تنفیذ میں رب تعالیٰ کی طرف سے نائب ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ (سورہ ص، ۲۶) ترجمہ:...... "اے داؤد! ہم نے تم کو زمین میں بادشاہ بنایا ہے۔"

يَسْفِكُ:...... سَفَكَ یہ گرانے اور بہانے کو کہتے ہیں۔ اس کا استعمال صرف "خون" میں ہی ہوتا ہے۔ "المصباح"[4] میں ہے سَفَكَ الدَّمَ "اس نے خون بہایا" اس کا باب ضرب یضرب ہے۔ **نُسَبِّحُ:** یہ تسبیح سے ہے اور تسبیح رب تعالیٰ کی برائی سے برأت اور پاکی کے بیان کرنے کو کہتے ہیں۔[5] اس کی اصل "السَبْحُ" جس کا معنی جاری ہونا تیز چلنا اور جانا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[1] اِذْ۔ یہ "جب، جب کہ، اور جس وقت" کے معنی میں گزشتہ فعل کا ظرف ہوتا ہے اور جملہ فعلیہ یا (اسمیہ کی طرف مضاف ہوتا ہے۔ کبھی اِذْ کے اخیر میں تنوین بھی آجاتی ہے یہ اور اس وقت ہوتا ہے جب اس کے بعد والے فعل کو حذف کر دیا جائے جیسے "حینئذٍ" بمعنی "اس وقت"۔ کبھی یہ تعلیلیہ بن کر "کیوں کہ" کے معنی میں بھی آتا ہے اور کبھی یہ مفاجات کے لیے "اچانک" کے معنی میں بھی آتا ہے اس وقت یہ بینا اور بینما کے بعد آتا ہے۔ ("القاموس الوحید ص ۱۱۶ کالم نمبر ۱۔۲) "نسیم"۔ [2] مفعول فیہ یہ وہ زمان یا مکان ہے جس میں فعل واقع ہوتا ہے "واللہ اعلم" نسیم۔ [3] یہ مازنی اور سجستانی کے شاگرد مشہور نحوی ابوالعباس مبرد (۸۲۶۔۸۹۸) ہیں۔ یہ نحو میں بصری مذہب رکھتے تھے جب کہ ان کے مقابل ثعلب تھے جو کوفی مذہب رکھتے تھے۔ بغداد میں علم حاصل بھی کیا اور وہیں پھیلایا بھی۔ "الکامل" آپ کی مشہور تالیف ہے۔ (المنجد العربی الاعلام ص ۵۱۹ کالم نمبر ۱) [4] یہ شیخ ابوالعباس احمد بن محمد بن علی الفیومی ثم الحموی متوفی ۷۷۰ھ/ ۱۳۶۸ء کی شہرۂ آفاق تالیف "المصباح المنیر" ہے آپ کی فیوم میں پرورش ہوئی اور وہیں تعلیم حاصل کی۔ آپ کی متعدد تالیفات ہیں جن میں مذکورہ بالا معجم خاص اہمیت کی حامل ہے۔" (مقدمہ القاموس الوحید ص ۷۳) نسیم۔ [5] حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے "سبحان اللہ" کی تفسیر کو دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "یہ رب تعالیٰ کو ہر برائی سے پاک قرار دینا ہے۔" (تفسیر قرطبی ج۱ ص ۲۷۶) "مؤلف" ہے۔

اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا ۝ (المزمل، ۷) ترجمہ:......"دن کے وقت تو تمہیں اور بہت سے شغل ہوتے ہیں۔"

چنانچہ "مُسَبِّح" وہ ہے جو رب تعالیٰ کی پاکی بیان کرنے میں چلتا رہے۔

وَنُقَدِّسُ:...... یہ "تقدیس" سے ہے جس کا معنی "تطہیر" یعنی پاک کرنا ہے ارض مقدسہ اور "روح القدس" کے الفاظ اسی سے ہے اس کی ضد "تجنیس" یعنی ناپاک کرنا ہے۔ رب تعالیٰ کی تقدیس کا معنی رب تعالیٰ کی عظمت اور بزرگی بیان کرنا اور رب تعالیٰ کی ذات کو ان باتوں سے پاک قرار دینا ہے، جو اس کے شایان شان نہ ہوں۔ مسلم شریف میں روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے رکوع اور سجدہ میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

سبوح قدوس رب الملائكة والروح

ترجمہ:......"بہت ہی زیادہ پاک اور مقدس ہے وہ خدا جو فرشتوں اور روح الامین کا رب ہے"۔

اَنْۢبِـُٔوْنِیْ:......"یعنی مجھے خبر دو"۔ "نَبَأ" یہ کسی نہایت اہم اور عظیم فائدے والی خبر کو کہتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيمٌ ۝ (ص، ۶۷) ترجمہ:......"کہہ دو کہ یہ ایک بڑی (ہولناک چیز کی) خبر ہے۔"

تُبْدُوْنَ:...... یعنی ظاہر کرتے ہو۔ تَخْفُوْنَ: یعنی تم چھپاتے ہو۔ اسی سے "کتم العلم" ہے، جس کا "معنی علم کا چھپانا اور اس کا اخفا کرنا ہے۔"

زمین پر نائب و جانشین کی پیدائش

تفسیر: وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ:...... یعنی اے محمد! آپ اس وقت کو یاد کیجیے جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا اور (جو کچھ فرمایا) آپ ﷺ اس کا اپنی قوم کو قصہ سنا دیجیے (اور وہ بات یہ ہے)۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً: یعنی میں زمین میں اپنا ایک جانشین پیدا کرنے والا ہوں جس کو میں اپنا قائم مقام بناؤں گا جو میری نیابت میں زمین میں میرے احکام کو نافذ کرے گا۔ اور یہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں یا زمانہ در زمانہ، نسل بعد نسل آنے والے لوگ ہیں جو ایک دوسرے کے نائب ہوں گے۔ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا: یعنی فرشتوں نے تعجب اور معلوم کرنے کے طور پر یہ عرض کیا کہ آپ ان کو اپنا جانشین کس طرح بناتے ہیں جب کہ ان میں نافرمانیوں کے ذریعے زمین میں فساد پھیلانے والے بھی ہیں۔ وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ: یعنی جو ظلم اور چیرہ دستیوں کے ذریعے (مظلوموں بے کسوں اور بے گناہوں کا) خون بہائیں گے۔ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ: یعنی ہم تیری تعریف کے ساتھ تجھے ان باتوں سے پاک قرار دیتے ہیں جو تیری شان کے لائق نہیں۔ وَنُقَدِّسُ لَكَ: یعنی یہ بے دین اور ملحدین جن باتوں کو تیری طرف منسوب کرتے ہیں ہم تیرے ذکر کو ان باتوں سے پاک کر کے کرتے ہیں اور تیری عظمت کو بڑھاتے ہیں۔ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ: یعنی میں (خلق آدم کی) وہ مصلحتیں جانتا ہوں جو تم سے مخفی ہیں اور مخلوق کو پیدا کرنے میں میری وہ حکمتیں ہیں جن کو تم نہیں جانتے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو ہر چیز کے نام سکھلا دیے گئے

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا:...... یعنی ہر شے کے نام سکھلا دیے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "رب تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ہر شئی کے نام سکھلا دیے حتیٰ کہ پیالے اور ڈوئی (کف گیر) تک کے نام سکھلا دیے۔" ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ: یعنی پھر ان چیزوں کو فرشتوں

[1] قرآن کریم میں حضرت آدم علیہ السلام کا سب سے پہلا تذکرہ اس مقام پر آیا ہے۔ آپ علیہ السلام ہی سب سے پہلے بشر ہیں۔ اس لیے ابو البشر کہلاتے ہیں اور خلیفۃ اللہ کے اولین مصداق ہیں۔ جنت سے جب زمین پر آئے تو غالباً دجلہ و فرات کے دوآبہ میں آباد ہوئے جو اب ملک عراق کہلاتا ہے۔ تورات میں آپ علیہ السلام کے تین صاحبزادوں کے نام ہابیل، قابیل اور شیث آتے ہیں۔ حسب روایت تورات آپ علیہ السلام کی عمر مبارک ۹۳۰ سال ہے۔ آپ علیہ السلام کا یہ نام کس مناسبت سے ہے؟ کسی نے کہا کہ زمین کی جلد (ادیم) سے پیدا ہوئے، اس لیے آدم کہلائے اور کسی نے کہا کہ اپنی جلد کی سرخی کی بنا پر آدم کہلائے۔" (تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۹۸۔۹۸ ملخصاً)
آپ علیہ السلام کے کسی قدر احوال کے لیے دیکھیں "انبیاء کرام کی آزمائشیں ص ۳۴۔۶۲" "نسیم"

پر پیش کیا اور انہیں سرزنش (اور لاجواب) کرنے کے طور پر ان سے (ان چیزوں کے ناموں کو) دریافت فرمایا۔ فَقَالَ اَنۡۢبِـُٔوۡنِىۡ: یعنی فرمایا کہ مجھے ان کے بارے بتلاؤ۔ بِاَسۡمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ: یعنی ان مخلوقات کے نام بتلاؤ جن کو تم دیکھ رہے ہو۔ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ: یعنی اگر تم اپنے اس گمان میں سچے ہو کہ تم اس سے زیادہ خلافت کے حق دار ہو جس کو میں نے (زمین میں اپنا) خلیفہ بنایا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو وہ باتیں سکھلا کر جن کو فرشتے نہ جانتے تھے، حضرت آدم کی فضیلت اور برتری کو ظاہر کیا۔ اور خاص حضرت آدم علیہ السلام کو اشیا، اسما، اجناس اور لغات کی ''پوری معرفت'' کے ساتھ مخصوص کیا تاکہ فرشتوں کو۔ اسی لیے انہوں نے اپنے عجز اور اپنی کوتاہی کا اعتراف کر لیا۔ قَالُوۡا سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا: یعنی اے اللہ! ہم کسی قسم کی کمی سے تیری پاکی بیان کرتے ہیں اور ہم تو فقط وہی بات جانتے ہیں جو آپ نے ہمیں بتلا دی ہے۔ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ: یعنی آپ وہ ذات ہیں کہ کوئی چھپنے والی شے آپ سے چھپ نہیں سکتی۔ الۡحَكِيۡمُ: یعنی آپ وہ ذات ہیں جو فقط وہی کام کرتی ہے جس کا حکمت تقاضا کرلے۔

قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنۡۢبِئۡهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ:...... یعنی رب تعالیٰ نے فرمایا کہ (اے آدم!) ان کو ان چیزوں کے نام بتلا دو جن کی علم سے یہ عاجز ہیں اور ان چیزوں کے مرتبہ تک پہنچنے سے اپنی ہمتوں کے پست ہونے کا انہوں نے اقرار کر لیا ہے۔ فَلَمَّآ اَنۡۢبَاَهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ: یعنی جب حضرت آدم علیہ السلام نے انہیں ہر شے کے نام بتلا دیے اور ہر شے کو اس کا نام لے کر پکارا اور اس کی اس حکمت کو بتلایا جس کی خاطر اس کو پیدا کیا گیا تھا۔ قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّـكُمۡ اِنِّىۡٓ اَعۡلَمُ غَيۡبَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ: یعنی رب تعالیٰ نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ ''کیوں، کیا میں نے تمہیں یہ نہیں بتلایا تھا کہ میں ان سب چیزوں کو جانتا ہوں جو آسمانوں اور زمینوں میں تم سے پوشیدہ ہیں۔ وَاَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ: یعنی جو تم ظاہر کرتے ہو (میں اس کو بھی جانتا ہوں اور) وَمَا كُنۡتُمۡ تَكۡتُمُوۡنَ: تمہارے اس دعویٰ کو بھی جانتا ہوں جو تم چھپاتے ہو کہ رب تعالیٰ نے تم سے افضل کسی مخلوق کو پیدا نہیں کیا۔

ایک روایت میں ہے کہ ''جب رب تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو فرشتوں نے آپ علیہ السلام کی عجیب و غریب فطرت کو دیکھا، پھر کہنے لگے: ''رب تعالیٰ جو چاہتے ہیں وہ ہو جاتا ہے، بے شک ہمارے پروردگار نے جو بھی مخلوق پیدا کی ہے ہم اس سے زیادہ ہی عزت و اکرام والے ہی ہوتے ہیں۔'' (مختصر تفسیر ابن کثیر ج۱ ص ۵۲ اور تفسیر ارشاد العقل السلیم ج۱ ص ۷۹)

بلاغت: وَاِذۡ قَالَ رَبُّكَ:...... یہاں ربوبیت کے عنوان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف مضاف کرنے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم مقام تعظیم و توقیر ہے اور للملائکۃ میں جار مجرور کو مقدم کرنے میں ماقبل کا اہتمام اور مابعد کا شوق دلانا (تشویق) ہے۔

اَنۡۢبِـُٔوۡنِىۡ:...... (اگرچہ بظاہر) یہ امر ہے (لیکن یہ) اپنی حقیقت سے تعجیز اور تبکیت کی طرف نکلا ہوا ہے (یعنی اگرچہ سورۃ یہ امر ہے مگر درحقیقت یہ فرشتوں کو عاجز اور لاجواب کرنا ہے)۔ (ارشاد العقل السلیم)

فَلَمَّآ اَنۡۢبَاَهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ:...... اس میں حذف کے ذریعے مجاز ہے۔ تقدیری عبارت یوں ہے: فَاَنۡۢبَاَهُمۡ بِهَا فَلَمَّآ اَنۡۢبَاَهُمۡ: یعنی (جب رب تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ تم انہیں چیزوں کے نام بتا دو) تو انہوں نے فرشتوں کو ان کے نام بتا دیے تو جب انہوں نے فرشتوں کو ان چیزوں کے نام بتا دیے (اب یہاں سے فَاَنۡۢبَاَهُمۡ کی عبارت کو) اس لیے حذف کیا گیا کہ (سابقہ اور لاحقہ الفاظِ آیات سے) اس کا معنی سمجھ میں آرہا ہے۔ ثم عرضهم: یہ تغلیب[1] کے باب سے ہے کیوں کہ "هم" ضمیر میں "هم" یہ ذوی العقول کے جمع مذکر کے لیے ہے اور اگر اس میں تغلیب نہ ہوتی تو رب تعالیٰ ثم عرضها یا "عرضهن" فرماتے (کہ ان دونوں میں ها اور هنّ مؤنث کے لیے ہیں)۔

رب تعالیٰ نے پہلے اِنِّىۡٓ اَعۡلَمُ غَيۡبَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ فرمایا پھر وَاَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ فرمایا۔ (یہاں دوسری جگہ اَعۡلَمُ کے) فعل کو لفظوں

---

[1] تغلیب یہ دو اشیا میں سے ایک کو دوسرے پر غالب کرتے ہوئے دونوں کو ایک نام سے پکارنے یا دونوں کو ایک لفظ سے خطاب کرنے کو کہتے ہیں مثلاً شمس و قمر میں سے شمس کو قمر پر غالب کرتے ہوئے دونوں کو ''شمسین'' یا قمر کو شمس پر غالب کرتے ہوئے دونوں کو ''قمرین'' کہا جائے۔ اسی طرح مرد اور عورت میں سے مرد کو عورت پر غالب کرتے ہوئے دونوں کو مذکر کے صیغہ سے ذکر کرنے یا مخاطب کرنے کو بھی تغلیب کہتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔ ''نسیم''

میں ظاہر فرمایا تاکہ خبر کا اہتمام اور اس بات پر تنبیہ کرے کہ رب تعالیٰ کا علم سب اشیا پر محیط ہے۔ اس کو "اطناب" [1] کہتے ہیں۔ اس کے آخری کلمات تُبْدُوْنَ اور تَكْتُمُوْنَ میں علم بدیع کی صنف "طباق" [2] موجود ہے۔

خلیفہ بنانے اور اس کی خبر دینے کی حکمت

فوائد: ① ...... بعض علماء فرماتے ہیں: "رب تعالیٰ کے فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اور زمین میں انہیں اپنا خلیفہ بنانے کی خبر دینے میں بندوں کو اس بات کی تعلیم ہے کہ وہ اپنے معاملات میں انہیں سرانجام دینے سے پہلے مشورہ کریں۔

② ...... حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنانے میں حکمت بندوں پر رحم کرنا ہے نہ کہ یہ بات رب تعالیٰ کے محتاج ہونے پر دلالت کرنے کے لیے ہے۔ اور وہ حکمت یہ ہے کہ بندوں میں رب تعالیٰ سے براہ راست بلا واسطہ اَوامر ونواہی لینے کی طاقت نہیں اور نہ ہی کسی فرشتہ کے واسطہ سے لینے کی طاقت ہے چنانچہ بندوں میں سے ہی بندوں کی طرف رسول بھیجنا یہ اس کے لطف وکرم اور احسان ورحمت میں سے ہے۔

تخلیق آدم پر فرشتوں کے سوال کی حقیقت

③ ...... علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "فرشتوں کا یہ کہنا: "اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ" (کیا تو اس میں ایسے شخص کو نائب بنانا چاہتا ہے جو اس میں خرابیاں کرے) یہ رب تعالیٰ پر بطور اعتراض کے نہ تھا۔" اور نہ ہی بنی آدم پر بطور حسد کے تھا، بلکہ یہ اس کی حکمت کے معلوم کرنے اور اس کو کھول کر بیان کرنے کی غرض سے سوال تھا۔ چنانچہ فرشتوں کا (گویا کہ یہ) کہنا تھا کہ "آدم کی خلقت میں کیا حکمت ہے باوجود یہ کہ ان میں سے بعض خرابیاں کریں گے؟" (مختصر تفسیر ابن کثیر ج۱ ص ۴۹)

ابن جُزَیّ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فرشتوں کو رب تعالیٰ کے انہیں بتلانے کی وجہ معلوم ہوا تھا، کہ بنی آدم زمین میں جا کر خرابیاں کریں گے۔ ایک قول یہ ہے کہ "(پہلے) زمین میں جِن رہا کرتے تھے جو (بڑی) خرابیاں کرتے تھے تو (ان کی اصلاح کے واسطے) رب تعالیٰ نے ان کی طرف فرشتے بھیجے۔ انہوں نے فرشتوں کو قتل کر دیا۔ چنانچہ فرشتوں نے بنی آدم کو بھی جنوں پر قیاس کیا (اس لیے یوں کہا)۔"

(التسهيل في علوم التنزيل ج۱ ص ۴۳)

④ ...... امام شعبی [3] رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ "کیا ابلیس کی بیوی ہے؟" انہوں نے فرمایا: "میں اس کی بیوی کے بارے میں نہیں جانتا تھا" پھر (آگے) وہ فرماتے ہیں کہ (میں اس سوال کے جواب) کی تلاش میں لگ گیا تو) میں نے (اس دوران) یہ ارشاد خداوندی پڑھا:

اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗۤ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ (سورۃ الکھف، آیت ۵۰)

ترجمہ: ...... "کیا تم اس (شیطان ابلیس جن) کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو۔"

تو میں جان گیا کہ شیطان کی اولاد ہے اور وہ اس کی بیوی سے ہی ہے۔ چنانچہ میں نے (اس سائل کو ڈھونڈ نکالا اور اس کو جواب دیتے ہوئے) کہا کہ "ہاں (اس کی بیوی ہے)۔" (محاسن التاویل ج۲ ص ۱۰۴)

---

[1] علم معانی میں مخصوص فائدہ کے (حاصل کرنے کے) لیے مطلب سے زیادہ الفاظ لانے کو اطناب کہا جاتا ہے۔ (القاموس الوحید ص ۱۰۱۵ کالم نمبر ۱) یہاں دوسری جگہ "اعلم" کا صیغہ لائے بغیر بھی معنی ادھورا نہیں تھا لیکن دوسری مرتبہ ذکر کر کے خبر کے اہتمام اور خدا کے علم کے احاطہ پر تنبیہ کا فائدہ حاصل کیا گیا۔ واللہ اعلم۔ "نسیم" [2] فن بدیع میں صنف "طباق" دو متقابل معنی کو یکجا کرنے کا نام ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ "یحیی ویمیت" (میں موت اور حیات دو متقابل معنی کو یکجا کیا گیا ہے) اور "وتحسبهم أيقاظا وهم رقود" ("اور تم ان کو خیال کرو گے کہ جاگ رہے ہیں حالاں کہ وہ سوتے ہیں" کہ یہاں سونا اور جاگنا دو متقابل معانی کو جمع کیا گیا ہے۔) اسی طرح مذکورہ بالا آیت میں تبدون (ظاہر کرنا) اور تکتمون (چھپانا) دو متقابل معانی کو یکجا کیا گیا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ "نسیم" [3] یہ تابعین رحمۃ اللہ علیہ سے کثرت کے ساتھ روایت کرنے والے عظیم محدث حافظ الحدیث اور ثقہ عالم عامر بن شراحیل الشعبی رحمۃ اللہ علیہ ۱۰۳ھ/۷۲۱ء) ہیں۔ ساری زندگی کوفہ میں گذاری۔ عبد الملک بن مروان کے ساتھ مل گئے۔ اس نے انہیں اپنا مقرب، مصاحب، ہم مجلس اور شاہ روم کی طرف اپنا قاعد بنا لیا تھا۔ (المنجد العربی الاعلام ص ۳۳۳ کالم نمبر ۲) "نسیم"

فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کو تعظیمی سجدہ کرنے کا حکم

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ٭ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۪ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۪ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾

ترجمہ:......اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ سجدہ کرو آدم کو، سو انہوں نے سجدہ کر لیا، لیکن ابلیس نے سجدہ نہ کیا، اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے تھا۔ ﴿۳۴﴾ اور ہم نے کہا اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہا کرو اور اس میں سے خوب اچھی طرح کھاؤ، جہاں سے چاہو، اور نہ قریب جانا اِس درخت کے ورنہ تم دونوں ظلم کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ ﴿۳۵﴾ سو شیطان نے اِن دونوں کو اس درخت کے ذریعہ سے لغزش دی، سو اِن دونوں کو اس سے نکال دیا جس میں وہ تھے، اور ہم نے کہا اُتر جاؤ، تم میں سے بعض، بعض کے دشمن ہوں گے اور تمہارے لیے زمین میں ٹھہرنا ہے اور ایک زمانہ تک نفع حاصل کرنا ہے۔ ﴿۳۶﴾ اس کے بعد آدم نے اپنے رب سے چند کلمات حاصل کر لیے۔ سو اللہ تعالیٰ نے اُن کی توبہ قبول فرمائی، بے شک وہ خوب زیادہ توبہ قبول فرمانے والا ہے بڑا مہربان ہے۔ ﴿۳۷﴾ ہم نے کہا تم سب یہاں سے اُتر جاؤ، پس اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جس نے میری ہدایت کا اتباع کیا تو اُن پر کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔ ﴿۳۸﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور میری آیتوں کو جھٹلایا، یہ لوگ دوزخ والے ہیں یہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ ﴿۳۹﴾

مناسبت:......گزشتہ آیات اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ رب تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی خلافت کے ساتھ خاص کیا ہے۔ جیسا کہ انہیں اس قیمتی علم کے ساتھ بھی خاص کیا جس کے آگے فرشتے عاجز ہو کر ٹھہر گئے اور یہ آیات حضرت آدم علیہ السلام کی ایک اور تعظیم وتکریم کو بیان کرتی ہیں، جن کا رب تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر انعام واکرام فرمایا اور وہ ہے: ''فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دینا'' اس نوع انسانی کی تعظیم وتوقیر کی یہ سب سے زیادہ ظاہر وجہ ہے جس کی انسانیت کی اصل حضرت آدم علیہ السلام میں حقیقی تصویر پیش کی گئی۔

لغت: اسْجُدُوْا:......سجود کی اصل اس ذات کے لیے جھکنا اور اس کی تعظیم کرنا ہے جس کو سجدہ کیا جاتا ہے۔ اس کا لغوی معنی ذلت اختیار کرنا اور فروتنی وسرافگندگی کرنا ہے اور شرعی (اصطلاح) میں اس کا معنی زمین پر پیشانی رکھ دینا ہے۔ اِبْلِيْسَ: یہ شیطان کا نام ہے اور عجمی (یعنی غیر عربی) لفظ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ ''ابلاس'' سے مشتق ہے جس کا معنی ''مایوسی'' کے ہیں۔ اَبٰى: یعنی رک گیا۔ اور ''اباء'' یہ قدرت کے باوجود کسی فعل کے کرنے سے رکنے کو کہتے ہیں۔ اَسْتَكْبَرَ: استکبار یہ جی میں خود کو بڑا سمجھنے اور تکبر کرنے کا نام ہے۔ رَغَدًا: بہت زیادہ اور وسیع جس میں (یعنی جس کے حصول میں) کوئی کلفت، مشقت اور پریشانی نہ ہو۔ رغد یہ خوشحال زندگی کو کہتے ہیں۔ عربوں میں رَغِدَ عَيْشُ الْقَوْمِ ''لوگ آسودہ اور خوشحال ہوگئے'' یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب ان کی روزی زیادہ ہو۔ (اسی معنی میں) ایک شاعر کہتا ہے:

بینما المرء تراہ ناعما ‏ ‏ ‏ ‏ یأمن الاحداث فی عیش رغد

ترجمہ:......"اس دوران تو آدمی کو بے فکر اور خوشحال دیکھتا ہے جو حوادث سے محفوظ آسودہ (فراخ اور خوش گوار) زندگی گزار رہا ہے۔"

فَاَزَلَّهُمَا:......اس کی اصل زَلَلَ سے ہے، یہ قدم پھسلنے کو کہتے ہیں: "زَلَّتْ قَدَمُهٗ" اس وقت کہا جاتا ہے جب کسی کا پیر پھسلتا ہے اور لغزش کھاتا ہے۔ پھر اس کے بعد مجازاً اس کو خطا سرزد ہونے کے معنی میں استعمال کیا جانے لگا۔ چنانچہ "زَلَّ الرَّجُلُ" اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی کسی خطا اور غلطی کا مرتکب ہو اور ایسا کام کرے جو اس کو کرنا نہ چاہیے تھا۔ اور اَزَلَّهٗ غَيْرُهٗ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی دوسرا اس کے پھسلنے اور خطا کھانے کا سبب بنے۔ (مختصر الطبری ج ۱ ص ۴۲)

مُسْتَقَرٌّ:......یہ ٹھہرنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ مَتَاعٌ: یہ کھانے پینے اور پہننے وغیرہ کی ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس سے آدمی فائدہ اٹھائے۔ فَتَلَقّٰى: یہ تَلَقِّیْ سے ہے اور تَلَقِّیْ کی اصل استقبال کرنا ہے۔ عرب کہتے ہیں: خرجنا نتلقى الْحَجِيْج: "ہم نکلے کہ حاجیوں کا استقبال کریں۔" پھر اس لفظ کو کسی شے کے لینے اور اس کو قبول کرنے کے معنی میں استعمال کیا جانے لگا۔ عرب کہتے ہیں: تلقيت رسالة من فلان یعنی میں نے اس خط کو لیا اور اس کو قبول کیا۔ فَتَابَ: توبہ کی لغت میں اصل رجوع کرنا ہے۔ اور جب اس کو "عن" کے ساتھ ذکر کیا جائے تو اس کا معنی نافرمانی سے رجوع کرنا ہوتا ہے اور جب اس کو "علی" کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے تو اس وقت اس کا معنی توبہ قبول کرنا ہوتا ہے۔

ابلیس کا سجدے سے انکار

تفسیر: وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ:......یعنی اے محمد ﷺ! اپنی قوم کو وہ وقت یاد دلایئے جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا۔ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ: یعنی آدم کو تحیہ و تعظیم کا سجدہ کرو نہ کہ سجدۂ عبادت کرو۔ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ: یعنی ان سب نے مل کر سوائے ابلیس کے سجدہ کیا۔ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ: یعنی جس چیز کا اس کو حکم دیا گیا تھا اس کے کرنے سے باز رہا اور اس سے تکبر کیا۔ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ: یعنی وہ اپنے اس انکار اور غرور و استکبار کی وجہ سے کافر بن گیا کیوں کہ اس نے رب تعالیٰ کے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کے حکم کو برا سمجھا تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کی جنت میں سکونت

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ:......یعنی اے آدم (علیہ السلام)! آپ (علیہ السلام) اپنی بیوی (اماں) حوا (علیہا السلام) کے ساتھ جنت میں رہیں۔ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا: یعنی جنت کے پھلوں سے بے روک ٹوک بلا کلفت و مشقت کے خوب خوب کھایئے۔ حَيْثُ شِئْتُمَا: یعنی جنت کی جس جگہ سے بھی تم کھانا چاہو (وہاں سے کھاؤ) وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ: یعنی اس درخت میں سے (اس کے پھل وغیرہ کو) نہ کھاؤ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "یہ (ممنوعہ درخت) انگور کی بیل تھی۔" فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ: یعنی (اس ممنوعہ درخت کے کھانے سے) تم دونوں ان لوگوں میں سے ہو جاؤ گے جنہوں نے رب کی نافرمانی کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا: یعنی شیطان نے ان دونوں کو اس ممنوعہ درخت کی وجہ سے لغزش میں گرا دیا اور ان دونوں کو اس درخت سے کھانے کے ذریعے بے راہ کر دیا۔ یہ معنی اس وقت ہوگا جب عَنْهَا کی ضمیر هٰذِهِ الشَّجَرَةَ کی طرف لوٹے۔ اور جب یہ الْجَنَّةَ کی طرف لوٹے تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ شیطان نے ان دونوں کو جنت سے دور کر دیا اور انہیں جنت سے نکلوا دیا (یعنی وہاں کی بجائے دنیا کی طرف منتقل کروا دیا)۔ [1]

فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ:......یعنی جنت کی جن نعمتوں میں وہ دونوں تھے (انہیں وہاں ان نعمتوں سے نکلوا دیا)۔ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا: یعنی تم جنت سے زمین کی طرف چلے جاؤ۔ یہ خطاب حضرت آدم علیہ السلام، اماں حوا علیہا السلام اور (شیطان) ابلیس (تینوں) کو ہے۔ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ: یعنی شیطان تمہارا دشمن ہے۔ لہٰذا تم بھی اس کے دشمن بنو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ (سورہ فاطر، ۶) ترجمہ:......"بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تو تم بھی اسے دشمن ہی سمجھو۔"

---

[1] تفسیر جلالین میں علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ جلال الدین محلی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے معنی کو لیا ہے جب کہ علامہ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے معنی کو اختیار کیا ہے۔ "مؤلف"

وَلَكُمۡ فِي الۡاَرۡضِ مُسۡتَقَرٌّ :......یعنی تمہارے لیے دنیا میں رہائش اختیار کرنے کے لیے ایک ٹھکانا ہے۔وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيۡنٍ :یعنی تمہاری موت کے آنے تک تمہارے لیے دنیا کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ و دعا

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ :......یعنی حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی رب کی طرف سے ان دعاؤں کو لیا (اور ان کا استقبال کیا) جو رب تعالیٰ نے انہیں الہام فرمائیں تھیں۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے ان کلمات کے ذریعے رب کے حضور دعا مانگی۔ان کلمات کی تفسیر قرآن ہی میں ایک دوسری جگہ سورۂ اعراف کی اس آیت میں آتی ہے (کہ وہ کلمات یہ تھے) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمۡنَآ اَنۡفُسَنَا (الاعراف-۲۳) ترجمہ:......"دونوں عرض کرنے لگے کہ پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔"

فَتَابَ عَلَيۡهِ:......یعنی رب تعالیٰ نے ان کی توبہ کو قبول فرمایا۔اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ :یعنی رب تعالیٰ توبہ کو بہت زیادہ قبول کرنے والے ہیں اور بندوں پر اس کی رحمت بے حد وسیع ہے۔قُلۡنَا اهۡبِطُوۡا مِنۡهَا جَمِيۡعًا :رب تعالیٰ نے "نیچے اترنے" کے امر کو تاکید کی غرض سے اور اس بات کو بیان کرنے کے لیے دہرایا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کی ذریت کا (موت کے وقت تک کا) ٹھکانا دنیا میں ہوگا نہ کہ جنت میں۔[1] فَاِمَّا يَاۡتِيَنَّكُمۡ مِّنِّىۡ هُدًى :یعنی (جب تمہارے پاس میری طرف سے) رسول (پہنچے) جس کو میں تمہاری طرف بھیجوں اور وہ کتاب پہنچے جس کو میں تم پر اتاروں۔فَمَنۡ تَبِعَ هُدَاىَ :یعنی جو مجھ پر ایمان لے آیا اور اس نے میری اطاعت کی۔فَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ :یعنی انہیں آخرت میں کوئی خوف اور غم نہ ہوگا۔وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَآ :یعنی لوگوں نے ان باتوں (یعنی ان کتابوں) کا انکار کیا جو میں نے نازل کیں اور ان رسولوں کو جھٹلایا جن کو میں نے بھیجا۔اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ :یعنی وہ جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ڈال دیے جائیں گے۔"اعاذنا للّٰہ منھا"

بلاغت: وَاِذۡ قُلۡنَا :......اس میں جمع کا صیغہ (خدا تعالیٰ کی) تعظیم کے لیے ہے اور اس کا "وَاِذۡ قَالَ رَبُّكَ" پر عطف ہے۔اور اس میں غائب کے صیغوں سے متکلم کے صیغہ کی طرف التفات رب تعالیٰ کے جلال کے اظہار اور اس کی عظمت و وقار اور دبدبہ کو بڑھانے کے لیے ہے۔

فَسَجَدُوۡا : اس میں "فَا" کا حرف اس بات کا فائدہ دے رہا ہے کہ سب فرشتے فوراً رب تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں لگ گئے اور اس میں ذرا بھی توقف نہ کیا۔اور اس آیت میں بعض الفاظ کو حذف کر کے "ایجاز"[2] سے کام لیا گیا ہے کہ اصل عبارت فَسَجَدُوۡا لَهٗ ہے۔اسی طرح ابی میں بھی حذف اور ایجاز ہے کہ اس کا مفعول بہ[3] حذف ہے اور اصل عبارت یہ ہے ابی السجود (کہ ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا)۔وَلَا تَقۡرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ : یہاں جس بات سے منع کیا گیا وہ ہے درخت کا پھل کھانا اور وَلَا تَقۡرَبَا کہہ کر اس نہی کو اس درخت کے قرب کے ساتھ اس لیے معلق کیا تا کہ اس کے پھل کھانے کی نہی میں مبالغہ پیدا کیا جائے۔کیوں کہ "قریب جانے کی نہی" یہ "اس فعل کی نہی" سے زیادہ بلیغ ہے۔اسی بلاغت کے ساتھ یہ ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا تَقۡرَبُوا الزِّنٰٓى (الاسراء:[4] ۳۲) ترجمہ:......"اور زنا کے پاس بھی نہ جانا"۔

یہاں زنا کے قریب تک جانے کی نہی اس لیے ہے کہ زنا کے ارتکاب کے تمام وسائل و ذرائع تک کی جڑ کاٹ دی جائے۔

مِمَّا كَانَا فِيۡهِ :......(جس میں یعنی جس عیش و نشاط میں وہ تھے) یہ تعبیر جنت کی نعمتوں کی عظمت اور شان و شوکت پر دلالت کرنے میں بہ نسبت اس کے زیادہ بلیغ ہے کہ اگر یہ کہا جاتا "من النعیم کانافیہ" (جس نعمت میں وہ تھے) یا "من الجنۃ کانافیھا" (جس جنت میں وہ تھے)۔

---

[1] (تفسیر جلالین وتفسیر طبری وغیرہ) "مؤلف"۔ [2] ایجاز: یہ کلام کے بلیغ اور مختصر ہونے کو کہتے ہیں۔(القاموس الوحید ص ۱۸۵/ کالم نمبر ا) "نسیم"

[3] مفعول بہ وہ اسم ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہو۔وہ اکثر مذکور ہوتا ہے مگر کبھی دوسرے بلاغی معانی حاصل کرنے کے لیے اس کو حذف کر دیا جاتا ہے۔اس کے مزید احکام جاننے کے لیے علم نحو کی کتب کی مراجعت کی جائے۔واللہ اعلم۔"نسیم"۔ [4] سورۂ بنی اسرائیل کا دوسرا نام "سورۃ الاسراء" بھی ہے۔دیار ہندوستان پاکستان کے مطبوعہ قرآنی نسخوں میں عموماً "بنی اسرائیل" کا نام استعمال کیا جاتا ہے، جب کہ دیار عرب و مغرب کے مطبوعہ نسخوں میں عموماً "الاسراء" لکھا ہوتا ہے۔واللہ اعلم۔"نسیم"

کیوں کہ کسی شے کی عظمت پر دلالت کرنے کے لیے بلاغت کا ایک اسلوب یہ بھی ہے کہ اس کی کسی [1] مبہم لفظ سے تعبیر کی جائے جیسے مثلاً مَا کَانَا فِیْهِ اس میں "مَا" کا کلمہ کسی مبہم بات کی تعبیر کے لیے ہے اور یہ اسلوب اس لیے اختیار کیا جاتا ہے تا کہ سننے والے کا نفس اس شے کی عظمت و کمال کے اس آخری درجے تک جا پہنچے جہاں تک جانا اس کے لیے ممکن ہو۔ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ: یہ دونوں مبالغہ کے صیغے میں یعنی بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا اور بہت وسیع رحمت والا۔

غیر اللہ کو سجدہ کیوں کر جائز ہے؟

فوائد: پہلا فائدہ: ......(اگر یہ سوال کیا جائے کہ) غیر اللہ کو سجدہ کیوں کر جائز ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتوں کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا تعظیمی و تکریمی سجدہ تھا اور تحیہ و سلام کی غرض سے تھا نا کہ یہ سجدۂ صلوٰۃ یا سجدۂ عبادت تھا۔ علامہ زمخشری فرماتے ہیں "رب کو سجدہ کرنا یہ عبادت کے لیے ہوتا ہے اور غیر خدا کو سجدہ کرنا یہ اس کی عزت کے لیے ہوتا ہے جس طرح فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے اور ان کے بیٹوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو (جو سجدہ کیا تھا وہ سجدۂ تعظیمی تھا نہ کہ سجدۂ عبادت)۔ (الکشاف، ج۱ ص ۹۵)

حضرت آدم علیہ السلام کی غلطی کی حقیقت

دوسرا فائدہ: ......بعض عارفین نے کہا ہے کہ "گذشتہ (لطف و کرم اور التفات و) عنایت پر کسی غلطی کے ارتکاب کا اثر نہیں پڑتا اور نہ ہی وہ خطا آدمی کو ولایت (اور دوستی) کے رتبہ سے گرا دیتی ہے۔ چنانچہ حضرت آدم کا اس حکم خداوندی کی مخالفت کرنا جس نے انہیں دار الکرامت (یعنی جنت) سے نکلوایا، انہیں خطیرۃ القدس (یعنی جنت یا تقدس کے دائرے) سے (ہمیشہ ہمیشہ کے لیے) نہ نکالا اور نہ ہی ان سے خلافت کے رتبہ کو سلب کیا، بلکہ رب تعالیٰ نے (اس کے بعد) خوب خوب عطا کیا اور فرمایا:

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ (طٰهٰ، ۱۲۲) ترجمہ: ......"پھر ان کے پروردگار نے انہیں نوازا۔"

اور شاعر (کیا خوب) کہتا ہے:

واذا الحبیب اتی بذنب واحد جاءت محاسنه بالف شفیع

ترجمہ: ......"اور جب محبوب کوئی غلطی کر بیٹھتا ہے تو اس کی خوبیاں ہزاروں سفارشی لے آتی ہیں۔" (البحر المحیط، ج۱، ص ۱۴۱)

ابلیس فرشتہ ہے یا جن؟

تیسرا: ......آیا ابلیس فرشتہ تھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے، بعض نے اسے فرشتہ قرار دیا ہے اور ان کی دلیل فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ میں [2] استثناء ہے۔ جب کہ دوسرے مفسرین کا کہنا ہے کہ وہ فرشتہ نہیں بلکہ جن تھا۔
ان کی دلیل یہ ہے کہ یہاں استثناء منقطع [3] ہے۔

---

[1] مبہم، غیر واضح، پوشیدہ، مغلق اور پیچیدہ لفظ کو کہتے ہیں اور وہ کلمات جن کے ذریعے ابہام والے معنی کی تعبیر کی جاتی ہے ان کو اسمائے مبہمات کہا جاتا۔ یہ اسمائے اشارات، ضمائر اور اسمائے موصولہ ہیں۔ ان کے بذات خود مخصوص معنی نہیں ہوتے، دوسرے کلمات کے ساتھ مل کر ان کے معنی کی تکمیل ہوتی ہے۔ (القاموس الوحید ص ۸۴ / کالم نمبر ۲۔۳) مذکورہ آیت میں لفظ "ما" یہ اسم موصول ہے جو مبہم معنی کی تعبیر کے لیے آتا ہے ان کی مزید تفصیل کے لیے کتب نحو کا مطالعہ کیا جائے۔ واللہ اعلم۔ "نسیم" [2] استثناء کسی فرد کو گزشتہ مذکورہ حکم یا قاعدے سے نکالنے کو کہتے ہیں، جس کا استثنا کیا جاتا ہے اس کو مستثنیٰ اور جس سے استثنا کیا جاتا ہے اس کو مستثنیٰ منہ کہتے ہیں اور جن کلمات کے ذریعے استثنا کے معنی پر دلالت کی جاتی ہے ان کو حروفِ استثنا کہا جاتا ہے۔ اِلَّا کا استعمال معنی استثناء میں زیادہ ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ "نسیم" [3] عموماً استثنا کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم کو استثنا متصل کہتے ہیں اس میں مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ کی جنس میں سے ہوتا ہے۔ مثلاً جاء القوم الا زیداً (سب آئے مگر زید نہ آیا) میں اس لیے استثنا متصل ہے کہ زید اور قوم کی جنس ایک ہے یعنی دونوں انسان ہیں۔ دوسری قسم کو مستثنیٰ منقطع کہتے ہیں۔ اس میں مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کی جنس مختلف ہوتی ہے جیسا کہ مذکورہ بالا آیت میں ابلیس مستثنیٰ ہے اور ملائکہ مستثنیٰ منہ ہیں اور دونوں کی جنس مختلف ہونے کی وجہ سے یہ استثنا منقطع کہلائے گا کہ ابلیس کی جنس دوسری ہے کہ وہ جن ہے نہ کہ فرشتہ۔ واللہ اعلم "نسیم"

حسن بصری [۱] اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہما اسی طرف گئے ہیں اور اسی کو علامہ زمخشری نے اختیار کیا ہے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ابلیس ایک لمحہ کے لیے فرشتہ نہ تھا۔''

اور ہم مندرجہ ذیل دلائل کی بنیاد پر دوسرے قول (یعنی ابلیس کے جن ہونے کے قول) کو ترجیح دیتے ہیں:

① ......فرشتے معصیت و نافرمانی سے پاک ہیں ارشاد خداوندی ہے:

لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ (تحریم ۶) ترجمہ: ......''(وہ فرشتے) جو ارشاد خدا ان کو فرماتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے۔''

جب کہ ابلیس نے امر خداوندی کی نافرمانی کی۔

② ......فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا ہے جب کہ ابلیس کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے، لہٰذا ان دونوں کی فطری طبیعت (و جبلت) مختلف ہے۔

③ ......فرشتوں کی کوئی ذریت و اولاد نہیں جب کہ ابلیس کی ذُرّیت ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِىْ (سورۃ الکہف، ۵۰)

ترجمہ: ......''کیا تم اس کو (یعنی ابلیس کو) اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو''۔

④ ......سورۂ کہف میں صاف واضح نص ہے کہ وہ جن ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ (سورۃ الکہف، ۵۰)

ترجمہ: ......''(جب سجدہ کا حکم ہوا تو سب نے سجدہ کیا) (مگر ابلیس (نے نہ کیا) وہ جنات میں سے تھا تو (وہ) اپنے پروردگار کے حکم سے باہر ہو گیا۔''

یہ آیت ابلیس کے جن ہونے پر کافی دلیل ہے۔ [۲]

بنی اسرائیل پر رب تعالیٰ کی نعمتوں کا اظہار

يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِىْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّاىَ فَارْهَبُوْنِ ۝ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍ بِهٖ ۖ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَاِيَّاىَ فَاتَّقُوْنِ ۝ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝

[۱] یہ بہت بڑے زاہد مشہور ثقہ محدث، متکلم اور تابعی (بلکہ سید التابعین) ابوسعید حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ (ت ۱۱۰ھ/ ۷۲۸ء) ہیں۔ مدینہ میں پیدا ہوئے اور بصرہ میں سکونت اختیار کی آپ اہل بصرہ کے امام اور اپنے زمانہ کے ''حبر الامت'' کہلاتے تھے، آپ احکام شرعیہ کے جاننے میں، درس و تدریس اور وعظ و حدیث میں یکتائے زمانہ تھے۔ مسلمانوں کے دلوں پر آپ کے مواعظ کا عظیم اثر تھا۔ عمرو بن عبید اور معتزلہ کے سرغنہ واصل بن عطا نے آپ سے حدیث پڑھی۔ آپ کا تصوف میں عظیم مرتبہ ہے۔ آپ کے مذہب کی بنیاد قربانی اور دنیا سے منہ موڑنا ہے۔ (المنجد العربی الاعلام ص ۲۲۰۔۲۲۱)

قتادہ: ...... یہ ابوالخطاب قتادہ بن دعامہ سدوسی ہیں۔ آپ مادر زاد نابینا اور عربی الاصل تھے۔ ۶۱ھ میں بصری میں پیدا ہوئے اور ۱۱۷ھ ۵۵ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے روایت کی۔ بڑے قوی الحافظہ اور غضب کے ذہین تھے۔ عربی اشعار کے عظیم عالم، ایام العرب اور علم الانساب کے زبردست ماہر اور عربی زبان وادب میں زبردست بصیرت رکھتے تھے۔ لغت، ادب اور تاریخ کا نابینا ہونے کے باوجود زبردست ادراک رکھتے تھے۔ تفسیر کے بہت بڑے عالم اور بڑے پائے کے محدث تھے، البتہ بعض محدثین مثلاً شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں ''حاطب اللیل'' (رات کو لکڑیاں چننے والا) اور مدلس کہا ہے۔ آپ کی عدالت وثقاہت کے لیے یہی بات کافی ہے کہ صحاح ستہ کے مؤلفین نے ان سے اخذ و احتجاج کیا۔ آپ کا انتقال طاعون سے ہوا۔ جائے وفات بصرہ یا واسط ہے۔ آپ کے انتقال کے وقت سارا بصرہ آپ پر رو رہا تھا۔ نسیم البیان ص ۲۸۵۔۲۸۶، تاریخ تفسیر مفسرین ص ۱۲۰، علوم القرآن ۴۷۷۔۴۷۸ ملخصاً ''نسیم''۔ [۲] اس کی مفصل تحقیق کے لیے دیکھیں ہماری کتاب ''النبوۃ والانبیاء'' ''مؤلف''

ترجمہ: ......اے بنی اسرائیل تم میرے احسانوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر کیے اور پورا کرو میرے عہد کو میں پورا کروں گا تمہارے عہد کو اور صرف مجھ ہی سے ڈرو۔(۴۰) اور ایمان لاؤ اُس کتاب پر جو میں نے نازل کی، حال یہ ہے کہ یہ کتاب اس کی تصدیق کرنے والی ہے جو تمہارے پاس ہے اور تم اس کتاب کے انکار کرنے والوں میں پہل کرنے والے مت بنو اور میری آیات کے عوض حقیر معاوضہ مت حاصل کرو اور صرف مجھ ہی سے ڈرو۔(۴۱) اور مت ملاؤ حق کو باطل کے ساتھ اور مت چھپاؤ حق کو حالانکہ تم جانتے ہو۔(۴۲) اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرو، رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔(۴۳)

مناسبت: ...... یہاں سے لے کر آیت نمبر ۱۴۲ تک بنی اسرائیل کے بارے میں کلام ہے، قرآن کریم نے تقریباً ایک پورے پارے میں ان کا طویل ذکر کیا ہے، یہ بات اس پر دلالت کرتی ہے کہ قرآن کریم نے یہود کے حقائق کھولنے اور ان کے خباثت، مکروفریب اور تخریب کاری (کے جذبات) سے لبریز شریر نفسوں کو ظاہر کرنے کی طرف (خصوصی) توجہ دی ہے، تاکہ مسلمان ان سے (ہوشیار ہوں اور ان سے) بچیں ان آیات کی (گزشتہ سے) مناسبت یہ ہے کہ جب رب تعالیٰ نے بندوں کو اپنی توحید و عبادت کی طرف بلایا اور بندوں کے سامنے اپنی وحدانیت اور (اپنے حقیقی) وجود کے بڑے بڑے واضح دلائل پیش کیے پھر انہیں ان کے جدّ اعلیٰ (ابوالبشر) حضرت آدم علیہ السلام پر اپنے انعام کو ذکر کیا تو خصوصاً بنی اسرائیل کو جو یہود ہیں، خاتم الرسل (نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لے آنے اور رب تعالیٰ کی طرف سے لائی ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کی تصدیق کرنے کی دعوت دی۔ کیوں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر تورات میں اپنے پاس لکھا ہوا پاتے تھے۔ رب تعالیٰ نے انہیں کئی اسالیب سے خطاب فرمایا، چنانچہ کبھی تو انہیں نرمی سے بلایا، اور کبھی ڈرا کے، کبھی ان پر اور ان کے آباواجداد پر کی جانے والی نعمتوں کو انہیں جتلا کے بلایا اور کبھی ان پر حجت ودلیل قائم کر کے دعوت دی اور کبھی انہیں ان کے برے اعمال پر ڈانٹتے ہوئے بلایا۔ پس یوں رب تعالیٰ ساری انسانیت کے باپ کی تعظیم وتکریم میں جو پوری بشریت پر ایک عام نعمت ہے اس کو یاد دلاتے ہوئے ان خاص نعمتوں کو یاد دلانے کی طرف متوجہ ہوئے جو صرف بنی اسرائیل پر ہیں۔

لغت: اِسْرَآءِیْلَ: ...... یہ عجمی یعنی غیر عربی لفظ ہے جس کا معنی ہے "خدا کا بندہ" یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام ہے۔ رب تعالیٰ نے سورہ آل عمران میں اس کو صراحۃً ذکر بھی فرمایا ہے ارشاد ہے:

اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰی نَفْسِهٖ (آل عمران، ۹۳)

ترجمہ: ......"(بنی اسرائیل کے لیے پہلے کھانے کی سب چیزیں حلال تھیں) بجز ان کے جو یعقوب نے خود اپنے اوپر حرام کر لی تھیں۔"

(یہاں حضرت یعقوب علیہ السلام کو صاف صاف اسرائیل کے نام سے پکارا گیا ہے۔ "نسیم")

اَوْفُوْا: ...... یہ الوفاء سے ہے اور یہ کسی شی کو پورے اور کامل طور پر کرنے کو کہتے ہیں۔ اوفیٰ اور وَفّٰی اس وقت کہتے ہیں جب کسی شے کو پورا اور تمام ادا کیا جائے۔ تَلْبِسُوا: یہ لَبْسٌ سے ہے جس کا معنی ملانا اور آمیزش کرنا ہے (اور ملانے کے بعد کبھی تو اجزا میں تمیز ہو سکتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی۔ نسیم" اور عرب کہتے ہیں: لَبست الشيء بالشيء یعنی "میں نے اس کو ملا دیا" اور اِلْتَبَسَ بِهٖ کا معنی وہ شے دوسرے کے ساتھ مل گئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝ (سورۃ الانعام، ۹) ترجمہ: ......"اور جو شبہ (اب) کرتے ہیں اسی شبہے میں انہیں پھر ڈال دیتے ہیں۔"

المصباح المنیر میں لکھا ہے کہ "لَبس الثوب لُبْسًا" لام کے پیش کے ساتھ اور باب سمع یسمع سے ہے۔ اس کا معنی ہے پہننا اور لَبَسْتُ عَلَيْهِ الْاَمْرَ جو لام کے زبر کے ساتھ اور ضرب یضرب کے باب سے ہے اس کا معنی ہے دوسرے پر کسی بات کو خلط ملط کر دینا اور اِلْتَبَسَ الْاَمْرُ کا معنی کسی بات کا مشتبہ اور مشکل ہونا ہے۔

الزَّکٰوۃَ: ...... یہ زکا الزرع یزکو سے مشتق ہے جس کا معنی ہے کھیتی کا بڑھنا اور نشوونما پانا، کیوں کہ زکوٰۃ کا نکالنا برکت کھینچتا ہے اور یا یہ زکوٰۃ سے ہے جس کا معنی طہارت اور پاکیزگی ہے یعنی زکوٰۃ مال کو پاک کرتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا (سورۃ التوبہ، ۱۰۳)

ترجمہ:...... ''ان کے مال میں سے زکوٰۃ قبول کرلو کہ اس سے تم ان کو (ظاہر میں بھی) پاک اور (باطن میں بھی) پاکیزہ کرتے ہو۔

بنی اسرائیل پر انعامات خداوندی کی یاددہانی

تفسیر: يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ :...... یعنی اے نیک پیغمبر حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد! اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ : یعنی تم میری ان بے حدو حساب اور بے شمار نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر اور تمہارے آباواجداد پر کی ہیں۔ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ : یعنی تم نے میرے ساتھ ایمان لے آنے اور طاعت کرنے کا جو وعدہ اور عہد کیا تھا اس کو پورا اور ادا کرو۔ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ : یعنی میں نے تمہارے ساتھ جو نیک ثواب دینے کا وعدہ کیا تھا (میں وہ پورا کروں گا۔) وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ : یعنی مجھ سے ہی ڈرو، نہ کہ میرے علاوہ کسی اور سے۔ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ : یعنی جو قرآن عظیم (میں نے اتارا ہے اس پر ایمان لے آؤ۔) مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ : یعنی (جو تمہارے پاس موجود اس کتاب کی) جو تورات ہے، اُمور توحید اور نبوت میں (تصدیق کرتا ہے)۔

حق و باطل کو خلط ملط کرنے کی ممانعت

وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ :...... یعنی تم اہل کتاب میں سے اول منکر نہ بنو، تمہارا حق تو یہ ہے کہ تم اس پر سب سے پہلے ایمان لانے والے بنو۔ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا : یعنی تم لوگ میری اتاری ہوئی روشن آیات کے بدلے میں فانی دنیا کا (کاٹھ کباڑ اور بے قیمت) سامان نہ لو۔ وَاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ : یعنی مجھ سے ہی ڈرو، نہ کہ میری علاوہ کسی اور سے۔ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ : یعنی تم رب تعالیٰ کے اتارے ہوئے حق کو اس باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور خلط ملط نہ کرو، جس کو تم نے اپنے پاس سے تراش رکھا ہے اور تورات کی تعلیمات میں اپنی خود ساختہ افترا پردازیوں سے بہتان لگا کر تحریف نہ کرو۔ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ : یعنی تمہاری کتاب میں نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اوصاف مذکور ہیں انہیں مت چھپاؤ۔ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ : یعنی تم جانتے ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حق ہیں۔ یا (اس کا مطلب یہ ہے کہ) جب کہ تم حق کے چھپانے کے نقصان کو (خواہ دنیاوی ہو یا اخروی) جانتے ہو۔ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ : یعنی تمہارے ذمے جو نماز اور زکوٰۃ ہے اس کو ادا کرو اور دوسرے نمازیوں کے ساتھ مل کر باجماعت نماز ادا کرو۔ یا (یہ مطلب ہے کہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مل کر نماز ادا کرو۔

بلاغت: نِعْمَتِيَ :...... اس میں نعمت کی رب تعالیٰ کی طرف اضافت سے اس کے عظیم الشان ہونے، اس کی خیر کے وسیع ہونے، اور اس نعمت کے (برمحل ہونے اور اس کی) موقع کی خوبی کی طرف اشارہ ہے کیوں کہ اضافت ''تشریف''[1] کا (بھی) فائدہ دیتی ہے جیسے یہ کہنا بَيْتُ الله ''اللہ کا گھر'' اور ارشاد خداوندی: نَاقَةَ اللهِ (الشمس۔۱۳) ہے۔

یعنی'خدا کی اونٹنی'' (کہ ان دونوں اضافتوں میں مضاف کے اندر عظمت و توقیر کو پیدا کیا گیا ہے اور مضاف کی قدر و عظمت کو بڑھایا گیا ہے۔)

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ :...... یعنی حقیقی خرید نا مراد نہیں، بلکہ یہاں بطور استعارہ کے مراد ہے جیسا کہ گزشتہ آیت اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى (سورۃ البقرہ، ۱۶) میں یہ مضمون گزر گیا ہے۔ تَلْبِسُوا الْحَقَّ اور تَكْتُمُوا الْحَقَّ : میں ''حق'' کے (لفظ کو) دہرانے میں ممنوعہ بات کی قباحت کو اور زیادہ بیان کرنا ہے۔ کیوں کہ لفظ کو صراحۃً لکھنے سے جو تاکید حاصل ہوتی ہے وہ (اس کی جگہ اس کی (ضمیر ذکر کرنے سے حاصل نہیں ہوتی اور اس ''اطناب'' کو ''اضعف من سواہ'' کہتے ہیں۔ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ : یہ جز کے نام پر کل کا نام رکھنے کے باب میں سے ہے۔

---

[1] مضاف الیہ کی طرف اس لیے بھی اضافت کی جاتی ہے کہ مضاف کی عزت و توقیر اور اس کی عظمت و شرافت کو ظاہر کیا جائے۔ اور ایسا اس وقت ہوتا ہے جب مضاف الیہ کی عظمت زیادہ ہو۔ جیسے مثلاً ''بیت اللہ'' کی اضافت رب تعالیٰ کی عظمت کا زیادہ ہونا واضح ہے اب لفظ اللہ کی طرف اضافت اس لیے کہ گئی ہے تا کہ ''بیت'' کی عظمت واضح کی جائے اور ''بیت'' میں یہ عظمت لفظ ''اللہ'' کی طرف اضافت کر کے حاصل کی گئی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ ''نسیم''

یعنی تم نمازیوں کے ساتھ نماز ادا کرو۔ یہاں رکوع بول کر (جو جز ہے) نماز کو مراد لیا گیا ہے (جو کل ہے) اور اس کو "مجاز مرسل"[1] کہتے ہیں۔
اِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ اور وَاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ:...... اختصاص کا فائدہ دے رہے ہیں۔[2]

منعم حقیقی کی پہچان

کسی عارف کا قول ہے، کہ "نعمتوں کے غلام تو بہت ہیں مگر "منعم" کے غلام تھوڑے ہیں۔" رب تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اپنی نعمتوں کو جتلایا تا کہ وہ منعم (حقیقی) کی نعمتوں (کی حقیقی قدر و قیمت) کو پہچان لیں، چنانچہ رب تعالیٰ نے فرمایا:

اُذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ (سورۃ البقرہ، ۴۰) "میرے احسان یاد کرو۔"

لیکن امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعمت نہیں بلکہ) منعم کو یاد دلایا چنانچہ فرمایا:

فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ (سورۃ البقرہ۔ ۵۳) ترجمہ:...... "سو تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کیا کروں گا۔"

تا کہ یہ منعم کی واسطے سے اس کی نعمت کو پہچانیں۔ اور ان دونوں باتوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

بنی اسرائیل کے ایک فعل قبیح کی مذمت

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾

ترجمہ:...... کیا تم لوگوں کو بھلائی کا حکم کرتے ہو، اور اپنی جانوں کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو تو کیا تم سمجھ نہیں رکھتے۔ ﴿۴۴﴾ اور مدد چاہو صبر اور نماز کے ساتھ، اور بلاشبہ نماز ضرور دشوار ہے مگر خشوع والوں پر ﴿۴۵﴾ جو یقین رکھتے ہیں کہ بیشک وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں اور یہ کہ وہ اس کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ ﴿۴۶﴾ اے بنی اسرائیل! تم میرے احسانوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر کیے اور اِس بات کو کہ میں نے تم کو فضیلت دی جہانوں پر، ﴿۴۷﴾ اور ڈرو اس دن سے جس دن کوئی بھی شخص کسی کی طرف سے بھی کچھ ادائیگی نہیں کرے گا اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی معاوضہ لیا جائے گا، اور نہ اُن لوگوں کی مدد کی جائے گی۔ ﴿۴۸﴾

مناسبت:...... یہ آیات بھی بنی اسرائیل کے بارے میں ہیں، ان آیات میں بنی اسرائیل کے ایک نہایت برے فعل پر ان کی مذمت اور ان کی ڈانٹ ہے کیوں کہ وہ نیکی کا تو حکم کرتے تھے مگر خود اس پر عمل نہ کرتے تھے اور لوگوں کو تو ہدایت و راستی کی طرف دعوت دیتے تھے مگر خود اس کی اتباع نہ کرتے تھے۔

---

[1] مجاز مرسل کی تعریف گذشتہ میں گذر گئی ہے۔ "نسیم"۔ [2] عموماً فعل کے تمام معمولات فعل کے بعد مذکور ہوتے ہیں لیکن کبھی فعل کے کسی معمول کو اس سے پہلے کسی معنی کے حاصل کرنے کے لیے ذکر کر دیا جاتا ہے جیسا کہ مذکورہ دونوں آیتوں میں ایای واحد متکلم کی منصوب منفصل کی ضمیر سے جو نحوی ترکیب کے اعتبار سے مذکورہ فعل کا مفعول بہ ہے اور اس کو فعل کے بعد مذکور ہونا چاہیے تھا مثلاً عبارت یوں ہوتی فارھبوا ایای۔ لیکن اس کو فعل سے مقدم لا کر اختصاص کا فائدہ حاصل کیا گیا۔ یعنی یہ بات خاص خدا کے لیے ہی سزاوار ہے کہ اس سے ڈرا جائے نہ کہ کسی اور سے ڈرا جائے۔ واللہ اعلم۔ "نسیم"

لغت: بِالْبِرِّ: ...... بِرٌّ: یہ نیکی اور بھلائی کی وسعت اور زیادتی کو کہتے ہیں۔ اسی وسعت کے معنی میں لفظ بَرّ (خشک زمین) اور بَرِّیَّہ (جنگل) ہے۔ بر یہ تمام نیک اعمال کا ایک جامع نام ہے۔ اسی معنی میں بِرّ الوالدین ہے یعنی والدین کی اطاعت۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔

اَلْبِرُّ لَا یَبْتَلِیْ وَالذَّنْبُ لَا یُنْسٰی ترجمہ: ...... ''نیکی فنا نہیں ہوتی (اور نہ ہی وہ پرانی ہوتی ہے) اور گناہ بھلایا نہیں جاتا''۔

وَتَنْسَوْنَ: ...... یہ ''نسیان'' سے ہے اور نسیان ترک کے معنی میں (بھی) آتا ہے یعنی ''تم ترک کرتے ہو'' جیسا کہ اس ارشاد باری تعالیٰ میں ہے۔

نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ (سورہ توبہ، ٦٧) ترجمہ: ...... ''انہوں نے خدا کو بھلا دیا تو خدا نے بھی ان کو بھلا دیا''۔

یہاں نسیان ترک کے معنی میں ہے۔ اور یہ حافظہ سے کسی بات کے نکل جانے کو بھی کہتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿١١٥﴾ (سورہ طٰہٰ، ١١٥) ترجمہ: ...... ''مگر وہ بھول گئے اور ہم نے ان میں صبر و ثبات نہ دیکھا''۔

تَتْلُوْنَ: ...... یعنی تم پڑھتے ہو اور درس لیتے ہو۔ الْخٰشِعِيْنَ: یہ خاشع (کی جمع) ہے، یہ متواضع کو کہتے ہیں اس کی اصل استکانت (عاجز ہونا اور ذلیل ہونا) اور ذلت (ذلیل ہونا) ہے۔[۱] زجاج کہتے ہیں، ''خاشع وہ ہے جس پر عجز و انکسار اور ذلت کے آثار نظر آئیں اور ''خشعت الاصوات'' کا معنی ہے ''آوازوں کا پست ہو جانا''۔ (تفسیر قرطبی ج۱ ص ۳۷۴)

يَظُنُّوْنَ: ...... یہ ظن سے ہے اور یہاں ظن یقین کے معنی میں ہے نہ کہ شک کے معنی میں۔ یہ لفظ ''اضداد''[۲] کی قبیل میں سے ہے۔ ابوعبیدہ کہتے ہیں: ''عرب شک اور یقین دونوں کے لیے لفظ ظن استعمال کرتے ہیں''۔ (حجاز القرآن، ص۳۹)

لیکن ظن کا یقین کے معنی میں استعمال زیادہ ہے، اسی معنی میں ان دو آیات میں لفظ ظن استعمال ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ﴿٢٠﴾ (سورۃ الحاقہ، آیت ۲۰) ترجمہ: ...... ''مجھے یقین تھا کہ مجھ کو میرا حساب (کتاب) ضرور ملے گا''۔

اور فرمایا:

فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا (سورۃ الکہف، آیت ۵۳)

ترجمہ: ...... ''(اور گنہگار لوگ دوزخ کو دیکھیں گے) تو یقین کر لیں گے کہ وہ اس میں پڑنے والے ہیں''۔

شفاعة: ...... یہ لفظ ''شفع'' سے ماخوذ ہے۔ جو ''وتر'' کی ضد ہے[۳] اور یہ دوسرے کو اپنی جاہ (مرتبہ و پوزیشن) اور اپنے وسیلہ (تقرب و حیثیت اور ذریعہ و واسطہ) کے ساتھ ملانے کو کہتے ہیں۔ اس لیے اس ملانے کو شفاعت کہتے ہیں، پس اب یہ لفظ مشفع کے سامنے شفیع کے مرتبہ اور اس کی قدر و منزلت کے ظاہر کرنے کے معنی میں ہوگا۔ شفیع سفارش کرنے والے اور مشفع سفارش قبول کرنے والے کو کہتے ہیں۔

(دیکھیں القاموس الوحید ص ۸۷۳ کالم نمبر ۳۔ نسیم)

عدل: ...... اگر یہ عین کے زبر کے ساتھ ہو تو اس کا معنی فدا (بدل یا بدلہ) ہے اور جب یہ عین کے زیر کے ساتھ ہو تو اس کا معنی مثل ہے۔ چنانچہ عدل اور عِدیل اس کو کہا جاتا ہے جو تیرے مثل (یعنی تیرے جیسا) ہو۔

سبب نزول: ...... یہ آیات ان بعض یہودی علما کے بارے میں نازل ہوئیں جو اپنے اسلام قبول کر لینے والے رشتہ داروں کو یہ کہا کرتے تھے کہ ''تم محمد (ﷺ) کے دین پر ثابت قدم رہو کہ یہ حق مذہب ہے کہ یہ علما ان کو تو ایمان لے آنے کو کہتے تھے مگر خود ایمان قبول نہ کرتے تھے''۔

(الصاوی علی الجلالین ج۱ ص ۲۶ تفسیر قرطبی ج۱ ص ۳۶۵)

---

[۱] یہ بغداد کے مشہور نحوی اور لغوی عالم ابو اسحاق زجاج (ت ۹۲۳) ہیں۔ مبرد سے تعلیم حاصل کی ''معانی القران'' اور ''فعلت وافعلت'' آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ (المنجد للاعلام العربی، ص ۲۸۷ کالم نمبر ۲) [۲] اضداد وہ الفاظ کہلاتے ہیں جن میں ایسے دو معانی پائے جائیں جو ایک دوسرے کی ضد ہوں جیسا کہ مذکورہ لفظ کہ یہ یقین اور شک دونوں کے لیے آتا ہے جو ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ کہتے ہیں: ''هذا اللفظ من الاضداد'' یہ لفظ دو متضاد معنی والے الفاظ میں سے ہے جیسے لفظ جون کالے اور سفید دونوں کو کہتے ہیں۔'' (القاموس الوحید ص ۹۶۳ کالم نمبر ۲) ''نسیم'' [۳] شفع، جوڑا۔ وہ عدد جو دو پر برابر تقسیم ہو جائے یعنی جفت اور یہ وتر یعنی طاق کی ضد ہے۔ (القاموس الوحید ص ۸۷۴ کالم نمبر ۱)

اور وتر یہ یکتا اکیلا اور طاق کو کہتے ہیں۔ (ص ۱۸۰۷ کالم نمبر ۲ حوالہ بالا) ''نسیم''

تفسیر:...... یہاں رب تعالیٰ یہود کے علما سے خطاب فرما رہے ہیں چنانچہ انہیں ڈانٹتے اور سرزنش کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ: یعنی کیا تم لوگوں کو تو خیر کی اور جناب محمد ﷺ پر ایمان لے آنے کی دعوت دیتے ہو۔وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ: یعنی اپنے آپ کو چھوڑتے اور فراموش کرتے ہو کہ نہ تو ایمان لاتے ہو اور نہ ہی نیکی کے کام کرتے ہو۔وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ: یعنی حال یہ ہے کہ تم تورات پڑھتے (پڑھاتے) ہو جس میں نبی کریم حضرت محمد ﷺ کی صفات مذکور ہیں۔

خواہشات نفسانی سے بچنے کی تدبیر

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ:......یعنی کیا تم یہ بات نہیں سمجھتے کہ یہ ایک برا کام ہے کہ تم اس سے باز آ جاؤ؟ آگے رب تعالیٰ انہیں خواہشات اور ہوائے نفس پر قابو پانے اور جاہ و منصب کی محبت اور مال کے غلبۂ گلوخلاصی کا طریقہ اور تدبیر بیان فرما رہے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:وَاسْتَعِيْنُوْا: یعنی اپنے تمام کے تمام امور میں مدد کو طلب کرو (لیکن کس بات سے؟) بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ: یعنی تکالیف شرعیہ سے نفس کو جو مشقت پیش آتی ہے اس کو برداشت کرنے اور اس نماز کے ادا کرنے کے ذریعے (اپنے تمام امور میں مدد طلب کرو) جو دین کا ستون ہے۔وَاِنَّهَا: یعنی یہ نماز۔لَكَبِيْرَةٌ: بھاری اور گراں ہے۔اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ: مگر ان لوگوں پر بھاری نہیں جو عاجزی و تواضع کرنے والے ہیں جن کے نفسوں میں خدا کی رضا کے لیے صفائی ہے۔الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ: یعنی جو نہایت پختہ اعتقاد رکھتے ہیں جس میں شک کا خلجان نہیں ہوتا۔ (اور وہ کس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں؟) اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ: کہ عنقریب قیامت کے دن وہ اپنے پروردگار سے ملیں گے جو ان کے تمام اعمال کا ان سے حساب کتاب لے گا۔وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ: اور یہ کہ روز جزا کی طرف ان کا لوٹنا ہوگا۔

آگے ایک بار پھر رب تعالیٰ انہیں اپنی متعدد نعمتوں اور انعامات کو یاد دلا رہے ہیں جو انہیں دی گئیں، چنانچہ فرمایا:يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ: یعنی اے بنی اسرائیل! میں نے تم پر جو نعمتیں کی ہیں انہیں میری اطاعت کرکے، ان کا شکر ادا کرکے یاد کرو۔وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ:......اور اس نعمت کو یاد کرو میں نے تمہیں یعنی تمہارے آباء واجداد کو۔عَلَى الْعٰلَمِيْنَ: یعنی اپنے زمانہ کے لوگوں پر رسولوں کو بھیجنے اور کتابوں کے نازل کرنے کے ذریعے (فضیلت دی) اور انہیں بادشاہ اور سردار بنایا۔ اور آباء واجداد کی برتری و فضیلت اولاد کے لیے باعث شرف و افتخار ہوتی ہے۔

جس دن کسی کی سفارش قبول نہ کی جائے گی

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا:......یعنی اس ہولناک دن سے ڈرو جس دن کوئی شخص کسی دوسرے کے حقوق کو (اس کی طرف سے رضا کارانہ طور پر) ادا نہ کرے گا۔وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ: یعنی رب کے ساتھ کفر کرنے والے کسی شخص کی کبھی بھی (اس دن) شفاعت قبول نہ کی جائے گی۔وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ: یعنی نہ اس سے (جہنم سے گلوخلاصی کے) بدلہ میں کوئی عوض لیا جائے گا۔وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ: یعنی انہیں (اس دن) عذاب خداوندی سے بچانے والا اور اس کو ان سے روکنے والا کوئی نہ ہوگا۔

بلاغت: اَتَاْمُرُوْنَ:...... یہاں استفہام اپنے حقیقی معنی سے نکل کر زجر و توبیخ اور ڈانٹ اور سرزنش کے معنی میں ہے۔اَتَاْمُرُوْنَ: اگرچہ یہ فعل ان سے زمانہ ماضی میں ہوا ہے لیکن اس کو فعل استقبال کے صیغہ سے ذکر کیا ہے کیوں کہ فعل استقبال تجدد اور حدوث کے معنی پر دلالت کرتا ہے (یعنی جہاں یہ فعل ان سے زمانہ گذشتہ میں ہوا وہیں ان سے یہ فعل اب بھی ہو رہا ہے اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا اور یہی دیکھا گیا ہے کہ ان یہود بے بہود سے یہ نامعقول رویہ کہ ''دوسروں کو نصیحت اور خود میاں فضیحت'' آج بھی سرزد ہو رہا ہے۔نسیم)

تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ:...... میں ترک فعل کو ترک میں مبالغہ کے لیے ''نسیان'' سے تعبیر فرمایا گویا کہ عمل کرنے کا کبھی ان کے دل پر خیال تک نہیں گذرا۔ آگے اس ''نسیان'' کو ''نفس'' کے ساتھ معلق کیا تاکہ اس حد درجہ کی غفلت میں مبالغہ کرنے کے لیے اور زیادہ تاکید پیدا کی جائے۔ اور

وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ جو "جملہ حالیہ" [1] ہے میں ان یہود، بنی اسرائیل کو جو سرزنش، ڈانٹ اور ملامت ہے وہ (اہل علم سے) پوشیدہ نہیں۔ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ: یہ کمال کے بیان کے لیے خاص کے عام پر عطف ڈالنے کے باب سے ہے کیوں کہ یہ مذکورہ تفصیل نعمت کے (عموم کے) تحت مندرج ہے، لہٰذا جب رب تعالیٰ نے فرمایا: اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ (تم میری نعمت کو یاد کرو) تو اس میں سب نعمتیں آ گئیں، پھر جب اس پر وَاَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ کا عطف ڈالا گیا تو یہ خاص کا عام پر عطف ہوا۔ وَاتَّقُوْا يَوْمًا: یہاں يَوْمًا تہویل (ھول دلانے) کے لیے نکرہ ہے یعنی تم اس شدید ہولناک دن سے ڈرو اور نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ میں لفظ نفس کی تنکیر عموم کا اور ہر ایک سے بالکلیہ طور پر مایوس کرنے کا فائدہ دینے کے لیے ہے۔

فوائد: پہلا:...... علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "رب تعالیٰ نے ساری عبادات میں سے خاص طور پر صرف نماز کو ذکر کیا تاکہ اس کے بلند مقام کو بتلائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب کوئی سخت امر پیش آتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلدی سے نماز کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ اور (نماز کے بارے میں) فرمایا کرتے تھے: "اے بلال! ہمیں نماز کے ذریعے راحت دو۔"" [2]

دوسرا:...... حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں: "دو آدمیوں نے میری کمر توڑ دی ہے ایک جان بوجھ کر پوری ڈھٹائی کے ساتھ غلط کام کرنے والے عالم نے اور دوسرے جاہل عابد و زاہد نے۔" اور دوسروں کو تو ہدایت کی طرف بلائے مگر خود اس پر عمل نہ کرے وہ اس چراغ کی طرح ہے جو لوگوں کو تو روشنی دیتا ہے مگر خود کو جلا ڈالتا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے:

ابدأ بنفسك فانهها عن غيها　　　فاذا انتهت عنه فانت حكيم

ترجمہ:...... "تو سب سے پہلے اپنے آپ سے ابتداء کر کے تو اپنے نفس کو اس کی گمراہیوں سے روک۔ پس اگر تیرا نفس ان گمراہیوں سے باز آ جائے تو (اس کوشش میں کامیاب ہونے کی بنا پر) تو حکیم کہلائے گا۔"

فهناك يقبل ان وعظت ويقتدى　　　بالرأى منك وينفع التعليم

ترجمہ:...... "(جب تو خود اپنے کہے پر سب سے پہلے عمل کرے گا) تو پھر تو (جب) کسی بات کا وعظ کرے گا تو اس کو قبول کیا جائے گا اور لوگ تیری رائے مانیں گے اور تیری وعظ و نصیحت اور تیری تعلیم (و تعلم) سود مند ثابت ہوگی۔"

ابوالعتاھیہ [3] کہتا ہے۔

وصفت التقى حتى كأنك ذوتقى　　　وريح الخطايا من ثيابك تسطع

ترجمہ:...... "تو نے تقویٰ کو (اتنا) بیان کیا کہ یوں لگا کہ جیسے تو خود (بھی بہت بڑا) متقی ہے حالاں کہ (تیرے) گناہوں کی بدبو کا بھبکا تیرے کپڑوں سے اٹھ رہا ہے۔" [4]

---

[1] حال کا لغوی معنی صفت کیفیت اور ہیئت وحالت ہے۔ علم نفسیات میں یہ ایک زوال پذیر اور ناپختہ کیفیت طارئہ کا نام ہے۔ علم نحو میں اس کا اطلاق دو باتوں پر ہوتا ہے ایک زمانہ حاضر پر اور دوسرے فاعل اور مفعول کی اس حالت پر ہوتا ہے جو صدور فعل کے وقت (فاعل کی) یا وقوع فعل کے وقت (مفعول کی) ہو۔ فاعل اور مفعول میں سے جس کی حالت کو بیان کیا جاتا ہے اس کو ذوالحال کہا جاتا ہے اور جو کلمہ فاعل یا مفعول کے حال کو بیان کرے اس کو "حال" کہا جاتا ہے۔ عموماً حال نکرہ اور مفرد ہوتا ہے، لیکن کبھی جملہ کے ذریعے بھی حال کو بیان کر دیا جاتا ہے اس وقت اس جملہ کو "جملہ حالیہ" کہا جاتا ہے۔ اس مقام پر مولف موصوف کی یہی مذکورہ جملہ حالیہ مراد ہے۔ یاد رہے کہ جب جملہ کے ذریعے حال بیان کیا جاتا ہے تو "واؤ" کو ضرور لاتے ہیں جس کو واو حالیہ کہا جاتا ہے۔ اس کے لازماً لے آنے کی وجہ جاننے کے لیے کتب نحو کی مراجعت کی جائے۔ فقط واللہ اعلم "نسیم"۔ [2] یعنی نماز کے لیے اذان دو تاکہ ہم نماز ادا کریں اور نماز سے راحت پائیں۔ فقط واللہ اعلم۔ "نسیم"۔ [3] یہ بہت کثرت کے ساتھ اور آسان اسلوب میں اشعار کہنے والا شاعر اسماعیل بن قاسم ابوالعتاھیہ (۷۴۸-۸۲۵) ہے۔ کوفہ میں پلے بڑھے، پیشہ کے اعتبار سے کمہار تھے لوگوں کے ساتھ ٹھٹھہ بازی کرنے اور ان کی نقلیں اتارنے اور ان کا مذاق اڑانے کا میلان رکھنے کی وجہ سے ان کی کنیت ابوالعتاھیہ پڑ گئی۔ اگرچہ مال کی شدید حرص رکھتے تھے مگر زہد اور دنیا کی حقارت میں کثرت سے اشعار کہتے تھے۔ مہدی اور ہادی کے درباری بنے اور ہارون الرشید کے ہاں بڑی قدر و منزلت پائی۔ ان کا ایک دیوان بھی ہے۔ (المنجد العربی الاعلام ص ۲۰ کالم نمبر ۲) عتاھیہ کا لفظ " عته فلان في فلان" (کسی کی نقلیں اتارنے اور اذیت پہنچانے سے دلچسپی رکھنا) سے ماخوذ ہے (القاموس الوحید ص ۱۰۴۵ کالم نمبر ۲) "نسیم"۔ [4] ان اشعار کا ترجمہ بندہ محمد آصف نسیم نے اپنی تالیف "اللہ کو کیا پسند ناپسند" ص ۱۰۸ سے لیا ہے۔

ایک دوسرا شاعر کہتا ہے:

وغير التقي يأمر الناس بالتقى　　طبيب يداوي الناس وهو عليل

ترجمہ:...... وہ غیر متقی شخص جو دوسروں کو تقویٰ کا حکم دیتا ہے ایسا طبیب ہے جو خود تو بیمار ہے مگر دوسروں کو دوا دیتا پھرتا ہے۔"

بنی اسرائیل پر خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان

وَإِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ط وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾ وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَإِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَإِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾ وَإِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ط ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ط فَتَابَ عَلَيْكُمْ ط اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾

ترجمہ:...... اور جب ہم نے تم کو آلِ فرعون سے نجات دی وہ تم کو سخت ترین تکلیفیں پہنچاتے تھے۔ تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمہارے رَب کی طرف سے بڑا امتحان تھا۔﴿۴۹﴾ اور جب ہم نے تمہاری وجہ سے سمندر کو پھاڑ دیا پھر ہم نے تم کو نجات دے دی، اور آلِ فرعون کو ہم نے غرق کر دیا اس حال میں کہ تم دیکھ رہے تھے۔﴿۵۰﴾ اور جب وعدہ کیا ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا پھر تم لوگوں نے اُن کے بعد بچھڑے کو معبود بنا لیا اور تم ظلم کرنے والے تھے۔﴿۵۱﴾ پھر ہم نے اس کے بعد تم سے درگزر کر دیا تا کہ تم شکر ادا کرو۔﴿۵۲﴾ اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور فیصلہ کرنے والی چیز دے دی تا کہ تم ہدایت پاؤ۔﴿۵۳﴾ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم بے شک تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ لہٰذا تم اپنے پیدا کرنے والے کی بارگاہ میں توبہ کرو، سو اپنی جانوں کو قتل کرو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک، پھر اُس نے تمہاری توبہ قبول فرمائی، بے شک وہ بہت زیادہ توبہ قبول فرمانے والا ہے، اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔﴿۵۴﴾

مناسبت:...... جب رب تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اپنی نعمتوں کو اجمالاً ذکر کیا تو اس کی بعد ان نعمتوں کی تفصیل ذکر کی تا کہ یہ بات تذکیر (اور یاد دلانے) میں زیادہ بلیغ اور شکر کی طرف زیادہ دعوت دینے والی ہو۔ پس گویا کہ رب تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے کہ "تم میری نعمت کو یاد کرو اور اس احسان کو یاد کرو جب میں نے تمہیں قوم فرعون سے مخلصی بخشی اور اس احسان کو یاد کرو جب ہم نے تمہارے لیے دریا کو پھاڑ دیا...... الی آخرہ کہ یہ سب کی سب نعمتیں منعم حقیقی جل جلالہ کے شکر کو چاہتی ہیں نہ کہ اس کی ناشکری اور نافرمانی کو۔

لغت: اٰلَ فِرْعَوْنَ:...... آل کی اصل "اہل" ہے اسی لیے اس کی تصغیر[1] "أهيل" آتی ہے، پھر اس کی ھا کو الف سے بدل دیا گیا۔ اس کا استعمال رتبہ اور شان والے لوگوں مثلاً بادشاہوں وغیرہ کے ساتھ خاص ہے لہٰذا آل اسکاف (موچیوں کی آل) اور آل حجام (نائیوں کی آل) نہ کہا جائے گا۔

[1] علم صرف میں سے شئی کی تحقیر اور تملیح وغیرہ (پر دلالت کرنے) مقاصد کے لیے اسم کے دوسرے حرف کے بعد یاء ساکن بڑھانے اور کچھ تبدیلی کرنے کا نام تصغیر ہے۔ جیسے قَمَرٌ سے قُمَيْرٌ (چھوٹا چاند) اور کتاب سے کُتَيب (چھوٹی کتاب وغیرہ)۔ (القاموس الوحید، ص ۹۲۶ کالم نمبر ۲)

فِرْعَوْنَ [1]:...... یہ عمالقہ کے بادشاہ کا نام ہے (یعنی ان کا لقب ہے نہ کہ کسی خاص شخص کا نام ہے) جیسے کہ قیصر کہ یہ روم کے بادشاہوں کا اور کسریٰ کہ یہ فارس کے بادشاہوں کا نام اور لقب ہے۔ ان فرعونوں کی سرکشی کی وجہ سے عربوں نے اس لفظ سے "تَفَرْعَنَ" کا لفظ نکال لیا جس کا معنی سرکشی کرنا اور جبر کرنا ہے۔ (الکشاف ج ۱ ص ۱۰۲)

یَسُوْمُوْنَكُمْ:...... یہ لفظ سامہ سے نکلا ہے جس کا معنی دوسرے کو تکلیف اور عذاب چکھانا اور اس کو تباہ کرنا ہے، لہٰذا اس کا معنی ہے کہ "وہ تم کو عذاب چکھاتے تھے"۔ علامہ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "یعنی تمہیں لاتے ہیں اور تمہیں (عذاب) چکھاتے ہیں۔" یَسْتَحْيُوْنَكُمْ: یعنی عورتوں کو قید حیات میں باقی رکھتے تھے۔ بَلَآءٌ: اس کا معنی جانچنا، امتحان لینا، آزمانا اور محنت یعنی ابتلا وآزمائش ہے۔ اس کو خیر اور شر دونوں (قسم کی آزمائش) میں استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ (الانبیاء، ۳۵) ترجمہ:...... "اور ہم تم کو سختی اور آسودگی میں آزمائش کے طور پر مبتلا کرتے ہیں۔"

فَرَقْنَا:...... یہ فرق سے ہے اس کا معنی فصل اور تمیز (یعنی دو چیزوں کو الگ الگ اور جدا کرنا) ہے۔ اسی معنی میں یہ ارشاد خداوندی ہے۔

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ (الاسراء، ۱۰۶) ترجمہ:...... "اور ہم نے قران کو جز جز کر کے نازل کیا ہے۔"

یعنی ہم نے اس کو بیان اور وضاحت کے ذریعے جدا جدا اور متمیز کیا ہے۔

بَارِئِكُمْ:...... باری یہ کسی شے کو بغیر اس کے پہلے سے موجود کسی نمونے کے، پیدا کرنے والے کو کہتے ہیں۔ اسی سے لفظ "بریہ" ہے جس کا معنی ہے "خلق خدا"۔

بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم سے نجات

تفسیر: وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ:...... یعنی اے یعقوب کی اولاد! اس وقت کو یاد کرو جب میں نے تمہارے آباء واجداد کو نجات دلائی۔

مِنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ:...... یعنی (جب میں نے تمہارے آباء واجداد کو) فرعون اور اس کی سرکش جماعت کی گرفت سے (نجات دلائی)۔ یہ خطاب نبی کریم کے معاصر بنی اسرائیل کی اولادوں کو ہے اور آباء واجداد پر نعمت یہ اولاد و احفاد پر نعمت ہوتی ہے۔ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ: یعنی تم کو برباد کرتے تھے اور نہایت سخت اور قابل نفرت عذاب دیتے تھے۔ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ: یعنی تمہاری نرینہ اولادوں کو ذبح کر ڈالتے تھے۔ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ: یعنی تمہاری عورتوں کو خدمت کے لیے قید حیات میں باقی رکھتے تھے۔ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ: یعنی لڑکوں کو قتل کرنے اور عورتوں کو زندہ رکھنے کے اس مذکورہ اہانت آمیز عذاب میں تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے زبردست آزمائش اور امتحان ہے کہ رب تعالیٰ نے قوم فرعون کو تم لوگوں پر اس لیے مسلط کیا تا کہ نیک اور بد میں امتیاز ہو جائے۔ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ: یعنی تم (میری) اس (نعمت) کو بھی یاد کرو کہ جب ہم نے تمہارے لیے دریا کا سینہ چیر کر اس کو پھاڑ دیا۔ یہاں تک اس کا خشک پیندہ اور تہہ ظاہر ہو گئی جس پر تم (خشک زمین پر چلنے کی طرح) چلے۔

---

[1] حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے وقت مصر پر فرعون کی حکومت تھی۔ فرعون کسی شخص معین کا نام نہ تھا بلکہ تین ہزار سال قبل مسیح سے لے کر عہد سکندر تک کے شاہان مصر کا لقب تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور کے فرعون کے نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ عام عرب اس کو عمالقہ کے خاندان کا فرعون بتلاتے ہیں جو حضرت یوسف علیہ السلام کے دور کے فرعون کا خاندان تھا جو "ہیکوس" نامی عرب خاندان کی ہی ایک شاخ تھی۔ فرعون موسیٰ علیہ السلام کو عمالقہ میں سے تسلیم کر لینے کے بعد اس کا نام محقق قول کے مطابق "ریان" یا "ریان ربا" تھا اور ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس کی کنیت ابو مرہ بتلاتے ہیں۔ مگر جدید تحقیق یہ ہے کہ فرعون موسیٰ علیہ السلام "ریمیسیس روم" کا بیٹا "منفتاح" تھا جو تیسری صدی قبل مسیح گذرا ہے اس کا دور ۱۲۹۲ق م سے لے کر ۱۲۲۵ق م تک ختم ہو جاتا ہے۔ ("انبیائے کرام کی آزمائشیں" ص ۱۷۵ مولفہ محمد آصف نسیم بحوالہ قصص القرآن)

اور عمالقہ "عملاق بن لاوذ بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام" کی اولاد میں سے ایک قوم کا نام ہے۔ (القاموس الوحید ص ۱۱۲۹ کالم نمبر ۱)

المنجد میں عمالیق لکھا ہے کہ یہ جنوبی فلسطین کے قدیم قبائل کا نام ہے جن سے عبرانی ان کی ارض میعاد میں داخل ہونے کے وقت سے لے کر حزقیا بادشاہ کے دور تک جنگ کرتے رہے۔ یہ ۱۶ ۷ - ۶۸۷ ق م تک کا دور ہے۔ (المنجد العربی الاعلام ص ۳۷۹ کالم نمبر ۱) "نسیم"

فَاَنْجَیْنٰکُمْ وَاَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ:......یعنی ہم نے تمہیں غرق ہونے سے بچالیا اور فرعون اور اس کی قوم کو غرق کر دیا۔ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ:یعنی تم اس سب کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ چنانچہ رب تعالیٰ کے دوستوں کے نجات دینے اور اس کے دشمنوں کے ہلاک کر دینے میں رب تعالیٰ کی ایک زبردست نشانی ہے۔

تورات کے نزول کا وعدہ اور بچھڑے کی عبادت

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤی[1] اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً:......یعنی ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس بات کا وعدہ کیا کہ انہیں چالیس راتوں کے بعد تورات عطا فرمائیں گے اور یہ وعدہ تمہیں نجات دینے اور فرعون (اور اس کی قوم) کے ہلاک کرنے کے بعد کیا تھا۔ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ:یعنی (اس وعدے اور نجات کے بعد پھر بھی) تم نے بچھڑے کی عبادت کی (اور اس کو اپنا معبود بنا لیا)۔ مِنْۢ بَعْدِهٖ:یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیر موجودگی کے بعد کہ جب وہ اپنے رب کے مقررہ وقت پر (رب تعالیٰ کی مقررہ جگہ پر) گئے وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ:یعنی اس بچھڑے کی عبادت کرنے میں تم اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہو اور حد سے تجاوز کرنے والے ہو۔ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ:یعنی پھر ہم نے تمہارے اس بدترین فعل اور جرم کو معاف کر دیا۔ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ:یعنی اس ممنوعہ انتہائی بری عبادت کے مقرر کرنے کے بعد (تمہیں معاف کر دیا)۔ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ:یعنی تاکہ تم رب تعالیٰ کا اس کی نعمتوں پر شکر ادا کرو اور اس کے بعد رب تعالیٰ کی عبادت کرتے ہی رہو۔ وَاِذْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ:یعنی تم میری یہ نعمت بھی یاد کرو کہ جب میں نے موسیٰ علیہ السلام کو وہ تورات عطا فرمائی جو حق اور باطل کو جدا جدا کرنے والی ہے اور میں نے معجزات کے ذریعے ان کی مدد و تائید کی۔ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ:یعنی تاکہ تم اس تورات میں غور و تدبر کر کے اور اس کے احکامات پر عمل کر کے راہ یاب ہو جاؤ۔

بنی اسرائیل کی معافی اور اس کی وقوع کی کیفیت

آگے رب تعالیٰ اس مذکورہ معافی کے وقوع کی کیفیت کو بیان کر رہے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ:......یعنی تم لوگ اس وقت کو بھی یاد کرو کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ کے وعدہ کے وقت سے واپس آنے کے بعد اپنی قوم کو جب بچھڑے کی عبادت کرتے دیکھا تو انہیں یہ فرمایا: ''اے بھائیو! تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ: وہ یوں کہ تم لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا۔ فَتُوْبُوْۤا اِلٰى بَارِىٕكُمْ:یعنی اس ذات کے آگے توبہ کرو جس نے تمہیں نقص اور عیب سے خالی اور بری پیدا کیا۔ فَاقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ:(اور اس توبہ کی صورت رب تعالیٰ نے یہ مقرر کی ہے کہ) جو تم میں سے (اس بچھڑے کو معبود بنانے کے جرم سے) بری ہے وہ (اس) جرم کے مرتکب کو قتل کر دے۔ ذٰلِكُمْ:یعنی (یہ بے گناہ کا گنہگار کو) قتل کرنا۔ خَیْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىٕكُمْ: یعنی تمہارے رب کے امر پر راضی ہونا اور اس کے امر پر اترنا تمہارے عظیم خالق کے نزدیک بہتر ہے۔ فَتَابَ عَلَیْكُمْ:(پس جب تم نے ایسا کر لیا) تو اس نے تمہاری توبہ قبول کر لی۔ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ:یعنی وہ عظیم مغفرت اور وسیع رحمت والا ہے۔

بلاغت: یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ:......(چوں کہ ''سام یسوم'' کا ایک معنی سودا کرنا اور بھاؤ تاؤ کرنا بھی ہے اس لیے) علامہ ابن جزی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں، ''یعنی قوم فرعون ان پر عذاب کو لازم کرتے تھے'' اس میں خرید و فروخت میں بھاؤ تاؤ کرنے سے استعارہ ہے (کیوں کہ بیع و شرا میں بھی فریقین کی طرف سے ایک دوسرے پر کچھ لازم کرنا ہوتا ہے۔ مثلاً بائع ثمن کی ادائیگی مشتری پر اور مشتری مبیع کی حوالگی بائع پر لازم کرتا ہے۔ واللہ اعلم نسیم) اور یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ یہ سُوْٓءَ الْعَذَابِ کی تفسیر ہے اسی لیے اس کا سوء العذاب پر عطف نہیں۔'' (التسهیل فی علوم التنزیل ج۱ ص ۴۷)

---

[1] جناب موسیٰ علیہ السلام کا نام نامی قرآن کریم میں پہلی مرتبہ اس مقام پر آیا ہے۔ حضرت موسیٰ بن عمران سلسلہ اسرائیلی کے سب سے زیادہ مشہور اور جلیل القدر پیغمبر کا نام ہے تورات کتاب استثناء ۳۴: ۷ میں لکھا ہے کہ عمر مبارک ۱۲۰ سال تھی۔ مؤرخین اور اثریین کے تخمینہ کے مطابق آپ علیہ السلام کا زمانہ پندرھویں اور سولھویں صدی ق م ہے۔ سال ولادت غالباً ۱۵۲۰ ق م اور سال وفات غالباً ۱۴۰۰ ق م ہے۔ (تفسیر ماجدی ج۱ ص ۱۲۸) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے احوال کے لیے دیکھیں، ''انبیاء کرام کی آزمائشیں'' (ص ۱۷۰-۱۹۱) ''نسیم''

بَلَآءٌ اور عَظِیۡمٌ میں تنکیر اس کی عظمت اور اس کی ہولناکی کو بیان کرنے کے لیے ہے۔ وَاِذۡ وٰعَدۡنَا یہاں وٰعَدۡنَا کا صیغہ جو باب مفاعلہ سے ہے اپنے باب کے معنی میں نہیں کیوں کہ یہ یہاں طرفین سے مشارکت [1] کا فائدہ نہیں دے رہا، بلکہ یہ ثلاثی کے معنی میں یعنی اِذۡ وَعَدۡنَا کے معنی میں ہے۔ فَتُوۡبُوۡۤا اِلٰى بَارِئِكُمۡ اس کی تفسیر میں علامہ ابوسعود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "لفظ باری (یعنی خالق) کو اس لیے ذکر کیا گیا تا کہ انہیں اس بات کا شعور دلایا جائے کہ وہ اپنی جہالت اور بے راہ روی میں آخری حدود تک پہنچ چکے ہیں کہ انہوں نے اس حکیم و علیم ذات کی عبادت کو ترک کر دیا جس نے انہیں اپنی حکمت کے لطف و کرم سے پیدا فرمایا اور اس گائے کی عبادت شروع کر دی جو غباوت و کند ذہنی میں ضرب المثل ہے"۔

(ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم ج۱ ص ۹۱)

فوائد: پہلا: الۡكِتٰبَ وَالۡفُرۡقَانَ:...... میں ایک صفت کا دوسری صفت پر عطف ہے کیوں کہ کتاب اور فرقان دونوں ہی تورات ہیں۔ اور یہ عطف لانا نہایت خوب ہے کیوں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک جامع شے عطا فرمائی ہے جو آسمان سے اتاری ہوئی کتاب بھی ہے اور حق اور باطل کے درمیان فرق بھی کرنے والی ہے۔ (یہ زجاج کا کہنا ہے اور اسی کو علامہ زمخشری نے بھی اختیار کیا ہے)۔

بنی اسرائیل کی نرینہ اولاد کو قتل کر دینے کی وجہ

دوسرا:...... مفسرین کے قول کے مطابق بنی اسرائیل کی نرینہ اولاد کو قتل کر دینے کی وجہ یہ تھی کہ فرعون نے ایک خواب دیکھا تھا کہ ایک آگ ہے جو بیت المقدس سے نکلی ہے اور اس نے آ کر مصر کو گھیر لیا ہے اور اس نے ہر قبطی کو جلا دیا جب کہ کسی بنی اسرائیلی کو کچھ بھی نہ کہا، وہ بہت ڈر گیا۔ اس نے کاھنوں سے اس خواب کی تعبیر پوچھی تو انہوں نے کہا، "بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کے ہاتھوں تو بھی ہلاک ہوگا اور تیری بادشاہت بھی جاتی رہے گی۔ چنانچہ فرعون نے بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والے ہر لڑکے کے قتل کا حکم دے دیا۔

تیسرا:...... علامہ قشیری [2] رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "جس نے رب کی رضا کے لیے رب کی قضا و قدر پر صبر کیا تو اس کے بدلے میں رب تعالیٰ اس کو اپنے اولیا کی صحبت نصیب فرمائے گا۔ ان بنی اسرائیل نے فرعون اور ان کی قوم کے ظلم و ستم برداشت کیے تو رب تعالیٰ نے ان میں نبیوں کو پیدا فرمایا اور ان میں بادشاہ بنائے اور انہیں وہ وہ نعمتیں دیں جو دنیا میں کسی کو نہ دیں۔ (البحر المحید ج۱ ص ۱۹۴)

بنی اسرائیل کی اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کا انکار

وَاِذۡ قُلۡتُمۡ يٰمُوۡسٰى لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهۡرَةً فَاَخَذَتۡكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ ﴿۵۵﴾ ثُمَّ بَعَثۡنٰكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَوۡتِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۵۶﴾ وَظَلَّلۡنَا عَلَيۡكُمُ الۡغَمَامَ وَاَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكُمُ الۡمَنَّ وَالسَّلۡوٰى ؕ كُلُوۡا مِنۡ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰكُمۡ ؕ وَمَا ظَلَمُوۡنَا وَلٰكِنۡ كَانُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذۡ قُلۡنَا ادۡخُلُوۡا هٰذِهِ الۡقَرۡيَةَ فَكُلُوۡا مِنۡهَا حَيۡثُ شِئۡتُمۡ رَغَدًا وَّادۡخُلُوا الۡبَابَ سُجَّدًا وَّقُوۡلُوۡا حِطَّةٌ

[1] باب مفاعلہ کی ایک خاصیت اشتراک کے معنی کا فائدہ دینا ہے اور اشتراک یہ دو شخصوں کا کسی کام میں شریک ہونا ہے، اس طرح کہ ہر ایک فاعل اور مفعول دونوں کی حیثیت رکھتا ہو۔ مثلاً "قاتل زید عمرواً" کا معنی یہ ہوگا کہ زید نے عمرو سے مقاتلہ کیا اور عمرو نے زید سے۔ (مصباح اللغات مقدمہ ص ۴۔۵) اسی طرح "واعدنا" بظاہر مفاعلہ کی باب سے جمع متکلم کا صیغہ ہے جس کا اشتراک والا معنی یہ ہونا چاہیے کہ خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اور حضرت موسیٰ نے خدا سے وعدہ کیا، حالاں کہ یہاں فقط خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا۔ پس معلوم ہوا کہ یہاں واعدنا اپنے باب کی اصلی خاصیت کے ساتھ نہیں بلکہ ثلاثی مجرد کی خاصیت والا ہے۔ واللہ اعلم۔ "نسیم"

[2] یہ ابو القاسم عبد الکریم القشیری رحمۃ اللہ علیہ (ت ۴۶۵ھ/ ۱۰۷۲ء) ہیں۔ بڑے صوفی اور فقہ شافعی کے فقیہ تھے، اصول، کلام اور تفسیر میں مہارت تھی نیشاپور میں اقامت اختیار کر لی۔ سلطان الب ارسلون سلجوقی نے اپنا مصاحب بنا لیا۔ "التفسیر الکبیر" اور "الرسالۃ القشیریۃ" آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ (المنجد العربی الاعلام ص ۴۳۹ کالم نمبر ۲) "نسیم"

نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ۝۵۸ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِىْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ۝۵۹

ترجمہ:......اور جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ ہم ہرگز تمہاری تصدیق نہ کریں گے، جب تک کہ ہم اللہ کو اعلانیہ طور پر نہ دیکھ لیں، سو پکڑ لیا تم کو کڑک نے اور حال یہ تھا کہ تم آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔۵۵ پھر ہم نے تم کو زندہ اُٹھا دیا تمہاری موت کے بعد، تا کہ تم شکر ادا کرو۔۵۶ اور ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا، اور ہم نے تمہارے اوپر مَن اور سلویٰ نازل کیا، جو کچھ ہم نے تم کو دیا اس میں سے پاکیزہ چیزیں کھاؤ، اور اُنہوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا لیکن اپنی ہی جانوں کا نقصان کیا کرتے تھے۔۵۷ اور جب ہم نے کہا داخل ہو جاؤ اس بستی میں سو کھاؤ اس میں سے جہاں سے چاہو خوب اچھی طرح، اور داخل ہو جاؤ دروازہ میں جھکے ہوئے، اور یوں کہو کہ ہم گناہوں کی بخشش کا سوال کرتے ہیں، ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے، اور نیکوکاروں کو اور زیادہ دیں گے۔۵۸ سو بدل دیا اُن لوگوں نے جنہوں نے ظلم کیا بات کو اس بات کے علاوہ جو ان سے کہی گئی تھی سو ہم نے نازل کر دیا اُن لوگوں پر آسمان سے عذاب جنہوں نے ظلم کیا، اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔۵۹

مناسبت:......رب تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اپنے انعامات ذکر کرنے کے بعد ان کی طرح طرح کی سرکشی، رب تعالیٰ کے احکامات کا انکار اور ان میں تبدیلی کو بیان کیا ان لوگوں کے کفر و نافرمانی کے باوجود ان کے ساتھ لطف و احسان والا معاملہ کیا جاتا تھا۔ یہ کتنی بری اور ذلیل امت تھی......!

علامہ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بنی اسرائیل نے جب بچھڑے کی عبادت سے توبہ کر لی تو رب تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ ان میں سے کچھ لوگ چنیں جو رب کے حضور بچھڑے کی عبادت کی معافی مانگیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان میں سے ستر بہترین لوگوں کو منتخب کیا جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ (سورۃ الاعراف۔۱۵۵)

''اور موسیٰ علیہ السلام نے اس میعاد پر جو ہم نے مقرر کی تھی اپنی قوم کے ستر آدمی منتخب (کر کے کوہ طور پر حاضر) کیے۔''

پھر ان کو فرمایا: ''تم لوگ روزے رکھو اور پاک ہو جاؤ اور اپنے کپڑے بھی پاک کر لو''۔ چناں چہ انہوں نے ایسا کر لیا، آپ انہیں ''طور سینا''[1] لے چلے۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا: ''آپ ہمارے لیے طلب کریں کہ ہم رب تعالیٰ کی باتیں سننا چاہتے ہیں، انہوں نے فرمایا: (اچھا) میں کرتا ہوں، پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام، پہاڑ کے قریب ہوئے تو بادلوں نے آپ کو ڈھانپ لیا، حتیٰ کہ انہوں نے پورا پہاڑ چھپا لیا اور قوم بھی (ان بادلوں کے) قریب آ گئی۔ پس جب وہ ان بادلوں میں داخل ہوئے تو سب کے سب سجدے میں گر گئے انہوں نے رب تعالیٰ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام کرتے سنا کہ وہ انہیں امر اور نہی (پر مشتمل احکام) دے رہے تھے۔ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بادل ہٹے تو وہ قوم کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ کہنے لگے: ''جب تک ہم خدا کو سامنے نہ دیکھ لیں ہم تم پر ایمان نہ لائیں گے۔'' (مختصر تفسیر ابن کثیر ج۱ ص ۲۲)

لغت: جهرة:......یعنی اعلانیہ۔ جھر کی اصل ظہور ہے اسی سے ہے ''جھری قرأت'' اور ''جھری معصیت'' یعنی ان کا مظاہرہ کرنا۔ عرب کہتے ہیں: رأیت الامیر جھرۃ وجھارًا میں نے امیر کو سامنے دیکھا یعنی وہ کسی شے کی آڑ میں چھپا ہوا نہ تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ جھرۃ کا معنی عیانا

---

[1] سینا۔ ایک مصری صحرائی جزیرہ ہے جو بحر متوسط، خلیج سویس، بحر احمر اور خلیج عقبہ کے درمیان مصر میں واقع ہے یہ صحراء افریقہ کو ایشیا سے ملاتا ہے۔ اس کا اہم شہر ''عریش'' ہے جو شمال میں سینا کے ساتھ، وسط میں ''تبہ'' کے ساتھ، اور جنوب میں ''طور'' کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ اس کے جنوب میں ایک پہاڑی سلسلہ ہے جس میں سب، اہم پہاڑ ''جبل موسیٰ'' ہے۔ اس میں دیر اور کنیسے ہیں اس کو ''یوستیناس'' نے آباد کیا تھا۔ اس شہر میں تیل، میگنیز، فاسفیٹ اور لوہے کے ذخائر دریافت ہوئے ہیں۔ (المنجد العربی الاعلام ص ۳۲۳ کالم نمبرا) طور۔ یہ خلیج سویس کے کنارے سینا کا ایک شہر ہے۔ (ص ۳۵۹ کالم نمبر ۲ حوالہ بالا)۔

القاموس الوحید میں لکھا ہے کہ، ''طور سنین'' یہ صحراء سینا میں واقع ایک پہاڑ کا نام ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اندھیری رات میں آگ کی چنگاری لینے گئے تھے اور باری تعالیٰ سے شرف ہم کلامی حاصل کیا تھا۔ جدہ سے براہ سمندر جاتے ہوئے یہ پہاڑ داہنے پڑتا ہے، (القاموس الوحید ص ۱۰۱۹ کالم نمبر ۲)

طور اسی صحرا کے ایک پہاڑ کا نام ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ ''نسیم''

(یعنی آنکھوں سے دیکھنا اور مشاہدہ کرنا) بتلاتے ہیں۔ الصّٰعِقَةُ: عذاب کی چنگھاڑیاں، جلا ڈالنے والی آگ۔ بَعَثْنٰکُمْ: (یعنی) تم (مرنے پیچھے) دوبارہ زندہ کر دیا۔ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''بعث کی اصل کسی شے کو اس کی جگہ سے اڑانا اور بکھیرنا ہے۔'' الْغَمَامَ: یہ غمامۃ کی جمع ہے جیسے ''سحابۃ'' کی جمع ''سحاب'' ہے (جس کا معنی ہے بادل کا ایک ٹکڑا) یہ دونوں لفظ وزن اور معنی (دونوں) میں ایک ہیں (کہ غمام کا معنی بھی بادلوں کے ٹکڑے ہیں) اور غمام کو غمام اس لیے کہتے ہیں کیوں کہ یہ آسمان کو چھپا لیتا ہے اور ہر ڈھانپی گئی شے کو ''مغموم'' کہتے ہیں اور غُمَّ الهلال اس وقت کہتے ہیں جب بادل اس کو چھپالیں اور وہ نظر نہ آئے۔ حِطَّةٌ: یہ حط عنا ذنوبنا (خدا نے ہمارے گناہ معاف کر دیے) سے مصدر ہے۔
(مجاز القرآن ج ۱ ص ۴۱)

یہ کلمۂ استغفار ہے اور اس کا معنی ہے ''(اے خدا) ہمارے گناہ معاف کر دے۔'' رِجزًا: یعنی عذاب۔ اسی معنی میں یہ ارشاد خداوندی ہے:

لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ (سورۃ الاعراف۔ ۱۳۴) ''اگر تم ہم سے عذاب کو ٹال دو گے۔''

اس آیت میں رجز عذاب کے معنی میں ہے۔

يَفْسُقُوْنَ: ......یہ فسق سے ہے جس کا معنی اطاعت سے نکل جانا ہوتا ہے۔ اس کی پوری تحقیق گزشتہ میں گزر چکی ہے۔

تفسیر: وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى: ......یعنی اے بنی اسرائیل! ذرا اس وقت کو یاد کرو جب تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بچھڑے کی عبادت کے گناہ کی معافی مانگنے نکلے تھے تو تم لوگوں نے کہا: لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ: یعنی ہم آپ کی اس بات میں ہرگز تصدیق نہ کریں گے کہ جو کچھ ہم نے سنا وہ کلام خدا تھا۔ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً: یعنی جب تک ہم (خود) خدا (کی ذات) کو اعلانیہ (یعنی سامنے ظاہر) نہ دیکھ لیں۔ فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ: یعنی خدا نے ان پر آسمان سے آگ بھیجی جس نے ان سب کو جلا دیا۔ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ: یعنی جو تم پر آ گرا (وہ تم دیکھ رہے تھے) پھر جب وہ سب مر گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہو کر رونے لگے اور رب کے حضور دعا مانگنے لگے: اے پروردگار! میں بنی اسرائیل کو جا کر کیا کہوں گا؟ جب کہ آپ نے ان کے سب سے بہتر لوگ ہلاک کر دیے۔ آپ علیہ السلام دعائیں مانگتے رہے حتیٰ کہ خدا نے انہیں دوبارہ زندہ کر دیا۔ فرمایا: ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ: یعنی تم لوگوں کو ایک دن اور ایک رات مردہ رہنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دیا۔ پس وہ زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور ایک دوسرے کو دیکھنے لگے کہ وہ زندہ کیسے ہو گئے؟ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ: یعنی رب تعالیٰ نے جو تمہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دینے کا انعام فرمایا ہے اس پر خدا کا شکر ادا کرو۔

بنی اسرائیل پر میدان تیہہ میں انعامات

پھر رب تعالیٰ انہیں ان کو اپنی نعمتیں یاد دلاتے ہیں جو اس نے میدان تیہہ میں کی تھیں کہ جب ان لوگوں نے ظالموں کے شہر میں داخل ہو کر ان سے قتال کرنے سے انکار کر دیا تھا اور جناب موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ:

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ (سورۃ المائدہ، ۲۴) ترجمہ: ......''تو تم اور تمہارا خدا جاؤ اور لڑو''

اس کی سزا انہیں یہ دی گئی کہ وہ چالیس سال تک ایک میدان میں بھٹکتے سر مارتے اور اپنا وقت برباد کرتے رہے چنانچہ رب تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ: ......یعنی سورج کی تپش سے بچانے کے لیے ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کر دیا اور ان کو تم پر ایک سائبان کی طرح بنا دیا۔ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى: اور کسی تکان، محنت اور کوشش کے بغیر تمہیں کھانے پینے کی طرح طرح کی اشیا عطا کیں۔ ''من'' یہ ہے کہ ان پر آسمان سے شہد کی طرح کا ایک مشروب اترتا تھا جس کو وہ پانی میں ملا کر پیتے تھے (یہ ربیع بن انس[1] کا قول ہے) اور ''سلویٰ'' یہ بٹیر کی طرح ایک

---

[1] یہ ربیع بن انس البکری الحنفی ہیں۔ اصلاً بصرہ کے باشندے تھے پھر خراسان چلے گئے اس لیے یہ بصری بھی کہلاتے ہیں اور خراسانی بھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضرت حسن بصری اور حضرت ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہم سے روایت لی ہے۔ امام عجلی، ابوحاتم اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہم نے انہیں معتبر قرار دیا ہے۔ ابن حبان نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔ بعض نے ان پر شیعہ ہونے کی تہمت بھی لگائی ہے۔ اسی لیے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ''وہ سچ بولتے ہیں مگر ایک تو انہیں روایات میں وہم ہو جاتا تھا دوسرے ان پر تشیع کا الزام بھی ہے۔'' (علوم القرآن ص ۹۳، ۹۴ ملخصاً) ''نسیم''

پرندہ تھا جس کا گوشت نہایت لذیذ تھا۔ (سلویٰ کی تفسیر میں جمہور مفسرین کا یہی قول ہے)۔ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ: یعنی ہم نے انہیں یہ کہا کہ تم خدا کی لذیذ نعمتوں میں سے کھاؤ۔ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ: یعنی انہوں نے ان عظیم الشان نعمتوں کی ناشکری کی اور اس میں انہوں نے ہمارا کچھ نہ بگاڑا بلکہ اپنا ہی بگاڑا اور اپنی جانوں پر ظلم کیا کیوں کہ گناہوں کا وبال انہیں پر جا پڑا تھا۔

بنی اسرائیل کا بیت المقدس میں داخلے کا ذکر

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ:...... یعنی تم میری وہ نعمت بھی یاد کرو کہ جب میں نے تمہیں میدان تیہہ سے نکلنے کے بعد بیت المقدس میں داخل ہونے کا حکم دیا تھا۔ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا: یعنی وہاں سے خوب خوب اور بلا تکان کے کھاؤ پیو۔ وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا: اور اس بستی کے دروازے میں خدا کا اس بات پر شکر ادا کرنے کے لیے سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ کہ اس نے تمہیں میدان تیہہ سے خلاصی نصیب فرمائی۔ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ: یعنی یہ کہو "اے ہمارے پروردگار! ہماری خطاؤں کو معاف فرما اور ہمارے گناہوں کو جھاڑ دے۔" نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ: یعنی ہم تمہاری برائیوں کو معاف کر دیں گے اور تمہارے گناہوں کو مٹا دیں گے۔ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ: یعنی ہم نیکی کرنے والوں کے عظیم ثواب اور اجر جزیل کو اور زیادہ کر دیں گے۔ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا: یعنی ان ظالموں نے خدا کے امر کو بدل دیا اور قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ: جب وہ اس بستی میں چوتڑوں کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے تو (اس لفظ کو جس کا ان کو حکم دیا تھا بدل کر اس کی جگہ) بطور استہزا (اور تمسخر) کے (یہ) کہنے لگے: "حبة فی شعیرة" (یعنی حطۃ کی جگہ یہ کہنے لگے جس کا مطلب ہے جو کی بالی میں دانہ) اور رب کے اوامر کے ساتھ ٹھٹھہ کرنے لگے۔ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ: یعنی ہم نے (اس مذاق اڑانے اور نافرمانی کرنے پر) ان پر طاعون اور مصیبتوں (کی شکل میں آسمان سے عذاب) کو اتارا۔ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ: کیوں کہ یہ نافرمان اور رب کی اطاعت سے نکلنے والے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس طاعون کی وجہ سے فقط ایک گھر میں ان میں سے ستر ہزار بنی اسرائیل ہلاک ہو گئے۔

بلاغت: ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ:...... یہاں دوبارہ زندہ کرنے (یعنی "بعث") کو موت کے ساتھ مقید کیا۔ اس میں اس بات کی نہایت تاکید ہے کہ وہ موت حقیقی تھی تاکہ اس وہم کو دور کر دیا جائے کہ انہیں نیند یا بے ہوشی کے بعد اٹھایا گیا تھا (بلکہ حقیقی موت کے بعد)۔ كُلُوْا: اس آیت میں "ایجاز" ہے اور وہ قلنا لهم کے الفاظ کے حذف کے ساتھ ہے (یعنی ہم نے انہیں کہا کہ کھاؤ) وَمَا ظَلَمُوْنَا: اس میں بھی عبارت کے حذف کے ذریعے ایجاز ہے۔ اصل عبارت یوں ہے: فظلموا انفسهم بأن كفروا وما ظلمونا بذلك (یعنی انہوں نے کفر کا ارتکاب کر کے خود پر ظلم کیا اور اس میں انہوں نے ہمارا کچھ نقصان نہ کیا) اور اس حذف (عبارت) کی دلیل اگلا ارشاد خداوندی وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ہے (کہ اس میں ان کے خود اپنے اوپر ظلم کرنے کا ذکر ہے)۔ ظَلَمُوْنَا: اور يَظْلِمُوْنَ میں ماضی اور مستقبل کے صیغوں کو اس بات پر دلالت کرنے کے لیے جمع کیا گیا ہے کہ وہ ظلم کرتے چلے جاتے تھے اور ظلم کرنے میں حد سے بڑھ گئے تھے اور کفر پر اڑے رہے تھے"۔ (الفتوحات الالهيه، ج۱ ص ۵۷)

فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا:...... اس میں ان کی ضمیر لا کر فَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ کہنے کے بجائے اسم ظاہر لا کر فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا کہا تاکہ ان کی مذمت اور سرزنش میں اور زیادہ مبالغہ اور برائی بیان کی جائے۔ اور رجزا کی تنکیر اس کی ہولنا کی اور اس کی بڑائی کو بیان کرنے کے لیے ہے۔
(ارشاد العقل السليم الى مزايا الكتاب الكريم ج۱ ص ۸۳)

عذاب کی دو قسمیں

رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ:...... اس کی تفسیر میں امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں: یہاں عذاب کی ایک خاص قسم (یعنی آسمان سے نازل ہونے والے عذاب) کو اس لیے ذکر کیا کہ عذاب دو قسم کا ہے۔ ایک وہ ہے جس سے بچنا ممکن ہو، یہ ہر وہ عذاب ہے جو کسی آدمی کے ہاتھوں پر مخلوقات کی طرف سے پہنچے جیسے غرق ہونا، گر کر مرنا وغیرہ اور دوسرا وہ عذاب ہے جس سے آدمی اپنی قوت سے نہ بچ سکے جیسے طاعون، آسمانی بجلی (چنگھاڑ یا آگ) اور موت وغیرہ۔ اور رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ سے یہی دوسری قسم کا عذاب مراد ہے۔" (محاسن التاویل ج۲ ص ۱۳۵)

بنی اسرائیل کے لیے پانی کے چشمے

وَاِذِ اسۡتَسۡقٰى مُوۡسٰى لِقَوۡمِهٖ فَقُلۡنَا اضۡرِبْ بِّعَصَاكَ الۡحَجَرَ‌ؕ فَانۡفَجَرَتۡ مِنۡهُ اثۡنَتَا عَشۡرَةَ عَيۡنًا‌ؕ قَدۡ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشۡرَبَهُمۡ‌ؕ كُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا مِنۡ رِّزۡقِ اللّٰهِ وَلَا تَعۡثَوۡا فِى الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ ﴿۶۰﴾ وَاِذۡ قُلۡتُمۡ يٰمُوۡسٰى لَنۡ نَّصۡبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادۡعُ لَنَا رَبَّكَ يُخۡرِجۡ لَنَا مِمَّا تُنۡۢبِتُ الۡاَرۡضُ مِنۡۢ بَقۡلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوۡمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا‌ؕ قَالَ اَتَسۡتَبۡدِلُوۡنَ الَّذِىۡ هُوَ اَدۡنٰى بِالَّذِىۡ هُوَ خَيۡرٌ‌ؕ اِهۡبِطُوۡا مِصۡرًا فَاِنَّ لَكُمۡ مَّا سَاَلۡتُمۡ‌ؕ وَضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ وَالۡمَسۡكَنَةُ وَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ‌ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقۡتُلُوۡنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيۡرِ الۡحَـقِّ‌ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوۡا يَعۡتَدُوۡنَ ﴿۶۱﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيۡنَ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ۚ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ﴿۶۲﴾

ع ۷

ترجمہ:.....اور جب موسیٰ سے اپنی قوم کے لیے پانی طلب کیا تو ہم نے کہا کہ اپنا عصا پتھر پر مارو سو اِس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے، ہر جماعت نے اپنے اپنے پینے کی جگہ جان لی، کھاؤ اور پیو، اللہ کے رزق سے اور مت خرابی کرو زمین میں فساد کرتے ہوئے۔ ﴿۶۰﴾ اور جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ ہم ہرگز صبر نہیں کریں گے ایک کھانے پر لہٰذا ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کیجیے وہ ہمارے لیے اُن چیزوں میں سے نکال دے جن کو زمین اُگاتی ہے۔ اس کی سبزی اور ککھیرا اور گیہوں اور مسور اور پیاز۔ موسیٰ نے کہا کہ تم بدلتے ہو اُس چیز کو جو گھٹیا ہے اُس چیز کے بدلہ میں جو خیر ہے؟ اُتر جاؤ کسی شہر میں، سو بے شک تمہارے لیے وہ ہے جو تم نے سوال کیا، اور ماردی گئی اُن لوگوں پر ذلت اور مسکنت، اور مستحق ہو گئے غصہ کے جو اللہ کی طرف سے تھا، یہ اس لیے کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے، یہ اِس لیے کہ اُنہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے آگے بڑھتے تھے۔ ﴿۶۱﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے یہودیت اختیار کی، اور نصاریٰ اور صابئین، ان میں سے جو بھی اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے سو اُن کے لیے اجر ہے اُن کے رب کے پاس اور ان لوگوں پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔ ﴿۶۲﴾

مناسبت:.....یہ آیات بھی بنی اسرائیل پر خدا کی نعمتوں کو گنوا رہی ہیں۔ ان آیات میں خدا کی اس ایک عظیم الشان نعمت کا ذکر ہے جو ان پر میدان تیہہ میں کی گئی تھی جب انہیں شدید پیاس لگی قریب تھا کہ وہ پیاس کی شدت سے ہلاک ہو جاتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں ان کے لیے بارش برسانے کی دعا کی۔ رب تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی کو پتھر پر ماریں تو اس سے ان کے قبائل کی تعداد کے بقدر چشمے پھوٹ نکلیں گے۔ وہ بارہ قبیلے تھے چنانچہ ہر ایک قبیلہ کے لیے ایک خاص کھالی جاری ہو گئی جس میں سے وہی لوگ اپنی ضرورت مٹانے کے لیے پانی لیتے تھے اور دوسرے وہاں سے نہ لیتے (کہ ان کی اپنی کھالی تھی)۔ یہ سیرابی کا موضوع جناب موسیٰ علیہ السلام کا ایک زبردست معجزہ اور ایک بڑی نشانی تھی۔ لیکن اس کے باوجود بنی اسرائیل نے کفر وانکار کو ہی اختیار کیا۔

لغت: اسۡتَسۡقٰى:.....یعنی انہوں نے قوم کے لیے پانی مانگا۔ یہاں ''سقیا'' (سیرابی) مصدر کے شروع میں ''سین'' اور ''تا'' ہے جو طلب کے لیے آتا ہے (اور علم الصرف میں اس کو باب استفعال [1] کہتے ہیں) جیسے استنجر (اس نے مدد طلب کی) اور استخبر (اس نے خبر طلب کی)۔

---

[1] باب استفعال ''طلب'' کے لیے آتا ہے اور ''طلب'' یہ ماخذ اور مصدری معنی کو طلب کرنے اور چاہنے کو کہتے ہیں جیسے استطعمتہ کا معنی ہوگا۔ ''میں نے اس سے طعام یعنی کھانا طلب کیا''۔ (مصباح اللغات مقدمہ ص ۱۴ اور ۶) ''نسیم''

علامہ ابوحیان اندلسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''استسقاء یہ پانی نہ ہونے یا کم ہونے کے وقت پانی کے طلب کرنے کو کہتے ہیں اور (اس آیت میں) مفعول بہ محذوف ہے یعنی اِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى رَبَّهٗ یعنی موسیٰ نے خدا سے پانی طلب کیا''۔ (البحر المحیط ج۱ ص ۲۲۶)

فَانْفَجَرَتْ: ...... یہ الانفجار سے ہے جس کا معنی انشقاق یعنی پھوٹ نکلنا ہے۔ اسی لیے فجر کو فجر کہتے ہیں کہ اس وقت روشنی پھوٹتی ہے۔ اِنْفَجَرَ اور اِنْبَجَسَ کا معنی ایک ہی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ (الاعراف، ۱۶۰) ترجمہ: ......''تو اس میں سے (بارہ چشمے) پھوٹ نکلے۔''

مَّشْرَبَهُمْ [1]: ...... یعنی پینے کی کی جگہ اور جانب۔ تَعْثَوْا: یہ عَثِیٌّ اور عُثُوٌّ سے مشتق ہے جس کا معنی زبردست فساد برپا کرنا اور بہت فساد انگیزی کرنا ہے۔ المصباح المنیر میں لکھا ہے: عَثِيَ يَعْثٰى اور عَثَا يَعْثُوْ فهو عاثٍ اس نے فساد برپا کیا۔ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس کے معنی ہیں: ''انہوں نے سرکشی کی۔'' اس کی اصل فساد کی شدت ہے۔ فُوْمِهَا: فوم کے معنی میں دو اقوال ہیں، ایک قول میں اس کا معنی لہسن ہے اور ایک قول میں گندم ہے۔ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ: یہ استبدال سے ہے اور یہ دوسری شے کی خاطر کسی شے کو ترک کرنا اور اس کی جگہ دوسری شے لینا ہے۔ اَدْنٰى: یہ نہایت گھٹیا اور حقیر شے کو کہتے ہیں اور جب کوئی آدمی گھٹیا اور رذیل کاموں کے درپے رہے تو اس کو رجل دنیءٌ کہتے ہیں۔ الذِّلَّةُ: یہ ذلت ورسوائی، بے وقعتی و بے وقاری اور حقارت کو کہتے ہیں۔ الْمَسْكَنَةُ: یہ فاقہ اور درماندگی کو کہتے ہیں اس کو سکون سے لیا گیا ہے کیوں کہ مسکین اپنے فقر کی وجہ سے قلیل الحرکت ہوتا ہے۔ بَآءُوْ: یعنی واپس لوٹے اور مڑ آئے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ''یہ مادہ فقط شر کے معنی میں ہی استعمال ہوتا ہے (لہٰذا اگر کوئی خیر کے ساتھ لوٹے تو اس کو باء بالخیر نہ کہیں گے۔ نسیم) يَعْتَدُوْنَ: یہ اعتداء سے ہے۔ یہ کسی بھی شے میں حد سے تجاوز کر جانے کو کہتے ہیں۔ بعد میں اس کا استعمال ظلم اور معصیت میں مشہور ہو گیا۔

میدان تیہہ میں بنی اسرائیل کے لیے کھانے پینے کا انتظام

تفسیر: وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ: ...... یعنی اے بنی اسرائیل تم اس وقت کو بھی یاد کرو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے رب تعالیٰ سے پانی مانگا کہ ان کی قوم میدان تیہہ میں پیاسی تھی۔ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ: یعنی کسی بھی پتھر کو لاٹھی مار دو تو (تم دیکھو گے کہ) ہماری قدرت سے اس میں سے چشمے پھوٹ پڑیں گے۔ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا: یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی ماری تو اس پتھر سے پانی اچھل کر باہر نکلنے لگا اور بارہ قبیلوں کے لیے بارہ چشمے جاری ہو گئے۔ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ: یعنی ہر ایک قبیلے نے اپنے اپنے گھاٹ کو جان لیا کہ باہم دیگر تنازعہ نہ ہو۔[2] كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ: یعنی ہم نے انہیں کہا کہ تم بغیر کسی قسم کی تکان اور مشقت کے من وسلویٰ کھاؤ اور یہ پانی پیو بلکہ یہ خالص انعام خداوندی ہے۔ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ: یعنی زمین میں طرح طرح کے فساد برپا نہ کرتے پھرو اور نہ سرکشیاں کرو۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى: ...... یعنی اے بنی اسرائیل! تم اس وقت کو بھی یاد کرو جب تم صحرا میں تھے اور من وسلویٰ کھاتے تھے کہ تم نے اپنے نبی جناب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا۔ لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ: یعنی ہم کھانے کی ایک قسم پر صبر (کر کے گذارہ) نہ کریں گے یعنی صرف من وسلویٰ پر نہیں۔ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ: یعنی آپ خداوند پروردگار سے دعا کیجیے کہ وہ ہمارے لیے اس کے علاوہ کھانا مقدر فرمائے اب ہم من وسلویٰ سے تنگ آ گئے ہیں اور اس کو پسند نہیں کرتے۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ زمین ہمارے لیے اپنے غلے اور سبزیاں اگائے۔

---

[1] مَشْرَب۔ یہ ظرف مکان کا صیغہ ہے اور یہ وہ جگہ ہے جس میں فعل واقع ہو اور وہ فعل کے واقع ہونے کی جگہ کو بتلائے۔ ثلاثی مجرد سے ظرف مکان اور ظرف زمان دونوں مفعل کے وزن پر آتے ہیں۔ اس میں عین کلمہ کی حرکت ابواب کے مختلف ہونے سے بدلتی رہتی ہے۔ (مصباح اللغات مقدمہ ص ۸) ''نسیم'' [2] حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ فرزند تھے، ایک ایک کی اولاد ایک ایک خاندان تھا ان کو انتظامی معاملات میں علیحدہ علیحدہ ہی رکھا جاتا تھا اور سب کے افسر بھی جدا جدا تھے اس لیے چشمے بھی بارہ نکلے'' (بیان القرآن ص ۵۳ ج ۱) ''نسیم''

مِنۡۢ بَقۡلِهَا: ......یعنی اپنی ترکاریاں (اگائے) جیسے مثلاً پودینہ، اجوائن، اور گندنا[1] وغیرہ۔ وَقِثَّآئِهَا[2] قثاء ککڑی کے مشابہ ہوتا ہے (غالباً) یہ کھیرا ہے۔ وَفُوۡمِهَا: فوم یہ لہسن کو کہتے ہیں۔ وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا: عدس دال کو اور بصل پیاز کو کہتے ہیں یہ دونوں معروف اشیا ہیں (یعنی ہمیں زمین کی ان پیداواروں کو کھانے کی خواہش ہو رہی ہے جب کہ ہم من وسلویٰ سے تنگ آ چکے ہیں۔) قَالَ اَتَسۡتَبۡدِلُوۡنَ الَّذِىۡ هُوَ اَدۡنٰى بِالَّذِىۡ هُوَ خَيۡرٌ: یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان پر انکار کرتے ہوئے فرمایا: "تمہارا ناس ہو! کیا تم عمدہ شے کے بدلے میں (جو جنت سے آتی ہے) گھٹیا شے کو لیتے ہو (جو دنیا کی زمین سے اگتی ہیں) اور من وسلویٰ پر اس لہسن اور پیاز وغیرہ کو ترجیح دیتے ہو؟ اِهۡبِطُوۡا مِصۡرًا فَاِنَّ لَـكُمۡ مَّا سَاَلۡتُمۡ: یعنی اب کسی بھی شہر اور آبادی میں چلے جاؤ تا کہ تم وہاں ایسی چیزیں حاصل کرسکو۔

بنی اسرائیل کو تنبیہ

آگے رب تعالیٰ انہیں ان کی گمراہی، شرانگیزی، سرکشی اور ستم کشی پر تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وَضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ وَالۡمَسۡكَنَةُ: ......یعنی ذلت ورسوائی اور بے وقعتی وبے توقیری ان کو چمٹ گئی اور ان پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نامرادی اور ذلالت کو مسلط کر دیا گیا جو مرتے دم تک ان سے جدا نہ ہوئی۔ وَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ: یعنی یہ لوگ رب تعالیٰ کے غضب اور شدید ناراضی کو لے کر لوٹے۔ ذٰلِكَ: یعنی یہ ذلت ورسوائی اور خدا کا غضب وناراضی جو انہیں ملی ہے وہ ان کے گھناؤنے جرائم کی وجہ سے ہے (جس کی تفصیل آگے مذکور ہے)۔ بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقۡتُلُوۡنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيۡرِ الۡحَـقِّ: یعنی رب تعالیٰ کی آیات کا ناحق اور غرور کی وجہ سے انکار کرنے اور رب تعالیٰ کے رسولوں کو ظلم وعدوان سے قتل کرنے کے سبب (انہیں یہ ذلت ورسوائی ملی۔) ذٰلِكَ بِمَا عَصَوۡا وَّكَانُوۡا يَعۡتَدُوۡنَ: یعنی ان کی نافرمانی، سرکشی اور رب تعالیٰ کے احکام کے آگے خودسری کے سبب (یہ ذلت اور رسوائی انہیں ملی)۔

اخلاص کے ساتھ عمل کی دعوت

پھر آگے رب تعالیٰ نے مختلف مذہب وملت والوں کو مثلاً مسلمانوں، یہودیوں، عیسائیوں اور ستارہ پرستوں وغیرہ کو سچا ایمان لانے اور خدا کے لیے اخلاص کے ساتھ عمل کرنے کی دعوت دی ہے اور اس کو "خبر"[3] کے صیغوں کی شکل میں ذکر کیا ہے۔ چنانچہ رب تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا: یعنی مؤمنین جو نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار ہیں۔ وَالَّذِيۡنَ هَادُوۡا: یعنی یہودی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متبعین ہیں۔ وَالنَّصٰرٰى: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے۔ وَالصّٰبِـئِيۡنَ:[4] یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے یہودیت ونصرانیت دونوں سے منہ موڑ کر فرشتوں کی پوجا

---

[1] مولف موصوف نے "کراث" لکھا ہے جس کا معنی ہے گندنا۔ یہ ایک تیز بو والی سبزی ہے جس کی بعض قسمیں پیاز اور لہسن کے مشابہ ہوتی ہیں (القاموس الوحید ص ۱۳۹۶ کالم نمبر ۳) سفید سوسن یا چنبیلی کی ایک قسم ہے (المنجد العربی اللغۃ ص ۶۷۹ کالم نمبر ۳) غالباً یہ ایک آسمانی رنگ کا پھول ہے جسے شعراز بان سے تشبیہ دیتے ہیں فقط واللہ اعلم اس کے لیے دیکھیں فیروز اللغات اردو، ص ۸۲۰، کالم نمبر ۱، "لغات فارسی (فیروز اللغات فارسی) ص ۵۱ کالم نمبر ۲، حصہ دوم۔ "نسیم" [2] قثاء......کھیرا، ککڑی کے مشابہ، مصر میں اسے خیار عجور اور فقوس کہتے ہیں۔ (القاموس الوحید ص ۱۲۷۷ کالم نمبر ۲) مولف موصوف نے اس کا معنی قَثَّۃُ لکھا ہے۔ یہ ایک جنگلی دانہ ہوتا ہے جسے کوٹ کر پکانے کے کام لاتے ہیں، اس کو اسپت کہتے ہیں (ص ۱۲۷۵ کالم نمبر ۲ حوالہ بالا) اور خیار یہ کھیرے کو کہتے ہیں جو موٹی ککڑی جیسا ہوتا ہے (ص ۴۸۹ کالم نمبر ۲ حوالہ) واللہ اعلم۔ "نسیم" [3] خبر: اس کو کہتے ہیں جس میں کسی بات کے کرنے یا ہونے کو بتلایا جائے اور اس میں صدق وکذب دونوں کا احتمال ہو۔ اس کے بالمقابل "انشاء" ہوتا ہے جس میں کسی شئی کے کرنے یا ہونے کو طلب کیا جاتا ہے اور اس میں صدق وکذب کا احتمال نہیں ہوتا۔ فقط واللہ اعلم۔ اس کی مزید تفصیل کے لیے تیسیر المبتدی اور کتب نحو وغیرہ دیکھیں۔ "نسیم" [4] حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "صابئین ایک فرقہ تھا جس کے معتقدات اور طرز عمل کے بارے میں کسی کو پورا پتہ نہیں لگا اس لیے ان کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔" آگے حاشیہ میں اس کی تحقیق یوں پیش فرماتے ہیں۔ "یہ نصاریٰ اور مجوس کے بین بین ایک فرقہ ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ فرشتوں کو پوجتے تھے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ ستارہ پرست تھے۔" (بیضاوی) علامہ فتح محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ترجمہ میں اسی کو اختیار کیا ہے (نسیم)۔ ان میں بعض بت پرست بھی تھے (روح المعانی) پھر اگر اس کو عربی لفظ مانا جائے تو اس لفظ کو عربی مانا جائے تو بعض نے اس کو ھباء پڑھا ہے جس کا معنی ہے "نکل گیا" اور "نافع" نے اس کو "صبا" پڑھا ہے جس کا معنی ہے "مائل ہونا" کیوں کہ یہ لوگ سارے دین چھوڑ کر اپنے ہی دین کی طرف مائل ہو گئے تھے۔ بیضاوری (بیان القرآن ج ۱ ص ۳۶) "نسیم"

شروع کر دی تھی۔ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ یعنی ان جماعتوں میں سے جو جماعت بھی سچا ایمان لے آئی اور اس رب کی تصدیق کے ساتھ آخرت پر پورا یقین کیا۔ وَعَمِلَ صَالِحًا یعنی دنیا میں رب کی اطاعت کی۔ فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ یعنی ان کے رب کے پاس ان کے اعمال کا اجر وثواب ہے جس میں سے ذرہ برابر بھی رب تعالیٰ ضائع نہ فرمائیں گے۔ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ یعنی ان ایمان لانے والوں پر آخرت میں کوئی خوف نہ ہوگا جس وقت کہ کفار رب کے عقاب وعذاب سے ڈر رہے ہوں گے اور (دنیا میں) کوتاہی کرنے والے اپنے وقت کے برباد کرنے اور اپنے ثواب کو برباد کرنے پر کف افسوس مل رہے ہوں گے۔

بلاغت: كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ:......اس میں رزق کی رب تعالیٰ کی طرف اضافت کرنے میں رب تعالیٰ کے انعام واحسان کی تعظیم اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انہیں یہ رزق بغیر کسی تکان اور محنت ومشقت کے ملا تھا۔ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ: اس میں ''ارض'' کو صراحۃً ذکر کرنے میں فساد کی قباحت وشناعت کو واضح کرنے میں مبالغہ ہے اور ''مفسدین'' حال ہے جو مزید تاکید کر رہا ہے۔ اور اس طرز واسلوب کی فصاحت کی صورت یہ ہے کہ کبھی متکلم اس بات کی طرف بھرپور توجہ دیتا ہے کہ وہ امر اور نہی کو ایسا بنا دے کہ کوئی شک وشبہ اس کے قریب بھی نہ بھٹکے اور اس توجہ کے مظاہر میں سے ''تاکید'' ہے لہٰذا ''مفسدین'' کا قول یہ نہی عن الفساد کو قوت دیتا ہے (کہ اس میں اور زیادہ تاکید پیدا کر دیتا ہے) اور اس کو اس بات سے دور کر دیتا ہے کہ اس بابت کسی غفلت یا بھول کا ارتکاب کیا جائے۔ مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ: (جو نباتات زمین اگاتی ہے) منبت حقیقی (حقیقی اگانے والا) تو خدا ہے۔ چنانچہ اس (طرح کہنے) میں مجاز ہے اور اس کو ''مجاز عقلی'' کہتے ہیں اور (اگنے کا زمین کی طرف منسوب کرنے کا) تعلق سببیت کا ہے کیوں کہ جب زمین اگنے کا سبب تھی تو اگنے کی اس کی طرف نسبت کر دی گئی۔ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ: اس میں اس بات کا [1] کنایہ ہے کہ ذلت ورسوائی نے بنی اسرائیل کا احاطہ کر رکھا تھا جیسا کہ خیمہ ان لوگوں کا احاطہ کر لیتا ہے جس پر تانا ہو جیسا کہ شاعر کہتا ہے:

''ان السماحة والمروّة والنّدى   فی قبّة ضربت على ابن الحشرج''

ترجمہ:......''بے شک فیاضی وفراخدلی، مروت اور سخاوت ایک قبہ (یعنی خیمہ) میں ہے جو ابن حشرج (یعنی میرے ممدوح) پر تانا ہوا ہے۔ (یعنی ان صفات نے میرے ممدوح کو گھیر رکھا ہے)۔''

انبیائے کرام علیہم السلام کے قتل کر دینے کو ''بغیر حق'' کے ساتھ مقید کرنے میں باوجود یہ کہ ان کو حق کے ساتھ کسی بھی صورت میں قتل کیا ہی نہیں جاسکتا، ان کی عداوت وزیادتی اور ظلم کی قباحت کی شناعت کو اور زیادہ بیان کرنا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمین پر لاٹھی مارنا اور اس سے چشمے پھوٹنے کی نوعیت

فوائد: پہلا:......جس پتھر کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی ماری اور اس سے چشمے بہہ نکلے، اس کے بارے میں کہ وہ کیا تھا؟ اور اس سے چشمے پھوٹنے کی نوعیت کیا تھی؟ مفسرین نے متعدد اقوال نقل کیے ہیں ہم نے ان سب اقوال کو قلم زد کر دیا ہے، البتہ اس آیت کا معنی سمجھنے میں یہ بات کافی ہے کہ پتھر سے پانی پھوٹنے کا یہ واقعہ ''ایک معجزہ'' [2] تھا اور جناب موسیٰ علیہ السلام نے جس پتھر پر لاٹھی ماری تھی وہ ایک سخت پتھر تھا جس سے پانی نکل کر بہہ

---

[1] استعارہ کا نام کنایہ (بھی) رکھا جاتا ہے جیسا کہ ابوسعود رحمہ اللہ نے اس کی طرف (گذشتہ میں) متوجہ کیا ہے۔'' مؤلف [2] ہمارے قریب زمانہ میں مسلمانوں کی نظریاتی آزادی کی ''پہلی اینٹ'' جناب سرسید احمد خان صاحب نے بھی اس معجزہ کے انکار کا ''برطانوی حق'' ادا کرتے ہوئے اس میں بڑی قیل وقال کی ہے آنجناب کی انہی شوخیوں کے سبب علامہ ابومحمد عبدالحق حقانی دہلوی رحمہ اللہ اپنی شہرۂ آفاق تفسیر ''تفسیر حقانی'' میں جابجا انہیں ''نیچری مفسر'' اور ''مقلدین دھریہ'' کے لقب سے یاد فرماتے ہیں، موصوف نے فرط تحقیق میں اس معجزہ کا انکار کرنے کے لیے یہ اعجوبہ روزگار تاویل پیش کی کہ ''اضرب کے معنی چلنے کے ہوتے ہیں اور حجر سے مراد پہاڑی حصہ ہے لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ ''لاٹھی کے سہارے سے پہاڑ پر چڑھ''۔ (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۲۰۷)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ اس معجزہ کی تحقیق میں ارشاد فرماتے ہیں: ''قاضی بیضاوی فرماتے ہیں کہ ''ایسے خوارق کا انکار کرنا بڑی غلطی ہے، جب بعضے پتھروں میں خلاف قیاس وبعید از عقل خدا نے یہ تاثیر رکھی ہے کہ لوہے کو جذب کرتا ہے تو اگر اس پتھر میں یہ تاثیر پیدا کر دی ہو کہ اجزائے زمین سے پانی کو جذب کر لے (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ)

ہی نہیں سکتا تھا، اس بات کو تسلیم کر لینے کے بعد یہ معجزہ خوب واضح ہوتا ہے اور یہ دلیل خوب روشن ہوتی ہے (کہ خدا جو چاہے کر سکتا ہے کہ چاہے تو پتھر یلے پتھروں سے بھی پانی بہادے)۔ واللہ اعلم (نسیم)۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "رب تعالیٰ نے جناب موسیٰ علیہ السلام کو کسی معین پتھر کو لاٹھی مارنے کا حکم نہ دیا تھا" آگے فرماتے ہیں: "اور یہ بات دلیل کو بہت زیادہ واضح کرنے والی اور قدرت (خدا) کو بہت زیادہ ظاہر کرنے والی ہے۔" (الکشاف ج ۱ ص ۱۰۷)

بارہ چشمے نکالنے میں کیا حکمت تھی؟

دوسرا:...... اگر یہ سوال کیا جائے کہ پانی کے بارہ چشمے نکالنے میں کیا حکمت تھی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ قوم موسیٰ علیہ السلام کی تعداد بہت زیادہ تھی اور اس وقت وہ لوگ صحرا میں تھے اور عموماً جب لوگوں کو کسی شے کی شدید ضرورت و احتیاج ہو اور (اچانک) وہ انہیں مل جائے تو ان میں باہم کشاکشی اور (اس کو حاصل کرنے کے لیے) زور آزمائی شروع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ خدا نے ان پر یہ نعمت (بھی) کامل فرمائی کہ ان میں سے ہر ایک قوم اور قبیلے کے لیے ان کی تعداد کے بقدر چشمے جاری فرمائے کیوں کہ وہ بارہ قبیلے تھے اور وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں سے بارہ خاندان تھے۔ واللہ اعلم

تیسرا: بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ وفومها میں "فوم" سے مراد گندم ہے جب کہ راجح قول یہ ہے کہ اس سے مراد لہسن ہی ہے۔ اس کی دلیل حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت ہے جو اس کو وثومها[۲] پڑھتے ہیں اور اس کی دوسری دلیل اس کو "پیاز" (بصل) کے ساتھ ملا کر ذکر کرنا ہے (کہ عموماً پیاز لہسن کو ملا کر بولتے ہیں) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "ثوم (یعنی لہسن) دال اور پیاز کے بہ نسبت گندم کے زیادہ موافق ہے (یعنی پیاز اور لہسن کا عادی استعمال دال کے ساتھ زیادہ ہے نہ کہ گندم کے ساتھ اور چوں کہ آگے دال یعنی "عدس" کو صراحۃً ذکر کر دیا گیا ہے لہٰذا فوم کا لہسن ہونا زیادہ قرین قیاس ہے تا کہ گندم کہ عموماً پیاز، لہسن اور دال تو اکٹھے پکتے ہیں جب کہ دال اور گندم اکٹھے نہیں پکتے واللہ اعلم۔ "نسیم")

اور علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے (ثوم کے لہسن ہونے پر) حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اس شعر سے استدلال کیا ہے:

وانتم اناس لئام الاصول طعامکم الفوم والحوقل

ترجمہ:...... تم گھٹیا اور کمینے اصولوں والے لوگ ہو کہ تمہارا کھانا لہسن اور پیاز۔ (تفسیر قرطبی ج ۱ ص ۴۲۵)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ ؕ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ ۖ فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٦٤﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿٦٥﴾ فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِلْمُتَّقِينَ ﴿٦٦﴾

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)...... اور اس سے پانی نکلنے لگے تو کیا محال ہے۔"
ہمارے زمانے کے عقلا کو اس تقریر سے منتفع ہونا چاہیے اور یہ نظیر بھی محض سطحی نظر والوں کے لیے ہے ورنہ خود اگر اس پتھر کے اجزا میں ہی پانی پیدا ہو جائے تو بھی کون سا محال لازم آتا ہے۔ جو لوگ ایسے امور کو محال کہتے ہیں خدا کی قسم وہ اب تک محال کی حقیقت ہی نہ سمجھے۔" (بیان القرآن ص ۳۵ ج ۱)
علامہ حقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "واضح ہو کہ قدیم سے ظاہر بین لوگ معجزات انبیا اور امور خوارق عادات کا انکار کرتے چلے آئے ہیں۔ اس مقام پر بھی یہی تعجب کیا کہ لاٹھی کے مارنے سے اس قدر پانی نکلنا کہ جس کو لاکھوں آدمی پی کر سیراب ہوں، قانون قدرت کے خلاف ہے حالاں کہ یہ نہیں جانتے کہ پتھروں میں عجیب و غریب تاثیرات خدا نے رکھی ہیں۔ کیا ممکن نہیں کہ وہ پتھر پانی کو زمین سے جذب کر کے نکالے یا ہوا کو ہر طرف سے جذب کر کے اپنی قوت تبرید سے پانی کر کے بہادے۔" (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۲۰۷) "نسیم"

(حاشیہ صفحہ ہذا)...... [۲] اَلثُّوْمُ: لہسن (القاموس الوحید ص ۲۲۷ کالم نمبر ۲) "نسیم"

ترجمہ:.......اور جب ہم نے لے لیا تمہارا عہد اور اُٹھا دیا تمہارے اُوپر طور کو، لے لو قوت کے ساتھ جو کچھ ہم نے تم کو دیا اور یاد کرو جو کچھ اس میں ہے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ ۞ پھر اس کے بعد تم نے رُوگردانی کی، سو اگر نہ ہوتا تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تو ضرور تم تباہ کاروں میں سے ہو جاتے۔ ۞ اور البتہ تحقیق تم نے ان لوگوں کو جان لیا جنہوں نے سنیچر کے دن میں زیادتی کی، سو ہم نے کہا ہو جاؤ بندر ذلیل۔ ۞ پھر ہم نے اس کو عبرت بنا دیا اُن لوگوں کے لیے جو اس وقت موجود تھے اور جو بعد میں آنے والے تھے۔ اور نصیحت بنا دیا ڈرنے والوں کے لیے۔ ۞

مناسبت:.......جب رب تعالیٰ نے ان پر اپنی جلیل القدر اور عظیم الشان نعمتوں کا ذکر کیا تو ان کے پیچھے ان پر پڑنے والی ان ذلتوں اور سزاؤں کو ذکر فرمایا جو انہیں ان کے کفر و نافرمانی اور رب تعالیٰ کے اوامر سے سرکشی کرنے کی سزا اور بدلے میں ملیں تھیں۔ ان لوگوں نے خدا کی نعمتوں کی ناشکری کی اور خدا کے ساتھ کیے عہد کو توڑ ڈالا اور ہفتے کے دن میں (مچھلی کے شکار کرنے کی بابت) حد سے تجاوز کیا چنانچہ رب تعالیٰ نے انہیں مسخ کر کے (ذلیل و خوار) بندر بنا دیا اسی طرح جس امت نے بھی رب کے امر سے سرکشی کی اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی رب تعالیٰ نے ان کے ساتھ ایسا ہی (ملتا جلتا) معاملہ کیا۔

لغت: مِيْثَاقَكُمْ. المیثاق: یہ اس عہد کو کہتے ہیں جس کو قسم کے ساتھ مزید پختہ کیا گیا ہو۔ اور یہاں میثاق سے مراد تورات کے احکام پر عمل کرنے کا عہد ہے۔ الطُّوْرَ: یہ وہ پہاڑ ہے جس پر (کھڑے ہو کر) جناب موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے باتیں کیں۔ [1] بِقُوَّةٍ: یعنی پختہ ارادہ (عزم) اور احتیاط و دوراندیشی کے ساتھ۔ تَوَلَّيْتُمْ: یہ تَوَلّیْ سے ہے جس کا معنی کسی شے سے منہ موڑنا اور اس سے پیچھے ہٹنا اور اس سے پشت پھیرنا ہے۔ خٰسِئِيْنَ: یہ خاسیٔ کی جمع ہے یہ بے قدرے، بے وقار اور ذلیل کو کہتے ہیں اہل لغت کہتے ہیں الخاسیء یہ حقیر، دور کیے گئے اور دھتکارے گئے کو کہتے ہیں جیسا کہ کتا اور جو شخص لوگوں میں بے وقعت اور حقیر ہو گیا ہو، اس کو اخْسَأْ کہتے ہیں۔ ''یعنی'' تو ذلت کے ساتھ دور اور پرے ہو جا۔'' نَكَالًا: نکال یہ سخت ڈانٹ والی سزا کو کہتے ہیں لہٰذا کسی سزا کو اس وقت تک نکال نہ کہا جائے گا جب تک اس میں سخت ڈانٹ اور سرزنش نہ ہو۔

تفسیر: وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ:.......یعنی اے بنی اسرائیل اس وقت کو بھی یاد کرو جب ہم نے تم سے تورات پر عمل کرنے کا پختہ عہد لیا۔ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ: یعنی ہم نے اس کو (تم پر گرانے کے واسطے) اٹھا کر اوپر کیا۔ [2] یہاں تک کہ وہ تم پر ایک سائبان کی طرح ہو گیا اور ہم نے تمہیں (اس کے بعد) یہ کہا۔ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ: یعنی تورات کی تعلیمات پر عزیمت اور سنجیدگی اور پختہ عزم کے ساتھ عمل کرو۔ وَاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ: یعنی اس کو یاد کر لو اور اس کو نہ بھولو اور نہ ہی اس سے غفلت کرو۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ: یعنی تاکہ تم دنیا میں ہلاکت سے اور آخرت میں عذاب سے بچو (یا یہ مطلب ہے کہ) امید کی جاتی ہے کہ شاید تم متقیوں میں سے ہو جاؤ۔ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ: یعنی عہد کر لینے کے بعد تم اس سے منہ موڑ گئے اور پھر گئے۔ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ: یعنی توبہ قبول کر کے (اگر خدا تم پر اپنا فضل نہ فرماتا)۔ وَرَحْمَتُهٗ: اور اس لغزش کو معاف کر کے (تم پر رحم نہ فرماتا)۔ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ: یعنی تم دنیا و آخرت (دونوں) میں نقصان اور ہلاکت والے ہوتے۔

بنی اسرائیل کا ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار کرنا

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِى السَّبْتِ: یعنی تم جانتے ہو کہ ہم نے ان نافرمانوں کے ساتھ کیا کیا کہ جب انہوں نے (ہمارے حکم کی) مخالفت کی اور اس ہفتہ کے دن (مچھلی کا) شکار کیا جس میں ہم نے انہیں شکار کرنے سے منع کیا تھا۔ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ: یعنی ہم نے انہیں ذلت و اہانت کے ساتھ مسخ کر کے بندر بنا دیا حالاں کہ وہ پہلے انسان تھے۔ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا: (یعنی ہم نے اس مسخ کرنے کو)

---

[1] طور کی تحقیق گذشتہ میں بیان کر دی گئی ہے۔ نسیم [2] ''حق تعالیٰ نے فرشتہ کو حکم دیا کہ طور پہاڑ کا ایک بڑا ٹکڑا اٹھا کر ان کے سروں پر معلق کر دو کہ یا تو مانو ورنہ ابھی گرا (بیان القرآن ج ا ص ۷ ۳)'' ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے پہاڑ کو ان پر اٹھا کر خوف دلایا تھا وہ قادر ہے (کہ ایسا کر سکتا ہے) اور بعض نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ پہاڑ کا اوپر اٹھانا ثابت نہیں بلکہ اس پہاڑ کی جڑ میں یہود کھڑے تھے اور پہاڑ کے لرزنے سے ڈرتے تھے کہ اوپر نہ آ گرے۔'' (تفسیر حقانی ج ا ص ۲۱۱۔ ۲۱۲) مولف مرحوم رحمہ اللہ کے یہاں ''بعض'' سے مراد جناب سر سید احمد خان صاحب ہیں۔ واللہ اعلم نسیم

بعد میں آنے والی امتوں کے لیے سخت ڈانٹ والی سزا بنا دیا۔[۱] وَمَا خَلْفَهَا: یعنی ہم نے ان کو مسخ کر کے بندر بنا دینے کو ان لوگوں کے لیے بھی عبرت بنا دیا جو (اس وقت) موجود تھے اور انہوں نے خود دیکھا اور ان لوگوں کے لیے بھی عبرت بنا دیا جو ان کے بعد آئے اور انہوں نے انہیں (بندر بنا) نہ دیکھا۔ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ: یعنی ہم نے (اس واقعہ کو) ہر صالح نیکوکار اور اللہ جل شانہ سے ڈرنے والے کے لیے وعظ و نصیحت بنا دیا۔

بلاغت: خُذُوا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ: اس میں (بعض عبارت کے) حذف کے ذریعے "ایجاز" ہے یعنی فَقُلْنَا لَهُمْ خُذُوا (ہم نے ان سے کہا کہ مضبوطی سے پکڑلو) اور یہ بقول علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ کے "قول" مراد لینے پر محمول ہے۔[۲] كُونُوا قِرَدَةً خٰسِئِينَ: یہاں امر (كُونُوا) اپنی حقیقت سے نکل کر اہانت اور تحقیر کے معنی میں ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ "امر تسخیر و تکوین" ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ یہاں رب تعالیٰ کی قدرت انہیں بشریت کی حقیقت سے نکال کر بندر کی حقیقت کی طرف منتقل کرنے سے متعلق ہے۔[۳] (الفتوحات الالهیة ج۱ ص ۶۳)

---

[۱] مولف موصوف نے لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا کی تفسیر "بعد میں آنے والی امتوں سے کی ہے" جبکہ بیان القرآن، معارف القرآن، تفسیر حقانی اور تفسیر مظہری وغیرہ میں اس سے مراد "اس زمانے کے لوگ اور ان کے معاصر لوگ" لکھا ہے۔ اگرچہ مؤلف موصوف آگے مجموعی تفسیر میں اسی کو اختیار کر رہے ہیں، لیکن لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا کی اکیلی تفسیر میں ان سے تسامح ہوا ہے۔ واللہ اعلم۔ نسیم [۲] قال یقول کے کسی فعل کے بعد والے جملے کو مقولہ کہا جاتا ہے اور قول والے جملے کو "قول" مذکورہ آیت خُذُوا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ: میں جب فَقُلْنَا لَهُمْ کو حذف مراد لے لیا تو یہ آیت مقولہ کہلائے گی اور فَقُلْنَا لَهُمْ محذوف کو قول کہیں گے جو یہاں مراد ہے۔ علامہ زمخشری کے قول سے غالباً یہی مراد ہے۔ "واللہ اعلم۔ نسیم" [۳] ان نافرمان یہودیوں کے بندر بنائے جانے کی صحیح حقیقت کیا ہے؟ کہ آیا یہ بطور مجاز کے ہے جیسا کہ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا قول ہے کہ یہ ایسا ہے جیسے کہ بے شرم اور احمق کو گدھا اور کتا کہتے ہیں مگر علامہ حقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اس آیت کے بیان کردہ معانی صحیح ہو سکتے ہیں (جو آگے بتلائے جاتے ہیں) تو ہمیں مجاز کی طرف رجوع کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۲۱۳ کالم نمبر ۱) جمہور مفسرین کی رائے یہ ہے کہ وہ واقعی بندر بنا دیے گئے تھے اسی کو قرطبی نے نقل کیا ہے اور قتادہ کہتے ہیں کہ ان کے جوان بندر اور بوڑھے خنزیر بنا دیے گئے تھے اور یہ مسخ شدہ بندر اپنے رشتہ داروں کو پہچانتے تھے اور ان کے نزدیک آ کر روتے تھے۔ (معارف القرآن ج ۱ ص ۲۴۳) حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "انہیں قہری اور تکوینی امر سے مسخ کر دیا گیا تھا۔" (بیان القرآن ج ۱ ص ۳۸) علامہ حقانی رحمۃ اللہ علیہ اس کی صورت یہ بیان کرتے ہیں کہ "انہیں طاعون میں مبتلا کر دیا گیا کہ شدت غم سے ان کی شکلیں بگڑ کر بندروں کی سی ہو گئیں"۔ (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۲۱۲ کالم نمبر ۱)

رہا یہ جھگڑا کہ آیا یہ ممکن ہے؟ تو اس کا اصولی جواب یہ ہے کہ خدا کی قدرت سے کوئی شے بھی باہر نہیں سب اشیا اس کے حکم کے زیر تحت ہیں اس کو تکوین و تسخیر پر قدرت ہے۔ "نسیم" حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "جو اس مسخ کو محال سمجھے وہ اس کے استحالہ (یعنی ناممکن) ہونے کی دلیل پیش کرے۔" (بیان القرآن ج ۱ ص ۳۸) یہ تسلیمی جواب ہے جب کہ الزامی جواب یہ ہے، کہ "جب فلاسفہ جدیدہ بندر کا ترقی کر کے آدمی بن جانا ممکن کہتے ہیں تو آدمی کا تنزیل کر کے بندر بن جانا کیوں کر محال ہوگا اور آنی اور زمانی ہونے کا فرق قابل التفات نہیں۔" (ص ۳۸ ج ۱) عذاب نازل ہونے کے بعد یہ لوگ زندہ رہے اور ان کی نسل چلی یا سب مر گئے؟ تو اس بارے میں "صحیح روایات میں آتا ہے کہ ان بندر بن جانے والوں کی نسل نہیں چلی بلکہ تین دن بعد وہ سب کے سب ہلاک ہو گئے۔" ("انبیائے کرام کی آزمائشیں" ص ۳۵ مولفہ محمد آصف نسیم") اور ان موجودہ بندروں کو ان کی نسل سمجھنا بے وقوفی ہے (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۲۱۳ کالم نمبر ۱)

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "بعض لوگوں نے اپنے زمانے کے بندروں اور خنزیروں کے بارے میں دریافت کیا کہ کیا یہ وہی مسخ شدہ یہودی ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "اللہ جب کسی قوم میں مسخ صورت کا عذاب نازل کرتے ہیں تو ان کی نسل نہیں چلتی (یعنی وہ ہلاک ہو کر ختم ہو جاتے ہیں) پھر فرمایا" بندر اور خنزیر دنیا میں پہلے سے بھی موجود تھے (اور آج نہیں مگر ان مسخ شدہ بندروں اور خنزیروں سے ان کا کوئی جوڑ نہیں)۔ (معارف القرآن ج ۱ ص ۲۴۳) یہ سزا انہیں کس نافرمانی پر ملی تھی؟ وہ ممنوعہ دن میں حیلہ سے شکار کرنا تھا۔ اس کی تفصیل کے لیے معارف القرآن وغیرہ کا مطالعہ کیا جائے۔

یاد رہے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جدید فلاسفہ کے اس نظریہ کو تسلیم نہیں کیا جس کو "نظریۂ ارتقا" کہتے ہیں بلکہ یہ ایک الزامی جواب تھا کہ حقیقت ماہیت کو تسلیم تم بھی کرتے ہو۔ خواہ وہ حیوان سے انسان بنا ہو یا انسان سے حیوان، جب حیوان سے انسان بنا تسلیم ہے تو انسان سے حیوان بنا کیوں کر درست نہ ہو؟

نظریہ ارتقا کی تفصیل کے لیے فاضل ترکی عالم ہارون یحییٰ کی کتاب "نظریۂ ارتقاء" کا مطالعہ نہایت مفید ہے۔ اس کی پر مغز اور نہایت مختصر جامع تردید کے لیے بندہ محمد آصف نسیم کی تالیف "انبیائے کرام کی آزمائشیں" ص ۳۴۔ ۳۵ کا مطالعہ نہایت بصیرت افروز ہے۔ فقط واللہ اعلم

یہ کون لوگ تھے اور کہاں آباد تھے؟ "روایتوں میں آتا ہے حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں یہود کی ایک بڑی آبادی مقام "ایلہ" میں تھی یہ ذکر انہی کا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ حکومت ۱۰۱۳ ق م تا ۹۷۳ ق م کا ہے۔ مقام ایلہ اگر وہی ہے جس کا ذکر تورات میں "ایلات" (Elatt) کے نام سے آتا ہے (استثناء۔ ۲:۸) تو یہ فلسطین کے جنوب میں، عرب کی عین شمالی سرحد پر (قدیم علاقۂ ادوم میں) بحر قلزم کی مشرقی خلیج میں لب ساحل واقع ہے۔ موجود جغرافیہ اس کو عقبہ کے نام سے پہچانتا ہے۔ اور عقبہ خلیج عقبہ کی مشہور بندرگاہ ہے۔ یہی ایلہ کی یہودی اپنی شریعت کی مسلسل خلاف ورزی کرتے تھے (جس کے نتیجہ میں سزا کے طور پر بندر بنا دیے گئے فقط) (تفسیر ماجدی ج ۱ ۱۵۶) "نسیم"

لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا:...... یا تو یہ پہلے اور بعد والی امتوں اور خلائق سے یا پہلوں اور بعد والوں کے لیے عبرت سے کنایہ ہے۔

فوائد: پہلا:...... قفال فرماتے ہیں: "رب تعالیٰ نے مِيثَاقَكُمْ فرمایا اور مواثيقكم نہیں فرمایا کیوں کہ خدا تعالیٰ نے ان میں سے ہر ایک کے ساتھ میثاق کو مراد لیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا (سورہ غافر، ۶۷) "پھر تم کو نکالتا ہے (کہ تم) بچے (ہوتے ہو)۔"

یعنی تم میں سے ہر ایک کو بچہ بنا کر نکالتا ہے۔[1] (البحر المحیط ج۱ ص ۲۴۳)

دوسرا:...... بعض (عارفین اور) اہل لطائف نے یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ "بنی اسرائیل اپنے گناہوں کی گھٹا ٹوپ اندھیریوں اور سیاہیوں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے تھے اور اپنے جبر و خودسری اور غلو کی وجہ سے تکبر اور خود پسندی کے پندار میں تھے۔ چنانچہ جب انہیں تورات پر تعمیل کا حکم ملا اور اس میں انہوں نے سخت احکامات کو دیکھا تو ان کے نفس بھڑک اٹھے تو اس پر رب تعالیٰ نے پہاڑ کا ایک بڑا ٹکڑا کاٹ کر ان پر بلند کر دیا اس کو انہوں نے ان احکامات سے بھی زیادہ گراں دیکھا جن کے وہ مکلف بنائے گئے تو انہیں تورات پر عمل کرنا ہلکا لگا (چنانچہ پہاڑ سروں پر آ گرنے سے بچنے کے لیے تورات کی شریعت پر عمل کرنے کے لیے تیار ہو گئے)۔ ایک شاعر کہتا ہے:

الی اللہ یدعیٰ بالبراهین من ابی   فان لم یجب نادته بیض الصوارم

"انکار کرنے والے کو دلائل کے ساتھ رب کی طرف بلایا اور دعوت دی جاتی ہے، پھر اگر وہ قبول نہیں کرتا تو اچانک آ پڑنے والی کاٹ کر رکھ دینے والی مصیبتیں (اور موت) اس کو پکارتی ہیں"۔ (البحر المحیط ج۱ ص ۲۴۵)

تیسرا: وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ: اس میں خاص متقیوں کی طرف وعظ کی اضافت کی گئی ہے کیوں کہ یہی وہ لوگ ہیں جو وعظ و تذکیر سے بہرہ مند (اور سعادت مند) ہوتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَّذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٥٥﴾ (الذاریات۔۵۵) اور نصیحت کرتے رہو کہ نصیحت مؤمنوں کو نفع دیتی ہے۔

بنی اسرائیل کا انبیائے کرام کی مخالفت کرنا

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تَذْبَحُوا بَقَرَةً ۖ قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۖ قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿٦٧﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ عَوَانٌ بَيْنَ ذَٰلِكَ ۖ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ﴿٦٨﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ ﴿٦٩﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ﴿٧٠﴾ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيهَا ۚ قَالُوا الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۚ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴿٧١﴾ ع
وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادَّارَأْتُمْ فِيهَا ۖ وَاللَّهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿٧٢﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا ۚ

---

[1] یہاں اضافت کے ایک قاعدے کی طرف اشارہ ہے کہ جب مضاف اور مضاف الیہ دونوں جمع ہوں تو انقسام الاحاد علی الاحاد (یعنی مضاف الیہ کے ہر ہر فرد کے لیے مضاف کا الگ الگ فرد) مراد ہوتا ہے مثلاً مراکبکم (تمہاری سواریاں) سے یہ مراد ہے کہ ہر ایک کے لیے الگ الگ سواری ہوگی جو دوسرے کی نہ ہوگی۔ اور جب مضاف واحد ہو اور مضاف الیہ جمع ہو تو مضاف الیہ کے ہر فرد کے لیے ایک ہی مضاف مراد ہوتا ہے جیسا کہ یہاں کہ ان میں سے ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ میثاق نہیں لیا گیا جو دوسرے کے میثاق سے الگ ہو بلکہ ہر ایک سے ایک ہی میثاق لیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔ اور سورۂ مومن کا ایک نام "غافر" بھی ہے۔ "نسیم"

كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾

ترجمہ:......اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے بیشک اللہ تم کو حکم فرماتا ہے کہ تم ایک بیل ذبح کرو، وہ کہنے لگے کیا تُو ہمارا مذاق بناتا ہے؟ موسیٰ نے کہا میں اس بات سے اللہ کی پناہ لیتا ہوں کہ جاہلوں میں سے ہو جاؤں۔ ﴿۶۷﴾ وہ کہنے لگے کہ تُو اپنے رب سے دُعا کر ہمارے لیے بیان کر دے کہ وہ بیل کیسا ہو، موسیٰ نے کہا بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ ایسا بیل ہو جو بوڑھا نہ ہو اور بالکل جوان بھی نہ ہو اِن دونوں کے درمیان ہو، سو تم اِس پر عمل کر لو جس کا تم کو حکم دیا جا رہا ہے۔ ﴿۶۸﴾ وہ کہنے لگے کہ تُو اپنے رب سے دُعا کر ہمارے لیے بیان فرما دے کہ اس بیل کا رنگ کیسا ہو، موسیٰ نے کہا بے شک وہ فرماتا ہے کہ وہ تیز رنگ کا پیلا بیل ہو جو دیکھنے والوں کو خوش کرتا ہو۔ ﴿۶۹﴾ وہ کہنے لگے کہ تُو اپنے رب سے ہمارے لیے دُعا کر ہمارے لیے بیان فرما دے کہ اس بیل کی پُوری کیا حقیقت ہے؟ بیشک بیلوں کے بارے میں ہم کو اشتباہ ہو رہا ہے اور اللہ نے چاہا تو ہم ضرور راہ پا لیں گے۔ ﴿۷۰﴾ موسیٰ نے کہا بیشک وہ فرماتا ہے کہ وہ ایسا بیل ہو جو صحیح سالم نکمانہ ہو گیا ہو، وہ نہ زمین کو پھاڑتا ہو اور نہ کھیتی کو سیراب کرتا ہو اس میں ذرا کوئی دھبہ نہ ہو، وہ کہنے لگے کہ اب تم نے ٹھیک طرح بیان کیا ہے، لہٰذا انہوں نے وہ بیل ذبح کر دیا اور حال یہ ہے کہ وہ ایسا کرنے والے نہ تھے۔ ﴿۷۱﴾ اور جب تم نے ایک جان کو قتل کر دیا پھر اِس کے بارے میں ایک دوسرے پر ڈالنے لگے اور اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ اس کو ظاہر فرمائے جس کو تم چھپا رہے ہو، ﴿۷۲﴾ پس ہم نے حکم دیا کہ اس کا ایک حصہ اس میں مارو، ایسا ہی اللہ تعالیٰ زندہ فرماتا ہے مُردوں کو، اور دِکھاتا ہے تم کو اپنی نشانیاں تاکہ تم عقل سے کام لو۔ ﴿۷۳﴾ پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہوئے، سو وہ ایسے ہو گئے جیسے پتھر ہوں یا اُن سے بھی زیادہ سخت، اور بلاشبہ بعض پتھر ایسے ہیں جن سے نہریں جاری ہو جاتی ہیں اور بلاشبہ اُن میں بعض ایسے ہیں جو پھٹ جاتے ہیں پھر اُن سے پانی نکلتا ہے اور بلاشبہ اُن میں بعض ایسے ہیں جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اُن کاموں سے بے خبر نہیں ہیں جن کو تم کرتے ہو۔ ﴿۷۴﴾

مناسبت:......جب رب تعالیٰ نے یہود بنی اسرائیل کی بعض برائیوں اور جرائم کو ذکر فرمایا مثلاً ان کا عہدوں کو توڑنا، ہفتے کے دن میں حد سے تجاوز کرنا اور رب تعالیٰ کی آسمان سے اتاری شریعت کے احکام پر عمل کرنے میں سرکشی اور خودسری کرنا وغیرہ، تو اس کے بعد ان کی ایک اور نہایت بری عادت کو ذکر کیا، خبردار وہ (انتہائی بھیانک ان کا کرتوت) انبیائے کرام کی مخالفت اور ان کو جھٹلانا اور ان احکام کی تابعداری سے گریزاں ہونا تھا جن کو رب تعالیٰ نے وحی کے ذریعے ان نبیوں پر اتارا تھا، پھر یہ لوگ رب تعالیٰ کے رسولوں سے سخت عناد رکھتے تھے اور ان کے آگے (سرکشی اور تمرد پر) اڑ جاتے تھے اور رب تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر خاص حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نہایت بدخلقی اور بے رخی کرتے تھے۔ (غرض رب تعالیٰ نے) آگے تک (ان کی) اس نہایت بری خصلت اور عادات بد کو ذکر فرمایا۔

لغت: هُزُوًا:......یہ لفظ اصل میں هزء ہے جس کا معنی ہنسی اڑانا ہے۔ اس میں زا پر پیش ہے جس کی وجہ سے بعد والے ہمزہ کو (صرفی قاعدے کے مطابق) واو سے بدل دیا گیا (کہ ہمزہ کو ماقبل حرف کی حرکت کے مطابق بدل دیا جاتا ہے) اور هُزُوًا کُفُوًا کی طرح بن گیا (کہ اس میں بھی ہمزہ کے ماقبل حرف پر پیش ہے جس کی موافقت میں یہاں بھی ہمزہ کو واو سے بدل کر کُفُوْءٌ سے کُفُوٌ بنا دیا گیا)۔[1]

---

[1] یہاں ایک مشہور صرفی قاعدے کی طرف اشارہ ہے کہ ہمزہ کو ماقبل حرف کی حرکت کی مطابق بدل دیا جاتا ہے۔ ''مصباح اللغات'' میں ہے، کہ ''ہمزہ اگر کلمہ کے آخر میں ہو اور اس کا قبل متحرک ہو تو اس کو ماقبل حرف کی حرکت کے موافق حرف کی صورت میں لکھا جاتا ہے جیسے هیو (کہ یہ اصل میں هیءٌ تھا) اور لکأ (کہ یہ اصل میں لکھأ) اور ظمی (کہ یہ اصل میں ظمء تھا پہلی مثال میں ہمزہ کو ماقبل کے ضمہ (پیش کی) کی وجہ سے واؤ میں، دوسری میں ماقبل کے فتحہ (زبر) کی وجہ سے الف میں اور تیسری مثال میں ماقبل کے کسرہ (زیر) کی وجہ سے یا میں بدل دیا گیا) (مصباح اللغات ص ۱۷ کالم نمبر ۲ بتصرف) نسیم

اور یہاں معنی میں مضاف حذف ہے یعنی اصل معنی أَتَتَّخِذُنَا مُوْضِعَ هُزُوٍا (کیا آپ ہمیں مذاق کی جگہ ٹھہراتے ہیں) ہے یا پھر یہ مصدر ''اسم مفعول'' کے معنی میں ہے یعنی أَتَجْعَلُنَا مَهْزُءًا بِنَا (کیا آپ ہمیں مذاق اڑایا گیا ٹھہراتے ہیں)۔

فَارِضٌ:...... بلوغت کے قریب، وہ مادہ جو نابالغی کی وجہ سے بچہ نہ جنے اور کوئی نر اس کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے اس کی ساتھ جفتی نہ کر لے۔[1] شاعر کہتا ہے:

لعمری لقد اعطیت ضیفك فارضا ۔ تساق الیه ما تقوم علی رجل

''میری عمر کی قسم! تونے اپنے مہمان کو وہ چھوٹی گائے دی ہے جو اس کی طرف ہانکی جاتی ہے جو اپنے پاؤں پر کھڑی نہیں ہو سکتی۔''

فلم تعطه بکرا فیرضی سمینةً ۔ فکیف تجازی بالمودة والفضل؟

''تونے اس کو جوان گائے نہیں دی کہ وہ اس موٹی (موٹی) گائے پر راضی ہو جاتا تو (بھلا) تو محبت اور فضل (واحسان) کا بدلہ کیسے دے گا۔''
(البحر المحیط ج۱ ص ۲۴۸)

عَوَانٌ:...... درمیانی عمر کا نہ بہت بوڑھا اور نہ کم عمر، ایک قول یہ ہے کہ یہ اس گائے کو کہتے ہیں جو ایک یا دو بچے جن چکی ہو۔ فَاقِعٌ: یہ فُقُوْعٌ سے ہے۔ یہ کھلتے زرد رنگ کو کہتے ہیں، کہا جاتا ہے اصفر فاقع یعنی شدید زرد رنگ جیسا کہ اَحْمَرُ قَانٍ کہا جاتا ہے یعنی سخت سرخ رنگ۔ امام طبری فرماتے ہیں کہ ''یہ نصوع'' کی نظیر ہے جس کا معنی کھلا ہوا ہوا نکھرا ہوا سفید رنگ ہوتا ہے (اسی طرح فقوع ہے جس کا معنی کھلتا ہوا زرد رنگ ہوتا ہے)۔ ذَلُوْلٌ: یعنی کام میں لگا ہو چنانچہ کہا جاتا ہے: دَابَّةٌ ذَلُوْلٌ یعنی سدھا یا ہوا جانور جس کی سرکشی (اور ہٹ) ختم ہو چکی ہو۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ لَا ذَلُوْلٌ کا مطلب یہ ہوگا کہ ایسا بیل یا گائے ہو جو ابھی تک کھیتی باڑی کے لیے سدھائی نہ گئی ہو۔ مُسَلَّمَةٌ: یہ ''سلامت'' سے ہے یعنی وہ عیوب سے خالی خالص اور صاف ہو۔ شِيَةَ: یہ بدن کے اس رنگ کو کہتے ہیں جو باقی بدن کے رنگ کے مخالف ہو (جس کو ہماری عرفی زبان میں ''داغ'' کہتے ہیں۔ نسیم) امام طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: شِيَةَ فِيْهَا: کا مطلب ہے کہ اس میں سیاہ اور سفید رنگ ایک دوسرے کے مخالف ہوں (یعنی یا تو پورا سفید ہو یا بالکل سیاہ ہو)۔ (مختصر الطبری ج۱ ص ۴۷)

فَادّٰرَءْتُمْ:...... یعنی تم باہم ایک دوسرے کی مزاحمت کررہے تھے اور اختلاف کررہے تھے اور ایک دوسرے سے جھگڑ رہے تھے۔ اور ''ادرءتم'' کی اصل ''تدارءتم'' تھی (دال اور تا کے مخرج کے قریب ہونے کی وجہ سے) تا کو (دال سے بدل کر) دال میں مدغم کردیا گیا پھر شروع میں ہمزہ لے آئے تا کہ اس کو ملا کر ساکر کو بولا جاسکے۔ چنانچہ دراءتم ہوگیا۔[2] یہ لفظ درء سے نکلا ہے جس کا معنی (دھکا دینا، رفع کرنا، زائل کرنا، چھوڑنا اور) دور کرنا یعنی دفع کرنا ہے کیوں کہ دونوں فریق میں سے ہر ایک دوسرے پر (قتل کے ذمہ کو) ڈال رہا تھا (جیسا کہ یہ قصہ آگے آرہا ہے) اور (اسی معنی میں) یہ حدیث ہے۔ اِدْرَؤُوا الْحُدُوْدَ بِالشُّبُهَاتِ: تم شبہات کے ذریعے ''حدود کو دفع (یعنی ختم) کرو۔'' قَسَتْ: یہ قسوۃ سے ہے جس کا معنی سختی ہے اور یہ نرمی کی ضد کو کہتے ہیں۔ يَشَّقَّقُ: یہ تشقق سے ہے۔ یہ لمبائی یا چوڑائی میں پھٹنے اور شگاف پڑنے کو کہتے ہیں۔ يَهْبِطُ: یہ هبوط سے ہے جس کا معنی اوپر سے نیچے گرنے (یا اترنے) کے ہیں۔

---

[1] القاموس الوحید میں لکھا ہے کہ ''فارض'' بوڑھے جانور کو کہتے ہیں (ص ۱۲۲۰ کالم نمبر ۲)۔ تفسیر مظہری ج۱ ص ۱۱۵ پر بھی فارض کا معنی ایسی بوڑھی گائے لکھا ہے جو بچہ دینے کے قابل نہ رہی ہو'' اور ''بکر'' اس گائے کو کہتے ہیں جو بن بیاہی ہو یعنی اتنی چھوٹی ہو کہ بچہ دینے کے قابل نہ ہو''
تفسیر ابن کثیر میں بھی اس کا معنی بہت بوڑھا بیل لکھا ہے اور ''بکر'' کا معنی ایسی چھوٹی گائے ہے جس سے جفتی نہ ہوئی ہو'' (بیان القرآن ج۱ ص ۳۸ ملحقات حاشیہ نمبر۱) جبکہ ''مؤلف موصوف'' نے البحر المحیط کے حوالہ سے اس کا معنی چھوٹی گائے لکھا ہے۔ واللہ اعلم۔ ''نسیم''

[2] یہاں ایک مشہور صرفی قاعدہ کی طرف اشارہ کہ دو قریب المخرج حروف میں سے ایک کو دوسرے سے بدل کر پہلے کو دوسرے میں مدغم کردیا جاتا ہے اور حروف ادغام میں سے پہلا حرف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے پھر اگر حروف ادغام کلمہ کے شروع میں ہوں تو عربی قواعد کے مطابق اس کو پڑھنا محال ہے کہ اس سے ابتداء بالسکون لازم آتی ہے اس سے بچنے کی لیے شروع میں ہمزہ وصل لاتے ہیں تا کہ اس کو حرف ساکن کے ساتھ ملا کر اس کو پڑھا جاسکے۔
اس کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیں ''ارشاد الصرف'' وغیرہ۔ ''نسیم''

مردہ کو زندہ کرنے کا معجزہ اور ''بیل'' کا قصہ

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عبیدہ سلمانی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں، ''بنی اسرائیل میں ایک بے اولاد شخص تھا جو بڑا مالدار تھا۔ اس کا ایک بھتیجا تھا کہ یہ ہی اس کا وارث بنتا تھا۔ چنانچہ اس بھتیجے نے (اس لالچ میں کہ چچا کے مرنے کے بعد یہ اس کے مال کا وارث بنے) اس کو قتل کر ڈالا پھر رات کے اندھیرے میں اس کی لاش کو ایک شخص کے دروازے کے آگے ڈال دیا اور صبح کو اس شخص (بلکہ اس پورے گاؤں والوں) پر قتل کا دعویٰ کر دیا (دونوں میں بحث و تکرار بڑھی اتنے میں دونوں کے قبیلے والے آ گئے یوں معاملہ اور بڑھ گیا) حتیٰ کہ دونوں طرف لوگوں نے تلواریں نکال لیں اور ایک دوسرے پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے، اتنے میں ان میں عقلمند اور سمجھدار لوگ کہنے لگے کہ ''ہم ایک دوسرے سے کس لیے دست و گریبان ہیں حالاں کہ ہم میں اللہ کے رسول (حضرت موسیٰ علیہ السلام) موجود ہیں (جو ہم میں وحی کے ذریعے فیصلہ کر دیں گے) چنانچہ ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں جا کر سارا معاملہ گوش گذار کر دیا۔ آپ علیہ السلام نے (سارا ماجرا سن کر) ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ (سورۃ البقرہ، ۶۷) ''خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ ایک بیل ذبح کرو۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اگر بنی اسرائیل (اپنی جبلت کے موافق حجتیں نہ کرتے اور زیادہ کنج کاؤ کرتے ہوئے) اعتراضات نہ کرتے تو انہیں معمولی سی گائے کافی ہو جاتی لیکن انہوں نے (اپنے آپ پر) سختی کی تو خدا نے بھی ان پر سختی کی، حتیٰ کہ (اعتراضات کرتے کرتے) وہاں تک جا ٹھہرے جس گائے کے ذبح کرنے کا انہیں حکم ملا تھا یہ گائے انہیں ایک ایسے شخص کے پاس ملی جس کے پاس اس کے علاوہ دوسری گائے نہ تھی۔ اس نے کہا: ''خدا کی قسم! میں اس کی کھال بھر سونے سے کم قیمت پر راضی نہ ہوں گا'' چنانچہ ان لوگوں نے اس کی کھال بھر سونے کے بدلے میں اس گائے کو خرید لیا اور اس کو ذبح کر کے اس کے ایک گوشت کے ٹکڑے کو مقتول کو مارا اس سے وہ مقتول (زندہ ہو کر) اٹھ کھڑا ہوا۔ لوگوں نے پوچھا کہ ''تیرا قاتل کون ہے؟'' اس نے اپنے چچا زاد بھائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ''اس نے'' (اور یہ کہہ کر) پھر مر گیا۔ چنانچہ اس قاتل کو اپنے مقتول چچا زاد کے ترکہ میں سے کچھ بھی نہ دیا گیا اور اس دن کے بعد سے کوئی قاتل مقتول کا وارث نہ بنا''۔ (مختصر تفسیر ابن کثیر ج۱ ص ۷۶)

اور ایک روایت میں ہے، کہ ''اس کو پکڑ کر قتل کر دیا گیا۔'' [۱]

---

[۱] اس مال دار مقتول کا نام عامیل تھا اور (ایک روایت میں) اس کا وارث (اس کا بھتیجا نہیں بلکہ) اس کا چچا زاد بھائی تھا جس نے جائیداد پر جلد قبضہ کرنے کے لیے اس کو قتل کر دیا'' (تفسیر مظہری ج ۱ ص ۱۱۲، اردو)

مشکوٰۃ کی شرح ''مرقات'' میں قتل کی وجہ یہ لکھی ہے کہ کسی نے مقتول سے اس کی لڑکی کا رشتہ مانگا جس کے انکار پر قاتل نے اس کی جان لے لی۔ (بیان القرآن ج ۱ ص ۳۸)

اور اس کی لاش کو رات کے اندھیرے میں دوسرے گاؤں میں لے جا کر بیچ آبادی میں پھینک دیا اور کئی آدمیوں پر اس کا الزام لگا دیا'' (تفسیر مظہری ج ۱ ص ۱۱۲)

معالم التنزیل میں کلبی کا قول ہے کہ یہ قصہ تورات کے نزول سے پہلے کا تھا''۔ (بیان القرآن ج ۱ ص ۳۸۔۳۹)

نامعلوم قاتل کو مذکورہ طریقے سے گرفتار کر کے قصاص میں قتل کیا گیا کیوں کہ مقتول نے زندہ ہو کر قاتل کا نام بتلا دیا تھا پھر وہ فوراً مر بھی گیا۔ (صفوۃ التفاسیر وغیرھا)

اس کے بعد کسی قاتل کو مقتول کی وراثت نہ ملی۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۷۶) قاتل کا پتہ بذریعہ وحی بتانے کے بجائے یہ اسلوب اختیار کرنے کی بابت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کوئی شخص یہ شبہ نہ کرے کہ حق تعالیٰ کو تو ویسے ہی زندہ کر دینے کی قدرت تھی یا بے زندہ کیے بھی قاتل کا نام بتلا سکتے تھے، پھر اس سامان کی کیا ضرورت تھی؟ تو بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا کوئی فعل ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ مصلحت اور حکمت کی وجہ سے ہوتا ہے اور ہر واقعہ کی پوری حکمتوں کا احاطہ خدا تعالیٰ کی ذات ہی کر سکتی ہے دوسروں کو اس فکر میں پڑنا اضاعت عمر عزیز ہے کیوں کہ جو حکمت بھی بیان کی جائے گی وہ بھی ایک فعل ہو گا اور یہی حال اس میں بھی ہو گا اس لیے سلامتی سکوت اور تسلیم میں ہے کہ:

''حدیث از مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو — کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمارا'' (بیان القرآن ج ۱ ص ۴۰)

''اس قصہ میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اے عرب مشرکو! (اس قصہ کے بعد) تم کو قیامت کے روز مر کر زندہ ہونے میں کیوں شک ہے؟ (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۲۱۵)

دوسرے بیل کی قربانی سے ان بنی اسرائیل کے دلوں سے جانور کی عظمت کا دور کرنا بھی مقصود تھا۔'' (ایضاً)..... (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ)

بنی اسرائیل کو بیل ذبح کرنے کا حکم

تفسیر: وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً: ...... یعنی اے بنی اسرائیل! تم اس وقت کو یاد کرو جب تمہارے نبی جناب موسیٰ علیہ السلام نے تمہیں ارشاد فرمایا کہ رب تعالیٰ تمہیں ایک بیل ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔ قَالُوْۤا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا: یعنی تمہارا اپنے نبی کو شوخ (اکھڑ اور بے باک) جواب یہ تھا کہ "اے موسیٰ علیہ السلام! کیا تم ہم سے ہنسی کرتے ہو"؟ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ: یعنی میں جناب باری تعالیٰ میں اس بات کی پناہ چاہتا ہوں کہ میں ٹھٹھہ کرنے والے نادانوں میں سے بنوں۔" قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ: یعنی (اپنے پروردگار سے التجا کیجیے کہ وہ ہمیں بتادے کہ) وہ گائے کیسی ہے اور اس کی صفت کیسی ہے؟ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ: یعنی (رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ گائے) نہ تو بہت بوڑھی ہو اور نہ اتنی چھوٹی ہو کہ کسی بیل نے اس سے جفتی نہ کی ہو (اور اس نے بچہ نہ جنا ہو)۔ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ: یعنی وہ گائے چھوٹی اور بڑی کے درمیان (یعنی جوان) ہو۔

فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ: ...... یعنی (اب اس تفصیل کے آ جانے کے بعد) تمہارے رب نے تمہیں (بیل ذبح کرنے کا) جو حکم دیا ہے وہ کر ڈالو اور اس میں ڈھٹائی سے کام نہ لو اور نہ سختی اختیار کرو ورنہ خدا تعالیٰ بھی تم پر سختی فرمائیں گے۔ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا: یعنی (ہمارے لیے اپنے پروردگار سے پوچھ دیجیے کہ) وہ بیل سفید رنگت کا ہو یا سیاہ یا اور کسی رنگ کا ہو؟ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ: یعنی (رب تعالیٰ بتلاتے ہیں کہ) وہ شدید زرد رنگت والا بیل ہو اور اس کی ظاہری خوبصورتی ہر دیکھنے والے کو خوش آئے اور بھائے۔ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ: باوجود یہ کہ ان لوگوں نے بیل کی عمر اور اس کے رنگ کے بارے میں پوچھ لیا تھا پھر بھی اس کی کیفیت کو دوبارہ دریافت کیا تا کہ وہ اس کے وصف کے بیان کو اور زیادہ جان لیں پھر انہوں نے اس بات پر معذرت کی کہ جوان اور کھلتے خوش منظر زرد رنگت والے بیل تو بہت سارے ہیں کہ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا یعنی ہم پر بیل کا معاملہ مشتبہ ہو گیا ہے ہم نہیں جان پا رہے ہیں کہ جس بیل کے ذبح کرنے کا ہمیں حکم ملا ہے وہ کون سا ہے؟ (کیوں کہ ہمیں بہت سے بیل ایک دوسرے کے مشابہ معلوم ہوتے ہیں)۔ وَاِنَّاۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ: یعنی ہم ان شاء اللہ اس کی معرفت کی راہ جان لیں گے (کہ وہ بیل کس رنگ کا اور کیسا ہو) اور اگر یہ لوگ (یعنی بنی اسرائیل) یہ بات نہ کہتے تو جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ وہ کبھی بھی ٹھیک بات معلوم نہ کر پاتے۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) ...... "(تاکہ) صدیوں تک مشرکانہ رسوم و رواج کی عادی مصری قوم میں رہنے والی توحید کی علمبردار قوم بنی اسرائیل میں پھیلنے والے ان مشرکانہ رسوم و رواج اور ان کے دلوں میں رچ بس جانے والی گائے کی عظمت و تقدیس کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے۔ (تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۱۵۹)

مفسرین کے مطابق یہ بیل ماں کے ایک فرمانبردار یتیم بچہ کا تھا جس میں اس قصہ کے وقت تمام مذکورہ علامات پائی جاتی تھیں۔ بنی اسرائیل نے جب خریدنا چاہا تو اس کی قیمت اس کی والدہ نے اس قدر رکھ دی کہ مدت العمر اس سعادت مند فرزند اور بیوہ کو کافی ہو گئی۔" (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۲۱۵)

وہ گائے تھی یا بیل؟ اس بارے میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "(قرآن کریم میں اس کی صفات) فارض اور بکر آتی ہیں اور یہ دونوں صفتیں مونث کے ساتھ مختص ہیں اس لیے اس میں تائے تانیث کو بھی لانے کی ضرورت نہیں رہی جیسا کہ لفظ حائض سے بھی تائے تانیث کو حذف کر دیا گیا۔" (لہٰذا یہ گائے تھی نہ کہ بیل) (تفسیر مظہری ج ۱ ص ۱۱۵) "معالم التنزیل میں ہے، کہ "فارض وہ ہے جس کے بچہ جننے کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہو اور بکر وہ ہے جس نے ابھی تک بچہ جنا ہی نہ ہو۔"

یہیں سے خیال ہوتا ہے کہ بقرۃ سے مراد بیل نہیں گائے ہی ہے۔" (تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۱۶۰)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس بابت اپنی فیصلہ کن تحقیق انیق پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "اکلیل میں امام ابو المنصور رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے بیل ہونے پر استدلال منقول ہے، فرماتے ہیں کہ اس کی دلیل یہ کہ بقرہ کے ذکر کے بعد آگے رب تعالیٰ فرماتے ہیں: "لا ذلول تثیر الارض ولا تسقی الحرث" "نہ تو زمین کو جوتتا ہو اور نہ کھیتی کو پانی دیتا ہو" کہ زمین کو جوتنا اور اس میں ہل چلانا اور زمین کو پانی دینا یہ بیلوں کا عمل ہے (نہ کہ گائے کا) اور جن علما کی رائے میں وہ گائے ہے تو ممکن ہے کہ کثرت قائلین سے روایۃً اس قول کو ترجیح ہو اور قوت دلیل سے درایۃً پہلے قول کو اقرب (اور زیادہ صحیح) سمجھا جائے۔ واللہ اعلم۔ (بیان القرآن ج ۱ ص ۳۸ ملحقات حاشیہ نمبر ۱)

اور آخری بات یہ ہے کہ نیچری مفسر جناب سر سید احمد خان صاحب نے برطانوی اطاعت کا "جوا" اپنی گردن پر رکھتے ہوئے سرے سے اس معجزہ کا ہی انکار کر کے بیک قلم علما کی ساری علمی کاوشوں پر پانی پھیر دینے کی سعی نامشکور کی۔ لا بارك الله في عيه "نسیم"

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِى الْحَرْثَ :..... یعنی وہ بیل نہ تو کھیتی باڑی کے لیے سدھایا ہوا ہو اور نہ اس سے زمینوں کو پانی دینے کا کام لیا جاتا ہو۔ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا: یعنی وہ عیوب سے خالی ہو کہ اس میں اس کی رنگت کے خلاف دوسرا رنگ نہ ہو کہ وہ سارے کا سارا زرد رنگ کا ہو۔ قَالُوا الْئٰنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ: یعنی اب آپ علیہ السلام نے ہمیں ایسا شافی بیان دیا جس میں کوئی پوشیدگی اور اشتباہ نہیں، لیکن رب تعالیٰ ان کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ: یعنی (انہوں نے بڑی مشکل سے بیل ذبح کر تو دیا لیکن) اس کے بہت زیادہ مہنگے ہونے کی وجہ سے یا رسوائی کی ڈر کے وجہ سے (کہ جب قاتل کا پتہ چلے گا تو بڑی سبکی ہوگی، وہ بیل ذبح کرنے کے لیے تیار ہونے والے نہ تھے) آگے رب تعالیٰ انہیں بیل ذبح کرنے کے حکم دینے کا سبب بتلاتے ہوئے اور انہوں نے رب تعالیٰ کی جو زبردست نشانیاں دیکھیں تھیں ان کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرماتے ہیں: وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا: یعنی اے بنی اسرائیل! تم اس وقت کو یاد کرو جب تم (میں سے کسی) نے ایک جان کو مار ڈالا تھا۔ فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا: یعنی تم اس مقتول کے بارے میں ایک دوسرے سے لڑنے جھگڑنے لگے اور ہر ایک دوسرے پر تہمت دھر رہا تھا اور اس قتل کو دوسرے کے سر مونڈھ رہا تھا۔ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ: یعنی جو تم چھپاتے تھے خدا اس کو ظاہر کرنے والا تھا۔ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا: یعنی تم ذبح شدہ بیل کے ایک حصہ کو مقتول پر رکھ دو جس سے وہ زندہ ہو (کر اٹھ کھڑا ہو) جائے گا اور تمہیں اپنے قاتل کا پتہ بتلا دے گا (جیسا کہ گزشتہ میں گزرا)۔ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى: یعنی جس طرح اس (مردہ) مقتول کو تمہاری آنکھوں کے سامنے (اپنی قدرت اور حکم سے) زندہ کر دیا اسی طرح رب تعالیٰ (روز قیامت مُردوں کو قبروں سے زندہ کر لے گا۔ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ: یعنی رب تعالیٰ تمہیں اپنی قدرت کے دلائل دکھلاتا ہے تاکہ تم فکر و تدبر کرو اور یہ بات جان لو کہ رب تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

بنی اسرائیل کی بے رحمی، تندمزاجی اور سنگ دلی کا ذکر

آگے رب تعالیٰ ان کی بے رحمی (بے رخی، تندمزاجی) اور سنگدلی اور دلوں کی سختی کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ: یعنی اے یہودیو! تمہارے دل سخت پتھریلے ہو گئے جن پر کوئی وعظ و تذکیر اثر نہ کرتا۔

مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ:..... یعنی (تمہارے دلوں کی سختی کا یہ عالم) زبردست معجزات دیکھنے کے بعد (تھا)۔ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً: یعنی تم میں سے بعض کے دل تو پتھروں کی طرح سخت تھے اور بعض کے اس سے بھی زیادہ سخت تھے جیسے لوہا۔ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ: یعنی بعض پتھر تو ایسے ہوتے ہیں جن سے ابلتا ہوا (تیز) پانی نکلتا ہے۔ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ: یعنی بعض پتھر ایسے ہیں جو خوفِ خدا سے پھٹ جاتے ہیں (اور ان میں شگاف پڑ جاتے ہیں) پھر ان سے پانی پھوٹ پڑتا ہے۔ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ: یعنی ان میں بعض پتھر ایسے ہیں جو ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں اور پہاڑوں کی چوٹیوں سے خوف خدا سے لڑھک کر نیچے جا گرتے ہیں۔ پس اے یہودیو! پتھر تو نرم بھی پڑ جاتے ہیں اور خوف بھی رکھتے ہیں (اور خدا سے ڈرتے بھی ہیں) مگر تمہارے دل نہ تو نرم پڑتے ہیں اور نہ خدا سے خوف کھاتے ہیں۔ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ: یعنی رب تعالیٰ تمہارے اعمال کا نگران ہے کوئی چھپنے والا اس سے چھپ نہیں سکتا اور عنقریب رب تعالیٰ روز قیامت تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ دے گا۔ اس آیت میں وعید بھی ہے اور تہدید (یعنی دھمکی) بھی۔

بلاغت: فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ:..... اس آیت میں ایجاز و اختصار ہے کہ اس آیت کے شروع سے دو جملے حذف کیے گئے ہیں جن کو نظم کلام سے سمجھا جا سکتا ہے۔ تقدیری عبارت یوں ہے کہ ”چنانچہ انہوں نے ان اوصاف کے جامع بیل کو تلاش کرنا شروع کیا اور اس کو ڈھونڈ لیا پس جب وہ اس تک پہنچ گئے تو اس کو ذبح کر دیا“ یہ ”ایجاز بالحذف“ ہے (یعنی جملہ سے بعض عبارت کو حذف کر کے ایجاز و اختصار کو پیدا کیا)۔

وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ: یہ جملہ ان دو جملوں فَادّٰرَءْتُمْ اور قُلْنَا اضْرِبُوْهُ کے درمیان ”جملہ اعتراضیہ“ ہے جب جملہ اعتراضیہ ایسے دو جملوں کے درمیان آئے جن میں (معنوی) اتصال ہو تو وہ (کلام کو) آراستہ کرنے کے لیے آتا ہے جس کے ذریعے کلام بلیغ کے (معنوی) حسن میں اور زیادتی پیدا ہو جاتی ہے اس مقام پر جملہ اعتراضیہ لانے کا فائدہ مخاطبین کو یہ جتوانا ہے کہ حقیقت عنقریب لامحالہ روشن ہو کر رہے گی۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ : رب تعالیٰ نے دلوں کی سختی کے ساتھ صفت ذکر کی اور اس سے مراد ان دلوں کا عبرت حاصل کرنے سے نفرت کرنا (اس سے بھاگنا) اور وعظ و نصیحت سے ان کا متاثر نہ ہونا ہے۔اس میں ''استعارہ تصریحیہ'' ہے۔

علامہ ابو سعود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ ''قسوۃ'' یہ سختی، درشتی (بے رخی، تند مزاجی) اور صلابت (پتھریلے پن) سے تعبیر ہے جیسا کہ (یہی صفات) پتھر میں ہوتی ہیں اس کو ان بنی اسرائیل کے دلوں کے وعظ و نصیحت سے اور ان حوادث وواقعات سی متاثر ہونے سے نفرت کرنے سے استعارہ کے طور پر بیان کیا گیا جن سے پتھر بھی (ڈر اور خوف کے مارے) پگھل جائیں اور چٹانیں نرم پڑ جائیں۔''

(ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم ج۱ ص ۹۰)

فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ:......اس میں تشبیہ ہے جس کا نام ''مرسل مجمل'' ہے کیوں کہ حرف تشبیہ تو مذکور ہے جب کہ وجہ تشبیہ محذوف ہے۔لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ : (جس سے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں کہ) یہاں چشموں کا پانی مراد ہے اور عرب حال پر محل کا نام بولتے ہیں جیسے نہر کہ یہ محل ہے اس کو حال یعنی پانی پر بولا گیا ہے جو نہر میں ہوتا ہے اور یہاں ظاہری قرینہ موجود ہے (یعنی خود الفاظ اس معنی پر دلالت کر رہے ہیں) کیوں کہ پھوٹ نکلنا (یعنی انفجار) یہ پانی کا ہوتا ہے اور اس کو مجاز مرسل کہتے ہیں (کہ یہ محل بول کر حال مراد لینے کو کہتے ہیں)۔

دین کی کسی بات کا مذاق اڑانا بڑی جہالت ہے

فوائد: پہلا: قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ:......اس میں رب تعالیٰ نے اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ دین کی کسی بات کا مذاق اڑانا یہ بہت بڑی جہالت ہے۔ محققین علمائے کرام نے ہنسی مذاق کی جگہ قرآنی آیات کو بطور مثال کے بیان کرنے سے منع فرمایا ہے کہ رب تعالیٰ نے اس قرآن کو فکر و تدبر اور خشوع (اور خوف و خشیت کے حاصل کرنے) کے لیے نازل فرمایا ہے نہ کہ غم غلط کرنے، ہنسی مذاق کرنے اور تفریح طبع کے لیے (نازل فرمایا ہے)۔

دوسرا:......وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا : یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر یہودیوں کو خطاب ہے۔اس میں قرآن کریم نے اقوام کو مخاطب کرنے کے اپنے معروف طرز کو اختیار کیا ہے کہ جب اخلاف انہی عادات کے سیاہوں اور اسی طرز کے عادی ہوں جو ان کے اسلاف کرتے تھے اور ان کے افعال پر وہ راضی ہوں تو پھر ان کے افعال کو انہی اخلاف کی طرف منسوب کر دیتا ہے۔اس میں پہلوں کو اور موجودہ لوگوں کو ڈانٹ اور سرزنش ہے۔

تیسرا:......قتل کا یہ واقعہ انہیں بیل ذبح کرنے کے حکم سے پہلے ہوا اگرچہ اس کا ذکر (لفظوں میں، آیات قرآنیہ میں) بعد میں آیا تو اس میں بھی بیل کو ذبح کرنے کے سبب کی معرفت کی طرف شوق دلانا ہے اور ڈانٹ اور سرزنش کا تکرار ہے۔علامہ ابو سعود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''(واقعات کی) ترتیب کو ڈانٹ اور سرزنش کو دہرانے اور دوبارہ مذکور کرنے کی غرض سے بدلا گیا کیوں کہ کسی جان کا ناحق قتل کرنا، اور جناب موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہنسی کرنا اور آپ علیہ السلام کے حکم (جو دراصل خدا کا حکم تھا) میں خود رائی سے کام لینا کہ ان میں سے ہر ایک بات نہایت عظیم جرم ہے اور اور اس لائق ہے کہ اس پر ان کی (شدید مذمت اور) برائی بیان کی جائے۔'' (ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم ج۱ ص ۹۰)

سورۂ بقرہ میں پانچ مقامات پر احیاء موتٰی کا ذکر

چوتھا:......رب تعالیٰ نے اس سورت کریمہ میں پانچ مقامات پر ''احیاء موتٰی'' (مُردوں کو زندہ کرنے) کا ذکر فرمایا ہے وہ آیات یہ ہیں:

① ......ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ (سورۃ البقرہ۔۵۶) ترجمہ:......''پھر موت آجانے کے بعد ہم نے تم کو از سرِ نو زندہ کر دیا۔''

② ......اس قصہ میں ارشاد ہے: فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى (سورۃ البقرہ، ۷۳)

ترجمہ:......''تو ہم نے کہا کہ اس بیل کا کوئی سا ٹکڑا اس مقتول کو مارو، اس طرح خدا مردوں کو زندہ کرتا ہے۔''

③ ......ایک ان لوگوں کے قصہ میں جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اور اپنے علاقے سے نکلے تھے۔ارشاد ہے:

فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۫ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ (البقرہ، ۲۴۳) ترجمہ:......''تو خدا نے ان کو حکم دیا کہ مر جاؤ پھر ان کو زندہ بھی کر دیا۔''

④......اور ایک حضرت عزیز علیہ السلام کے قصے میں، ارشاد ہے:

فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ (سورۃ البقرہ، ۲۰۹)

ترجمہ:......"تو خدا نے اس کی روح قبض کر لی (اور) سو برس تک (اس کو مردہ رکھا) پھر اس کو جلا اٹھایا۔"

⑤......حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے میں ارشاد ہے:

رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ (سورۃ البقرہ۔۲۶۰)

ترجمہ:......"(اور جب ابراہیم نے خدا سے کہا کہ) اے پروردگار! مجھے دکھا کہ تو مُردوں کو کیوں کر زندہ کرے گا۔" (از افادات تفسیر ابن کثیر)

بنی اسرائیل کے دل پتھر کی مانند ہیں

پانچواں: فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً:......اس میں (حرف عطف) "اَوْ"[1] یہ "بل" کے معنی میں ہے یعنی (گویا کہ) ان یہود بنی اسرائیل کے دل پتھر ہیں یا (بلکہ) ان سے بھی زیادہ سخت (ہیں)۔ اسی طرح یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴿١٤٧﴾ (سورۃ الصافات، ۱۴۷)

ترجمہ:......"اور ان کو (یعنی حضرت یونس علیہ السلام کو) لاکھ یا اس سے زیادہ (لوگوں) کی طرف (پیغمبر بنا کر) بھیجا" (کہ یہاں بھی "او" "بل" کے معنی میں ہے)۔

بعض علما نے اس (او) کو یہاں تردید یا تخییر[2] کے لیے قرار دیا ہے۔ چنانچہ جس نے ان کے دلوں کے حال کو جان لیا ہے اس نے ان کو پتھروں سے یا اس شے سے تشبیہ دی ہے جو پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہے جیسے لوہا، اور جس نے ان کے حال کو نہیں جانا اس نے ان کے دلوں کو پتھروں سے تشبیہ دی ہے یا یہ کہا ہے، کہ "ان کے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں" (یعنی انہوں نے اس "او" کو تردید کے معنی میں لیا ہے کہ ان کے دل پتھروں سے زیادہ سخت ہیں اور یہ نہیں کہا کہ یا تو پتھر ہیں یا اس سے زیادہ سخت ہیں۔ واللہ اعلم۔ نسیم)

چھٹا:......بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ یہاں حقیقی خوف مراد ہے اور رب تعالیٰ نے انہی پتھروں کے حال کے مناسب ان میں خوف خدا رکھا ہے جیسا کہ یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (سورۃ الاسراء، ۴۴) - "اور (مخلوقات میں سے) کوئی چیز نہیں مگر اس کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتی ہے۔"

اور بعض نے اس کو مجاز قرار دیا ہے جیسے کہنے والے کا یہ قول:

قال الحائط للمهار لم تشقني قال سل من يد قني؟

ترجمہ:......"دیوار نے کیل سے پوچھا کہ تو مجھے کیوں پھاڑتی ہے (اور مجھ میں ٹھکی جاتی ہے) تو کیل نے جواب دیا کہ اس سے پوچھو جو مجھے

---

[1] او یہ حروف عاطفہ میں سے ہے جو وضعی طور پر شک کے معنی میں آتا ہے۔ جیسے: لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ (الکہف، ۱۹) "(انہوں نے کہا کہ) ایک دن یا اس سے بھی کم مدت رہے۔" لیکن اس کے علاوہ یہ ابہام، تخییر اور تقسیم وغیرہ کے معانی میں بھی آتا ہے اور یہاں مذکورہ آیت میں "اضراب" کے معنی میں ہے جو "بل" کا وضعی معنی ہے۔ (القاموس الوحید ص ۱۴۰ کالم نمبر ۳ بتصرف)

اِضْرَاب کا معنی اردو میں "بلکہ" ہے، یہ ماقبل سے اعراض اور مابعد کا اثبات ہوتا ہے۔ جب یہ "بل" مفرد پر داخل ہوتا ہے اور اس سے پہلے اثبات (جیسا کہ مذکورہ بالا آیت میں ہے) یا امر ہو تو اپنے ماقبل کو مسکوت عنہ بنا کر اپنے مابعد کے لیے اس کا حکم ثابت کرتا ہے" (القاموس الوحید ص ۱۷۷ کالم نمبر ۲)

مذکورہ بالا آیت میں حرف عطف "او" ایسے ہی معنی والے "بل" کے معنی میں ہے۔ واللہ اعلم۔ نسیم۔

[2] "تخییر" دو میں سے ایک بات کے اختیار کرنے کو کہتے ہیں جیسے: خذ السلعة او ثمنها یعنی "یا تو سامان لے لو یا اس کی قیمت لے لو۔" (القاموس الوحید ص ۱۴۰ کالم نمبر ۳ بتصرف) اور "تردید" یہ ماقبل کے معنی کے ابطال اور اس کے رد کو کہتے ہیں، فقط واللہ اعلم۔ نسیم

(ہتھوڑے مار کر) ٹھونکتا جارہا ہے؟'' واللہ اعلم۔ [1]

بنی اسرائیل کے بعض انوکھے جرائم

أَفَتَطْمَعُونَ أَن يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِن بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٥﴾ وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُم بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُم بِهِ عِندَ رَبِّكُمْ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٧٦﴾ أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٧٧﴾ وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿٧٨﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ ﴿٧٩﴾ وَقَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۚ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِندَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ ۖ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٨٠﴾ بَلَىٰ مَن كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٨١﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٨٢﴾

(النصف) (ع ۱۱)

کیا تم لوگ یہ اُمید رکھتے ہو کہ یہودی تمہارے کہنے سے ایمان لے آئیں گے اور حال یہ ہے کہ اُن میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جو اللہ کا کلام سنتے رہے ہیں پھر اس میں تحریف کرتے رہے ہیں اس کے بعد کہ وہ اس کو سمجھتے تھے اور جانتے تھے۔﴿۷۵﴾ اور جب ملاقات کرتے ہیں اُن لوگوں سے جو ایمان لائے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب آپس میں ایک دوسرے کے پاس تنہائی میں ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کیا تم ان کو وہ چیزیں بتاتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کھولی ہیں تا کہ یہ لوگ ان کے ذریعے اللہ کے پاس حجت میں تم کو مغلوب کر دیں، کیا تم سمجھ نہیں رکھتے ہو؟﴿۷۶﴾ کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ چھپاتے ہیں، اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔﴿۷۷﴾ اور اُن میں ایسے لوگ ہیں جو اَن پڑھ ہیں کتاب کا علم نہیں رکھتے، سوائے آرزوؤں کے اور وہ لوگ صرف گمانوں میں پڑے ہوئے ہیں۔﴿۷۸﴾ سو بڑی خرابی ہے اُن لوگوں کے لیے جو کتاب کو لکھتے ہیں اپنے ہاتھوں سے پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تا کہ اس کے ذریعہ خرید لیں تھوڑی سی قیمت، سو بڑی ہلاکت ہے اُن کے لیے بوجہ اس کے جو اُنکے ہاتھوں نے لکھا ہے اور بڑی ہلاکت ہے اُن کے لیے اُسکی وجہ سے جسے وہ کسب کرتے ہیں۔﴿۷۹﴾ اور انہوں نے کہا کہ ہم کو ہرگز آگ نہ چھوئے گی مگر چند دن گنتی کے، آپ فرمایئے کیا تم نے اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد لے لیا ہے، سو اللہ تعالیٰ اپنے عہد کے خلاف نہ کرے گا یا اللہ کے ذمہ

---

[1] یہ بطور مجاز کے سوال وجواب ہے جو ان کے احوال سے گویا کہ ان کی زبان حال ہے ورنہ درحقیقت ان میں نطق اور بولنے کی اہلیت وصلاحیت نہیں۔ پتھروں کے خوف خدا کے متعلق حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''پتھروں میں حس نہ ہونے کی وجہ سے شاید کسی کو پتھروں کے خوف خدا سے نیچے آ گرنے میں شبہ ہو تو سمجھ لیا جائے کہ خوف کے لیے عقل کی ضرورت نہیں بلکہ حس کی ضرورت ہے اور اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ جمادات میں اتنی بھی حس نہیں کیوں کہ حس موقوف ہے حیات پر اور ان میں ایسی حیات لطیفہ کا ہونا ممکن ہے جس کا ہمیں ادراک نہ ہو، اور اس دعوے کی بھی ضرورت نہیں کہ ہمیشہ پتھروں کے گرنے کی علت یہی خوف خدا ہی ہے کیوں کہ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ بعضے پتھر اس وجہ سے بھی گر جاتے ہیں لہٰذا پتھروں کے گرنے کے متعدد اسباب ممکن ہیں جن میں ایک سبب یہ بھی ہے۔'' اور ''مسائل السلوک'' میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ''اس آیت میں صوفیا کے اس قول کی دلیل ہے کہ ''جمادات کے لیے اتنا شعور ثابت ہے جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔'' (بیان القرآن ص ۱۴۱ ج ۱) ''نسیم''

ایسی بات لگا رہے ہو جس کا تمہیں علم نہیں ہے۔ ﴿۸۰﴾ ہاں جس نے گناہ کیا اور اس کے گناہ نے اس کو گھیر لیا تو ایسے لوگ دوزخ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿۸۱﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے یہ لوگ جنت والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿۸۲﴾

مناسبت:......رب تعالیٰ نے جب یہود کے عناد، خدا کے احکامات کی نافرمانی، انبیائے کرام علیہم السلام سے جھگڑنے اور ان کی نافرمانی کرنے کو ذکر فرمایا تو اس کے بعد ان کے بعض جرائم اور ان برائیوں کا ذکر فرمایا جن کا یہ لوگ ارتکاب کرتے تھے جیسے مثلاً خدا کے کلام کو بدل دینا (یعنی اس میں تحریف کرنا) ان کا یہ دعویٰ کرنا کہ ہم خدا کے برگزیدہ بندے ہیں (جیسا کہ یہود کہتے ہیں کہ Weare chosen people of the God "نسیم") اور یہ دعویٰ کہ ہمیں جہنم کی آگ (اول تو چھوئے گی نہیں اور اگر چھوئے گی بھی تو فقط) چند دن چھوئے گی، کہ یہ سب کی سب ان کی جھوٹی اور باطل تمنائیں تھیں جو ان میں موروثی طور پر ان کے آباواجداد سے چلی آتیں تھیں۔ رب تعالیٰ نے ان کے جرائم کے تذکرہ میں) سب سے پہلے تو مسلمانوں کو ان کے ایمان لے آنے سے مایوس کیا کیوں کہ یہ گمراہی کی فطرت اور مخالفت وعناد کی سرشت پر پیدا ہوئے ہیں۔

لغت: اَفَتَطْمَعُوْنَ:...... یہ "طمع" سے ہے یہ نفس کا کسی مطلوب شے کے ساتھ وہ قوی تعلق ہے کہ جب یہ تعلق بہت زیادہ ہو جاتا ہے تو اس کو طمع کہتے ہیں اور جب یہ تعلق کمزور ہو تو اس کو رجا (امید) اور رغبت (میلان، شوق) کہتے ہیں۔ **فَرِيْقٌ:** یہ جماعت کو کہتے ہیں یہ اسم جمع[۱] ہے جس کی واحد اسی لفظ سے نہیں آتی جیسے لفظ رھط (تین سے یا سات سے دس تک کی جماعت) اور قوم (عوام، لوگ یا لوگوں کی وہ جماعت جس میں زبان یا مذہب وغیرہ کا کوئی جامع رشتہ پایا جاتا ہو)۔ **يُحَرِّفُوْنَ:** یہ تحریف سے ہے، یہ تبدیلی اور تغییر کو کہتے ہیں، اس کی اصل کسی شے سے انحراف کرنا ہے (یعنی ہٹنا ہے۔) **عَقَلُوْهُ:** (یہ "عقل" سے ہے اور) "عقل الشئ" یہ عقل کے ذریعے کسی شے کے ادراک کرنے (اور اس کے جاننے) کو کہتے ہیں اور مراد یہ ہے کہ "یہ لوگ (کتاب خدا کو) سمجھتے اور پہچانتے تھے۔" **اُمِّيُّوْنَ:** یہ اُمِّیٌّ کی جمع ہے یہ وہ شخص ہے جو لکھنا پڑھنا (یا تو جانتا ہی نہ ہو یا) خوب نہ جانتا ہو اور امی کا نام اُمّ (ماں) کی طرف نسبت کرتے ہوئے رکھتے ہیں کیوں کہ یہ (ان پڑھ) شخص ابھی تک اسی ناخواندگی پر باقی ہے جس پر اس کی ماں نے اس کو جنا تھا۔ **اَمَانِيَّ:** یہ اُمْنِيَّةٌ کی جمع ہے۔ یہ وہ بات (یعنی امنگ، آرزو اور ارمان) ہے جس کی انسان تمنا اور چاہت کرتا ہے یا وہ ارمان (اور امنگیں) ہیں جن کو وہ اپنے جی میں مقرر کرتا ہے (اور ان کے اندازا اور تخمینے لگاتا ہے) اسی لیے اس لفظ کو "جھوٹ" پر بھی بولا جاتا ہے (کیوں کہ جھوٹ بھی محض اندازہ اور تخمینہ ہی ہوتا ہے نہ کہ حقائق کے مطابق کوئی بات)۔ (اسی معنی میں) ایک بدوی نے ایک شے کو (یوں) کہا: هذا شيئ رأيته ام تمنيته کیا یہ بات تیرا اعتقاد (گمان اور رائے) ہے یا تو نے اپنے پاس سے گھڑی ہے" کہ یہاں "تمنیت" اختلقت (جھوٹ گھڑنے) کے معنی میں ہے اور کبھی یہ قَرَأَ کے معنی میں آتا ہے (جیسا کہ) حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا شعر ہے:

تَمَنّٰى كِتَابَ اللّٰهِ اَوَّلَ لَيْلَةٍ — ترجمہ:......"اس نے رات کے شروع میں کتاب خدا پڑھی (یعنی اس کی تلاوت کی)۔"

فَوَيْلٌ:......"ویل" یہ تباہی اور ہلاکت و بربادی کو کہتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ فضیحت اور رسوائی کو کہتے ہیں۔ یہ کلمہ شر اور عذاب میں استعمال کیا جاتا ہے۔ قاضی بیضاوی کہتے ہیں: "ویل" انتہائی وعید اور دھمکی کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ (سورۃ المطففین: ۱) — ترجمہ:......"ناپ اور تول میں کمی کرنے والوں کے لیے خرابی ہے۔"

سیبویہ[۲] کہتے ہیں: "جو شخص ہلاکت میں پڑ گیا ہو اس کے لیے لفظ ویل بولتے ہیں اور جو ہلاکت میں پڑنے والا ہو اس کے لیے لفظ ویح[۳] بولتے ہیں۔"

---

[۱] اسم جمع وہ جمع ہے جس سے جمع کے معنی ظاہر ہو اور اس کے لیے اسی مادہ سے مفرد نہ ہو جیسے خیل، قوم، رھط، جیش (اور فریق وغیرہ کے الفاظ)۔ (مصباح اللغات ص ۱۲ کالم نمبر ۲) "نسیم" [۲] یہ مشہور نحوی ابو بشر عمرو بن عثمان سیبویہ (ت ۷۹۶ قریباً) ہیں۔ شیراز کے قریب ایک گاؤں بیضاء میں پیدا ہوئے۔ تعلیم وتربیت اور پرورش بصرہ میں پائی اور (مشہور نحوی) خلیل سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ اہل بصرہ کے امام تھے ان کی نحو میں مشہور کتاب "الکتاب" ہے اور ابن سراج، مبرمان، سیرانی اور رمانی نے اس کی شروحات لکھیں ہیں۔ (المنجد العربی الاعلام ص ۳۱۸ کالم نمبر ۳) "نسیم" [۳] "ویح" یہ رحم و دردمندی کا کلمہ ہے جو ویل کے معنی میں آتا ہے۔ ویح لہ کا معنی ہے، کہ "اس بیچارے کا کتنا برا حال ہے یا وہ کتنا بدبخت ہے یا اس کا ناس ہو۔ (القاموس الوحید ص ۱۹۰۷ کالم نمبر ۲) نسیم

سببِ نزول:......(ان آیات کے دو سببِ نزول بیان کیے جاتے ہیں)۔

① ......یہ ان انصار کے بارے میں نازل ہوئیں جو یہود کے حلیف تھے اور ان کے درمیان پڑوس اور رضاعت (یعنی رضاعی اخوت) کا تعلق تھا اور وہ چاہتے تھے کہ یہ یہود ایمان لے آئیں تو اس پر رب تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: "افتطمعون......" (البحر المحیط ج۱ ص ۲۷۱)

② ......مجاہد[1] رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ "یہود کہتے تھے کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے اور ہمیں ہر ہزار سال کے بدلے میں ایک دن (جہنم کی) آگ کا عذاب ہوگا اور یہ عذاب بس گنتی کے سات دن ہوگا۔

تو اس پر رب تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً۔ (مختصر تفسیر ابن کثیر ج۱ ص ۸۲)

یہود کا تاویل کے ذریعے آیات کو بدلنا

تفسیر:......رب تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ: یعنی اے مؤمنو! کیا تم اس بات کی امید کرتے ہو کہ یہودی اسلام لا کر تمہارے دین میں داخل ہو جائیں گے۔ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ: یعنی حال یہ ہے کہ یہود کے علما و مشائخ کی ایک جماعت کتابِ خدا (یعنی تورات) کو پڑھتی ہے اور یہ یہود (ان سے) کتابِ خدا کو صاف صاف اور واضح سنتے ہیں (کہ خدا کیا کہتا ہے)۔ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ: یعنی یہ لوگ کتابِ خدا کو (خوب) سمجھنے اور اپنی عقلوں میں اس کو ضبط کرنے کے بعد (بھی) تاویل یا تبدیلی کے ذریعے اس کی آیات کو بدل دیتے ہیں۔ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ: یعنی ان کی خدا کی کتاب کی یہ مخالفت اور اس جرم کا ارتکاب کسی خطا یا بھول چوک کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ اپنے اس جرم کو پوری بصیرت کے ساتھ جانتے ہیں۔

منافق یہودیوں پر دیگر یہودیوں کا عتاب

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا: ......یعنی جب یہ یہودی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اکٹھے ہوتے ہیں تو ان میں سے منافق یہودی یہ کہتے ہیں کہ ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ تم لوگ حق پر ہو اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رب تعالیٰ کے وہی رسول ہیں جن کی (گزشتہ کتابوں میں اور خاص طور پر ان کی کتاب میں) بشارت دی گئی ہے۔ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ: یعنی جب یہ ایک دوسرے کے ساتھ خلوت میں اور تنہائی میں آتے ہیں۔ (تو) قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ: باقی دوسرے یہودی (ایمان کا جھوٹا اقرار کرنے والے) ان (منافق یہودیوں) پر عتاب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "کیا تم اصحابِ محمد کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان صفات کی خبر دیتے ہو جو رب تعالیٰ نے تمہیں تورات میں بیان کی ہیں۔"

لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ: تاکہ روزِ قیامت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کے معلوم ہونے کے باوجود ان کی اتباع کے ترک کرنے کی بابت اہلِ ایمان کے پاس تمہارے خلاف حجت اور دلیل ہو۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ: یعنی (اے منافق یہودیو!) کیا تمہیں عقل نہیں جو تمہیں ایسی باتوں کے مسلمانوں کو بتلانے سے روکے جن میں انہیں تمہارے خلاف دلیل ہاتھ آ جائے گی؟ یہ منافق یہودیوں کو دوسرے یہودیوں کا قول ہے (چنانچہ) رب تعالیٰ ان (کہنے والوں) پر رد کرتے ہوئے انہیں سرزنش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

منافق یہودیوں پر عتاب کرنے والوں کو سرزنش

اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ: ......یعنی کیا (ان منافق یہودیوں کو ڈانٹنے والے) یہ یہودی اس بات کو نہیں جانتے کہ

---

[1] یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے خصوصی شاگرد، قراء مفسرین کے امام مفسر قرآن مشہور تابعی ابو الحجاج مجاہد بن جبر مخزومی ہیں (۲۱ھ۔ ۱۰۳) انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تیس مرتبہ تفسیر پڑھی اور تیس مرتبہ ہی قرآن کا دور کیا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ ان کے بارے میں کہتے ہیں، "تفسیر کے جو علما باقی رہ گئے ہیں ان میں مجاہد سب سے بڑے عالم ہیں۔" اکثر اسفار میں اپنے آخری عمر میں کوفہ مستقل سکونت اختیار کر لی۔ کہتے ہیں کہ ان کی تفاسیر کا ایک مجموعہ کتب خانہ "خدیویہ" میں محفوظ ہے۔ آپ کی وفات ۱۰۳ھ میں بحالت سجدہ ہوئی۔ "رحمہ اللہ"۔ (نسیم البیان ص ۲۹۳۔ ۲۶۴۔ علوم القرآن ص ۴۶۱۔ ۴۶۲) نسیم

رب تعالیٰ ان کی تمام ظاہری اور پوشیدہ باتوں کو جانتے ہیں اور کوئی چھپنے والا رب تعالیٰ سے چھپ نہیں سکتا تو بھلا یہ لوگ ایسی بات کیونکر کرتے ہیں پھر اپنے تئیں خود کو مومن بھی گمان کرتے ہیں۔

یہود کے ایک جاہل ٹولہ کا ذکر

جب رب تعالیٰ نے ان کے ان علما کا ذکر کیا جو تحریف و تبدیلی کے جرم کے مرتکب تھے تو ان کی اس عوام کا بھی ذکر کیا جو ان کی (اس قبیح امر میں قدم بقدم پیروکار تھی اور اس بات پر تنبیہ فرمائی کہ (اس خوفناک جرم میں) تم دونوں (عوام اور علماء) برابر (کے مجرم) ہو، چنانچہ فرمایا:
وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ :......یعنی ان یہود میں جاہل عوام کا بھی ایک ٹولہ ہے جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتے کہ تورات کا مطالعہ کر کے خود جان لینے اور اس بات کی تحقیق کر لیتے، تورات میں کیا کیا لکھا ہے۔اِلَّآ اَمَانِيَّ :یعنی وہ فقط ان باطل خیالات میں (پھنسے ہوئے) ہیں جن کی ان کے علما اور مشائخ نے انہیں جھوٹی امید دلائی ہے کہ رب تعالیٰ (تمہارے گناہ) معاف کر دیں گے اور تم پر رحم فرمائیں گے اور یہ کہ (ان گناہوں کی پاداش میں اگر تم دوزخ میں چلے بھی گئے تو) دوزخ کی آگ تمہیں گنتی کے چند دن کے علاوہ نہ جلائے گی اور تمہارے آبا و اجداد انبیا تھے وہ تمہاری سفارش کریں گے (اور تمہیں عذاب سے بچالیں گے) اور تم خدا کی اولاد (اور اس کے محبوب) اور (Chosen people of the Gold) ہو۔ غرض اس طرح کی اور کئی قسم کی انہیں جھوٹی (اور بے بنیاد) امیدیں دلا رکھی تھیں۔وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ :یعنی اس بات میں وہ کسی یقین (اور پختہ عقیدہ) پر قائم نہیں (جس کی بنیاد کوئی آسمانی دلیل ہو) بلکہ یہ صرف اندھوں اور کوڑھ مغزوں کی طرح اپنے آبا و اجداد کے پیر کار ہیں۔

علمائے یہود کا تورات میں تحریف کرنا

آگے رب تعالیٰ ان کے بھٹکانے والے ان بڑوں (سرداروں اور علما) کے جرم کو ذکر فرما رہے ہیں جنہوں دنیا کے معمولی سامان کی خاطر عوام کو راہ ہدایت سے بے راہ کیا۔ چنانچہ فرمایا:
فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ :......یعنی ان لوگوں کے لیے (دنیائی) ہلاکت اور (آخرت کا) عذاب ہے جو تورات میں تحریف کرتے ہیں اور (اسی تورات میں پھر) ان محرف آیات کو لکھتے (بھی) ہیں (اور) ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ : پھر اپنے ناخواندہ (ان پڑھ جاہل) متبعین کو یہ کہتے ہیں کہ یہ جو کچھ تم تورات میں لکھا ہوا پاتے ہو یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رب تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا، حالاں کہ یہ خود انہوں نے اپنے ہاتھوں سے لکھا تھا اور پھر جھوٹ و افترا کرتے ہوئے اس کو خدا کی طرف منسوب کر دیا۔ (اور اس سے ان کی غرض کیا تھی؟) لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا : تا کہ اس کے ذریعے اس فانی دنیا کا معمولی سامان اور اثاثہ حاصل کریں۔فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ :یعنی ان کے لیے کتاب خدا میں اس تحریف کرنے پر (آخرت میں) سخت عذاب ہوگا۔وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ :اور (اس پر ملنے والی) اس رشوت اور حرام مال پر ان کے لیے عذاب ہے۔
وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً:......یعنی ہم (ان جرائم کی پاداش میں) تھوڑی مدت ہی جہنم کی آگ میں داخل ہوں گے اور وہ بچھڑے کی عبادت کرنے کی مدت ہے یا فقط سات دن ہیں۔
قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا :......یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ انہیں انکار اور سرزنش کے طور پر فرما دیجیے کہ کیا رب تعالیٰ نے تمہیں اس بات کا کوئی عہد و میثاق دے رکھا ہے؟ تو فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗ : (خدا اپنے اقرار کے خلاف نہیں کرے گا) کیوں کہ رب تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں فرماتے۔اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ :یعنی یا (کہیں) تم خدا تعالیٰ پر جھوٹ (تو نہیں) بول رہے ہو اور خدا کے بارے میں وہ باتیں کر رہے ہو جو اس نے نہیں فرمائیں۔ چنانچہ تم دو (بھیانک) جرائم کو اکٹھا کر رہے ہو (ایک تو) کتاب خدا میں تحریف کرنا اور دوسرے رب تعالیٰ کی بزرگ و برتر ذات پر جھوٹ بولنا اور اس پر تہمت باندھنا۔

یہود کی کذب بیانی کا ذکر

آگے رب تعالیٰ یہود کی دروغ گوئی کو بیان فرمارہے ہیں اور ان کے ان گمانوں کو باطل ٹھہرارہے ہیں کہ وہ جہنم میں چند دن رہیں گے اور ہمیشہ اس میں (جلتے) نہ رہیں گے۔ چنانچہ فرمایا:

بَلٰی مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً: ......یعنی کیوں نہیں تم ضرور جہنم میں جاؤ گے اور اس میں ہمیشہ رہو گے (کیوں کہ تم لوگوں نے متعدد برے کام کیے ہیں) جس طرح کے دوسرے کبائر کے مرتکب کافر ہمیشہ کے لیے جہنم میں جائیں گے۔ اسی طرح ہر وہ شخص بھی جہنم رسید ہوگا جو ایسی برائیاں کمائے گا۔ وَاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ: اور اس کے گناہ اس کو چاروں طرف سے گھیر لیں گے اور اس پر نجات کے تمام دروازوں کو بند کردیں گے کیوں کہ اس نے بھی یہود جیسے افعال کیے ہیں (اسی لیے یہود کی طرح یہ بھی ہمیشہ کے لیے جہنم کا ایندھن بنے گا)۔ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ: یعنی جہنم کی آگ ہمیشہ انہیں چمٹی رہے گی اور وہ اس میں سے کبھی بھی نکل نہ پائیں گے۔

اہل ایمان کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے باغات

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ: ......وہ لوگ جنہوں نے ایمان اور نیک اعمال کو (ایک دل اور بدن میں) جمع کیا انہیں جہنم کی آگ نہ چھوئے گی بلکہ وہ جنت کے باغوں میں خوش وخرم رہیں گے۔ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ: یعنی انہیں بہشت کے باغوں میں ہمیشہ کے لیے (عیش کرنے کے لیے) ٹھہرایا جائے گا اور انہیں وہاں سے کبھی نہ نکالا جائے گا۔ ''اے ارحم الراحمین! ہمیں ان میں سے بنا دے۔''[1] (آمین یارب العالمین)

بلاغت: وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ: ...... یہ جملہ یہود کے اس نامسعود فعل کی برائی کے کمال کو بتلارہا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ جان بوجھ کر اور پختہ ارادہ کرکے تورات میں تحریف کرتے تھے نہ کہ لاعلمی یا بھول چوک کی وجہ سے اور جو شخص جانتے بوجھتے کسی معصیت کا ارتکاب کرتا ہے وہ اس شخص سے زیادہ مذمت اور سرزنش کا سزاوار ہے جس سے وہ گناہ انجانے میں ہوگیا ہو۔ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ: یہاں ایدی (ہاتھوں) کا ذکر مجاز کے وہم کو دور کرنے کے لیے ہے (کہ یہ بطور مجاز کے نہیں بلکہ فی الواقع وہ تحریف کے جرم کے مرتکب ہوتے تھے کہ اپنے ہاتھوں میں قلم لے کر تورات کی آیتوں کو بدلتے تھے) اور اس بات کی تاکید کے لیے ہے کہ وہ خود (آیات کو بدل بدل کر) لکھتے تھے، اسی معنی میں کہنے والے کا یہ قول ہے: کتبتہ بیمینی (اس کو میں نے اپنے دائیں ہاتھ سے لکھا یعنی واقعی لکھا نہ کہ بطور مجاز کے یہ کہا جارہا ہے) اور سمعتہ بأذنی (میں نے اس کو اپنے کانوں سے سنا۔ یعنی فی الواقع سنا) واللہ اعلم۔

مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ: ...... یہ محسنات بدیعیہ میں سے ہے جس کا نام ''طباق''[2] ہے کہ اس میں يُسِرُّوْنَ اور يُعْلِنُوْنَ کے دونوں لفظوں کو جمع کیا گیا ہے اور یہ اس کی قسم ''طباق ایجاب'' ہے۔ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ، فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ اور وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ میں لفظ وَيْلٌ کا تکرار ان کی سرزنش اور انہیں دھمکانے کے لیے ہے اور اس بات کو بیان کرنے کے لیے ہے کہ ان کا جرم اپنی قباحت اور شناعت میں انتہائی درجہ کو پہنچ گیا ہے۔ وَاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ: یہ استعارہ کے باب میں سے ہے کہ خطاؤں کو دشمنوں کے اس لشکر سے تشبیہ دی گئی ہے جنہوں نے جاکر ایک قوم کو چاروں طرف سے اس طرح گھیر لیا جس طرح کنگن کلائی کو چاروں طرف سے گھیر لیتا ہے۔ یہاں ''احاطہ'' کے لفظ کو ''بطور استعارہ کے سیئات کے حسنات کو گھیرنے اور ان پر غلبہ پانے سے تعبیر کیا گیا ہے گویا کہ برائیوں نے نیکیوں کو ہر طرف سے گھیر لیا ہے۔'' (تلخیص البیان ج۱ ص ۸)

---

[1] مؤلف موصوف کی اس دعا پر آمین کہتے ہوئے یہ بندہ گنہگار سرتا پا خطا کار محمد آصف نسیم اپنے لیے بھی اور سب مسلمانوں کے لیے بھی یہی دعا مانگتا ہے کہ ''اے اللہ! ہمیں جنت والوں میں سے بنادے۔ آمین یارب العالمین۔'' [2] طباق کی تعریف وتفصیل گزشتہ میں حاشیہ میں بیان کردی گئی ہے۔ نسیم

کلام اللہ میں تحریف جرم عظیم ہے

فوائد: پہلا فائدہ: ......کلام اللہ میں تحریف یا تو اس کی تصدیق کے ساتھ اس میں فاسد تاویل کرنے سے ہوتی ہے یا اس کے کلام کو دوسرے کلام میں بدلنے سے ہوتی ہے۔ اور یہود کے ان علما نے تورات میں ان دونوں ہی قسم کی تحریف کے جرم کا ارتکاب کیا جیسا کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی صفات کے متعلق کیا۔ علامہ ابو سعود رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، "روایت میں آتا ہے کہ یہود کو اپنی ریاست ختم ہونے کا ڈر تھا چنانچہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے تورات میں لکھے حلیۂ مبارک میں تحریف کرنا چاہی، وہاں آپ ﷺ کی یہ صفات مذکور تھیں:

حسن الوجه، حسن الشعر، اكحل العينين ابيض ربعة

"آپ ﷺ خوب صورت، خوب صورت بالوں والے (کہ نہ بالکل سیدھے اور نہ بالکل گھونگھریالے) سرگیں آنکھوں والے (یعنی آپ ﷺ کی مبارک آنکھیں ایسی تھیں جیسے پہلے سے ان میں سرمہ لگا ہو)۔"

اور درمیانی معتدل قامت والے ہیں" (یعنی نہ بہت نکلتا قد تھا اور نہ گٹھا ہوا پستہ قد بلکہ درازی مائل معتدل قد تھا۔)[1]

چنانچہ ان (بد دیانت یہودی علما) نے اس حلیۂ مبارک کو بدل کر یوں لکھ دیا۔ "طوال، ازرق، سبط الشعر" (یعنی آپ ﷺ دراز قد، نیلی آنکھوں والے اور سیدھے (غیر گھونگھریالے) بالوں والے ہیں، پھر جب عام لوگوں نے (نبی کریم ﷺ کی مدینہ منورہ آمد اور آپ ﷺ کی دعوت ایمان کے بعد) ان علما سے آپ ﷺ کی بابت پوچھا (کہ ہماری کتاب میں ان کے بارے میں کیا لکھا ہے؟) تو ان لوگوں نے انہیں وہی پڑھ سنایا جو خود اس میں (ڈنڈی مار کے) لکھا تھا پھر جب لوگوں نے آپ ﷺ کو تورات کے اس مذکورہ خود ساختہ حلیہ کے مطابق نہ پایا تو آپ ﷺ کو جھٹلا دیا۔" (ارشاد العقل السليم الى مزايا الكتاب الكريم ج۱ ص ۹۴)

قرآن کریم تحریف سے محفوظ ہے

دوسرا فائدہ: ......یہ دونوں قسم کی تحریف آسمانی کتابوں تورات اور انجیل دونوں میں ہوئی، جیسا کہ رب تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ (سورۃ المائدہ، ۱۳) "یہ لوگ کلمات (کتاب خدا) کو اپنے مقامات سے بدل دیتے ہیں۔"

رہا قرآن کا معاملہ تو اس باطل و فاسد تاویل کے معنی میں تحریف تو جاہلوں اور ملحدوں سے ہوئی لیکن تحریف کا یہ معنی کہ آیات کو ساقط کر دیا جائے (یعنی ختم ہی کر دیا جائے اور ان کو متن قرآن سے اڑا کر آیات میں کمی کر دی جائے) یا ان کی جگہ دوسری آیات (خود سے تراش کر) لکھ دی جائیں تو رب تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز کو اس (گھناؤنی قسم کی) تحریف سے محفوظ رکھا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (سورۃ الحجر، ۹) "بے شک! یہ (کتاب) نصیحت ہم ہی نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔"

تیسرا فائدہ: ......بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ "جب خیبر فتح ہوا تو آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک زہر بھرا بکری کا گوشت ہدیہ میں بھیجا گیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا" یہاں جو بھی یہودی موجود ہیں انہیں میرے سامنے جمع کرو۔" (چنانچہ انہیں جمع کر دیا گیا) تو آپ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا، "تمہارا باپ کون ہے؟" انہوں نے کہا: "فلاں (فلاں)" آپ ﷺ نے فرمایا "تم جھوٹ بولتے ہو (تمہارا باپ وہ نہیں) بلکہ فلان ہے، وہ (کھسیانے ہو کر) کہنے لگے، "آپ نے سچ فرمایا اور (آپ جحت میں) ہم پر غالب آئے"۔ پھر آپ ﷺ نے انہیں فرمایا: "کیا تم ایک بات کے بارے میں مجھ سے سچ بولو گے میں تم سے پوچھوں؟" کہنے لگے اے ابوالقاسم! جی ہاں (ہم آپ ﷺ سے سچ بولیں گے) اور اگر ہم آپ سے جھوٹ بولیں گے (یا آپ کو جھٹلائیں گے) تو آپ ﷺ ہمارے جھوٹ کو جان لیں گے جیسا کہ آپ ﷺ نے ہمارے باپ کے بارے میں (ہمارے جھوٹ کو) جان لیا" تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ "دوزخ

---

[1] آپ ﷺ کے حلیۂ مبارک کی تفصیل کے لیے دیکھیں بندہ محمد آصف نسیم کی تالیف "نسیم"

کی آگ والے کون لوگ ہیں؟ وہ کہنے لگے: "ہم اس میں کچھ عرصہ ہی رہیں گے پھر ہمارے پیچھے اس میں تم لوگ رہو گے۔" تو آپ ﷺ نے انہیں (ڈانٹتے ہوئے) فرمایا: "تم (ہی اس دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ) ذلیل (پڑے) رہو گے۔ خدا کی قسم! ہم کبھی بھی دوزخ میں تمہاری جگہ نہ رہیں گے۔"

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر میں تم سے ایک بات پوچھوں تو کیا تم اس میں مجھ سے سچ بولو گے؟"

وہ کہنے لگے: "اے ابوالقاسم! جی ہاں (ہم آپ ﷺ سے سچ بولیں گے۔)"

آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: "کیا تم نے اس بکری (کے گوشت) میں زہر ملایا ہے"؟

کہنے گے: جی ہاں!

آپ ﷺ نے فرمایا، "تمہیں کس بات نے اس پر آمادہ کیا؟"

وہ کہنے لگے: "ہمارا ارادہ یہ تھا کہ اگر تو (معاذ اللہ) آپ ﷺ جھوٹے ہوئے تو ہمیں آپ ﷺ سے راحت مل جائے گی اور اگر آپ ﷺ (خدا کے سچے) پیغمبر ہوئے تو یہ زہر آپ ﷺ کو (کچھ) نقصان نہ دے گا۔" (مختصر تفسیر ابن کثیر ج۱ ص ۸۴)

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۣ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَاۗءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ۡ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۭ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْھُمْ وَھُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ۭ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَاۗءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۡ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا ھُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾

ترجمہ: ......اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے مضبوط عہد لیا کہ تم صرف اللہ کی عبادت کرو گے اور والدین کے ساتھ اور قرابت داروں اور یتیموں کے ساتھ اور مسکینوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو گے اور عام لوگوں سے اچھی بات کہنا اور نماز قائم کرنا اور زکوۃ دینا، پھر تم نے روگردانی کی مگر تم میں سے تھوڑے سے لوگوں نے، اور تم اعراض کرنے والے ہو۔ ﴿۸۳﴾ اور جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ تم آپس میں خونریزی نہ کرو گے اور ایک دوسرے کو اپنے گھروں سے نہ نکالو گے پھر تم نے اس کا اقرار کیا اور تم اس کی گواہی بھی دیتے ہو۔ ﴿۸۴﴾ پھر تم وہ لوگ ہو جو قتل کرتے ہو اپنی جانوں کو اور نکالتے ہو اپنوں میں سے ایک جماعت کو ان کے گھروں سے، ان کے مقابلہ میں مدد کرتے ہو گناہ اور زیادتی کے ساتھ، اور اگر وہ آ جائیں تمہارے پاس قیدی ہونے کی حالت میں تو تم ان کی جان کا بدلہ دیکر چھڑا لیتے ہو حالانکہ ان کا نکالنا تم پر حرام تھا، کیا تم کتاب کے بعض حصہ پر ایمان لاتے ہو اور بعض کے منکر ہوتے ہو۔ سو کیا جزا ہے اس کی جو تم میں سے ایسا کام کرے سوائے اس کے کہ دنیاوی زندگی میں رُسوا ہو، اور قیامت کے دن سخت ترین عذاب میں پہنچا دیے جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ غافل نہیں ہے اُن کاموں سے جو تم کرتے ہو۔ ﴿۸۵﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے دنیاوی زندگی کو

آخرت کے خرید لی، سونہ ہلکا کیا جائے گا اُن سے عذاب اور نہ اُن کی مدد کی جائے گی۔(۸۶)

مناسبت:......ان آیات کریمہ میں بھی یہود کے جرائم کو گنوایا گیا ہے، ان آیات میں ان کی (اسلام) دشمنی، سرکشی اور زمین میں فساد برپا کرنے کی واضح مثالیں ہیں۔ انہوں نے اس عہد کو بھی توڑ ڈالا جوان سے تورات میں لیا گیا تھا۔ انہوں نے اس جان کو بھی (ناحق) مار ڈالا جس کو (مار ڈالنا) خدا نے حرام کیا ہوا تھا اور ان لوگوں نے ناجائز طریقوں سے لوگوں کے مالوں کو ہتھیا لینا بھی جائز قرار دے رکھا تھا۔ پھر (مزید برآں یہ کہ) انہوں نے اپنے (مسلک ومذہب کے) دینی بھائیوں پر چیرہ دستیوں کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا کہ انہیں (ان کے وطن و) دیار سے نکال دیا جس کے نتیجہ میں یہ لعنت، رسوائی اور (دنیا وآخرت کی ہلاکت و) بربادی کے مستحق ٹھہرے۔

لغت: مِيْثَاقَ:...... یہ وہ عہد ہوتا ہے جس کو قسم کے ذریعے نہایت پختہ کر دیا گیا ہو، اور جس میں قسم کی تاکید نہ ہو اس کو (میثاق نہیں بلکہ) عہد کہتے ہیں۔ حُسْنًا: حسن یہ ایک عام اسم ہے جو خیر کے معانی کو شامل ہے۔ یہ نرم گفتگو، حسن ادب اور خلق کریم (یعنی اخلاق کریمانہ) پر بولا جاتا ہے اور اس کی ضد ''قبح'' ہے۔ اور (آیت کا) مطلب یہ ہے، کہ ''(لوگوں کے ساتھ) اچھی باتیں بولو'' (جس کی عربی ہوگی قُوْلُوْا لِلنَّاسِ قَوْلًا حُسْنًا) اور یہ محذوف مصدر (قَوْلًا) کی صفت ہے۔ تَوَلَّيْتُمْ: یہ تولی عن الشيء سے ہے جس کا معنی کسی شے سے اعراض کرنا (اس سے منہ پھیرنا) اس کو ٹھکرانا اور اس کو قبول نہ کرنا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙعَنْ ذِكْرِنَا (سورۃ النجم: ۲۹) ''تو جو ہماری یاد سے روگردانی کرے اس سے تم بھی منہ پھیر لو۔''

اور بعض نے تَوَلّٰى اور اعراض میں فرق کیا ہے ان کا کہنا ہے کہ ''تولی یہ جسم کے ساتھ ہوتی ہے اور اعراض دل کے ساتھ ہوتا ہے۔''

(البحر المحیط ج۱ ص۲۸۱)

تَظٰهَرُوْنَ:......''(یہ باب تفاعل سے ہے) مضارع ہے جس کی ایک تا حذف ہے (کہ اصل میں یہ لفظ تَتَظَاهَرُوْنَ تھا) اس کا معنی ایک دوسرے کی مدد کرنا ہے گویا مُتَظَاهِرِيْنَ میں سے ہر ایک اپنی پیٹھ سے دوسرے کو سہارا دیتا ہے۔ اور ظہیر کا معنی معین ومددگار ہے۔ اَلْاِثْمِ: یہ اس گناہ کو کہتے ہیں جس کا مرتکب ملامت کا مستحق ہو اس کی جمع آثام ہے۔ الْعُدْوَانِ: یہ ظلم میں حد سے نکل جانے کو کہتے ہیں۔ خِزْيٌ: یہ (حقارت و) بے وقعتی، (بغض وعناد اور) نفرت (وبے زاری) اور سزا کو کہتے ہیں۔

والدین اور عزیز واقارب سے حسن سلوک کا حکم

تفسیر: وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ:...... یعنی اے یہودیو! تم ذرا اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے تمہارے اسلاف (اور بزرگوں) سے ایک نہایت پختہ عہد لیا تھا۔ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ: کہ تم خدا کے سوا کسی دوسرے کی پوجا نہ کرو گے۔ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا: یعنی ہم نے انہیں اس بات کا حکم دیا کہ والدین کے ساتھ نیک سلوک کریں۔ وَذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ: یعنی تم (اپنے) قریبی رشتہ داروں اور ان کم سن یتیموں جن کے والدین وفات پا گئے اور کمانے سے عاجز حاجت مندوں کے ساتھ بھی بھلائی کرو گے۔ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا: یعنی تم لوگوں کے ساتھ (عجز ونیاز سے) جھک کر، نرمی سے اور شائستگی سے اچھی بات کرو گے۔ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ: یعنی تم نماز ادا کرتے اور زکوٰۃ دیتے رہو جیسا کہ رب تعالیٰ نے تم پر ان دو عظیم رکنوں ''نماز اور زکوٰۃ'' کی ادائیگی کو فرض کیا ہے کیوں کہ یہ دونوں سب سے بڑی بدنی اور مالی عبادتیں ہیں (جن میں نماز تو بدنی اور زکوٰۃ مالی عبادت ہے)۔ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ: یعنی پھر تم نے بھی اور تمہارے بزرگوں نے بھی اس پختہ عہد کو بالکل ٹھکرا دیا اور اس کے حکم پر عمل کرنے سے منہ پھیر لیا البتہ تم میں سے چند لوگ اس عہد پر ثابت قدم رہے۔

قتل وغارت کی ممانعت

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ:...... یعنی اے بنی اسرائیل! تم اس وقت کو بھی یاد کرو جب ہم نے تم سے اس بات کا بھی پختہ عہد لیا کہ تم آپس میں کشت وخون نہ کرو گے۔ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ: اور تم ایک دوسرے کو دیس سے نکال کر اور جلا وطن کر کے ایک

دوسرے پر ظلم نہ کرو گے۔ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ: یعنی پھر تم نے اس عہد اور اس کے وجوب کی نگرانی ونگہداشت کا اقرار واعتراف کیا اور تم اس کے لازم اور واجب ہونے کے گواہ ہو۔ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ: یعنی اے یہودیو! پھر تم نے اس عہد (کو نبھانے) کا اقرار کر کے اس کو توڑ ڈالا، چنانچہ تم لوگوں نے اپنے ہم مذہب بھائیوں کو قتل کیا اور تم نے اس قتل کا ارتکاب کیا جس سے تمہیں منع کیا گیا تھا۔ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ: یعنی تم نے اس پختہ عہد کی طرف دیکھا بھی نہیں اور انہیں وطن سے نکال دیا۔ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ: یعنی (اس کام میں) تم ایک دوسرے کی گناہ اور ظلم میں مدد واعانت کرتے ہو۔ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ: یعنی جب وہ (دشمنوں کی) قید میں جا پڑتے ہیں (جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے) تو تم فدیہ اور مال دے کر انہیں قید سے چھڑا بھی لیتے ہو۔ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ: یعنی تم قتل کرنے اور دیس سے نکال دینے کو کس طرح حلال کر لیتے ہو حالاں کہ تم دشمنوں کے ہاتھوں قیدیوں کے نہ چھڑانے کو حلال نہیں سمجھتے ہو (یعنی تین باتوں کا تمہیں حکم ہے جن میں سے یہاں دو کو بالائے طاق رکھ دیتے ہو اور تیسری پر عمل کرتے ہو؟ یہ کیسی دورنگی ہے)۔

یہود کا تورات کے بعض احکامات کو ماننا اور بعض کو انکار کرنا

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ: ...... یعنی کیا تم تورات کے بعض احکامات کو تو مانتے ہو اور بعض کا انکار کیے دیتے ہو۔ اور (اس ارشاد خداوندی سے) غرض (انہیں) ڈانٹنا ہے کیوں کہ انہوں نے کفر وایمان کو (ایک قلب وجسد میں) جمع کر دیا تھا اور خدا کی (کسی بھی) کتاب کے بعض کا انکار یہ کل کا انکار (کر دینے کے مترادف) ہے اسی لیے اس کے بعد رب تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا۔ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا: یعنی رب تعالیٰ کی کتاب کے بعض احکامات کو ماننے اور بعض کے انکار کی سزا اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ انہیں دنیا میں ذلت وحقارت، نفرت وعناد اور غضب (خداوندی) ملے۔ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ: یعنی وہ آخرت میں اس دنیا کے عذاب سے بھی سخت عذاب کی طرف لوٹنے والے ہیں کیوں کہ وہ ہمیشہ کا عذاب ہے جو نہ ختم ہوگا اور نہ کہیں جا کر تھمے گا۔ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ: (اور جو کام تم کرتے ہو خدا ان سے غافل نہیں) اس میں رب تعالیٰ کے احکامات کی نافرمانی کرنے والوں کے لیے شدید وعید ہے۔

تورات میں تحریف کا سبب

آگے رب تعالیٰ اس نافرمانی اور ظلم وزیادتی کا سبب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ: یعنی ان مذکورہ بری صفات کے حامل وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کی زندگی کے بدلے میں حیات دنیاوی کو لیا یعنی اس کو اختیار بھی کیا اور آخرت پر اس کو ترجیح بھی دی۔ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ یعنی ایک گھڑی بھر کے لیے بھی ان سے عذاب کو ہلکا نہیں کیا جائے گا (ختم کرنا تو دوسری بات ہے)۔
وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ: یعنی کوئی مدد کرنے والا ان کا حامی وناصر نہ ہوگا اور نہ ہی کوئی پناہ دینے والا انہیں رب تعالیٰ کے عذاب الیم سے بچا پائے گا۔
تنبیہ: ...... بنوقریظہ اور بنونضیر یہود کے دو قبیلے تھے، بنوقریظہ اوس کے اور بنونضیر خزرج کے حلیف بنے۔ تو جب اوس وخزرج میں (کبھی) جنگ چھڑ جاتی تو یہود کا ہر قبیلہ اپنے اپنے حلیف کے شانہ بشانہ دشمنوں سے قتال کرتا جس کے نتیجہ میں ایک یہودی دوسرے قبیلے کے اپنے ہی یہودی بھائی کو مارتا، اس کو جلاوطن کرتا اور اس کا مال ومتاع گھر بار اور ساز وسامان سب لوٹ لیتا۔ تورات میں صاف لکھا تھا کہ یہ ان کے دین میں حرام ہے (خیر اس حرام کا ارتکاب تو کر لیتے لیکن) جب جنگ ہتھیار پھینک دیتی تو تورات کے (ایک تیسرے) حکم پر عمل کرنے کے لیے ہار جانے والے فریق کے (یہودی) قیدیوں کو (فاتح قوم سے سے خواہ خزرج ہو یا اوس) چھڑا بھی لیتے۔ اسی کو رب تعالیٰ نے اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ سے ذکر فرمایا ہے۔"[1] (مختصر تفسیر ابن کثیر ج۱ ص ۸۵)

---

[1] حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "اس باب میں ان پر تین حکم واجب تھے اول قتل نہ کرنا دوم اخراج نہ کرنا سوم اپنی قوم میں سے کسی کو قید وبند میں گرفتار دیکھیں تو روپیہ خرچ کر کے چھڑا دینا، سو ان لوگوں نے حکم اول ودوم کو تو ضائع کر دیا اور سوم کا اہتمام کیا کرتے تھے۔" آگے اس کی نہایت دلچسپ تفصیل بیان کی ہے جس کا خلاصہ اوپر آ گیا ہے جس میں ان یہود کی نہایت کینہ پرور اور حیلہ جو فطرت کی منظر کشی فرمائی ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں۔ (بیان القرآن ج۱ ص ۴۵-۴۶) "نسیم"

بلاغت: لَا تَعۡبُدُوۡنَ اِلَّا اللّٰهَ...... امام ابو مسعود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ نہی کے معنی میں جملہ خبریہ ہے جو صریح نہی سے زیادہ بلیغ ہے[۱] کیوں کہ نہی میں اس بات کا شبہ ہے کہ منھی عنہ (یعنی جس شی سے باز کیا گیا ہے) کا یہ حق ہے کہ اس سے باز آنے میں جلدی کی جائے پس گویا کہ (نہی وارد کرنے کے بعد امر نہی عنہ سے) باز آ یا ہی جا چکا ہے (جب کہ یہاں اس حکم کے مخاطب سرکش وہٹ دھرم جبلت کے یہود ہیں جن سے جلد باز آنا تو کجا سرے سے باز آنا ہی بعید ہے) اسی لیے خبر کے صیغہ میں ارشاد فرمایا اور اس سے مراد نہی لی (تاکہ معلوم ہوجائے کہ وہ لوگ غیر اللہ کی عبادت سے باز نہ آئے۔ واللہ اعلم)۔ (ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم، ج۱ ص ۹۶)

وَقُوۡلُوۡا لِلنَّاسِ حُسۡنًا:...... یہ مصدر صفت کی جگہ آیا ہے کہ اصل میں قَوۡلًا حُسۡنًا یا قَوۡلًا ذَا حُسۡنٍ ہے (یعنی ''اچھی بات'' یا ''اچھائی والی بات'' اس کا معنی ہے۔ اور مصدر کو اس طرح) مبالغہ (کا معنی ادا کرنے) کے لیے (لاتے ہیں) کیوں کہ عرب لوگ مبالغہ (کا معنی پیدا کرنے) کے لیے مصدر کو اسم فاعل یا صفت کی جگہ لاتے ہیں، چنانچہ وہ کہتے ہیں: هُوَ عَدۡلٌ (یعنی وہ سراپا عدل ہے)۔ خِزۡیٌ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا: اس میں خِزۡیٌ کو تفخیم (بڑائی) اور تہویل (دہشت انگیزی اور تخویف کا معنی ادا کرنے) کے لیے نکرہ لایا گیا ہے۔ (یعنی ان یہود کو ان کرتوتوں پر دنیاوی زندگی میں بہت بڑی رسوائی ملے گی جس سے انہیں خوب ڈرنا چاہیے۔ نسیم)

تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡفُسَکُمۡ:...... یہاں رب تعالیٰ نے دوسرے کے قتل کرنے کو اپنے آپ کو قتل کرنے سے تعبیر فرمایا ہے کیوں کہ جس نے دوسرے کا خون گرایا گویا کہ اس نے خود اپنا خون گرایا۔ یہ ادنیٰ ملابست کے ساتھ مجاز ہے۔ اَفَتُؤۡمِنُوۡنَ: (کیا تم بعض کتاب کو مانتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو) کہ یہاں ہمزہ استفہام ''انکار توبیخی'' (سرزنش والے انکار) کے لیے ہے (یعنی ایک تو اس میں ان کے بعض ایمان کے مقبول ہونے کا انکار ہے، دوسرے اس پر سرزنش بھی ہے کہ پورے پورے مومن کیوں نہیں بنتے۔ فقط واللہ اعلم۔)

فوائد: پہلا فائدہ: لَا تَعۡبُدُوۡنَ اِلَّا اللّٰهَ...... اس آیت میں الاھَمّ فالاھم کی ترتیب ہے (کہ پہلے سب سے اہم کو ذکر کیا پھر اس کے بعد دوسرے درجہ کے اہم کو اسی طرح آگے تک) چنانچہ سب سے پہلے جناب باری تعالیٰ کے حق کو ذکر کیا کہ بندوں پر منعم حقیقی وہی ہے پھر والدین کو ذکر کیا کیوں کہ آدمی کی تربیت کی وجہ سے ان کا حق (بندوں میں) سب سے زیادہ ہوتا ہے۔ پھر ''قرابت'' (ماں باپ کی طرف سے رشتہ داریوں) کو ذکر کیا کیوں کہ ان میں صلۂ رحمی اور (ان پر) احسان کرنے کا اجر ہے، پھر یتیموں کو ذکر کیا کیوں کہ وہ معدوم الوسائل ہوتے ہیں پھر (سب سے آخر میں) مساکین کو ذکر کیا کیوں کہ (یہ معدوم الوسائل تو نہیں ہوتے البتہ اسباب وذرائع کے کمزور ہونے کی وجہ سے یہ لوگ) نادار، کمزور (لاچار اور بدحال) ہوتے ہیں۔

تمام انسانوں کے ساتھ عمدہ سلوک کا حکم

دوسرا فائدہ: وَقُوۡلُوۡا لِلنَّاسِ حُسۡنًا:...... یہاں رب تعالیٰ نے اپنے بھائیوں یا مومنوں کے ساتھ اچھی بات کرنے کا ذکر نہیں فرمایا (بلکہ سب ہی انسانوں کے ساتھ اچھی بات کرنے کا حکم دیا) تاکہ اس بات پر دلالت ہو کہ احسان کرنے کا حکم مومن، کافر، نیک وفاجر (غرض) ہر انسان کو شامل ہے، اس میں نرم (وشائستہ) گفتگو کے ساتھ ''مکارم اخلاق'' اپنانے کی ترغیب ہے اور لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی، حسن ادب اور اخلاق کریمانہ کے ساتھ رویہ اپنانے پر ابھارنا ہے، کسی ''ادیب'' کا قول ہے:

---

[۱] کسی زبان کی بلاغت کے ادراک کے لیے جہاں اس کے جملہ ظاہری متعلقات قواعد پر عبور ضروری ہے وہیں اس کی نزاکتوں، لطافتوں، باریکیوں، خوبیوں اور رعنائیوں کے ساتھ ساتھ اس کی پنہائیوں، گہرائیوں اور وسعتوں کے تمام اسالیب کا وجدانی شعور بھی لازمی ہے۔ بھلا ہم مادرزاد ہندوستانی اور پاکستانی، عربی زبان کی ان نزاکتوں اور بلاغتوں تک کیسے راہ پائیں جن کا خداداد ادراک ایک مادرزاد بدوی عرب کو ویسے ہی ہوتا ہے۔ زبان وبیان کی بلاغتوں کی داستانوں کو پڑھ کر ناطقہ سر بگریباں اور خامہ انگشت بدنداں رہ جاتا ہے جب ہم بڑے بڑے فصحا وبلغا کو بدویوں سے بلاغی پیچیدگیوں کو حل کراتے دیکھتے ہیں۔ اس خالص فنی تفسیر کے ترجمہ میں اس مادرزاد جھنگ کے پنجابی کو سب سے بڑی دقت یہی پیش آ رہی ہے کہ عربی زبان سے شناسائی تو کجا خود اردو زبان کا پورا علم نہیں۔ بس ایک تک بندی ہے جو اہل علم کی خدمت میں پیش ہے۔ بلاغی نکات کے ترجمہ یا وضاحت میں کہیں کوئی جھول رہ گیا ہو تو وہ اسی تعلیم اور تربیت کی کمی کا نتیجہ ہوگا۔ ارباب قلم وقرطاس اور احباب علم ودانش سے کوتاہیوں کو دامن عفو میں چھپانے کی التماس کے ساتھ ساتھ ان کی نشاندہی کرنے کی درخواست بھی ہے تاکہ آئندہ میں اصلاح ہو سکے۔ ''فقط بندہ محمد آصف نسیم''

بُنَيَّ اِنَّ الْبِرَّ شَیْءٌ هَیِّنٌ وَجْهٌ طلیق ولسانٌ لَیِّنٌ

''اے میری پیارے بیٹے! نیکی کرنا بہت آسان ہے (کوئی زیادہ مشکل کام نہیں کہ) خندہ پیشانی اور نرم زبان (ولہجہ اپنانا آسان ہے اور اس میں نیکی اور اخلاق بہت زیادہ ہیں)۔''

بنی اسرائیل کو امثال کی ذریعے نصیحت

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۫ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۫ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚۖ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۫ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾

ترجمہ:......اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اُن کے بعد پے در پے رسول بھیجے اور دیے ہم نے عیسیٰ بن مریم کو واضح دلائل، اور اُن کی تائید کی ہم نے روح القدس کے ذریعہ، کیا جب کبھی کوئی پیغمبر تمہارے پاس ایسے احکام لایا جو تمہارے نفسوں کو گوارا نہ تھے تو تم نے تکبر کیا، سو ایک جماعت کو تم نے جھٹلایا اور ایک جماعت کو قتل کرتے رہے ہو۔ ﴿۸۷﴾ اور انہوں نے کہا کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں بلکہ اُن کے کفر کی وجہ سے اُن کو اللہ نے ملعون قرار دے دیا، سو بہت کم ایمان لاتے ہیں۔ ﴿۸۸﴾ اور جب اُن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب پہنچی وہ اس کی تصدیق کرنے والی ہے جو اُن کے پاس ہے اور حال یہ تھا کہ اس سے پہلے وہ کافروں کے مقابلہ میں فتح یابی طلب کرتے تھے پس جب وہ چیز اُن کے پاس آ گئی جس کو پہچان لیا تو اس کے منکر ہو گئے، سو اللہ کی لعنت ہے کافروں پر۔ ﴿۸۹﴾ بُری چیز ہے وہ جس کو اختیار کر کے اپنی جانوں کو خرید لیا یہ کہ کفر کریں اس چیز کے ساتھ جو اللہ نے اُتارا حسد کرتے ہوئے اس بات پر کہ اللہ اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے نازل فرمائے، سو وہ لوگ غضب پر غضب کے مستحق ہو گئے اور کافروں کے لیے عذاب ہے ذلیل کرنے والا۔ ﴿۹۰﴾ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اس پر ایمان لاؤ جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں جو اُتارا گیا ہم پر، اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ اس کے منکر ہوتے ہیں حالانکہ وہ حق ہے اس کی تصدیق کرنے والا جو اُن کے پاس ہے، آپ فرما دیجیے سو تم کیوں اللہ کے نبیوں کو اس سے پہلے قتل کرتے رہے ہو اگر تم مؤمن ہو۔ ﴿۹۱﴾ اور بلاشبہ موسیٰ تمہارے پاس کھلی ہوئی دلیلیں لے کر آئے پھر تم نے ان کے بعد بچھڑے کو معبود بنا لیا، حالانکہ تم ظالم تھے۔ ﴿۹۲﴾

مناسبت:......ان آیات میں بھی بنی اسرائیل کا ہی تذکرہ ہے ان آیات میں انہیں ان نعمتوں کی مثال دے کر نصیحت کی گئی ہے جن کو رب تعالیٰ نے ان پر زمانہ دراز تک کیے رکھا پھر انہوں نے اپنی کفریہ اور مجرمانہ عادت کی بنا پر اس احسان (خداوندی) کے بدلے میں برائی اور نعمت کے بدلے کفر وانکار (کی روش کو اختیار) کیا۔

لغت: اَلْكِتٰبَ:......(یہاں اس سے مراد) تورات (ہے)۔ وَقَفَّيْنَا: یعنی "ہم نے پے درپے اور لگاتار بھیجے" اس کی اصل قفا یعنی گدی (گردن کا پچھلا حصہ) ہے۔ قفاہ کا معنی ہے "اس نے پیچھا کیا" اور۔ قَفَّاهُ بِكَذَا: کا معنی ہے، "کسی کو کسی کے پیچھے چلانا اور لگانا (اور بھیجنا۔)" اَلْبَيِّنٰتِ: یہ (بینہ کی جمع ہے اور) زبردست (لاجواب کردینے والے) معجزات کو کہتے ہیں جیسے مادرزاد اندھے کو بینا کر دینا، برص (سفید کوڑھ) والے کو تندرست کر دینا اور مُردوں کو زندہ کر دینا۔ (وغیرہ) وَاَيَّدْنٰهُ: یہ اَيْد سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے قوت اور مضبوطی ہے یعنی "ہم نے ان کو مضبوط کیا"۔ رُوْحِ الْقُدُسِ: یہ حضرت جبرائیل ہیں۔ اور قُدُس: کا معنی پاکی اور برکت ہے۔ تَهْوٰٓى: یہ هَوِيَ سے ہے جس کا معنی چاہنا اور محبت کرنا ہے اس کا مصدر هُوًى ہے۔ غُلْفٌ:[1] یہ اَغْلَفُ کی جمع ہے۔ اور غلاف یہ (کسی شی کو) ڈھانکنے والی کسی شئ کو کہتے ہیں، کہا جاتا ہے سَيْفٌ اَغْلَفُ کہ جب وہ میان میں ہو اور قَلْبٌ اَغْلَفُ کہ جب کسی بات کو سمجھنے اور اس کی تمیز کرنے سے اس دل پر پردہ پڑا ہو، اس کو اس (لفظ) اَغْلَفُ سے مستعار لیا گیا جو اس شخص کو کہتے ہیں جس کا ختنہ نہ ہوا ہو۔ (کہ غیر مختون شخص کی شرم گاہ پر بھی زائد کھال کا ایک غلاف سا ہوتا ہے)۔ (الکشاف ج۱ ص ۱۲۲) لَّعَنَهُمُ: یہ "لعنت" سے ہے اور عرب لوگ لعنت دھتکارنے اور دور کرنے کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے ذِئْبٌ لَعِيْنٌ یعنی دھتکارا ہوا اور دور کیا ہو بھیڑیا (نما شخص)۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمت سے نہایت دور کر دیا۔ يَسْتَفْتِحُوْنَ: یعنی "تم مدد طلب کرتے تھے" یہ استفتاح سے ہے اس کا معنی فتح یعنی نصرت طلب کرنا ہے۔

بِئْسَمَا:......اس کی اصل بئس ما ہے یعنی "وہ شخص بہت برا ہے" بئس یہ "فعل ذم"[2] ہے جس طرح کہ "نعم" فعل مدح ہے (اور جو احکام بئس کے ہیں وہی نعم کے ہیں)۔ بَغْيًا: امام اصمعی فرماتے ہیں کہ یہ حسد اور ظلم کو کہتے ہیں (علامہ جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ "جلن" سے کیا ہے) اس کی اصل فساد (اور بگاڑ) ہے یہ بَغَى الْجُرْحُ سے ہے جو اس وقت بولا جاتا ہے جب زخم میں پیپ پڑ جائے اور وہ خراب ہو جائے۔" (البحر المحیط ج۱ ص ۲۹۸) بَآءُوْ: یعنی "وہ لوٹے" اس کا زیادہ تر استعمال "شر" میں ہوتا ہے۔ مُّهِيْنٌ: یعنی ذلیل و رسوا کر دینے والا عذاب۔ یہ هوان سے ہے جس کا معنی ذلت و حقارت ہے۔

تفسیر: وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ:......یعنی ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا کی۔ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ: یعنی ہم نے ان کے پیچھے بہت سارے پیغمبر (لگاتار اور یکے بعد دیگرے) بھیجے۔ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ: یعنی ہم نے جناب عیسیٰ علیہ السلام کو روشن نشانیاں اور واضح معجزات عطا کیے جو ان کی نبوت پر دلالت کرتے تھے۔ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ: یعنی ہم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے ان کو طاقتور کیا اور ان کی پیٹھ مضبوط کی۔ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ: یعنی اے بنی اسرائیل! کیا جب بھی کوئی رسول ایسی بات لے کر آیا جو تمہاری خواہش کے موافق نہ ہو (تو) اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۡ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ: تم اس کی اطاعت سے سرکشی کرتے رہے۔ چنانچہ تم نے نبیوں کی کسی جماعت کو تو جھٹلا دیا اور کسی کو قتل ہی کر ڈالا۔

---

[1] غُلْفٌ یہ اَغْلَفُ کی بھی جمع ہے اور غلاف کی بھی۔ اغلف کہتے ہیں اس شخص کو جو کچھ نہ سمجھے اور نہ کوئی بات محفوظ رکھ سکے۔ اسی معنی میں قلب اغلف ہے یعنی وہ دل جو کچھ نہ سمجھے۔ گویا کہ اس پر کوئی غلاف ڈال کر اس کو ڈھک دیا گیا ہے۔ (المنجد العربی ص ۵۰۷ کالم نمبر ۲)

اور غلاف: یہ اس شی کو کہتے ہیں جس سے کوئی دوسری شے ڈھانکی جائے۔ مثلاً شیشی یا بوتل کا ڈھکن تلوار کی میان اور کتاب کا غلاف وغیرہ (القاموس الوحید ص ۱۱۷۸ کالم نمبر ۲)۔ "نسیم"

[2] بئس...... یہ فعل جامد ہے جو ذم کا معنی ادا کرنے کے لیے آتا ہے اس کے دوسرے صیغے نہیں آتے البتہ مؤنث کے لیے "بئست" کا صیغہ آتا ہے۔ اس کے تفصیلی احکام کے لیے دیکھیں۔ "هدایۃ النحو" وغیرہ۔ نسیم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاصر یہودیوں کی ہٹ دھرمی

آگے رب تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاصر یہودیوں کے بارے میں بتلاتے ہیں اور اپنے اسلاف کی پیروی میں ان کی گمراہی کو واضح کرتے ہیں اور ان کی (انتہائی متکبرانہ بات کی) حکایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ:......یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہیں کہ وہ آپ کی باتوں کو نہیں سمجھتے۔ (اس ارشاد خداوندی سے) غرض آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے ایمان لانے سے مایوس کرنا ہے۔ (آگے) رب تعالیٰ ان پر (ان کی اس بات کا) رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ :(یعنی ان کے دلوں پر پردے نہیں بلکہ) ان کی گمراہی اور کفر کی وجہ سے رب تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے اور (اپنی بارگاہ تقرب سے) دھتکار دیا ہے۔ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ: یعنی ان میں سے ایمان لانے والے تھوڑے ہوں گے یا (یہ مطلب ہے کہ) یہ لوگ تھوڑا سا ایمان لائیں گے (پکے مومن نہ بنیں گے) کہ یہ بعض کتاب پر تو ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں۔

یہود کے قرآن مجید کے انکار کی وجہ

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ :......یعنی (ان کے پاس آنے والی) وہ کتاب جو ان کی آسمانی تورات کی بھی تصدیق کرتی ہے: ''قرآن عظیم'' ہے جو رب تعالیٰ نے خاتم المرسلین (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل فرمائی ہے۔ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا: یعنی یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے آپ کے ذریعے دوسرے لوگوں پر یعنی اپنے دشمنوں پر فتح اور مدد مانگتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ ہمیں اس نبی آخر الزماں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ذریعے فتح نصیب فرما جن کی صفات (مبارکہ) ہم تورات میں (لکھی) پاتے ہیں۔ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ: یعنی جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے جنہیں وہ خوب پہچانتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا انکار کر دیا۔ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ: یعنی ان یہود پر خدا کی لعنت ہو جنہوں نے خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار کیا۔

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ :......یعنی یہ معمولی شے (یعنی دنیاوی نفع) کتنا (گھٹیا اور) برا ہے جس کے بدلے میں ان یہود نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا۔ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ: یعنی انہوں نے رب کے اتارے ہوئے قرآن کا انکار (اور اس سے کفر) کیا۔ بَغْيًا: (اور یہ انکار انہوں نے) اس چیز پر جلن (حسد) اور اس کو حاصل کرنے کی وجہ سے کیا جو ان کے لیے نہ تھی (کہ اب سلسلہ نبوت مزید بنی اسرائیل میں باقی نہ رہا تھا جس کے اپنے اندر باقی رہنے کی انہیں خواہش تھی کہ جب وہ بنی اسماعیل میں منتقل ہو گیا اس پر جل بھن اٹھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کا انکار کر دیا۔'' نسیم) اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ: یعنی (انہوں نے قرآن کا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا انکار) اس بات پر حسد کی وجہ سے کیا کہ رب تعالیٰ اپنے فضل و مہربانی سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے وحی بھیجتا ہے (اور اب یہ وحی بنی اسرائیل کے بجائے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھیجی جس پر یہ یہود خار کھا بیٹھے) اور اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا ہے (نبوت کے لیے) چن لیتا ہے۔ ضیاء وا بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ: یعنی یہ رب تعالیٰ کا غضب لے کر لوٹے جو ان پر سابقہ غضب الٰہی میں ایک اور اضافہ تھا۔ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ: یعنی ان کے لیے ذلت و رسوائی کے علاوہ شدید عذاب بھی ہے کیوں کہ ان کے کفر کا سبب تکبر اور حسد ہے اسی لیے انہیں اس (تکبر اور بڑائی) کے مقابلے میں حقارت اور (حسد کے مقابلے میں) رسوائی دی گئی۔

یہود کا تورات کے علاوہ دیگر آسمانی کتابوں کا انکار

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ:......یعنی (جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ) تم اس قرآن پر ایمان لاؤ جو خدا نے نازل فرمایا ہے اس کی تصدیق اور اتباع کرو۔ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا: (تو کہنے لگتے ہیں کہ) ہمیں اسی تورات پر ایمان لانا کافی ہے جو ہم پر اتاری گئی تھی۔ وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ : (وہ تورات کے سوا سب کا انکار کرتے ہیں) یعنی وہ قرآن سے کفر کرتے ہیں حالاں کہ وہ حق (بھی) ہے اور جو (کلام خدا یعنی تورات) ان کے پاس ہے اس کی تصدیق (بھی) کرتا ہے۔

یہود کو تنبیہ

قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ:...... یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے کہہ دیجیے کہ اگر تمہارا تورات پر صحیح (اور پختہ و کامل) ایمان ہے تو خدا کے پیغمبروں کو پہلے ہی کیوں قتل کرتے ہو جب کہ فعلاً تم مؤمنین ہو؟ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ: یعنی (موسیٰ علیہ السلام تمہارے پاس) زبردست (ناقابل تردید) دلائل (لے کر آچکے ہیں)۔ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ: یعنی جب وہ (تورات لینے) کوہ طور پر تشریف لے گئے تو تم نے (ان کی غیر موجودگی میں) بچھڑے کی عبادت شروع کر دی۔ یہ کر کے تم خود (اپنے ہی حق میں) ظالم بن گئے ہو۔

بلاغت: فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ اور وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ:...... ان دونوں جملوں میں مفعول بہ کو فعل سے مقدم لایا گیا، اس سے غرض اس بات کی اہمیت بیان کرنا اور سننے والے کو اس بات کا شوق دلانا ہے جو اس کو آگے سنائی جارہی ہے۔ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ: اس میں فعل مضارع سے (قتل انبیا کو) تعبیر کیا گیا ہے اور قَتَلْتُمْ (فعل ماضی کے ساتھ یعنی ''تم نے قتل کیا'') نہیں فرمایا کیوں کہ بلاغت کا ایک عام اسلوب یہ ہے کہ فعل مضارع کو ان افعال ماضیہ میں استعمال کیا جاتا ہے جو اپنی برائی اور قابل نفرت ہونے میں آخری درجے میں پہنچے ہوتے ہیں (جیسا کہ انبیائے کرام علیہم السلام کو قتل کرانا انتہائی گھناؤنا اور قابل نفرت فعل ہے) گویا کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے قتل کی صورت کو سننے والے کے سامنے کر دی گئی ہے اور وہ اس سب کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہا ہے لہٰذا (ایک تو) اس انتہائی بری بات کا انکار زیادہ بلیغ طریقے سے کرے گا اور (دوسرے) اس کو اور بھی زیادہ گھناؤنا (اور برا) جانے گا۔

فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ:...... یہاں پر ضمیر لا کر عَلَيْهِمْ نہیں فرمایا بلکہ ضمیر کی جگہ اسم ظاہر (کافرین) کو رکھا تا کہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ ان پر لعنت کے اترنے کا سبب ان کا کفر ہے۔ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ: یہ جملہ خبریہ ہے اور اس سے غرض رسول خدا کی اتباع نہ کرنے پر ان کی سرزنش اور انہیں لاجواب کرنا ہے (کہ ایسے رسول کی اتباع نہ کرنے کی آخر کون سے دلیل ہے جو روشن دلائل اور نشانیاں لے کر آیا؟) عَذَابٌ مُّهِيْنٌ: اس میں اہانت کو عذاب کی طرف منسوب کیا گیا ہے کیوں کہ اہانت انہیں عذاب دینے کے ذریعے حاصل ہوئی ہے۔ بیان کا ایک اسلوب یہ بھی ہے افعال کو ان کے اسباب کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

حضرت جبریل علیہ السلام کا نام روح القدس کیوں رکھا گیا

فائدہ:...... حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''حضرت جبرائیل علیہ السلام کا نام ''روح القدس'' اس لیے رکھا گیا ہے کیوں کہ ''قدس'' خود رب تعالیٰ ہیں اور ''ان کی روح'' حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں اور یہ اضافت ''تشریف'' (عزت افزائی) کے لیے ہے۔'' امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''روح القدس'' حضرت جبرائیل علیہ السلام ہی ہیں اس کی دلیل سورۂ نحل کی یہ آیت ہے:

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ (سورۃ النحل، ۱۰۲)

ترجمہ:...... ''کہہ دو کہ اس کو روح القدس تمہارے پروردگار کی طرف سے سچائی کے ساتھ لے کر نازل ہوئے ہیں''۔ (محاسن التاویل ج۲ ص ۱۸۶)

یہود کا وعدہ خلافی کرنا اور بچھڑے کی عبادت کرنا

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۗ وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖۤ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۳﴾ قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ

إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ط وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ ۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾

ع ۱۱

ترجمہ:......اور جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا اور بلند کر دیا تمہارے اُوپر کوہِ طور کو، لے لو جو کچھ ہم نے تم کو دیا قوت کے ساتھ اور سن لو، وہ کہنے لگے ہم نے سن لیا اور مانیں گے نہیں، اور پلا دیا گیا اُن کے دلوں میں بچھڑے کی محبت پلائی گئی ان کے کفر کے سبب سے، آپ فرما دیجیے کہ بُری ہیں یہ باتیں جن کا تمہیں حکم دیتا ہے تمہارا ایمان اگر تم مؤمن ہو۔﴿۹۳﴾ آپ فرما دیجیے اگر آخرت والا گھر اللہ کے نزدیک خالص تمہارے ہی لیے ہے دوسروں کے لیے نہیں تو موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو۔﴿۹۴﴾ اور وہ ہرگز کبھی موت کی تمنا نہ کریں گے بوجہ اُن اعمال کے جو اُنہوں نے آگے بھیجے ہیں اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔﴿۹۵﴾ اور یہ واقعی بات ہے کہ تم ان کو زندہ رہنے پر سب لوگوں سے زیادہ حریص پاؤ گے اور اُن لوگوں سے بھی زیادہ جنہوں نے شرک کیا، اُن کا ایک ایک فرد یہ آرزو رکھتا ہے کہ اس کو ہزار سال کی عمر دے دی جائے، اور حال یہ ہے کہ اُسے یہ چیز عذاب سے بچانے والی نہیں ہے کہ اس کی عمر زیادہ ہو جائے اور اللہ دیکھنے والا ہے اُن کاموں کو جن کو وہ کرتے ہیں۔﴿۹۶﴾ آپ فرما دیجیے کہ جو شخص دُشمن ہو جبریل کا سو اس نے اُتارا ہے قرآن تمہارے قلب پر اللہ کے حکم سے جو تصدیق کرنے والا ہے اُس کتاب کی جو اُس سے پہلے ہے اور ہدایت ہے اور بشارت ہے ایمان والوں کے لیے۔﴿۹۷﴾ جو شخص دُشمن ہو اللہ کا اس کے فرشتوں کا اور اس کے پیغمبروں کا اور جبریل کا اور میکائیل کا تو بے شک اللہ دُشمن ہے کافروں کا۔﴿۹۸﴾

مناسبت:...... یہ یہودیوں کے جرائم کی ایک دوسری فہرست ہے۔ انہوں نے عہد توڑا تو خدا تعالیٰ نے ان پر کوہ طور کو اٹھا کھڑا کیا اور انہیں تورات کی تعلیمات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا، چنانچہ (اس وقت تو سر پر پہاڑ دیکھ کر مارے خوف کے) قبول کرنے اور اطاعت کرنے کو ظاہر کیا مگر (بعد میں پہاڑ ہٹتے ہی) پھر کفر و عصیان میں جا پڑے اور خدا کو چھوڑ کر بچھڑے کی عبادت کرنے لگے اور پھر بھی گمان یہ تھا کہ ہم خدا کے پیارے ہیں اور جنت خالص انہی کی ہے جس میں کوئی دوسرا شریک نہ ہوگا اور ان کے علاوہ کوئی اس میں نہ جا سکے گا اور ان لوگوں نے رب کے پاکیزہ فرشتوں سے جن میں سرفہرست حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں، عداوت کی اور نبیوں اور رسولوں کے ساتھ کفر کیا ان کا ہر زمانہ میں یہی حال تھا۔

لغت: **مِيْثَاقَكُمْ:**...... میثاق یہ قسم کے ساتھ پختہ کیے گئے عہد کو کہتے ہیں۔ **الطُّوْرَ:** [۱] یہ اس پہاڑ کا نام جس پر (چڑھ کر) جناب موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ نے شرف ہم کلامی حاصل کیا تھا۔ **بِقُوَّةٍ:** (یعنی ہم نے تمہیں جو احکامات دیے ہیں انہیں) پختہ ارادہ اور سنجیدگی کے ساتھ (پکڑو)۔

اُشْرِبُوْا:...... یعنی انہیں پلائی گئی (بچھڑے کی محبت) یعنی ان کے دلوں کو بچھڑے کی محبت پلائی گئی،، کہا جاتا ہے: **اُشْرِبَ قَلْبُهٗ حُبَّ كَذَا** (اس کے دل میں فلاں کی محبت پیوست کر دی گئی)۔ [۲] زہیر کہتا ہے:

---

[۱] اس کی تفصیل گذشتہ میں حاشیہ میں بیان کر دی گئی ہے۔ ''نسیم'' [۲] یہ زمانہ جاہلیت کا ''اصحاب معلقات'' میں سے ایک اپنے دور کا بڑا زبردست شاعر زہیر بن ابی سلمی (۵۳۰ـ۶۲۷) ہے۔ شاعرانہ باریکیوں اور شعری موزونیت میں بے مثل تھا۔ حکومت و اقتدار کی طرف بہت زیادہ مائل تھا، اس کا ایک ''دیوان'' بھی ہے جس میں وہ ''معلقہ'' (شعری مجموعہ جو کعبہ کی دیوار کے ساتھ لٹکایا گیا تھا) بھی ہے جس میں گذشتہ جنگوں کا ذکر ہے اور اس میں (اپنی قوم اور قبیلہ کی) بے حد مدح اور ان پر فخر مذکور ہے۔ (المنجد العربی الاعلام ص ۲۸۱ کالم نمبر ۱)

معلقات: یہ عہد جاہلیت کے مشہور شعرا کے سات قصیدے ہیں (جو بیت اللہ کی دیوار کے ساتھ آویزاں رہتے تھے) ان قصائد کو ''جمهرة اشعار العرب'' (عرب اشعار کے مجموعہ) میں ''اول درجے'' کے اشعار میں شمار کیا گیا ہے۔ ان قصائد کے شعرا کے نام یہ ہیں امرء القیس، طرفہ بن العبد، زہیر بن ابی سلمی، لبید بن ربیعہ، عمرو بن کلثوم، حارث بن حلزہ اور عنترہ بن شداد'' (المنجد العربی الاعلام ص ۵۳۷ کالم نمبر ۳) نسیم

فصحوت عنها بعد حب داخل والحب تشربه فؤادك داءٌ

ترجمہ:...... میں (دل میں رچ بس جانے والی اور) پیوست ہوجانے والی محبت کے بعد (بڑی مشکل سے) اس (محبوبہ کے عشق) سے ہوش میں آیا (یہ) محبت جو وہ تیرے دل کو پلاتی ہے (ایک) بیماری (اور روگ) ہے (جو رفتہ رفتہ تجھے گھلا گھلا کر ختم کر دے گا)۔ (تفسیر قرطبی ج۲ ص۳۱)

خَالِصَةً:...... یہ عافیہ اور عاقبہ کی طرح مصدر ہے جس کا معنی ''خلوص'' ہے یعنی (جنت، اے یہود!) خاص تمہارے لیے ہے، جس میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ (خلوص، خالص اور کھرے ہونے کو کہتے ہیں یعنی جنت خالص ان کے لیے ہے۔ نسیم) اَحْرَصَ: یہ ''حرص'' سے۔ جو کسی شے کی شدید رغبت کو کہتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے: احرص علی ماینفعك یعنی ''اس بات کی شدید رغبت کرو جو تجھ کو فائدہ دے''۔ بِمُزَحْزِحِهٖ: یہ "زحزحة" سے ہے۔ اس کا معنی ہے دور کرنا، ہٹانا اور ایک طرف کرنا۔ (اسی معنی میں) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ (آل عمران۔۱۸۵) ''تو جو شخص آتش جہنم سے دور رکھا گیا۔''

یعنی اس سے ہٹا دیا گیا۔ شاعر کہتا ہے:

خليلي ما بال الدجى لا يزحزح وما بال ضوء الصبح لا يتوفح

ترجمہ:...... ''اے میرے دوستو! شب کی تاریکی کو کیا ہوا کہ چھٹتی نہیں اور صبح کی روشنی کو کیا ہوا کہ پھوٹتی نہیں۔'' (الفتوحات الالٰهية ج۱ ص ۸۲)

سببِ نزول:...... روایت میں آتا ہے کہ یہود نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ ''ہر ایک نبی علیہ السلام کے پاس اس کے رب کی طرف سے ایک فرشتہ رسالت اور وحی لے کر آتا ہے تو آپ ﷺ کا (وحی لے کر آنے والا فرشتہ) ساتھی کون ہے تاکہ ہم آپ کی اتباع کریں؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ''(وہ) جبرائیل علیہ السلام (ہیں)۔''

(یہ سن کر وہ) کہنے لگے: ''(اگر تو) یہ وہی فرشتہ ہے جو جنگ اور قتال کا حکم (خدا کی طرف سے) لے کر اترتا ہے (تو) یہ (تو) ہمارا دشمن ہے۔ اگر آپ ﷺ (اس) میکائیل علیہ السلام کا نام لیتے جو بارش اور رحمت لے کر اترتا ہے تو ہم آپ ﷺ کی اتباع کرتے۔''

اس پر رب تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

قُلۡ مَنۡ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبۡرِيۡلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلۡبِكَ...... [1] (ترمذی)

تفسیر: وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِيۡثَاقَكُمۡ وَرَفَعۡنَا فَوۡقَكُمُ الطُّوۡرَ:...... یعنی اے بنی اسرائیل تم اس وقت کو بھی یاد کرو جب ہم نے تم سے تورات پر عمل پیرا ہونے کا پختہ عہد لیا تھا اور ہم نے یہ کہتے ہوئے کوہ طور کو تمہارے سروں پر اٹھا کھڑا کر دیا تھا کہ خُذُوۡا مَآ اٰتَيۡنٰكُمۡ بِقُوَّةٍ: (کہ جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے) اس کو پختہ عزم اور حزم و احتیاط سے تھام لو و گرنہ ہم (اس) پہاڑ کو تمہارے اوپر ڈھا دیں گے۔ وَاسۡمَعُوۡا: اور طاعت اور ماننے والا سنو (نافرمانی والا سننا نہ سنو) قَالُوۡا سَمِعۡنَا وَعَصَيۡنَا: (تو ان کے بڑے کہنے لگے کہ) ہم نے آپ کی بات (تو) سن لی مگر آپ کے حکم کی نافرمانی کی۔ وَاُشۡرِبُوۡا فِىۡ قُلُوۡبِهِمُ الۡعِجۡلَ: یعنی بچھڑے کی محبت ان کے دلوں میں خلط ملط ہوگئی (اور رچ بس گئی) اور وہ ان کے سودائے قلب میں سرایت کر گئی، مراد یہ ہے کہ بچھڑے کی پرستش کی محبت ان کے خون میں مل گئی اور ان کے دلوں میں (اس طرح) سرایت کر گئی جس طرح رنگ کپڑے میں سرایت کر جاتا ہے اور پانی بدن میں داخل ہو جاتا ہے (کہ پھر بعد میں رنگ کو کپڑے سے جدا کرنا ممکن نہیں رہتا اور بدن کے مساموں میں جذب ہونے والے پانی کو نکالنا ناممکن ہوتا ہے۔ بِكُفۡرِهِمۡ: یعنی (انہیں بچھڑے کی پرستش سے یہ اندھی محبت) اپنے کفر کے سبب (تھی)۔ قُلۡ بِئۡسَمَا يَاۡمُرُكُمۡ بِهٖۤ اِيۡمَانُكُمۡ: یعنی آپ ﷺ ان (یہود) کو مذاق کے طور پر ارشاد فرمائیے کہ (تمہارا) یہ ایمان کتنا برا ہے جو تمہیں بچھڑے کی پرستش کا حکم دیتا ہے۔ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ: یعنی اگر تم (اپنے تئیں دلوں میں) ایمان (رکھنے) کا گمان کرتے ہو تو تمہارا یہ عمل اور کرتوت برا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم (سرے سے) مومن ہی نہیں ہو کیوں کہ ایمان بچھڑے کی عبادت کا حکم نہیں دیتا۔

---

[1] اس کی تفصیل کے لیے دیکھیں ''تفسیر قرطبی ج ۲ ص ۳۶''۔ ''مولف''

یہودی موت کی تمنا کیوں نہیں کرتے

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ:......یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ ان سے کہہ دیجیے کہ اگر جنت تمہارے گمان کے مطابق صرف تمہارے لیے ہے جس کی نعمتوں میں کوئی دوسرا تمہارے ساتھ شریک نہیں (تو) فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ: اس موت کی (ذرا) تمنا تو کر دکھلاؤ جو تمہیں (تمہاری اس بلاشرکت غیرے) جنت تک لے جائے کیوں کہ اس دنیا کی نعمتوں کا آخرت کی نعمتوں کے ساتھ جب موازنہ کیا جاتا ہے تو ان کی کوئی حیثیت سامنے نہیں آتی اور جسے پختہ یقین ہو کہ میں جنتی ہوں اسے تو جنت کی آرزو (ضرور) کرنی چاہیے۔ رب تعالیٰ ان (یہود نامسعود) کے اس جھوٹے دعوے پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ: یعنی یہ لوگ جب تک زندہ ہیں موت کی تمنا کبھی نہ کریں گے کیوں کہ ان لوگوں نے (کچھ ایسے) گناہوں اور جرائم کا ارتکاب کیا ہے (کہ موت کی تمنا انہیں مہنگی پڑے گی کیوں کہ وہ گناہ یہ لوگ آخرت میں بھیج چکے ہیں، جن کا انہیں جاتے ہی سامنا کرنا پڑے گا)۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ: یعنی رب تعالیٰ ان کے جرائم اور ظلم وستم کو خوب جانتے ہیں اور عنقریب انہیں ان کا بدلہ دیں گے۔

یہود دنیاوی زندگی کے حریص ہیں

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا:......یعنی (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ انہیں دنیا کی زندگی کا بے حد حریص اور لالچی دیکھیں گے حتیٰ کہ یہ لوگ مشرکوں سے بھی دو قدم آگے دنیا کی زندگی کے حریص ہیں کیوں کہ یہ لوگ جانتے ہیں کہ اپنے جرائم کی وجہ سے یہ لوگ (دن بدن) جہنم کی طرف بڑھتے چلے جارہے ہیں (اس لیے جتنے دن دنیا میں گذار لیں گے بچت رہے گی اور جیسے ہی مریں گے سیدھے جہنم میں جھونک دیے جائیں گے)۔ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ: یعنی ان میں سے ہر ایک ہزار برس تک جینا چاہتا ہے۔ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ: یعنی انہیں جتنی زندگی بھی دے دی جائے، خواہ وہ جتنی بھی طویل ہو جائے وہ انہیں نہ تو عذاب خداوندی سے دور کرنے والی ہے اور نہ ہی بچانے والی ہے (کہ زندگی جتنی لمبی بھی ہو بالآخر موت ہے، پھر عذاب ہے)۔ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ: یعنی رب تعالیٰ کو ان کے اعمال کی (پوری پوری) اطلاع ہے چنانچہ ان پر انہیں بدلہ (کے طور پر عذاب) دے گا۔

فرشتوں اور رسولوں سے عداوت گویا اللہ سے عداوت ہے

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ:......یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ ان سے کہہ دیجیے کہ جو حضرت جبرائیل علیہ السلام سے عداوت رکھتا ہے تو وہ (درحقیقت) رب تعالیٰ سے عداوت رکھتا ہے کیوں کہ رب تعالیٰ نے انہیں اپنے اور اپنے پیغمبروں کے بیچ میں (رسالت پہنچانے کے لیے) واسطہ بنایا ہے پس جو ان سے عداوت کرے گا وہ خدا سے عداوت کرے گا۔ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ: یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! جبرائیل امین علیہ السلام نے یہ قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر رب تعالیٰ کے حکم سے اتارا ہے۔ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ: یعنی یہ قرآن گذشتہ آسمانی کتابوں کی بھی تصدیق کرتا ہے۔ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ: یعنی اس میں (ایک تو ہر ایک کے لیے) کامل ہدایت (کا پورا پورا سامان ہے) اور (دوسرے اس میں) اہل ایمان کے لیے مسرور کر دینے والی جنت کی نعمتوں کی خوشخبری بھی ہے۔ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ: یعنی جو اللہ، اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں سے عداوت رکھتا ہے تو وہ ''جبرائیل اور میکائیل'' سے تو (اور بھی زیادہ اور) خصوصی عداوت رکھتا ہوگا۔ چنانچہ خدا کا وہ دشمن کافر ہے۔ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ: کیوں کہ جو شخص خدا کے اولیا میں سے کسی سے عداوت رکھتا ہے رب تعالیٰ اس سے بغض اور عداوت رکھتا ہے۔ اس ارشاد میں شدید وعید اور سخت دھمکی ہے۔

بلاغت: وَاُشْرِبُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ:......اس میں ''استعارہ مکنیہ'' ہے۔ اس میں بچھڑے کی عبادت کو ایک لذیذ اور خوشگوار مشروب سے تشبیہ دی گئی ہے اور ''مشبہ'' (یعنی مشروب) کو ذکر کرنے کے بجائے اس کے ایک لازم ''پلانے'' کو استعارہ مکنیہ کے طور پر ذکر کر کے اس کی

طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ تلخیص البیان میں ہے کہ ''یہ استعارہ ہے اور اس سے مراد ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت بیان کرنے میں مبالغہ ہے گویا کہ ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت کو (رفتہ رفتہ چسکیاں لگا لگا کر پی کے) جذب کر لیا اور وہ محبت ان کے دلوں میں یوں گھل گئی جیسے کوئی شے مشروب میں گھل جاتی ہے اور وہ یوں مل گئی جیسے کوئی لذیذ شے مشروب میں مل جاتی ہے۔'' (تلخیص البیان للشریف ص۹۹)

قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ:...... امر کی ایمان کی طرف اسناد (اور نسبت) ان کا مذاق اڑانے کے لیے ہے جیسا کہ یہاں ارشاد خداوندی ہے:

اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ (سورہ ھود، ۸۷) ترجمہ:...... ''(قوم شعیب نے کہا، کہ اے شعیب!) کیا تمہاری نماز تمہیں یہ سکھاتی ہے؟''

اسی طرح ایمان کی ان کی طرف نسبت کرنے میں (بھی) ان کا مذاق اڑانا ہے۔ (علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ نے یوں ہی کہا ہے)۔

عَلٰى حَيٰوةٍ:...... اس میں ''حیاۃ'' نکرہ ہے اور اس میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ اس سے ایک مخصوص حیات مراد ہے اور یہ وہ ''لمبی زندگی'' ہے جس میں ایک شخص ہزاروں برس جیتا ہے۔ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ: یہ جملہ ''جواب شرط''[1] (یعنی جزا) ہے اور ان کی اور زیادہ برائی بیان کرنے کے لیے جملہ اسمیہ کی صورت میں لایا گیا کیوں کہ جملہ اسمیہ (معنی کے) ثبات (ودوام اور استمرار) کا فائدہ دیتا ہے (یعنی اگر یہ فرشتوں سے اور خصوصاً حضرت جبرائیل علیہ السلام سے عداوت رکھیں گے تو خدا ہمیشہ ان کا دشمن رہے گا۔ نسیم) دوسرے یہاں عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ: میں ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لایا گیا اور عدولھم نہیں کہا گیا تا کہ ان کی صفت کفر کو ان پر لکھ دیا جائے (قلم بند کر دیا جائے اور ان کی اس صفت کو مشہور کر دیا جائے) اور یہ بتلایا جائے کہ یہ لوگ فرشتوں کے ساتھ عداوت کرنے کی وجہ سے کافر بن چکے ہیں۔ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ: ان کو فرشتوں کے ذکر کرنے کے بعد ذکر کیا، یہ عام کے ذکر کے بعد خاص کو ذکر کرنے کے باب سے ہے اور اس میں اس خاص کی تعظیم و توقیر مقصود ہوتی ہے (کہ اگرچہ یہ مابعد کا مذکور، ماقبل میں داخل ہے لیکن اس کا مرتبہ و مقام باقی دوسروں سے خاص ہے فقط واللہ اعلم۔ نسیم)

فوائد: پہلا فائدہ: وَّاسْمَعُوْا:...... (تورات کا حکم یا تورات کے احکام لو بھی اور خوب غور سے سنو بھی) کہ یہاں سماع سے مراد محض کسی بات کا ادراک نہیں بلکہ تورات کی مذکورہ باتوں کو غور و تدبر اور اطاعت و فرمانبرداری کے ساتھ سننا مراد ہے اور یہ جملہ (یعنی وَاسْمَعُوْا) خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ (جو تورات ہم نے تم کو دی ہے اس کو مضبوطی سے تھام لو) کی مزید تاکید اور تقریر ہے۔

دوسرا فائدہ: نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ:...... اس میں خاص دل کو ذکر کیا کیوں کہ علم و عقل اور معارف (وحقائق) کو لینے کا مقام یہی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ (سورۃ الحج، آیت ۴۶)

ترجمہ:...... (کیا یہ زمین میں چلتے پھرتے نہیں تا کہ) ان کے دل (ایسے) ہوتے (کہ) ان سے سمجھ سکتے۔

تیسرا فائدہ: وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا:...... یہاں لفظ ''لن'' کے ذریعے یہود کے موت کی تمنا کی نفی کی گئی ہے جب کہ سورۂ جمعہ میں اسی بات کی نفی ''لا'' کے ذریعے کی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًا (سورۃ الجمعۃ، ۷) ''اور یہ ہرگز موت کی آرزو نہ کریں گے۔''

اس میں حکمت یہ ہے کہ لفظ ''لن'' کے ذریعے حال اور مستقبل دونوں زمانوں کی نفی کی جاتی ہے (اس لیے اس کی نفی کو ''نفی مؤکد'' کہتے ہیں) جب کہ ''لا'' کے ذریعے فقط زمانہ مستقبل کی نفی کی جاتی ہے۔ (اب اس کی تطبیق ملاحظہ کیجیے کہ) یہاں (سورۃ البقرہ میں) ان کا دعویٰ (سورۂ جمعہ میں مذکورہ) وہاں کے دعویٰ سے زیادہ بڑا ہے کہ یہاں ان کا دعویٰ ہے کہ جنت فقط ان کی ہے اور کسی کی نہیں اور وہاں فقط رب کے برگزیدہ بندے ہونے کا دعویٰ ہے۔

---

[1] شرط یہ دوسری بات کو پہلی بات کے ہونے پر موقوف کرنے کا نام ہے۔ اس میں پہلی بات کو شرط اور دوسری بات کو مشروط، جواب شرط اور جزا کہتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں ہمیشہ جملوں کی صورت میں ہوتی ہیں، جن کی تفصیل، مثبت، منفی، ماضی، مضارع خبر وانشا وغیرہ ہونے کے اعتبار سے بڑی طویل ہے۔ اس کی تفصیل کے لیے دیکھیں ''ھدایۃ النحو'' وغیرہ۔ نسیم

اب سورۂ بقرہ میں مذکورہ، دعویٰ زیادہ بڑا تھا تو اس کی نفی بھی تاکید کے ساتھ لائی گئی اور سورہ جمعہ میں مذکورہ دعویٰ چھوٹا تھا (اور یہ بھی پہلے دعوے کی نسبت ہے ورنہ دعویٰ یہ بھی بڑی دھڑلے کا ہے) اس لیے اس کی نفی، عام نفی سے کی گئی۔ فقط[1] (الصاوی علی الجلالین ج۱ ص ۴۹)

چوتھا فائدہ:...... (یہود کی موت کی آرزو نہ کرنے کو بتلانے والی) یہ آیت کریمہ ایک معجزہ ہے کیوں کہ یہ غیب کی ایک خبر اور واقعہ یوں ہی ہے جیسا کہ اس کی خبر دی گئی ہے۔ ویسے تو اس معجزے کے ثابت ہونے کے لیے نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک کے یہودیوں کا موت کی آرزو نہ کرنا ہی کافی ہے۔[2] حدیث شریف میں آتا ہے کہ، "اگر یہود موت کی تمنا کر لیتے تو (اسی وقت فوراً) مرجاتے اور جہنم میں اپنے اپنے ٹھکانے دیکھ لیتے"۔ (تفسیر قرطبی ج۲ ص ۳۳)

رسول اللہ ﷺ کو تسلی: وعدہ خلافی، رسولوں کو جھٹلانا، جادو ٹونہ کرنا یہود کی عادت ہے

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُھُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَمَّا جَآءَھُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَھُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ڎ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّھُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰي مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۚ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَي الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ ھَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا ھُمْ بِضَاۗرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّھُمْ وَلَا يَنْفَعُھُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ڜ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَھُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَوْ اَنَّھُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ ع ۱۲

ترجمہ:...... اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے آپ کی طرف واضح دلیلیں نازل کی ہیں، اور اُن کا انکار وہی لوگ کرتے ہیں جو حکم عدولی کرنے والے ہیں۔ ﴿۹۹﴾ کیا جب کبھی بھی اُنہوں نے عہد کیا اس عہد کو ان میں سے ایک جماعت نے پھینک دیا بلکہ اُن میں سے اکثر ایمان نہیں لائیں گے۔ ﴿۱۰۰﴾ جب اُن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول آیا جو تصدیق کرنے والا ہے اُس کتاب کی جو اُن کے پاس ہے تو جن کو کتاب دی گئی تھی ان میں سے ایک جماعت نے اللہ کی کتاب کو پسِ پُشت ڈال دیا گویا کہ وہ جانتے ہی نہیں ہیں۔ ﴿۱۰۱﴾ اور انہوں نے اِس چیز کا اتباع کیا جسے سلیمان کے عہدِ حکومت میں شیاطین پڑھتے تھے اور نہیں کفر کیا سلیمان نے لیکن شیاطین نے کفر اختیار کیا، وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور انہوں نے اس کا بھی اتباع کیا جو نازل ہوا دو فرشتوں پر بابل میں، یہ دو فرشتے ہاروت اور ماروت تھے اور یہ دونوں نہیں سکھاتے تھے کسی کو جب تک یوں نہ کہہ دیتے کہ ہمارا وجود ایک فتنہ ہے لہٰذا تو کفر اختیار نہ کر، پس یہ لوگ اُن سے وہ چیز سیکھ لیتے تھے جس کے ذریعہ مَرد اور اُس کی بیوی کے درمیان

---

[1] تفسیر کی عبارت خالص فنی اور بے خدا اختصار کے ساتھ تھی بندہ عاجز نے اس کو صرف مرتب اور واضح کیا ہے اور خالص نحوی اصطلاحات کو عام فہم الفاظ میں بیان کر کے عبارت کی تطبیق بتلائی ہے۔ واللہ اعلم۔ "نسیم"۔ [2] لیکن اس معجزہ کا اور بھی زیادہ روشن پہلو یہ ہے کہ انہوں نے آج تک موت کی تمنا نہیں کی البتہ موت انہیں نوچ نوچ کر ختم کرتی رہتی ہے۔ آج بھی موت سے سب سے زیادہ خائف قوم یہود ہی ہے۔ اسرائیل کے یہودی اس کی سب سے بڑی مثال ہیں۔ نسیم

جدائی کردیتے تھے اور وہ لوگ اس کے ذریعے کسی کو کچھ بھی کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے مگر اللہ کے حکم سے، اور وہ لوگ وہ چیز سیکھتے ہیں جو اُن کو ضرر دینے والی ہے اور نفع دینے والی نہیں اور البتہ تحقیق اُنہوں نے یہ بات جان لی کہ جس نے اس کو خریدا ہے اُس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور بے شک وہ بری چیز ہے جس کے ذریعے انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ دیا، اگر وہ جانتے ہوتے، (۱۰۲) اور اگر وہ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا ثواب بہتر تھا اگر وہ جانتے ہوتے۔ (۱۰۳)

مناسبت:...... جب رب تعالیٰ نے یہود کی جبلی اور فطری خباثتوں کو ذکر کیا مثلاً درونی خباثت، عہدوں کا توڑنا، رب تعالیٰ کے رسولوں کو جھٹلانا، اس کے اولیا سے عداوت رکھنا، اور تو اور رب تعالیٰ کے اس فرشتے حضرت جبرائیل امین علیہ السلام تک سے عداوت رکھنا جو خدا کے اور اس کی مخلوق کے درمیان سفیر ہے۔ تو اس کے بعد رب تعالیٰ نے اس بات کو بیان کیا کہ عہدوں کو پورا نہ کرنا، رسولوں کو جھٹلانا، اور گمراہی اور جادو ٹونوں کی راہ پر چلنا ان یہود کی عادت ہے، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تسلی ہے کیوں کہ ان (بدبخت) لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بھی یہی رویہ اپنائے رکھا۔ چنانچہ ان کی کتابوں میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی جو بشارت مذکور تھی، اس کو نہ لیا نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آئے اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کی (حالاں کہ تورات نے یہ تینوں باتیں ان پر لازم کیں تھیں)۔ ان لوگوں نے خدا کی کتاب کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا اور ان باتوں جادو، ٹونوں کے پیچھے لگ گئے جو سجھاتے تو انہیں شیاطین تھے لیکن یہ لوگ ان باتوں کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کردیتے جب کہ وہ ان جادو ٹونوں سے بالکل بری تھے، تو جب سب نبیوں کے ساتھ ان (کوزبختوں) کا یہ حال ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان پر زیادہ غم نہ کھایئے"۔

لغت: نَبَذَ...... یہ نَبَذٌ سے ہے جس کا معنی پھینکنا اور ڈال دینا ہے اسی معنی میں ہونے کی وجہ سے لقیط (راستے میں پڑے ہوئے نومولود بچے جس کے باپ کا نام معلوم نہ ہو یا راستے سے اٹھائے ہوئے بچے) کو "منبوذ" کہتے ہیں کیوں کہ اس کو راہ میں ڈال دیا جاتا ہے۔ شاعر کہتا ہے:

ان الذین امرتھم ان یعدلوا　　　نبذوا کتابک واستحلوا المحرما

"جن لوگوں کو تم نے انصاف کرنے کا حکم دیا ہے یہ تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے تیری کتاب (یعنی تیرے پیغام) کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا اور حرام باتوں کو (ناجائز طور پر اپنے لیے) حلال کرلیا"۔ (تفسیر قرطبی ج۲ ص۴۰)

تَتْلُوا...... یا یہ اس تلاوت سے ہے جس کا معنی قرأت یعنی پڑھنا ہے یعنی وہ (شیاطین ان جادو ٹونوں کو) بیان کیا کرتے اور روایت کیا کرتے اور یا یہ اس تلاوت سے ہے جس کا معنی اتباع کرنا ہے۔ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "جب کوئی یہ کہے: ھو یتلو کذا تو کلام عرب میں اس کے دو معانی ہیں، ایک "اتباع کرنا" جیسے کہ تو کہے: تلوت فلانا "میں فلاں کے پیچھے چلا" اور "اس کے قدموں کی پیروی کی" اور دوسرا معنی درس و قرأت ہے (یعنی تعلیم حاصل کرنا اور پڑھنا) جیسا کہ تیرا کہنا: فلان یتلو القرآن یعنی وہ قرآن پڑھتا ہے"۔ (تفسیر طبری ج۲ ص۴۰۷)

السِّحْرَ:...... علامہ جوہری[۱] رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ہر وہ شے جس کا ماخذ لطیف و دقیق ہو وہ "سحر" ہے اور اس کا معنی دھوکہ دینا بھی ہوتا ہے"۔

(الصحاح للجوھری، تفسیر طبری ج۲ ص۴۰۷)

---

[۱] یہ مشہور لغوی صاحب معجم ترکی النسل ابو نصر اسماعیل بن حماد جوہری فرابی ہیں جو فاراب کے صوبے (یا شہر) میں پیدا ہوئے جو دریائے سیحون کے شرق میں تھا جیسے ابو الفدا اور یاقوت حموی کے دور میں "اترار" یا "اطرار" کہا جاتا تھا۔

نیشا پور میں تعلیم حاصل کی۔ بغداد، عراق، شام، حجاز، دامغان اور خراسان وغیرہ شہروں کے سفر کیے، دل کے عارضہ میں مبتلا ہوئے جس سے گھر کی چھت سے خود کو گرا کر ہلاک ہو گئے۔ ولادت ۳۳۲ھ میں اور وفات ۳۹۲ھ، ۳۹۸ھ یا ۴۰۰ھ میں ہوئی۔

الصحاح" یا "تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ" ان کی مشہور زمانہ معجم ہے جو دستان قافیہ میں شمار ہوتی ہے اس میں کلمات کے آخری حروف کو شعرا اور نثر نگاروں کی قافیہ اور سجع کی ضرورت کے لحاظ سے ترتیب دیا گیا ہے اس میں انہوں نے اپنے ماموں ابو اسحاق یا ابو نصر بن ابراہیم فارابی کے "دیوان الادب" (فی اللغۃ) کی پیروی کی ہے۔

"مقدمہ القاموس الوحید ص ۷، ۲، ۵۱" اور "المنجد العربی الاعلام ص ۲۰۸" کالم نمبر ۱۔ ۲

علامہ جوھری رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کی مشہور زمانہ لغت "تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ" کے تفصیلی تعارف کے لیے دیکھیں مقدمہ القاموس الوحید ص ۵۱ تا ۵۷۔ "نسیم"

حدیث شریف میں آتا ہے:

اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا ترجمہ:..... "بعض بیان جادو ہوتے ہیں" (یعنی ان میں جادو کی سی تاثیر ہوتی ہے)۔

فِتْنَةٌ :..... یہ آزمانے اور امتحان لینے کو کہتے ہیں، اسی معنی میں عربوں کا قول ہے: فَتَنْتُ الذَّهَبَ "میں نے سونے کو پرکھا" یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب اس کے کھوٹے کھرے اور ملاوٹ وغیرہ کو جاننے کے لیے اس کو آگ میں ڈالا جاتا ہے۔ خَلَاقٍ: یہ "حصہ" کو کہتے ہیں، زجاج کہتے ہیں" یہ خیر کے حصہ وافر کو کہتے ہیں" اس کا زیادہ تر استعمال خیر میں ہوتا ہے۔ مَثُوْبَةٌ : یہ ثواب اور جزا کو کہتے ہیں۔

سببِ نزول:..... جب نبی کریم ﷺ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو رسولوں میں (شمار کر کے) ذکر فرمایا تو بعض یہودی عالم کہنے لگے:" (لوگو!) کیا تمہیں محمد (ﷺ) پر تعجب نہیں ہوتا کہ یہ ابن داؤد علیہ السلام کو نبی سمجھتے ہیں! خدا کی قسم! وہ نرے جادوگر تھے" اس پر رب تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ (زاد المسیر ۱؍ج ص ۱۲۰۔ تفسیر قرطبی ۲؍ج ص ۴۱)

تفسیر: وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ:..... یعنی اے محمد! خدا کی قسم! ہم نے آپ پر واضح نشانیاں اتاری ہیں جو آپ کی نبوت پر دلالت کرتی ہیں۔ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ: اور ان آیات کا وہی انکار کرتا ہے اور انہیں وہی جھٹلاتا ہے جو (اللہ اور اس کے رسول کی) اطاعت سے نکلے ہوئے ہیں اور کفر پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ: یعنی کیا یہ ان آیات سے کفر کرتے ہیں جو بے حد واضح اور روشن ہیں اور کیا جب بھی ان سے عہد لیا جاتا ہے تو ان میں سے ایک جماعت اس عہد کو توڑ دیتی ہے؟ (یہ استفہام انکار اور سرزنش کے لیے ہے) بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ: بلکہ اکثر یہودی اس تورات پر سچا اور پختہ ایمان نہیں لاتے اور اس کے عہدوں کو توڑ ڈالتے ہیں۔

یہود کا رسولوں اور آسمانی کتابوں کو جھٹلانا

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ :..... (اور جب ان کے پاس خدا کی طرف سے پیغمبر آئے) یہ حضرت محمد ﷺ ہیں۔ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ : جو تورات کی بھی تصدیق کرتے ہیں اور اصولِ دین میں تورات کے موافق ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو اور زیادہ پکا کرنے والے ہیں۔ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ :(تو ان کی ایک جماعت) یعنی ان کے تورات کے علما و مشائخ نے تورات کو پھینک دیا اور اس سے بالکل اعراض کر لیا کیوں کہ یہ جناب محمد ﷺ کی نبوت پر دلالت کرتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس کا انکار کر دیا اور آپ ﷺ کی نبوت کے انکار پر ڈٹے رہے۔ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ: یعنی گویا کہ وہ آپ ﷺ کی نبوت کے دلائل میں سے کچھ بھی نہیں جانتے۔ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ : یعنی ان لوگوں نے جادو اور ٹونوں کے ان طریقوں کی پیروی کی جو انہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہدِ سلطنت میں شیاطین نے بتلائے۔ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ : یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام نہ تو جادوگر تھے اور نہ ہی جادو سیکھنے کی وجہ سے کافر ہوئے۔ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ: یعنی (حضرت سلیمان علیہ السلام نے تو ایسا نہ کیا) بلکہ یہ شیاطین ہی تھے جنہوں نے لوگوں کو جادو سکھایا حتیٰ کہ لوگوں میں جادو پھیل گیا۔ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ: یعنی جس طرح ان یہودیوں نے جادو کی پیروی کی اسی طرح ان باتوں کی بھی پیروی کی جو دو فرشتوں پر اتریں، یہ دو فرشتے تھے (جن کے نام) ہاروت اور ماروت (تھے) جوارضِ کوفہ میں مملکت [1] بابل میں تھے۔

---

[1] بابل: یہ شرق قدیم کا سب سے بڑا اور سب سے مشہور شہر ہے جس کے کھنڈرات حِلّہ کے قریب شرقی بغداد میں فرات کے کنارے ہیں۔ دو ہزار قبل مسیح میں اس میں، پہلی مملکت بابلیہ خوف پھیلی یہ سنہرا دور حمورابی کے عہد تک جاتا ہے۔ (۱۷۱۱۔۱۶۶۹ق م) پھر یہاں حشیون اور اشوریون نے غلبہ پالیا، یہاں سے دوسری بابلی حکومت کے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ ۶۲۶۔۵۳۹ق م تک کا دور ہے۔ اس دور میں سب سے مشہور بادشاہ بنوخذ نصر تھا۔ پھر ۱۶۸۹م میں سنجاریت اشوری نے اس کو تباہ کیا اور حدون خاندان نے اس کو دوبارہ تعمیر کیا۔ پھر ۵۲۹ق م میں ایرانی بادشاہ قورش نے اس پر قبضہ کر لیا اور ۳۳۱ق م میں اسکندر اعظم نے اس کو اپنا زیرِ فرمان کیا اور اسی بابل میں انتقال کر گیا۔ اس کے آثار میں "باب عشتار" اور نبوخذ صر کا شاہی محل ہے۔ (المنجد ۱۱ اعلام العربی ص ۱۰۰ کالم نمبر ۱) غ "باب اعشتار" کی تصویر کے لیے دیکھیں صفحہ ھذا کالم نمبر ۲ (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ)

رب تعالیٰ نے انہیں لوگوں کی آزمائش اور امتحان کے واسطے نازل فرمایا تھا۔ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ: یعنی یہ دو فرشتے اس وقت تک لوگوں میں سے کسی کو بھی جادو نہ سکھلاتے جب تک وہ اس کو نصیحت نہ کر لیتے اور یہ نہ کہہ دیتے کہ "یہ جو ہم تم کو بتلا رہے ہیں یہ تو رب تعالیٰ کی طرف سے امتحان وابتلا ہے تم اس کو (سیکھ کر اس کو کسی کو) نقصان پہنچانے میں استعمال نہ کرنا اور اس وجہ سے کافر مت ہونا اور جس نے یہ اس لیے سیکھا تا کہ لوگوں سے اس کا ضرر اور نقصان دور کرے وہ نجات پا گیا اور جس نے اس لیے جادو سیکھا کہ لوگوں کو اس کا نقصان پہنچائے وہ (راہ راست سے) بھٹک گیا اور ہلاک ہو گیا۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں: فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ: یعنی لوگ ان سے جادو کا وہ علم سیکھتے جو خاوند اور بیوی میں جدائی (ڈال دینے) کا سبب بن جاتا چنانچہ ان کی محبت ومودت اس جادو ٹونے کے بعد باہمی پھوٹ اور علیٰحدگی (اور نفرت) میں بدل جاتی۔ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ: یعنی یہ لوگ جو جادو استعمال کرتے تھے اس سے خدا کے حکم کے سوا کسی کا کچھ نہ بگاڑ سکتے تھے۔ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ: یعنی صورت حال کچھ یوں تھی کہ جو جادو منتر وہ سیکھتے تھے اس سے انہیں نقصان حاصل ہوتا نہ کہ نفع۔ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ: یعنی وہ یہود جنہوں نے کتاب خدا کو تو پیٹھ پیچھے پھینک دیا اور اس کے بدلے میں جادو سیکھا، جانتے تھے کہ ان کے لیے خدا کی رحمت اور اس کی جنت میں سے کوئی حصہ نہیں کیوں کہ ان لوگوں نے کتاب خدا پر جادو (سیکھنے وغیرہ) کو ترجیح دی ہے۔ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ: یعنی کاش کہ انہیں اس بات کا فہم وادراک ہوتا کہ جس چیز کے بدلے میں انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ دیا ہے وہ کتنی بری ہے۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا: یعنی اگر یہ جادو سیکھنے والے خدا پر ایمان لاتے اور اس کے عذاب سے ڈرتے۔ لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ: رب تعالیٰ انہیں وہ ثواب عطا فرماتا جو ان کے لیے اس جادو میں مشغول ہونے سے بہتر ہوتا جو ان ہلاکت، خسارہ اور بربادی بن کر ہی لوٹتا۔

بلاغت: رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ:...... یہاں لفظ "رسول" میں تنکیر، رسول کی عظمت بیان کرنے کے لیے ہے (یعنی تفخیم کے لیے ہے) اور رسول کی یہ صفت بیان کرنا کہ وہ خدا کی طرف سے آیا ہے اس میں رسول کی مزید تعظیم کا بیان ہے۔ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ: یہ ایک مثال ہے جو کسی شے سے اعراض کرنے (اور اس سے منہ پھیرنے) کے لیے بیان کی جاتی ہے، عرب کہتے ہیں: جعل هذا الامر وراء ظهره "یعنی" اس نے اس بات سے منہ موڑ لیا" کیوں کہ جو شے پیٹھ کی طرف کر لی جائے اس کی طرف نہیں دیکھا جا سکتا۔ یہ تورات سے بالکل منہ موڑ لینے اور اس سے اعراض کرنے سے کنایہ ہے۔[1] لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ: یہ فنون بلاغہ کا ایک معروف اسلوب ہے کہ جب کوئی شخص اپنے علم کے مطابق اور کسی شے کے حکم کو جاننے والا، اس حکم پر عمل نہ کرے تو اس کو اس شے سے "جاہل" (اور ناواقف) شخص کے بمنزلہ قرار دیا جاتا ہے اور اس سے اس شے کے علم کی نفی اسی طرح کی جاتی ہے جس طرح اس شے کو (سرے سے) نہ جاننے والوں سے کی جاتی ہے۔ مَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ: ("خدا کے ہاں سے بہت اچھا صلہ ملتا" یہ شرط کی جزا ہے۔) اس کو "فعلیہ" کے بجائے "جملہ اسمیہ" بنا کر لایا گیا ہے تا کہ یہ ثبوت اور استقرار[2] پر دلالت کرے۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)...... "بابل جس قدیم ملک کا نام ہے یہ موجودہ نقشہ میں عراق عرب کہلاتا ہے ملک کے پایہ تخت کا بھی یہی نام تھا۔ یہ دریائے فرات کے کنارے تھا اور موجودہ بغداد سے کوئی ساٹھ میل سمت جنوب میں حلہ کی آبادی کے قریب تھا۔ میلوں رقبہ پر پھیلا بڑا شہر تھا۔ اپنے عروج کے زمانہ میں بڑا سرسبز، شاداب، خوشحال اور مہذب ومتمدن رہ چکا ہے۔ نہروں، پانی کی نلوں، شاہی قصر وایوان، زبردست قلعوں کے آثار اب بھی موجود ہیں۔ ان سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ ملک میں فنی انجینئروں کی کمی نہ تھی۔ دو مشہور دریا دجلہ وفرات اس کو سیراب کرتے تھے۔ یہ زمانہ اندازاً ۳۰۰۰ ق م کا ہے، ملک میں عملیات سفلی اور جنتر منتری کا زور تھا جس کو انگریزی میں OCCULT SCIENCES (علم نیرنجات) کہتے ہیں، اسی ملک کا دوسرا قدیم نام کالڈیا (دوسرانیہ) ہے۔ اور اثارین میں آج کالڈین کا لفظ جادو کا مترادف سمجھا جاتا ہے۔ بائبل، دانیال، مکاشفہ وغیرہ میں ان یہود کا پہلا جرم سحر کاری لکھا ہے۔" (تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۲۰۳۔ ۲۰۴ ملخصاً) نسیم

(حاشیہ صفحہ ہذا)...... [1] "وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اہل کتاب نے کتاب الٰہی یعنی تورات کو سچ مچ پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا بلکہ اس سے مراد بے التفاتی ہے۔ یہ عرب کا محاورہ ہے کہ جس چیز کی طرف کوئی متوجہ نہیں ہوتا تو کہتے ہیں کہ اس نے اس کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا"۔ (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۲۳۲ کالم نمبر ۲) "نسیم" [2] ثبوت، یہ جمنے، ٹھہرنے، قائم رہنے اور ثابت ومحقق ہونے کو کہتے ہیں اور استقرار ٹھہراؤ اور استحکام کو کہتے ہیں۔ یعنی خدا پر ایمان لانے والوں اور اس سے ڈرنے والوں کو ایسا اجر و ثواب ملے گا جو نہ ٹلے گا اور نہ ختم ہو گا بلکہ ثابت ومستحکم ہو گا۔ واللہ اعلم۔ ثبوت واستقرار کے معانی کے لیے دیکھیں۔ "القاموس الوحید ص ۲۱۰، ۱۲۹۵" نسیم

فائدہ:......فرشتوں کے انسانوں کو سحر سکھلانے کی حکمت یہ ہے کہ اس زمانہ میں جادوگروں کی بہتات تھی اور ان لوگوں نے جادو سے بڑے انوکھے انوکھے فنون ایجاد کر لیے تھے اور بسا اوقات وہ لوگ (اپنی اس مہارت پر دھوکہ کھاتے ہوئے) اپنے تئیں انبیا ہونے کا گمان کرنے لگتے۔ چنانچہ رب تعالیٰ نے ان دو فرشتوں کو بھیجا کہ یہ لوگوں کو جادو کی اقسام سکھلائیں تا کہ وہ معجزہ اور جادو میں فرق کر سکیں (اور جان لیں کہ یہ جادوگر، جادوگر ہیں نہ کہ انبیا) اور جان لیں کہ نبوت کے یہ مدعی جھوٹے ہیں یہ تو جادوگر ہی ہیں نہ کہ انبیا۔ [۱]

---

[۱] سحر کا زمانہ، ساحر قوم اور اس کے محل وقوع کی تحقیق:......رسالت سے صدیوں قبل یہود دو حصوں میں بٹ گئے۔ ایک وہ لوگ تھے جو بخت نصر کے ہاتھوں تباہ ہو کر بابل یا ندانیہ آ کر آباد ہو گئے، دوسرے وہ جو عرصہ دراز کے بعد پھر فلسطین آ کر آباد ہوئے ان آیات میں اس راز سے پردہ اٹھایا گیا ہے کہ آپ ﷺ کے معاصر یہودی فلسطینی و بابلی دونوں قسم کے رذائل اور خباثتوں کے جامع ہیں۔ (تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۲۰۲)

یہ بخت نصر کے عہد کا قصہ ہے کہ اس عہد میں یہ لوگ جب بابل میں گئے تو وہاں ہاروت ماروت کا چرچا سنا تو ان سے جادو سیکھنے کے سر ہو گئے (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۲۳۳ کالم نمبر ۲) اس سے قبل سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں بھی جادو سیکھتے رہے اور اس جادو کی آپ علیہ السلام پر تہمت لگائی جس سے وہ بری تھے۔ (حوالا بالا)

حضرت سلیمان علیہ السلام کا عہد ۹۹۰ ق م تا ۹۳۰ ق م تھا۔ (تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۱۹۹)

سحر و کہانت میں یہود کی مہارت تامہ تاریخ میں مسلم چلی آ رہی ہے، ان کی کتابوں میں اس کا ذکر برابر چلا آ رہا ہے۔ قرآن نے فقط اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ آکسفورڈ یونیورسٹی کا یہود النسل پروفیسر مارگولیس اسلام دشمنی کے باوجود لکھتا ہے کہ ''یہ لوگ فن سحر کے ماہر تھے اور بجائے میدان جنگ میں آنے کے سفلی عملیات کو ترجیح دیتے تھے۔'' (انگریزی سیرت رسول ص ۱۸۹ بحوالہ تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۱۹۷۔ ۱۹۸)

جن یہودیوں کی بارے میں یہ آیات ہیں ان کی خصلت، عادات اور محل وقوع اور عہد کی وضاحت کے بعد ان آیات کی تفسیر سمجھنے کی لیے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام جناب مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں اختصار کے ساتھ نقل کرتے ہیں:

جب بابل میں جادو کا چرچا تھا تو اس کے عجیب و غریب اثرات دیکھ کر جاہلوں کو ان شعبدہ بازیوں اور معجزات میں اشتباہ ہونے لگا اور جادوگروں کو انبیائے کرام علیہم السلام کی طرح مقدس اور قابل اتباع اور جادو سیکھنے کو مقدس کام سمجھنے لگے۔ اسی اشتباہ اور غلطی کو رفع کرنے کے لیے رب تعالیٰ نے دو فرشتوں ہاروت اور ماروت کو بھیجا کہ سحر کی حقیقت اور اس کی انواع و اقسام کو واضح کر کے اشتباہ کو دور کر دیں اور جادو سیکھنے سے اجتناب کریں۔

چوں کہ اس کام کی تکمیل جادو کے الفاظ سکھلائے بغیر ممکن نہ تھی جو ''نقل کفر کفر نہ باشد'' کا مصداق تھے مگر پھر بھی انبیاء کرام علیہم السلام کے مناسب ان کی تعلیم دینا نہ تھی اس لیے اس کام کے لیے فرشتوں کو تجویز فرمایا۔ (اس کی تفصیلی حکمتوں کے لیے محولہ مضمون کا مطالعہ کیجیے)

فرشتوں نے ان کے اصول و فروع اس نصیحت کے ساتھ سکھلائے کہ اس سے مقصود اس شر سے آگاہ ہو کر دین کی حفاظت ہے اس لیے فرشتوں کے تعلیم سحر پر شبہ نہ کیا جائے، اس کے بعد غالباً وہ آسمان پر بلا لیے گئے۔ واللہ اعلم (معارف القرآن ج ۱ ص ۲۷۱۔ ۲۷۴ ملخصاً و بتصرف)

سحر کی حقیقت:......سحر ہر ایسے اثر کو کہتے ہیں جس کا سبب ظاہر نہ ہو اور اصطلاح قرآن میں سحر ہر ایسی امر عجیب کو کہا جاتا ہے جس میں شیاطین کو خوش کر کے ان سے مدد حاصل کی گئی ہو۔ (معارف القرآن ج ۱ ص ۲۷۴ بحوالہ القاموس المحیط)

سحر اسباب خفیہ سے رب تعالیٰ کے توسل کے بغیر افعال عجیبہ پر قدرت حاصل کرنے کو کہتے ہیں۔'' (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۲۳۴ کالم نمبر ۱)

امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ، امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے بقول ''یہ'' نام ہے اسباب خفیہ مثلاً تاثیر کواکب، استعانت شیاطین الجن وغیرہ سے کام لے کر تصرفات عجیبہ کرنے کا۔ خاص خاص مشقوں اور ریاضتوں سے یہ فن حاصل ہوتا ہے۔

مشرک جاہلوں میں اب بھی اور پہلے بھی اس میں خوب زور و شور رہا ہے۔'' (تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۲۰۱) جیسا کہ قدما ہنود مصائب کے وقت پنڈتوں کو بٹھا کر ''رگ وید'' کے منتروں کی جگ اور پاٹ کراتے تھے دراصل رگ وید کی سنتا کو جادو کے لیے جمع کیا گیا تھا اور نہ اس میں کوئی ہدایت اور تلقین کی بات نہیں۔ (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۲۳۴ کالم نمبر ۱)

سحر کے اسباب کی تفصیل جہاں طویل ہے وہاں ان کا جاننا بھی بے فائدہ ہے اس لیے اس کو قلم زد کرتے ہیں۔

سحر کے اثرات:......متکلمین کی ایک جماعت کا عقیدہ یہ رہا ہے کہ سحر میں فی نفسہ کوئی تاثیر نہیں یہ محض توہمات فاسدہ اور خیالات باطلہ ہیں اور جو اثرات محسوس ہوتے ہیں وہ قوت وہمیہ کا مغلوب ہونا ہے اور جو خیال جادوگر نقش کرانا چاہتا ہے قوت وہمیہ اس کو قبول کر لیتی ہے۔

ایک دوسری جماعت نے ان خفیہ اسباب کے اثرات کو تسلیم کیا ہے کہ ان کا انکار بدیہیات کا انکار ہے۔ (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۲۳۴) قدیم و جدید فلاسفہ، تجربہ و مشاہدہ اور نیز عقل کلمات و حروف کی خاص تعداد پڑھنے کی تاثیر کو تسلیم کرتی ہے کہ جب اس میں انسانی اعضا بال ناخن وغیرہ یا استعمالی کپڑوں کو شامل کیا جائے ...... (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ)

یہود کے کینہ وحسد اور طعنہ زنی کا ذکر

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا ؕ وَ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۰۴﴾ مَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ لَا الْمُشْرِكِیْنَ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ خَیْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۱۰۵﴾ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَاۤ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۰۶﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ ﴿۱۰۷﴾ اَمْ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُىٕلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَ مَنْ یَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ﴿۱۰۸﴾ وَدَّ كَثِیْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ یَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَ اصْفَحُوْا حَتّٰى یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۰۹﴾ وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَ مَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۱۰﴾

ترجمہ: ......اے ایمان والو! تم لفظ رَاعِنَا نہ کہو اور لفظ اُنْظُرْنَا کہو، اور سنو! اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔﴿۱۰۴﴾ اہلِ کتاب میں سے جن

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)......جس کو ٹونہ ٹوٹکا اور جادو کہا جاتا ہے تو اس کی تاثیر ہوتی ہے۔(معارف القرآن ج۱ص ۲۷۴ ملخصاً)

"البتہ یہ فعل عبث ہے نہ اس سے سلطنت کے کاموں میں خلل واقع ہوتا ہے اور نہ انسان کے لیے معاش ومعاد کی کوئی بھلائی پیدا ہوتی ہے اور نہ کسی کی ذات کے لیے کوئی ضرر یا نفع ہے اور جو کبھی کسی پر اثر نمایاں بھی ہو تو وہ ہر وقت جادو کے بس میں نہیں، بغیر اذن الٰہی کے پتا بھی حرکت نہیں کرسکتا۔" (تفسیر حقانی ج۱ص ۲۳۴۔۲۳۵)

سحر کے احکام: ......"اگر تو اس میں شیاطین یا کواکب سے استعانت وغیرہ کے کفریہ کلمات ہوں تو سحر کفر ہوگا خواہ اس سے نفع ہو یا نقصان پھر اگر تو وہ کلمات مباح ہوں مگر اس سے کسی کو ناجائز ضرر پہنچایا جائے تو فسق اور معصیت ہے اور اگر کسی ناجائز غرض سے نہ ہو اور اس میں کسی کا نقصان بھی نہ ہو تو عرف میں یہ سحر نہیں بلکہ تعویذ گنڈہ یا عمل ہے۔ پھر اگر ان کے الفاظ اپنے مفہوم میں واضح نہ ہوں۔ اسی طرح کا حکم نقش وغیرہ کا بھی ہے کہ ان سے سحر کے احتمال کی وجہ سے بچنا واجب ہے اور اگر یہ سب کچھ نہ ہو تو جائز ہے۔ واللہ اعلم (بیان القرآن ج۱ص ۵۷ ملخصاً)

ہاروت ماروت: ......ہاروت اور ماروت شہر بابل کے نیک چلن لوگ تھے ان کے عجیب افعال اور نیک چلنی کی وجہ سے لوگ انہیں فرشتہ کہتے تھے پھر ان کا یہی لقب مشہور ہوگیا۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے۔(بیضاوی تفسیر کبیر)

اور بعض مفسرین کا قول ہے کہ یہ حضرت ادریس علیہ السلام کے عہد کے فرشتے تھے۔(تفسیر حقانی، ج۱ص ۲۳۵)

معارف القرآن ج۱ص ۲۷۱، بیان القرآن ج۱ص ۵۵ اور تفسیر مظہری وغیرہ میں انہیں فرشتہ لکھا ہے۔

"یہ دونوں اپنی اصل حقیقت کے لحاظ سے فرشتے تھے لیکن ایک خاص غرض کے لیے انسانوں میں رہنے بسنے کے لیے بھیجے گئے تھے تو ظاہر ہے کہ ان کی شکل وشباہت اور رنگ روپ وجسم وقالب بھی اور عادات وجذبات بھی بشری ہوں گے۔" (تفسیر ماجدی ج۱ص ۲۰۵)

اور فارس کی ملکہ زہرہ پر ان کے عاشق ہونے کا قصہ اور اس کے کہنے پر شراب پینا، اس کے خاوند کو قتل کرنا، بت کو سجدہ کرنا، پھر زہرہ کا اسم اعظم سیکھ کر آسمان پر چلے جانا اور ان کا بابل کے کنوے میں الٹے لٹکے ہونا اور انہیں آگ کا عذاب ہونا کہ یہ سب قصے بے اصل بے بنیاد اور بے سند ہیں۔(تفسیر حقانی ج۱ص ۲۳۵) "نسیم" (تفسیر مظہری ج۱ص ۱۰۴)

لوگوں نے کفر اختیار کیا اور مشرکین یہ پسند نہیں کرتے کہ نازل کی جائے تمہارے اُوپر تمہارے رب کی طرف سے کوئی خیر، اور اللہ تعالیٰ مخصوص فرمائے اپنی رحمت سے جس کو چاہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔ ﴿۱۰۵﴾ جس کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو ہم اس سے بہتر یا اُس جیسی آیت لے آتے ہیں، کیا تُو نے نہیں جانا کہ بِلا شبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ﴿۱۰۶﴾ کیا تو نے نہیں جانا کہ بے شک اللہ کے لیے آسمان اور زمین کا ملک ہے اور تمہارے لیے اللہ کے سوا کوئی ولی اور مددگار نہیں۔ ﴿۱۰۷﴾ کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے سوال کرو جیسا کہ اِس سے پہلے موسیٰ سے سوال کیے گئے اور جو شخص ایمان کے بدلے کُفر کو اختیار کرے سو وہ سیدھے راستہ سے بھٹک گیا۔ ﴿۱۰۸﴾ اہلِ کتاب میں سے بہت سے لوگ دل سے یہ چاہتے ہیں کہ کاش تم کو تمہارے ایمان کے بعد پھر کفر کی طرف لوٹا لیں اپنے دلوں کے حسد کے باعث، بعد اس کے کہ اُن کے لیے حق ظاہر ہو گیا ہے، سو تم معاف کرو اور درگزر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیج دے، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ﴿۱۰۹﴾ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور جو کچھ پہلے سے بھیج دو گے اپنی جانوں کے لیے کوئی خیر اُسے اللہ کے پاس پالو گے، بے شک اللہ اُن کاموں کا دیکھنے والا ہے جن کو تم کرتے ہو۔ ﴿۱۱۰﴾

مناسبت:...... جب رب تعالیٰ نے یہود کی برائیوں کو ذکر فرمایا اور انہیں جادو اور شعبدہ بازیوں کے ساتھ خاص کیا تو اس کے بعد ان کی ایک برائی اور شر کو ذکر کیا جو یہ اپنے جیوں میں نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کے بارے میں چھپائے پھرتے تھے اور یہ کینہ، حسد اور طعنہ زنی تھا اور اس بات کی تمنا تھی کہ اہل ایمان سے نعمت (ایمان) کا زوال ہو جائے۔ چنانچہ ان لوگوں نے بعض احکام شرعیہ کے منسوخ ہو جانے کی وجہ سے شریعت غرا کو ہدف طعن بنالیا۔

لغت: رَاعِنَا:...... یہ ''مراعات'' سے ہے اس کا معنی مہلت دینا اور چھوٹ دینا ہے، اس کی اصل ''رعایت'' سے ہے اور یہ کسی انسان کی مصلحتوں اور اس کے مفادات کی نگرانی اور دیکھ بھال کرنا ہے لیکن یہود (بے بہود) نے تحریف کر کے اس کو گالی بنا دیا اور اس کو ''رعونت'' سے بنایا جس کا معنی ناسمجھی اور حماقت ہے، اسی لیے رب تعالیٰ نے مومنوں کو یہ کلمہ بولنے سے منع فرمایا۔ (اس بارے میں ایک روایت آگے فائدہ نمبر ۳ میں آرہی ہے)[1] **اُنْظُرْنَا:** یہ نظر (خیال اور توجہ) اور انتظار (کسی کے لیے رکنا) سے ہے لہٰذا جب تو کسی کا انتظار کر رہا ہو اور اس کا منتظر اور اس کی تاک میں ہو تو تو کہتا ہے، ''نظرت الرجل'' (میں نے آدمی کا انتظار کیا۔'' اب آیت کا مطلب ہو گا کہ) ''آپ ﷺ ہمارے لیے توقف کیجیے اور ہمارے لیے ٹھہریئے''۔ **یَوَدُّ:** یعنی ان کی تمنا اور چاہت ہے۔

نَنْسَخْ: نسخ کا لغوی معنی کسی شے کو ہٹانا اور اس کو باطل کرنا ہے۔ کہا جاتا ہے ''نسخت الشمس الظل'' یعنی ''سورج نے سایہ ہٹا دیا۔'' اور اس کا شرعی معنی ''ایک حکم شرعی کو دوسرے حکم شرعی کی وجہ سے اٹھا لینا اور تبدیل کر لینا'' ہے۔ **نُنْسِهَا:** یہ اَنْسی الشیء سے ہے یعنی ''اس کو بھولا بسرا بنا دیا'' یہ نسیان (بھول جانے) سے ہے جس کی ضد ذکر یعنی یاد رکھنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ''ہم اس کو دلوں سے مٹا دیں گے۔'' **وَلِیٍّ:** ولی یہ وہ شخص ہے جو کسی انسان کے امور اور اس کے مفادات کا ذمہ دار ہو۔ **نَصِیْرٍ:** یہ معین و مددگار کو کہتے ہیں یہ عربوں کے قول نصرہ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: ''اس نے اس کی مدد''۔

---

[1] یہ یہود نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے اور اپنی جبلت شرارت سے اثنائے کلام میں آنحضرت ﷺ سے ''رَاعِنَا'' کہتے جیسا کہ ہماری بول چال میں کہتے ہیں، ''ذرا ادھر متوجہ ہو جائے، یا ادھر خیال فرمایئے'' اور اس کلمہ میں وہ اپنے نزدیک یہ مراد رکھتے کہ ہم آنحضرت ﷺ کو چرواہا یا احمق کہہ رہے ہیں اس لیے کہ راعنا ظاہر میں تو مراعات سے مشتق ہے اور وہ اس کو رعونت (حماقت) سے خیال کر کے اور یا راعی بمعنی چرواہے سے خیال کر کے حضرت ﷺ کو گالی دے جاتے تھے اس لیے خدا نے مسلمانوں کو ان کی تقلید میں یہ کلمہ کہنے سے منع فرمایا اور اگر ضرورت پڑے تو اس کی جگہ ''انظرنا'' کہہ دیا کرو (یعنی ہماری طرف خیال کیجیے) کیوں کہ یہ کلمہ ذو معنیین نہیں اور اس کی بھی کیا ضرورت ہے تم اول سے ہی حضرت ﷺ کی بات کو کان لگا کر سنا کرو۔'' (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۲۳۶-۲۳۷) ''نسیم''

اَمۡ [۱]:...... (یہ حرف عطف ہے جو کبھی) بَلۡ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اس وقت یہ ایک جملہ سے دوسرے جملہ کی طرف انتقال کا فائدہ دیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ ؕ (سورہ یونس، ۳۸) ترجمہ:...... "کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کو اپنی طرف سے بنالیا ہے۔"

مطلب یہ ہے کہ "بلکہ وہ لوگ یہ کہتے ہیں......"

یَتَبَدَّلِ:...... یہ ایک شے کو دوسری شی کی جگہ رکھنے کو کہتے ہیں اس میں بَدَّل، تَبَدَّل اور اِسۡتَبۡدِل تینوں کا معنی ایک ہے۔ اور مذکورہ آیت یَتَبَدَّلِ الۡكُفۡرَ بِالۡاِيۡمَانِ کا معنی ہے کہ "انہوں نے ایمان کی جگہ کفر کو لے لیا۔" سَوَآءَ السَّبِيۡلِ: یعنی درمیانہ (سیدھا غیر کج) راستہ۔ اور ہر شے میں سَوَآءَ اس کا درمیان (اور سیدھا پن) ہے اور السَّبِيۡلِ: کا معنی طریق یعنی راہ ہے۔ فَاعۡفُوۡا: یہ عفو سے ہے جس کا معنی گناہ اور خطا پر مواخذہ نہ کرنا ہے۔ "وَاصۡفَحُوۡا: یہ صفح سے ہے، یہ ملامت وسرزنش نہ کرنے کو کہتے ہیں۔

سبب نزول:...... روایت میں ہے کہ "یہود نے کہا کہ "کیا تمہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے امر (یعنی آپ کے دین اور قرآن) پر تعجب نہیں ہوتا کہ (ایک وقت میں تو) وہ اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو ایک بات کا حکم دیتے ہیں پھر (کسی دوسرے وقت میں) اسی بات سے روک (بھی) دیتے ہیں اور اس کے برعکس بات کا حکم دیتے ہیں اور آج ایک بات کرتے ہیں اور دوسرے دن اس سے پھر جاتے ہیں تو (معلوم ہوتا ہے کہ) یہ قرآن (تو کلام خدا نہیں بلکہ یہ تو) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا (خود تراشیدہ) کلام ہے جس کو وہ اپنے پاس سے (بنا کر) پیش کرتے ہیں جو ایک دوسرے کے متناقض ہے۔ تو اس پر یہ آیات اتریں: مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ (الکشاف ج۱ ص ۱۳۱) [۲]

رب تعالیٰ کی طرف سے اہل ایمان کو ندا

تفسیر: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا:...... یہ رب تعالیٰ کی طرف سے اہل ایمان کو ندا ہے اس میں رب تعالیٰ ان سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں۔ لَا تَقُوۡلُوۡا رَاعِنَا: یعنی (تم رَاعِنَا نہ کہو کہ جس کا فی الواقع معنی ہے کہ) "ہمارا لحاظ کیجیے اور ہمیں مہلت (اور موقع) دیجیے تا کہ ہم آپ کی بتلائی ہوئی باتوں کو خوب حفظ کر سکیں۔" (لیکن یہود نامسعود اس لفظ سے اپنی حرص پوری کرتے ہیں جس کی تفصیل گزشتہ حاشیہ میں بیان کر دی گئی ہے۔ نسیم) وَقُوۡلُوا انۡظُرۡنَا: (یعنی تم یہ لفظ کہو جس کا معنی ہے) "آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے ٹھہریے اور ہمارے لیے توقف کیجیے (تو معنی اس کا بھی وہی ہے مگر اس کی ذو معنیین نہ ہونے کی وجہ سے یہود کی آرزو شرمندہ تعبیر نہ ہوگی)۔ وَاسۡمَعُوۡا: یعنی خدا کے اوامر کی اطاعت کرو اور ان یہود کی طرح نہ بنا جنہوں نے یہ کہا کہ "ہم نے سن لیا اور نافرمانی کی"۔ وَلِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ: یعنی ان یہود کے لیے جنہوں نے خدا کے رسول کی ہتک کی اور ان کے ساتھ دشنام طرازی کی، سخت دردناک اور دکھ دینے والا عذاب ہے۔ مَا يَوَدُّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ وَلَا الۡمُشۡرِكِيۡنَ اَنۡ يُّنَزَّلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡ خَيۡرٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ: یعنی یہود، نصاریٰ اور مشرکین میں سے کوئی کافر بھی یہ بات نہیں چاہتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب) پر کوئی خیر اترے کیوں کہ انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض وحسد ہے۔ وَاللّٰهُ يَخۡتَصُّ بِرَحۡمَتِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ: یعنی وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے، وحی، نبوت اور فضل واحسان کے ساتھ خاص کرتا ہے۔ وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ: یعنی رب تعالیٰ کا فضل واحسان بہت وسیع ہے۔ آگے رب تعالیٰ ان یہود پر رد کرتے ہوئے کہ جب انہوں نے نسخ کی وجہ سے قرآن کریم میں طعن کیا، فرماتے ہیں:

---

[۱] یہ حرف عطف ہے اور ہمزہ استفہام کے بعد معادلہ یعنی برابری کے لیے آتا ہے اور وہاں دو امر میں سے ایک کی تعیین مطلوب ہوتی ہے جیسے اَقَرِيۡبٌ اَمۡ بَعِيۡدٌ مَّا تُوۡعَدُوۡنَ (الانبیاء۔ ۱۰۹) "(اور مجھ کو نہیں معلوم کہ) جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ (عن) قریب (آنے والی) ہے یا (اس کا وقت) دور ہے" (القاموس الوحید ص ۱۳۳ کالم نمبر ۱) اس کا دوسرا معنوی استعمال اوپر مذکور ہے۔ "نسیم" [۲] نسخ کی حکمت اور اس کے احکام کی تفصیل کے لیے دیکھیں ہماری کتاب "دوائع البیان ج ۱ ص ۱۰۰" "مولف"۔ بندہ محمد آصف نسیم عرض کناں ہے کہ مؤلف موصوف کی اس تفسیر کے ترجمہ کے بعد رب نے چاہا تو علامہ کی اس تفسیر کا ترجمہ بھی بندہ کی قلم سے آپ حضرات کی خدمت میں پہنچ جائے گا۔ ان شاء اللہ خدا تعالیٰ تکمیل کی توفیق دے۔ آمین۔ نسخ کی قدرے آسان تفصیل بندہ کی شرح، "نسیم البیان فی شرح البیان فی علوم القرآن" ص ۱۸۸ تا ۲۱۹ "میں بھی درج ہے۔ نسیم

مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا :......یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! جب بھی ہم کسی حکم کو بدلتے ہیں خواہ اس کی جگہ دوسرا حکم لے آئیں یا پہلے حکم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل سے مٹادیں۔ فَاۡتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَاۤ اَوۡ مِثۡلِهَا :تو اے مومنوں! ہم تمہارے لیے اس سے بہتر بات لے آتے ہیں جو تمہارے لیے یا تو زیادہ سود مند ہوتی ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور یا وہ تم سے (کسی گزشتہ) مشقت کو اٹھا دیتی ہے اور یا وہ تمہارے اجر و ثواب کو بڑھا دیتی ہے۔ اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ :یعنی اے مخاطب کیا تو یہ بات نہیں جانتا کہ رب تعالیٰ جاننے والا، حکمت والا اور قدرت والا ہے وہ جو بھی کرتا ہے اس میں بندوں کے لیے نری بھلائی اور ان کے ساتھ محض احسان ہی ہوتا ہے۔ اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ :یعنی (اے مخاطب!) کیا تو یہ بات نہیں جانتا کہ رب تعالیٰ ہی مخلوق کے تمام احوال میں متصرف اور (ان کا اور ان کے احوال و واقعات کا) مالک ہے وہ جو چاہے حکم صادر فرماتا ہے اور جو چاہے کرتا ہے۔ وَمَا لَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ :یعنی اس خدا کے سوا تمہارا کوئی دوست نہیں جو تمہارے امور (ومصالح اور مفادات اور مصلحتوں) کی نگہداشت (ونگہبانی) کرے اور خدا کے سوا کوئی تمہارا مددگار نہیں وہ سب سے بہتر معین و مددگار ہے۔ اَمۡ تُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَسۡـــَٔلُوۡا رَسُوۡلَـكُمۡ كَمَا سُٮِٕلَ مُوۡسٰى مِنۡ قَبۡلُ :یعنی اے مومنین کی جماعت! بلکہ تم یہ چاہتے ہو کہ تم بھی اپنے پیغمبر سے اسی طرح کی باتیں پوچھو جس طرح کی باتیں تم سے پہلے قوم موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نبی سے پوچھیں پھر تمہاری مثال بھی ان یہود کی طرح ٹھہرے جنھوں نے اپنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا تھا:

اَرِنَا اللّٰهَ جَهۡرَةً (سورۃ النساء، ۵۳) ترجمہ:...... "ہمیں خدا ظاہر (یعنی آنکھوں سے) دکھادو۔"

چنانچہ تم بھی اسی طرح گمراہ ہو جاؤ جس طرح وہ گمراہ ہو گئے تھے۔

وَمَنۡ يَّتَبَدَّلِ الۡكُفۡرَ بِالۡاِيۡمَانِ :......یعنی جو ہدایت کی جگہ گمراہی لے اور ایمان کی جگہ کفر پکڑے۔ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيۡلِ :یعنی وہ جادۂ مستقیم سے ایک طرف ہو گیا اور سیدھے راستے سے نکل گیا۔ وَدَّ كَثِيۡرٌ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ :یعنی اکثر یہود و نصاریٰ یہ چاہتے ہیں کہ لَوۡ يَرُدُّوۡنَكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ اِيۡمَانِكُمۡ كُفَّارًا : کاش تم کو ایمان لے آنے کے بعد دوبارہ کفر کی طرف لوٹا دیں (یعنی تمہیں دوبارہ کافر بنا دیں)۔ حَسَدًا مِّنۡ عِنۡدِ اَنۡفُسِهِمۡ : یعنی انہیں تمہارے ساتھ حسد ہے اور اس بات پر ان کو ان کے خبیث نفسوں نے آمادہ کیا ہے۔ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الۡحَـقُّ : یعنی (ان کا یہ حال) اس بات کے بعد ہے کہ ان کے سامنے اس بات پر روشن دلائل ظاہر ہو چکے ہیں کہ تمہارا دین حق ہے۔ فَاعۡفُوۡا وَاصۡفَحُوۡا : یعنی (ان خباثتوں کے باوجود اے مومنو!) تم ان (یہود بے بہود) کو چھوڑ دو، ان سے اعراض کرو اور ان سے مواخذہ نہ کرو۔ حَتّٰى يَاۡتِىَ اللّٰهُ بِاَمۡرِهٖ : یعنی (انہیں اس وقت تک کچھ نہ کہو) حتیٰ کہ حق تعالیٰ تمہیں ان کے ساتھ قتال کا حکم دیں۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ :یعنی رب تعالیٰ ہر بات پر قدرت رکھتا ہے اور جب وقت آئے گا تو ان سے (ان کے ان کرتوتوں کا بدلہ اور) انتقام لے گا۔

وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّکٰوةَ :......یعنی تم (اے اہل ایمان!) ایمان کے دو (بنیادی) ستونوں "نماز اور زکوٰۃ" کی حفاظت اور عبادت بدنیہ (یعنی نماز) اور عبادت مالیہ (یعنی زکوٰۃ) کے ذریعے رب تعالیٰ کے قرب کو حاصل کرو۔ وَمَا تُقَدِّمُوۡا لِاَنۡفُسِكُمۡ مِّنۡ خَيۡرٍ تَجِدُوۡهُ عِنۡدَ اللّٰهِ : یعنی نماز، صدقہ، اور عمل صالح میں سے خواہ فرض ہو یا نفل کسی بھی نیکی کو تم خدا کے قرب کے لیے کرو گے (اور اس کو اپنے لیے آخرت میں بھیج دو گے) اس کے اجر و ثواب کو خدا کے ہاں پالو گے۔ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ :یعنی وہ تمہارا نگہبان و محافظ ہے اور تمہارے اعمال سے باخبر اور مطلع ہے۔ چنانچہ وہ روز قیامت تمہیں ان کا (نیک یا برا) بدلہ دے گا۔

بلاغت: مِنۡ رَّبِّكُمۡ :......اس میں (رب کی) اضافت ("کم" ضمیر کی طرف جن سے مراد بندے ہیں۔ یہ بندوں کی) تعظیم و توقیر کے لیے ہے اور اس میں اس بات کو بھی یاد دلانا ہے کہ ان کی تربیت رب تعالیٰ فرما رہے ہیں۔ وَاللّٰهُ يَخۡتَصُّ اور وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ :ان دونوں جملوں کو اللہ جل جلالہ کے اسم مبارک سے شروع کیا تاکہ (آئندہ مذکورہ) امر کی عظمت کو ظاہر کیا جائے۔ اَلَمۡ تَعۡلَمۡ : یہ استفہام (انکار یا استفسار کے لیے نہیں بلکہ مذکورہ بات کی تاکید اور) تقریر (یعنی اس کو پکا کرنے) کے لیے ہے (یعنی یہ بات پکی ہے کہ تم جانتے ہو کہ زمین و آسمان کا بادشاہ اللہ ہے) یہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مراد اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے اس کی دلیل (بعد والا قول خدا) وَمَا لَكُمۡ مِّنۡ

دُوْنِ اللّٰہِ ہے (کہ جس میں امت سے خطاب ہے)۔

اَنَّ اللّٰہَ اور مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ: میں لفظ اللہ کو ذکر کیا اور اس کی ضمیر ذکر نہیں کی تاکہ بندوں کے جیوں میں رب تعالیٰ کی ہیبت اور (رعب اور) خوف کو بٹھلایا جائے کہ اس میں نفوس انسانیہ کی تربیت ہے۔ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ: یہ صفت کی موصوف کی طرف اضافت ہے یعنی السَّبِیْلِ اَلسَّوَآءَ: ''سیدھا راستہ'' اس تعبیر میں اس شخص کو حد درجہ لاجواب کرنا اور اس کی بے حد برائی بیان کرنی ہے جو حق ظاہر ہونے کے بعد بھی اس سے اعراض کر کے باطل کی طرف مڑ گیا۔

فوائد: پہلا فائدہ:......رب تعالیٰ نے قرآن کریم کے اٹھاسی مقامات پر مؤمنین کو یاایھا الذین امنوا کے الفاظ کے ساتھ خطاب فرمایا ہے اور یہ پہلا خطاب ہے کہ اس سورت میں مؤمنین کو ندا کے ساتھ خطاب کیا گیا ہے جو بندوں کی طرف توجہ پر دلالت کرتا ہے۔ اور مخاطبین کو ''مؤمنین'' کے نام کے ساتھ پکارنا انہیں یہ بات یاد دلاتا ہے کہ ایمان، ایمان والے سے اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ رب تعالیٰ کے اوامر ونواہی کو اچھے طریقے کے ساتھ اطاعت وفرمانبرداری کرتے ہوئے قبول کرے۔

حسن ادب کی تعلیم

دوسرا فائدہ:......مسلمانوں کو منع کیا گیا ہے کہ وہ رَاعِنَا کہہ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب نہ کیا کریں بلکہ اس کی جگہ اُنْظُرْنَا کہا کریں۔ اس میں حسن ادب کی (تعلیم اور اس پر) تنبیہ ہے کہ آدمی اپنے مخاطبات میں ایسے الفاظ سے گریزاں ہو اور اجتناب کرے جو اس مقام میں (دوسرے کی) تنقیص اور (اس سے) بے رخی کا وہم ڈالیں جس کا مقتضا مودت ومحبت یا تعظیم کا اظہار ہو۔ (یعنی جہاں دوسرے کی تعظیم یا اس سے محبت مطلوب ہے وہاں ایسے الفاظ سے اجتناب کرے جو تنقیص اور بے رخی کا وہم پیدا کریں۔ ''نسیم'')

تیسرا فائدہ:......یہ یہود رَاعِنَا کا کلمہ بول کر گالی مراد لیتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ کلمہ کہتے سنا تو فرمایا، ''او خدا کے دشمنو! تم پر خدا کی لعنت ہو! اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! اگر میں نے تم میں سے کسی کو یہ لفظ جناب رسالت کی خدمت میں کہتے سنا تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا'' تو وہ کہنے لگے ''کیا تم خود یہ الفاظ نہیں کہتے ہو؟ (اگر ہم نے کہہ لیا تو کیا حرج ہے۔ مگر وہ یہودی تھے جن کی سرشت میں حسد، کینہ اور نفاق کوٹ کوٹ کر بھرا تھا) تو (ان کی جیوں کے اندر کی اس خباثت اور دشنام طرازی کو واضح کرنے کے لیے) اس پر یہ آیات نازل ہوئیں: لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا

یہود کے اس دعویٰ کی تردید کہ جنت صرف ان ہی کے لیے ہے

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۪ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَاۤ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا

ع ۱۳

فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

ترجمہ:...... اُنہوں نے کہا کہ ہرگز کوئی شخص جنت میں داخل نہ ہوگا سوائے اس کے جو یہودی ہو یا نصرانی ہو، یہ اُن کی آرزوئیں ہیں، آپ فرما دیجیے کہ لے آؤ اپنی دلیل اگر تم سچے ہو ﴿۱۱۱﴾ ہاں جس نے اپنی ذات کو اللہ کی فرمانبرداری کے لیے جھکا دیا اور وہ محسن ہو تو اُس کے لیے اس کا اجر ہے اس کے رب کے پاس، اور ان لوگوں پر کوئی خوف نہیں، اور نہ یہ لوگ رنجیدہ ہوں گے۔ ﴿۱۱۲﴾ کہا یہود نے کہ نصاریٰ کسی چیز پر نہیں، اور نصاریٰ نے کہا کہ یہودی کسی چیز پر نہیں، حالانکہ وہ لوگ کتاب پڑھتے ہیں، ایسا ہی کہا اُن لوگوں نے جو نہیں جانتے انہی کی سی بات، پس اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان قیامت کے دن اس بات میں جس میں وہ آپس میں اختلاف رکھتے ہیں۔ ﴿۱۱۳﴾ اور اُس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اس بات سے روکے کہ اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا نام لیا جائے اور اُن کی ویرانی کی کوشش کرے، اُن لوگوں کے لیے یہ جائز نہیں کہ اُن میں داخل ہوں مگر ڈرتے ہوئے، اُن کے لیے دُنیا میں رُسوائی ہے اور اُن کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔ ﴿۱۱۴﴾ اور اللہ ہی کے لیے ہے مشرق اور مغرب، سو تم جس طرف بھی رُخ کرو اُدھر اللہ کا رُخ ہے، بیشک اللہ واسع ہے، علیم ہے۔ ﴿۱۱۵﴾

مناسبت:...... ان آیات کریمہ میں اہل کتاب کی چند دوسری باطل (اناپ شناپ) باتوں کا بیان ہے کہ ان یہود و نصاریٰ میں سے ہر ایک اس بات کا مدعی بنا بیٹھا تھا کہ جنت خاص ان کے لیے ہے اور وہ دوسرے کے دین میں طعنہ دے رہے تھے۔ چنانچہ یہ یہود (ایک طرف تو) نصاریٰ کو کافر اور گمراہ کہہ رہے تھے اور (دوسری طرف) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل سے کفر بھی کر رہے تھے اور نصاریٰ کا یہ اعتقاد تھا کہ یہ یہودی حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے کافر ہیں حالاں کہ حضرت مسیح علیہ السلام ان کی شریعت کی ہی تکمیل کے لیے تشریف لائے تھے۔ اس جھگڑے سے وہ عداوت اٹھی جس سے نفسانی خواہشات اور بھڑک اٹھیں اب ان میں سے ہر ایک فریق دوسرے کے دین میں زبان طعن دراز کرنے لگا اور یہ گمان باندھنے لگا کہ جنت اس کے لیے وقف (اور Rcscrvc) ہے۔ چنانچہ رب تعالیٰ نے ان دونوں گروہوں کو جھٹلایا اور واضح کیا کہ جنت لے کر کامیاب ہونے والے لوگ فقط وہ مومن اور خدا سے ڈرنے والے لوگ ہیں جو (ایمان کے ساتھ) عمل صالح بھی کریں۔

لغت: هُوْدًا:...... یعنی یہود۔ یہ ھائد کی جمع ہے اور ھائد یہ توبہ کرنے والے اور رجوع کرنے والے کو کہتے ہیں، یہ ھاد سے مشتق ہے جس کا معنی ہے "اس نے توبہ کی"۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ۭ (الاعراف ۱۵۶) "ہم تیری طرف رجوع ہو چکے۔"

اَمَانِيُّهُمْ:...... یہ امنیۃ کی جمع ہے۔ یہ انسان کی (جھوٹی) امنگ اور آرزو اور چاہت کو کہتے ہیں۔ بُرْهَانَكُمْ: برھان یہ اس حجت اور دلیل کو کہتے ہیں جو یقین تک لے جائے۔ اَسْلَمَ: یعنی جھک گیا اور زیر فرمان (اور تابع فرمان) ہو گیا۔ خَرَابِهَا: خراب یہ تباہ کر دینے اور گرا دینے کو کہتے ہیں اور یہ حسی طور پر تباہ و برباد کرنا بھی ہوتا ہے جیسے "رب تعالیٰ کے گھروں کو ویران کرنا۔"[1] اور معنوی طور پر تباہ و برباد کرنا بھی ہوتا ہے جیسے اس میں "شعائر"[2] کے قائم کرنے کو معطل کر دینا وغیرہ۔ خِزْيٌ: یہ بے وقعتی اور ذلت کو کہتے ہیں۔ ثَمَّ:[3] یہ "ثاء" کے فتحہ (یعنی زبر) کے ساتھ ہے یہ ظرف مکان ہے جس کا معنی "وہاں" ہے۔ وَجْهُ اللّٰهِ: وجہ یہ جہت کو کہتے ہیں (یعنی سمت اور وہ جگہ جس کی طرف رخ کیا جاتا ہے)۔ اب وَجْهَهٗ لِلّٰهِ سے مراد وہ جہت اور جانب ہے جس (کی طرف منہ کرنے) پر رب تعالیٰ راضی ہیں اور اس کی طرف متوجہ ہونے (اور ادھر منہ کرنے) کا رب تعالیٰ نے (بندوں کو) حکم دیا ہے۔

---

[1] مساجد کی تخریب انہیں ڈھا دینا ہے۔ نسیم۔ [2] یہ شعیرہ کی جمع ہے یہ وہ مذہبی رسم اور علامت کا م ہے جسے انجام دینے کا شریعت نے حکم دیا ہے۔ (القاموس الوحید ص ۸۶۸ کالم نمبر ۳)۔ اس کی مزید تفصیل آیت نمبر ۱۵۸ کی تفسیر میں آجائے گی۔ نسیم [3] یہ دور جگہ کی طرف اشارہ کرنے کے لیے آتا ہے یہ ظرف ہے اور غیر منصرف ہے کبھی اس کے آخر میں تا کا اضافہ کر کے ثَمَّةَ کہا جاتا ہے اور اس پر ہا کی آواز پر وقف کیا جاتا ہے اور ثَمَّهْ کہا جاتا ہے۔ (القاموس الوحید ص ۲۲۳ کالم نمبر ۳)

غیر منصرف وہ کلمہ ہوتا ہے جس پر وجوہ اعراب کی تینوں حرکات (زیر، زبر اور پیش جنہیں نحو کی اصطلاح میں فَتْحَة، كَسْرَة اور ضمة کہا جاتا ہے) نہیں آتیں۔ غیر منصرف کے تفصیلی احکام کے لیے دیکھیں ہدایۃ النحو وغیرہ۔ نسیم

سبب نزول:......حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "جب نجران کے نصاریٰ خدمت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے تو (ان کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گفتگو کے دوران یہ) یہود (بے بہبود بھی وہاں) ان کے پاس آ دھمکے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ان سے بحث ومباحثہ کرنے لگے۔ چنانچہ رافع بن حرملہ (یہودی) کہنے لگا: "(اے نصرانیو!) تم راستے پر نہیں ہو" اور اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کے ماننے سے انکار کردیا اس پر ایک نجرانی نصرانی یہود سے کہنے لگا، "(ہم اگر راستے پر نہیں تو) تم (بھی کسی سیدھے) راستے پر نہیں ہو" اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام (کے پیغمبر خدا ہونے) کا اور تورات (کے کتاب خدا ہونے) کا انکار کردیا" تو اس پر رب تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ (مختصر تفسیر ابن کثیر ج۱ ص ۱۰۸)

یہود ونصاریٰ کے باطل خیالات کی تردید

تفسیر: وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى:......یعنی یہودیوں نے یہ کہا کہ جنت میں وہی جائے گا جو یہودی ہوگا اور نصرانیوں نے یہ کہا کہ جنت میں وہی جائے گا جو نصرانی ہوگا۔ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ: (اس پر رب تعالیٰ نے فرمایا کہ) یہ ان (دونوں گروہوں) کے (باطل اور بے ہودہ) خیالات اور (جھوٹے واہیات) خواب ہیں۔ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ: یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ارشاد فرمادیجیے کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو میرے پاس اپنے ان (جھوٹے) گمانوں کی کوئی روشن دلیل لے کر آؤ۔ بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ: یعنی ہاں جو شخص خدا کے آگے سرتسلیم کردے وراس کے آگے جھک جائے اور اپنے آپ کو خالص اسی کا بنادے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ وَهُوَ مُحْسِنٌ: یعنی وہ سچا، اور تصدیق کرنے والا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع فرمان مومن (بھی) ہو (تو وہ جنت میں ضرور داخل ہوگا)۔ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ: یعنی اس کو اس کے عمل کا ثواب ملے گا اور ایسے لوگوں پر نہ تو آخرت میں کوئی خوف ہوگا اور نہ انہیں کوئی غم اور تکدر ہوگا بلکہ وہ ہمیشہ رہنے والی نعمت میں ہوں گے۔

یہود ونصاریٰ کا باہمی نزاع اور رسولوں کو جھٹلانا

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ:......یعنی یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام (کی شان میں گستاخی کی اور انہیں برا بھلا کہا اور ان) کے ساتھ کفر کیا اور (عیسائیوں کو) کہنے لگے کہ "نصاریٰ کسی قابل ذکر صحیح دین پر نہیں چنانچہ ان کا دین باطل ہے۔ وَقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ: یعنی نصاریٰ نے (اس کے جواب میں) یہود کے بارے میں بھی ایسا ہی کچھ کہا اور (بغض کے مارے بدلا لینے کے لیے) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر خدا ماننے سے انکار کردیا۔ وَهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ: یعنی (ان دونوں طبقوں کا) حال یہ ہے کہ یہود تورات کے پڑھنے والے ہیں اور نصاریٰ انجیل کے پڑھنے والے ہیں (اور ان دونوں کتابوں میں سب پیغمبروں کی تصدیق کرنے اور ان پر ایمان لے آنے کا حکم ہے) چنانچہ انہوں نے (ان پیغمبران خدا کا) جانتے بوجھتے انکار کیا۔ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ: یعنی ان مشرکین عرب نے بھی ان اہل کتاب کی سی بات کہی۔ چنانچہ ان لوگوں نے کہا، کہ "(معاذ اللہ) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم (سچے دین کے) راستے پر نہیں۔" فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ: یعنی (روز قیامت) رب تعالیٰ ان یہود ونصاریٰ میں (ان کے باطل دعوؤں کا) فیصلہ کردے گا اور جس امر دین میں یہ لوگ باہم اختلاف کررہے ہیں اس کا ان میں اپنا عادلانہ فیصلہ نافذ فرمائے گا۔

مسجد میں عبادت سے روکنے والے بڑے ظالم ہیں

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا:......اس آیت میں ایک تو (شدید) نفرت کا اظہار کرنا ہے اور دوسرے اس بات کو خارج از امکان قرار دینا ہے کہ کوئی شخص ایسا کرنے والے سے بڑھ کر بھی ظالم ہوسکتا ہے؟ یعنی جو شخص لوگوں کو خدا کے گھروں میں خدا کی عبادت کرنے سے منع کرے اور انہیں ڈھا کر انہیں ویران کرے، جیسے رومیوں نے بیت المقدس کے ساتھ کیا، یا ان میں دوسروں کو عبادت کرنے

سے روکے جس سے وہ مسجدیں ویران ہوں جیسا کہ مشرکین قریش نے کیا[1] تو ایسے شخص سے بڑھ کر کوئی دوسرا ظالم نہیں۔
أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ:...... یعنی ان لوگوں کو چاہیے تو یہ تھا کہ وہ خدا کے گھروں میں خوف وخشیت اور خضوع وخشوع (کی کیفیت) کے ساتھ داخل ہوتے چہ جائیکہ یہ ان کو ڈھا دینے (ان میں تخریب کاری کرنے) اور انہیں اجاڑنے کی جرأت کرتے۔ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ: یعنی ان (شریر اور تخریب کاروں) کے لیے اس دنیا میں ذلت وحقارت اور بے وقعتی ہے۔ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ: (آخرت کا ان کے لیے) یہ (عذاب عظیم) آگ کا عذاب ہے۔

قبلہ رخ کا ذکر

وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ:...... یعنی سورج کے طلوع ہونے کی تمام جگہیں (یعنی سورج کے تمام مطالع) اور اس کے غروب ہونے کی (بھی) تمام جگہیں (یعنی تمام مغارب) وہ (سب کی سب) اللہ ہی کی ہیں اور اس سے مراد تمام زمین ہے (یعنی رب تعالیٰ تمام زمین کا مالک ہے)۔
فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ: یعنی خدا کے حکم سے تم جس طرف بھی منہ کرو گے وہیں رب تعالیٰ کا وہ قبلہ ہوگا جو رب تعالیٰ نے تمہارے لیے پسند کر لیا ہے۔ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو قبلہ رخ گم کر بیٹھے تھے۔[2] إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ: یعنی اس کا اپنی مخلوق پر فضل و کرم اور جود واحسان بہت وسیع ہے اور وہ بندوں کے احوال کی تدبیر (وتنظیم) کو جانتا ہے کسی کا کوئی حال اس سے چھپا ہوا نہیں ہے۔
بلاغت: تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ:...... یہ جملہ اعتراضیہ ہے یہ اس بات کا فائدہ دے رہا ہے کہ ان کا دعویٰ باطل اور کاذب ہے۔ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ: یہاں (ان اہل کتاب کو) یہ (امر (انہیں) لاجواب کرنے اور انہیں دھمکانے کے لیے ہے۔ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ: یہاں "وجہ" (چہرے) کو خاص طور پر ذکر کیا گیا کیوں کہ یہ اشرف الاعضا ہے۔ یہاں وجہ بطور استعارہ کے مذکور ہے یعنی "جو رب تعالیٰ کی عبادت کی طرف متوجہ ہوا اور اس کی طرف پورے بدن کے ساتھ رخ کیا۔" (تلخیص البیان ص ۱۰) عِنْدَ رَبِّهِ:[3] یہاں عندیت تعظیم وتوقیر کے لیے ہے۔ (آگے رَبِّہٖ اس کا

---

[1] بیت المقدس کی ویرانی سے مراد یہ ہے کہ کسی دور میں وہاں قتل وقتال ہوا، خوب ہنگامہ ہوا جس سے بدامنی پھیلی اور بیت المقدس کی بے حرمتی کے ساتھ ساتھ وہاں چند ایام تک نماز وغیرہ عبادات کا سلسلہ بھی معطل رہا۔ یہ کب کا قصہ ہے اور یہ فتنہ وشورش کن کے ہاتھوں ہوئی اس بارے میں مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ "یہ رومی بادشاہ ٹائیٹس کے عہد کا قصہ ہے ان رومی مشرکوں نے یہود واہل توحید کو بیت المقدس میں عبادت کرنے سے روکا تھا۔" (تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۲۲۲) اسی کو مولف موصوف نے اوپر تفسیر میں اختیار کیا ہے۔
یہی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے کہ: "نصاریٰ کے اسلاف بعض سلاطین روم یہود شام پر چڑھ آئے تھے۔ قتل وقتال بھی ہوا اور بعض جہلا کے ہاتھوں بیت المقدس کی بے حرمتی بھی ہوئی اور بوجہ بدامنی کے نماز وغیرہ عبادات بھی معطل رہیں اس بادشاہ کا نام طیطس تھا" اس کا مفصل قصہ آگے سورۂ بنی اسرائیل میں آرہا ہے۔ (بیان القرآن ج ۱ ص، ۶۲ ملخصاً ومعارف القرآن ج ۱ ص ۲۹۵۔۲۹۶) تیطس (Titus) (۳۹۔۸۱) ایک رومی شہنشاہ تھا جو ۳۹ سے لے کر ۸۱ م تک برسر اقتدار رہا۔ یہ شہنشاہ وسبیانس" کا بیٹا تھا۔ ۷۰ء میں اپنے باپ کے عہد میں اس نے یروشلم کا محاصرہ کر کے اس کو تباہ وبرباد کر دیا تھا (شاید مذکورہ بالا واقعہ یہی ہو۔ نسیم)۔ اس نے دو شہر "کولو سیوم" اور "قوس تیطس" آباد کیے۔ اس کے عہد میں "ویزوو" کا آتش فشاں پھٹنے سے ایک ہی رات میں دو شہر "ھرقولانوم" اور "پومپائی" زندہ دفن ہو گئے۔ یہ ۷۹ء کا واقعہ ہے۔ (المنجد الاعلام العربی ص ۱۸۸۔ کالم نمبر ۱) اور مشرکین کی "مسجدوں کو اجاڑنے" سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صلح حدیبیہ والے سال عمرہ اور طواف کرنے سے روکنے کی طرف اشارہ ہے۔ بیان القرآن ج ۱ ص ۶۲، تفسیر مظہری ج ۱ ص ۱۱۵۔
احسن البیان ج ۱ ص ۲۵۲ اور معارف القران ج ۱ ص ۳۹۵۔۲۹۶ وغیرہ میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے تفسیر حقانی میں اس کی تفسیر میں اس کو ہجرت سے قبل کے واقعات کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ "یہ مشرکین عرب کعبہ کے اندر مسلمانوں کو عبادت کرنے سے روکتے تھے اور تو اور ان لوگوں نے اپنے گھروں میں نمازوں کی ادائیگی کے لیے جو چبوترے بنا رکھے تھے وہاں بھی نماز ادا کرنے سے روکتے تھے اور عبادت کے وقت خانہ کعبہ میں گھس کر سیٹیاں بجاتے، تالیاں پیٹتے اور خوب شور ڈالتے کہ یہ سب کچھ مساجد کو اجاڑنے میں داخل ہے کہ جب وہاں نماز ہی نہ ہوئی تو اس کو اجاڑ ہی کہا جاتا ہے۔ (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۲۴۵ ملخصاً) واللہ اعلم۔ نسیم

[2] "احسن البیان فی تفسیر القرآن ج ۱ ص ۲۵۴" میں "تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۵۷۔۱۵۸ ؁" کے حوالہ سے یہی لکھا ہے۔ نسیم [3] عند: یہ ظرف مکان ہے جو "موجود" اور حاضر کے معنی میں ہے اس کے علاوہ، "پاس نزدیک جب اور جس وقت" بھی اس کے معنی ہیں۔ اسی عندیت معنی قریب وبعید دونوں کے لیے آتا ہے، یہ ظرف زمان کے طور پر بھی آتا ہے۔ (القاموس الوحید ص ۱۱۳۱۔۱۱۳۲ ملخصاً)۔ اس کے تفصیلی احکام کے لیے دیکھیں ھدایۃ النحو، درایۃ النحو وغیرہ۔ "نسیم"

مضاف الیہ ہے) اور (اس میں) لفظ رب کو ''خدا کے آگے گردن جھکا دینے والے'' (مَنْ اَسْلَمَ) کی ضمیر کی طرف مضاف بنا کر لایا گیا ہے اور لفظ رب کی جگہ اس کی ضمیر نہیں لائی گئی۔ اس میں رب تعالیٰ کے اپنے ایمان لے آنے والے بندے پر مزید لطف کا اظہار ہے۔ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ: (اگرچہ اس میں خطاب مشرکین عرب کو ہے لیکن) اس میں اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے لیے زبردست ڈانٹ ہے کیوں کہ ان لوگوں نے اپنے تبیّن علم کے باوجود خود کو ان لوگوں کی لڑی میں پرو دیا جو سرے سے کچھ جانتے ہی نہیں تھے (یعنی مشرکین عرب)۔ وَمَنْ اَظْلَمُ: یہاں استفہام نفی کے معنی میں ہے یعنی اس سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں'' (جو مساجد کی ویرانی اور خرابی کے لیے دوڑتا پھرتا ہے)۔ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ: یہاں (خِزْيٌ میں) تنکیر تہویل (یعنی ڈرانے) کے لیے ہے یعنی انہیں بڑی خوفناک اور سخت بھیانک رسوائی کا منہ دیکھنا پڑے گا جس کی صفت بیان نہیں کی جاسکتی۔ عَلِيْمٌ: یہ فعیل کے وزن پر مبالغہ[1] کے لیے صیغہ ہے یعنی ''وسیع علم والا''۔

فائدہ:...... امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اِسْلَامُ الْوَجْهُ لِلّٰهِ (یعنی خدا کے آگے گردن جھکانا) یہ نفس کا رب کی اطاعت کے آگے جھکنا ہے بسا اوقات وَجْهٌ (کے لفظ) کو نفس سے کنایۃً بولتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (سورۃ القصص، ۸۸) ''اس کی ذات (پاک) کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔''

کہ یہاں بھی وَجْهٌ نفس (یعنی ذات) سے کنایہ ہے، زید بن نفیل کہتا ہے:

واسلمت وجهی لمن اسلمت له الارض تحمل صخرا ثقالًا

میں نے اس ذات کے آگے اپنا سر جھکا دیا کہ جس کے آگے وہ زمین پست اور سرنگوں ہے جس نے بھاری بھاری پہاڑوں کو (اپنے سینے پر) اٹھا رکھا ہے۔

واسلمت وجهی لمن اسلمت له المزن تحمل عذبا زلالًا

اور میں اس کا فرمانبردار ہوں کہ جس کے تابع فرمان وہ بادل ہیں جنہوں نے ٹھنڈا صاف وشفاف شریں اور خوشگوار پانی (اپنے اندر) اٹھایا ہوتا ہے۔
(تفسیر کبیر ج ۴ ص ۴)

یہود و نصاریٰ کے اس باطل گمان کی تردید کہ اللہ کی اولاد ہے

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْ لَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ

ع ۱۴ وقف منزل

[1] مبالغہ یہ مذکورہ مادہ میں موصوف کی صفت (یعنی مذکورہ مادہ) میں زیادتی پر دلالت کرنا ہے جیسے علیم کا صیغہ کا یہ موصوف بالعلم کی صفت علم میں زیادتی پر دلالت کرتا ہے یعنی وہ بہت زیادہ علم والا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ دیکھیں ''مصباح اللغات ص ۹ کالم نمبر ا بتصرف'' ''نسیم''

شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

ترجمہ:...... اور اُنہوں نے کہا کہ اللہ نے بیٹا بنالیا ہے وہ اِس سے پاک ہے، بلکہ اُسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے، سب اُسی کے لیے فرمانبردار ہیں۔ ﴿۱۱۶﴾ وہ بلامثال کے پیدا فرمانے والا ہے، اور جب فیصلہ فرمائے کسی امر کا تو بس یوں فرمادیتا ہے کہ ہوجا، پس ہوجاتا ہے۔ ﴿۱۱۷﴾ اور کہا ان لوگوں نے جو نہیں جانتے، کیوں نہیں بات کرتا ہم سے اللہ، یا کیوں نہیں آتی ہمارے پاس کوئی دلیل، ایسا ہی کہا اُن لوگوں نے جو اُن سے پہلے تھے انہیں جیسی بات، ان کے دل آپس میں ایک دُوسرے کے مُشابہ ہوگئے، بلاشبہ ہم نے اُن لوگوں کے لیے دلیلیں بیان کردی ہیں جو یقین لاتے ہیں۔ ﴿۱۱۸﴾ بے شک ہم نے آپ کو بھیجا ہے حق کے ساتھ خوش خبری سُنانے والا اور ڈرانے والا اور دوزخ والوں کے بارے میں آپ سے سوال نہیں کیا جائے گا۔ ﴿۱۱۹﴾ اور ہرگز راضی نہ ہوں گے آپ سے یہود و نصاریٰ یہاں تک کہ آپ اُن کے دین کا اتباع کرلیں، آپ فرمادیجیے کہ بِلاشُبہ اللہ کی ہدایت جو ہے وہی ہدایت ہے اور اگر آپ نے ان کی خواہشوں کا اتباع کیا بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے تو نہ ہوگا آپ کے لیے کوئی ولی اور مددگار جو اللہ سے بچادے۔ ﴿۱۲۰﴾ وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں، جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے، یہ لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں اور جو شخص اس پر ایمان نہ لائے سو یہ لوگ پوری طرح خسارے میں ہیں۔ ﴿۱۲۱﴾ اے بنی اسرائیل میری ان نعمتوں کو یاد کرو جن کا میں نے تم پر انعام کیا اور اس بات کو بھی کہ میں نے تم کو تمام جہان پر فضیلت دی، ﴿۱۲۲﴾ اور ڈرو اس دِن سے جس دِن کوئی شخص کسی جان کی طرف سے کوئی مطالبہ ادا نہ کرے گا اور نہ کسی کی طرف سے جان کا کوئی بدلہ قبول کیا جائے گا اور نہ کوئی شفاعت نفع دے گی، اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔ ﴿۱۲۳﴾

مناسبت:...... جب رب تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کی افترا پردازیوں (دروغ گوئیوں اور دروغ باغیوں) کو ذکر کیا اور ان کے (اس جھوٹے) گمان کو (خاص طور پر) ذکر کیا کہ جنت خاص صرف انہی کی ہے، جس میں کوئی ان کے ساتھ شریک نہ ہوگا، تو اس کے بعد رب تعالیٰ نے ان یہود، (مردود اور بے راہ) نصاریٰ اور (بے علم) مشرکین کی بعض برائیوں کو ذکر کیا مثلاً یہ لوگ اس بات کے مدعی تھے کہ خدا تعالیٰ کی اولاد ہے جیسے یہود کا گمان تھا کہ حضرت عزیر علیہ السلام خدا کے لیے ہیں اور نصاریٰ کا یہ گمان تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں اور مشرکین کا گمان (ان سب سے نرالا) تھا (وہ یہ) کہ فرشتے خدا تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ چنانچہ رب تعالیٰ نے ان سب کو جھٹلایا اور ان کے دعووں کو ناقابل تردید حجتوں اور پختہ دلائل سے رد کیا۔

لغت: سُبْحٰنَهٗ:...... ''سُبْحَانَ یہ سَبَّحَ سے مصدر ہے جس کا معنی ہے نَزَّهَ یعنی ان باتوں سے رب تعالیٰ کو پاک اور بری قرار دینا جو اس کی شایان شان نہیں۔'' قٰنِتُوْنَ: یہ قنوت سے ہے جس کا معنی اطاعت اور جھکنا ہے یعنی ''وہ رب کے مطیع و فرمانبردار اور اس کی آگے جھکے ہوئے ہیں۔'' بَدِيْعُ: یہ بَدِيْع بمعنی مُبْدِع ہے جو ابداع سے ہے اور ابداع کا معنی ہے کسی شے کو پہلے سے موجود کسی مثال کے بغیر بنانا اور ایجاد کرنا۔ قَضٰٓى: یعنی اس نے ارادہ کیا اور اس کو مقدر کردیا (اور اس کا فیصلہ کردیا)۔ بَشِيْرًا: یہ مُبَشِّر کے معنی میں ہے اور مُبَشِّر کسی سچی خوشی کی خبر دینے والے کو کہتے ہیں۔ نَذِيْرًا: یہ مُنْذِرْ کے معنی میں ہے اور مُنْذِرْ کسی خوفناک بات کی خبر دینے والے کو کہتے ہیں تاکہ اس سے بچا جائے۔ الْجَحِيْمِ: یہ بھڑکتی (شعلے مارتی) آگ (والے عذاب یا دوزخ کو کہا جاتا) ہے۔ مِلَّتَهُمْ: (ملت کا معنی ہے دین یعنی) ان کا دین۔ اور ملت کی جمع ملل ہے اور ملت کی اصل وہ راستہ ہے جس پر چلا جائے اس کے بعد یہ رب تعالیٰ کی اتاری ہوئی شریعت کا نام رکھ دیا (کیوں کہ لوگوں کو اس پر چلنے کا حکم ہوتا ہے)۔ عَدْلٌ: یہ بدلہ (اور فدیہ) کو کہتے ہیں۔

حضرت عزیر، حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو اللہ کا بیٹا اور فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہنا

تفسیر: وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا:...... یہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین (تینوں) کا قول ہے یعنی یہود کہتے تھے حضرت عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام کو رب تعالیٰ کا بیٹا کہتے تھے جب کہ مشرکین فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ رب تعالیٰ نے ان سب کے دعووں کو جھٹلایا اور فرمایا۔ سُبْحٰنَهٗ: یعنی یہ لوگ جو گمان رکھتے ہیں (کہ خدا تعالیٰ کی اولاد ہے خواہ بیٹا ہے یا بیٹی) رب تعالیٰ اس سے بہت زیادہ پاک اور بری ہیں۔ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: بَلْ یہ (گزشتہ بات سے اعراض اور) اضراب کے لیے آتا ہے یعنی بات وہ نہیں جو یہ

گمان کیے بیٹھے ہیں بلکہ وہ تمام موجودات کا خالق ہے جس میں حضرت عزیر علیہ السلام، حضرت مسیح علیہ السلام اور سب فرشتے بھی شامل ہیں (لہٰذا یہ مذکورہ افراد خدا کی اولاد نہیں بلکہ اس کی مخلوق ہیں)۔ کُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ: یعنی یہ سب کے سب اس کے مطیع و فرمانبردار ہیں تو ان میں سے کوئی بھی اس کی تکوین (وتشریع اور) تقدیر (اور) اور مشیئت (وارادہ) کے آگے سر نہیں اٹھا سکتا۔

رب تعالیٰ کے ارادے کو وجود ہے

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: ......یعنی وہ زمین وآسمان کو پہلے سے موجود ان کی کسی مثال کے بغیر پیدا کرنے والا اور ایجاد کرنے والا ہے۔ وَاِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ: یعنی وہ جب کسی شے کو پیدا اور ایجاد کرنا چاہتا ہے تو اس کو بغیر رکاوٹ اور مہلت کے پیدا کر دیتا ہے۔ پس جب وہ کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ پلک جھپکنے میں (بلکہ اس سے بھی پہلے) وجود میں آجاتی ہے۔ چنانچہ رب تعالیٰ کا ارادہ نافذ (ہی ہو کر رہتا) ہے اور اس امر ٹلتا نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَاۤ اَمْرُنَاۤ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ ۝ (سورۃ القمر، ۵۰) ”اور ہمارا حکم تو آنکھ جھپکنے کی طرح ایک بات ہوتی ہے۔“

وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ: ......ان سے مراد جاہل (بے علم و نادان) مشرکین ہیں اور یہ کفار قریش[۱] تھے۔ لَوْ لَا یُكَلِّمُنَا اللّٰهُ: یعنی رب تعالیٰ ہم سے روبرو گفتگو کیوں نہیں کرتے یا ہم پر اس بات کی وحی نازل کیوں نہیں کرتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پیغمبر ہو۔ اَوْ تَاْتِیْنَاۤ اٰیَةٌ: یعنی (یا ہمارے پاس ایسی کوئی نشانی کیوں نہیں آتی) جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی صداقت پر حجت اور دلیل ہو۔ ان لوگوں نے یہ بات تکبر اور عناد[۲] کی وجہ سے کہی تھی۔ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ: یعنی اپنے (اپنے وقت میں) رسولوں کو جھٹلانے والے تمہارے اسلاف نے بھی اسی طرح کی نہایت بری باطل بات (ان رسولوں سے) کہی تھی۔ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ: یعنی (ہدایت سے) اندھاپے، (رسولوں سے) عناد اور نبیوں کی تکذیب میں ان (موجودہ کفار و مشرکین) کے قلوب اپنے سے پہلوں کے دلوں سے ملتے جلتے ہیں۔ اس ارشاد خداوندی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تسلی (اور دل داری کا سامان) ہے۔ قَدْ بَیَّنَّا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ: یعنی ہم نے حق اور یقین کے متلاشیوں کے لیے دلائل کو واضح کر دیا ہے اور ان کے لیے حجتوں کو قائم کر دیا ہے اور یہ سب دلیلیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی باتوں کی صدق پر ناطق ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روشن اور معتدل شریعت کے ساتھ نزول

اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا: ......یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم نے آپ کو ایک روشن شریعت اور ایک معتدل اور سیدھا دین دے کر اہل ایمان کو نعمتوں والے باغات کی خوشخبری سنانے والا اور کافروں کو دوزخ کی بھڑکتی آگ کے عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ وَلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ: یعنی جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو خوب دعوت دے لی اور اس میں اپنی محنت خرچ کر لی تو اب اس کے بعد ان میں جو شخص ایمان نہیں لاتا اس کی ذمہ داری آپ پر نہیں۔[۳]

---

[۱] قریش کی وجہ تسمیہ میں مختلف اقوال ہیں، ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ تقرش سے مشتق ہے اور تقرش یہ تفریق کے بعد جمع ہونے کو کہتے ہیں۔ چوں کہ یہ سب متفرق تھے اور قصی بن کلاب کے زمانے میں حرم میں جمع ہو گئے تھے اس لیے انہیں قریش کہتے ہیں۔ اس کو ابن ہشام نے بھی ذکر کیا ہے۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری وجہ یہ بیان کی ہے کہ قریش تقرش سے مشتق ہے اور تقرش کے (ایک) معنی کسب و تجارت کے (بھی) ہیں (چوں کہ وہ تجارت کیا کرتے تھے اس لیے یہ نام پڑ گیا۔) اس کو ابن ہشام نے بھی ذکر کیا ہے۔ (سیرت ابن کثیر ج ۱ ص ۸۷، سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۱۶) قریش کس کو کہتے ہیں؟ علامہ زہری رحمۃ اللہ علیہ، قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ اور دلیاطی رحمۃ اللہ علیہ نے، فہر بن مالک کی اولاد کو قریش کہا ہے اور باقیوں کو کنانی کہا ہے جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، عراقی رحمۃ اللہ علیہ اور صلاح علائی رحمۃ اللہ علیہ نے نضر بن کنانہ کی اولاد کو بھی قریش کہا ہے اور اسی قول کو علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح اور مشہور قرار دیا ہے اور علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ دراصل ان دونوں اقوال میں کوئی تعارض نہیں۔ کیوں کہ فہر کے والد مالک نے فہر کے علاوہ کوئی اولاد نہیں چھوڑی اور مالک کے دو بھائی صلت اور مخلد بھی تھے مگر وہ زندہ نہ رہے اس لیے نضر اور فہر کی اولاد میں کوئی فرق نہیں دونوں ایک ہی ہیں۔

[۲] ”عناد، جان بوجھ کر حق کو ٹھکرانے اور اس کی مخالفت کرنے کو کہتے ہیں۔“ (القاموس الوحید ص ۱۱۳۱ کالم نمبر ۲) نسیم۔ [۳] اسی معنی میں کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

ما نصیحت بجائے خود کردیم زندگانی درین سربر دیم
گر نیاید بگوش رغبت کس بر رسولاں بلاغ باشد بس ”نسیم“

اس کی تفصیل کے لیے دیکھیں۔(زرقانی ج ۱ ص ۷۵-۷۶، ہادی اعظم، ص ۱۱۸-۱۱۹ دمہ اول ملخصاً وبتصرف) ''نسیم''

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ۝ (سورۃ الرعد، ۴۰) ''تو تمہارا کام (ہمارے احکام کو) پہنچا دینا ہے اور ہمارا کام حساب لینا ہے۔''[1]

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ: ......یعنی یہ دو گروہ ''یہود اور نصاریٰ'' آپ ﷺ سے کبھی بھی راضی نہ ہوں گے یہاں تک کہ آپ ﷺ روشن اسلام کو چھوڑ کر ان کے کج دین کی پیروی اختیار[2] کرلیں''قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى: یعنی اے محمد ﷺ! آپ ﷺ ان لوگوں سے کہہ دیجیے کہ اسلام ہی حق اور سچا دین ہے اور اس کے علاوہ سب گمراہی (ہی گمراہی) ہے۔وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ: یعنی اگر تو آپ ﷺ ان کی بے حقیقت آرا اور فاسد خواہشات میں ان کے قدم بقدم چلیں گے (اور ان کے ساتھ ہم آہنگی اور ان کی ہم نوائی اختیار کریں گے) حالاں کہ آپ ﷺ کے سامنے حق روشن دلائل اور ناقابل تردید حجتوں کے ساتھ ظاہر ہو چکا ہے (تو) مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ: آپ ﷺ کو (رب تعالیٰ کے) دکھ دینے والے عذاب سے بچانے والا یا اس کو آپ ﷺ سے ہٹانے والا کوئی نہ ملے گا۔(تو فرض کیا کہ جب خدا کے سچے پیغمبر کو یہود و نصاریٰ کے اتباع کی بعد عذاب خدا سے بچانے والا کوئی نہ ملے گا تو کیا کسی امتی کو ایسا کرنے پر مل جائے گا؟ ہرگز نہیں۔یہاں آپ ﷺ کو خطاب لفظوں میں ہے وگرنہ مراد امت ہی ہے۔[3] (نسیم)

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ: ......(یہ جملہ نحوی ترکیب کے اعتبار سے) مبتدا (ہے اور اس کی خبر اس کی بعد آگے مذکور ہے) اور (اس سے مراد) یہود و نصاریٰ کی وہ جماعت ہے جو اسلام لے آئی تھی۔(اور اس سے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور نجاشی رضی اللہ عنہ وغیرہ باانصاف یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔تفسیر حقانی ج ۱ ص ۲۵۳ کالم نمبر ۱۔نسیم)[4] يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ: یعنی اس کو اسی طرح پڑھتے ہیں جس طرح یہ نازل ہوئی تھی۔اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ: یہ (اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ) مبتدا کی خبر ہے (اور يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ جملہ حالیہ ہے)۔[5] یعنی (ان یہود و نصاریٰ میں) سچے مومن یہی لوگ ہیں نہ کہ وہ جو کلام اللہ (تورات اور انجیل) میں تحریف کرتے ہیں اور (کتاب خدا قرآن کو حق ہونے کے باوجود) ٹھکراتے ہیں۔وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ: یعنی جو قرآن کے ساتھ کفر کرتا ہے وہ یقیناً دنیا و آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہے۔

بنی اسرائیل کو تنبیہ

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ: ......یعنی (اے بنی اسرائیل!) تم میری ان بے شمار نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر اور تمہارے آباو اجداد پر کیں۔وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ: یعنی تم اس بات کو (اور میرے اس احسان کو) یاد کرو کہ جب میں نے تمہیں تمہارے زمانے کے تمام (دیگر) امتوں پر فضیلت بخشی۔وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا: یعنی اس خوفناک دن سے ڈرو (جو قیامت کا دن ہے) جس دن کوئی ایک دوسرے کے کچھ کام نہ آسکے گا اور اس سے ذرہ برابر عذاب بھی نہ ہٹا سکے گا کیوں کہ (اس دن) ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے میں محبوس ہوگا۔وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ: یعنی اس سے (اس دن برائیوں کے بدلہ میں کسی قسم کا) فدیہ (اور بدلہ) نہ قبول کیا جائے گا۔

---

[1] یہیں سے بعض لوگوں کے اس باطل نظریہ کی تردید ہوگئی جو یہ کہتے ہیں کہ ''جو بھی جہنم میں جا رہا ہے ہم سے اس کی پوچھ ہوگی'' کیوں کہ دین بحیثیت دعوت کے سب تک پہنچ چکا ہے اب نہ ماننے کی ذمہ داری۔فقط سننے والوں پر ہے اور اس میں مقدار جہد کو مطلق دخل نہیں کہ اس کو کسی عقلی یا نقلی پیمانے سے متعین نہیں کیا جا سکتا۔فقط واللہ اعلم۔''نسیم''

[2] یہود آپ ﷺ سے درخواستیں کیا کرتے تھے کہ اگر آپ ﷺ فلاں امر میں ہمارا کہنا مان لیں تو ہمارا آپ ﷺ کا اختلاف جاتا رہے کبھی تحویل قبلہ کی درخواست ہوتی، کبھی جانوروں کی حلت وحرمت میں اتفاق چاہتے تھے اور کبھی اور احکام میں تبدل وتغیر کی درخواست کرتے تھے۔رب تعالیٰ نے آپ ﷺ کو منع فرمایا کہ آپ ﷺ اس لالچ میں جزئیات میں ان کا کہنا نہ مانیے کہ یہ اصول مذہب میں آپ ﷺ کی پیروی کریں گے۔آپ ﷺ کی یہ خواہش ان کے ایمان لے آنے کی حرص کی وجہ سے تھی۔ واللہ اعلم (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۲۵۱ کالم نمبر ۲ ملخصاً وبتصرف) ''نسیم'' [3] ابن کثیر، معالم التنزیل، اور روح المعانی میں یہی مضمون مذکور ہے۔دیکھیں ''تفسیر ماجدی ص ۲۳۴ ج ۱ نسیم'' [4] اور الکتاب کی تفسیر میں اختلاف ہے بعض نے قرآن مراد لیا ہے اور بعض نے تورات اور انجیل۔اس کی تفصیلی بحث کے لیے دیکھیں تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۲۳۴-۲۳۵ تفسیر حقانی ج ۱ ص ۲۵۱-۲۵۲۔تفسیر مظہری ج ۱ ص ۱۶۱ اردو وغیرھا۔نسیم [5] بیان القرآن ج ۱ ص ۶۶ حاشیہ نمبر ۳ میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے یہی لکھا ہے۔نسیم

وَلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ: ......یعنی اس کو کسی کی شفاعت وسفارش بھی فائدہ نہ دے گی کیوں کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ﴿۴۸﴾ (سورۃ المدثر، ۴۸)

ترجمہ: ......''تو ان (خدا اور قیامت کے انکار کرنے والوں) کے حق میں سفارش کرنے والوں کی سفارش کچھ فائدہ نہ دے گی۔''[1]

وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ: ......یعنی نہ تو کوئی ان سے خدا کے عذاب کو ہٹائے گا اور نہ ہی ان سے اس کے عتاب (وسرتاب) کے غلبہ کو دور کرے گا۔

بلاغت: سُبْحٰنَهٗ: ......یہ جملہ اعتراضیہ ہے، اس کا فائدہ ان ظالموں کے دعویٰ کے بطلان کو بیان کرنا سے جو یہ گمان رکھتے تھے کہ خدا تعالیٰ کی اولاد ہے۔

علامہ ابوسعود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس میں (خدا تعالیٰ کے لیے) نہایت بلیغ پاکی کا بیان کرنا ہے۔[2] کیوں کہ اس کا اصل مادہ السَّبْح ہے (جو ثلاثی مجرد کے باب فتح یفتح سے ہے جس کا معنی خوب بولنا، خوب گھومنا پھرنا، تیرنا وغیرہ ہے) پھر اس کو (مجرد سے مزید فیہ کے باب) تفعیل کی طرف منتقل کیا گیا جو التسبیح (اور سبحان) ہے (جس کا معنی رب تعالیٰ کی عظمت و بڑائی کو بیان کرنا ہے) پھر (بجائے باب تفعیل کے کسی فعل کو لانے کے) اس کے مصدر سبحانہ کو لایا گیا کہ ان (امور) میں جو بلاغتیں ہیں وہ (عربی زبان کی فصاحت وبلاغت جاننے والے) کسی شخص پر پوشیدہ نہیں ہیں اور مراد یہ ہے کہ میں رب تعالیٰ کی وہ پاکی اور عیب سے وہ برأت بیان کرتا ہوں جو اس کی شان کے لائق ہے۔ (ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم ج۱ص ۱۱۷)

كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ: قٰنِتُوْنَ میں عقلا کی جمع کا صیغہ تغلیب کے لیے ہے یعنی اس میں عقلا کو غیر عقلا پر غالب کیا گیا ہے۔ تغلیب کو محاسن بیان میں شمار کیا جاتا ہے۔[3] اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ: یہ کافروں اور (خدا اور اس کے رسول کو) جھٹلانے والوں سے تعبیر ہے۔ (اس تعبیر سے) اس بات پر آگاہ کرنا (مقصود) ہے کہ ان (جان بوجھ کر حق کو ٹھکرانے والے) معاندین کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے لہٰذا ان سے اس بات کی امید نہ رکھی جائے کہ یہ لوگ کفر وضلالت کو چھوڑ کر ایمان واذعان (اور یقین وایقان) کی طرف لوٹ آئیں گے۔ هُوَ الْهُدٰى: یہاں هُدٰى کو الف لام کے ساتھ معرفہ بنا کر اور اس کو ضمیر فصل هُوَ کے ساتھ ملا کر یہ فائدہ دینے کے لیے ذکر کیا گیا ہے کہ ہدایت کا انحصار رب تعالیٰ کے دین میں ہی ہے۔ یہ صفت کے موصوف پر قصر کرنے کے باب سے ہے۔ چنانچہ اسلام (جو یہاں موصوف ہے) وہ سارے کا سارا (نرا) الْهُدٰى (یعنی ہدایت) ہے (جو صفت ہے) اور اسلام کے سوا جو کچھ ہے وہ گمراہی اور اندھا پاہے۔[4]

---

[1] امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: شفاعت کافر کے حق میں نہیں ہوسکتی۔ ''وعندنا لاشفاعة فی الکفر'' (تفسیر کبیر) بحوالہ ''تفسیر ماجدی ج۱ ص ۳۴۴'' نسیم

[2] مختلف ابواب کی مختلف خاصیات ہوتی ہیں۔ جب کسی مادہ کو ایک باب سے دوسرے کے باب کی طرف لے جاتے ہیں تو اس سے مقصود اس دوسرے باب کی کسی خاص معنوی صفت کو حاصل کرنا ہوتا ہے۔ باب تفعیل کی ایک خاصیت مبالغہ بھی ہے، اس کی کچھ تفصیل گزشتہ میں گزر بھی چکی ہے کہ مبالغہ یہ کسی امر کی کیفیت یا اس کی مقدار کی زیادتی کے بیان کرنے کو کہتے ہیں۔ (مصباح اللغات ص ۵ بحث ''بعض قیاسی احکام'' مجرد کو مزید فیہ بنانے کے فوائد۔ فائدہ نمبر (۲۹)، وخاصیات باب تفعیل۔ خاصیت نمبر (۱۱)

چنانچہ السبح مجرد کو باب تفعیل میں لے جانے سے مبالغہ کا فائدہ حاصل کرنا مقصود ہے یعنی میں رب تعالیٰ کی خوب خوب پاکی بیان کرتا ہوں اور خبر میں مشتقات کی جگہ مصدر کو مبالغہ پر دلالت کرنے کے لیے ہی لایا جاتا ہے، اس لحاظ سے باب تفعیل کے مصدر سبحان سے ماضی یا مضارع کے کسی صیغہ کو لانے کے بجائے مصدر ہی کو اس غرض سے ذکر کیا تا کہ رب تعالیٰ کی ذات میں پاکی اور عیب سے برأت میں مبالغہ پر دلالت ہو یعنی رب تعالیٰ کی ذات محض پاک، خوب پاک اور ہر قسم کے عیب سے بالکلیہ بری ہے۔ واللہ اعلم۔ مصدر کے تفصیلی احکام کے لیے دیکھیں ھدایۃ النحو ودرایۃ النحو وغیرہ۔ ''نسیم''

[3] جمع عقلا سے مراد جمع مذکر سالم کا وہ وزن ہے جس میں معنی صفت کا لحاظ ہو اور اس کا اطلاق ذوی العقول پر ہوتا ہو جیسے کہ علم، سمع، بصر وغیرہ کہ اس سے جمع عالمون بصیرون اور سامعون آئے گی یا محض اسم ہو مگر اس کا اطلاق بھی ذوی العقول پر ہوتا ہو جیسے زید کی جمع زیدون ہوگی۔ (مصباح اللغات ص ۱۱ بحث ''جمع'')

اور ذوی العقول سے مراد انسان اور جن ہیں جب کہ غیر ذوی العقول سے مراد حیوانات، جمادات اور نباتات وغیرہ ہیں۔ اب غیر ذوی العقول کی جمع فاعلون (جمع مذکر سالم) کے وزن پر نہیں آتی جیسے کلب کی جمع کلبون نہیں آئے گی لیکن کبھی ذوی العقول کو غیر ذوی العقول پر غالب کرتے ہوئے ان کی جمع بھی ذوی العقول کے وزن پر لے آتے ہیں اور اس سے مقصود حسن بیان ہوتا ہے۔ یہاں قٰنِتون میں بھی ایسا ہی ہے کہ اس میں اس کائنات کی ہر شئی خواہ عاقل ہو یا غیر عاقل دونوں مراد ہیں، مگر جمع، ذوی العقول کے وزن پر لا کر فن تغلیب کو استعمال کیا گیا ہے واللہ اعلم۔ اس کی تفصیل کے لیے دیکھیں مختصر المعانی، دروس البلاغہ، تلخیص البیان وغیرھا۔ ''نسیم''

[4] معرفہ کسی خاص اور متعین ذات کو کہتے ہیں اور نکرہ وہ ہے جو متعین نہ ہو۔ کسی کلمہ نکرہ پر الف لام داخل کرنے کا ایک مقصد اس کو...... (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ)

اسلامی وایمانی صفات چھوڑنے کی ممانعت اوران پر جمنے کی ترغیب

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ : یہ (ارشاد خداوندی) تہییج (برانگیختہ کرنے) اورالھاب (جوش دلانے) کے باب سے ہے۔ (یعنی اس میں نبی کریم ﷺ کے جذبات کو گرمایا جارہا ہے اور آپ ﷺ کو خطاب کے واسطے سے اس امت کو بھی ایمان پر جمنے کے لیے جوش دلایا جارہا ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے علم آچکنے اور حقائق الامور منکشف ہوچکنے کے بعد جزئیات تک میں ان کی یعنی یہود ونصاریٰ کی ہرگز ہرگز اتباع نہ کی جائے، یہاں رب تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نہایت مؤکد پیرایہ میں اس بات سے منع فرمایا ہے اور یہ ممانعت امت کے لیے بدرجۂ اولیٰ ہے کہ معاذ اللہ آپ ﷺ سے تو اس کے صدور کا شائبہ تک نہیں جب کہ امت اس میں مبتلا ہوئی کہ ان بدبخت قوموں سے اختلاط کر کے اوران کی رسوم میں شریک ہو کر رب تعالیٰ کی ولایت وحمایت سے محروم ہوئی اور زوال برکات اور عتاب الٰہی کا سبب بنی اور فتح ونصرت، ہیبت وشوکت اور اقبال ودولت ان سے جاتی رہی اور ان منحوس قوموں کا زہران میں بھی سرایت کر گیا۔

غرض اس آیت میں اسلامی وایمانی خواص چھوڑنے کی سخت ممانعت ہے اور اسلامی صفات پر جمنے کے لیے جوش دلایا گیا ہے۔

ایک باطل نظریہ کا بطلان

یہیں سے بعض لوگوں کے اس باطل نظریہ کا بطلان بھی واضح ہو گیا کہ ''دوسروں کی اصلاح کے لیے ان سے خوب اختلاط کیا جائے'' اس سے ان میں دینی صفات کا پیدا ہونا تو وہمی ہے جب کہ ان کی بری صفات کا خود میں پیدا ہونا یقینی ہے اور مشاہدہ بھی یہی ہے البتہ وعظ ونصیحت مطلق منع نہیں ہاں اس کی حدود اور شرائط متعین ہیں جن کا لحاظ ضروری ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ (از تفسیر حقانی ج۱ ص ۲۵۱۔ ۲۵۲)

تنبیہ: ......علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی رب تعالیٰ زمین وآسمان کو پہلے سے کسی مثال اور حد کے بغیر پیدا کرنے والے، عدم سے وجود میں لانے، اور اس کو ایجاد کرنے والے ہیں اور ہر وہ شخص جو ایسی شے بنائے جس کی پہلے سے مثال موجود نہ ہو (اور اس سے پہلے کسی نے اس کو نہ بنایا ہو) اس کو (اس شی کا) مبدع (یعنی بنانے والا) کہتے ہیں۔ بدعتیوں کو اسی معنی میں ''اصحاب البدع'' کہتے ہیں (کہ وہ ایسا کام کرتے ہیں جو ان سے پہلے کسی نے نہیں کیا ہوتا) اور بدعت کا نام بدعت اسی لیے ہے کہ اس کا قائل پہلے سے موجود کسی قول یا فعل کے بغیر اس کو (اپنی طرف سے گھڑتا اور) ایجاد کرتا ہے اور (اسی معنی میں) بخاری شریف میں (ایک روایت یوں مروی) ہے نعمت البدعة هذه یعنی تراویح کی نماز کے لیے جماعت کا رمضان شریف (کی راتوں میں تراویح کی نماز کے لیے جماعت) کا قیام...... آگے (علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں، ''مخلوق سے جو بھی بدعت صادر ہوگی یا تو اس کی اصل شریعت میں ہوگی یا نہ ہوگی؟ چنانچہ اگر تو اس کی کوئی اصل ہے تو وہ بدعت ستائش کے لائق ہے (شاید اسی کو بدعت حسنہ کہتے ہوں گے۔ نسیم) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نعمت البدعة هذه اس کا مؤید ہوگا اور اگر اس کی کوئی اصل نہ ہو تو وہ مذمت اور انکار کی سزاوار ہے اس کا بیان اس حدیث شریف میں آیا ہے:

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)...... معرفہ بنانا ہوتا ہے جس سے اس کی تعیین مقصود ہوتی ہے اب الهدیٰ سے مراد ایک خاص اور متعین ہدایت ہوگی نا کہ ہر قسم کی ہدایت، اور وہ اسلام ہے۔ ''ھو'' کو جب مبتدا اور خبر کے درمیان میں لاتے ہیں تو اس سے مقصود خبر کا مبتدا میں حصر کرنا ہوتا ہے۔ اس وقت اس ضمیر کو ضمیر فصل کہتے ہیں۔ حصر اور قصر یہ دونوں مترادف الفاظ ہیں یہ کسی حکم کو کسی ایک کے لیے ثابت کرنے اور ماسوا سے اس کی نفی کرنے کو کہتے ہیں۔ اب یہاں ہدایت کے دین خدا میں ہونے کا حصر در حصر ہے، ہم سہولت کے لیے اس کو ترتیب وار رکھتے ہیں۔

☆ ......الف لام داخل کر کے اس بات کا فائدہ دیا کہ ہدایت ایک خاص اور متعین ہدایت ہے جو صرف اور صرف رب کی ہدایت یعنی وہ اسلام میں ہے۔ ☆ ......ضمیر فصل لا کر خبر کا مبتدا میں حصر کر دیا کہ ہدایت صرف خدا کی ہی طرف سے ہے۔ نہ کہ کسی اور کی طرف سے اور وہ صرف اسلام ہی ہے۔ ☆ ......یہاں خبر بمنزلہ صفت کے ہے جو موصوف ''دین اسلام'' (یعنی هدی اللہ) کی ہے اور یہاں اس صفت کا اپنے موصوف میں حصر ہے کہ یہ صفت یعنی ہدایت فقط اسلام میں پائی جاتی ہے نہ کہ کسی اور میں۔ فقط واللہ اعلم۔ معرفہ، الف لام، ضمیر فصل اور حصر وقصر اور ان کی اقسام کے تفصیلی احکام جاننے کے لیے کتب نحو مثلاً ہدایۃ النحو وشرح جامی وغیرہما کی مراجعت کی جائے۔ نسیم

”جس نے اسلام میں کسی اچھی بات کو جاری کیا تو اس کو اس کا اور اس پر عمل کرنے والوں کا اجر ملے گا اور جس نے اسلام میں کسی بری بات کو جاری کیا تو اس پر اس کا گناہ اور اس بات پر عمل کرنے والوں سب کا گناہ ہوگا“۔ (تفسیر قرطبی ج۲ ص ۸۷)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور اس کا ثمرہ

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾

ترجمہ: ......اور جب آزمایا ابراہیم کو ان کے ربّ نے چند کلمات کے ذریعہ تو اُنہوں نے اُن کو پورا کیا۔ ان کے رَبّ نے فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ اُنہوں نے عرض کیا اور میری اولاد میں سے، ان کے رب نے فرمایا کہ میرا عہد ظلم کرنے والوں کو نہ ملے گا۔﴿۱۲۴﴾ اور جب ہم نے بنایا خانہ کعبہ کو لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ اور امن، اور بنا لو مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو حکم بھیجا کہ تم دونوں میرے گھر کو پاک کرو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے۔﴿۱۲۵﴾ اور جب کہا ابراہیم نے اے میرے رب! بنا دے اس شہر کو امن والا، اور رزق دے یہاں کے رہنے والوں کو پھلوں سے جو ان میں سے ایمان لائے اللہ پر اور یوم آخرت پر، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور جو شخص کفر اختیار کرے گا سو میں اسے تھوڑا سا نفع پہنچاؤں گا۔ پھر اُسے دوزخ کے عذاب کی طرف جبراً پہنچاؤں گا اور وہ بُری جگہ ہے۔﴿۱۲۶﴾ اور جب اُٹھا رہے تھے ابراہیم کعبہ کی بنیادیں اور اسمٰعیل بھی، اے ہمارے رب! قبول فرمالے ہم سے بے شک تو ہی خوب سننے والا جاننے والا ہے۔﴿۱۲۷﴾ اے ہمارے رب! اور بنا دے ہم کو تو اپنا فرمانبردار، اور بنا دے ہماری اولاد میں سے ایک اُمت جو تیری فرمانبردار ہو، اور ہمیں بتا دے ہمارے حج کے احکام، اور ہماری توبہ قبول فرما، بے شک تو ہی توبہ قبول فرمانے والا مہربان ہے۔﴿۱۲۸﴾

مناسبت: ......گزشتہ آیات میں رب تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر احسانات گنوائے، اور اس بات کو واضح فرمایا کہ کیسے ان لوگوں نے (خدا کی) نعمتوں کا کفر وعناد سے مقابلہ کیا کہ یہ اقوال وافعال میں منکرات کے مرتکب ہوئے۔ اب ان کی بات ابوالانبیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ تک پہنچ گئی جن کے ساتھ یہ یہود و نصاریٰ خود کو منسوب کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت و بزرگی کا اقرار بھی کرتے تھے لیکن اگر یہ لوگ اپنی ان باتوں میں سچے ہوتے تو ان پر نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع واجب ہوتی اور ان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معتدل اور سیدھے دین میں داخل ہونا واجب تھا کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی اس دعا کا ہی ثمرہ ہیں جو انہوں نے اہل حرم کے لیے مانگی تھی۔ دوسرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے بھی تھے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کے زیادہ مستحق وحقدار تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی جاتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سہولت والی اور شرک سے بیزار خالص خدا کی شریعت کو لازم پکڑا جاتا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت تھی۔

لغت: اِبْتَلٰٓی: ......اس کا معنی جانچنا اور پرکھنا ہے یعنی رب تعالیٰ نے آپ ﷺ کا امتحان لیا اور آزمایا۔ فَاَتَمَّهُنَّ: یعنی ان باتوں کو پورا پورا اور کامل ادا کیا۔ اِمَامًا: امام یہ اقوال وافعال کے اس نمونہ کو کہتے ہیں جس کی پیروی کی جائے۔ مَثَابَةً: یہ ثَابَ یَثُوْبُ سے ہے جس کا معنی ہے لوٹنا۔ اور مثابۃً (یہ اسم ظرف ہے اور اس) کا معنی "لوٹنے کی جگہ"۔ یعنی یہ لوگ بیت اللہ کی طرف بار بار آتے ہیں اور اس سے وہ اپنی حاجت پوری نہیں کرتے (یعنی ان کا وہاں جانے سے جی نہیں بھرتا یا انہیں وہاں بار بار جانے کی ضرورت پیش آتی ہے) شاعر کہتا ہے:

جُعِلَ الْبَيْتُ مَثَابًا لَهُمْ ليس منه الدهر يقضون الوطر بليك

ترجمہ: ......"بیت اللہ کو لوگوں کی جائے پناہ بنایا گیا اور رہتی دنیا تک انہیں اس سے کام رہے گا۔"

وَاَمْنًا: ......امن یہ خوف سے سلامتی اور نفس میں اور اہل وعیال میں اطمینان کو کہتے ہیں۔ وَعَهِدْنَآ: یعنی ہم نے انہیں حکم دیا اور انہیں وحی کی۔ لِلطَّآئِفِيْنَ: یہ طواف سے ہے جو طائف کی جمع ہے اور طواف کسی شے کے گرد گھومنے کو کہتے ہیں۔ وَالْعٰكِفِيْنَ: یہ عاکف کی جمع ہے اور یہ عکوف سے ہے، یہ کسی جگہ پڑے رہنے اور وہیں کا ہو رہنے کو کہتے ہیں اور اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو عبادت کی غرض سے حرم میں ٹھہرتے ہیں۔ فَاُمَتِّعُهٗ: یہ تمتیع سے ہے، یہ کسی انسان کو اس کے حق میں فائدہ بخش شے دینے کو کہتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴿۳۰﴾ (سورہ ابراہیم، ۳۰)

ترجمہ: ......"کہہ دو کہ (چند روز) فائدے اٹھا لو آخر کار تم کو دوزخ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔"

الْقَوَاعِدَ: ...... یہ قاعدہ کی جمع ہے۔ قاعدہ اساس (اور بنیاد) کو کہتے ہیں۔ مَنَاسِكَنَا: یہ مَنْسِك کی جمع ہے۔ یہ عبادت وطاعت (کے طریقہ) کو کہتے ہیں۔ اَلْحِكْمَةَ: یہ اس علم نافع کو کہتے ہیں جو عمل کے ساتھ ملا ہو اور اس سے مراد نبی کریم ﷺ کی پاکیزہ سنتیں ہیں۔ وَيُزَكِّيْهِمْ: یہ تزکیۃ سے ہے، اس کا اصلی معنی نشوونما کرنا ہے۔ کہا جاتا ہے زَكِيَ الزَّرْعُ کھیتی بڑھی (اور اس نے نشوونما پائی) پھر اس کو "نفس کے پاک کر دینے" کے معنی میں استعمال کیا جانے لگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ﴿۹﴾ (سورۃ الشمس، ۹) ترجمہ: ......"جس نے (اپنے) نفس (یعنی روح) کو پاک رکھا وہ مراد کو پہنچا۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش کا ذکر

تفسیر: وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ [1] رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ: ......یعنی اے محمد! آپ اس وقت کو یاد کیجیے جب رب تعالیٰ نے اپنے بندے حضرت

---

[1] حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قرآن میں پہلی بار نام اس مقام پر آیا ہے۔ آپ کی شخصیت کے عربوں میں حد درجے معروف ہونے کی وجہ سے بغیر کسی مزید تعارف کے بلا تکلف ذکر فرما دیا۔ تمام آسمانی مذاہب: اسلام، یہودیت اور نصرانیت میں آپ علیہ السلام کو ایک برگزیدہ اور خدا کے جلیل القدر پیغمبر کی حیثیت سے جانا گیا ہے۔ تورات میں آپ کا نام ابرام اور ابراہیم دونوں طرح آیا ہے۔ تورات کی روایت کے مطابق آپ حضرت نوح علیہ السلام کی گیارہویں پشت ہیں سر چالس مارسٹن محقق اثریات کی جدید ترین تحقیق کے مطابق آپ علیہ السلام کا سال ولادت ۲۱۶۰ ق م ہے اور عمر مبارک ۱۷۵ سال ہے جو تورات کی روایت کے مطابق ہے اس حساب سے سال وفات ۱۹۸۵ ق م بنتا ہے۔ والد کا نام تارح یا آزر تھا۔ آبائی وطن بابل یا کلدانیہ (کالریا) تھا جسے جدید جغرافیہ میں اب عراق کہتے ہیں۔ شہر ولادت تورات کے مطابق اُور (UR) ہے۔ مدتوں بعد اب یہ شہر دریافت کر لیا گیا ہے۔ اس کی کھدائیوں کی ابتدا ۱۸۹۴ میں ہوئی اور ۱۹۲۲ میں امریکہ اور برطانیہ کے محققین آثار قدیمہ کی ایک مشترکہ تحقیقی مہم برٹش میوزم اور پنسلو پنیا یونی ورسٹی کے زیر اہتمام عراق آئی اور سات سال کی کھدائیوں کی مہم کے بعد پورا شہر دریافت کر لیا جواب گورنمنٹ عراق نے محکمہ آثار قدیمہ کے تحت لا کر عجائب خانہ کے حکم میں لا کر ان کھنڈروں کو محفوظ کر دیا ہے۔ واذ ابتلی ابراھیم۔ یہ شہر خلیج فارس کے دہانہ فرات اور عراق کے پایہ تخت بغداد کے تقریباً درمیانی مسافت پر ہے۔

گو آپ علیہ السلام کی شخصیت تینوں آسمانی مذاہب میں مسلم رہی مگر روشن خیال محققین نے انیسویں صدی کے ربع آخر میں موجود بائبل کی تحریفات سے تنگ آ کر آپ علیہ السلام کی شخصیت کا ہی انکار کر دیا اور آپ علیہ السلام کو ایک نوحی شخصیت یا ہر کسی قبیلہ کے شیخ کا لقب قرار دے دیا۔ مگر ربع آخر کے گذرنے کے بعد جدید۔ تحقیقات نے آپ علیہ السلام کی شخصیت کا بھرپور اعتراف کیا۔ لفظ ابراہیم کے سریانی زبان میں جو بھی معنی ہوں مگر عربی اہل لغت نے اپنی زبان میں اس لفظ کا معنی اب رحیم کیا ہے کیوں کہ آپ علیہ السلام کی شفقت بچوں کے ساتھ مسلم ومعروف ہے۔" (تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۲۳۶ ـ ۲۳۷ بتصرف وملخصاً) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کسی قدر حالات اور آپ علیہ السلام کے آزمائش کو جاننے کے لیے دیکھیں بندہ محمد آصف نسیم کی تالیف "انبیاء کرام کی آزمائشیں" (ص ۹۷ ـ ۱۰۳)۔ "نسیم"

ابراہیم خلیل علیہ السلام کو آزمایا اور انہیں تمام تکالیف شرعیہ یعنی ''اوامر ونواہی'' کا مکلف بنایا تو انہوں نے انہیں بطریق احسن قائم کیا۔ قَالَ اِنِّیۡ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا: یعنی رب تعالیٰ نے جناب ابراہیم علیہ السلام کو ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں لوگوں کے لیے نمونہ اور منارۂ ہدایت بناؤں گا کہ لوگ آپ علیہ السلام (کے نمونہ پر چلنے) سے راہ ہدایت پائیں گے۔ قَالَ وَمِنۡ ذُرِّيَّتِىۡ: یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے (یہ سن کر) یہ التجا کی کہ میری اولاد میں سے بھی اے پروردگار! پیشوا بنائیے لقَالَ لَا يَنَالُ عَهۡدِى الظّٰلِمِيۡنَ: یعنی ہمارا یہ فضل عظیم کسی کافر کو نہیں ملتا۔ وَاِذۡ جَعَلۡنَا الۡبَيۡتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ: یعنی (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم!) اس وقت کو بھی یاد کیجیے کہ جب ہم نے کعبۂ معظمہ کو لوگوں کے لوٹنے کی جگہ بنایا کہ وہ ہر طرف سے اس کی طرف امنڈے چلے آتے تھے (اور چلے آتے ہیں)۔[1] وَاَمۡنًا: یعنی امن کی جگہ کہ جو شخص اس میں پناہ لے اس کو امن ملے کیوں کہ رب تعالیٰ نے عربوں کے دل میں اس کی تعظیم اور بزرگی کو بٹھا دیا تھا۔ وَاتَّخِذُوۡا مِنۡ مَّقَامِ اِبۡرٰهٖمَ مُصَلًّى: یعنی، اور ہم نے لوگوں سے یہ کہا کہ مقام ابراہیم کو مصلی بناؤ یعنی اس کے نزدیک نماز ادا کرو، اور یہ وہ پتھر ہے جس پر کعبہ کی تعمیر کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوتے تھے۔[2] وَعَهِدۡنَاۤ اِلٰٓى اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ[3] یعنی ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل کو امر دیا اور انہیں وصیت کی۔ اَنۡ طَهِّرَا بَيۡتِىَ لِلطَّآئِفِيۡنَ وَالۡعٰكِفِيۡنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوۡدِ: یعنی ہم نے ان دونوں (بزرگوں) کو اس بات کا حکم دیا کہ وہ بیت اللہ کو گندگیوں اور بتوں سے بچائیں (اور ان سے اسے گندہ نہ ہونے دیں) تاکہ یہ (جگہ) اس کے گرد طواف کرنے والوں، اس میں ہر طرف ٹھہر کر اعتکاف کرنے والوں اور اس میں نمازیں ادا کرنے والوں کے لیے پناہ گاہ بنے۔

اس آیت نے بیت اللہ میں عبادت کرنے والوں کی اصناف واقسام کو جمع کیا ہے (جو یہ ہیں)۔ طواف کرنے والے، اعتکاف کرنے والے اور نمازیں پڑھنے والے۔ آگے رب تعالیٰ دعائے خلیل علیہ السلام کو ذکر فرماتے ہیں۔

مکہ مکرمہ کی فضیلت

وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ رَبِّ اجۡعَلۡ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا: ...... یعنی (انہوں نے یہ دعا مانگی کہ اے پروردگار) اس جگہ یعنی مکۃ المکرمہ کو امن والی جگہ بنا دیجیے جس کے باسی امن واطمینان میں (خوشگوار زندگی گزارنے والے) ہوں۔ وَّارۡزُقۡ اَهۡلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنۡ اٰمَنَ مِنۡهُمۡ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ: یعنی اے مومنین کے رب! یہاں کے باشندوں اور باسیوں کو طرح طرح کے پھلوں کا رزق دے تاکہ وہ تیری طاعت کی طرف متوجہ ہوں اور تیری

---

[1] کعبہ کی اسی صفت کو بیان کرتے ہوئے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ گلستان میں کہتے ہیں:

"طوبی لباب البیت العتیق حوالیہ من کل فج عمیق" نسیم

[2] یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر کبیر میں روایت ہے جس میں مزید یہ بھی ہے کہ جوں جوں دیواریں بلند ہوتی جاتی تھیں یہ پتھر بھی بلند ہوتا جاتا تھا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نیچے سے پتھر اور گارا دیتے اور یہ دعا کرتے جاتے تھے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا اِنَّكَ اَنۡتَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ (تفسیر کبیر)

اس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کا نشان بھی تھا جو لوگوں کے کثرت سے ہاتھ پھیرنے سے اب بخوبی معلوم نہیں ہوتا۔ سنن بیہقی میں ہے کہ:

''یہ پتھر عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد صدیقی رضی اللہ عنہ میں کعبہ سے متصل تھا۔ عہد فاروقی میں یہ ''ام نہشل'' نامی سیلاب میں بہہ گیا جسے بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کعبہ کے پاس ایک جگہ رکھ دیا اور اس کے اردگرد پتھروں کی دیوار چن دی۔ یہ پتھر اس کے بعد سے اب تک وہیں ہے اب اس کی اردگرد جالیاں بنی ہوئی ہیں۔'' (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۲۵۶ کالم نمبر ۲ ملخصاً)۔ ''نسیم''

[3] حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند اکبر تھے اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام مصریہ کے بطن مبارک سے تھے۔ سال ولادت غالباً ۲۰۷۴ ق م اور سال وفات غالباً ۱۹۳۷ ق م ہے۔ اور عمر مبارک تورات کے مطابق ۱۳۷ برس تھی آپ علیہ السلام کے بارہ فرزند ہوئے جن سے بارہ نسلیں چلیں تورات پیدائش۔ ۲۵۔ ۱۲ میں ان سب کے ناموں کے ساتھ اس بات کی صریح ہے کہ وہ بارہ قبیلوں کے سردار تھے۔ عرب کا مشہور اور عالی نسب قبیلہ قریش آپ علیہ السلام ہی کی نسل سے ہے اس لیے آپ علیہ السلام جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی مورث اعلیٰ ہوئے۔ (تفسیر ماجدی ص ۲۴۲ ج ۱)۔ ''نسیم''

عبادت کے لیے فارغ (البال) ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو یہ دعا صرف اہل ایمان کے لیے مانگی تھی، رب تعالیٰ آپ علیہ السلام کی اس دعا کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: قَالَ وَمَنۡ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيۡلًا : یعنی رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "میں کافروں کو بھی رزق دوں گا جس طرح کہ میں اہل ایمان کو رزق دیتا ہوں (تو) کیا (ایسا ہوسکتا ہے کہ) میں (اپنی) مخلوق کو پیدا کروں اور پھر میں انہیں رزق (بھی) نہ دوں؟ (جب کہ میرے علاوہ اس کو، خواہ وہ میری فرمانبردار ہو خواہ نافرمان، کوئی رزق دینے والا نہیں) چنانچہ میں کافر کو تو اس دنیا میں قدرے (یعنی جتنا دنیاوی زندگی میں اس کا مقدر ہے) رزق دوں گا اور یہ اس کی دنیا کی زندگی کی مدت کے بقدر ہوگا۔ ثُمَّ اَضۡطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ : یعنی پھر میں اس کو آخرت کی (وہ چاہے یا نہ چاہے) طرف کھینچ لے جاؤں گا اور اس کو آگ کے عذاب کی طرف ہانکوں گا پھر وہ وہاں سے بھاگنے کی کوئی راہ نہ پائے گا۔ وَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ : یعنی کافر کے لیے مال کا رلوٹنے کی وہ نہایت بری جگہ ہے کہ (وہاں آخرت میں) اس کا ٹھکانہ جہنم (اور اس کی آگ کا عذاب) ہو۔ حضرت خلیل علیہ السلام نے رزق (کی نعمت) کو (نعمت) امامت پر قیاس (کرکے اس کو بھی ہر ایک کے لیے دربار خداوندی سے طلب) کیا تو (اس پر) رب تعالیٰ نے انہیں متنبہ فرمایا کہ رزق تو دنیاوی رحمت ہے جو نیک و بد ہر ایک کو شامل ہے بخلاف (نعمت) امامت کے کہ یہ صرف خواص مؤمنین کے ساتھ خاص ہے۔ آگے رب تعالیٰ بیت عتیق (پرانا گھر یعنی خانہ کعبہ) کی تعمیر کے قصہ کو بیان فرماتے ہیں۔

بیت اللہ کی تعمیر اور حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام کی دعا

وَاِذۡ يَرۡفَعُ اِبۡرٰهٖمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ الۡبَيۡتِ وَاِسۡمٰعِيۡلُ :...... یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ اس امر عجیب و غریب کو بھی یاد کیجیے اور وہ رب تعالیٰ کے دو عظیم رسولوں "جناب ابراہیم علیہ السلام اور جناب اسماعیل علیہ السلام" کا بیت اللہ کی بنیادوں کو اونچا کرنا اور اس کی (دیواروں وغیرہ کی) تعمیر کو بلند کرنا ہے اور اس کی بنیادوں کو مضبوط کرنا ہے اور (اس دوران) وہ دونوں حضرات رب تعالیٰ کی عظمت و جلال اور اس کے آگے خضوع کے ساتھ یہ کہہ رہے تھے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ : یعنی وہ دونوں (خدا کے بزرگ پیغمبر بیت اللہ کو) تعمیر کرتے جاتے اور ان کریم دعاؤں کو مانگتے جاتے، کہ "اے ہمارے پروردگار! ہمارے اس فعل (تعمیر خانۂ خدا) کو قبول فرما اور اس کو خالص اپنی کریم ذات کے لیے بنا دے بے شک آپ ہماری دعاؤں کو سننے والے اور ہماری نیتوں کو جاننے والے ہیں۔ رَبَّنَا وَاجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَيۡنِ لَكَ : یعنی اے پروردگار! آپ ہمیں اپنے آگے جھکنے والا اور اپنے حکم کے آگے فرمانبرداری کرنے والا بنا دیجیے۔ وَمِنۡ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسۡلِمَةً لَّكَ : یعنی ہماری اولاد میں سے وہ لوگ بنا دیجیے جو تیرے آگے اپنی گردن جھکا دیں اور تیری عظمت کے آگے جھکتے چلے جائیں۔

وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا : یعنی آپ ہمیں ہماری عبادت کے طریقے اور ہمارے حج کے مناسک (یعنی حج کرنے کے طریقے) سکھلا دیجیے۔ وَتُبۡ عَلَيۡنَا ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ : یعنی ہمارے حال پر (رحم کے ساتھ) توجہ فرما اور ہم پر رحم فرما بے شک تیری مغفرت بہت بڑی اور تیری رحمت بڑی وسیع ہے۔ رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ : یعنی اس امت مسلمہ میں ایک رسول انہیں میں سے بھیجیے۔ یہ دعائیہ کلمات بھی ان (برگزیدہ ہستیوں) کی دعاؤں میں شامل تھے جسے رب تعالیٰ نے "سراج منیر جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم" کو ان میں بھیج کر قبول فرمایا۔ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ : یعنی (وہ انہیں) قرآن (کریم) کی آیات پڑھ پڑھ کر سنایا کرے۔ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ : یعنی انہیں قرآن عظیم اور سنت مطہرہ کی تعلیم دے۔ وَيُزَكِّيۡهِمۡ : یعنی ان کو شرک کی گندگی سے پاک کرلے۔ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ : عزیز وہ ذات ہے جس کو کوئی دبا نہ سکے اور نہ کوئی اس پر غالب آسکے اور حکیم وہ ذات ہے جو صرف وہ عمل کرے کہ حکمت اور مصلحت (ہی) اس کی مقتضی ہو۔

بلاغت: اِبۡتَلٰٓى اِبۡرٰهٖمَ رَبُّهٗ :...... یہاں ربوبیت کے عنوان سے تعرض جناب خلیل علیہ السلام کو تعظیم و توقیر کے لیے اور یہ بتلانے کے لیے کیا گیا کہ یہ آزمائش آپ علیہ السلام کی تربیت کے لیے اور ایک عظیم امر کے لیے (آپ علیہ السلام کو) اہل اور لائق بنانے کے لیے ہے۔ مطلب یہ کہ رب تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کے ساتھ امتحان لینے والا معاملہ فرمایا کہ آپ علیہ السلام کو اوامر و نواہی کا مکلف بنایا جن کے ذریعے آپ علیہ السلام کا امامت عظمیٰ کا مستحق ہونا ظاہر

ہوگیا۔ وَاَمۡنًا: یہ مصدر ہے (جب کہ یہاں اسم فاعل یعنی اٰمن "آنا چاہیے تھا) اور مصدر کو اسم فاعل کی جگہ مبالغہ (کا معنی ادا کرنے) کے لیے رکھا گیا اور یہ "اسناد مجازی"[1] ہے یعنی "جو اس میں داخل ہو گیا اس کو امن والا بنا" جیسا کہ (یہی معنی اس) ارشاد خداوندی (میں) ہے:

وَمَنۡ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا (سورہ آل عمران، ۹۷) یعنی "اور جو شخص اس (مبارک گھر) میں داخل ہوگیا اس نے امن پالیا۔"

اور اس کی سب سے بہتر تفسیر اندر جا گھسنے والے سے ہے (کہ اگر کوئی خونی حدود حرم میں جا گھسے تو اس کو وہاں سزائے موت نہ دیں گے اور باہر نکالنے یا نکلنے تک وہ امن میں ہوگا۔ البتہ اس کی رسد بند کردیں گے تاکہ وہ مجبور ہو کر باہر نکل آئے۔ واللہ اعلم) (از بیان القرآن ج۱ ص ۷۹ بتصرف۔ نسیم)

طَهِّرَا بَيۡتِىَ: ......اس میں لفظ بیت کی رب تعالیٰ کی ضمیر (یائے متکلم) کی طرف اضافت (اس گھر کی) تعظیم و توقیر کے لیے ہے۔ وَاِذۡ يَرۡفَعُ اِبۡرٰهٖمُ: یہاں ماضی کے ایک قصہ کی حکایت مضارع (یعنی فعل مستقبل) کے صیغے سے کی ہے۔ محاسن بیان میں اس کی وجہ معروف ہے۔ کہ یہ گزشتہ (قصہ کی) صورت کو (زمانۂ حال میں) مستحضر کرنے کے لیے ہے گویا اس کا آنکھوں سے مشاہدہ کیا جارہا ہے گویا کہ (ان آیات کو) سننے والا ان بنیادوں کو اونچا ہوتے دیکھ رہا ہے اور جناب ابراہیم علیہ السلام اور جناب اسماعیل علیہ السلام انہیں (اس کی آنکھوں کے سامنے) تعمیر فرمارہے ہیں۔ علامہ ابوسعود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ماضی کی باتوں کی حکایت کرنے کے لیے استقبال کے صیغہ کو لایا گیا ہے تاکہ اس انوکھی اور عجیب صورت کا استحضار ہو جو ایک زبردست معجزہ سے وجود میں آئی" (اور وہ اس پتھر کا خود بخود اٹھنا ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کو تعمیر فرما رہے تھے۔ واللہ اعلم، نسیم)۔ (تفسیر ابوسعود ج۱ ص ۱۲۴)

التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ: ......یہ دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں کیوں کہ فعال اور فعیل مبالغہ کے صیغے ہیں۔[2]

فوائد: پہلا فائدہ: ابۡتَلٰٓى اِبۡرٰهٖمَ رَبُّهٗ: ...... یہاں مفعول بہ کو مقدم کرنا واجب ہے، کیوں کہ فاعل کے ساتھ مفعول بہ کی ضمیر ملی ہوئی ہے۔ چنانچہ اگر فاعل کو مقدم کیا جائے تو ضمیر کو ایسے لفظ کی طرف لوٹانا لازم آئے گا جو لفظاً بھی متاخر ہے اور رتبۃً بھی۔[3]

---

[1] اسناد مجازی یہ فعل یا معنی فعل کی ایسی چیز کی طرف نسبت کرنا ہے کہ اس چیز اور فعل یا معنی فعل کے درمیان تعلق ہو اور یہ تعلق اس تعلق کا غیر ہو جس کے لیے اس فعل کو بنایا گیا ہے یعنی فعل ایک ایسی فاعل کی طرف مسند ہو جو درحقیقت اس کا فاعل نہ ہو مثلاً یہاں اَمۡنًا بمعنی اٰمِنًا ہے اور یہ معنی فعل ہے۔ یہاں اس کی اسناد "بیت" کی طرف ہے جب کہ درحقیقت اس کا فاعل بیت نہیں (کہ امن والا خود یہ گھر نہیں ہے) بلکہ وہ ہے جو اس میں داخل ہوا ہے۔ لہٰذا یہ اسناد، اسناد مجازی کہلائے گی۔ اسناد مجازی کو مجاز عقلی، مجاز حکمی اور مجاز فی الاثبات بھی کہتے ہیں، اس کی تفصیل کے لیے دیکھیں "تکمیل الامانی حصہ اول ص ۱۶۹۔۱۷۱ (نسیم) [2] مصباح اللغات ص۹ پر مبالغہ کے ۱۵ اوزان مع امثلہ لکھے ہیں اس کے علاوہ دس اوزان شاذ بھی درج ہیں ان کا دیکھنا فائدہ سے خالی نہیں۔ نسیم [3] یہاں پر چند عربی قواعد کی طرف اشارہ ہے۔ ① عربی قواعد نحو کے مطابق ضمیر، اس اسم کے بعد آتی ہے جس کی جگہ اس کو لے کر آتے ہیں اور اس ضمیر سے لفظ مراد ہوتا ہے اس کو متعین کرنے کو ضمیر کا لوٹانا کہتے ہیں اور اس لفظ کو ضمیر کا مرجع کہتے ہیں اور کسی ضمیر کے مرجع کو اس ضمیر کے بعد لانا جائز نہیں۔ اس کو نحو کی اصطلاح میں اضمار قبل الذکر کہتے ہیں جو ناجائز ہے۔ ② دوسرا یہ کہ فاعل اور مفعول میں سے پہلے فاعل کو لاتے ہیں پھر مفعول کو مگر یہ ترتیب وجوبی نہیں اس کے برعکس بھی کیا جاسکتا ہے جب کہ برعکس ترتیب بھی واجب نہیں۔ ③ جب ضمیر کا مرجع ایسا لفظ ہو جو لفظوں میں تو متاخر ہو مگر رتبۃً مقدم ہو تو ضمیر کو اس کے مرجع سے پہلے لاسکتے ہیں اور اضمار قبل الذکر کی ممانعت ختم ہوجائے گی مثلاً ضرب غلامہ زید۔ یہاں "ہ" ضمیر لفظ زید کی طرف لوٹ رہی ہے جو اگرچہ مرجع ہونے کے اعتبار سے لفظوں میں ضمیر کے بعد ہے اور یہ صورۃً اضمار قبل الذکر ہے مگر درحقیقت رتبہ کے اعتبار سے یہ مرجع پہلے ہی ہے کیوں کہ زید فاعل ہے اور فاعل کا رتبہ مفعول سے پہلے ہے، گویا کہ عبارت یوں ہے ضرب زید غلامہ۔ ④ لیکن جب ضمیر کا مرجع لفظوں میں مقدم نہ ہو اور رتبہ کے اعتبار سے بھی مقدم نہ ہو تو اب اضمار قبل الذکر جائز نہ ہوگا بلکہ واجب ہوگا کہ مرجع پہلے ذکر کیا جائے۔ جیسے ضرب غلامہ زیداً "زید کو اس کے غلام نے مارا" کہ یہاں "ہ" زید کی طرف لوٹ رہی ہے جو لفظوں میں بھی متاخر ہے اور رتبہ کے اعتبار سے بھی کہ فاعل پہلے ہوتا ہے اور مفعول بہ بعد میں اور زید یہاں مفعول بہ ہے۔ لہٰذا یہ مثال ناجائز ہوگی کیوں کہ اس میں اضمار قبل الذکر (ضمیر اپنے مرجع سے پہلے) ہے۔ ان قواعد کے سرسری تذکرہ کی بعد مذکورہ بالا آیت کو دیکھیے۔ اس میں ربہٗ فاعل ہے جس کو رتبہ کے اعتبار سے پہلے ہونا چاہیے مگر اس کے ساتھ "ہ" ضمیر ہے جس کا مرجع ابراہیم ہے جو لفظوں میں مفعول بہ ہے۔ اب اگر اس کو رتبہ کے اعتبار سے لفظوں میں فاعل سے متاخر کریں تو ربّہ کی ضمیر کا مرجع ایسا لفظ بنے گا جو لفظوں میں بھی متاخر ہے اور رتبہ کے اعتبار سے بھی۔ ایسا اضمار قبل الذکر ناجائز ہوتا ہے۔ اور جہاں ضمیر کے مرجع کی صورت حال ایسی ہو وہاں فاعل کو متاخر اور مفعول بہ کو مقدم کرنا واجب ہوتا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ اس کی تفصیل کے لیے دیکھیں شرح جامی وغیرھا۔ (التسہیل السامی فی حل شرح الجامی، ص۱۵۹۔۱۶۰ ملخصاً و بتصرف)۔ "نسیم"

ابن مالک رحمۃ اللہ علیہ [1] کہتے ہیں:

وَشَاعَ نَحْوُ خَافَ رَبَّهُ عمر　　　وَشَذَّ نحو زان نورُه الشجر

خاف ربه عمر کی مثال عام ہے اور زان نوره الشجر کی مثال شاذ ہے۔ (یعنی جہاں ضمیر کا مرجع رتبۃً مقدم ہو مگر لفظوں میں مؤخر ہو ایسا کئی مثالوں میں مل جاتا ہے جن میں سے ایک مثال یہ ہے "خاف ربه عمر (عمر اپنے رب سے ڈرا) کہ اس میں ربه مفعول بہ ہے جس کی ضمیر کا مرجع عمر ہے جو فاعل ہے۔ اگر چہ لفظوں میں متاخر ہے مگر فاعل ہونے کے اعتبار سے مرتبہ میں مقدم ہے لہٰذا یہ مثال جائز ہے اور یہاں اضمار قبل الذکر لازم نہیں آتا۔ جب کہ زان نوره الشجر "درخت کو اس کے نور نے آراستہ کر دیا" کی مثال شاذ یعنی خلافِ قانون ہے کہ اس میں نوره فاعل ہے جو اپنے رتبہ و مقام پر ہے۔ اس کی ضمیر "ہ"، "الشجر" کی طرف راجع ہے جو مفعول بہ ہے۔ اب یہاں ضمیر کا مرجع لفظوں میں بھی متاخر ہے اور رتبۃً بھی مؤخر ہے۔ ایسی مثال عمومی ضابطہ کے لحاظ سے تو اضمار قبل الذکر کی وجہ سے ناجائز ہے مگر مذکورہ بالا مثال چوں کہ مشہور ہے اس لیے اس کو شاذ یعنی خلاف قاعدہ کہیں گے۔ فقط واللہ اعلم (نسیم)

دوسرا فائدہ:...... اختبار یعنی جانچنا اصل میں یہ کسی کا کسی شے کے ذریعے امتحان لینا ہے تاکہ اس شخص کے صدق یا کذب کو جانا جا سکے۔ اختبار کا یہ معنی رب تعالیٰ کی ذات پر مستحیل (یعنی ناممکن) ہے، کیوں کہ رب تعالیٰ کسی کے صدق و کذب کو اس کا امتحان لینے سے پہلے ہی جانتے ہیں مراد یہ ہے کہ رب تعالیٰ اس کے ساتھ جانچنے والے کا سا معاملہ کریں گے تاکہ اس کے صدق و کذب کو مخلوق پر ظاہر کر دیں۔

تیسرا فائدہ:...... جن کلمات کے ذریعے رب تعالیٰ نے جناب ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش فرمائی تھی ان کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ سب سے صحیح قول وہ ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ "وہ باتیں جن میں رب تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مبتلا کیا اور وہ ان میں پورے اترے وہ آپ علیہ السلام کا خدا کے امر سے اپنی قوم کو چھوڑنا ہے، خدا کے بارے میں نمرود کا (حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ) جھگڑا کرنا، اور آپ علیہ السلام کا قوم کا آپ کو آگ میں (زندہ) جلا دینے کے لیے پھینکنے پر صبر کرنا، اور خدا کے حکم سے آپ علیہ السلام کا اپنی قوم کو چھوڑ ہجرت کر جانا اور رب کے حکم سے اپنے بیٹے کو ذبح کر دینے کی آزمائش میں مبتلا ہونا ہے۔" (الدر المنثور، ج۱ ص ۱۱)

چوتھا فائدہ:...... آیت کریمہ میں جس امامت کا ذکر ہے اس سے مراد "امامت فی الدین" ہے اور یہ وہ نبوت ہے جس کو رب تعالیٰ نے ظالموں پر حرام کر دیا ہے۔ اور اگر اس سے مراد "دنیاوی امامت" ہوتی تو یہ بات واقع کے خلاف ہوتی کیوں کہ دنیاوی امامت تو کئی ظالموں کو بھی ملی لہٰذا ظاہر ہو گیا کہ اس آیت میں خاص "دینی امامت" (یعنی نبوت) مراد ہے۔

کعبۃ اللہ کی فضیلت کا بھید

پانچواں فائدہ:...... علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "خدا کے قدیم گھر (بیت اللہ الحرام) کی فضیلت کا بھید ظاہر ہے کہ لوگوں کے لوگ اس کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں اور دلوں میں اس کی محبت رچی بسی ہے اور وہ اس کی طرف جھکے جاتے ہیں۔ بیت اللہ لوگوں کے دلوں کو مقناطیس کے لوہے کو کھینچنے سے بھی زیادہ کھینچتا ہے۔ لوگ ہر چہار سو سے اس کی طرف لوٹ لوٹ کر آتے ہیں اور ان کے جی اس سے بھرتے نہیں بلکہ وہ جتنی جتنی اس کی زیارت اور زیادہ کرتے جاتے ہیں اس کا اشتیاق اور زیادہ بڑھتا جاتا ہے۔ (شاعر کہتا ہے):

لا یرجع الطرف عنها حسین یبصرها　　　حتی یعود الیها الطرف مشتاقا

جب نگاہ اس کی طرف دیکھتی ہے تو اس سے پلٹتی نہیں، حتیٰ کہ (اگر ہٹتی بھی ہے تو) مشتاق ہو کر پھر ادھر جا پڑتی ہے۔ (محاسن التاویل ج۲ ص ۲۴۷)

---

[1] یہ مشہور اندلسی لغوی ابوعبداللہ محمد بن مالک رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۰۴ء - ۱۲۷۴ء) ہیں۔ جیان میں پیدا ہوئے اور دمشق میں انتقال کیا۔ ان کی علم نحو میں مشہور کتاب "الکافیۃ الشافیۃ" ہے جو رجزیہ بحر پر نظم کے پیرائے میں ہے۔ "الفیہ" کے نام سے اس کی تلخیص لکھی جس کو "الفیہ ابن مالک" کہتے ہیں اس کے علاوہ "لامیۃ الافعال"، "شواھد التوضیح" بھی ان کی شہرۂ آفاق تصنیفات ہیں ان کے بیٹے بدر الدین نے ان سے پڑھا اور "شرح الالفیۃ" اور شرح لامیۃ الافعال" لکھی۔ المنجد الاعلام العربی ص ۱۳ کالم نمبر ۳) نسیم

ملت ابراہیم سیدھی وسہولت والی ملت ہے

رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُزَكِّيۡهِمۡ ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۱۲۹﴾ وَمَنۡ يَّرۡغَبُ عَنۡ مِّلَّةِ اِبۡرٰهٖمَ اِلَّا مَنۡ سَفِهَ نَفۡسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصۡطَفَيۡنٰهُ فِى الدُّنۡيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذۡ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسۡلِمۡ ۙ قَالَ اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۳۱﴾ وَوَصّٰى بِهَآ اِبۡرٰهٖمُ بَنِيۡهِ وَيَعۡقُوۡبُ ؕ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰى لَـكُمُ الدِّيۡنَ فَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمۡ كُنۡتُمۡ شُهَدَآءَ اِذۡ حَضَرَ يَعۡقُوۡبَ الۡمَوۡتُ ۙ اِذۡ قَالَ لِبَنِيۡهِ مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِىۡ ؕ قَالُوۡا نَعۡبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖۚ وَّنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۳۳﴾ تِلۡكَ اُمَّةٌ قَدۡ خَلَتۡ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتۡ وَلَكُمۡ مَّا كَسَبۡتُمۡ ۚ وَلَا تُسۡـئَلُوۡنَ عَمَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۳۴﴾

ع ۱۵ / ۸ / ۱۵

ترجمہ:......اے ہمارے رب! اور بھیج دے اُن میں ایک رسول اُن میں سے، جو تلاوت کرے اُن پر تیری آیات، اور سکھائے ان کو کتاب اور حکمت اور اُن کا تزکیہ کرے، بے شک تو ہی عزیز ہے، حکیم ہے۔ ﴿۱۲۹﴾ اور ملتِ ابراہیمی سے وہی رُوگردانی کرے گا جس نے اپنے نفس کو احمق بنایا، اور بے شک ہم نے اُن کو منتخب کر لیا دُنیا میں، اور وہ آخرت میں صالحین میں سے ہیں۔ ﴿۱۳۰﴾ جب فرمایا اُن کے رب نے کہ فرمانبردار ہو جا، تو اُنہوں نے عرض کیا کہ میں رب العالمین کا فرمانبردار ہوں۔ ﴿۱۳۱﴾ اور ملت ابراہیمیہ کی وصیت کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے بھی، اے میرے بیٹو! بے شک اللہ نے منتخب فرمایا ہے تمہارے لیے اِس دین کو، سو ہر گز مت مرنا مگر اس حالت میں کہ تم دینِ اسلام پر ہو۔ ﴿۱۳۲﴾ کیا تم حاضر تھے جس وقت آنے لگی یعقوب کو موت، جبکہ اُنہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ کس کی عبادت کرو گے میرے بعد؟ اُنہوں نے کہا ہم عبادت کریں گے آپ کے معبود کی اور آپ کے باپ دادوں ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی، جو ایک ہی معبود ہے اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں۔ ﴿۱۳۳﴾ وہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی، ان کے لیے وہ ہے جو اُنہوں نے عمل کیا، اور تمہارے لیے وہ ہے جو تم نے عمل کیا، اور تم سے اس چیز کا سوال نہ ہوگا جو وہ کیا کرتے تھے۔ ﴿۱۳۴﴾

لغت: **سَفِهَ نَفۡسَهٗ:**......یعنی اس نے اپنے نفس کو حقیر و معمولی سمجھا اور اس کا استخفاف کیا۔ یہ السفه سے ہے جس کا معنی خفت یعنی ہلکا پن ہے اسی معنی میں ہے "زمام سفیه" ہلکی (یعنی) ناہموار لگام۔ **اصۡطَفَيۡنٰهُ:** یعنی ہم نے اس کو گندگیوں سے پاک صاف بنا دیا۔ یہ صفوۃ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے "بہت زیادہ صاف شی کو اختیار کرنا" اور مراد یہ ہے کہ "ہم نے آپ علیہ السلام کو نبوت، خلّت یعنی دوستی اور امامت عظمیٰ کے لیے چن لیا ہے۔" **وَصّٰى:** یہ توصیة سے ہے یہ دوسرے کو ایسی بات کی راہ نمائی کرنا ہے جس میں صلاح (وفلاح) اور نیکی ہو۔ **شُهَدَآءَ:** یہ شاہد کی جمع ہے (نا کہ شہید کی) اور اس کا معنی "حاضر" (اور موجود) کا ہے۔ **خَلَتۡ:** یعنی وہ (گزشتہ جماعت) گزر گئی اور نیست و نابود ہو گئی (اور ان کا نام و نشان تک مٹ گیا)۔

تفسیر: **وَمَنۡ يَّرۡغَبُ عَنۡ مِّلَّةِ اِبۡرٰهٖمَ اِلَّا مَنۡ سَفِهَ نَفۡسَهٗ:**......یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی واضح اور روشن شریعت اور آپ علیہ السلام کے دین سے وہی منہ موڑتا ہے جو اپنے آپ کو نادان ٹھہرائے اور اپنے آپ کو بے وقعت و بے توقیر کرلے۔ **وَلَقَدِ اصۡطَفَيۡنٰهُ فِى الدُّنۡيَا:** یعنی ہم نے جناب ابراہیم علیہ السلام کو رسالت و نبوت اور امامت عظمیٰ کے لیے تمام جہان کے لوگوں سے چن لیا۔ **وَاِنَّهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ** یعنی (آخرت میں وہ) ان مقربین (بارگاہ الٰہی) میں سے ہیں جن کے لیے (جنت میں) بلند درجے ہیں۔ **اِذۡ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسۡلِمۡ:** یعنی (جب ان سے ان کے پروردگار نے یہ کہا کہ) آپ اپنے رب کے امر کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیجیے اور اپنے آپ کے خدا کے لیے خالص بنا دیجیے۔ **قَالَ اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ:** یعنی (انہوں نے یہ عرض کیا کہ) میں نے رب کے امر کے آگے سر جھکا دیا اور اس کے حکم کے آگے سرنگوں ہو گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے بیٹوں کو نصیحت

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ: [۱] ......یعنی حضرت خلیل علیہ السلام نے اپنی اولاد کو اس بات کا حکم دیا کہ وہ ملت ابراہیمی کی پیروی و اتباع کریں۔ اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی (آگے اپنی اولاد کو) دین ابراہیمی کی اتباع کرنے کا حکم دیا۔ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ: یعنی "رب تعالیٰ نے (اے میرے بیٹو!) تمہارے دین اسلام کو دین چن لیا ہے۔" یہ اس بات کی حکایت ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو فرمائی تھی۔ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ: یعنی تم اسلام پر جمے رہو حتیٰ کہ موت تمہیں اس حال میں آلے کہ تم نے اس کو مضبوطی سے پکڑا ہو۔ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ: یعنی کیا جس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام پر موت طاری ہونے لگی اور وہ وفات پانے لگے اور اس وقت انہوں نے اپنی اولاد کو ملت ابراہیمی علیہ السلام کی پیروی کا حکم دیا تو کیا اس وقت (اس ساری گفتگو کے دوران) تم (وہاں) موجود تھے؟ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ: یعنی "میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟" قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ [۲] اِلٰهًا وَّاحِدًا: یعنی (آپ علیہ السلام کے بعد) ہم ایک ہی خدا کی عبادت کریں گے جو اللہ (ہے جو) تمام جہانوں کا پالنے والا ہے جو آپ علیہ السلام کے گزشتہ آباواجداد کا معبود ہے۔ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ: یعنی ہم اس ایک خدا کے آگے ہی جھکنے والے اور اس کی فرمانبرداری کرنے والے ہوں گے اور غرض (اس تمام گفت وشنید اور سوالات وجوابات سے فقط) شرک سے (اپنی اور اپنی اولاد کی اور اپنے آباواجداد کی) برأت کو ثابت کرنا تھا۔ آگے رب تعالیٰ اس پاکیزہ ذریت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ہر شخص اپنے عمل کا ذمہ دار ہے

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ:......(یہ ایک جماعت ہے جو گزر گئی ہے) اس سے اشارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کی طرف ہے یعنی یہ ایک جماعت اور قوم ہے جو گزر چکی ہے۔ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ: یعنی انہیں ان کے اعمال کا ثواب ملے گا اور تمہیں تمہارے اعمال کا ثواب ملے گا۔ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ: یعنی یہ لوگ دنیا میں جو کچھ کرتے رہے قیامت کے روز آپ سے اس کی پرسش نہ ہوگی بلکہ ہر جی اکیلا خود ہی ان برائیوں کا ڈنڈا اٹھائے گا جن کا اس نے ارتکاب کیا ہے۔

بلاغت: وَمَنْ يَّرْغَبُ: ...... یہ استفہام ہے اور اس سے مراد انکار اور دھمکی ہے۔ اس میں نفی کا معنی ہے یعنی ملت ابراہیمی سے کوئی بھی روگردانی نہیں کرتا مگر وہی جو (پرلے درجے کا) نادان ہو، یہ جملہ کفار کی سرزنش کی جگہ آیا ہے (یعنی اس جملہ میں کافروں کو ڈانٹ ہے)۔ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ: اس جملہ میں "اِنَّ" [۳] اور "لام" کے ذریعے تاکید لائی گئی ہے کیوں کہ جب آخرت کی غیبی حالات کی بابت خبر دینا تھی تو زیادہ تاکید لانے کی ضرورت تھی بخلاف دنیا کے کسی حال کے کہ وہ معلوم اور دیکھا بھالا (یعنی مشاہد) ہوتا ہے۔ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ: یہ باب التفات سے ہے

---

[۱] قرآن کریم میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام نامی پہلی بار اس آیت میں آیا ہے۔ یہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے پوتے اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے صاحبزادے تھے اور نبی زادہ ہونے کے علاوہ خود بھی نبی تھے۔ اسرائیل آپ علیہ السلام ہی کا دوسرا نام ہے تورات پیدائش ۳۵-۱۰۔۱۱ میں آپ علیہ السلام کو اسرائیل علیہ السلام کے لقب سے پکارا گیا ہے حسب روایت تورات عمر مبارک ۱۴۷ سال تھی اور عہد مبارک ۲۰۰۰ ق م سے لے کر ۱۸۵۳ ق م تک ہے۔ ولادت کنعان (فلسطین) میں ہوئی اور ۱۸۷۰ ق م میں اپنے نامور فرزند حضرت یوسف علیہ السلام نبی کے پاس مصر چلے گئے اور وہیں وفات پائی۔ آپ علیہ السلام کی چار ازواج مطہرات سے حسب تصریح تورات آپ علیہ السلام کے بارہ فرزند ہوئے ان کے نام یہ ہیں روبن، شمعون، لاوی، یہودا، اشکار، زبلون، یوسف علیہ السلام، بنیامین، دان، نفتالی، جد اور آشر۔ (تفسیر ماجدی ص ۲۵۵ ج ۱ بتصرف وملخصاً)
جناب یعقوب علیہ السلام کے مزید احوال کے لیے دیکھیں "انبیاء کرام کی آزمائشیں" (ص ۱۱۷-۱۳۱)۔ "نسیم" [۲] قرآن کریم میں پہلی مرتبہ یہ نام اس مقام پر آیا ہے۔ آپ علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے صاحبزادے تھے جو حرم اول حضرت سارہ علیہا السلام کے بطن سے تھے، سال ولادت غالباً ۲۰۶۰ ق م اور سال وفات ۱۸۸۰ ق م۔ عمر شریف تورات میں ۱۸۰ سال درج ہے اور یہ بھی درج ہے کہ آپ علیہ السلام کی ولادت کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر مبارک ۱۰۰ سال تھی۔ (تفسیر ماجدی ص ۲۵۸ ج ۱) "نسیم" [۳] ان: یہ حرف تاکید ہے جو ہمیشہ ابتدائے کلام میں آتا ہے۔ اس کا معنی ہے "بلاشبہ اور بے شک" یہ اسم کو نصب (یعنی زبر) اور خبر کو رفع (یعنی پیش) دیتا ہے۔ اس کو "حرف مشبہ بالفعل" بھی کہتے ہیں۔ یہ کل چھ ہیں: ان، ان کان، لکن، لیت ولعل ان کے تفصیلی احکام کے لیے دیکھیں۔ ھدایۃ النحو، شرح جامی وغیرہ۔ (القاموس الوحید ص ۱۳۹ کالم نمبر ۲۔۳ بتصرف)۔ نسیم

(یعنی یہ ایک طرح کے صیغوں سے دوسری طرح کے صیغوں کی طرف منتقل ہونا ہے) کیوں کہ گزشتہ میں "اِذْ قَالَ"[1] (ماضی کا صیغہ ہے جس سے اَسْلِمْ حاضر کے صیغہ کی طرف التفات کیا گیا ہے) اور التفاف (کی صنعت) (یہ بیان کے محاسن میں سے ہے۔ اور رَبُّہٗ میں ربوبیت کے عنوان سے تعرض کرنے میں رب تعالیٰ کی (جناب ابراہیم کی) تربیت کی طرف اور زیادہ لطف وعنایت کا اظہار کرنا ہے جب کہ خود حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اسی طرح سے جواب دیا اور عرض کیا: اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اور اس کی جگہ یہ نہیں عرض کیا: اسلمت (میں نے آپ کے آگے سر جھکا دیا) اس میں ایک تو اپنے ایمان واسلام کی قوت کو بتلانا تھا دوسرے اس بات کی طرف اشارہ کرنا تھا، کہ "جو ذات تمام جہانوں کی پروردگار (اور پالنہار) ہو وہ اس لائق ہے کہ اس کی حکم کو سرافگندگی اور اطاعت کی خوبی کے ساتھ قبول کیا جائے۔ اٰبَآئِكَ: یہ چچا، باپ اور دادا سب کو شامل ہے۔ چنانچہ (ان مخاطبین بیٹوں کے) دادا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور چچا حضرت اسماعیل علیہ السلام اور والد حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ یہ "تغلیب" کے باب سے ہے۔ اور یہ فصیح کلام میں "مجازات معہودہ" میں سے ہے۔

فائدہ:...... علامہ ابوحیان (اندلسی رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں: "موت کو اس کے مقدمات (یعنی اس کے آثار) سے کنایہ کر کے تعبیر کیا گیا (یعنی موت سے مراد اس کے آثار ومقدمات ہیں جن کو کنایۃً موت کہہ دیا)۔ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ: میں نہایت عجیب کنایہ ہے اور وہ یہ کہ وہ موت غیر موجود ہے (جس کو حاضر کیا جاتا ہے) لہٰذا اس کو سامنے لانا ضروری ہے اس لیے (موت کی بابت) دعا میں یہ کلمات (آثار وروایات میں) آتے ہیں: واجعل الموت خیر غائب ننتظرہ "اے اللہ! جس (غیر موجود) موت کا ہم انتظار کر رہے ہیں اس کو ہمارے لیے "بہترین غیر موجود" بنا" (یعنی جب بھی وہ موت آئے تو اچھی حالت میں آئے)۔" (البحر المحیط ج۱ ص ۴۰۱)

تنبیہ: فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ:...... بظاہر اس ارشاد میں ایسی کسی حالت میں مرنے کی نہی آئی ہے جو اسلام کی حالت نہ ہو اور مقصود اس بات کا امر کرنا ہے کہ موت تک اسلام پر جمے رہو یعنی اسلام پر ثابت قدم رہو اور اس کو کبھی بھی نہ چھوڑو اور اس کی روشن دلیلوں پر مستقیم رہو حتیٰ کہ جب موت تمہیں آئے تو تم کامل اسلام پر جمے ہو۔ یہ ارشاد خداوندی تمہارے اس قول کی طرح ہے: لا تصل الا وانت خاشع کہ "تم نماز پڑھنا تو خشوع وخضوع کے ساتھ ہی پڑھنا"۔

یہود ونصاریٰ کے باطل دعووں کی تردید

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِىَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِىَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِىْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِى اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾

ع ۱۶

[1] کتاب ہذا کے صفحہ ۹۷ پر اِذْ قلنا لکھا ہے جب کہ قرآن کریم میں اس جگہ اِذْ قَالَ آیا ہے۔ بظاہر متن کتاب میں یہ سہو، کتابت کی غلطی ہے۔ دیکھیں صفوۃ التفاسیر ج۱ ص ۹۷۔ واللہ اعلم۔ نسیم

ترجمہ:......اورانہوں نے کہا کہ ہوجاؤ یہودی یا نصرانی تم ہدایت پا جاؤ گے، آپ فرمایئے بلکہ ابراہیم کی ملت کا اتباع کرو جو پوری طرح حق ہی کی طرف تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے (۱۳۵) تم لوگ کہو، ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو نازل کیا گیا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب پر، اور اُن کی اولاد پر اور اُس پر بھی جو عطا کیا گیا موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور جو کچھ عطا کیا گیا دیگر انبیا کو ان کے رب کی طرف سے، ہم ان میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں۔ (۱۳۶) سو اگر وہ ایمان لے آئیں ان چیزوں پر جن پر تم ایمان لائے تو وہ ہدایت پا جائیں گے اور اگر وہ رُوگردانی کریں تو بس وہ مخالفت ہی میں لگے ہوئے ہیں۔ پس عنقریب اللہ آپ کی طرف سے اُن کے لیے کافی ہوگا اور وہ سمیع ہے علیم ہے۔ (۱۳۷) ہم کو اللہ تعالیٰ نے رنگ دیا ہے اور وہ کون ہے جس کا رنگ دینا اللہ تعالیٰ کے رنگ دینے سے اچھا ہو اور ہم اُسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔ (۱۳۸) آپ فرمایئے کیا تم ہم سے اللہ کے بارے میں حجت کرتے ہو حالانکہ وہ ہمارا رب ہے اور تمہارا رب ہے اور ہمارے لیے ہیں عمل ہمارے اور تمہارے لیے ہیں عمل تمہارے اور ہم اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص والے ہیں۔ (۱۳۹) کیا تم کہتے ہو کہ بے شک ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد یہودی تھے یا نصرانی تھے، آپ فرما دیجیے کیا تم زیادہ جاننے والے ہو یا اللہ زیادہ جاننے والا ہے، اور اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جس نے چھپایا اُس گواہی کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کے پاس موجود ہے، اور اللہ تعالیٰ اُن کاموں سے بے خبر نہیں ہے جنہیں تم کرتے ہو۔ (۱۴۰) وہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی، ان کے لیے وہ ہے جو انہوں نے عمل کیا، اور تمہارے لیے وہ ہے جو تم نے عمل کیا، اور تم سے اُس چیز کا سوال نہ ہوگا جو وہ کرتے تھے۔ (۱۴۱)

مناسبت:......جب رب تعالیٰ نے یہ بیان کیا کہ ملت ابراہیم ہی سیدھی اور سہولت والی ملت ہے اور جو اس دین وملت پر ایمان نہیں لاتا اور اس سے منہ موڑتا ہے وہ جہالت وحماقت (اور سفاہت ونادانی) کی بلندیوں تک پہنچ گیا ہے تو اس کے بعد رب تعالیٰ نے اہل کتاب کے ان باطل دعووں کو ذکر کیا کہ ان کا گمان یہ ہے کہ ہدایت فقط یہودیت اور نصرانیت کی اتباع میں ہے اور اس بات کو واضح فرمایا کہ ان کا یہ دعویٰ کسی دلیل یا کسی شبہ کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ محض ہٹ دھرمی اور عناد کی وجہ سے ہے۔ اس کے بعد رب تعالیٰ نے یہ بیان کیا کہ دین حق صرف اسلام کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنا ہے کہ تمام انبیا ومرسلین علیہم السلام کا دین یہی اسلام تھا۔

لغت: حَنِيفًا:[۱] ......حنیف یہ دین باطل سے مڑ کر دین حق کی طرف مائل ہونے والے کو کہتے ہیں۔ یہ حنف سے ہے جس کا معنی جھکنا اور مائل ہونا ہے اسی لیے (ٹیڑھے میڑھے پاؤں والے کو) احنف (کہتے ہیں اور) اس کا (یہ) نام (اس لیے) ہے کہ وہ ایک پیر کی طرف جھکا ہوتا ہے۔ شاعر کہتا ہے:

ولكنا خلقنا اذ خلقنا حنيفا ديننا عن كل دين

''لیکن ہمیں جب پیدا کیا گیا تو ایک دین حنیف پر پیدا کیا گیا جو سب (باطل) دینوں سے ایک طرف ہے''۔ (الکشاف ج۱ ص ۱۴۵)

اَلۡاَسۡبَاطِ:......یہ سبط کی جمع ہے یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے پوتوں کو کہتے ہیں۔ یہ بارہ پوتے تھے یہ بنی اسرائیل میں ایسے تھے جیسے عربوں کے قبائل (اور اُن کے خاندان) ہوتے ہیں۔[۲] شقاق...... یہ مخالفت وعداوت کو کہتے ہیں۔ اس کی اصل شق سے ہے جس کا معنی ایک جانب

---

[۱] حنیف یہ مستقیم کے معنی میں ہے یعنی جو خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری میں مستقیم ہو، ادھر ادھر نہ بھٹکے اور حنیف لنگڑے کو بھی کہتے ہیں اور ایسا نیک فالی کے طور پر کہتے ہیں جس طرح اندھے کو بصیر اور سانپ بچھو کے ڈسے کو سلیم (یعنی سلامتی والا) کہتے ہیں۔'' (تفسیر حقانی ج۱ ص ۴۹۸ بتصرف) نسیم۔ [۲] جس طرح بنی اسماعیل کی شاخیں قبائل میں تقسیم ہوتی گئیں اسی طرح بنی اسرائیل کی شاخیں اسباط کہلائیں۔ اب یہ لفظ اسرائیلی شاخوں کے لیے مخصوص ہے۔ (تفسیر ماجدی ج۱ ص ۲۶۱)

''لغت میں سبط شاخ دار درخت کو کہتے ہیں اس مناسبت سے اس کا اطلاق خاندان اور قبیلہ پر ہوا۔ سبط پوتے اور اس کی اولاد کو کہتے ہیں اور لفظ قبیلہ کی طرح اس کا اطلاق بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں پر ہوتا ہے اور یہاں مراد ان قبائل کے انبیائے کرام علیہم السلام ہیں جیسے حضرت عزیز شعیاہ، یرمیا اور موئیل علیہم السلام'' (تفسیر حقانی ج۱ ص ۴۹۹)

''یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ صلبی لڑکے تھے پھر ہر لڑکے کی اولاد مستقل قبیلہ بن گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی نسل میں یہ برکت دی کہ جب آپ علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس مصر تشریف لے گئے تھے تو بارہ بھائی تھے اور جب فرعون کے مقابلہ کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کی اولاد بنی اسرائیل نکلی تو ہر بھائی کی اولاد ہزاروں پر مشتمل قبیلے تھے دوسری برکت یہ دی گئی کہ دس انبیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ سب کے سب انبیائے کرام علیہم السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں ہی پیدا ہوئے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کے علاوہ وہ دس انبیاء کرام علیہم السلام یہ ہیں: نوح، شیث، ھود، صالح، لوط، ابراہیم، اسحاق، اسماعیل، یعقوب علیہم السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم'' (معارف القرآن ج۱ ص ۳۵۳)''نسیم''

ہے یعنی ان میں سے ہر ایک، ایک ایک جانب ہو گیا۔ فَسَيَكْفِيكَهُمُ: یہ لفظ کفایہ سے ہے اور اس کا معنی وقایہ یعنی حفاظت ہے۔ صِبْغَةَ اللهِ: صبغة یہ لفظ صبغ سے ماخوذ ہے اور کسی شے کو کسی رنگ سے رنگ کر اس کو بدلتا ہے۔ اس سے مراد (یہاں خدا کا) دین ہے۔ أَتُحَاجُّونَنَا: یہ محاجة سے ہے جس کا معنی ہے جھگڑنا اور مجادلہ کرنا۔ یعنی کیا تم ہم سے (خدا کے بارے میں) جھگڑتے ہو۔ مُخْلِصُونَ: یہ اخلاص سے ہے اور اخلاص یہ کسی عمل کو ایک اکیلے خدا کے لیے کرنے کو کہتے ہیں۔

یہود و نصاریٰ کا اپنے دین کی دعوت دینا

تفسیر: وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تَهْتَدُوا: ......یعنی یہود نے کہا کہ تم ہمارے دین پر چل کر یہودی بن جاؤ تو تمہیں ہدایت مل جائے گی اور عیسائیوں نے کہا کہ تم عیسائی بن جاؤ تو سیدھی راہ پا لوگی۔ چنانچہ ان دونوں میں سے ہر ایک فریق نے اپنے کج دین کی دعوت دی۔ قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ: اے محمد! آپ انہیں فرما دیجیے کہ (ہم یہودی یا عیسائی تو ہرگز نہ بنیں گے) بلکہ ہم ملت حنیفیہ پر چلیں گے جو سہولت والی ہے۔ اور وہ ملت ابراہیمی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ حال تھا کہ وہ سب ادیان (باطلہ) سے مڑ کر (اسلام کے) سیدھے (اور مضبوط) دین پر آ گئے تھے اور آپ علیہ السلام شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے بلکہ آپ علیہ السلام تو توحید پرست صاحب ایمان (پیغمبر خدا) تھے۔ اس ارشاد میں اہل کتاب پر تعریض ہے [1] اور اس بات کا واشگاف اعلان کرنا ہے کہ جس مذہب و ملت پر یہ (اہل کتاب) ہیں (وہ ہدایت و ارشاد نہیں بلکہ) وہ شرک و ضلالت ہے۔

پچھلی کتابوں اور انبیائے کرام علیہم السلام پر مسلمانوں کا ایمان

قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا: ......یعنی اے مؤمنو! تم کہہ دو کہ "ہم تو خدا پر اور اس قرآن پر ایمان لے آئے ہیں جو خدا نے ہم پر نازل فرمایا ہے۔" وَمَا أُنْزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ: یعنی ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل ہونے والے صحیفوں [2] اور احکام پر بھی ایمان رکھتے ہیں جن پر (بعد کے) انبیائے کرام علیہم السلام چلتے رہے اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے پوتے (اور ان کی اگلی اولادیں بھی ان صحیفوں پر چلتی رہیں اور ان کے پوتے) اسباط (کہلاتے) ہیں کہ نبوت ان لوگوں میں رہی۔ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ: [3] یعنی (ان پر) جو تورات اور انجیل (نازل ہوئی اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں)۔ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ: یعنی ان (مذکورہ بالا) انبیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ پر بھی جو کچھ نازل ہوا ہم سب اس پر ایمان رکھتے ہیں اور رب تعالیٰ کی طرف سے وہ (خدا کے برگزیدہ بزرگ) جو روشن نشانیاں اور زبردست معجزات لے کر آئے تھے ہم اس سب کی تصدیق کرتے ہیں۔ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ: یعنی ہم بعض پر ایمان اور بعض کا انکار نہ کریں گے جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے کیا۔ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ: یعنی ہم رب تعالیٰ کے حکم کے آگے مطیع ہیں اور اس کے حکم کے آگے سر افگندہ ہیں۔

---

[1] "تعریض یہ کسی خاص بات کی طرف اشارہ کرنے اور کسی پر رکھ کر بات کرنے کو کہتے ہیں۔" (القاموس الوحید ص ۱۰۶۸ کالم نمبر ۱) نسیم [2] یہ دس صحیفے تھے جن پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد کی اولاد کاربند رہی (تفسیر مظہری ج ۱ ص ۱۷۶) "نسیم" [3] قرآن کریم میں یہ پہلا مقام ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام نامی آیا ہے۔ یہ حضرت ابن مریم علیہا السلام ہیں جو اپنی والدہ ماجدہ کی طرف منسوب ہیں بنی اسرائیل کے آخری اور مشہور نبی ہوئے ہیں۔ آپ علیہ السلام پر سلسلۂ اسرائیلی رسالت کا بلکہ قومی و نسلی رسالت کا ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ صوبہ یہودیہ (ملک شام کی قصبہ "بیت اللحم") یا بیت المقدس میں ولادت ہوئی، یہ حاکم ہیرودُ کا زمانہ تھا۔ شام اس وقت روم کی شہنشاہی کا ایک نیم آزاد علاقہ تھا سال ولادت غالباً ۴ ق م ہے۔

اس عجیب بات پر حیرت اس لیے نہ ہو کہ اس مروجہ سنہ عیسوی کے قائم کرنے میں شروع سے ہی غلطی کی گئی ہے۔ چنانچہ سن عیسوی کا پہلا سال آپ علیہ السلام کا سال ولادت نہیں۔ یہ آپ علیہ السلام کی ولادت کے چوتھے سال شروع کیا گیا۔ عمر مبارک کے غالباً ۳۳ھ ۳۰ء میں اسرائیلیوں نے آپ کی تعلیم و تربیت سے آزردہ خاطر ہو کر پہلے تو اپنی آزاد خود مختار مذہبی عدالت میں آپ کے خلاف مقدمہ چلایا پھر سرکاری قانون کا بھی مجرم بنا کر رومیوں کی ملکی عدالت میں پیش کیا۔ وہاں سے سزائے موت (بذریعۂ صلیب) کا حکم صادر ہوا۔ اس کے بعد ماجرا ان شاء اللہ سورۂ مائدہ کی آیت "وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ" کے تحت آئے گا ان شاء اللہ۔" (تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۲۶۱۔ ۲۶۲ بتصرف) "نسیم"

اہل کتاب اہل ایمان کی طرح ایمان لے آئیں تو حق تک پہنچ جائیں

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا:......یعنی اگر یہ اہل کتاب اسی طرح کا ایمان لے آئیں جس طرح اے اہل ایمان کی جماعت تم ایمان لے آئے ہو تو یہ بھی اس حق تک پہنچ جائیں جس تک تم پہنچے ہو۔ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ: یعنی اگر انہوں نے آپ علیہ السلام کی دعوت ایمان سے اعراض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جان لیجیے کہ یہ صرف آپ علیہ السلام کی مخالفت اور عداوت چاہتے ہیں اور کسی حق بات کو طلب کرنا ہی نہیں چاہتے۔ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ: یعنی اے محمد! ان کے شر اور ایذا کے مقابلے خدا تعالیٰ آپ کو کافی ہیں وہ آپ کو ان سے بچا لے گا۔ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ یعنی وہ خدا تعالیٰ ان باتوں کو سن رہا ہے جو وہ بول رہے ہیں اور اپنے جیوؤں میں مکر (وفریب اور دھوکہ) اور شر چھپائے پھرتے ہیں خدا تعالیٰ اس کو بھی جانتا ہے۔

خدا کے رنگ میں رنگ جاؤں

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً:......یعنی ہم جس ایمان پر ہیں وہ خدا کا وہ دین، جس میں خدا نے ہمیں رنگ دیا ہے اور ہمیں اسی فطرت پر پیدا کیا ہے۔ چنانچہ اس (فطری دین کے رنگ) کا ہم پر اس طرح اثر ظاہر ہوا جس طرح کہ رنگ کا کپڑے میں اثر ظاہر ہوتا ہے، اور خدا سے بہتر کسی کا بھی رنگ یعنی دین نہیں۔[1] وَنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ: یعنی ہم اللہ جل جلالہ کی ہی عبادت کرتے ہیں اور اس کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہیں کرتے۔ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ: یعنی تم شان خداوندی میں ہمارے ساتھ جھگڑا کرتے ہو اور گمان (اور ناز) یہ ہے کہ تم خدا کے بیٹے اور اس کے محبوب ہو اور یہ کہ نبی ہوں گے تو صرف تم میں نہ کہ (کسی اور) غیر (خاندان) میں؟ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ: یعنی وہ سب کا برابر خدا اور پروردگار ہے اور ہم سب کے سب اس کے بندے (اور) غلام ہیں۔ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ: یعنی ہمارے لیے ہمارے اعمال کا بدلہ (اور اجر) ہے (خواہ برا خواہ اچھا) اور تمہارے لیے تمہارے اعمال کا بدلہ ہے اور کسی (کے گناہ) کا بوجھ کوئی دوسرا نہ اٹھائے گا۔ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ: یعنی ہم اپنے دین اور اپنے عمل کو خالص خدا کے لیے بنا چکے ہیں۔

اہل کتاب کے اس دعویٰ کی تردید کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی اور نصرانی تھے

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى:......یعنی اے اہل کتاب کی جماعت! کیا تم اس بات کے مدعی ہو کہ یہ (مذکورہ) رسولان (خدا) اور ان کی (اگلی) اولاد (واحفاد اور جوان میں نبی گذرے ہیں) وہ یہودی یا نصرانی تھے؟ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ: یعنی ان (مذکورہ برگزیدہ ہستیوں) کے دین کے بارے میں (کہ وہ کس دین پر تھے؟) تم زیادہ جانتے ہو یا رب تعالیٰ (زیادہ جانتے ہیں)؟ جب کہ خدا نے ان کے بارے میں شہادت دے دی ہے کہ وہ ملت اسلام پر تھے اور انہیں یہودیت اور نصرانیت سے بری قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا (آل عمران، ۶۷)

ترجمہ:...... "ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے اور نہ عیسائی بلکہ سب سے بے تعلق ہو کر (ایک) خدا کے ہو رہے تھے (اور اسی کے فرمانبردار تھے)۔"

تو تم اس بات کا کیونکر گمان رکھتے ہو کہ وہ تمہارے مذہب پر ہیں؟

---

[1] عیسائیوں میں قدیم دستور ہے کہ جب کسی کو اپنے مذاہب میں داخل کرتے ہیں یا کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کو حوض میں غوطہ دیتے ہیں اور بعض عیسائی جیسا کہ کلیسائے عرب اس پانی میں زردی وغیرہ کا رنگ بھی استعمال کرتے ہیں اور بجائے غوطہ کے صرف رنگین کرنے پر ہی بس کرتے ہیں۔ اس کو اصطباغ یعنی بپتسمہ کہتے ہیں۔ اس ظاہری رنگ پر ان کو بڑا اعتماد تھا اور اس کو نجات کی کنجی سمجھتے تھے اس کے حق میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس ظاہری رنگ سے کیا دل رنگین ہو سکتا ہے؟ کوئی کسی حوض میں ہزار غوطے لگائے اور سر سے پاؤں تک رنگ میں رنگا جائے مگر کیا فائدہ؟ رنگ تو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا خدائی رنگ ہے جو انسان کی روح اور دل کو رنگین کر دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے اس رنگ باطنی سے کون سا رنگ اچھا ہو سکتا ہے، انسان اس رنگ میں رنگین ہو کر ہمیشہ اس کی عبادت میں مستغرق رہتا ہے۔" (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۰۰۔۵۰۱) "نسیم"

گواہی چھپانے والا بڑا ظالم ہے

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ: ...... یعنی اس شخص سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں جو تورات اور انجیل کی ان آیات کو چھپائے جن میں نبی ﷺ کریم کی (بعثت کی) بشارت ہے، یا (ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ) اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو رب تعالیٰ کی بتائی ہوئی اس بات کو چھپائے کہ انبیائے کرام علیہم السلام مذہب اسلام پر تھے۔ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ: یعنی رب تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے اور ان کا وہ تمہیں بدلہ دے گا۔ اس ارشاد خداوندی میں ''شدید وعید'' ہے۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ: ...... (یہ ارشاد گزشتہ میں بھی گزر چکا ہے اور یہاں بھی) رب تعالیٰ نے اس کو دہرایا (وہ) اس لیے کہ یہ ارشاد خداوندی تہدید (دھمکی دینے) اور تخویف (عذاب آخرت سے ڈرانے کے مضامین) پر مشتمل ہے، مطلب یہ ہے کہ جب ان انبیائے کرام علیہم السلام کو ان کی بلند شان اور بزرگانہ حیثیت کے باوجود ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا تو تم تو (بدلہ دیے جانے کے) زیادہ لائق ہو۔ اس کی تفسیر گذر چکی ہے اس لیے دہرانے کی ضرورت نہیں۔

بلاغت: وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى: ...... اس آیت میں حذف کے ذریعے ''ایجاز'' ہے (اور اصل عبارت یوں ہے) قَالَ الْيَهُوْدُ كُوْنُوْا هُوْدًا يَاوَقَالَ النَّصٰرٰى كُوْنُوْا نَصٰرٰى یعنی ''یہودیوں نے کہا کہ تم یہودی بن جاؤ اور نصاریٰ نے کہا کہ تم نصاری بن جاؤ'' اور یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ بات دونوں نے مل کر کہی تھی (کہ خواہ یہودی ہو جاؤ خواہ عیسائی بن جاؤ، بلکہ ان میں سے ہر ایک جماعت نے الگ الگ یہ بات کہی تھی اور اپنے اپنے مذہب میں داخل ہونے کو کہا تھا) کیوں کہ دونوں میں سے ہر ایک جماعت دوسرے کے مذہب کو باطل گردانتی تھی (تو بھلا وہ دوسری جماعت کے مذہب میں داخل ہونے کی دعوت کیسے دے سکتی تھی؟) فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ: اس میں (بھی) ''ظاہری ایجاز'' ہے یعنی یکفیك الله شرهم ''اللہ تمہیں ان کے شر سے کافی ہو جائے گا'' اور فعل کے شروع میں ''سوف'' کے بجائے ''سین''[1] یہ بتلانے کے لیے لائے کہ عنقریب نبی کریم ﷺ ان پر غالب آجائیں گے۔''

السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ: ...... یہ دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ رب تعالیٰ کی (صفت) سمع اور علم نے ہر شے کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ: یہاں دین کو بطور استعارہ کے رنگ کہا گیا ہے کیوں کہ جس طرح رنگ کا اثر کپڑے پر ظاہر ہوتا ہے اسی طرح اس کی علامات مومن (کے ظاہر وباطن) پر ظاہر ہوتی ہیں۔'' (تلخیص البیان، ص ۱۱)

اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ: یہاں یہ استفہام توبیخ (ڈانٹ ڈپٹ اور سرزنش) اور تقریع (دھمکی) کی لیے ہے۔

فوائد: پہلا فائدہ: وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ: ...... یہ آیت قرآن کریم میں متعدد مقامات پر آئی ہے، علامہ ابوحیان اندلسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

[1] ''سین'' یہ حروف ہجا کا بارہواں حرف ہے اس کا مخرج نوک زبان اور ثنایا علیا (سامنے کے دو اوپر والے دانتوں) کے قدرے اوپر ہے۔ یہ سین جب مفتوح (زبر والی) ہو تو فعل مضارع پر داخل ہو کر اس کو زمانہ استقبال کے ساتھ خاص کر دیتی ہے اور قرب وقوع فعل (یعنی کسی فعل کے عنقریب واقع ہونے) پر دلالت کرتی ہے۔ اس کو ''سین تنفیس'' بھی کہتے ہیں۔ اس کی مثال مذکورہ بالا آیت ہے (القاموس الوحید ص ۷۴۳ کالم نمبر ۱ بتصرف)

جب کہ ''سوف'' یہ مبنی برفتحہ (یعنی زبر کی حرکت کے ساتھ مبنی) ہوتا ہے اور فعل مضارع پر داخل ہو کر اس کو زمانہ مستقبل کے ساتھ خاص کر دیتا ہے اور اس کے اور فعل کے درمیان'' (لفظوں میں) کوئی فاصل نہیں ہوتا، اس کا اکثر استعمال افعال وعید (یعنی جن افعال میں وعید کا مضمون ہوتا ہے ان) میں ہوتا ہے قرآن پاک میں ہے: كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ (سورۃ التکاثر، ۳-۴) ''تم کو پتہ چل جائے گا جلدی تم کو پتا چل جائے گا۔'' زمانہ حال کے مقابلہ میں زمانہ مستقبل زیادہ وسیع ہے اور اس وسیع زمانہ میں فعل کا ایک وقفہ سے دوسرے وقفہ تک مؤخر ہوتے رہنا بھی اس لفظ سے سمجھا جاتا ہے جو اس مادہ کی حقیقت ہے (یعنی یہ لفظ فعل کے زمانہ استقبال میں بہت بعد میں واقع ہونے پر دلالت کرتا ہے) کبھی یہ لفظ وعید کے بجائے وعدہ کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے قرآن پاک میں ہے: وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى (الضحیٰ۔ ۴) ''اور تمہیں پروردگار عنقریب وہ کچھ عطا فرمائے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔'' (القاموس الوحید ص ۸۲۵ کالم نمبر ۱۔ ۲ بتصرف) ''نسیم''

"یہ جملہ (قرآن کریم میں) جہاں بھی آیا ہے (مجرموں کے) ارتکاب معصیت (ونافرمانی) کے بعد ہی آیا ہے لہٰذا یہ جملہ وعید بن کر آتا ہے اور یہ بتانے کے لیے آتا ہے کہ رب تعالیٰ انہیں یونہی (بلاحساب وکتاب) نہ چھوڑ دے گا۔" (البحر المحیط، ج۱ ص ۲۱۶)

بچہ کی پیدائش کے ساتویں روز ایک رسم

دوسرا فائدہ:......حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ "جب عیسائیوں کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا اور وہ سات دن کا ہو جاتا تو وہ اس کو اپنے ایک خاص پانی میں رنگتے تھے جس کو وہ لوگ "معمودی"[1] کہتے تھے تاکہ اس کے ذریعے وہ اس کو پاک کریں اور کہتے تھے کہ ختنہ کی جگہ بچے کے لیے یہ عمل پاکی ہے اور جب وہ اس بچہ کے ساتھ یہ کر لیتے تھے تو وہ بچہ (ان کے نزدیک) سچا (پکا) عیسائی بن جاتا تھا تو اس پر رب تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔" (اسباب النزول للواحدی ص ۲۲)

تیسرا فائدہ:......اہل کتاب تورات کو پڑھتے تو عبرانی میں تھے مگر اہل اسلام کے لیے اس کی تفسیر عربی میں بیان کرتے تھے تو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "اہل کتاب کی نہ تو تصدیق کرو اور نہ تکذیب اور (انہیں بس) یہ کہو" ہم خدا پر اور جو کچھ خدا نے نازل فرمایا ہے اس پر ایمان لاتے ہیں۔" (بخاری)

(پہلے پارے کی تفسیر ختم ہوئی۔ والحمد للہ علی ذلك)

---

[1] یہ اس پانی کو کہتے ہیں جس پر انجیل کے کچھ فقرے پڑھ کر عیسائی عالم دم کرتا ہے پھر اس پانی کے چھینٹے اس نومولود بچے پر پھینکتا ہے۔ ان فقروں کو آیۃ التنصیر (یعنی عیسائی بنانے کے فقرے) کہتے ہیں۔

مسلمانوں کے یہاں جس طرح بچہ کے کان میں اذان کے کلمات کہے جاتے ہیں اسی طرح عیسائیوں کے یہاں یہ عمل ہوتا ہے۔ اور جس مجلس میں عیسائی عالم یہ رسم پوری کرتے ہیں اس کو "معمودیہ" کہتے ہیں۔ (القاموس الوحید ص ۱۱۲۴ کالم نمبر ۳ بتصرف)

اس کی مزید تفصیل گزشتہ میں حاشیہ میں گزر گئی ہے۔ "نسیم"

پارہ نمبر ۲ ...... سَيَقُوْلُ

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰی عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَی الَّذِيْنَ هَدَی اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾ قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

ترجمہ:...... عنقریب کہیں گے بیوقوف لوگ کس چیز نے پھیر دیا اُن کو اُن کے اُس قبلہ سے جس پر وہ تھے، آپ فرما دیجیے! اللہ ہی کے لیے مشرق اور مغرب ہے، وہ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہے سیدھے راستہ کی طرف۔ ﴿۱۴۲﴾ اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک ایسی جماعت بنا دی جو اعتدال والی ہے تاکہ تم ہو جاؤ لوگوں پر گواہ اور ہو جائے رسول تم پر گواہ۔ اور جس قبلہ پر آپ تھے اسے ہم نے مقرر نہیں کیا مگر اس لیے کہ ہم جان لیں کون اتباع کرتا ہے رسول کا اس سے ممتاز ہو کر جو پیچھے پلٹ جاتا ہے اپنے الٹے پاؤں، اور بے شک یہ قبلہ بدلنا بھاری بات ہے مگر ان لوگوں پر جن کو اللہ نے ہدایت دی اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ ضائع کرے تمہارے ایمان کو، بے شک اللہ لوگوں کے ساتھ بڑا مشفق مہربان ہے۔ ﴿۱۴۳﴾ ہم دیکھ رہے ہیں آپ کا آسمان کی طرف بار بار منہ اٹھانا پس ہم آپ کو ضرور ضرور متوجہ کر دیں گے ایسے قبلہ کی طرف جس سے آپ راضی ہوں گے، سو آپ پھیر دیجیے اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف، اور جہاں کہیں بھی تم لوگ ہو سو اپنے چہروں کو مسجد حرام کی طرف متوجہ کیا کرو، اور بلاشبہ جن لوگوں کو کتاب دی گئی، وہ ضرور جانتے ہیں کہ بلاشبہ یہ حکم حق ہے، ان کے رب کی طرف سے ہے اور اللہ غافل نہیں ہے اُن کاموں سے جن کو تم کرتے ہو۔ ﴿۱۴۴﴾

مناسبت:...... یہود و نصاریٰ کا یہ گمان تھا کہ جناب ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھ دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام بھی یہودی اور نصرانی تھے اور (پہلے) نبیوں کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں تھے[1] اور بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازوں کو ادا فرمایا کرتے تھے پھر جب رب تعالیٰ

---

[1] ”قبلہ بروزن فعلہ سامنے کی جہت کو کہتے ہیں یا اس حالت کو جو کسی چیز کے سامنے ہونے سے پیدا ہوتی ہے یا تو یہ مقابلہ سے مشتق ہے یا استقبال سے اور قبلہ کو اس لیے قبلہ کہتے ہیں کہ وہ نمازی کے سامنے ہوتا ہے (تفسیر کبیر وغیرہ) یہ کبھی بیت المقدس رہا ہے اور پھر خانہ کعبہ قرار پایا“ (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۰۴) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکہ میں تھے تو وہاں بھی کعبہ مکرمہ کی طرف یوں منہ کر کے کھڑے ہوتے کہ اس سے بیت المقدس کی طرف بھی منہ ہو جاتا اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں قبلوں کی طرف منہ کر کے نمازیں ادا فرمایا کرتے پھر جب مدینہ منورہ ہجرت کر کے تشریف لائے تو وہاں صحیح روایت کے مطابق تقریباً ۱۷ ماہ تک بیت المقدس کی طرف ہی منہ کر کے نمازیں ادا فرماتے رہے پھر جب حکمت الٰہی سے کعبہ ہی کو قبلہ بنانے کا حکم ہوا تو یہود بے بہبود نے بھرپور دریدہ دہنی کا ثبوت دیتے ہوئے زبان طعن دراز کرنا شروع کی۔ واللہ اعلم۔ مکہ میں دو قبلوں کا لحاظ رکھ کر نمازیں ادا کرنے کا ذکر بیہقی اور ابوداؤد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس کی تفصیل کے لیے دیکھیں، احسان البیان ج ۱ ص ۲۷۵، تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۰۳۔ ۵۰۴ اس کے بالمقابل انبیائے سابقین جب بیت المقدس میں نماز پڑھتے تھے تو اس طرح نماز پڑھتے تھے کہ صخرۂ بیت بھی سامنے رہے اور بیت اللہ بھی۔ (رواہ ابوالعالیہ وذکرہ القرطبی) (معارف القرآن ج ۱ ص ۳۶۲) معارف القرآن ج ۱ ص ۳۵۹ تا ۳۶۵ میں جہت قبلہ کی تعیین اور اس کے لیے کعبہ مکرمہ کی تقرری کے بابت نہایت سیر حاصل اور پر از حکمت بحث درج ہے جس کا خلاصہ بھی کافی طویل ہو جائے گا اس لیے ذیل میں ہم کعبہ کی مختصر تاریخ کے بعد ان حکمتوں کو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی حکیمانہ زبان میں نہایت اختصار کے ساتھ نقل کریں گے۔ اور جس کو تفصیل مطلوب ہو وہ حوالہ کا بالا مطالعہ کرے...... (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ)

نے آپ ﷺ کو کعبہ مبارکہ کی طرف منہ کر کے نمازیں ادا کرنے کا حکم دیا تو یہ یہود آپ کی رسالت (ونبوت) میں زبان طعن دراز کرنے لگے اوراس بات کو آڑ بنا کر اسلام میں عیب چینی کرنے لگے اور کہنے لگے کہ "محمد (ﷺ) اپنی جائے ولادت کے مشتاق ہو گئے تھے (اس لیے کعبہ کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھنے لگے ہیں اور اگر ان کے اشتیاق کا حال یہی رہا تو) عنقریب اپنی قوم کے دین پر (بھی) آجائیں گے، چنانچہ رب تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کو ان باتوں کی خبر دے دی جو یہ احمق لوگ عنقریب کہیں گے اور (اس کے ساتھ ہی) آپ کو (ان کے احمقانہ سوالات کے جوابات کے لیے زبردست) ناقابل تردید دلائل کی تعلیم بھی فرما دی تاکہ (ایک تو آپ ﷺ ان کے بے سرو پا سوالات کے محقق ومدلل جوابات دے سکیں اور دوسرے) ان کی طرف سے ناگواریوں کے پیش آنے پر انہیں برداشت کرنے کے لیے خود کو تیار کر سکیں۔ یہ آپ ﷺ کا معجزہ تھا کہ آپ نے ان سب باتوں کی خبر تحویل قبلہ سے پہلے ہی دے دی تھی۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) ...... **تاریخ کعبہ:** بیہقی نے "شعب الایمان" میں اور ازرقی نے وہب بن منبہ سے روایت کیا ہے کہ "جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے زمین پر اترے تو وحشت تنہائی سے گھبرا کر عرض کی کہ "بار خدایا! اس جگہ نہ کوئی مسقف مکان ہے نہ مل کر عبادت کرنے کا سامان۔ وہاں سے حکم ہوا کہ "تو ہماری عبادت کے لیے ایک گھر بنا کہ یہ سب گھروں سے اول گھر ہو، اس لیے کہ اس کی بعد تو تیری اولاد بہت سے گھر بنائے گی۔ آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ کس جگہ؟ جبرائیل علیہ السلام نے کعبہ کی جگہ بتائی، آدم نے پتھروں کی بنیاد زمین تک چنی اس پر ایک خیمہ نورانی (جو ملاء اعلیٰ میں ملائکہ کا طواف گاہ ہے اور جس کو "بیت المعمور" کہتے ہیں) رکھا، پس آدم وہاں نماز پڑھتے اور طواف کرتے۔ طوفان نوح علیہ السلام میں وہ سب مفقود ہو گیا اور ایک سرخ ٹیلہ سا بعد طوفان کے باقی رہا، لیکن نیک لوگ وہاں عبادت ودعا کرتے اور ان کی قبولیت کے آثار پاتے، بعد میں انہی بنیادوں پر جناب ابراہیم واسماعیل علیہما السلام نے کعبہ کو از سر نو تعمیر کیا۔

طوفان نوح علیہ السلام کے بعد اولاد نوح اطراف واکناف عالم میں پھیل گئی پھر تقریباً ۲۳۴۷ ق م شہر بابل کی بنیاد رکھی گئی جس کی چہار دیوار ۳۰ گز چوڑی اور ۱۰۰ گز بلند تھا۔ بخت نصر اس شہر کا بادشاہ تھا یہاں کے لوگوں کو کلدانی اور کسریٰ بھی کہتے ہیں۔

آج کل اس شہر کے آثار کھدائیوں سے برآمد ہو گئے ہیں یا تو یہ دجلہ وفرات کے دوآبہ میں تھا یا بقول بعض فرات کے کنارے تھا، قریب ہی دریائے دجلہ کے کنارے حضرت یونس علیہ السلام کی جائے ولادت نینوا تھا۔ اس کا بانی بادشاہ نینوس تھا۔

شہر کی چہار دیواری ۲۵ فرسخ ہے۔ کلدانی ستارہ پرست تھے، جناب ابراہیم علیہ السلام کو اس قوم سے معرکہ توحید پیش آیا جو بالآخر شاہ ضحاک کے حکم سے عراق کے حاکم نمرود کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکنے پر ختم ہوا۔ آپ اس آگ سے سلامت باکرامت نکلے جو چند لوگوں کے ایمان لے آنے کا سبب بنا۔ حکم ہجرت کے بعد بی بی سارہ اور اپنے بھتیجے لوط بن حاران کو لے کر فلسطین چلے آئے۔ قحط پڑا تو فلسطین کے شہر حران سے مصر چلے آئے، وہاں سے عطائے خداوندی سے بی بی ہاجرہ کو ساتھ لیے فلسطین کے شہر جبروں دوبارہ چلے آئے۔ حضرت ہاجرہ کو خدا نے اولاد کے حمل سے نوازا تو سوتن حضرت سارہ کے رشک کی وجہ سے کسی اور جگہ چلی گئیں جہاں ایک فرشتہ نے ظاہر ہو کر تسلی بھی دی اور ایک بیٹے کی بشارت بھی دی اور ان کا نام اسماعیل علیہ السلام بتلایا۔ چنانچہ وہ پیدا ہوئے، جناب ابراہیم علیہ السلام کی عمر مبارک اس وقت ۸۶ برس تھی۔ سو برس کی عمر میں خود حضرت سارہ علیہا السلام کے ہاں حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔ پھر کسی معمولی رنجش کی بنا پر بی بی سارہ نے حضرت ہاجرہ کے ساتھ رہنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ بحکم الٰہی جناب ابراہیم علیہ السلام منزل بہ منزل طے کرتے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور بی بی ہاجرہ علیہا السلام کو لے کر اس جگہ لے آئے جہاں اب کعبہ ہے۔ وہاں چاہ زمزم اور ایک درخت تھا۔ صدمہ سے چور چور اور مجبور دل کے ساتھ انہیں وہاں چھوڑ کر چلے آئے۔ اور یہ دعا مانگی: رَبَّنَا اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ "کہ اے الٰہی! میں نے تیرے گھر کی پاس کہ جہاں کھیتی نہیں اپنی اولاد کو آباد کیا تاکہ تیری عبادت کریں پس تو لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر اور ان کو ہر طرح کے سامان خورد ونوش بہم پہنچا" ...... (آگے واقعہ معروف ہے) پھر چاہ زمزم نکل آیا اور ایک فرشتہ نے آکر بی بی ہاجرہ کو تسلی دی کہ خاطر جمع کر رکھو کہ یہاں خانۂ خدا ہے اس کو یہ لڑکا جوان ہو کر اپنے باپ کے ساتھ دوبارہ تعمیر کرے گا کہ خدا اس جگہ والوں کو ضائع نہیں کرتا۔ اس جگہ ایک ٹیلا تھا اور آس پاس برساتی نالے تھے۔ پھر ملک یمن کا قبیلہ جرہم وہاں آکر آباد ہو گیا اب ایک چھوٹا سا گاؤں آباد ہو گیا۔ جناب اسماعیل علیہ السلام نے ان سے عربی سیکھی اور موروثی خداداد لیاقت واستعداد سے ان کے منظور نظر بن گئے۔ چنانچہ وہاں کے سردار نے نہایت آرزو اپنی بیٹی ان کے نکاح میں دے دی۔ اس دوران جناب ابراہیم علیہ السلام دو دفعہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی غیر موجودگی میں تشریف لائے جو معروف واقعہ ہے بالآخر ملاقات ہوئی اور بنائے کعبہ کا حکم ہوا۔ کعبہ کی جگہ کی طرف رب تعالیٰ نے یوں راہ نمائی فرمائی کہ اتنی کی مقدار کا بادل کا ایک ٹکڑا بھیجا جس نے اس جگہ سایہ کیا اور ان دونوں حضرات نے اتنی مقدار کعبہ تعمیر کیا اس کی چوڑائی مشرق کی طرف سے حجر اسود سے رکن یمانی تک ۲۰ گز، مغرب میں رکن یمانی سے رکن غربی تک ۲۲ گز اور طول میں شمالی دیوار حجر اسود سے رکن شامی ۳۳ گز، اور جنوبی دیوار رکن غربی سے کر رکن یمانی تک ۳۱ گز تھی ...... (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ)

لغت: السُّفَهَآءُ: ...... یہ سفیہ کی جمع ہے، یہ نادان اور کمزور رائے والے کو کہتے ہیں جو اپنے نفع نقصان کی اتنی سوجھ بوجھ نہ رکھتا ہو، السفہ کی اصل خفت (ہلکا پن) اور دقت (پتلا پن) ہے یہ عربوں کے قول ثوب سفیہ سے ہے جو اس کپڑے کو کہا جاتا ہے جس کی بنائی کمزور ہو۔ وَلّٰىهُمْ یعنی ان کو پھیر دیا۔ کہا جاتا ہے: ولی عن الشئی اور تولی عنہ اور اس کا مطلب ہے "وہ پھر گیا"۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)...... مجموعی طور پر یہ ایک مستطیل شکل تھی مگر نہ عرض میں دونوں سرے برابر تھے اور نہ طول میں اس کی بلندی نو گز تھی اور دروازے کی کچھ کرسی نہ تھی (یعنی دروازہ زمین کے ساتھ) خانۂ کعبہ کے گوشوں کو رکن کہتے ہیں یہ چار ہیں جن کے الگ الگ نام ہیں۔

جنوب و مشرق کے رخ باہر کی جانب ڈیڑھ دو گز بلندی پر کونے میں ایک سیاہ گول پتھر توے کے برابر ہے جس کو حجر اسود کہتے ہیں اور جنوب و مغرب میں قد آدم کے برابر ایک سرخی نما پتھر ہے جس کو رکن یمانی کہتے ہیں اور مشرق و شمال کونہ کا نام رکن شامی ہے کیوں کہ ملک شام کی جانب ہے اور دوسرے کو رکن غربی کہتے ہیں مدت بعد ایک پہاڑی نالہ کی سبب یہ بنائے ابراہیمی گر گئی جس کو بنو جرھم نے دوبارہ اسی طرح تعمیر کیا ایک عرصہ بعد پھر گری تو اس کو عمالیق نے تعمیر کیا پھر ٹوٹی تو قصی بن کلاب نے تعمیر کیا اور اس پر لکڑیوں کی چھت ڈالی اور اوپر ایک سیاہ غلاف ڈالا۔ نبی کریم ﷺ کی عمر مبارک کے دس بارہ سال تک یہ عمارت یونہی رہی پھر ایک عورت کے وہاں نجور روشن کرنے کے دوران عمارت پردہ جل جانے کی وجہ سے جل گئی۔ اس سال قحط تھا قریش نے چند تصرفات کے ساتھ اس کو دوبارہ تعمیر کیا۔

① ...... کعبہ کی غربی دیوار حطیم کی جانب سے کئی گز چھوڑ کر اوپر اٹھائی۔ ② ...... دروازے کی چوکھٹ تقریباً دو گز اونچی کر دی تا کہ ہر شخص اندر نہ جا سکے۔
③ ...... عمارت کے دو رویہ لکڑی کی ستون لگائے کہ ہر دو میں تین تین ستون تھے۔ فتح مکہ کے بعد اندر جا کر آپ ﷺ نے انہی ستونوں کے بیچ نماز ادا فرمائی تھی۔
④ ...... دیواروں کی بلندی دوگنی کر دی۔ ⑤ ...... اور رکن شامی کے قریب کعبہ کی چھت پر چڑھنے کے لیے ایک زینہ بھی تعمیر کیا۔

فتح مکہ کے بعد ۳۰۰ سال قبل کے عمرو بن لحی کی یادگار تمام بت وہاں سے مٹا ڈالے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جب خلیفہ بنے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق کعبہ کو ڈھا کر ابراہیمی بنیادوں پر تعمیر کیا کہ اس کے دو دروازے رکھے اور زمین پر رکھے۔ ۶۴ھ میں ۲۷ رجب کو یہ تعمیر مکمل ہوئی جس کو حجاج نے ۷۴ھ میں گرا کر دوبارہ بنائے قریش پر تعمیر کیا جس میں صرف ایک دروازہ مشرق کی جانب قد آدم کی بھرتی ڈال کر اونچا کر کے رکھا اور ایک ٹکڑا طولانی جانب اسی طرح باہر رکھا جس کو حطیم کہتے ہیں۔ ہارون الرشید نے اس تعمیر کو بدلنا چاہا تو علما نے اسے منع کر دیا کہ کہیں کعبہ کی مقدس عمارت حکمرانوں کا کھلونا نہ بن جائے۔

سلطان قسطنطنیہ سلطان مراد بن احمد خان تک یہ عمارت یونہی رہی اور شاہان اسلام اس کی مرمتیں کراتے رہے ۱۰۴۰ھ میں کعبہ کی عمارت کے حد درجہ خستہ ہو جانے کی وجہ سے سلطان مراد نے اس کو دوبارہ بنیاد حجاج پر تعمیر کیا۔ فرش اور دیواروں پر سنگ مرمر لگوایا لکڑیوں کے ستونوں کے نہایت عمدہ لکڑی چنی چھت پر نفیس مخمل لگایا اور اوپر کی جانب گچ لگوائی اور باہر کی دیواروں کو سنگ خارا سے چونے میں چنیں۔ اگرچہ لپائی نہیں کی مگر تمام دیواروں پر نہایت نفیس سیاہ ریشمی پردہ ڈالا جس پر خط ثلث میں کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" لکھا ہوا تھا۔ اور نصف طول سے اوپر کئی بالشت چوڑا پٹکا کار جول حرف سے لکھا ہوا ہے۔

اس میں سلطان وقت کا نام بھی لکھا ہوتا ہے۔ زر کثیر کے صرف سے یہ مصر میں بنتا ہے جو بڑے تجمل سے آتا ہے اور تبدیلی غلاف کا یہ منظر دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ قدیم پردہ ہر سال شریف مکہ اور دیگر اراکین کو مل جاتا ہے۔ قریش سے رہ جانے والا کعبہ کا حصہ ابھی تک چھٹا ہوا ہے اس کو حطیم کہتے ہیں۔

یہ تقریباً گز بھر اونچی قوس نما دیوار ہے اسی طرف کعبہ کا سنہری پرنالہ "میزاب" ہے جو استجابت دعا کا محل ہے کعبہ کو آج تک بھرتی کی ضرورت نہیں پڑی۔ کعبہ کے آس پاس سنگ مرمر کا فرش ہے جس کو مطاف کہتے ہیں اسی فرش پر لوگ بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں۔ یہ سارا مضمون اختصار کے ساتھ تفسیر حقانی سے لیا گیا ہے۔ کعبہ کی عمارت کا یہ مفصل تعارف سلطان مراد کی بنائی ہوئی عمارت کا ہے۔ (دیکھیں تفسیر حقانی ج ۱ ص ۴۸۰ تا ۴۸۸)

کعبہ کی موجودہ عمارت آل سعود کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ کعبہ کی مفصل تاریخ کے لیے دیکھیں بندہ محمد آصف نسیم کی تالیف "محمد کو کیا پسند کیا ناپسند" ص ۲۵۱ تا ۲۹۶۔"

تحویل کی حکمت: ...... "مفسرین نے لکھا ہے کہ بیت المقدس کا قبلہ بنا بعض عربوں کو گراں گزرا تھا کہ وہ کعبہ کو مانتے تھے اور اس کا منسوخ ہونا یہود پر گراں گزرا کہ وہ کعبہ کو نہ مانتے تھے حتیٰ کہ بعضے خام اعتقاد لوگ اسلام سے بھی پھر گئے اسی لیے صراط مستقیم یہی ہے کہ رب تعالیٰ جس سمت کو چاہے قبلہ بنا دے ادھر کو منہ کر لیا جائے اور احکام کی علل کی تفتیش میں لگ کر صراط مستقیم کو نہ چھوڑا جائے کہ اس سے بعض کی غرض تو فقط احکام شرعیہ کی توہین یا تکذیب یا ان پر اعتراض ہوتا ہے اور بعض کا مقصد اس کو بہانہ بنا کر عمل سے جان چھڑانا ہوتا ہے اور بعض کی غرض گو فاسد نہیں ہوتی مگر فہم عالی اور دقیق نہ ہونے کی وجہ سے اکثر بد دینی و بد اعتقادی کا نتیجہ ہاتھ آتا ہے۔ اس مقام پر پھر وہ شعر دہراتا ہوں:

"زباں تازہ کردن باقرار تو ــــ نینگیختن علت از کار تو" (بیان القرآن ج ۱ ص ۸۷ و ۸۱ بتصرف)

وَسَطًا:......ابن جریر طبری کہتے ہیں کہ ”کلام عرب میں وسط سب سے بہتر کو کہتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ وسط عدل کو کہتے ہیں۔“
(مختصر الطبری ج ۱ ص ۵۵)

اور اس کی اصل یہ ہے، کہ ”ہر شے کی بہتری (اور خوبی) اس کا معتدل ہونا ہے اور اس میں بے جا زیادتی (یعنی غلو) اور تقصیر (یعنی کوتاہی کہ) یہ دونوں کی دونوں مذموم باتیں ہیں۔ عَقِبَيْهِ: یہ عقب کی تثنیہ ہے یہ پاؤں کی ایڑھی کو کہتے ہیں۔ كَبِيْرَةً: یعنی گراں اور بھاری۔ شَطْرَ: شَطْرَ کا لغوی معنی جہت ہے۔ شاعر کا قول ہے:

تعدو بنا شطر نجد وهي عاقدة ”وہ ہمیں نجد کی طرف، لے دوڑتی ہے اس حال میں کہ وہ جادو پڑھنے والی ہے۔“

اور یہ نصف کے معنی میں بھی آتا ہے اسی معنی میں یہ حدیث ہے:

الطهور شطر الایمان ”پاکیزگی نصف ایمان ہے۔“

سبب نزول:......حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں، کہ ”جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو تقریباً ۱۶ یا ۱۷ ماہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں ادا فرماتے رہے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ کی طرف منہ کر کے نمازیں ادا کرنا چاہتے تھے تو اس پر رب تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ تو (اس پر) نادان اور احمق لوگ جو یہودی تھے، یہ کہنے لگے کہ ”جس قبلہ پر یہ لوگ پہلے تھے اس سے اب انہیں کس بات نے پھیرا؟“ تو رب تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ......الی آخر الآیۃ
(رواہ البخاری، اسباب النزول للواحدی ص ۲۳)

یہود و نصاریٰ کے احمقانہ سوالات کے مدلل جوابات

تفسیر: سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ:......یعنی لوگوں میں سے کم عقل کہیں گے۔ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِىْ كَانُوْا عَلَيْهَا: یعنی جس قبلہ کی طرف منہ کر کے یہ لوگ پہلے نمازیں ادا کیا کرتے تھے اب کس بات نے انہیں اس قبلہ سے پھیر دیا اور موڑ دیا؟ یہ بیت المقدس تھا جو ان سے پہلے نبیوں کا قبلہ تھا۔ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ: یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ان سے کہہ دیجیے کہ ساری کی ساری جہتیں خدا ہی کی ہیں مشرق بھی اسی کا ہے اور مغرب بھی ہم جس طرف بھی منہ کریں اسی طرف خدا کی ذات کو پائیں گے۔ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ: یعنی وہ خدا اپنے اہل ایمان بندوں کو دارین کی سعادت تک پہنچانے والے سیدھے راستہ کی ہدایت دیتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا:......یعنی جس طرح ہم نے تمہیں اسلام کی سعادت بخشی اسی طرح ہی اے مومنین کی جماعت! ہم نے تمہیں ایک بہترین (چنی ہوئی اور) معتدل امت بنایا۔ لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا: یعنی تاکہ روز قیامت تم (باقی) امتوں پر اس بات کی گواہی دے سکو کہ ان کے پیغمبروں نے انہیں (اپنے اپنے وقت پیغام خدا) پہنچا دیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے اوپر اس بات کی گواہی دیں کہ انہوں نے تمہیں (خدا کا آخری اور جاودانی پیغام یعنی قرآن اپنی تمام تشریحات سمیت) پہنچا دیا ہے۔

کعبۃ اللہ کی طرف رُخ کرنے کا حکم

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَآ:......یعنی ہم نے جو تمہیں (پہلے) بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا اور پھر تمہیں جو اس سے موڑ کر کعبہ کی طرف (منہ) کرنے کا (حکم) دیا۔ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ: تو (ایسا اس لیے کیا) تاکہ لوگوں کے ایمان کا امتحان لیں کہ ہم ان لوگوں کو جان لیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کرتے ہیں اور ان کو بھی جان لیں جو دین کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر شک کرتے ہیں اور اپنے یقین کی کمزوری کی وجہ سے دوبارہ کفر میں لوٹ جاتے ہیں۔ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ: یعنی تحویل قبلہ کا حکم بڑا گراں ہے مگر (ان لوگوں پر گراں نہیں) جن کو رب تعالیٰ نے (نعمت) ہدایت بخش رکھی ہے۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ: یعنی یہ بات نہ تو درست ہے اور نہ صحیح کہ رب تعالیٰ تمہاری بیت المقدس کی طرف منہ کر کے ادا کی گئی نمازوں کو ضائع کر دے، بلکہ

رب تعالیٰ تمہیں ان نمازوں پر ثواب عطا فرمائے گا۔ ہوا یوں کہ کچھ لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھا جو تحویل قبلہ کے حکم سے قبل بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں ادا کرتے تھے اور اس حکم کے آنے سے قبل اس دنیا سے رخصت ہو گئے (کہ آیا ان لوگوں کی نمازیں قبول ہوئیں یا نہیں؟) تو اس پر رب تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ اور اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ: (کا ارشاد یہ (اس مذکورہ) حکم کی علت ہے یعنی رب تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت بہت وسیع و عظیم ہے وہ ان کے وہ اعمال کو ضائع نہ کرے گا جو انہوں نے کیے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اشتیاق

قَدۡ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجۡهِكَ فِى السَّمَآءِ:...... (اور ہمارا یہ ارشاد اس لیے ہے) کیوں کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم بار بار آپ کی نگاہ کو تحویل قبلہ کے اشتیاق میں آسمان کی طرف اٹھتا ہوا دیکھ رہے ہیں (کہ کب خدا کی طرف سے کعبہ کو قبلہ بنانے کا حکم آتا ہے؟) فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبۡلَةً تَرۡضٰٮهَا: یعنی ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قبلہ جو کعبہ ہے، کی طرف منہ کرنے کا حکم دے دیں گے جو آپ کو پسند ہے (اور محبوب ہے) جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جدامجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ ہے۔ فَوَلِّ وَجۡهَكَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ: یعنی (اب) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز میں کعبہ معظمہ کی طرف منہ کر لیجیے! وَحَيۡثُ مَا كُنۡتُمۡ فَوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ شَطۡرَهٗ: یعنی اے مومنو! تم جہاں کہیں بھی ہو (اور وہاں نماز کا وقت آ جائے) تو (وہاں ہی) اپنی نمازوں میں کعبہ کی طرف منہ کر لو۔ وَاِنَّ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ لَيَـعۡلَمُوۡنَ اَنَّهُ الۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّهِمۡ: یعنی یہ یہود و نصاریٰ جانتے ہیں کہ تحویل قبلہ کا یہ حکم رب تعالیٰ کی طرف سے حق ہے لیکن یہ لوگوں کو شبہات میں پھنسا کر انہیں فتنہ میں مبتلا کرتے ہیں۔ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعۡمَلُوۡنَ: یعنی رب تعالیٰ سے ان کا کوئی بھی عمل پوشیدہ نہیں اور وہ عنقریب انہیں ان اعمال کا بدلہ دے گا۔ اس ارشاد خداوندی میں ان کے لیے وعید اور تہدید (دھمکی) ہے۔

بلاغت: يَّنۡقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيۡهِ:...... امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اس ارشاد خداوندی میں "استعارہ تمثیلیہ" ہے کیوں کہ اس ارشاد میں دین سے مرتد ہو جانے والے کو الٹے پاؤں پھر جانے والے سے تشبیہ دی گئی ہے۔" لَرَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ: الرأفة یہ رحمت کی شدت کو کہتے ہیں اور ابلغ (صیغہ) کو میم کے "فاصلہ" کی رعایت کے لیے مقدم کیا جو صراط مستقیم (کی میم) میں ہے۔ (کہ یہ آیت نمبر ۱۴۳ ہے اور آیت نمبر ۱۴۲ صراط مستقیم کے لفظ پر ختم ہو رہی اور یہ آیت رحیم کے لفظ پر ختم ہو رہی ہے اور "فاصلہ" جملوں کے آخری لفظ کے آخری حرف کی حرکت اور اس حرف کی موافقت کو کہتے ہیں۔ چنانچہ یہاں رؤف کو مقدم کیا اور رحیم کو موخر کیا تا کہ میم کے حرف میں صفت "فاصلہ" کی رعایت ہو سکے۔ اور معنی میں اگرچہ یہ دونوں لفظ مترادف ہیں مگر رؤف میں رحمت کے معنی بہ نسبت رحیم کے زیادہ ہیں اس لحاظ سے اس کو "ابلغ" کہا) اور (ویسے) یہ دونوں کے دونوں صیغے مبالغہ کے ہیں۔ (واللہ اعلم۔ نسیم)

فَوَلِّ وَجۡهَكَ: یہاں وجہ (چہرہ) بول کر ذات کو مراد لیا ہے جیسے کہ یہ ارشاد خداوندی ہے:

وَّيَبۡقٰى وَجۡهُ رَبِّكَ۔ (الرحمٰن، ۲۷) "اور تمہارے پروردگار کی ذات (بابرکات) ہی باقی رہے گی۔"

اس کو "مجاز مرسل" کہتے ہیں کہ جز بول کر کل مراد لینا۔

امت محمدیہ کی دیگر امتوں پر گواہی

فوائد: پہلا فائدہ:...... بخاری شریف میں روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ "روز قیامت حضرت نوح علیہ السلام کو پکارا جائے گا وہ عرض کریں کہ لبيك وسعديك يارب (اے رب! میں تیری خدمت کے لیے بار بار حاضر ہوں)۔[1] رب تعالیٰ فرمائیں گے:" کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (پیغام رسالت اپنی امت کو پہنچا دیا؟ وہ عرض کریں گے: "جی ہاں!" پھر ان کی امت سے پوچھا جائے گا، "کیا انہوں نے تمہیں (پیغام خدا) پہنچا دیا تھا؟ تو وہ (مکر جائیں گے اور) کہیں گے، "ہمارے پاس (خدا کی طرف سے) کوئی ڈرانے والا آیا ہی نہ تھا۔" اس پر خدا تعالیٰ (جناب نوح علیہ السلام

---

[1] ترجمہ از "مصباح اللغات ص ۳۷۷ کالم نمبر ۲" (نسیم)

سے) فرمائیں گے: "(اب) آپ علیہ السلام کی (پیغام رسالت پہنچادینے کی بابت) کون گواہی دیتا ہے؟ (کہ آپ علیہ السلام کی امت تو مکر گئی ہے)۔" تو وہ عرض کریں گے: "(اس بارے میں حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امت (میری گواہی دیں گے)۔ چنانچہ وہ اس بات کی گواہی دیں گے، کہ "(جی ہاں! یہ سچ کہتے ہیں کہ) انہوں نے (پیغام رسالت) پہنچادیا تھا (اور ان کی امت جھوٹ بولتی ہے)۔

پس یہ (بات اس) ارشاد خداوندی (میں) ہے لِّتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا

دوسرا فائدہ: ......رب تعالیٰ نے وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ (کے ارشاد) میں نماز کو "ایمان" فرمایا ہے (یعنی رب تعالیٰ تمہاری نمازوں کو ضائع نہ فرمائیں گے) کیوں کہ ایمان نماز کے ساتھ ہی مکمل ہوتا ہے اور اس لیے بھی کہ یہ "نیت، قول اور عمل" (تین باتوں) پر مشتمل ہے (جو ایمان کے اجزا ہیں کہ ایمان بھی نیت، قول اور فعل کا نام ہے۔)

تیسرا فائدہ: ......کعبہ کی تعبیر "مسجد حرام" سے کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ واجب کعبہ کی جہت کی رعایت ہے نہ کہ عین (عمارت) کعبہ کی کیوں کہ دور پار کے مقامات سے کعبہ کی عمارت کو پانے (اور ٹھیک اسی کی طرف منہ کرنے) میں لوگوں پر "عظیم حرج" ہے۔

وَلَئِنْ أَتَيْتَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَٰبَ بِكُلِّ ءَايَةٍ مَّا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ أَنتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُم بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۚ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَآءَهُم مِّنۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ إِنَّكَ إِذًا لَّمِنَ الظَّٰلِمِينَ ﴿۱۴۵﴾ الَّذِينَ ءَاتَيْنَٰهُمُ الْكِتَٰبَ يَعْرِفُونَهُۥ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَآءَهُمْ ۖ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۱۴۶﴾ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿۱۴۷﴾ وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا ۖ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَٰتِ ۚ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيعًا ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۴۸﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُۥ لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَٰفِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۴۹﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُۥ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۵۰﴾

ترجمہ: ......اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی اگر آپ ان کے پاس تمام دلیلیں لے آئیں تب بھی آپ کے قبلہ کا اتباع نہ کریں گے، اور نہ آپ ان کے قبلہ کا اتباع کرنے والے ہیں، اور نہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے قبلہ کا اتباع کرنے والے ہیں اور البتہ اگر آپ نے اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے ان کی خواہشوں کا اتباع کیا تو بے شک آپ اس وقت یقیناً ظلم کرنے والوں میں سے ہوں گے۔﴿۱۴۵﴾ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ رسول کو پہچانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور بلاشبہ اُن میں سے ایک فریق ایسا ہے جو ضرور حق کو چھپاتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں۔﴿۱۴۶﴾ حق ہے آپ کے رب کی طرف سے سو آپ ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں۔﴿۱۴۷﴾ اور ہر جماعت کے لیے ایک جہت ہے، جس کی طرف وہ اپنا رخ کرنے والے ہیں۔ لہٰذا تم نیک کاموں کی طرف آگے بڑھو، جہاں کہیں بھی تم ہو گے اللہ تعالیٰ تم سب کو لے آئے گا، بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔﴿۱۴۸﴾ اور جس جگہ سے بھی آپ باہر جائیں تو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر دیں اور بلاشبہ یہ ضرور حق ہے آپ کے رب کی طرف سے، اور اللہ غافل نہیں اُن کاموں سے جو تم کرتے ہو۔﴿۱۴۹﴾ اور جس جگہ سے بھی آپ باہر جائیں اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر دیجیے اور جہاں کہیں بھی تم ہو سو اپنے چہرے اُس کی طرف پھیر لو، تا کہ لوگوں کو تمہارے مقابلہ میں کوئی حجت نہ رہے، سوائے اُن کے جنہوں

نے اُن میں سے ظلم کیا، لہٰذا تم اُن سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو تا کہ میں پوری کر دوں تم پر اپنی نعمت اور تا کہ تم ہدایت پر رہو۔ ﴿۱۵۰﴾

مناسبت:...... جب رب تعالیٰ نے ان باتوں کو ذکر فرمایا جو ان نادان بے وقوف یہود نے قبلہ کے بیت المقدس سے کعبۂ معظّمہ کی طرف پھیر دیے جانے کے وقت کہیں تھیں اور اپنے رسول کو اس بات کا حکم دینے کو ذکر فرمایا، کہ ''آپ ﷺ اپنی نماز میں (اب) ''بیت عتیق'' (قدیم گھر یعنی کعبہ معظّمہ) کی طرف منہ کر لیا کیجیے'' تو ان آیات میں اس بات کو ذکر فرمایا کہ یہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ عناد (ہٹ دھرمی) اور مکابرہ (حق کا مقابلہ و انکار کرنے) میں اس درجہ تک پہنچ چکے ہیں کہ اب ان کے اسلام لے آنے کی آس ختم ہو چکی ہے کیوں کہ ان لوگوں نے آپ ﷺ کے قبلہ کو کسی شبہ کی وجہ سے نہیں چھوڑا جس کو دلیل سے ختم کیا جا سکتا ہے بلکہ ان لوگوں نے عناد اور غرور کی وجہ سے آپ ﷺ کی مخالفت کی ہے۔ اس ارشاد میں ان اہل کتاب کی تکذیب اور انکار ہے اور آپ ﷺ کے لیے تسلی ہے۔

لغت: اٰيَةٍ:...... یہ حجت اور علامت کو کہتے ہیں۔ **اَهْوَآءَهُمْ**: (اھواء) یہ ھوی کی جمع ہے جو (اسم) مقصور ہے۔[1] (نہ کہ ھواء کی جو اسم ممدود ہے) ہوائے نفس یہ نفس کی محبت اور کسی شے کی طرف اس کے میلان کو کہتے ہیں۔

الْمُمْتَرِيْنَ: یہ ''امترا'' سے ہے اس کا معنیٰ ''شک'' ہے۔ امتری فی الشیئ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی شے میں شک ہو۔ اسی سے لفظ ''مراء'' اور ''مریۃ'' ہے (جن کا معنیٰ، جھگڑا، بحثا بحثی، کٹ حجتی، مناظرہ اور شک ہے) ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ (سورۃ الحج، ۵۵) ''اور کافر لوگ ہمیشہ شک میں رہیں گے۔''

وِجْهَةٌ:...... فراء کہتے ہیں: ''وجھۃ، جھۃ اور وجہ'' کہ ان تینوں کا معنیٰ ایک ہے اور اس سے مراد قبلہ ہے۔ **هُوَ مُوَلِّيْهَا**: فراء اس کا معنیٰ یہ بیان کرتے ہیں، کہ ''وہ اس کی طرف منہ کرتا ہے اصل عبادت **هُوَ مُوَلِّيْهَا وِجْهَةٌ** ہے (یعنی وہ اس کی طرف منہ کرتا ہے) یہاں وجہ کے لفظ کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں (کیوں کہ گزشتہ میں اس کا ذکر موجود ہے۔ **فَاسْتَبِقُوْا**: یعنی جلدی کرو اور لپکو۔ **الْخَيْرٰتِ**: یہ خیرۃ کی جمع ہے یہ نیک اعمال کو کہتے ہیں۔ **فَلَا تَخْشَوْهُمْ**: یہ خشیہ سے ہے جس کا معنیٰ ہے خوف کرنا (اور ڈرنا) یعنی ''تم ان سے مت ڈرنا''۔

یہود کی نامعقول خواہشات کا خاتمہ

تفسیر: وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ:...... یعنی اے محمدؐ! اگر آپ قبلہ کے معاملہ میں ان یہود و نصاریٰ کے پاس اپنی صداقت پر تمام معجزے بھی لے کر چلے آئیں تو پھر بھی یہ نہ تو آپ کی پیروی کریں گے اور نہ ہی آپ کے قبلہ کی طرف (منہ کر کے اپنی) نمازیں ادا کریں گے۔ **وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ**: اور جب رب تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان کے قبلہ سے پھیر دیا تو اس کے بعد آپ (بھی) ان کے قبلہ کی پیروی (میں اس طرف منہ کر کے نمازیں ادا) کرنے والے نہیں۔ اس ارشاد میں ان یہود کی نامعقول خواہشات کو ختم کرنا ہے کیوں کہ یہ یہود کہتے تھے، کہ ''اگر آپ ﷺ ہمارے قبلہ پر ثابت قدم رہتے تو ہمیں امید تھی کہ آپ وہی ہوتے جس کا ہمیں انتظار تھا۔ (ان کا یہ کہنا صرف اور صرف) آپ ﷺ کو دھوکہ دینے کے لیے (تھا)۔ **وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ**: یعنی (خود یہ بھی ایک دوسرے کے قبلہ کی پیروی نہیں کرتے کہ) نصاریٰ یہود کے قبلہ کی پیروی نہ کرتے تھے اور یہود نصاریٰ کے قبلے کی پیروی نہ کرتے تھے کیوں کہ ان دونوں (گروہوں اور فرقوں) میں شدید بغض و عداوت تھی حالاں کہ دونوں (فرقے) بنی اسرائیلی[2] تھے۔

---

[1] اسم مقصور وہ اسم ہے جس کے آخر میں الف مقصورہ ہو جیسے عیسیٰ، موسیٰ وغیرہ کے الفاظ اور اسم ممدود وہ اسم ہے جس کے آخر میں الف ممدودہ ہو جیسے ھواء، حمراء وغیرہ کے الفاظ واللہ اعلم۔ [2] گو تمام عیسائیوں اور یہود کے لیے نماز میں کوئی جہت خاص قبلہ نہیں مگر عرب کے یہود عموماً بیت المقدس کو نماز میں قبلہ بناتے تھے اور نصاریٰ جہت شرق کو۔ اس لیے کہ حضرت مسیح علیہ السلام بیت اللحم میں پیدا ہوئے تھے کہ جو یروشلم سے بجہت شرق واقع تھا اور ممکن ہے کہ قبلہ سے ہر مذہب کے رسوم و شعائر مراد ہوں اور ہر ایک دوسرے کے رسوم کو نہیں مانتا یہ طبعی بات ہے۔ ان کا ایک دوسرے کے قبلہ کو نہ ماننا یہ ضد و کد کی وجہ سے تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے سینکڑوں معجزے دکھلائے مگر یہود نے ان کو نہ مانا۔'' (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۱۱ بتصرف)

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ :۔۔۔۔۔یعنی فرض کیا کہ اگر آپ ﷺ وحی کے ذریعے آپ تک پہنچنے والی دلیل کے (خوب) واضح اور روشن ہوجانے کے بعد بھی ان کی خواہشات کے مطابق چلتے ہیں اور اس بات کی پیروی کرتے ہیں جو یہ لوگ چاہتے ہیں اور جس کو یہ پسند کرتے ہیں۔ (تو) اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ: آپ سب سے زیادہ واضح ظلم کا ارتکاب کرنے والے ہوں گے۔

یہ ارشاد خداوندی بطور فرض کے ہے ورنہ حاشا وکلا آپ ﷺ (ہرگز ہرگز) ان کفار مجرمین کی (باطل) خواہشات کی پیروی کرنے والے نہ تھے۔ یہ ارشاد "حق پر ثابت قدم رہنے پر جوش دلانے کے باب میں سے ہے۔"

یہود و نصاریٰ رسول اللہ ﷺ سے بخوبی واقف ہیں

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ :۔۔۔۔۔(جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے) یعنی یہود (جن کو تورات) اور نصاریٰ (کہ جن کو انجیل دی ہے)۔
يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ : یعنی یہ لوگ حضرت محمد ﷺ کو اس طرح پہچانتے تھے جس میں کوئی شک وشبہ نہ ہوتا تھا جس طرح ان میں ایک شخص اپنی اولاد کو پہچانتا تھا اور اس کو یقین ہوتا تھا کہ یہ (واقعی) میری اولاد ہے (کہ اسی معرفت یقین کے ساتھ یہ نبی کریم ﷺ کو نبی آخر الزمان پہچانتے تھے اور ان کا یہ انکار عمداً تھا۔ ان کے احبار ورھبان اپنی کتابوں میں آپ ﷺ کی علامات کو لکھا بھی پاتے تھے اور سینہ بہ سینہ ایک دوسرے کو بتلاتے بھی چلے آتے تھے اور وہ آپ ﷺ کو یوں پہچانتے تھے جس طرح کوئی شخص سینکڑوں میں بغیر اشتباہ کے اپنے لڑکے کو پہچان لیتا ہے۔ از تفسیر حقانی)

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ: یعنی ان میں سے ایک جماعت جوان کے رؤسا (سردار) اور احبار (ورھبان) تھے (نہ کہ ان کے عوام کہ جو) تورات اور انجیل کو پڑھنا نہ جانتے تھے) وہ حق کو چھپاتے اور اس کو علی الاعلان (لوگوں کو) نہ بتلاتے اور وہ نبی کریم ﷺ کی صفات (مبارکہ) کو باوجود یہ کہ وہ ان کی کتابوں بالکل ظاہر لکھی ہوئی تھیں، چھپاتے تھے۔ (جیسا کہ) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ (سورۃ الاعراف، ۱۵۷)

ترجمہ:۔۔۔۔۔"جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔"

چنانچہ یہ لوگ آپ ﷺ کے اوصاف کو جاننے کے باوجود اور (ان اوصاف کی) معرفت کے باوجود بھی (اپنی عوام سے) چھپاتے تھے۔
اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ:۔۔۔۔۔یعنی اے محمدؐ! آپ کے پروردگار نے قبلہ اور دین کے بارے میں جو کچھ بھی آپ کی طرف وحی کی ہے وہ حق ہے آپ اس میں شک کرنے والے نہ بنیے اس میں خطاب تو آپ ﷺ کو ہے مگر مراد آپ کی امت ہے۔ [۱]

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ:۔۔۔۔۔یعنی ہر ایک فرقہ کی ایک سمت مقرر ہے جس کی طرف منہ موڑ کر وہ عبادت کرتا ہے یعنی اے مؤمنو! تم نیکی کے کاموں کی طرف جلدی کرو اور ان کی طرف لپکو۔ [۲]

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا: یعنی تم زمین کی گہرائیوں یا پہاڑوں کی چوٹیوں میں جہاں کہیں بھی ہوگے تو (روز قیامت) رب تعالیٰ حساب (وکتاب) کے لیے تم سب کو اکٹھا کرلے گا اور اہل حق اور اہل باطل کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ: یعنی چاہے تمہارے اجسام اور تمہارے بدن (ریزہ ریزہ ہوکر مرور زمان کے ساتھ نہ جانے) کہاں کہاں بکھر بھی گئے ہوں تو رب تعالیٰ پھر بھی تم سب (کے ذرے ذرے) کو زمین سے اکٹھا کر (کے اپنے سامنے کھڑا کر) نے پر قادر ہے۔

---

[۱] کہ اوروں کو سنانے کے واسطے آپ ﷺ کو یہ فرمایا" (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۱۱)

[۲] دلائل قطعیہ سے حق واضح ہوجانے کے بعد کسی کی مخالفت وموافقت کا پاس نہ کرنا چاہیے کہ "ہر قومے راہست راہے، دینے وقبلہ گاہے۔" تو اب اس بحث کو چھوڑ کر (کمافی روح المعانی) مقصود بالذات نیک باتوں (مثلاً نماز روزہ وغیرہ) میں سرگرم رہنا چاہیے اور ان میں تگا پو کرنی چاہیے" (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۱۲ وبیان القرآن ج ۱ ص ۸۴) بتصرف۔

کعبۃ اللہ کی جانب رُخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم

وَمِنۡ حَیۡثُ خَرَجۡتَ فَوَلِّ وَجۡهَكَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ:...... یعنی (حضر کے علاوہ سفر میں بھی اگر آپ ﷺ مدینہ سے یا) کسی اور جگہ سے سفر کے لیے نکلیں تو اپنی نماز کے وقت اپنا منہ کعبہ کی طرف کرلیا کریں۔ وَاِنَّهٗ لَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكَ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ: اس کی (یعنی اِنَّهٗ لَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكَ کی) تفسیر گزشتہ میں گزر چکی ہے یہاں رب تعالیٰ نے اس کو سفر و حضر کے احکام میں برابری کو بیان کرنے کے لیے دہرایا ہے۔ وَمِنۡ حَیۡثُ خَرَجۡتَ فَوَلِّ وَجۡهَكَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ وَحَیۡثُ مَا كُنۡتُمۡ فَوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ شَطۡرَهٗ: کعبہ معظّمہ کی طرف منہ کرنے کا یہ تیسری بار حکم دیا جا رہا ہے۔ اس تکرار کا فائدہ یہ ہے کہ احکام شرعیہ میں پہلا نسخ اسی قبلہ کے امر میں ہوا تھا لہٰذا اس کو بار بار دہرانے کی ضرورت تھی[1] تا کہ اس حکم کی تاکید اور تقریر ہوجائے اور (اس بارے میں ہر طرح کے) شبہ کا ازالہ ہوجائے۔ رب تعالیٰ (اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) ارشاد فرماتے ہیں: لِئَلَّا یَكُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَیۡكُمۡ حُجَّةٌ: یعنی رب تعالیٰ نے قبلہ کے امر کی تمہیں پہچان کرادی تا کہ یہود تم لوگوں کو کسی قسم کا الزام نہ دے سکیں اور یہ (نہ) کہیں کہ آپ ہمارے دین کا تو انکار کرتے ہو مگر ہمارے قبلہ کی پیروی کرتے ہو، چنانچہ اس طرح انہیں تم لوگوں پر الزام دینے کا موقع مل جائے گا یا جیسے کہ مشرکین یہ (نہ) کہیں کہ (ایک طرف تو جناب) محمد (ﷺ) ملت ابراہیم (کی پیروی) کا دعویٰ کرتے ہیں اور دوسری طرف ان کے قبلہ کی مخالفت (بھی) کرتے ہیں۔

اِلَّا الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡهُمۡ ۗ فَلَا تَخۡشَوۡهُمۡ وَاخۡشَوۡنِیۡ: یعنی ان میں وہ لوگ جو ظالم ہیں (وہ الزام دیں تو دیں کہ) جو کسی بھی تعلیل (اور دلیل بیان کرنے) کو نہیں مانتے (آپ ﷺ ان کی الزام بازیوں کی پروانہ کیجیے) اور ان سے مت ڈریئے اور مجھ سے ہی ڈرتے رہیے۔"

وَلِاُتِمَّ نِعۡمَتِیۡ عَلَیۡكُمۡ وَلَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ: یعنی (کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دینے میں ہمارا ایک مقصود یہ بھی ہے کہ) آپؐ کے جدِّ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قبلہ کی ہدایت اور دارین کی سعادت کی توفیق دے کر آپ ﷺ پر اپنی تمام نعمتوں کی بخشش کروں۔"

بلاغت: وَلَئِنۡ اَتَیۡتَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ:...... اس ارشاد میں "ہم" ضمیر کی جگہ اس موصول[2] (الَّذِیۡنَ) لانے میں ان کے حال کے عناد کی وجہ سے نہایت برے ہونے کو بیان کرنا ہے۔ وَلَئِنِ اتَّبَعۡتَ اَهۡوَآءَهُمۡ: یہ (ارشاد خداوندی) حق پر ثابت قدم رہنے کے لیے تھییج اور الهاب[3] کے باب میں سے ہے۔ وَمَاۤ اَنۡتَ بِتَابِعٍ قِبۡلَتَهُمۡ: اس جملہ میں نفی اور تم بھی ان کے قبلے کی پیروی کرنے والے نہیں ہو "علم المعانی کے اعتبار سے) مَا تَبِعُوۡا قِبۡلَتَكَ: کی نفی (یہ تمہارے قبلے کی پیروی نہ کریں) سے زیادہ بلیغ ہے کیوں کہ ایک تو (وَمَاۤ اَنۡتَ بِتَابِعٍ قِبۡلَتَهُمۡ کا) یہ جملہ (جملہ) اسمیہ ہے (اور دوسرا جملہ فعلیہ ہے اور جملہ اسمیہ ثبوت اور دوام کے معانی کے پائے جانے کی وجہ سے نفی اور اثبات میں

---

[1] حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس حکم کے بار بار دہرائے جانے کی حکمتیں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ۞...... امر قبلہ نہایت مہتم بالشان تھا۔ ۞...... مخالفین اس میں شور بھی زیادہ مچا رہے تھے۔ ۞...... اور بعض جزئیات کی تعیین میں تردد بھی ہوسکتا تھا اس لیے اس حکم کو بار بار اور کئی پہلوؤں سے دہرایا اور اس کی حکمتوں کو واضح کیا۔ ۞...... سفر و حضر کا عام عنوان حَیۡثُ مَا كُنۡتُمۡ بھی لائے اور حکم حضر کی تخصیص کا الگ اشارہ بھی کیا۔ ۞...... سفر کا حکم الگ بیان کیا تا کہ یہ وہم جاتا رہے کہ اصل مقصود جہت جنوب ہے جو کہ حالت حضر میں مدینہ شریف میں تھی کیوں کہ مکہ وہاں سے جنوب کی جانب واقع تھا۔ اور سفر و حضر کو الگ الگ بیان کرنے میں حکمت یہ تھی کہ کسی کو راہ اور منزل کے حکم کے جدا جدا ہونے کا وہم نہ ہو کہ سفر ہو یا حضر منہ کعبہ ہی کی طرف کرنا ہے۔ ۞...... قلذری کے ارشاد میں اس حکم کے حق ہونے کو ارشاد فرمایا آگے سہ بار جہت قبلہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا اور لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ، فَاسۡتَبِقُوا الۡخَیۡرٰتِ اور لَا تَخۡشَوۡهُمۡ کے ارشادات میں ومنازعت سے یکسو ہونے اور بے غم ہونے کی طرف اشارہ فرمایا۔ اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جب قرائن سے معترض کا عناد معلوم ہوجائے تو اس کو جواب دینا لاحاصل ہے۔ اور طالب حق کے شبہ کی اصلاح ضرور کردی جائے۔ (واللہ اعلم) (بیان القرآن ج ۱ ص ۸۵ بتصرف وملخصاً) "نسیم"۔

[2] یہ اسم موصول یہ کسی نام کی جگہ بولے جانے والے اسم مبہم کو کہتے ہیں۔ یہ مبنی اور معرفہ ہوتا ہے اور اس کے ابہام کو اس کے بعد آنے والا جملہ دور کرتا ہے اس کو صلہ کہتے ہیں۔ (القاموس الوحید ص ۱۴۶۶ کالم نمبر ۱) "نسیم"

[3] تھییج اور الهاب کی تعریف اور توضیح گزشتہ میں حاشیہ میں گزر گئی ہے۔ نسیم

جملہ فعلیہ سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے) دوسرے اس میں با (زائدہ) کے ساتھ نفی کی تاکید (بھی) ہے (لہٰذا اس کی نفی تاکید اور ثبوت و دوام کے معانی کی وجہ سے جو جملہ اسمیہ میں پائے جاتے ہیں، زیادہ بلیغ نفی ہوئی۔ واللہ اعلم۔ نسیم)۔ (ذکرہ صاحب الفتوحات الالٰہیۃ)

كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ:...... اس میں تشبیہ "مرسل مفصل" ہے یعنی یہ لوگ جناب محمد ﷺ کو ایسا واضح جانتے ہیں جس طرح اپنی صلبی اولاد کو جانتے ہیں۔

فوائد: پہلا فائدہ:...... روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "کیا تم محمد ﷺ کو اس طرح پہچانتے ہو (جس طرح تم اپنی اولاد کو پہچانتے ہو؟" انہوں نے کہا کہ "بلکہ اس سے بھی زیادہ (پہچانتے تھے) آسمان کا (روح) الامین (حضرت جبرائیل علیہ السلام) زمین کے امین (جناب موسیٰ علیہ السلام) پر آپ ﷺ کی صفت لے کر اترا چنانچہ میں نے (ان صفات کو تورات میں لکھا دیکھ کر فوراً) آپ ﷺ کو پہچان لیا اور مجھے آپ ﷺ کے نبی ہونے میں (تو) ذرا بھی شک نہیں جب کہ مجھے اپنے بیٹے کے بارے میں علم نہیں کہ اس کی ماں نے کیا کیا (کہ بیٹوں کا بیٹا ہونا تو صرف قرائن ظاہرہ محتملہ سے معلوم ہوتا ہے۔ "مظہری" ممکن ہے کہ (اس کی) ماں نے خیانت کی ہو (اور یہ بیٹا کسی اور کا ہو کہ عورتوں کا کیا اعتبار ہے۔ "مظہری" اور بیوی میں خیانت کا احتمال ہے جس سے بیٹا ہونے میں شبہ ہوسکتا ہے۔ (بیان القرآن) کہ ہمیں اس خیانت کا علم نہ ہو مگر مجھے آپ ﷺ کے نبی ہونے میں اتنا بھی شک نہیں۔ "بیان القرآن") چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (یہ سن کر) ان کا ماتھا چوم لیا۔" (مختصر تفسیر ابن کثیر ج۱ ص ۱۴۰، و محاسن التأویل ج۲ ص ۳۰۵)

وعید عوام سے زیادہ علما کے حق میں شدید ہوتی ہے

دوسرا فائدہ:...... وعید عوام سے زیادہ علما کے حق میں شدید ہوتی ہے اسی لیے رب تعالیٰ نے اہل کتاب (علما) کی مذمت بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ کیوں کہ وہ جہالت کی وجہ سے اس گناہ کے مرتکب نہ تھے بلکہ وہ اس جرم کا ارتکاب جانتے بوجھتے کرتے تھے۔

تیسرا فائدہ:...... استقبال کعبہ کے حکم کو تین بار دہرایا گیا۔ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ (اس بارے میں) فرماتے ہیں کہ "اس تکرار کی حکمت یہ ہے کہ پہلا ارشاد: وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اس شخص کے لیے ہے جو مکہ میں ہو (یعنی جو حالت حضر میں ہو) اور دوسرا ارشاد: وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اس شخص کے لیے ہے جو (دوسرے) باقی (بلاد و) امصار میں ہو (مگر حالت سفر میں نہ ہو) اور تیسرا ارشاد: وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ اس شخص کے لیے جو سفر میں نکلا ہو (یعنی مسافر ہو)۔

(تفسیر قرطبی ج۲ ص ۱۶۸)

اہل ایمان کو انعامات خداوندی کی یاددہانی

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰۗىِٕكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۣ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

ع ۱۹

ترجمہ: ......جیسا کہ ہم نے بھیجا تمہارے اندر ایک رسول جو تم میں سے ہے وہ تلاوت کرتا ہے تم پر ہماری آیات اور تمہیں پاکیزہ بناتا ہے اور تم کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تم کو وہ چیزیں سکھاتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے تھے۔ (۱۵۱) سو تم مجھ کو یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا، اور میرا شکر کرو، اور میری ناشکری نہ کرو۔ (۱۵۲) اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعہ مدد حاصل کرو، بے شک اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔ (۱۵۳) جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں اُن کے بارے میں یوں نہ کہو کہ وہ مُردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم اس کا ادراک نہیں کرتے۔ (۱۵۴) اور ضرور ضرور ہم تم کو آزمائیں گے کچھ خوف سے اور کچھ بھوک سے اور کچھ مالوں میں اور جانوں اور پھلوں میں کمی کر کے، اور خوشخبری سنا دیجیے صبر کرنے والوں کو۔ (۱۵۵) جن کی صفت یہ ہے کہ جب پہنچے ان کو کوئی مصیبت تو وہ کہتے ہیں کہ بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور بے شک ہم اُسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ (۱۵۶) یہ وہ لوگ ہیں جن پر اُن کے رب کی طرف سے عام رحمتیں ہیں اور خاص رحمت بھی ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو ہدایت پانے والے ہیں۔ (۱۵۷)

مناسبت: ......گزشتہ آیات میں جو سورۂ بقرہ کا تقریباً ایک ثلث بنتا ہے، بنی اسرائیل کا تذکرہ تھا ان میں ان تمام نعمتوں کا تفصیلی ذکر ہے جو رب تعالیٰ نے انہیں انعام فرمائیں مگر انہوں نے اس کے مقابلہ میں انکار اور کفران (نعمت) کا رویہ اختیار کیا۔ قرآن کریم نے بنی اسرائیل کے ان جرائم کو شمار کیا ہے تاکہ اہل ایمان اس سے عبرت و نصیحت حاصل کریں۔ اس کے بعد ان آیات کو مؤمنین کے ساتھ خطاب سے شروع فرمایا اور انہیں رب تعالیٰ کی اس عظیم نعمت کو یاد دلایا کہ اس (خدا) نے ان میں خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ جب اس (گزشتہ) واضح بیان کے بعد یہود کی (بابت) گفتگو ختم ہوگئی تو اب (یہ) مرحلہ آیا کہ اہل ایمان کو (رب تعالیٰ کی) ان عظیم نعمتوں اور ان پر از حکمت احکامات شرعیہ کو یاد دلایا جائے جن میں ان کے دارین کی سعادت ہے۔

لغت: الْكِتٰبَ: یعنی قرآن عظیم۔ الْحِكْمَةَ: یعنی سنت نبویہ۔ فَاذْكُرُوْنِيْٓ: (یہ ذکر سے ہے اور) ذکر کی اصل مذکورہ بات کی طرف دل کے ساتھ متنبہ ہونا ہے۔ اور ذکر باللسان کو اس لیے ذکر کہتے ہیں کہ یہ ذکر قلبی پر علامت ہے۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ: (یہ البلاء سے ہے اور) بلاء کی اصل آزمائش (اور امتحان) ہے پھر یہ آزمائش کبھی خیر کے ساتھ ہوتی ہے اور کبھی شر کے ساتھ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً (سورۃ الانبیاء، ۳۵) ''اور ہم تم لوگوں کو سختی اور آسودگی میں آزمائش کے طور پر مبتلا کرتے ہیں۔''

مُّصِيْبَةٌ: ......مصیبت ہر اس شی کو کہتے ہیں جو مؤمن کو ایذا اور تکلیف دے اور اس کی جان یا مال اور یا اس کی اولاد میں اس کو پہنچے۔ صَلَوٰتٌ: (یہ صلاۃ کی جمع ہے اور) صلوٰۃ کا اصلی معنی دعا ہے اور صلوٰۃ کے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہونے (یعنی صلوٰۃ من اللہ ہونے) کا مطلب (طلب) رحمت (یا نزول رحمت) ہے اور صلوٰۃ کے ملائکہ کی طرف سے ہونے (یعنی صلوٰۃ من الملائکۃ ہونے) کا مطلب (ان کا خدا کے بندوں کے لیے) استغفار (اور معافی طلب) کرنا ہے۔

تعلیم و تزکیہ کے لیے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت

تفسیر: كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ: ......(نحوی ترکیب[1] کے اعتبار سے یہ) کلام گزشتہ ارشاد خداوندی وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ (سورۃ البقرہ، ۱۵۰) کے متعلق ہے اور مطلب یہ ہے کہ ''جس طرح ہم نے تم کو اپنی تمام نعمتیں بخشیں اسی طرح ہم نے تم میں تمہیں میں سے ایک رسول بھی بھیجا۔ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا: یعنی تمہیں قرآن پڑھ پڑھ کر سناتا ہے۔ وَيُزَكِّيْكُمْ: یعنی وہ تمہیں شرک (کی گندگی) اور گندے افعال

---

[1] ترکیب سے مراد ایک جملے کے تمام اجزا کو باہم ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح ملانا ہے کہ وہ ایک بامعنی اور بامقصد جملہ بن جائے۔ عموماً جملہ کے اجزا میں ایک مسند ہوتا ہے جو عموماً فعل یا کبھی فعل کے معنی والا اسم ہوتا ہے جس کو نحوی اصطلاح میں شبہ فعل کہتے ہیں اور ایک مسند الیہ ہوتا ہے جو اسم ہوتا ہے۔
مسند وہ کلمہ ہوتا ہے جس کے معنی کی اسناد اور نسبت کسی اسم کی طرف کی جاتی ہے اور مسند الیہ وہ کلمہ ہوتا ہے جس کی طرف کسی معنی (جو فعل یا معنی فعل ہوتا ہے) کی اسناد کی جائے مثلاً ضرب زید میں ضرب مسند ہے جو فعل ہے اور اس میں ضرب کا معنی ہے جس کی اسناد زید کی طرف کی گئی ہے جو مسند الیہ ہے یعنی ''زید نے مارا''۔
جملہ کے ان دو اجزا کو ایک دوسرے کے ساتھ ملانے کو نحوی اصطلاح میں ترکیب کہتے ہیں۔ جملہ کم از کم انہی دو اجزا سے مرکب ہوتا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔
اس کے تفصیلی احکام اور جملہ اقسام جاننے کے لیے دیکھیں ہدایۃ النحو اور شرح جامی وغیرہ۔ ''نسیم''

(کی غلاظت) سے پاک صاف کرتا ہے۔ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ یعنی وہ تمہیں قرآن مجید کے احکامات اور سنت نبویہ مطہرہ کے احکامات سکھلاتا ہے۔ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ یعنی وہ پیغمبر تمہیں دین اور دنیا کی ایسی بیشتر باتیں سکھلاتا ہے جو تم (اس سے) پہلے نہ جانتے تھے۔ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ یعنی تم عبادت اور اطاعت کے ذریعے مجھے یاد کرو تو ثواب اور مغفرت (عطا کرنے) کے ذریعے میں تمہیں یاد کروں گا۔ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ یعنی میں نے تمہیں جو نعمتیں بخشی ہیں ان کی شکر گزاری کرو اور انکار اور نافرمانی کر کے ان کی ناشکری نہ کرو۔ روایت میں آتا ہے کہ "حضرت موسیٰ علیہ السلام نے (رب تعالیٰ سے) پوچھا کہ "اے پروردگار! میں تیرا شکر کیسے ادا کروں؟" تو رب تعالیٰ نے انہیں ارشاد فرمایا کہ "(میرا شکر یوں ادا کر کہ) مجھے (ہمیشہ) یاد رکھ (اور میرا ذکر کر) اور مجھے (کبھی) بھلا نہیں۔ پس جب تو نے مجھے یاد کیا تو تو نے میرا شکر ادا کر دیا اور جب تو نے مجھے بھلا دیا تو تو نے میری ناشکری کی۔" (مختصر تفسیر ابن کثیر ج۱ ص ۱۴۲)

اہل ایمان کو صبر اور نماز سے مدد لینے کا حکم

آگے رب تعالیٰ اپنے اہل ایمان بندوں کو "ایمان" کے لفظ کے ساتھ پکار رہے ہیں تا کہ رب تعالیٰ کے احکام کو بجا لانے کے لیے ان کی ہمتیں بڑھائے (اور انہیں حوصلہ دے) اس سورۂ کریمہ میں رب تعالیٰ یہ دوسری [۱] مرتبہ اہل ایمان کو (خطاب کر کے) پکار رہے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ: یعنی تم اپنے دنیاوی اور اخروی امور میں صبر اور نماز سے مدد لیا کرو۔ چنانچہ صبر سے تم ہر فضیلت اور بزرگی کو پالو گے اور نماز کے ذریعے تم ہر غیر اخلاقی بات سے رک جایا کرو گے۔
اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ: یعنی رب تعالیٰ اپنی نصرت وحمایت اور حفاظت و مدد کے ذریعے صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔
حیات شہداء:..... وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ یعنی تم شہیدوں کو مردہ مت کہو۔
بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ: (کہ وہ مردہ نہیں) بلکہ وہ زندہ ہیں اور انہیں ان کے رب کے ہاں سے رزق دیا جاتا ہے لیکن تم لوگوں کو (اس غیبی رزق خداوندی اور ان کی حیات کا) شعور نہیں کیوں کہ وہ ایسی برزخی حیات میں ہیں جو اس دنیاوی حیات سے زیادہ بہتر ہے۔
وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ:..... یعنی ہم آزمائش کی معمولی اقسام کے ساتھ تمہارا امتحان لیں گے مثلاً خوف، بھوک، کچھ مال کا نقصان، بعض احباب (اور اعزا و اقربا) کی موت اور کھیتیوں اور باغات کا قدرے نقصان (کہ ان معمولی نقصانوں میں مبتلا کر کے ہم تمہیں جانچیں گے)۔ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ یعنی ان مصیبتوں اور آزمائشوں پر صبر کرنے والوں کو نعمتوں کے باغات کی خوشخبری سنا دیجیے۔ آگے رب تعالیٰ ان صبر کرنے والوں کی تعریف ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ: یعنی جب ان (صبر کرنے والوں) پر کوئی رنج وملال، یا مصیبت و پریشانی یا کوئی ناگواری آتی ہے (تو) قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ: یہ لوگ اناللہ پڑھتے ہیں اور اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ وہ رب تعالیٰ کے (محض) بندے (اور اس کے امر کے غلام) ہیں وہ ان کے ساتھ جو چاہے کر سکتا ہے۔ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۣ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ یعنی ان مذکورہ صفات والے لوگوں کے لیے تعریف بزرگی اور رب کی رحمت ہے اور یہی لوگ سعادت کی سیدھی راہ پر ہیں۔
بلاغت:..... اَرْسَلْنَا اور رسولاً کے دو کلموں کے درمیان (علم بدیع کی اصطلاح) "جناس اشتقاق" [۲] ہے جو "محسنات بدیعیہ" میں سے ہے۔ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ کے بعد وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ کا ذکر یہ عام کے بعد خاص کو ذکر کرنا ہے تا کہ یہ شمول (اور عموم) کا فائدہ دے (کہ کتاب وحکمت، جو عام ہے اور اس کے بعد نامعلوم باتوں کی تعلیم کہ جو خاص ہے، کا ذکر اس لیے کیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ اس گزشتہ عام کے عموم میں یہ خاص بھی شامل ہے۔ "تسیم") اور (علم) بلاغت (کی اصطلاح) میں اس کو "اطناب" کہتے ہیں (کہ اطناب مخصوص فائدہ کو

---

[۱] جب کہ پہلا خطاب یہ ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا (البقرہ: ۱۰۴) [۲] علم بدیع کی اصطلاح میں دو لفظوں کا تمام یا اکثر حروف میں یکساں ہونا اور معنی کے لحاظ سے الگ الگ ہونا، "جناس اشتقاق" کہلاتا ہے (القاموس الوحید: ۲۸۷ کالم نمبر ۲) ارسلنا اور رسولاً کے اکثر حروف ایک جیسے ہیں مگر ان کے معنی جدا جدا ہیں جو ظاہر ہے۔

حاصل کرنے کے لیے مطلب سے زیادہ الفاظ لانے کو کہتے ہیں یہاں دوسرے جملے کے الفاظ مطلب سے زائد ہیں جو یہ فائدہ دے رہے ہیں کہ یہ مذکورہ خاص گزشتہ عام میں شامل ہے۔ واللہ اعلم۔)

اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ:...... اس (عبارت) میں (بعض الفاظ کے) حذف کے ذریعے "ایجاز" ہے یعنی اَمْوَاتٌ لَاتَقُوْلُوْا هُمْ بَلْ اَحْیَآءٌ (کہ دونوں جگہ "ہم" ضمیر کا حذف ہے اور علامہ جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ قرآن میں دونوں جگہ اس حذف کی رعایت کر کے ترجمہ کیا ہے۔ نیم) اور ان دونوں (لفظوں، اموات اور احیاء) کے درمیان (علم بدیع کی صفت) طباق ہے (جس کی تفصیل اور تشریح گزشتہ میں حاشیہ میں گزر گئی ہے۔) بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ میں شَیْءٍ کی تنکیر یہ تقلیل (کے معنی کو ادا کرنے) کے لیے ہے یعنی (ہم) کسی قدر (یعنی معمولی سے) خوف وغیرہ (کے ذریعے تمہیں آزمائیں گے)۔ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ: یہاں صَلَوٰتٌ کی تنکیر تفخیم (یعنی تعظیم اور قدر و منزلت کو بڑھانے) کے لیے ہے اور ربوبیت کے عنوان کے ساتھ تعرض اور ساتھ ہی (بندوں کی) ضمیر "ہم" کی طرف اضافت بندوں پر مزید عنایت (وکرم) کے اظہار کے لیے ہے۔ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ یہ قصر (اور حصر) کا پیرایہ ہے اور یہ صفت کا موصوف پر قصر ہے (یعنی صفت ہدایت ایسے ہی لوگوں میں ہوگی جو گزشتہ مذکورہ صفات والے ہیں۔ قصر اور حصر کی تعریف پیچھے گزر گئی ہے۔

فوائد: پہلا فائدہ:...... ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے جو مصیبت بھی پہنچی میں نے اس میں تین نعمتوں کو پایا ایک یہ کہ وہ میرے دین میں نہ تھی، دوسری یہ کہ وہ مصیبت زیادہ بڑی نہ تھی (یعنی جتنی تھی اتنی ہی تھی اس سے زیادہ نہ تھی یا یہ مراد ہے کہ وہ کسی بڑی مصیبت کے بدلے میں ملی کہ یہ مصیبت اصل مصیبت سے بڑی نہ تھی) اور تیسری (نعمت یہ) کہ رب تعالیٰ اس پر اجر عظیم دیں گے۔ اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

دوسرا فائدہ:...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب کسی بندے کا بیٹا مرتا ہے تو رب تعالیٰ (جاننے کے باوجود) فرشتوں سے فرماتے ہیں:" کیا تم نے میرے بندے کے بچے (کی جان) کو قبض کر لیا؟ وہ کہتے ہیں، "جی ہاں! (ہم نے ایسا ہی کیا) رب تعالیٰ فرماتے ہیں،" کیا تم نے اس کے دل کے پھل (اور ٹکڑے) کو قبض کیا؟ وہ کہتے ہیں، "جی ہاں!" رب تعالیٰ فرماتے ہیں: "تو (اس کے بعد) میرے بندے نے کیا کہا؟" وہ کہتے ہیں "اس نے آپ کی حمد بیان کی اور انا للہ پڑھی" تو رب تعالیٰ فرماتے ہیں، "میرے بندے کے لیے جنت میں ایک گھر بنا دو اور اس کا نام "بیت الحمد" (تعریف کا گھر) رکھ دو"۔ (مسند احمد، ترمذی)

حج اور اس کی اہمیت کا بیان

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

ترجمہ:...... بے شک! صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، سو جو شخص بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے اُس پر اس بات میں ذرا بھی گناہ

نہیں کہ ان دونوں کے درمیان آنا جانا کرے اور جو شخص خوشی سے کوئی نیک کام کرے تو اللہ تعالیٰ قدردان ہے جاننے والا ہے۔ (۱۵۸) بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں اُن چیزوں کو جو ہم نے نازل کیں جو واضح چیزیں ہیں اور ہدایت کی باتیں ہیں بعد اس کے کہ ہم نے اس کو لوگوں کے لیے کتاب میں بیان کیا یہ چھپانے والے وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ لعنت فرماتا ہے اور ان پر لعنت بھیجتے ہیں لعنت کرنے والے۔ (۱۵۹) سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کی اور اصلاح کی اور بیان کیا سو یہ وہ لوگ ہیں میں جن کی توبہ قبول کروں گا اور میں بہت توبہ قبول کرنے والا ہوں رحیم ہوں۔ (۱۶۰) بیشک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور وہ اس حال میں مر گئے کہ وہ کافر تھے سو یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی۔ (۱۶۱) وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ان سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا، اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔ (۱۶۲)

مناسبت: ...... جب رب تعالیٰ نے اپنے ذکر و شکر کا حکم دیا اور اہل ایمان کو نماز اور صبر کے ذریعے مدد لینے کی دعوت دی تو اس کے بعد حج کی اہمیت کو بیان کیا اور بتلایا کہ وہ دین خدا کے شعائر میں سے ہے۔ پھر رب تعالیٰ نے علم کے پھیلانے اور اس کے نہ چھپانے کے ضروری ہونے پر تنبیہ کی اور رب تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایت اور اس کے واضح واضح احکامات کے چھپانے کی خطرناکی کو ذکر کیا کہ یہود و نصاریٰ نے اپنی (آسمانی) کتابوں کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا جس پر وہ خدا کی لعنت، اس کے غضب اور اس کی مار اور پھٹکار کے مستحق ٹھہرے۔''

لغت: **شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ:**[1] ...... یہ شعیرۃ کی جمع ہے۔ جس کا لغوی معنی علامت ہے۔ اور یہ شعار سے (بھی مشتق) ہے (جس کا معنی امتیازی نشان ہے) اور اَشْعَرَ الْهَدْيَ کا معنی ہے قربانی کے جانور کو نشانی لگانا تاکہ وہ پہچانا جائے (کہ یہ حج کے موقع پر قربانی کے لیے لایا جا رہا ہے) اور **شَعَآىِٕر:** یہ امور دین مثلاً طواف، سعی اور اذان وغیرہ میں سے ہر وہ امر ہے جس کے ذریعے ہم رب تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ **حَجَّ:** (یہ حج سے ہے اور) لغت میں حج کا معنی قصداً اور ارادہ کرنا ہے اور شرع شریف میں اس کا معنی ہے طواف و سعی کے مناسک کو ادا کرنے کے لیے بیت اللہ (کی طرف) جانے کا ارادہ کرنا۔ **اعْتَمَرَ:** (اس کے معنی عمرہ کرنا ہے اور) عمرہ کا لغوی معنی زیارت کرنا ہے پھر یہ مناسک کی ادائیگی کے لیے بیت اللہ کی زیارت کے (لیے جانے کے) لیے علَم (یعنی خاص نام بن گیا۔ **جُنَاحَ:** یہ گناہ کی طرف میلان کو کہتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ یہ خود گناہ کو کہتے ہیں اور گناہ

---

[1] ''صفا اور مروہ'' یہ خانۂ کعبہ سے شرقی جانب دو پہاڑیاں ہیں۔ صفا تو جنوبی جانب ہے اور مروہ شمالی جانب میں ہے۔ ان دونوں کے بیچ میں تخمیناً سات سوستر (۷۷۰) گز کی مسافت ہے۔ صفا تو کوہ ابوقبس کی جڑ میں ہے اور مروہ کوہ قعیقعان کے آگے ناک کی طرح سے ہے اب ان دونوں پہاڑیوں پر آبادی ہے بلکہ کسی قدر ان پہاڑوں پر بھی آبادی ہے۔ صفا اور مروہ پر صرف سیڑھیوں کے نشان بنا دیے ہیں۔ انہی دونوں پہاڑیوں کے بیچ میں اماں ہاجرہ علیہا السلام اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی خاطر پانی کی تلاش میں دوڑیں تھیں پہلے یہاں جنگل اور کنکر تھے اور یہ جگہ نشیبی تھی اب یہاں نہایت عمدہ بازار ہے اور یہ جگہ اب ہموار ہے اور اس دوڑنے کی جگہ دو سبز منارے بنا دیے گئے ہیں جن کو ''میلین اخضرین'' کہتے ہیں اب یہ جگہ حرم کی دیوار کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور حاجی یہاں طواف اور سعی کرتے ہیں۔ (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۴۹۰ و ۵۱۹ ملخصاً وتبصرف) سنا ہے کہ اب اس ساری جگہ کو چھت دیا گیا ہے اور اس کو ایئر کنڈیشنڈ بھی کر دیا گیا ہے خدا ہمیں بھی دکھائے۔ آمین۔

شعائر: ...... یہ شعیرہ کی جمع ہے جس کا معنی علامت ہے یہاں مراد عبادت کے طریق ہیں جن کو رب تعالیٰ نے دین کی علامتیں قرار دیا ہے۔ (احسن البیان ج ۱ ص ۲۹۰)

یہ شعیرہ یا شعارہ کی جمع ہے جس کے معنی علامت اور نشانی کے ہیں۔ شعائر اللہ عرف شریعت میں عبادت کے مکانات اور زمانوں اور علامات کو کہتے ہیں مکانات عبادت جیسے عرفہ، کعبہ، مزدلفہ، جمرات ثلثہ، صفا، مروہ، منیٰ اور تمام مساجد وغیرہ، اور اوقات جیسے رمضان، حج کے مہینے، عیدین اور جمعہ وغیرہ، علامات جیسے اذان، اقامت اور نماز باجماعت وغیرہ اور اسی طرح دینی بزرگوں کے وہ مقامات کہ جہاں ان پر افضال الٰہی نے ظہور کیا تھا، حج کے شعائر کہلاتے ہیں۔ (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۱۹)

حج اور عمرہ: ...... ان کی ادائیگی کا طریقہ کتب فقہ میں مذکور ہے (جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں) (بیان القرآن ج ۱ ص ۹۰)

البتہ حج اور عمرہ میں فرق یہ ہے کہ حج میں نویں ذی الحجہ کو عرفات میں جانا اور پھر وہاں سے آ کر طواف کعبہ کرنا ہوتا ہے اور عمرہ میں نہیں اور (حج کے ایام مخصوص ہیں جب کہ) عمرہ کے لیے کوئی مہینہ اور دن خاص نہیں۔'' (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۱۹)

عمرہ کا حکم: ...... امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس کو فرض کہتے ہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب ہے کہ اس کے نہ کرنے سے حج اور عمرہ فوت نہیں ہوتا بلکہ ایک بکری ذبح کر دینے سے مافات کی تلافی ہو جاتی ہے جب کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ سنت مستحبہ ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور عطا رحمۃ اللہ علیہ اس کو غیر ضروری قرار دیتے ہیں جو درست نہیں۔'' (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۲۰۔ بیان القرآن ج ۱ ص ۹۰) ان ائمہ کے مذاہب کے تفصیلی دلائل کے لیے دیکھیں ھدایہ وغیرہ۔

کو جُنَاحَ اس لیے کہا گیا کہ گناہ یہ باطل کی طرف میلان ہوتا ہے۔ جب کوئی کسی بات کی طرف مائل ہو تو کہا جاتا ہے جَنَحَ اِلٰی کَذَا (وہ اس طرف جھکا)۔ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ [1] کہتے ہیں: جَنَحَ کا لفظ جہاں کہیں بھی آئے یہ گناہ اور میلان کے معنی میں ہے۔ یَکْتُمُوْنَ: (یہ) کتمان (سے ہے) اور کتمان کا معنی) چھپانا اور پوشیدہ رکھنا ہے۔ یُنْظَرُوْنَ: یہ (انظار سے ہے اور انظار) مہلت دینے کو کہتے ہیں۔

سببِ نزول:...... روایت میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جب صفا اور مروہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا "ہم ان دونوں (کے درمیان سعی کرنے) کو جاہلیت کا ایک کام سمجھتے تھے (کہ اسلام کے ظہور سے پہلے مشرکین مکہ بھی ان کی سعی کرتے تھے) پھر جب اسلام آیا تو ہم نے ان دونوں (کے درمیان سعی کرنے) کو چھوڑ دیا تو اس پر رب تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ (بخاری، الدرالمنثور ج ۱ ص ۱۵۹)

صفا و مروہ

تفسیر: اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ:...... یہ بیت اللہ الحرام کے قریب دو پہاڑیوں کا نام ہے۔ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ: یعنی یہ دونوں رب تعالیٰ کے دین اور اس کے ان مناسک میں سے ہیں جن کے ذریعے ہم رب تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ: یعنی جس نے حج کے لیے یا عمرہ کے لیے بیت اللہ کا قصد کیا تا کہ حج یا عمرہ میں سے کسی ایک منسک [2] کو ادا کرے۔ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا: یعنی اس پر کوئی حرج اور گناہ نہیں کہ وہ ان دونوں کے درمیان سعی کرے [3] تو جب یہ مشرکین ان دونوں کے درمیان سعی کرتے ہیں اور (ان پہاڑیوں کی چوٹیوں پر رکھے اساف اور نائلہ کے) بتوں کو چھوتے ہیں تو تم (ان دونوں کے درمیان) اللہ رب العالمین کے لیے سعی کرو اور ان مشرکین کی مشابہت کے خوف سے ان دونوں کی سعی کو ترک نہ کرو۔ [4] وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا: یعنی جو فرض حج کرنے کے بعد نفلی حج یا عمرہ کرے یا فرض یا نفل میں سے کوئی بھی خیر کا کام کرے۔ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ: یعنی رب تعالیٰ اپنی اطاعت (کرنے والے کی اطاعت) کا قدر شناس اور اس پر بہتر جزا دینے والا ہے کیوں کہ وہ بندوں کے تمام افعال کو جانتا ہے اور احسان کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى:...... یعنی جو لوگ ان واضح حکموں اور روشن دلائل کو (کسی غرض فاسد سے) چھپاتے ہیں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی (نبوت کی) صداقت پر دلالت کرتے ہیں۔ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ: یعنی باوجود یہ کہ ہم نے انہیں (نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کو) تورات میں یا دوسری آسمانی کتابوں میں واضح کر دیا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ (سورۃ الاعراف، ۱۵۷)

ترجمہ:...... "جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔"

یہود پر لعنت

اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ:...... یعنی ان برے افعال کے مرتکب یہ لوگ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات کو (دوسروں سے) چھپاتے ہیں اور تورات کے احکام میں تحریف کرتے ہیں، رب تعالیٰ ان پر لعنت برساتے ہیں اور انہیں اپنی رحمت سے دور کرتے ہیں اور فرشتے

---

[1] یہ مؤرخ کبیر، "اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ" اور "اللباب" کے مشہور زمانہ مصنف عز الدین علی کے بھائی مجد الدین المبارک بن محمد ابن الاثیر (۱۱۴۹ـ۱۲۱۰) ہیں جو موصل کے مشہور محدث اور لغوی تھے۔ "النهايه فی غريب الحديث والاثر" اور "جامع الاصول لاحاديث الرسول" آپ کی شہرۂ آفاق تصانیف ہیں" فقط واللہ اعلم۔ (المنجد الاعلام العربی ص ۴ کالم نمبر ۲) [2] نسک یا منسک...... یہ زہد و عبادت کے طریقہ اور بندے پر اللہ تعالیٰ کے واجب حق کو کہتے ہیں اور اس سے مراد حج یا عمرہ کے ارکان و افعال ہیں۔ (القاموس الوحید ص ۱۶۴۳ کالم نمبر ۱۔۲۔ بتصرف) [3] سعی یہ صفا و مروہ کے درمیان آنے جانے کو کہتے ہیں۔ طواف کی طرح صفا مروہ کے بھی سات چکر ہوتے ہیں ("القاموس الوحید ص ۷۷۱" واحسن البیان ج ۱ ص ۲۹۱) [4] یہ جگہ دعا کی قبولیت کی جگہ ہے۔ ایام جاہلیت میں اساف اور نائلہ کے بت مشرکین نے ان جگہوں پر رکھ دیے تھے اور ان کے اردگرد طواف کرتے تھے (یہ دو مرد و عورت تھے جنہوں نے خانۂ کعبہ کے پاس عین طواف میں زنا کا ارادہ کیا تھا جس سے ان کی صورت مسخ ہو گئی تھی) سو اس عارضہ کی وجہ سے ان مقامات مقدسہ کی بزرگی میں کوئی فرق نہ خیال کرو (اور ان کے درمیان سعی کرنے کو کفار کے ساتھ مشابہت نہ خیال کرو) کہ اس طواف میں کوئی گناہ نہیں بلکہ اس طواف کرنے والے کے لیے در اجابت مفتوح ہوتا ہے۔" (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۱۹ بتصرف)

اور اہل ایمان بھی ان پر لعنت کرتے ہیں ۔اِلَّا الَّذِیۡنَ تَابُوۡا وَاَصۡلَحُوۡا وَبَیَّنُوۡا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوۡبُ عَلَیۡهِمۡ : یعنی مگر وہ لوگ جو اپنے کیے پر نادم ہوئے اور جن امور کو انہوں نے کتمان (حق) کے ذریعے بگاڑا تھا ان کو درست کر لیا اور لوگوں کو رب تعالیٰ کی نازل کردہ باتوں کی حقیقت خوب صاف صاف بیان کر دی تو یہی وہ لوگ ہیں جن کی رب تعالیٰ توبہ قبول فرماتے ہیں اور انہیں اپنی رحمت میں شامل کرتے ہیں۔

وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ : یعنی میں اپنے بندوں کو بہت زیادہ معاف کرنے والا، ان پر اپنی رحمت کو وسیع کرنے والا اور ان کی برائیوں اور کوتاہیوں سے درگزر کرنے والا ہوں۔

ابدی لعنت کے مستحق لوگوں کے لیے دائمی عذاب

اِنَّ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا وَمَاتُوۡا وَهُمۡ كُفَّارٌ : یعنی جن لوگوں نے کفر اختیار کیا، پھر کفر پر ہی ڈٹے رہے حتیٰ کہ موت ان پر اچانک آ پڑی اور وہ کفر کی ہی حالت میں تھے۔اُولٰٓئِكَ عَلَیۡهِمۡ لَعۡنَةُ اللّٰهِ وَالۡمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِیۡنَ: یعنی اللہ اور اس کے فرشتے اور زمین والے سب کے سب ان پر لعنت کرتے ہیں حتیٰ کہ کفار بھی ان پر لعنت کرتے ہیں کیوں کہ روز قیامت کفار (بھی) ایک دوسرے پر لعنت کریں گے۔خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا: یعنی وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہاں جہنم کے اسم کے بجائے اس کی ضمیر "ھا" لانے میں اس کی شان کے عظیم ہونے کو بتلانا ہے۔لَا یُخَفَّفُ عَنۡهُمُ الۡعَذَابُ: یعنی ان لوگوں کو جہنم میں دائمی عذاب ملے گا جو پلک جھپکنے کے لیے بھی کبھی نہ تو ختم ہوگا اور نہ ہی ہلکا ہوگا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا یُفَتَّرُ عَنۡهُمۡ وَهُمۡ فِیۡهِ مُبۡلِسُوۡنَ﴿۷۵﴾ (سورہ زخرف، ۷۵)

ترجمہ:......"(جہنم کا) وہ (دائمی عذاب) ان سے ہلکا نہ کیا جائے گا اور وہ اس میں ناامید ہو کر پڑے رہیں گے۔"

وَلَا هُمۡ یُنۡظَرُوۡنَ: ......یعنی انہیں مہلت نہ دی جائے گی یا (یہ مطلب ہے کہ) عذاب کو ان سے موخر (یا ملتوی) نہ کیا جائے گا بلکہ دنیا کی زندگی کو چھوڑتے ہی انہیں اس عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

بلاغت: مِنۡ شَعَآئِرِ اللّٰهِ: ......اس سے مراد مِنۡ شَعَآئِرِ دِیۡنِ اللّٰهِ ہے اس میں (دین کے لفظ کے) حذف کے ساتھ ایجاز ہے۔شَاكِرٌ عَلِیۡمٌ: شاکر سے مراد ہے کہ وہ اطاعت پر ثواب دے گا۔علامہ ابوسعود فرماتے ہیں، "رب تعالیٰ نے اطاعت پر ثواب دینے کو شکر سے تعبیر فرمایا ہے اس میں بندوں پر احسان (وانعام) کرنے میں مبالغہ ہے۔ چنانچہ بطور مجاز کے شکر بول کر جزا (اور ثواب) کو مراد لیا۔یَلۡعَنُهُمُ اللّٰهُ: اس میں متکلم کی ضمیر سے غائب کی ضمیر کی طرف التفات ہے کیوں کہ اصل عبارت نلعنھم (جمع متکلم کا صیغہ) ہے لیکن اس ارشاد میں رب تعالیٰ کے اسم جلیل "اللہ" کے اظہار میں دلوں میں رعب اور ہیبت کو بٹھانا ہے۔یَلۡعَنُهُمُ اللّٰعِنُوۡنَ: اس میں "جناس اشتقاق" ہے جو محسنات بدیعیہ میں سے ہے۔خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا: یعنی یا تو وہ ہمیشہ لعنت میں رہیں گے یا (دوزخ کی) آگ میں رہیں گے اور النار (یعنی آگ کے اسم کے بجائے اس) کی ضمیر لائے تا کہ اس کی شان کی عظمت اور اس کے امر کی ہولناکی کو بیان کیا جائے۔وَلَا هُمۡ یُنۡظَرُوۡنَ: یہاں جملہ اسمیہ کو نفی کے دوام اور استمرار کا فائدہ دینے کے لیے لایا گیا ہے۔

صفا و مروہ کی سعی کی حقیقت

فوائد: پہلا فائدہ:......(کوہ) صفا پر ایک "اساف" نامی اور (کوہ) مروہ پر ایک "نائلہ" نامی بت رکھا تھا مشرکین (مکہ) ان کے درمیان سعی کرتے ہوئے انہیں چھوتے تھے تو مسلمان ڈر گئے کہ (صفا مروہ کے درمیان سعی کرنے سے) کہیں ان کی اہل جاہلیت کے ساتھ مشابہت نہ ہو جائے، اس لیے انہوں نے (ان کے درمیان) طواف کرنے میں حرج سمجھا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس نے یہ واضح کیا کہ یہ دونوں شعائر اللہ میں سے ہیں اور ان دونوں کے درمیان سعی کرنے میں ان پر کچھ حرج نہیں کیوں کہ مسلمان تو اللہ کے لیے سعی کرتے ہیں نہ کہ بتوں کے لیے۔

دوسرا فائدہ:......شکر کا معنی ہے کہ نعمت واحسان کے مقابلے میں تعریف اور عرفان (نعمت) کیا جائے اور یہ معنی ذات باری تعالیٰ کے حق میں

محال ہے کیوں کہ کسی کا بھی رب تعالیٰ پر ایسا انعام واحسان نہیں کہ رب تعالیٰ اس پر بندے کا شکر ادا کرے اسی لیے علما نے اسے ثواب اور جزا پر محمول کیا ہے یعنی رب تعالیٰ اطاعت کرنے والوں کو ثواب دیتا ہے اور ان کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ (مولف موصوف علامہ محمد علی الصابونی کہتے ہیں کہ) میں کہتا ہوں کہ (اس بارے میں) صحیح وہ بات ہے جس پر (ہمارے) اسلاف (واکابر) ہیں کہ رب تعالیٰ کی صفات کو اسی طرح ثابت کیا جائے جس طرح وہ (قرآن وحدیث میں) آئی ہیں۔ چنانچہ (یہاں شکر سے) وہ شکر (مراد) ہے جو رب ذوالجلال کی شان اور اس کے جلال وکمال کے لائق ہے۔

قدرت خداوندی اور وحدانیت کا بیان

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۠ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ۭ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾

ترجمہ: ......اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ رحمٰن ہے، رحیم ہے۔ ﴿۱۶۳﴾ بلاشبہ آسمان اور زمین کے پیدا فرمانے میں اور رات و دن کے الٹ پھیر میں اور کشتیوں میں جو کہ چلتی ہیں سمندر میں وہ سامان لے کر جو لوگوں کو نفع دیتا ہے اور جو کچھ نازل فرمایا اللہ نے آسمان سے یعنی پانی پھر زندہ فرمایا اس کے ذریعہ زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد اور پھیلا دیے زمین میں ہر قسم کے چلنے پھرنے والے جانور اور ہواؤں کے گردش کرنے میں اور بادلوں میں جو آسمان وزمین کے درمیان مسخر ہیں ضرور نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو سمجھ رکھتے ہیں۔ ﴿۱۶۴﴾ بعض لوگ ایسے ہیں جنھوں نے خدا تعالیٰ کے علاوہ اس کے شریک تجویز کر رکھے ہیں وہ ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے محبت ہونی واجب ہے اور جو لوگ ایمان لائے ان کا اللہ سے محبت کرنا بہت ہی زیادہ قوی ہے، اور اگر جان لیں وہ لوگ جنھوں نے ظلم کیا جس وقت دیکھیں عذاب کو کہ بلاشبہ ساری قوت اللہ ہی کے لیے ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔ ﴿۱۶۵﴾ جب کہ بیزار ہو جائیں گے وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی ان لوگوں سے جنھوں نے پیروی کی تھی اور دیکھ لیں گے عذاب کو اور کٹ جائیں گے ان کے آپس کے تعلقات ﴿۱۶۶﴾ اور کہیں گے وہ لوگ جنھوں نے پیروی کی کاش! ہم کو واپس جانا نصیب ہو جاتا تو ہم ان سے بیزار ہو جاتے جیسا کہ وہ ہم سے بیزار ہو گئے، اللہ اسی طرح دکھائے گا ان کو ان کے اعمال حسرتیں بنا کر اور وہ آگ سے نکلنے والے نہ ہوں گے۔ ﴿۱۶۷﴾

مناسبت: ......جب رب تعالیٰ نے خدا کی آیات کے ٹھکرانے والے کافروں کا حال اور آخرت میں انہیں جو عذاب اور سخت سزا ملنی ہے اس کو ذکر کیا تو یہاں اپنی قدرت اور وحدانیت کو بیان کیا اور خالق حکیم کے وجود پر براہین کو پیش کیا۔ چنانچہ پہلے عالم علوی کو ذکر کیا پھر عالم سفلی کو پھر دن رات کے ایک دوسرے کے پیچھے چلے آنے کو، پھر ان کشتیوں (اور جہازوں) کو ذکر کیا جو سمندر کی لہروں (کا سینہ) چیرتی ہوئی چلتی ہیں، پھر ان

بارشوں کو ذکر کیا جن میں کھیتوں اور جانوں کی حیات ہے، پھر زمین میں پھیلی حیوانات کی عجیب وغریب انواع کو ذکر کیا، پھران ہواؤں اور بادلوں کو ذکر کیا جن کو رب تعالیٰ نے انسانوں کے کاموں میں لگایا ہے اور اس (گفتگو) کو رب تعالیٰ کی انوکھی کاریگری میں غور وفکر کرنے اور اس کی مخلوق کے جمال میں عقل کو کام لانے کے امر پر ختم کیا تاکہ ایک عقل والا ان اثرات کے ذریعے (ذات) مؤثر پر اور اس صفت (اور کاریگری) کے ذریعے خالق کی مدبر اور حکیم ذات پر استدلال کرے۔

لغت: وَاِلٰهُكُمْ :......اله یہ معبود کہتے ہیں خواہ معبود برحق ہو یا معبود باطل البتہ یہاں معبود برحق مراد ہے جو اللہ رب العالمین ہے۔ اَلْفُلْكِ: یہ بڑی کشتی یعنی جہاز کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ مفرد اور جمع دونوں پر بولا جاتا ہے۔ وَبَثَّ: یعنی "اس نے متفرق کر دیا اور بکھیر دیا۔" اسی سے یہ ارشاد ہے: كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ (سورۃ القارعہ، ۴) "جیسے بکھرے ہوئے پتنگے۔" دَآبَّةٍ: یہ لغت میں ہر اس شی کو کہتے ہیں جو زمین پر چلتی ہے خواہ انسان ہو یا حیوان۔ یہ دبیب سے ماخوذ ہے جس کا معنی آہستہ سے چلنا ہے، عرف میں یہ لفظ حیوان کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہ ارشاد باری تعالیٰ اس کے لغوی معنی پر دلالت کرتا ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۭ
(سورۃ النور، ۴۵)

ترجمہ:......"اور خدا ہی نے ہر چلنے پھرنے والے جاندار کو پانی سے پیدا کیا تو ان میں سے بعضے ایسے ہیں کہ پیٹ کے بل چلتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو دو پاؤں سے چلتے ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ چار پاؤں پر چلتے ہیں۔"

چنانچہ (اس ارشاد میں رب تعالیٰ نے دابہ کے اطلاق میں) رینگنے والے جانوروں (Reptiles) انسان اور حیوان (سب) کو شامل کیا۔

تَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ:......ریاح یہ ریح کی جمع ہے یہ "بادنسیم"[1] کو کہتے ہیں اور تصریف یہ ہوا کو مختلف سمتوں میں چلانے اور ان کی طرف پلٹنے اور اس کو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل کرنے کو کہتے ہیں چنانچہ یہ سرد بھی چلتی ہے اور ٹھنڈی بھی تیز وتند طوفانی بھی اور نرم وخوشگوار بھی، یہ پودوں کی بار آوری[2] بھی کرتی ہے اور خالی بھی چلتی ہے۔ الْمُسَخَّرِ: یہ تسخیر سے ہے، یہ تذلیل (زیر کرنے، قابو کرنے) اور آسان کرنے کو کہتے ہیں۔ اَنْدَادًا: یہ نِدٌّ کی جمع ہے یہ مماثل کو کہتے ہیں یہاں بت اور مجسمے مراد ہیں۔ الْاَسْبَابُ: یہ سبب کی جمع ہے۔ اس کا اصلی معنی رسی ہے اور اس سے (یہاں) مراد لوگوں کے باہمی روابط ہیں جیسے نسب (کا ربط) اور دوستی (کا ربط اور تعلق)۔ كَرَّةً: یہ پہلی حالت کہ جس میں کوئی شی تھی کی طرف لوٹنے اور عود کرنے کو کہتے ہیں۔ حَسَرٰتٍ: یہ حَسْرَةٌ کی جمع ہے یہ کسی ہاتھ سے نکل جانے والی شے پر شدید ندامت کو کہتے ہیں (اور اردو میں بھی "حسرت" کا یہی معنی ہے)۔ قرآن کریم میں (یہی لفظ اسی معنی میں اس جگہ آیا) ہے:

اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ (سورہ زمر، ۵۶)

ترجمہ:......"کہ (مبادا اس وقت) کوئی متنفس کہنے لگے کہ (ہائے ہائے) اس تقصیر پر افسوس ہے جو میں نے خدا کے حق میں کی۔"

سبب نزول:......عطا سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ "نبی کریم ﷺ پر مدینہ (شریف) میں یہ آیت نازل ہوئی: وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ تو مکہ کے کفار قریش کہنے لگے کہ "ایک خدا (بھلا) لوگوں کو کیونکر کافی ہوگا؟ تو اس پر رب تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۠ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝

(اسباب النزول للواحدی ص ۲۵ وتفسیر قرطبی ج۲ ص ۱۹۲)

---

[1] بادنسیم اس ہوا کو کہتے ہیں جس سے نہ نشان مٹے اور نہ پتہ ہلے۔ یہ لطیف اور خوشگوار ہوا ہوتی ہے۔ (القاموس الوحید ص ۱۶۴۴ کالم نمبر ۲) "نسیم"۔ [2] مولف موصوف نے ملقحة للنبات لکھا ہے۔ یہ ہوا کے درختوں اور نباتات میں عضو تذکیر سے عضو تانیث میں زردانے منتقل کرنے کو کہتے ہیں (القاموس الوحید ص ۱۴۸۷) علم بیالوجی کی اصطلاح میں اس کو Polygration کہتے ہیں۔

معبود حقیقی کے افعال وصفات جن کی کوئی نظیر نہیں

تفسیر:.....وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ: یعنی تمہاری پرستش وعبادت کا مستحق معبود فقط ایک خدا ہے جس کی ذات، صفات اور افعال کی کوئی نظیر (اور مثال) نہیں۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ: یعنی اس رب تعالیٰ جَلَّ وعَلَا اور نعمتوں کے مولیٰ اور احسان کرنے والے کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں۔ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: یعنی ان آسمانوں اور زمینوں کو ان میں موجود (رب تعالیٰ کی) عجیب وغریب صنعتوں (اور کاریگریوں) اور (اس کی) قدرت کے دلائل سمیت عدم سے وجود میں لانے میں۔ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ: اور دن اور رات کے ایک محکم نظام کے تحت ایک دوسرے کے پیچھے چلے آنے میں کہ رات آتی ہے اور اس کے پیچھے دن چلا آتا ہے، اور دن ڈھلتا ہے تو اس کے پیچھے رات چلی آتی ہے اور کبھی دن لمبا اور رات چھوٹی ہے اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے (کہ رات اور دن کے اس عجیب وغریب ادل بدل میں)۔ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ: اور ان بڑی بڑی اور بھاری کشتیوں (یعنی جہازوں) میں کہ جو سمندروں میں پانیوں کے سینوں کو چیرتے ہوئے چلتے ہیں اور (بڑے بھاری) بوجھوں سے لدے ہوئے ہوتے ہیں۔ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ: یعنی (جو جہاز) مختلف انواع واقسام کے سامان تجارت اور اشیائے (ضرورت) کو (لے کر چلتے ہیں) جن میں لوگوں کا نفع ہوتا ہے۔ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ: اور بادلوں سے برسنے والے اس پانی میں جس میں بندوں اور بلاد وامصار کی حیات ہوتی ہے۔ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا: یعنی اس پانی سے رب تعالیٰ کھیتیوں اور درختوں کو خشک اور بے غلہ اور بے ثمر ہو جانے کے بعد زندہ (یعنی سرسبز وتر وتازہ اور غلوں اور اناج سے لہلہاتا اور ثمر بار) کر دیتا ہے (کہ اس سب میں)۔ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ: اور زمین میں مختلف اجسام، اشکال، رنگوں اور آوازوں والے چوپایوں اور جانوروں کے پھیلانے میں۔ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ: اور ہواؤں کو مختلف سمتوں میں چلانے میں کبھی شمال کی طرف تو کبھی جنوب کی طرف اور کبھی گرم اور کبھی سرد اور کبھی نرم وخوشگوار اور کبھی تیز وتند طوفانی (چلانے میں)۔

وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ: یعنی رب تعالیٰ کی قدرت کے زیر فرمان بادلوں میں کہ جو ادھر کو ہی چلتے ہیں جدھر خدا چاہتا ہے جنہوں نے (ٹنوں وزنی) بھاری (مقدار میں) پانی اٹھایا ہوتا ہے پھر وہ بادل اس پانی کو زمین پر بارش کے قطروں کی شکل میں گراتے (اور برساتے) ہیں۔ حضرت کعب[1] احبار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، کہ "بادل، یہ بارش (کے پانی) کی چھلنی ہوتے ہیں اگر یہ بادل نہ ہوں تو بارش (کا یہ پانی) اس زمین کو برباد کر دے جس پر یہ گرے۔" (البحر المحیط ج ۱ ص ۴۶۷)[2]

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ: یعنی (یہ سب گزشتہ مذکورہ باتیں) عظیم دلائل وبراہین ہیں جو رب تعالیٰ کی قدرت قاہرہ اور عظیم حکمت اور وسیع رحمت پر ان لوگوں کی راہنمائی کرتے ہیں جن کی سوچنے سمجھنے والی عقلیں اور (حقائق کا) ادراک کرنے والی آنکھیں اور اس بات کا تدبر وتفکر کرنے والے (دل ودماغ ہیں) کہ یہ سب باتیں ایک قادر اور حکیم معبود کی کاریگری (اور کارسازی) ہیں۔

مشرکین کے انجام بد کی خبر

آگے رب تعالیٰ غیر خدا کی پرستش کرنے والے مشرکین کے انجام بد کی خبر دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا: یعنی، کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو جہالت میں اس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ جنہوں نے غیر خدا کو یعنی (اپنے) سرداروں اور بتوں کو شریک خدا بنا لیا۔ يُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ: یعنی وہ ان خدا کے غیروں کی ایسی تعظیم وتوقیر کرتے ہیں اور ان کے آگے ایسی عاجزی وانکساری کرتے ہیں جیسے اہل ایمان رب تعالیٰ سے محبت (کرتے ہوئے اس کی تعظیم وتوقیر، اس کی عبادت اور اس کے آگے عاجزی وفروتنی) کرتے ہیں۔

---

[1] یہ مشہور تابعی اور حتقدمین راویان حدیث میں سے ایک جلیل القدر شخصیت "ابو اسحاق کعب احبار" (ت ۳۲ھ/ ۶۵۲ء) ہیں جو یمنی الاصل تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنی قربت سے نوازا۔ حمص میں "انتقال فرما گئے۔" (المنجد الاعلام العربی ص ۶۴۴ کالم نمبر ۲) نسیم۔ [2] کہ وہ ایک دم دھڑام سے اس پر آگرے گا اور اپنی زد میں آنے والی ہر کھیتی اور درخت کو برباد کر دے گا اور اگر کوئی حیوان نیچے آ گیا تو کچل کر مارا جائے گا۔ لیکن بادل پانی کی اس بھاری مقدار کو قطرہ قطرہ کر کے گراتے ہیں جو کسی شے کے لیے بھی نقصان دہ نہیں ہوتا۔ "نسیم"

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ: یعنی یہ مشرکین جتنی ان خدا کے شریکوں سے محبت کرتے ہیں اہل ایمان اس سے کہیں بڑھ کر رب تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا: یعنی (اے کاش کہ) یہ ظالم لوگ اس بات کو کہ جس کو اس وقت دیکھیں گے کہ جب روز قیامت اس عذاب کو دیکھیں گے جو ان کے لیے تیار کیا گیا ہے، اب دیکھ لیتے کہ ساری کی ساری طاقت ایک اکیلے اللہ کی ہے۔وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ: اور یہ کہ اس کا عذاب سخت دردناک ہے۔ (اس جملہ میں) لَوْ (حرف شرط ہے اور الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا موصول صلہ مل کر یَرَی کا فاعل ہے۔ اور ''اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ '' یَرَی کا مفعول فیہ ہے اور اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا: یہ جملہ اسمیہ مفرد کی تاویل میں یری کا مفعول بہ ہے۔ اور وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ: یہ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا: کا معطوف ہے اور یہ جملہ بھی عطف کے واسطے سے یَرَی کا مفعول بہ ہے۔ اس ترکیب کے اعتبار سے یہ سارا جملہ ایک ہی ہوا جو لو حرف شرط کی وجہ سے جملہ شرطیہ کہلائے گا اور اس (جملہ شرطیہ) کا جواب (یعنی جواب شرط یا جزا) محذوف ہے، جو یہ ہے لَرَاَوْا مَالَا يُوْصَفُ مِنَ الْهَوْلِ وَالْفَظَاعَةِ (یعنی اگر یہ ظالم لوگ عذاب کے مشاہدے کے دن یہ بات دیکھ لیں کہ ساری کی ساری قوت ایک اکیلے اللہ کی ہے اور یہ کہ اس کا عذاب بڑا دردناک ہے تو یہ ایسی گھبراہٹ اور کراہت کو دیکھیں جس کو بیان بھی نہ کیا جا سکے۔ واللہ اعلم۔)[1]

مشرکین پیشوا کا اپنے متبعین سے بےزاری

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا: یعنی جب (کفار و مشرکین کے) یہ پیشوا اور رؤسا (اپنے ان) متبعین سے بیزاری ظاہر کریں گے۔وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ: یعنی جس وقت یہ تابع اور متبوع دونوں (آخرت کے) عذاب کا معاینہ کریں گے اور ان کے درمیان باہمی روابط اور تعلقات ختم ہو جائیں گے اور آپس کی محبتیں زائل ہو جائیں گی۔وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ: یعنی یہ متبعین اس بات کی تمنا کریں گے کہ کاش ہمیں دنیا میں پھر جانا نصیب ہوتا تو ہم (بھی) ان لوگوں سے (اسی طرح) بیزاری کا اظہار کرتے جنہوں نے ہمارا خواہ گم کر دیا۔ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا: یعنی جس طرح کہ آج کے اس ہولناک دن میں یہ پیشوا اپنے متبعین سے بیزاری کا اظہار کر رہے ہیں (ان کی اس بات پر) رب تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ: مشرکوں کے اعمال حسرت بن جائیں گے کہ جس طرح رب تعالیٰ نے انہیں اپنا شدید عذاب دکھلایا اسی طرح وہ انہیں ان کے برے اور قبیح اعمال ایسی شدید ندامتیں اور حسرتیں بنا کر دکھلائے گا جو ان کے جیؤں میں (جہنم کی) بھڑکتی آگ کی چنگاریوں کی طرح کھٹکتے رہیں گے۔وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ: یعنی انہیں (جہنم کی) آگ سے نکلنے کا راستہ نہ ملے گا بلکہ وہ سرمدی عذاب اور ابدی بدبختی میں پڑے (گلتے سڑتے) رہیں گے۔

بلاغت :وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ:...... یہ جملہ خبریہ ہے جو تاکید (کے کلمات مثلاً اِنَّ یا اَنَّ یا لام تاکید وغیرہ) سے خالی ہے (اور ایسا) منکر (خدا) کو غیر منکر کے درجہ میں اتارنے کے لیے (کیا گیا ہے) اور یہ اس لیے (کیا گیا) کیوں کہ ان (منکرین خدا) کے پاس (رب تعالیٰ کی وحدانیت اور الوہیت و ربوبیت پر) ایسے روشن، واضح اور ناقابل تردید دلائل و براہین تھے کہ اگر یہ ان میں (ادنیٰ سا بھی) تامل کرتے تو وہ ان میں حد درجہ تسلی و تشفی (کا سامان) پاتے۔لَاٰيٰتٍ:[2] اس میں تنکیر تفخیم کے لیے ہے یعنی (ان سب گزشتہ باتوں میں) وہ عظیم نشانیاں ہیں جو رب تعالیٰ کی قدرت قاہرہ اور زبردست حکمت پر دلالت کرتی ہیں۔ كَحُبِّ اللّٰهِ: اس میں تشبیہ (کی قسم) ''مرسل مجمل'' ہے کہ حرف تشبیہ (ک) مذکور ہے جب کہ ''وجہ تشبیہ'' محذوف ہے۔اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ: یہاں اشدیت کو صراحۃً ذکر کرنا احب للہ کہنے سے زیادہ بلیغ ہے جیسے یہ ارشاد ہے:

فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً (سورۃ البقرہ،۷۴) ''گویا وہ (دل) پتھر ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت۔''

---

[1] مولف موصوف نے اختصار نہیں بلکہ محض اشارہ سے کام لیا ہے بندہ عاجز نے اپنی حقیری علمی بساط کے مطابق اس کی وضاحت کر دی ہے۔ مؤلف موصوف کی عبارت فقط اس قدر ہے ''لو کا جواب محذوف ہے جو یہ ہے...... دیکھیں صفوۃ التفاسیر عربی ۹۱ جلد نمبر ۱۔

[2] اصل کتاب میں غالباً کتابت کی غلطی کی وجہ سے لایات کی جگہ الایات درج ہو گیا ہے۔ دیکھیں اصل کتاب ج ۱ ص ۹۱۔

حالاں کہ اواقسنی کہنا بھی درست ہے۔[۱] (اسی طرح اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ کی جگہ اَحَبُّ لِلّٰهِ کہنا بھی درست ہے)۔

وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا: ...... (یہاں) ضمیر کی جگہ اسم ظاہر (الَّذِيْنَ) لائے (کہ جمع غائب کا صیغہ) وَلَوْ يَرَوْنَ (نہیں لایا گیا کہ جس میں "ہم" ضمیر مستتر ہوتی) تاکہ سننے والے کے ذہن میں (روز قیامت پیش آنے والے واقعہ کی) صورت کو مستحضر کیا جائے اور اس شدید عذاب کے سبب کو بیان کیا جائے اور وہ شدید خسارہ (دلانے) والا ظلم (یعنی ذات خدا کے ساتھ شرک کرنا) ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ کہ رَاَوُا الْعَذَابَ اور تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ میں علم بدیع کی صنعت ترصیع[۲] ہے اور یہ کلام کے مسجع (بنانے کو یا) ہونے کو کہتے ہیں۔ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ: یہ جملہ اسمیہ ہے اور اس بات کو جملہ اسمیہ کی صورت میں یہ فائدہ دینے کے لیے لائے ہیں کہ ان (کفار و مشرکین) کا (جہنم میں) خلود (اور ہمیشگی) دائمی ہے۔

عجیب وغریب آٹھ مخلوقات کا ذکر

فوائد: ...... پہلا فائدہ:۔ اس آیت میں رب تعالیٰ نے اپنی عجیب وغریب مخلوقات کی آٹھ قسموں کو ذکر کیا ہے تاکہ ان میں پائی جانے والی عبرتوں پر تنبیہ ہو اور (ان کے) اثرات سے (رب تعالیٰ کی) وحدانیت پر استدلال کیا جائے۔ (وہ آٹھ مخلوقات یہ ہیں)۔

پہلی مخلوق: ...... آسمان کی پیدائش اور ان کے اندر پائے جانے والے کواکب (ونجوم) اور سورج اور چاند۔

دوسری مخلوق: ...... زمین اور اس میں موجود پہاڑ، سمندر، اشجار وانہار اور معاون وجواہر۔

تیسری مخلوق: ...... دن اور رات کا ادلنا بدلنا، کبھی چھوٹا اور کبھی بڑا ہونا، کبھی روشنی اور کبھی اندھیرا ہونا اور کبھی ان میں زیادتی اور کبھی نقصان یعنی کمی ہونا۔

چوتھی مخلوق: ...... بڑی بڑی کشتیاں گویا کہ وہ مضبوطی کے ساتھ جمے ہوئے بڑے بڑے پہاڑ ہوں۔ یہ بڑے بھاری بوجھ اور لوگوں کو اپنے اوپر لاد کر چلتی ہیں اور ان کو ہوائیں کبھی موافق چلاتی ہیں اور کبھی مخالف سمت میں چلاتی ہیں۔

پانچویں مخلوق: ...... بارش جس کو رب تعالیٰ نے حیوانات اور نباتات کی حیات کا سبب بنایا ہے اور اس کو ایک خاص نپی تلی مقدار میں نازل فرمایا ہے۔

چھٹی مخلوق: ...... روئے زمین پر پھیلے مختلف انسان اور حیوان جن کی صورتیں، رنگ اور اجسام جدا جدا ہیں۔

ساتویں مخلوق: ...... ہواؤں کا چلانا۔ ہوا یہ ایک لطیف جسم ہوتا ہے مگر اس قدر لطافت کے باوجود یہ ہوا بڑی طاقتور ہوتی ہے کہ (جب طوفان کی شکل اختیار کرتی ہے تو) چٹانوں اور درختوں کو اکھاڑ پھینکتی ہے اور عظیم الشان عمارتوں کو زمین بوس کر دیتی ہے اور ان سب کے باوجود یہ (انسانی، حیوانی اور نباتاتی) وجود کے لیے حیات ہے، اگر پلک جھپکنے کی دیر بھی اس کو روک دیا جائے تو ہر ذی روح مر جائے اور روئے زمین کی ہر شئی متعفن ہو جائے۔

---

[۱] اَحَبُّ اسم تفضیل کا صیغہ ہے جو اَفْعَلُ کے وزن پر ہے۔ یہ ثلاثی مجرد سے لون اور عیب کے مادے کے علاوہ اسی وزن پر آتا ہے البتہ لون اور عیب کے معانی والے مادے اور ثلاثی مزید فیہ کے صیغوں میں تفضیل کا معنی لفظ اشد وغیرہ سے ادا کیا جاتا ہے اور مطلوبہ لفظ کو بعد میں منصوب بنا کر ذکر کر دیا جاتا ہے جیسے حمرۃ یعنی سرخی کے معنی میں اسم تفضیل احمر کے وزن پر نہ آئے گا کہ یہ رنگ والا معنی ہے بلکہ اس کو اشد حمرۃ کے پیرائے میں ذکر کیا جائے گا لیکن بسا اوقات ایسے مادہ میں بھی یہی پیرایہ اختیار کیا جاتا ہے جس میں تفضیل کا معنی افعل کے وزن پر آتا ہے اور ایسا معنی تفضیل میں اور زیادہ بلاغت پیدا کرنے کے لیے کیا جاتا ہے جیسے اشد حبًّا میں کیا گیا۔

اسم تفضیل اور مبالغہ میں فرق یہ ہے کہ اسم تفضیل دوسرے کی نسبت موصوف کی صفت کی زیادتی پر دلالت کرتا ہے جب کہ مبالغہ فقط موصوف کے زیادتی صفت پر دلالت کرتا ہے (جس میں دوسرے کے ساتھ موازنہ اور تقابل مقصود نہیں ہوتا۔) (مصباح اللغات ص ۹ کالم نمبر ۱ بتصرف) ان کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیں شرح جامی وغیرہ۔ "نسیم"

[۲] علم بدیع میں "ترصیع" یہ ہے کہ الفاظ کے اوزان برابر اور ان کے آخری حروف یکساں ہوں جیسے قرآن پاک میں ہے: اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ۝ (القاموس الوحید ص ۶۳۱ کالم نمبر ۳) اس مثال میں اِيَابَهُمْ اور حِسَابَهُمْ میں "ترصیع" ہے اور مذکورہ بالا مثال میں اَلْعَذَابَ اور اَلْاَسْبَابُ میں "ترصیع" ہے۔

تقریباً یہی تعریف "سجع" اور "کلام مسجع" کی بھی ہے، کہ "سجع وہ کلام منثور ہے جس کے جملوں کے آخری حرفوں پر حرکت اور سکون کی یکسانیت ملحوظ ہو، لہٰذا یہ وہ قافیہ بند کلام ہے جس میں وزن شعری ملحوظ نہیں ہوتا" (ص ۷۴۵ کالم نمبر ۳۔ حوالہ بالا)

آٹھویں مخلوق:.....بادل اوران میں موجود پانیوں کا عظیم ذخیرہ کہ (جب وہ برستے ہیں تو) ان سے بڑی بڑی ندیاں اور نالے بہہ پڑتے ہیں اور (پانیوں کا یہ عظیم ذخیرہ برسنے سے پہلے) زمین وآسمان کے درمیان معلق ہے جس کو کسی طاقت نے نہ تو تھام رکھا ہے اور نہ ہی کسی ستون نے اس کو سہارا دے رکھا ہے (رب کی پاک قدرت نے ہی اس کو تھام رکھا ہے)۔

پس پاک ہے وہ ذات جو اکیلی ہے اور غلبہ والی ہے (کہ جس کی قدرت کی اس قدر عجیب وغریب نشانیاں اور مظاہر ہیں)۔

دوسرا فائدہ:.....ریاح کا لفظ قرآن میں واحد بھی آیا ہے اور جمع بھی لیکن جب جمع آیا ہے تو اس وقت رحمت کے ساتھ (مذکور) آیا اور جب مفرد آیا ہے تو عذاب کے ساتھ اس کا ذکر آیا ہے۔ (مثلاً رحمت کے ساتھ جمع کے صیغے کی صورت میں ان آیات میں آیا ہے۔)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ (سورہ روم، ۴۶) ''اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ خوشخبری دیتی ہیں۔''

ارشاد ہے:

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ (سورۃ الفرقان، ۴۸)

ترجمہ:..... ''اور وہی تو ہے جو اپنی رحمت کے مینہ کے آگے ہواؤں کو خوشخبری بنا کر بھیجتا ہے۔''

اور واحد کے صیغے میں عذاب کے ساتھ اس کا ذکر آیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝۶ (سورۃ الحاقہ، ۶) ''(اور عاد کا) نہایت تیز آندھی سے'' (ستیاناس کر دیا گیا)''۔

اور فرمایا:

الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ۝۴۱ (سورۃ الذاریات، ۴۱) ''اور جب ہم نے (قوم عاد پر) نامبارک ہوا (چلائی)۔''

ایک روایت میں آتا ہے کہ جب ہوا چلتی تھی تو رسول اللہ ﷺ یہ دعا مانگتے تھے: ''اے اللہ! ان ہواؤں کو رِیَاح بنا اور رِیح نہ بنا'' (یعنی رحمت والی بنا، نامبارک اور منحوس نہ بنا)۔

اہل ایمان کو حلال و پاکیزہ چیزیں کھانے کا حکم

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۱۶۸ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْۗءِ وَالْفَحْشَاۗءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۱۶۹ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَاۗءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَاۗؤُھُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَـيْــــًٔـا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝۱۷۰ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَاۗءً وَّنِدَاۗءً ۭ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۱۷۱ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝۱۷۲ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۷۳ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَـمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰۗىِٕكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ

اللہ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ وَلَا یُزَکِّیۡہِمۡ ۚۖ وَلَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۱۷۴﴾ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ اشۡتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ بِالۡہُدٰی وَالۡعَذَابَ بِالۡمَغۡفِرَۃِ ۚ فَمَاۤ اَصۡبَرَہُمۡ عَلَی النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذٰلِکَ بِاَنَّ اللہَ نَزَّلَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ ؕ وَاِنَّ الَّذِیۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِی الۡکِتٰبِ لَفِیۡ شِقَاقٍۭ بَعِیۡدٍ ﴿۱۷۶﴾

ترجمہ: ......اے لوگو! کھاؤ ان چیزوں میں سے جو زمین میں حلال پاکیزہ ہیں اور مت پیچھے چلو شیطان کے قدموں کے۔ بے شک وہ تمہارے لیے کھلا ہوا دشمن ہے۔﴿۱۶۸﴾ وہ تم کو صرف بُرائی کا اور بے حیائی کا حکم کرتا ہے اور یہ کہ تم اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاؤ جن کو تم نہیں جانتے۔﴿۱۶۹﴾ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم اس کا اتباع کرو، جو اللہ نے نازل فرمایا تو کہتے ہیں بلکہ ہم اُس کا اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا، کیا وہ اپنے باپ دادوں کا اتباع کریں گے، اگر چہ وہ کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں، اور ہدایت پر نہ ہوں۔﴿۱۷۰﴾ اور مثال اُن لوگوں کی جنھوں نے کفر کیا اُس شخص کی مثال ہے جو آواز دے ایسی چیز کو جو نہ سنے سوائے پُکار کے اور بُلاوے کے، بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں سو وہ سمجھ نہیں رکھتے۔﴿۱۷۱﴾ اے ایمان والو! کھاؤ اُن پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو دی ہیں اور شکر کرو اللہ کا اگر تم اُس کی عبادت کرتے ہو۔﴿۱۷۲﴾ اللہ تعالیٰ نے تم پر صرف مُردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور حرام کیے ہیں جن کے ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔ سو جو شخص مجبوری میں ڈال دیا جائے اس حال میں کہ باغی نہ ہو، اور حد سے بڑھ جانے والا نہ ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں بیشک اللہ تعالیٰ غفور ہے رحیم ہے۔﴿۱۷۳﴾ بے شک وہ لوگ جو چھپاتے ہیں اس چیز کو جو اللہ نے نازل فرمائی یعنی کتاب، اور خریدتے ہیں اس کے بدلہ تھوڑی قیمت تو یہ وہ لوگ ہیں جو نہیں بھرتے اپنے پیٹوں میں مگر آگ، اور اللہ قیامت کے دن ان سے بات نہ کرے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔﴿۱۷۴﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے خرید لیا گمراہی کو ہدایت کے بدلے، اور عذاب کو مغفرت کے بدلے، سو وہ کس قدر صبر کرنے والے ہیں آگ پر۔﴿۱۷۵﴾ یہ اس وجہ سے کہ بے شک اللہ نے نازل فرمایا کتاب کو حق کے ساتھ، اور بے شک جن لوگوں نے کتاب میں اختلاف کیا بے شک وہ بڑی دور کی خلاف ورزی میں ہیں۔﴿۱۷۶﴾

مناسبت: ......جب رب تعالیٰ نے توحید اور اس کے دلائل اور مؤمنین کو ملنے والی نعمتوں اور کافروں کو ملنے والے عذابوں کو ذکر کر دیا تو اس کے بعد کافروں اور مومنوں (دونوں) پر (اس دنیا میں) اپنے انعاموں کو ذکر فرمایا تاکہ اس بات پر دلالت فرمائے کہ (کسی کافر کا) کفر اس (خدائے رب العالمین) کی نعمت وانعام کو قطع کرنے میں مؤثر نہیں ہے کیوں کہ وہ ذات تمام جہانوں کی پروردگار ہے لہٰذا اس کا انعام واحسان مومن وکافر اور نیک وبد کا فرق کیے بغیر سب پر عام ہے۔ اس کے بعد اہل ایمان کو منعم (حقیقی کی ذات) جلّ وعلا کے شکر ادا کرنے اور ان پاکیزہ اور حلال چیزوں کے کھانے کی دعوت دی جن کو رب تعالیٰ نے مباح کیا ہے اور ان گندی اور خبیث چیزوں (کے کھانے) سے گریز کرنے کی طرف بلایا جن کو رب تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔

لغت: ......خُطُوٰتِ الشَّیۡطٰنِ: (خُطُوٰتِ) یہ خُطوَۃ کی جمع ہے اس کا اصلی معنیٰ ''چلنے کے دوران دو قدموں کا درمیانی فاصلہ'' ہے اور مجازاً کسی کے قدموں کے پیچھے چلنے کو کہتے ہیں۔ اَلسُّوۡٓءِ: سوء اصل میں ہر اس شے کو کہتے ہیں جو انسان کو غمزدہ کردے اور قولی یا فعلی یا اعتقادی نافرمانی کو بھی سوء اس لیے کہتے ہیں کہ یہ انسان کو فی الحال یا انجام کار غمزدہ کرتی ہے۔ اَلۡفَحۡشَآءِ: یہ ہر اس معصیت کو کہتے ہیں جس کو بہت بڑا اور بہت برا سمجھا جائے۔ یہ گناہ کی سب سے بری قسم ہوتی ہے۔ اَلۡفَیۡنَا: یعنی ''ہم نے پایا'' اسی معنی میں یہ ارشاد ہے وَّاَلۡفَیَا سَیِّدَہَا (سورہ یوسف،۲۵) ''اور دونوں کو (دروازے کے پاس) عورت کا خاوند مل گیا۔'' (یعنی انہوں نے پالیا) اور فرمایا:

اِنَّہُمۡ اَلۡفَوۡا اٰبَآءَہُمۡ (سورۃ الصافات،۶۹) ''انہوں نے اپنے باپ دادا کو گمراہ ہی پایا۔''

یَنۡعِقُ: ......یعنی ''چیختا ہے'' جب کوئی چرواہا اپنی بھیڑوں کو چیخ کر بلائے اور انہیں جھڑکے تو کہا جاتا ہے: نَعَقَ الرَّاعِیۡ بِغَنَمِہٖ چرواہے نے اپنی

بکریوں کو ڈانٹا اور للکارا۔ اخطل [۱] کہتا ہے:

فَانْفِقْ بِضَأْنِكَ يَا جَرِيْرُ فَإِنَّمَا مَنَّتْكَ نَفْسُكَ فِي الْخَلَاءِ ضَلَالًا

ترجمہ:..... "اے جریر اپنے بھیڑیوں کو ڈانٹ کہ بے شک تیرے نفس نے اس ویرانے میں تجھے بے راہ کر دیا۔"

اُهِلَّ:..... یہ اہلال سے ہے اس کا معنی آواز کو بلند کرنا ہے۔ اهل المحرم اس وقت کہا جاتا ہے جب احرام والا (حاجی) بلند آواز سے تلبیہ پڑھتا ہے۔ اسی معنی میں اهلال الصَّبِيِّ ہے یہ بچے (کے رونے) کی وہ آواز ہے جو ولادت کے وقت ہوتی ہے۔ مشرکین جب (نذر و نیاز کے لیے کسی جانور کو) ذبح کرتے تھے تو اس کو لات اور عزیٰ کے نام پر ذبح کرتے تھے اور اس وقت ان کا نام لے کر آوازوں کو بلند کرتے تھے۔

اضْطُرَّ: یعنی لاچار کیا گیا (اور مجبور کیا گیا) یعنی کسی (سخت بھوک وغیرہ کی) حاجت نے اس کو ان حرام اشیا کے کھانے پر مجبور کر دیا۔

بَاغٍ وَّلَا عَادٍ: باغی یہ بغی سے ہے اور عادی یہ عدوان سے ہے اور ان دونوں لفظوں کا معنی ظلم اور حد سے تجاوز کرنا ہے۔

لَا يُزَكِّيهِمْ: یہ تزکیۃ سے ہے جس کا معنی تطہیر ہے یعنی ان کو پاک کرتا ہے۔" شِقَاقٍ: یہ مخالفت اور عداوت کو کہتے ہیں۔

سببِ نزول:..... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، "یہ آیت یہود کے سرداروں کعب بن اشرف مالک بن صیف اور حیی بن اخطب کے بارے میں نازل ہوئی کہ یہ اپنے پیروکاروں سے تحفے لیا کرتے تھے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہوئی تو یہ ڈر گئے کہ کہیں تحفوں کا یہ سلسلہ ختم نہ ہو جائے۔ چنانچہ ان لوگوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی شریعت کے امر کو (اپنے پیروکاروں سے) چھپایا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ (تفسیر کبیر ج۵ ص ۲۸)

تفسیر:..... يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا: یہ خطاب سب انسانوں کو عام ہے (خواہ وہ مسلمان ہیں یا کافر) کہ تم ان پاکیزہ چیزوں کو کھاؤ جن کو خدا تعالیٰ نے (اہل ایمان کے لیے خاص طور پر اور باقی سارے انسانوں کے لیے عام طور پر) حلال کیا ہے جب کہ اشیا بذات خود پاک اور صاف ہوں اور جسم و دماغ کے لیے نقصان دہ نہ ہوں۔

شیطان بے حیائی کے کاموں کو آراستہ کر کے دکھاتا ہے

وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ:..... یعنی شیطان تمہیں جن گناہوں اور بے حیائی کے کاموں کو آراستہ کر کے دکھلاتا ہے اس میں تم اس کی پیروی نہ کرو۔ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ: یعنی اس کو تمہارے ساتھ حد سے زیادہ عداوت ہے اور اس شیطان کی عداوت ایسی ظاہر ہے جو کسی عقلمند پر پوشیدہ نہیں۔ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ: یعنی شیطان تمہیں کسی خیر کی بات کا حکم نہیں دیتا بلکہ یہ تو تمہیں صرف اور صرف گناہوں، منکرات، اور ذلیل و رذیل کاموں کا حکم کرتا ہے جو قباحت و شناعت اور برائی میں کامل ہیں۔

وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ: یعنی تم رب تعالیٰ پر افترا پردازی کرتے ہوئے ان باتوں کو حرام کرو جو اس نے حلال کی ہیں اور ان چیزوں کو حلال کر دو جو اس نے حرام کی ہیں، یوں تم خود سے ہی چیزوں کو حلال و حرام ٹھہرانے لگو۔

---

[۱] یہ اموی خلفا کے دربار کا مشہور نصرانی شاعر غیاث تغلبی اخطل ہے۔ اس نے ان کی تعریف اور ان کے دشمنوں کی ہجو بیان کرنے میں شہرت پائی۔ مشہور شاعر جریر کے ساتھ اس کے "نقائض ہجائیہ" ہیں۔ اس کا ایک دیوان بھی ہے اس کے قصائد کو "سکری" نے جمع کیا۔ تقریباً ۷۱۰ء میں وفات پائی۔ (المنجد العربی الاعلام ص ۳۰۔ کالم نمبر ۱)

"نقائض: یہ نقیضہ کی جمع ہے، یہ وہ نظم ہے جو دوسری نظم کے جواب میں کہی جائے۔" (القاموس الوحید ص ۱۶۹۷ کالم نمبر ۳) یعنی اخطل اور جریر میں ایک دوسرے کی ہجو بیان کرنے کا سلسلہ چلتا رہتا تھا کہ ایک جب دوسرے کی مذمت میں کوئی نظم لکھ مارتا تو وہ "جواب آں غزل" کے طور پر اس کی مذمت میں شعر کہتا واللہ اعلم۔

جریر: یہ اموی شاعر (۶۵۳ء؟ - ۷۳۳ء) ہے جو یمامہ میں پیدا ہوا۔ اس کی کنیت ابو حرزہ ہے یہ ہجو بیان کرنے میں ممتاز تھا خاص طور پر اپنے مقابل اخطل اور فرزدق کی مذمت میں شہرت پائی۔ اس کا ایک دیوان تھا جو مختلف مفید فنون پر مشتمل تھا اس میں مدح اور ہجا فخر اور غزل اور مرثیے بھی تھے اس کو ابو جعفر بن حبیب نے جمع کیا۔ (المنجد الاعلام العربی ص ۲۰۰ کالم نمبر ۱۔ ۲)

مشرکین کا قرآن اور وحی کی اتباع سے انکار

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ: یعنی جب ان مشرکین سے یہ کہا جاتا ہے کہ تم اس قرآن اور وحی کی اتباع کرو جو رب تعالیٰ نے اپنے رسول پر اتاری ہے اور جس گمراہی اور جہالت پر تم ہو اس کو چھوڑ دو (تو) قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا: (وہ کہنے لگتے ہیں کہ ہم قرآن اور وحی کی اتباع نہیں کریں گے) بلکہ اس بات کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ رب تعالیٰ ان کی بات کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ یعنی کیا تم (ہر حال میں) اپنے باپ دادا ہی کی پیروی کرو گے خواہ وہ کوڑھ مغز بیوقوف ہی ہوں جن کی نہ تو ایسی عقلیں ہوں جو انہیں شر سے روکیں اور ہٹائیں اور نہ ہی ایسی بصیرت ہو جو ان کے لیے (سعادت ونجات کی) راہ کو روشن کرے؟ یہ استفہام انکار، ڈانٹ، اور ان کے اس حال پر تعجب کرنے کے لیے ہے کہ کیسے یہ لوگ اپنے (فہم وبصیرت اور ہدایت وسعادت سے) اندھے باپ دادا کی تقلید کر رہے ہیں۔

کافر ومشرکین کی مثال

آگے رب تعالیٰ ان کافروں کی ایک نہایت واضح اور روشن مثال بیان کر رہے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً

یعنی قرآن اور اس کے روشن دلائل سے فائدہ نہ اٹھانے میں ان کافروں کی اور اس کی جو انہیں ہدایت کی طرف بلاتا ہے مثال اس چرواہے کی سی ہے جو اپنی بھیڑ بکریوں کو اونچی آواز میں پکارتا ہے اور انہیں ڈانٹتا ہے اور وہ بھیڑ بکریاں اس کے کلام اور مراد کو سمجھے بغیر فقط اس کی پکار اور آواز کو ہی سنتی ہیں اور انہیں کہی جانے والی بات کے معنی کو نہیں سمجھتیں۔ چنانچہ یہ کفار زمین پر (بے مقصد) چرنے والے چوپایوں کی طرح ہیں جو اس بات کو نہ تو سمجھتے ہیں اور نہ اس میں غور کرتے ہیں جس کی طرف انہیں آپ ﷺ بلاتے ہیں۔ یہ لوگ قرآن سنتے ہیں اور اس سے اپنے کانوں کو بہرا کیے جاتے ہیں۔ (ان کی مثال اور حالت یوں ہے):

اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ (سورۃ الفرقان ۴۴) ''یہ تو چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔''

اسی لیے رب تعالیٰ نے (ان کے بارے میں) فرمایا:

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ: ...... یعنی یہ لوگ حق سننے سے بہرے، حق بولنے سے گونگے، اور حق دیکھنے سے اندھے ہیں انہیں جو کہا جا رہا ہے اس کو (مطلق) نہیں سمجھتے کیوں کہ یہ چوپایوں کی طرح بن گئے ہیں اور اپنی گمراہی میں ہوش اڑائے خبطی بنے پھرتے ہیں۔

اس مثال کا خلاصہ واللہ اعلم یہ ہے کہ ''ان کافروں کی مثال جانوروں چوپایوں کی سی ہے جو اپنے چرواہے کی بات کو (ذرا بھی) نہیں سمجھتے یہ اس کی بات کو سمجھے بغیر اس کی آواز سننے سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتے۔'' یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کا خلاصہ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ...... یہ رب تعالیٰ نے مؤمنین سے خطاب فرمایا ہے کیوں کہ یہ ربانی ہدایات سے فائدہ اٹھاتے اور بہرہ مند ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے، کہ ''اے مومنو! تم لذیذ اشیا اور اس پاک رزق حلال سے کھاؤ جو رب تعالیٰ نے تمہیں رزق فرمائے ہیں۔ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ یعنی اگر تم خدا ہی کے بندے ہو (اور اس کی ہی خاص طور پر عبادت کرتے ہو اور اس کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہیں کرتے ہو) تو اس کی ان نعمتوں کا شکر ادا کرو جن کو شمار بھی نہیں کیا جا سکتا۔

حرام ومردار اشیاء کے استعمال کی ممانعت

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ ...... یعنی تم پر فقط وہی اشیا حرام کی گئی ہیں جو خبائث میں سے ہیں جیسے مردار، خون اور خنزیر کا

گوشت وغیرہ۔ [1] وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ: یعنی وہ جانور (بھی حرام ہے) جو بتوں کے لیے ذبح کیا جائے اور اس پر غیر خدا مثلاً الات اور

[1] یہ مقام متعدد مسائل فقہیہ کی تفصیل کا متقاضی ہے جن میں حرام اشیا کی تعریف اور ان کے احکام اور حرام اشیا کی اقسام وغیرہ کے مباحث ہیں طوالت کے خوف سے ہم ان مباحث کو قلم زد کرتے ہیں البتہ ان کی تفصیل کے لیے مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ مفید ہے:

① ......اشرف الھدایہ ② ......معدن الحقائق ③ ......الجوھرۃ النیرۃ وغیرہ۔ اس کی قدرے تفصیل بندہ محمد آصف نسیم نے بھی اپنی تالیف ''نسیم الھدایہ فی حل شرح الوقایہ ج ا'' میں کی ہے۔ یہاں فقط ان تین مذکورہ بالا اشیا کی تفصیل اکابر کی تفاسیر سے قدرے اختصار کے ساتھ لکھ دیتے ہیں۔

میتۃ: ......''مردار جانور جو اپنی موت مرا ہو یا غیر شرعی طریقہ سے مارا گیا ہو۔'' (القاموس الوحید ص ۱۵۹۰ کالم نمبر ۱)

''لغت میں میتۃ اس جانور کو کہتے ہیں جو بغیر ذبح مر جائے جس کو مردار کہتے ہیں۔ اسی لیے عرب مقتول اور میت کے معنی میں فرق کرتے ہیں۔ شرع شریف میں اس کے معنی عام ہیں خواہ وہ عادی طریقہ سے ذبح نہ کیا جائے، خواہ خود بخود مر جائے یعنی ذبح عادی نہ ہو یعنی غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو یا اس کا حلقوم نہ کاٹا گیا ہو یا حلقوم غیر خدا کے نام پر کاٹا ہو یا مشرک نے کاٹا ہو یا پہاڑ یا ریوار پر سے گر کر مر گیا ہو یا اس کو کسی درندے نے پھاڑ کھایا ہو یا اس کا گلا گھونٹ کر مارا ہو۔ ان سب کو عرف شرع میں میتہ یعنی مردار کہتے ہیں'' (تفسیر حقانی ج ا ص ۵۲۹)

دم: ......یہ خون کو کہتے ہیں۔ عرب لوگ خون کو جما لیتے تھے پھر اس کو توے وغیرہ پر بھون کر کھاتے تھے۔ یہ اخلاق انسانی کو فاسد کرتا ہے چوں کہ یہ نجس ہے اس لیے دوسرے جسمانی امراض کے علاوہ یہ دل کو سخت کرتا ہے اس لیے سلیم طبیعتیں اس سے بالکل نفرت کرتی ہیں (اس خون سے کون سا خون مراد ہے؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے) امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس سے بہتا اور رواں خون مراد ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس سے مطلق خون مراد ہے (خواہ رواں ہو یا نہ ہو۔ دلائل ہر ایک کے کتب فقہ میں مذکور ہیں)۔ (تفسیر حقانی ج ا ص ۵۳۰ بتصرف)

دو حلال مردار اور دو حلال خون: ......کلیجی اور تلی کہ بظاہر تو جمے ہوئے خون ہیں مگر چوں کہ حدیث میں ان کا استثنا آیا ہے اس لیے یہ حلال ہیں (تفسیر حقانی ج ا ص ۵۳۰۔ بیان القرآن ج ا ص ۹۷) اور جو دو مردار حلال ہیں وہ مچھلی اور ٹڈی ہیں کہ ان کا ذبح کرنا ضروری نہیں کیوں کہ حدیث میں ان کا استثنا آیا ہے کہ یہ دو مردار ہمارے لیے حلال ہیں۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

احلت لنا میتتان ودمان اما المیتتان فالسمك والجراد واما الدمان فالكبد والطحال

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہمارے لیے دو مردار (غیر مذبوح) اور دو خون حلال کر دیے گئے دو غیر مذبوح (مردار) مچھلی اور ٹڈی ہے اور دو خون کلیجی اور تلی ہے۔'' (تفسیر حقانی و بیان القرآن) اس حدیث کو ابن ماجہ، دارقطنی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۲۰۵ بحوالہ احسن البیان ج ا ص ۳۰۳)

وجہ اس کی یہ ہے کہ مچھلی کا بیشتر مادہ پانی ہے جو بالطبع پاک ہے اور دوسرے اس میں خون بھی نہیں ہوتا (اور ہماری جدید میڈیکل لینگوئج میں اس کو White meat کہتے ہیں) اور ٹڈی بغیر توالد و تناسل کے خود بخود پیدا ہوتی ہے اور اس میں بہتا خون بھی نہیں ہوتا دوسرے اس میں دوسرے جانوروں کی سی مضرتیں بھی نہیں ہوتیں اس لیے اس کا ذبح کرنا ضروری نہیں۔ (تفسیر حقانی ج ا ص ۵۳۰)

خنزیر: ......''خنزیر کے سب اجزا لحمہ وشحمہ، پوست واعصاب سب حرام بھی ہیں اور نجس بھی ہیں'' (بیان القرآن ج ا ص ۹۷)

اور اس کے کل اجزا گوشت چربی وغیرہ کے کھانے کے حرام ہونے پر امت محمدیہ کا اتفاق ہے اور گوشت کا ذکر اس لیے کیا کہ عموماً کھاتے گوشت ہی کو ہیں ویسے بھی عرب جز بول کر کل مراد لیتے رہتے ہیں جدید خورد بینی تحقیقات نے اس کے گوشت میں بے شمار کیڑوں کو دریافت کیا ہے اور وجہ اس کے حرام ہونے کی یہ ہے کہ اس جانور میں بے حیائی (دیوثی) حرص اور نجاست خوری بے حد زیادہ ہے اور اس کے گوشت کا انسانی اخلاق پر اثر پڑنا اظہر من الشمس ہے۔ پس ان چیزوں کا حرام کرنا عین مصلحت اور اس حکیم مطلق کی رحمت وحکمت کا مقتضی ہے۔ (تفسیر حقانی ج ا ص ۵۳۰)

''علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس سے گوشت کی تخصیص نہیں بلکہ اس کے تمام اجزا ہڈی کھال، بال، پٹھے، سب ہی باجماع امت حرام ہیں اور لفظ لحم سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ خنزیر واحد جانور ہے جو نجس العین ہے جو ذبح کرنے سے بھی پاک نہیں ہوسکتا کہ دوسرے جانور ذبح کرنے سے پاک تو ہو جاتے ہیں گو کھانا ان کا حرام ہی رہے اور خنزیر چوں کہ ذبح کرنے سے بھی پاک نہیں ہوتا اس لیے نجس العین بھی ہے اور حرام بھی۔ البتہ حدیث میں فقط چمڑا سینے کے لیے اس کے بال کے استعمال کی اجازت آئی ہے (جصاص۔ قرطبی، بحوالہ معارف القران ج ا ص ۴۲۱ بتصرف)

ٹڈی: ......''یہ ایک قسم کا پردار کیڑا ہوتا ہے جو درختوں اور فصلوں کو نقصان پہنچاتا ہے۔'' (فیروز اللغات اردو ص ۴۱۴ کالم نمبر ۱)

میتہ: ......خون اور لحم خنزیر کی تحریم وغیرہ کے تفصیلی احکام کے لیے دیکھیں ''معارف القرآن ج ا ص ۴۱۷۔ ۴۲۱''

عزّ ی[1] کا نام لیا جائے۔

مضطر کا حکم

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ: ...... یعنی جس کو چاروناچار[2] مجبوراً ان حرام اشیا میں سے کسی ایک کو کھانا پڑا مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ فساد کرنے والا اور قدر ضرورت سے تجاوز کرنے والا نہ ہو۔ (تو) فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ: اس کو (اس) کھانے پر (کوئی اخروی) سزا نہ ہوگی۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ: یعنی وہ گناہوں کو معاف کرنے والا اور بندے پر رحم کرنے والا ہے۔ یہ اس کی رحمت میں سے ہے کہ اس نے ضرورت (اور مجبوری ولاچاری) کے وقت ان (مذکورہ) حرام اشیا کو (اور اسی طرح جس حرام کے استعمال پر بندہ مجبور اور بے بس ہوجائے اس کو) جائز اور مباح کر دیا ہے (کہ اس وقت بقدر ضرورت وحاجت کھالے البتہ اس میں لذت مقصود نہ ہو)۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ: یعنی تورات میں مذکورہ نبی کریم ﷺ کی صفات کو لوگوں سے چھپاتے ہیں۔ یہ (کرنے والے) یہود تھے (اور یہ اب بھی ایسے ہی ہیں)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، یہ آیت سرداران یہود کے بارے میں نازل ہوئی کہ جب انہوں نے نبی کریم ﷺ کی صفات کو (لوگوں سے) چھپایا۔ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا: یعنی یہ لوگ اس (ناپاک حرکت) کے بدلے میں دنیا کا معمولی سا حقیر سا ساز وسامان لیتے ہیں۔ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ: یعنی بے شک یہ لوگ اپنے پیٹوں میں محض آگ بھرتے ہیں جو روز قیامت ان کے پیٹوں میں بھڑکے گی کیوں کہ یہ حرام مال کھانا انہیں آتش جہنم تک لے جائے گا۔

کفار سے اللہ کے کلام نہ کرنے کا مطلب

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ: یعنی رب تعالیٰ ان کے ساتھ راضی ہو کر کلام نہ فرمائے گا جیسا کہ اہل ایمان کے ساتھ فرمائے گا۔ بلکہ ان سے غضب کے ساتھ کلام فرمائے گا، جیسا کہ ارشاد ہے: اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ (سورۃ المومنون۔۱۰۸) وَلَا يُزَكِّيْهِمْ: یعنی ان کو گناہوں کی گندگی اور میل کچیل سے پاک نہ کرے گا۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ: یعنی ان کو دکھ دینے والا عذاب ہوگا جو جہنم (کی آگ کا طرح طرح) کا عذاب ہے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى: یعنی ان لوگوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی اور ایمان کے بدلے کفر کو مول لیا۔ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ: یعنی ان لوگوں نے جنت کے بدلے میں جہنم کو لیا (کہ جنت مغفرت کی جگہ ہے اور جہنم عذاب کی جگہ ہے)۔ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ: یعنی یہ لوگ جہنم کی آگ کو کس قدر برداشت کرنے والے ہیں؟ یہ مؤمنین کا اس بات پر تعجب کرنا ہے کہ یہ کیسی جرأت کے ساتھ طرح طرح کے گناہ کمائے چلے جارہے ہیں۔ آگے رب تعالیٰ ان کے عذاب اور ان کی عبرتناک سزا کے سبب کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ: یعنی یہ دکھ دینے والا عذاب (ان کفار کو) اس لیے ہے کہ رب تعالیٰ نے اپنی کتاب تورات کو حق کے بیان کے

---

[1] بعض علما مثلاً ضحاک، مجاہد اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ کے نزدیک اس سے مراد وہ جانور ہے جس پر عین ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا جائے تو وہ حرام ہے اور جمہور مفسرین بھی اسی طرف گئے ہیں لیکن بعض دوسرے علما مثلاً ربیع رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس سے مراد وہ جانور ہے جو غیر اللہ کے نلیے نامزد کردیا جائے کہ اس کے حرام ہونے کے لیے یہی بات کافی ہے۔ جیسا کہ ہندوستان میں شیخ سدو کا بکرا اور سید احمد کبیر کی گائے اور ہندوؤں میں کالی، اور بھوانی وغیرہ کے نام کے چھوڑے گئے سانڈ وغیرہ۔ عربوں میں یہ سانڈ بتوں کے نام پر چھوڑے جاتے تھے۔ ان غیر اللہ کے نامزد ہونے سے ان کی شرک کی نجاست اور گندگی سرایت کرگئی اور یہ خبث باطنی اس کی رگ وپے میں دوڑ گیا اب اس کو ذبح کرنا کوئی فائدہ نہ دے گے بلکہ یہ حرام ہی رہتا ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر عزیزی میں اسی قول کو لیا ہے وہ اس کو ترجیح دیتے ہیں۔ احتیاط بھی اسی میں ہے اور شرک کو قطع کرنے کے زیادہ مناسب بھی یہی قول ہے۔ (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۱۳۱ ۵ بتصرف)

البتہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ ”جس جانور کو غیر اللہ کے نامزد اس نیت سے کردیا کہ وہ ہم سے خوش ہوں گے اور ہماری کاروائی کردیں گے جیسا اکثر عام جاہلوں کی عادت ہے کہ اسی نیت سے بکرا مرغا وغیرہ مقرر کردیتے ہیں وہ حرام ہوجاتا ہے اگرچہ ذبح کے وقت اسی پر اللہ کا نام لیا ہو البتہ اگر اس طرح نامزد کردینے کے بعد اس سے توبہ کرلے تو پھر وہ حلال ہوجاتا ہے۔“ (بیان القرآن ج ۱ ص ۹۷) علاوہ اس کے ذبح اور جانور کی اقسام باعتبار ذبح کے کی تفصیل کے لیے دیکھیں بیان القرآن ج ۱ ص ۱۹۲ اور ما اهل به لغير الله کے تفصیلی احکام کے لیے دیکھیں۔ معارف القرآن ج ۱ ص ۴۲۱۔ ۴۲۴۔

[2] اضطرار کی اقسام اور ان کے احکام کی تفصیل کے لیے دیکھیں تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۳۱۔ ۵۳۴ ومعارف القرآن ج ۱ ص ۴۲۴۔ ۴۲۷۔

ساتھ نازل فرمایا اور انہوں نے اس کی باتوں کو چھپایا بھی اور ان میں تحریف بھی کی۔ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ: یعنی جن لوگوں نے اس کی تاویل (وتفسیر) اور اس کی تحریف (کے ہونے یا نہ ہونے) میں اختلاف کیا (کہ بعض کہتے ہیں اس میں تحریف ہوئی ہے اور بعض کہتے کہ نہیں ہوئی ہے) لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ: یعنی وہ ایسے اختلاف میں (پڑے) ہیں جو حق اور درستی سے دور اور شدید عذاب (دلوانے) کا باعث ہے۔

بلاغت: خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ:...... (شیطان کے قدم) یہ اس کی اقتدا و پیروی کرنے اور اس کے نشانات قدم پر چلنے سے استعارہ ہے "تلخیص البیان" میں لکھا ہے، کہ "یہ شیطان کے کہے کی اتباع کرنے اور جن باتوں کے کرنے کی وہ دعوت دیتا ہے ان کو قبول کرنے سے ڈرانے کی نہایت بلیغ تعبیر ہے"۔ (تلخیص البیان ص۱۱) (کہ اس کی اطاعت تو کیا کرنا اور اس کے ساتھ تو کیا چلنا، اس کے نشانات قدم کی بھی پیروی نہ کرو۔ واللہ اعلم۔ نسیم) اَلسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ: یہ خاص کے عام پر عطف [1] کے باب میں سے ہے کیوں کہ لفظ اَلسُّوْٓءِ: یہ تمام معصیتوں کو شامل ہے اور فَحْشَآءِ: یہ سب سے قبیح اور سب سے بڑی معصیت کو کہتے ہیں۔ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا: اس میں تشبیہ مرسل اور تشبیہ مجمل دونوں ہیں۔ مرسل اس لیے کہ اس میں حرف تشبیہ مذکور ہے اور مجمل اس لیے کہ اس میں وجہ تشبیہ محذوف ہے۔ چنانچہ (اس آیت میں) کفار کو ان چوپایوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو پکارنے والے کی آواز کو تو سنتے ہیں مگر نہ تو اس کی بات سمجھتے ہیں اور نہ ہی اس کی مراد کو پہچانتے ہیں۔ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ: (اس آیت میں) وجہ تشبیہ اور حرف تشبیہ (دونوں) حذف ہیں یہ "بلیغ تشبیہ" ہے یعنی یہ حق نہ سننے میں بہروں کی طرح ہیں اور نور قرآن سے فائدہ نہ اٹھاسکنے ہیں گونگوں اور اندھوں کی طرح ہیں۔

مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ: یہ مایؤل (یعنی انجام) کے اعتبار سے "مجاز مرسل" ہے یعنی بے شک یہ وہ مال حرام کھا رہے ہیں جو انہیں آتش جہنم تک لے جائے گا۔ اور فِيْ بُطُوْنِهِمْ میں ان کے حال کی زیادہ قباحت اور برائی ہے اور ان کو ایسے شخص کی صورت میں پیش کیا گیا ہے جو جہنم کے گرم پتھر کھائے گا۔ یہ سننے کے اعتبار سے نہایت رسوا کن اور نہایت دردناک والمناک ہے۔ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى: یہ استعارہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ انہوں نے ایمان کے بدلے میں کفر کو اختیار کیا۔ شروع سورت میں اس استعارہ کی تفصیل گزر گئی ہے۔

مستجاب الدعوات بننے کا نسخہ

فوائد:...... پہلا فائدہ:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور یہ آیت تلاوت کی گئی: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا: تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا: "یارسول اللہ! رب تعالیٰ سے (میرے لیے) دعا فرما دیجیے کہ وہ مجھے "مستجاب الدعوات" بنادے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اے سعد! تو اپنا کھانا حلال کرلے تو "مستجاب الدعوات" بن جائے گا، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے! کہ آدمی (جب بھی) اپنے پیٹ میں حرام کا لقمہ ڈالتا ہے (تو) چالیس دن تک (اس کی کوئی فرض یا نفلی عبادت)۔ اس سے قبول نہیں کی جاتی اور جس آدمی کا (بدن کا) گوشت سود اور ناجائز کمائی (مثلاً رشوت وغیرہ) سے بنتا (اور پلتا) ہے تو جہنم کی آگ اس کے زیادہ مناسب ہے۔" (اس کی ابن مردویہ نے روایت کیا ہے۔)

دوسرا فائدہ:...... بعض بزرگوں کا کہنا ہے کہ رب تعالیٰ کی ہر نافرمانی وہ "شیطان کے قدموں پر چلنے" میں داخل ہے اسی طرح ہر گناہ کی نذر ماننا بھی خطوات شیطان کی اتباع میں داخل ہے۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ [2] فرماتے ہیں:

---

[1] عطف یہ حرف عطف مثلاً واو وغیرہ کے ذریعے کسی لفظ یا جملہ کو سابق کے ساتھ جوڑنے اور اس کے حکم میں شریک کرنے کو کہتے ہیں۔ اس میں لفظ سابق کو "معطوف علیہ" اور جس لفظ کو گزشتہ حکم میں شریک کیا گیا ہو اس کو "معطوف" کہتے ہیں۔ اس کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیں۔ ہدایۃ النحو وغیرہ۔ (القاموس الوحید ص ۱۰۹۵ کالم نمبر ا بتصرف) [2] یہ مشہور تابعی عامر میں شراحیل شعبی رحمۃ اللہ علیہ (ت ۱۰۳ھ/۷۲۱ء) ہیں۔ جلیل القدر محدث حافظ حدیث اور ثقہ راوی تھے، کوفہ میں زندگی گزاری۔ عبدالملک بن مروان کے ہم نشین بنے اس نے انہیں اپنے دربار میں قریب کیا اور ان کو اپنا مصاحب اور ہمراز بنایا اور شاہ روم کی طرف انہیں اپنا قاصد بنا کر بھی بھیجا۔ (المنجد الاعلام العربی ص ۳۳۳ کالم نمبر ۲) آپ کا پورا نام ابوعمرو عامر بن شراحیل الشعبی الحمیری ہے۔ کوفہ کے مشہور فقہا تابعین میں سے ہیں۔ پانچ سو کے قریب صحابہ رضی اللہ عنہم کی زیارت کی ہے۔ غیر معمولی حافظہ نصیب ہوا، کبھی حدیث لکھ کر یاد نہ کی تھی۔ مشہور بہت کم یاد تھے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ ہیں۔ آپ کی جلالت قدر سب کے نزدیک مسلم ہے۔ امام احمد اور امام عجلی رحمۃ اللہ علیہما نے ان کی مرسل روایات کو بھی صحیح کہا ہے کیوں کہ وہ فقط صحیح روایات ہی مرسلاً روایت کرتے ہیں۔" (علوم القرآن ص ۸۳ ملخصاً)

ایک شخص نے اپنے بیٹے کو قربان کرنے کی نذر مانی، امام مسروق رحمۃ اللہ علیہ [1] نے انہیں ایک مینڈھا (اس کی جگہ) ذبح کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ "یہ (بیٹے کو ذبح کرنے کی نذر ماننا) خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ (کی اتباع) میں سے ہے"۔ (محاسن التاویل ج۳ ص ۳۶۸)

تیسرا فائدہ:...... وَمَثَلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِیْ یَنْعِقُ بِمَا لَا یَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً: اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ "اعلام الموقعین" میں ارشاد فرماتے ہیں:

"تو اس کو "تشبیہ مرکب" بھی قرار دے سکتا ہے اور "تشبیہ مفرق" بھی۔ اگر تو اس کو تشبیہ مرکب ٹھہرائے تو یہ کفار کے (قرآن وحدیث کو) نہ سمجھنے اور (ان سے) عدم انتفاع میں ان بھیڑوں کے ساتھ تشبیہ ہے جنہیں چرواہا جھڑکتا ہے مگر وہ اس کی آواز جو محض پکار اور آواز ہے کہ سوا کوئی دوسری بات نہیں سمجھتیں اور اگر تو اس کو تشبیہ مفرق قرار دے تو (پھر اس مثال میں) کفار چوپایوں کے بمنزلہ ہیں اور انہیں ہدایت اور راہ (راست) کی طرف بلانے والے کی پکار اس چرواہے کے بمنزلہ ہے جو بھیڑوں کو ڈانٹتا ہے اور انہیں ہدایت کی طرف بلانا یہ (بھیڑوں کو) جھڑکنے کے بمنزلہ ہے اور ان کا محض آواز اور پکار کا ہی ادراک کرنا یہ چوپایوں کے جھڑکنے والے کی محض آواز کا ہی ادراک کرنے کے بمنزلہ ہے۔ واللہ اعلم

حقیقی نیکی اور عبادت اللہ کی اطاعت میں ہے

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰى وَالْیَتٰمٰى وَالْمَسٰكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ ۙ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ مِنْ اَخِیْهِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَیْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۷۸﴾ وَلَكُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوةٌ یّٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ كُتِبَ عَلَیْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَیْرَا ۖۚ ا۟لْوَصِیَّةُ لِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۸۰﴾ فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِیْنَ یُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۸۱﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَیْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۸۲﴾

ع ۲۲

---

[1] یہ مشہور تابعی ابو عائشہ مسروق بن اجدع بن مالک کوفی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دن آپ کا نام سن کر فرمایا، کہ "اجدع تو شیطان کو کہتے ہیں آپ مسروق بن عبد الرحمٰن ہیں۔ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے علمی استفادہ کیا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے تلامذہ میں سب سے بڑے عالم، زاہد اور متقی تھے۔ کوفہ کے مشہور مفتی قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ مشکل مسائل میں آپ سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ علی بن مدینی کا قول ہے، کہ "میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے تلامذہ میں سے کسی کو مسروق رحمۃ اللہ علیہ پر ترجیح نہیں دیتا۔" اپنے عہد کے امام تفسیر اور کتاب اللہ کے معانی کے جید عالم وفاضل تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ثقاہت وعدالت پر سب متفق ہیں صحاح ستہ کے جامعین نے بالاتفاق آپ سے روایت لی ہے۔ ۶۳ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ تفسیر ومفسرین ص ۱۱۵۔۱۱۶۔ ملخصاً)

ترجمہ:......نیکی اس میں نہیں ہے کہ تم اپنے چہروں کو مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لیا کرو۔ لیکن نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر ایمان لائے اور آخرت کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتابوں پر اور نبیوں پر، اور اپنا مال دے اس کی محبت ہوتے ہوئے قرابت والوں کو اور یتیموں کو، اور مسکینوں کو، اور مسافروں کو، اور سوال کرنے والوں کو، اور گردنوں کے چھڑانے میں، اور قائم کرے نماز کو اور ادا کرے زکوٰۃ کو، اور جو پورا کرنے والے ہیں اپنے عہد کو جبکہ وہ عہد کریں، اور صبر کرنے والے ہیں سختی میں اور تکلیف میں اور جنگ کے موقع پر، یہی لوگ ہیں جنہوں نے سچائی کی راہ اختیار کی اور یہی لوگ متقی ہیں۔ (۱۷۷) اے ایمان والو! تم پر قصاص فرض کیا گیا مقتولین کے بارے میں، آزاد کو آزاد کے بدلے، اور غلام کو غلام کے بدلے، اور عورت کو عورت کے بدلے، سو جس شخص کے لیے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی کر دی جائے تو بھلائی کے ساتھ اس کا مطالبہ ہو اور اچھے طریقہ پر اس کی ادائیگی ہو۔ یہ تخفیف ہے تمہارے رب کی طرف سے اور رحمت ہے۔ پھر جس نے اس کے بعد زیادتی کی تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (۱۷۸) اور تمہارے لیے قصاص میں بڑی زندگی ہے اے عقل والو! تاکہ تم پرہیز کرتے رہو۔ (۱۷۹) تم پر فرض کیا گیا کہ جب تم میں سے کسی کو موت حاضر ہو جائے تو اپنے والدین اور قرابت داروں کے لیے وصیت کرے بشرطیکہ مال چھوڑا ہو۔ یہ حکم لازم ہے اُن لوگوں پر جو خدا کا خوف رکھتے ہیں۔ (۱۸۰) پھر جو شخص سننے کے بعد اُس کو بدل دے اُس کا گناہ انہیں لوگوں پر ہوگا جو اُس کو تبدیل کر دیں گے بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا ہے، جاننے والا ہے۔ (۱۸۱) سو جو شخص وصیت کرنے والے کی جانب سے کسی جانب داری یا گناہ کا خوف کھائے پھر ان کے درمیان صلح کرا دے سو اُس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ غفور ہے رحیم ہے۔ (۱۸۲)

مناسبت:......تقریباً یہاں سے اس سورۂ مبارکہ کا دوسرا نصف شروع ہو رہا ہے جب کہ پہلا نصف اصول دین اور بنی اسرائیل کی (اخلاقی وایمانی) برائیوں (کے تذکرہ) پر مشتمل تھا اور اس نصف کا اکثر حصہ فروعی احکام شرعیہ کے متعلق ہے۔ اور مناسبت کی وجہ یہ ہے کہ گزشتہ آیت میں رب تعالیٰ نے اس بات کو ذکر فرمایا ہے کہ یہ اہل کتاب اپنے دین میں بے حد اختلاف رکھتے ہیں اس بنا پر یہ لوگ ضد میں آکر نیکی سے بہت دور جا پڑے۔ ان کے اختلاف کا ایک سبب امر قبلہ تھا کیوں کہ اس میں انہوں نے بہت زیادہ شور ڈالا تھا (اور ناگفتنیاں کہیں تھیں) اور جب مسلمانوں کو کعبہ کی طرف قبلہ کر لینے کا حکم ملا تو ان پر بڑی نکیر کی اور یہود ونصاریٰ میں سے ہر ایک نے (اپنے اپنے زعم میں) یہ دعویٰ کر ڈالا کہ ہدایت ان کے قبلہ (ہی کی طرف منہ کرنے) میں ہے رب تعالیٰ نے ان پر رد فرمایا اور اس کو بیان فرمایا کہ سچی عبادت اور نیکی یہ کسی انسان کی مشرق یا مشرق (کو قبلہ سمجھ کر ان) کی طرف منہ کر لینے میں (ہی) نہیں بلکہ (نیکی اور سچی عبادت تو) رب تعالیٰ کی اطاعت کرنے، اس کے احکام کو ماننے اور سچا مضبوط ایمان لانے سے ہے۔

لغت:......اَلْبِرَّ: یہ سب اطاعتوں کا اور نیکیوں کا ایک جامع نام ہے۔ اَلرِّقَابِ: یہ رَقَبَۃ کی جمع ہے اس کا اصلی معنی گردن ہے اور اس کا سارے بدن پر اطلاق کیا جاتا ہے جیسے لفظ عین (آنکھ) کا اطلاق جاسوس پر کیا جاتا ہے اور آیت میں اس سے مراد قیدی اور غلام ہیں۔

اَلْبَاْسَآءِ: یعنی فقر (وافلاس اور تنگدستی وغربت)۔ اَلضَّرَّآءِ: یعنی بیماری اور درد (وتکلیف)۔ اَلْبَاْسِ: یعنی قتال (اور لڑائی وجنگ) اس کا اصلی لغوی معنی شدت (اور سختی) ہے۔ کُتِبَ: یعنی فرض کیا۔ اَلْقِصَاصُ: یعنی ویسی ہی سزا دینے کو کہتے ہیں (جس طرح کا جرم ہو) مثلاً قتل (کے بدلے قتل) اور زخم (کے بدلے زخم) یہ القص سے ماخوذ ہے جس کا معنی کسی کے آثار قدم کو تلاش کرنا ہے۔ (اسی معنی میں) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ (سورۃ القصص، ۱۱)

''اور (ام موسیٰ علیہ السلام نے) اس کی بہن سے کہا کہ اس کے پیچھے پیچھے چلی جا'' یعنی اس کے نشان قدم پر چلی جاؤ۔

اَلْقَتْلٰى:...... یہ قتیل کی جمع ہے (جس کا معنی مقتول ہے) اور اس لفظ (کے معنی) میں مذکر ومؤنث برابر ہیں چنانچہ رجل قتیل (مقتول مرد) بھی کہا جاتا ہے اور امرأۃ قتیل (مقتول عورت) بھی کہا جاتا ہے۔ اَلْاَلْبَابِ: یہ لُبّ کی جمع ہیں یعنی عقلیں۔ یہ لَبّ النخلۃ کھجور کے درخت میں شگوفہ یا کھجور میں گٹھلی کے لگنے'' سے ماخوذ ہے۔ اِثْمًا: گناہ۔ جَنَفًا: یہ غلطی سے حق سے ہٹنے کو کہتے ہیں۔

سبب نزول:......قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ''اہل جاہلیت سرکش (وظالم) اور شیطان کی اطاعت کرنے والے لوگ تھے۔'' چنانچہ ان میں سے

جو زندہ اور طاقتور ہوتا اور اس کا غلام کسی دوسرے کے غلام کو قتل کر دیتا تو وہ لوگ کہتے کہ ہم اس کی بدلے میں (غلام نہیں بلکہ تمہارے) آزاد ہی کو قتل کریں گے اور جب ان کی کوئی عورت دوسروں کی کسی عورت کو قتل کر دیتی تو وہ دوسرے کہنے لگتے کہ ہم اس کے بدلے میں (عورت نہیں بلکہ) مرد ہی کو قتل کریں گے تو اس پر رب تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى (الدر منثور ج ۱ ص ۱۷۳)

تفسیر: لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ: [1] یعنی نیکی اور عمل صالح فقط اسی بات میں نہیں کہ ایک انسان اپنی نماز میں مشرق یا مغرب کی طرف (ان جہتوں کو قبلہ سمجھ کر) منہ کر لے۔ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ: بلکہ صحیح نیکی وہ رب تعالیٰ پر اور روز آخرت پر ایمان لانا ہے۔ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ: اور یہ کہ وہ (سب) فرشتوں اور (تمام آسمانی) کتابوں اور (سارے) پیغمبروں اور رسولوں پر ایمان لائے۔ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى: یعنی وہ رب تعالیٰ کی محبت میں قریبی رشتہ داروں پر مال خرچ کرے کہ وہ نیکی کیے جانے کے زیادہ سزاوار ہیں۔ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ: اور ان یتیموں کو بھی مال دے جن کے والدین نہیں، اور ان مسکینوں کو بھی دے جن کے پاس کوئی مال نہیں، اور ان مسافروں کو بھی دے (کہ اثنائے سفر) جن کے پاس (کسی بھی وجہ سے) اپنا مال ختم ہو گیا ہے۔ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ: یعنی ان مانگنے والوں کو بھی (دیں) جو رفع حاجت کی مدد مانگتے ہیں اور فدیہ دے کر قیدیوں اور غلاموں کو آزاد کرانے میں بھی (خرچ کرے)۔ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ: یعنی وہ اسلام کے دو نہایت اہم ارکان نماز اور زکوٰۃ کو ادا کرے۔ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا: یعنی جو عہدوں کو پورا کرتے ہیں اور وعدہ خلافیاں نہیں کرتے۔ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ: یعنی جو (مصائب و) شدائد پر اور قتال فی سبیل اللہ (کے معرکۂ کارزار) میں ثابت قدم رہیں۔ یہ (لفظ صابرین) منصوب علی المدح ہے۔ [2] اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ: یعنی ان (مذکورہ بالا) اوصاف والے ہی وہ لوگ ہیں جو اپنے ایمان میں سچے اور تقویٰ میں کامل ہیں۔ اس آیت میں نیکوکاروں کی ثنا ہے اور انہیں ملنے والے (جنت کے) اطمینان اور (جنت کی) نیک سیرت اور خوبرو بیویوں کی طرف اشارہ ہے۔

قصاص اور دیت کا حکم

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى:

یعنی (اے مومنو!) تم کو اس بات حکم دیا جاتا ہے کہ قاتل سے مقتول (کے خون) کا کسی قسم کی زیادتی اور ظلم کے بغیر برابر سرابر قصاص لو۔

---

[1] اس آیت میں اصولی طور سے تمام احکام شرعیہ: اعتقادات، عبادات، معاملات اور اخلاق کا اجمالی ذکر آ گیا ہے اس کے بعد سورۂ بقرہ کے ختم تک تقریباً اسی آیت کی مزید تشریحات ہیں" (معارف القرآن ج ۱ ص ۴۳۲ بتصرف)

اس آیت کے مندرجات کی تفصیل کے لیے دیکھیں معارف القرآن ج ۱ ص ۴۳۲۔ ۴۳۳ وتفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۳۴۔ ۵۳۶ واحسن البیان ج ۱ ص ۳۰۷۔ ۳۱۰۔

[2] "یہاں اسلوب بدلا گیا کہ موفون کی طرح صابرون نہیں کہا بلکہ صابرین فرمایا۔

حضرات مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ نصب علی المدح ہے جس کی مراد یہ ہے کہ اس جگہ لفظ مدح (کا فعل) مقدر ہے اور صابرین اس کا مفعول ہے (جو منصوب ہے) یعنی ان سب نیکوکار لوگوں میں خصوصیت سے قابل مدح صابرین ہیں" (معارف القرآن ج ۱ ص ۴۳۳)

نصب: یہ کسی کلمہ کی وہ حالت ہے جو فعل کے اس پر واقع ہونے کے وقت ہوتی ہے اس کا اظہار کبھی حرکات یعنی زبر سے کیا جاتا ہے جیسے ضرب زید عبداً زید نے غلام کو مارا کہ یہاں عبداً پر فعل واقع ہوا ہے جس کا اظہار زبر کی حرکت کے ساتھ کیا گیا ہے جس کو فتحہ کہتے ہیں۔ نحوی ترکیب کے اعتبار سے عبداً کو منصوب علی الفتح کہیں گے اور کبھی اس کا اظہار حروف سے کیا جاتا ہے۔ جیسے رَاَيْتُ الْمُسْلِمِيْنَ میں نے مسلمانوں کو دیکھا۔ یہاں مسلمین پر فعل واقع ہوا ہے جس کا اظہار مسلمون کی واو کو یا سے بدل کر یا کی شکل میں کیا گیا ہے۔

اس کو منصوب علی الیا کہیں گے اور منصوب علی المدح کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ لفظ فعل مدح کا منصوب یعنی مفعول بہ ہے اور تقدیری عبارت یوں ہوگی "وامدح الصابرین خاصۃ" "اور میں خاص طور پر صابرین کی مدح کرتا ہوں" فقط واللہ اعلم اور منصوب اس کو کہتے ہیں جو مفعول ہونے کی علامت پر مشتمل ہو۔" (التسہیل السامی فی حل شرح الجامی ج ۱ ص ۲۲۲) اس کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیں درایۃ النحو، شرح الجامی اور التسہیل السامی" وغیرہ۔

اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى: ......یعنی فقط اس سے قصاص لو جس نے جنایت اور جرم کیا ہے لہٰذا جب کوئی آزاد کسی آزاد کو قتل کرے تو اس کے بدلے میں اسی آزاد کو قتل کرو اور جب کوئی غلام کسی غلام کو قتل کرے تو اسی غلام کو بدلے میں قتل کرو اسی طرح جب کوئی عورت کسی عورت کو مار ڈالے (تو اسی عورت کو بدلے میں مارو) کہ (یہ سب) برابر سرابر (ہو) اور اس میں کسی قسم کی زیادتی نہ ہو کہ تم غیر قاتل کو مار ڈالو۔ چنانچہ اگر کسی غیر قاتل سے بدلہ لیا گیا تو یہ قصاص نہیں بلکہ ظلم و زیادتی کہلائے گی۔ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ: یعنی جس کو اپنے مقتول بھائی کے خون سے کچھ چھوڑ دیا گیا (یعنی معاف کر دیا گیا) وہ یوں کہ قتل کا ولی یا تو قصاص (کا مطالبہ) ترک کر دے اور دیت لینے پر راضی ہو جائے (تو) فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ: معاف کرنے والے کے ذمّے یہ بات ہے کہ وہ قاتل کی پسندیدہ طریقہ سے (قرار دادکی) پیروی کرے وہ یوں کہ کسی قسم کی سختی اور فی الفور ادا کرنے کو کہے بغیر اس سے دیت کا مطالبہ کرے اور قاتل کے ذمے یہ بات ہے کہ وہ مقتول کے ولی (یعنی خون کے وارث) معاف کرنے والے کو کسی قسم کے ٹال مٹول اور حق تلفی کے بغیر دیت ادا کرے۔[1]

ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ: ......یعنی رب تعالیٰ نے تمہارے لیے معاف کرنے سے لے کر دیت ادا کرنے کے جو احکام مشروع کیے ہیں یہ رب تعالیٰ کی تم پر آسانی اور اس کی تم پر مہربانی ہے۔ چنانچہ دیت میں (جہاں) قاتل پر آسانی ہے (کہ وہ قتل کے بدلے میں قتل ہونے سے بچ گیا وہیں) مقتول کے اولیا کے لیے نفع (بھی) ہے (کہ انہیں دیت کا مال ملے گا جس کو وہ اپنے دنیاوی امور میں خرچ کریں گے)۔ (یہ) اسلام (کی خوبی ہے کہ اس) نے قتل کی سزا میں عدل (وانصاف) اور رحمت (اور معافی) کو یکجا کر دیا۔ چنانچہ اس نے (ایک طرف تو) خون کے وارثوں کو مطالبہ پر قصاص کا حق دیا یہ عدل (کا مقتضی) ہے اور (دوسری طرف) جب وہ قاتل کے قصاص کو ساقط کرنا چاہیں تو (ان کے لیے) دیت کو مشروع کیا اور یہ (عین) رحمت ہے۔ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ: یعنی جو دیت قبول کر لینے کے بعد (بھی) قاتل پر زیادتی کرے (مثلاً دیت لینے کے باوجود بھی اس کو قتل کر دے) اس کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہے۔[2]

قصاص کی مشروعیت کا مقصد

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ: یعنی اے عقل والو! یہ قصاص جو مشروع کیا گیا ہے اس میں تمہارے لیے حیات ہے کیوں کہ جس شخص کو اس بات کا علم ہو گا کہ اگر وہ کسی کو قتل کرے گا تو اس کے بدلے میں وہ بھی مارا جائے گا تو وہ قتل سے باز آ جائے گا یوں وہ اپنی زندگی بھی اور جس کو قتل کرنے کا اس نے ارادہ کیا تھا اس کی زندگی کو بھی بچائے گا، (یوں) اس (حکم قصاص) کے ذریعے خون محفوظ ہوں گے اور لوگوں کی زندگیوں کو تحفظ ملے گا۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ: یعنی شاید (قصاص کا حکم آ جانے کے بعد) تم رک جاؤ اور خدا کے حرام کردہ کاموں (کے ارتکاب) سے اور اس کی نافرمانیوں سے ڈر جاؤ۔

وصیت کا حکم

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا: ......یعنی جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت قریب آ جائے اور (اس وقت) وہ بہت سا مال چھوڑے جا رہا ہو تو اس پر یہ بات فرض ہے (کہ) اَلْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ: وہ والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لیے وصیت کر جائے۔

---

[1] علامہ حقانی رحمۃ اللہ علیہ اس پر نہایت عمدہ کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں، "جو مقتول کے وارث اپنے مسلمان بھائی قاتل کو قصاص معاف کر دیں اور کسی قدر مال پر راضی ہو جائیں اور دیت لینا قبول کر لیں تو چاہیے کہ سہولت اور دستور کو ملحوظ رکھیں یہ نہ ہو کہ اس پر باوجود تنگدستی کے فی الفور ادا کا تقاضا کریں بلکہ مہلت دیں اور نہ تو سختی کریں اور نہ اس کے بدلے خلاف شریعت کوئی مطالبہ کریں مثلاً ہم کو شراب دے یا جورو یا بیٹی کو حوالہ کر دے یا اپنے بیٹے کو ہماری غلامی میں دے دے وغیرہ اسی طرح قاتل کو بھی لازم ہے کہ ان کے احسانوں کو فراموش نہ کرے جو رقم قرار پا گئی ہو اس کو بلا حیلہ و بہانہ عمدہ طور سے ادا کرے۔ (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۳۷)

[2] قصاص کے تفصیلی احکام کے لیے دیکھیں تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۳۷۔ ۵۳۹، بیان القرآن ج ۱ ص ۱۰۰، معارف القرآن ج ۱ ص ۴۳۵۔ ۴۴۳۔

بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ: ......یعنی (وہ یہ وصیت دستور کے موافق) عدل کے ساتھ (کرے) جس کی صورت یہ ہے کہ وہ وصیت ایک تہائی (مال) سے زیادہ کی نہ ہو اور (دوسرے) یہ کہ وہ مالدار (رشتہ دار اور کسی بھی صاحب ثروت) کے لیے وصیت نہ کرے اور (اگر کرنی ہے تو) غریبوں (کے لیے وصیت) کو نہ چھوڑے، یہ خدا سے ڈرنے والوں پر ایک لازمی حق ہے، یہ وصیت کرنا آیت میراث کے نزول سے پہلے واجب تھا پھر جب آیت میراث نازل ہوئی تو اس نے یہ حکم منسوخ کر دیا۔[1] فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَمَا سَمِعَهٗ: یعنی جس وصیت کو وصی (وصیت کرنے والے) یا (اس کے) گواہ نے جاننے کے بعد بدل دیا۔ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ: تو اس بدلنے کا گناہ بدلنے والوں پر ہی ہوگا کیوں کہ ان لوگوں نے حکم شریعت کی مخالفت (بھی) کی ہے اور (اس میں) خیانت (بھی) کی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ: یہ وصیت بدلنے والوں کے لیے شدید وعید ہے (کہ وہ ان کی اس بددیانتی اور شریعت کی مخالفت کو دیکھ بھی رہا ہے اور سن بھی رہا ہے)۔ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا: یعنی جس کو یا تو (یقینی) علم ہوگیا یا اس کو اندازہ ہوا کہ یہ وصیت کرنے والے غلطی سے حق سے پرے ہو رہا ہے (یعنی وہ کسی وارث کی بے جا طرفداری کر رہا ہے)۔ اَوْ اِثْمًا: یا (یہ معلوم ہوا کہ وہ وصیت کنندہ) جان بوجھ کر حق سے ہٹا جا رہا ہے۔ فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ: یعنی اگر وہ (وصیت بدل کر وارثوں کے درمیان اور) وصیت کنندہ اور وارثوں کے درمیان صلح کرا دے تو اس (صورت میں اس) تبدیلی کرنے پر اسے کچھ گناہ نہ ہوگا۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ: یعنی وہ خدا اپنے عمل سے اصلاح کا ارادہ رکھنے والے کے لیے وسیع مغفرت و رحمت والا ہے۔

بلاغت: وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ: ......اس آیت میں خود ایمان لانے والے کو ہی کو نیکی قرار دیا گیا ہے یہ مبالغہ کے طور پر ہے، بلغا کے کلام میں یہ بات پائی جاتی ہے کیوں کہ آپ انہیں یہ کہتے سنیں گے: "السخاء حاتم والشعر زهير" (حاتم ہی سخاوت ہے اور زہیر[2] ہی شعر ہے) یعنی سخاوت (ہے تو) حاتم کی سخاوت ہے اور شعر ہے تو زہیر کا شعر ہے۔ (مشہور نحوی) سیبویہ نے بھی اپنی کتاب میں اس کا یہی مطلب اسی طرح بیان کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "ارشاد باری تعالیٰ: وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ"۔ یہ اصل میں "وَلٰكِنَّ الْبِرَّ بِرُّ مَنْ اٰمَنَ" ہے (یعنی نیکی تو اس کی نیکی ہے جو ایمان لے آئے)۔ (البحر المحیط ج۲ ص ۳)

اس کی نظیر تم (یوں بنا کر) کہہ سکتے ہو: ليس الكرم ان تبذل درهما ولكن الكرم بذل الالاف "سخاوت یہ نہیں کہ تو ایک درہم خرچ کرے بلکہ سخاوت تو یہ ہے کہ کوئی ہزاروں (درھم) خرچ کرے" یہاں: ولكن الكريم من يبذل الالاف کہنا (بلاغت کے

---

[1] اس حکم کے تین جز ہیں۔ ایک یہ کہ مرنے والے کے ترکہ میں اولاد کے سوا کسی دوسرے وارث کے حصے مقرر نہیں۔ ان کے حصوں کا تعین مرنے والے کی وصیت کی بنیاد پر ہوگی۔ دوسرے یہ کہ مرنے والے پر اقارب کے لیے وصیت کرنا فرض ہے۔ تیسرے یہ ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت جائز نہیں۔

پہلا حکم تو اکثر صحابہ و تابعین کے نزدیک آیت میراث کی وجہ سے منسوخ ہے جو یہ ہے لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۪ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ۭ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝ (سورۃ النساء۔ ۷)

"جو مال ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ مریں تھوڑا ہو یا بہت اس میں مردوں کا بھی حصہ ہے اور عورتوں کا بھی، یہ حصے (خدا کے) مقرر کیے ہوئے ہیں۔" لہٰذا امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ جن رشتہ داروں کا میراث میں کوئی حصہ مقرر نہیں ان کے لیے میت پر کوئی وصیت کرنا لازم نہیں۔ (جصاص۔ قرطبی) اور جن کے لیے حصہ مقرر ہے ان کی لیے وصیت منسوخ ہوگئی۔ (جصاص۔ قرطبی)

دوسرا حکم بھی حجۃ الوداع کی حدیث متواتر کی وجہ سے منسوخ ہے۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں "اللہ تعالیٰ نے ہر ایک حق والے کو اس کا حق خود دے دیا ہے اس لیے اب کسی وارث کے لیے وصیت جائز نہیں۔" (ترمذی)

جب کہ تیسرا حکم کہ ایک تہائی مال تک وصیت کر سکتے ہیں وہ اب بھی باقی ہے۔" (معارف القرآن ج ۱ ص ۴۳۹۔ ۴۴۰ ملخصاً و بتصرف)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیں حوالہ بالا و "بیان القران ج ۱ ص ۱۰۱۔ ۱۰۲ و تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۴۰" و تفسیر مظہری ج ۱ ص ۲۳۲۔ ۲۳۵ اردو۔۔

[2] زہیر کا تعرف گزشتہ میں گزر گیا ہے۔ حاتم طائی (اس کا انتقال چھٹی صدی عیسوی کے اواخر میں ہوا) یہ جاہلی شاعر ہے جو اپنی شجاعت اور سخاوت و کرم میں بے حد مشہور تھا حتیٰ کہ اس کی سخاوت ضرب المثل بن گئی۔ اس کا ایک دیوان بھی ہے۔ (المنجد الاعلام العربی ص ۲۱۱ کالم نمبر ۱)

اعتبار سے) مناسب نہیں۔

وَفِي الرِّقَابِ: اس میں حذف کے ذریعے ایجاز ہے یعنی (اصل عبارت) وَفِي فَكِّ الرِّقَابِ ہے۔ اور علامہ جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ترجمہ میں اس کا لحاظ کیا ہے۔ وہ اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں، ''اور گردنوں (کے چھڑانے) میں'' کہ فک کا معنی ''چھڑانا'' ہے۔)

اور مطلب یہ ہے کہ (وہ) قیدیوں (کو چھڑانے) کا فدیہ (دیتے ہیں)۔ اور لفظ رقاب میں ''مجاز مرسل'' ہے کہ رقبہ (گردن) بول کر پورا وجود مراد لیا ہے۔ یہ جز بول کر کل مراد لینے کی قبیل سے ہے۔

وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ:...... اصل یہ ہے کہ یہ بھی وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ کی طرح (اَلصَّابِرُوْنَ کے لفظ کے ساتھ) [1] مرفوع آتا لیکن منصوب علی الاختصاص ہے (کہ یہاں اخص فعل مقدر ہے جس کا یہ منصوب یعنی مفعول بہ ہے)۔ یعنی اخص بالذکر الصابرین ''میں خاص طور پر صابرین کا ذکر کرتا ہوں'' [2] اور بلغا کے درمیان (تعبیر کا) یہ اسلوب معروف ہے کہ جب مدح یا ذم کی صفات کو ذکر کیا جا رہا ہوتا تو (اثنائے کلام) [3] اعراب کو بدلا جاتا ہے، یہ تفنن (یعنی مختلف ڈھنگوں اور خوش اسلوبی سے کلام کرنا) ہے جس کو قطع کہتے ہیں کیوں کہ مانوس اور مستعمل (طرز) کو بدلنا اس کی شان کے مزید اہتمام اور اس کے سننے کا مزید شوق دلانے پر دلالت کرتا ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا:...... اس جملہ میں فعل ماضی خبر بن کر آیا ہے جو صَدَقُوْا ہے تاکہ تحقیق کا فائدہ دے (کہ یہ لوگ بالتحقیق سچے ہیں) کہ بے شک یہ بات ان سے ہوئی ہے اور یہ (دائمی اور) ثابت ہے۔ جب کہ دوسرے جملہ میں خبر جملہ اسمیہ کی شکل میں آئی ہے جو اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ: تاکہ یہ ثبوت کے ساتھ ساتھ اس بات پر دلالت کرے کہ ان میں یہ صفت تجدد [4] کے ساتھ نہیں بلکہ یہ ان کی عادت اور طبیعت بن گئی ہے اور دوسرے اس میں ''فاصلہ'' کی بھی رعایت ہے۔ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ (اس میں) متقین کا ذکر یہ تھییج اور الھاب [5] کے باب سے ہے۔ (یہاں) اتباع اور اداء میں، الحر اور العبد میں (علم بیان کی صنعت) طباق [6] ہے۔

فوائد:...... پہلا فائدہ:۔ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ:۔ اس ارشاد میں رب تعالیٰ نے قاتل کو مقتول کے ورثا کا بھائی ارشاد فرمایا ہے کہ یہاں اخوت کا ذکر ایسی شفقت ہے جو معاف کر دینے کی داعی ہے اور اس میں اخوت دینیہ اور بشریہ (دونوں) کا یاد دلانا ہے تاکہ دونوں میں سے ہر ایک دوسرے پر شفقت کرنے کے جذبہ کو مہیز کرے تاکہ (قاتل وارثان مقتول) دونوں میں معاف کرنا، دستور کے مطابق مقدمہ کی پیروی اور (دیت طے پانے کی صورت میں) ادائیگی میں خوش خوئی ہو۔

دوسرا فائدہ:...... بنی اسرائیل میں قصاص (کا تو حکم) تھا مگر دیت (مشروع) نہ تھی اور نصاریٰ میں دیت تھی مگر قصاص نہ تھا۔ اس امت محمدیہ پر رب تعالیٰ نے کرم فرمایا کہ اس کو دیت، معاف کرنے اور قصاص میں اختیار دیا۔ یہ نبی کریم سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی روشن شریعت کی آسانیوں میں سے ہے۔

قصاص کی حکمت

تیسرا فائدہ:...... علمائے بیان کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ارشاد خداوندی: وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ: بلاغت کے نہایت بلند درجے پر ہے۔ اسی معنی میں عربوں میں ایک قول منقول تھا: القتل انفی للقتل ''قتل قتل کو زیادہ دور کرنے والا ہے'' (کہ اس سے قتل کی روک تھام ہوتی ہے)

---

[1] مرفوع اس اسم کو کہتے ہیں جو فاعلیت کی علامت پر مشتمل ہو یہ علامت کبھی حرف کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے جیسے پیش جس کو نحو میں ضمہ کہتے ہیں جیسے ضرب زید کہ اس میں فاعلیت کی علامت ضمہ ہے اور کبھی یہ حروف مثلاً واو کے ساتھ ہوتی ہے جیسے الموفون میں واو ہے۔ اس کی تفصیل کے لیے دیکھیں ''التسہیل السامی ج ۱ ص ۱۴۶-۱۴۹

[2] منصوب علی المدح اور منصوب علی الاختصاص میں کوئی تعارض نہیں کہ دونوں میں خصوصیت کا پہلو ہے جو یہاں مقصود ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

[3] اعراب: کسی کلمہ کے آخر کی اس حرکت یا حرف کو کہتے ہیں جو اس کے شروع کے عوامل کے بدلنے سے بدلتی ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ کلمہ کے آخر میں رفع یا نصب یا جر ہے جس سے فاعلیت یا مفعولیت یا اضافت کا معنی معلوم ہو۔ اور ان اعراب کا ورود ایک کلمہ پر باری باری اور بدلیت کے طور پر آتا ہے کیوں کہ یہ تینوں معانی اپنے تضاد کی وجہ سے ایک ساتھ نہیں آسکتے۔ (التسہیل السامی ج ۱ ص ۶۷-۶۹ ملخصاً و بتصرف)

[4] یعنی نو پید نہیں بلکہ فطری جبلت کا حصہ ہے۔ نسیم۔ [5]، [6] ان تینوں کی تعریف و تفصیل گزر گئی ہے۔

لیکن حسن بیان میں قرآن کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ اس نے (حکم کے ساتھ ساتھ اس کی) حکمت کو بھی بیان کیا ہے (کہ عربوں کے محاورہ میں اس کی حکمت درج نہیں جب کہ قرآن قصاص کے حکم کی حکمت یہ بیان کرتا ہے کہ اس میں معاشرے کی حیات ہے) اور جب تو یہ معلوم کرنا چاہے کہ قرآن کی بلاغت کو کیا فضیلت حاصل ہے اور اس کے مرتبہ کی بلغائے بشر کے کلاموں کے مرتبہ پر کس قدر بلندی ہے تو تو ذرا ان دونوں عبارتوں میں (قرآن کی عبارت میں بھی اور عربوں کے اس قول میں بھی) غور کر تو تو (قرآنی) اعجاز (کی خوشبوؤں) کے ان جھونکوں کو پائے گا جو تمہیں چونکا دیں گے اور تو (بے اختیار اس بات کی) گواہی دینے لگے گا کہ مالک وخالق اور مخلوق کے کلام میں (بڑا واضح) فرق ہے۔ قرآنِ حکیم کی حکمت یہ ہے کہ اس نے قصاص کو جو برابری کے طور پر سزائے قتل ہے، (معاشرے کی) زندگی کا سبب ٹھہرایا ہے جب کہ عربی محاورہ میں قتل کو (نہ کہ قصاص کو) حیات کا سبب قرار دیا ہے۔ جب کہ بعض قتل ظلماً بھی ہوتے ہیں جو فنا کا سبب ہوتے ہیں (نا کہ حیات کا) اس عربی محاورہ کو درست کرتے ہوئے یوں کہہ سکتے ہیں: القتل قصاصًا ظلمًا انفی للقتل کہ بطور قصاص کے قتل قتل کو زیادہ ختم کرنے والا ہے" (نا کہ محض قتل)۔

پھر آیت میں الفاظ کا تکرار بھی نہیں جب کہ عربی محاورہ میں لفظ قتل کا تکرار ہے۔ اس تکرار سے عبارت میں وہ بوجھل پن آ گیا جس سے آیت قرآنی سلامت ہے۔ ان میں ایک باریک فرق یہ بھی ہے کہ آیت نے قصاص کو حیات کا سبب قرار دیا ہے جب کہ محاورہ نے قتل کو قتل کی نفی کا سبب قرار دیا ہے اس سے (معاشرے کی) حیات لازم نہیں آتی۔ غرض علمائے کرام نے اس آیت اور اس عربی محاورہ میں بیس فرقوں کو شمار کیا ہے (جن میں آیت کی معنوی فضیلت و برتری ثابت ہوتی ہے جس سے یہ محاورہ خالی ہے) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو "الاتقان فی علوم القرآن" میں ذکر کیا ہے۔ آپ اس کو دیکھیں کہ اس میں آپ بیمار کے لیے شفا پائیں گے۔[1]

روزے کی فرضیت اور حکمت

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ

[1] اس کو قرآن کا اعجاز کہتے ہیں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ "ساری انسانیت کا فرد فرد کے، گروہ گروہ کا اس کی مثل لانے سے عاجز ثابت کرنا ہے۔" (نسیم البیان ص ۳۰۳) اعجاز قرآن کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیں بندہ عاجز محمد آصف نسیم کی شرح "نسیم البیان ص ۲۹۱ تا ۳۰۷"۔ مذکورہ بالا آیت میں قرآن کا اعجاز یہ معانی کی تکمیل کے ساتھ الفاظ کا اعتدال کہلاتا ہے۔ قرآن کے اس اعجاز قصر و ایجاز اور اختصار و اعتدال اور قلت الفاظ مع کثرت معانی کی یہ ایک نہایت عمدہ مثال ہے اس کو "ترکیب کا اعجاز" بھی کہتے ہیں۔ علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم اس کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں: "قرآن کریم کے جملوں کی ترکیب، ساخت اور نشست کا اعجاز بھی اوج کمال پر ہے۔ قرآن کے جملوں کے دروبست میں وہ شوکت، سلامت اور شیرینی ہے کہ اس کی نظیر پیش نہیں کی جاسکتی ہے" (علوم القرآن، ص ۲۵۹)
اس آیت کریمہ اور عربوں کے اسی طرح کے دیگر محاوروں کے درمیان نہایت دلچسپ موازنہ کے لیے کہ جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں دیکھیں "نسیم البیان ص ۳۵۷-۳۵۹"۔

لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۠ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۠ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

ترجمہ: ......اے ایمان والو! فرض کیے گئے تم پر روزے جیسا کہ فرض کیے گئے ان لوگوں پر جو تم سے پہلے تھے تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔﴿۱۸۳﴾ چند دن کے روزے رکھ لو سو جو شخص تم میں سے مریض ہو یا سفر پر ہو تو دُوسرے دِنوں کی گنتی کر کے روزے رکھ لے۔ اور جن لوگوں کو روزہ رکھنے کی طاقت ہے ان کے ذمہ ہے فدیہ ایک مسکین کے کھانے کا، پس جو شخص اپنی خوشی سے کوئی خیر کا کام کرے تو وہ اس کے لیے بہتر ہے اور یہ کہ تم روزہ رکھو تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔﴿۱۸۴﴾ رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور ہدایت کے بارے میں اس کے بیانات خوب واضح ہیں اور حق و باطل کے درمیان فرق ظاہر کرنے والے ہیں سو جو شخص تم میں سے اس ماہ میں موجود ہو وہ اس میں روزہ رکھے اور جو شخص مریض ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دِنوں کی گنتی کر کے روزے رکھ لے، اللہ تمہارے لیے آسانی کا ارادہ فرماتا ہے، دشواری کا اِرادہ نہیں فرماتا اور تا کہ تم گنتی پوری کیا کرو اور تا کہ تم اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اُس نے تم کو ہدایت دی اور تا کہ تم شکر کرو۔﴿۱۸۵﴾ اور جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں سو بلاشبہ میں قریب ہوں، دُعا کرنے والے کی دُعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دُعا کرے، سو وہ میرے احکام کو قبول کریں اور مجھ پر یقین رکھیں تا کہ وہ نیک راہ پر رہیں۔﴿۱۸۶﴾ حلال کیا گیا تمہارے لیے روزوں کی راتوں میں بیویوں میں مشغول ہونا، وہ لباس ہیں تمہارے لیے اور تم ان کا لباس ہو، اللہ نے جان لیا کہ بلاشبہ تم اپنے نفسوں کی خیانت کرتے تھے سو اُس نے تمہاری توبہ قبول فرمائی اور تم کو معاف فرما دیا، سو اب اُن سے میل ملاپ کرو، اور تلاش کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے، اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تمہارے لیے سفید تاگہ سیاہ تاگہ سے ممتاز ہو کر ظاہر ہو جائے، یعنی فجر کا تاگہ، پھر تم روزے پُورے کرو رات تک اور بیویوں سے میل ملاپ نہ کرو اِس حال میں کہ تم اعتکاف کیے ہوئے ہو مسجدوں میں۔ یہ اللہ کی حد بندیاں ہیں لہٰذا ان کے پاس نہ بھٹکو اِسی طرح اللہ بیان فرماتا ہے لوگوں کے لیے اپنی آیات تا کہ لوگ پرہیزگار بنیں۔﴿۱۸۷﴾

مناسبت: ......گزشتہ آیات میں رب تعالیٰ نے قصاص کا حکم بیان فرمایا، پھر اس کے بعد والدین اور رشتہ داروں کے لیے وصیت کرنے کے حکم کو بیان کیا۔ آگے روزے کے احکام کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا کیوں کہ سورت کریمہ کا یہ حصہ احکام تشریعیہ کے ایک حصے پر مشتمل ہے جب روزہ ایک اہم (فرض) رکن تھا تو رب تعالیٰ نے اس کو یہاں ذکر کیا تا کہ بندوں کو منازل قدس اور نیکوکار متقین کے بلند رتبوں تک رسائی کو آسان کرے۔

لغت: الصِّيَامُ: ......اس کا لغوی معنی کسی شی سے رکنا ہے۔ ابوعبیدہ کہتے ہیں، کہ "کھانے پینے، بولنے اور چلنے پھرنے سے جو بھی رک گیا وہ صائم ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے کہ:

خيل صيام وخيل غير صائمة   تحت العجاج واخرى تعلك اللّجما

ترجمہ: ......"گھوڑے (کبھی) چارہ (اور دانہ دنکا) نہیں کھاتے اور کھڑے رہتے ہیں اور (کبھی) وہ ایسا نہیں کرتے یورش کی گرد و غبار کے نیچے (کہ دانہ دنکا اور چارہ کھاتے ہیں) اور کبھی اپنی لگام چباتے ہیں۔"

اور اس کا شرعی معنی دن میں (قربت اور ثواب کی) نیت کے ساتھ (طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب تک) کھانے پینے اور مباشرت سے

رکنا ہے۔ يُطِيقُونَهُ: یعنی وہ تنگی اور مشقت کے ساتھ روزہ رکھتے ہوں۔
امام راغب فرماتے ہیں: طاقت: یہ (ہمت کی) اس مقدار کو کہتے ہیں جو انسان کے لیے مشقت کے ساتھ کسی شی کے کرنے کو ممکن بناتی ہے اور "طاقت" کو اس طوق کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے جس نے کسی شی کا احاطہ کیا ہو"۔ (مفردات القرآن ص ۳۱۲)
فِدْيَةٌ: ...... یہ اس مال یا کسی اور اس شی کو کہتے ہی جو انسان اپنی جان کے بدلے دیتا ہے۔ شَهْرُ: یہ اشتہار سے ہے اور ظہور (یعنی ظاہر ہونے) کو کہتے ہیں۔ رَمَضَانَ: یہ رمض سے ہے جو گرمی کی شدت کو کہتے ہیں اور تیز چلچلاتی دھوپ کو رمضاء کہتے ہیں اور رمضان کو اس لیے رمضان کہتے ہیں کہ یہ گناہوں کو جلا دیتا ہے۔[1] رَفَثُ: یہ جماع و مباشرت اور اس کے اسباب و محرکات کو کہتے ہیں۔ اس کا اصلی معنیٰ "بے حیائی کی بات" ہے، پھر کنایۃً جماع کو رفث کہا جانے لگا۔ ایک شاعر کہتا ہے:

ویرین من انس الحدیث زوانیا ۔ وبھن عن رفث الرجال نفاز

ترجمہ: ......"وہ (نازنینیں اپنی) عشقیہ باتوں سے تو زنا کار عورتیں لگتی ہیں حالاں کہ انہیں مردوں کی بے حیائی کی باتوں سے نفرت ہے۔"
تَخْتَانُونَ: ......(ابن منظور) لسان العرب[2] میں کہتے ہیں، کہ (یہ اِخْتَانَ سے ہے) اور خَانَهُ اور اِخْتَانَهُ (ان دونوں کا معنی ایک ہے) اور (اسی طرح) المخانة (کہ) یہ (تینوں کے تینوں) خیانة سے مصدر ہیں اور خیانت یہ امانت کی ضد ہے۔ کسی سے تلوار کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ اَخُوكَ وَاِنْ خَانَكَ تلوار تیرا ساتھی ہے اگر چہ تجھ سے خیانت کر جائے (یعنی نشانہ سے اچٹ جائے جس سے دشمن کو وار کرنے کا موقع مل جائے کہ اس صورت میں تلوار کچھ کام نہ آئی)۔ عٰكِفُوْنَ: (یعنی اعتکاف کرنا) اعتکاف لغت میں ٹھہرنے اور لازم ہونے کو کہتے ہیں اور اس کا شرعی معنی عبادت کی غرض سے مسجد میں ٹھہرنا ہے۔ حُدُوْدُ اللهِ: حد کا لغوی معنی منع کرنا ہے۔ اور اس کا اصلی معنی دو متقابل (یعنی آمنے سامنے کی) اشیا کے درمیان رکاوٹ اور آڑ ہے، شرعی احکام کو اس لیے حدود کہتے ہیں کہ یہ حق اور باطل کے درمیان آڑ ہیں۔
سببِ نزول: ......روایت کیا جاتا ہے کہ بدویوں کی جماعت نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کرتے ہوئے کہا، کہ "اے محمدؐ! ہمارا پروردگار ہم سے قریب ہے کہ ہم سرگوشی کے ساتھ اس سے بات چیت کر لیں یا ہم سے دور ہے کہ اس کو پکار کر آواز دیں؟ تو اس پر رب تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ

---

[1] یہاں سے عوام میں پھیلی اس غلط بات کی اصلاح بھی ہوگئی کہ رمضان کو اس لیے رمضان کہتے ہیں کہ یہ شدید گرمی میں مشروع ہوا تھا اور ایک قول یہ بھی مشہور ہے کہ یہ گرمیوں میں آتا ہے حالاں کہ رمضان شدید سردیوں میں بھی آتا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

[2] لسان العرب: یہ لغت کی شہرۂ آفاق معجم ہے جس کے مولف ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم الافریقی المصری الانصاری الخزرجی الرویفعی (۶۳۰۔ ۷۱۱ھ/ ۱۲۳۳۔ ۱۳۱۱ء) ہیں جو ابن منظور کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں حضرت رویفع بن ثابت رضی اللہ عنہ صحابی رسول کے خاندان سے ہیں۔ مصر کے بڑے اور علم دوست گھرانے کے چشم و چراغ جلیل القدر ادیب اور لغت عربی کے ماہر تھے۔ قاہرہ میں پیدا ہوئے، ابن المقیر اور مرتضیٰ بن حاتم وغیرہ سے حدیث سنی، مصر و دمشق میں روایت کی علامہ سبکی، علامہ ذہبی اور علامہ برزالی جیسے عظیم محدثین نے ان سے روایت کی ہے۔
نحو و لغت کے امام، تاریخ کے جید عالم اور بڑے زود نویس تھے۔ اشعار سے چنداں مناسبت نہ تھی۔ کامیاب مدرس رہے، مشہور عالم شاگرد پیدا کیے۔ کئی کتابوں کی خاص طور پر کتب ادب کی تلخیص کی۔ زبان شگفتہ، سلیس اور رواں تھی۔ تاریخ دمشق لابن عساکر اور تاریخ بغداد للخطیب بغدادی کی تلخیص و اختصار آپ ہی نے کی۔
لیکن آپ کا سب سے گراں قدر شاہکار "لسان العرب" ہے جو عربی زبان کی انتہائی ضخیم، اہم جامع ترین، دقیق ترین اور اصل عربی مراجع میں شمار کی جانے والی معجم ہے۔ معاصرین علما نے اس کی توثیق کی اور اس کو قابل اعتماد مراجع میں سرفہرست رکھا۔
علامہ ابن منظور نے اپنی اس ضخیم اور مبسوط لغت کی تالیف کے لیے بدویوں سے الفاظ کے معانی و مطالب دریافت کرنے کی لیے طویل طویل سفر کیے۔ اس لغت کی ترتیب علامہ جوهری کی الصحاح کے طریقہ پر الفاظ کے آخری حروف کے طریقہ پر ہے۔ الفاظ کی تشریح و توضیح میں قرآن و حدیث آثار صحابہ، خطبات محاورات اور امثال و اشعار سے استشہاد کیا گیا ہے۔ سترہ سو ۱۷۰۰ اشعرا کے نام اور چالیس ہزار اشعار کے مجموعہ کے ساتھ قدیم شعرا کے اہم اور نادر اشعار کا ایک عمدہ مجموعہ ہے۔ (القاموس الوحید ص ۵۱۔ ۶۰ ملخصاً)

تفسیر: يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا:...... رب تعالیٰ نے اہل ایمان کو ایمان کے لفظ کے ساتھ پکارا تا کہ ان میں اطاعت کے احساسات (وجذبات) کو تحریک دے اور ان میں ایمان کی چنگاری کو بھڑکائے (اور روشن کرے)۔ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ: یعنی تم پر رمضان کے مہینے کے روزے فرض کیے گئے ہیں۔ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ: یعنی جس طرح تم سے پہلی امتوں پر فرض کیے گئے۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ: یعنی تا کہ تم خدا سے ڈرنے والے ان لوگوں میں سے ہو جاؤ جو اس کی حرام کردہ باتوں سے اجتناب کرتے ہیں۔

روزے کے چند احکام

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ:...... یعنی وہ روزے گنتی کے چند روز کے ہوں گے اور تم پر ہمیشہ کے لیے فرض نہ ہوں گے۔ ایسا تمہارے ساتھ رحمت اور آسانی کے لیے کیا گیا ہے۔ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ: یعنی جو بیمار تھا یا سفر میں تھا، جس کی وجہ سے اس نے روزے نہ رکھے تو اس کو دوسرے دنوں میں اتنے روزے رکھنا ذمے ہے جتنے اس نے (اس سفر یا مرض کے عذر کی وجہ سے) قضا کیے تھے۔ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ: یعنی جو لوگ بڑھاپے یا (کسی مرض وغیرہ کی) کمزوری کی وجہ سے مشقت کے ساتھ روزے رکھ سکتے ہوں جب وہ نہ رکھیں تو ان کے ذمے ہر دن کے (چھوڑے ہوئے روزے کے) بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلانے کے بقدر فدیہ ہے۔ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا: یعنی جس کسی نے فدیہ کی اس مذکورہ مقدار میں اضافہ کر دیا (کہ ایک کے بدلے میں دو مسکینوں کو کھانا کھلا دیا)۔ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ: (تو یہ اس کے حق میں زیادہ اچھا ہے) آگے رب تعالیٰ فرماتے ہیں: وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ: یعنی اگر تم روزے کی فضیلت اور اس کے اجر کو جانتے ہو تو فدیہ اور (مشقت کی وجہ سے) روزہ رکھنے سے (بہر حال) روزہ رکھنا (ہی) تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے۔ آگے رب تعالیٰ روزے کے وقت کو بیان فرماتے ہیں، چنانچہ ارشاد ہے۔

رمضان نزول قرآن کا مہینہ ہے

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْۤ[1] اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ:...... "یعنی اے مومنو! جن چند گنتی کے ایام کے روزے میں نے تم پر فرض کیے ہیں وہ رمضان (المبارک) کا وہ مہینہ ہے جس میں نزول قرآن کی ابتدا ہوئی ہے جس کا حال[2] ہے یہ کہ یہ لوگوں

---

[1] اصل کتاب میں غلطی سے الذین چھپ گیا ہے۔ دیکھیں صفوۃ التفاسیر ج ۱ ص ۹۹۔ نیم [2] حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ھدیً کو وصف کہا ہے اور علامہ موصوف نے حال۔ حال ہیئت طاریہ کو کہتے ہیں جو عارضی اور معرض زوال میں ہوتی ہے جب کہ صفت، وصف لازم ہوتا ہے جو کسی حال میں بھی موصوف سے جدا نہیں ہوتا۔ اس لحاظ سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تعبیر، "قرآن مجید (لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر) بھیجا گیا ہے جس کا (ایک) "وصف" یہ ہے کہ لوگوں کے لیے (ذریعۂ) ہدایت ہے......" علامہ موصوف کی مذکورہ بالا تعبیر سے زیادہ بلیغ اور قرآن کے زیادہ مناسب ہے۔ واللہ اعلم، نیم۔ دیکھیں بیان القرآن ج ۱ ص ۱۰۴۔ اور حال اور صفت کی تعریف کے لیے دیکھیں "التسہیل السامی" اب ذیل میں ہم نزول قرآن کے بارے میں "علوم القرآن" سے اختصار کے ساتھ ایک مضمون لکھ دیتے ہیں۔

تاریخ نزول قرآن:...... قرآن کریم دراصل کلام الٰہی ہے اس لیے ازل سے لوح محفوظ میں موجود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ○ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿۲۲﴾ (سورۃ البروج، ۲۲) "بلکہ یہ قرآن مجید ہے لوح محفوظ میں"۔ پھر لوح محفوظ سے اس کا نزول دو مرتبہ ہوا ہے۔ ایک مرتبہ یہ پورا کا پورا آسمان دنیا کے "بیت عزت" میں نازل کر دیا گیا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تھوڑا تھوڑا کر کے حسب ضرورت نازل کیا جاتا رہا جس کی تکمیل تئیس سال میں ہوئی۔ قرآن کریم میں نزول کے لیے دو لفظ استعمال ہوئے ہیں ایک "انزل" اور دوسرا "تنزیل" انزال کسی چیز کے دفعۃً ایک ہی مرتبہ نازل کر دینے کو کہتے ہیں اور تنزیل کا معنی ہے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنا۔ چنانچہ قرآن کریم میں انزل کا لفظ جہاں کہیں بھی استعمال ہوا ہے اس سے مراد عموماً وہ نزول ہے جو لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف ہوا۔

ارشاد ہے: اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ (سورۃ الدخان۔ ۲) "بلاشبہ ہم نے اس کو ایک مبارک رات میں اتارا"۔

اور تدریجی نزول کی طرف لفظ تنزیل سے اشارہ فرمایا ارشاد ہے: وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿۱۰۶﴾ (سورہ بنی اسرائیل۔ ۱۲)

"اور قرآن کو ہم نے متفرق طور سے اس لیے اتارا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا۔"

نزول قرآن کی یہ دو صورتیں خود قرآن کریم کے انداز بیان سے بھی واضح ہیں اور حاکم، نسائی، بیہقی، ابن ابی شیبہ طبرانی اور ابن مردویہ رحمہم اللہ وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے متعدد روایتیں نقل کی ہیں جن کا خلاصہ یہی ہے کہ قرآن کا پہلا نزول یکبارگی آسمان دنیا پر ہوا اور دوسرا بتدریج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ)

کے لیے ہدایت ہے کیوں کہ اس میں (دارین کی فوز و فلاح کی طرف) راہنمائی، (وعظ و نصیحت اور بیان کا) اعجاز اور حق اور باطل میں فرق کر دینے والی واضح نشانیاں ہی۔ فَمَنۡ شَهِدَ مِنۡكُمُ الشَّهۡرَ فَلۡيَصُمۡهُ: یعنی تم میں سے جو اس مہینے میں موجود ہو چاہیے کہ وہ (پورے مہینے کے) روزے رکھے۔ وَمَنۡ كَانَ مَرِيۡضًا اَوۡ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنۡ اَيَّامٍ اُخَرَ: یعنی جو مریض یا مسافر ہو اور اس نے (سفر یا مرض کے عذر کی وجہ سے) روزہ چھوڑ دیا تو اس پر دوسرے ایام کے روزے رکھ (کر انہیں پورا کرنا) ضروری ہے۔ اس حکم کو اس لیے دہرایا کہ "شہود شہر" (ماہ رمضان میں ہونے) کے لفظ کے عموم سے اس کے منسوخ ہونے کا وہم نہ ہو۔ يُرِيۡدُ اللّٰهُ بِكُمُ الۡيُسۡرَ وَلَا يُرِيۡدُ بِكُمُ الۡعُسۡرَ: یعنی اس رخصت دینے سے رب تعالیٰ تم پر آسانی کرنا چاہتے ہیں نہ کہ تنگی۔ وَلِتُكۡمِلُوا الۡعِدَّةَ: اور (یہ آسانی کا حکم) اس لیے (دیا گیا ہے) کہ تم چھوڑے ہوئے روزوں کی قضا دے کر رمضان کے مہینے کے روزے پورے کر لو۔ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰٮكُمۡ: یعنی تم رب تعالیٰ کا اس بات پر شکر ادا کرو کہ اس نے تمہیں دین کے نشانات کی راہنمائی کی۔ وَلَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ: اور تا کہ تم رب تعالیٰ کے فضل و احسان کا شکر یہ ادا کرو۔ آگے رب تعالیٰ یہ بات بیان کر رہے ہیں کہ وہ (پکارنے والوں کے) قریب ہے اور وہ ان کی دعائیں قبول کرتا ہے اور مانگنے والوں کی حاجتیں پوری کرتا ہے۔ ارشاد ہے۔

اللہ سب کی دعائیں سنتا ہے وہ شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىۡ عَنِّىۡ فَاِنِّىۡ قَرِيۡبٌ: (یعنی جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو کہہ دو کہ) میں ان کے ساتھ ہوں اور ان کی دعا سنتا ہوں اور میں ان کی آہ وزاری (اور رونا اور گڑگڑانا) دیکھ رہا ہوں اور ان کے حال کو جانتا ہوں۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَيۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِيۡدِ (سورہ ق، ۱۶) "اور ہم اس کی رگ جان سے بھی اس سے زیادہ قریب ہیں۔"

اُجِيۡبُ دَعۡوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ: ...... یعنی میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں جو مجھے پکارتا ہے جب کہ وہ ایمان اور دل کے خشوع و خضوع کے ساتھ مجھے پکارتا ہے۔ فَلۡيَسۡتَجِيۡبُوۡا لِىۡ وَلۡيُؤۡمِنُوۡا بِىۡ لَعَلَّهُمۡ يَرۡشُدُوۡنَ﴿۱۸۶﴾ یعنی جب میں تمہارا وہ پروردگار ہوں جو تم سے بے پرواہ ہے اور تمہاری دعاؤں کو میں قبول کرتا ہوں تو تم بھی میرے اوپر ایمان لے آنے اور میری اطاعت کرنے کی میری دعوت کو قبول کرو اور ایمان پر قائم اور اس پر کاربند رہو تا کہ تم ہدایت یافتہ سعادت مندوں میں سے بنو۔ آگے رب تعالیٰ (بندوں کے اپنے) قریب ہونے اور (ان کی) دعا (کے قبول کرنے) کے ذکر کے بعد روزوں کے احکام کا تتمہ بیان کر رہے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

رمضان کی راتوں میں قربت و جماع کی رخصت

اُحِلَّ لَكُمۡ لَيۡلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمۡ: ...... یعنی اے روزہ دارو! روزوں کی راتوں میں تمہارے لیے عورتوں کے پاس جانا (اور ان سے

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) پہلا نزول: ...... ان روایات سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلا نزول لوح محفوظ سے آسمان دنیا کے ایک مقام "بیت عزت" پر ہوا جسے "بیت المعمور" بھی کہتے ہیں۔ یہ کعبۃ اللہ کے محاذ میں آسمان میں فرشتوں کی عبادت گاہ ہے۔ بیت عزت میں یہ نزول کس طرح ہوا اور اس میں کیا حکمت تھی؟ اس بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہی جا سکتی البتہ بعض علما مثلاً علامہ ابوشامہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حکمت بیان فرمائی ہے، کہ "اس سے قرآن کریم کی رفعت شان کو واضح کرنا مقصود تھا اور یہ بھی کہ اس مقام کے فرشتوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ خدا کی آخری کتاب ہے جو اہل زمین کی ہدایت کے لیے اتاری جانے والی ہے۔" زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نکتہ بھی بیان کیا ہے کہ "اس طرح دو مرتبہ اتارنے سے یہ بھی جتانا مقصود ہے کہ یہ کتاب ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب انور کے علاوہ دو اور جگہ "بیت عزت" اور "لوح محفوظ" میں بھی محفوظ ہے۔ واللہ اعلم (مناہل العرفان ج ۱ ص ۳۹) اس کی صحیح حکمتیں تو خدا ہی جانتا ہے البتہ اتنی بات واضح ہے کہ یہ پہلا نزول "لیلۃ القدر" میں ہوا تھا۔

دوسرا نزول: ...... اس تدریجی نزول کے آغاز کے وقت بالاتفاق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس سال تھی اور صحیح قول کے مطابق یہ لیلۃ القدر تھی اور یہی وہ تاریخ تھی جس میں گیارہ سال بعد غزوۂ بدر پیش آیا اسی طرح نزول قرآن کے آغاز کے بارے میں مندرجہ ذیل باتیں تو خود قرآن کریم سے ثابت ہیں:

☆ ...... اس کی ابتدا رمضان کے مہینے سے ہوئی۔ ☆ ...... جس رات نزول قرآن کا آغاز ہوا وہ شب قدر تھی۔ ☆ ...... یہ وہی تاریخ تھی جس میں بعد کو غزوۂ بدر پیش آیا۔

لیکن رمضان کی تاریخ میں اختلاف ہے اس بارے میں سترہ، انیس اور ستائیس رمضان کے تین اقوال ملتے ہیں۔ (جامع البیان لابن جریر طبری ج ۱۰ ص ۷) از (علوم القرآن، ص ۵۳-۵۶۔ ملخصاً) اس کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیں "نسیم البیان ص ۱۰۷-۱۴۷"۔

مباشرت کرنا) مباح (اور حلال) کر دیا گیا (اور پہلے جو ممانعت تھی کہ روزہ کے ایام میں راتوں کو بیویوں کے ساتھ مشغول ہونا منع تھا وہ ممانعت ختم کر دی گئی۔ از بیان القرآن) [1] هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ: (یعنی انتہائی قرب واتصال کی وجہ سے تم ان کے لیے او روہ تمہارے لیے بمنزلہ اوڑھنے بچھونے کے اور ایک دوسرے کی پوشاک کے ہو) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما (اس آیت کی تفسیر میں) فرماتے ہیں" وہ تمہارے (باعث) سکون ہیں اور تم ان کے لیے (باعث) سکون ہو۔

عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ:۔ یعنی روزے کی راتوں میں اپنی بیویوں کے ساتھ جماع کر کے (اور اس میں پڑ کے) جو خیانت (حکم خدا میں) کرتے تھے (اس کو خدا نے جان لیا ہے) اسلام کے شروع میں (روزے کی راتوں میں بیویوں سے قربت کرنا) یہ ممنوع تھا پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ بخاری شریف میں حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: " جب روزے (کا حکم) اترا تو لوگ پورے رمضان میں بیویوں کے قریب نہ جایا کرتے تھے پھر مرد لوگ اس میں (قدرے) خیانت کر لیتے تھے تو (اس پر) رب تعالیٰ نے یہ آیت عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ نازل فرمائی۔ [1] فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ: یعنی رب تعالیٰ نے تمہاری (اس خیانت پر تمہاری) توبہ کو قبول (بھی) فرمایا اور (اس حکم کے) منسوخ ہونے سے پہلے جو کچھ تم لوگوں نے (اپنی بیویوں کے ساتھ) کیا اس کو معاف بھی فرمایا۔

مجامعت کی غرض وغایت

فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ:..... یعنی (اب اس ممانعت کے منسوخ ہونے کے بعد) رمضان کی راتوں میں (اپنی) بیویوں سے مباشرت کر سکتے ہو اور ان کے ساتھ نکاح کے ذریعے (اور بواسطہ نکاح کے مباشرت کرنے کے ذریعے رب تعالیٰ سے) اولاد طلب کرو اور صرف شہوت (ہی) پوری کرنے کے لیے مباشرت نہ کرو۔ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ: یعنی طلوع فجر تک کھاؤ پیو (کہ جب صبح کی سفید دھاری رات کی سیاہ دھاری سے الگ نظر آنے لگے یہ سحری کھانے کے آخری وقت کا بیان ہے۔ [2] (از معارف القرآن)

ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ:..... یعنی پھر کھانے پینے اور نکاح (وجماع) سے غروب شمس تک خود کو روکے رہو۔ (یہ روزہ کے آخری وقت کا بیان ہے)۔ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ [3] فِي الْمَسٰجِدِ: یعنی جب تک تم مساجد میں اعتکاف کیے بیٹھے ہو اس وقت تک نہ دن میں نہ رات میں بیویوں کے (جماع کرنے کے لیے) قریب مت جاؤ۔ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا: یعنی یہ خدا کے اوامر، اس کے احکام اور اس کی وہ سرزنشیں ہیں جن کو اس نے تمہارے لیے مشروع کیا ہے چنانچہ تم ان کی مخالفت نہ کرو۔ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ: یعنی (رب تعالیٰ نے لوگوں کے لیے اپنی یہ نشانیاں کھول کھول کر اس لیے بیان کی ہیں) تاکہ وہ اس کی محارم (اور منع کردہ باتوں) سے بچیں۔

بلاغت: كَمَا كُتِبَ:..... یہاں (گزشتہ قوموں کے ساتھ اس حکم میں) تشبیہ (روزے کی) فرضیت میں ہے نہ کہ (اس کے رکھنے کی) کیفیت [4] میں یعنی تم پر روزہ فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلی امتوں پر روزہ فرض کیا گیا تھا۔ اس تشبیہ کو "مرسل مجمل" کہتے ہیں۔

مریض ومسافر کو روزے کی رخصت

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ:..... یہاں حذف (عبارت) کے ذریعے ایجاز (واختصار) ہے یعنی فَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا فَاَفْطَرَ اَوْ عَلٰى

---

[1] شروع اسلام میں حکم یہ تھا کہ رات کو ایک دفعہ نیند آ جانے سے آنکھ کھلنے کے بعد کھانا پینا اور بی بی کی پاس جانا حرام ہو جاتا تھا بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے غلبہ میں اس حکم کے امتثال میں کوتاہی ہوگئی پھر نادم ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع کی۔ ان کی ندامت اور توبہ پر حق تعالیٰ نے رحمت فرمائی اور اس حکم کو منسوخ کر دیا" (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۰۶)۔ [2] صبح صادق کی تفصیل کے لیے دیکھیں معارف القرآن ج ۱ ص ۴۵۴۔ ۴۵۶۔ [3] اس آیت میں اعتکاف رمضان کا بیان ہے۔ اعتکاف کے تفصیلی مسائل کے لیے دیکھیں ھدایہ، اشرف الھدایہ، الجوھرۃ النیرۃ وغیرہ۔ اور جزوی مسائل کے لیے دیکھیں۔ بیان القرآن ج ۱ ص ۱۰۶، معارف القرآن ج ۱ ص ۴۵۶، تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ [4] یہود و نصاریٰ دن رات کا روزہ رکھتے تھے کہ رات کو بھی کچھ نہ کھاتے پیتے تھے۔ چنانچہ مسلمانوں پر روزہ تو فرض کیا گیا مگر ان کی طرح کا نہیں۔ اس میں تشبیہ نہ عدد میں ہے نہ وقت میں بلکہ صرف ایجاب میں ہے کہ پہلوں یعنی یہود و نصاریٰ کی طرح تم پر بھی روزے واجب ہیں اور یہ مطلب نہیں کہ تمہاری طرح ان پر تیس روزے فرض تھے۔ گزشتہ قوموں پر روزوں کے ایام کی تفصیل کے لیے دیکھیں تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ از حوالا بالا بتصرف۔

سَفَرٍ فَاَفْطَرَ: ”اور جو بیمار ہوا اور اس نے (بیماری کی وجہ سے) روزہ نہ رکھا یا وہ سفر میں ہو (اور اس نے سفر کی وجہ سے) روزہ نہ رکھا“ تو اس پر چھوڑے ہوئے ایام کی بعد میں قضا لازم ہے۔ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ جلالین میں یہاں ”لا“ (جو نفی کے لیے ہوتا ہے) مقدر مانا گیا ہے یعنی لَا يُطِيْقُوْنَهٗ: (علامہ فتح محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی ”لا“ کو ملحوظ رکھ کر ترجمہ کیا ہے۔ ”نسیم“) لیکن (علامہ مولف موصوف یہاں اپنی تحقیق پیش کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں کہ) اس حذف (کو ماننے) کی (یہاں) ضرورت نہیں کیوں کہ (آیت کا) معنی یہ ہے، کہ ”جو لوگ شدید مشقت اور کلفت کے ساتھ روزہ رکھ سکتے ہوں“ جیسے بہت بوڑھے، حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتیں وغیرہ کہ یہ لوگ روزہ رکھ تو سکتے ہیں، مگر انہیں اس میں زائد مشقت اٹھانی پڑے گی کیوں کہ لفظ ”طاقت“ اس شخص کے لیے بولا جاتا ہے جو ایک شے پر سختی اور مشقت کے ساتھ قادر ہو۔“[1] يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ: اس میں محسنات بدیعیہ کی صفت ”طباق سلب“[2] ہے۔

الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ: ”رفث“ یہ جماع سے کنایہ ہے اور اس کو (حرف جر) ”الیٰ“ کے ذریعے متعدی کیا گیا ہے کیوں کہ رفث میں ”افضا“ (یعنی عورت تک پہنچنے اور اس کے ساتھ خلوت کرنے) کے معنی ہیں۔ (اور الیٰ حرف جر میں بھی ”تک“ اور کسی تک پہنچنے یا پہنچانے کے معنی ہوتے ہیں۔) یہ ارشاد خداوندی نہایت عمدہ کنایات میں سے ہے (کہ جن میں مباشرت اور جماع کو صاف صاف لفظوں میں بیان کرنے کے بجائے اشارہ و کنایہ سے بیان کیا گیا ہے) اسی طرح یہ ارشادات (بھی) ہیں:

فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا (سورۃ الاعراف، ۱۸۹) ”سو جب وہ اس (اپنی بیوی) کے پاس جاتا ہے۔“

فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ (سورۃ البقرہ، ۲۲۳) ””تو اپنی کھیتی میں جاؤ“۔

فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ (سورۃ البقرہ، ۱۸۷) ”اب ان سے مباشرت کرو“۔

(انہی کنایات کو دیکھتے ہوئے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ”بے شک اللہ عزوجل حلیم و کریم ہیں (اور) کنایہ (سے بات) فرماتے ہیں“ (روائع البیان ج ۱ ص ۱۹۰، تلخیص البیان ص ۱۳)

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ:...... یہ بدیع استعارہ ہے اس میں خاوند اور بیوی میں سے ہر ایک کو دوسرے کے لباس کے ساتھ تشبیہ دی گئی جو اس کے لابس یعنی پہننے والے کو بھی شامل ہے کیوں کہ (جس طرح لباس لباس والے کے ساتھ ملا ہوتا ہے اور اس سے چپکا ہوتا ہے اس طرح) ان (خاوند بیوی) میں سے (ہر) ایک دوسرے کے ساتھ ملتا اور اس کے گلے لگتا ہے۔[3]

تلخیص البیان میں ہے کہ مراد ایک دوسرے کا قرب ہے اور ایک دوسرے سے حاوی ہو کر لپٹنا ہے جس طرح کہ کپڑے جسم سے چمٹے ہوتے ہیں۔ چنانچہ لباس (یہاں خاوند بیوی کے ایک دوسرے سے لپٹنے سے) استعارہ ہے۔ (الکشاف ۱/ ۱۷۵)

الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ:...... سید شریف رضی کہتے ہیں، ”یہ عجیب استعارہ ہے اس سے مراد صبح کی سفیدی اور رات کی سیاہی ہے اور دھاگہ (خیط) یہاں بطور مجاز کے (کہا گیا) ہے۔ ان دونوں (سیاہ اور سفید دھاگوں) کے ساتھ صبح کی سفیدی اور رات کی سیاہی کو تشبیہ دی گئی کیوں کہ (اس وقت) صبح کی سفیدی آرہی ہوتی ہے اور کمزور سی ہوتی ہے (یعنی ہلکی سی ہوتی ہے) جب کہ رات کی سیاہی جا رہی اور ختم ہو رہی ہوتی ہے۔

---

[1] حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں، کہ ”جو لوگ روزے کی طاقت رکھتے ہوں اور پھر بھی روزہ رکھنے کو دل نہ چاہے“ کیوں کہ شروع اسلام میں جب لوگوں کو بتدریج روزے کا خوگر بنانا منظور تھا تو یہ حکم تھا کہ باوجود استطاعت کے روزے کے فدیہ کی اجازت تھی مگر اب یہ حکم منسوخ ہے البتہ بہت بوڑھے اور صحت سے مایوس بیمار کے لیے یہ حکم اب بھی باقی ہے،“ (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۰۲۔ ۱۰۳ بتصرف)۔ البتہ علامہ حقانی نے تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۴۲ میں اس آیت کے تین مطالب بیان کیے ہیں جن میں سے ایک وہ ہے۔ حوالا بالا۔

فدیہ کی مقدار اور اس کے دینے یعنی ادا کرنے کے طریقے کا تفصیلی بیان بیان القرآن ج ۱ ص ۱۰۳ اور معارف القرآن ج ۱ ص ۴۴۵۔ ۴۴۶ میں مذکور ہے۔

[2] طباق کی تعریف بیان ہو چکی ہے ”طباق سلب“ سے مراد دو متقابل معانی کو نفی کے ساتھ پیش کرنا ہے کہ ”یسر“ (سہولت) میں ایجاب کا معنی ہے جب کہ ”عسر“ (تنگی جو اس کا متقابل معنی ہے) اس میں ”سلب“ (یعنی نفی) کا پہلو ہے۔ طباق کی اس قسم کو ”طباق سلب“ کہتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

[3] عورت کو مرد اور مرد کو عورت کا لباس کہا اس وجہ سے کہ یہ باہم اس طرح لپٹتے اور چمٹتے ہیں کہ جس طرح لباس بدن سے لپٹا ہوتا ہے،“ (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۴۷)

اس وقت وہ دونوں ہی کمزور ہوتی ہیں پھر سفیدی بڑھتی جاتی ہے اور سیاہی چھپتی جاتی ہے۔"
علامہ زمخشری نے اس کو "تشبیہ بلیغ" قرار دیا ہے (جب کہ شیخ رضی نے اس کو استعارہ قرار دیا ہے)۔[1]

یہود ونصاریٰ پر روزوں کی فرضیت

فوائد:...... پہلا فائدہ: حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں، کہ "رب تعالیٰ نے یہود ونصاریٰ دونوں پر رمضان کے روزے فرض کیے تھے۔ یہود نے رمضان کے روزے رکھنے ترک کر دیے اور اس کی جگہ سال بھر میں ایک روزہ رکھنا شروع کیا ان کا گمان تھا کہ یہ وہی دن ہے جس میں فرعون غرق ہوا تھا[2] ادھر نصاریٰ نے بھی روزے رکھنے شروع کیے، ایک دفعہ رمضان شدید گرمی میں آ گیا چنانچہ انہوں نے ان روزوں کو ایک دوسرے وقت کے لیے اٹھا رکھا جس میں تعداد نہ بدلے (بلکہ اتنے ہی روزے ہوں) پھر اس وقت (جب وہ آ گیا) یہ کہنے لگے، کہ "ہم اس میں کچھ روزے بڑھاتے ہیں، چنانچہ انہوں نے دس روزے بڑھا دیے۔ پھر ایک عرصہ بعد ان کا ایک بادشاہ بیمار ہو گیا اس نے سات روزوں کی نذر مانی، قوم نے انہیں (بھی) بڑھا لیا (اب شمارے ۴۷ کا ہو گیا تھا) پھر ایک اور بادشاہ آیا اس نے کہا، "ان تین کی کسر رہ گئی ہے اس نے پچاس پورے کر دیے اور یہی معنی ہے اس ارشاد خداوندی کا۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (سورۃ التوبہ، ۳۱)

"انہوں نے اپنے علما اور مشائخ کو اللہ کے سوا خدا بنا لیا۔" (تفسیر کبیر ج۵ ص ۷۶)

روزے کی حالت میں دعا کی قبولیت

دوسرا فائدہ:...... علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "روزے کے احکام کے بیان کے دوران رب تعالیٰ نے یہ آیت ذکر فرمائی: وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ جو دعا مانگنے پر ابھارتی ہے اس میں روزوں کا شمار پورا کرنے اور ہر روزہ کھولنے پر خوب دعا مانگنے کی طرف راہنمائی ہے کیوں کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ "روزہ دار کے لیے اس کے (ہر) روزہ کھولنے پر ایک دعا ہے (جو وہ مانگے کہ) اس کو رد نہیں کیا جاتا۔" حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ روزہ کھولتے وقت یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اللھم انی سئلك برحمتك التی وسعت كل شیء ان تغفرلی

ترجمہ:...... "اے اللہ! میں تیری اس وسیع رحمت کے طفیل جو ہر شے کو حاوی ہے اس بات کی دعا مانگتا ہوں کہ تو مجھے بخش دے۔"

رب تعالیٰ اپنے بندوں کے قریب ہے

تیسرا فائدہ:...... وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ: عبارت کے ظاہر نظم سے یوں لگتا ہے کہ انہوں نے ذات خداوندی کے بارے میں سوال کیا تھا حالاں کہ سوال ذات کے بارے میں نہیں بلکہ رب تعالیٰ کی شان کے بارے تھے اور رب تعالیٰ کا جواب فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں

---

[1] تشبیہ یہ کسی مشترک صفت کی بنا پر ایک شے کو دوسری شے کے ساتھ لاحق کرنے کو کہتے ہیں اس میں مشبہ اور مشبہ بہ دونوں مذکور ہوتے ہیں جب کہ استعارہ یہ ایک کلمہ کی جگہ دوسرے کلمہ کو کسی مشابہت کی بنا پر استعمال کرنے کو کہتے ہیں۔ ان تعریفات کی رو سے اس تعبیر کا استعارہ ہونا زیادہ قرین قیاس ہے کیوں کہ یہاں صبح کی سفیدی کی جگہ لفظ "خیط ابیض" آیا ہے اور رات کی سیاہی کی جگہ لفظ "خیط اسود" آیا ہے۔ واللہ اعلم۔

[2] تورات کی تیسری کتاب کے ۱۶ باب درس ۲۹ سے اور ۲۳ باب درس ۲۷، ۲۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں پر ساتویں مہینے کی دسویں تاریخ کو کفارہ کا روزہ واجب تھا کیوں کہ اس میں لکھا ہے کہ جو کوئی اس روز کا روزہ نہ رکھے گا وہ اپنی قوم سے منقطع ہو جائے گا۔"
آگے نصاریٰ کے روزوں کا تفصیلی بیان ہے۔ دیکھیں "تفسیر حقانی ج۱ ص ۵۴۲۔ ۵۴۳۔" سرکار انگریز کے انعام یافتہ "سر" نیچری مفسر جناب "سید احمد خان صاحب" یہاں بھی اس خطاب کی لاج رکھتے ہوئے سرکار کو خوش کرنے کے لیے روزے کی اہانت سے ذرا نہیں ہچکچائے اور اپنی کتاب (غالباً) کے ص ۳۳ پر روزہ کو یہود ونصاریٰ کی روزہ رکھنے کی رسم کی پیروی قرار دے کر اس کو عبادت نہیں بلکہ محض ایک بدنی ریاضت کہا ہے۔" دیکھیں حوالا بالا۔

نے رب تعالیٰ کے قرب یا بعد کی جہت کے بارے میں سوال کیا تھا اور جواب لفظ قُلْ یافَقُلْ کے ساتھ شروع نہیں ہوا جیسا کہ دوسری ان آیات میں اس طرز پر جواب آتا ہے جن میں لوگوں کے سوالات مذکور ہیں مثلاً ارشاد خداوندی ہے:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿١٠٥﴾ (سورہ طٰہٰ، ۱۰۵)

''اورتم سے پہاڑوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہہ دو کہ خدا ان کو اڑا کر بکھیر دے گا۔''

رب تعالیٰ عرش کے اوپر ہے اور اپنی مخلوق کا نگران ونگہبان ہے

بلکہ (اس آیت میں) ان (کے سوال) کا جواب یہ بتلانے کے لیے خود دیا ہے کہ وہ خدا ان کے بہت زیادہ قریب ہے، اور ہر سائل کے ساتھ رب تعالیٰ یوں موجود ہے کہ اس کی دعا کے قبول ہونے (اور اس کی پکار کے جواب) میں (اس سے) مانگنے والے حاجتمندوں کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے۔

چوتھا فائدہ:......علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''رب تعالیٰ عرش کے اوپر ہے اور اپنی مخلوق کا نگران ونگہبان ہے، ان (کے احوال) پر مطلع (اور باخبر) ہے۔ اس میں اس بات پر ایمان داخل ہے کہ ''وہ اپنی مخلوق کے قریب ہے۔'' ایک صحیح حدث میں ہے، ''جس ذات کو تم پکارتے ہو وہ تم میں سے (ہر) ایک کے اس کی سواری کے گردن سے بھی زیادہ قریب ہے۔'' اور قرآن وحدیث میں رب تعالیٰ کی (بندوں کے ساتھ) جس معیت اور قرب کا ذکر ہے وہ اس کی بلندی اور فوقیت کے منافی نہیں ہے کیوں کہ کوئی شے بھی اس جیسی نہیں۔

پانچواں فائدہ:......اللہ جل شانہ نے خاوند اور بیوی کے درمیان جنسی مباشرت کو نہایت بلند اور لطیف تعبیر کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اس میں ہمیں جنس اور عورتوں کے متعلقہ امور میں ادب کی تعلیم ہے (کہ ان باتوں کو صاف اور کھرے لفظوں میں بیان نہ کیا جائے بلکہ یہ باتیں اشاروں کنائیوں میں کی جائیں) اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''بے شک اللہ عزوجل حلیم وکریم ہیں (اور) کنایہ (سے بات) فرماتے ہیں۔''

ناحق مال کھانے کی ممانعت

وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٨﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٨٩﴾ وَقَاتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿١٩٠﴾ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٩١﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٩٢﴾ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٩٣﴾ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٩٤﴾ وَاَنْفِقُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ

وَاَحۡسِنُوۡا ۛۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۱۹۵﴾

ترجمہ: ......اور آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل ذریعہ سے مت کھاؤ اور نہ لے جاؤ اُن کو حاکموں کی طرف تاکہ کھا جاؤ ایک حصہ لوگوں کے مالوں میں سے گناہ کے ساتھ حالانکہ تم جانتے ہو۔﴿۱۸۸﴾ آپ سے پوچھتے ہیں حال نئے چاند کا، کہہ دے یہ اوقات مقررہ ہیں لوگوں کے واسطے اور حج کے واسطے اور نیکی یہ نہیں کہ تم گھروں میں ان کے پچھواڑوں کی طرف سے آؤ لیکن نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص تقویٰ اختیار کرے، اور آ جاؤ تم گھروں میں ان کے دروازوں سے، اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔﴿۱۸۹﴾ اور اللہ کی راہ میں جنگ کرو اُن لوگوں سے جو تم سے جنگ کرتے ہیں، اور زیادتی مت کرو، بے شک اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔﴿۱۹۰﴾ اور تم اُن کو قتل کرو جہاں بھی پالو، اور نکال دو ان کو جہاں سے اُنہوں نے تم کو نکالا، اور فتنہ قتل سے بھی زیادہ سخت ہے، اور اُن سے جنگ مت کرو مسجد حرام کے پاس جب تک کہ وہ تم سے اُس میں خود نہ لڑیں، سو اگر وہ تم سے جنگ کریں تو تم اُن کو قتل کر دو، ایسی ہی جزا ہے کافروں کی۔﴿۱۹۱﴾ سو اگر وہ باز آ جائیں تو اللہ غفور رحیم ہے۔﴿۱۹۲﴾ اور اُن سے یہاں تک جنگ کرو کہ فتنہ باقی نہ رہے اور ہو جائے دین اللہ ہی کے لیے۔ پس اگر وہ باز آ جائیں تو زیادتی نہیں ہے مگر ظالموں پر۔﴿۱۹۳﴾ حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینہ کے عوض اور حرمتیں معاوضہ کی چیزیں ہیں، سو جو شخص تم پر کوئی زیادتی کرے تو اس پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی زیادتی اس نے تم پر کی ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین کرو کہ اللہ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے۔﴿۱۹۴﴾ اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور نہ ڈالو اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں، اور خوبی کے ساتھ کام کیا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ خوبی کے ساتھ کام کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔﴿۱۹۵﴾

مناسبت: ......گزشتہ آیات میں جب رب تعالیٰ نے روزوں کے احکام کو بیان فرمایا اور روزوں کی راتوں میں کھانے پینے اور جماع کرنے کو مباح کیا تو اس کے بعد رب تعالیٰ نے ناحق مال کھانے سے منع فرمایا کیوں کہ کسی مسلمان کو حرام مال سے فائدہ اٹھانا درست نہیں نہ تو رمضان کی راتوں میں اور نہ ہی اس کے علاوہ ایام میں۔ پھر جب رمضان کے روزوں کی گفتگو رؤیت ہلال سے ملی ہوئی تھی اور یہ بات جیؤں میں نئے چاندوں کے بارے میں سوال کرنے کے خیال کو اٹھاتی تھیں، تو ان آیات نے یہ بیان کیا کہ یہ نئے چاند روزوں اور خدا کی خوشنودی کے دوسروں کاموں میں لوگوں کی عبادات کی میعادوں کو بیان کرنے والے ہیں۔

لغت: اَلۡبَاطِلِ: ......لغت میں زائل ہو جانے والی اور چلی جانے والی شے کو ''باطل'' کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے: بَطَلَ الشَّیۡءُ بُطُوۡلًا وہ شے بے کار، ضائع اور باطل ہوگئی (یعنی ختم ہوگئی اور چلی گئی) اور شرع شریف میں حرام مال کو باطل کہتے ہیں جیسے غصب، چوری، جوا اور سود کا مال۔ وَتُدۡلُوۡا: (یہ الادلاء سے ہے اور) ادلاء اصل میں کنویں میں ڈول ڈالنے کو کہتے ہیں پھر ہر قول یا فعل کے پہنچانے یا ہر ڈالنے کو ادلاء کہا جانے لگا۔ کہا جاتا ہے: اَدۡلٰی بِحُجَّتِهٖ'' یعنی اس نے دعوے کے لیے دلیل پیش کی اور یہاں ادلاء سے مراد مال کو حکام تک بطور رشوت کے پہنچانا ہے۔ اَلۡاَهِلَّةِ: یہ ھلال کی جمع ہے جو چاند کے (گھٹنے بڑھنے کے اعتبار سے اس کے) پہلے حال کو کہا جاتا ہے[1] کہ جب لوگ اس کو دیکھتے ہیں اس کے بعد یہ قمر بنتا ہے پھر بدر کہ جب اس کی روشنی (اور اس کی گول ٹکیہ) مکمل ہو جاتی ہے۔ مَوَاقِيۡتُ: یہ میقات کی جمع ہے اس کا معنی وقت ہے جیسے میعاد کا معنی وعدہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ میقات یہ منتہائے وقت کو کہتے ہیں۔ ثَقِفۡتُمُوۡهُمۡ: یہ ثَقِفَ الشَّیۡءَ سے ہے جو اس وقت بولا جاتا ہے جب آدمی کسی شے کو لے لے اور غلبہ کے طور پر پالے اور اس پر کامیاب ہو جائے اور رَجُلٌ ثَقِفٌ اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے ہم عصروں میں سب سے سریع الاخذ ہو (یعنی بات کو جلد لینے والا ہو)۔ شاعر کہتا ہے:

فاما تثقفونی فقتلونی   فمن اثقف فلیس الی خلود

ترجمہ: ......''یا تو مجھے پکڑ کر مار ڈالو پھر (یا یہ ہوگا کہ) جو میرے قابو میں آ گیا وہ ہمیشہ نہ رہے گا (یعنی میں اس کو موت کے گھاٹ اتار دوں گا)۔''

[1] پہلی رات کے چاند کو ہلال کہتے ہیں (تفسیر حقانی ج ا ص ۵۵۰) اور یہ نام تیسری کے چاند تک کو شامل رہتا ہے (تفسیر ماجدی ج ا ص ۳۵۶) اور دو راتیں گزرنے کے بعد تیسری رات سے لے کر آخری رات تک کے چاند کو قمر کہتے ہیں (القاموس الوحید ص ۱۳۵۳) اور بدر چودھویں رات کے چاند کو کہتے ہیں۔'' (ص ۱۵۳ حوالا بالا)

التَّهْلُكَةِ: ...... یہ ہلاکت کو کہتے ہیں کہا جاتا ہے: هَلَكَ يَهْلِكُ هَلَاكًا وَّتَهْلُكَةً وہ ہلاک ہو گیا۔

سبب نزول: ......روایت میں آتا ہے کہ بعض صحابہؓ نے (جناب رسالت مآب ﷺ میں) عرض کیا: "یا رسول اللہ! چاند کا معاملہ کیا ہے کہ پہلے تو دھاگے کی طرح باریک (سا) ظاہر ہوتا ہے پھر بڑھتے بڑھتے بالکل بھر جاتا ہے اور پورا ہو جاتا ہے پھر گھٹنا شروع ہوتا ہے حتیٰ کہ اس حال میں لوٹ آتا ہے جس میں ظاہر ہوا تھا کہ یہ سورج کی طرح ایک حال پر باقی نہیں رہتا۔ تو اس پر يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ (والی) آیت نازل ہوئی۔"

(تفسیر کبیر ج۵ ص ۱۳۲۔ اسباب النزول للواحدی ص ۳۸)

اور (اگلی آیت کے سبب نزول میں) راویت بیان کی جاتی ہے، کہ "زمانۂ جاہلیت میں انصار میں سے کوئی شخص جب (حج کا) احرام باندھ لیتا تھا تو وہ گھر کے دروازے سے داخل نہ ہوتا تھا بلکہ گھر کے پیچھے سے دیوار پھاڑ (کر یعنی نقب لگا) کر داخل ہوتا تھا یا سیڑھی لگا کر اندر اتر تا تھا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا [1]

رشوت اور ناحق مال کھانے کی ممانعت

تفسیر: وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ...... یعنی تم میں سے ایک کسی دوسرے کا مال اس طور پر نہ کھائے جو رب تعالیٰ نے اس کے لیے جائز نہ کیا ہو۔[2] وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ: یعنی اور (نہ) اس کو رشوت کے طور پر (ناجائز کاموں کو نکلوانے کے لیے) حاکموں کے پاس لے جاؤ۔ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ: یعنی تا کہ وہ حکام لوگوں کے مال کا کچھ ناجائز طور پر کھانے میں تمہاری مدد کریں۔ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ: (یعنی تم جانتے ہو کہ) تم لوگوں کا مال حرام اور ناجائز کھانے والے ہو۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ: یعنی اے محمدؐ! یہ لوگ آپ سے پہلی رات کے چاند کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہ یہ شروع میں دھاگے کی طرح اتنا باریک کیوں ہوتا ہے پھر بڑا ہوتا جاتا ہے اور گول ہو (کر بھر) جاتا ہے پھر گھٹتے گھٹتے دوبارہ باریک ہو جاتا ہے اور پہلی حالت میں (کیوں) لوٹ آتا ہے؟

قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ: یعنی آپ انہیں (اس کے جواب میں یہ) بتلایئے کہ یہ (چاند کا گھٹنا اور بڑھنا) تمہاری عبادات کے اوقات (پر دلالت کرنے کے لیے) ہیں اور وہ علامتیں ہیں جن کے ذریعے تم روزوں، حج، اور زکوٰۃ وغیرہ کے اوقات کو پہچانتے ہو۔[3]

ایام جاہلیت کا ایک عمل

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا: ...... یعنی گھروں میں تمہارا ان کی پشتوں سے داخل ہونا کوئی (قابل ستائش) نیکی کی بات نہیں جیسا کہ تم ایام جاہلیت میں کیا کرتے تھے۔ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى: یعنی بلکہ وہ نیک عمل جو تمہیں تمہارے پروردگار کے قریب کر دے وہ رب تعالیٰ کی حرام کردہ باتوں سے بچنا ہے۔ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا: یعنی گھروں میں عام عادت کے مطابق ان کے دروازوں سے داخل ہو۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ: یعنی تم خدا سے اس لیے ڈرو تا کہ تم اس کی رضا کے ذریعے سعادت مند اور (دنیا و آخرت میں) کامیاب ہو جاؤ۔

جہاد کی اجازت

وَقَاتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ: ...... یعنی تم اعلائے دین خدا کے لیے ان کافروں سے لڑو جو (دین مٹانے کے لیے) تم سے لڑتے ہیں۔

---

[1] بخاری شریف بروایت حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ (از تفسیر مظہری اردو ج ۱ ص ۲۱۱) [2] کسب مال کے اچھے برے ذرائع، اچھائی اور برائی کا معیار، اسلامی نظام معاش کے دنیا میں امن عامہ قائم کرنے کے کردار، حلال مال کی برکات، اور حرام مال کی نحوستوں اور روز محشر حرام اور ناجائز طریقہ سے کمائے گئے مال کی پرسش اور اس کے محاسبہ کی تفصیل کے لیے دیکھیں معارف القرآن ج ۱ ص ۴۵۸۔ ۴۶۴۔ [3] اس کی تفصیلی حکمتیں جاننے کے لیے دیکھیں "بیان القرآن ج ۱ ص ۱۰۷۔ ۱۰۸) اور قمری اور شمسی حساب کی شرعی حیثیت جاننے کے لیے دیکھیں معارف القرآن ج ۱ ص ۴۶۷۔ ۴۶۸)

وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ:...... یعنی ان سے لڑنے میں تم ابتدا نہ کرو کیوں کہ رب تعالیٰ ظلم و تعدی کرنے والے کو دوست نہیں رکھتے۔ یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا پھر سواۂ برأت کی اس آیت کی وجہ سے منسوخ ہو گیا:

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً (سورۃ التوبہ، ۳۶) ''اور تم سب کے سب مشرکوں سے لڑو''۔

اور ایک قول یہ ہے کہ یہ حکم اس بعد والی آیت کے ذریعے منسوخ ہوا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

حرم سے یہود و نصاریٰ کو نکالنے کا حکم

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ: یعنی حرم یا حل میں جہاں بھی تم انہیں پاؤ، قتل کر دو۔ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ: یعنی جس طرح ان لوگوں نے تم کو مکہ (کی سرزمین) سے نکالا تم بھی انہیں ان کے وطنوں سے نکال دو اور ان کو (وہاں سے نکال کر منتشر کر دو اور) تتر بتر کر دو۔

مؤمن کو فتنہ میں مبتلا کرنا قتل سے بڑھ کر ہے

وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ: یعنی مؤمن کو اس کے دین کے بارے میں (گمراہی، الحاد، بے دینی اور) فتنہ میں مبتلا کرنا یہ اس کو قتل کرنے سے بڑھ کر ہے۔ یا (اس کی تفسیر یہ ہے کہ) کافروں کا کفر تمہارے ان کو حرم میں قتل کر دینے سے بھی بڑھ کر اور زیادہ شدید بات ہے۔ تو جب انہوں نے حرم میں قتال کو بہت بڑی بات سمجھا تو ان کا کفر اس سے بھی بڑھ کر بات ہے۔ [1] وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ: یعنی حرم میں قتال کی ابتدا تم نہ کرو یہاں تک کہ حرم میں تمہارے ساتھ قتال میں وہ ابتدا کریں (تو پھر تم بھی ان سے قتال کرو اور دل میں کوئی اندیشہ مت لاؤ۔) فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ: یعنی اگر وہ تمہارے ساتھ لڑائی کی ابتدا کریں تو تمہیں بھی اس وقت ان کے ساتھ قتال کرنے کی اجازت ہے، کیوں کہ انہوں نے حرم کی حرمت کو پامال کیا اور شر کی ابتدا کرنے والا بڑا ظالم ہوتا ہے۔ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ: یعنی یہ حکم خدا کے ساتھ کفر کرنے والے ہر شخص کے لیے ہے۔ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ: یعنی اگر یہ لوگ شرک سے رک جائیں اور اسلام قبول کر لیں تو تم ان سے رک جاؤ کیوں کہ رب تعالیٰ توبہ و انابت کرنے والے کو بخش دیتے ہیں۔ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ: یعنی تم ان لڑنے والوں سے اس وقت تک لڑتے رہو کہ ان کی (قوت و) شوکت کو توڑ دو اور صفحۂ ہستی پر شرک (کا نام ونشان) باقی نہ رہے، اور رب تعالیٰ کا دین ہی سارے ادیان پر غالب اور بلند و برتر ہو جائے۔ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ: یعنی اگر وہ تمہارے ساتھ لڑنے سے رک جائیں تو تم بھی ان کو قتل کرنے سے رک جاؤ اور جو اس کے بعد ان سے لڑے گا تو وہ ظالم ہے، تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہیں کرنی چاہیے، یا (اس کی تفسیر یہ ہے کہ) اگر وہ شرک سے باز آ جائیں تو تم ان پر زیادتی نہ کرو۔ [2]

اشہر حرم میں قتال کا حکم

آگے رب تعالیٰ اس بات کو بیان فرماتے ہیں کہ اگر مشرکین شہر حرام (حرمت والے مہینہ) میں قتال کریں تو مومنین کے لیے بھی اس ماہ میں ظلم کو دفع (کرنے کے لیے ان مشرکین کے ساتھ قتال) کرنا جائز ہے چنانچہ فرمایا: اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ: یعنی جب وہ ماہ

---

[1] یعنی اگر بوجہ عہد شکنی کے ان کفار کے ساتھ مقامات مقدسہ میں بھی لڑنا پڑے تو تم دل میں خیال نہ لاؤ کہ ہم نے مقامات مقدسہ میں قتال کیا کیوں کہ وہ وہاں فتنہ و فساد کرتے ہیں اور فتنہ تو قتل سے بھی بڑھ کر ہے جس کا نتیجہ خرابی بلاد اور پریشانی عباد ہے۔'' (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۵۱)

[2] ان آیات میں کفار کے ساتھ جہاد و قتال، عدم قتال کے معاہدے، نقض عہد کی صورت میں قتال کے جواز جزیرۂ عرب اور حرم میں قتال، اشہر حرم میں قتال، کفار عرب کے ساتھ قتال وغیرہ کے مسائل مذکور ہیں۔ اس کی تفصیل کے لیے دیکھیں بیان القرآن ج ۱ ص ۱۱۰، اور معارف القرآن ج ۱ ص ۴۶۹۔ ۴۷۳۔ اور مخالفین اسلام کے محض تعصب و عناد کی وجہ سے اور بعض ملحدین بے دینوں کے بے جا تاویلوں کے ذریعے حکم جہاد پر اعتراضات کے تفصیلی جوابات کے لیے دیکھیں تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۵۲۔ ۵۵۵''

حرام میں تم سے قتال کریں تو تم بھی ماہ حرام میں ان سے قتال کرو اور جس طرح انہوں نے ماہ حرام کی حرمت کو پامال کیا اور تمہارے خونوں (کے ساتھ ہولی کھیلنے) کو حلال کیا تو تم بھی ان کے ساتھ ایسا ہی کرو۔[1]

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ: ......یعنی تم اپنے اوپر سے (ان کے) ظلم و ستم کو دور کرو۔ چنانچہ جو بھی حرم میں یا ماہ حرام میں تمہارے ساتھ کسی قسم کی زیادتی (یعنی لڑائی اور قتال وغیرہ) کرے تو تم (بھی) اس کا (بھرپور) مقابلہ کرو اور اس کو اسی طرح کا بدلہ دو۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ: یعنی تم اپنے جملہ اعمال وافعال میں (اپنے دلوں میں) خدا کا خوف رکھو اور خوب جان لو کہ رب تعالیٰ دنیا و آخرت میں اپنی نصرت و تائید کے ذریعہ اہل ایمان کے ساتھ ہے۔

جہاد اور نیکی کے کاموں میں مال خرچ کرنے کی ترغیب

وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ: ......یعنی جہاد اور تمام (دوسرے) نیکی کے کاموں میں (راہ خدا میں) خرچ کرو اور خرچ کرنے میں بخل سے کام نہ لو کہ کہیں[2] (اس بخل کی نحوست سے) تم پر ہلاکت نہ آ پڑے۔ اور دشمن تم لوگوں پر مضبوط نہ ہو جائیں۔ اس آیت کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ "تم راہ خدا میں جہاد کو ترک نہ کرو اور اموال و اولاد میں نہ لگ جاؤ کہ ہلاکت میں جا پڑو۔ وَاَحْسِنُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ: یعنی تم اپنے جملہ اعمال (وافعال) میں نیکی (کی روش اختیار) کرو حتیٰ کہ خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں اور تم (رب تعالیٰ کے) اولیائے مقربین میں سے بن جاؤ۔

بلاغت: يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ۭ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ: ......یہ (بیان) بدیع کی ایک قسم ہے جس کا نام "حکیمانہ اسلوب" (الاسلوب الحکیم) ہے کہ لوگوں نے تو نبی کریم ﷺ سے اس بات کا سوال کیا تھا کہ یہ چاند شروع میں (نامکمل، دھاگے کی طرح باریک اور) چھوٹا کیوں ہوتا ہے؟ پھر بڑھتا (کیوں) رہتا ہے حتیٰ کہ اس کا نور (اور اس کی ٹکیا گولائی میں) مکمل ہو جاتی ہے؟ تو رب تعالیٰ نے انہیں (اس گھٹنے بڑھنے) کی تکوینی وجہ بتلانے کے بجائے اس کی (تشریعی) حکمت بتلانے کی طرف موڑا گویا کہ رب تعالیٰ انہیں یہ فرما رہے ہیں، کہ "تمہارے لیے مناسب تو یہ بات پوچھنا تھی کہ آخر ان چاندوں کے پیدا کرنے کی حکمت کیا ہے؟ نہ کہ یہ پوچھنا چاہیے تھا کہ شروع ماہ میں (بتدریج) اس کے بڑھنے کی اور پھر آخر ماہ میں اس کے (بتدریج) گھٹنے کی وجہ کیا ہے؟ علمائے بلاغت (کسی سوال کے) اس (طرح کے جواب) کو "حکیمانہ اسلوب" کہتے ہیں۔ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ: اس عبادت میں حذف کے ذریعے ایجاز ہی۔ تقدیری عبارت یوں ہے: هتك حرمة الشهر الحرام تقابل بهتك حرمة الشهر الحرام "ماہ حرام کی حرمت کو پامال کرنیکا بدلہ ماہ حرام کی حرمت کو پامال کر کے دیا جائے گا۔" اس کو "حذف ایجاز" کہتے ہیں۔ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ: ظلم کے بدلے کا نام "ظلم" رکھا گیا اس کو "مشاکلت"[3] کہتے ہیں جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (سورۃ الشوریٰ، ۴۰) "اور برائی کا بدلہ تو اسی طرح کی برائی ہے۔"

زجاج کہتے ہیں "عرب (یہ محاورہ) بولتے ہیں:

ظلمنی فلان فظلمته فلاں نے مجھ پر ظلم کیا تو میں نے بھی اس پر ظلم کیا" یعنی اس کے ظلم کا بدلہ دیا۔"

جہاد کی غرض اعلائے کلمۃ اللہ ہے

فائدہ: ......قرآن کریم میں "جہاد" اور "قتال" کا لفظ جہاں کہیں بھی آیا ہے وہ "سبیل اللہ"، "راہ خدا" کے ساتھ مل کر آیا ہے۔ یہ اس بات پر واضح دلالت ہے کہ جہاد کی غرض انتہائی اعلیٰ اور اونچی ہے اور وہ ہے "اعلائے کلمۃ اللہ" نہ کہ (دوسروں پر اور دوسری حکومتوں پر) غلبہ (اور قبضہ) اور نہ ہی مال

---

[1] اس کی ایک تفسیر یہ بھی بیان کی جاتی ہے، کہ "یہ ماہ حرام جس میں تم مکہ میں داخل ہوئے ہو اس ماہ حرام کا بدلہ ہے جس میں تم اسی شہر میں داخل ہونے سے (اس سے قبل) روکے گئے تھے۔ یہ صلح حدیبیہ کے سال کا قصہ ہے کہ جب ان کفار نے ماہ ذی قعدہ میں نبی کریم ﷺ کو (اور آپ ﷺ کے اصحاب کو) مکہ میں داخل ہونے سے روکا تھا۔" (مؤلف) [2] یہاں راہ خدا میں خرچ کرنے کا بیان ہے۔ از بیان القرآن [3] مشاکلت کی تعریف و تفصیل گزشتہ میں گزر گئی ہے۔

غنیمت اور نہ ہی کشور کشائی۔ اسی طرح اس طرح کی دوسری ذلیل اغراض بھی جہاد کی غرض وغایت میں شامل نہیں۔ [1]

تنبیہ:...... قرآن کریم میں جتنے سوالات کے جوابات بھی آئے ہیں وہ لفظ ''قُلْ'' کے ساتھ ہیں جو ''فاء'' کے بغیر ہیں البتہ سورۂ طٰہٰ میں (پہاڑوں کی بابت سوال کا جواب صرف ''قل'' کے ساتھ نہیں بلکہ) ''فا'' کے ساتھ آیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾ (سورہ طٰہٰ، ۱۰۵)

ترجمہ:...... ''اور تم سے پہاڑوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہہ دو کہ خدا ان کو اڑا کر بکھیر دے گا۔''

اس میں حکمت یہ ہے کہ باقی سب جوابات، سوالات کے بعد آئے ہیں جب کہ سورۂ طٰہٰ میں جواب سوال (کیے جانے) سے پہلے ہے کیوں کہ تقدیری عبارت یوں ہے: اِنْ سُئِلْتَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا یعنی اگر آپ ﷺ سے پہاڑوں کے بارے میں سوال کیا جائے تو کہہ دیجیے کہ خدا ان کو بکھیر کر اڑا دے گا۔ (الفتوحات الالھیۃ ج۱ ص ۱۵۲) [2]

فائدہ:...... روایات میں آتا ہے، کہ ''ایک مسلمان نے (میدان جہاد میں) رومی لشکروں پر (زبردست) حملہ کیا اور ان (کی صفوں) میں گھس گیا تو (یہ دیکھ کر کہ موت چاروں طرف سے اس کے گرد نا چنے لگی ہے) لوگ چیخ پڑے، کہ سبحان اللہ! اس شخص نے تو خود کو اپنے ہاتھوں ہی ہلاکت میں ڈال دیا۔ (حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اس جہاد میں شریک تھے اور سارا ماجرا سن اور دیکھ رہے تھے) وہ فرمانے لگے، ''(تم لوگ غلط سمجھے ہو، بات دراصل یہ ہے کہ) یہ آیت ہم انصار کے بارے میں نازل ہوئی تھی کہ جب رب تعالیٰ نے اسلام کو سربلند کر دیا اور اس کے اعوان وانصار زیادہ ہو گئے تو ہم (اپنے علاوہ اسلام کے ان مددگاروں کو دیکھ کر) کہنے لگے، ''اگر (اب) ہم (ذرا) اپنے مال ومنال میں کچھ ٹھہر جائیں (تو کیا مضائقہ ہے کہ اب اسلام کمزور نہیں رہا اور ہماری خدمت سے مستغنی ہے) تاکہ ہم اپنے مالی ضیاع کی اصلاح (اور تلافی) کر لیں'' تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی: وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ: یہ (اپنے ہاتھوں خود کو) ہلاکت (میں ڈالنا) اموال میں ٹھہرنا اور اس کی دیکھ بھال کرنا اور راہ خدا میں جہاد کا ترک کرنا تھی۔

(یہ) حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ (ہیں جو) ہمیشہ جہاد میں موجود رہے حتیٰ کہ شہید ہی ہو گئے اور سرزمین روم میں (راہ خدا میں) دفن ہوئے۔ (رضی اللہ عنہ وارضاہ۔)

محصر حج کے احکام

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ ٚ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ

[1] ڈاکٹر اقبال مرحوم نے اس بات کو نہایت عمدہ پیرائے میں بیان کیا ہے۔

شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن ''نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی''

[2] یہاں نحو کے ایک مشہور قاعدے کی طرف اشارہ ہے کہ جب شرط کی جزا امر، نہی، نفی یا استفہام ہو تو جزا میں ''فا'' کا لانا واجب ہوتا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا آیت ہے کہ جو تقدیری طور پر شرط کی جزا ہے اور ''امر'' ہے (کہ قل فعل امر کا واحد مذکر حاضر کا صیغہ ہے) اس لیے اس میں ''فا'' کو وجوبی طور پر لایا گیا ہے۔ واللہ اعلم

الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ ؕ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ ۚ وَاتَّقُونِ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ ﴿١٩٧﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ ؕ فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۖ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَإِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ ﴿١٩٨﴾ ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ ؕ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٩٩﴾ فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿٢٠٠﴾ وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿٢٠١﴾ أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِمَّا كَسَبُوا ؕ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٢٠٢﴾ وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَعْدُودَاتٍ ؕ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ لِمَنِ اتَّقَىٰ ؕ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٢٠٣﴾

النصف

ترجمہ:......اور پورا کرو حج اور عمرہ کو اللہ کے لیے، پس اگر تم کو روک دیا جائے تو قربانی کا جانور جو میسر ہو ذبح کر دو، اور اپنے سروں کو اس وقت تک نہ مونڈو جب تک کہ قربانی کا جانور اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے، سو جو شخص تم میں سے مریض ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو فدیہ دے دے روزوں سے یا صدقے سے یا قربانی کے جانور سے۔ پھر جب تم امن کی حالت میں ہو سو جو شخص عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر منتفع ہو تو قربانی کا جانور جو میسر ہو ذبح کر دے، سو جو شخص نہ پائے تو تین دن کے روزے ہیں حج میں اور سات دِن کے روزے ہیں جب کہ تم لوٹ آؤ، یہ پورے دس ہوئے، یہ اس کے لیے ہے جس کے گھر والے مسجد حرام میں حاضر نہ ہوں، اور اللہ سے ڈرو، اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ سخت عذاب والا ہے۔ ﴿١٩٦﴾ حج کا وقت چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں، سو جس شخص نے ان میں حج کو اپنے ذمہ لازم کر لیا تو نہ کوئی فحش بات ہے نہ فسوق ہے نہ کسی قسم کا جھگڑا ہے، اور جو بھی کوئی نیک کام کرو گے تو اللہ تعالیٰ اُس کو جانتا ہے اور زادِ راہ ساتھ لے لیا کرو چونکہ بہتر زادِ راہ بچا رہنا ہے اور اے عقل والو! مجھ سے ڈرتے رہو۔ ﴿١٩٧﴾ تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ معاش تلاش کرو جو تمہارے رب کی طرف سے ہے، پھر جب تم عرفات سے واپس ہو تو اللہ کو یاد کرو مشعر حرام کے نزدیک، اور اس کو یاد کرو جیسا کہ اُس نے تمہیں ہدایت دی ہے اور حقیقت میں بات یہ ہے کہ تم اس سے پہلے محض ناواقف تھے۔ ﴿١٩٨﴾ پھر تم اسی جگہ سے واپس آؤ جہاں سے دوسرے لوگ واپس آئیں، اور اللہ سے مغفرت طلب کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ غفور ہے، رحیم ہے۔ سو جب تم پورا کر لو اپنے حج کے کاموں کو سو اللہ کو یاد کرو، جیسے تم اپنے باپ دادوں کا ذِکر کرتے رہے ہو، بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑھ کر ذِکر کرو۔ سو بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم کو دنیا میں دے دیجیے، اور ایسے لوگوں کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں، ﴿٢٠٠﴾ اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم کو دنیا میں بہتری عطا فرمایئے اور آخرت میں بہتری عنایت کیجیے اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچایئے۔ ﴿٢٠١﴾ یہ لوگ ایسے ہیں کہ اُن کے لیے بڑا حصہ ہے ان کے اعمال کی وجہ سے اور اللہ جلدی حساب لینے والا ہے۔ ﴿٢٠٢﴾ اور اللہ کا ذکر کرو چند دنوں میں پھر جو شخص دو دن میں تعجیل کرے اس پر کچھ گناہ نہیں، اور جو شخص تاخیر کرے اس پر کچھ گناہ نہیں اس شخص کے واسطے جو تقویٰ اختیار کرے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور خوب یقین رکھو کہ تم سب کو خدا ہی کے پاس جمع ہونا ہے۔ ﴿٢٠٣﴾

ماقبل سے مناسبت:......رب تعالیٰ نے جب گزشتہ آیات میں روزوں کے احکام کو ذکر کیا تو اس کے بعد حج کے احکام کو ذکر کیا کیوں کہ حج کے مہینے روزے کے مہینہ کے فوراً بعد آتے ہیں اور قتال کی آیات کو درمیان میں ایک نہایت اہم حکم کو بیان کرنے کے لیے ذکر کیا گیا اور وہ حرمت

والے مہینوں، ان کے درمیان قتال اور اس بات کو بیان کرنے کے لیے ذکر کیا گیا ہے کہ اگر حرمت والے مہینوں میں حالت احرام میں یہ مشرکین مؤمنین کے ساتھ (اسلحہ کے ساتھ) تعرض کریں تو آیا مسلمانوں کو ان حرمت والے مہینوں میں قتال کرنے اور اپنے پر سے (ان ظالموں کے) ظلم وعدوان کو دور کرنے کی اجازت ہے؟ (یا نہیں) گزشتہ آیات نے نئے چاندوں کی حکمتوں کو بیان کیا ہے کہ یہ روزوں اور حج کی میعادیں ہیں، پھر بعد کی آیات نے حرمت والے مہینوں میں قتال کے بارے میں مؤمنین کے موقف کو بیان کیا، ہوا یہ تھا کہ نبی کریم ﷺ نے عمرہ کا ارادہ فرمایا اور (جب مکہ پہنچے تو) مشرکین نے آپ ﷺ کو (شہر سے باہر ہی) روک لیا اور مکہ میں داخل ہونے سے منع فرمایا اور (پھر کافی گفت وشنید کے بعد اہل ایمان اور مشرکین مکہ کے درمیان) صلح حدیبیہ (کا معاہدہ) ہوا۔ پھر جب اگلے سال مسلمانوں نے عمرہ کی قضا کرنی چاہی تو انہیں خدشہ ہوا کہ کہیں مشرکین ان کے ساتھ بدعہدی نہ کریں اور (اگر وہ ایسا کریں گے تو) اس وقت وہ حالت احرام میں ہوں گے (تو اگر بدعہدی کی صورت میں نوبت قتال تک جا پہنچی تو حالت احرام میں ہم کیا کریں گے؟ مسلمان انہی سوچوں میں غلطیاں و پیچاں تھے کہ) یہ آیات نازل ہوئیں جن میں یہ بیان تھا کہ مسلمانوں کو ابتداً تو حرمت والے مہینوں کی حرمت توڑنے کی اجازت نہیں البتہ قصاص اور بدلہ کے طور پر اور خود پر سے ظلم کو دور کرنے کے لیے ایسا کرنے کی اجازت ہے۔ آگے پھر حج کے اور احصار (یعنی راستے میں ہی مناسک حج ادا کرنے سے روک لیے جانے) کے احکام کا بیان ہے۔

لغت: ...... **اُحْصِرْتُمْ**: یہ احصار سے ہے۔ اس کا معنی منع کرنا اور روکنا ہے۔ حَصَرَهُ عَنِ السَّفَرِ اور اَحْصَرَهُ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی اس کو سفر کرنے سے روکے اور منع کرے۔[1] ازھری کہتے ہیں: حصر الرجل فی الحبس ''آدمی کو قید (میں بند) کر دیا گیا'' اور احصر فی السفر من مرض او انقطاع به ''وہ بیماری کی وجہ سے یا منزل پر نہ پہنچنے کی وجہ سے کی وجہ سے سفر سے محصور ہو کر رہ گیا۔''

اَلْهَدْيِ: یہ اونٹ گائے یا بھیڑ بکری وغیرہ میں سے وہ جانور ہے جو بیت اللہ کی طرف بھیجا جاتا ہے (جس کو ھدی کہا جاتا ہے) اور (ھدی) یہ کم از کم بھیڑ (یا بکری) ہوتی ہے۔ **مَحِلَّهٗ**: محل یہ وہ جگہ ہے جہاں قربانی کے جانور کو ذبح کیا جاتا ہے یہ (حرم میں پہنچنے والے کے لیے تو) حرم ہے اور راہ میں روک لیے جانے والے کے لیے ''مکان احصار'' (یعنی جہاں روک لیا گیا ہے وہ جگہ) ہے۔

نُسُكٍ: یہ نسیکۃ کی جمع ہے یہ وہ ذبیحہ ہے جس کو بندہ رب تعالیٰ کے لیے (یعنی اس کے تقرب اور خوشنودی کے لیے) قربان کرتا ہے۔

جُنَاحٌ: (اس کی تحقیق گزشتہ میں گزر گئی ہے) یہ گناہ کو کہتے ہیں۔ یہ جنوح سے ہے جس کا معنی قصد وارادہ کے ساتھ میلان اور جھکنا ہے۔

اَفَضْتُمْ: یعنی روانہ ہونا۔ یہ فاض الماء سے ہے جس کا معنی ''پانی کا اوپر سے بہنا ہے'' (اور پانی جب اوپر سے بہتا ہے تو بڑی تیزی سے بہتا ہے) لہٰذا فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ کا معنی یہ ہوگا کہ ''جب تم عرفات سے قوت (یعنی تیزی) کے ساتھ روانہ ہونے لگو'' اس میں ''پانی کے تیزی کے ساتھ بہنے'' کے ساتھ تشبیہ ہے۔ **خَلَاقٍ**: یہ رب تعالیٰ کی رحمت کے حصہ اور نصیب کو کہتے ہیں۔

تُحْشَرُوْنَ: یعنی (روز قیامت) تم حساب (وکتاب) کے لیے اکٹھے کیے جاؤ گے۔

سبب نزول: ...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ ''یمن کے لوگ حج کو بغیر توشہ اور زادراہ کے روانہ ہوا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ''ہم متوکل ہیں۔'' پھر جب مکہ پہنچتے تو لوگوں سے مانگ (کر گزارہ کرتے) تھے تو اس پر رب تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى (اسباب النزول للواحدی ص ۳۲ ج۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ ''(عہد جاہلیت میں حج کے دوران)

---

[1] یہ شہرۂ آفاق لغت ''تہذیب اللغۃ'' یا ''التہذیب'' کے مولف مشہور لغوی ابو منصور محمد بن احمد الازہری السہروی ہیں جو الازہری کے نام سے مشہور ہے اور ان کی یہ نسبت اپنے جدامجد ازھر کی طرف ہے نہ کہ جامع ازھر کی طرف۔ ۲۸۲ھ/۸۹۵ء میں بمقام ھرات پیدا ہوئے اور ھرات ہی میں ۳۷۰ھ/۹۸۰ء میں وفات پائی۔ عنفوان شباب میں ہی بغداد چلے آئے زجاج اور ابن درید جیسے مشہور زمانہ لغویوں سے تحصیل علم کی۔ ۳۱۳ھ میں حاجیوں کے قافلے کے ساتھ لوٹتے ہوئے کوفہ کی راہ میں مقام ہبیرہ پر قرامطہ کی قید میں آ گئے دو سال تک بحرین کی قرامطی بدویوں کی قید میں رہے۔ قابل اعتماد لغوی ہونے کے ساتھ ساتھ فقہ کے ثقہ عالم بھی تھے۔ شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) مسلک رکھتے تھے لیکن آپ کی لغوی حیثیت کے آگے دوسری تمام حیثیتیں دب کر رہ گئیں۔ خلیل کی ''کتاب العین'' کے طرز پر اپنی شہرۂ آفاق معجم ''تہذیب اللغۃ'' ترتیب دی۔ (القاموس الوحید ۴ مقدمہ، ص ۳۸-۳۹ ملخصاً۔ المنجد الاعلام العربی ص ۴۲ کالم نمبر ۲)

قریش اوران کے (سے) مذہبی خیالات رکھنے والے (بعض دوسرے قبائل) مزدلفہ میں ہی ٹھہر جاتے تھے اور خود کو حمس (یعنی پکے دیندار) کہتے تھے اور باقی تمام عرب عرفات میں جا کر قیام کرتے تھے پھر جب اسلام آیا تو رب تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ وہ عرفات جائیں اور وہاں قیام کریں پھر وہاں سے (قیام کے بعد) لوٹیں جب کہ قریش مشعر حرام سے ہی واپس ہو جاتے تھے تو اس پر رب تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ۔ (اسباب النزول للواحدی ج۱ ص ۳۲)

حج وعمرہ کی تکمیل کا حکم

تفسیر: وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ: ......یعنی ان دونوں کو رب تعالیٰ کی رضا کے واسطے ان کی شرائط سمیت پورا پورا ادا کرو۔[1] فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَیْسَرَ مِنَ الْهَدْیِ: یعنی جب تم کسی مرض یا دشمن (کے خوف) کی وجہ سے حج اور عمرے کو پورا کرنے سے روک دیے جاؤ (جب کہ اس سے قبل تم ان کا احرام باندھ چکے ہو) اور (اب) تم ان کا احرام کھولنا چاہتے ہو (جس کو اصطلاح میں تحلل کہا جاتا ہے) تو تم پر واجب ہے کہ تم ایک اونٹ یا گائے یا بھیڑ بکری وغیرہ کے جانور کو، جو سہولت سے میسر ہو، (فدیہ میں) ذبح کرو۔[2] وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى یَبْلُغَ الْهَدْیُ مَحِلَّهٗ: یعنی سر منڈوا کر یا بال کتروا کر اس وقت تک احرام نہ کھولو جب تک کہ قربانی کا جانور ذبح کی جگہ میں نہ پہنچ جائے جو حرم ہے یا مقام احصار ہے۔[3]

حلق وقصر پر فدیہ کا حکم

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِیْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْیَةٌ مِّنْ صِیَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ: ......یعنی اے احرام والو! تم میں سے جو ایسا مریض ہو جس کو بالوں سے تکلیف ہوتی ہو اور پھر اس نے بال منڈا دیے یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو جیسے سر میں جوئیں پڑ گئیں یا (شدید) درد ہونے لگا پھر اس نے (احرام کھولنے سے پہلے ہی) سر منڈوا لیا تو اس پر (اس کا) فدیہ ہے جو یا تو تین دن کے روزے ہیں یا چھ مساکین، پر تین صاع (غلہ) صدقہ ہے یا ایک جانور ذبح کرنا ہے (جس میں اعلیٰ تو اونٹ ہے البتہ) ادنیٰ بکری وغیرہ ہے۔[4] فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ: یعنی جب تم (حج کی) ابتدا سے ہی

---

[1] یہ آیت واقعہ صلح حدیبیہ میں ۶ ھ میں ہونازل ہوئی۔ یہاں حج کی فرضیت بتلانا مقصود نہیں کیوں کہ وہ پہلے ہی بتلائی جا چکی ہے بلکہ یہاں حج وعمرہ کے کچھ خاص احکام بتانا مقصود ہے جن کا تعلق مکہ مکرمہ اور بیت اللہ سے ہے۔ اس کے کچھ مسائل آیت نمبر ۱۲۵۔۱۲۸ میں قبلہ کے مسائل میں بیان ہوئے پھر قبلہ کی بحث کے اختتام پر آیت ۱۵۸ میں صفا مروہ کے درمیان سعی کرنے کا حکم بیان ہوا اب آیت ۱۹۶ تا ۲۰۳ مسلسل آٹھ آیتوں میں حج وعمرہ کے احکام ومسائل کا بیان ہے، (معارف القرآن ج۱ ص ۴۸۰ بحوالہ احسن البیان ج۱ ص ۳۳۳)۔ حج اسلام کا ایک رکن اور فرض عین ہے جب کہ عمرہ نہ فرض ہے، نہ واجب۔ البتہ شروع کر دینے سے پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے اس کا کافی بیان گزشتہ حاشیہ میں ہو چکا ہے۔ حج وعمرہ کے مسائل کافی تفصیلی ہیں جن کا احصا ان حواشی میں ممکن نہیں اس لیے بندہ احقر بھی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی اقتدا میں یہ کہہ کر قارئین سے سبکدوش ہوتا ہے، کہ ''حج اور عمرہ اور احرام کا طریق کتب فقہ میں دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے'' (بیان القرآن ج۱ ص ۱۱۲)
حج کے تفصیلی مسائل کے لیے دیکھیں عمدۃ الفقہ ج ۴ از سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

[2] آیت صلح حدیبیہ کی بابت نازل ہوئی جب کفار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور صحابہ کرام کو عمرہ کی ادائیگی سے مکہ سے باہر ہی روک دیا تھا اس وقت ان سب حضرات نے احرام باندھے ہوئے تھے۔ ان پر یہ حکم نازل ہوا کہ اونٹ گائے وغیرہ میں جو جانور آسانی کے ساتھ قربان کیا جا سکے اس کی قربانی دے کر احرام کھول دو، (بیان القرآن ج۱ ص ۴۸۱ بتصرف) قربانی کا طریقہ اگلی آیت میں مذکور ہے۔

[3] اس میں ائمہ کرام کے درمیان اختلاف مذاہب کی طرف اشارہ ہے کہ ''امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک محل سے مراد حدود حرم ہے کہ قربانی جب وہاں پہنچ جائے تو خواہ خود ذبح کرے خواہ دوسرے سے کرائے تو اب احرام کھول دے'' (بیان القرآن ج۱ ص ۴۸۱ بتصرف) جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''قربانی وہیں کرے جہاں اس کو روکا گیا ہے پھر احرام کھول دے کہ ان کے نزدیک محل سے یہی جگہ مراد ہے'' (تفسیر حقانی ج۱ ص ۵۵۸) دلائل ہر ایک کے اپنی اپنی جگہ مذکور ہیں جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں۔

[4] اگر قربانی دے تو اس کے لیے حدود حرم متعین ہے کہ وہاں دے البتہ روزہ اور صدقہ ہر جگہ ادا کر سکتا ہے (معارف القران ج۱ ص ۴۸۱)
''اگرچہ آیت میں روزہ اور طعام مساکین کی کچھ تشریح نہیں مگر اصحاب صحاح ستہ نے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں جو حدیث روایت کی ہے اس میں یہ سب تفصیل موجود ہے'' (تفسیر حقانی ج۱ ص ۵۵۸۔۵۵۹ حاشیہ نمبر ۱) (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ)

بے خوف ہو (اور امن واطمینان میں ہو) یا (ایک تفسیر یہ ہے کہ) حالت احصار کے بعد (تکلیف دور ہو کر جب) تم مطمئن ہو جاؤ، (علامہ جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ میں اسی مطلب کو اختیار کیا ہے جب کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان القرآن میں دونوں مطالب کو لیا ہے۔ واللہ اعلم)

حج تمتع کا حکم

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ:...... یعنی جو حج کے مہینوں میں عمرہ کرے پھر (احرام کھول کر ایام حج تک یعنی ۸ ذی الحجہ تک) ان باتوں سے فائدہ اٹھاتا رہے جن سے ایک غیر محرم فائدہ اٹھاتا ہے مثلاً عورتوں اور خوشبو وغیرہ (سے نفع اٹھائے) تو وہ رب تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے قربانی کا جو جانور بھی سہولت سے میسر آئے وہ ذبح کرے۔ [۱]

حج کی قربانی نہ کرنے پر دس روزے رکھنے کا حکم

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ:...... یعنی جس کے پاس ہدی خریدنے کی رقم نہ ہو وہ (دس) روزے رکھے۔ تین حج کے احرام کے ساتھ اور سات اپنے وطن واپس آ کر۔ [۲] تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ یعنی یہ دس روزے کے دن (قربانی کا جانور) ذبح (کرنے) سے کافی ہو جائیں گے کہ ان دس روزوں کا ثواب بغیر کسی کمی کے قربانی کرنے کے ثواب جتنا ہو گا۔ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ: یعنی (حج) تمتع یا ھدی کا حکم اہل حرم کے علاوہ (یعنی باہر سے آنے والے آفاقیوں) کے لیے خاص ہے اور حرم کے باسیوں کے لیے نہ تو حج تمتع (کا حکم) ہے اور نہ ہی ھدی (کا)۔ [۳]

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ)...... صاع:...... یہ غلہ ناپنے کا ایک پیمانہ ہے جو اہل حجاز کے حساب سے ۴ پونڈ یعنی گیارہ سو بیس درہم کے وزن کے بقدر ہوتا ہے اور اہل عراق کے اعتبار سے آٹھ رطل کے برابر یا (ہندی حساب سے) دو سیر چودہ چھٹانک چار تولہ کے برابر ہے۔" (القاموس الوحید ص ۹۵۱ کالم نمبر ۲)

ادھا صاع ہمارے اسی ۸۰ تولہ کے سیر کے مطابق تقریباً پونے دو سیر ہوتا ہے (معارف القرآن ج ۱ ص ۴۸۲) تو ایک صاع تقریباً ساڑھے تین سیر بنا جب کہ تین صاع ساڑھے دس سیر تقریباً بنا۔ واللہ اعلم۔ (نسیم) غلہ کی جگہ اس کی قیمت بھی صدقہ کر سکتے ہیں (معارف القرآن ج ۱ ص ۴۸۲)

(حاشیہ صفحہ ہذا)...... [۱] تمتع "فقہ کی اصطلاح میں حج اور عمرہ کو ملا کر ادا کرنے کا نام تمتع ہے یعنی حج کے زمانے میں ایک احرام باندھ کر عمرہ ادا کیا جائے اور احرام کھول دیا جائے پھر ۸ ذی الحجہ کو دوبارہ احرام باندھ کر حج کیا جائے" (احسن البیان ج ۱ ص ۳۳۳)

یہاں حج کی اقسام کا بیان ہے۔ حج کی تین قسمیں ہیں، افراد، قران اور تمتع، تمتع کی تعریف بیان ہو چکی۔ افراد یعنی ایام حج میں میقات سے یا حل سے صرف حج کی نیت کر کے احرام باندھے اور مکہ پہنچے۔ اس کے بعد حج کے تمام مناسک کو اسی احرام کے ساتھ ادا کر کے حج سے فارغ ہو جائے۔ قران یعنی احرام باندھتے وقت حج اور عمرہ دونوں کی نیت کرے اور مکہ پہنچ کر پہلے عمرہ کرے اور پھر جب تک کہ حج کے تمام مناسک سے فارغ نہ ہو جائے احرام نہ کھولے جس کا طریقہ اور ترتیب کتب فقہ میں مذکور ہے مگر اس حج والے پر نویں ذی الحجہ کو قربانی کرنا واجب ہے اس کو دم قران کہتے ہیں اور اگر قربانی میسر نہ ہو تو دس روزے رکھے جن کا اگلی آیت میں ذکر ہے جب کہ حج تمتع میں حج اور عمرہ کی جداگانہ نیت ہوتی ہے کہ پہلے عمرہ کر کے اس کے احرام کو کھول دیتے ہیں پھر آٹھویں تاریخ کو جس کو یوم الترویہ کہتے ہیں مسجد الحرام یا حرم کی عام جگہ سے احرام باندھ کر حج کے تمام افعال ادا کرتے ہیں۔ قربانی اس پر بھی واجب ہے اور اگر میسر نہ ہو تو دس روزے رکھے۔ (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۶۰ بتصرف وملخصاً)۔

[۲] پہلے تین روزے دسویں ذی الحجہ تک رکھے۔ (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۵۹)۔

[۳] عہد جاہلیت میں عربوں کا خیال تھا کہ ایام حج میں حج اور عمرہ کو جمع کرنا سخت گناہ ہے۔ اس خیال کی اصلاح دو پہلوؤں سے کی گئی کہ وہ لوگ جو حدود میقات کے اندر رہتے ہیں انہیں چوں کہ عمرہ کرنے میں کوئی مشقت نہیں اس لیے وہ ایام حج میں فقط حج کریں اور جو دور دراز سے آتے ہیں یعنی میقات سے دور رہتے ہیں۔ انہیں چوں کہ دوبارہ سفر کی صعوبت اٹھانا دشوار ہے اس لیے انہیں حج کے ساتھ عمرے کو جمع کرنا جائز ٹھہرا، اس آیت کا یہی مطلب ہے کہ جس شخص کے اہل وعیال مسجد حرام کے قرب وجوار یعنی حدود میقات کے اندر نہیں رہتے یعنی اس کا وطن حدود میقات کے اندر نہیں اس کے لیے اشہر حج میں حج اور عمرہ کو جمع کرنا جائز ہے۔ (معارف القرآن ج ۱ ص ۴۸۲ ملخصاً)

میقات:...... یہ وہ معین مقامات ہیں جو اطراف عالم سے مکہ میں آنے والوں کے ہر راستہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین ہیں کہ مکہ کے ارادہ سے آنے والے ہر شخص پر اس مقام پر حج یا عمرہ کی نیت سے احرام باندھنا لازم ہے اور بغیر احرام کے آگے بڑھنا ممنوع اور جرم وگناہ ہے۔ (معارف القرآن ج ۱ ص ۴۸۲)...... (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ)

حج کے ایام اور احکام

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ:......یعنی رب تعالیٰ کے اوامر کو بجالا کر اور اس کے نواہی سے اجتناب کر کے اس سے ڈرو اور جان رکھو کہ جو اس کے اوامر کی مخالفت کرتا ہے اس کو رب تعالیٰ شدید عذاب دیتا ہے۔ آگے رب تعالیٰ حج کے اوقات (یعنی حج کے ایام) کو بیان فرمار ہے ہیں۔ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ: یعنی حج (کی ادائیگی) کا وقت وہ مہینے ہیں جو لوگوں میں معروف ہیں اور وہ شوال، ذی القعدہ اور ذی الحجہ کے (پہلے) دس دن ہیں۔ [1] فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ: یعنی جس نے (ان مہینوں میں سے کسی میں) احرام باندھ کر اور تلبیہ [2] پڑھ کر اپنے اوپر حج (یا اسی طرح عمرہ کو ادا کرنا) لازم کر لیا۔ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ: یعنی (اب حج یا عمرہ کا احرام باندھ لینے کے بعد) نہ تو عورتوں کے پاس جائے نہ ان سے کسی قسم کا فائدہ اٹھائے کیوں کہ (اب) رب تعالیٰ کی طرف متوجہ ہے اور اس کی رضا کا متلاشی ہے لہٰذا اس کو چاہیے کہ وہ شہوتیں ترک کر دے، گناہوں کو چھوڑ دے اور اپنے رفقا (اور ہم سفروں) کے ساتھ لڑائی جھگڑے سے کنارہ کش ہو جائے۔ [3] وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ: یعنی (آخرت میں) تم لوگ جو کچھ نیکی اپنے لیے آگے بھیجو گے رب تعالیٰ تمہیں اس کا بہت بہتر بدلہ دے گا۔ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى: یعنی تم اپنی آخرت کے لیے تقویٰ کا توشہ لو کہ یہ سب سے بہتر زادِ راہ (اور توشہ) ہے۔ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ: یعنی اے عقل وفہم والو! تم مجھ سے اور میرے عقاب (وعتاب) سے ڈرو۔ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ:...... یعنی حج (کی ادائیگی کے دوران) کسی قسم کی) تجارت (کرنے) میں تم پر کوئی گناہ اور حرج نہیں ہے کیوں کہ دنیاوی تجارت دینی عبادت کے منافی نہیں۔ (زمانۂ جاہلیت میں مشرک) عرب اس کو گناہ خیال کرتے تھے تو یہ آیت (ان کے اس غلط خیال کی اصلاح

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ)......امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ احرام صرف حج وغیرہ کے لیے آنے والے کے ذمہ ہے جب کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کسی بھی کام کے لیے آنے والے پر یہ احرام باندھنا لازم ہے۔ (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۴۸۸)

مقاماتِ مواقیت:...... یہ پانچ ہیں، ذوالحلیفہ، یہ مدینہ کی طرف سے آنے والوں کے لیے ہے خواہ کہیں کے ہوں مگر مدینہ کی طرف سے آرہے ہوں۔ یہ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کی طرف دو فرسخ فاصلہ پر ہے۔ جحفہ، یہ ذوالحلیفہ کے محاذات میں ہے یہ شام کے راستہ میں ہے۔ قرن، یہ نجد کی طرف سے آنے والوں کے لیے ہے۔ یلملم، یہ یمن کی راستہ پر سمندر کے کنارے ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے۔ ہندوستان، پاکستان اور ایران کی طرف سے جانے والے جب عدن سے ہو کر جدہ جاتے ہیں تو جدہ یا عدن کے بیچ میں یہ پہاڑی مشرقی کنارے پر دکھائی دیتی ہے ان کو یہیں سے احرام باندھنا پڑھتا ہے۔

ذاتِ عرق:...... یہ اہل عراق کے لیے ہے جو مکہ سے دو منزل کے فاصلے پر ہے۔ ان سب مقامات کی تصریح رب تعالیٰ کے بتلانے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمادی تھی۔

حرم مکہ:...... یہ مکہ کے اطراف میں کئی میل تک پھیلا ہوا ایک علاقہ ہے عہد نبوی میں یہاں ٹیلوں کے نشانات تھے اب سلاطین نے اس کے ہر حدود پر مینارے اور دروازے بنا دیے ہیں ان حدود کی تعیین بھی لسانِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ ان کے اندر شکار کھیلنا یہاں کی گھاس وغیرہ کاٹنا اور ان میں کسی کو قتل کرنا حرام ہے۔

حل:......حدودِ حرم کے باہر کی سرزمین کو حل کہتے ہیں۔ مذکورہ بالا امور مثلاً شکار کھیلنا وغیرہ اس میں جائز ہے۔

حرم کعبہ:...... کعبہ اور اس کے اردگرد کی عمارتوں کو حرم کعبہ کہتے ہیں ان عمارتوں کا حکم مسجد کا ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۴۸۸۔۴۸۹ ملخصاً)

نوٹ:...... ہوائی جہاز کے ذریعہ جانے والوں کو مقامی ائیر پورٹ پر ہی احرام باندھنے کا کہہ دیا جاتا ہے کہ اسی میں احتیاط ہے۔

احرام باندھنے کے مفصل طریقہ کے لیے دیکھیں کتبِ فقہ ھدایہ وغیرہ۔ ''نسیم''

(حاشیہ صفحہ ہذا)...... [1] شوال اور ذی القعدہ تو جمہور مفسرین کے اتفاق سے پورے داخل ہیں البتہ ذی الحج کے پورے مہینہ کے ہونے یا نہ ہونے میں فقہا کا اختلاف ہے (جس کی تفصیل کتبِ فقہ میں مذکور ہے) ''تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۶۳'' ''نسیم [2] تلبیہ یہ مقام میقات پر (اور اسی طرح بعد میں مناسکِ حج کے دوران جس کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے) حج یا عمرہ کی نیت سے احرام باندھنے کے بعد بلند آواز سے "لبیك اللهم لبيك، لبيك لا شريك لك لبيك ان الحمد و النعمة لك والملك لا شريك لك" پڑھنے کو کہتے ہیں حج یا عمرہ کی نیت سے تلبیہ پڑھنے کے بعد بندہ محرم بن جاتا ہے۔ (معدن الحقائق ج ۱ ص ۲۳۵۔۲۳۶)

[3] ''اس آیت میں احرام کے ممنوعات ومحظورات کا بیان ہے'' (معارف القرآن ج ۱ ص ۴۸۶)۔ نسیم

اور) حج کے مہینوں میں تجارت کو ان کے لیے مباح کرنے کے لیے نازل ہوئی۔ [۱]

مزدلفہ میں تسبیح وتہلیل اور دعا کا حکم

فَاِذَآ اَفَضۡتُمۡ مِّنۡ عَرَفٰتٍ فَاذۡکُرُوا اللّٰہَ عِنۡدَ الۡمَشۡعَرِ الۡحَرَامِ:...... یعنی جب وقوف عرفات کے بعد وہاں سے لوٹو تو مزدلفہ میں مشعر حرام کے پاس ذکر و دعا تکبیر و تہلیل (لا الٰہ الا اللہ کہنے کو تہلیل کہتے ہیں) اور (آہ و) زاری کے ساتھ رب تعالیٰ کو یاد کرو۔ [۲]

وَاذۡکُرُوۡہُ کَمَا ھَدٰىکُمۡ ۚ وَاِنۡ کُنۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلِہٖ لَمِنَ الضَّآلِّیۡنَ: یعنی تم خدا کو اچھے طریقے سے یاد کرو جس طرح کہ خدا نے تم کو بہتر طریقہ سے ہدایت کی ہے (اور تمہیں یہ ذکر کرنا سکھایا ہے) اور ہدایت وایمان کی نعمت پر خدا کا شکر ادا کرو۔ کیوں کہ رب تعالیٰ کے تمہیں ہدایت سے سرفراز فرمانے سے پہلے تم لوگ بے راہ شمار ہوتے تھے جو ایمان سے (مطلق) ناواقف اور دین کے شرائع سے جاہل تھے۔ [۳]

---

[۱] بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہ ''جاہلیت میں تین بازار تھے عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز جب اسلام کا زمانہ آیا تو لوگ گناہ سمجھ کر ان بازاروں میں تجارت سے رکے اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔'' (تفسیر مظہری اردو ج ۱ ص ۲۸۲) ''اس آیت نے یہ واضح کر دیا کہ اگر کوئی شخص دوران حج کوئی بیع وشرا یا مزدوری کرے جس سے کچھ نفع ہو جائے تو اس میں کوئی گناہ نہیں'' (معارف القرآن ج ۱ ص ۴۸۷) ''عرب قومیں ایام حج میں تجارت کو برا سمجھتی تھیں حالاں کہ اس میں کچھ برائی نہیں بلکہ ایسے مجموں میں کاروبار خرید وفروخت بند ہونا ایک طرح کی مسافران باخدا کے لیے تکلیف ہے'' (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۶۲)

جناب سرسید احمد خان صاحب نے یہاں بھی اپنی فطری نیچریت کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی تفسیر کے ص ۲۴۹ پر حج کا مذاق اڑایا ہے اور اس کو مکہ کی آبادکاری کی ایک ترکیب قرار دیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی غرض ترقی تجارت اور مکہ کی آبادکاری تھی وگرنہ یہ سب رسمیات بعید از عقل وقیاس ہیں۔ یہود ونصاری اور ہندوں کی اس ہمنوائی اور اسلام سے بغض کی پردہ کشائی کی تفصیلی داستان کے لیے دیکھیں تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۶۵۔۵۶۸''

[۲] یہاں حج کے طریقہ کا بیان ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں، حج کے واسطے مکہ سے عرفات کو جا کر نویں کو وہاں ٹھہرتے ہیں راہ میں منیٰ اور مزدلفہ، پڑتے ہیں پھر اسی راہ کو لوٹتے ہیں اور شب دہم کو اول مزدلفہ میں صبح تک ٹھہرتے اور یہاں مغرب اور عشا دونوں نمازیں عشا کے وقت اکٹھے پڑھتے ہیں ان کو جمع کرنا واجب ہے'' (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۱۴)

عرفات:...... یہ حدود حرم سے باہر ایک خاص لمبے چوڑے پہاڑوں کے بیچ میں واقع میدان کا نام ہے اس کے حدود اربعہ معروف ہیں یہ مکہ معظمہ سے مشرق کی طرف طائف کی طرف جانے والی سڑک پر ۱۲ میل دور واقع ہے حجاج کو اس میں پہنچنا اور زوال آفتاب سے مغرب تک قیام کرنا فرض ہے اس کے فوت ہو جانے کا کوئی کفارہ اور فدیہ نہیں کہ اس کے فوت ہو جانے سے حج فوت ہو جاتا ہے یہاں نویں ذی الحجہ کو آتے ہیں یہاں دعا مانگتے ہیں اور شام کو امام خطبہ دیتا ہے جس میں حمد وثنا کے بعد احکام حج بیان کیے جاتے ہیں۔ غروب ہوتے ہی تمام خلق خدا یہاں سے چل پڑتی ہے۔

مزدلفہ:...... یہ مکہ سے شمال مشرق کی طرف پھیلے پہاڑی سلسلے میں مکہ سے چھ میل اور منیٰ سے دو تین میل آگے ایک میدان ہے عرفات سے لوٹتے وقت شب کو یہاں قیام کرتے ہیں اور مغرب اور عشا کو عشا کے وقت میں اکٹھے ادا کرتے ہیں۔ رات اسی میدان میں قیام کرتے ہیں۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دسویں ذی الحجہ یعنی یوم نحر کی فجر طلوع ہونے کے بعد مزدلفہ کا وقوف واجب ہے، مسلم شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ کھڑے ہو کر بڑی دیر تک ذکر الٰہی کیا یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔

مشعر حرام:...... یہ مزدلفہ میں واقع ایک پہاڑ کا نام ہے جس کو قزح بھی کہتے ہیں۔ بعض کے بقول یہاں آدم علیہ السلام کی بھٹی تھی اور ابوداؤد میں روایت ہے کہ یہ موقف انبیا علیہم السلام ہے۔ مشعر او رعلامت کے ہیں اور حرام سے مراد مقدس ومحترم ہے یعنی یہاں یہ پہاڑ اسلام کے شعار کے اظہار کے لیے ایک مقدس مقام ہے مزدلفہ اسی کے اردگرد کے میدان کا نام ہے۔ محسر کا معنی عاجز کر دینے والا ہے یہاں چوں کہ اصحاب فیل عاجز ہو کر غارت ہو گئے تھے اس لیے اس کو محسر کہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ مشعر حرام کے پاس تکبیر وتہلیل کے ذریعے خدا کو یاد کرتے ہیں۔ وقوف مزدلفہ میں وادی محسر داخل نہیں۔ یہ مزدلفہ کے ساتھ ہی ایک خاص میدان کا نام ہے۔ (از بیان القرآن، معارف القرآن، احسن البیان، تفسیر حقانی ومعدن الحقائق)

[۳] چوں کہ مزدلفہ کی خاص عبادت مغرب وعشا کو ایک وقت میں ادا کرنا ہے معلوم ہوا کہ ذکر وعبادت میں آدمی خود مختار نہیں کہ جس طرح چاہے خدا کو یاد کر لے اور جیسے چاہے اس کی عبادت کر لے بلکہ ذکر الٰہی اور ہر عبادت کے خاص آداب ہیں ان کے موافق کرنا ہی عبادت ہے اس کے خلاف کرنا جائز نہیں اور نہ ہی اس میں کمی بیشی اور تقدیم وتاخیر کرنا خدا کو پسند ہے'' (معارف القرآن ج ۱ ص ۴۸۸ بتصرف)

عرفہ میں قیام کا حکم

ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ:...... یعنی پھر (اسی میدان) عرفہ سے (واپس) اترو جہاں سے دوسرے لوگ اترتے ہیں (یعنی اے قریش! تم بھی اور لوگوں کی طرح پہلے عرفات جاؤ اور پھر وہاں سے لوٹو) تا کہ مزدلفہ (میں ہی ٹھہر جاؤ اور عرفات جاؤ ہی نہیں پھر واپس بھی اسی مزدلفہ) سے (ہی اترو) یہ قریش کو خطاب ہے جو لوگوں سے خود کو اس بات سے برتر سمجھتے تھے کہ وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ (میدان عرفات میں) ٹھہریں وہ کہا کرتے تھے کہ "ہم خدا کے اہل (اہل اللہ) اور حرم کے باسی ہیں ہم حرم سے نہ نکلیں گے۔ چنانچہ یہ مزدلفہ میں ہی ٹھہر جاتے تھے کیوں کہ مزدلفہ حرم میں تھا (اور عرفات حرم سے باہر تھا) پھر وہیں سے لوٹ آتے (کہ نا عرفات جاتے، نہ واپس وہاں سے آتے) اور یہ خود کو "حمس" (شدت اور حیثیت والے) کہلواتے تھے اسی لیے رب تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عرفہ جائیں وہاں قیام کریں پھر وہاں سے واپس آئیں۔ [۱]

حج کی ادائیگی کے بعد دعا و اذکار کا حکم

وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ:...... یعنی اپنے گزشتہ گناہوں کی خدا سے معافی مانگو بے شک وہ عظیم مغفرت اور وسیع رحمت والا ہے۔ فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِکَکُمْ فَاذْکُرُوا اللّٰهَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا: یعنی جب تم حج کے اعمال سے فارغ ہو جاؤ اور انہیں پورا کر لو تو رب تعالیٰ کا ذکر خوب کرو اور اس میں خوب مبالغہ کرو جس طرح کہ تم اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے ہو اور ان کے مفاخر (اور جنگی اور دوسرے کارنامے) بیان کرتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ (خدا کا ذکر کرو)۔ مفسرین کہتے ہیں کہ "عرب حج کے (ارکان و) مناسک ادا کرنے کے بعد (وادی) منیٰ میں مسجد اور پہاڑ کے بیچ میں ٹھہر جاتے اور (وہاں) اپنے باپ دادا کے مفاخر اور ان کی خوبیوں (اور کارناموں) کو ذکر کرتے تھے اس لیے انہیں حکم دیا گیا کہ (اس مقام پر بھی اور دوسرے مقامات کی طرح صرف اور) صرف اکیلے خدا کا ہی ذکر کرو۔ [۲] فَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا وَمَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ: یعنی کچھ لوگ ہوتے ہیں جن کا (بڑا اور اہم) غم (صرف) دنیا (ہی) ہوتی ہے وہ (یہ دعا) مانگتے ہیں، "اے اللہ! مجھے خاص دنیا میں ہی عطا و نوال سے نواز دیجیے" انہیں آخرت (کی نعمتوں) سے کوئی حصہ نصیب نہ ہوگا۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً: اور بعض دنیا و آخرت دونوں کی خیریں مانگتے ہیں، یہ مؤمن ہیں (جو دنیا و آخرت دونوں کے معاملہ میں) عقلمند (ہیں)۔ اس (مذکورہ) دعا نے (اپنے اندر) ہر خیر کو جمع کر لیا ہے اور (مؤمن پر سے) ہر شر کو ہٹا دیا ہے۔ دنیا کی حَسَنَةً (یعنی نیکی و نعمت) یہ صحت و تندرستی، عافیت (وسلامتی) کشادہ گھر، نیک (خوبرو) بیوی اور وسیع رزق وغیرہ (سب) کو شامل ہے اور آخرت کی حَسَنَةً یہ بڑی گھبراہٹ (کے دن) سے (یعنی

---

[۱] قریش خود کو بیت اللہ اور حرم کے مجاور سمجھتے تھے اس لیے اپنے لیے حدود حرم سے باہر جانا نامناسب گردانتے تھے (بیان القرآن۔ معارف القرآن) نسیم۔

[۲] زمانہ جاہلیت میں عرب تین روز تک (عرفات اور مزدلفہ سے لوٹنے کے بعد) منیٰ میں ٹھہرتے اور وہاں اپنے باپ دادا کے محامد اور بہادریوں کے شعر پڑھتے اور فخر کیا کرتے تھے اور مجمعوں میں بڑے زور زور سے (ان کے کارناموں کے) قصائد پڑھتے تھے تو مسلمانوں کو حکم ہوا کہ اے مسلمانو! تم بھی اسی طرح اپنے خدا کو یاد کرو بلکہ اس سے بھی زیادہ کیوں کہ تم اس کی خاص جماعت ہو۔ (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۶۳ بتصرف)

منیٰ:...... مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر شمال مشرق کے پہاڑی سلسلہ میں ایک میدان ہے جس کو منیٰ کہتے ہیں اب یہاں بہت سے مکانات تعمیر ہو گئے ہیں۔ ایام حج میں یہاں تین روز تک ٹھہرتے ہیں۔ یہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا قصد کیا اور شیطان نے مجسم ہو کر تین جگہ انہیں بہکانے کی کوشش کی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہر دفعہ اسے کنکریاں ماریں۔ اب ان تینوں مقامات پر نشان کے لیے تین چھوٹے چھوٹے منارے بنا دیے گئے ہیں انہیں جمرات کہتے ہیں، ایک جمرۂ اولیٰ دوسرا جمرۂ وسطیٰ اور تیسرا جمرۂ عقبیٰ کہلاتا ہے۔ اب ایام حج میں مسلمان بھی دستور ابراہیم علیہ السلام کو جاری رکھنے کے لیے ان کو سات سات کنکریاں مارتے ہیں اور اسی مقام پر لوگ حج میں عرفات سے لوٹ کر دسویں تاریخ کو احرام کھولتے اور قربانیاں کرتے ہیں۔" (ص ۹۰۴ ج ۱ حوالا بالا)

کنکریاں مارنے کا طریقہ:...... کنکری کو یا تو انگلیوں کے سرے سے یا انگوٹھے کے اور شہادت والی انگلی کے سرے سے مارتے ہیں" (معدن الحقائق ج ۱ ص ۲۴۷)

نوٹ:...... جمرۂ اولیٰ اور جمرۂ وسطیٰ کے درمیان ۳۵ ہاتھ کا فاصلہ ہے اور جمرۂ وسطیٰ اور جمرۂ عقبیٰ کی درمیان ۴۸ ہاتھ کا فاصلہ ہے" (ج ۱ ص ۲۴۸ حوالا بالا) رمی جمار کے تفصیلی طریقہ کے لیے دیکھیں کنز الدقائق، بحر الرائق، معدن الحقائق وغیرہ کتب فقہ۔

قیامت کے دن سے) امن، حساب کی آسانی، جنت میں داخلہ، اور رب ذوالجلال کے چہرہ کو دیکھنے وغیرہ (سب) کو شامل ہے۔"[1]
وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ: ...... یعنی ہمیں جہنم کے عذاب سے نجات دے۔ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ: یعنی جن لوگوں نے دارین کی سعادت کو مانگا تو ان کے ان کی نیکیوں (یعنی نیک کاموں) کا حصہ (یعنی اجر) ہے اور رب تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے وہ ساری مخلوق کا آنکھ جھپکنے (سے بھی جلد وقت) میں حساب لے لے گا۔"[2]

ایام تشریق میں رمی جمرات کا حکم

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ: ...... یعنی یوم نحر (یعنی قربانی والے دن جو دسویں ذی الحجہ ہے) کے بعد ایام تشریق[3] میں (جو) تین (دن) ہیں نمازوں کے بعد اور جمرات پر کنکریاں مارنے کے وقت تکبیر پڑھو۔ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ: یعنی جس نے منیٰ میں قیام کے دوران چلنے میں جلدی کی کہ دو دن بعد ہی چل دیا تو اس پر بھی کوئی حرج (اور گناہ) نہیں۔ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ: اور جو ٹھہرا رہا حتیٰ کہ اس نے تیسرے دن کی رمی بھی کی اور پھر چلا اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ اس کو نفر ثانی (دوسرا چلنا) کہتے ہیں۔[4] لِمَنِ اتَّقٰى: یعنی یہ مذکورہ (بالا) احکام اس شخص کے لیے ہیں جو خدا سے ڈرنے کا ارادہ رکھتا ہے اور حج کو کامل طریقہ پر ادا کرنا چاہتا ہے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ: یعنی خدا تعالیٰ سے ڈرو اور جان رکھو تم کو حساب کے لیے خدا کے آگے جمع کیا جائے گا اور وہ تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ دے گا۔
بلاغت: حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ: ...... (جب تک قربانی اپنے مقام تک نہ پہنچ جائے) اس میں مکان احصار میں قربانی کے ذبح کرنے کے (حکم کو بیان کرنے) سے کنایہ ہے۔ (یعنی اس میں کنایۃً یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو روک دیا گیا خواہ کسی بھی وجہ سے وہ مکان احصاد پر قربانی کر سکتا ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے صلح حدیبیہ کے دن کیا۔ نسیم) فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا: یہاں حذف کے ذریعے ایجاز ہے، یعنی "تم میں سے جو بیمار ہو پھر اس نے (بیماری کی وجہ سے) سر منڈا[5] دیا (کہ یہ جملہ حذف ہے) یا جس کو سر میں تکلیف ہو پھر اس نے سر منڈا دیا (یہ جملہ بھی حذف ہے) تو اس پر فدیہ ہے۔" وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ: اس میں غائب کے صیغوں سے حاضر کے صیغوں کی طرف التفات ہے (کہ گزشتہ جملہ فمن لم یجد غائب کا صیغہ ہے اور یہ حاضر کا صیغہ ہے) یہ محسنات بدیعیہ میں سے ہے۔ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ: اس میں تفصیل کے بعد اجمال ہے (کہ گزشتہ میں دس روزے رکھنے کی تفصیل تین اور سات دن کی تقسیم کے ساتھ بیان کر دی گئی ہے، اب اجمالاً ان دس روزوں کا یہاں ذکر کیا ہے) اس کو "اطناب" کہتے ہیں۔ اس کا فائدہ مزید تاکید اور روزوں کی حفاظت میں مبالغہ کرنا ہے تاکہ کوئی انہیں معمولی نہ سمجھے اور نہ ہی ان (کی تعداد) میں کمی کرے۔
وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ: ...... (یہاں دوسرے مقام پر) ضمیر کی جگہ رب ذوالجلال کے اسم جلیل (اللّٰہ) کو اس لیے ظاہر کیا ہے تاکہ (خدا کی) ہیبت کی تربیت کی جائے اور (بندوں کے جیبوں میں خدا کے) رعب کو داخل کیا جائے۔ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ: یہ نفی کے صیغے ہیں (جو جملہ اسمیہ کی قسم ہیں جو جملہ خبریہ ہوتا ہے) اور در حقیقت (معنیٰ کے لحاظ سے) یہ نہی (کا جملہ) ہے۔ (جو انشاء ہوتا ہے) یہ (جملہ خبریہ کی صورت میں) نفی

---

[1] چوں کہ مشرکین عرب آخرت کے قائل نہ تھے اس لیے ایام حج میں خدا کو تو یاد کرتے تھے مگر دعا میں سب کچھ فقط دنیا کے لیے ہی مانگتے تھے اس لیے خدا نے اس کی مذمت بیان فرمائی اور انہیں صرف دنیا طلبی کے بجائے دارین کی خیر یں طلب کرنے کی ترغیب دی۔" (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۱۵ بتصرف) نسیم [2] حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "(اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ) جتنی دیر میں آنکھ جھپکتی ہے اس سے بھی جلد حساب لے لیں گے۔" (تفسیر مظہری اردو ج ۱ ص ۲۸۸) نسیم [3] تشریق یہ گوشت خشک کرنے کو کہتے ہیں عید الاضحیٰ (یعنی یوم نحر جو دسویں ذی الحجہ ہے) کے بعد تین دن گوشت خشک کیا جاتا ہے ان کو ایام تشریق کہتے ہیں۔ (القاموس الوحید ص ۸۵۹) نسیم [4] اس آیت میں اہل جاہلیت کے ایک غلط خیال کی اصلاح کی گئی ہے کہ بعض لوگ تیرہ ذی الحج تک منیٰ میں قیام اور جمرات کی رمی کو ضروری سمجھتے تھے اور بارہ تاریخ کو لوٹنے کو ناجائز اور لوٹنے والے کو گنہگار تصور کرتے تھے۔ جب کہ بعض لوگ بارہ کو لوٹ آنا ضروری سمجھتے تھے اور تیرہ تاریخ تک ٹھہرنے کو گناہ تصور کرتے تھے۔ اس آیت میں بتلا دیا گیا کہ صحیح یہ ہے کہ حجاج کو دونوں صورتوں کا اختیار ہے جو دو روز ٹھہرے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اور جو تین دن ٹھہرے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں۔ (معارف القرآن ج ۱ ص ۴۹۳ بتصرف وتفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۶۳)۔ نسیم [5] علامہ جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ قرآن میں دوران ترجمہ قوسین میں اس جملہ کو بیان کیا ہے، دیکھیں ترجمہ قرآن کریم از علامہ فتح محمد جالندھری ص ۳۸۔ نسیم

صریح نہی سے زیادہ بلیغ ہے کیوں کہ (نفی میں دوام وثبات اور استمرار ہوتا ہے جب کہ نہی) اس بات کا فائدہ دیتی ہے کہ یہ باتیں سرے سے ہونی ہی نہیں چاہئیں (حالاں کہ ایسی بات نہیں کہ یہ برائیاں سرے سے ہیں ہی نہیں) کیوں کہ (یہ برائیاں خارج میں موجود ہیں اور) جو بات بذات خود بری ہو وہ حج کے دوران اور بھی زیادہ بری ہوتی ہے۔ چناں چہ خبریہ صیغے لا کر ہی کو مراد لینے میں (معنوی) مبالغہ واضح ہے۔ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ: اس میں تمثیلی تشبیہ ہے جس کا نام "مرسل مجمل" ہے۔ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا اور وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً: (کہ ان دونوں جملوں) میں (ایک) لطیف تقابل ہے (جو اہل نظر اور اصحاب دانش وبینش سے مخفی نہیں)

فوائد: ...... پہلا فائدہ:۔ نسک اصل میں عبادت کو کہتے ہیں اور (گائے اونٹ بکری وغیرہ) جانوروں کے ذبح کرنے کو (بھی) اس لیے نسک کہا گیا کہ یہ (قربانی کرنا) ان بزرگ عبادتوں میں سے ہے جن کے ذریعے اہل ایمان قرب خداوندی کو حاصل کرتے ہیں۔

دوسرا فائدہ: ...... دنیا کا توشہ (فقط) نفس کی مراد اور اس کی شہوتوں تک پہنچاتا ہے جب کہ آخرت کا توشہ آخرت کی ابدی نعمتوں تک پہنچاتا ہے اس لیے رب تعالیٰ نے فرمایا کہ آخرت کا توشہ زیادہ نافع ہے۔ (کہ فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى فرمایا کہ تقویٰ جو زاد آخرت ہے وہ خیر یعنی زیادہ بہتر اور نافع ہے) اسی معنیٰ میں اعشیٰ کہتا ہے۔[1]

اذا انت لم ترحل بزاد من التقیٰ ۔۔۔ ولا قیت بعد الموت من قد تزودا

جب تو نے تقویٰ کا زادراہ لے کر (آخرت کی طرف) کوچ نہ کیا اور مرنے کے بعد (میدان حشر میں) اس سے ملا جو (تقویٰ کا) توشہ لے کر آیا۔

ندمت علی الا تکون کمثلہ ۔۔۔ وانک لم ترصد کما کان ارصدا

"تو تو اس بات پر نادم ہوگا کہ تو اس کی طرح کیوں نہیں (تھا) اور (اس بات پر بھی پچھتائے گا کہ) تو نے (آخرت کے لیے) کیوں نہ تیاری کی جیسا کہ اس نے تیاری کی۔"

شیطانی کے نقش قدم پر چلنے والوں کو تہدید وتخویف

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰۗئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾ سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْ

ع ۲۵ / ۱۴

[1] "یہ عہد جاہلیت کے متعدد گمراہ جاہل شاعروں کا لقب ہے جن میں سے سب سے مشہور اعشیٰ قیس ہے جو اعشیٰ کبیر کے نام سے معروف ہے اس کو "صناجۃ العرب" کہتے ہیں۔ اس کا ایک دیوان ہے جس میں "قصیدہ لامیہ" سب سے مشہور ہے۔" (المنجد العربی الاعلام ص ۵۲ کالم نمبر ۳)

صنج اور صنوج: ...... یہ ایک پلیٹ پر دوسری پلیٹ کو ایک خاص طریقہ سے مار کر آواز نکالنے کو کہتے ہیں جس کو "چنگ بجانا" اور "جھانجھ بجانا" کہتے ہیں۔ اور "مناج اور صناجۃ" جھانج بجانے کے ماہر کو کہتے ہیں۔ اعشیٰ قیس کو یہ لقب اس لیے ملا کہ اس کے اشعار عمدہ اور جھانجھ بجا کر ترنم کے ساتھ پڑھنے کے لیے موزوں ہوتے تھے" فقط واللہ اعلم (القاموس الوحید ص ۹۴۴ کالم نمبر ۱ بتصرف)

بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾

وقف لازم

ترجمہ:...... لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے جس کی گفتگو آپ کو دنیاوی زندگی میں پسند آتی ہے اور وہ اللہ کو گواہ بناتا ہے اُس بات پر جو اُس کے دل میں ہے، حالانکہ وہ سخت ترین جھگڑالو ہے۔ ﴿۲۰۴﴾ اور جب وہ پیٹھ پھیر کر چل دیتا ہے تو زمین میں دوڑ دھوپ کرتا ہے تاکہ اس میں فساد کرے اور کھیتی کو اور نسل کو برباد کرے، اور اللہ فساد کو پسند نہیں فرماتا۔ ﴿۲۰۵﴾ اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ تو اللہ سے ڈر تو اس کا غرورِ نفس اس کو گناہ پر آمادہ کر دیتا ہے، سو اس کے لیے جہنم کافی ہے اور بلاشبہ وہ بُرا بچھونا ہے۔ ﴿۲۰۶﴾ اور لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے جو خرید لیتا ہے اپنے نفس کو اللہ کی رضا تلاش کرنے کے لیے اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔ ﴿۲۰۷﴾ اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ، اور شیطان کے قدموں کے پیچھے نہ چلو، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ ﴿۲۰۸﴾ سو اگر تم لغزش کھا جاؤ اس کے بعد کہ تمہارے پاس واضح دلیلیں آ چکی ہیں تو جان لو کہ بلاشبہ اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔ ﴿۲۰۹﴾ یہ لوگ صرف اس امر کے منتظر ہیں کہ اللہ اور فرشتے بادلوں کے سائبانوں میں ان کے پاس آ جائیں اور سارا قصہ ختم ہو جائے، اور اللہ ہی کی طرف تمام اُمور لوٹائے جائیں گے۔ ﴿۲۱۰﴾ آپ بنی اسرائیل سے دریافت فرمایئے ہم نے ان کو کتنی واضح دلیلیں دیں اور جو شخص اللہ کی نعمت کو بدل دے اس کے بعد کہ نعمت اس کے پاس آ جائے تو بے شک اللہ سخت عذاب والا ہے۔ ﴿۲۱۱﴾ مزین کی گئی ان لوگوں کے لیے دنیاوی زندگی جنہوں نے کُفر کیا اور وہ ہنسی کرتے ہیں ان لوگوں سے جو لوگ ایمان لائے حالانکہ جن لوگوں نے پرہیزگاری کو اختیار کیا وہ قیامت کے دن اُن سے بالا ہوں گے، اور اللہ جسے چاہے بِلا حساب رزق عطا فرماتا ہے۔ ﴿۲۱۲﴾

ماقبل سے مناسبت:...... جب رب تعالیٰ نے گزشتہ آیات میں ان عبادات کو بیان فرمایا جو دلوں کو پاکیزہ کرتی ہیں اور نفسوں کا تزکیہ کرتی ہیں جیسے روزہ، صدقہ اور حج وغیرہ اور یہ بیان فرمایا کہ کچھ لوگوں کی انتہائی غرض و غایت صرف دنیا ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں اور کچھ لوگوں کا انتہائی مقصود رب تعالیٰ کی رضا و رضوان حاصل کرنا ہے تو اس کے بعد ان دونوں طرح کے (آدمیوں کے) فریقوں کی مثال (اور نمونہ) کو بیان فرمایا۔ [۱] ایک فریق گمراہی والا ہے جس نے خود کو شیطان کے ہاتھوں فروخت کر دیا اور دوسرا فریق ہدایت والا ہے جس نے اپنے آپ کو (رب) رحمٰن کو (اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے) بیچ دیا ہے۔ آگے رب تعالیٰ نے شیطان کے نقشِ قدم پر چلنے والوں کو ڈرایا ہے اور ہمیں واضح کیا ہے کہ اس کی (ہمارے ساتھ) عداوت بہت شدید ہے۔

لغت: اَلَدُّ:...... یہ اَلدَد سے ہے یہ شدید جھگڑے کو کہتے ہیں۔ علامہ ابن جریر طبری فرماتے ہیں: ''الدیہ شدید جھگڑالو کو کہتے ہیں۔ [۲] حدیث شریف میں ہے، کہ ''اللہ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ شخص سخت جھگڑالو آدمی ہے۔'' [۳] اَلْحَرْثَ: یہ کھیتی کو کہتے ہیں کیوں کہ پہلے اس کو کاشت کیا جاتا ہے پھر اس میں ہل چلایا جاتا ہے (کہ حرث زمین کو بونے اور اس میں ہل چلانے کو کہتے ہیں۔ (القاموس الوحید ص ۳۲۴، نسیم)

اَلنَّسْلَ:...... یہ ذریت اور اولاد کو کہتے ہیں۔ اس کی اصل ''جلدی سے نکلنا'' ہے اسی معنی میں یہ ارشاد خداوندی ہے: اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ (یٰسٓ، ۵۱) ''(اور وہ روزِ محشر صور پھونکے جانے کے بعد قبروں سے نکل کر جلدی سے) اپنے پروردگار کی طرف دوڑ پڑیں گے۔'' اور نسل کو بھی اسی لیے نسل کہتے ہیں کہ وہ اپنی ماں کے پیٹ سے (ولادت کے وقت) جلدی کے ساتھ نکلتی ہے (یعنی پیدا ہوتی ہے)۔ اَلْعِزَّةُ: یہ حمیت اور بڑائی کو کہتے ہیں۔ [۴]

حَسْبُهٗ:...... حسب: یہ اسم فعل ہے [۵] اس کا معنی ہے، ''(جہنم) اس کو کافی ہے۔'' اَلْمِهَادُ: یہ سونے کے لیے بچھائے جانے والے بچھونے کو کہتے ہیں۔

---

[۱] ان آیات میں مخلصین اور منافقین کا بیان ہے۔ (از بیان القرآن) [۲] اس کی کسی قدر تفصیل بندہ محمد آصف نسیم کی تالیف ''اللہ کو کیا پسند کیا ناپسند'' ص ۱۴۲۔ ۱۴۳ میں بھی ہے۔ [۳] ''بخاری شریف''۔ [۴] علامہ جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ ''غرور'' سے کیا ہے دیکھیں ''ص ۴۰''۔ [۵] یہ ہر وہ اسم ہے جو فعل کے معنی میں ہو۔ اسمائے افعال یا تو امر کے معنی میں ہوتے ہیں یا فعل ماضی کے معنی میں۔ (ھدایۃ النحو ص ۵۴) مذکورہ اسم ''فعل امر'' کے معنی میں ہے۔ اسم فعل کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیں درایۃ النحو، شرح الجامی وغیرہ۔

يَّشْرِىْ :.....یعنی وہ بیچ ڈالتا ہے۔ابْتِغَآءَ :طلب۔السِّلْمِ : یہ سین کے کسرہ (یعنی زیر) کے ساتھ ہے جس کا معنی اسلام ہے اور اگر یہ سین کے فتحہ (یعنی زبر) کے ساتھ ہوتو اس کا معنی صلح ہے۔اور دراصل یہ لفظ استسلام سے ہے جس کا معنی تابعداری (فرمانبرداری) کرنا اور سرنگوں ہونا ہے۔شاعر کہتا ہے:

دعوت عشيرتي للسلم حتى رأيتهم تولو مدبرينا

میں نے اپنے قبیلہ (آل اولاد اور قریبی رشتہ داروں) کو فرمانبرداری (اور خود سپردگی) کی دعوت دی (مگر) میں نے انہیں (یہ کرتے) دیکھا کہ وہ پیٹھ پھیر کر چل دیے۔''

زَلَلْتُمْ :.....یہ زلل سے ہے یہ صراط مستقیم سے ہٹنے کو کہتے ہیں۔اصل میں ''چلنے'' میں استعمال ہوتا ہے پھر اس کو امور معنویہ میں استعمال کیا جانے لگا۔ظُلَلٍ : یہ ظلة کی جمع ہے یہ وہ (چھپر اور سائبان) ہے جو دھوپ سے (بندہ کو) چھپاتی (اور بچاتی) ہے اور اس کی شعاؤں سے آڑ بنتی ہے۔

سبب نزول :.....روایت میں آتا ہے کہ اخنس بن شریق نے خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر اپنا اسلام (لے آنا) ظاہر کیا اور قسم اٹھا کر کہا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے یہ بظاہر نیک مگر خبیث باطن رکھنے والا ایک منافق تھا پھر وہاں سے نکل کر وہ مسلمانوں کی ایک کھیتی اور ان کے گدھوں کے پاس سے گزرا اس نے کھیتی کو تو جلا دیا اور گدھوں کو مار ڈالا تو اس پر رب تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی :وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِىْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ

(تفسیر کبیر ج۵ ص ۲۱۵، اسباب النزول ص ۳۴)

(ایک اور سبب نزول) ایک روایت میں (یہ بیان کیا جاتا) ہے، کہ ''حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ نے جب مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا تو قریش کی ایک جماعت انہیں روکنے کے لیے ان کے پیچھے آئی۔(انہیں دیکھ کر) وہ اپنی سواری سے اترے اور اپنے ترکش کے (تمام) تیر زمین پر پھیلا دیے اور اپنی کمان سنبھال لی پھر فرمایا،''اے قریش کی جماعت! تم جانتے ہو کہ میں تم میں سب سے ماہر تیرانداز ہوں اور خدا کی قسم! جب تک میرے ترکش میں تم پر چلانے کے لیے ایک تیر بھی باقی ہے تم مجھ تک نہ پہنچ سکو گے (اور جب ایک بھی تیر نہ رہے گا تو) پھر میں اپنی تلوار سے مقابلہ کروں گا یہاں تک کہ یہ تلوار بھی میرے ہاتھ میں نہ رہے اس کے بعد جو تم سے ہو سکے کرنا۔'' وہ کہنے لگے،''جب تم ہمارے پاس آئے تھے تو غریب و محتاج تھے اور اب تم بہت مالدار ہو!!'' (اگر تم ہمیں کچھ مال دے دو تو اس کے بدلے میں ہم تمہیں چھوڑ دیتے ہیں) انہوں نے فرمایا:''اگر میں تمہیں اپنے مال کا پتہ بتلا دوں تو کیا تم میرا راستہ چھوڑ دو گے؟ وہ کہنے لگے،''ٹھیک ہے'' چنانچہ انہوں نے مکہ میں اپنے مال کا پتہ بتلا دیا۔پھر جب وہ مدینہ پہنچ کر خدمت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ارشاد فرمایا:''صہیب نے نفع کی تجارت کی،صہیب نے نفع کی تجارت کی''[1] تو اس پر رب تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی :وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ ......

(تفسیر کبیر ج۵ ص ۲۱۵، اسباب النزول ص ۳۴)

نفاق کے اثرات اور فساد

تفسیر :وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ :.....یعنی اے محمد! بعض لوگوں کی باتیں آپ کو بہت اچھی لگتی ہیں اور اس کی قوت بیان اور اس کی چکنی چپڑی باتیں آپ کو (حیرت و تعجب میں ڈال دیتی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو) پسند آتی ہیں مگر وہ (پرلے درجے کا) منافق اور کذاب ہوتا ہے۔ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا: یعنی صرف اس دنیا میں البتہ آخرت میں حاکم (اعلیٰ رب تعالیٰ کی) وہ علام الغیوب (ذات) ہے جو دلوں اور (ان کے) بھیدوں سے واقف (اور پر مطلع) ہے۔وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِىْ قَلْبِهٖ: یعنی وہ (منافق) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایمان کو ظاہر کرتا

---

[1] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت قبا میں تشریف فرما تھے اور کھجوریں نوش فرما رہے تھے اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی ایک آنکھ دکھ رہی تھی، وہ بھی ساتھ شریک ہو گئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''آنکھ تو دکھ رہی ہے اور کھجوریں کھاتے ہو'' انہوں نے عرض کیا، کہ ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس آنکھ کی طرف سے کھاتا ہوں جو تندرست ہے'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ جواب سن کر ہنس پڑے'' (حکایات صحابہ رضی اللہ عنہم ص ۲۱ قصہ نمبر ۸ باب اول)

ہے اور رب تعالیٰ اس کے دل کے کفر ونفاق کو ظاہر کرے گا۔وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ: یعنی وہ (درحقیقت) سخت جھگڑالو ہے جو ناحق جھگڑا کرتا ہے اور میٹھی میٹھی باتوں کے ساتھ خلاف حقیقت (اپنا) دین (دار ہونا) ظاہر کرتا ہے۔

وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا: یعنی جب وہ آپ ﷺ کے پاس سے (ایمان کا جھوٹا اظہار کرکے) واپس لوٹتا ہے تو زمین میں فساد (اور بگاڑ پھیلانے لگتا ہے۔ اگرچہ یہ آیت (خاص) اخنس (بن شریق منافق) کے بارے میں نازل ہوئی مگر بالعموم ہر اس منافق کے بارے میں ہے جو اپنی زبان سے وہ بات ظاہر کرتا ہے جو اس کے دل میں نہیں ہوتی جیسے شاعر کا یہ قول ہے:۔

يعطيك من طرف اللسان حلاوة ويروغ فيك كما يروغ الثعلب

ترجمہ:......"وہ تجھے اپنی زبان کے ایک گوشے سے تو مٹھاس دیتا ہے۔ (یعنی تمہارے ساتھ دل لبھانے والی چکنی چپڑی میٹھی میٹھی باتیں کرتا ہے) اور (اندر اندر سے) تمہیں یوں دھوکہ دے (کر نکل جاتا) ہے جیسے لومڑی جان بچانے کے لیے دھوکہ دے کر نکل جاتی ہے۔"

وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ: ......یعنی وہ کھیتوں کو (برباد) اور انسانی اور حیوانی نسل کو نابود کرتا ہے، مطلب یہ ہے کہ اس کا فساد شہریوں اور دیہاتیوں دونوں تک پھیلا ہوا ہے۔ حرث یہ کھیتیوں اور پھلوں کی نشوونما کی جگہ ہے اور نسل یہ حیوانات (خواہ انسان ہوں یا جانور) کی افزائش (و پیدائش) کو کہتے ہیں اور انسانیت کا قوام (یعنی اس کے وجود و بقا کا مدار اور اصل) ان ہی دونوں سے ہے لہٰذا حرث و نسل کو تباہ کرنا یہ (گویا کہ) انسانیت کو تباہ کرتا ہے۔وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ: یعنی رب تعالیٰ فساد و بربادی (اور فتنہ انگیزی) کو ناپسند کرتے ہیں اور فتنہ پردازوں کو دوست نہیں رکھتے۔وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ: یعنی جب اس بدکردار کو کوئی وعظ و نصیحت کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اپنے اس برے قول و فعل کو چھوڑ دے تو جاہلی حمیت اور (غرور) بڑائی اس کو گناہ پر اور قبول حق سے اکڑنے پر ابھارتی ہے۔ چنانچہ وہ (ایک طرف تو) فساد میں غرق ہو (کر سراپا فساد بن) جاتا ہے اور (دوسری طرف ہٹ دھرمی اور) عناد میں بڑا دور نکل جاتا ہے۔

فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ: ......یعنی اس کے لیے یہی بہت ہے کہ جہنم (کی آگ) اس کا (اوڑنا) بچھونا ہو، یہ بستر اور بچھونا بہت ہی برا ہے۔وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ: یہ (انسانوں کا) دوسرا فریق ہے جو نیکوکار اور بزرگ لوگ ہیں۔ چنانچہ رب تعالیٰ نے منافقوں کی بری صفات بیان کرنے کے بعد مؤمنین کی اچھی صفات کو بیان کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ لوگوں میں اہل خیر وصلاح کی ایک جماعت ہے جس نے رب کی خوشنودی طلب کرنے کے لیے اور اس کے ثواب کی رغبت میں اپنی جان کو بیچ ڈالا۔ وہ فقط رب کی خاطر ہی اعمال کی جستجو میں رہتے ہیں۔وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ: یعنی (وہ) بندوں پر عظیم رحمت والا (ہے کہ) ان کی نیکیوں کو دو چند (بلکہ چند در چند) کرتا ہے، ان کی سیئات کو صاف کرتا ہے اور جو نافرمانی کرے وہ اس کو سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ آگے رب تعالیٰ مؤمنین کو اس بات کا حکم دے رہے ہیں کہ وہ خدا کے حکم کی تابعداری کریں اور اس کے امر کے آگے سرنگوں ہو جائیں اور اس اسلام میں (پورے پورے) داخل ہو جائیں کہ جس کے سوا کسی اور دین کو خدا (روز محشر) قبول نہ فرمائیں گے۔ چنانچہ فرمایا۔

اسلام پر پورا پورا عمل کرو اور بدعت سے بچو

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً: ......یعنی اسلام کے احکام و شرائع کے ساتھ بالکلیہ داخل ہو جاؤ اور ایسا نہ کرو کہ ایک حکم کو لو اور دوسرے کو ترک کر دو کہ نمازیں تو (مثلاً) پڑھو مگر زکوٰۃ نہ دو چنانچہ اسلام سارے کا سارا (عمل کے لیے) ہے اس کے حصے بخرے نہیں ہوتے۔

وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ: یعنی شیطان کے راستوں پر نہ چلو اور اس کے بہکاوے میں نہ آؤ وہ تمہارا دشمن ہے جس کی عداوت کھلم کھلا ہے۔فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ: یعنی جب تم اس اسلام کے حق ہونے پر قطعی روشن اور ناقابل تردید دلائل کے آجانے کے بعد انحراف کرو گے (تو) فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ: جان رکھو کہ وہ غالب ہے اور نافرمانوں سے (ان کی نافرمانی کا) بدلہ لینے سے عاجز نہیں اور اپنی خلقت اور کاریگری میں حکمت والا ہے۔هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِىْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ: یعنی

یہ لوگ فقط اس بات کا ہی انتظار کر رہے ہیں کہ رب تعالیٰ روز قیامت بندگان خدا کے درمیان فیصلہ کرنے آئے کہ اس وقت آسمان پھٹ[1] جائیں گے اور رب ذوالجلال بادلوں کے سائبانوں، حاملین عرش اور ان فرشتوں (کے جھرمٹ) میں اترے جن کی کثرت کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اور وہ گرجدار آواز میں رب تعالیٰ کی یہ تسبیح پڑھ رہے ہوں گے۔ سبحان ذی العزة والجبروت سبحان الحی الذی لایموت سبحان الذی یمیت الخلائق ولا یموت سبوح قدوس رب الملائکة والروح...... "پاک ہے وہ ذات جو عزت و جبروت (یعنی طاقت و بڑائی) والی ہے، پاک ہے وہ ذات جو زندہ ہے جس کو موت نہیں، پاک ہے وہ ذات جو مخلوقات کو موت دیتی ہے مگر اس کو موت نہیں وہ پاک ہے، عیبوں اور کمیوں سے منزہ ہے فرشتوں اور (حضرت) جبرائیل علیہ السلام کا پروردگار ہے۔

وَقُضِيَ الْأَمْرُ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ: ...... (اور سارا قصہ ہی ختم ہو جائے) مخلوق کا قصہ ان کے درمیان فیصلہ کرنے سے ختم ہو جائے (کہ) ایک فریق جنت میں جائے اور دوسرا فریق (جہنم کی) بھڑکتی آگ میں جائے اور ایک اکیلے اللہ کی طرف (مقدمات کے فیصلوں کے لیے) لوگوں کا رجوع ہو۔ (اس آیت سے) مقصود روز قیامت کی عظمت (وہیبت) اس کی شدت و ہولناکی کی منظر کشی کرنا ہے اور اس بات کو بیان کرنا ہے کہ اس دن کا حاکم خدا ہوگا جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے جس کے حکم کو رد کرنے والا اور اس کے فیصلے کو روکنے والا کوئی نہیں وہ احکم الحاکمین ہے (یعنی وہ سب سے بڑا حاکم ہے) آگے رب تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

بنی اسرائیل کی سرزنش کا حکم

سَلْ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ: یعنی اے محمد! آپ بنی اسرائیل سے انہیں سرزنش کرنے اور دھمکانے کے لیے سوال کیجیے کہ ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کتنے ہی زبردست معجزوں اور ان پختہ دلائل کا مشاہدہ کیا جو ان کی صداقت پر دلالت کرتے تھے مگر اس کے باوجود بھی تم لوگوں نے (خدا اور اس کے رسول جناب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ) کفر کیا (اور ان پر) ایمان نہ لائے۔

وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ: یعنی جو رب تعالیٰ کی نعمتوں کو ان کے ساتھ کفر و انکار کر کے بدل دے تو اس کے لیے رب تعالیٰ کا نہایت دردناک عذاب ہے۔

کفار کے لیے حیات دنیوی کو مزین

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا: ...... یعنی ان کافروں کے لیے دنیا کی شہوتوں، اور نعمتوں کو خوشنما کر دیا گیا حتیٰ کہ وہ لوگ آخرت کو بھول گئے اور اس دنیا کی محبت ان کے دلوں میں رچ بس گئی حتیٰ کہ وہ اس پر ٹوٹ کر گرتے ہیں اور ہمیشگی کے گھر (جنت) سے منہ موڑ لیتے ہیں۔

---

[1] امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں، کہ "اس کا امر اور اس کا عذاب آ جائے۔ یہاں مضاف حذف ہے جیسے اس آیت میں حذف ہے، وَاسْئَلِ الْقَرْيَةَ (یوسف۔ ۸۳) "اور بستی (والوں یعنی اہل مصر) سے دریافت کر لیجیے" یہ مجاز (کا معنی) مشہور ہے (کہ بستی سے مجازاً سوال اور رب تعالیٰ کے آنے کا مجاز کہ دراصل "رب کا عذاب" مراد ہے، اور اس طرح کی دیگر مثالیں اور محاورے عربوں کی بول چال میں عام ہیں) کہتے ہیں: ضَرَبَ الْاَمِيْرُ فُلَانًا "امیر نے فلاں کو مارا اسی طرح اعطاہ اس نے فلاں کو دیا، اور صلبہ اس نے فلاں کو پھانسی دی (کہ یہ سب جملے مجازاً ہیں) کہ (درحقیقت) امیر نے (یہ سب کام نہیں کیے بلکہ) ان کے کرنے کا امر کیا ہے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تفسیر کا استدلال اس آیت سے کیا ہے هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ (النحل۔ ۳۳) "کیا یہ (کافر) اس بات کے منتظر ہیں کہ فرشتے ان کے پاس (جان نکالنے) آئیں یا تمہارے پروردگار کا حکم (یعنی عذاب) آ پہنچے" (کہ یہاں مضاف رب کے حکم یعنی عذاب کے آنے کا ذکر ہے) اور آیت کا یہ مطلب تفسیر ابن کثیر سے ہم نے بیان کیا ہے وہ (جمہور) اسلاف کا مذہب ہے۔ یہ (آیت کے معنی کو اس کے ظاہر پر رکھنا اور اس میں) تاویل نہ کرنا ہے اور آیت کا معنی یہ بیان کرنا ہے کہ رب تعالیٰ (روز محشر مخلوق کے درمیان) فیصلہ کرنے آئیں گے۔ "مؤلف"۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بیان القرآن ج ۱ ص ۱۱۸ میں، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ قرآن ص ۴۰ میں، علامہ عبدالحق حقانی رحمۃ اللہ علیہ دہلوی نے تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۶۹ میں، سید فضل الرحمٰن نے احسن البیان ج ۱ ص ۳۴۹ میں اور مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۳۹۲ میں پہلا مطلب ہی لیا ہے جو علامہ موصوف نے تفسیر ابن کثیر کے حوالہ سے بیان کیا ہے جب کہ علامہ جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۂ قرآن میں وہ مطلب لیا جس کو مولف موصوف نے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم

وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: ......یعنی یہ لوگ اس (کفر و انکار اور رب کی نعمتوں پر ناشکری) کے باوجود بھی اہل ایمان کا مذاق اڑاتے ہیں اور ان کے دنیا کو چھوڑ دینے اور آخرت کی طرف منہ کر لینے کی وجہ سے ان پر عقل کی کمی کی تہمت دھرتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ﴿۲۹﴾ (سورۃ المطففین، ۲۹)

ترجمہ: ......''جو گنہگار (یعنی کفار) ہیں وہ (دنیا میں) مؤمنوں سے ہنسی کیا کرتے تھے۔''

اہل ایمان کا بروز قیامت مرتبہ

وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ: یعنی رب تعالیٰ سے ڈرنے والے یہ مؤمن (قیامت کے دن) قدر و منزلت اور رتبہ و مرتبہ میں ان کافروں سے اوپر ہوں گے کہ اہل ایمان اعلیٰ علیین میں ہوں گے اور کفار (گنہگار) اسفل سافلین میں ہوں گے اور مؤمنین آخرت میں عزت و کرامت کی اوج (ثریا) میں ہوں گے جب کہ یہ کافر ذلت و رسوائی (کی دلدل میں دھنسے اور اس) کے گڑھے میں گرے ہوں گے۔
وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ: یعنی رب تعالیٰ (جنت میں) اپنے اولیا کو بڑا کشادہ اور آسودہ رزق دے گا جو نہ کبھی ختم ہوگا اور نہ ہی (ملنا) رکے گا۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ (سورہ غافر، ۴۰)[1]

ترجمہ: ......''(یہ لوگ) جنت میں داخل ہوں گے اور وہاں ان کو بے شمار رزق ملے گا۔''

یا (اس آیت کی یہ تفسیر ہے کہ) خدا دنیا میں اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا ہے رزق دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے (رزق کو) وسیع کر دیتا ہے خواہ وہ مؤمن ہو یا کافر نیک ہو یا بدکار یہ سب خدا کی حکمت و مشیئت کے تحت ہے نا کہ اس لیے کہ وہ (اس دیے گئے وسیع رزق کا) حساب و کتاب لے گا۔''

بلاغت: ......اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ: لفظ اثم (گناہ) کو لفظ عزۃ (بڑائی و غرور) کے بعد ذکر کیا گیا ہے۔ علمائے بدیع اس (اسلوب بیان) کو تتمیم[2] کہتے ہیں کیوں کہ بسا اوقات لفظ عزت سے یہ وہم ہوتا ہے کہ اس میں صاحب عزت کی مدح اور تعریف ہے چنانچہ لفظ اِثْمِ کو اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ذکر کیا کہ یہ عزت (قابل مدح و ستائش نہیں بلکہ قابل) مذمت (و ملامت) ہے۔
وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ: یہ تہکم کے باب میں سے ہے (یعنی اس میں کفار و منافقین کا مذاق اڑانا ہے کہ بستر آرام کے لیے ہوتا جب کہ آگ کا یہ بستر انہیں شدید اذیت دینے کے لیے ہوگا) یعنی جہنم (کی آگ) کو ان کے لیے اوڑھنا اور بچھونا بنایا جائے گا اور اس بستر کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جس طرح ایک ماں نرم نرم اوڑھنے اور بچھونے کے ساتھ اپنے بچے کے ساتھ کرتی ہے (کہ وہ بچے کے بستر کو خوب بچھاتی اور اوڑھاتی ہے اسی طرح جہنم کی آگ ان پر اوپر نیچے سے خوب بچھائی جائے گی)۔ هَلْ يَنْظُرُوْنَ: یہ استفہام انکاری ہے جو نفی کے معنی میں ہے اس کی دلیل بعد میں آنے والا کلمہ اِلَّا ہے[3] یعنی (یہ آیت) مَا يَنْظُرُوْنَ (کے معنی میں) ہے (جس کا مطلب ہے کہ ''وہ نہیں انتظار کرتے مگر خدا کے عذاب کا۔ واللہ اعلم)
فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ: ......اس میں (ظُلَلٍ کی) تنکیر ''تہویل'' (یعنی ہول دلانے) کے لیے ہے۔ اس میں حد درجہ کا ہول دلانا اور دہلانا ہے کیوں

---

[1] ''سورۂ مومن'' کا ایک نام ''سورۂ غافر'' بھی ہے۔ [2] یہ کلام کے وسط یا اخیر میں کسی زائد کلمے کے لانے کو کہتے ہیں جو نہ تو مستقل جملہ ہو اور نہ ہی جملہ کا رکن ہو (کہ جس سے جملہ کی اسناد کی تکمیل ہوتی ہو۔) اور اس زائد کلمہ کو اس لیے لایا جاتا ہے تا کہ خلاف مقصود کا وہم دور ہو۔'' (مختصر المعانی ص ۲۹۷) مذکورہ آیت میں بِالْاِثْمِ جار مجرور ہیں جو زائد ہیں یعنی نہ مسند ہیں اور نہ مسند الیہ۔ اور ان کو مقصود ''جو مذموم عزت ہے'' پر دلالت کرنے کے لیے لایا گیا ہے تا کہ ''عزت'' سے ''قابل ستائش و تعریف عزت'' نہ سمجھ لیا جائے کہ اس جگہ اس عزت کو بیان کرنا خلاف مقصود ہے۔ اس خلاف مقصود کے وہم کو دور کرنے کے لیے بِالْاِثْمِ کا لفظ لایا گیا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔
[3] اس میں نحو کے ایک مشہور قاعدہ کی طرف اشارہ ہے کہ مانافیہ اور الا استثنائیہ کے ذریعے حصر کا معنی پیدا کیا جاتا ہے اور الا استثنائیہ کے ذریعے حصر کا معنی اس وقت ہی پیدا ہوتا ہے جب ماقبل میں حرف نفی ما ہو یا اس نفی کے معنی میں کوئی کلمہ ہو۔ اسی لیے یہاں ہل استفہامیہ مانافیہ کے معنی میں ہے، اس کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیں درایۃ النحو اور شرح جامی وغیرہ۔ حرف استثنا کے بارے میں قدرے بیان گزشتہ میں گزر گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

کہ بادلوں کی کثافت دیکھنے والے سے (اس شے کو جو اس میں ہو خواہ وہ عذاب ہو یا رحمت) چھپا لیتی ہے (اور عذاب ہونے کی صورت میں آدمی سمجھتا ہے کہ ان سے بارانِ رحمت برسے گا مگر اچانک عذاب کی آگ برسنا شروع ہو جاتی ہے)۔ اور (اس آیت میں) قُضِيَ الْاَمْرُ کا (جو ماضی ہے) یأتیھم اللہ پر (جو فعل مضارع ہے جس میں استقبال کا زمانہ ہے) پر عطف ہے۔ یہاں (فعل مستقبل سے) ماضی کی طرف موڑا گیا تا کہ اس فعل کے تحقق اور ثبوت پر دلالت ہو سکے گویا کہ یہ بات ہو گئی ہے (حالاں کہ سے یہ زمانہ مستقبل میں زور قیامت ہو گی)۔ [1]

شَدِیْدُ الْعِقَابِ:...... یہاں رب ذوالجلال کے اسم مبارک کو دلوں میں رعب اور ہیبت ڈالنے کے لیے ذکر کیا گیا ہے۔ زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَیَسْخَرُوْنَ: (زُیِّنَ فعل میں مذکور) "تزیین" (یعنی دنیا کی خوشنمائی کے ذکر) کو ماضی کے صیغہ میں ذکر کیا گیا کیوں کہ (یہ دنیا) ان کے (دلوں میں) رچی بسی اور ان طبیعتوں میں کبھی ہوئی تھی (اور ان کے دل اس کے لیے بے قرار اور بے چین رہتے تھے) اور اس پر یَسْخَرُوْنَ فعل مضارع کا عطف ڈالا گیا تا کہ اس پر دلالت ہو کہ وہ ہمیشہ ہی اہل ایمان کی ہنسی اڑاتے ہیں کیوں کہ (جہاں ماضی کسی شئی کے وقوع اور اس کے قطعی وجود پر دلالت کرتا ہے وہیں) فعل مضارع کسی شے کے استمرار اور دوام (یعنی ہمیشگی) پر دلالت کرتا ہے (یعنی ایک تو ان میں دنیا کی محبت بے تحاشا تھی جس پر ماضی کا فعل دلالت کرتا ہے دوسرے وہ ہمیشہ اہل ایمان کا مذاق اڑاتے تھے جس پر فعل مضارع دلالت کرتا ہے۔ واللہ اعلم)

تنبیہ:...... علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ "التدمریہ" میں فرماتے ہیں: "اس آیت میں رب تعالیٰ نے اپنی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ (روز محشر) بادلوں کے سائبانوں میں نزول (اجلال) فرمائے گا اسی طرح چند دوسری آیات میں بھی رب تعالیٰ نے اپنی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ (روز محشر) آئیں گے اسی طرح صحیح احادیث میں بھی یہ مضمون آتا ہے۔ ان سب میں ایک ہی بات ہے جو اسلاف اور ائمہ امت کا مذہب ہے کہ وہ رب تعالیٰ کی ویسی ہی صفت بیان کرتے ہیں جیسی کہ رب تعالیٰ نے خود اپنی صفت بیان کی ہے (کہ رب تعالیٰ نے اگر اپنا "آنا" بیان فرمایا ہے تو ہم بھی اس کو مانتے ہیں اگرچہ رب تعالیٰ کی ذات زمان و مکان سے پاک اور منزہ ہے) اسی طرح وہ احادیث میں بیان کردہ صفات باری تعالیٰ کو یوں ہی مانتے ہیں اور اس میں وہ کسی قسم کی تحریف، تعطیل (یعنی رب تعالیٰ کو اس کی کسی صفت سے خالی اور معطل قرار دینا)، تکییف (کہ مثلاً اس مذکورہ صفت "آنے" کی کیفیت کیا ہو گی اس کو بیان کرنا) اور "تمثیل" نہیں ثابت کرتے۔ (یعنی رب کی صفات کو مخلوق کی کسی صفت کی مثل قرار نہیں دیتے)۔ رب تعالیٰ کی صفات کا حکم بھی وہی ہے جو اس کی ذات (بابرکات) کا ہے کہ کوئی شی اس جیسی نہیں نہ اس کی ذات میں نہ اس کی صفات میں اور نہ ہی اس کے افعال اور اگر کوئی یہ پوچھے کہ "رب تعالیٰ کا آنا کیسا ہو گا؟ تو اس کو یہ کہا جائے گا، کہ "جس طرح تم اس کی ذات کی کیفیت کا علم نہیں رکھتے اسی طرح تم اس کی صفات کی کیفیت کا بھی علم نہیں رکھتے۔"

امت کا راہِ راست سے بھٹکنا اور باہم اختلاف کرنا

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۫ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا

[1] فعل ماضی کی ایک معنوی خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ کسی شی کے تحقق اور ثبوت پر نفیاً یا اثباتاً دلالت کرتی ہے کہ جو کام زمانہ ماضی میں ہو گیا اس کا وجود یقینی ہے اسی سے انکار ممکن نہیں البتہ زمانہ استقبال کے امور محل احتمال میں ہیں کہ مبادا واقع ہوں اور ممکن کہ واقع نہ ہوں۔ قرآن کریم کا ایک نہایت بلیغانہ اسلوب بیان یہ بھی ہے کہ وہ ان امور کو جو ہوتے تو زمانہ مستقبل میں ہیں جو عدم وقوع کا احتمال بھی رکھتا ہے مگر وہ امور ہوتے ایسے قطعی ہیں کہ جن کا وجود یقینی ہے، ان کو ماضی کے صیغہ کے پیرایہ میں بیان کرتا ہے تا کہ ان کے وقوع میں کسی قسم کا شک اور تردد نہ رہے۔ جیسے قیامت قائم ہونا، حساب و کتاب ہونا، قبروں سے اٹھایا جانا، میزان عدل قائم کرنا وغیرہ وغیرہ۔ اور مقصود یہ ہوتا ہے کہ جس طرح زمانہ ماضی کے احوال و حوادث اپنے وقوع اور وجود میں یقینی ہیں اسی طرح یہ واقعات بھی زمانہ مستقبل میں اپنے وقوع میں یقینی ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔ نسیم

مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾

ترجمہ: ......سب لوگ ایک جماعت تھے، پھر اللہ نے نبی بھیجے خوشخبری دینے والے، اور ڈرانے والے، اور ان کے ساتھ کتاب اُتاری حق کے ساتھ، تاکہ فیصلہ فرمائے لوگوں کے درمیان اُس بات کا جس میں انہوں نے اختلاف کیا اور یہ اختلاف ان ہی لوگوں نے کیا جن کو کتاب دی گئی اور انہوں نے یہ اختلاف باہمی ضدا ضدی کے باعث اس کے بعد کیا جب کہ ان کے پاس کھلی ہوئی دلیلیں آچکی تھیں، پھر اللہ نے اپنے فضل سے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اس امرِ حق کی ہدایت دی جس میں وہ اختلاف کرتے تھے اور اللہ جس کو چاہے سیدھے راستہ کی ہدایت دیتا ہے۔﴿۲۱۳﴾ کیا تم نے خیال کیا ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ اُن لوگوں جیسے واقعات تمہیں پیش نہیں آئے جو تم سے پہلے گزرے ہیں، ان کو پہنچی سختی اور تکلیف، اور وہ لوگ جھنجھوڑ دیے گئے یہاں تک کہ رسول نے اور ان مؤمنین نے جو رسولؐ کے ساتھی تھے کہہ دیا کہ کب ہوگی اللہ کی مدد، خبردار بلاشبہ اللہ کی مدد قریب ہے۔﴿۲۱۴﴾ وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ آپ فرما دیجیے کہ جو مال تم خرچ کرو اس کا مصرف والدین اور قرابت دار اور یتیم اور مسکین لوگ ہیں اور جو بھی خیر کا کوئی کام تم کرو گے سو اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے۔﴿۲۱۵﴾ فرض کیا گیا تم پر جنگ کرنا اور وہ تمہیں ناگوار ہے، اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناگوار سمجھو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو، اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لیے بُری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔﴿۲۱۶﴾ آپ سے شہرِ حرام کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ فرما دیجیے کہ اس میں جنگ کرنا بڑا جرم ہے، اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجدِ حرام کے ساتھ کفر کرنا اور اہلِ مسجدِ حرام کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بڑا گناہ ہے اور فتنہ پردازی قتل کرنے سے بڑا جرم ہے اور کافر لوگ برابر تم سے جنگ کرتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ تمہیں پھیر دیں گے تمہارے دین سے اگر اُن سے ہو سکے اور جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے پھر حالت کفر میں مر جائے، سو دنیا و آخرت میں ایسے لوگوں کے اعمال اکارت ہو جائیں گے اور یہ لوگ دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔﴿۲۱۷﴾ بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا یہ لوگ اللہ کی رحمت کی اُمید رکھتے ہیں، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔﴿۲۱۸﴾

مناسبت: ......گزشتہ آیات میں رب تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ لوگوں کی دو جماعتیں ہیں۔ ایک جماعت روئے زمین پر فساد پھیلاتی پھرتی ہے

اور وہ لوگوں کو اپنی چکنی چپڑی باتوں اور قوت بیان سے بہکاتی پھرتی ہے اور ایک جماعت وہ ہے جس نے رب کی رضا کی خاطر (راہ خدا میں) اپنی جانوں کو بیچ دیا ہے وہ رب کے سوا کچھ نہیں چاہتے۔ اور جب خیر اور شر میں ستیزہ کاری ناگزیر تھی اور حق (کی حفاظت وحمایت) کے لیے ایک سونتی ہوئی تلوار کا ہونا ضروری تھا تو رب تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے یہ بات مشروع کی کہ وہ (حق کی حمایت کی) جدوجہد میں تلوار اٹھالیں اور دشمنوں کو ہٹانے اور ظلم وسرکشی کا سر توڑنے کے لیے جہاد کو مشروع کیا۔

لغت: ......بَغْيًا: (یہ) البغی (سے ہے اس کا معنی) ظلم اور سرکشی ہے۔ وَزُلْزِلُوْا: یہ زلزلۃ الارض سے ماخوذ ہے یہ زمین کے ہچکولے کھانے اور زلزلے کو کہتے ہیں اور زلزلہ یہ شدید جھٹکوں (اور ہچکولوں) کو کہتے ہیں۔ كُرْهٌ: یہ کسی ایسی شی کو کہتے ہیں جو جیؤوں کو ناگوار ہو۔ ابن قتیبہ[1] کہتے ہیں۔ "الکرہ" یہ جب (کاف کے) ضمہ (یعنی پیش) کے ساتھ ہو تو (اس کا معنی) مشقت ہے اور جب (کاف کے) فتحہ (یعنی زبر) کے ساتھ ہو تو (اس کا معنی دوسرے پر) جبر واکراہ (اور اس پر زور زبردستی) ہے۔ صَدٌّ: اس کا معنی ہے روکنا۔ صدہ عن الشئی کا مطلب ہے کہ "اس کو اس شے سے روکا (اور باز رکھا)۔ يَرْتَدِدْ: یعنی جو پھر جائے۔ (یہ ارتداد اور) ردۃ (سے ہے جس کا معنی) ایمان لاکر کفر کی طرف (پھرنا اور اس کی طرف) لوٹ جانا ہے۔ علامہ راغب اصفہانی فرماتے ہیں، "ارتداد اور ردۃ یہ" اسی راستے کی طرف لوٹنا ہے جس سے آیا تھا لیکن (ان دونوں میں سے لفظ) ردۃ کفر کے ساتھ ہی خاص ہے جب کہ (لفظ) ارتداد کفر اور غیر کفر دونوں (معانی) میں استعمال ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا (سورۃ الکہف، ۶۴) "تو وہ اپنے پاؤں کے نشانات دیکھتے دیکھتے لوٹ گئے۔" (مفردات القرآن)

حَبِطَتْ: یعنی برباد ہو گئے اور ضائع ہو گئے۔ "لسان العرب"[2] میں ہے کہ "حبط" یعنی فلاں نے ایک عمل کیا پھر اس کو برباد کر دیا (یعنی "حبط" کا مطلب ہے ایک کام کو پہلے درست کرنا پھر اس کو برباد کرنا) قرآن کریم میں ہے:

فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ (محمد، ۹) "تو خدا نے بھی ان کے اعمال اکارت کر دیے"۔

یعنی ان کا ثواب باطل کر دیا۔ (لسان العرب، مادہ "حبط")

يَرْجُوْنَ: ......(یہ) الرجاء (سے ہے جس کا معنی) کسی ایسی شی کی طمع اور اس کی امید ہے جس میں نفع اور فائدہ اور مصلحت ہو۔

سبب نزول: ...... نبی کریم ﷺ نے ایک سریہ میں (اپنے پوپھی زاد بھائی) حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو بھیجا[3] تاکہ وہ قریش کے قافلہ[4] کی گھات لگائیں جس میں عمرو بن حضرمی اور اس کے ساتھ تین اور لوگ بھی تھے۔[5] ان لوگوں نے عبداللہ بن حضرمی[6] کو قتل کر دیا اور دو کو قیدی بنالیا اور قافلہ کو اس کے تجارتی سامان سمیت مدینہ لے آئے یہ یکم رجب کا واقعہ تھا جب کہ یہ لوگ اس کو جمادی الاخری سمجھتے رہے (جس میں قتال کی اجازت تھی نہ کہ رجب میں) اس پر قریش نے واویلا کر دیا کہ "محمد (ﷺ) نے "شہر حرام" (ماہ حرام) کو حلال کر لیا (کہ اس میں بھی اب قتال کرنے لگے) جب کہ اس ماہ میں (دشمن سے) خوفزدہ (ہر) شخص کو (بھی) امن ہوتا ہے اور لوگ اس میں معاش کی تلاش میں (اطراف وجوانب میں) پھیل جاتے ہیں۔" مسلمانوں کو یہ بات بڑی بھاری لگی تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ......"[7]

---

[1] یہ زبردست ادیب، فقیہ اور محدث ابو محمد عبداللہ ابن قتیبہ (۸۲۸۔۸۸۹) ہیں جو کوفہ میں پیدا ہوئے۔ خراسانی الاصلی تھے۔ ایک عرصہ تک "دینور" کے قاضی رہے۔ اپنی تالیفات سے شہرت پائی۔ "الشعر والشعراء"، "ادب الکاتب"، "عیون الاخبار" اور "کتاب المعارف" آپ کی مشہور تالیفات ہیں۔" (المنجد الاعلام العربی ص ۱۲ کالم نمبر ۳) [2] اس کا تفصیلی تعارف گزر چکا ہے۔ [3] انہیں آپ ﷺ نے مقام نخلہ کی طرف روانہ فرمایا تھا حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اس جہادی قافلہ کے امیر تھے، اس میں آٹھ مہاجرین کا دستہ تھا۔ بعض دوسری روایات میں ۱۲ کی تعداد بھی مذکور ہے (احسن البیان ج ۱ ص ۳۵۸) [4] اس قافلہ میں تیل، کشمش، زیتون اور چمڑے وغیرہ پر مشتمل تجارتی سامان تھا (ص ۳۵۹ حوالا بالا)۔ [5] ان میں عبداللہ بن مغیرہ کے دولڑ کے عثمان اور نوفل اور تیسرے ہشام بن مغیرہ کا آزاد کردہ غلام حکم بن کیسان تھا" (ص ۳۵۹ حوالا بالا) [6] یہ ماہ جمادی الاخری کے ختم اور ماہ رجب کے شروع کا واقعہ جس میں قتال حرام تھا۔ عبداللہ بن حضرمی حضرت واقد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے تیر سے ہلاک ہوا تھا یہ مسلمانوں کے ہاتھوں مشرکین کا سبب سے پہلا قتل تھا۔ (ص ۳۵۹۔ حوالا بالا) [7] اس واقعہ کی پوری تفصیل کے لیے دیکھیں "سیرۃ المصطفیٰ ج ۲، الرحیق المختوم، نبی رحمت، سیرۃ النبی" وغیرہ۔

لوگوں کی راہنمائی کے لیے انبیا اور کتابوں کا نزول

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً: یعنی (پہلے) لوگ ایمان اور سیدھی (اور راست) فطرت پر تھے پھر وہ آپس میں اختلاف اور تنازعہ کرنے لگے۔ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ: تو رب تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے واسطے انبیا کرام کو بھیجا جو اہل ایمان کو تو نعمتوں کے باغات کی بشارتیں سناتے تھے اور کافروں کو آگ کے عذاب کا ڈر سناتے تھے۔ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ: یعنی ان کے ساتھ لوگوں کی ہدایت وراہنمائی کے لیے آسمانی کتابیں نازل فرمائیں۔ ان کتابوں کا حال یہ تھا کہ ان کو لوگوں کے درمیان اس امر دین میں نازل کیا گیا جس میں لوگ باہم اختلاف کرتے تھے۔ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ: یعنی ان نازل ہونے والی روشن اور ہدایت دینے والی کتابوں میں اختلاف بھی انہی لوگوں نے کیا جن کو یہ کتابیں عطا کی گئیں تھیں یعنی ان لوگوں نے امر (خداوندی) کو الٹ دیا وہ یوں کہ جس بات کو خدا نے اختلاف مٹانے کے لیے نازل فرمایا تھا اسی کو انہوں نے اس اختلاف کو اور زیادہ مضبوط اور پکا کرنے کے کا سبب بنا لیا (یعنی خدا کی کتاب ہی کو آڑ بنا کر خوب خوب اختلاف کیا)۔ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ: یعنی (ان لوگوں نے یہ اختلاف) ان واضح اور قطعی دلائل کے ظاہر ہونے کے بعد (کیا تھا) جو کتاب خدا کی صداقت پر دلالت کرتے تھے لہٰذا ان کا یہ اختلاف علم و دلیل کے ساتھ نہ کہ غفلت ولاعلمی کی بنا پر تھا۔ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ: یعنی (ان لوگوں نے یعنی) کافروں نے (یہ اختلاف) اہل ایمان کے ساتھ حسد کی وجہ سے (کیا تھا)۔ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ: یعنی رب تعالیٰ نے اپنے لطف واحسان کے ساتھ اہل ایمان کو آسانی کے ساتھ اس حق کی ہدایت نصیب فرمائی جس میں اہل ضلالت اختلاف کر رہے تھے۔ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ: یعنی رب تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اس طریق حق کی طرف اپنی ہدایت نصیب فرماتے ہیں جو نعمتوں کے باغات (یعنی بہشت) تک پہنچاتا ہے۔

تکالیف پر صبر کی حکیمانہ تاکید

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ: یعنی اے مؤمنوں کی جماعت! کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم آزمائش امتحان اور جانچ پرکھ کے بغیر (یونہی) جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ: حالاں کہ ابھی تک تمہیں ان جیسی شدید تکلیفیں (اور مشقتیں) تو پہنچی نہیں جو تم سے پہلے مؤمنوں کو پہنچیں تھیں اور تم ان جیسی صعوبتوں میں مبتلا نہیں کیے گئے ہو جن میں ان کو مبتلا کیا گیا تھا۔

مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ: یعنی انہیں (بڑی بڑی) سختیاں، مصیبتیں اور تکلیفیں پہنچیں۔

وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ: یعنی انہیں زبردست جھنجھوڑا گیا (اور ہراساں اور پریشان کیا گیا) جو زلزلہ کی طرح تھا حتیٰ کہ ان کا حال یہ ہو گیا کہ پیغمبر اور ان کے ساتھ کے مؤمن لوگ سب پکار اٹھے کہ خدا کی مدد کب آئے گی؟ اور ایسا انہوں نے اس لیے کہا کہ جب ان پر مصائب وشدائد کی انتہا ہو گئی تو وہ خدا کی مدد میں تاخیر خیال کرنے لگے۔ (کہ اتنی سختی میں بھی خدا کی مدد ابھی تک نہیں آئی) یہ (ان لوگوں کو پہنچنے والی) سختی کی انتہائی منظر کشی ہے کہ جب خدا کے پیغمبر بھی صبر وثبات میں انتہائی بلند رتبہ رکھنے کے باوجود اپنے صبر کا پیمانہ لبریز کر بیٹھے تھے اور اتنی کبیدگی خاطر اور تنگی تک پہنچ گئے تھے جو اس بات پر دلیل ہے کہ وہ تنگی اور شدت اپنی آخری حد تک پہنچ گئی تھی تو رب تعالیٰ انہیں جواب دیتے ہوئے، ارشاد فرماتے ہیں کہ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ: یعنی دیکھو اور اس (مدد) نصرت کی بشارت لو جس کا وقت قریب آ گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ (سورۃ الحج، ۴۰)

ترجمہ:...... ''اور جو شخص خدا کی مدد کرتا ہے خدا اس کی ضرور مدد کرتا ہے بے شک خدا توانا (اور) غالب ہے۔''

مصارف صدقات کا بیان

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ:...... یعنی اے محمد! یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ (خدا کی راہ میں) کس طرح کا مال خرچ کریں اور کس پر خرچ کریں؟

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، کہ "یارسول اللہ! ہم اپنے اموال میں سے کس طرح کا مال خرچ کریں اور کن پر خرچ کریں؟" قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ: یعنی اے محمد! آپ ان سے کہہ دیجیے کہ ان اموال کو (اہل استحقاق کے) ان مصارف میں (درجہ بدرجہ) خرچ کرو۔ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ: یعنی جو نیکی بھی تم کرتے ہو خدا اس کو جانتا ہے اور وہ تمہیں اس پر بے حد ثواب و جزا دے گا۔ آگے رب تعالیٰ اسلام میں قتال (اور کافروں کے ساتھ جنگ) کی مشروعیت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ: یعنی اے مؤمنو! تم لوگوں پر کافروں کے ساتھ (راہِ خدا میں) لڑنا فرض کر دیا گیا ہے اگر چہ وہ تمہارے جیووں پر نا گوار اور بھاری ضرور ہے کیوں کہ اس میں مال کو خرچ کرنے کے ساتھ ساتھ جان کو ہلاکت کے خطرے میں ڈالنا ہے۔ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ: یعنی، مگر عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور اس میں تمہارے لیے بڑی خیر اور نفع ہو۔ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ: اور عجب نہیں کہ بسا اوقات تمہارے جی ایک شے کو پسند کرتے ہیں اور اس میں تمہارے لیے بڑا خطرہ اور نقصان ہوتا ہے۔ چنانچہ ہوسکتا ہے کہ (راہ خدا میں کفار کے ساتھ) قتال میں اگر چہ تمہیں نا گوار ہی ہو، خیر ہی ہو کیوں کہ (یہ قتال دو حال سے خالی نہیں کہ) یا تو اس میں (فتح کی صورت میں) فتح اور مال غنیمت ہے اور یا پھر شہادت (اور آخرت کا عظیم) اجر ہے۔ اور شاید کہ قتال کے ترک کرنے میں کہ جس کو تم لوگ پسند کرتے ہو، نقصان اور ضرر ہو لیکن ترک قتال میں ذلت و فقر اور اجر (وثواب) سے محرومی۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ: یعنی رب تعالیٰ امور کے انجام (وعواقب اور ان کے نتائج) کو تم لوگوں سے زیادہ جانتے ہیں اور جن چیزوں میں تمہاری دنیا وآخرت کی صلاح (وفلاح) ہے ان کو تم سے زیادہ جانتے ہیں لہٰذا تم خدا کے حکم کو ماننے کی طرف (جلدی سے) لپکو۔

ماہ حرام میں قتال کا حکم

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ:...... یعنی اے محمد! آپ کے اصحاب آپ سے ماہ حرام میں قتال کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ آیا انہیں اس ماہ میں قتال کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ: یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کہہ دیجیے کہ اس (ماہ حرام) میں لڑنا ایک بڑا امر ہے اور اس کا گناہ بھی عظیم ہے لیکن ایک بات اس سے بھی زیادہ بڑی اور اہم ہے اور وہ ہے۔ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ: اہل ایمان کو راہ خدا سے روکنا، خدا کے ساتھ ان کا کفر کرنا اور ان کا تم (اہل ایمان) کو مسجد حرام یعنی (کعبہ) مکہ (میں داخل ہو کر حج اور عمرہ وغیرہ کے ادا کرنے) سے روکنا، تمہیں بلد حرام سے نکالنا جب کہ تم اہل مسجد اور اس کے محافظ ہو کہ (یہ کفار یہ سب کچھ جو کرتے ہیں) یہ خدا کے نزدیک ماہ حرام میں تم اہل ایمان کے کسی مشرک کو قتل کر دینے سے بھی بڑا اور عظیم گناہ ہے۔ چنانچہ جب ان مشرکوں نے تمہارے ماہ حرام میں قتال کرنے کو بہت بڑی بات جانا تو یہ کفار و مشرکین بھی (خوب) جان لیں کہ (اللہ کے) نبی اور اہل ایمان کے حق میں جن (نا کردنیوں) کا یہ ارتکاب کرتے ہیں وہ اس (قتال) سے بڑھ کر اور گھناؤنا ہے۔[1] وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ: یعنی کسی مسلمان کو اس کے دین کے بارے میں فتنہ میں ڈالنا تا کہ وہ ایمان لانے کے بعد دوبارہ کفر کی طرف لوٹ جائے یہ خدا کے نزدیک قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔[2]

---

[1] حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، "خلاصہ جواب یہ ہے کہ "اول تو مسلمانوں نے کوئی گناہ نہیں کیا (کہ وہ تو اس دن کو جمادی الاخری کی تیس تاریخ سمجھے جس میں قتال کی اجازت ہوتی ہے) اور علی سبیل الفرض اگر کیا ہے تو (خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش ہو کر اعتراض کرنے والے یہ کفار قریش) معترضین اس سے (بھی) بڑے بڑے گناہ یعنی کفر و مزاحمت دین حق میں مبتلا ہیں پھر ان کو مسلمانوں پر اعتراض کرنے کا کیا منصب ہے؟ یاد رہے کہ روح المعانی، تفسیر کبیر اور تفسیر بیضاوی وغیرہ میں "اشہر حرم" میں حرمت قتال کے منسوخ ہونے پر اجماع امت نقل ہے۔ واللہ اعلم۔ (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۲۲۔ ۱۲۳ بتصرف)

[2] "(کہ کفار کی یہ حرکتیں دین حق میں فتنہ پردازی کرنا ہے) اور (ایسی) فتنہ پردازی کرنا (اس) قتل (خاص) سے (جو مسلمانوں سے نادانستہ صادر ہوا) بدر جہا (قباحت میں) بڑھ کر ہے (کیوں کہ اس قتل سے دین حق کو تو کوئی مضرت نہیں پہنچی بہت سے بہت اگر کوئی جان کر کرے خود وہی گنہگار ہوگا اور کفار کی ان مذکورہ بالا حرکتوں سے تو دین حق کو ضرر پہنچتا ہے کہ اس کی ترقی رکتی ہے) (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۲۳)

وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا: یعنی یہ لوگ ہمیشہ تم (اہل ایمان) سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان سے ہو سکے تو تمہیں دوبارہ کفر وضلالت کی طرف لوٹا دیں اور یہ لوگ اپنے کفر اور عداوت ودشمنی سے کبھی ہٹنے والے نہیں۔

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ: یعنی جو تم میں سے (دوبارہ کفر کی طرف لوٹ جانے کی) ان کی بات مان لے اور (ان کے شدائد ومظالم سے گھبرا کر) اپنے دین سے پھر (کر کافر ہو) جائے اور اسلام سے مرتد ہو جائے پھر کفر پر ہی مر جائے تو اس کے نیک اعمال دونوں جہانوں میں برباد ہو گئے اور اس کا ثواب (وجزا) اکارت گیا۔

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ: یعنی انہیں ہمیشہ کے لیے جہنم میں ڈال دیا جائے گا جس میں سے وہ کبھی بھی نہ نکلیں گے۔

مہاجرین ومجاہدین کے لیے بشارت

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: یعنی اہل ایمان جنہوں نے (خدا کے لیے) اپنے خاندانوں اور وطنوں کو چھوڑ دیا اور رب کے دین کی سربلندی کے لیے رب کے دشمنوں کے ساتھ جہاد کیا۔ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ: یعنی یہ مذکورہ صفات کے لوگ ہی اس لائق ہیں کہ رب کی رحمت کے سزاوار ہوں اور وہ خدا عظیم مغفرت اور وسیع رحمت والا ہے۔

بلاغت: ...... كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً: یہاں (عبارت میں) حذف کے ذریعے (صنعت) ایجاز ہے یعنی كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً عَلَى الْاِيْمَانِ متمسكين بالحق فَاخْتَلَفُوْا فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ یعنی پہلے لوگ ایمان پر ایک تھے اور حق کو تھامے ہوئے تھے پھر وہ آپس میں اختلاف کرنے لگے۔[1] اور ارشاد خداوندی لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ: اس محذوف (عبارت) پر دلالت کرتا ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ: یہ (مذکور) اَمْ منقطعہ[2] ہے اور اس (ام) میں (جو ہمزہ اور میم سے مرکب ہے) ہمزہ استفہام کے لیے ہے جس میں انکار اور استبعاد (یعنی ایک بات کے دور ناممکن اور خارج از امکان ہونے) کا معنی ہے یعنی بَلْ حَسِبْتُمْ ''نہیں بلکہ کیا تم یہ خیال کرتے ہو؟'' یہاں استفہام انکار کے لیے۔ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ: (حرف)[3] لما یہ (امر) منفی (یعنی جس شی کی نفی کی گئی ہے اس) کے وقوع کی امید کے ساتھ نفی پر دلالت کرتا ہے۔ علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی کہا ہے اور مطلب یہ ہے، کہ ''ابھی تک تمہیں پہلے لوگوں کی سی مشکلیں تو پیش آئیں نہیں اور عنقریب وہ مشکلیں پیش آئیں گی اور جب وہ پیش آئیں تو تم (بھی پہلوں کی طرح) صبر و کرو۔ مبرد کہتا ہے،'' جب کوئی یہ کہے: لم یأتنی زید ''میرے

---

[1] علامہ جالندھری مرحوم نے ترجمۂ قرآن میں اس حذف کو اختیار کیا ہے دیکھیں ترجمہ قرآن ص ۱۴۱۔ [2] ام یہ حروف عاطفہ میں سے ہے اس کا استعمال دو معانی کے لیے ہے: ① ...... معادلہ اور برابری کے لیے۔ ② ...... اعراض کے لیے۔ جب یہ معادلہ اور برابری کے لیے ہو تو اس وقت اس سے دو میں سے ایک شی کی تعیین مطلوب ہوتی ہے۔ اس وقت اس کو ہمزہ استفہامیہ کے ساتھ لانا واجب ہوتا ہے۔ ایسے ام کو ''ام متصلہ'' کہتے ہیں۔ ام متصلہ کے ذریعے سوال کرنے والا دو۔ باتوں میں سے ایک کے متعین ہونے کو جانتا ہے اسی لیے ام متصلہ کے ذریعے کیے گئے سوال کے جواب میں ''نعم'' (ہاں) یا لا (نہیں) کہنا درست نہیں ہوتا بلکہ دو میں سے ایک بات کی تعیین جواب میں لازم ہوتی ہے۔ مثلاً جب یہ سوال کیا جائے کہ ''اقریب ام ''بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ﴿۱۰۹﴾ (الانبیاء، ۱۰۹) (مجھے نہیں معلوم کہ) جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ (عن) قریب (آنے والی) ہے یا (اس کا وقت) دور ہے۔'' تو اس سوال کا جواب ''قریب'' یا ''بعید'' سے ہے نہ کہ نعم اور لا سے۔ کیوں کہ یہاں ایک شی کی تعیین مطلوب ہے لہٰذا جواب بھی متعین ہونا چاہیے۔

''ام'' کی دوسری قسم کو ''ام منقطعہ'' کہتے ہیں۔ یہ اعراض کے معنی میں ہوتا ہے۔ یہ پہلی بات میں شک ہو جانے کی وجہ سے اس سے اعراض کر کے دوسری بات کا سوال کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ مثلاً آپ نے دور سے ایک شبیہ دیکھی آپ کو یقین ہو گیا کہ یہ اونٹ ہے آپ نے کہہ دیا کہ ''انھا لابل''، ''یہ اونٹ ہے'' لیکن پھر آپ کو شک پڑا کہ یہ تو بکری ہے تو آپ کہہ اٹھے: ام انھا شاۃ ''نہیں بلکہ یہ تو بکری ہے'' اس کہنے سے آپ کا مقصود پہلی بات سے اعراض کر کے ایک نیا سوال کرنا ہے۔ اب اس کا مطلب ہے ''بل ھی شاۃ'' یعنی، ''نہیں بلکہ یہ تو بکری ہے'' (القاموس الوحید: ۱۳۳۔ ھدایۃ النحو، ص ۱۰۰۔۱۰۱) اس کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیں درایۃ النحو، شرح جامی وغیرہ۔

[3] لَمَّا یہ حرف جازم ہے جو مضارع پر داخل ہوتا ہے۔ ایک تو یہ اس کو جزم دے کر منفی کے معنی میں بدل دیتا ہے دوسرے یہ مضارع کو ماضی کے معنی میں بدل دیتا ہے اور لما کا منفی یعنی اس کے ذریعے جس شے کی نفی کی جاتی ہے اس کا ثبوت متوقع ہوتا ہے۔ جیسے بل لما یذوقوا العذاب انہوں نے ابھی تک عذاب کا ذائقہ نہیں چکھا لیکن ان کے لیے اس کا چکنا متوقع ہے۔'' (القاموس الوحید ص ۱۴۹۹ کالم نمبر ۲۰۱) اس کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیں حوالہ بالا۔

پاس زید نہیں آیا'' تو یہ تیری اس بات کی نفی ہے: اَتَاکَ زید؟ ''کیا تیرے پاس زید آیا ہے؟ (یعنی لم کے ذریعے کی گئی نفی میں منفی کا ثبوت متوقع نہیں ہوتا) اور جب کسی نے کہا: لما یأتنی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ''وہ ابھی تک میرے پاس نہیں آیا اور مجھے اس کے آنے کی توقع ہے'' تو اس (تفصیل) کی بنا پر مؤمنوں پر شدائد ومشکلات کے آنے کی توقع ہے۔

اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ: ......اس جملہ میں رب تعالیٰ کی طرف سے نصرت وتائید کے آنے پر پے در پے تاکیدات ہیں جو نصرت خداوندی کی محقق کرتی ہیں۔ (۱) ......اس جملہ کو ''حرف استفتاح'' الا کے ذریعہ شروع کیا گیا ہے جو تاکید کا فائدہ دیتا ہے۔ (۲) ...... اِنَّ (حرف تاکید) کو ذکر کیا گیا جو (مستقلاً) تاکید پر دلالت کرتا ہے۔ (۳) ...... جملہ فعلیہ کے بجائے جملہ اسمیہ کو لایا گیا۔ چنانچہ ستنصرون (تمہاری مدد کی جائے گی) نہیں کہا گیا یہ تعبیر بھی تاکید کا فائدہ دیتی ہے۔[۱] (۴) ...... یہاں نصرت کی اضافت رب تعالیٰ کی طرف کی گئی جو ہر شی پر قدرت رکھنے والا تمام جہانوں کا پروردگار ہے (کہ جب اس نے کہہ دیا کہ میں نصرت کروں گا تو کوئی اس کو مؤمنوں کی نصرت وتائید سے روکنے والا نہیں اور یہ تاکید سب تاکیدوں سے بڑھ کر ہے کہ گزشتہ تاکیدیں لفظی تھیں اور یہ حقیقی تاکید ہے۔ واللہ اعلم۔ نسیم) وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ: اس میں کرہ مصدر ہے اس کو اسم مفعول مکروہ کی جگہ مبالغہ کا معنی ادا کرنے کے لیے لایا گیا ہے جیسا کہ حضرت خنساؓ کا شعر ہے: ؎

فانما هي اقبال وادبار۔ بے شک! یہ آگے لائی گئی اور پیچھے ہٹائی گئی ہے۔[۲]

وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا: ۔ان دونوں جملوں میں[۳] محسنات بدیعیہ کی صنعت ''مقابلہ'' ہے کہ اس میں کراہیت (ناگواری) کے مقابلہ میں حب (پسندیدگی) کو، خیر کے مقابلے میں شر کو لایا گیا ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ: (اس میں علم بدیع کی صنعت) طباق (کی صورت) سلب ہے (جس کا بیان گزشتہ حاشیہ میں گزر گیا ہے۔)

تمام آسمانی کتابوں کی تعلیم ایک ہی ہے

فائدہ: وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ: ......اس میں رب تعالیٰ نے سب نبیوں کی کتابوں کو واحد کے صیغہ کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انبیائے کرام کی کتابیں متعدد ہونے کے باوجود اپنے خلاصہ اور جوھری تعلیم میں ایک ہیں کیوں کہ اصولی طور پر سب کتابیں ایک ہی شریعت پر مشتمل ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖۤ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰۤى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ (سورہ شوریٰ، ۱۳)

ترجمہ: ......''اس نے تمہارے لیے دین کا وہی راستہ مقرر کیا جس (کے اختیار کرنے) کا نوح کو حکم دیا تھا اور جس کی (اے محمد ﷺ) ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی تھی (اور جس کا ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو حکم دیا تھا)۔''

---

[۱] جملہ اسمیہ دوام اور استمرار کا فائدہ دیتا ہے جس میں تاکید ہوتی ہے جب کہ جملہ فعلیہ میں حدوث اور تجدد کا معنی ہوتا ہے۔ نسیم

[۲] یہاں اقبال اور ادبار دونوں مصدر ہیں جو اسم مفعول مقبلة اور مدبرة کے معنی میں ہیں۔ مؤلف موصوف نے شعر کا ایک ہی مصرعہ نقل کیا ہے غالباً یہ دوسرا مصرعہ ہے۔ اس میں هی ضمیر کا مرجع کیا ہے؟ اس کی تعیین دوسرے مصرعے کے ذکر کے بغیر ممکن نہیں۔ مؤلف موصوف اگر پورا شعر لکھ دیتے تو شاید مجھ کم سواد وبے استعداد کو اس کا صحیح مطلب بیان کرنا ممکن ہو جاتا۔ یہ نالائق بندہ اپنے قارئین سے پورے شعر سے ناواقف ہونے کی معذرت چاہتا ہے اگر اتنا سا لفظی ترجمہ ناگوار خاطر ہو تو یقیناً عفو ودرگزر کریم وشریف لوگوں کا شیوہ ہے۔

نوٹ: ......مصدر کے مبالغہ میں استعمال کا بیان گزشتہ میں گزر گیا ہے۔

[۳] مقابلہ: علم البدیع میں صنعت ''مقابلہ'' دو یا زیادہ معانی کے برعکس معانی کو ترتیب وار لانے کو کہتے ہیں جیسے کہ قرآن پاک میں ہے فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا (توبہ، ۸۲) ''یہ (دنیا میں) تھوڑا سا ہنس لیں اور (آخرت میں انہیں اپنے اعمال کے بدلہ میں) بہت سا رونا ہوگا'' کہ یہاں ضحک (ہنسے) کے مقابلہ میں بکا (رونا) اور قلیل کے مقابلہ میں کثیر لالیا گیا ہے۔ (القاموس الوحید ص ۱۲۷۳ کالم نمبر ۳) مذکورہ آیت میں صنعت مقابلہ کی تطبیق خود مولف موصوف نے متن تفسیر میں بیان کر دی ہے۔

تنبیہ:...... بخاری شریف میں حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں، کہ "ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت (اقدس) میں (کفار ومشرکین سے پہنچنے والے مصائب وشدائد کی) شکایت کی (جن کا تحمل اب ہماری برداشت سے باہر ہوتا جارہا تھا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت اپنی چادر اوڑھے کعبہ شریف کے سائے میں ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ چنانچہ ہم نے عرض کیا: "آپ ہمارے لیے (کفار ومشرکین کی ان ایذاؤں کے خلاف بارگاہ الٰہی میں) مدد کیوں نہیں طلب کرتے؟ آپ ہمارے لیے (ان کے عذابوں سے نجات پانے کی) دعا کیوں نہیں فرماتے؟ (یہ شکایت سن کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (تم ابھی سے گھبرا گئے ہو جبکہ) تم سے پہلوں (کا یہ حال تھا کہ ان) میں سے ایک شخص کو (ایمان لے آنے کی پاداش میں) پکڑا جاتا اور ایک گڑھا کھود کر اس میں اس کو (نصف بدن یا گردن تک زندہ دفن) کر دیا جاتا پھر ایک آرا لا کر اس کے سر (کے بیچوں بیچ) رکھ کر اس کو دو ٹکڑے کر دیا جاتا اور (کسی دوسرے کے ساتھ یہ سلوک کیا جاتا کہ) لوہے کی کنگھی (کے دندانوں) سے (اس کے زندہ بدن سے) اس کا گوشت اور ہڈیوں کو ادھیڑ دیا جاتا (مگر اتنی شدید تکلیفیں اور عذاب بھی) اس کو اس کے دین سے نہ ہٹا سکتیں تھیں خدا کی قسم! اللہ اپنے اس امر کو پورا کر کے رہیں گے یہاں تک کہ صنعا (یمن) سے حضر موت تک ایک سوار چلے گا (خواہ مرد ہو یا عورت) اور اس کو سوائے خدا کے کسی کا ڈر نہ ہوگا اور (یا) اس کو اپنی بھیڑوں پر (صرف) بھیڑیے کا ڈر ہوگا (یہ وقت عنقریب آنے والا ہے) لیکن تم جلد بازی سے کام لے رہے ہو۔"

چند معاشرتی مسائل اور ان کے احکام

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلِ الْعَفْوَ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ۭ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۭ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾ نِسَاۗؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۡ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾ وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾

ترجمہ:......وہ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ فرمادیجیے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے منافع ہیں، اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے، اور وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کیا خرچ کریں، آپ فرمادیجیے کہ جو زائد ہو وہ خرچ کردیں اللہ ایسے ہی بیان فرماتا ہے آیات، تاکہ تم فکر کرو۔﴿۲۱۹﴾ دنیا میں اور آخرت میں، اور وہ آپ سے سوال کرتے ہیں یتیموں کے بارے میں، آپ فرمادیجیے کہ اصلاح کرنا ان کے لیے بہتر ہے اور اگر ان کا خرچ آپس میں ملالو تو وہ تمہارے بھائی ہیں، اور اللہ جانتا ہے کہ تم میں مفسد کون ہے مصلح کون ہے اور اللہ چاہتا تو تم کو مشقت میں ڈال دیتا، بے شک اللہ غالب ہے حکمت والا ہے۔﴿۲۲۰﴾ اور نکاح نہ کرو مشرک عورتوں سے جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں، اور البتہ ایمان والی باندی بہتر ہے مشرک عورت سے اگرچہ وہ تمہیں اچھی لگے اور نہ نکاح کرواپنی عورتوں کا مشرکین سے جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں، البتہ ایمان والا غلام بہتر ہے مشرک سے اگرچہ وہ تمہیں اچھا لگے، یہ لوگ بلاتے ہیں دوزخ کی طرف، اور اللہ بلاتا ہے جنت اور مغفرت کی طرف اپنے حکم سے، اور اللہ بیان فرماتا ہے لوگوں کے لیے اپنی آیات تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔﴿۲۲۱﴾ اور وہ آپ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ فرمادیجیے کہ وہ گندگی ہے، سو تم علیحدہ رہو عورتوں سے حیض کے زمانہ میں، اور ان کے پاس نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں، پھر وہ جب پاک ہو جائیں تو ان کے پاس آؤ جس جگہ سے اللہ نے تم کو حکم دیا ہے، بے شک اللہ پسند فرماتا ہے خوب توبہ کرنے والوں کو، اور پسند فرماتا ہے خوب پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو۔﴿۲۲۲﴾ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں، سو تم اپنی کھیتی میں آجاؤ جس طرف سے ہو کر چاہو اور تم اپنی جانوں کے لیے آگے بھیج دو، اور اللہ سے ڈرو، اور جان لو کہ بلاشبہ تم اُس سے ملاقات کرنے والے ہو، اور مؤمنین کو خوشخبری سنادو۔﴿۲۲۳﴾ اور اپنی قسموں کے ذریعہ نیکی کرنے اور تقویٰ اختیار کرنے اور لوگوں کے درمیان اصلاح کرنے کے لیے اللہ کو آڑ نہ بناؤ اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔﴿۲۲۴﴾ اللہ تعالیٰ تمہارا مؤاخذہ نہیں فرمائے گا تمہاری لغو قسموں کے بارے میں، لیکن مؤاخذہ اُس بات پر فرمائے گا جس کا تمہارے دِلوں نے ارادہ کیا اور اللہ غفور ہے حلیم ہے۔﴿۲۲۵﴾

ماقبل سے مناسبت:......جب گزشتہ آیات میں رب تعالیٰ نے قتال کے احکام اور اس کی مشروعیت کے اعلیٰ ہدف کو بیان فرمایا جو نصرت حق دین کی عزت افزائی، اور امت کی اس بات سے حفاظت وحمایت کرنا ہے کہ کوئی باہر کا دشمن انہیں (اور ان کی دولت وثروت اور ملکی وسائل وذرائع کو) ہڑپ نہ کر جائے تو اس کے بعد ان امور کو بیان فرمایا جن کا تعلق معاشرے کی داخلی اصلاح سے ہے جن کی بنیاد کریمانہ اخلاق اور شریفانہ رویے ہیں۔ ایک مملکت کی داخلی اور خارجی دونوں سطحوں پر اصلاح ضروری ہے تاکہ اس کے امور مضبوط بنیادوں پر قائم ہوں اور وہ (اسلامی مملکت) ایک بلند وبالا مضبوط (اور عالیشان) محل کی حیثیت سے باقی رہے جس پر (حسد وعداوت کی) تیز آندھیاں (اور نفرتوں کے بگولے) اثر انداز نہ ہو سکیں۔[1]

لغت:......اَلْخَمْرِ: یہ نشہ آور مشروبات کو کہتے ہیں، اور ان کا نام خمر اس لیے رکھا گیا ہے کہ عقل کو ڈھانپ لیتی اور اس پر پردہ ڈال دیتی ہے۔ اسی معنی میں ہے خمرت الاناء یعنی "میں نے برتن ڈھانک دیا"۔ اَلْمَيْسِرِ: جوا۔ اس کی اصل یسر (یعنی سہولت) سے ہے کیوں کہ یہ بلا مشقت ومحنت کی کمائی ہوتی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ (لفظ) یسار (خوشحالی اور فراخی) سے ہے کیوں کہ جوا آدمی کو (خوشحال اور وقتی طور پر) مالدار کردیتا ہے۔ اِثْمٌ: گناہ۔ اس کی جمع آثام ہے۔ اور شراب کو بھی اثم کہتے ہیں کیوں کہ اس کا پینا گناہوں کا سبب ہے اور شاعر کہتا ہے:

شربت الاثم حتیٰ ضل عقلی ۔۔۔ کذاك الاثم تذهب بالعقول

ترجمہ:......"میں نے شراب پی حتیٰ کہ میری عقل کھوگئی، شراب (کچھ) اس طرح ہی عقلوں کو اڑا دیتی ہے۔"

اَلْعَفْوَ:......زائد از ضرورت وحاجت اور فالتو (مال)۔ اَعْنَتَكُمْ: (یہ اِعْنَاتٌ سے ہے جس کا معنی ہے مشکل میں "ڈال دینا" یعنی خدا اگر چاہتا تو) "تمہیں تکلیف اور حرج میں ڈال دیتا۔" عَنَتٌ کی اصل "مشقت" ہے۔ اَلْاَمَةٌ: یہ اس لونڈی کو کہتے ہیں جس کی گردن کے (ہم) مالک ہوتے ہیں اس کے بالمقابل حُرَّةٌ یعنی آزاد عورت ہوتی ہے۔ اس کی جمع اِمَاءٌ ہے۔ اَلْمَحِيْضِ: یہ مصدر ہے جو حیض کے معنی میں ہے جیسے (لفظ) مَعِيْشٌ جو عَيْشٌ (زندگی) کے معنی میں مصدر ہے۔ حیض کا اصلی معنی سیلان (یعنی بہنا) ہے کہا جاتا ہے۔ حاض السیل و فاض

---

[1] قوام ملت وقومیت بیان فرما کر قوم ومذہب کو برباد کرنے والے کام بھی سوال وجواب کے پیرایہ میں بیان کیے جاتے ہیں تاکہ قانون سعادت کی تکمیل ہو سکے۔ انہی میں ایک شراب اور جوا ہے" (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۷۶)

یعنی ''سیلاب بہہ پڑا'' اور حَاضَتِ الشَّجَرَۃُ درخت سے (خون جیسا پانی) بہہ نکلا'' اور (بالغ) عورت کو حائض اور حائضہ (دونوں کہا جاتا ہے۔ فراء شعر پڑھتے ہوئے کہتا ہے: ؎

كحائضة يزنى بها غير طاهر ''جیسے حائضہ عورت کہ یہ غیر طاہر حالت میں اس سے زنا کرتا ہے۔''

حَرْثٌ:...... امام راغب کہتے ہیں کہ ''یہ زمین میں بیج ڈالنے کو کہتے ہیں۔''[1] جوہری کہتے ہیں، ''حرث یہ کھیتی کو کہتے ہیں اور حارث یہ کاشتکار کو کہتے ہیں۔ یہاں تشبیہ کے طور پر بچے کی جائے ولادت کو حرث یعنی کھیتی کہا گیا ہے۔ (''صحاح العربية'' ماده ''حرث'')

عُرْضَةً:...... یعنی روکاوٹ (اور آڑ)۔ ہر وہ شی جو (دوسرے کے) آڑے آئے اور اس سے روکے اس کو عُرْضَةً: کہتے ہیں۔ اسی لیے بادلوں کو عارض کہتے ہیں کہ یہ سورج کے دیکھنے سے آڑ بن جاتے ہیں۔

اللَّغْوِ: ہر ہی نا قابل اعتنا (واعتبار بے وقعت) گری پڑی شی کو کہتے ہیں خواہ وہ کلام ہو یا کچھ اور۔ اور لغو الطائر یہ پرندے کے گانے کو کہتے ہیں۔

سبب نزول:...... انصار مسلمانوں کی ایک جماعت نے جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کیا، کہ ''یا رسول اللہ! ہمیں شراب اور جوئے کے (حکم کے) بارے میں (کچھ) بتلایئے یہ دونوں عقل کو ختم اور مال کو برباد کر دیتے ہیں تو اس پر رب تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ط

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (سورۃ الانعام، ۱۵۲)

ترجمہ:...... ''اور یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جانا مگر ایسے طریقے سے جو بہت ہی پسندیدہ ہو۔''

تو جس کی زیر نگہداشت بھی کوئی یتیم تھا اس نے جا کر اس کے کھانے پینے کو اپنے کھانے پینے سے الگ کر دیا اور اس کے لیے کھانے کا عمدہ حصہ رکھتا اور جب تک کہ وہ کھانہ لیتا اس کھانے کو روکے رکھتا (خواہ اس دوران) وہ خراب بھی ہو جاتا۔ یہ بات ان پر بڑی گراں گزری۔ چنانچہ ان لوگوں نے خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں یہ سب کچھ گوش گزار کر دیا اس پر رب تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ط قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ط

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''یہود کی (یہ عادت تھی کہ جب ان کی) کوئی عورت حائضہ ہو جاتی تو اس کو گھر سے نکال دیتے تھے اور (جب اس کا حیض جاری رہتا) اس کے ساتھ کھانا پینا بند کر دیتے اور نہ ہی گھر میں اس کے ساتھ جماع کرتے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا گیا تو رب تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ط قُلْ هُوَ اَذًى لا

شراب اور جوئے کا حکم

تفسیر: يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ:...... یعنی اے محمد! یہ (لوگ) آپ سے شراب اور جوئے کا حکم دریافت کرتے ہیں۔ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ: یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے کہہ دیجیے کہ شراب اور جوئے کو اختیار کرنے میں زبردست نقصان اور بہت بڑا گناہ ہے اور حقیر سا مادی نفع بھی ہے۔ (اس کی تفصیل آگے فوائد میں آ رہی ہے) وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا: یعنی ان کا نقصان ان کے فائدوں سے کہیں زیادہ ہے۔ کیوں کہ ان باتوں کا ہر ایک مشاہدہ کر سکتا ہے اور ان کو محسوس کر سکتا ہے کہ شراب پینے سے عقل برباد، مال ضائع اور بدن بیماریوں کی آماجگاہ بن جاتا ہے اور جوا کھیلنے سے گھر بار برباد، خاندان تباہ، اور باہم دیگر جوا کھیلنے والوں میں بغض وعداوت پیدا ہو جاتی ہے (ظاہر ہے مال ہارتا دیکھ کر دوسرے پر طبیعت میں رنجش پیدا ہوتی ہے) اور جب ان دونوں کے بھاری نقصان کا ان سے حاصل ہونے والے معمولی نفع سے موازنہ کیا جاتا ہے تو

---

[1] علامہ جوہری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی شہرۂ آفاق لغت ''صحاح العربیۃ'' کا تعارف گزشتہ میں گزر گیا ہے۔

(آدمی پر) اس خبیث گناہ (کی خباثت اور اس) کی خطرناکی ظاہر ہو جاتی ہے۔[۱] وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۛ قُلِ الْعَفْوَ: یعنی یہ لوگ آپ ﷺ

---

[۱] حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''شراب اور قمار کے بارے میں سب سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی پہلے یہ دونوں چیزیں حلال تھیں مگر ان کے استعمال سے دوسری گناہ کی باتیں پیدا ہو جاتی ہیں کہ شراب سے عقل جاتی رہتی ہے جو گناہوں سے روکتی ہے اور قمار سے مال کی حرص بڑھتی ہے جس سے چوری وغیرہ کی عادت پیدا ہو جاتی ہے۔ اگرچہ ان میں تحصیل لذت تحصیل مال ہے لیکن بعض عوارض غیر لازمہ کی وجہ سے اس آیت میں ان دونوں کے ترک کا مشورہ دینا مطلوب ہے کہ ان سے جتنا نقصان ہو جاتا ہے اتنا نفع نہیں ہوتا کیوں کہ نفع تو حالی غیر باقی اور لازمی ہے جب کہ ضرر مالی، ممتد اور متعدی ہے اسی لیے یہ آیت سن کر بعض نے فوراً شراب اور قمار کو ترک کر دیا کہ اگرچہ یہ حرام نہیں مگر شرور و مفاسد کا ذریعہ ضرور ہیں۔ پھر بعد میں اس کو نماز کے اوقات میں حرام کر دیا گیا پھر بعد میں شراب کو مطلق حرام کر دیا گیا۔ (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۲۴۔ ۱۲۵ ملخصاً) شراب اور جوئے کا نفع تو یہی ہے کہ (جوئے سے) مفت مال ہاتھ آتا ہے اور (شراب سے) بدن فربہ ہوتا ہے مگر (شراب سے) ''نقصان عقل'' جو ''جوہر لطیف'' ہے اور (جوئے سے) باہمی عداوت (کا نقصان ان دونوں کے نفع سے) زیادہ تر ہے اس لیے ان کو منع کیا۔'' (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۷۶ بتصرف)

شراب کی بتدریج حرمت: ......شرب کی تحریم میں چار آیتیں نازل ہوئیں۔ اول آیت میں ذرا سا ممانعت کی طرف اشارہ ہوا، پھر دوسری میں کچھ اور زیادہ ہوا، پھر تیسری میں کچھ اور زیادہ اور چوتھی میں صاف صاف ممانعت کر دی۔ وہ آیات یہ ہیں۔

پہلی آیت: ......وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا (سورۃ النحل، ۶۷) دوسری آیت: ......مذکورہ بالا۔

تیسری آیت: ......يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (سورۃ النساء، ۴۳)

چوتھی آیت: ......يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ (المائدہ، ۹۰۔ ۹۱، تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۷۶ حاشیہ نمبر ۱)

''پہلی آیت مکہ میں نازل ہوئی تھی اور باقی تین مدینہ میں۔ (پہلی آیت کے نزول کے وقت مسلمان شراب پیتے تھے اور وہ حلال تھی، دوسری مسلمانوں کی ایک جماعت کے سوال کے جواب میں نازل ہوئی اس میں بعض لوگوں نے اِثْمٌ كَبِيْرٌ سے فرمان خداوندی کی وجہ سے شراب چھوڑ دی اور بعض نے مَنَافِعُ لِلنَّاسِ کو دلیل بنا کر پینا جاری رکھا پھر ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی ایک دعوت میں شراب پی کر نشہ کی حالت میں ایک شخص نے مغرب کی نماز پڑھائی اور اس میں نشہ میں سورۂ کافرون کو آخر تک بغیر لا کے پڑھتا گیا اس پر رب تعالیٰ نے تیسری آیت نازل فرمائی اس میں نماز کے وقت میں شراب حرام کر دی گئی۔ اس پر بعض لوگوں نے بالکل چھوڑ دی کہ اس میں کوئی خیر نہیں اور بعض اب بھی پیتے رہتے پھر ایک روز عتبان بن مالک نے بہت سے آدمیوں کی دعوت کی جس میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سمیت چند مسلمانوں کی بھی دعوت تھی۔ اس نے آپ کی لیے اونٹ کا سر پکوایا تھا۔ کھانے کے بعد شراب کا دور چلا پھر لوگ اس کے نشہ میں بڑائیاں مارنے لگے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایک قصیدہ پڑھا، جس میں اپنی بڑائی اور انصار کی ہجو تھی۔ یہ سن کر ایک شخص نے اونٹ کا جبڑا لے کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا سر پھاڑ دیا، وہ ان انصاری کی شکایت لے کر خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے تب نبی کریم ﷺ نے بارگاہ الٰہی میں شراب کے صاف صاف حکم کے نازل فرمانے کی دعا کی اس پر یہ چوتھی آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری ج ۱ ص ۱۲ ۳ اردو ملخصاً) ''شراب کی یہ بتدریج حرمت مدینہ میں ہوئی تھی بلکہ ایک عرصہ تک تو شراب کے برتنوں کا استعمال بھی ممنوع رہا تھا۔ (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۷۶)

خمر: ......خمر کی ماہیت میں علما کا اختلاف ہے (تفسیر حقانی) لغت میں خمر اس شے کو کہتے ہیں جو عقل کو خبط کر دے'' (مظہری) امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جو چیز نشہ پیدا کرے وہ خمر ہے۔ ان کے نزدیک مسکر (نشہ آور) اور خمر کے معنی ایک ہیں۔ (تفسیر حقانی) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک خمر انگور کے کچے شیرہ کو کہتے ہیں جو جھاگ گرانے لگے اور اس میں نشہ آ جائے۔ (مظہری) اور شیرہ جھاگ اس وقت گراتا ہے جب گاڑھا تک ہو جائے (حقانی) صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک جھاگ گرانا شرط نہیں۔ (مظہری) امام شافعی (اسی طرح امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ تینوں) کے نزدیک جس کا بھی زیادہ پینا نشہ لائے اس کا ایک قطرہ پینا بھی حرام ہے لہٰذا ان کے نزدیک ہر مسکر قطعی حرام ہے جب کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک خاص شراب تو قطعی حرام ہے خواہ اس کا ایک قطرہ ہی ہو البتہ دوسرے مسکرات کی اتنی حد حرام ہے جس سے نشہ آئے۔ دلائل ہر ایک کے کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ (حقانی)

میسر: ......قمار یا جوا۔ یہ یسر سے ہے کیوں کہ اس میں دوسرے کا مال آسانی سے ہاتھ آتا ہے۔ (مظہری حقانی) جس چیز میں بھی جوا ہو وہ میسر میں داخل ہے حتیٰ کہ لڑکوں کا اخروٹ اور کوڑیوں کا کھیلنا بھی اس میں داخل ہے (مظہری۔ اسی طرح آج کل لوڈو، تاش، بلیئرڈ، کانچ کی گولیاں، کیرم بورڈ حتیٰ کہ کسی بھی قسم کا میچ بھی اگر جوئے سے کھیلا جائے وہ حرام ہوگا اور میسر میں داخل ہوگا۔ نسیم) نرد اور شطرنج جو عجمی لوگوں کا جوا ہے وہ اس میں داخل ہے۔ (مظہری) ایام جاہلیت میں عرب میں مختلف جوئے رائج تھے اس کی ایک قسم یہ تھی کہ ایک اونٹ ذبح کر کے اس کے حصے تقسیم کرنے میں جوا کھیلا جاتا۔ (احسن البیان) اس کا دستور یہ تھا کہ اونٹ کو چند لوگ مل کر ذبح کرتے اور اس کا گوشت یوں تقسیم کرتے کہ انہوں نے دس تیر لے رکھے تھے جن کو ازلام کہتے تھے ان کا ایک نام اقلام بھی تھا ان کے نام اور حصے مقرر تھے وہ یہ ہیں ''مسبل، معلیٰ، نافس، منیح، سفیح، وغد، فذ، توأم، رقیب اور حلس۔'' ان میں سے ہر ایک کے حصے مختلف تھے۔ پھر ان کے ساتھ بعض خالی تیر بھی ہوتے تھے جن پر کچھ نہ لکھا ہوتا تھا ان سب کو خلط ملط کر کے ایک تھیلی میں بند کر دیتے پھر ہاتھ ڈال کر ایک تیر نکالتے۔ پھر جس کے نام جو نکلتا وہ اتنا حصہ گوشت جیت جاتا اور اس کو فقرا میں تقسیم کر کے خوش ہوتا (حقانی) اور اس میں اپنی سخاوت کا اظہار سمجھتے ہوئے اس کو اپنے لیے باعث فخر سمجھتا۔ اور جس کے حصہ میں خالی تیر نکل آتا اونٹ کی قیمت وہ ادا کرتا اور اس جوئے میں شریک نہ ہونے والے کو کنجوس اور منحوس سمجھتے تھے۔'' (احسن البیان)۔ فقط واللہ اعلم۔ موجودہ دور میں الیکٹرانک مشینوں پر کھیلا جانے والا جوا بھی حرام ہے، اسی طرح پرچیوں اور لاٹریوں کا کاروبار بھی جوے میں داخل ہے۔

سے دریافت کرتے ہیں کہ وہ اپنے مال میں سے کیا خرچ کریں اور کیا خرچ نہ کریں؟ تو آپ انہیں کہہ دیجیے کہ اپنی ضرورت سے زائد مال کو خرچ کردو اور اپنی ضرورت کے مال کو خرچ نہ کرو کہ پھر (کہیں) اپنے (آپ) کو ضائع (نہ) کر بیٹھو۔ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ: یعنی جس طرح خدا تمہیں احکام (شریعت) بیان کرتا ہے اسی طرح تمہارے لیے نفع اور نقصان (کی باتوں کو) اور حلال وحرام (کی تفصیل) کو بیان کرتا ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ: یعنی تاکہ تم دنیا وآخرت کے امر میں غور وفکر کرو اور (غور وفکر کرنے سے تم اس بات کو) جان لو (کہ) دنیا فانی ہے اور آخرت غیر فانی ہے تاکہ تم (ان دونوں میں سے) زیادہ مفید کو جان لو اور عقلمند وہ ہے جو باقی رہنے والی (یعنی آخرت) کو فنا ہو جانے والی (یعنی دنیا) پر ترجیح دے۔

یتیموں کے اموال کو اپنے مال میں ملانے کی ممانعت

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ۭ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ: ......یعنی اے محمدؐ! یہ لوگ آپ سے یتیموں (کے اموال) کو اپنے اموال میں ملانے کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہ آیا ہم ان (کے اموال) کو (اپنے اموال میں) ملالیں یا (نہ ملائیں اور) ان (کے اموال) کو (اپنے اموال سے) الگ کردیں؟ تو آپؐ ان سے کہہ دیجیے کہ انہیں (اور ان کے اموال کو) اپنے ساتھ اصلاح کے طور پر شریک کرنا انہیں الگ کرنے سے بہتر ہے۔

وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ: یعنی اگر ان کی مصلحت کے پیش نظر تم لوگ اپنے اور ان کے اموال کو ملاتے ہو (یعنی خرچ اکٹھا رکھو) تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور دینی اخوت یہ نسبی اخوت سے زیادہ قوی ہے۔ اسی اخوت کا ایک حق یہ ہے کہ تم ان کے ساتھ اکٹھا خرچ اصلاح اور نفع کے طور پر رکھو۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ: یعنی رب تعالیٰ اس شخص کو زیادہ اور خوب جانتا ہے جو خیانت اور بگاڑ کی نیت سے ان کے اموال کو (اپنے اموال میں) ملاتا۔ اسی طرح خدا ان کو بھی جانتا ہے جو ان کی اصلاح کی نیت رکھتے ہیں اور رب تعالیٰ ان دونوں میں سے ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا دے گا (برے کو بری اور اچھے کو اچھی جزا دے گا)۔ لَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ: یعنی اگر خدا چاہتا تو تمہیں حرج اور مشقت میں ڈال دیتا اور تم پر (اپنے احکام میں مثلاً یتیموں کے مال کے حکم میں) سختی کرتا لیکن رب تعالیٰ نے اپنی رحمت سے تم پر دین (کے جملہ احکام) کو آسان اور سہل کردیا۔

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ: یعنی رب تعالیٰ وہ غالب ذات ہے جس کے لیے کوئی بات بھی ناممکن نہیں۔ (اور) وہ اپنے بندوں کے لیے مقرر کردہ (یعنی مشروعہ) احکام میں حکیم ہے (یعنی حکمت والا ہے)۔

مشرک عورتوں سے شادی کی ممانعت

آگے رب تعالیٰ ان مشرک عورتوں کے ساتھ شادی کرنے سے (منع کرتے اور) ڈراتے ہیں جو کوئی (بھی) آسمانی دین (مثلاً یہودیت یا نصرانیت) نہیں رکھتیں (بلکہ محض مشرک ہیں، چنانچہ فرمایا)۔ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ: یعنی اے مومنو! تم اہل کتاب کے علاوہ مشرک عورتوں سے نکاح مت کرو جب تک کہ وہ خدا پر اور روز آخرت پر ایمان نہیں لے آتیں۔

وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ: یعنی ایک مومن لونڈی وہ آزاد مشرکہ عورت سے بہتر اور افضل ہے اگرچہ وہ مشرکہ عورت اپنے (حسن و) جمال اور مال (ومنال) اور دوسرے ان حسبی ونسبی اور ریاستی اسباب کی وجہ سے تمہیں بھلی لگی جو (دوسرے آدمی کے لیے ان کے ساتھ نکاح کرنے کے لیے) باعث رغبت (ودلچسپی) ہوتے ہیں۔ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا: یعنی اپنی بیٹیوں کی غیر مسلموں سے شادیاں نہ کرو خواہ وہ بت پرست مشرک ہوں یا اہل کتاب (کافر) جب تک کہ وہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لے آئیں۔

وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ: یعنی تمہارا اپنی بیٹیوں کو ایک غلام مؤمن سے بیاہ دینا یہ اس کو ایک آزاد مشرک سے بیاہ دینے سے افضل ہے خواہ اس کا حسب نسب اور (حسن و) جمال تمہیں بھلا ہی لگے۔ [1] اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ: یعنی یہ مذکور مشرک مرد

---

[1] ''کتابی یا غیر کتابی مردوں یا عورتوں کے ساتھ اہل ایمان کے تفصیلی احکام کے لیے دیکھیں'' (بیان القرآن ج ا ص ۱۲۷۔۱۲۸)

اور عورتیں جن کے ساتھ تمہیں مصاہرت اور ازدواج کا رشتہ قائم کرنے کی ممانعت کی گئی ہے یہ تمہیں اس بات کی طرف بلاتے ہیں جو جہنم لے جاتی ہے اور وہ کفر اور فسق (و فجور) ہے لہٰذا تم پر لازم ہے کہ نہ تو ان سے رشتے لو اور نہ ہی انہیں رشتے دو۔

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ: یعنی رب تعالیٰ تمہارے ساتھ خیر چاہتے ہیں وہ تمہیں اس بات کی طرف بلاتے ہیں جس میں تمہاری سعادت ہے اور یہ وہ عمل ہے جو جنت اور گناہوں کی مغفرت کو واجب کرتا ہے۔ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ: یعنی رب تعالیٰ لوگوں کے لیے اپنے دلائل و براہین کو واضح فرماتے ہیں تاکہ لوگ نصیحت پکڑیں اور خیر اور شر، اور طیب اور خبیث میں فرق و امتیاز کرسکیں۔

حیض کے احکام

آگے رب تعالیٰ حیض کے احکام بیان فرماتے ہیں۔ ارشاد ہے:

وَيَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ [1] قُلْ هُوَ اَذًى: ۔یعنی اے محمد! یہ لوگ آپ سے حالت حیض میں عورتوں سے جماع کرنے کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہ آیا یہ حلال ہے یا حرام؟ تو آپ انہیں فرمادیجیے کہ یہ ایک گندی بات ہے کہ اس حالت میں ان سے ملنا زوجین کی لیے تکلیف (کا باعث) ہے (اور ان کی تندرستی کو مضر ہے)۔ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ: یعنی حیض کی حالت میں عورتوں کے ساتھ ہمبستری کرنے سے کنارہ کش رہو۔ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ: یعنی جب تک ان کا حیض کا خون رک نہیں جاتا اور وہ نہا (دھوکر پاک صاف) نہیں (ہو) لیتیں تم ان کے ساتھ مقاربت نہ کرو۔ مراد اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ مقصود (حالت حیض میں) ان سے مجامعت نہ کرنا ہے نہ کہ ان کے قریب نہ جانا اور ان کے ساتھ ہم نشینی اور کھانا پینا چھوڑ دینا جیسا کہ یہود کیا کرتے تھے کہ جب ان کی کسی عورت کو حیض آجاتا (تو وہ اس کو بالکل ہی اچھوت سمجھ لیتے تھے اور اس کے ساتھ جانوروں کا سا سلوک کرتے تھے)۔ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ: یعنی جب وہ پانی سے (نہاکر) پاک (صاف) ہوجائیں تو پھر ان کے ساتھ اس جگہ سے مقاربت کرو جس کو خدا نے تمہارے لیے حلال کیا ہے اور ولادت اور نسل (کے پیداوار) کی جگہ ہے جو عورت کے (آگے کی) شرم گاہ ہے نہ کہ پیچھے کی جگہ (یعنی سرین اور چوتڑ)۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ: یعنی رب تعالیٰ گناہوں سے تائب ہونے والوں کو اور گندگیوں اور بے حیائیوں سے پاک صاف رہنے والوں کو دوست رکھتے ہیں۔

یہود کے ایک قول کی تردید

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ: ......یعنی تمہاری عورتیں تمہاری نسل کے پیداوار کی جگہ ہیں۔ ان کے رحموں میں تمہاری اولاد پیدا ہوتی ہے لہٰذا تم ان سے ولادت اور نسل و ذریت کی پیدائش کی جگہ سے مقاربت کرو اور اس سے آگے تجاوز نہ کرو (کہ پیچھے کے مقام پر جماع کرنے لگو)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ''اپنی کھیتی کو وہاں پانی دو جہاں سے اگتی ہے۔ اور اَنّٰى شِئْتُمْ: کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح تم چاہو خواہ بیٹھ کر خواہ لیٹ کر خواہ کھڑے ہوکر ہاں البتہ مقاربت افزائش (نسل) کی جگہ یعنی ''فرج'' (شرم گاہ) میں ہو۔ اس میں یہود کے اس قول کا رد ہے جو یہ کہتے تھے کہ ''جب کوئی مرد پیچھے کی طرف سے عورت (کی آگے والی) شرم گاہ میں صحبت کرے تو اس سے بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے۔

وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ: یعنی تم اپنے لیے ان نیک اعمال کو آگے بھیجو جو آخرت میں تمہارے لیے ذخیرہ ہوں۔

---

[1] حیض عورتوں کے رحم سے ہر مہینے میں خون فاسد برآمد ہونے کو کہتے ہیں اس کی رنگت سیاہی مائل ہوتی ہے۔ یہ بدبودار اور گاڑھا ہوتا ہے۔ قرآن میں حیض کی مدت بیان نہیں لیکن علما نے احادیث اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم وغیرہ سے اس کی مدت متعین کی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی کم از کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کم از کم ایک دن رات اور زیادہ سے زیادہ پندرہ دن ہیں جب کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی کوئی حد مقرر نہیں۔ قرآن کریم میں حیض کے ایام میں صرف جماع کی ممانعت ہے جب کہ باقی احکام نماز پڑھنا، روزہ نہ رکھنا، مسجد میں داخل نہ ہونا، قرآن مجید کے صحیفہ کو نہ چھونا، اور طواف نہ کرنا وغیرہ نیز نفاس کے احکام اور اس کی مدت نیز حیض کی نماز کی قضا لازم نہ ہونا جب کہ روزہ کی قضا لازم ہونا وغیرہ کہ یہ سب احکام احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں'' (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۷۹۔ ۵۸۰) ان کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ:...... یعنی گناہوں سے اجتناب کر کے تم خدا سے ڈرو اور اس بات کا یقین رکھو کہ تم نے خدا ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے وہ تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ دے گا۔ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ: یعنی مومنوں کو نعمتوں والے باغات کی عظیم کامیابی کی خوشخبری سنادو۔

خدا کے نام کی قسم کو بہانہ نہ بناؤ

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ:...... یعنی تم رب کے نام کی قسم کو نیک عمل سے رکنے کا سبب نہ ٹھہراؤ کہ تم میں سے کوئی خدا کی قسم کو آڑ بنا کر یہ نہ کہے کہ ''میں نے خدا کی قسم اٹھائی تھی کہ میں فلاں کام نہ کروں گا، اب میں اپنی قسم پوری کرنا چاہتا ہوں (یعنی اب میں فلاں کام نہ کروں گا کہ یہ محض سخن سازی اور بہانہ تراشی تھی) بلکہ (اگر تم نے کسی نیک کام کے نہ کرنے کی قسم کھا بھی لی تھی تو اس قسم کو توڑ دو اور وہ) نیک کام کرو اور اس قسم (کے توڑنے) کا کفارہ دے دو۔[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''تم خدا کے نام کی قسم کو کسی نیک کام کے نہ کرنے کا بہانہ مت بناؤ البتہ (اگر تم لوگوں نے ایسی کوئی قسم اٹھا رکھی ہے تو اس کو توڑ کر) اس کا کفارہ دے دو اور وہ نیکی کا کام کر ڈالو۔''
اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ: یعنی تم رب ذوالجلال کے نام مبارک کو نیکوکاری پرہیز گاری اور لوگوں کے درمیان صلح وسازگاری سے رکنے کا سبب مت بناؤ۔ یہ آیت حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی کہ جب انہوں نے اس بات کی قسم اٹھائی تھی کہ وہ اپنے بہنوئی ''نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ'' سے نہ تو بات کریں گے اور نہ ہی ان کے اور اپنی بہن کے درمیان صلح کرائیں گے۔''[2]
وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ: یعنی وہ تمہاری باتوں کو سنتا ہے اور تمہارے احوال کو جانتا ہے۔ آگے ارشاد ہوتا ہے۔

لغو قسم کے احکام

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ:...... یعنی رب تعالیٰ تم سے تمہاری ان قسموں پر مواخذہ نہ فرمائیں گے جو قسم کے ارادہ کے بغیر تمہاری زبان پر (روزمرہ کی بات چیت میں) جاری ہو جاتی ہیں مثلاً کوئی یہ کہے ''ہاں خدا کی قسم'' اور ''نہیں خدا کی قسم!'' (وغیرہ وغیرہ) مگر (ان الفاظ سے) اس کا ارادہ قسم اٹھانے کا نہ ہو۔ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ: یعنی تمہاری ان قسموں پر دارو گیر فرمائیں گے جو تم لوگوں نے قصداً اٹھائی ہوں گی اور تم نے دل سے پختہ ارادہ کیا تھا کہ اس کو نہ توڑوں گا۔[3] وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ: یعنی وہ خدا وسیع مغفرت والا ہے جو بندوں کو سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا'' اور جھوٹی قسم کی سزا میں آخرت تک مہلت دی ہے''۔ (از بیان القرآن)

---

[1] اس آیت کا ایک معنی یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ''خدا کے نام کی زیادہ قسمیں نہ کھاؤ کہ تم خدا کے نام مبارک کو (اپنے امور کے حصول کا) ہدف بنالو گے لہٰذا تم نیکوکار، پرہیز گار اور صلح وسازگار بننے میں ہر چھوٹے بڑے، قلیل وکثیر امر میں رب تعالیٰ کے اسم جلیل کو استعمال نہ کرو کیوں کہ کثرت سے قسمیں اٹھانے والا نہ نیکوکار رہتا ہے اور نہ پرہیز گار۔'' ''مؤلف''۔ [2] آدمی جس بات کی قسم کھالیتا ہے اس سے رک جاتا ہے۔ جب کسی نے نیکی نہ کرنے کے کاموں میں قسم کھائی تو گویا قسم کھا کر ان کاموں کا حجاب اللہ کا نام بنا دیا حالاں کہ اللہ کے نام سے تو نیک کام اور زیادہ کرنے چاہیں۔ اس نے الٹا برتاؤ کیا اس لیے ایسی بات پر قسم اور زیادہ برا ہوا اور یوں نیک کام کا ترک کرنا بلا قسم ویسے بھی برا ہے۔'' (بیان القرآن ج۱ ص ۱۳۰)

[3] قسم: قرآن میں اس کے لیے لفظ ''ایمان استعمال ہوا ہے جو یمین کی جمع ہے جس کا معنی قوت اور مضبوطی کے ہیں چوں کہ خدا کے نام سے قسم میں قوت اور تاکید پیدا ہو جاتی ہے اس لیے اس کو یمین کہتے ہیں (حقانی) شرع شریف میں قسم وہ ہوتی ہے جو اللہ کے نام سے یا اس کی صفت سے کھائی جائے (احسن البیان)
قسم کی اقسام:...... اس کی تین اقسام ہیں، ''غموس'' ''منعقدہ'' اور ''لغو''۔ ''یمین غمس'' یہ کسی گزشتہ بات پر عملاً جھوٹی قسم کھانا ہے مثلاً یہ جانتے ہوئے بھی کہ فلاں آیا تھا قسم کھالی کہ نہیں آیا۔ اس قسم کا بڑا گناہ ہے اس کا نام یمین غموس اسی لیے ہے کہ غمس ڈوبنے کو کہتے ہیں گویا کہ ایسی قسم کھانے والا گناہ میں ڈوب جاتا ہے۔
وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ: میں اسی قسم کا بیان ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا کفارہ نہیں بس آخرت میں مواخذہ ہے۔ اس کا علاج بس توبہ واستغفار ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا دنیاوی کفارہ ہے۔ یمین منعقدہ یہ آئندہ زمانہ میں کسی نیکی یا گناہ کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کو کہتے ہیں اس کا حکم یہ ہے کہ اگر کسی نے گناہ کرنے یا نیکی نہ کرنے کی قسم کھائی ہے تو اس کو توڑ کر اس کا کفارہ دے دے جیسا کہ بخاری شریف کی حدیث میں یوں ہی آتا ہے۔
وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ...... میں اسی بات کا بیان ہے کہ نیکیوں سے باز رہنے میں خدا کے نام کو آڑ یا اڑحلہ نہ بناؤ...... (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ)

بلاغت:......يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ: اس میں (عبارت کے) حذف کے ساتھ ''ایجاز'' ہے یعنی يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ شرب الْخَمْرِ وتعاطي الْمَيْسِرِ یہ لوگ آپ ﷺ سے شراب پینے اور جوا کھیلنے کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔'' وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا: یہ اجمال کے بعد تفصیل ہے علم بلاغت میں اس کو ''اطناب'' کہتے ہیں۔ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ: اس میں ''تشبیہ مرسل مجمل ہے''۔ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ: اس میں لفظ ''مفسد'' اور لفظ ''مصلح'' کے درمیان (صنعت) ''طباق'' ہے جو محسنات بدیعیّہ میں سے ہے۔ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ: اس میں لفظ النَّارِ: اور لفظ الْجَنَّةِ: میں (صنعت) ''طباق'' ہے۔ قُلْ هُوَ اَذًى: اس میں بلیغ تشبیہ ہے کیوں کہ اس میں حرف تشبیہ اور وجہ تشبیہ دونوں حذف ہیں اس طرح یہ (عبارت بہت) بلیغ بن گئی اصل عبارت یوں ہے: الحيض شئى مستقذر كالاذى ''یہ حیض نجاست کی طرح ایک گندی شے ہے'' ان (دونوں یعنی حرف تشبیہ اور وجہ تشبیہ) کو مبالغہ (کا معنی پیدا کرنے) کے لیے حذف کیا گیا۔ یہ عربوں کے اس قول کی طرح ہے، ''علی اسد'' ''علی شیر ہے'' (یعنی علی بہادری میں شیر کی طرح ہے)۔ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ: یہ جماع سے کنایہ ہے۔ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ: (یہاں لفظ حرث میں) مضاف حذف ہے یعنی موضع حرث (کہ تمہاری عورتیں (تمہاری) کھیتی کی جگہ ہیں) یا اس میں تشبیہ ہے۔ چنانچہ عورت زمین کی طرح ہے اور (مرد کا) نطفہ بیج کی طرح ہے اور (پیدا ہونے والا) بچہ اگنے والی نبات کی طرح ہے۔ پس حرث یہ محترث (ہل چلانے کی جگہ) کے معنی میں ہے اور (محترث جو اسم ظرف کا) یہ نام (یعنی حرث جو مصدر ہے) مبالغہ (کا معنی ادا کرنے) کے لیے رکھا گیا ہے۔[1]

شراب کو ام الخبائث کیوں کہا جاتا ہے؟

پہلا فائدہ:......شراب کو ''ام الخبائث'' اس لیے کہتے ہیں کہ یہ ہر قبیح فعل کا سبب ہے۔ امام نسائی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ''شراب سے بچو کہ یہ ''ام الخبائث'' ہے کہ تم سے پہلی امتوں میں ایک عبادت گزار شخص تھا ایک بدکار عورت کا اس پر جی آ گیا اس نے اپنی لونڈی کو اس شخص کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ ''ہم (کو امر پیش آ گیا ہے جس میں کسی نیکوکار شخص کی شہادت کی ضرورت ہے اس لیے ہم) آپ کو شہادت دینے کے لیے بلاتے ہیں۔ وہ (بندۂ خدا اسے کار خیر سمجھ کر) اس لونڈی کے ساتھ چلا گیا (اتنے میں اس بدکار عورت کی حویلی آ گئی جس میں کمرہ در کمرہ تھا وہ ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں جاتا گیا وہ لونڈی راستہ دکھلاتی رہی) وہ جس جس دروازے میں داخل ہوتا وہ لڑکی پیچھے سے دروازہ بند کرتی آتی حتیٰ کہ وہ ایک حسین وجمیل عورت تک جا پہنچا (وہاں جا کر منظر کچھ یوں تھا کہ سامنے تو وہ پیکر رعنا بن کر بیٹھی تھی جب کہ) اس کے ایک نوعمر لڑکا اور شراب کی شیشے کی ایک صراحی رکھی تھی، (وہ شخص یہ سب منظر دیکھ کر گھبرا اٹھا) تو اس عورت نے (حقیقت حال سے پردہ اٹھاتے ہوئے) کہا، کہ ''میں نے تمہیں (کسی) گواہی (وغیرہ) کے لیے نہ بلایا تھا، میں نے تو اس لیے بلایا تھا کہ یا تو میرے ساتھ بدکاری کر، یا شراب کا یہ پیالہ پی لے یا اس لڑکے کو قتل کر دے'' (اس آدمی نے جب دیکھا تو نہ جائے، ماندن نہ پائے رفتن، کہ ایک نہ ایک کام کیے بغیر جان چھوٹنی مشکل ہے تو سوچا کہ وہ کام کر لوں جو بظاہر کم گناہ ہوگا) اس نے (زنا اور قتل کو شراب پینے سے بڑا گناہ سمجھتے

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)......یمین لغو: اس کی تفسیر میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور متعدد ائمہ سمیت حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ یہ کسی ایسی گزشتہ بات پر قسم کھانے کا نام ہے جو کھانے والے کے گمان کے برعکس ہو۔ مثلاً زید نہ آیا تھا اور کسی کو یہ گمان تھا کہ وہ آیا تھا پھر اس پر قسم کھالی تو اس کو یمین لغو کہیں گے اس میں چوں کہ اس نے جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولا اس لیے یہ معاف ہے۔ روح المعانی میں ہے کہ اگر گزشتہ جھوٹی بات پر بلا ارادہ قسم نکل گئی تو وہ بھی یمین لغوٗ میں داخل ہے۔ اسی طرح اگر آئندہ کی بابت بلا ارادہ نیت کی برخلاف کچھ کہہ بیٹھا تو وہ بھی یمین لغوٗ میں داخل ہے۔ چوں کہ یہ اخروی مواخذہ یعنی گناہ کے بارے میں ساقط الاعتبار ہے اس لیے اس کو لغو کہتے ہیں۔

قسم کا کفارہ:...... ''قسم کا کفارہ خود قرآن کریم میں (سورۂ مائدہ، ۸۹) میں مذکور ہے کہ قسم کا کفارہ یا تو۔

① ......دس مسکینوں کو اوسط درجہ کا کھانا کھلانا یا کپڑا پہنانا۔ ② ...... یا ایک غلام آزاد کرنا۔ ③ ...... یا ان باتوں کا مقدور نہ ہونے کی صورت میں تین روزے رکھنا ہے۔'' (از تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۸۱۔ ۵۸۲، بیان القرآن ج ۱ ص ۱۳۰، ملخصاً وبتصرف)۔ ان کے تفصیلی احکام کے لیے کتب فقہ وغیرہ کو دیکھا جائے۔

(حاشیہ صفحہ ہذا)......[1] اس بلاغت کے ضمن میں مذکورہ جملہ اصطلاحات کا تعارف گزشتہ میں گزر چکا ہے۔

ہوئے یہ) کہا کہ ''مجھے شراب کا یہ پیالہ پلا دو۔'' اس عورت نے اس کو شراب پلا دی'' (جب شراب کا خمار چڑھا تو لطف آیا اور اور پینے کو جی چاہا) تو کہنے لگا: ''اور پلاؤ'' انہوں نے اور پلائی پس (جب شراب کا نشہ خوب چڑھ گیا اور عقل کھو گئی اور زمین و آسمان کی تمیز ختم ہو گئی تو) اس نے زنا بھی کیا اور لڑکا بھی قتل کیا۔'' (آگے یہ قصہ سنا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) شراب سے بچو، خدا کی قسم! ایمان اور شراب کی عادت ایک دل میں جمع نہ ہوں گی مگر قریب ہے ایک (ان میں سے) دوسرے کو نکال دے گا (اور یقیناً ایمان شراب نوشی کے ساتھ نہ ٹھہرے گا۔)

شراب کے منافع کیا ہیں؟

دوسرا فائدہ:...... باوجود یہ کہ شراب عقل اور مال دونوں کو برباد کر دیتی ہے پھر اس میں نفع ہونے کا کیا معنی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے، کہ ''اس آیت میں منافع سے مراد ''مادّی منافع'' ہیں کہ عرب شراب کی تجارت سے بہت نفع کماتے تھے اور نفع سے مراد اس کا وہ نشہ، لذت اور مزعومہ کیف و سرور بھی ہو سکتا ہے جس کو شاعر ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

نشربها وتترکنا ملوکا، واسدًا ما ینھنھنا اللقاء

ترجمہ:...... ہم شراب پیتے ہیں اور (اس سے ہمیں کیف و سرور کی عجیب لذت حاصل ہوتی ہے کہ) وہ شراب ہمیں اس حال میں چھوڑتی ہے (یعنی شراب پینے کے بعد ہمارا یہ حال ہوتا ہے) کہ ہم (خود کو) بادشاہ اور شیر (سمجھنے لگتے) ہیں (کہ اس وقت ہم خود سے بے خود ہوتے ہیں اور ہم دشمنوں سے لڑنا اور بھڑنا (خاطر میں نہیں لاتے اور ان کا جتھہ) ہمیں (ان سے ٹکرا جانے سے) نہیں روکتا۔'' (واللہ اعلم)

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''شرابی عقلمندوں میں مخول (اور ان کا کھلواڑ) بن جاتا ہے اور (تو اور) وہ خود اپنے پیشاب پاخانے سے کھیلنے لگتا ہے اور کبھی ان کو اپنے منہ پر بھی مل لیتا ہے شرابیوں کو (کل بھی اور آج بھی) دیکھا گیا ہے کہ ''وہ اپنے منہ پر اپنا پیشاب ملتا جا رہا ہے اور کہتا جا رہا ہے:

اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین [1]

''اے اللہ مجھے توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں میں سے بنا'' (اسی طرح) ایک شرابی کی یہ حالت دیکھی گئی کہ وہ (شراب کے نشے میں دھت پڑا ہے اور) کتا اس کا منہ چاٹ رہا ہے اور وہ یہ کہے جا رہا ہے ''خدا تیری بھی ایسی ہی عزت افزائی کرے جیسی تو میری کر رہا ہے''۔
(تفسیر قرطبی ج۳ ص ۵۷)

تیسرا فائدہ:...... فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ، مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللهُ اور فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ: ''ان تینوں آیات کے بارے میں علامہ زمخشری فرماتے ہیں، ''ان میں بڑے لطیف کنایے اور بڑی عمدہ تعریضات ہیں۔ قرآن کریم میں ان آیات اور ان جیسی دوسری آیات میں نہایت عمدہ آداب (کی تعلیم) ہے، اہل ایمان کو چاہیے کہ وہ ان آداب کو سیکھیں، خود کو ان آداب میں ڈھالیں اور اپنی گفتگو اور خط و کتابت میں بتکلف ان کو اختیار کریں''۔ (تفسیر کشاف ج۱ ص ۲۰۲)

چند معاشرتی و خاندانی امراض کا موثر علاج

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ

[1] یہ وضو کے دوران کی دعا ہے۔ خدا کی شان پہلے زمانہ کے شرابی بھی نمازی تھے، یہ ہمارے دور کی کم نصیبی ہے کہ اچھے خاصے شریف بھی بے نمازی ہیں۔ ''ونعوذ باللہ من الحور بعد الکور''

اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۠ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾

ترجمہ:...... جولوگ اپنی بیویوں کے پاس جانے کے بارے میں قسم کھالیتے ہیں، ان کے لیے چار مہینے کا انتظار ہے پھر اگر رجوع کرلیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ ﴿۲۲۶﴾ اور اگر وہ طلاق کا پختہ اِرادہ کرلیں تو بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ ﴿۲۲۷﴾ اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنی جانوں کو روکے رکھیں تین حیض آنے تک، اوران کے لیے یہ بات حلال نہیں کہ جو کچھ اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا فرمایا ہے اسے چھپائیں اگر وہ ایمان رکھتی ہیں اللہ پر اور یومِ آخرت پر، اور اُن کے شوہران کے لوٹانے کے زیادہ حقدار ہیں اس مُدت کے اندر اگر اصلاح کا ارادہ کریں، اور عورتوں کے لیے اس جیسا حق ہے جو ان کے اوپر ہے اچھے طریقے پر، اور مردوں کو ان کے مقابلہ میں درجہ بڑھا ہوا ہے اور اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔ ﴿۲۲۸﴾ طلاق دو مرتبہ ہے پھر روک لینا ہے بھلائی کے ساتھ، یا چھوڑ دینا ہے اچھے طریقہ پر، اور تمہارے لیے یہ حلال نہیں ہے تم کچھ بھی لے لو اس مال میں سے جو تم نے ان کو دیا ہے۔ مگر اس صورت میں کہ میاں بیوی اس بات سے ڈرتے ہوں کہ حدود اللہ قائم نہ رکھ سکیں گے، سو اگر تم ڈرو اس بات سے کہ دونوں اللہ کے حدود قائم نہ رکھ سکیں گے تو کوئی گناہ نہیں ان دونوں پر اس بارے میں کہ عورت اپنی جان کا بدلہ دے دے، یہ اللہ کے حدود ہیں، سو تم ان سے آگے مت بڑھو، اور جو کوئی شخص اللہ کے حدود سے آگے بڑھ جائے تو ایسے لوگ ظلم کرنے والے ہیں۔ ﴿۲۲۹﴾ پھر اگر اس کو طلاق دے دی تو اس کے لیے اس کے بعد حلال نہ ہوگی یہاں تک کہ اِس شوہر کے بعد کسی دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے۔ سو اگر اس نے طلاق دیدی تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ پھر آپس میں رجوع ہو جائیں۔ اگر دونوں کو اس بات کا گمان ہو کہ اللہ کے حدود قائم رکھیں گے اور یہ اللہ کی حد بندیاں ہیں وہ انہیں بیان فرماتا ہے ان لوگوں کے لیے جو جانتے ہیں۔ ﴿۲۳۰﴾

ماقبل مناسبت:...... گزشتہ آیات میں رب تعالیٰ نے بعض ان معاشرتی امراض کو بیان فرمایا ہے جو امت کے جسم کو بوسیدہ (اور لاغر) کر دیتے ہیں اور معاشرے کے صحن میں اتر آتے ہیں اور لوگوں میں بغض وعداوت کو پیدا کرتے ہیں جیسے شراب اور جوا وغیرہ۔ پھر رب تعالیٰ نے روئے سخن ایک خاندان کی طرف موڑ لیا اس اعتبار سے کہ یہ ایک اعلیٰ معاشرے کی تعمیر کی پہلی اینٹ ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک خاندان کی اصلاح سے معاشرہ کی اصلاح ہوتی ہے اور اس کے بگاڑ سے معاشرہ بگڑتا ہے۔ پھر خاندان کے احکام کو زن وشوہر کے باہمی تعلقات سے شروع فرمایا اور اس بات کی ضرورت پر متنبہ کیا کہ ایک دوسرے کی خیر خواہی دین کی بنیاد پر ہو تا کہ (زوجین کا) یہ (باہمی) تعلق (محبت و) مودت، (شفقت و) رحمت اور (صدق و) اخلاق کے روابط کے ساتھ مضبوط ہو، لہٰذا ایک مشرکہ کا کسی مسلمان کے نکاح میں ہونا حلال نہیں اسی طرح ایک مؤمنہ کے حلال نہیں کہ وہ ایک مشرک کی ماتحتی میں ہو۔ اسی لیے اسلام نے مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے اور مشرکین کے ساتھ مؤمن عورتوں کی شادی کرنے کو حرام ٹھہرایا۔ [1]

---

[1] علامہ حقانی اس بارے میں نہایت دلچسپ تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں، ''چوں کہ مرد کاروبار میں مصروف رہتا ہے اور امور خانہ داری کی جزئیات پر اس کی نگاہ عموماً نہیں رہتی جن کی اصلاح ضروری ہے اس لیے مشرک عورت سے نکاح کی ممانعت آئی کہ اس میں دیانت نہیں ہوتی، خداترس اور حقوق پر نظر تو کجا؟ نیز اس سے معاش ومعاد بھی متاثر ہوں گے۔ خاوند بیوی کا تعلق بڑا نازک ہے جو باہمی محبت پر مبنی ہے، اختلاف مذہب کی وجہ سے اگر محبت نہ ہوئی تو روز کے جھگڑے...... (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ)

اس کے بعد ان آیات میں خاندان کو لاحق ہونے والے بعض دوسرے امراض کا ذکر کیا جو ایک خاندان کے ڈھانچہ کو تباہ کر دیتے ہیں۔ ان (امراض) میں سے ایلاء، طلاق اور خلع کو بیان فرمایا اور ان مشکلات کا جو ایک خاندان کی عمارت کو گرا دیتی ہیں۔ ایک موثر علاج ذکر فرمایا۔

لغت: يُؤْلُونَ:...... (یہ) ایلاء (سے ہے) اس کا لغوی معنیٰ "قسم" ہے آلٰی یُؤْلِیْ اِیْلَاءً (کا معنیٰ قسم کھانا ہے) شاعر کہتا ہے:

فالیت لاانفك احدو قصیدةً تکون وایاها بها مثلًا بعدی

ترجمہ:...... اور شرع شریف میں یہ بیوی سے جماع ترک کرنے کی قسم کھانے کا نام ہے۔

تَرَبُّص: انتظار، اسی معنی میں (یہ ارشاد خداوندی) ہے:

قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّیْ مَعَكُمْ (سورہ طور، ۳۱) "کہہ دو کہ انتظار کیے جاؤ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔"

فَآءُوْ:...... (یہ) فیئی (سے ہے جس کا معنی) لوٹنا (ہے)۔ اسی معنی میں سایہ کو بھی فیئی کہتے ہیں کیوں کہ وہ ہٹنے کے بعد پھر (بڑھنے کی طرف) لوٹتا ہے۔ فراء کہتا ہے: "عرب کہتے ہیں: فلان سریع الفیئی یعنی فلاں غصہ اور طیش میں آ جانے کے بعد بڑی جلدی لوٹ آتا ہے (یعنی ٹھنڈا ہو جاتا ہے) شاعر کہتا ہے:

ففاءت ولم تقض الذی اقبلت له ومن حاجة الانسان مالیس قاضیا

"وہ (محبوب کو ملنے) لوٹی مگر وہ جس مقصد کے لیے آئی تھی وہ پورا نہ کر سکی اور آدمی کی بعض ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں۔"

قُرُوْءٍ:...... یہ قرء کی جمع ہے۔ اس اسم کا اطلاق حیض اور پاکی دونوں پر ہوتا ہے یہ اضداد میں سے ہے۔ اس کا اصلی معنی اکٹھا کرنا اور یکجا کرنا ہے اور حیض کو یہ نام اس لیے دیا گیا کہ (اس میں عورت کے) رحم میں خون اکٹھا ہوتا ہے (پھر نکلتا ہے)۔ (علامہ فیروز آبادی) "القاموس"[1] میں کہتے ہیں، "اس لفظ کو فتح (زبر) اور ضم (پیش) دونوں کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں اس کا معنی حیض طہر (پاکی) اور وقت ہے جب یہ پاکی کے معنی میں ہو تو اس کی جمع قروء آتی ہے اور جب یہ حیض کے معنی میں ہو تو اس کی جمع اقراء آتی ہے۔ بُعُوْلَتُهُنَّ: (بعول یہ) بعل کی جمع ہے اس کا معنی خاوند ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَهٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا (سورہ ھود، ۷۲) اور یہ میرے میاں بھی بوڑھے ہیں" اور بیوی کو بعلۃ کہتے ہیں۔ دَرَجَةٌ: بلند رتبہ۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)...... اور اگر محبت ہوئی تو اس کی کفر و شرک کی رسموں سے چشم پوشی پر دین برباد اور عورتوں کو مشرک مردوں سے نکاح کی مطلق ممانعت کر دی۔" (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۷۸)

اور اس کی صحیح علت خود مولف موصوف نے اوپر "مناسبت" کے عنوان کے تحت ذکر کر دی ہے کہ جب مؤمن عورت مشرک کافر کی زوجیت میں ہوگی تو امور خانہ داری اور باہمی محبت وغیرہ کے امور تو ایک طرف رہے سرے سے وہ مرد اس کو اسلام پر ہی باقی نہ رہنے دے گا اور عموماً دیکھا بھی یہی گیا ہے کہ جن عورتوں کے عیسائیوں یا قادیانیوں وغیرہ کے ساتھ نکاح ہو جاتے ہیں یا وہ ہندوؤں سے شادیاں کر لیتی ہیں تو وہ جلد ہی اپنے خاوند کے مذہب میں داخل ہو کر دین و دنیا دونوں برباد کر لیتیں ہیں۔ بندہ نے بھی اپنے خاندان کی بعض سنی خواتین کے شیعوں کے ہاں شادی کرنے کا انجام یہ دیکھا ہے کہ اب وہ اور ان کی آئندہ اولادیں شیعہ مذہب پر ہیں۔

اللھم لاتزغ قلو بنا بعداذ ھدیتنا۔

(حاشیہ صفحہ ہذا)...... [1] یہ مجدد الدین ابو طاہر محمد بن یعقوب بن ابراہیم فیروز آبادی کی شہرہ آفاق تالیف القاموس المحیط ہے، شیراز کے قریب کارزین میں ۷۲۹ھ / ۱۳۲۹ء میں پیدا ہوئے۔ بچپن یہیں گزرا سات سال کی عمر میں قرآن حفظ کیا۔ اس کے بعد کا باضابطہ تعلیم شروع کی۔ تحصیل علم کے لیے واسط، بغداد، مصر، شام بیت المقدس، فلسطین، ہندوستان اور ترکی وغیرہ کے اسفار کیے بارہا حرمین شریفین گئے اور طویل طویل عرصہ تک وہیں مقیم رہے۔ ۷۹۶ھ میں یمن کے شاہ الاشرف اسماعیل بن عباس نے ان کو دار الخلافہ زبید میں بلوایا اور اپنی بیٹی بھی نکاح میں دی اور منصب قضا تفویض کیا۔ ۸۰۶ھ کے حج کے سفر میں مقام صفا میں ایک گھر بنا کر رہ پڑے۔ اسی گھر میں یہ شہرۂ آفاق تالیف "القاموس المحیط" لکھی۔ پھر زبید لوٹ کر ۸۲۷ھ میں انتقال فرمایا" (القاموس الوحید ص ۶۲)

اس لغت کی متعدد لوگوں نے شروحات لکھیں۔ اس کی سب سے اہم شرح علامہ زبیدی کی "تاج العروس" پھر جرمانوس فرحات نے "باب الاعراب" کے نام سے اس کی تلخیص کی۔ بطرس بستانی نے "محیط المحیط" میں اس سے استفادہ کیا۔ (المنجد الاعلام العربی ص ۴۳۱۔ کالم نمبر ۳)۔

اَلطَّلَاقُ:...... یہ طلقت المرأۃ سے مصدر ہے اس کا معنی طلاق (دینا) ہے۔ طلاق یہ عقد نکاح کو کھولنا (یعنی نکاح کے بندھن کو ختم کرنا) ہے۔ اس کی اصل انطلاق (یعنی رہا ہونا، اور چھوڑنا) اور تخلیۃ (آزاد کرنا اور چھوڑ دینا) ہے۔ کہا جاتا ہے، ناقۃ طالق یعنی آزاد چھوڑی ہوئی اونٹنی جس کو کسی (رسی وغیرہ کی) قید اور چرواہے کے بغیر (چرنے کے لیے) چراگاہ میں چھوڑ دیا گیا ہو اسی معنی کے لحاظ سے اس عورت کو طالق (یعنی طلاق والی) کہتے ہیں جس کی راہ (خاوند نے طلاق دے کر) چھوڑ دی ہو۔ تَسْرِیْحٌ: کسی شے کا چھوڑنا۔ اسی معنی میں تسریح الشعر (کا محاورہ) ہے (جس کا معنی بالوں میں کنگھی کرنا اور انہیں سلجھانا ہے) تاکہ بالوں کی گنجلک دور ہو جائے۔ اور سرّح الماشیۃ کا معنی جانوروں کو چھوڑنا ہے۔ امام راغب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تسریح کا طلاق (کے معنی) میں استعمال۔ تسریح الابل (اونٹوں کو چھوڑنے کے محاورے) سے مستعار ہے جس طرح لفظ طلاق یہ اطلاق الابل (اونٹوں کو چھوڑنے کے محاورے) سے مستعار ہے۔

سببِ نزول:...... جاہلیت میں ایک شخص اپنی بیوی کو جتنی چاہے طلاقیں دے دیتا پھر بھی اس کی عدت گزرنے سے پہلے اس سے رجوع کر لیتا تھا۔ چاہے وہ ہزار مرتبہ بھی طلاق دے دیتا مگر اس کو رجوع کرنے کا حق باقی رہتا چنانچہ (اسی طرح عہد جاہلیت کے اس دستور کے موافق) ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہی تو اس کو کہنے لگا،" نہ تو میں تمہیں اپنے پاس پناہ دوں گا اور نہ ہی تمہیں بناؤ سنگھار کرنے دوں گا۔" اس نے پوچھا: (بھلاوہ) کیسے؟ اس آدمی نے کہا: (وہ یوں کہ) میں تمہیں طلاق دے دوں گا پھر جب تمہاری عدت پوری ہونے کے قریب ہو جائے گی تو میں تم سے رجوع کرلوں گا" (یوں نہ تو تم میری بیوی بن کر رہو گی اور نہ ہی عدت میں ہونے کی وجہ سے کوئی بناؤ سنگھار کرسکو گی۔) تو اس عورت نے خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں شکایت کی اس پر خدا نے یہ آیت نازل فرمائی: اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ

ایلاء کا بیان

لِلَّذِیْنَ یُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ: یعنی جو لوگ اپنی بیویوں کو تکلیف دینے کے لیے ان سے جماع نہ کرنے کی قسم کھا لیتے ہیں انہیں چار ماہ تک انتظار کرنا چاہیے۔ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ: یعنی اگر وہ بیوی کے ساتھ دستور کے موافق (حسن سلوک اور) معاشرت کرنے پر آ جائیں۔ یہ جماع سے کنایہ ہے یعنی اگر وہ قسم توڑ کر جماع کر لیں تو رب تعالیٰ ان کے گزشتہ بُرے رویے کو معاف فرمائیں گے اور ان پر رحم فرمائیں گے۔ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ: یعنی اگر انہوں نے انہیں گھر نہ بسانے اور ان کے ساتھ جماع نہ کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے تو رب تعالیٰ ان کے اقوال کو سننے والے اور ان کی نیتوں کو جاننے والے ہیں۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ "جب خاوند بیوی کے قریب نہ جانے کی قسم کھالے تو بیوی چار ماہ کی مدت تک خاوند کا انتظار کرے پھر اگر تو اس مدت کے دوران خاوند اس کے ساتھ معاشرت (یعنی جماع) کرلے تو ٹھیک ہے۔ اس صورت میں خاوند کی قسم ٹوٹ جائے گی اور اس پر اس قسم کا کفارہ آئے گا۔ اور اگر اس مدت کے دوران وہ اس کے قریب نہیں آتا تو مدت گزرتے ہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک (دونوں کے درمیان) فرقت اور طلاق ہو جائے گی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کے معاملہ کو حاکم کے سامنے پیش کیا جائے گا وہ حکم دے گا کہ یا تو رجوع کرلو یا طلاق دے دو۔ پھر اگر وہ دونوں باتوں سے باز رہے تو حاکم اس کے خلاف طلاق کا فیصلہ (ڈگری) کر دے گا۔ ایلاء کے حکم کا خلاصہ یہی ہے۔ [۱]

---

[۱] ایلاء:...... یہ بیویوں کے پاس نہ جانے کی قسم کو کہتے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں غیر معینہ مدت یا کم از کم چار ماہ تک بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کو ایلاء کہتے ہیں۔ (احسن البیان ج ۱ ص ۳۴۷) عرب میں دستور تھا کہ بیوی سے خفا ہو کر قسم کھا بیٹھتے کہ اب تیرے پاس نہ آؤں گا سو وہ قسم کے مارے نہ اس کے پاس آتے اور نہ طلاق دیتے تھے اس میں عورت کو بڑی دقت پیش آتی تھی ایسی قسم کو شرع میں ایلاء کہتے ہیں" (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۸۲)

حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایلاء جاہلیت کا ستانا تھا جب کسی کو اپنی بیوی سے محبت نہ ہوتی تھی اور نہ وہ یہ چاہتا تھا کہ دوسرا اس سے نکاح کرے تو وہ اس کے پاس نہ جانے کی قسم کھا لیتا تھا اور اس کو چھوڑے رکھتا کہ نہ تو وہ اس کی بیوی ہوتی اور نہ ہی خاوند والی ہوتی۔ ابتدائے اسلام میں سب لوگ اس کے پابند تھے پھر اسلام نے اس کی مدت چار ماہ مقرر کردی۔ (تفسیر مظہری ج ۱ ص ۳۳۸ اردو) (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ)

عورت اور طلاق کا بیان

آگے رب تعالیٰ عدت اور شرعی طلاق کو بیان فرماتے ہیں:

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ:...... یعنی آزاد شادی شدہ عورتوں پر جن سے خاوند مل چکے ہیں لازم ہے کہ "تین قروء" کی مدت تک انتظار کریں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس سے مراد تین طہر ہیں جب کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس سے مراد تین حیض ہیں۔ پھر (مذکورہ اختلاف کے مطابق ہر ایک امام کے نزدیک) عدت ختم ہونے کے بعد اگر وہ چاہے تو (دوسرے خاوند سے) نکاح کرسکتی ہے۔ یہ حکم اس عورت کا ہے جس سے خاوند مل چکا ہو (یعنی جماع کرچکا ہو جس کو فقہ کی اصطلاح میں "مدخول بہا" کہتے ہیں) البتہ جو عورت غیر مدخول بہا ہو تو اس پر کوئی عدت نہیں۔ اس کی دلیل یہ ارشاد خداوندی ہے: فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ (سورۃ الاحزاب، ۴۹) "(مؤمنو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرکے ان کو ہاتھ لگانے (یعنی ان کے پاس جانے) سے پہلے طلاق دے دو تو تم کو کچھ اختیار نہیں ان پر (ان سے) عدت (پوری کرانے) کا۔" وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ: یعنی طلاق یافتہ عورتوں کو خاوندوں کا رجعت کا حق باطل کرنے کے لیے یا عدت کو جلدی گزارنے کے لیے اپنے رحموں کے حمل یا حیض کو چھپانا درست نہیں۔ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا: یعنی ان کے (پہلے) خاوندوں کو، ان کی عدت پوری ہونے سے پہلے ان کے دوسرے کے ساتھ نکاح کرنے سے زیادہ ان سے رجوع کرنے کا حق ہے جب کہ رجوع سے ان کی غرض اصلاح (احوال) ہو (کہ عورت کا گھر بسانا مقصود ہو اور اس کے ساتھ حسن معاشرت کی نیت ہو) نہ کہ انہیں نقصان پہنچانا مقصود ہو (کہ نہ خود طلاق دیں اور نہ گھر بسائیں)۔ یہ طلاق رجعی کا حکم ہے۔

اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ:...... یعنی اگر وہ سچی مؤمن عورتیں ہیں اور خدا کے عذاب وعقاب سے ڈرتی ہیں (تو مذکورہ بات کو نہ چھپائیں) یہ انہیں دھمکی ہے تاکہ وہ سچی بات کو کسی کمی زیادتی کے بغیر بتلادیں۔ کیوں کہ (حیض یا حمل) یہ ایسا امر ہے جو ان سے ہی معلوم ہوسکتا ہے۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ: یعنی عورتوں کو مردوں پر ویسا ہی حق ہے جیسا ان کا ان پر ہے اور یہ اس دستور کے مطابق ہے جس کا رب تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کے ساتھ حسن معاشرت کی جائے اور انہیں تکلیف میں نہ ڈالا جائے۔

مَردوں کو عورتوں پر فوقیت

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ:...... یعنی مَردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فوقیت وامتیاز ہے یعنی رب تعالیٰ نے مَردوں کو جو عورتوں پر خرچ کرنے، ان کی کفالت وذمہ داری اٹھانے کا حکم دیا ہے اور عورت پر انہیں اختیار اور اور عورتوں پر ان کی اطاعت کو لازم کیا ہے (کہ ان امور میں مَردوں کو عورتوں پر ایک گونہ برتری ہے) اور یہ "تکلیفی برتری" (یعنی ان احکام کے مکلف ہونے کے اعتبار سے برتری) ہے تاکہ "تشریفی برتری" (کہ مرد اپنی خلقت کے اعتبار سے عورت سے بزرگ اور افضل ہے۔ انسان ہونے کے ناطے خدا کے نزدیک مرد اور عورت دونوں برابر ہیں اور فضیلت وشرافت اسی کو حاصل ہے جو زیادہ پرہیزگار ہوگا) جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (سورۃ الحجرات، ۱۳) "اور خدا کے نزدیک

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)...... ایلاء کی اقسام اور ان کے احکام:...... اس کی چار صورتیں ہیں:

① ...... کوئی مدت مقرر نہ کرے۔ ② ...... چار ماہ کی مدت مقرر کرے۔ ③ ...... چار ماہ سے زیادہ کی مدت مقرر کرے۔ ④ ...... چار ماہ سے کم مدت مقرر کرے۔ پہلی، دوسری اور تیسری صورت کو شرع میں ایلاء کہتے ہیں ان تینوں صورتوں کا حکم اوپر متن میں بیان کردیا گیا ہے کہ اگر چار ماہ سے پہلے رجوع کرلے تو قسم کا کفارہ آئے گا اور نکاح باقی رہے گا اور اگر چار ماہ کی مدت گزر گئی تو طلاق پڑ جائے گی اور یہ طلاق بائن یعنی قطعی طلاق ہوگی جس میں بلا نکاح رجوع کرنا درست نہیں البتہ اگر دونوں رضامندی سے پھر نکاح کرلیں تو درست ہے اور حلالہ کی ضرورت نہ ہوگی۔ اس میں ائمہ کا جو اختلاف ہے وہ متن میں مذکور ہے، ہر ایک کے دلائل کتب فقہ میں مذکور ہیں۔

چوتھی صورت کا حکم یہ ہے کہ اگر قسم توڑ دی تو کفارہ آئے گا اور اگر قسم پوری کرلی تو بھی نکاح باقی رہے گا کیوں کہ یہ چار ماہ سے کم کی مدت تھی۔ اس میں نکاح کی تجدید کی ضرورت بھی نہ رہے گی۔ (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۳۱ بتصرف) نیز چار ماہ سے کم مدت کی قسم شرع شریف میں ایلاء بھی نہ کہلائے گی۔ (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۸۲)

تم میں زیادہ عزت والا ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔" وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ: یعنی غالب ہے جو اپنے نافرمانوں سے انتقام لے گا اور اپنے امر و تشریع میں حکمت والا ہے۔[1] (یہاں تک طلاق سے رجوع کا بیان تھا) آگے رب تعالیٰ طلاق دینے کے شرعی طریقے کو بیان کر رہے ہیں۔ ارشاد ہے: اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ: یعنی وہ شرعی طلاق جس کے ذریعے خاوند کو رجوع کا اختیار رہتا ہے وہ دو طلاق ہے، ان کے بعد یا تو حسن معاملہ اور حسن معاشرت کا اختیار ہے (یعنی بیوی بنا کر رکھ لو) یا (تیسری طلاق بھی دے کر) بھلائی کے ساتھ چھوڑ نا ہے وہ یوں کہ اس کے کسی حق میں ظلم نہ کرے اور (طلاق دینے کے بعد) اس کے برے تذکرے نہ کرتا پھرے اور دوسرے لوگوں کو اس سے تنفر نہ کرے (کہ اس کی کسی سے شادی ہی نہ ہو)۔ وَلَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ شَیْـًٔا: یعنی اے خاوندو! تم نے ان عورتوں کو جو تھوڑا بہت بھی مہر دے رکھا ہے وہ تم ان سے نہیں لے سکتے۔ اِلَّاۤ اَنْ یَّخَافَاۤ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ: ہاں اگر زوجین کو یہ ڈر ہو کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک نہ کر سکیں گے اور زوجیت کے ان حقوق کی رعایت نہ کر سکیں گے جن کا خدا نے حکم دیا ہے۔[2]

خلع کا بیان

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ:...... پھر اگر تمہیں ڈر ہو کہ زوجین ایک دوسرے کے ساتھ اچھی زندگی نہ بسر کر سکیں گے اور بیوی مہر چھوڑ کر خاوند سے خلع کرنا چاہے یا خاوند کو کچھ مال دے کر خلع کرنا چاہے تاکہ وہ اسے طلاق دے دے تو نہ تو خاوند کو وہ مال لینے میں کوئی حرج ہے اور نہ ہی بیوی کو وہ مال دینے میں کوئی حرج ہے۔

---

[1] ان آیات میں طلاق، عدت اور رجعت کا بیان ہے ذیل میں اختصار کے ساتھ ان کو بیان کر دیا جاتا ہے۔

طلاق:...... اس کے لغوی اور شرعی معنی خود مولف موصوف نے بیان کر دیے ہیں۔ فقہا کے ہاں طلاق اس قید کے دور کرنے کو کہتے ہیں جو شریعت سے نکاح کے ذریعے ثابت ہو۔ (معدن الحقائق۔ ج۱ ص ۳۱۳)

طلاق کی اقسام:...... طلاق کی اقسام دینے اور ختم کرنے دونوں کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ دینے کے اعتبار سے طلاق کی تین قسمیں ہیں احسن، حسن اور بدعی۔ ان کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔ مذکورہ آیت میں طلاق کی اس قسم کا ذکر ہے جو ختم کرنے کے اعتبار سے ہے۔ یہ دو قسم کی ہے، ایک رجعی اور دوسری بائن۔ "طلاق رجعی" وہ طلاق ہے جس کے دینے کے بعد خاوند کو عدت ختم ہونے تک بغیر تجدید نکاح کے رجوع کرنے کا اختیار رہتا ہے اس کو طلاق صریح بھی کہتے ہیں یہ لفظ طلاق کے ساتھ دی جانے والی طلاق ہے۔ دوسری قسم وہ طلاق ہے جس میں عدت کے دوران بغیر تجدید نکاح کے رجوع نہ ہو سکے اس کو "طلاق بائن" کہتے ہیں اور یہ کنائی الفاظ کے ساتھ ہوتی ہے جن میں طلاق کی نیت شرط ہے۔ ان کی تفاصیل کتب فقہ وغیرہ میں مذکور ہیں۔ (معدن الحقائق)

رجعت:...... یہ نکاح کے ذریعے حاصل ہونے والی "ملکیت استمتاع" (عورت کے بدن سے فائدہ اٹھانے کے حق) کے دوام کو عورت کی عدت کے زمانہ میں باقی رکھنے کو کہتے ہیں۔" (ج۱ ص ۳۴۷ حوالہ بالا) عدت:...... "عدت اس توقف کو کہتے ہیں جو عورت کو زوال نکاح کے بعد لازم ہوتا ہے" "خواہ وہ زوال طلاق کے ذریعے ہو یا خاوند کی وفات کے ذریعے" (ج۱ ص ۳۵۷ حوالہ بالا)

عہد جاہلیت میں طلاق اور عدت کا دستور اور اسلام کی برکت سے اس کی اصلاح:...... عہد جاہلیت میں طلاق دینے اور عدت گزروانے کے بارے میں بڑا جھمیلا اور بے قاعدگیاں تھیں۔ طلاق دینے والا بسا اوقات چھ ماہ بعد بھی عورت کا دعویدار بن بیٹھتا تھا یوں نہ وہ نان نفقہ دیتا اور نہ وہ کسی اور کے نکاح میں آتی جو عورت پر بڑا ظلم تھا اس لیے ایک تو خدا نے عدت کی مدت بیان کر دی دوسری عدت کے دوران اصلاح کی نیت سے مرد کو عورت سے ملاپ کی (یعنی رجعت کی) اجازت دے دی۔ دوسری طرف عورتوں کو بھی تاکید کر دی عدت میں کمی زیادتی کی غرض سے یا پہلے خاوند سے ناراض ہو کر اپنا حیض یا حمل نہ چھپائیں کیوں کہ اس میں ایک تو عدت کا حساب خلط ملط ہو جائے گا دوسرے ایک کی اولاد دوسرے کے پاس جانے سے نسب میں فرق آئے گا۔" (تفسیر حقانی ج۱ ص ۵۸۳)

مطلقہ عورتوں اور ان کی عدتوں کی اقسام:...... شرع شریف میں مطلقہ وہ عورت ہے جو کسی کے نکاح میں ہو اور پھر اس کو طلاق دے دی گئی ہو، اس کی چند اقسام ہیں: ☆...... اگر صرف نکاح کے بعد طلاق کی نوبت آ گئی کہ خاوند کو جماع کرنے کا اتفاق نہ ہوا اس کے لیے کوئی عدت نہیں جیسا کہ اوپر متن میں بیان ہوا۔ ☆...... پھر اگر وہ مدخول بہا ہے اور حاملہ ہے اس کی عدت وضع حمل ہے کہ ولادت تک وہ عدت میں ہے اور کسی کے نکاح میں نہیں آ سکتی۔ ☆...... اگر مدخول بہا ہے اور غیر حاملہ ہے مگر صغر سنی یعنی کم عمری کی وجہ سے حیض والی نہیں تو اس کی عدت صرف تین ماہ ہے۔ ☆...... پھر اگر مدخول بہا ہے اور حیض والی ہے مگر لونڈی ہے اور حاملہ نہیں تو اس کی عدت دو حیض ہے۔ ☆...... اور اگر مدخول بہا غیر حاملہ حائضہ آزاد عورت ہے تو اس کی مدت عدت حسب اختلاف آئمہ تین حیض یا تین طہر ہے۔ واللہ اعلم" (تفسیر حقانی ج۱ ص ۵۸۳ بتصرف)...... (بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا:...... یعنی یہ طلاق، رجعت اور خلع وغیرہ کے عظیم احکام رب تعالیٰ کی شریعت اور اس کے احکام ہیں تم لوگ نہ تو ان کی مخالفت کرو اور نہ ہی ان سے تجاوز کر کے غیر شرعی طریقوں کو اختیار کرو۔ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ: یعنی جس نے احکام خداوندی سے تجاوز کیا اس نے خود کو رب کی ناراضگی پر پیش کر دیا اور وہ ان ظالموں میں سے بن گیا جو شدید عذاب کے مستحق ہیں۔[1]

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ: یعنی اگر خاوند نے (دو رجعی طلاقیں دینے کے بعد اس کو تیسری) طلاق دے دی تو اس کے بعد وہ عورت پہلے خاوند کے لیے اس وقت تک حلال نہ ہوگی جب تک کہ وہ دوسرے خاوند سے نکاح نہ کر لے اور وہ اس کو طلاق بھی نہ دے دے۔ البتہ اس میں دوسرے خاوند کا اس عورت کے ساتھ ہمبستری کر کے طلاق دینا شرط ہے جس کو حدیث شریف کے ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: حتیٰ یذوق عسیلتها وتذوق عسیلته یعنی جب تک کہ وہ عورت کا شہد نہ چکھ لے اور عورت اس کا شہد نہ چکھ لے" (یعنی دونوں ایک دوسرے کے مزے سے واقف ہو جائیں جس کو جماع کہتے ہیں)۔ اس آیت میں اس شخص کو تیسری طلاق دینے سے ڈانٹ ہے جو عورت کو اپنی زوجیت میں رکھنا چاہتا ہے کیوں کہ ہر صاحب مروّت کو یہ بات ناگوار ہے کہ کوئی دوسرا اس کی بیوی سے ہمبستری کرے۔"[2]

رجعت کے آداب

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ:...... پھر اگر (نئے خاوند سے شادی کرنے کے بعد) اس دوسرے خاوند نے بھی عورت کو طلاق دے دی تو (اس کی طلاق کی) عدت گزرنے کے بعد اگر ایسے دلائل پائے جائیں کہ باہمی حسن سلوک اور حسن معاشرت کی طرف اشارہ کریں تو اس عورت کو پہلے خاوند کی طرف لوٹ جانے میں (یعنی اس کے ساتھ نئے سرے سے نکاح میں) کوئی حرج نہیں۔ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ: یعنی یہ رب تعالیٰ کی شریعت اور اس کے احکام ہیں جنہیں وہ علم و فہم والوں کو واضح کر کے اور کھول کے بیان کرتا ہے تا کہ وہ امور کے عواقب (وانجام) پر نگاہ رکھیں۔[3]

بلاغت:...... فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ: یہ بظاہر تو جملہ خبریہ ہے مگر معنی میں وعید اور دھمکی ہے۔ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ: یہ خبر ہے جو امر کے معنی میں ہے۔ اصل عبارت (امر کے صیغہ میں ہے، وہ یہ ہے) ولیتربص المطلقات، چاہیے کہ طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو (تین حیض تک)

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)...... [2] ان آیات میں طلاق دینے کے شرعی طریقہ اور رجوع کرنے کی آخری حد کو بیان کیا گیا ہے۔ آدمی دو طلاق تک رجوع کر سکتا ہے اس کے بعد اگر تیسری طلاق بھی دے دی تو معاملہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا تا وقت یہ کہ حلالہ نہ ہو جائے جب کہ عہد جاہلیت میں مرد دس بیس طلاقیں دینے کی بعد بھی عورت کا دعویدار رہتا تھا اس میں عورت کو بڑی دقت پیش آتی۔ بالآخر اسی طرح کے ایک معاملہ سے تنگ آ کر ایک عورت نے خدمت نبوی ﷺ میں شکایت کی جس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ لہٰذا طلاق رجعی دو مرتبہ سے زائد نہیں وہ بھی شرعی طریقہ سے دی جائے جس کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے اس کی بعد یا تو حسن معاشرت سے زندگی گزاریں یا تیسری طلاق دے کر عورت کو آزاد کر دے اور جو کچھ مہر کپڑا زیور وغیرہ دے رکھا ہے وہ واپس نہ لے اور نہ ہی اس کی برائیاں بیان کرتا پھرے۔
اس تیسری طلاق کے بعد اب رجوع کا اختیار نہیں۔" (احسن البیان۔ تفسیر حقانی۔ بیان القرآن)

(حاشیہ صفحہ ہذا)...... [1] ان آیات میں خلع کا بیان ہے۔ اس کا لغوی معنیٰ "اتارنا" ہے اصطلاح میں یہ مال کے عوض لفظ خلع یا اس کے ہم معنی لفظ کے ذریعے ملک نکاح کے ازالہ کو کہتے ہیں کہ جس کی صحت عورت کے قبول کرنے پر موقوف ہوتی ہے۔" (معدن الحقائق ج ۱ ص ۳۴۴)
اگر خاوند بیوی میں منافرت و کدورت کے باعث حقوق زوجیت کی ادائیگی میں حدود اللہ کی رعایت ممکن نہ رہے تو عورت کچھ مال فدیہ دے کر جو مہر سے زیادہ نہ ہو خاوند سے نکاح کا تعلق ختم کرا سکتی ہے اس میں طرفین پر کچھ گناہ نہیں۔ شرعی اصطلاح میں یہی خلع ہے۔ اسلام میں پہلا خلع حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ بن شماس اور ان کی بیوی حبیبہ رضی اللہ عنہا یا حفصہ بنت سہل انصاریہ رضی اللہ عنہا میں ہوا۔ (احسن البیان۔ تفسیر حقانی) اس کے تفصیلی احکام کتب فقہ میں مذکور ہیں۔
[2] اس آیت میں تیسری طلاق اور حلالہ کا بیان ہے۔ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین، ائمہ مجتہدین کا اس بات پر اجماع ہے کہ تین طلاقیں خواہ یک بارگی دے یا علیحدہ علیحدہ دے، غرض جس طرح بھی دے وہ واقع ہو جائیں گی اس کے بعد بغیر شرعی حلالہ کے رجوع کا حق نہ رہے گا جس کا طریقہ اوپر مذکور ہے اور اگلی آیت میں اس کی مزید وضاحت آ رہی ہے۔ واللہ اعلم۔ (بیان القرآن۔ احسن البیان) [3] مؤلف موصوف فرماتے ہیں، "طلاق کی تشریعی حکمت کے لیے ہماری کتاب" روائع البیان ج ۱ ص ۳۴۳۔ دیکھیں۔ ان شاء اللہ اس کتاب کے ترجمہ کے بعد رب تعالیٰ کی توفیق سے روائع البیان کا ترجمہ بھی قارئین کی خدمت میں پیش کریں گے۔

روکے رکھیں۔" علامہ زمخشری کہتے ہیں، "(یہاں) امر کو خبر کے صیغہ میں لایا گیا ہے تا کہ امر کی تاکید ہو اور یہ بتلا دیا جائے کہ یہ ایسا حکم جس کی تابعداری میں جلدی کی جائے۔ پس گویا کہ ان عورتوں نے اس حکم پر عمل کر ہی لیا ہے اور رب تعالیٰ اس (امر) موجود کی خبر دے رہے ہیں (کہ ان عورتوں نے اس حکم پر عمل کر کے دکھا دیا ہے) اور جملہ خبریہ کے ذریعے اس جملہ کی بنا (وابتدا اس میں اور) زیادہ تاکید کا معنی پیدا کر رہی ہے۔
(الکشاف۔ ج۱ ص ۲۰۵)

اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ: یہاں ایمان کی قید ذکر کرنا مقصود نہیں کہ (یہ حکم ان کے لیے ہی ہے جو ایمان رکھتی ہوں) بلکہ اس میں انہیں (اس امر کے امتثال اور فرمانبرداری پر) ابھارنا اور ان کے جیوؤں میں اس حکم کی ہیبت (اور رعب) بٹھانا مقصود ہے۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ: اس میں "ایجاز" (بھی) ہے اور وہ ابداع (یعنی صنعت بدیع) بھی ہے جو علم بیان پر دسترس رکھنے والے سے پوشیدہ نہیں۔ یہاں دوسرے جملہ کے قرینہ سے [1] پہلے جملہ سے (عبارت) حذف ہے اور دسرے سے پہلے کے قرینہ کی وجہ سے حذف ہے۔ مطلب یہ ہے، کہ "ان عورتوں کے مَردوں پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مَردوں کے ان عورتوں پر حقوق ہیں" دوسرے اس میں لَهُنَّ اور عَلَيْهِنَّ کے کلمات میں محسنات بدیعیہ کی صنعت "طباق" بھی ہے۔ [2] فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ: لفظ امساک (روکنا) اور تسریح (چھوڑنا) میں بھی صنعت طباق ہے۔ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ: یہاں ضمیر کی جگہ رب ذوالجلال کے اسم جلیل کو ذکر کیا ہے تا کہ جیوؤں میں رب تعالیٰ کے رعب کو داخل کیا جائے اور اس کی ہیبت کو بٹھا کر تربیت کی جائے۔ اور (آگے) نہی (مذکور ہے، جو یہ ہے فَلَا تَعْتَدُوْهَا خدا کی حدود سے باہر نہ نکل جاؤ" کہ اس نہی) کو وعید کے ساتھ تہدید (یعنی دھمکی) میں مبالغہ (کا معنی پیدا) کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ: یہاں صفت کا موصوف پر قصر ہے (یعنی خدا کی حدوں سے تجاوز کرنے والے ہی ظالم ہیں نہ کہ کوئی اور)۔

پہلا واقع خلع

فائدہ:...... (اس آیت خلع کے شان نزول کے بارے میں موطا امام مالک، مسند احمد، ابوداؤد، ابن جریر اور نسائی وغیرہ میں مختلف روایتیں آتی ہیں جن کا خلاصہ یہ کہ) اسلام کا پہلا خلع حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ بن شماس اور ان کی بیوی (حضرت حبیبہ بنت سہل انصاریہ) میں ہوا کہ وہ خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو کر کہنے لگیں، کہ "(خدا کی قسم!) میں اور وہ ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے میں ان کے دین اور اخلاق (وعادات) پر تو کوئی عیب نہیں لگاتی لیکن خدا کی قسم! مجھے اسلام لے آنے کے بعد دوبارہ کفر میں لوٹنا پسند نہیں۔ (میں نے برقع اٹھا کر بہت سے لوگوں میں انہیں آتے ہوئے دیکھا تو سب سے زیادہ سیاہ فام، پستہ قد اور بدصورت ثابت رضی اللہ عنہ ہی نظر آئے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا: "کیا تم اس کو وہ باغیچہ واپس دے سکتی ہو؟ (جو اس نے تمہیں دیا ہے)۔ انہوں نے عرض کیا، "ہاں" (وہ بھی اور کچھ زیادہ بھی دے سکتی ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو بلوا کر فرمایا کہ تم اس سے وہ باغیچہ واپس لے لو اور اس کو طلاق دے دو) چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان (طلاق دلوا کر) تفریق فرما دی۔" [3]

لطیفہ: [4] ...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں، "میں اپنی بیوی کے لیے آراستہ ہونے کو پسند کرتا ہوں جس طرح اس کا آراستہ ہونا مجھے اپنے لیے پسند ہے، کیوں کہ رب تعالیٰ فرماتے ہیں: وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ

---

[1] قرینہ یہ کلام کی مراد متعین کرنے والی لفظی یا احوالی علامت کو کہتے ہیں۔ (القاموس الوحید ص ۱۳۰۶ کالم نمبر ۲) [2] "لام" استحقاق کے لیے ہوتا ہے جو واجب الوصول حق کے مستحق اور حقدار ہونے پر دلالت کرتا ہے جب کہ "علیٰ" یہ وجوب اور لزوم کے لیے آتا ہے جو کسی کے ذمہ دوسرے کے حق کے واجب ہونے پر دلالت ہے۔ چنانچہ لام اور علی دو متقابل معانی ہوئے جن میں صنعت "طباق" کا پایا جانا بدیہی ہے۔ واللہ اعلم۔ اس کی تفصیل کے لیے دیکھیں "القاموس الوحید ص ۱۱۲۲ کالم نمبر ۳ اور ص ۱۴۴۱ کالم نمبر ۱۔ [3] متن تفسیر میں یہ روایت اختصار کے ساتھ مذکور ہے۔ بندے نے احسن البیان ج ۱ ص ۳۸۰۔۳۸۱ سے اس پوری روایت کو مولف کی مختصر روایت میں ضم کر کے قوسین میں نقل کر دیا ہے کہ اصل مفصل روایت احسن البیان میں مذکور ہے۔ واللہ اعلم۔ نسیم۔ [4] لطیفہ خوشگوار نکتہ اور دلچسپ بات کو کہتے ہیں نہ کہ جھوٹی اور من گھڑت بات کو۔ واللہ اعلم۔

طلاق کی شرطیں اور آداب

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۫ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۳۱﴾ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾

ع ۲۹ / ۱۴

ترجمہ:......اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو پھر وہ اپنی عدت گزر جانے کے قریب پہنچ جائیں تو ان کو روک لو بھلائی کے ساتھ یا ان کو چھوڑ دو خوبی کے ساتھ اور ضرر پہنچانے کے لیے انہیں روک کر کے نہ رکھو تاکہ تم زیادتی کرو، اور جو شخص ایسا کرے گا سو اُس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ اور مت بناؤ اللہ کی آیتوں کو مذاق کی چیز اور یاد کرو اللہ کی نعمتوں کو جو تم پر ہیں، اور جو کچھ اللہ نے تم پر نازل فرمایا ہے کتاب اور حکمت اس کو بھی یاد کرو۔ اللہ اس کے ذریعہ تم کو نصیحت فرماتا ہے اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ بے شک ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ ﴿۲۳۱﴾ اور جب تم طلاق دو عورتوں کو پھر وہ پہنچ جائیں اپنی عدت کو تو ان کو اس سے نہ روکو کہ وہ اپنے شوہروں سے نکاح کریں جبکہ آپس میں خوبی کے ساتھ رضامند ہو جائیں، اس کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے اس شخص کو جو تم میں سے اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لاتا ہے، یہ تمہارے لیے زیادہ صفائی اور زیادہ پاکی کی بات ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ ﴿۲۳۲﴾

ماقبل سے مناسبت:...... یہ آیات بھی طلاق کے احکام کو بیان کرتی ہیں اور اس کے طریقے، شرائط اور آداب کو بتلاتی ہیں اور (عورتوں کو بلاوجہ) ضرر اور تکلیف دینے سے منع کرتی ہیں لہٰذا وجہ مناسبت بالکل ظاہر ہے۔

لغت: فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ:...... یعنی وہ عدت کی مدت کے اختتام کے قریب ہوگئیں۔ ضِرَارًا: یعنی نقصان پہنچانے کی نیت سے۔ قفال کہتے ہیں: ضِرَارًا یہ مضارّۃ سے ہے۔ (یعنی پریشان کرنا، نقصان پہنچانا) جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَسْجِدًا ضِرَارًا (سورہ توبہ، ۱۰۷) ''ضرر پہنچانے کی غرض سے مسجد (بنائی)'' یعنی تاکہ مؤمنین کو نقصان پہنچائیں۔''

تَعْضُلُوْهُنَّ:...... (یہ) عَضَلَ (سے ہے یعنی) منع کرنا اور تنگ کرنا۔ کہا جاتا ہے: اَعْضَلَ الْاَمْرُ معاملہ سخت اور مشکل ہو گیا اور اس میں تنگی ہونے لگی اور اس میں تدبیریں ناکام ہوگئیں۔ اور دَاءٌ عُضَالٌ سخت بیماری جس نے معالجین کو عاجز اور ناکام کر دیا (یعنی لاعلاج مرض)۔

ازھری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، ''یہ عَضَّلَتِ النَّاقَةُ سے ہے، جب اونٹنی عاجز ہو جائے اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے کہ جب ولادت کے وقت اس کا بچہ اٹک جائے اور وہ شدید دشواری محسوس کرے اور بچہ اس وقت آسانی سے پیدا نہ ہو''۔ (تھذیب اللغۃ مادہ عضل)

يُوْعَظُ بِهٖ:...... ان کو اس کی نصیحت کی جاتی ہے اور اس کا حکم دیا جاتا ہے۔

اَزْكٰى: یہ نفع بخش، زیادہ نشوونما پانے والا اور بڑھنے والا۔ کہا جاتا ہے ''زکا الزرع'' جب وہ خوب بڑھے اور اس میں برکت ہو۔

وَاَطْهَرُ: (یہ) طہارت (سے ہے یعنی) یعنی (باطنی) گناہوں اور (ظاہری) میل کچیل سے نظافت (اور صفائی ستھرائی اور پاکیزگی)۔

سببِ نزول: ...... روایت میں آتا ہے کہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے عہد نبوی میں ایک[1] شخص کے ساتھ اپنی بہن کی شادی کی۔ وہ جتنا عرصہ اس کی زوجیت میں رہی سورہیں، پھر اس نے اسے ایک طلاق دے دی اور عدت ختم ہونے تک اس سے رجوع نہ کیا پھر وہ دونوں باہم رضا مندی سے زندگی گزارنے پر آمادہ ہوگئے (مگر اب عدت گزر چکی تھی) پھر دوسرے پیغام بھیجنے والوں کے ساتھ اس (پہلے خاوند) نے بھی (دوبارہ نکاح کی خواہش سے) منگنی کا پیغام بھیج دیا (اس کے پیغام پر) حضرت معقل رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا، کہ "او کمینے! میں نے اپنی بہن کو تجھ سے بیاہ کر کے تمہیں عزت دی اور تو نے اس کو طلاق دے دی! خدا کی قسم! یہ تیرے پاس کبھی نہ لوٹے گی۔ جب رب تعالیٰ نے ان دونوں میاں بیوی کی ایک دوسرے کی ضرورت کو دیکھ لیا تو اس پر یہ آیت نازل فرمائی: وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ۔

جب حضرت معقل رضی اللہ عنہ نے یہ آیت سنی تو (بے اختیار) کہہ اٹھے، "میں اپنے پروردگار کے حکم کو سن کر اس کے آگے سر تسلیم خم کرتا ہوں" پھر اپنے بہنوئی کو بلا کر فرمایا: "میں (دوبارہ) اپنی بہن تیرے ساتھ بیاہ کر تمہیں عزت بخشتا ہوں۔" (بخاری: التاج، ۴/ ۶۳)

عدت اور اس کے آداب

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ: ...... یعنی اے مردو! جب تم عورتوں کو ایک رجعی طلاق دے دو اور ان کی عدت پوری ہونے کے قریب آ جائے۔ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ: پھر یا تو کسی ضرر اور ایذا کے دیے بغیر ان سے رجوع کر لو یا ان پر احسان کرتے ہوئے ان کی عدت کو مزید طویل کیے بغیر انہیں چھوڑ دو تا کہ وہ اپنی عدت پوری کر سکیں۔ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا: یعنی ان کو تکلیف پہنچانے کی غرض سے ان سے رجوع نہ کرو تا کہ تم ان کو فدیہ دے کر آزاد ہونے پر مجبور ہونے کا ظلم کرو۔ اس میں لوگوں کی (عہد جاہلیت کے) رویے پر ڈانٹ ہے وہ یوں کیا کرتے تھے کہ خاوند بیوی کو عدت گزارنے کے لیے چھوڑ دیتا حتیٰ کہ جب اس کی عدت پوری ہونے لگتی تو وہ اس کو تکلیف دینے کی غرض اس سے رجوع کر لیتا تا کہ اس کی عدت کو اور لمبا کر دے نہ کہ اس لیے کہ اس کو عورت میں کوئی رغبت ہوتی تھی۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ: یعنی جو عورتوں کو تکلیف پہنچانے کی غرض سے یا انہیں فدیہ دینے پر مجبور کرنے کی غرض سے انہیں روکے، تو ایسا کر کے وہ خود اپنا ہی نقصان کرے گا کیوں کہ (یوں) وہ خود کو عذاب خداوندی (کا سزاوار ہونے) کے لیے پیش کرے گا۔[2]

اللہ کی آیات اور احکام کو ہنسی اور کھیل نہ بناؤ

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا: یعنی رب تعالیٰ کے اوامر ونواہی اور احکام کو ہنسی اور کھیل نہ بناؤ کہ تم ان کی مخالفت کر کے رب کی شریعت کو ہنسی بناؤ۔ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ: یعنی خدا نے جو تمہیں اسلام کی ہدایت بخشی ہے اور تمہیں قرآن کریم اور سنت مطہرہ کا جو انعام فرمایا ہے، اپنے اوپر خدا کے اس فضل کو یاد کرو۔ يَعِظُكُمْ بِهٖ: یعنی اپنی کتاب اور اپنے رسول کی سیرت کے ذریعے خدا تمہیں دارین کے سعادت کی راہنمائی کرتا ہے اور تمہیں وہ یاد دلاتا ہے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ: یعنی خدا سے ڈرو اور اپنے اعمال میں جیؤ وں میں خدا کا خوف رکھو اور جان رکھو کہ تمہارا کوئی حال اس سے پوشیدہ نہیں۔ آگے رب تعالیٰ عورتوں کے ولیوں کو اس بات سے روک رہے ہیں کہ اگر وہ اپنے خاوندوں کے پاس جانے کی رغبت رکھتی ہیں تو انہیں اس بات سے مت روکو۔ ارشاد ہے:

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ: یعنی جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور ان کی عدت پوری ہو جائے۔

---

[1] اس کا نام جمیل بن عبداللہ بن عاصم تھا۔ (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۸۷) تفسیر مظہری میں ان کا نام بداح بن عاصم بن عجلان لکھا ہے اور حضرت معقل رضی اللہ عنہ کی بہن کا نام جملا بنت یسار تھا۔ (تفسیر مظہری ج ۱ ص ۳۶۱ بحوالہ بخاری۔ ابوداؤد، ترمذی) [2] ایک طلاق دینے کی بعد جب عدت ختم ہونے لگے تو خاوند کو نکاح میں رکھ کر رجعت کرنے کا بھی اختیار ہے اور نکاح کا تعلق ختم کر کے اس کو بالکل آزاد کر دینے کا بھی اختیار ہے مگر ان دونوں باتوں میں شرعی قواعد وضوابط کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے یہ دونوں کام محض جذباتیت سے اور وقتی نہ ہوں۔ نہ رکھتے ہوئے تکلیف دی جائے اور نہ چھوڑتے وقت ستایا جائے۔ اس کی کچھ تفصیل اوپر متن تفسیر میں آ گئی ہے۔ اس کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیں معارف القرآن ج ۱ ص ۵۷۱۔ ۵۷۲، بیان القرآن ج ۱ ص ۱۳۲۔ ۱۳۵۔ وغیرہ۔

فَلَا تَعۡضُلُوۡهُنَّ اَنۡ يَّنۡكِحۡنَ اَزۡوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوۡا بَيۡنَهُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ:......یعنی اے (عورتوں کے) اولیا! تم عورتوں کو اپنے خاوندوں کے پاس جانے سے نہ روکو کہ جب ان دونوں کے درمیان احوال درست ہو جائیں۔ (یعنی جب وہ آپس میں جائز طور پر رہنے پر راضی ہو جائیں)۔[1]

اور (طرفین) یعنی زوجین میں اپنے اپنے رویے پر ندامت کے آثار ظاہر ہوں اور دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے پاس (دوبارہ) جانے کے لیے راضی ہو اور وہ خدا کی مرضی کے مطابق چلنا چاہتے ہوں۔ ذٰلِكَ يُوۡعَظُ بِهٖ مَنۡ كَانَ مِنۡكُمۡ يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ:[2] یعنی میں نے جو تمہیں (بیویوں کو بلا وجہ) نقصان پہنچانے اور (اگر وہ پہلے خاوندوں کے پاس جانے کی خواہشمند ہوں تو) جانے سے روکنے سے منع فرمایا ہے اس سے وہی وعظ و نصیحت پکڑتا ہے جو اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہو کیوں کہ شرعی نصیحتوں سے وہی فائدہ اٹھاتا ہے۔

ذٰلِكُمۡ اَزۡكٰى لَكُمۡ وَاَطۡهَرُ: یعنی مذکورہ باتوں سے نصیحت پکڑنا اور خدا کے اوامر کو لازم پکڑنا تمہارے لیے بہتر نفع بخش اور برائیوں اور گناہوں کی میل کچیل سے زیادہ پاک کرنے والا ہے۔ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ: یعنی رب تعالیٰ زیادہ جانتے ہیں شریعت کے کون سے احکام تمہارے لیے زیادہ بہتر ہیں جب کہ (ان باتوں کو) تم نہیں جانتے لہٰذا تم اپنے ہر قول و فعل اور ترک فعل میں رب تعالیٰ کے امر و نہی کی پابندی کرو۔

بلاغت:......فَبَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ: یعنی عدت گزرنے کے قریب آ جائے۔ یہاں اکثر پر کل کا لفظ بولا گیا ہے اس کو (علم البیان میں) ''مجاز مرسل'' کہتے ہیں کیوں کہ اگر عدت گزر جائے تو عورت کو روکنا جائز نہیں ہوتا (جب کہ آگے) رب تعالیٰ فرماتے ہیں: فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ ''تو حسن سلوک سے نکاح میں رہنے دو'' (لہٰذا معلوم ہوا کہ یہاں پوری عدت گزرنا مراد نہیں بلکہ ختم ہونے کے قریب ہونا مراد ہے)۔

وَّاذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَمَاۤ اَنۡزَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنَ الۡكِتٰبِ وَالۡحِكۡمَةِ: یہ خاص کے عام پر عطف کے باب میں سے ہے کیوں کہ نعمت سے مراد رب کی نعمتیں ہیں (جو عام ہے) اور (اس پر) کتاب خدا اور سنت رسول (کی نعمت کا عطف ہے جو) ان نعمتوں کے (خاص) افراد ہیں۔

وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ: لفظ اِعۡلَمُوۡۤا اور عَلِيۡمٌ میں۔ محسنات بدیعیہ کی صنعت ''جناس اشتقاق''[3] ہے۔

اَنۡ يَّنۡكِحۡنَ اَزۡوَاجَهُنَّ: یہاں ''ازواج'' سے مراد ''طلاق دینے والے مرد'' ہیں۔ اس کو ''مجاز مرسل'' کہتے ہیں اور (ان کو طلاق دینے کے باوجود ازواج کہنے کا) تعلق و علاقہ گزشتہ (ماکان) کے اعتبار سے ہے۔

رجعت کے حق کو ثابت کرنے میں حکمت

فائدہ:......امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''رجعت کے حق کو ثابت کرنے میں حکمت یہ ہے کہ جب تک انسان بیوی کے ساتھ رہتا ہے اسے نہیں معلوم ہوتا کہ بیوی کی جدائی اس کے لیے کتنی مشکل ہے؟ پھر جب وہ اس سے جدا ہوتا ہے تو اس کو جانتا ہے اگر رب تعالیٰ ایک طلاق کے بعد رجوع کرنے سے منع فرما دیتے تو انسان پر بڑی مشقت آن پڑتی کیوں کہ محبت کا پتہ جدائی کے بعد چلتا ہے پھر اس بات کا پورا اندازہ اور تجربہ ایک دفعہ میں حاصل نہیں ہوتا تو رب تعالیٰ نے دو دفعہ کے لیے رجعت کے حق کو باقی رکھا۔ یہ بات رب تعالیٰ کی اپنے بندوں پر کمال رحمت اور کامل شفقت پر دلالت کرتی ہے''۔ (تفسیر کبیر ج۶ ص ۱۰۵)

رضاعت کے احکام

وَالۡوَالِدٰتُ يُرۡضِعۡنَ اَوۡلَادَهُنَّ حَوۡلَيۡنِ كَامِلَيۡنِ لِمَنۡ اَرَادَ اَنۡ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الۡمَوۡلُوۡدِ لَهٗ رِزۡقُهُنَّ وَكِسۡوَتُهُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفۡسٌ اِلَّا وُسۡعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ ۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوۡلُوۡدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الۡوَارِثِ مِثۡلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنۡ اَرَادَا فِصَالًا عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ

[1] یہ حکم اس وقت ہے جب تین سے کم طلاق دینے کے بعد عدت پوری ہو جائے کہ بعد عدت کے بھی نکاح کر سکتے ہیں البتہ جب تین طلاق کے بعد عدت پوری ہو تو بغیر شرعی حلالہ کے رجوع درست نہیں۔ واللہ اعلم۔ [2] اس آیت کے شان نزول کا تفصیلی قصہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ [3] اس کی تعریف بیان ہو چکی ہے۔

عَلَيْهِمَا ۗ وَإِنْ أَرَدْتُّمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوٓا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ ۗ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوٓا أَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۲۳۳﴾ وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا
يَّتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِيٓ
أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۲۳۴﴾ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ
النِّسَآءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِيٓ أَنْفُسِكُمْ ۚ عَلِمَ اللّٰهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّآ أَنْ
تَقُولُوا قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۚ وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ أَجَلَهٗ ۚ وَاعْلَمُوٓا أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ
مَا فِيٓ أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ ۚ وَاعْلَمُوٓا أَنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿۲۳۵﴾ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ
مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَّمَتِّعُوهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ
مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ﴿۲۳۶﴾ وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ
لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّآ أَنْ يَّعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَا الَّذِي بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَأَنْ تَعْفُوٓا
أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۚ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۲۳۷﴾

ترجمہ:......اور مائیں دودھ پلائیں اپنی اولاد کو دو سال پورے اس کے لیے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے اور جس کی اولاد ہے اس کے ذمے ماؤں کا کھانا اور کپڑا ہے قاعدہ کے مطابق، کسی جان کو تکلیف نہیں دی جاتی مگر اس کی برداشت کے مطابق، نہ تکلیف دی جائے والدہ کو اُس کے بچے کی وجہ سے اور نہ اُس کو تکلیف دی جائے جس کا بچہ ہے اس کے بچے کی وجہ سے، اور وارث کے ذمے اسی طرح سے لازم ہے، سو اگر دونوں آپس کی رضامندی اور باہم مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہے، اور اگر تم اپنی اولاد کو دودھ پلوانا چاہو تو اس میں کچھ گناہ نہیں ہے جبکہ تم سپرد کر دو جو کچھ ان کو دینا طے کیا ہے قاعدہ کے موافق، اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ ان کاموں کو دیکھتا ہے جنہیں تم کرتے ہو۔ ﴿۲۳۳﴾ اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو یہ بیویاں اپنی جانوں کو روکے رکھیں چار مہینے دس دن، پھر جب وہ پہنچ جائیں اپنی میعاد کو سو تم پر کوئی گناہ نہیں اِس بات میں کہ وہ عورتیں اپنی جانوں کے بارے میں خوبی کے ساتھ کوئی فیصلہ کر لیں، اور جو تم کرتے ہو اللہ اس کی خبر رکھنے والا ہے۔ ﴿۲۳۴﴾ اور تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ ان عورتوں کو کنایۃً نکاح کا پیغام دے دو یا اپنے دِلوں میں پوشیدہ رکھو، اللہ کو معلوم ہے کہ بے شک تم ان عورتوں کا ذکر کرو گے، اور لیکن ان سے نکاح کا خفیہ طور پر وعدہ نہ کر لینا، مگر یہ کہ ان سے ایسی بات کہو جو قاعدے کے موافق ہو، اور تم نکاح کرنے کا اِرادہ مت کرو یہاں تک کہ عدت قانون کے مطابق ختم ہو جائے، اور تم جان لو کہ بے شک اللہ جانتا ہے۔ جو تمہارے دلوں میں ہے، اور سو تم اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ ﴿۲۳۵﴾ کوئی گناہ نہیں تم پر اگر طلاق دے دو عورتوں کو جبکہ تم نے ان کو چھوا نہ ہو اور مہر مقرر نہ کیا ہو اور ان کو متعہ دے دو، گنجائش رکھنے والے پر گنجائش کے بقدر ہے، اور تنگ دست پر اس کی حیثیت کے موافق ہے، یہ فائدہ پہنچانا عمدہ طریقہ پر ہو، واجب ہے اچھا سلوک کرنے والوں پر۔ ﴿۲۳۶﴾ اور اگر تم ان کو اس سے پہلے طلاق دے دو کہ ان کو چھوا ہو حالانکہ ان کے لیے مہر مقرر کر چکے ہو تو اس صورت میں اس کا آدھا ہے جتنا تم نے مقرر کیا ہے، مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے، اور یہ بات کہ تم معاف کرو زیادہ قریب ہے تقویٰ سے، اور نہ بھولو آپس میں احسان

کرنے کو، بے شک اللہ اس کو دیکھنے والا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ (۲۳۷)

مناسبت:...... جب گزشتہ آیات میں رب تعالیٰ نے نکاح، طلاق، عدت، رجعت اور عضل (یعنی یونہی روکے رکھنا کہ نہ تو طلاق دے کر فارغ کرنا اور نہ ہی رجوع کر کے بیوی بنانا، جس کی کافی تفصیل گزشتہ میں گزر گئی ہے۔) کے احکام کو ذکر کیا تو ان آیات میں رضاعت (یعنی بچے کو دودھ پلانے) کے احکام کو بیان کیا کیوں کہ طلاق کا نتیجہ زوجین میں فرقت ہوتی ہے۔ اگر ایک آدمی اپنی ایسی بیوی کو طلاق دے جس کا دودھ پیتا بچہ بھی ہو تو کبھی (طلاق کی وجہ سے) خاوند سے انتقام لینے اور اس کے بچے کو تکلیف دینے کے لیے بیوی (خاوند کے) بچے کو رضاعت سے محروم کر دیتی ہے اور بچے کی رضاعت کو ضائع کر دیتی ہے۔ چنانچہ ان آیات میں طلاق یافتہ ماؤں کو بچوں کی رعایت اور ان کے معاملات کے اہتمام کو بیان کیا گیا۔ آگے رب تعالیٰ نے موت کی وجہ سے خاوند اور بیوی کے درمیان فرقت اور اس کی عدت (کے احکام) کو بیان کیا ہے۔ اس میں خاوند کے حق کی رعایت ہے اسی طرح ان آیات میں رب تعالیٰ نے عدت کی حالت میں عورت کو نکاح کا پیغام بھیجنے، اور عورت کے فراق یا طلاق کے بعد نصف یا پورے مہر کے مستحق ہونے کو بھی بیان کیا ہے۔

لغت:...... فِصَالًا: فِصَال اور فَصْل یہ بچے کے دودھ چھڑانے کو کہتے ہیں۔ دودھ چھڑانے کا نام فصل اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس میں بچہ ماں کے دودھ سے جدا ہو کر دوسری غذائیں استعمال کرنا شروع کرتا ہے۔ مبرد کہتا ہے، فصال یہ فصل سے زیادہ بہتر (لفظ) ہے کیوں کہ (فصال یہ باب مفاعلہ کا مصدر ہے اور فصل یہ ثلاثی مجرد کا مصدر ہے۔ باب مفاعلہ میں دو افراد فاعل اور مفعول دونوں کی حیثیت سے ایک کام میں شریک ہوتے ہیں۔ اب فصل کے معنی میں فقط ایک کا چھوڑنا ہے اور فصال کے معنی میں دونوں میں سے ہر ایک کا دوسرے کو چھوڑنا ہے اب فصال (میں بھی) قِتَال اور ضِرَاب کی طرح (طرفین کی شرکت ثابت) ہے کہ بچہ ماں کو چھوڑتا اور ماں بچے کو چھوڑتی ہے۔

تَشَاوُرٍ: (دوسرے کی) رائے لینا۔ ایسے ہی مشاورہ اور مشورہ (میں بھی دوسرے کی رائے لینے کا معنی) ہے۔ یہ شوْر سے ماخوذ ہے جس کا معنی شہد نکالنا ہے۔ وَيَذَرُوْنَ: چھوڑ دینا۔ اس سے ماضی اور مصدر[1] کو استعمال نہیں کیا جاتا۔

عَرَّضْتُمْ: (یہ) تعریض (سے ہے) بغیر کسی کشف اور اظہار کے اشارہ کرنا۔ یہ عرض الشی یعنی "ایک شی کا کنارہ" سے ماخوذ ہے (یعنی تعریض یہ کھل کر بات نہ کرنے اور اشاروں کنایوں سے کام لے کر مدعا بیان کرنے کا نام ہے) جیسے ایک تنگدست کسی مالدار کے پاس جا کر (کھل کر اپنی حاجت تو بیان نہ کرے مگر اپنی ضرورت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کہے، کہ "میں آپ کے سخی چہرے کی زیارت کو آیا تھا۔"

خِطْبَةِ: (جب یہ) خا کے کسرہ (یعنی زیر) کے ساتھ (ہو تو اس کا معنی) نکاح طلب کرنا (یعنی منگنی کا پیغام دینا ہے) اور (جب یہ) خاء کے ضم (یعنی پیش) کے ساتھ (ہو تو اس کا معنی) وعظ و نصیحت کرنا (ہے) جیسے جمعہ اور عیدین کا خطبہ۔

اَكْنَنْتُمْ: تم چھپاتے اور مخفی رکھتے ہو۔ (یہ) اکنان (سے ہے جس کا معنی) راز (رکھنا) اور چھپانا ہے۔ عُقْدَةَ النِّكَاحِ: (عقدۃ یہ) عقد سے ہے (جس کا معنی) باندھنا (اور گرہ لگانا ہے) اور (اس معنی میں) ایک (مشہور) مثل ہے: یاعاقدا اذکر حلا (اے گرہ لگانے والے ذرا اس کو کھولنا بھی یاد رکھنا)۔ امام راغب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "عقدۃ یہ اس (عقد و معاہدہ اور عہد) کا نام ہے جو باندھا جائے (خواہ طرفین سے ہو یا ایک طرفہ ہو۔ طرفین کی طرف سے باندھے جانے والے عہد کی مثال) جیسے نکاح اور (ایک طرفہ باندھے جانے والے عہد کی مثال جیسے) قسم وغیرہ۔

حَلِيْمٌ: (بردبار ذات) جو گناہ گار کو سزا دینے میں ڈھیل دے اور سزا دینے میں عجلت نہ کرے۔

الْمُقْتِرِ: فقیر۔ کہا جاتا ہے: اقتر الرجل یعنی وہ تنگدست (وقلاش) ہو گیا۔

سبب نزول:...... روایات میں آتا ہے کہ ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے بنی حنیفہ کی ایک خاتون سے نکاح کیا مگر اس کا مہر مقرر نہ کیا پھر اس کے پاس جا (کر اس سے جماع کرنے) سے پہلے اس کو طلاق (بھی) دے دی اس پر یہ آیت نازل ہوئی: لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ تو نبی

---

[1] علمائے لغت کے نزدیک اسم کی وہ شکل جو حدث پر دلالت کرے یعنی کسی کام کے ہونے یا کرنے پر دلالت کرے اور اس سے دیگر افعال و اسما بنائے جائیں اس کو "مصدر" کہتے ہیں۔ (القاموس الوحید ص ۹۱۵ کالم نمبر ۲)

کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ارشاد فرمایا، "تم اس کو (کچھ) خرچ [۱] (ضرور) دو چاہے اپنی ٹوپی ہی (دے دو)۔ (تفسیر قرطبی ج۳ ص ۲۰۲)

عدت ورضاعت

تفسیر [۲]:...... وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ: یعنی ماؤں پر پورے دو سال کی مدت دودھ پلانا واجب ہے۔ [۳]

لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ: یعنی جب والدین رضاعت کی مدت کو پورا کرنا چاہیں مگر یہ مدت (دو سال سے زیادہ) بڑھائیں نہیں۔ [۴]

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ: یعنی باپ پر مطلقہ ماؤں کا نان نفقہ اور کپڑا اتنا ہی واجب ہے جتنا کہ (ہر زمانے میں) دستور ہوتا ہے جس میں نہ تو اسراف ہو اور زیادتی ہو اور نہ کمی تاکہ عورت بچے کی خدمت کا حق ادا کر سکے۔ [۵]

لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا:...... یعنی (بچے کے باپ کے ذمے ماں کا نان و) نفقہ (اس کی) طاقت کے بقدر ہو کیوں کہ رب تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ کی تکلیف نہیں دیتے۔ [۶] لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ: مجاہد رحمۃ اللہ علیہ (اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے) فرماتے ہیں کہ والدین پر ان کے بچے کی بابت تکلیف نہ دی جائے، نہ ان پر ذمہ داریوں سے زیادہ بوجھ ڈلا جائے تاکہ وہ اپنی ذمہ داریوں میں کوتاہی نہ کریں۔ اسی طرح بچے کی وجہ سے ماں باپ میں سے کسی ایک کو دوسرے کی وجہ سے نہ ستایا جائے کہ نہ تو باپ کو بچے کی پرورش میں ایذا دینے کے لیے ماں دودھ پلانے سے انکار کرے اور نہ ہی ماں کی بچے کو دودھ پلانے کی رغبت کے باوجود (محض) اس کو تکلیف دینے کے لیے (باپ) اس سے بچے کو چھین

---

[۱] اصطلاح فقہ میں اس کو متعہ کہتے ہیں اس کی فصیل آگے آجائے گی۔ "متعہ یہ طلاق کے بعد عورت کو دیے جانے والی ضرورت کی چیزوں مثلاً کپڑے، مال اور نوکر وغیرہ کو کہتے ہیں" (القاموس الوحید ص ۱۵۲۱ کالم نمبر ۲) نسیم [۲] طلاق کے بعد خاوند بیوی میں ایک گونہ نفرت پیدا ہو جاتی ہے بالخصوص جب عورت کے مدنظر دوسرا نکاح ہو تو وہ خواہ مخواہ بچے سے بے التفاقی کرتی ہے اور دودھ پلانے میں تکرار کرتی ہے تاکہ پہلے خاوند کو بچے کی پرورش میں دشواری ہو اور کبھی مرد بچہ چھین کر دوسرے کے حوالہ کرنا چاہتا ہے تاکہ ماں کو اس کے فراق کی تکلیف دے۔" (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۸۹) لہٰذا ان آیات میں خاص اس صورت حال کے بارے میں شرعی احکام کو بیان کیا گیا کہ طلاق کی عدت میں یا ویسے بھی والدین کو بچے کی پرورش کے بارے میں کیا کرنا چاہیے۔

[۳] "یہ حکم نکاح والی یا عدت والی عورت کا ہے کہ عدت کے دوران دیانۃً اس پر واجب ہے کہ بچہ کو دودھ پلائے جب کہ اس کو کوئی (جسمانی) عذر وغیرہ نہ ہو اور اسے اجرت لینا درست نہیں" (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۳۸) مگر دو سال کی مدت ہی پوری کرنا ضروری نہیں ضرورت پڑے تو دو سال سے پہلے بھی مشورہ سے دودھ چھڑا سکتے ہیں مگر اس مدت کو دو سال سے بڑھا نہیں سکتے۔ اور رضاعت کے احکام انہی دو سال میں معتبر ہیں (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۸۹)۔

[۴] مدت رضاعت میں جس میں رضاعت کے احکام معتبر ہیں آئمہ میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ مدت ڈھائی برس ہے۔ اس کی تفصیل اور ائمہ کے دلائل کتب فقہ میں مذکور ہیں۔

[۵] یہ حکم بھی عدت کے دوران کا ہے کہ عورت دودھ پلائے یہ اس کا فرض ہے اور باپ کے ذمے ہے کہ وہ عورت کو اس کا نان ونفقہ دے اور جتنا وہ دے سکتا ہے اتنا ہی کافی ہے جس کا بیان اگلی آیات میں آ رہا ہے تاکہ مزید اجرت کا مطالبہ کر کے باپ کو نقصان نہ پہنچایا جائے" (احسن البیان۔ بیان القرآن)

اصولی مسئلہ:...... علامہ حقانی اس بارے میں ایک اصولی بحث فرماتے ہیں کہ "عورت پر بچے کو دودھ پلانا عموماً واجب نہیں اس لیے کہ دوسری جگہ اس کی تصریح آتی ہے: فان ارضعن لکم فأتوھن اجورھن اگر وہ تمہاری اولاد کو دودھ پلائیں تو تم ان کو ان کی اجرت دو۔ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى...... "اور جو تنگدستی ہو تو اسے دودھ پلوا دو۔" مگر بچے کے حق میں ماں کا دودھ پینا ہی بہتر ہے دوسرے جو شفقت اپنی ماں کو ہوگی وہ دوسروں کو کہاں ہوگی نیز ماں کا دودھ ہی زیادہ تر بچے کے موافق پڑتا ہے اس لیے ماں کو بچے پر رحم دلانے کے لیے اولادھن فرمایا کہ اپنے بچوں کو دودھ پلائیں اور باپ کو شفقت دلانے کو اَلْمَوْلُوْدَ لَهٗ: فرمایا البتہ جب بچہ ماں کے علاوہ دوسرے کا نہ پیئے یا باپ کو دوسری انا سے پلوانا مقدور نہ ہو تو ماں کو پلانا واجب ہے، واللہ اعلم" (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۹۰)

ماں کے ذمے دودھ پلانے کی یہ ذمہ داری اور باپ پر بچہ کی ماں کے نان ونفقہ کا وجوب اس وقت تک ہے جب تک کہ وہ عورت نکاح میں یا عدت میں ہو اگر عدت ختم ہو جائے تو مطلقہ عورت دودھ پلانے کا معاوضہ طلب کر سکتی ہے جو باپ کو دینا پڑے گا مگر وہ معاوضہ دستور کے مطابق ہو۔ اگر عورت نے زیادہ اجرت مانگ لی تو باپ اس کے بجائے دوسری انا سے دودھ پلوا سکتا ہے اور عدت کے بعد خاوند پر نفقہ وغیرہ تو ذمہ میں نہ رہے گا البتہ دودھ پلوانے کی اجرت اگر ماں مانگے تو بہر حال دینا پڑے گی۔ واللہ اعلم۔ (احسن البیان ج ۱ ص ۳۸۸۔۳۸۹ ملخصاً)

[۶] اس کی مزید صورتیں بیان القرآن ج ۱ ص ۱۳۸، میں اور تفصیل معارف القرآن ج ۱ ص ۵۸۱۔ ۵۸۲ میں درج ہے۔

لے تاکہ دونوں ایک دوسرے کو تکلیف دیں اور طیش دلائیں۔ عَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ: یعنی جس طرح بچے کے باپ کے ذمے تھا کہ وہ بچے کی ماں پر خرچ کرے، اس کے حقوق کو قائم کرے اور اس کو تکلیف نہ دے اسی طرح باپ کے وارث کے ذمہ بھی (یہی تفصیل احکام کی) ہے اور (وارث کی تفسیر میں علما کا اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ) وارث سے مراد (بچے کے) باپ کا وارث ہے (اور اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو مرنے والے کے ترکہ کے وارث ہوتے ہیں) اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد بچے کا وارث ہے (اور اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن پر باپ کے مرنے کے بعد بچے کی کفالت اور پرورش و تربیت واجب ہوتی ہے۔ ان دونوں باتوں کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔) اور (ان دونوں اقوال میں سے) پہلا (قول، امام ابن جریر) طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے۔[1]

فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا:...... یعنی جب والدین باہمی مشورے سے دو سال سے پہلے بچے کا دودھ چھڑانے پر متفق ہوں اور اسی میں بچے کی مصلحت دیکھیں تو ان پر کچھ گناہ نہیں۔[2] وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ: یعنی اے (بچوں کے) باپو! جب تم ماؤں کے (کسی بیماری وغیرہ سے) عاجز ہو جانے کی وجہ سے یا ان کے دوسری شادی کے ارادہ کرنے کی وجہ سے اپنے بچوں کے لیے کسی دودھ پلانے والی (انا) کو طلب کرنے کا ارادہ کرو تو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں (مگر) شرط یہ ہے کہ جو اجرت دینے پر تم رضامند ہوئے ہو وہ ان کو دے دو کیوں کہ جب انا (کو اجرت دے کر اس) کو راضی نہ کرو گے تو وہ بچے (کی دیکھ بھال) کا اہتمام نہ کرے گی اور اس کے دودھ پلانے کی طرف (خاطر خواہ) توجہ نہ دے گی۔[3] وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ: یعنی اپنے تمام افعال میں خدا سے دلوں سے ڈرو کیوں کہ تمہارا کوئی فعل اور تمہارا کوئی حال خدا سے مخفی نہیں۔

عدت وفات کا بیان

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا:...... یعنی جن عورتوں کے خاوند فوت ہو گئے ہیں وہ چار ماہ دس دن تک عدت میں بیٹھیں یہ ان کا اپنے خاوندوں پر سوگ ہے۔ یہ حکم غیر حاملہ عورت کے لیے ہے اور حاملہ کی عدت بچہ جننے کی مدت ہے اس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (سورۃ الطلاق،۴) ''اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل (یعنی بچہ جننے) تک ہے''۔[4]

---

[1] اس آیت میں یتیم بچے کی پرورش اور کفالت کا بیان ہے جس کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے دیکھیں ''احسن البیان ج۱ ص۳۸۹''، ''بیان القرآن ج۱ ص۱۳۸''، ''معارف القرآن ج۱ ص۵۸۲''۔ نسیم

[2] اس آیت میں دودھ چھڑانے کے حکم بیان ہے۔ مولانا مفتی شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ''اگر والدین باہمی رضامندی سے اور مشورے سے دو سال سے کم میں ہی دودھ چھڑانا چاہیں، خواہ ماں کی معذوری سے یا بچہ کی کسی بیماری کے سبب تو اس میں بھی کوئی گناہ نہیں، باہمی رضامندی اور مشورے کی شرط اس لیے لگائی کہ دودھ چھڑانے میں بچے کی مصلحت پیش نظر ہونی چاہیے اور آپس کے جھگڑے کا بچے کو تختہ مشق نہ بنائیں۔ (معارف القرآن ج۱ ص۵۸۳) نسیم۔

[3] اس آیت میں انا رکھنے کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ اجرت کی بِالْمَعْرُوْفِ کی تفسیر میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ''دودھ پلائی کی کھانے کپڑے کی حیثیت اچھی طرح کھول کر ٹھہرا لے اگر حیثیت صاف صاف بیان نہیں کی تو، یہ (دونوں چیزیں) اوسط درجہ کی واجب ہوں گی اور اگر نقد ٹھہرا ہے تو اس کی مقدار اور آگے پیچھے دینے کی شرط خوب صاف صاف بیان کر دے۔ بِالْمَعْرُوْفِ کا یہی مطلب ہے۔'' (بیان القرآن ج۱ ص۱۳۸) ''اور انا کو مقررہ اجرت نہ دینے کا گناہ ہوگا'' (احسن البیان ج۱ ص۳۹۰۔ معارف القرآن ج۱ ص۵۸۳) نسیم

[4] عدت طلاق کی بعد اب عدت وفات کا بیان ہے (تفسیر حقانی ج۱ ص۵۹۱) اس میں حاملہ اور غیر حاملہ کی مدت اوپر متن میں بیان ہو گئی ہے۔ اس چار ماہ دس دن کو شمار کس طرح کرنا ہے اس کا تفصیلی بیان ''احسن البیان ج۱ ص۳۹۱، بیان القرآن ج۱ ص۱۳۹، معارف القرآن ج۱ ص۵۸۵ میں درج ہے۔ اور سوگ منانے کا مطلب یہ ہے کہ اس عدت کے دوران عورتیں نہ تو نکاح کریں اور نہ ہی اسباب نکاح اختیار کریں مثلاً زیب و زینت، سرمہ کاجل، بناؤ سنگھار، مہندی، خوشبو، اور رنگین اور ریشمی کپڑوں وغیرہ کا استعمال نہ کریں اور رات کو دوسرے گھر میں نہ رہیں اور دن کو بلاوجہ سخت مجبوری کے گھروں سے نہ نکلیں کہ یہ سب باتیں يَتَرَبَّصْنَ سے سمجھی جاتی ہیں اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی تشریح فرمادی ہے اور یہی حکم اس عورت کا بھی ہے جس کو طلاق بائن پڑی ہو۔ واللہ اعلم۔ (از بیان القرآن، احسن البیان، معارف القرآن، تفسیر حقانی وغیرہ) نسیم

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ:......یعنی جب ان (بیوہ) عورتوں کی عدت پوری ہوجائے تو اے (ان بیوگان کے) اولیا! تمہیں ان کو (دوسرا) نکاح کرنے کی اجازت دینے میں کوئی حرج نہیں اور اب جو انہیں زیب وزینت اختیار کرنا اور دوسروں کو نکاح کا پیغام بھیجنا جائز قرار دیا گیا اس پر ان عورتوں کو بھی کوئی گناہ نہیں۔ (عدت کے دوران یہ دونوں باتیں ممنوع تھیں اب ان کی اجازت ہے۔ نسیم) وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ: یعنی وہ تمہارے تمام اعمال کو جانتا ہے اور وہ تمہیں ان سب کا بدلہ دے گا۔

بیوہ عورت کو دوران عدت پیغام نکاح دینے کا حکم

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ:......حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما (اس کی تفسیر میں) فرماتے ہیں: ''اے مردو! تمہیں ان بیوہ عورتوں کو ان کی عدت کے دوران اشارہ کنایہ سے نہ کہ صاف صاف، نکاح کا پیغام بھیجنے میں کوئی گناہ نہیں۔'' جیسے کوئی مرد یوں کہے، ''میری خواہش ہے کہ خدا مجھے (کسی) نیک عورت سے نکاح کرنا آسان کردے'' اور ''مجھے (ان دنوں کسی) عورت (سے نکاح کرنے) کی ضرورت ہے۔'' (وغیرہ وغیرہ) اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ: یعنی اگر تمہارے جیوؤں میں (ان) بیوہ (عورتوں میں) سے (کسی سے) نکاح کی خواہش ہے جو اپنے جی میں مخفی رکھتے ہو تو اس پر تمہیں کوئی گناہ نہیں (ہاں عدت کے دوران اس کو صاف صاف نکاح کا پیغام مت بھیجو جس کا بیان اگلی آیت میں آرہا ہے۔)

عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا:......یعنی خدا جانتا ہے کہ جو کچھ تم لوگوں نے اپنے دل میں چھپا رکھا (یعنی نکاح کی جو خواہش تم دلوں میں رکھتے ہو) تم اس کو ضرور ذکر کرو گے اور اس پر صبر نہیں کرو گے تو خدا نے اس پر سے حرج کو اٹھا دیا (کہ عدت گزرنے کے بعد نکاح کا پیغام بھیجنے میں کوئی حرج نہیں) لہٰذا تم اس کو انہیں ذکر کردو (مگر یاد رہے کہ یہ حکم عدت کے بعد کا ہے) لیکن (اگر عورت عدت میں ہے تو) تم اس سے نکاح کا (وعدہ یعنی) قول وقرار نہ کرو البتہ اشارہ کنایہ سے اور اس دستور کے مطابق (تم ان سے نکاح کی بات چیت کرسکتے ہو) جو شریعت نے تمہارے لیے مقرر کیا ہے (جس کا طریقہ اوپر متن میں مذکور ہوگیا ہے)۔ [1] وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ: (یہ اسی حکم کا تتمہ ہے یعنی) جب تک عدت پوری نہیں ہوجاتی تم (ان بیوگان سے) نکاح کرنے کا پختہ ارادہ نہ کرو۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ: یعنی (جب خدا تمہارے جیوؤں کی ہر بات سے باخبر ہے تو) تم اس کے امر کی مخالفت میں اس کے (عذاب و) عقاب سے ڈرو۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ: یعنی وہ گناہ سے توبہ کرنے والے کے گناہ کو مٹاتا ہے اور اپنے نافرمان کو سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا (کہ حلیم وبردبار ہے)۔

مدخول بہا مطلقہ کا حکم

آگے رب تعالیٰ غیر مدخول بہا مطلقہ کے حکم کو بیان فرماتے ہیں، چنانچہ ارشاد ہے: لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً: یعنی اے مردو! اگر تم عورتوں کو جماع سے پہلے اور ان کا کوئی [2] مہر مقرر کرنے سے (بھی) پہلے طلاق دے دو تو تم پر کچھ گناہ

---

[1] عدت کے دوران نکاح ثانی کی صریح گفتگو درست نہیں (معارف القران ج ۱ ص ۵۸۵) کیوں کہ جہاں خدا نے عورتون کو (عدت کے دوران دوسرا) نکاح کرنے اور اس کے (اسباب) دواعی (اور محرکات) سے روکا ہے وہیں مردوں کو بھی روکا ہے کہ عدت (ختم ہونے) سے پہلے (یعنی عدت کے دوران) تم ان کو نہ تو صراحتاً نکاح کا پیغام دو اور نہ خفیۃً نکاح کا وعدہ کرو کیوں کہ اس قسم کی تحریک اور لگاوٹ سے عورت کے دل میں ہیجان پیدا ہوجاتا ہے جس سے عدت میں فرق پڑنے کا قوی اندیشہ ہے کیوں کہ عدت کا حکم اس لیے ہے کہ عورت پچھلے نکاح کی حرمت کو ملحوظ رکھے اور بیگانوں سے آشنائی کرکے اس سے بے وفائی نہ کرے جو معاشرہ کی تمدنی تربیت کے لیے ضروری ہے۔ (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۹۱ بتصرف) نسیم [2] مہر...... ''یہ وہ مال وغیرہ ہے جو عورت کو خاوند نکاح کے عوض ادا کرتا ہے۔'' (القاموس الوحید ص ۵۸۸، کالم نمبر ۲) ان آیات میں آخر تک خلوت کرنے یا نہ کرنے کی صورت میں طلاق دینے پر مہر کے احکام کا ذکر ہے جس کی پوری تفصیل تو کتب فقہ میں مذکور ہے مگر ہم یہاں چند ضروری باتیں ذکر کریں گے

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ)

نہیں کہ اس حالت میں طلاق دینا ناجائز نہیں جب کہ کوئی مصلحت یا ضرورت ہو۔

وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ:...... یعنی تم ان عورتوں کو طلاق دے چکو (جن کا نہ مہر مقرر ہوا ہے اور نہ ان سے خلوت ہوئی ہے۔ جو ہمارے حاشیہ میں مذکورہ اقسام میں سے دوسری قسم کی عورت ہے) تو ان کی خاطر داری اور فراق کی وحشت کو دور کرنے کے لیے انہیں کچھ خرچ دے دو (کہ یہ خرچ) تنگ دستی اور مال داری میں آدمی کے حال کے بقدر (ہوگا) وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق دے اور تنگ دست اپنی تنگ دستی کے بقدر دے۔ (اور یہ خرچ دینا جو) دستور کے مطابق (ہو یہ) نیک لوگوں پر ایک طرح حق ہے۔ [1] وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ: (یہ ہماری مذکورہ صورتوں میں سے تیسری قسم کی عورت کا بیان ہے کہ) کہ جب تم جماع سے پہلے ان کو طلاق دے دو اور تم ان کا مہر بھی مقرر کر چکے ہو تو تم پر لازم ہے کہ مقررہ [2] مہر کا نصف عورت کو دے دو کیوں کہ یہ جماع سے پہلے کی طلاق ہے۔ (اور ایسی طلاق میں آدھا مہر آتا ہے)۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)...... نکاح مہر مقرر کیے بغیر بھی منعقد ہو سکتا ہے مہر مقرر کیے بغیر بھی طلاق دے سکتے ہیں نکاح کے بعد خلوت کرنے سے مہر واجب ہو جاتا ہے اس طرح ذکر نہ بھی کیا ہو مگر طلاق دینے کے بعد بھی مہر واجب ہو جاتا ہے۔ (معدن الحقائق ج ۱ ص ۲۹۱)

عورت کی طلاق کی، مہر اور خلوت کے اعتبار سے چار صورتیں ہیں جن میں سے دو کا ذکر ان آیات میں آ گیا ہے۔

① ...... عورت کا مہر معین ہوا اور اس سے جماع بھی ہو چکا ہو پھر اس کو طلاق دے تو اس سے اس کا مہر روکنا یا واپس لینا جائز نہیں اس کا حکم اس آیت میں بیان ہو چکا ہے: وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا (سورۃ البقرہ۔ ۲۲۹) "اور جو کچھ ان کو (مہر میں) دے چکے (اور ان سے خلوت بھی کر چکے ہو تو اب طلاق کے بعد) اس میں سے کچھ بھی واپس لینا تم کو حلال نہیں" لہٰذا مہر پورا دینا چاہیے اور انہیں تنگ کر کے واپس نہ لینا چاہیے۔

② ...... نہ ان کے لیے مہر مقرر ہوا اور نہ ابھی تک خلوت ہوئی ہو بلکہ صرف نکاح کے بعد طلاق دے دی ہو۔ ان کا اس مذکورہ بالا آیت میں لا جناح سے لے کر حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ تک بیان ہے۔ وہ یہ کہ ان کے لیے مہر نہیں بلکہ دستور کے موافق متعہ یعنی خرچ دینا چاہیے جو کم از کم کپڑوں کا ایک جوڑا اور زیادہ سے نصف مہر ہے اور کنز الدقائق میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کی مقدار "قمیص، چادر اور اوڑھنی" مروی ہے۔

③ ...... تیسری قسم وہ ہے جس کا مہر تو معین ہے مگر خلوت سے پہلے طلاق ہوگئی ان کے لیے آدھا مہر ہے جس کا بیان اس آیت میں ہے: وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ ...... اس کا ذکر ابھی اگلی آیت میں آ رہا ہے۔ عدت کی بابت حکم یہ ہے کہ پہلی قسم کی عورت پر عدت آئے گی اور دوسری اور تیسری قسم والی عورت پر عدت نہ آئے گی۔ ان پر عدت نہ آنے کی دلیل یہ ارشاد خداوندی ہے: اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا (سورۃ الاحزاب: ۴۹) "(مومنو!) جب تم مومن عورتوں سے نکاح کر کے ان کو ہاتھ لگانے (یعنی ان کے پاس جانے) سے پہلے ان کو طلاق دے دو تو تم کو کچھ اختیار نہیں کہ ان سے عدت پوری کراؤ۔" یہ ہیں وہ دو قسم کی عورتیں جن کا ذکر ان آیات میں ہے، جب کہ پہلی قسم اور چوتھی قسم کی عورتوں کا ذکر دوسری آیات میں ہے۔

④ ...... چوتھی قسم وہ ہے کہ مہر تو معین نہیں ہوا مگر خلوت ہونے کے بعد ان کو طلاق دی ہے۔ ان کو "مہر مثل" ملے گا جس کا بیان اس آیت میں ہے: فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ (سورۃ النساء، ۲۴) "تو جن عورتوں سے تم فائدہ حاصل کرو ان کا مہر جو مقرر ہو چکا ادا کرو" حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بیان القرآن ج ۲ ص ۱۰۸ میں اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں اور مثلاً مہر مقرر نہیں ہوا اور استمتاع ہو چکا (یعنی جماع اور خلوت ہو چکی) تو مہر مثل لازم ہے۔" (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۹۲۔ ۵۹۳ بتصرف)

مہر مثل...... مہر مثل عورت کے کنبہ کی عورتوں کے مہر کو کہتے ہیں (تفسیر حقانی حوالہ مذکورہ) "مہر مثل یہ باپ کی قوم کی عورتوں کے لحاظ سے ہوتا ہے مثلاً باپ شریک بہنیں اور پھوپھیاں وغیرہ اور اس میں، عمر، حسن و جمال، مال، وطن، زمانہ، عقل، دیانت اور شادی شدہ اور غیر شادہ شدہ ہونے کے اوصاف کا لحاظ ہوگا اس کے علاوہ علم و ادب، حسن اخلاق اور اولاد ہونے یا نہ ہونے کا بھی اعتبار ہے کہ جیسا ان عورتوں کا مہر تھا اگر یہ عورت بھی ان جیسی ہے تو اس کا مہر بھی ان جیسا ہوگا واللہ اعلم" معدن الحقائق ج ۱ ص ۲۹۵ بتصرف" نسیم

(حاشیہ صفحہ ہذا)...... [1] قرآن کریم نے اس خرچ کی (جس کو فقہ کی اصطلاح میں "متعہ" کہتے ہیں) کوئی مقدار مقرر نہیں کی البتہ یہ بتلا دیا ہے کہ مالدار کو اپنی حیثیت کے مطابق دینا چاہیے اس میں صاحب وسعت کو تنگی سے کام نہ لینے کی ترغیب ہے۔" (معارف القرآن ج ۱ ص ۵۸۷۔ ۵۸۸) "نسیم" [2] اس کو فقہ کی اصطلاح میں "مہر مسمی" کہتے ہیں۔ یہ وہ مہر ہوتا ہے جو بوقت عقد نکاح ذکر کر دیا جاتا ہے پھر اس کی بھی دو قسمیں ہیں، "مہر مؤجل" جو نقد ادا کیا جاتا ہے اور "مہر معجل" جو بعد میں دینا طے پاتا ہے واللہ اعلم (لقد استفدت من "معدن الحقائق" ۔ نسیم)

اِلَّآ اَنۡ يَّعۡفُوۡنَ اَوۡ يَعۡفُوَا الَّذِىۡ بِيَدِهٖ عُقۡدَةُ النِّكَاحِ :...... "ہاں (یہ مہر بھی ذمے میں نہ آئے گا کہ) جب مطلقہ عورت اس کو معاف کردے یا اگر وہ نابالغہ ہو تو اس کا ولی اس کو معاف کردے یہ بِيَدِهٖ عُقۡدَةُ النِّكَاحِ کی ایک تفسیر ہے کہ "جن کے ہاتھوں میں نکاح کا عقد ہے" سے مراد نابالغہ لڑکی کے اولیا ہیں۔ یہ امام شافعی، حسن بصری، مجاہد اور علقمہ رحمہ اللہ علیہم کا قول ہے۔

"تفسیر حقانی اور (اس کی تفسیر میں) ایک قول یہ ہے" کہ "اس سے مراد خاوند ہے (حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ، متعدد تابعین عظام رحمہ اللہ علیہم اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہی ہے۔" حقانی) کیوں کہ خاوند ہی نکاح کے عقد کا مالک ہوتا ہے اور اس (کے معاف کردینے) کی صورت (اور اس کا مطلب) یہ ہے کہ جو پورا مہر وہ اس کو دے چکا ہے اس میں چشم پوشی سے کام لے (اور باقی آدھا واپس نہ مانگے)۔[1] ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی (مطلب) کو لیا ہے (کہ اس سے مراد خاوند ہے)۔ علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ "ولی" مراد لینے کا قول بظاہر (زیادہ) درست ہے۔[2]

وَاَنۡ تَعۡفُوۡۤا اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى : یہ خطاب مردوں اور عورتوں دونوں کو عام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما (اس آیت کی تفسیر میں) فرماتے ہیں کہ "ان دونوں میں تقویٰ کے زیادہ قریب وہ ہے (جو دوسرے کے لیے اپنا حق) معاف کردے۔" وَلَا تَنۡسَوُا الۡفَضۡلَ بَيۡنَكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ : یعنی اے مومنو! آپس میں سلوک واحسان کو مت فراموش کرو۔ رب تعالیٰ نے ان آیات کو زوجین کے درمیان (محبت و) مودت اور حسن سلوک اور احسان کو فراموش نہ کرنے کو یاد دلانے پر ختم فرمایا ہے کہ جب طلاق ناگزیر اسباب کی وجہ سے پوری ہوگئی (یعنی ہوگئی) تو مناسب نہیں کہ یہ طلاق سسرالی تعلقات اور قرابتی رشتہ داریوں کو ختم کرنے والی ہو۔ (کہ ان تعلقات اور رشتوں کو طلاق کے باوجود بھی باقی رکھا جائے۔)

بلاغت: وَالۡوٰلِدٰتُ يُرۡضِعۡنَ :...... (معنی کے لحاظ سے) یہ امر ہے جو خبر کی صورت میں لایا گیا ہے جو اس حکم پر تعمیل کرنے پر ابھانے میں مبالغہ (کا معنی ادا کرنے) کے لیے ہے یعنی (یہ يُرۡضِعۡنَ جو فعل مضارع ہے معنوی طور پر) لِيُرۡضِعۡنَ (ہے جو امر کا صیغہ ہے) جیسا کہ گزشتہ آیت وَالۡمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصۡنَ (سورۃ البقرہ، ۲۲۸ میں یہ بحث گزر چکی ہے)۔ اَنۡ تَسۡتَرۡضِعُوۡۤا اَوۡلَادَكُمۡ :اس میں حذف کے ذریعے "ایجاز" ہے یعنی (اصل عبارت یوں ہے) اِنۡ تَسۡتَرۡضِعُوۡۤا اَلۡمَرَاضِعَ لِاَوۡلَادِكُمۡ ("تم اپنی اولادوں کے لیے دودھ پلانے والیوں سے دودھ پلانا چاہو" کہ اس عبارت میں المراضع اور "ل" حذف ہے) دوسرے اس میں غائب (کے صیغے) سے حاضر (کے صیغے) کی طرف التفات ہے کہ اس (آیت) میں پہلے اَرَادَتۡمُ فِصَالًا ہے جو (جس میں ارادا تثنیہ مذکر غائب کا صیغہ ہے اور آیت میں آگے اَرَدۡتُّمۡ جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔) (غائب سے حاضر کی طرف) اس التفات کا فائدہ یہ ہے کہ یہ اولاد کی طرف باپوں کے احساسات (وجذبات) کو انگیخت کرتا ہے۔ وَلَا تَعۡزِمُوۡا عُقۡدَةَ النِّكَاحِ : "عزم" یہاں (یعنی پختہ ارادہ) کو نکاح کرنے سے منع کرنے میں مبالغہ کرنے کے لیے ذکر کیا گیا ہے کہ جب محض ارادہ کرنے کو بھی منع کردیا گیا تو پھر نکاح کرنا تو بدرجہ اولیٰ ممنوع ہوگا (یہ عدت کے دوران کا حکم ہے جس کی تفصیل گزشتہ میں گزر گئی ہے)۔ مَا لَمۡ تَمَسُّوۡهُنَّ :رب تعالیٰ نے جماع سے کنایہ کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے اس میں بندوں کو (اپنے مدعا کے بیان کرنے میں اور) اپنی روز مرہ کی گفتگو میں اچھے الفاظ کے اختیار کرنے کی تعلیم (وتادیب) ہے۔ وَاَنۡ تَعۡفُوۡۤا اور وَلَا تَنۡسَوُا الۡفَضۡلَ : یہ دونوں خطاب مردوں اور عورتوں دونوں کو عام ہیں مگر یہ تغلیب کے طریق سے ہیں (کہ اس میں عورتوں پر مردوں کو غالب کرتے اور ان کو مردوں میں ضم کرتے ہوئے مذکر کے

---

[1] کیوں کہ عرب بوقت نکاح ہی پورا مہر دے دینے کے عادی تھے۔ اب طلاق قبل از جماع میں وہ نصف مہر واپس لینے کا حق دار ہوگیا اب اگر وہ رعایت کرکے باقی نصف واپس نہ لے تو یہ بھی معاف ہی کرنا ہے۔" (معارف القرآن ج ۱ ص ۵۸۸)

[2] یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ یہی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی مذہب ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قدیم قول ہے۔ ناصر (غالباً اس سے مراد "ناصر الدین البانی" ہیں واللہ اعلم۔) علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول پر حاشیہ میں لکھتے ہیں، "زمخشری کی یہ بات صحیح ہے۔ حق رونق اور درستی کی حلاوت اسی قول میں نظر آتی ہے اس کی چھ وجوہات بھی ہیں جن کو علامہ نے بڑے لطیف انداز میں بیان کیا ہے۔ اس کے لیے دیکھیں "الکشاف ج ۱ ص ۲۱۷"۔ "مؤلف"

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے "بیان القرآن" میں اور حضرت مفتی شفیع صاحب نے "معارف القرآن" میں "خاوند" مراد لینے کو ترجیح دی ہے اور معارف القرآن میں اس قول کی بنیاد پر مزید مسائل کا استنباط بھی فرمایا ہے دیکھیں بیان القرآن ج ۱ ص ۱۴۱۔ معارف القرآن ج ۱ ص ۵۸۸۔

صیغے سے خطاب فرمایا ہے۔ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ: یہاں ضمیر کی جگہ رب ذوالجلال کے اسم کو (دلوں میں) رعب بٹھلائے اور (رب کی) ہیبت کی تربیت دینے کے لیے ذکر کیا گیا ہے۔

اولاد اور بچوں پر شفقت کا پہلو

پہلا فائدہ:...... لفظ مطلقات اور النساء المطلقات (یعنی طلاق یافتہ عورتوں کے لفظ) کو چھوڑ کر الوَالِدَاتُ (مائیں) کے لفظ سے تعبیر کرنے میں عورتوں کو اپنی اولادوں پر شفقت دلانا ہے کہ انہیں طلاق پڑنے کی پاداش میں مناسب نہیں کہ وہ مادرانہ شفقت سے اپنی اولاد کو محروم کریں۔

دوسرا فائدہ:...... وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا اور مَوۡلُوۡدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ کہ ان دونوں ارشادات میں رب تعالیٰ نے بچے کو والدین میں ہر ایک کی طرف منسوب فرمایا ہے۔ یہ بچے پر (ان دونوں کی) شفقت ورحمت کو طلب کرنے کے لیے ہے کہ یہ بچہ تو والدین میں سے کسی کے لیے بھی اجنبی نہیں (کہ اس کے والدین میں تفریق اور جدائی بھی ہوگئی ہے) کہ یہ اس کی ماں ہے اور وہ اس کا باپ ہے لہٰذا اس پر شفقت کرنا ان دونوں پر لازم ہے اور ان دونوں کی باہمی رنجش بچے کے کسی قسم کے نقصان کا سبب نہ بنے۔

بیک وقت تین طلاقیں پسند نہیں

تیسرا فائدہ:...... روایت میں ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی ایک بیوی کو (طلاق دیتے وقت)[۱] دس ہزار درہم کا متعہ (یعنی عطیہ) دیا تو ان کی بیوی نے کہا، "جدا ہونے والی محبوب کی طرف سے (جس کی قیمت کوئی دے نہیں سکتا اور کوئی شی اس کا بدل بھی نہیں ہوسکتی) یہ معمولی سا تحفہ ہے۔ آپ کے اس کو طلاق دینے کی وجہ یہ تھی کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے اور آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر بیعت کر لی گئی تو اس نے آپ رضی اللہ عنہ سے کہا: "امیر المومنین! آپ کو خلافت مبارک ہو؟ آپ نے فرمایا: "(میرے والد) علی رضی اللہ عنہ قتل کر دیے گئے اور تو خوش ہو رہی ہے؟ جا چلی جا! تجھے تین طلاق ہے۔" وہ اپنی چادر اوڑھ کر بیٹھ گئی (یعنی اس نے اپنی عدت شروع کر دی) حتیٰ کہ اس کی عدت ختم ہوگئی تو آپ نے اس کو دس ہزار درہم اور باقی کا مہر بھیج دیا۔ اس (کو وصول کرتے) وقت اس نے یہ (جملہ) کہا، (کہ جدا ہونے والے محبوب کی طرف سے یہ تحفہ بھی قبول ہے جو آخری ہے۔ اس کے دل میں ابھی تک حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے لیے بڑی محبت تھی اور شاید مرتے دم تک رہی) جب قاصد نے آکر اس کا یہ پیغام جناب حسن رضی اللہ عنہ کو سنایا تو آپ رضی اللہ عنہ رو پڑے اور فرمایا "اگر میں نے اس کو تین طلاقیں نہ دی ہوتیں تو میں ضرور اس سے رجوع کر لیتا۔" (تفسیر قرطبی ج۳ ص ۲۰۲)[۲]

متعہ واجب کرنے کی حکمت

چوتھا فائدہ:...... مطلقہ عورت کے لیے متعہ واجب کرنے کی حکمت طلاق کی وحشت کی تلافی کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: "اگر کوئی تنگدست ہو تو تین کپڑے ہی متعہ میں دے دے اور کوئی وسعت والا ہو تو ایک خادم دے دے۔"

حفاظت نماز کا حکم

حٰفِظُوۡا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الۡوُسۡطٰى وَقُوۡمُوۡا لِلّٰهِ قٰنِتِيۡنَ ﴿۲۳۸﴾ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ فَرِجَالًا اَوۡ رُكۡبَانًا فَاِذَآ اَمِنۡتُمۡ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمۡ مَّا لَمۡ تَكُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۳۹﴾ وَالَّذِيۡنَ يُتَوَفَّوۡنَ مِنۡكُمۡ وَيَذَرُوۡنَ اَزۡوَاجًا ۚۖ وَّصِيَّةً لِّاَزۡوَاجِهِمۡ مَّتَاعًا اِلَى الۡحَوۡلِ غَيۡرَ اِخۡرَاجٍ ۚ فَاِنۡ خَرَجۡنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ فِىۡ مَا

[۱] قرطبی کی ایک روایت میں بیس ہزار درہم کا ذکر ہے" (معارف القرآن ج۱ ص ۵۸۸) نسیم [۲] اس قصہ سے معلوم ہوا کہ ایک ہی دفعہ تین طلاقیں دینے سے تین طلاقیں ہوجاتی ہیں۔ اس مسئلہ کو خواہ مخواہ متنازعہ بنانے والے ذرا اس میں غور کریں۔ نسیم

فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۰﴾ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۴۱﴾ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾

ترجمہ:...... پابندی کرو نمازوں کی اور درمیان والی نماز کی، اور کھڑے ہو جاؤ اللہ کے لیے اس حال میں کہ عاجزی اختیار کیے ہوئے ہو۔﴿۲۳۸﴾ پھر اگر تم کو خوف ہو تو کھڑے ہوئے یا سواری پر بیٹھے ہوئے نماز پڑھ لیا کرو، پھر جب تم کو امن حاصل ہو جائے تو اللہ کو یاد کرو جیسا کہ اس نے تمہیں سکھایا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔﴿۲۳۹﴾ اور جو لوگ وفات پا جائیں اور چھوڑ جائیں بیویوں کو وصیت کر دیں اپنی بیویوں کے لیے منتفع ہونے کا ایک سال تک اس طور پر کہ وہ گھر سے نہ نکالی جائیں، پس اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، اس بات میں جو وہ اپنی جانوں کے لیے قاعدہ کے مطابق اختیار کر لیں، اور اللہ عزت والا ہے، حکمت والا ہے۔﴿۲۴۰﴾ اور طلاق دی ہوئی عورتوں کے لیے فائدہ پہنچانا ہے اچھے طریقہ پر، یہ ضروری قرار دیا گیا ہے متقیوں پر،﴿۲۴۱﴾ اسی طرح اللہ بیان فرماتا ہے اپنی آیات تاکہ تم سمجھو۔﴿۲۴۲﴾

ماقبل سے مناسبت: ......نماز کی حفاظت کی یہ آیات کریمہ طلاق یا جدائی کے وقت زوجین کے درمیان تعلقات اور خاندان سے متعلقہ احکام کے درمیان آئی ہیں۔ اس میں بڑی بلیغ حکمت ہے۔ وہ یہ کہ جب رب تعالیٰ نے طلاق کے بعد چشم و درگزر اور باہمی حسن سلوک کا حکم دیا تو اس کے بعد نماز کا حکم ذکر کیا کیوں کہ نماز دنیا کے دھندوں (اور جھمیلوں) اور دنیاوی کدورتوں (اور آلائشوں) کو (دل سے) بھلانے کا سب سے بڑا وسیلہ ہے اور نبی کریم ﷺ کو جب کوئی سخت امر پیش آتا تھا تو وہ نماز کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ اب طلاق (زوجین کے درمیان) بغض و نفرت کو پیدا کرتی ہے اور نماز سلوک و احسان اور چشم پوشی کی دعوت دیتی ہے اور بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے تو (نماز پڑھنا) یہ نفس کی تربیت کا سب سے افضل طریقہ ہے۔

لغت: حٰفِظُوْا:...... (یہ) المحافظۃ (سے ہے یعنی) کسی شی پر ہمیشگی اور دوام۔ الْوُسْطٰى: یہ اوسط کا مونث ہے اور وسط الشی یہ کسی شے کے سب سے بہتر اور معتدل کو کہتے ہیں۔ ایک اعرابی نبی کریم ﷺ کی مدح بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

یا اوسط الناس طرًّا فی مفاخرھم ... اکرم الناس اُمًّا برّۃً و ابًا

ترجمہ:...... اے سب کے سب لوگوں میں ان کی خوبیوں میں سب سے بہتر اور معتدل اور اے نیکوکار ماں اور باپ کے اعتبار سے سب سے زیادہ (شریف) کریم (رسول کریم ﷺ کہ آپ کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے)۔

قٰنِتِیْنَ:...... (یہ قنوت سے ہے) اور قنوت کی لغت میں اصل ''کسی شے پر مداومت و ہمیشگی'' ہے خاص قرآن میں قنوت کے معنی طاعت (خدا وندی) پر دوام اور اس کو خشوع خضوع کے ساتھ سرانجام دینا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ (سورہ آل عمران۔ ۴۳) ''اے مریم! اپنے پروردگار کی فرمانبرداری کرتی رہنا۔''

فَرِجَالًا:...... یہ راجل کی جمع ہے جو اپنے قدموں کے بل کھڑے ہونے والے کو کہتے ہیں۔ امام راغب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ''یہ رجل سے مشتق ہے (جس کا معنی پاؤں ہے)۔ راجل یہ پیروں کے بل چلنے والے کو کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے رجل راجل یعنی ''چلنے کی طاقت رکھنے والا''۔

(مفردات القرآن۔ مادۃ رجل)

رُكْبَانًا:...... یہ راکب کی جمع ہے یہ گھوڑے اور چوپائے وغیرہ (مثلاً سائیکل، موٹر سائیکل وغیرہ) پر سوار ہونے والے کو کہتے ہیں۔

نمازوں کو ان کے اوقات پر ادا کرنے کا حکم

تفسیر: حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى:...... یعنی اے مؤمنو! تم نمازوں کو ان کے اوقات میں ادا کرنے پر دوام اور ہمیشگی کرو خاص طور

پر نماز عصر [1] (میں کہ اس کا خوب اہتمام والتزام کرو) کیوں کہ اس نماز میں (دن کے فرشتے جاتے اور رات کے) فرشتے آتے ہیں۔" وَقُوۡمُوۡا لِلّٰهِ قٰنِتِيۡنَ: یعنی خضوع وخشوع کے ساتھ رب تعالیٰ کی عبادت پر ہیشگی کرو اور اپنی نمازوں میں خدا کے آگے عاجزی سے کھڑے ہو۔ [2]

صلاۃ خوف کا بیان

فَاِنۡ خِفۡتُمۡ فَرِجَالًا اَوۡ رُكۡبَانًا:...... یعنی جب تمہیں نماز میں دشمن یا کسی دوسری شی کا خوف ہو تو قدموں چلتے چلتے یا سواریوں پر سوار ہوتے ہوئے نمازیں ادا کرلو۔ [3] فَاِذَآ اَمِنۡتُمۡ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمۡ مَّا لَمۡ تَكُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ:...... یعنی جب خوف جاتا رہے اور امن (واطمینان) ہو جائے تو نماز کو اس کے پوری ارکان سمیت ادا کرو جس طرح کہ (نماز ادا کرنے کا) تمہیں خدا نے حکم دیا ہے اور اس کو اس مشروع طریقے سے ادا کرو جو خدا نے تمہارے لیے مقرر کیا جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے:

فَاِذَا اطۡمَاۡنَنۡتُمۡ فَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ ۚ (سورۃ النساء ۱۰۳)

"پھر جب خوف جاتا رہے تو (اس طرح سے) نماز پڑھو (جس طرح امن کی حالت میں پڑھتے ہو)۔"

اس آیت میں ذکر سے مراد کامل ارکان والی نماز ہے۔ امام زمخشری فرماتے ہیں، "اس کا مطلب یہ ہے، کہ "رب تعالیٰ کو عبادت کے ساتھ یاد کرو جس طرح اس نے تمہیں شریعت کے احکام سکھلا کر تمہارے ساتھ احسان کیا ہے اور (تمہیں یہ بھی سکھلایا ہے کہ) امن اور خوف (دونوں حالتوں) میں تم نمازیں کس طرح ادا کرو۔

آگے رب تعالیٰ عدت کے (باقی کچھ) احکام کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَالَّذِيۡنَ يُتَوَفَّوۡنَ مِنۡكُمۡ وَيَذَرُوۡنَ اَزۡوَاجًا ۖۚ وَّصِيَّةً لِّاَزۡوَاجِهِمۡ مَّتَاعًا اِلَى الۡحَوۡلِ غَيۡرَ اِخۡرَاجٍ ۚ (سورۃ البقرہ، ۲۴۰)

"یعنی جو مرد بیویاں چھوڑ کر انتقال کر جاتے ہیں انہیں چاہیے کہ مرض الموت میں اپنی بیویوں کے لیے اپنے بعد ایک سال تک کے خرچ کی وصیت کر جائیں۔ ان کے ترکہ میں سے ان پر خرچ کیا جائے گا اور انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالا جائے گا۔ یہ ابتدائے اسلام میں حکم تھا (کہ جب عورت ایک برس تک عدت وفات گزارتی تھی اور اس کے لیے ترکہ میں سے حصہ بھی نہ تھا۔ اس دوران وہ خاوند کی گھر میں رہتی اور کسی سے نکاح نہ کرتی۔ البتہ اس کو خاوند کے گھر میں یا کسی بھی دوسری جگہ عدت گزارنے کا اختیار بھی تھا۔ مگر دوسری جگہ عدت گزارنے کی صورت میں اس کو نفقہ نہ ملتا تھا۔) پھر یہ (سال بھر کی عدت، سال کا خرچ اور سال بھر کے لیے مکان دینے کا حکم) منسوخ کر کے (عدت کی مدت کو) چار ماہ دس دن

---

[1] بعض احادیث قویہ سے اکثر علما کا قول یہ ہے، کہ یہ عصر کی نماز ہے اگرچہ بعض نے اَلصَّلٰوةُ الۡوُسۡطٰی سے مراد ظہر اور بعض نے صبح کی نماز بھی مراد لی ہے لیکن یہ بیچ والی نماز عصر کی ہے کیوں کہ اس کے ایک طرف دو نمازیں دن کی ہیں، فجر اور ظہر اور ایک طرف دو نمازیں رات کی ہیں مغرب اور عشا۔ جیسا کہ صحیحین میں آتا ہے، کہ "مشرکوں نے ہم کو صلوٰۃ وسطیٰ سے روک دیا خدا تعالیٰ ان کی قبر آگ سے بھر دے" اور یہ جنگ احزاب میں نماز عصر کا واقعہ ہے۔ اس کی تاکید خصوصیت کے ساتھ اس لیے ہے کہ اکثر لوگوں کو یہ وقت معروفیت اور بھیڑ بھاڑ کا ہوتا ہے جس میں عموماً غفلت ہو جاتی ہے۔" (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۹۴۔ بیان القرآن ج ۱ ص ۱۴۲) نسیم [2] یعنی رب کے حضور ادب سے کھڑے ہو کہ مسلمان پہلے اہل کتاب کی طرح نماز میں کوئی اشارہ یا بات کر لیتے تھے مگر اس آیت کے بعد اس کی ممانعت آ گئی اور جن احادیث میں نماز میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بات یا اشارہ کرنا مذکور ہے وہ اس آیت کے نزول سے پہلے کا قصہ ہے۔ (تفسیر حقانی، ج ۱ ص ۵۹۷) اس آیت میں نماز میں باتیں کرنے کی ممانعت ہوئی (گو) پہلے جائز تھا کہ قانتین کی تفسیر عاجزی سے ہے احادیث میں اس کا مطلب خاموشی آیا ہے یعنی نمازوں میں خاموشی سے کھڑے رہو۔" (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۴۲ بتصرف) نسیم۔ [3] یعنی اگر دشمن کے حملہ کا خوف ہو تو پیدل یا سوار جس طرح بھی بن پڑے رکوع سجود کے بغیر ہی اشارہ سے کعبہ کی جہت کے لحاظ کے بغیر ہی نماز پڑھ لو اس کو چھوڑ دو مت اور جب امن ہو تو خدا کی تعلیم کے مطابق (یعنی جو مسنون طریقہ ہے اس طرح سے) ادا کرو لیکن صحیح قول یہ ہے کہ یہ نماز اشارہ سے تب درست ہوگی جب کھڑے کھڑے اشارہ کر سکے اور ایک جگہ کھڑا ہو۔ اس میں اشارہ سر سے ہو جس میں سجدہ کا اشارہ رکوع سے ذرا زیادہ پست ہو البتہ اگر عین لڑائی کے وقت اس طرح کا اشارہ کرنا ممکن نہ ہو تو نماز قضا کر دے اور دوسرے وقت میں ادا کرے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احزاب میں کیا تھا۔ یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور سورۂ نساء میں جس صلوٰۃ خوف کا ذکر ہے وہ اس سے الگ ہے۔ یہاں فَرِجَالًا اور رُكۡبَانًا مذکور ہے وہ ایک دوسری نماز ہے جس کا بیان وہیں آ جائے گا۔" (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۹۴۔ بیان القرآن ج ۱ ص ۱۴۲) نسیم

کر دیا گیا (اور بیوہ کا حق اولاد ہونے کی صورت میں میراث میں آٹھواں حصہ اور نہ ہونے کی صورت میں چوتھا مقرر کر دیا گیا، اور وصیت کرنا اور مکان دینا وغیرہ ختم ہو گیا۔"[1] (استفدت من تفسیر حقانی، نسیم)

فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ:...... یعنی اگر (عدت گزرنے کے بعد) وہ اپنے اختیار و رضا سے (گھروں سے) نکلیں تو اے میت کے اولیاء! تمہیں انہیں وہ کام کرنے کے لیے چھوڑ دینے میں کوئی گناہ جس پر شرع میں کوئی نکیر نہیں مثلاً آرائش (وزیبائش) کرنا خوشبو (وغیرہ) لگانا اور دوسرے نکاح کا پیغام بھیجنے والوں کے ساتھ گفتگو وغیرہ کرنا۔ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ: یعنی رب تعالیٰ کی پاک ذات اپنی بادشاہت میں غالب ہے اور اپنے کیے میں حکمت والی ہے۔

طلاق دینے والی عورتوں کو متعہ دینے کا بیان

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ: یعنی خاوندوں پر واجب ہے کہ وہ اپنی استطاعت کے بقدر (ان طلاق والی عورتوں کی) طلاق کی وحشت کی تلافی کے لیے کچھ (خرچ اور) تحفہ وغیرہ دیں، یہ متعہ رب تعالیٰ سے ڈرنے والے اہل ایمان پر ایک لازم حق ہے۔[2]

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ: یعنی رب تعالیٰ تمہارے لیے اپنے ایسے شافی شرعی احکام بیان کرتا ہے جو تمہارے جیوؤں کو محبت و مودت کی طرف متوجہ کرتے ہیں تا کہ تم ان کو سمجھو اور ان کے موجبات پر عمل کرو۔

بلاغت: ...... اَلصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى: یہ خاص کا عام پر عطف ہے (کہ پہلے صلوات عام ہے اس کے بعد اس پر الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى جو ایک خاص نماز ہے کا عطف ہے) یہ اس (خاص نماز یعنی نماز عصر) کی مزید فضیلت بیان کرنے کے لیے ہے۔ فَاِنْ خِفْتُمْ: اور فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ان دونوں جملوں میں (صنعت) طباق ہے جو محسنات بدیعیہ میں سے ہے۔ علامہ ابو سعود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "ان شرطیہ اس بات پر تنبیہ کرنے کے لیے لائے ہیں کہ یہاں خوف کے وقوع کا تحقق نہیں اور (دوسرے کلمہ میں) اِذَا شرطیہ لائے ہیں جو امن کے وقوع کے تحقق پر متنبہ کرتا ہے۔"[3] اور ان شرطیہ کے جواب میں ایجاز (اور حذف) کثرت کی ساتھ ہوتا ہے (جیسا کہ اس آیت میں فَاِنْ خِفْتُمْ: یہ جملہ شرطیہ ہے اور فَرِجَالًا: اور رُكْبَانًا۔ یہ شرط کا جواب ہے جس کو جزا بھی کہتے ہیں۔ اس میں عبارت حذف ہے۔ وہ یوں کہ فَرِجَالًا: اور رُكْبَانًا: یہ دونوں حال ہیں اور منصوب ہیں ان کا فعل اور فاعل دونوں حذف ہیں تقدیری عبارت یہ ہے: فَصَلُّوْا رِجَالًا اور رُكْبَانًا یعنی "اگر تمہیں خوف ہو تو تم پا پیادہ یا سوار ہونے کی حالت میں جس طرح بھی ہو نمازیں پڑھ لو۔" (علامہ جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ قرآن میں اسی ترکیب کے مطابق ترجمہ کیا ہے کہ ان دونوں کو حال بنایا ہے اور فعل محذوف کا ترجمہ قوسین میں کیا ہے۔ دیکھیں ترجمہ قرآن ص ۴۹ اور اس کی ترکیب بندہ نے تفسیر حقانی ج ا ص ۵۹۳ سے نقل کی ہے۔ واللہ اعلم۔)

---

[1] یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکان دینا چاہیے۔ جمہور اور احناف کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے۔ (تفسیر حقانی۔ بیان القرآن) اس کی پوری تفصیل کے لیے دیکھیں "بیان القرآن ج ا ص ۱۴۳۔ معارف القرآن ج ا ص ۵۹۱)۔ [2] گزشتہ میں بیان ہو چکا ہے کہ متعہ اس عورت کے لیے ہے جس کو جماع سے پہلے طلاق ہو گئی ہو اور اس کا مہر بھی مقرر نہ ہو (یہ دوسری قسم کی عورت کا حکم ہے) اس کو ایک جوڑا کپڑا دینا متعہ ہے اور اگر ایسی عورت کا پہلے مہر مقرر تھا تو اس کا متعہ آدھا مہر ہے (یہ تیسری قسم کی عورت کا حکم ہے) اب اگر اس آیت سے وہ طلاق والی مراد ہیں۔ جن کے لیے مہر مقرر تھا اور خلوت کے بعد طلاق ہوئی تھی تو اس کا متعہ دینے سے مراد اس کا پورا مہر دینا ہے اور اگر مہر مقرر نہ تھا اور خلوت ہوئی تو اب اس کو مہر مثل دینا اس کا متعہ دینا ہے اگر تو ایسی عورتیں مراد ہیں تو ان کو متعہ دینا واجب ہے جس کی تفصیل ہر ایک کے لیے جدا جدا ہے اور اگر متعہ سے خاص فائدہ مراد ہے جو ایک جوڑا کپڑا ہے تو وہ صرف دوسری قسم کی عورت کو دینا واجب ہے باقی سب کے لیے مستحب ہے اور اگر اس آیت میں متعہ سے مراد نفقہ ہے تو عدت والی طلاق میں واجب ہے خواہ وہ طلاق رجعی کی عدت ہے یا طلاق بائن کی۔ غرض آیت کا مفہوم سب صورتوں کو عام ہے۔" (معارف القرآن ج ا ص ۵۹۱۔ ۵۹۲ بتصرف) [3] یعنی اِنْ وہ حرف شرط ہے جو امور مشکوکہ میں استعمال ہوتا ہے اور اِذَا وہ حرف شرط ہے جو امور یقینیہ میں استعمال ہوتا ہے مثلاً ایتك ان طلعت الشمس "اگر سورج طلوع ہوا تو میں تیرے پاس آؤں گا" کہنا درست نہ ہوگا کیوں کہ سورج کا طلوع ہونا یقینی ہے لہٰذا ایتك اذا طلعت الشمس "جب سورج طلوع ہوگا تو میں تیرے پاس آؤں گا کہنا درست ہوگا۔ (ھدایۃ النحو ص ۱۰۸) یعنی خوف کا ہونا مشکوک ہے جبکہ امن یقینی ہے۔ دوسرے لفظوں میں امن اصل ہے اور خوف عارض اور طاری ہے جو زائل ہو جانے والا ہے اور اس کا وقوع بھی یقینی نہیں اس لیے جب تک فی الواقع وقوع خوف ثابت نہ ہو جائے نمازوں کو مسنون طریقہ شریعت سے ہی ادا کرو۔ واللہ اعلم۔

اور إِذَا شرطیہ کے جواب میں اطناب (یعنی عبارت میں طوالت) کثرت سے ہوتی ہے (جیسا کہ مذکورہ آیت میں بھی فَإِذَآ أَمِنتُمْ شرط کا جواب بمقابلہ فَإِنْ خِفْتُمْ کے جواب کے خاصا طویل ہے۔ اور وہ ہے: فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ۔ واللہ اعلم) کہ (إِنْ اور إِذَا کے جوابوں میں) یہ (فرق) ایسی فصاحت وسلاست (یعنی جزالت) اور لطیف اعتبار کو لیے ہوئے ہے جس میں بصیرت والوں کے لیے عبرت ہے۔[1] (ارشاد العقل السلیم الی مزایا القرآن الکریم ج۱ ص ۱۰۸)

تنبیہ:...... راجح قول کے مطابق صلوٰۃ وسطی یہ نماز عصر ہے کیوں کہ یہ (دن کی دو نمازوں) فجر اور ظہر اور (رات کی دو نمازوں) مغرب اور عشا کے درمیان میں ہے۔ اور اس قول کو صحیحین کی وہ روایت بھی تقویت دیتی ہے (جو غزوۂ احزاب کے متعلق ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: "ان لوگوں نے ہمیں صَلٰوةِ الْوُسْطٰى (یعنی) نماز عصر پڑھنے سے روک دیا اللہ ان کے دلوں اور گھروں کو (جہنم کی) آگ سے بھر دے"۔ (متفق علیہ) اور ایک حدیث میں آتا ہے: "جس کی نماز عصر فوت ہوگئی وہ ایسا ہے گویا کہ اس کے گھر کے لوگ اور مال و دولت سب چھین لیا گیا ہو"۔[2]

جہاد کے چند احکام

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿۲۴۳﴾ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۴۴﴾ مَّن ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً ۚ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۴۵﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِن بَنِي إِسْرَائِيلَ مِن بَعْدِ مُوسَىٰ إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ۖ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِن كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا ۖ قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِن دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا ۖ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۲۴۶﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللّٰهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۴۷﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَن يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿۲۴۸﴾ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيكُم بِنَهَرٍ فَمَن شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَن لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ

وقف لازم

ع

[1] یعنی بصیرت والے ان باریک اعتبارات پر نگاہ رکھتے ہوئے احکام شرعیہ کا پاس ولحاظ رکھتے ہیں۔ نسیم [2] ترجمہ از "فضائل نماز" باب اول، فصل دوم، حدیث نمبر ۴ ص ۳۴ مؤلفہ "شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ" نسیم

اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ
قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ
قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا
رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۵۰﴾ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ۬
وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ
بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ
نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۲﴾

ترجمہ: ......تُو نے ایسے لوگوں کو دیکھا جو موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکلے اور وہ تعداد میں ہزاروں تھے، پھر فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ مر جاؤ، پھر ان کو زندہ فرما دیا، بے شک اللہ ضرور فضل والا ہے لوگوں پر، لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔﴿۲۴۳﴾ اور قتال کرو اللہ کی راہ میں اور جان لو کہ بے شک اللہ سننے والا، جاننے والا ہے۔﴿۲۴۴﴾ کون ہے جو قرض دے اللہ کو قرض حسن، پھر اللہ اُس کے لیے اضافہ فرما دے چند در چند بہت سے اضافے فرما کر، اور اللہ تنگی فرماتا ہے اور کشادہ فرماتا ہے، اور اس کی طرف لوٹا دیے جاؤ گے۔﴿۲۴۵﴾ بھلا تم نے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو نہیں دیکھا جس نے موسیٰ کے بعد اپنے پیغمبر سے کہا کہ آپ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کریں تا کہ ہم خدا کی راہ میں جہاد کریں۔ پیغمبر نے کہا کہ تمہیں جہاد کا حکم دیا جائے تو عجیب نہیں کہ لڑنے سے پہلو تہی کرو۔ کہنے لگے: ہم راہ خدا میں کیوں نہ لڑیں گے حالانکہ ہم نکال دیے گئے ہیں اپنے گھروں سے اور اپنے بیٹوں کے پاس سے، پھر جب ان پر قتال فرض کیا گیا تو پھر گئے سوائے ان میں سے تھوڑے لوگوں کے، اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔﴿۲۴۶﴾ اور کہا ان سے ان کے نبی نے بے شک اللہ نے مقرر فرما دیا تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ وہ کہنے لگے کہ ان کو ہم پر حکمران ہونے کا حق کیسے پہنچتا ہے حالانکہ ہم ان سے زیادہ حکمرانی کے مستحق ہیں اور ان کو مالی گنجائش نہیں دی گئی، ان کے نبی نے کہا کہ بے شک اللہ نے ان کو تم پر حکمرانی کے لیے منتخب فرمایا ہے، اور ان کو علم میں اور جسم میں فراخی عطا فرمائی ہے اور اللہ اپنا ملک جسے چاہے دے اور اللہ وسعت والا ہے علم والا ہے۔﴿۲۴۷﴾ اور کہا ان سے ان کے نبی نے کہ بلاشبہ اس کے حکمران ہونے کی یہ نشانی ہے کہ آ جائے گا تمہارے پاس تابوت جس میں تسکین ہے تمہارے رب کی طرف سے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں ان میں سے جنہیں چھوڑا تھا آلِ موسیٰ اور آلِ ہارون نے جس کو فرشتے اُٹھا کر لے آئیں گے بے شک اس میں ضرور نشانی ہے تمہارے لیے اگر تم ایمان والے ہو۔﴿۲۴۸﴾ اور جب طالوت لشکروں کے ساتھ روانہ ہوئے تو اُنہوں نے کہا بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر کے ذریعہ آزمانے والا ہے، سو جس نے اس میں سے پی لیا وہ مجھ سے نہیں ہے اور جس نے اس میں سے نہ پیا تو وہ مجھ سے ہے سوائے اس شخص کے جس نے اپنے ہاتھ سے ایک چلو پی لیا، پھر تھوڑے سے افراد کے علاوہ سب نے اس میں سے پی لیا پھر جب آگے بڑھے طالوت اور وہ لوگ جو اُن کے ساتھ ایمان لائے تھے تو کہنے لگے کہ آج ہمیں جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے، جو لوگ اللہ کی ملاقات کا یقین رکھتے تھے، وہ کہنے لگے کتنی ہی کم تعداد جماعتیں اللہ کے حکم سے بھاری تعداد والی جماعتوں پر غالب ہو چکی ہیں اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔﴿۲۴۹﴾ اور جب یہ لوگ جالوت اور اس کے لشکروں کے مقابلہ کے لیے نکلے تو عرض کیا کہ اے ہمارے رب! ہم پر صبر ڈال دے اور ہمیں ثابت قدم رکھ، اور کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما۔﴿۲۵۰﴾ سو ان کو شکست دے دی اللہ کے حکم سے اور قتل کر دیا داؤد نے جالوت کو اور اللہ نے ان کو ملک دے دیا اور حکمت عطا فرما دی، اور ان کو جو کچھ چاہا علم دے دیا اور اگر نہ ہوتا اللہ کا دفع فرمانا لوگوں کو بعض کو بعض کے ذریعہ تو زمین میں فساد ہو جاتا اور لیکن اللہ جہانوں پر فضل فرمانے والا ہے۔﴿۲۵۱﴾ یہ اللہ کی آیات ہیں جنہیں ہم آپ پر تلاوت کرتے ہیں اور بلاشبہ آپ پیغمبروں میں سے ہیں۔﴿۲۵۲﴾

ماقبل سے مناسبت:......جب رب تعالیٰ نے خاندان کے احکام کو نظم (وترتیب) اور تفصیل (ووضاحت) کے ساتھ بیان کیا جو افراد خاندان کو ایک دوسرے سے جوڑتے ہیں اور خاندان کی اصلاح فرمائی کہ وہ (معاشرے کی اصلاح کی بنیادی اور پہلی) اینٹ ہے جس سے معاشرے کی عمارت کو مستحکم کیا جاتا ہے اور (معاشرے کی نشوونما کا بنیادی) بیج ہے تو اس کے بعد جہاد کے احکام کو ذکر فرمایا تاکہ (معاشرے کے افراد کے) عقیدہ اور (ان کے) مقدس (مقامات اور رسوم ورواج) کی حفاظت وصیانت ہو اور ایک مسلمان خاندان کے لیے ایک صالح ماحول (کے فراہم کیے جانے) کی ضمانت دی جاسکے جو ایک پاکیزہ زندگی کو (معاشرے میں) شناخت کراتا ہے لہٰذا معاشرے کی اصلاح کے بغیر خاندان کی اصلاح ناممکن ہے اور خاندان کا (وجود و) دوام اور اس کی بقا حق اور اس کے (اعوان و) انصار کی بقا کے ساتھ ہے۔ اسی لیے خدا تعالیٰ نے (جہاد) بالقتال کا حکم دیا اور گزشتہ امتوں سے اس کی مثالیں پیش کیں کہ کس طرح انہوں نے راہ حق میں جہاد کیا اور ایمان رکھنے والی قلیل جماعت کفر وسرکشی کرنے والی کثیر جماعت پر کیسے فتح یاب ہوئی۔ لہٰذا اعتبار باطل کے زیادہ مددگاروں کا نہیں بلکہ اہل حق کے (حق پر) جم جانے کا اور ان کے حق کو لازم پکڑنے اور راہ حق میں جہاد کرنے کا ہے۔

لغت: اُلُوْفٌ:...... یہ الف کی جمع ہے جو (علم صرف میں جمع کے اوزان کے اعتبار سے) جمع کثرت [1] (کا فُعُوْلٌ کا وزن) ہے۔ (جس کا معنی ''کئی ہزار'' ہے جو دس ہزار سے اوپر کے معنی پر دلالت پر ہے) اور اس کا جمع قلت کا وزن (افعال کے وزن پر) آلَافٌ ہے۔ اور (اُلُوْفٌ کا) معنی ''بہت زیادہ'' اور ''ہزاروں ہزار'' ہے۔ **حَذَرَ:** ڈر اور خوف۔ **یَقْبِضُ وَیَبْصُطُ:** قبض کسی شے کو ملانا اور اس پر اکٹھا کرنا۔ مراد کمی کرنا ہے اور بسط اس کی ضد ہے جس سے وسعت (وکشائش) مراد ہے۔ ''ابوتمام'' [2] کہتا ہے:

تعوّد بسط الكفّ حتى لو انّه دعاها لقبض لم تجبه انا مله

''وہ (لوگوں کے سامنے) ہاتھ پھیلانے (اور ان سے مانگنے اور سوال کرنے کا) اس قدر عادی ہو چکا ہے حتیٰ کہ اگر وہ اپنے ہاتھ کو بند ہونے (اور بھینچنے) کی دعوت دے تو اس کی انگلیاں نہ مانیں'' (یعنی اب سوال کرنے کی لت سے جان چھڑانا اس کے بس میں نہیں رہا۔ یہاں بسط اور قبض کو کھولنے اور بند کرنے کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے)۔

اَلْمَلَاِ:......سر برآوردہ لوگ۔ اور ان کا یہ نام اس لیے ہے کہ (ملاء کا معنی بھرنا ہے اور) یہ لوگ (اپنی سرداری اور چودھراہٹ کی وجہ سے) لوگوں کی آنکھوں کو رعب اور جلال سے بھر دیتے ہیں۔ **فَصَلَ:** اپنی جگہ سے جدا ہونا۔ کہا جاتا ہے فَصَلَ عن الموضع یعنی وہ اپنی جگہ سے الگ ہوا اور آگے نکل گیا۔ (علامہ جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا معنی ''روانہ ہونا'' کیا ہے جو ان دونوں معانی کو شامل ہے۔ دیکھیں ترجمہ قرآن ص ۵۱۔)

بنی اسرائیل کی ایک بزدل قوم کا تذکرہ

مُبْتَلِیْکُمْ:......تمہاری آزمائش کرنے والا ہے۔ **یَظُنُّوْنَ:** انہیں یقین ہے، وہ جانتے ہیں۔ (ظن یہاں یقین واذعان اور قطعی علم کے معنی میں ہے) **فِئَۃٍ:** لوگوں کی جماعت۔ اس لفظ کا رھط اور قوم (کے الفاظ) کی طرح مفرد [3] نہیں آتا۔ **اَفْرِغْ:** (یہ) اَفْرَغَ الشَّیَٔ (سے امر ہے جس

---

[1] جمع۔ یہ وہ اسم ہے جو مفرد کے حروف میں کسی قدر تغیر کرنے سے مقصود اکائیوں (یعنی افراد) پر دلالت کرے۔ اس کی کئی طرح سے قسمیں ہیں مثلاً جمع لفظی، جمع تقدیری۔ جمع صحیح، جمع تکسیر، جمع قلت اور جمع کثرت۔ مولف موصوف نے یہاں جمع کثرت کا ذکر کیا ہے یہ وہ جمع ہے جو دس سے زائد افراد پر دلالت کرے۔ اس کے اوزان جمع قلت کے اوزان مثلاً افعل، افعال افعلة اور فعلة کے علاوہ ہیں۔ (هداية النحو ص ۶۵۔۶۷) اس کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیں درایۃ النحو، شرح جامی وغیرہ۔

[2] یہ ابوتمام حبیب بن اوس طائی (۷۸۸۔۸۴۵) عباسی شاعر ہے جو دمشق میں پیدا ہوا اور موصل میں وفات پائی۔ عباسی خلفا کی مدح کی خاص طور پر معتصم کی (تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملائے)۔ وسیع شاعرانہ تخیل میں ممتاز تھا۔ اس کی سب سے اہم یادگار ''الحماسہ'' ہے اس میں اس نے اپنے عہد تک کے اشعار کے موتیوں کو جمع کر دیا تھا۔ اس کا ایک دیوان بھی ہے۔ (المنجد العربی الاعلام ص ۱۷ کالم نمبر ۱)

[3] چوں کہ اس کی واحد نہیں آتی اس لیے اس کو ''جمع'' بھی نہیں کہتے۔ اگرچہ یہ افراد واحاد پر دلالت بھی کرتا ہے۔ (هداية النحو ص ۶۵) اور ایسے لفظ کو جس سے جمع کے معنی ظاہر ہوں اور اس کے لیے اسی مادہ سے مفرد نہ آتا ہو ''اسم جمع'' کہتے ہیں جیسے خیل، قوم، رھط، جیش اور فئة وغیرہ (مصباح اللغات ص ۱۲ کالم نمبر ۲ بتصرف)

کا معنی) انڈیلنا اور اتارنا ہے۔ (اور علامہ جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ ''دہانے کھولنا'' ان دونوں معانی کو شامل ہے۔ دیکھیں ترجمہ قرآن ص ۵۲ نسیم)

بنی اسرائیل کی ایک قوم کا قصہ

تفسیر:...... اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ:۔ یعنی اے محمد! یا اے مخاطب! کیا تیرے کانوں تک اس قوم کا حال نہیں پہنچا جو اپنے وطن سے نکلے جو ہزاروں ہزار تھے۔ حَذَرَ الْمَوْتِ: یعنی موت کے خوف سے اور یہ بھاگ کر (نکلے تھے۔ اس آیت میں) استفہام سے غرض ان کے قصے پر تعجب دلانا اور اس کے سننے کا شوق دلانا ہے۔ (روایات میں آتا ہے کہ) وہ ستر ہزار لوگ تھے۔

فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ: یعنی رب تعالیٰ نے انہیں موت دے کر دوبارہ زندہ کر دیا۔ یہ بنی اسرائیل کی ایک قوم کا قصہ ہے، جن کے بادشاہ نے انہیں جہاد کی دعوت دی تو وہ موت کے ڈر سے بھاگ کھڑے ہوئے تو رب تعالیٰ نے (انہیں موت دے کر) آٹھ دنوں تک انہیں مردہ رکھا پھر ان کے پیغمبر حضرت ''حزقیل'' کی دعا پر انہیں دوبارہ زندگی بخشی۔ اس کے بعد وہ ایک زمانہ تک زندہ رہے۔ (ایک تفسیر اس کی یہ ہے) (اس کی تفسیر میں) ایک قول یہ (بھی) ہے کہ ''وہ طاعون سے بھاگے تھے۔'' علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اس قصہ میں یہ عبرت ہے کہ قضا (وقدر) سے کوئی شئی نہیں بچا سکتی اور خدا (کی تقدیر) سے خدا ہی پناہ دے سکتا ہے۔''

اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ:...... یعنی خدا بندوں پر انعام و احسان فرمانے والا ہے کہ انہیں اپنی روشن نشانیاں اور سچے دلائل دکھلاتا ہے جو ان کی دنیا و آخرت کی سعادتوں کی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ: یعنی اس کی نعمتوں کے شکر گزار نہیں بنتے بلکہ ان کا انکار و تردید کرتے ہیں۔[1] وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ: یعنی دین کی سربلندی کے لیے کفار سے لڑو نہ کہ حظِ نفس اور اپنی خواہش کے لیے اور جان رکھو کہ رب تعالیٰ تمہارے اقوال کو سننے والا اور تمہاری نیتوں اور احوال کو جاننے والا ہے۔ چنانچہ وہ اس پر تمہیں بدلا دے گا اور جس طرح یہ (موت سے) خوف تقدیر سے بچا نہیں سکتا اسی طرح جہاد سے فرار بھی موت کو نہ قریب کرتا ہے اور نہ دور کرتا ہے۔

---

[1] بیان القرآن ج ۱ ص ۱۴۴۔۱۴۵، معارف القرآن ج ۱ ص ۵۹۲۔۵۹۵ میں اور احسن البیان، ج ۱ ص ۳۹۷۔۳۹۸ میں معارف القرآن سے ماخوذ یہ قصہ پوری تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ اور تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۹۵۔۵۹۶ میں اس قصہ کی تفصیلات کے ساتھ ساتھ ''کتاب حزقیل فصل ۳۷'' سے اس قصہ کے شواہد بھی ذکر کیے ہیں سب کا خلاصہ اوپر متن میں آ گیا ہے۔ اس کے چند مندرجات یہ ہیں:

✿...... یہ بنی اسرائیل کا قصہ ہے۔ ✿...... وہ موت کے ڈر سے بھاگے تھے۔ ✿...... اور وہ موت یا تو انہیں طاعون کی صورت میں نظر آ رہی تھی یا وقت کے پیغمبر کے جہاد کی دعوت میں نظر آ رہی تھی۔ ✿...... رب تعالیٰ نے انہیں اور قیامت تک انسانوں کو عبرت دلانے کے لیے طاعون کے ذریعے یا جہاد میں قتل ہو جانے کے ذریعے انہیں موت دے دی۔ ✿...... ایک زمانہ بعد جب ان کی ہڈیاں گل سڑ گئیں بنی اسرائیل کے ایک پیغمبر حضرت حزقیل علیہ السلام وہاں سے گزرے ان کی دعا سے خدا نے انہیں دوبارہ زندگی دی۔

اس قصہ کا عہد اور محل وقوع:...... اس بے علم بندہ کو جو محض ناقل ہے، پوری امید تھی کہ علامہ ماجدی رحمۃ اللہ علیہ اپنی گزشتہ روایت کے مطابق کچھ نہ کچھ ضرور لکھیں مگر وہ یہ ذمہ داری یہ کہہ کر مجھ سے نالائقوں کے سر چھوڑ گئے، کہ ''مفسرین نے مختلف قوموں اور مقاموں کے نام لیے ہیں ممکن ہے ان ہی میں سے کوئی صحیح ہو ممکن ہے کہ ان کے علاوہ کوئی قوم و مقام ہو۔ پوری تحقیق ان شاء اللہ مستقبل میں قرآنیات کا کوئی متعلم کر کے رہے گا کچھ کام آخر آئندہ کے محققین و مفسرین کے لیے بھی اٹھ رہے'' (تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۴۵۰)

محل وقوع:...... ''علامہ بغوی کے بقول یہ واسط کے قریب داوردان نامی گاؤں کا قصہ ہے۔ ابن ابی حاتم نے اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۱ ص ۳۸۶ اردو)'' ''واسط'' یہ کوفہ اور بصرہ کے درمیان عراق کا ایک قدیم شہر ہے جس کو حجاج بن یوسف نے ۷۰۲ء۔ ۷۰۵ء کے درمیان آباد کیا تھا اور اس کو عراق کا صدر مقام ٹھہرایا۔ (المنجد الاعلام العربی ص ۷۰۹ کالم نمبر ۲)۔ اس تفصیل سے یہ قصہ سرزمین عراق کا لگتا ہے۔

عہد:...... یہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ سے پہلے کا قصہ ہے جب فلسطین کے لوگ بنی اسرائیل پر غالب آ گئے تھے پھر یا تو کسی نبی نے انہیں جنگ کے لیے کہا یا شاہان بنی اسرائیل میں سے کسی نے انہیں جنگ کرنے کے لیے کہا اور قابل اعتماد قول یہ ہے کہ یہ حضرت حزقیل علیہ السلام کے عہد کا قصہ تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی مروی ہے اور مقاتل رحمۃ اللہ علیہ اور کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں حضرت حزقیل علیہ السلام کی ہی قوم قرار دیا ہے۔ (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۹۵۔ تفسیر مظہری ج ۱ ص ۳۸۷)

حضرت حزقیل علیہ السلام:...... ان کا پورا نام حزقیل بن بوزی علیہ السلام ہے۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کے تیسرے خلیفہ تھے ...... (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ)

نیکی اور خیر کے کاموں میں خرچ کی ترغیب

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً:......یعنی کوئی ہے کہ جو (راہ خدا میں) خیر کے کاموں میں رب کی رضا کے لیے اور جہاد میں اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے اور دوسرے خیر کے سب راستوں میں اپنا مال خرچ کرے تو اس کا بدلہ یہ ہوگا کہ رب تعالیٰ اس کے دیے قرض حسنہ کو بہت زیادہ بڑھائے گا کیوں کہ (اس نے) یہ قرض سب جہانوں کے پروردگار کو دیا ہے جو سب سے بڑھ کر غنی ہے جس کی ذات بزرگ و برتر ہے۔ حدیث قدسی میں آتا ہے، کہ ''کون ہے جو اس ذات کو قرض دے جو نہ تو مفلس (وتہی دست) ہے اور نہ (ہی) بے انصاف (اور ظالم) ہے (کہ وہ خدا دیے گئے قرض کو نہ صرف پورا پورا دے گا اور دے سکتا ہے بلکہ بہت زیادہ دے گا)۔ (تفسیر ابن کثیر ج۱ ص ۲۲۲)[1]

وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ:......یعنی وہ امتحان و آزمائش کے لیے جس کی چاہے روزی تنگ کردے اور جس کی چاہے روزی کشادہ کردے۔ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ: یعنی قیامت کے دن (تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے) پھر وہ خدا تمہیں (وہاں میدان محشر میں) تمہارے اعمال کا بدلہ دے گا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى: یعنی کیا آپ ﷺ کو اس قوم کی خبر نہیں پہنچی؟ اس آیت میں سننے والے کو تعجب اور شوق دلانا ہے جیسا کہ (گزشتہ آیت میں اس کی تفصیل او پر متن میں) گزر گئی ہے۔ یہ بنی اسرائیل کا قصہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد کا ہے جیسا کہ اس پر یہ (اگلی) آیت دلالت کرتی ہے۔ (ارشاد باری تعالیٰ ہے) اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: یعنی جب انہوں نے اپنے (اس وقت کے) نبی حضرت شمعون علیہ السلام[2] سے جو حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھے، یہ کہا کہ ''آپ ہمارے لیے ایک امیر مقرر کردیجیے اور اسے ہمارا قائد ٹھہرا دیجیے تاکہ ہم اس کی معیت میں راہ خدا میں (خدا کے) دشمنوں سے لڑیں۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)......حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور مقاتل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہی ذوالکفل ہیں اور ان کا یہ نام اس لیے بڑھ گیا تھا کہ انہوں نے ستر ۷۰ نبیوں کی کفالت کی اور انہیں قتل ہونے سے بچایا۔ (تفسیر مظہری، ج۱ ص ۳۸۷)

''المنجد'' میں انہیں چار بڑے اسرائیلی پیغمبروں میں ایک قرار دیا گیا ہے ان کا عہد ۵۹۳-۵۷۱ ق م ہے۔ یروشلم کے سقوط کے بعد ۵۸۶ ق م میں انہوں نے اپنی قوم کو دوبارہ مستحکم ہونے پر ابھارا۔ (المنجد الاعلام العربی ص ۲۲۰ کالم نمبر ۱) اس لحاظ سے شاید یہ ۵۹۳ اور ۵۸۶ ق م کے دوران کا قصہ لگتا ہے۔ واللہ اعلم

طاعون اور جہاد سے فرار کی بحث:......مفسرین نے اس مقام پر طاعون اور طاعون زدہ علاقے کے احکام کی بحث کو چھیڑ دیا جس کی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے اس کو کتب فقہ میں دیکھ لیا جائے۔ بیان القرآن۔ معارف القرآن وغیرہ میں بھی اس پر سیر حاصل بحثیں لکھیں۔ جہاد سے فرار ہونے کی قباحت خود عیاں ہے۔

مرکر دوبارہ زندہ ہونا:......مرکر دوبارہ زندہ کردینا خدا کی قدرت سے باہر نہیں۔ اس کا انکار صرف دہریوں، ملحدوں اور معتزلہ وغیرہ نے کیا ہے۔ یہ محال عقلی نہیں بلکہ بطور خرق عادت کے معجزہ تھا۔ (تفسیر حقانی ج۱ ص ۵۹۶) اور یہ ''تناسخ'' بھی نہیں تھا کیوں کہ ان کو دوبارہ زندگی جزا وسزا کے لیے نہ دی گئی تھی اور یہ ''مسخ'' بھی نہ تھا کیوں کہ مسخ کیے جانے والوں کو موت نہیں دی جاتی اور جن آیات میں مرکر دوبارہ زندہ ہونے کی نفی آتی ہے اس سے مراد سنت الٰہیہ ہے جب کہ یہاں انہیں خرق عادت اور معجزہ کے طور پر زندہ کیا گیا تھا۔ (بیان القرآن ج۱ ص ۱۴۵۔ ملخصاً)

تناسخ:......یہ قدیم ہندوستانی اقوام کا عقیدہ تھا جو آخرت کے منکر تھے۔ ان کے نزدیک اچھے برے اعمال کی سزا دنیا میں ہی مل جاتی ہے وہ یوں کہ نیک شخص کی روح کو مرنے کے بعد زیادہ اعلیٰ جسم میں منتقل کردیا جاتا ہے تاکہ وہ خوب آرام پائے اور برے شخص کی روح کو نچلے درجے کے جسم میں منتقل کردیا جاتا ہے تاکہ وہ خوب ذلیل و بے آرام ہو۔ جب کہ اسلام میں اس کے بالمقابل مرنے کے بعد جزا وسزا کا عقیدہ ہے (القاموس الوحید ص ۱۶۴۰ کالم نمبر ۲ بتصرف)

حرف آخر:......جناب سرسید احمد خان صاحب نے یہاں بھی سرکار انگریز کی اشیر باد کی لاج رکھتے ہوئے روح قرآن کی دھجیاں اڑانے کی نامسعود نا مبارک کوشش کرکے سلطنت برطانیہ کے روبرو سرخرو ہونا چاہا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں، کہ ''یہاں موت سے بزدلی اور نامردی مراد ہے اور ''زندہ کرنے'' سے دل کی قوت اور لڑنے پر آمادگی مراد ہے۔ اور قصہ حزقیل فرض اور غلط ہے جس کو ہمارے مفسرین نے غلطی سے اس آیت پر چسپاں کرنے کی کوشش کی ہے۔'' (ص ۲۷۲۔ بحوالہ تفسیر حقانی ج۱ ص ۵۹۶) ''نسیم''

(حاشیہ صفحہ ہذا)......[1] علامہ ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث قدسی نقل کی ہے۔ ''مؤلف'' [2] مقاتل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''حضرت شمعون علیہ السلام بنی اسرائیل کے ایک نبی تھے۔'' مؤلف

قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا: یعنی ان کے نبی نے انہیں کہا کہ "مجھے خدشہ ہے کہ تم پر جہاد فرض کر دیا جائے پھر تم اپنے دشمنوں سے (کہ دراصل خدا کے بھی دشمن ہیں) نہ لڑو اور تم ان کا سامنا کرنے سے کنارہ کشی کرو۔

قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا: یعنی (بھلا) ہمارے دشمن کے ساتھ نہ لڑنے کا کیا سبب ہوسکتا ہے جب کہ ہم سے ہمارے وطنوں کو بھی چھین لیا گیا اور ہماری اولادوں کو قیدی بنالیا گیا؟ (ان کی اس بات پر) رب تعالیٰ ان کی طبعی بزدلی اور بے حوصلگی کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ: یعنی جب ان پر قتال فرض کیا گیا تو اکثروں نے جہاد کرنے سے انکار کر دیا سوائے چند اشخاص کے کہ وہ صبر کیے رہے اور جمے رہے، اور یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے طالوت کے ساتھ نہر کو عبور کیا تھا۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "یہ اس امت کا حال ہے جو ناز و نعم میں پلی تھی اور راحت پسند تھی انہوں نے راحت کے دنوں میں جنگ کی تمنا کی تھی پھر جنگ (سر پر) آ گئی تو بزدلی کا مظاہرہ کیا اور اپنے نفسوں کی اطاعت کی۔" (تفسیر قرطبی ج۳ ص ۲۴۵)

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ:...... یہ ان کے ظلم پر انہیں وعید ہے کیوں کہ انہوں نے خدا کی نافرمانی کرتے ہوئے جہاد کو ترک کر دیا تھا۔ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا: یعنی ان کے نبی نے انہیں خبر دی کہ رب تعالیٰ نے ان پر طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے تاکہ وہ اس کی امارت میں جنگ کی تدبیر کریں۔

طالوت کی امارت

رب تعالیٰ نے طالوت کو ان کا امیر بنایا ہے۔ قَالُوْا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ: یعنی ان لوگوں نے اپنے نبی پر اعتراض کرتے ہوئے کہ اسے ہم پر بادشاہی کرنے کا حق کیونکر ہوسکتا ہے جب کہ بادشاہی کے زیادہ مستحق تو ہم ہیں کیوں کہ ہم میں بادشاہوں کی اولادیں بھی ہیں جب کہ وہ ایک تنگ دست غریب آدمی ہے تو بھلا وہ ہمارا بادشاہ کیسے ہوسکتا ہے؟ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ: یعنی پیغمبر نے ان کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ "اسے خدا نے تمہارا امیر چنا ہے اور وہ اپنی مصلحتوں کو تم سے زیادہ جانتا ہے اور (کسی کو) منتخب کرنے میں (جن صفات کا لحاظ کیا جاتا ہے وہ) دو عمدہ باتیں ہیں۔ (ایک تو) علم تاکہ اس کے ذریعہ وہ امور سیاست کی معرفت میں دستگاہ حاصل کر سکے اور دوسرے جسمانی قوت تاکہ دلوں میں اس کی ہیبت (اور رعب) بیٹھے اور وہ دشمنوں کا مقابلہ کر سکے اور مصائب (وشدائد) کو جھیل سکے اور خدا نے اس کو ان دونوں باتیں خاص طور پر فرمائی ہیں۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہاں سے (واضح اور) معلوم ہوا کہ بادشاہ کو صاحب علم، خوبرو اور زبردست بدنی قوت کا مالک ہونا چاہیے۔[1]
(مختصر تفسیر ابن کثیر ج۱ ص ۲۲۴)

وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ:...... یعنی خدا اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے وراثت اور مال کے بغیر بادشاہت عطا فرمائے۔ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ: یعنی وہ بڑے فضل والا ہے اور جانتا ہے کہ بادشاہت کا اہل کون ہے چنانچہ اس کو بادشاہت عطا کرتا ہے[2] پھر جب قوم نے وہ نشانی مانگی جو رب تعالیٰ

---

[1] تالمود میں (جو توریت کے بعد مقدس ترین صحیفہ یہود ہے) ہے کہ "خداوند تبارک وتعالیٰ اپنی سکینت کا نزول صرف اس شخص پر کرتا ہے جو دانشمند مضبوط، متمول اور دراز قامت ہو Evcrymains Talamud p.128 بحوالہ تفسیر ماجدی ج۱ ص ۴۵۸)

[2] جن بنی اسرائیل کا یہ قصہ ہے انہوں نے خدا کے احکام کو چھوڑ دیا تھا جس کی پاداش میں خدا نے کفار عمالقہ کو ان پر مسلط کر دیا تھا اس وقت ان لوگوں کو اپنی اصلاح کی فکر ہوئی۔ ان کے پیغمبر کا نام شموئیل تھا۔ (بیان القرآن ج۱ ص ۱۴۶) عمالقہ کا بیان گزشتہ میں ہو چکا ہے اور متن میں مقاتل کی راویت سے ان نبی کا نام حضرت شمعون علیہ السلام بتلایا گیا۔ تفسیر حقانی، بیان القرآن، معارف القرآن۔ احسن البیان اور تفسیر ماجدی وغیرہ میں شموئیل علیہ السلام لکھا ہے۔

"حضرت شموئیل ملک شام قدیم میں ایک کوہستانی علاقہ افرائیم کے شہر رامہ میں رہتے تھے آپ علیہ السلام کا عہد ۱۰۰۰ ق م تک تھا۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تین صدی بعد اور حضرت داؤد علیہ السلام سے کچھ ہی قبل کا قصہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تخمیناً گیارہ سو سال پہلے کا ہے۔ بنی اسرائیل ان دشمنوں کے ہاتھوں جنگ میں مغلوب تھے توریت کے مطابق آپ اس وقت بوڑھے تھے اور آپ علیہ السلام کے صاحبزادوں میں امارت وسرداری کی صلاحیت نہ تھی تو قوم کی درخواست پر (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ)

کے طالوت کو چننے پر دلالت کرے تو رب تعالیٰ نے انہیں یہ جواب دیا: وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ : یعنی اس کے تم پر امیر بنائے جانے اور تم پر انتخاب (کر کے امیر مقرر کرنے) کی نشانی (یہ ہے کہ) أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ: یعنی رب تعالیٰ تمہیں تمہارا وہ تابوت لوٹا دیں گے جو تم سے چھین لیا گیا تھا (یعنی جالوت اس کو چھین کر لے گیا تھا)۔ علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ کے بقول "یہ تورات کا وہ صندوق تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب جہاد میں قتال کے لیے نکلتے تھے تو اس کو آگے رکھتے تھے (اس کی روحانی تاثیر یہ ہوتی تھی کہ) وہ بنی اسرائیلیوں کے دلوں کو ڈھارس دیتا تھا اور وہ (میدان جہاد سے) فرار نہ ہوتے تھے۔" فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ: یعنی اس تابوت میں سکون واطمینان اور وقار ہوگا اور اس میں حضرت موسیٰ وحضرت ہارون علیہما السلام کے کچھ تبرکات بھی ہوں گے مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا، آپ کی لاٹھی، اور تورات کی بعض تختیاں تھیں جن پر تورات لکھی تھی اور اس کو فرشتوں نے اٹھایا ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ (اس آیت کی تفسیر میں) فرماتے ہیں: "فرشتے اس تابوت کو زمین وآسمان کے بیچ میں اٹھائے ہوئے آئے حتیٰ کہ اس کو (زمین پر) طالوت کے سامنے رکھ دیا اور سب لوگ یہ منظر (اپنی آنکھوں سے) دیکھ رہے تھے۔ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ: یعنی اس تابوت کے اتارنے میں ایک واضح نشانی تھی کہ رب تعالیٰ نے طالوت کو چن لیا ہے تا کہ وہ تم پر امیر رہے۔ [۱] اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھنے والے ہو تو (یہ تابوت [۲] تمہارے لیے ایک صاف نشانی ہے)۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)...... انہوں نے طالوت کو ان کا امیر مقرر کیا۔ (تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۴۵۴۔ تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵۹۹)

حضرت شموئیل علیہ السلام سے پہلے کوئی بادشاہ نہ ہوتا تھا کاہن وغیرہ قوم کے فیصلے کرتے۔ بنی اسرائیل کو ان کی نافرمانیوں کی پاداش میں دشمنوں کے ہاتھوں مغلوب کیا جاتا۔ پے در پے انبیائے کرام کی نافرمانیوں، بت پرستیوں اور زنا کاریوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ بالآخر جالوت بادشاہ نے بنی اسرائیل کو مار بھگایا تب وہ سارے بیت المقدس میں یا رامہ میں جمع ہوئے اور حضرت شموئیل علیہ السلام سے ایک امیر (بادشاہ یہاں امیر کے معنی میں ہے) مقرر کرنے کی درخواست کی جس پر انہیں جہاد کی فرضیت کا حکم ملا۔ اور جن قوموں نے اسرائیلیوں پر بے پناہ یورشیں کر کے ان کو بے اندازہ تاراج کر رکھا تھا وہ فلسطینی تھے۔ اس کی تفصیلات قدیم اسرائیلی مورخ "جوزیفس" کے صفحات اور دوسری قدیم یہودی تاریخوں میں ملتی ہیں۔ (تفسیر حقانی۔ تفسیر ماجدی۔ احسن البیان)

طالوت:...... یہ طالوت بن کش ہیں جو بنی اسرائیل کے پہلے بادشاہ تھے ان کا دور حکومت ۱۰۲۸ ق م سے لے کر ۱۰۱۲ ق م تھا۔ تورات میں ان کا ساؤل (SAUL) آیا ہے۔ دراصل طالوت ان کا لقب تھا اور ساؤل نام تھا۔ آپ بنیامین کی اولاد تھے۔ آپ کا خاندان مطری کہلاتا تھا اور آپ کے والد کا نام قیس (یا کش) تھا اور شہر جبعہ کے رہنے والے تھے۔ تورات میں اس کا حلیہ یوں درج ہے، "زبردست جوان اور بنی اسرائیل میں بے مثل خوبصورت تھا۔ ساری قوم میں کاندھے سے لے کر اوپر تک ہر ایک سے اونچا تھا۔ (ایموئیل ۹:۱۰)۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر ماجدی ج ۱ ص "۴۵۶"۔ "۴۵۸" تفسیر حقانی ج ۱ ص ۶۰۲۔ ۵۹۹ و) نسیم

[۱] ملک سے یہاں مراد امیر جیش یا سالار لشکر لیا گیا ہے اور یہی سیاق کے مطابق ہے۔ اور اردو میں رئیس وامیر کے الفاظ اور سرحدی قبیلوں میں خان کا لفظ ملک کا مرادف ہے۔ (تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۴۵۴۔ ۴۵۵) نسیم۔ [۲] تابوت سکینہ:...... اس خاص صندوق کا اصطلاحی نام "تابوت سکینہ" ہے اس کا ایک نام "خداوند کا صندوق" بھی ہے یہ بنی اسرائیل کا اہم ترین قومی وملی ورثہ تھا۔ اس کے اندر اصل نسخہ تورات مع تبرکات انبیا محفوظ تھا۔ اسرائیلی اس کو انتہائی برکت وتقدیس کی چیز سمجھتے تھے اور اس کا بڑا احترام کرتے تھے، سفر وحضر، امن وجنگ ہر حال میں اس کو ساتھ رکھتے تھے علمائے یہود کی تحقیق کے مطابق اس کی پیمائش یہ تھی: طول ۲/۱۔ ۲۔ فٹ، عرض ۲/۲۱/۱۔۱ فٹ اور اونچائی ۲/۱۔ ۱فٹ۔ بنی اسرائیل اپنی ساری خوش بختی اسی سے وابستہ سمجھتے تھے۔ جالوت جب بنی اسرائیل پر غالب آیا تو اس صندوق کو ساتھ لے گیا۔ فلسطینی ایک مدت تک اس کو چھینے رہے۔ اسرائیلی اس کو اپنے حق میں انتہائی نحوست اور بدطالعی سمجھتے ہوئے اس کی واپسی کے لیے بڑے بے تاب مضطرب رہتے تھے۔

جب رب تعالیٰ کو اس صندوق کا واپس پہنچانا منظور ہوا تو اس کا سامان یہ کیا کہ چھیننے کو فلسطینی تو یہ صندوق چھین لے گئے لیکن جب سے چھین لائے اس دن سے چین نہ پایا۔ وہ اس صندوق کو جہاں بھی رکھتے وہیں سخت وبائیں اور بلائیں نازل ہوتیں آخر عاجز آ کر اس کو ایک بیل گاڑی پر لاد کر اس کو ہانک دیا کہ اس کا کوئی گاڑی بان نہ تھا۔ فرشتے اس گاڑی کو ہانک کر سیدھا بنی اسرائیل کے صوبہ یہودا کے شہر "بیت شمس" میں لے آئے۔

طالوت کے وقت میں یہ تابوت واپس آ جانے کے بعد تاریخ کا بیان ہے کہ بنی اسرائیل کے قبضہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام (متوفی ۹۳۳ ق م) تک رہا۔ اور آپ علیہ السلام نے بیت المقدس میں ہیکل سلیمانی کی تعمیر کے بعد اسی میں اس کو بھی رکھ دیا تھا اس کے بعد سے اس کا پتہ نہیں چلتا۔ یہود کا عام خیال یہ ہے کہ یہ تابوت اب بھی ہیکل سلیمانی کی بنیادوں میں دفن ہے۔" (تفسیر ماجدی۔ ص ۴۵۹۔ ۴۶۰ ج ۱، بیان القرآن ج ۱ ص ۱۴۷، تفسیر حقانی ج ۱ ص ۶۰۴ بتصرف)

"بنی اسرائیل تابوت کی یہ نشانی طالوت کے دروازے پر دیکھ کر ان کی بادشاہت پر یقین لے آئے اور طالوت کے ساتھ مل کر جالوت پر فوج کشی کر دی جس کا مفصل قصہ اگلی آیات میں آ رہا ہے۔ وہ موسم نہایت گرم تھا۔ (معارف القرآن ج ۱ ص ۶۰۷ بتصرف)

جالوت کے خلاف طالوت کا جہاد

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ:......یعنی جب طالوت فوجیں لے کر نکلا اور بیت المقدس سے جدا ہو کر آگے نکل گیا۔ ان کی تعداد اسی ۸۰ ہزار تھی۔ ایک چٹیل میدان میں انہیں شدید گرمی اور سخت پیاس کا معاملہ پیش آیا۔[1] قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ: یعنی رب تعالیٰ تمہارا ایک نہر کے ذریعے امتحان لینے والا ہے۔ یہ اردن اور فلسطین کے درمیان مشہور ''نہر شریعت'' ہے۔ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ: یعنی جو اس میں سے پیے گا میرے ساتھ نہیں (تصور) ہوگا انہوں نے اس بات کے ذریعے جنگ کے دن میں گھسنے سے پہلے ان کے عزم و ارادہ اور اطاعت و فرمانبرداری کا امتحان لینا چاہا تھا۔ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ: یعنی جو اس میں سے نہ تو پیے گا اور نہ چکھے گا تو وہ میرے ان سپاہیوں میں سے ہوگا جو میرے ساتھ (دشمنوں کے مقابلے میں جم کر سینہ ٹھونک کر) لڑیں گے۔ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ: البتہ جو اس میں سے چلو میں تھوڑا سا پانی لے لے گا تاکہ اس سے اپنے لبوں کو تر کرلے اور (حلق میں کانٹوں کی طرح چبھتی) پیاس کو (صرف) بجھالے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ طالوت نے انہیں پانی کی (چند) چسکیاں لینے کی اجازت دی تھی تاکہ پیاس جاتی رہے۔ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ: یعنی سوائے معدودے چند اشخاص کے جنہوں نے پیاس پر صبر سے کام لیا سارے لشکریوں نے پانی پی لیا۔[2] سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اس دریا سے چھہتر ۷۶ ہزار لشکریوں نے پانی پی لیا تھا اور طالوت کے ساتھ (صرف) چار ہزار باقی رہ گئے تھے۔ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ: یعنی جب طالوت نے ان لوگوں کے ساتھ دریا کو عبور کرلیا جنہوں نے پیاس اور (سفر کی) تھکاوٹ پر صبر کیا تھا اور انہوں نے دشمنوں کی کثیر تعداد دیکھی تو انہیں خوف لاحق ہوگیا تو ان میں سے ایک فریق کہنے لگا۔[3] قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ: یعنی ہمیں دشمنوں کے لشکر اور ان کے قائد و سردار جالوت کے ساتھ لڑنے کی قدرت نہیں کیوں کہ ہم تھوڑے ہیں اور وہ بہت زیادہ ہیں۔ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ: یعنی جن لوگوں کو خدا کے روبرو (روز قیامت) حاضر ہونے کا اعتقاد تھا، یہ طالوت کے پیروکاروں میں سے برگزیدہ نیکوکار اور علمائے بزرگوار تھے، (وہ کہنے لگے کہ) كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ: یعنی بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک تھوڑی سی جماعت رب تعالیٰ کے ارادۂ و مشیئت سے ایک بڑی جماعت پر غالب آجاتی ہے کیوں کہ فتح تعداد کی زیادتی سے نہیں ہوتی بلکہ فتح خدا کے ہاں سے (اس کی مدد نصرت اور اس کے حکم سے) ہوتی ہے۔

---

[1] طالوت کا دریا:......اس سے مراد دریائے جورڈن (JORDAN) ہے، یہ کچھ زیادہ بڑا نہیں اس کی براہ راست لمبائی تو ۶۵ میل ہے البتہ اس کے پیچ و خم ملا کر کوئی ۲۰۰ میل لمبا دریا بن جاتا ہے۔ فلسطین میں اہم ترین دریا یہی ہے یہ ایک طرح سے ملک کی قدرتی سرحد ہے اس دریا کے دونوں طرف علاقوں کی تقسیم خود تورات میں درج ہے۔ اس کا بہاؤ شمال سے جنوب کی جانب ہے۔ یہ بحر جلیل اور بحر طبریہ سے ہوتا ہوا بحر مردار (DEAD SEA) میں جا گرتا ہے۔ اس کا پانی شروع میں تو صاف شفاف شیریں ہے لیکن آخر میں جا کر گدلا، گندا، بوبودار اور مضر صحت ہوجاتا ہے۔'' (تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۴۶۰۔۴۶۱) نسیم

[2] تاریخ و تفسیر کی کتابوں میں ''سدی'' نام کے دو صاحب معروف ہیں لیکن تفسیر کی کتابوں میں جب صرف سدی لکھا جاتا ہے تو اس سے مراد ابو محمد اسماعیل بن عبدالرحمٰن بن ابی کریمۃ السدی الکوفی (متوفی ۱۲۷ھ) ہوتے ہیں جن کو ''سدی کبیر'' بھی کہا جاتا ہے۔ ان کو سدی کہنے کی وجہ یہ ہے کہ کوفہ کی جامع مسجد کے دروازے پر ایک چبوترہ سا تھا یہ اس پر بیٹھ کر اوڑھنیوں کی تجارت کیا کرتے تھے دروازے کے ایک ایسے چبوترے کو عربی میں ''سدۃ'' کہتے ہیں اس لیے ان کو ''سدی'' کہا جانے لگا۔ تفسیر قرآن کی درس و تدریس کا خاص ذوق تھا اس لیے تفسیروں میں ان کے اقوال و روایات کثرت سے نقل ہیں۔ محققین نے ان کی تائید بھی کی ہے اور ان پر جرح بھی کی ہے۔ ان متضاد اور مختلف آرا و اقوال کا خلاصہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نکالا ہے، کہ صدوق یهم ورمی بالتشیع ''وہ سچے ہیں مگر ان کو روایت میں وہم ہوجاتا ہے اور ان پر تشیع کا بھی الزام ہے۔'' محدثین کی اصطلاح میں صدوق کا لفظ اس شخص کے لیے بولا جاتا ہے جو جھوٹا تو نہ ہو لیکن اس کا حافظہ بھی معیاری نہ ہو لہٰذا ان کی صحیح حیثیت یہ ہے کہ قوت حافظہ کے اعتبار سے یہ محدثین کے معیار پر پورے نہیں اترتے دوسرے ان پر شیعہ ہونے کا بھی الزام ہے لیکن ان کو ''کذاب'' صرف امام جوزجانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے'' (علوم القرآن ص ۴۸۵۔۴۸۸ ملخصاً) نسیم۔

[3] جالوت:......یہ فلسطینیوں کے لشکر کا بڑا مشہور سردار تھا جو بڑے تن و توش کا پہلوان تھا انسان کیا تھا گویا دیوزاد تھا۔ تورات میں اس کی قد و قامت، جسامت، شہ زوری، اس کے ہتھیار اور اس کی مبارزت کا تفصیلی ذکر موجود ہے۔ ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا قد ۱۰ فٹ تھا، بجز چہرہ کے سر سے پیر تک آہن پوش رہتا تھا اور صرف اس کے سر کا وزن کوئی تین من کا تھا۔'' (تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۴۶۲) نسیم

وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ: ......یعنی رب تعالیٰ ان (صبر کرنے والوں) کے ساتھ اپنی حفظ و رعایت اور (نصرت و) تائید کے ساتھ ہوتا ہے اور جس کے ساتھ خدا ہو جائے تو خدا کی قدرت سے فتحیاب وہی ہوتا ہے۔"[1] وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ: یعنی جب وہ کھلی فضا میں (ایک وسیع میدان میں) جالوت کے اس لشکر جرار کے سامنے نکلے جو زبردست جنگی مہارت رکھتا تھا۔

قومِ طالوت کی تین دعائیں

قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا: ......یعنی ان لوگوں نے رب کے حضور عاجزی وزاری کے ساتھ تین دعائیں مانگیں جو فتح کے اسباب کے ادراک کا فائدہ دیتے ہیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے پہلے یہ دعا کی: اے رب! ہم پر صبر کے دہانے کھول دے جو پوری ہماری فوج کو شامل ہو اور خاص ہمارے دلوں کو بھی شامل ہوتا کہ ہم (اور ہمارے دل) دشمن کے ساتھ قتال کرنے پر مضبوط ہو جائیں۔ (اور دوسری دعا انہوں نے یہ مانگی) وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا: یعنی ہمیں میدان جنگ میں جمادے اور ہمارے دلوں میں بھاگنے (کے خیال) کو راہ نہ دے۔ وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ: یعنی ہمیں ان لوگوں پر فتح دے جنہوں نے تیرے ساتھ کفر کیا اور تیرے رسول کو جھٹلایا۔ یہ (کفر و تکذیب کے مرتکب لوگ) جالوت اور اس کے لشکری تھے۔ یہ ان کی تیسری دعا تھی۔[2] رب تعالیٰ ان (کی فتح) کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

جالوت کو شکست

فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ: ......یعنی رب تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول فرمایا جس (کی برکت) سے انہوں نے خدا تعالیٰ کی نصرت و تائید سے جالوت کے لشکر کو شکست دی اور ان کا دشمن (اپنی) کثرت کے باوجود شکست سے دوچار ہوا۔ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ: حضرت داؤد علیہ السلام[3] (اس وقت) طالوت کے ساتھ مؤمنین کے لشکر میں تھے انہوں نے جالوت کو جو سرکشی کا سرغنہ تھا قتل کر دیا جس سے اس کا لشکر شکست کھا (کر بھاگ) گیا۔

---

[1] ایسے مواقع پر جوش و خروش میں بھیڑ بھڑکا بہت ہو جایا کرتا ہے اور ہوس سے سب چلنے کو تیار بھی ہو جاتے ہیں مگر وقت پر جمنے والے کم ہوتے ہیں اور اس وقت ایسے کا اکھڑنا باقی لوگوں کو بھی اکھاڑ دیتا ہے اس لیے خدا تعالیٰ نے امتحان لے کر ان کو علیحدہ کرنا چاہا تاکہ صرف جفاکش اور بہادر ساتھ رہیں۔ روح المعانی میں ابن ابی حاتم کی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس لشکر میں تین قسم کے لوگ تھے ناقص الایمان جو امتحان میں ناکام ہو گئے۔ کامل جو امتحان میں تو پورے اترے مگر قلت تعداد کی فکر دامن گیر ہوئی اور اکمل الایمان جنہیں یہ فکر بھی نہ تھی" (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۴۸ ملخصاً) "طالوت کے ساتھ صرف ۳۱۳ رہ گئے تھے باقی سب جدا ہو گئے جنہوں نے ایک چلو سے زیادہ پانی نہ پیا ان کی پیاس بجھ گئی اور جنہوں نے زیادہ پیا ان کی پیاس اور بڑھ گئی اور آگے نہ چل سکے" (تفسیر عثمانی ص ۵۲ ف ج ۱)

[2] اس دعا کی ترتیب بڑی پاکیزہ ہے کہ غلبہ کے لیے چوں کہ ثابت قدمی کی ضرورت ہے اس لیے پہلے اس کی دعا کی اور ثابت قدمی کا مدار ثبات قلب پر ہے اس لیے اس سے پہلے ثبات قلب کی دعا کی۔ (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۴۸) نسیم [3] یہ رب تعالیٰ کے ایک جلیل القدر پیغمبر داؤد بن عیسیٰ بن عوبید (۱۰۲۴ ق م تا ۹۶۳ ق م) ہیں۔ قرآن کریم میں یہ پہلا مقام ہے جہاں آپ علیہ السلام کا ذکر آیا ہے۔ قرآن کریم میں آپ علیہ السلام کا کل ذکر سولہ مرتبہ آیا ہے۔ اس وقت آپ علیہ السلام طالوت کی فوج میں محض ایک نوجوان کی حیثیت سے شامل تھے اور ابھی تک نبوت سے سرفراز نہ ہوئے تھے اور نہ ہی آپ علیہ السلام اس وقت ملک و سلطنت کے مالک تھے۔ آپ علیہ السلام اپنے والد اور چھ بھائیوں سمیت اس جنگ میں شریک ہوئے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو راہ میں تین پتھر ملے تھے جنہوں نے کہا تھا کہ ہم جالوت کو قتل کریں گے تم ہمیں ساتھ لے لو، جنگ کے وقت حضرت شموئیل نے حضرت داؤد علیہ السلام کے والد کو اپنے بیٹے لانے کو کہا انہوں نے اپنے چھ قدآور بیٹے سامنے کر دیے اور حضرت داؤد علیہ السلام چوں کہ بکریاں چراتے تھے اور ان کا قد بھی چھوٹا تھا اس لیے ان کو پیش نہ کیا۔ پیغمبر شموئیل نے انہیں بلوا کر پوچھا کہ کیا تم جالوت کو قتل کرو گے۔ انہوں نے کہا ہاں میں اسے ماردوں گا پھر جالوت کے سامنے گئے اور انہی تینوں پتھروں کو فلاخن میں رکھ کر مارا۔ جالوت اس وقت لوہے میں ڈوبا تھا اس کا صرف ماتھا کھلا تھا وہ تینوں پتھر اس ماتھے میں گھس کر اس کا بھیجا اڑا کر دوسری طرف نکل گئے جالوت کے مرتے ہی لشکر بھاگ کھڑا ہوا اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہو گئی۔ طالوت نے اپنی بیٹی آپ کے نکاح میں دے دی جس کا نام "میکل" تھا۔ کتاب اول سموئیل کی روایت میں ہے کہ جب جالوت گرا تو آپ علیہ السلام نے اس کی تلوار سے ہی اس کا سر کاٹ دیا اور اس کو لے کر یروشلم آئے۔ (تفسیر عثمانی ص ۵۲ ف ۲، تفسیری ماجدی ج ۱ ص ۴۶۴، تفسیر حقانی ج ۱ ص ۶۰۳)

علامہ حقانی رحمۃ اللہ علیہ نے ص ۶۰۱ تا ۶۰۳ میں اس واقعے کو پورے تفصیلی پس منظر کے ساتھ نقل کیا ہے اور عیسائیوں کے چند شبہات کا مدلل رد بھی کیا ہے۔

حضرت شموئیل علیہ السلام، تابوت سکینہ، طالوت و جالوت کی جنگ اور حضرت داؤد علیہ السلام کے تفصیلی احوال کے لیے دیکھیں "قصص القرآن ج ۲ ص ۷۳۔۹۷)

"فلاخن یا فلاسنگ یہ فارسی زبان کا لفظ ہے یہ گوپھن یعنی رسی کے اس پھندے کو کہتے ہیں جس میں پتھر رکھ کر مارتے ہیں" "فیروز اللغات اردو ص ۹۳۷ کالم نمبر ۱۔"

وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ:......یعنی رب تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو بادشاہت اور نبوت عطا فرمائی اور ان پر علم نافع کا فیضان فرمایا۔ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "طالوت نے آپ علیہ السلام کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ اگر آپ علیہ السلام جالوت کو قتل کر دیں گے تو وہ اپنی (چھوٹی) بیٹی (میکل) کا نکاح آپ علیہ السلام کے ساتھ کر دے گا اور انہیں اپنا نصف مال دے گا اور آپ علیہ السلام کو اپنی حکومت (یعنی بادشاہت) میں شریک کرے گا۔ چنانچہ (جب آپ علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر دیا تو) اس نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ چنانچہ بعد میں بادشاہت حضرت داؤد علیہ السلام کو مل گئی اس کے ساتھ ہی رب تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو نبوت سے بھی سرفراز فرمایا۔[1] وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ: یعنی اگر خدا نیکوکاروں کے جہاد کے ذریعے شریروں اور مفسدوں کے شر کو دور نہ فرماتے تو زندگی برباد ہو جاتی، کیوں کہ شر جب غالب ہو جاتا ہے تو (سوائے) بربادی اور خرابی (کے اور کوئی چیز نہیں) رہ جاتی ہے۔ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ: یعنی وہ خدا بندوں پر فضل و انعام فرمانے والا ہے کیوں کہ بندہ (ان شرور پر) غالب نہیں آ سکتا ہے (اللہ ہی ان کو دبا کر بندوں پر رحم فرماتے ہیں)۔

ثبوتِ رسالت

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ:......یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! یہ جو بنی اسرائیل میں ہونے والے عجیب و غریب قصے اور باتیں ہم نے آپ کو سنائیں ہیں یہ رب کی نشانیاں ہیں اور یہ رب تعالیٰ کا آپ کو غیب کی ان باتوں کا خبر دینا ہے جن کی رب تعالیٰ نے جبرائیل امین کے ذریعے آپ کو وحی[2] فرمائی ہے (کہ یہ سب باتیں سچی اور برحق ہیں)۔ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ: بے شک اے محمد! آپ بھی خدا تعالیٰ کے ان پیغمبروں میں سے ہیں جن کو رب تعالیٰ نے خدا (کے دین) کی تبلیغ کے لیے بھیجا۔[3]

بلاغت: ......علامہ ابو حیان اندلسی فرماتے ہیں، "(سورۂ بقرہ کی) آیت کریمہ (۲۴۳، ۲۴۴ اور ۲۴۵) بلاغت و بیان کی متعدد قسموں اور اصناف کو شامل ہے۔ (اس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے) مثلاً: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ: اس میں استفہام تعجب کی جگہ ہے۔[4] مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ: اس میں حذف ہے یعنی مُوْتُوْا فَمَاتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ: "رب تعالیٰ نے انہیں فرمایا کہ مر جاؤ تو وہ مر گئے پھر ان کو (مرنے کے پیچھے) زندہ بھی کر دیا۔ (یعنی اس جگہ فَمَاتُوْا "تو وہ مر گئے" کا جملہ حذف ہے)۔ مُوْتُوْا اور اَحْيَاهُمْ میں (علم بدیع کی صنعت) طباق ہے۔ ۞......اسی طرح لفظ یقبض (تنگ کرنا روزی کا) اور یبسط (روزی کا کشادہ کرنا) میں بھی (صنعت طباق ہے)۔ ۞......فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ اور وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ میں (لفظ النَّاسِ کا) تکرار ہے (جو تاکید کا فائدہ دیتا ہے)۔ ۞......وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: میں (غائب کے صیغوں سے حاضر کے صیغے کی طرف) التفات ہے (کہ اس آیت سے پہلے دو جملے اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ اور وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ

---

[1] پہلے یہ بادشاہت اور فرمانروائی بنی اسرائیل میں تھی۔ بنی اسرائیل کا پہلا بادشاہ تو طالوت تھا آپ علیہ السلام بنی اسرائیل کے دوسرے بادشاہ ہیں۔ طالوت جب میدان جہاد میں اپنے بیٹوں سمیت راہ خدا میں شہید ہو گئے تو قبیلہ یہودا نے آپ علیہ السلام کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا اور دو سال کی کشمکش کے بعد باقی قبیلے بھی آپ علیہ السلام کی بادشاہت پر متفق ہو گئے۔ سات سال تک آپ علیہ السلام نے حبرون (الخلیل) کو اپنا پایۂ تخت رکھا اس کے بعد یروشلم کو دشمنوں سے آزاد کرا کے اس کو دارالسلطنت بنایا۔ گرد و پیش کے بادشاہوں کو مغلوب و مسخر کر کے اپنی حدود سلطنت کو خوب وسیع کیا۔ فتوحات اور حسن انتظام کے لحاظ سے آپ علیہ السلام کا عہد حکومت تاریخ اسرائیل کا ایک یادگار عہد ہے۔ (تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۴۶۴ بتصرف) نسیم [2] یعنی باوجود یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی امی ہیں نہ تورات کو دیکھا نہ انجیل کو پھر بھی بنی اسرائیل کے صحیح صحیح اور جزئیات احوال کا اس طرح بیان کرنا (کہ جو مطابق واقع ہوں حالاں کہ بائبل کے علما بھی اس طرح نہیں بیان کر سکتے۔ خود بائبل میں تعارض اور غلطیاں ہیں) آپ کا کام نہیں بلکہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ باتیں ٹھیک ٹھیک جبرائیل علیہ السلام کی معرفت سناتے ہیں۔" (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۴) نسیم۔

[3] چوں کہ قرآن کے اعظم مقاصد میں اثبات نبوت محمد یہ بھی ہے اس لیے اکثر جس جگہ کسی مضمون کے ساتھ مناسبت ہونے سے موقع ہوتا ہے وہاں اس مضمون کا اعادہ کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس مقام پر اس واقعے کی صحیح خبر دینا اس طور پر کہ نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہیں پڑھا، نہ کسی سے سنا، نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا، بوجہ معجزہ ہونے کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعویٰ نبوت کی صداقت کی صریح دلیل ہے اس لیے اس آیت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر استدلال فرمایا۔" (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۴۹ بتصرف) نسیم

[4] یعنی بظاہر یہ استفہام ہے مگر دراصل اظہار تعجب ہے کہ "وہ موت جو نا گزیر ہے، کتنے تعجب کی بات ہے کہ یہ اس سے کیا سمجھ کر بھاگے تھے کہ کیا موت سے بچ جائیں گے۔؟ مگر موت نے تو انہیں آ لیا" غرض اس آیت میں ان کے موت کے ڈر سے بھاگنے پر تعجب کا اظہار ہے۔ واللہ اعلم۔ نسیم

لَا يَشْكُرُوْنَ جملہ اسمیہ ہیں اور جملہ اسمیہ کو نحوی ترکیب کے اعتبار سے غائب کا صیغہ سمجھا جاتا ہے۔ واللہ اعلم)

۞...... قَرْضًا حَسَنًا: اس میں حرف تشبیہ کے (ذکر کے) بغیر تشبیہ ہے (مثلاً کاف تشبیہ یا كَاَنَّ حرف تشبیہ مذکور نہیں مثلاً اگر کاف حرف تشبیہ ہوتا تو عبارت كَقَرْضٍ حَسَنٍ ہوتی) یہاں رب تعالیٰ نے (مؤمن بندے کے) راہ خدا میں کیے گئے خرچ کے (اپنی بارگاہ میں) قبول کر لینے کو حقیقی قرض کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور اس (راہ خدا میں کیے گئے خرچ) پر قرض کا لفظ بولا ہے (کہ راہ خدا میں کیے گئے اس خرچ کا اجرا یسے ملے گا جیسے دیا گیا قرض ضرور واپس ملتا ہے۔ واللہ اعلم)۔ فَيُضٰعِفَهٗ اور اَضْعَافًا: میں ''تجنیس[1] مغایر'' ہے۔ (البحر المحیط ج۲ ص ۲۵۳)

اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا:...... اس میں ''استعارہ تمثیلیہ''[2] ہے۔ اس میں رب تعالیٰ نے ان لوگوں کے حال کو جن پر صبر کا فیضان فرمایا ہے اس پانی کے حال سے تشبیہ دی ہے جو جسم پر انڈیلا اور گرایا جاتا ہے اور وہ سارے بدن پر گرتا ہے۔ (اب اس میں انڈیلا جانے والا پانی مشبہ بہ ہے اور جن لوگوں پر صبر کا فیضان ہوا ہے وہ مشبہ ہیں۔ یہاں افرغ سے معلوم ہوتا ہے کہ مشبہ بہ یعنی انڈیلے جانے والے پانی کا حال تو مذکور ہے مگر مراد اس سے وہ لوگ ہیں جن کے ظاہر و باطن پر صبر کو اتارا جاتا ہے تو جیسے) وہ پانی (جس کو ایسے عموم کے ساتھ انڈیلا جاتا ہے وہ) آدمی کے ظاہر و باطن کو (تر کر کے سب کو) شامل ہوتا ہے اور آدمی کے دل میں ٹھنڈک، سلامتی، تحمل اور اطمینان کو ڈالتا ہے (ایسے ہی صبر آدمی کے دل کو اطمینان اور وقار سے بھر دیتا ہے۔) واللہ اعلم

خالق کا مخلوق سے قرض طلب کرنے کی وجہ

فوائد: پہلا فائدہ: مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ:...... اس میں قرض مانگنے کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے (کہ بظاہر رب تعالیٰ بندے سے قرض مانگ رہے ہیں حالاں کہ وہ دونوں سے غنی اور بے پروا ہے اور ساری کی ساری مخلوق اس کے آگے تنگدست و بے نوا ہے) اور وہ (بندوں کی طرح) حاجات (بشریہ یا طبعیہ) سے بے نیاز ہے (ایسا اسلوب بندوں کو صدقہ (کرنے) کی ترغیب دینے کے لیے (اختیار کیا گیا ہے) جیسا کہ (ایک حدیث قدسی میں) رب تعالیٰ نے مریض کے ساتھ احسان (اور اس کی تیمارداری کرنے) اور بھوکے پیاسے کے ساتھ (اس کو کھلا پلا کر) احسان کرنے کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث قدسی میں ارشاد باری تعالیٰ ہے، ''اے ابن آدم! میں بیمار ہوا پر تو نے میری عیادت نہ کی'' اور ''میں نے تم سے کھانا مانگا پر تو نے مجھے کھانا نہ دیا'' اور ''میں نے تم سے پانی مانگا پر تم نے مجھے پانی نہ پلایا''۔[3] (متفق علیہ)

---

[1] تجنیس یا جناس یا تجانس یا مجانسہ یہ اہل بدیع کی اصطلاح میں دو لفظوں کا صرف تلفظ میں باہم متشابہ ہونا ہے پھر اگر تو دونوں لفظ حروف کی انواع، مقدار، ھیئات اور مراتب میں برابر ہوں تو اس کو ''جناس تام'' کہتے ہیں اور اگر یہ پانچ شرائط نہ پائی جاتی ہوں تو اس کو تجنیس مغایر کہتے ہیں مثلاً ان دونوں کلموں میں ایک میں یا اور دوسرے میں الف ہے۔ پہلا فعل ہے اور دوسرا اسم ہے اس کے علاوہ دونوں کی ہیئت یعنی حرکت و سکون میں بھی فرق ہے۔ واللہ اعلم۔ (نیل الامانی ج ۲ ص ۴۱۳)

[2] یہ استعارہ کی وہ قسم ہے جس میں مشبہ بہ کو ذکر کر کے مشبہ کا ارادہ کیا جاتا ہے اور وجہ شبہ چند امور سے حاصل ہوتی ہے اور اس سے غرض تشبیہ میں مبالغہ ہوتا ہے۔ ''نیل الامانی ج ۲ ص ۲۹۳۔ ۲۹۴'' نسیم [3] معارف الحدیث جلد ششم ص ۱۱۲ پر حدیث نمبر ۸۷، میں مسلم شریف کے حوالہ سے یہ روایت مفصل نقل ہے جس میں پہلی بات کے بعد یہ الفاظ ہیں: ''بندہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! میں تیری بیمار پرسی کیسے کرتا کہ تو تو رب العالمین ہے؟ (کہ بیماری کا تجھ سے کیا واسطہ) ارشاد ہوگا: ''کیا تجھے علم نہیں ہوا تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار پڑا تھا تو نے اس کی عیادت نہیں کی اگر تو اس کی عیادت کرتا تو تجھے کیا خبر کہ تو مجھے اس کے پاس پاتا۔''

دوسری بات کے بعد یہ الفاظ ہیں: ''بندہ عرض کرے گا'' (خداوندا) میں تجھے کیسے کھانا کھلا سکتا تھا کہ تو تو رب العالمین ہے؟ (تجھے کھانے سے کیا واسطہ) ارشاد ہوگا: ''کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا تو نے اس کو کھانا نہیں دیا کیا تجھے علم نہیں ہے کہ اگر تو اس کو کھانا کھلاتا تو اس کو میرے پاس پالیتا۔''

اور تیسری بات کے بعد یہ الفاظ ہیں: ''بندہ عرض کرے گا'' میں تجھے کیسے پانی پلاتا تو تو رب العالمین ہے؟ (تجھے پینے سے کیا واسطہ) ارشاد ہوگا: ''میرے فلاں بندے نے تجھ سے پینے کو پانی مانگا تھا تو نے اس کو نہیں پلایا، بس اگر تو اس کو پانی پلا دیتا تو اس کو میرے پاس پالیتا'' ''صحیح مسلم'' (معارف الحدیث ج ۶ ص ۱۱۲۔ ۱۱۳ حدیث نمبر ۸۷ ملخصاً)

یاد رہے کہ بندے اور خدا کے درمیان سوال و جواب کا یہ مکالمہ روز قیامت ہوگا جیسا کہ حدیث کے شروع میں پہلے الفاظ ہی یہ ہیں: ''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرزند آدم سے فرمائے گا...... الی آخر الحدیث''

دوسرا فائدہ:...... روایت میں آتا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضرت ابو دحداح انصاری رضی اللہ عنہ نے خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کیا، "یارسول اللہ! خدا تعالیٰ ہم سے قرض مانگتے ہیں؟ (بھلا یہ کیسی تعجب کی بات ہے کہ وہ ذات تو دو جہاں سے بے پرواہ ہے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "ہاں! اے ابو دحداح!" (ایسی بات ہی ہے لیکن خدا اپنی کسی ضرورت سے نہیں بلکہ روز محشر تمہاری ضرورتیں پوری کرنے کے لیے تمہارے ہی واسطے تم سے قرض مانگتے ہیں جو قیامت کے روز تمہیں واپس کر دیا جائے گا۔ یہ سب سن کر) وہ عرض کرنے لگے، "یارسول اللہ! اپنا ہاتھ بڑھایے! (کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کا گواہ بنالوں میں خدا کو قرض دینے لگا ہوں) چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا، (انہوں نے نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر اپنا ہاتھ رکھ کر یہ) کہا کہ "میں اپنے رب کو اپنا باغ قرض دیتا ہوں" (یعنی راہ خدا میں صدقہ کرتا ہوں)۔ اس باغ میں چھ سو کھجور کے درخت تھے اور حضرت ام دحداح رضی اللہ عنہا اپنے بچوں کے ساتھ اس میں رہائش رکھتی تھیں (حضرت) ابو دحداح رضی اللہ عنہ (یہ باغ دربار رسالت میں خدا کو قرض دینے کے بعد) آئے اور (باہر ہی کھڑے ہو کر) اپنی اہلیہ کو آواز دی۔ "ارے امّ دحداح! (سنتی ہو کہ میں کیا کر آیا ہوں؟) وہ کہنے لگیں: "بسرو چشم! (میں سننے کو تیار ہوں اور جو کر آئے ہیں وہ ماننے کو تیار ہوں) فرمایا:

"(اس باغ سے اب) باہر چلی آ کہ میں نے اس کو خدائے عزوجل کو قرض دے دیا" (اب یہ ہمارا نہیں خدا کا ہو گیا اب ہم یہاں نہیں کہیں اور چل رہتے ہیں)۔ (بزار، طبرانی بروایت حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ)

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "حضرت ام دحداح رضی اللہ عنہا کہنے لگیں، "اے ابو دحداح! تم (دست رسالت پر) بڑے نفع کی بیعت کر آئے ہو۔" اور (یہ کہہ کر) اپنے بچوں سمیت اس باغ سے نکل آئیں۔

تیسرا فائدہ:...... بقاعی[1] رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "اس آیت کو بنی اسرائیل کے اس قصہ پر اس لیے ختم فرمایا کہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی صحت پر بڑی واضح دلیل ہے کیوں کہ اس قصے کو بنی اسرائیل کے عقلمند علما میں سے بھی چند ہی جانتے تھے"۔[2] (محاسن التاویل ج۳ ص ۶۵۰)

(دوسرے پارے کی تفسیر ختم ہوئی۔ والحمد للہ علی ذلك)

---

[1] یہ شافعی فقیہ اور مورخ برھان الدین ابراہیم البقاعی (۱۴۰۶-۱۴۸۰) ہیں یہ بقاع کے تھے اور دمشق میں رہتے تھے ان کی تاریخ میں، "عنوان الزمان" اور تفسیر میں "نظم الدرر" مشہور تصانیف ہیں۔ "(المنجد الاعلام العربی ص ۱۳۲ کالم نمبر ۱)"۔ بقاع:...... یہ لبنان کا ایک صوبہ ہے جس کا صدر مقام زحلہ ہے اس کے ضلعوں کے نام یہ ہیں زحلہ، بعلبک، ھرمل، راشیا اور بقاع العربی۔ حوالا بالا) فقیہ موصوف غالباً یہاں کے رہنے والے تھے۔ واللہ اعلم

پارہ نمبر ۳......تِلْكَ الرُّسُلُ

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۗ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾

ترجمہ:...... یہ رسول ہیں ہم نے فضیلت دی ان میں بعض کو بعض پر، ان میں بعض سے اللہ نے کلام فرمایا اور بعض کو درجات کے اعتبار سے بلند فرمایا، اور ہم نے دیئے عیسٰی بن مریم کو کھلے کھلے معجزات اور ہم نے ان کی تائید کی روح القدس کے ذریعہ، اور اگر اللہ چاہتا تو وہ لوگ آپس میں جنگ نہ کرتے جو اُن کے بعد تھے، اس کے بعد کہ آئے ان کے پاس کھلے ہوئے معجزات، لیکن اُنہوں نے آپس میں اختلاف کیا سو ان میں سے بعض وہ تھے جو ایمان لائے اور بعض وہ تھے جنہوں نے کفر کیا، اور اگر اللہ چاہتا تو وہ لوگ آپس میں جنگ نہ کرتے لیکن اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ ﴿۲۵۳﴾ اے ایمان والو! اس میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہیں دیا ہے اس سے پہلے کہ وہ دِن آئے کہ جس میں نہ بیع ہوگی نہ دوستی اور نہ سفارش، اور جو کافر ہیں وہ ظلم کرنے والے ہیں۔ ﴿۲۵۴﴾

ماقبل سے مناسبت:...... جب گزشتہ آیات میں رب تعالیٰ نے طالوت کے بنی اسرائیل پر (امیر) چن لینے کو اور حضرت داوٗد علیہ السلام کو ان پر بادشاہت اور نبوت کے ذریعے فضیلت دینے کو ذکر فرمایا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلاشبہ پیغمبروں میں سے ہیں'' اور یہ الفاظ بظاہر اس بات کو مقتضی تھے کہ سب رسول (روحانی و ایمانی درجات میں) برابر تو رب تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بیان فرمایا کہ سب رسول ایک درجہ پر نہیں۔ بلکہ بعض بعض سے (متعدد امور میں) افضل ہیں جیسا کہ (خود) عام انسانوں میں (بھی) باہم ایک دوسرے پر تفاضل (یعنی ایک کا دوسرے سے بہتر اور افضل ہونا) ہوتا ہے۔

لغت:...... درجات: ۔ یہ درجۃ کی جمع۔ یہ بلند اور اونچے مرتبے کو کہتے ہیں۔ الْبَيِّنٰتِ: معجزات (نشانیاں، کھلی اور واضح)۔

اَيَّدْنٰهُ: یہ تائید سے ہے یعنی ہم نے انہیں (قوت و) مدد دی۔ تائید کا معنی تقویت یعنی قوت دینا ہے۔

رُوْحِ الْقُدُسِ: قدس طہارت (و پاکیزگی)۔ رُوْحُ الْقُدُس (یعنی) حضرت جبرائیل علیہ السلام۔ اس کی تفصیل گزر گئی ہے۔

خُلَّةٌ: دوستی اور (محبت و) مودت۔ اور دوستی کو خلہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ آدمی کے اعضاء میں گڑھ جاتی ہے یعنی ان میں داخل ہو جاتی ہے۔ اسی معنی میں (اس سے لفظ) خلیل ہے (جس کا معنی دوست ہے)۔ شَفَاعَةٌ: یہ شفع سے ماخوذ ہے جس کا معنی ملانا ہے۔ شفاعت یہ دوسرے سے اس کی مدد کرنے کے لیے اور اس کی مدد کے لیے سوال کرنے کرنے کے لیے ملنے کو کہتے ہیں۔

انبیا و رسل کے درجات

تفسیر:...... تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ: ۔ یعنی اے محمد! (خدا کے) جن بزرگ رسولوں کے ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قصوں کی خبر دی ہے یہ سب خدا کے سچے رسول ہیں اور ہم نے رفعت و منزلت اور درجات عالیہ میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ: یعنی

ان میں بعض رسولوں کو جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلا واسطہ ہم کلامی (کا شرف بخشا اور اس) کے ساتھ مخصوص فرمایا۔[۱] وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ یعنی بعض رسولوں کو ایک خاص بلند مرتبہ کے ساتھ سرفراز فرمایا جیسا کہ خاتم المرسلین حضرت محمد ﷺ کہ (ان کا بلا شرکت کسی اور نبی کے ایک خاص مرتبہ یہ ہے کہ) وہ دنیا و آخرت میں اولین و آخرین کے سردار ہیں۔ اور جیسے ابو الانبیا حضرت ابراہیم علیہ السلام (کہ ان کا خاص مرتبہ یہ ہے کہ وہ رب کے) خلیل ہیں۔ وَاٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ یعنی جیسے ان میں سے ایک (پیغمبر حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام) ہیں جنہیں رب تعالیٰ نے زبردست معجزات عطا فرمائے۔ جیسا کہ مردوں کو زندہ کرنا برص والے اور کوڑھی کو چنگا کرنا، اور (ان کے گھروں کی چیزوں کے بارے میں بن دیکھے انہیں) غیب کی خبریں دینا (وغیرہ)۔ وَاَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ: یعنی ہم نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو جبرائیل امین علیہ السلام کے ساتھ مدد دی۔[۲]

امتوں کا اختلاف

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ:...... یعنی اگر رب تعالیٰ چاہتے تو ان زبردست اور روشن دلائل و براہین لے کر آنے والے رسولوں کے بعد آنے والے یہ لوگ آپس میں نہ لڑتے۔ پس اگر خدا تعالیٰ چاہتے تو یہ لوگ نہ تو آپس میں باہم اختلاف و نزاع کرتے اور نہ ہی باہم خونریزی کرتے اور خدا (اگر چاہتا تو) انہیں رسولوں کی اتباع پر (جمع کر دیتا اور) متفق کر دیتا جیسا کہ خدا نے سب رسولوں کو حق کے (ایک) کلمہ پر باہم متفق کر دیا تھا۔

وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ: لیکن رب تعالیٰ نے ان کے دین میں اختلاف کرنے اور اپنے من چاہے مذاہب بنا لینے کی وجہ سے انہیں ہدایت نہ دی۔ تو ان میں سے کچھ تو ایمان پر جمے رہے اور کچھ جادہ (استقامت) سے ہٹ گئے اور کفر کو اپنا لیا۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۗ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ: یعنی اگر خدا چاہتا تو انسانوں کو فرشتوں کی سرشت پر پیدا فرما دیتا جو نہ تو ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے اور نہ باہم خونریزی کرتے۔ لیکن رب تعالیٰ حکمت والے ہیں، وہ کرتے ہیں جس میں (سب بندوں کی) مصلحت ہوتی ہے۔ یہ سب کچھ (اختلاف و نزاع اور قتل و قتال اور افتراق و شقاق جو ہوا یہ) اس کے فیصلے اور اس کی تقدیر سے ہوا وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

راہِ خدا میں پاکیزہ مال خرچ کرنے کی ترغیب

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ:...... یعنی (اے مومنو!) تم راہ خدا میں خدا کے اس مال سے (مستحقوں پر اور دین کی اعانت میں) خرچ کرو جو اس نے تمہیں عطا فرما رکھا ہے۔ (لہٰذا اگر تم واجب صدقہ یعنی زکوٰۃ فرض بنتی ہے تو) تم زکوٰۃ ادا کرو اور (زکوٰۃ کے علاوہ بھی) خیر (اور نیکی) کے دوسرے (کئی قسم کے کام ہیں ان) میں خرچ کرو۔ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ: یعنی اس خوفناک دن کے آنے سے پہلے پہلے (راہ خدا میں مال خدا سے خرچ کر کے) آگے بھیج دو جس میں تم اپنی جانوں کو چھڑانے کے لیے کوئی فدیہ نہ دے سکو گے۔ اور (یہ تمہارا آج آگے بھیجا جانے والا) بیع (یعنی سودے) کی طرح ہو جائے گا (کہ جو تمہاری جانوں کی آگ سے خلاصی کی قیمت بن جائے گا) اور (اس دن کا یہ حال ہوگا کہ) تم کوئی دوست (بھی) نہ پاؤ گے جو تم پر سے (کسی طرح آگ کے) عذاب کو (ہی) ہٹا دے۔ اور (اس دن) نہ ہی کوئی تمہیں سفارشی ملے گا جو تم سے تمہاری برائیوں کو دور کرنے کی سفارش ہی کر دے۔ سوائے اس کے جس کو خدائے رب العالمین (سفارش کرنے) کو کہیں۔

---

[۱] حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہم کلامی گو بلا واسطہ فرشتہ کے تھی مگر بے حجاب نہ تھی۔ اس لیے سورۂ شوریٰ میں جو مذکور ہے: وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ (سورہ شوریٰ۔۵۱) ''آدمی کے لیے ممکن نہیں کہ خدا اس سے بات کرے (مگر الہام (کے ذریعے) سے یا پردے کے پیچھے سے)'' اس سے کچھ تعارض نہیں اور البتہ موت کے بعد بے حجاب ہم کلامی بھی شرعاً ممکن ہے''۔ (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۵۰)۔ [۲] ان آیات میں نبی کریم ﷺ کے لیے ایک گونہ تسلی ہے کہ پہلے زمانوں میں جناب موسیٰ علیہ السلام اور ان کے متبعین کو اور ان کے بعد حضرت شموئیل، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت الیاس علیہ السلام، حضرت یومیاہ، حضرت الحمیاہ اور حضرت دانیال علیہ السلام کے احوال و واقعات اور آخر میں پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو دیکھ کر بھی ان بنی اسرائیلیوں نے کفر و انکار کیا اور اگر آپ ﷺ کی بھی یہ کفار نافرمانی کرتے ہیں تو اس میں نہ تو تعجب کی بات ہے اور نہ رنج و افسوس ہے کہ جب ان مختلف درجات کے پیغمبروں کے ساتھ بھی یہ مخالفت و انکار ہوتا رہا تو اس میں آپ ﷺ کی رسالت کا کوئی قصور نہیں۔ آپ ﷺ نبی برحق تھا۔'' (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۵۰، تفسیر حقانی ج ۲ ص ۴ بتصرف)

(اور دیکھیے کہ یہ سفارش کس کے نصیب میں آتی ہے) وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ: یعنی اس سے بڑھ کوئی ظالم نہ ہوگا جو اس دن خدا کا سامنے کرے اور وہ (اس وقت) کافر ہو۔ خدا سے کفر کرنے والا ہی وہ ظالم اور زیادتی کرنے والا ہے جو (آگ کے دردناک) عذاب کا سزاوار ٹھہرے گا۔

بلاغت: ...... تِلْكَ الرُّسُلُ:۔ (اس میں) ''بعید کا اشارہ ہے (یعنی تِلْكَ جو دور کی شے کی طرف اشارہ کرنے کے لیے آتا ہے) کیوں کہ انبیائے کرام علیہم السلام کا مرتبہ کمال (کی بلندیوں) میں (بڑا) دور (یعنی نہایت بلند) ہے۔

مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ: (گزشتہ میں جو بعض نبیوں کی بعض پر) تفصیل مذکور ہے۔ یہ اس کی تفصیل ہے۔ (علم) بلاغت میں اس (صنعت) کو ''تقسیم''[۱] کہتے ہیں۔ اسی طرح فَمِنْهُمْ مَنْ اٰمَنَ اور وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ میں لفظ اٰمَنَ اور لفظ كَفَرَ میں (صنعت) طباق ہے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا: اس میں اطناب ہے کیوں کہ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ کو مکرر لایا گیا ہے۔ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ: اس میں صفت (ظلم) کا موصوف میں (یعنی کافروں میں) قصر ہے (کہ ظالم صرف اور صرف کافر ہی ہیں نہ کہ کوئی دوسرے) اور اسی قصر کو جملہ اسمیہ (یعنی هُمُ الظّٰلِمُوْنَ) اور ''ضمیر فصل'' (یعنی هُمْ) کے ساتھ مزید مؤکد کیا گیا (کہ واقعی ظلم صرف کافروں میں ہی پایا جاتا ہے)۔

فائدہ: ...... حضرت عطاء بن دینار سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: ''سب تعریفیں اس خدا کی ہیں کہ جس نے یہ فرمایا: وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ اور یہ نہیں فرمایا: وَالظّٰلِمُوْنَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (کہ کافر ظالم ہیں نہ کہ ظالم کافر ہیں)۔ ان کی مراد یہ تھی کہ اگر (یہ) آیت اس طرح نازل ہوتی تو (گویا کہ) رب تعالیٰ نے ہر ظالم پر کافر ہونے کا حکم لگا دیا تھا اب وہی بچ سکتا تھا جس کو خدا چاہتا (کہ کسی نہ کسی درجے ظلم کا ارتکاب ہر شخص سے ہوتا ہی ہے مگر حقیقی اور ناقابل معافی جرم کفر اور کفر پر ہی مرنا ہے، اسی لیے فرمایا کہ حقیقی ظالم کافر ہی ہیں)۔

تنبیہ: ...... اس مقام پر کفر کے حقیقی اور مجازی دونوں معانی مراد لینے کا احتمال ہے چنانچہ (حقیقی کافر کا معنی تو واضح ہے اور مجازی) کافر سے مراد ''تارک زکوٰۃ''۔ علامہ زمخشری اسی مطلب کی طرف گئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں، ''رب تعالیٰ نے یہاں ''تارکین زکوٰۃ'' کو ظالم مراد لیا ہے اور ''تارک'' کی جگہ ''کافر'' لفظ لانے میں (اس جرم کی) شدت اور (اس پر خدا کی طرف سے سخت) دھمکی کو جتلانا ہے جیسا کہ آیت[۲] حج میں رب تعالیٰ نے وَمَنْ لَمْ يَحُجَّ کی جگہ وَمَنْ كَفَرَ (آل عمران۔۹۸) ''اور جو اس کے حکم کی تعمیل نہ کرے'' فرمایا ہے۔ دوسرے اس لیے بھی کہ رب تعالیٰ نے اس آیت میں ''ترک زکوٰۃ'' کو کافروں کی صفت بتلا دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ (سورہ فصلت، ۶۔۷)[۳] ''اور مشرکوں پر افسوس ہے جو زکوٰۃ نہیں دیتے۔''

دعوت توحید

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝۲۵۵ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۲۵۶ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ

[۱] تقسیم یہ پہلے چند چیزوں کو ذکر کرنا ہے پھر ان چیزوں کو جن کے لیے بھی وہ ہیں مجموعی حیثیت سے ذکر کر کے پھر جس جس کے لیے جو جو چیز ہے اس کی تعیین و تصریح کر دی جائے کہ فلاں شی فلاں کے لیے ہے۔ (نیل الامانی ج ۲ ص ۳۷۹) نسیم۔ [۲] آیت حج غالباً سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۹۸ ہے جو یہ ہے: وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لیکن متن کتاب میں سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۲۶ چھپ گیا ہے۔ بندہ کے نزدیک غالباً یہ کتابت کا سہو ہے۔ واللہ اعلم۔ نسیم [۳] سورۂ ''حٰمٓ سجدہ'' کا ایک نام سورہ ''فصلت'' بھی ہے۔

يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۬ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (۲۵۷)

ع

ترجمہ:......اللہ ایسا ہے کہ کوئی معبود نہیں ہے مگر وہی، وہ زندہ ہے، قائم رکھنے والا ہے، اس کو نہیں پکڑتی اُونگھ اور نہ نیند، اُسی کے لیے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، کون ہے جو سفارش کرے اس کے پاس مگر اس کی اجازت کے ساتھ، وہ جانتا ہے جو ان کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے، اور وہ احاطہ نہیں کرتے اس کی معلومات میں سے کسی چیز کا مگر جو وہ چاہے، گنجائش ہے اس کی کرسی میں آسمانوں کی، اور زمین کی اور اسے بھاری نہیں ہے ان دونوں کی حفاظت، اور وہ برتر ہے، عظمت والا ہے۔(۲۵۵) نہیں ہے زبردستی دین میں، ظاہر ہو چکی ہے ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو کر، سو جو شخص منکر ہو طاغوت کا اور ایمان لائے اللہ پر تو بے شک اُس نے مضبوط حلقہ پکڑ لیا، جو ٹوٹنے والا نہیں ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔(۲۵۶) اللہ ولی ہے اُن لوگوں کا جو ایمان لائے، وہ ان کو نکالتا ہے اندھیروں سے نور کی طرف، اور جن لوگوں نے کُفر اختیار کیا ان کے اولیا شیاطین ہیں وہ اُن کو نکالتے ہیں، نور سے اندھیروں کی طرف، یہ لوگ دوزخ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔(۲۵۷)

ماقبل سے مناسبت:......جب رب تعالیٰ نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت کو بیان [۱] فرمایا اور بیان کیا کہ ان کے بعد لوگوں نے باہم اختلاف وشقاق کیا اور دین کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ خونریزی کی تو (یہاں یہ) بیان کیا کہ انبیائے کرام علیہم السلام میں یہ باہمی تفضیل ان کے پیروؤں کو لڑائی جھگڑے اور اختلاف ونزاع کی طرف نہیں بلاتی کہ یہ سارے کے سارے رسول صلوات اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین باہم مختلف درجات رکھنے کے باوجود سب کے سب ایک ہی دعوت لے کر آئے تھے اور وہ ہے "دعوت توحید" چنانچہ ان حضرات کی رسالت ایک ہے اور دین ایک ہے اور یہ کہ دین (اسلام) میں کوئی زور زبردستی نہیں۔ حق کا نور چمک چکا ہے اور اس کی روشنی پھوٹ چکی ہے۔

لغت:......اَلْحَيُّ: کامل حیات والا۔ اور اس کا مطلب وہ باقی رہنے والی ذات ہے جو ہمیشہ رہے اور فنا اس تک راہ نہ پاسکے (یعنی جس کو کبھی فنا نہ ہو)۔ اَلْقَيُّوْمُ: جو مخلوق کی تدبیر کرتا ہو۔ سِنَةٌ: سین کے کسر (یعنی زیر) کے ساتھ (اس کا معنی) اونگھ (ہے) اور نیند سے پہلے آنے والی سستی (خمار اور اضمحلال) کو کہتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے:

وسنان اقصده النعاس فرنقت ۔۔۔ في عينه سنة و ليس بنائم

ترجمہ:......"اونگھنے والے کو اونگھ آنے لگی اور نیند اس کی آنکھوں میں بھرنے لگی مگر وہ سویا ہوا نہ تھا۔"

يَئُوْدُهٗ:...... بوجھل کرنا اور تھکانا۔ اَلْعَلِيُّ: مراد وہ ذات ہے جس کی شان اور مرتبہ بلند ہو وہ جلال میں اونچی اور اپنی حکمرانی (و بادشاہی) میں عظیم ہو۔ اِكْرَاهَ: کسی کو زبردستی کسی ناگوار (خاطر) بات پر ابھارنا۔ اَلطَّاغُوْتُ: یہ طغیان سے ہے۔ اور (اس سے مراد) ہر وہ شی ہے جو انسان کو حق وہدایت کی راہ سے گمراہ کردے اور بھٹکا دے۔ اَلْوُثْقٰى: یہ اوثق کی مؤنث ہے یہ کسی مضبوط اور مستحکم شی کو کہتے ہیں۔ اِنْفِصَامَ: ٹوٹنا۔ فراء کہتا ہے، کہ "انفصام اور انقصام دو لغتیں ہیں (جو ٹوٹنے کے معنی میں استعمال ہوتیں ہیں مگر ان میں) فاء کی لغت زیادہ فصیح صحیح ہے۔ بعض نے (ان دونوں لفظوں کا مطلب بیان کرتے ہوئے) یہ کہا ہے، کہ "فصم یہ کسی شے کا (اس کے اجزا کے) جدا ہوئے بغیر ٹوٹنا ہے اور قصم یہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ٹوٹنے کا نام ہے۔

سبب نزول:...... نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل ایک انصاری شخص کے دو بیٹوں نے نصرانیت اختیار کر لی تھی۔ (اور نصرانیوں کے دیس جا بسے) پھر (نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ایک دفعہ) وہ دونوں ایک تجارتی قافلے کے ساتھ مدینہ آئے تو ان کے والد (جو اسلام قبول کر چکے تھے) انہیں (اسلام لانے پر) مجبور کرنے لگے اور کہنے لگے: "جب تک تم دونوں اسلام نہ لے آؤ گے میں تمہیں نہ چھوڑوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ڐ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (تفسیر قرطبی ج۳ ص ۲۸۰)

[۱] انبیائے کرام کی ایک دوسرے پر فضیلت کی ایک گراں قدر بحث معارف القرآن ج ا ص ۶۰۹۔۶۱۰ پر درج ہے اہل علم اور شائقین کے لیے اس کا دیکھنا نہایت مفید ہے۔

معبود حقیقی کی چند صفات

تفسیر:......اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ: وہ (معبود برحق) اللہ جل جلالہ واحد، اکیلا یکتا اور بے نیاز ہے، پوری (اور کامل) حیات والا ہے، ہمیشہ باقی رہنے والا ہے جس کو موت نہیں۔ اور اپنی مخلوق کے امور کی ان کی رعایت اور حفاظت کے ساتھ تدبیر کرنے والا ہے۔[1]
لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ: یعنی اس کو نہ اونگھ دبا سکتی ہے (جو غفلت کا دیباچہ ہے) اور نہ اس کو نیند دبا سکتی ہے جو کامل غفلت اور لا پرواہی کی دلیل ہے[2] جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے: بے شک اللہ نہ تو سوتا ہی اور نہ سونا اس کے لائق ہے وہ میزان (یعنی ترازو) کو جھکاتا اور اٹھاتا ہے (یعنی اس کو تھام اور سنبھال رکھا ہے جو بیداری کی دلیل ہے کہ میزان اور ترازو کو اونگھ والا سنبھال نہیں سکتا تو بھلا نیند والا کیسے اس کو سنبھالے رکھ سکتا ہے) واللہ اعلم۔ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ: زمین و آسمان میں جو کچھ بھی ہے وہ اس کا مالک ہے اور وہ (سب چیزیں) اس کی غلام اور اس کے قہر (وغلبہ) اور (حکم و) بادشاہی کے ماتحت ہیں۔

رب تعالیٰ کے آگے کسی کو سفارش کی جرأت نہیں

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ:......یعنی خدا کے آگے کسی کو بھی (کسی کے لیے) شفاعت (وسفارش) کرنے کا یارا نہیں سوائے اس کے جس کو خود خدا اجازت دے۔ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''یہ رب تعالیٰ کی عظمت و بڑائی اور کبریائی کا بیان ہے کہ کسی کو اس کے آگے سفارش کرنے کی جرأت نہیں سوائے اس کے کہ وہ رب ذوالجلال کی اجازت سے کرے۔''[3] یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ: یعنی خدا ان باتوں کو بھی جانتا ہے جو مخلوق کے سامنے اور ان کے مشاہدے میں ہیں (یعنی) جو دنیا میں ہے اور ان کو بھی جو ان کے آگے ہے (یعنی) جو آخرت میں ہے۔ پس اس کے علم نے پوری کائنات اور سب حاکموں کا احاطہ کیا ہوا ہے۔[4] وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ: یعنی وہ اس کی معلومات میں سے کسی چیز پر بھی دسترس حاصل نہیں کر سکتے ہاں جس قدر وہ چاہتا ہے اپنے رسولوں کی زبانی وہ معلوم کرا دیتا ہے۔[5]

---

[1] منصب نبوت کا یہ پہلا کام ہے کہ خدا کی ذات کا ثبوت کر کے جس قدر اس کے ساتھ بے وقوفوں نے شریک بنا رکھے ہیں ان کی نفی کر کے اس کی صفات کاملہ کا ثبوت کرے اور جو کچھ قوت متوہمہ نے مخلوقات ومحسوسات پر قیاس کر کے اس بے چوں و بے چگوں ذات میں عیوب ثابت کر رکھے ہیں ان کو مٹا دے (تفسیر حقانی ج ۲ ص ۵) نسیم [2] یہ آیت ثابت کرتی ہے کہ وہ جمیع خصائص ممکنات سے بری ہے۔'' (تفسیر حقانی ج ۲ ص ۶) ''گزشتہ جملہ میں لفظ سے جب یہ بتلایا کہ رب تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں اور تمام کائنات کو سنبھالا ہوا ہے تو محدود علم و بصیرت اور محدود قدرت رکھنے والے انسان کا خیال اس طرف جا سکتا ہے کہ جو ذات اتنا بڑا کام کر رہی ہے یقیناً اس کو کچھ تھکان، اور کسی قدر نیند اور آرام کی بھی ضرورت ہوگی تو اس جملہ سے بتلا دیا کہ وہ ذات بے مثل ہے اس کو انسانی مثل و مثال سے بالاتر سمجھا جائے، یہ سب کام اس کی ذات کے آگے ہیچ ہیں وہ تھکان اور نیند سے بے نیاز ہے اور پاک ہے''۔ (معارف القرآن ج ۱ ص ۶۱۳ بتصرف وملخصاً)۔ نسیم [3] جب پوری کائنات کا مالک وہ ہے اور اس کے تصرف میں کسی کو چون و چرا کی مجال نہیں تو جس چیز کا احتمال تھا کہ کوئی کسی کی سفارش تو شاید کر سکتا ہو؟ اس کو بھی واضح فرما دیا کہ اس بات کی بھی کسی میں مجال نہیں۔ البتہ کچھ خاص مقبول بندوں کو گفتگو اور شفاعت وسفارش کی اجازت دی جائے گی'' (معارف القرآن ج ۱ ص ۶۱۴ ملخصاً) ''قیامت میں انبیائے و اولیا جب خدا تعالیٰ کی مرضی پالیں گے تو گنہگاروں کے لیے شفاعت کریں گے۔'' (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۵۱) ''اس آیت میں دراصل خدا کے ہمسر کی نفی ہے کہ جب کوئی اس کا ہمسر نہیں تو کوئی بھی اپنی وجاہت اور برتری کی بنا پر نہ تو خدا کو دھمکی دے سکتا ہے اور نہ سفارش کرنے کے لیے دبا سکتا ہے۔'' (تفسیر حقانی ج ۲ ص ۶ بتصرف)

[4] اس کی دو تفسیریں اور بھی ہیں: (۱)......رب تعالیٰ بندوں کے پیدا ہونے سے پہلے اور بعد کے تمام حالات و واقعات سے واقف ہے۔ (۲)......رب تعالیٰ ان باتوں کو بھی جانتے ہیں جو بندے جانتے ہیں اور وہ باتیں ان کے سامنے کھلی ہوئی ہیں۔ اور ان باتوں کو بھی جانتا ہے جو ان سے پوشیدہ اور مخفی اور امر غیب میں ہیں۔ (معارف القرآن ج ۱ ص ۶۱۴ ملخصاً) علامہ ماجدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''یعنی حاضر و غائب، محسوس و معقول، مدرک و غیر مدرک سب کا علم اسے پورا پورا حاصل ہے۔'' اور آگے پیچھے سے مراد جمیع جہات ہیں۔ یہ کنایہ ہے جو عربی زبان میں عام ہے۔ (تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۴۲)۔ نسیم۔ [5] ''کون ہے کہ جن چیزوں کو وہ جانتا ہے یہ بھی جانے۔'' (تفسیر حقانی ج ۲ ص ۶) [5] تمام کائنات کے ذرے ذرے کا علم محیط صرف اللہ جل شانہ کی خصوصی صفت ہے انسان یا کوئی مخلوق اس میں شریک نہیں ہو سکتی۔'' (معارف القرآن ج ۱ ص ۶۱۴)۔

حق تعالیٰ کی کرسی اور اس کی وسعت

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ:......یعنی خدا کی کرسی نے اپنی وسعت اور پھیلاؤ کی وجہ سے زمین وآسمانوں (سب) کا احاطہ کر رکھا ہے۔ ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں یہ (خدا کی) کرسی کے مقابلے میں ایک (بڑے وسیع وعریض چٹیل) میدان میں رکھے گئے ایک چھلے کی طرح ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وَسِعَ كُرْسِيُّهُ کی تفسیر میں مروی ہے وہ فرماتے ہیں: "اس (کی کرسی یعنی اس) کا علم (زمین وآسمان اور جملہ کائنات سب کو) حاوی ہے۔ (علامہ جالندھری رحمۃ اللہ علیہ) نے بھی ترجمہ قرآن میں کرسی کا معنی علم اور بادشاہی سے کیا ہے۔ دیکھیں "ترجمہ قرآن ص ۵۴ نسیم) اس کی دلیل یہ ارشاد خداوندی ہے:

رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا [1] (سوہ غافر، ۷) "اے ہمارے پروردگار! تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔" چنانچہ رب تعالیٰ نے اس بات کی خبر دی ہے کہ اس کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ [2] حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "کرسی (ہی) عرش (کا دوسرا نام) ہے۔" علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "صحیح یہ ہے کہ کرسی اور ہے اور عرش اور، اور عرش کرسی [3] سے بڑا ہے۔ جیسا کہ اخبار و آثار [4] اس پر دلالت کرتے ہیں۔ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ یعنی زمین وآسمان اور ان کے درمیان کی اشیاء کی حفاظت (ونگرانی) نہ اس پر گراں ہے اور (نہ وہ اس کو تھکاتی ہے) اور نہ (ہی) وہ اس سے بے بس ہے۔ وہ اپنی مخلوق پر بڑا اعالی رتبہ اور عظمت وجلال والا ہے۔ [5]

---

[1] سورۂ مؤمن کا ایک نام سورۂ غافر بھی ہے۔ [2] علامہ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "قرآن کا ظاہر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کی صحت پر دلالت کرتا ہے اور اس لیے بھی کہ کرسی کی اصل علم ہے۔ اسی معنی میں علما کو بھی کراسی (کرسی کی جمع) کہا جاتا ہے کیوں کہ علما پر ہی اعتماد کیا (اور ان پر سہارا لیا) جاتا ہے جیسا کہ علما کو اوتاد الارض" (زمین کی میخیں) بھی کہا جاتا ہے۔" اور علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے جو فرمایا ہے (کہ کرسی اور ہے اور عرش اور) یہ (ہی) صحیح ہے۔"" "مؤلف"

[3] کرسی ایک جسم ہے جو عرش سے چھوٹا اور زمین وآسمان سے بڑا ہے۔ روح المعانی میں ابن جریر، ابوالشیخ اور ابن مردویہ کی سند سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کرسی کی نسبت پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "اے ابوذر! ساتوں آسمان اور ساتوں زمین کرسی کے سامنے ایسے ہیں جیسے ایک حلقہ یعنی چھلا ایک بڑے میدان میں پڑا ہوا اور عرش اس کرسی سے اتنا بڑا ہے جیسے وہ میدان اس چھلے سے بڑا ہے" اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں سوال کے جواب میں کرسی کے بارے میں بتلا کر فرمایا، کہ "عرش کی کوئی حد ہی نہیں بتلا سکتا۔" (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۵۱ ملخصاً)

کرسی کا لفظی معنی ہے ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ ملنا۔ تفسیر کبیر میں ہے کہ "کِرْس" یہ چوپایوں کے پیشابوں اور مینگنیوں کا ایک دوسرے کے ساتھ لت پت (اور مل جل کر آلودہ) ہو جانا ہے۔ اسی سے لفظ کرّاسۃ (کاپی) ہے کیوں کہ اس میں ورقے ایک دوسرے سے (ترکیب پاکر) جڑے ہوتے ہیں۔" اور کرسی کو کرسی اسی لیے کہتے ہیں کہ اس کی لکڑیاں باہم ملی ہوتیں ہیں علمائے محققین فرماتے ہیں کہ خدا نشست وبرخاست حیز ومکان سے بالا اور کرسی اور تخت سے بیٹھنے سے پاک ہے یہ الفاظ بطور استعارہ کے اس کی ذات مقدس کے لیے قرآن پاک میں استعمال ہوئے ہیں جیسا کہ تفسیر بیضاوی میں بھی آتا ہے، کہ "یہ محض تمثیل ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت کی تصویر کشی مقصود ہے ورنہ حقیقت میں نہ اللہ تعالیٰ کی کرسی ہے اور نہ وہ کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔" اس جگہ کرسی کے معنی سلطنت اور قدرت کے ہیں جو ہر چیز کی ایجاد کے لیے اصل ہے اور عرب ہر چیز کی اصل کو کرسی کہتے ہیں اس تقدیر پر آیت کے یہ معنی ہیں کہ اس کی قدرت آسمانوں اور زمین کو گھیرے ہوئے ہے اور کوئی چیز اس سے باہر نہیں۔

اس مذکورہ بالا تفصیل کی بنیاد پر اس قسم کی آیات کو اپنے معاملات پر قیاس نہ کیا جائے کہ خدا کی کیفیت اور حقیقت کا ادراک انسانی عقل سے بالاتر ہے۔" (از تفسیر حقانی ج ۲ ص ۲، بیان القرآن ج ۱ ص ۱۵۱، معارف القرآن ج ۱ ص ۶۱۵، احسن البیان ج ۱ ص ۴۱۲)

علامہ ماجدی اس پر تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "کرسی کے عام متعارف معنی وہی ہیں جو اردو میں بھی چلے ہوئے ہیں لیکن حق تعالیٰ کے سلسلے میں کہیں وہ معنی تھوڑے ہی مراد ہو سکتے ہیں؟ کیا نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ بھی کوئی جسم رکھتا ہے جو وہ اس عام معنی میں کرسی نشین (بھی) ہوگا؟" (تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۴۷۴)۔

[4] آثار یہ اثر کی جمع ہے۔ یہ مصطلحات الحدیث میں سے ہے اس کی تعریف بیان ہو چکی ہے۔ اخبار یہ خبر کی جمع ہے خبر کی تعریف میں تین اقوال ہیں: یا تو یہ حدیث کا مترادف اور ہم معنی لفظ ہے۔ یا حدیث کے مقابل ہے یعنی اس سے وہ امور مراد ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی دوسرے سے منقول ہوں۔ یا یہ حدیث سے عام ہے یعنی ہر وہ چیز جو نقل کی جائے خواہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یا آپ کے علاوہ کسی دوسرے سے سب خبر ہے" (علوم الحدیث ص ۳۷)۔

[5] (عَلِيٌّ۔ یہ) عُلُوّ (سے ہے اور علو) کا حاصل نقص کی صفات کی نفی ہے اور (عَظِیم۔ یہ) عظمت (سے ہے اور عظمت) کا حاصل ان صفات کمال کا اثبات ہے" (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۵۱)

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ (سورۃ الرعد، ۹) ''سب سے بزرگ (اور) عالی رتبہ ہے۔''

دین اسلام میں زبردستی نہیں

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ: ......یعنی کسی شخص پر بھی اسلام میں داخل ہونے کے لیے زبردستی اور زوراز وری نہیں ہے کیوں کہ حق باطل سے اور ہدایت گمراہی سے الگ اور واضح ہو (کر روشن ہو) چکی ہے۔[1] فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى: یعنی جو خدا کے علاوہ دوسرے (جھوٹے) خداؤں کا انکار کرے گا جیسے شیطان اور بت وغیرہ اور خدا پر ایمان لائے گا تو اس نے دین کے سب سے مستحکم سبب اور ذریعہ کو تھام لیا۔ لَا انْفِصَامَ لَهَا: کہ جو نہ تو ٹوٹے گا اور نہ اس کو زوال آئے گا۔ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ: یعنی خدا اپنے بندوں کے اقوال کو سننے والا اور ان کے افعال کو جاننے والا ہے۔ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ: یعنی خدا اہل ایمان کا (حامی و) ناصر ہے اور ان کا (نگران و) نگہبان ہے اور ان کے امور کا والی (و ذمہ دار) ہے اور انہیں کفر وضلالت کی اندھیریوں سے نکال کر ایمان و ہدایت کی روشنی میں لاتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓــــُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ: اور جو کافر ہیں ان کے (ہمدرد و غم گسار اور ہوا خواہ و) دوست (یار) شیاطین ہیں جو (ان سے دوستی اور ہمدردی جتلا کر) انہیں ایمان کی روشنی سے نکال شک اور گمراہی کی تاریکیوں میں دھکیل دیتے ہیں (اور وہ ان میں ٹامک ٹوئیاں مارتا رہتا ہے)۔ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ: وہ جہنم میں (پڑے جلتے سڑتے) رہیں گے اور اس میں سے کبھی نہ نکلیں گے (اور نہ نکالے جائیں گے)۔

بلاغت: ......آیت الکرسی[2] میں فصاحت اور علم بیان کی متعدد اقسام مذکور ہیں۔ (وہ درج ذیل ہیں) اس میں ''حسن افتتاح'' (یعنی شروعات کی عمدگی) ہے۔ کیوں کہ اس کو خدا تعالیٰ کے سب سے بزرگ نام (''اللہ'') سے شروع کیا گیا ہے۔[3]

۞ ......رب تعالیٰ کے نام اور اس کی ضمیر کو اٹھارہ جگہ دہرایا گیا ہے۔[4] ۞ ......صفات (خداوندی) کے تکرار سے (کلام میں) اطناب (یعنی طوالت) ہے (جس میں ہر صفت سے ایک الگ معنی پر دلالت کرنا مقصود ہے)۔ ۞ ......سب جملے الگ الگ ہیں وہ یوں کہ ان کے درمیان حرف عطف کے ذریعے اتصال نہیں۔ (معلوم ہوا کہ ہر جملہ ایک مستقل اور علیحدہ معنی پر دلالت کرتا ہے نہ کہ ان سب جملوں کو ملا کر

---

[1] جہاد سے مقصود کسی کو زبردستی مسلمان بنانا نہیں کہ بزور شمشیر اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے جیسا کہ مخالفین اسلام کج فہمی سے یہ تصور کر کے اسلام پر اعتراض کیا کرتے ہیں (تفسیر حقانی ج ۲ ص ۷) بلکہ صرف اسلام کا غالب رہنا ہے خواہ وہ مخالف کے اسلام لے آنے سے ہو یا اس کی رعیت بن کر رہنے سے ہو'' (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۵۲)۔ نسیم۔ [2] آیت الکرسی کے فضائل کے لیے دیکھیں معارف القرآن ج ۱ ص ۶۱۲۔ نسیم [3] لفظ اللہ کو سب سے پہلے ذکر کیا جو ایسی ذات کا نام ہے جس میں تمام خوبیاں ہوں، وہ کسی کا کسی بات میں محتاج نہ ہو نقصان کی سب باتوں سے پاک ہو۔ جب عاقل ان مضامین کو سوچ کر ساری کائنات پر نگاہ ڈالے گا تو سب (چیزوں) کو حادث، فانی اور مستعار الوجود جان کر ضرور یقین کرے گا کہ اس عالم حسی کے پردے میں ضرور کوئی ایسی ذات ہے جس کی طرف سب وجودات کے سلسلے منتہی ہوتے ہیں اور جس کے ہاتھ میں سب کی ڈوریاں ہیں یا جس کے نور کی سب شعاعیں ہیں۔'' (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۵) [4] اس کا اعداد و شمار یہ ہے: ① ......اَللّٰهُ ② ......هُوَ ③ ......اَلْحَيُّ ④ ......اَلْقَيُّوْمُ ⑤ ......لَا تَاْخُذُهٗ (اس میں ہو ضمیر جو ''ہ'' کی شکل میں ہے جس کو ضمیر منصوب متصل کہتے ہیں)۔ ⑥ ......لَهٗ (اس میں بھی ''ہ'' کی شکل میں ضمیر ہے جس کو ضمیر مجرور متصل کہتے ہیں)۔ ⑦ ......عِنْدَهٗ (اس میں ''ہ'' ضمیر مجرور متصل ہے)۔ ⑧ ......اِلَّا بِاِذْنِهٖ (اس میں بھی ''ہ'' ضمیر ہے)۔ ⑨ ......يَعْلَمُ (اس میں ضمیر هُوَ مستتر ہے، (یعنی پوشیدہ ہے جو نحوی ترکیب کے اعتبار سے فعل کا فاعل ہوتی ہے)۔ ⑩ ......مِّنْ عِلْمِهٖ (''ہ'' ضمیر مجرور متصل)۔ ⑪ ......شَآءَ (اس میں ''ھو'' مستتر ہے جو فعل کا فاعل ہے۔ ⑫ ......كُرْسِيُّهُ (اس میں ''ہ'' ضمیر مجرور متصل ہے)۔ ⑬ ......لَا يَئُوْدُهٗ (اس میں ''ہ'' ضمیر منصوب متصل ہے)۔ ⑭ ......هُوَ ⑮ ......الْعَلِيُّ ⑯ ......الْعَظِيْمُ

بار بار غور کرنے کے باوجود بھی مجھ کوتاہ نظر کو رب تعالیٰ کے اسماء مبارکہ اور ان کی ضمیروں کی تعداد ۱۶ ہی نظر آئی ہے۔ ممکن ہے کوئی علمی نکتہ مجھ سے مخفی رہ گیا ہو اور تعداد اٹھارہ نہ بنی ہو۔ اگر کسی اہل علم کو اس میں ۱۸ کی تعداد نظر آئے تو بندہ کو مطلع ضرور فرما دیں۔ متن کتاب میں اٹھارہ لکھا ہے۔ اس کی رعایت میں ترجمہ میں اٹھارہ لکھ دیا ہے دیکھیں ''صفوۃ التفاسیر ج ۱ ص ۱۳۵'' اور ۱۶ کی تعداد مجھ کم استعداد کا شمار ہے۔ واللہ اعلم۔

ایک مشترکہ معنی بنتا ہے جس کا حصول حرف عطف کے ذریعے ہو۔ یعنی آیت الکرسی میں متعدد معانی ہیں نہ کہ ایک یا دو ایک۔ واللہ اعلم۔ نسیم)

۞......مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ اور وَمَا خَلْفَهُمْ میں (علم بدیع کی صنعت) طباق ہے۔ (البحر المحیط)

اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى:......اس میں استعارہ تمثیلی [1] ہے کہ دین اسلام کو مضبوطی سے تھامنے والے کو (جو مشبہ ہے اور غیر مذکور ہے) ایک مضبوط رسی تھامنے والے کے ساتھ (جو مشبہ بہ ہے اور مذکور ہے) تشبیہ دی گئی ہے۔

لَا انْفِصَامَ لَهَا: اس میں (استعارہ) ترشیحیہ [2] ہے۔ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ: اس میں استعارہ تصریحیہ ہے۔ وہ یوں کہ کفر کو تاریکیوں کے ساتھ اور ایمان کو نور کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ "تلخیص البیان میں ہے، کہ" یہ بہت ہی خوبصورت تشبیہ ہے کیوں کہ کفر اس تاریکی کی طرح ہے جس میں حیران و سرگراں پھرنے والا ٹامک ٹوئیاں مارتا رہتا ہے اور راہ تلاش کرنے والا بھٹک جاتا ہے۔ اور ایمان اس نور (اور روشنی) کی طرح ہے کہ بے اصول بھی (اپنی بے اصولی چھوڑ کر) اس کا (ہی) رخ کرتا ہے اور بے راہ اس کے ذریعے راہ یاب ہوتا ہے۔ ایمان کا انجام نعمتوں اور ثواب کی روشنی ہے اور کفر کا نتیجہ (اور انجام) بھڑکتی آگ اور (اس کے) عذاب کا اندھیرا ہے۔ (تلخیص البیان ص ۱۵)

فائدہ:......نور کو مفرد اور ظلمات کو جمع لایا گیا ہے۔ کیوں کہ حق بھی ایک ہی ہے نہ کہ متعدد جب کہ گمراہی کے راستے بے شمار اور شاخ در شاخ ہیں۔

تنبیہ:......آیۃ الکرسی کی بڑی عظیم شان ہے۔ ایک صحیح حدیث میں نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ "کتاب اللہ" میں یہ آیت سب سے افضل ہے اور اس میں "اسم اعظم" بھی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے، "اللہ کا "اسم اعظم" کہ جس کے ذریعے جب (بھی) دعا مانگی جائے وہ قبول ہو، تین (سورتوں) میں ہے، "سورۂ بقرہ سورۂ آل عمران اور سورۂ طٰہٰ"۔ ہشام (اس حدیث کی تشریح میں یہ) کہتے ہیں، کہ "سورۂ بقرہ میں (اسم اعظم) اس آیت میں ہے: اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ اور سورۂ آل عمران میں (اس آیت میں ہے) الٓمّٓ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ [3] اور سورۂ طٰہٰ میں (اس آیت میں ہے) وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ (طٰہٰ: ۱۱۱) علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "آیت الکرسی ذات الٰہیہ سے متعلق دس مستقل جملوں پر مشتمل ہے۔" [4] اور اس میں رب ذوالجلال کی واحد اور یکتا ذات کی بزرگی (اور بڑائی) ہے۔ [5]

(مختصر تفسیر ابن کثیر ج۱ ص ۲۳۰)

---

[1] اس کی تعریف گزر چکی ہے کہ اس میں مشبہ بہ تو مذکور ہے مگر مشبہ مذکور نہیں۔ نسیم

[2] جب استعارہ میں کلام میں کوئی ایسا امر ذکر کیا جائے یا ایسی تفریع لائی جائے جو مستعار منہ (یعنی مشبہ بہ) کے تو حقیقۃً مناسب ہو مگر مستعار لہ (یعنی مشبہ) کے مجازاً مناسب ہو تو اس کو "استعارہ ترشیحیہ" یا "استعارہ مرشحہ" کہا جاتا ہے۔ (نیل الامانی ج ۲ ص ۲۸۷) مثلاً مذکورہ بالا آیت میں دین اسلام کو تھامنے والا "مشبہ" ہے اور مضبوط رسی کو تھامنے والا مشبہ بہ ہے۔ اس کو ذکر کرنے کے بعد "رسی کے نہ ٹوٹنے" کو ذکر کیا ہے۔ جو براہ راست اور حقیقۃً؟ تو مشبہ بہ کے یعنی رسی تھامنے والے کے مناسب ہے مگر مشبہ یعنی دین اسلام کو تھامنے والے کے بھی مجازاً مناسب ہے اور یہی استعارۃ ترشیحیہ ہے۔ واللہ اعلم۔ نسیم۔

[3] سورۂ آل عمران آیت ا۔ ۲ "مؤلف"۔

[4] اس کی تفصیل یہ ہے: ① ...... اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ ② ...... اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ③ ...... لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ④ ...... لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ ⑤ ...... مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ ⑥ ...... يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ ⑦ ...... وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ ⑧ ...... وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ ⑨ ...... وَلَا يَــــُٔـوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ ⑩ ...... وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ۔ نسیم

[5] اس آیت میں اللہ کی توحید ذات و صفات کا بیان ایک عجیب انداز میں کیا گیا ہے۔

جس میں اللہ جل شانہ کا موجود ہونا، زندہ ہونا، سمیع و بصیر ہونا، متکلم ہونا، واجب الوجود ہونا، دائم و باقی ہونا، سب کائنات کا موجد و خالق ہونا، تغیرات و تاثرات سے بالاتر ہونا۔ تمام کائنات کا مالک ہونا، صاحب عظمت و جلال ہونا کہ اس کے آگے بغیر اس کی اجازت کوئی بول نہیں سکتا، ایسی قدرت کاملہ کا مالک ہونا کہ سارے عالم کو پیدا کرنے اور باقی رکھنے اور ان کا نظام محکم قائم رکھنے سے اس کو نہ کوئی تھکان پیش آتی ہے نہ سستی۔ ایسے علم محیط کا مالک ہونا جس کے علم سے کوئی کھلی یا چھپی چیز کا کوئی ذرہ یا قطرہ باہر نہ رہے (کہ اس آیت میں ان سب باتوں کا بیان ہے۔") (معارف القرآن ج۱ ص ۶۱۲ ۔ ۶۱۳) نسیم

تین قصے

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرٰهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ إِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ ۙ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ ؕ قَالَ إِبْرٰهِيمُ فَإِنَّ اللّٰهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِينَ ﴿۲۵۸﴾ أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوشِهَا ۚ قَالَ أَنّٰى يُحْيِي هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَأَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ إِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ إِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ ۙ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۵۹﴾ وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي ؕ قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا ؕ وَاعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۲۶۰﴾

وقف لازم — ع

ترجمہ:...... بھلا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے ابراہیم پر حجت بازی کی ان کے رب کے بارے میں اس وجہ سے کہ اللہ نے اس کو حکومت دی تھی، جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا میرا رب وہ ہے جو زندہ فرماتا ہے اور موت دیتا ہے، اس نے کہا میں زندہ کرتا ہوں اور موت دیتا ہوں، ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا سو بلاشبہ اللہ لاتا ہے سورج کو پورب سے تو اس کو لے آ پچھم سے، پس حیرانی میں پڑ گیا وہ شخص جو کفر اختیار کیے ہوئے تھا اور اللہ قوم ظالمین کو ہدایت نہیں دیتا۔ ﴿۲۵۸﴾ یا اس شخص کی طرح سے جو گزرا ایک بستی پر اور وہ اس حال میں تھی کہ چھتوں پر اس کی دیواریں گری پڑی تھیں، یہ شخص کہنے لگا کہ اللہ کیونکر زندہ فرمائے گا اس بستی کو اس کی موت کے بعد، پس اللہ تعالیٰ نے اس کو سو سال تک مُردہ رکھا پھر اسے اُٹھا دیا، اس سے سوال فرمایا کہ تو کتنے عرصہ تک ٹھہرا رہا۔ اس نے کہا کہ میں ایک دن یا ایک دن سے کم ٹھہرا ہوں، فرمایا بلکہ تو سو سال تک ٹھہرا رہا ہے، سو تو دیکھ لے اپنے کھانے کو اور پینے کی چیز کو وہ سڑی گلی نہیں ہے اور دیکھ لے اپنے گدھے کو، اور تاکہ ہم تجھے نشانی بنا دیں لوگوں کے لیے اور دیکھ ہڈیوں کی طرف ہم ان کو کیسے جوڑ دیتے ہیں پھر ان پر گوشت پہنا دیتے ہیں، سو جب اس پر یہ سب کچھ ظاہر ہو گیا تو کہنے لگا کہ میں جانتا ہوں کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ﴿۲۵۹﴾ اور جب کہا ابراہیم نے کہ اے میرے ربّ آپ مجھے دکھا دیجیے مُردوں کو کس طرح زندہ فرماتے ہیں، فرمایا کیا تم کو یقین نہیں ہے؟ عرض کیا یقین ہے لیکن اس غرض سے سوال کرتا ہوں کہ میرا قلب مطمئن ہو جائے، فرمایا سو تم لے لو چار پرندے پھر ان کو اپنے سے ہلا لو پھر ہر پہاڑ پر ان میں سے ایک ایک حصہ رکھ دو پھر ان کو بلاؤ وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے چلے آئیں گے اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ عزیز ہے حکیم ہے۔ ﴿۲۶۰﴾

ماقبل سے مناسبت:...... جب رب تعالیٰ نے اپنی ذات پر اس کی صفات قدسیہ عالیہ کے سمیت ایمان لے آنے کو ذکر فرمایا اور فرمایا کہ وہ اہل ایمان کا دوست (اور والی) ہے اور (یہ بھی) بتایا کہ کافروں کا ساتھی شیطان ہے تو یہاں ہٹ دھرم (مخالف و معاند) کافروں کے سامنے پر سرکشی کے راج کا ایک نمونہ پیش کیا اور (دکھلایا کہ) وہ (کس طرح) خدا کی وحدانیت میں جھگڑا (کرتے ہیں)۔ ان آیات میں رب تعالیٰ نے تین قصے ذکر کیے ہیں پہلا قصہ خالق حکیم (کی ذات کے وجود) کے اثبات میں، دوسرا اور تیسرا قصہ (روز) حشر کے قائم ہونے اور اس میں سب کو زندہ کیے جانے اور (مرکر) فنا ہو جانے کے بعد (دوبارہ زندہ کر کے) اٹھائے جانے کے اثبات میں ہے۔

لغت:...... حَاجَّ (یہ) مُحَاجَّة (سے ہے، اس کا معنی) مغالبہ (ہے یعنی ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش کرنا) کہا جاتا ہے حاججتہ فحججتہ یعنی میں نے اس سے بحث کی اور میں دلیل کے ساتھ اس پر غالب آ گیا۔ اور (کہا جاتا ہے) حَاجَّهُ یعنی "اس نے اس کے ساتھ دلائل کے ساتھ بحث کی (یعنی ایک دوسرے پر دلیل پیش کی)۔

فَبُهِتَ:...... لاجواب ہو گیا اور (دلائل سے مغلوب ہو کر) حیران اور ہکا بکا رہ گیا۔[1] عذری کہتا ہے:

فما هو الا ان اراها فجاءةً فأبهت حتیٰ ما اکاد اجیب

"پس میں نے (اپنی محبوبہ کو) اچانک دیکھا (کہ مجھے امید نہ تھی کہ وہ مجھے یوں ملنے چلی آئے گی) تو میں ہکا بکا رہ گیا
اور (حیرت کے مارے اس کی کسی بات کا) کوئی جواب نہ دے پایا۔"

خَاوِيَةٌ:۔ گرا ہوا۔ عُرُوْشِهَا: (یہ) عرش (کی جمع ہے۔ اس کا معنی) گھر کی چھت (ہے) اور ہر وہ چیز جس کو سایہ لینے (یا بنانے) کے لیے یا (گرمی سردی اور بارش دھوپ وغیرہ سے) بچنے کے لیے بنایا جائے اس کو عریش کہتے ہیں۔

لَمْ يَتَسَنَّهْ: نہیں بدلا اور نہیں متغیر ہوا۔ یہ تَسَنَّهَتِ النَّخْلَةُ سے ہے (یعنی "کھجور کا درخت پرانا ہو گیا۔" یہ محاورہ اس وقت بولا جاتا ہے) جب اس پر برسوں گزر جائیں اور وہ اس (کی سرسبزی اور شادابی کو بدل ڈالیں" (یعنی سوکھ کر خراب ہو جائے)۔

نُنْشِزُهَا: "ہم ایک (جز) کو دوسرے سے جوڑتے ہیں" یہ النَشَاز سے ہے یعنی اٹھنا (اور بلند ہونا) اور اونچی جگہ کو (زمین میں ٹیلہ نما ہو) نَشْزٌ کہتے ہیں۔ اسی سے نُشُوْزُ الْمَرْأَةِ (کا محاورہ) ہے (جس کا معنی ہے عورت کا اپنے شوہر سے نفرت کرنا اور نافرمانی کرنا)۔

فَصُرْهُنَّ: یعنی ان کو اپنی طرف مائل کرو پھر ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دو یہ صَارَ الشَّیْءَ یَصُوْرُهُ سے ہے۔ یعنی اس نے اس شی کو کاٹ دیا۔

خدا تعالیٰ کے وجود سے متعلق بحث کی ممانعت

تفسیر:...... اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖٓ:۔ یہ اس کافر کی اس بات پر سننے والے کو تعجب دلانا ہے جو قدرت خداوندی میں (جناب ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ) کٹ حجتی کرتا تھا۔ یعنی کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سرکش، "نمرود[2] بن کنعان" کا علم نہیں ہوا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ خدا کے وجود کے بارے میں بحثا بحثی کرتا تھا۔ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ: یعنی (اس نے جناب ابراہیمؑ سے یہ بحث و مباحثہ) اس لیے (کیا) کہ خدا تعالیٰ نے اس کو (روئے زمین کی) بادشاہت دے رکھی تھی۔[3] چنانچہ اس کے انکار حق نے اس کو خدا کے وجود کے انکار پر ابھارا۔ اور اس نے (خدا کے) فضل و احسان (اور جود و کرم) کو ماننے کے بالمقابل کفر و سرکشی کو اپنایا۔ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ: یعنی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رب تعالیٰ کے وجود پر استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ میرا پروردگار وہ ہے جو جسموں میں موت و حیات کو پیدا کرتا ہے وہ اکیلا ہی تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ (اور کسی بھی شے کی تخلیق خالص خدا کی قدرت میں ہے نہ کہ بندے کی قدرت میں۔ وہ سرکش نادان اس نکتہ کو نہ سمجھا کہ خلق موت و

---

[1] ما اعثرت علی ترجمتہ۔ [2] حسب روایت تورات اس کا نام "نمرود بن کوش" تھا۔ یہ اپنی مختصر فوج کے ساتھ آل یافث کو شکست دینے کے بعد زمین کا بادشاہ ہو گیا تھا آزر کو اس نے اپنا وزیر بنایا اور عظمت کے نشہ میں خدا سے بیگانہ ہو کر سخت قسم کا مشرک بن گیا (حتیٰ کہ خدائی کا دعویٰ کر بیٹھا) (جیوش انسائیکلو پیڈیا ج ۹ ص ۳۰۹ بحوالہ تفسیر ماجدی ج ا ص ۴۷۸)۔ یہ سرزمین عراق کا بادشاہ تھا۔ "قصص القرآن ج ا ص ۱۸۹"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام (سرزمین عراق میں کلدانیوں کی بستی) بابل کے قریب پیدا ہوئے تھے (جہاں کا بادشاہ نمرود تھا) جب آپ کی خدا پرستی کی دعوت اور بت پرستی کی مذمت کا شہرہ ہوا تو اس ظالم جابر خود سر سخت بے دین اور ملحد بادشاہ نے آپ علیہ السلام کو دربار میں بلوایا جہاں یہ مناظرہ ہوا۔" (تفسیر حقانی ج ۲ ص ۸) یاد رہے کہ کلدانیوں کا ملکی اور قومی مذہب عہد ابراہیمی میں شمس پرستی تھا یعنی سورج دیوتا کی پوجا جو سب دیوتاؤں کا سردار سمجھا جاتا تھا یہ نمرود خود کو اسی دیوتا کا یا مظہر یا اوتار سمجھتا تھا اور اہل توحید کو ملک کے سرکاری مذہب کا غدار اور باغی سمجھتا تھا۔ (تفسیر ماجدی ج ا ص ۴۷۹)۔

[3] اس کی سرکشی یہاں تک پہنچی ہوئی تھی کہ روایات یہود میں یہاں تک تصریح ملتی ہے کہ وہ اپنی تعظیم بلکہ پرستش خدا ہی کی طرح کراتا تھا اور اپنے لیے اس نے ایک عرش الٰہی تیار کر رکھا تھا جس پر اجلاس کیا کرتا تھا۔ ملاحظہ ہو "گنز برگ" GINZBERG کی "حکایات یہود" LEGENDS OF THE178::P:VOL-NO JEWS (تفسیر ماجدی ج ا ص ۴۷۹)

حیات اور شے ہے اور فعل موت وحیات اور شے ہے وہ دونوں کو ایک سمجھ بیٹھا اور بلا سوچے سمجھے بے دھڑک کہہ دیا کہ) قَالَ اَنَا اُحۡیٖ وَاُمِیۡتُ: یعنی اس سرکش نے (منہ پھاڑ کے) کہہ دیا کہ "میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں (کہ اگر تو یہ دونوں بلا اسباب ہیں تو میں ان کا قائل نہیں اور اگر بواسطہ اسباب ہیں تو یہ دونوں باتیں میرے بھی بس میں ہیں اور اگر اتنے سے فعل سے کوئی پروردگار کہلا سکتا ہے تو جان لو کہ میں بھی تمہارا پروردگار ہوں۔ "حقانی") روایت میں آتا ہے کہ اس نے دو آدمیوں کو بلوا کر دونوں کو قتل کر دینے کا حکم دیا۔ پھر ایک کے قتل کا حکم دے کر کہنے لگا "(یہ لو) اس کو تو میں نے مار ڈالا" اور دوسرے کو آزاد کر دینے کا حکم دے کر کہنے لگا "یہ لو (یہ دوسرا کارنامہ بھی میں نے کر دکھایا کہ) اس کو میں نے (چھوڑ کر گویا کہ) زندہ کر دیا۔" جب حضرت خلیل علیہ السلام نے اس کی حماقت (ونالائقی) اور دلیل (دینے) میں اس کی غنڈہ گردی دیکھی (کہ جیسے بدمعاش لوگ بلا دلیل یونہی دھونس جمایا کرتے ہیں کیونکہ ان کے پاس شرافت کے ساتھ پیش کرنے کے لیے کوئی بات نہیں ہوتی۔ غرض جب جناب ابراہیم علیہ السلام نے دلیل پیش کرنے میں اس کے پھوہڑ پن کو دیکھا) تو اس کو اس سے بھی زیادہ ایک خوب لاجواب کر دینے والی، اعلیٰ اور شان وشوکت والی دلیل پیش کی۔

حضرت عزیر علیہ السلام کا عجیب واقعہ

قَالَ اِبۡرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاۡتِیۡ بِالشَّمۡسِ مِنَ الۡمَشۡرِقِ فَاۡتِ بِهَا مِنَ الۡمَغۡرِبِ: (چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا) کہ جب تو الوہیت کا دعویدار ہے اور (بقول تیرے کہ) تو زندہ بھی کرتا ہے اور مارتا بھی ہے جیسا کہ دو جہانوں کا پروردگار جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ تو (دیکھو اور خوب غور سے سنو کہ) یہ سورج روزانہ خدا کے حکم اور اس کی مشیت سے مشرق سے طلوع ہوتا ہے۔ تو تو بھی اپنی قدرت اور حاکمیت کے بل بوتے پر اس کو چاہے ایک مرتبہ ہی سہی مغرب سے طلوع کر کے دکھادے۔ فَبُهِتَ الَّذِیۡ کَفَرَ: یعنی وہ بدکردار (کافر) اس زبردست دلیل کے سامنے گنگ ہو کر رہ گیا اور دہشت زدہ اور ہکا بکا ہو کر (کوئی) جواب (تک) نہ دے سکا (اور منہ دیکھتا رہ گیا)۔ وَاللّٰهُ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ: یعنی رب بے انصافوں کو (حق وباطل کے) مناظرے کے وقت حجت اور بیان کا الہام نہیں فرماتا اور نہ ان کو دلیل سجھاتا ہے بخلاف اس کے اہل تقویٰ دوستوں کے (کہ خدا کی ہدایت اور اس کا الہام ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ ایک قصہ تمام ہوا جس میں خالق حکیم کے وجود کا اثبات تھا)۔ اَوۡ کَالَّذِیۡ مَرَّ عَلٰی قَرۡیَةٍ وَّهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوۡشِهَا: یہ دوسرا قصہ ہے (جس میں حشر اور مرے پیچھے زندہ کیے جانے کی آسمانی تعلیم کا اثبات ہے) اور یہ اس شخص کے لیے مثال ہے جس کو خدا ہدایت دینا چاہے۔ مطلب یہ ہے کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم میں یہ بات نہیں پہنچی کہ اسی طرح کی مثال (جو خدا کی قدرت اور توحید اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کو بتلاتی ہے) ایک شخص [1] کی ہے

---

[1] اس بستی سے گزرنے والے پیغمبر:...... علامہ حقانی کے بقول یہ قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تخمیناً چھ سو برس پیشتر ملک شام میں بمقام ایلیا کا ہے۔ بخت نصر بادشاہ نے یروشلم یا بیت المقدس کو ڈھا کر بالکل تاخت وتاراج کر دیا تھا اور بیت المقدس کو شہر سمیت جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔ ستر ۷۰ ہزار یہودی گرفتار کر گیا جو ستر برس تک اس کی قید میں رہے۔ باقی قصہ آگے آتا ہے۔ یہ گزرنے والے پیغمبر حضرت یرمیا علیہ السلام تھے۔ (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۱۰) علامہ ماجدی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول "گو امکان تاریخ کے اعتبار سے ان کا بھی ہے مگر ذرا ضعیف ہے امام باقر رضی اللہ عنہ اور وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی حضرت یرمیا علیہ السلام کا قول منقول ہے۔ یہ بنی اسرائیل کے پیغمبر تھے اور تاریخ یہود کے مطابق انہیں نبوت ۶۲۶ ق م ملی تھی۔" (تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۴۸۲) لیکن اکثر مفسرین کے نزدیک یہ حضرت عزیر علیہ السلام تھے جو سلسلۂ اسرائیلی کے ایک مشہور پیغمبر (اور) کاتب تورات گزرے ہیں ان کا زمانہ پانچویں صدی قبل مسیح تھا۔ ۴۵۰ ق م میں تقریباً ڈیڑھ ہزار یہود کو ان کی قید اور جلا وطنی سے چھڑا کر فلسطین لائے۔ بائبل میں ان کا ذکر کاتب تورات کی حیثیت سے آتا ہے ایک صحیفہ بھی ان کے نام سے منسوب ہے۔ قتادہ، سدی وغیرہ تابعین اور حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہی مروی ہے۔ روح المعانی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ قول بروایت حاکم ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ قول بروایت اسحق بن بشیر منقول ہے۔ (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۵۵۔ تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۴۸۲)

تباہ ہونے والی بستی:...... اگرچہ متعدد بستیوں کے نام آتے ہیں مگر اکثروں کے نزدیک یہ یا تو یروشلم ہے یا بیت المقدس۔ تاجدار بابل بخت نصر نے ۵۸۶ ق م میں اس کو بالکل تباہ وبرباد کر دیا تھا۔ (تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۴۸۲)

بخت نصر:...... "بنوکد نضر، یا نبوخذ نصر، یا نبوکد نصر، یا بخت نصر" یہ بابل کا بادشاہ تھا جو ساتویں صدی قبل مسیح کے وسط میں ظاہر ہوا تھا اس کا زمانہ ۵۶۲ ق م ۶۰۵ ھ سے ہے۔ بڑا جابر اور ظالم بادشاہ تھا جس نے ظلم وجبر سے کام لے کر قرب وجوار کے فرمانرواؤں کو زیر فرمان کر لیا تھا۔ اس نے فلسطین اور یروشلم پر پے در پے تین حملے کیے اور ۵۸۶ ق م میں ان دونوں کو بالکل تہہ خاک کر کے اور سب کچھ برباد کر کے بنی اسرائیل کو بھیڑ، بکریوں کی طرح ہنکا کر بابل لے گیا۔ اور تورات کے تمام نسخوں کو جلا کر خاکستر کر دیا کہ ایک نسخہ بھی ان کے ہاتھ میں باقی نہ رہا۔" (المنجد الاعلام العربی ص ۱۷۵ کالم نمبر ۱۔ قصص القرآن ج ۲ ص ۲۳۹۔۲۴۰)

(جو ایک صاحب ایمان پیغمبر تھے) جو ایک بستی کے پاس سے گزرے جس کی دیواریں اس کی چھتوں پر گر چکی تھیں۔ یہ بستی "بیت المقدس" تھی جس کو بخت نصر بادشاہ نے تباہ و برباد کر دیا تھا۔ (یہ عربی کا ایک خاص محاورہ ہے مراد یہ ہے کہ بستی بالکل تباہ و برباد، ویران اور کھنڈر ہو چکی تھی پہلے چھتیں گریں پھر چھتوں کے اوپر دیواریں۔ تفسیر ماجدی)

واقعہ حضرت عزیر علیہ السلام

قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا :...... یعنی (اس خانہ برباد بستی کے پاس سے گزرنے والے) اس نیک بزرگ نے جن کا نام مشہور قول کے مطابق "حضرت عزیر علیہ السلام" (پیغمبر خدا) ہے یہ کہا کہ "اس بستی کو کھنڈر اور ویرانے میں تبدیل ہونے کے بعد خدا تعالیٰ کیسے زندہ کرے گا؟ (یعنی اس کو اس کے باسیوں کے ساتھ کیسے آباد کرے گا) آپ علیہ السلام نے یہ بات (کسی شک کی بنا پر نہ کہی تھی بلکہ انہیں خدا تعالیٰ کی قدرت پر پورا یقین تھا کہ وہ اس بستی کو دوبارہ آباد کر سکتے ہیں۔ اور اس قدر تباہ و برباد بستی کو آباد کرنا خدا ہی کی قدرت میں تھا اس لیے آپ علیہ السلام نے یہ بات) اس بستی کی تباہی و بربادی کی حالت پر تعجب کرتے ہوئے اور خدا تعالیٰ کی قدرت کے لیے اس کو بہت بڑا سمجھتے ہوئے کہی تھی (کہ خدا چاہے تو اس قدر برباد بستی کو بھی آباد کر سکتا ہے۔ آپ کی حیرت کا محل یہ تھا کہ مختلف ممکنہ کیفیات میں سے کس خاص کیفیت کے ساتھ اس کے باشندوں کو زندہ کریں گے۔ "استفدت من بیان القرآن" نسیم) جس وقت آپ علیہ السلام اس بستی کے پاس سے گزرے تو آپ علیہ السلام اپنے گدھے پر سوار تھے۔

فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ: یعنی خدا تعالیٰ نے اس سوال کرنے والے کو موت دے دی اور اس موت کو سو سال تک جاری رکھا پھر انہیں اپنی کمال قدرت دکھانے کے لیے (دوبارہ) زندہ کر دیا۔ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ: یعنی رب تعالیٰ نے انہیں (بطور الہام کے "حقانی" یا) فرشتہ کے واسطے سے ارشاد فرمایا: "آپ اس حال میں کتنی دیر رہے؟" تو (پہلے تو) انہوں نے کہا، "ایک دن" پھر جب اپنے آس پاس نظر دوڑائی تو دیکھا کہ سورج تو ابھی غروب نہیں ہوا تو کہنے لگے، "یا اس سے بھی کم" (چوں کہ وہ صبح کو سوئے تھے اور عصر کے وقت زندہ ہوئے تھے "حقانی") تو رب تعالیٰ نے انہیں خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ :...... نہیں بلکہ آپ پورے سو سال تک مرے رہے ہیں۔ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ[1] يَتَسَنَّهْ: یعنی اگر تجھے شک ہے تو اپنا کھانا دیکھ جو اتنا زمانہ گزرنے کے بعد بھی خراب نہیں ہوا۔ آپ علیہ السلام کے پاس انگور انجیر اور شیرہ تھا۔ آپ علیہ السلام نے اس کو ویسا ہی پایا وہ خراب نہ ہوا تھا۔ [2] وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ: یعنی (اپنے گدھے [3] کی طرف بھی دیکھ کہ) اس کی ہڈیاں (گوشت پوست سب کے سب خاک میں مل جانے کی وجہ سے باقی رہ گئی تھیں اور) بوسیدہ ہو کر بکھری پڑیں تھیں اور اب وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن چکا تھا۔ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ: یعنی یہ جو کچھ بھی ہم نے کیا اس لیے کیا تا کہ آپ علیہ السلام خدا کی قدرت کا ادراک کر لیں اور اس لیے (بھی کیا) تا کہ ہم آپ علیہ السلام کو ایک ظاہر معجزہ ٹھہرائیں جو ہماری قدرت کے کمال پر دلالت کرے۔ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا: یعنی آپ علیہ السلام گدھے کی ان بوسیدہ ہڈیوں میں نگاہ تامل ڈالیے کہ ہم کیسے انہیں ایک دوسرے سے (پہلے) جوڑتے ہیں اور آپ علیہ السلام اس (سارے منظر) کو خود دیکھیں گے پھر ہم اس کو (یعنی اس کی ہڈیوں کے پنجر کو) اپنی قدرت سے گوشت پوست چڑھا دیں گے۔ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ: یعنی جب انہوں نے (خدا کی قدرت کی) ان زبردست نشانیوں کو دیکھا تو پکار اٹھے کہ (اب) میں نے یقین کر لیا اور مشاہدہ کے ساتھ جان لیا (جس کو "علم مشاہدہ" کہتے ہیں کہ میں نے اس "علم مشاہدہ" کو بھی حاصل کر لیا) کہ خدا تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

---

[1] متن کتاب میں لَمْ يَتَسَنَّهْ کی جگہ لَنْ يَتَسَنَّهْ چھپ گیا ہے جو سہو کتابت ہے" نسیم۔ [2] حضرت عزیر علیہ السلام یا حضرت یرمیا علیہ السلام نے اپنی سواری کا گدھا زیتون کے درخت کے ساتھ باندھ دیا اور انگور کے شیرہ کا برتن اور روٹیوں کا تھیلا درخت سے لٹکا کر سو رہے" (تفسیر حقانی ج ۲ ص ۱۰) نسیم۔ [3] گدھے سے ہندوستان میں تو نہیں بلکہ عرب، شام، مصر، فلسطین وغیرہ میں سواری کا کام گھوڑے ہی کی طرح لیا جاتا تھا اور اب بھی لیا جاتا ہے تو ریت اور انجیل دونوں میں گدھے کا ذکر سواری کے جانور کی حیثیت سے بکثرت آیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت مسیح علیہ السلام دونوں کا اس پر سوار ہونا بیان ہوا ہے اس لیے یہاں حضرت عزیر علیہ السلام کی سواری میں گدھے کے ذکر پر حیرت نہ ہونی چاہیے۔" (تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۴۸۳)۔ نسیم

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر دلیل

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى: ...... یہ تیسرا قصہ ہے جس میں فنا کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر حسی دلیل کو قائم کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم !) آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذرا اس وقت کو (بھی) یاد کیجیے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے اس بات کی درخواست کی کہ آپ مجھے دکھلایے کہ آپ مردوں کو زندہ کیسے کریں گے؟[1] حضرت خلیل علیہ السلام نے (فقط) (زندہ ہونے کی) کیفیت کے بارے میں سوال کیا ہے جب کہ انہیں قدرت ربانیہ پر پورا یقین تھا۔ وہ فقط اس بات کو عیاناً (دیکھنا اور) جاننا چاہتے تھے جس کا انہیں وجداناً (پورا پورا اور کامل) یقین تھا۔[2] (یعنی زندہ کرنے کا تو یقین ہے مگر عقلاً اس کی مختلف کیفیتیں ممکن ہیں ان میں معلوم نہیں کون سی کیفیت ہوگی۔ اور اس درخواست پر بعض کم سمجھوں کو نعوذ باللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یقین نہ ہونے کا گمان ہوسکتا تھا اس لیے خدا نے خود ہی ان سے سوال کر کے ان ہی سے جواب دلوا کر یہ شبہ صاف کر دیا۔ ''بیان القرآن'') اسی لیے رب تعالیٰ نے آپ علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ۖ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ: یعنی کیا آپ علیہ السلام (دوبارہ) زندہ کرنے پر میری قدرت (کے ہونے) کی تصدیق نہیں کرتے؟ انہوں نے عرض کیا: ''کیوں نہیں! میں یقین رکھتا ہوں لیکن میں (دیکھنا اس لیے) چاہتا ہوں (تاکہ) میری بصیرت میں اور اضافہ ہو اور اس کو (نظروں سے) دیکھ کر دل کے سکون کو اور زیادہ کروں۔'' قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ: یعنی آپ چار پرندے لے لیجیے پھر ان کو اپنے ساتھ ہلا لیجیے (تاکہ ان کی پہچان رہے۔ ''تفسیر عثمانی'') پھر ان کا قیمہ کر کے ان کے گوشتوں کو ملا دیجیے حتیٰ کہ وہ ایک (گوشت کا ملا جلا) ڈھیر بن جائے۔ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا: یعنی ان کے اجزا کو (یعنی تھوڑا تھوڑا) پہاڑوں کے ٹیلوں پر رکھ دو۔ ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا: یعنی پھر ان کو بلاؤ تو وہ تمہارے پاس دوڑے چلے آئیں گے۔[3] مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ (چار پرندے) مور، کوا، کبوتر اور مرغ تھے۔ پھر آپ علیہ السلام نے (انہیں ذبح کر کے ان کو قیمہ قیمہ کر دیا اور) ان کے ساتھ وہ کیا جو کیا (یعنی رلا ملا کر چار ٹیلوں پر جا کر رکھ دیا) پھر انہیں پکارا وہ (زندہ ہو کر اپنی اپنی اصلی ہیئت پر واپس آ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس) دوڑے چلے آئے۔[4] وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ: یعنی وہ جو چاہے اس (کے پورا کرنے) سے عاجز نہیں۔ وہ اپنی تدبیر اور کاری گری میں حکمت والا ہے۔

پرندوں کے ذبح اور زندہ ہونے کا واقعہ

مفسرین (اس کی یعنی پرندوں کے ذبح کی تفصیل بیان کرتے ہوئے) کہتے ہیں، ''حضرت خلیل علیہ السلام نے (پہلے) انہیں ذبح کیا۔ پھر ان کا قیمہ کیا، پھر ان کے گوشتوں کو باہم ملا دیا حتیٰ کہ ان کے خون، گوشت (ہڈیاں) اور پر سب رل مل گئے۔ پھر آپ علیہ السلام نے ان کے سر اپنے پاس رکھ کر ان کے حصے پارچے کر کے ٹیلوں پر رکھ دیا پھر حکم خداوندی کے مطابق انہیں پکارا (شاید نام لے کر پکارا ہو، کہ اے مرغ! آجا، اے مور! آجا، وغیرہ وغیرہ)

---

[1] یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بابل سے ہجرت کر کے شام چلے آنے کے بعد کا قصہ ہے'' (تفسیر حقانی ج ۲ ص ۱۱) [2] محققین نے کہا ہے کہ سوال کے الفاظ سے خود یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ سائل کو کوئی شبہ احیائے موتیٰ کے نفس وقوع میں نہیں وہ صرف اس کی کیفیت جاننا چاہتا ہے۔'' (تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۴۸۵) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس درخواست پر وارد ہونے والے شبہات کے مفصل جوابات کے لیے دیکھیں ''معارف القرآن ج ۱ ص ۶۲۲ ـ ۶۲۴''۔ ''نسیم'' [3] روح المعانی میں ابن منذر کی سند سے حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی طرح حصے پارچے کر کے انہیں پکارا تو فوراً ہڈی سے ہڈی، پر سے پر، خون سے خون سب مل ملا کر سب اصلی ہیئت پر ہو کر ان کے پاس زندہ ہو کر آ گئے۔'' (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۵۶)۔ نسیم [4] جناب سر سید احمد خان صاحب یہاں بھی انگریزوں کی خیر خواہی میں پیچھے نہیں رہے اور بقول علامہ حقانی رحمۃ اللہ علیہ ''اس نیچری مفسر نے ان دونوں قصوں کا انکار کیا ہے اور اپنی عادت قدیمہ) (درنگاہ فرنگیاں عادت محبوبہ) (کے موافق اعتراض ''بے ہودہ'' کر کے ایک ''لغو توجیہ'' کی ہے اور ان دونوں بزرگ پیغمبروں کے قصوں کو خواب قرار دیا ہے۔ یہ محض ملحدین کی تقلید ہے اس شخص کے پاس اپنے اس دعوے کی کوئی عقلی یا نقلی دلیل نہیں۔ (البتہ سرکار کی نگاہ میں جچنے کی حرص ضرور ہے) اور اہل زبان کے نزدیک یہ توجیہ مردود ہے نیز اس کے کلام میں باہم تعارض بھی ہے، اس لیے میں لفظ بہ لفظ جواب دینا مناسب نہیں جانتا اور عیسائیوں کا ان قصوں سے انکار خود ''بائبل'' کے خلاف ہے کہ ''کتاب حزقیل'' میں سینکڑوں مردوں کا زندہ ہونا مذکور ہے۔

پس آپ علیہ السلام نے (کیا) دیکھا کہ پر پر کی طرف خون خون کی طرف اور گوشت گوشت کی طرف اڑتا آتا ہے (اور جڑتا جاتا ہے) اور اسی طرح پرندہ بنتا جاتا ہے جیسے پہلے تھا۔ اور آپ علیہ السلام کے پاس (اڑ کر نہیں کہ فضا میں نظروں سے اوجھل ہو کر بدل جانے کا شبہ ہوسکتا ہے۔" معارف القرآن"۔ بلکہ) چل کر دوڑتے ہوئے آئے تاکہ آپ علیہ السلام اس بات کا خوب مشاہدہ کرلیں جس کا آپ علیہ السلام نے سوال کیا تھا۔ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بیان کیا ہے۔

بلاغت: ...... اَلَمْ تَرَ: ۔اس میں رؤیت قلبیہ مراد ہے اور یہ استفہام (حیرت اور) تعجب کے لیے ہے۔[1]

یُحْیٖ وَیُمِیْتُ: ...... فعل مضارع کے ساتھ (ان دونوں باتوں کی) تعبیر تجدد اور استمرار کا فائدہ دیتا ہے (کہ زندگی اور موت کا یہ سلسلہ ہر وقت جاری ہے) دوسرے اس میں قصر ہے کہ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ میں مبتداء (رَبِّیْ) اور خبر (الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ) دونوں معرفہ آئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ خدا کی وہ یکتا پاک ذات ہی جلاتی اور مارتی ہے۔ اور یُحْیٖ اور وَیُمِیْتُ کے کلموں میں (علم بدیع کی صنعت) "طباق" بھی ہے جو محسنات بدیعیہ میں سے ہے۔ اسی طرح اَلْمَشْرِقِ اور اَلْمَغْرِبِ کے کلموں میں بھی "طباق" ہے۔ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ: یہ قرآنی بلند مرتبہ نص اپنی تعبیر میں (مبہوت ہونے کی) علت کو بتلاتی ہے۔ وہ یہ کہ اس کے منہ دیکھتے رہ جانے کا سبب اس کا کفر تھا (جس نے اس کی مت ماردی تھی)۔ اور اگر خدا تعالیٰ یہ فرماتے فَبُهِتَ الْكَافِرُ (وہ کافر ہکا بکا رہ گیا) تو یہ باریک معنی حاصل نہ ہوتا۔ اَنّٰى یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا: بستی کی موت یہ (وہاں کے) باشندوں کی موت ہے (کہ آیت سے یہی مراد ہے) یہ محل بول کر حال (محل والے) مراد لینے کے قبیل سے ہے۔ اس کو "مجاز مرسل" کہتے ہیں۔ ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا: یعنی ہم اس کو گوشت سے اس طرح ڈھانپ دیں گے جس طرح لباس بدن کو ڈھانپ دیتا ہے۔ علامہ ابو حیان فرماتے ہیں، "کسوۃ دراصل بدن کے علاوہ (یعنی کھال بال ہڈی پٹھے کے علاوہ) کپڑوں کو کہتے ہیں یہاں کسوۃ (کے معنی) کو اس گوشت کے لیے مستعار لیا گیا ہے جو خدا نے پیدا کیا جو ہڈیوں کو ڈھانپ لیتا ہے (کہ گوشت ہڈیوں پر چڑھا ہوتا ہے)۔ یہ نہایت ہی عمدہ استعارہ ہے۔ (کہ جس طرح لباس جہاں جہاں وہ پہنچے وہاں وہاں کے جسم کو چھپا لیتا ہے اسی طرح گوشت جہاں جہاں بھی ہوتا ہے وہاں کی ہڈیوں کو چھپا لیتا ہے غرض گوشت چڑھانے کو بطور استعارہ کے گوشت پہنانا کہا گیا۔ واللہ اعلم۔ نسیم)۔ (البحر المحیط ج۲ ص ۲۹۴)

مشرق ومغرب پر چار بادشاہوں کی حکومت

پہلا فائدہ: ...... مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں دنیا کے مشرق ومغرب پر (یعنی ساری دنیا پر) چار بادشاہوں نے حکومت کی (جن میں) دو مؤمن (تھے اور) دو کافر، مومن تو حضرت "سلیمان بن داؤد" اور ذوالقرنین" تھے اور کافر نمرود اور بخت نصر تھے۔ (مختصر تفسیر ابن کثیر ج۱ ص ۲۳۴)

اسی بخت نصر نے بیت المقدس کو تباہ کیا تھا۔

دوسرا فائدہ: ...... حضرت خلیل علیہ السلام نے جب اس سے گئے گزرے سرکش کو دیکھا کہ یہ تو موت وحیات کے معنی (تک) سے جاہل ہے اور وہ عامی لوگوں کی طرح دھوکہ وفریب اور ملمع سازی کے رویہ کے ساتھ چل رہا ہے اور اس کے جواب کا بطلان بالکل واضح تھا جو کسی پر بھی پوشیدہ نہ تھا تو آپ علیہ السلام نے (اس کی پہلی بات کا رد کرنے کی بجائے) اس کو ایک دوسری دلیل پیش کی جس میں وہ مغالطہ انگیزی سے کام نہ لے سکتا تھا۔ اور وہ سرکش آسانی کے ساتھ ڈینگ مار کر اور غل غپاڑہ کر کے اپنی جان نہ چھڑا سکتا تھا۔ چنانچہ فرمایا:

---

[1] رؤیت سے ہمیشہ چشم بصارت ہی سے دیکھنا مراد نہیں ہوتا بلکہ وہم وتخیل، غور وفکر اور عقل کی راہ سے بھی مطالعہ ومشاہدہ مقصود ہوتا ہے اور جب اس کا صلہ الی آتا ہو تو اس سے کوئی اہم نتیجہ نکالنا یا عبرت حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ تفسیر قرطبی میں ہے کہ اس سے مراد قلبی رؤیت ہے۔ عربی میں یہ خطاب کا طرز کسی بڑے اور معروف واقعہ کی طرف توجہ دلانے کے لیے اور حیرت واستعجاب کے لیے ہے۔ دوسرے اس میں ذم کا پہلو بھی ہے کہ جب کسی کے حیرت انگیز نقص یا عیب کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہوتا ہے تو ان کلمات کے ساتھ بات شروع کرتے ہیں جیسے اردو میں کہتے ہیں، کہ "تم نے فلاں کی حیرت دیکھی؟" (تفسیر ماجدی ج۱ ص ۴۵۰ حاشیہ نمبر ۹۱۸، وص ۴۸۷ حاشیہ نمبر ۹۹۹)۔ نسیم

اِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ:...... چنانچہ حضرت خلیل علیہ السلام نے (اس دلیل سے) اس کی گردن جھکا دی، حتیٰ کہ آپ علیہ السلام نے اس کی بے بسی کا مشاہدہ کر دیا اور آپ علیہ السلام نے اس کی زبان کو گنگ کر دیا۔

مُردہ کو زندہ کرنے کی کیفیت کا سوال

تیسرا فائدہ:...... حضرت خلیل علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کی قدرت میں کسی شک کی بنیاد پر یہ عرض نہ کیا تھا۔ کَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتٰى البتہ آپ علیہ السلام کا سوال زندہ کرنے کی کیفیت کے بارے میں تھا۔ اس پر خود آپ علیہ السلام کے سوال کے الفاظ کیف سے دلالت ہوتی ہے۔ آپ علیہ السلام کے سوال کا موضوع (زندہ کرنے کے) حال کے بارے میں تھا۔ اس کی تائید یہ حدیث کرتی ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا، "ہم ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ شک کرنے کے سزا وار ہیں"، یعنی جب ہمیں شک نہیں تو جناب ابراہیم علیہ السلام اس بات کے بدرجۂ اولیٰ زیادہ لائق ہیں، کہ انہیں شک نہ ہو۔"

جہاد میں خرچ کی ترغیب

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶۴﴾ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖۚ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۲۶۷﴾ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۸﴾ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾

ترجمہ:......مثال ان لوگوں کی جو اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ایسی ہے جیسے ایک دانہ ہو اس نے اُگا ئیں سات بالیں، ہر بال میں ہیں سو دانے اور اللہ چند در چند کر دیتا ہے جس کے لیے چاہے، اور اللہ وسعت والا ہے علم والا ہے۔ (۲۶۱) جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں پھر خرچ کرنے کے بعد احسان نہیں دھرتے اور ایذا نہیں پہنچاتے ان کے لیے ثواب ہے ان کے رب کے پاس، اور نہ ان پر کوئی خوف ہے اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔ (۲۶۲) بھلی بات کہہ دینا اور درگزر کر دینا ایسے صدقہ سے بہتر ہے جس کے بعد تکلیف پہنچائی جائے اور اللہ غنی ہے حلیم ہے۔ (۲۶۳) اے ایمان والو! مت باطل کرو اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور تکلیف پہنچا کر اس شخص کی طرح سے جو اپنا مال خرچ کرتا ہے لوگوں کو دکھانے کے لیے اور ایمان نہیں لاتا اللہ پر اور یوم آخرت پر، سو اُس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی چکنا پتھر ہو جس پر ذرا سی مٹی ہو پھر پہنچ گئی اس کو زوردار بارش سو کر چھوڑا اس کو بالکل ہی صاف، یہ لوگ اپنی کمائی میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہوں گے، اور اللہ کافر قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ (۲۶۴) اور مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو اللہ کی رضا جوئی کے لیے اور نفسوں کو پختہ کرنے کے لیے ایسی مثال ہے جیسے ایک باغ ہو کسی ٹیلہ پر جس کو پہنچ جائے زوردار بارش پھر وہ دوگنا پھل لایا ہو، پس اگر زوردار بارش نہ پہنچی تو ہلکی بوندا باندی بھی اسے کافی ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھتا ہے۔ (۲۶۵) کیا تم میں سے کسی کو یہ بات پسند ہے کہ اس کا ایک باغ ہو کھجوروں اور انگوروں کا اس کے نیچے جاری ہوں نہریں اس میں اس کے لیے ہر طرح کے پھل ہوں اور اس کو بڑھاپا آجائے اور اس کی ضعیف آل و اولاد ہو پھر پہنچ گئی اس کو سخت تیز آندھی جس میں آگ ہو، سو وہ باغ جل جائے، ایسے ہی اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے تمہارے لیے آیات تاکہ تم فکر کرو۔ (۲۶۶) اے ایمان والو! خرچ کرو اپنی کمائی میں سے پاکیزہ چیزوں کو، اور اس میں سے جو ہم نے نکالا تمہارے لیے زمین میں سے اور مت ارادہ کرو ردّی چیز کا کہ اس میں سے خرچ کرو اور تم خود اس کے لینے والے نہیں ہو مگر اس صورت میں کہ چشم پوشی کر جاؤ، اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ غنی ہے اور حمید ہے۔ (۲۶۷) شیطان تم کو ڈراتا ہے تنگدستی سے، اور حکم دیتا ہے تمہیں فحش کاموں کا، اور اللہ وعدہ فرماتا ہے تم سے اپنی طرف سے مغفرت کا اور فضل کا، اور اللہ وسعت والا ہے خوب جاننے والا ہے۔ (۲۶۸) وہ حکمت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے، اور جس کو حکمت دی گئی اُسے خوب زیادہ خیر عطا کی گئی، اور وہی لوگ نصیحت قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔ (۲۶۹)

ماقبل سے مناسبت:......گزشتہ آیات میں رب تعالیٰ نے (انسانوں کے) دو گروہوں کو ذکر کیا، ایک ''اولیاء اللہ'' کا جو مؤمنین ہیں اور دوسرا ''اولیائے شیطان'' کا یہ کافر ہیں، اس کے بعد ایمان اور (کفر و) طغیان کے نمونہ کو ذکر کیا۔ تو یہاں راہ خدا میں خاص طور پر رب کے دشمنوں کے ساتھ جہاد میں خرچ کرنے کی ترغیب دی۔ کیوں کہ راہ حق میں جہاد کے تین میدان ہیں ایک ہے حجت اور دلیل کے ساتھ (مخالفین اسلام کو اسلام کا) قائل کرنا، دوسرا جہاد بالنفس ہے اور تیسرا میدان جہاد بالمال ہے۔ جب گزشتہ آیات میں دعوت جہاد اور جہاد بالنفس کو ذکر کیا تو اب جہاد بالمال کے ذکر کو شروع کیا۔[1]

لغت:......الْمَنُّ یہ احسان جتلا کر اس پر زیادتی کرنا ہے جس پر احسان کیا ہے اور بڑائی اور گھمنڈ کے طور پر اس کو اپنے کیے احسان کو یاد دلانا ہے۔ شاعر کہتا ہے:

افسدت بالمن ما اسریت من حسن ۔۔۔ لیس الکریم اذا اسدیٰ بمنان

ترجمہ:......''احسان جتلا کر تو اپنی کی ہوئی نیکی (اور دیے ہوئے عطیہ) کو برباد کر دیا۔ شریف آدمی جب (کسی کو کچھ) دیتا ہے (اور اس کے ساتھ کوئی نیکی کرتا ہے) تو وہ (اس پر) احسان جتلانے والا نہیں ہوتا۔''

---

[1] ان آیات میں مالیات کی بابت ایسے خاص احکام ہیں اگر دنیا آج بھی انہیں اپنا لے تو معاشی مسائل خود بخود ختم ہو جائیں اور سرمایہ دارانہ اور اس کے ردعمل اشتراکیت واشتمالیت کی گمراہی سے نکل آئے کہ یہی وہ نظام ہیں جنہوں نے دنیا کو قتل وقتال اور باہمی ٹکراؤ سے جہنم بنا رکھا ہے۔ ان آیات میں اسلام کے معاشی نظام کے ایک اہم پہلو کو متعارف کروایا گیا ہے جس کے دو حصے ہیں: (۱)......زائد از ضرورت مال کو راہ خدا میں تنگدستوں محتاجوں اور مفلسوں پر خرچ کر دیا جائے۔ اس کو شرع کی اصطلاح میں صدقہ وخیرات کہتے ہیں۔ (۲)......دوسرے سودی لین دین کو بند کیا جائے۔ ان دو رکوع میں صدقہ وخیرات کی ترغیب اور اس کے مسائل واحکام مذکور ہیں اور اگلے دو رکوع میں سودی لین دین کی حرمت اور قرض کے لینے کے جائز طریقوں کا بیان ہے۔'' (از معارف القرآن ج ۱ ص ۶۳۰ ملخصاً)

رِئَآءَ النَّاسِ:...... یعنی خرچ کرنے سے خدا کی رضا نہ چاہے (اور لوگوں کو دکھلانے کے واسطے خرچ کرلے) اور وہ صرف لوگوں کی تعریف کا خواہش مند ہو رِئَآء کی اصل رؤیت سے ہے۔ یہ لوگوں کو اپنا فعل دکھانے کو کہتے ہیں تا کہ وہ اس کی تعریف و تعظیم کریں۔ صَفْوَانٍ: یہ بڑے چکنے اور ملائم پتھر کو کہتے ہیں۔ اخفش[1] کہتا ہے۔ "یہ جمع ہے اس کی واحد صفوانۃ آتی ہے۔" ایک قول یہ ہے کہ یہ "حجر" کی طرح اسم جنس ہے۔ وَابِلٌ: شدید بارش۔ صَلْدًا: چکنا پتھر۔ ہر وہ شی جس سے کچھ نہ اگتا ہو اسی معنی میں ("لفظ") جبین اَصْلَدُ ہے (چوڑی یا سپاٹ اور سخت پیشانی۔ مراد بخیل آدمی ہے)۔ بِرَبْوَةٍ: (ربوۃ) زمین کا اونچا ٹیلا۔ ربوۃ اور رابیۃ (دونوں لفظ "ٹیلہ" کے معنی میں ہیں) اس کی اصل ربا الشی سے ہے جس کا معنی کسی شی کا بڑھنا اور بلند ہونا ہے۔ طلٌ: بارش کی پھوار (یا بوندا باندی) جس کے قطرے (ہلکے اور) چھوٹے چھوٹے ہوں۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اس کی تفسیر "شبنم" سے کرتے ہیں۔ اِعْصَارٌ: تیز و تند آندھی (ہوا کا بگولا) جو زمین سے اٹھتا ہے اور آسمان تک چلا جاتا ہے (اور ایک دائرے کی شکل میں اوپر اٹھتا ہے) جیسے ایک ستون۔ اس کو زوبعۃ (ہوا کا جھکڑ اور بگولا) کہتے ہیں۔ تَيَمَّمُوا: قصد و ارادہ کرنا۔

تُغْمِضُوا:...... یہ اغمض الرجل فی امر کذا سے ہے، "یعنی آدمی نے فلاں معاملہ سے آنکھیں بند کرلیں" (یعنی اس سے نظریں پھیر لیں یا اسے نظر انداز کر دیا اور یہ محاورہ اس وقت بولا جاتا ہے) جب وہ اس بات میں تساہل (اور لاپرواہی) کا مظاہرہ کرے۔ یہ کسی ناگوار بات کے پیش آنے کے وقت آنکھیں بند کر لینے کی طرح ہے۔

سببِ نزول:...... یہ آیتیں غزوۂ تبوک میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئیں۔ کہ اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار اونٹ مع ساز و سامان کے خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیش کیے اور ایک ہزار دینار بھی پیش کیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دیناروں کو الٹتے پلٹتے ہوئے (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے راہ خدا میں اس قدر خرچ کرنے کی خوشی میں) فرمانے لگے، "آج کے بعد عثمان جو بھی کرے اس کو نقصان نہ ہوگا" اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ چار ہزار دینار لے کر آئے اور عرض کیا، "یارسول اللہ! میرے پاس آٹھ ہزار دینار تھے جن میں سے میں نے چار ہزار دینار تو اپنے اور اپنے گھر والوں کے لیے رکھ چھوڑے ہیں اور (باقی) چار ہزار دینار میں اپنے پروردگار کو قرض دیتا ہوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ارشاد فرمایا: "تم نے جو (گھر میں) روکا اس میں (بھی) اور جو (راہ خدا میں) دیا اس میں (بھی) خدا برکت دے۔" ان دونوں بزرگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ

(اسباب النزول للواحدی ص ۴۷)

راہِ خدا میں خرچ کرنے والوں کے لیے دو چند ثواب

تفسیر: مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ:...... علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "رب تعالیٰ نے یہ مثال اپنی راہ میں خرچ کرنے والے اور اس کی رضا چاہنے والے کے ثواب کو دو چند کرنے کے لیے بیان فرمائی ہے۔ کہ ایک نیکی دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھتی ہے۔ یعنی ان لوگوں کے (راہ خدا میں اپنے اموال کے) خرچ کرنے کی مثال بوئے جانے والے اس بیج کی سی ہے جو سات بالیں اگائے۔ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ: کہ ہر بالی میں سو سو دانے ہوں تو اس ایک دانے نے سات سو دانے اگائے۔ یہ اس شخص کے اجر کے دُگنا کرنے اور بڑھانے کی مثال ہے جو اخلاص کے ساتھ[2] صدقہ کرے۔ اسی لیے رب تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ: یعنی رب تعالیٰ بندوں کے حال کے مطابق جس کا چاہتے ہیں اجر بڑھاتے ہیں کہ کس نے اخلاص کے ساتھ اور اس کی رضا چاہنے کے لیے خرچ کیا ہے (تا کہ اس کے حال کے اعتبار سے اس کے اجر کو دو چند کردے)۔ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ: یعنی وہ بڑے وسیع فضل والا اور خرچ کرنے والے کی نیت کو

---

[1] یہ تین مشہور نحویوں کا لقب ہے انہیں اخفش اکبر (ت ۱۷۷ھ)، اوسط (ت ۲۱۵ھ) اور اصغر (ت ۳۱۵ھ) کہتے ہیں۔ غالباً یہ اخفش اکبر مراد ہیں۔ المنجد الاعلام العربی ص ۳۰ کالم نمبر ۱) ان کی کنیت ابوالحسن ہے یہ سیبویہ کے شاگرد ہیں۔ (التسہیل السامی ج ۱ ص ۱۳۸) [2] "یہ ایک ذہنی وجود کی مثال ہے ضروری نہیں کہ خارج میں بھی کوئی ایسا پیڑ پایا جائے جس کے سات خوشے ہوں اور ہر خوشے میں سو دانے ہوں" (تفسیر حقانی ج ۲ ص ۱۳ ف نمبر ۱)

جاننے والا ہے۔ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَاۤ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَاۤ اَذًى یعنی وہ اس خرچ سے فقط خدا کی رضا ہی مقصود رکھتے ہیں اور اس صدقہ وخیرات کرنے کے بعد ان لوگوں پر نہ اس کا احسان رکھتے ہیں جن پر یہ خرچ کیا تھا مثلاً یوں نہیں کہتے "کہ میں نے تم پر احسان کیا اور تیرا حال سنبھالا" اور نہ ہی انہیں تکلیف دیتے ہیں مثلاً دوسروں کے سامنے اس کا ذکر کرکے انہیں ایذا نہیں پہنچاتے۔ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ: یعنی جو طاعت وفرمانبرداری خدا کی کرکے یہ لوگ آگے بھیجیں گے اس کا ثواب انہیں ملے گا۔ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ: یعنی بڑی گھبراہٹ کے دن انہیں خوف دامن گیر نہ ہوگا۔ اور نہ ہی انہیں دنیا کی (شادابیوں اور) رنگینیوں کے فوت ہونے کا افسوس ہوگا۔

سائل کے ساتھ عمدہ سلوک کا حکم

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَاۤ اَذًى:...... یعنی سائل کو احسن طریقہ کے ساتھ (کچھ نہ ہونے کی صورت میں) لوٹا دینا اور اس کے اصرار پر اس سے درگزر کرنا یہ رب تعالیٰ کے نزدیک اس بات سے افضل اور بہتر ہے کہ پہلے دو پھر بعد میں ایذا دو یا سوال کی ذلت کا اس کو عار دلاؤ۔ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ: یعنی وہ مخلوق سے بے پرواہ (وبے نیاز) ہے کہ اپنی حکم عدولی کرنے والے کو جلد سزا نہیں دیتا۔ آگے رب تعالیٰ صدقہ وخیرات کو باطل اور اس کے اجر کو ضائع کردینے والی باتوں کو بیان فرماتے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى: یعنی احسان جتلا کر اور تکلیف دے کر صدقہ کے اجر کو برباد نہ کرو۔

كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ: یعنی اس ریاکار کی طرح اپنا عمل باطل نہ کرو جو ریاکاری کے ساتھ خرچ کرتا ہے۔ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ: یعنی اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی تصدیق ہی نہیں کرتا اور جب ایسا ہے تو وہ ثواب کی امید یا عذاب کا خوف کیسے رکھ سکتا ہے۔

ریاکاری کے ساتھ خرچ کرنے والے کی مثال

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ:...... یعنی اس ریاکاری کے ساتھ خرچ کرنے والے کی مثال ایسے چکنے پتھر کی ہے جس پر (ہواؤں وغیرہ کے چلنے سے) تھوڑی سی مٹی پڑی ہو اور دیکھنے والا اس کو ایک زرخیز زمین سمجھ بیٹھے۔ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا: کہ جب اس پر (ذرا) تیز (موسلا دھار) بارش پڑے تو وہ مٹی جاتی رہے اور نیچے سے وہی چکنا پتھر نکل آئے جس پر کوئی مٹی سرے سے ہو ہی نہ۔ ایسی ہی مثال اس منافق کی ہے جو یہ گمان رکھتا ہے کہ اس کے عمل نیک ہیں اور جب قیامت آئے گی تو وہ عمل مضمحل (کمزور) اور (بلکہ) ختم ہی ہوجائیں گے۔ اسی لیے آگے رب تعالیٰ فرماتے ہیں۔ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا: یعنی وہ (اپنے کیے اعمال کا) آخرت میں کچھ اجر نہ پائیں گے کہ وہ اپنے اعمال سے سرے سے کچھ بھی فائدہ نہ اٹھا سکیں گے۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ: یعنی رب تعالیٰ ان (کافروں) کو خیر وہدایت کا راستہ نہ دکھائیں گے۔[1]

مؤمن کے خرچ کی مثال

آگے رب تعالیٰ اس مؤمن کے خرچ کی مثال بیان فرماتے ہیں جو خدا کی خوشنودی کے لیے اپنا مال خرچ کرتا ہے۔ فرمایا:

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ: یعنی (جو لوگ) رب کی رضا چاہنے کے لیے، اس کے روبرو حاضر ہونے کی تصدیق کرنے کے لیے اور اس (خرچ کیے) پر اپنا ثواب ثابت کرنے کے لیے (راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں)۔

كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ: یعنی (ان کی) مثال ایک ہرے بھرے درختوں والے (اونچی جگہ کے باغ کی سی ہے اور خاص "اونچی جگہ" کو ذکر کیا کیوں کہ وہاں کے درخت بڑے خوبصورت اور پھل (بڑے شیریں ہوتے ہیں)[2] اور خوب اگتے ہیں۔

---

[1] کفر اور ریاکاری بمنزلہ سخت پتھر کے ہے جس پر کچھ نہیں اگتا اور اس پر کسی قدر مٹی ظاہری اسلام ہے اور یہ منکر وریاکار اس مٹی کو دیکھ کر اس میں کچھ بونا چاہتے ہیں مگر بارش سب کچھ بہا کر لے جائے گی اور ان کے قبضہ میں کچھ بھی نہ رہ جائے گا" (تفسیر حقانی ج ۲ ص ۱۴) [2] پاکستان کے شمالی علاقہ جات کی یہی کیفیت ہے۔ کیوں کہ وہ بلندی پر ہیں۔

اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ: ......یعنی اس پر موسلا دھار بارش پڑے (کہ ہر طرف جل تھل ہو جائے) اور یہ دوسری زمینوں کی نسبت دو گنا پھل لائے۔ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ: یعنی اگر تیز مینہ نہ بھی برسے تو ہلکی ہلکی بوندا باندی بھی اس کو کافی ہو یا شبنم ہی کافی ہو جائے کیوں کہ یہ زمین نہایت عمدہ ہے اور بڑی زرخیز ہے اور اس (باغ) کی ہوا (وفضا) بڑی لطیف ہے کہ ہر حال میں (خواہ بارش تیز ہو یا ہلکی ہو) اگاتی ہے۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ: یعنی خدا پر بندوں کا کوئی عمل پوشیدہ نہیں۔

ایک عمدہ اور محکم مثال

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ: ......یعنی کیا تم میں سے کوئی یہ چاہتا ہے کہ اس کا ایک ہرا بھرا (درختوں اور پھلوں سے لدا پھندا) باغ ہو۔ جس میں کھجور انگور اور دوسرے طرح طرح کے پھلوں کی بہتات ہو۔ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ: یعنی ان درختوں کے نیچے نہریں بھی بہتی ہوں۔ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ: یعنی اس باغ میں ہر طرح کا پھل اگتا ہو اور ہر طرح کی بارونق چیزیں اس میں اگ آئی ہوں۔ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ: یعنی وہ باغ کا مالک بڑھا ہو گیا ہو اور کمانے سے کمزور ہو گیا ہو (کہ ایک تو باغ کے علاوہ کوئی ذریعہ معاش نہ ہو اور دوسرے باغ کی آمدنی کے علاوہ دوسرے فنون معاش پر بھی قادر نہ ہو۔ ''حقانی'') اور مزید یہ کہ اس کے ننھے ننھے بچے بھی ہوں (جن کا خرچ اور پرورش سب اسی کے ذمہ ہو۔ ''حقانی'' کیوں کہ) وہ تو (ننھے ننھے ہونے کی وجہ سے) کما نہ سکتے ہوں۔ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ: یعنی اس کو ایک شدید طوفان آگھیرے جس میں آگ (کی لپیٹیں) بھی ہوں (مراد ایسی آسمانی) آفت ہے جو اس کو جلا کر نیست و نابود کر دے۔ ''حقانی'') کہ وہ اس انتہائی ضرورت مند انسان کے (باغ کے) درختوں اور پھلوں سب کو جلا دے (کہ ایک تو ذریعہ آمدنی باغ ہی تھا۔ دوسرا دوسرے ذرائع سے کسب معاش پر قدرت نہ تھی۔ تیسرے بچے بھی چھوٹے چھوٹے تھے جن سے خبر گیری کی توقع تو کیا ہو خود ان کی پرورش اس کے ہی ذمے ہو۔ پھر وہ باغ جل جائے تو دیکھیے کہ اس شخص پر کس قدر صدمہ اور حیرت وحسرت طاری ہو گا۔ ''بیان القرآن'' وتفسیر حقانی) كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ: یعنی ایسی عمدہ اور محکم مثال کے ساتھ ایسا واضح بیان رب تعالیٰ صرف اپنی پر از حکمت کتاب (قرآن کریم) کی آیتوں کو واضح کرنے کے لیے فرماتے ہیں تا کہ تم عبرت ونصیحت والی باتوں میں فکر وتدبر کرو۔[1]

عمدہ، پاکیزہ اور حلال مال خرچ کرنے کی ترغیب

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ: ......یعنی جو (عمدہ اور) حلال[2] و پاکیزہ مال تم کماتے ہو اس میں سے (راہ خدا میں) خرچ کرو۔ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ: یعنی ہم نے تمہارے لیے جو پاکیزہ غلے اور پھل اگائے ہیں ان میں سے (خرچ کرو)۔[3] وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ: یعنی ردی اور گھٹیا مال (اپنے مال میں سے چن کر راہ خدا میں) خرچ نہ کرو (لیکن یاد رہے کہ یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جس کے پاس عمدہ شے ہو پھر بھی وہ بری اور نکمی چیز خرچ کرے۔ ''معارف القرآن'') وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ: یعنی اگر وہ (خراب اور نکمی چیزیں) تم کو دی جائیں تو تم بھی ان کو (خوشی سے) قبول نہ کرو الّا یہ کہ تم تساہل (ولا پرواہی) سے کام لو اور آنکھیں بند کر لو تو بھلا

---

[1] راہ خدا میں خرچ کرنے کے آداب وشرائط اور اس کی قبولیت و مردودیت کی شرائط وخطرات کے تفصیلی بیان کے لیے دیکھیں ''معارف القرآن ج ۱ ص ۶۳۰۔۶۳۵''۔ ''بیان القرآن ج ۱ ص ۱۵۷۔۱۶۰ ف ۱''۔ نسیم [2] ''طیب'' سے بعض نے عمدہ مال مراد لیا ہے کیوں کہ اس آیت کا شان نزول بتلاتا ہے کہ بعض لوگ دربار رسالت میں خراب مال لے کر آتے تھے اور بعض نے لفظ کے عموم سے اس کی تفسیر ''حلال مال'' سے کی ہے'' (معارف القرآن ج ۱ ص ۶۳۹) مؤلف موصوف نے تفسیر میں دونوں اقوال کو جمع کر دیا ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ حرام اور ناجائز کمائی کا صدقہ دربار خداوندی میں قبول نہیں۔ (تفسیر حقانی ج ۲، ص ۱۵) نسیم [3] مَا كَسَبْتُمْ سے مال تجارت میں زکوٰۃ کی فرضیت اور اَخْرَجْنَا سے عشری زمین میں عشر کے وجوب کا مسئلہ معلوم ہوا۔ عشر وزکوٰۃ کے مزید مسائل کتب فقہ میں مذکور ہیں'' (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۶۱) زمینوں کی شرعی اقسام، ان کے احکام، ان کے عشر وخراج کے تفصیلی احکام مذاہب اربعہ کی روشنی میں نیز ہندوستان پاکستان کی زمینوں کے مفصل احکام کے لیے دیکھیں ''اسلام کا نظام اراضی'' مرتبہ ''حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمہ اللہ مطبوعہ ''دار الاشاعت کراچی۔'' نسیم

(ایسی چیزوں سے) خدا کے حق کو کیونکر ادا کرتے ہو!؟ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ: یعنی وہ تمہارے خرچ کیے سے بے پرواہ (اور بے نیاز) ہے (بری نذریں قبول نہیں فرماتا) اور وہ قابل ستائش (اور ستودہ صفات) ہے کہ احسان کرنے والے کو خوب سے خوب بدلہ دیتا ہے۔

شیطانی وسوسے اور فریب دہی

آگے رب تعالیٰ شیطانی وسوسے سے ڈراتے ہیں، ارشاد ہے: اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ: یعنی اگر تم صدقہ کرنا چاہتے ہو تو شیطان تمہیں فقر سے ڈراتا ہے اور (خیالات فاسدہ سے صدقہ خیرات کرنے سے منع کرتا ہے کہ یہ مال جا کر پھر کہاں آئے گا۔ اور تمہارے بال بچے بھی ہیں کہ آئندہ کو نہ جانے کیا کیا ضرورتیں پیش آئیں گی "حقانی" اس لیے) تمہیں بخل پر ابھارتا ہے اور زکوٰۃ دینے سے منع کرتا ہے۔ (اور شیطان فحش باتوں کا حکم کس طرح دیتا ہے علامہ حقانی نے اس کو ایک طویل پیراگراف میں نہایت دلچسپ انداز میں ذکر کیا ہے جس کو طوالت کے خوف سے ترک کیا جاتا ہے یشائقین حضرات اس کو ج ۲ ص ۱۷ پر دیکھیں۔ نسیم)

وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا: ...... یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ تم سے اپنی راہ میں خرچ کرنے پر گناہوں کی مغفرت اور خرچ کے اصل سے زائد بدل دینے کا وعدہ کرتا ہے (یعنی ایمانداروں کے دلوں میں خدا کی طرف سے ایک روحانی سلسلۂ الہام بھی قائم ہے۔ اس کے ذریعے سے خدا اس صدقہ خیرات پر مغفرت اور فضل یعنی کشائش، فراخ دستی اور برکت کا وعدہ فرماتا ہے۔ "حقانی") وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ: وہ وسیع فضل وعطا والا ہے اور تعریف کے مستحق کو جانتا ہے۔ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ: یعنی وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کو وہ علم نافع عطا فرماتا ہے جو نیک عمل تک لے جائے۔ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا: یعنی جس کو حکمت (ودانائی) مل گئی اس کو بہت بڑی نعمت مل گئی کیوں کہ اب اس حکمت والا ابدی سعادت کی طرف چل پڑتا ہے اور اس کو ابدی سعادت یعنی جنت) کا ٹھکانہ مل جاتا ہے۔ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ: یعنی قرآن کریم کی مثالوں اور حکمتوں سے وہی نصیحت پکڑتے ہیں جن کے پاس نفسانی خواہشات سے خالی روشن عقلیں ہوں۔

بلاغت: كَمَثَلِ حَبَّةٍ: ...... رب تعالیٰ نے راہ خدا میں خرچ کیے جانے والے صدقہ کو بیج / بوئے جانے والے دانے سے تشبیہ دی ہے جس میں رب تعالیٰ نے برکت ڈال دی ہے پھر وہ سات سو دانے والا ہو گیا اس میں تشبیہ "مرسل مجمل" ہے۔ کہ اس میں حرف تشبیہ (کاف جو كَمَثَلِ میں ہے) تو مذکور ہے اور وجہ تشبیہ حذف ہے۔ ابوحیان اندلسی فرماتے ہیں: "یہ تمثیل اضعاف یعنی بڑھانے کی تصویر ہے گویا کہ یہ مثال دیکھنے والے کی دونوں آنکھوں کے سامنے ہے۔" (البحر المحیط ج۲ ص ۳۰۴) اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ: یہاں حبۃ (یعنی دانے) کی طرف انبات (یعنی اگانے) کی نسبت مجازی ہے اور اس کو "مجاز عقلی" کہتے ہیں کیوں کہ منبت حقیقی (حقیقی اگانے والی ذات) تو خدا تعالیٰ کی ذات ہے (نہ کہ دانہ وغیرہ)

مَنًّا وَّلَآ اَذًى: ...... یہ خاص کے بعد جو کہ احسان جتلانا ہے اذیٰ جو عام ہے ہر قسم کی تکلیف کو شامل ہے اس کو مَنّ (جو کہ خاص ہے یعنی احسان جتلانا یہ بھی تکلیف دینا ہی ہے) کے بعد ذکر کیا تاکہ معلوم ہو کہ عام کو ذکر کرنے کے باب سے ہے، تاکہ شمول کا فائدہ دے کیوں کہ اذیٰ یہاں اپنی جملہ اقسام کے ساتھ ایک خاص قسم مَنّ کو بھی شامل ہے)۔ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ: اس میں "تشبیہ تمثیلی" ہے کیوں کہ تشبیہ کی وجہ متعدد امور سے حاصل ہوئی ہے اس طرح كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ میں بھی "تشبیہ تمثیلی" ہے۔ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ: اس آیت میں "مشبہ" اور "حرف تشبیہ" بھی مذکور نہیں۔ تشبیہ کی اس قسم کا نام علمائے بلاغت "استعارہ تمثیلیہ" رکھتے ہیں یہ ایک حال کی دوسرے حال سے تشبیہ ہوتی ہے۔ اس میں مشبہ بہ کے علاوہ (مشبہ اور حرف تشبیہ میں سے) کچھ بھی ذکر نہیں کیا جاتا اس میں قرائن دلالت کرتے ہیں کہ مقصود تشبیہ ہے۔ اور ہمزہ اس (آیت میں) استفہام کے لیے ہے۔ اور اس کا معنی تبعید (یعنی دور کرنا) اور نفی کرنا ہے یعنی تم میں سے کوئی بھی ایسا بننا نہ چاہے گا۔ تُغْمِضُوْا فِيْهِ: یہاں اغماض سے مراد "تجاوز ومساہلت" (یعنی درگزر کرنا اور چشم پوشی کرنا) ہے کیوں کہ آدمی جب کسی ناگوارشی کو دیکھتا ہے تو آنکھیں بند کر لیتا ہے تاکہ اس کو نہ دیکھے۔ اس میں یا تو (صنعت) "مجاز مرسل" ہے یا "استعارہ" ہے۔ (الفتوحات الالٰہیۃ ۱/۲۲۲)

فوائد: پہلا فائدہ:......علامہ زمخشری فرماتے ہیں: مَنَّ یہ اس پر زیادتی کرنے کا نام ہے جس پر احسان کیا جائے۔ عرب کا ایک زبردست شاندار اور فصیح وبلیغ محاورہ ہے: صِنْوَانِ مَنْ مَنَحَ سَائِلَهُ وَمَنَّ وَمَنْ مَنَعَ نَائِلَهُ وَضَنَّ "یعنی جو مانگنے والے کو دے کر اس پر احسان جتلائے اور جو اپنی عطا کو روک کر بخل کرے (ان دونوں میں کوئی فرق نہیں) یہ دونوں ایک جیسے ہیں۔"

اور (ایسا ہی ایک دوسرا زبردست محاورہ ہے) طَعْمُ الْآلَاءِ اَحْلٰى مِنَ الْمَنِّ وَهِيَ اَمَرُّ مِنَ الْآلَاءِ مَعَ الْمَنِّ یعنی نعمتوں کو چکھنا (یعنی انہیں دینا) یہ ترنجبین سے بھی زیادہ میٹھا ہوتا ہے اور (جب انہیں) احسان جتلانے کے ساتھ (دیا جائے تو یہ دینا) الاء (شاید کوڑ تما) سے بھی زیادہ کڑوا ہے۔[1] (الکشاف ج ۱ ص ۲۲۸)

شاعر کہتا ہے:

وَاِنَّ امْرَاً اَسْدٰى اِلَيَّ صَنِيْعَةً ‏ ‏ ‏ ‏ وذكّر فيها مَرَّةً للئيم

ترجمہ:......جو شخص میرے ساتھ کوئی بھلائی کرے اور پھر (کہیں) ایک مرتبہ (بھی لوگوں میں) اس کو ذکر کر دے تو (میں اس معاملے میں اتنا خوددار ہوں کہ وہ میرے نزدیک اب کوئی کریم وشریف شخص نہیں بلکہ ایک گھٹیا اور) کمینہ شخص (بن کر رہ جاتا) ہے (یعنی احسان کر کے جتلانا شریفوں کے نزدیک اتنا ناپسندیدہ ہے)

دوسرا فائدہ:......بارش (اپنی شدت ونرمی اور تیزی وہلکے پن کے اعتبار سے) ان قسموں پر مبنی ہے پہلے "رش" (بارش کی گاہے گاہے ہلکی ہلکی چھینٹیں جن میں زور نہ ہو اور نہ وہ لگاتار ہوں اور نہ زیادہ مقدار میں ہوں یہ پھوار اور بوندا باندی سے کم ہوتی ہے)

پھر طَشٌّ (یہ ہلکی بارش کو کہتے ہیں جو رش سے زیادہ اور طل سے کم ہوتی ہے اس کو پھورا کہتے ہیں)۔

پھر طَلٌّ (یہ ذرا تیز بارش کو کہتے ہیں جس کی رفتار تو ذرا زیادہ ہو مگر مقدار زیادہ نہ ہو)۔

پھر نَضْحٌ (یہ چھینٹے دار تیز بارش کو کہتے ہیں جس میں تسلسل نہ ہو)

پھر هَطْلٌ (یہ لگاتار تیز بارش کی جھڑی کو کہتے ہیں جس کی مقدار، رفتار اور تسلسل تینوں تیز ہوں۔)

پھر وَابِلٌ ہے (یہ تیز اور زوردار طوفانی بارش کو کہتے ہیں جس کا ایک زائد وصف یہ ہوتا ہے کہ اس کے قطرے بڑے بڑے اور موٹے ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی تیز ہوا بھی چلتی ہے، جو ایک طوفانی کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔ واللہ اعلم۔ المطر الوابل یہ تیز (دہانے کھول کر) برسنے والی شدید بارش کو کہتے ہیں۔

تیسرا فائدہ: ......حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے دریافت فرمایا کہ "کیا تم جانتے ہو کہ یہ آیت کن لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی: اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ ؟ لوگوں نے کہا، کہ "اللہ ہی زیادہ جانتے ہیں" تو حضرت عمر ناراض ہو گئے (کہ کیا اب وحی آئے گی؟

---

[1] اس محاورہ میں پہلا لفظ آلاٰلاء ہے جو الف پر کھڑے زبر کے ساتھ ہے جس کو آلاء بھی لکھ سکتے ہیں یہ الالو کی جمع ہے جس کا معنی نعمت ہے۔ جب کہ دوسرے فقرے میں مذکور لفظ آلَآلَا یا آلَآلَاءُ ہے جو واحد ہے اور لام پر عام زبر کے ساتھ ہے، یہ ایک قسم کے کڑوے درخت کو کہتے ہیں جیسے ہماری پنجابی زبان میں ایک نہایت کڑوا پھل "کوڑتما" مشہور ہے جو اپنی کڑواہٹ میں ضرب المثل ہے۔ اسی طرح لفظ من کا ایک معنی ترنجبین اور میٹھا گوند بھی ہوتا ہے جو پہلے فقرے میں مراد ہے اور دوسرا معنی احسان جتلانا ہے جو دوسرے فقرے میں مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نعمتیں دینا یہ ترنجبین سے بھی زیادہ میٹھا ہے مگر جب ان کو احسان رکھ کر دیا جائے تو "کوڑتما" سے بھی زیادہ کڑوی ہوتی ہیں۔ (دیکھیں القاموس الوحید ص ۱۳۳ و ۱۵۸۶)

ترنجبین: ...... یہ فارسی زبان کا لفظ ہے یہ ایک قسم کی قدرتی شکر کو کہتے ہیں جو اونٹ کٹارے کے کانٹوں پر شبنم کی طرح گر کر جم جاتی ہے۔ یہ لیموں کے رس کو بھی کہتے ہیں جس میں کھانڈ ملی ہوتی ہے۔ (فیروز اللغات اردو ص ۳۵۷۔ کالم نمبر ۲) یاد رہے کہ "کوڑتما" کا ترجمہ بندہ نے اپنے ذوق سے کیا ہے۔ واللہ اعلم نعیم

مؤلف موصوف فرماتے ہیں، کہ "علامہ جوہری رحمہ اللہ" "صحاح العربیۃ" میں فرماتے ہیں الالاء الف کے فتح (یعنی زبر) کے ساتھ ایک کڑوے ذائقے والا خوش منظر درخت ہوتا ہے۔"

حضور ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد اب وحی بند ہوگئی۔ اور حضور ﷺ سب بتلا کر جا چکے اب کسی بات کو نہ جاننا یہ غفلت کے سوا اور کچھ نہیں۔ اسی لیے) آپ رضی اللہ عنہ نے (انہیں ایسی باتوں کی بابت ادب کی تعلیم دیتے ہوئے) فرمایا: "(ایسا مت کہو بلکہ) یہ کہو، کہ "ہم جانتے ہیں" یا (کہو کہ) ہم نہیں جانتے" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما (جو اسی مجلس میں موجود تھے) عرض کرنے لگے: "امیر المومنین! میرے جی میں ایک بات آئی ہے" (جو میں کہنا چاہتا ہوں) آپ نے فرمایا: "اے میرے بھتیجے! کہو اور ڈرو نہیں۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت ایک شخص کے عمل کی مثال بیان کرتی ہے جو مالدار ہو اور رب کی طاعت کرتا ہو پھر اس پر شیطان مسلط ہو جائے (جس کے بہکاوے میں آ کر) وہ نافرمانی کرنے لگے حتیٰ کہ (ان نافرمانیوں کی پاداش میں) اس کا سارا اعمال برباد ہو جائے۔ (بخاری)

چوتھا فائدہ:...... حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ (اس آیت کے بارے میں) فرماتے ہیں: خدا کی قسم! یہ ایک مثال ہے (جو خدا نے بیان فرمائی ہے نہ کہ گزشتہ امتوں میں گزرنے والا کوئی واقعہ) مگر اس کو سمجھنے والے لوگ کم ہیں۔ یہ ایک ضعیف البدن، کثیر العیال اور اپنے باغ کے حد درجے محتاج بوڑھے شخص کی مثال ہے جس کے باغ کو آگ کے بگولے نے آ کر جلا کر خاکستر دیا۔ اور خدا کی قسم! جب تم میں کوئی دنیا چھوڑ مرے گا تو وہ اپنے عمل کا اس بوڑھے شخص کے اپنے باغ کے محتاج ہونے سے بھی زیادہ محتاج ہوگا۔

صدقہ و خیرات کو چھپا کر کرنے کی ترغیب

وَمَآ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ نَّفَقَةٍ اَوۡ نَذَرۡتُمۡ مِّنۡ نَّذۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ ﴿۲۷۰﴾ اِنۡ تُبۡدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِىَ ۚ وَاِنۡ تُخۡفُوۡهَا وَتُؤۡتُوۡهَا الۡفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيۡرٌ لَّكُمۡ ؕ وَيُكَفِّرُ عَنۡكُمۡ مِّنۡ سَيِّاٰتِكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ﴿۲۷۱﴾ لَيۡسَ عَلَيۡكَ هُدٰهُمۡ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ فَلِاَنۡفُسِكُمۡ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡنَ اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ يُّوَفَّ اِلَيۡكُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تُظۡلَمُوۡنَ ﴿۲۷۲﴾ لِلۡفُقَرَآءِ الَّذِيۡنَ اُحۡصِرُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ ضَرۡبًا فِى الۡاَرۡضِ يَحۡسَبُهُمُ الۡجَاهِلُ اَغۡنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعۡرِفُهُمۡ بِسِيۡمٰهُمۡ ۚ لَا يَسۡـَٔلُوۡنَ النَّاسَ اِلۡحَافًا ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ ﴿۲۷۳﴾ اَلَّذِيۡنَ يُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ بِالَّيۡلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ۚ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ﴿۲۷۴﴾

وقف منزل ۔ الربع

ترجمہ: ...... جو کچھ کسی قسم کا خرچ کرتے ہو یا کسی طرح کی نذر مانتے ہو سو بلاشبہ اللہ اس کو جانتا ہے اور ظلم کرنے والوں کے لیے کوئی بھی مددگار نہیں۔ (۲۷۰) اگر تم صدقات ظاہر کر کے دو تو یہ اچھی بات ہے، اور اگر تم ان کو چھپاؤ اور فقرا کو دو تو وہ زیادہ بہتر ہے تمہارے لیے اور اللہ تمہارے گناہوں کا کفارہ فرما دے گا اور اللہ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے۔ (۲۷۱) آپ کے ذمہ نہیں ہے ان کی ہدایت، لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور جو بھی کچھ اچھا مال تم خرچ کرتے ہو، تو وہ تمہاری جانوں کے لیے ہے، اور تم نہیں خرچ کرتے ہو مگر اللہ کی رضا کے لیے، اور جو کچھ بھی خرچ کرو گے اچھا مال وہ پورا پورا تمہیں دے دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہ کیا جائے گا۔ (۲۷۲) صدقات فقرا کے لیے ہیں جو اللہ کی راہ میں روکے ہوئے ہیں وہ زمین میں سفر نہیں کر سکتے۔ سوال سے بچنے کے سبب انجان آدمی انہیں مالدار سمجھتا ہے، تو انہیں پہچان لے گا ان کی نشانی سے، وہ لگ لپٹ کر لوگوں سے سوال نہیں کرتے اور جو بھی کچھ تم خرچ کرو گے، اچھا مال سو اللہ اس کا جاننے والا ہے۔ (۲۷۳) جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو رات میں اور دن میں پوشیدہ طور پر سو ان کے لیے کا اجر ہے ان کے رب کے پاس، اور ان پر کوئی خوف نہیں، اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔ (۲۷۴)

ماقبل سے مناسبت:...... یہ آیات بھی مال کو نیکی اور خیر کے کاموں میں خرچ کرنے کو بیان کر رہی ہیں جن میں سب سے بڑا راہ خدا میں جہاد اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے خرچ کرنا ہے۔ ان آیات میں صدقات وخیرات کو چھپا کر کرنے کی ترغیب ہے کیوں کہ یہ (طریقہ) ریاکاری اور دکھلاوے سے بہت دور ہے۔ ان آیات کی مناسبت کی وجہ ظاہر ہے۔

لغت: فَنِعِمَّا:...... اس کی اصل نِعْمَ مَا ہے پھر میم کو میم میں مدغم کر دیا گیا اور فنعمّا ہو گیا۔ زجاج (اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے) کہتے ہیں، "یعنی وہ شی بہت اچھی ہے" (نعم کو فعل مدح کہتے ہیں اس کا تعارف گزر گیا ہے)۔ اُحْصِرُوْا: (یہ) حصر (سے ہے، جس کا معنی) روکنا (ہے) یعنی ان لوگوں نے خود کو (میدان) جہاد میں روک رکھا ہے۔ حصر کا (تفصیلی) معنی (آیت مضمون حج میں) گزر چکا ہے۔ التَّعَفُّفِ: یہ عفت سے ہے (یہ ناجائز یا ناپسندیدہ قول وفعل سے بچنے کو کہتے ہیں) کہا جاتا ہے۔ عَفَّ عَنِ الشَّیْءِ: یعنی اس نے (خود کو) اس (ناپسندیدہ اور ناجائز) بات سے روکا اور اس کے طلب کرنے سے بچا۔ اور مراد (غربت کے باوجود) سوال کرنے اور مانگنے سے بچنا ہے۔ بِسِيْمٰهُمْ: سِيْمَا کسی شی کی علامت جس سے وہ پہچانی جائے۔ اور (اس لفظ کو) کیمیاء کی طرح سیمیاء بھی پڑھتے ہیں اس کی اصل سمۃ ہے جس کا معنی علامت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ (الفتح، ۲۹) "(کثرت) سجود سے ان کی پیشانیوں پر نشان پڑے ہوئے ہیں۔"

اِلْحَافًا:...... مانگنے میں (بے حد اور حد درجہ) اصرار۔ "الحف" یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی سوال کرنے اور طلب کرنے میں (حد درجہ) اصرار اور لجاجت کرے۔

سبب نزول:...... حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ مسلمان ذمی فقراء پر بھی صدقہ کیا کرتے تھے پھر جب تنگدست (محتاج اور بے نواء فقیر) مسلمانوں کی بھی کثرت ہو گئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "(اب) تم صرف اپنے دین والوں (یعنی مسلمانوں) پر ہی صدقہ کرو۔" تو یہ آیت نازل ہوئی: لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ اس آیت نے غیر مسلموں پر بھی (نفلی) صدقہ کو جائز قرار دیا۔ (تفسیر قرطبی ج۳ ص ۳۳۷)

نذر پوری کرنے کا حکم

تفسیر: وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ:...... یعنی اے مؤمنو! تم راہ خدا میں جو مال بھی خرچ کرو یا کسی شے کی بھی نذر مانو اللہ تعالیٰ اس کو جانتے ہیں وہ تمہیں اس کا بدلہ دیں گے۔ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ: یعنی جو مال کی زکوٰۃ روکے یا رب کی نافرمانیوں میں مال خرچ کرے اس کا نہ کوئی معین ومددگار ہوگا (اور نہ ہی یار وانصار ہوگا) جو اس کو عذاب خدا سے بچانے میں مدد دے۔

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ:...... یعنی اگر تم اپنے صدقات ظاہر (اور کھلے بندوں) دو تو یہ بھی تمہارا ایک اچھا (اور بہتر) فعل ہے۔ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ: یعنی اگر تم اس صدقہ کو چھپا کر اہل حاجت کو دو تو یہ تمہارے لیے (خوب تر اور) زیادہ افضل ہے کیوں کہ یہ ریا (ودکھلاوا) سے زیادہ دور ہے۔ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ: یعنی (تمہارا یہ چھپا کر صدقہ دینا) تمہارے نیک اعمال کی بدولت تمہارے گناہوں کی برائی کو مٹا دے گا۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ: یعنی وہ پاک ذات تمہارے اعمال پر مطلع ہے جو تمہارے پوشیدہ کاموں کو جانتی ہے۔ اس آیت میں چھپا (کر صدقہ کرنے) کی ترغیب ہے۔ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ: یعنی اے محمد! آپ لوگوں کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں کہ جو ہدایت پر نہ آئے اس کے گناہ کا مواخذہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہ ہوگا۔[1] آپ کے ذمے تو فقط ان کو تبلیغ کرنا ہے فقط اور خدا اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے دین اسلام کی ہدایت دے۔

---

[1] یہاں سے آج کی اس بے راہ جماعت کے باطل عقیدہ کا رد ہو گیا جو ہر فرد بشر کو یہ یقین دلانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں کہ دنیا بھر میں جو جو گناہ بھی ہو رہا ہے اس کا براہ راست اور اصالتہ مطالبہ ومواخذہ ہم سے ہوگا۔ اس عقیدہ کے مطابق اس جماعت کا ہر فرد ہر وقت خود کو گنہگار تصور کرتا ہے۔ جیسا کہ یہود ونصاریٰ میں خود کو ہر وقت گنہگار تصور کرنے کا عقیدہ ہے۔ "اعاذنا اللہ من سوء الفهم" نسیم

انفاق فی سبیل اللہ کا فائدہ

وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ فَلِاَنۡفُسِكُمۡ :......یعنی تم جو مال بھی خرچ کرو گے وہ تمہارے ہی لیے ہے کیوں کہ اس سے کوئی دوسرا نفع نہ اٹھائے گا کیوں کہ اس کا ثواب تمہیں ہی ملے گا۔ وَمَا تُنۡفِقُوۡنَ اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ اللّٰهِ: یہ (جملہ لفظوں میں) خبر ہے اور معنی کے لحاظ سے نہی ہے یعنی تم صرف خدا کی رضا کے لیے ہی خرچ کرو نہ کہ کسی دنیاوی غرض کے لیے"۔ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ يُّوَفَّ اِلَيۡكُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تُظۡلَمُوۡنَ: (یعنی تمہارے) خرچ کیے کے اجر و ثواب کو کئی گنا بڑھایا جائے گا جس کو تم (آخرت میں) پاؤ گے اور تمہاری نیکیوں میں سے کچھ کم نہ کیا جائے گا۔

فقرا پر خرچ کی ترغیب

لِلۡفُقَرَآءِ الَّذِيۡنَ اُحۡصِرُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ: ......یعنی تم ان فقراء پر خرچ کرو جو (راہ خدا میں میدان) غزوہ وجہاد میں خود کو روکے ہوئے ہیں۔ لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ ضَرۡبًا فِى الۡاَرۡضِ: یعنی جہاد کی وجہ سے وہ کسب وتجارت کے لیے ملک (کے دوسرے حصوں) کا سفر نہیں کر سکتے۔ يَحۡسَبُهُمُ الۡجَاهِلُ اَغۡنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ: یعنی ان کے حد درجہ سوال کرنے سے گریز کرنے کی وجہ سے جو ان کا حال نہیں جانتا وہ انہیں مال دار سمجھتا ہے۔ تَعۡرِفُهُمۡ بِسِيۡمٰهُمۡ ۚ لَا يَسۡـئَلُوۡنَ النَّاسَ اِلۡحَافًا: یعنی اے مخاطب! تو ان کی تواضع اور مجاہدے کی علامت سے انہیں پہچان لے گا اور اس کے باوجود بھی یہ لوگوں سے سرے سے کچھ بھی نہیں مانگتے اور الحاح (واصرار) کے ذریعے سوال نہیں کرتے۔ اس کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے، کہ "اگر وہ سوال بھی کرتے ہیں تو نرمی ولطف سے کرتے ہیں (بے جا) اصرار نہیں کرتے۔"[1] وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ: یعنی خیر کے کاموں میں تم جو بھی خرچ کرتے ہو خدا تعالیٰ تمہیں اس کی احسن جزا دے گا۔ اَلَّذِيۡنَ يُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ بِالَّيۡلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً: یعنی جو راہ خدا میں ہر وقت رب کی رضا کے لیے خرچ کرتے ہیں رات کو بھی اور دن کو بھی اور ہر حال میں خرچ کرتے ہیں پوشیدہ حالت میں بھی اور ظاہر حالت میں بھی۔ فَلَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ۚ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ: یعنی ان کے لیے اپنے خرچ کیے کا ثواب ہوگا اور روز قیامت نہ انہیں کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی دنیا میں چھوٹ جانے والی نعمتوں پر کوئی رنج ہوگا۔

بلاغت: وَمَآ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ نَّفَقَةٍ :...... اَنۡفَقۡتُمۡ اور نَّفَقَةٍ کے (الفاظ کے) درمیان "جناس اشتقاق" ہے اسی طرح نَذَرۡتُمۡ اور نَّذۡرٍ کے (کلمات کے) درمیان بھی (جناس اشتقاق) ہے۔ اِنۡ تُبۡدُوا الصَّدَقٰتِ اور وَاِنۡ تُخۡفُوۡهَا : میں ابداء (یعنی ظاہر کرنے) اور اخفاء (چھپانے) میں طباق لفظی ہے۔ اسی طرح لفظ اللیل اور النھار میں اور سراً (خفیہ) اور اعلانیۃً (ظاہر) میں بھی طباق ہے جو محسنات بدیعیہ میں سے ہے۔ وَاَنۡتُمۡ لَا تُظۡلَمُوۡنَ : اور تمہارا کچھ نقصان نہیں کیا جائے گا" اس میں "اطناب" ہے کیوں کہ یہ يُّوَفَّ اِلَيۡكُمۡ کے بعد آیا ہے جس کا معنی ہے کہ تمہیں بغیر نقصان کے پورا پورا دیا جائے گا۔" (چوں کہ اس کلمہ میں "نقصان نہ کرنے" کو بیان کیا جا چکا ہے اب اس کے بعد وَاَنۡتُمۡ لَا تُظۡلَمُوۡنَ میں "اطناب" یعنی کلام میں طوالت بالکل ظاہر ہے)۔

فائدہ:...... کسی حکیم کا قول ہے کہ "جب تو کوئی نیکی کرے تو اس کو چھپا اور جب تیری ساتھ کوئی نیکی کرے تو اس کی نیکی کی تشہیر کر اور (دل والے) یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

یخفی صنائعہ واللہ یظھرھا　　　　ان الجمیل إذا اخفیت ظھرا

"وہ اپنی نیکیاں چھپاتا ہے اور خدا ان کو ظاہر کر کے رہتا ہے کیوں کہ جب تو نیکی چھپائے تو تو وہ (خدا کی منشا یہی ہے کہ) ظاہر ہو کر رہے گی۔"

---

[1] یعنی یہ لوگ اس بے اعتنائی اور نہ مانگنے کی وجہ سے غنی سمجھے جاتے ہیں۔ ان کے چہروں پر انوار تقدس چمکتے ہیں جن سے صاحب بصیرت ان کو پہچان لیتے ہیں یہ خاصان خدا اور محبوب کبریا ہیں کہ عام سائلوں کی طرح در بدر بھیک مانگتے نہیں اور رستوں میں لوگوں سے لپٹتے نہیں۔ جیسا کہ آج کل چرس اور بھنگ پی کر گدائی کرنا احمقوں نے ولایت اور کمال سمجھ رکھا ہے۔ "تفسیر حقانی ج ۲ ص ۱۸۔" نسیم

سود کی ممانعت

اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰی فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗۤ اِلَی اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾ یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِیْمٍ ﴿۲۷۶﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰی مَیْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾ وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَی اللّٰهِ ۫ ثُمَّ تُوَفّٰی كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾

وقف لازم ۔ ع ۳۸

ترجمہ: ......جو لوگ کھاتے ہیں سود وہ نہیں کھڑے ہوں گے مگر جیسے کہ کھڑا ہوتا ہے وہ شخص جسے شیطان لپٹ کر مخبوط بنا دے، یہ اس لیے کہ انہوں نے کہا کہ بیع تو سود ہی کی طرح سے ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال قرار دیا اور سود کو حرام قرار دیا، سو جس کے پاس آ گئی نصیحت اس کے رب کی طرف سے پھر وہ باز آ گیا تو اس کے لیے وہ ہے جو گزر چکا، اور اس کا معاملہ اللہ کی طرف ہے، اور جو شخص پھر عود کرے سو یہ لوگ دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿۲۷۵﴾ اللہ مٹاتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے صدقات کو، اور اللہ دوست نہیں رکھتا کسی کفر کرنے والے، گناہ کرنے والے کو۔ ﴿۲۷۶﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی سو اُن کے لیے اِن کا ثواب ہے ان کے ربّ کے پاس نہ وہ خوفزدہ ہوں گے اور نہ غمگین ہوں گے۔ ﴿۲۷۷﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سود میں سے جو کچھ باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، اگر تم ایمان والے ہو، ﴿۲۷۸﴾ پس اگر تم نہ کرو تو جنگ کا اعلان سن لو اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے، اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لیے اصل مال ہیں نہ تم ظلم کرو گے نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔ ﴿۲۷۹﴾ اور اگر تنگ دست ہو تو مہلت دینا ہے آسودہ ہو جانے تک، اور یہ بات کہ تم صدقہ کر دو تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔ ﴿۲۸۰﴾ اور ڈرو تم اس دن سے جس میں لوٹائے جاؤ گے اللہ کی طرف، پھر ہر جان کو اِس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا جو کچھ اس نے کسب کیا، اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ ﴿۲۸۱﴾

ماقبل سے مناسبت: ......جب رب تعالیٰ نے اپنی حلال کمائیوں میں سے خرچ کرنے کا حکم دیا اور صدقہ دینے پر ابھارا اور راہ خدا میں خرچ کرنے کی ترغیب دی۔ تو یہاں اس کے بالمقابل "سود" (کے لین دین) کو ذکر کیا جو ایسی خراب اور بدشکل خبیث کمائی ہے جو گندگی، غلاظت، کوڑا کرکٹ اور (نرا بخل و) لالچ ہے۔ جب کہ صدقہ میں عطا، فیاضی (فراخدلی) اور طہارت ہے۔ راہ خدا میں نیک پاک اور حلال مال کے خرچ کرنے کے ذکر کے فوراً بعد اس کو اس لیے ذکر کیا تا کہ حلال پاک کمائی اور خبیث حرام کمائی کے درمیان فرق خوب روشن اور واضح ہو جائے۔ جیسا کہ مثل مشہور ہے کہ وبضدها تعرف الاشياء چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں۔

لغت: ......اَلرِّبٰوا: اس کا لغوی معنیٰ بڑھوتری ہے۔ کہتے ہیں ربا الشئی "وہ شی بڑھی" اسی معنی میں لفظ ربوۃ اور رابیۃ ہے (جس کا معنی "ٹیلہ"

ہے جو زمین سے اوپر کی طرف بڑھا ہوتا ہے) اور اس کا شرعی معنی یہ ہے کہ "یہ اصل رقم پر وہ زیادتی ہے جو قرض دینے والا مقروض سے قرض کی مدت کے عوض لیتا ہے۔" يَتَخَبَّطُهُ: (یہ) التخبط (سے ہے۔ اس کا معنی ہے) الٹے سیدھے (ہاتھ پاؤں) مارنا۔ (یعنی مخبوط الحواس ہو کر اوٹ پٹانگ حرکتیں کرنا) جیسے کہ اونٹ (سخت طیش اور دیوانگی میں) زمین پر اپنے پاؤں زور زور سے مارتا ہے۔ اور وہ شخص جو اپنے کام درست سرانجام نہ دے سکے اس کو "خبط فی عشواء وتورط فی عمیاء" کہا جاتا ہے، "یعنی وہ بے سوچ سمجھے اور بے ہدایت و بے بصیرت کام کرتا ہے"[1] اور تخبطه الشیطان اس وقت بولا جاتا ہے جب شیطان لپٹ کر کسی کو دیوانہ اور خبطی بنا دیتا ہے۔ الْمَسِّ: [2] جنون۔ اس کی اصل "مس بالید" (ہاتھ سے چھونا) سے ہے گویا کہ شیطان انسان کو چھوتا ہے جس سے وہ دیوانہ ہو جاتا ہے۔ سَلَفَ: گزر گیا، (اس کی مدت پوری ہو گئی یعنی) وہ ختم ہو گیا۔ اسی معنی میں سالف الدھر "گزرا زمانہ" (گزشتہ وقت یعنی ماضی) کا محاورہ ہے۔ يَمْحَقُ: (یہ) اَلْمَحْقُ (سے ہے جس کا معنی ہے) ایک شی کا رفتہ رفتہ کم ہونا اور گھٹنا۔ اس سے اَلْمَحَاقُ فی الھلال "چاند پورا ہو جانے کے بعد اس کی روشنی کا روز بروز گھٹنا اور کم ہونا" کا محاورہ ہے۔ کہا جاتا ہے محقه الله وانمحق وامتحق "خدا نے اس شی کی برکت کو ختم کر دیا تو وہ بے برکت ہو گیا اور اس کی برکت زائل ہو گئی" (یعنی وہ زائل اور ختم ہو گیا) اثیم: بے حد گناہوں کا عادی اور گناہوں اور جرائم کی آخری حد کو پہنچنے والا"۔

سبب نزول: ......ثقیف کے بنو عمرو قبیلہ کا بنی مغیرہ پر سودی قرضہ تھا پھر جب قرض کی مدت پوری ہو گئی تو انہوں نے بنو مغیرہ سے سود کا تقاضا کرنے کا ارادہ کیا۔ تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ: تو بنو عمرو کہنے لگے کہ "ہم میں اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے کی سکت نہیں۔ انہوں نے (سود لینے سے) توبہ کی اور بنو مغیرہ سے فقط اپنی اصل رقم کا مطالبہ کیا۔"

(البحر المحیط ج۲ ص ۳۳۷)

سودی معاملہ کرنے والے کا بروز قیامت حشر

تفسیر: اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ: ......یعنی جو لوگ (سود کھاتے ہیں) سود کا[3]

---

[1] ترجمہ از "القاموس الوحید ص ۴۰۷ کالم نمبر ۱" نسیم [2] مس اور مس الشیطان سے مراد عربی محاورہ میں جنون ہوتا ہے۔ امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے مس کو جنون سے کنایہ اور علامہ زمخشری نے کشاف میں مس کو جنون کہا ہے۔ "تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۵۰۴۔" نسیم [3] محاورہ میں سے ہے، مراد سود لینا ہے (یعنی سودی لین دین کرنا ہے) خواہ وہ کسی مصرف میں بھی لایا جائے صرف کھانا مراد نہیں۔ تفسیر کبیر میں یہی مطلب بیان کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اردو محاورہ میں بھی "سود خوری" عام ہے جو خورد و نوش تک محدود نہیں۔ (اس کی لغوی اور اصطلاحی تعریفات متن میں گزر گئی ہیں) اردو میں اس کا ترجمہ سود ہے جس کا مطلب ہر ایک سمجھتا ہے۔ (تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۵۰۳)

تمہید: ......ان آیات میں سود کی حرمت اور اس کے احکام مذکور ہیں یہ مسئلہ کئی حیثیتوں سے بہت اہم ہے ایک طرف قرآن و سنت میں اس پر شدید وعیدیں ہیں۔ دوسری طرف جدید اقتصادیات میں یہ ایک ایسا لازمی جز بن چکا ہے جس سے نجات کی مشکلات کا مسئلہ نہایت طول پکڑ چکا ہے (لیکن یاد رہے کہ پوری دنیا کی اقتصادیات کے گرد سود کا یہ جال بننے والا "عنکبوت" (مکڑا) "یہودی" ہے) اس مقام پر دو باتیں نہایت اہم ہیں۔ قرآن و سنت کی تفسیرات و تشریحات کی روشنی میں سود کی تعیین اور یہ کہ یہ کن معاملات کو شامل ہے۔ اور اس کی حرمت کی مصلحتیں اور اس میں مضرتیں کیا کیا ہیں۔ دوسرے اس کا عقلی اعتبار سے جائزہ کہ کیا واقعی سود دنیا کی اقتصادیات کی ترقی کا ضامن ہے؟ اور کیا یہ حقیقت ہے کہ سود کے بغیر اقتصادی نظام برباد ہو جائے گا؟ یا ان پراگندہ خیالات کو آخرت اور خدا سے غافل دماغوں نے ایجاد کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ سود کا چھوڑنا ہی اقتصادی ترقی کا اور پوری دنیا میں معاشی مسائل کے حل، ان کے استحکام اور معاشرتی امن و امان کا ضامن ہے۔ دیکھا جائے تو ساری دنیا کے معاشی و اقتصادی مصائب کا اصل سبب سود ہی ہے۔ چوں کہ اس دوسری بحث کا موضوع تفسیر قرآن کے متعلق نہیں اس لیے اس کو دوسرے مقام کے لیے اٹھا رکھتے ہیں۔ اس جگہ پہلی بحث پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔ یہ کل چھ آیات ہیں جن میں سود کی حرمت کا بیان ہے۔ پہلی دو آیتوں میں سود خور کے انجام بد اور میدان محشر میں ان کی ذلت و فضیحت، اور رسوائی و گمراہی کا بیان ہے۔ کہ یہ قیامت کے دن پاگل اور مجنون اٹھیں گے جیسے شیطان نے ان کو لپٹ کر پاگل اور خبطی بنا دیا ہو۔ (معارف القرآن ج ۱ ص ۶۴۷ ملخصاً وبتصرف) "یعنی یہ سود خور قیامت کے دن سیدھے کھڑے نہ ہو سکیں گے اگر کھڑے ہوں گے بھی تو خبطیوں، دیوانوں کی طرح گرتے پڑتے لڑکھڑاتے ہوئے۔ یہ اصل منظر تو قیامت کا ہے لیکن ایک ہلکا سا رنگ اس دنیا ہی میں نظر آ جاتا ہے کہ مہاجن ساہوکار جو روپے پیسے کے پیچھے دیوانہ باؤلا رہتا ہے۔ واقعی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے جن یا بھوت چمٹ گیا ہو اور اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے سوتے جاگتے اس پر سود یا بیاج ہی سوار رہتا ہے.... (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ)

معاملہ کرتے ہیں اور وہ (سودی لین دین سے قرض پر سود پر سود چڑھا کے) لوگوں کا خون چوستے ہیں وہ قیامت کے دن اپنی قبروں سے نہیں کھڑے ہوں گے مگر اس آدمی کی طرح جیسا کوئی دیوانگی کا مارا (جس کو شیطان نے لپٹ کر خبطی اور مخبوط الحواس بنا دیا ہو) حواس باختہ اٹھتا ہے اور وہ ڈگمگاتا ہے اور گر گر جاتا ہے کہ سیدھا چل نہیں سکتا۔ پس وہ خبط و جنون زدہ اٹھیں گے۔ روز قیامت یہ ان کی (خاص) علامت ہوگی (اور ان کے ساتھ ایسا) ان کی فضیحت و رسوائی کے لیے (کیا جائے گا)۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)...... جب دنیا میں اس کی حرص و طمع اس قدر بڑھی ہوئی ہے لازم ہے کہ اس کا حشر بھی مخبوط الحواس اور جنون زدہ حالت کے ساتھ ہو۔ (تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۵۰۴)

''یہ لوگ اس فعل بد کی سزا میں عذاب الٰہی کی دہشت سے بدحواس ہوں گے جیسے کوئی خلل آسیب سے بدحواس ہو جاتا ہے۔ چوں کہ دنیا میں محتاجوں اور مقروضوں کو ان کی سخت گیری سے دہشت و حیرانی ہوتی تھی تو ان کا یہ فعل قیامت کے دن ان پر آسیب بن کر سوار ہوگا۔'' (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۱۹)

تفسیر قرطبی اور بحر المحیط میں اس آیت کو عام گنہگار مؤمن سودخواروں کے حق میں نہیں لیا گیا بلکہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو سود کی حرمت کے ہی منکر ہیں۔ جیسا کہ آگے خود آیت کا انداز بیان بتلاتا ہے کہ وہ سود کو بیع کی طرح ہی سمجھتے تھے۔'' (تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۵۰۴)

اب یا تو وہ شروع سے ہی کافر ہیں یا سود کی حرمت کا انکار کر کے کافر بن گئے۔ نسیم ''اور دوسری اہم بات یہ ہے کہ وہ روز محشر محض پاگل بن کر نہ اٹھیں گے بلکہ ان پر شیطانی اثرات ہوں گے کیوں کہ محض دیوانہ تو کبھی چھپ چاپ بھی بیٹھا رہتا ہے مگر یہ شیطان کے بنائے خبطیوں کی طرح ہذیان و بکواس کرتے ہوں گے اور دوسری مجنونانہ حرکتوں سے ذلیل و رسوا ہوں گے۔'' (معارف القرآن ج ۱ ص ۶۴۸) ملخصاً نسیم

آسیب کی تحقیق:...... اس آیت معلوم ہوا کہ آسیب ممکن ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ بعض خبیث جن تکلیف پہنچانے کی غرض سے انسان پر مسلط ہو جاتے ہیں جس سے وہ بدحواس ہو جاتا ہے۔ اور جنات کا وجود قرآن و حدیث سے ثابت ہے اس لیے اس کی تاویل کی ضرورت نہیں اور نہ ہی اس میں کوئی وجہ استبعاد کی ہے اور اہل تجربہ کے متواتر تجربات بھی اس پر شاہد ہیں۔ علامہ ابن قیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اطبا اور فلاسفہ نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے کہ صرع، بے ہوشی یا جنون کے مختلف اسباب میں سے ایک سبب جن و شیطان کا اثر بھی ہے۔ اس لیے جہاں اس کے انکار کرنے والوں کے پاس ظاہر استبعاد کے علاوہ اور کوئی دلیل نہیں وہاں اس قسم کے آثار کا انکار نری دہریت اور الحاد بھی ہے۔ (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۶۶۔ معارف القرآن ج ۱ ص ۶۴۷۔ ۶۴۸ ملخصاً و بتصرف)

بدروح کی تحقیق:...... یہ بات اب تک ثابت نہیں کہ مردوں کی ارواح آ کر ستاتی ہیں (جن کو عام محاورہ میں ''بدروح'' کہتے ہیں) بلکہ ظاہراً یہ امر اس لیے غلط معلوم ہوتا ہے کہ اگر تو صلحا کی ارواح ہیں تو وہ جنت کی نعمتوں میں مشغول ہیں انہیں دنیا میں آ کر کسی کو ستانے کی کیا ضرورت (جب جیتے جی کسی کو نہ ستایا تو بعد مرنے کے ایسی کیا ضرورت در پیش آئی جو ستانے چلے آئے) اور اگر وہ بدبختوں کی روحیں ہیں تو عذاب کے فرشتے انہیں اس کام کی مہلت کب دیں گے'' (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۶۶ بتصرف)

سود کی اقسام، ان کے احکام، ایام جاہلیت کا سود اور موجودہ دور، اور تجارتی سود کے جواز کے قائل بعض محققین کی رائے کا مختصر جائزہ:...... اس کی پوری تفصیل تو کسی کتاب میں ملاحظہ ہو، احکام اور آئمہ کے اس کے بارے میں اقوال و اختلاف اور دلائل کتب فقہ میں ملاحظہ ہوں، ہم یہاں علامہ حقانی کی ایک طویل تحریر کا خلاصہ لکھ دیتے ہیں۔

سود کی دو قسمیں ہیں: ربا الفضل، ربا النسیئۃ

ربا النسیئۃ جو ایام جاہلیت میں مروج تھا، اس کی تعریف متن میں آ گئی ہے کہ کسی کو ایک مدت تک قرض دینا اور اس پر کچھ مقرر کر کے اُس سمیت واپس لینا اور اگر مقررہ مدت پر وہ قرض ادا نہ کر سکے تو مقررہ رقم میں کچھ اور بڑھا کر لینا۔ یہی عام سودخوروں کا سود ہے جس کو مہاجنی سود بھی کہتے ہیں۔

دوسری قسم کا سود جس کو رب الفضل کہتے ہیں: یہ اجناس مثلاً گندم جو اور چاول وغیرہ کو اسی جنس سے ڈیوڑھے یعنی ڈیڑھ گنے یا دگنے پر بیچنا۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے اختلاف کے باوجود اگرچہ انہوں نے بعد میں رجوع کر لیا تھا جمہور آئمہ کے نزدیک یہ دونوں قسم کا سود حرام ہے۔ ان آیات میں ربا النسیہ کی حرمت ثابت ہے اور رب الفضل کی حرمت مسلم شریف کی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے ثابت ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونا، چاندی، گیہوں، جو، چھوہارے اور نمک وغیرہ چھ اشیاء کو برابر سرابر اور دست بدست بیچنے کا حکم دیا۔ مثلاً نمک کو نمک کے بدلے نہ کم زیادہ دیں اور نہ ادھار پر اٹھا رکھیں بلکہ مثلاً سیر کے بدلے سیر اور دست بدست دیں۔ اگر ان میں موقع پر کمی زیادتی کی یا ادھار پر دیا تو سود ٹھہرا جو حرام ہے۔ آئمہ اربعہ نے ان اشیا پر قیاس کر کے دوسری چیزوں میں بھی سود کو جاری کیا ہے۔ مگر اس کی علت کی تعیین میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہی حکم ہر اس شے میں ہے جو ناپ تول میں آتی ہو جس کو جنس اور قدر کہتے ہیں۔ لہٰذا اگر دونوں مثل کر کیں مثلاً سونا چاندی اور دونوں کی جنس بھی ایک ہو مثلاً سونے کے بدلے سونا تو کمی زیادتی سود ہوگی اور ادھار بھی حرام ہوگا۔ البتہ اگر دونوں تلتی تو ہوں مگر جنس ایک نہ ہو...... (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ)

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا:......یعنی (روز قیامت) ان کو اس بدحواسی اور حواس باختگی کا سامنا اس لیے کرنا پڑے گا کہ انہوں نے خدا کے حرام کیے کو حلال ٹھہرالیا۔ اور (اس لیے کہ) وہ یہ کہتے تھے، کہ "سود بھی تو (حصول نفع کے اعتبار سے) بیع اور خرید وفروخت ہی کی طرح ہے تو پھر یہ حرام کیوں؟ رب تعالیٰ ان پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا: یعنی خدا نے بیع (یعنی سودے) کو اس لیے حلال ٹھہرالیا ہے کہ اس میں طرفین نفع کا باہم تبادلہ کرتے ہیں (کہ ایک فریق کو رقم ملتی ہے تو دوسرے کو سودا) اور سود کو اس لیے حرام ٹھہرایا کہ اس میں افراد و معاشرے کو زبردست نقصان پہنچتا ہے (جس کی قدرے تفصیل ہم نے حاشیہ میں بیان کردی ہے۔ نسیم) دوسرے اس میں (غریب بیچارے) مقروض (کی ہڈیوں اور اس) کے گوشت کو ادھیڑنے سے (سودخود) ایک (یقینی) نفع حاصل کرتا ہے (جب کہ مقروض صرف قرض کے بوجھ تلے دبتا چلا جاتا ہے، نفع تو کیا لے گا)۔ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ: یعنی جس کو رب کا سود کی ممانعت کا حکم پہنچ گیا اور وہ سود لینے سے باز آگیا تو اس حرمت کے حکم سے پہلے وہ جو لے چکا وہ اس کو حلال ہے۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)...... تو کمی زیادتی تو جائز ہوگی مگر ادھار حرام ہوگا۔ مثلاً سونے کو چاندی کے بدلے میں کہ ایک تولہ سونا کے بدلے تیس تولہ چاندی لے سکتے ہیں مگر ادھار ان دونوں میں بھی حرام ہوگا۔ اور اگر تلتی تو نہ ہوں مگر جنس ایک ہو تو بھی یہی حکم ہے مثلاً کپڑا کہ تلتا نہیں تو مثلاً ایک پشاوری چادر کے بدلے دو چادریں لے سکتے ہیں مگر ادھار اس میں بھی حرام ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ اگر قدر و جنس دونوں ہوں تو زیادتی اور ادھار دونوں حرام اور سود ہیں اور اگر دونوں میں سے ایک وصف نہ ہو تو زیادتی تو درست ہے مگر ادھار حرام ہے اور جہاں دونوں وصف نہ ہوں وہاں دونوں جائز ہیں۔ ادھار بھی اور زیادتی بھی مثلاً روپیہ پیسہ کے بدلے غلہ وغیرہ کی خرید کہ ادھار بھی درست ہے اور زیادتی بھی۔ دوسرے آئمہ کے اقوال ان کے دلائل کتب فقہ میں دیکھ لیے جائیں۔ ہمارے جدید دور میں جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ سود صرف غریبوں سے لینا حرام ہے نہ کہ امیروں سے اور بینک میں نوٹ پر سود لینا درست ہے رفاہِ عام کے سرمایہ کا سود لینا درست ہے ملک کی تمدنی ترقی مثلاً پلوں کی تعمیر، ہسپتالوں کی تعمیر، ریل بچھانے اور ہوائی اڈے وغیرہ تعمیر کرنے کے لیے سود لینا درست ہے اور تجارت اور ملک کی ترقی میں سود کو حرام کہنا سدراہ ہے وغیرہ وغیرہ کہ یہ سب سخت بیوقوفی کی باتیں اور ابلہ فریبی ہے۔ حق یہ ہے کہ سود کی تمام قسمیں حرام ہیں خواہ وہ مہاجنی سود ہو یا تجارتی، امیروں سے ہو یا غریبوں سے رفاہ عامہ کے کاموں کے لیے ہو یا ملک کی تمدنی تعمیر و ترقی کے لیے ہو۔ اور اس پر چار وعیدیں ہیں۔ ①...... وہ آدمی روز محشر شیطان کے اثر سے خبطی ہوگا۔ جس کا بیان اس آیت میں ہے۔
②...... جو اس کے بعد بھی سودی لین دین سے نہ رکیں دوزخ کے لیے تیار رہیں یہ سود کو جائز کہنے والوں کا انجام ہے اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ ③...... خدا سود کو مٹا کر رہے گا۔ اس میں دھمکی ہے کہ جس ملک میں سود کا چال چلن ہوگا وہ ضرور تباہی کے دہانے پر اترے گا۔ ④...... خدا اور رسول کا ان کے خلاف اعلان جنگ ہے۔ بھلا اس سے بڑھ کر اور کیا وعید اور دھمکی ہوگی؟

سود کی نحوستیں: ①...... تجربہ شاہد ہے کہ سود خوری سے دل پر سختی، روپیہ کی محبت اور بزدلی حد بیان سے باہر طاری ہوتی ہے۔ یہ تینوں صفات نہایت بری ہیں کہ کوئی کتنا ہی مفلس آجائے مگر سود خور کا دل نرم نہ پڑے گا۔ یہ اپنے نفع کے لیے اس کو مزید برباد کریں گے۔ ان کی بزدلی بھی مشہور ہے تاریخ میں کوئی فاتح قوم سود خور نہ ملے گی۔ اسرائیل کے موجودہ یہودی اس کی مثل آفتاب روشن اور صحیح مثال ہیں کہ سود کے امام اس قوم میں نہ اولوالعزمی ہے نہ جرأت دلیری۔ یہ نہایت بزدل ہیں۔ پھر سود کی جمع پونجی کے لیے ہمیشہ دوسرے سے لڑتے ہیں۔ دوسرے یہی اخلاق رذیلہ اس کے دل کی دنیا کو تباہ و برباد کر کے کھنڈر کر دیتے ہیں اور وہ ایک زندہ لاش کی طرح چلتا پھرتا ہے۔
②...... ملک کی ترقی و رونق علوم و فنون اور کارخانوں اور تجارت سے ہے۔ سودی نظام ان کی ترقی سے غافل کر دیتا ہے اور ملک کی ترقی جاتی رہتی ہے۔ یہ لوگ بدنیت بن کر جیتے ہیں۔ سودی نظام ملک کی خوشحالی اور سرسبزی کو نگل جاتا ہے بس چند مردار خور دندناتے پھرتے ہیں۔ ③...... صلہ رحمی اور ہمدردی انسانی اور محبت و مروت کے دروازہ پر سود کا بھاری قفل لگ جاتا ہے جو کھلنے میں نہیں آتا ہے۔ جس سے معاشرہ اخلاقی انارکی کا شکار ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔ "اعاذنا اللہ منہ"

نوٹ:...... معارف القرآن ج ۱ ص ۶۴۷ - ۶۸۱ میں سود کے جملہ پہلوؤں پر نہایت سیر حاصل بحث کی گئی ہے جس میں سود اور بیع کا فرق ان کے اثرات و ثمرات اور عواقب و نتائج جدید عقلی اعتراضات اور ان کے جوابات، سود کے مٹنے کی تشریح، اس کی ممانعت کی حکمت، نظام معاشیات اور تجارت کا رکن اعظم بن جانے کی بحث، سود کی معاشی خرابیاں، سود سے ملت کشی کا ایک منظر، سود کی روحانی بیماریاں، سود کے بغیر بینک و تجارت اور معاشیات و اقتصادیات کا نظام اور سود کے بارے میں ارشادات نبوی ﷺ وغیرہ کے موضوعات پر قلم اٹھایا گیا ہے۔ جس کا پڑھنا طالبان علوم قرآن کے لیے نہایت ضروری ہے۔
نیز اس کی مفصل وضاحت کے لیے دیکھیں "مسئلہ سود" مولفہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ "نسیم"

وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ:……اور اس کا معاملہ خدا کے سپرد ہے کہ (روز قیامت) چاہے تو (اس گزشتہ سود لینے پر) اس کو معاف کردے اور چاہے تو اس کی گرفت فرمائے۔ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ: یعنی جو شخص رب تعالیٰ کے سود کو حرام کردینے کے بعد بھی اس کو حلال سمجھتے ہوئے سودی لین دین کیے جائے تو وہ ہمیشہ دوزخ میں رہنے والوں میں سے ہوگا (کیوں کہ اس صریح حرام کو حلال قرار دینے کے بعد وہ کافر ٹھہرا اور کافروں کا انجام یہی ہے) اور سود خور نازاں نہ ہو کہ ہم نفع حاصل کررہے ہیں۔ کیوں کہ……

سود گھٹتا ہے، صدقہ بڑھتا ہے

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ:……''رب تعالیٰ سود کی خیر کو مٹا دیتے ہیں اور اس کے (پیداواری) منافع کو ختم کردیتے ہیں گو بظاہر زیادتی معلوم ہو (مگر باطن میں بربادی ہے) اور رب تعالیٰ صدقات (وخیرات) کو بڑھاتے اور اس کی پرورش کرتے ہیں اگرچہ بظاہر صدقات میں نقصان نظر آتا ہو (اور مال گھٹتا نظر آتا ہے مگر باطن میں بڑھتا ہے)۔ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ: یعنی رب تعالیٰ ہر اس شخص کو جو دل کا کافر اور قول وفعل کا گنہگار ہے اس کو دوست نہیں رکھتے۔ اس آیت میں سود پر (خدا کی طرف سے) شدید سختی اور اس بات کا اعلان ہے کہ یہ کافروں کا کام ہے (اور اس کو حلال جاننے والے کافر ہیں)۔

آگے رب تعالیٰ ان اہل ایمان کی مدح فرماتے ہیں جو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے میں خدا تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ:……یعنی جن لوگوں نے رب تعالیٰ کی تصدیق کی اور نیک اعمال کیے جن میں نماز کا قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا (بھی) ہے۔ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ: یعنی ان کے لیے جنت میں کامل ثواب ہوگا اور وہ بڑی گھبراہٹ کے دن نہ تو خوفزدہ ہوں گے اور نہ ہی انہیں دنیا کی چھوٹ جانے والی چیزوں کا غم ہوگا۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ: یعنی (مومنو!) اپنے پروردگار سے ڈرو! اور اپنے ہر فعل میں اس کا خوف رکھو! اور لوگوں کے ذمے جو تمہارا سود (اب سے پہلے) بنتا ہے اس کو چھوڑ دو اگر تمہارا خدا پر پورا پورا (اور سچا) یقین ہے۔ (یعنی ممانعت سے پہلے کا سود اپنا حق نہ سمجھو۔ ''حقانی'')

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ:……یعنی اگر تم سود لینا نہ چھوڑو گے تو خدا اور اس کے رسول کے ساتھ یقینی طور پر لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ (کہ اس شدید ممانعت اور مزید تاکید کے بعد پھر سود لینا اور غریبوں کا دل دکھانا خدا اور اس کے رسول سے جنگ ہے۔ ''حقانی'') کہ یہ خدا اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کا اشتہار ہے۔ ''بیان القرآن'') حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''سود خود کو قیامت کے دن کہا جائے گا کہ ''تو (دنیا میں روکنے کے باوجود سود لیتا تھا اب) اپنا اسلحہ لے (اور خدا سے) لڑنے کے لیے (تیار ہو جا)''۔ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ: یعنی اگر تم لوگوں نے سود لینا چھوڑ دیا اور اس عمل سے باز آ گئے تو تمہارے لیے کسی قسم کی کمی زیادتی کے بغیر تمہاری اصل رقم ہے (کہ تم اس کو مقروضوں سے لے سکتے ہو)۔

قرض کی وصولی عمدہ طریقہ

آگے اس رقم کی وصولی کا طریقہ بتلا رہے ہیں کہ مقروض یا تو سہولت سے قرض واپس کر سکے گا یا وہ مجبور ہوگا۔ ہمارا رویہ اس کے ساتھ کیا ہو؟ تو ارشاد ہوا۔ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ: یعنی اگر مقروض تنگدست ہوں تو تم ضرور ان کو سہولت اور کشائش تک مہلت دو۔ اس طرح نہ کرو جیسا کہ اہل جاہلیت اپنے مقروض کو یہ کہا کرتے تھے کہ ''یا تو قرض دے یا سود بڑھا''۔ [1] وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ: یعنی اگر تم مقروض کے ذمے (کی رقم کو چھوڑ دو اور اس) سے درگزر کرو تو یہ بڑے کرم اور فضل کی بات ہے اگر تم جانتے ہو کہ اس سے تمہاری کیا اچھی تعریف ہوگی اور (خدا کے ہاں) کتنا اجر عظیم ملے گا۔

---

[1] ''یعنی تنگدستی کی وجہ سے قرض کا تقاضا کرکے اس کو نہ تو پیس ڈالو اور نہ بے آبرو کرو اور نہ اس کو قید میں ڈلوانے کی فکر کرو۔'' (تفسیر حقانی ج ۲ ص ۲۳)

قیامت کے ہیبت ناک دن کی یاد دہانی

آگے رب تعالیٰ اپنے بندوں کو قیامت کے اس ہیبت ناک دن سے ڈراتے ہیں جس میں عمل صالح کے سوا کچھ کام نہ آئے گا۔ارشاد فرمایا: وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ:(یہاں رب تعالیٰ سخت گیری کرنے والے غافلوں کی پشت پر ایک گویا کہ کوڑا مارتے ہوئے فرماتے ہیں،"حقانی") کہ اس دن سے ڈرو جس دن میں تم اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جاؤ گے اور ہر شخص سے (اس کے اعمال کا) پورا پورا حساب لیا جائے گا۔اور تمہارا کچھ نقصان نہ کیا جائے گا۔[1](سود کے احکام پر مشتمل) یہ (چھ) آیات کریمہ اس جامع ومانع آیت پر ختم ہوئی ہیں جو قرآن میں نازل ہونے والی آخری آیات تھیں اس کے بعد وحی کا نزول بند ہو گیا۔اس میں بندوں کو (قیامت کے) سخت شدید دن کو یاد دلانا ہے۔علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:"یہ قرآن کریم کی سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت ہے اس کے نزول کے بعد تقریباً ۹ راتوں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم بقید حیات رہے پھر رفیق اعلیٰ کی طرف منتقل ہو گئے۔"[2]

بلاغت: اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا:......اس میں"تشبیہ مقلوب" ہے جو سب سے اعلیٰ تشبیہ کی قسم ہے کہ اس میں مشبہ کو مشبہ بہ کی جگہ رکھا گیا ہے۔[3] جیسا کہ شاعر کا شعر ہے:

كأن ضياء الشمس غرة جعفر

"گویا کہ سورج کی روشنی جعفر (کے ماتھے) کی روشنی ہے"(کہ اس میں بھی"تشبیہ مقلوب" ہے کہ اصل یہ ہے جعفر کے ماتھے کی روشنی کو سورج کی روشنی سے تشبیہ دی جائے مگر یہاں تشبیہ کو الٹ دیا گیا اور غرض تشبیہ میں اہمیت اور مبالغہ ہے کہ جعفر کا ماتھا خوب خوب روشن ہے اور پوری طرح سورج کی طرح روشن ہے۔اسی طرح آیت میں بھی تشبیہ الٹ دی گئی ہے اور مراد یہ ہے کہ یہ کافر یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ربا پورا پورا حلال ہے۔اور بیع کی طرح بہت حلال ہے۔"نسیم" کہ) اس آیت میں اصل یہ ہے کہ یہ کہا جائے۔ "الربا مثل البیع" سود (حلال ہونے میں اور نفع دینے میں) بیع کی طرح ہے لیکن ان کے اعتقاد میں سود اس حد تک حلال تھا کہ انہوں نے (حلت میں) سود کو اصل قرار دیا اور اس پر (بیع کو) قیاس کیا اور (حلت اور نفع میں) بیع کو اس کے ساتھ تشبیہ دی۔ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا: اس میں لفظ اَحَلَّ (حلال کیا) اور لفظ حَرَّمَ (حرام کیا) میں (صنعت) طباق ہے اسی طرح (اگلی آیت میں) لفظ يَمْحَقُ (مٹانا) اور لفظ يربى (بڑھانا) میں بھی طباق ہے۔ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ:(اس میں كفار) فعال (کے وزن پر ہے) اور (اثیم) فعیل (کے وزن پر ہے اور یہ دونوں وزن اور صیغے) مبالغہ کے لیے آتے ہیں۔مطلب یہ ہے کہ"(بڑے بلکہ) بہت بڑے کافر اور بڑے سخت گنہگار۔" فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ: اس میں حرب میں) تنکیر یہ تھویل (یعنی ڈرانے اور دھمکانے) کے لیے ہے یعنی جنگ کی ایک ایسی عظیم (اور بڑی) قسم جس کی مقدار کو ناپا نہیں جا سکتا جو اللہ کی طرف سے ہو گی"۔ (ارشاد العقل السلیم الی مزایا القرآن الکریم)

---

[1] اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تم پر بھی خدا تعالیٰ کے سینکڑوں مطالبات ہیں پھر جب تم سخت گیری کرتے ہو تو اپنے لیے اس روز رحم کی امید کس بھروسے پر رکھتے ہو۔(تفسیر حقانی ج ۲ ص ۲۳) [2] اس کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیں"نسیم البیان ص ۵۹۔۶۰" تفسیر مظہری ج ۲ ص ۷۸۔نسیم

[3] یہاں ان کفار نے دراصل سود کو بیع سے تشبیہ دی ہے۔اس آیت میں اصل مشبہ ربا ہے اور مشبہ بہ"بیع" ہے اور مشبہ اور مشبہ میں اصل مشبہ بہ ہوتا ہے۔اور حروف تشبیہ (جنہیں اداۃ تشبیہ بھی کہتے ہیں) ان میں اصل یہ ہے کہ وہ مشبہ بہ کے متصل ہوں جیسے زید کالاسد میں زید مشبہ اور اسد مشبہ بہ ہے اور کاف حرف تشبیہ ہے جو اسد کے متصل ہے۔لیکن کبھی حرف تشبیہ مشبہ بہ کی بجائے مشبہ کے متصل ہوتا ہے ایسی صورت میں تشبیہ کو الٹ کر (یعنی مقلوب کر کے) مشبہ کو اصل رہنے دیتے ہیں اور اس سے مقصود اس میں مبالغہ اور تشبیہ میں اہمیت ہوتی ہے۔جیسے مذکورہ بالا آیت میں اس میں اصل انما الربوا مثل البیع ہے کہ کافر"سود بیع کی طرح ہے" کہنا چاہتے تھے نہ کہ" بیع سود کی طرح ہے" کیوں کہ کلام ربا کے بارے میں ہو رہا ہے نہ کہ بیع کے بارے میں مگر اس سے عدول کر کے ربا کو اصل بنا دیا اور بیع کو جواز میں اس کے ساتھ ملحق کر کے یہ ظاہر کیا کہ وہ بھی سود کی طرح حلال ہونے کے لائق ہے حالاں کہ کہنا یہ تھا کہ سود بھی بیع کی طرح حلال ہونے کے لائق ہے تشبیہ کی اس قسم کو"تشبیہ مقلوب" کہتے ہیں" (نیل الامانی ج ۲ ص ۱۹۳ بتصرف) نسیم

لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ:......اس میں محسنات بدیعیہ کی صنعت ''جناس ناقص''[1] ہے کیوں کہ (اس میں دونوں لفظوں میں صرف) شکل (یعنی ہیئت) کا فرق ہے۔ وَاتَّقُوْا يَوْمًا: اس میں (لفظ یومًا میں) تنکیر تفخیم (بڑائی) اور تہویل (خوف دلانے) کے لیے ہے (یعنی وہ ایک زبردست بڑا خوفناک دن ہوگا۔)

سودخوروں کی پکڑ اور ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت

فوائد: پہلا فائدہ:......رب تعالیٰ نے سود سے فائدہ اٹھانے کو يَأْكُلُوْنَ الرِّبٰوا (سود کھاتے ہیں) کہا ہے، کیوں کہ منافع کا غالب استعمال اس کا کھانا ہے اور اس میں لینے اور دینے والا دونوں برابر ہیں۔ ایک صحیح حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سود کھانے والے، کھلانے والے، (اس کا معاملہ) لکھنے والے اور (اس پر) گواہ بننے والے (سب) پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ'' (جرم) کے ارتکاب اور اس کے مستحق عذاب ہونے میں) یہ سب برابر ہیں۔''

دوسرا فائدہ:......رب تعالیٰ نے سودخوروں کو ان دیوانوں خبطیوں سے تشبیہ دی ہے جنہیں شیطان نے لپٹ کر دیوانہ بنادیا ہو۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کیوں کہ رب تعالیٰ (روز قیامت) ان کے پیٹوں میں اس سود کو (بہت زیادہ) بڑھا دیں گے جو انہوں نے کھایا تھا۔ اس سے وہ بہت زیادہ بوجھل ہوجائیں گے (کہ اتنا بھاری بھرکم پیٹ اٹھا کر چلنا بے حد دشوار ہوگا) تو وہ باؤلوں کی طرح اٹھیں گے اور گر پڑیں گے (اور یوں ہی گرتے پڑتے رہیں گے) قیامت کے دن سودخوروں کی علامت (ان کی) یہی (دیوانگی، باؤلاپن، حواس باختگی اور بدحواسی) ہوگی۔

تیسرا فائدہ:......شہید الاسلام سید قطب[2] اس آیت کی تفسیر میں یہ فرماتے ہیں: ''یہ (شیطان کا) بڑا خوفناک حملہ اور خوفزدہ کردینے والی منظر کشی ہے۔ اور کوئی معنوی دھمکی اس زندہ مجسم تصویر کی حس تک نہیں پہنچ سکتی جو ایک (شیطان لپٹے گئے اور اس کے) چھوٹے گئے دیوانے (اور خبطی) کی تصویر ہے۔ اکثر تفسیروں میں یہ بات مذکور ہے کہ اس خوفناک تصویر میں ''کھڑے ہونے'' سے مراد قیامت کے دن کھڑا ہونا لیکن (ان سودخوروں کا یہ بدترین حال اور انجام اس دنیا میں ہی دیکھ کر) ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم اس دنیا میں بھی اس سودی نظام چلانے والے گمراہ لوگوں کا یہ حال دیکھ رہے ہیں کہ وہ بھوت چمٹے ہوئے لوگوں کی طرح خبطی اور بدحواس ہوئے پھرتے ہیں۔ آج ہم جس دور میں جی رہے ہیں یہ اضطراب و بے چینی (بے سکونی و بے اطمینانی) خوف اور جسمانی و نفسانی امراض کا دور ہے اور یہ سب کچھ اس مادی تہذیب کے انتہائی ترقی پر پہنچنے اور بے انتہا مادی خوشحالی کے مظاہر کے باوجود ہے۔ مزید برآں یہ کہ یہ جنگوں کا بھی دور ہے جو (چند ملکوں میں نہیں بلکہ) کئی ملکوں میں ہیں اور چاروں طرف ایک دوسرے کو تباہ کن جنگوں کی دھمکیوں کے دینے کا ایک نہ ٹوٹنے والا دائمی سلسلہ جاری ہے اور یہ اعصاب و اضطراب کی ایک نہ رکنے والی جنگ کا دور ہے۔''[3] (فی ظلال القرآن ج ۳ ص ۸۲)

---

[1] جناس یا تجنیس اس کی تعریف گزر گئی ہے کہ یہ دو لفظوں کا فقط تلفظ میں باہم متشابہ ہونا ہے۔ اور اگر وہ دونوں لفظ حروف کی حقیقت، تعداد، ہیئت اور ترتیب میں یکساں ہوں تو اس کو ''جناس تام'' کہتے ہیں۔ لیکن اگر دونوں میں فقط ہیئت یعنی شکل کا فرق ہو کہ ایک کی ہیئت دوسرے سے مختلف ہو تو اس کو ''جناس محرف'' کہتے ہیں جیسا کہ مذکورہ بالا دونوں لفظوں میں فقط شکل کا فرق ہے کہ تا پر ایک جگہ زبر اور دوسری جگہ پیش ہے۔ اور ''جناس ناقص'' وہ کہلاتا ہے جس میں ایک جیسے دو لفظ تعداد حروف میں مختلف ہوں جیسے لفظ ساق اور مساق۔ مذکورہ بالا دونوں لفظوں میں پائے جانے والے فرق کی بنا پر اس کو ''جناس محرف'' کہنا زیادہ درست ہے کیوں کہ دونوں لفظوں کے حرفوں کی تعداد ایک ہے۔ جب کہ مؤلف موصوف نے اس کو جناس ناقص کہا ہے۔ واللہ اعلم۔ دیکھیں ''نیل الامانی ج ۲ ص ۲۱۳ و ۲۱۵۔'' نسیم [2] سید قطب (۱۹۰۳۔۱۹۶۶) مشہور مصری ادیب، شاعر اور ناقد ہیں۔ اسلام پر بہت کچھ لکھا۔ ''اخوان المسلمین'' تنظیم کی حمایت پر پھانسی دیے گئے (اسی لیے شہید الاسلام کہلائے)۔ ''فی ظلال القرآن مشہور یادگار تفسیر ہے اور ایک ادبی تنقید پر مبنی کتاب ''کتب وشخصیات'' بھی آپ کے آثار میں سے ہے۔'' (المنجد الاعلام العربی ص ۳۴۰ کالم نمبر ۱)۔ نسیم [3] جنگ عظیم اول، جنگ عظیم دوم، خلیجی ممالک میں استعمار کی طرف سے مسلط کی جانے والی جنگوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ، عالم اسلام کے لیے ایک شدید بے چینی کا باعث ''اسرائیلی سٹیٹ'' کا قیام اور اسرائیل کی جارحیت، روس کی افغانستان پر مسلط جنگ اور اب امریکہ کا افغانستان اور عراق پر جنگ مسلط کرنے کے بعد اور ویت نام سے نہایت ذلت سے نکلنے کے بعد کوریا ایران اور دوسرے ممالک کو چین اور روس سمیت جنگ کی دھمکیاں وغیرہ کہ ان سب باتوں اور جنگوں نے روئے زمین کو جھلسا کر رکھ دیا اور انسانیت بے حد گھبرائی ہوئی ہے۔ صرف ہیروشما اور ناگاساکی کا واقعہ ہی آج کے انسان کے دل میں شدید گھٹن پیدا کردیتا ہے...... (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ)

(شہدالاسلام کی) یہ رائے نہایت عمدہ ہے۔

چوتھا فائدہ:...... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک آدمی لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا، تو وہ (قرضوں کی وصولی کرنے والے) اپنے خادم سے کہتا، کہ ''جب تو کسی تنگدست (مقروض) کے پاس جائے تو (اس کو نہ ذلیل کرنا اور نہ تنگ کرنا بلکہ) اس سے درگزر کرنا۔ شاید (اس کی برکت سے روز قیامت) رب تعالیٰ ہم سے درگزر کرے (اور گرفت نہ فرمائے۔) پھر (مرنے کے بعد جب) وہ خدا کے روبرو حاضر ہوا تو خدا تعالیٰ نے اس سے درگزر فرمایا[1] (اور اس کو بخش دیا)۔ (بخاری)

قرضِ حسنہ، دَین، تجارت اور رَہن کے احکام

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَٱكْتُبُوهُ ۚ وَلْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِٱلْعَدْلِ ۚ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَن يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ ٱللَّهُ ۚ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ ٱلَّذِى عَلَيْهِ ٱلْحَقُّ وَلْيَتَّقِ ٱللَّهَ رَبَّهُۥ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ۚ فَإِن كَانَ ٱلَّذِى عَلَيْهِ ٱلْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَن يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُۥ بِٱلْعَدْلِ ۚ وَٱسْتَشْهِدُوا۟ شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ ۖ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَٱمْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ ٱلشُّهَدَآءِ أَن تَضِلَّ إِحْدَىٰهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَىٰهُمَا ٱلْأُخْرَىٰ ۚ وَلَا يَأْبَ ٱلشُّهَدَآءُ إِذَا مَا دُعُوا۟ ۚ وَلَا تَسْـَٔمُوٓا۟ أَن تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰٓ أَجَلِهِۦ ۚ ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِندَ ٱللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَٰدَةِ وَأَدْنَىٰٓ أَلَّا تَرْتَابُوٓا۟ ۖ إِلَّآ أَن تَكُونَ تِجَٰرَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا ۗ وَأَشْهِدُوٓا۟ إِذَا تَبَايَعْتُمْ ۚ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ ۚ وَإِن تَفْعَلُوا۟ فَإِنَّهُۥ فُسُوقٌۢ بِكُمْ ۗ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ ٱللَّهُ ۗ وَٱللَّهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٨٢﴾ وَإِن كُنتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا۟ كَاتِبًا فَرِهَٰنٌ مَّقْبُوضَةٌ ۖ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ ٱلَّذِى ٱؤْتُمِنَ أَمَٰنَتَهُۥ وَلْيَتَّقِ ٱللَّهَ رَبَّهُۥ ۗ وَلَا تَكْتُمُوا۟ ٱلشَّهَٰدَةَ ۚ وَمَن يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُۥٓ ءَاثِمٌ قَلْبُهُۥ ۗ وَٱللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٢٨٣﴾

ترجمہ:...... اے ایمان والو! جب تم مقررہ مدت تک اُدھار لینے دینے کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو، اور چاہیے کہ جو شخص تمہارے درمیان لکھنے والا ہو وہ اِنصاف کے ساتھ لکھے، اور کوئی لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اللہ نے اسے سکھایا ہے، سو چاہیے کہ لکھ دیا کرے، اور جس کے اُوپر حق ہے اسے چاہیے کہ لکھوا دے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے، اور اس میں سے کچھ بھی کم نہ کرے، سو اگر وہ شخص کم سمجھ ہو جس پر حق ہے یا ضعیف ہو یا اِملا کرانے پر قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی انصاف کے ساتھ لکھوا دے، اور اپنے مَردوں میں سے دو آدمیوں کو گواہ بنا

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)...... یہ سب باتیں شہید مصنف کی رائے کی تائید کرتی ہیں۔ بندہ عاجز محمد آصف نسیم کی رائے میں ان سب جنگوں کا سبب یہود کی وہ خاص سودی ذہنیت ہے جو عالمی منڈی پر قبضہ کر کے پوری دنیا کی معیشت کو اپنی گرفت میں لینے کی سازش میں ہمہ وقت مشغول ہے۔ محققین کی رائے ہے کہ دونوں عالمی جنگوں کا پس منظر عالمی تجارت اور عالمی منڈیوں پر قبضہ کرنا اور سودی نظام میں جکڑنے کی ناپاک نیت ہے۔ خطۂ عرب کی تیل کی دولت پر قبضے کے تمام تانے بانے اسی سازش کے شاخسانے ہیں۔ نسیم

(حاشیہ صفحہ ہذا)...... [1] سود کی تحریم کے ادوار و مراحل اور اس کی تشریعی حکمت کے لیے دیکھیں ہماری کتاب ''روائع البیان ج ا ص ۳۸۹''۔ مؤلف

لیا کرو، پس اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں اِن گواہوں میں سے جنہیں تم پسند کرتے ہو تا کہ ان دو عورتوں میں سے اگر ایک بھٹک جائے تو ایک دوسری کو یاد دلا دے اور نہ انکار کریں گواہ جب ان کو بلا یا جائے اور قرضے کے معاملے میں لکھنے سے مت اُکتاؤ چھوٹا ہو یا بڑا ہو اس کی مدت مقررہ تک، یہ اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے اور گواہی کو زیادہ درست رکھنے والی ہے اور اس سے زیادہ قریب ہے کہ تم شک میں نہ پڑو، مگر یہ کہ کوئی تجارت ہو جس میں لینا دینا دست بدست ہو جس کا تم آپس میں معاملہ کر رہے ہو سو تم پر اس بات کا کوئی گناہ نہیں کہ لکھا پڑھی نہ کرو اور گواہ بنالیا کرو جب کہ تم آپس میں خرید و فروخت کا معاملہ کرو اور نہ ضرر دیا جائے کاتب کو اور نہ گواہ کو اور اگر تم ایسا کرو تو بلا شُبہ اس میں گنہگاری ہے تمہارے لیے، اور اللہ سے ڈرو اللہ تمہیں سکھاتا ہے اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ ﴿۲۸۲﴾ اور اگر تم سفر میں ہو اور حال یہ ہو کہ نہ پاؤ کسی کاتب کو تو رہن کی چیزیں قبضہ میں دے دی جائیں، سو اگر تم میں سے ایک دوسرے پر اطمینان کرے تو جس کو امانت دار سمجھا گیا ہے صاحبِ امانت کو امانت ادا کر دے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور گواہی کو مت چھپاؤ، اور جو شخص گواہی کو چھپائے گا تو اُس کا دِل گنہگار رہے، اور اللہ ان کاموں کو جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ ﴿۲۸۳﴾

مناسبت:...... جب گزشتہ آیات میں رب تعالیٰ نے سود کی قباحت و شناعت کو بیان فرمایا کیوں کہ اس کو مقروض کے پسینے اور اس کے گوشت سے نچوڑا (اور نوچا) جاتا ہے۔ یہ وہ خبیث کمائی جس کو اسلام حرام قرار دیتا ہے اور اس سے سخت بیزار ہے تو اس کے بعد بے غرض قرضۂ حسنہ کو ذکر کیا اور خاص طور پر دین، تجارت اور رہن کے احکام کو ذکر کیا۔ یہ سب کے سب مال کمانے بڑھانے اور زیادہ کرنے کے شریفانہ طریقے ہیں۔ کیوں کہ ان میں فرد اور معاشرے (دونوں) کی اصلاح و فلاح ہے۔ (اس پہلی مذکورہ آیت کو ''آیت مداینہ'' اور) آیت دین (کہتے ہیں جو) قرآن کی علی الا طلاق سب سے لمبی آیت ہے۔ جو اسلام کی اقتصادی نظام پر توجہ اور خاص عنایت پر دلالت کرتی ہے۔

لغت: وَلْيُمْلِلِ:...... یہ الاملاء سے ہے یہ کسی کو آواز سے لکھوانے کو کہتے ہیں۔ اَمَلَّ اور اَمْلٰی (کہ ان دونوں لفظوں کو اسی معنی میں) بولا جاتا ہے۔ (یعنی املا کرانا اور کسی کے سامنے بولنا اور اس سے لکھوانا)۔ يَبْخَسْ: (یہ) البخس (سے ہے۔ جس کا معنی) نقصان (ہے)۔ لَا تَسْئَمُوْٓا: (یہ) اَلسَّامُ وَالسَّاٰمَةُ (سے ہے یعنی) کسی شے سے ملول ہونا اور اکتا جانا۔ اَقْسَطُ: (یہ) قسط (سے ہے یعنی) عدل (وانصاف)۔ یہ قاف کے زیر کے ساتھ ہے۔ جب کوئی انصاف کرے تو کہا جاتا ہے اقسط الرجل (اس نے انصاف کیا) اور (جب) قاف کے زبر کے ساتھ (ہو تو) اس کا معنی ظلم و ستم ہے کہا جاتا ہے ''قسط'' ''اس نے (ناانصافی اور) ظلم کیا۔'' اسی معنی میں یہ ارشاد خداوندی ہے:

وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿۱۵﴾ (سورۃ الجن، ۱۵) ''اور جو (ظالم بے انصاف) گنہگار ہوئے وہ دوزخ کا ایندھن بنے۔''

تَضِلَّ:...... ابوعبید فرماتے ہیں، ''اس کا معنی بھولنا ہے اور الضلال عن الشهادة سے مراد شہادت کے کسی جز کو بھولنا ہے۔ اَدْنٰٓى: زیادہ قریب۔ لَا تَرْتَابُوْٓا: یہ رَيْبٌ سے ہے جو شک کے معنی میں ہے یعنی تم شک نہ کرو۔ فَرِهٰنٌ: یہ رھن کی جمع ہے یہ قرض کی توثیق کے لیے دی جانے والی شی کو کہتے ہیں جو مقروض (قرض خواہ کو) دیتا ہے۔

معاملات کو لکھنے کا حکم

تفسیر: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ:...... یعنی (اے مؤمنو!) جب تم (دین یعنی) ادھار کا معاملہ کرو تو اس کو لکھ لو۔ اس آیت میں بندوں کو رب تعالیٰ کی طرف سے اپنے ادھار کے معاملات لکھ لینے کا حکم ہے۔ [1] تا کہ اس کی مقدار اور میعاد زیادہ بھروسے

---

[1] اس آیت میں قانون معاملات کا ذکر ہے جنہیں آج کی زبان میں قانون معاہدات کہتے ہیں۔ اگر چہ اس لکھنے پڑھنے کے دور میں تحریر ہی انسان کی زبان کے قائم مقام بن چکی ہے لیکن جب چودہ صدیاں قبل دنیا کا تمام کاروبار صرف زبانی ہوتا تھا سب سے پہلے قرآن نے انسانیت کو اس طرف متوجہ کیا کہ معاملات و معاہدات لکھ کر ان کی دستاویز بنالیا کرو، اس آیت سے اصولی طور پر دو مسئلے معلوم ہوئے۔ (۱)...... ادھار کے معاملات کی دستاویز لکھ دو۔ (۲)...... ادھار کے معاملہ کی میعاد لکھ لی جائے اس کو غیر معین نہ چھوڑا جائے تا کہ جھگڑے اور فساد کا دروازہ نہ کھلے۔ اور میعاد گول مول اور مبہم نہ ہو مثلاً ''جاڑوں کا موسم'' ''برسات کا موسم''...... (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ)

والی (اور اعتماد والی ہو کہ ان کی تعیین میں باہمی نزاع اور جھگڑا نہ ہو)۔ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ: (چوں کہ اس زمانے میں بھی اور آج کی دنیا میں بھی بیشتر آبادی لکھنا پڑھنا نہیں جانتی اس لیے ممکن تھا کہ لکھنے والا کچھ کا کچھ لکھ دے اور کسی کا نفع اور کسی کا نقصان ہو جائے" معارف القرآن" اس لیے فرمایا) تم میں ایک عادل اور امانت دار لکھنے والا (اس دستاویز کو) لکھ دے جو طرفین میں سے کسی کا بھی نقصان نہ کرے۔ (یادر ہے کہ جمہور فقہا کے نزدیک کاتب پر یہ دستاویز لکھنا بھی واجب نہیں بلکہ مستحب ہے""حقانی") اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کاتب لکھنے کی اجرت لے تو یہ بھی جائز ہے۔"بیان القرآن" اس لیے آج کل کے"وثیقہ نویسوں" کا اجرت لینا درست ہے۔"نسیم")

وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ:...... یعنی (جہاں کاتب کو غیر جانب دار رہنے کا حکم ہے تاکہ کسی کو شبہ اور خلجان نہ رہے اور کسی کے فانی نفع کے لیے کاتب اپنا اخروی نقصان نہ کرے وہیں اس کو یہ حکم بھی ہے کہ) جیسا کہ خدا نے اس کو لکھنا سکھلایا ہے (تو اس کا شکرانہ یہ ہے کہ اگر اس کو لکھنے کو کہا جائے تو) وہ انصاف کے ساتھ لکھنے سے انکار نہ کرے۔

فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ:...... یعنی (اس دستاویز کی کتابت کے لیے) اس کا مضمون بول کر وہی لکھوائے جو قرض لے رہا ہے یہ وہ شخص ہے جس پر (قرض دینے والے کا) حق ہے۔ کیوں کہ وہ (اس قرض لینے کا) اقرار کرنے والا ہے اور (اس دستاویز پر) اس کو گواہ بنایا گیا ہے۔

وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا:...... یعنی وہ (قرض لینے والا اور دستاویز لکھوانے والا) پروردگار عالم سے ڈرے اور (قرض دینے والے کے) حق سے کچھ کم نہ کرے (یعنی دھوکہ دے کر کم نہ لکھوائے)۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)...... "کٹائی کے دنوں میں" وغیرہ وغیرہ کیوں کہ ان میں تقدیم وتاخیر ممکن ہے۔ بلکہ سن، مہینہ اور دن مقرر کر لیا جائے۔ (معارف القرآن ج ۱ ص ۶۸۵ تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۵۱۰ ملخصاً وبتصرف)

مفسرین وفقہا نے اس مقام پر متعدد مسائل لکھے ہیں فقیہ ابن عربی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر ۵۲ مسائل اور تقریباً اتنے ہی علامہ قرطبی نے بھی لکھے ہیں۔ ان میں سے چند اہم ضروری مسائل اور مصطلحات کو ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

دین:...... دین یہ بڑے وسیع مفہوم کا لفظ ہے عربی میں یہ عین کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے اور اس کا اطلاق ہر اس معاملہ پر ہوتا ہے جس کے معاوضہ کا ایک جز فی الفور ادا نہ ہو۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ جمہور مفسرین کے نزدیک اس آیت میں دین کا حکم مذکور ہے جس کی اقسام اور ان کے احکام آگے ذکر کیے جاتے ہیں مگر بعض نے اس آیت کو قرض دینے کے بارے میں کہا ہے مگر یہ قول ضعیف ہے کیوں کہ لغت میں قرض اور ہے اور دین اور جیسا کہ اس کی تفصیل آگے آتی ہے ان میں چند وجوہ سے فرق ہے دین میں مدت مقرر کی جاتی ہے جب کہ قرض میں اس کا مقرر کرنا درست نہیں۔ قرض میں روپیہ پیسہ وغیرہ کسی کو واپسی کی شرط سے دیتے ہیں جب کہ دین میں کسی حق کی بابت کسی شی کا اپنے اوپر لازم کرنا ہے۔ اور کبھی یہ دونوں ایک معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ مگر آیت میں مذکورہ شرائط کو لکھ لو اور مدت مقرر کر لو وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت دین کے بارے میں ہے نہ کہ قرض کے بارے میں۔

بیع سلم:...... اس آیت میں دین کے ایک خاص معاملہ بیع سلم کا بیان ہے۔ بیع چار طرح سے ہو سکتی ہے۔ ① ...... دام بھی نقد ہوں اور چیز بھی نقد ہو۔ اس کو تجارت حاضرہ کہتے ہیں۔ وہ یہاں مراد نہیں۔ ② ...... دونوں ادھار ہوں مثلاً یہ کہے کہ ہم تمہیں پرسوں دام دے دیں گے تم ہمیں یہ یہ چیز دے دینا۔ یہ "بیع باطل" ہے۔ ③ ...... کسی چیز کو ادھار سے فروخت کرنا۔ یہ بیع العین بالدین کہلاتی ہے۔ مثلاً کوئی شی نقد لے کر بعد کچھ مدت کے اس کے دام دینے کا وعدہ کر لیا جائے۔

④ ...... دام نقد ہوں اور چیز لینے کے لیے کوئی مدت مقرر کر لی جائے۔ اس کو "بیع سلم" یا بیع سلف یا بیع الدین بالعین کہتے ہیں۔ اس آیت میں یہی قسم مراد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے، کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ ہجرت فرما کر تشریف لائے تو لوگ کھجوروں کی دو برس یا تین برس کے وعدہ پر بیع کیا کرتے تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی بیع سلم کرلے تو وزن، وقت اور پیمانہ مقرر کر لے" اس پر خدا تعالیٰ نے آیت مداینہ اتاری اور لکھ لینے کا حکم دے کر اس بیع کی حفاظت کر دی۔ مسئلہ:...... دستاویز کی کتابت کا یہ حکم جمہور مفسرین کے نزدیک مستحب ہے نہ کہ واجب یعنی یہ لکھنا بہتر ہے اور نہ لکھنے والا گنہگار نہ ہوگا۔ اور مصلحت صرف اتنی ہے کہ اختلاف کا احتمال بالکل ختم ہو جائے۔" (تفسیر حقانی ج ۲ ص ۲۵۔۲۶، بیان القرآن ج ۱ ص ۱۶۹۔ تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۵۱۰۔۵۱۱) بیع سلم کے مفصل احکام کے لیے کتب فقہ کو دیکھا جائے۔ نسیم

معذور مقروض کا حکم

فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا:......یعنی اگر مقروض (خفیف العقل یعنی) کم عقل ہو خواہ فضول ہو، خواہ نابالغ ہو یا (ضعیف البدن یعنی) بوڑھا ہو۔ أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ: یعنی یا وہ خود نہ لکھوا سکتا ہو اپنی مراد واضح نہ بتلا سکنے کی وجہ سے یا گونگا ہونے کی وجہ سے یا ان پڑھ ہونے کی وجہ سے تو اس کا وکیل یا سربراہ (یعنی ولی) کسی کمی زیادتی کے بغیر (اس کے معاہدہ کی دستاویز کی) املاء کرادے۔[1] وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ: یعنی کتابت کے ساتھ ساتھ دو مسلمان گواہ بھی بنالو تاکہ مزید توثیق ہو جائے۔[2]

فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ:......یعنی اگر دو مرد گواہ نہ ہوں تو پھر ان دو عورتوں اور ایک مرد کو گواہ ٹھہراؤ جن کی دیانت وامانت اور عدالت پر تمہیں بھروسہ ہو۔ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى: یعنی اگر دو میں ایک عورت شہادت کو بھول گئی تو دوسری اس کو یاد دلادے گی۔ دو عورتوں (کے گواہ مقرر کرنے) کی یہ علت ہے کہ ان میں قوت ضبط ناقص ہوتی ہے۔ وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا: یعنی جب گواہوں سے ادائے شہادت یا تحمل شہادت کو طلب کیا جائے تو وہ ان باتوں سے انکار نہ کریں۔[3]

وَلَا تَسْأَمُوا أَنْ تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَى أَجَلِهِ:......یعنی تم قرض (کی دستاویز) کو (بار بار) اس کی معیار کے پورا ہونے کے وقت تک لکھنے سے نہ اکتاؤ خواہ قرض (کا معاملہ) تھوڑا ہو یا زیادہ، چھوٹا ہو یا بڑا۔ ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا: یعنی ہم نے جو یہ دین کے معاملہ کو لکھ لینے کا تمہیں حکم دیا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا نہایت مبنی برعدل حکم اور شہادت کے لیے نہایت درست طریقہ ہے تاکہ تم اس کو بھول نہ جاؤ اور یہ تمہیں دین اور اس کی میعاد میں کسی قسم کے شک میں بھی پڑنے نہ دے گا۔ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ: یعنی (تم دستاویز ضرور لکھواور اس پر شہادت بھی قائم کرو) الا یہ کہ وہ خرید وفروخت کا معاملہ دست بدست ہو اور ثمن پر بھی قبضہ ہو چکا ہو (اور مبیع بھی دے دیا گیا ہو کہ اس کو قرآنی اصطلاح میں "تجارت حاضرہ" دست بدست بیع کہتے ہیں کہ اس میں کسی دستاویز یا شہادت کی ضرورت نہیں)۔ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا: کیوں کہ اس میں وہ ممنوع بات (یعنی جھگڑے کا احتمال) نہیں ہے اس لیے اس کو نہ لکھنے میں کوئی حرج نہیں۔

---

[1] ......جن لوگوں کی بیع وشراء شرعاً ناقابل اعتبار ہو ان لوگوں کے معاملات نافذ ہونے کے لیے شرعی ولی کی اجازت درکار ہے ایسے تصرف کے مالک ولی یہ ہیں، "باپ، دادا، باپ کا وصی، دادا کا وصی، شرعی حاکم وغیرہ۔ (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۶۹) اس کی مزید تفصیل کتب فقہ میں دیکھیے۔ نسیم

[2] تاکہ باہمی نزاع کے وقت عدالت میں گواہوں کی گواہی سے فیصلہ ہو سکے۔ اسی لیے فقہا نے اس آیت کی بنا پر یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ صرف تحریر حجت نہیں بلکہ شہادت بھی ضروری ہے اور موجودہ عدالتوں کا دستور بھی یہی ہے۔ (معارف القرآن ج ۱ ص ۶۸۶) نسیم

[3] شہادت کے احکام میں بہت تفصیل ہے جن سب کا یہاں درج کرنا ممکن نہیں۔ چند مسائل درج کیے جاتے ہیں زنا کے سوا تمام عقود مالیہ وغیرہ میں شہادت کا نصاب ۲ مرد یا ایک مرد، عورتیں ہیں۔ زنا میں شہادت کا نصاب چار گواہ ہیں جو صرف مرد ہوں، زنا کے علاوہ حدود وقصاص میں صرف دو مرد ہوں عورتیں نہ ہوں، گواہوں میں اسلام، عقل، بلوغ، آزادی اور دینداری ہو۔ البتہ عدالت یعنی دینداری کے ظاہری ہونے یا خاص تفتیش کرنے میں اختلاف ہے

شہادت کے بلوائے جانے پر جانا مستحب ہے۔ البتہ گواہ بن جانے کے بعد بعض صورتوں میں شہادت فرض ہے شہادت کا مدار یادداشت پر ہے لہٰذا اگر دستاویز دیکھ کر بھی یاد نہ آیا تو شہادت نہ دے۔ ثبوت کا مدار شہادت پر ہے نہ کہ دستاویز پر۔ اس لیے دستاویز لکھنا ضروری نہیں اور اگر لکھی تو اس پر گواہوں کے دستخط ضروری نہیں۔ ان کا صرف سن لینا یا دستاویز کے بغیر واقعہ کا مشاہدہ کر لینا کافی ہے۔ جن امور پر مرد مطلع نہیں ہوتے مثلاً عورت کی بکارت، ولادت وغیرہ ان میں ایک عورت کی گواہی کافی ہے۔ گواہوں کی مذکورہ صفات دینی معاملات میں معتبر ہیں نہ کہ عام معاملات میں لہٰذا معاملات میں نہ کہ دیانات میں صرف اہل عقل وتمیز کا قول معتبر ہوگا۔ خواہ آزاد ہو یا غلام مسلمان ہو یا کافر، جوان بالغ ہو یا سن شعور کو پہنچا نابالغ۔ کیوں کہ معاملات کا وقوع کثیر ہے ان میں مذکورہ شرطیں لگانے میں حرج ہے معاملات کی مثال جیسے بیع وشرا وغیرہ اور دیانات کی مثال مثلاً حلت وحرمت کے مسائل، نجاست آب یا طہارت آب کے مسائل وغیرہ۔ اگر گواہ کو لانے کے لیے کچھ سفر وغیرہ اور قیام وطعام کا خرچ اٹھانا پڑے تو ان پر خرچ کر سکتے ہیں اور ان کو زادراہ اور سفر خرچ دے سکتے ہیں۔ بلا عذر شرعی کے شہادت نہ دینا گناہ ہے اور بعض نے شہادت دینے کو امت پر فرض کفایہ بتلایا ہے۔ واللہ اعلم۔ از "تفسیر حقانی ج ۲ ص ۲۶۔ ۲۷ بیان القرآن ج ۱ ص ۱۷۰، معارف القرآن ج ۱ ص ۶۸۷ اور تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۵۱۴۔" نسیم

وَاَشۡهِدُوۡۤا اِذَا تَبَایَعۡتُمۡ: یعنی تم اپنے حق کے لیے مطلق گواہ مقرر کر سکتے ہو (یہ نہیں کہ اگر "بیع حاضرہ" ہو تو گواہ ٹھہرا ہی نہ سکو، لہٰذا) چاہے نقد بیع ہو یا "(بیع العین) بالدین" ہو (جس کی تفصیل حاشیہ میں گزر چکی ہے، تم گواہ مقرر کر سکتے ہیں) کیوں کہ یہ اختلاف و نزاع سے بہت ہی دور ہے (اب جھگڑے کا احتمال ہی ختم ہو جائے گا)۔ وَلَا یُضَآرَّ کَاتِبٌ وَّلَا شَهِیۡدٌ: (پہلے کاتبوں کو حکم تھا کہ وہ فریقین میں سے کسی کو نقصان نہ دیں اور اب) صاحب حق (یعنی دستاویز لکھوانے والے کو حکم ہے کہ وہ) کاتب یا گواہ کو (اپنی کسی مصلحت کی خاطر) نقصان نہ پہنچائے۔ وَاِنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاِنَّهٗ فُسُوۡقٌۢ بِکُمۡ: یعنی اگر تم لوگوں نے (خواہ کاتب و گواہ ہو یا مقروض و قرض خواہ ہو) وہ کام کیے جو ہم نے منع کیے تو تم نے خدا کی اطاعت سے نکل کر فسق (و فجور اور گنہگار بننے) کا ارتکاب کیا۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَیُعَلِّمُکُمُ اللّٰهُ: یعنی خدا سے ڈرو اور اپنے کاموں میں اس کا خوف رکھو کہ اس نے تمہیں دارین کی سعادت کا علم نافع دیا ہے۔ وَاللّٰهُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ: یعنی وہ (تمام احکام کی) مصلحتوں اور (ان کے نتائج و) عواقب کو جانتا ہے کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں۔

مسافر مدیون کے احکام

وَاِنۡ کُنۡتُمۡ عَلٰی سَفَرٍ وَّلَمۡ تَجِدُوۡا کَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقۡبُوۡضَةٌ:...... یعنی اگر تم حالت سفر میں ایک مدت تک کے لیے دین کا معاملہ کرو اور تمہیں (اس کی دستاویز) لکھنے والا (پردیس میں) نہ ملے تو اس (دستاویز کی) کتابت کا بدل کسی شے کو (قرض خواہ کے) قبضہ میں رہن [1] رکھ دینا ہے جس کو قرض خواہ اپنے قرض کے اعتماد اور اطمینان کے لیے قبضہ کرے گا۔ فَاِنۡ اَمِنَ بَعۡضُکُمۡ بَعۡضًا فَلۡیُؤَدِّ الَّذِی اؤۡتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلۡیَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ: یعنی اگر قرض دینے والے کو مقروض پر بھروسہ (اور اطمینان) ہو تو اس کو اس کی امانت داری پر اطمینان کی وجہ سے رہن کے ذریعے اعتماد حاصل کرنے کی ضرورت نہیں اور وہ مقروض بھی (یعنی وہ امانت دار بھی) اپنے اوپر حق کو ادا کر دے (یعنی قرض یا امانت لوٹا دے) اور امانت کے حقوق کی رعایت میں خدا سے ڈرے۔

شہادت و گواہی کو چھپانے کی ممانعت

وَلَا تَکۡتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنۡ یَّکۡتُمۡهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلۡبُهٗ:...... یعنی جب تمہیں (کسی نزاعی مسئلہ کا صحیح علم ہو اور تمہیں اس کی) شہادت دینے کے لیے بلایا جائے تو اس کو مت چھپاؤ کیوں کہ اس کا چھپانا گناہ کبیرہ ہے جو دل کو گنہگار اور آدمی کو بدکار بنا دیتا ہے دل کو خاص اس لیے ذکر کیا کہ وہ سب اعضا کا سردار ہے جب یہ سدھر جائے تو سارا بدن سدھر جاتا ہے اور جب یہ بگڑ جائے تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ عَلِیۡمٌ: یعنی بندوں کے افعال و اعمال (اور اقوال و احوال) میں سے کچھ بھی خدا سے پوشیدہ نہیں۔

بلاغت: پہلی آیت میں فصاحت (و بلاغت کی) متعدد قسمیں۔ (جو یہ ہیں) تَدَایَنۡتُمۡ بِدَیۡنٍ: اس میں جناس مغایر [2] ہے۔ اسی طرح

---

[1] رھن اس کی شرعی تعریف یہ ہے کہ "کسی ایسے حق کی ضمانت کے طور پر کوئی چیز اپنے پاس رکھ لینا کہ اگر وہ حق وصول ہونا ممکن نہ رہے تو محبوس چیز کے ذریعے وصول کیا جا سکے" (القاموس الوحید ۶۷۸) رہن کے تفصیلی مسائل تو کتب فقہ میں ملاحظہ کیے جائیں البتہ آیت کے مضمون کے لحاظ سے چند مسائل لکھے جاتے ہیں۔ جمہور علما کا اتفاق ہے کہ رہن سفر و حضر دونوں میں جائز ہے۔ سفر کی آیت مذکورہ میں قید اس لیے ہے کہ یہ کثیر الوقوع ہے کہ سفر میں اس کی ضرورت بہ نسبت حضر کے زیادہ آتی ہے کہ سفر کی صورت میں معذوری کے پیش آ جانے کا احتمال زیادہ ہے۔ یہ غرض نہیں کہ وطن میں کاتب کے ہوتے ہوئے رہن نہ رکھو۔ کیوں کہ خود نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں ایک یہودی کے پاس کسی قدر جو کے بدلے اپنی زرہ رہن رکھی تھی۔ لفظ "مقبوضہ" سے اس طرف اشارہ ہے کہ جب تک رہن پر مرتہن کا قبضہ نہ ہو جائے وہ رہن نہیں دوسرے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر وہ رکھی شے سے نفع اٹھانا جائز نہیں، کیوں کہ فقہا نے تصریح کر دی ہے کہ رہن تو صرف قرض دینے والے کے اطمینان کے لیے ہے نہ کہ وہ اس شے سے فائدہ اٹھاتا رہے۔ واللہ اعلم۔ از "تفسیر حقانی ج ۲ ص ۲۰۷۔ بیان القرآن ج ۱ ص ۱۷۲، معارف القرآن ج ۱ ص ۶۸۸۔ تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۵۱۶۔ ۵۱۷) رہن کی متعلقہ اصطلاحات یہ ہیں۔ رہن کی تعریف تو گزر گئی ہے۔ راہن۔ یہ رہن رکھوانے والے کو کہتے ہیں۔ مرتہن، یہ رہن رکھنے والے کو کہتے ہیں۔ مرہون یہ رہن دی گئی شی کو کہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ نسیم

[2] اس کو جناس اشتقاق اور جناس مقتضب بھی کہتے ہیں۔ اس میں دو مختلف الحروف کلمے اصل اشتقاق میں جا کر باہم جمع ہو جاتے ہیں یہ وہ قسم ہے جو جناس کی حقیقی قسم تو نہیں البتہ اس کو ملحق ضرور ہو جاتی ہے کیوں کہ یہ بھی کلام میں حسن پیدا کرتی ہے۔ جیسے تَدَایَنۡتُمۡ اور دَیۡنٍ دونوں میں سے ہر ایک اصل اشتقاق میں جا کر ایک ہو جاتے ہیں کہ یہ دان یدین سے مشتق ہیں۔ (نیل الامانی ج ۲ ص ۴۱۹)۔ نسیم

اسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ (میں بھی جناس مغایر ہے کہ یہ دونوں کلمے شھد یشھد سے مشتق ہیں)۔

۞ ...... اُؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ (میں بھی یہی ہے کہ یہ دونوں کلمے امن، یامن سے مشتق ہیں)۔

۞ ...... يُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (میں بھی جناس مغایر ہے کہ یہ دونوں کلمے علم یعلم سے مشتق ہیں)

صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا: ...... اس میں (علم بدیع کی صنعت) "طباق" ہے اور (اسی طرح) اَنْ تَضِلَّ (بھولنا) اور تُذَكِّرَ (یاددلانا) میں بھی "طباق" ہے کیوں کہ یہاں ضلال کا معنی بھولنا ہے۔ فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ: میں "اطناب" ہے (کیوں کہ پہلے فَاكْتُبُوْهُ آ گیا جس میں حکم ہے کہ لکھو۔ اس میں اگلے مذکورہ تمام مفاہیم آ گئے مگر ان کو علیحدہ سے ذکر کیا جس سے کلام میں "اطناب" کی صنعت پیدا ہو گئی)۔

وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ: ...... (میں بھی اطناب ہے کہ جب شروع میں آ گیا کہ مقروض لکھوائے تو اس میں یہ بات بھی آ گئی اگر وہ کسی بھی وجہ سے نہیں لکھوا سکتا تو اس کے ولی وغیرہ لکھوائیں مگر اس بات کو علیحدہ سے ذکر کیا۔ یہ "اطناب" ہے)۔

اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى: ...... (میں بھی اطناب ہے کہ جب یہ بتلا دیا کہ اگر ایک بھول جائے تو یہ خود بخود سمجھ میں آ گیا کہ پھر دوسری یاد دلائے گی مگر اس کو الگ سے ذکر کیا۔ "اطناب" ہے۔)

بحر المحیط میں ان آیات میں حذف کے ذریعے ایجاز کی متعدد مثالیں لکھیں۔ بندہ اپنی کم علمی کی وجہ سے تفسیر حقانی سے اس کی دو مثالیں لکھ رہا ہے۔ (مترجم)

فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ: ...... یہ موصوف صفت مل کر مبتدا محذوف کی خبر ہیں جو اَلْوَثِيْقَةُ ہے۔ یہاں مبتدا کے حذف کے ساتھ ایجاز ہے۔ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ: کہ اس میں کاف منصوب ہے جو فعل یکتب کا مفعول مطلق ہے وہ یوں کہ یہ صفت ہے مصدر محذوف کتابةً کی۔ موصوف صفت مل کر يَّكْتُبَ فعل کا مفعول مطلق بنیں گے یہاں لفظ كِتَابَةً کے حذف کے ساتھ ایجاز ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر حقانی ج۲ ص ۲۴۔۲۵۔ نسیم)

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ: ...... اور وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ کہ ان تینوں میں اللہ جل جلالہ کے اسم "اللہ" کو دلوں میں رعب بٹھانے اور خدا کی ہیبت کی تربیت دینے کے لیے ذکر کیا گیا ہے۔ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ: اس میں رب تعالیٰ کے اسم جلیل "اللہ" اور رب کی صفت جمیل "رب" (پروردگار اور پالنہار ہونا) کو ڈرانے میں مبالغہ کرنے کے لیے جمع کیا گیا ہے۔

فائدہ: ...... علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک کسبی (جو محنت سے حاصل ہوتا ہے) دوسرا وہبی (جو اس محنت کا ثمرہ اور عطائے خداوندی سے حاصل ہوتا ہے)۔ پہلے کا حصول لگا تار محنت کوشش اور مذاکرہ (یعنی ایک دوسرے سے سیکھنے سکھانے) سے حاصل ہوتا ہے اور دوسرا رب کے تقویٰ اور نیک عمل سے حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ (سورۃ البقرہ، ۲۸۲) "اور خدا سے ڈرو اور (دیکھو کہ) وہ تم کو (کیسی مفید باتیں) سکھاتا ہے"۔

اس علم کو "علم لدنی" کہتے ہیں (جس کا ذکر اس آیت میں ہے)

وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۶۵﴾ (سورۃ الکہف، ۶۵) اور اپنے پاس سے علم بخشا تھا۔

یہ وہ علم نافع ہے جو خدا اپنے متقی بندوں میں سے جس کو چاہتا عطا فرماتا ہے۔ اسی کی طرف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ان اشعار میں اشارہ فرمایا:

شکوت الی وکیع سوء حفظی فارشدنی الی ترك المعاصی

میں نے (اپنے استاد امام) وکیع سے اپنے حافظہ کی خرابی کی شکایت کی تو انہوں نے مجھے گناہوں کے ترک کی ہدایت کی۔

واخبرنی بان العلم نور ونور اللّٰہ لا یعطی لعاص

اور مجھے بتلایا کہ یہ علم نور ہے اور نور خدا نافرمان کو نہیں دیا جاتا۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ۭ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ڭ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَي الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۣ وَاغْفِرْ لَنَا ۣ وَارْحَمْنَا ۣ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾

ترجمہ:...... اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمہارے نفسوں میں ہے یا اس کو پوشیدہ رکھو۔ اللہ اس کا محاسبہ فرمائے گا، پھر جس کو چاہے بخش دے اور جس کو چاہے عذاب دے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے، ﴿۲۸۴﴾ ایمان لایا رسول اس پر جو اس کی طرف نازل کیا گیا اس کے رب کی طرف سے اور مؤمنین بھی ایمان لائے، سب ایمان لائے اللہ پر اور اُس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر، وہ کہتے ہیں کہ ہم اُس کے پیغمبروں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے اور اُنہوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا، ہم آپ کی بخشش کا سوال کرتے ہیں، اے ہمارے رب! اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ ﴿۲۸۵﴾ اللہ نہیں مکلف بناتا کسی جان کو، جس کی اُسے طاقت نہ ہو، ہر جان کے لیے وہی ہے جو اس نے کسب کیا، اور اس کے اُوپر وبال ہے اُس کا جو وہ گناہ کرے، اے ہمارے ربّ! ہمارا مؤاخذہ نہ فرمانا اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے چوک ہو جائے، اے ہمارے رب! اور نہ رکھ ہم پر بھاری بوجھ جیسا کہ آپ نے ان لوگوں پر بھاری بوجھ رکھا جو ہم سے پہلے تھے، اے ہمارے رب! اور ہم پر ایسا بار نہ ڈالیے جس کی ہم کو طاقت نہ ہو، اور ہمیں معاف فرما دیجیے اور ہماری مغفرت فرما دیجیے اور ہم پر رحم فرمایئے، آپ ہمارے مولیٰ ہیں، سو ہماری مدد فرمایئے کافر قوم کے مقابلہ میں۔ ﴿۲۸۶﴾

ماقبل سے مناسبت:...... اس سورت کو ان آیات پر ہی ختم کرنا مناسب تھا کیوں کہ یہ سورت متعدد تکلیفات شرعیہ مثلاً نماز، زکوٰۃ، قصاص، روزہ، حج، جہاد، طلاق، عدت، سود اور بیع کے احکام اور دین کے احکام وغیرہ پر مشتمل ہے۔ رب تعالیٰ کا ہمیں ان احکام شرعیہ کا مکلف بنانا اس بات کو یاد دلانے کے مناسب تھا کہ وہ زمین وآسمان اور ان کی ہر شی کا مالک ہے وہ جس کو چاہے جس بات کا چاہے مکلف بنا دے۔ اور اعمال کا بدلہ دار آخرت میں ملے گا۔ چنانچہ ان آیات پر اس سورت کو وعید اور تہدید کے طور پر ختم فرمایا۔

لغت: اِصْرًا:...... اس کا لغوی معنی بوجھ اور شدت ہے۔ نابغہ کہتا ہے:

یا مانع الضیم ان یغشی سراتھم　　والحامل الاصر بعد ما عرفوا

ترجمہ:...... ”اے (میرے) ظلم کو (اس بات سے) روکنے والے (ممدوح!) کہ وہ ان کے شریفوں کو گھیرے اور ان پر سے بوجھوں کو (اپنے کندھے پر) اٹھا (کر ہٹانے) والے بعد اس بات کے کہ وہ تمہیں (اچھی طرح) جانتے ہیں۔“

سخت شرعی احکام کو اس لیے اصر کہا جاتا ہے کیوں کہ وہ مکلفین پر بھاری ہوتے ہیں۔ اور ”عہد“ کو بھی اسی لیے اصر کہا جاتا ہے وہ بھاری ہوتا ہے (یعنی اس کا نبھانا مشکل ہوتا ہے)۔ طَاقَةَ: کسی شی کی قدرت۔ یہ اطاق الشئ سے ہے، یعنی ”کسی شی کی قدرت اور طاقت رکھنا“ یہ مصدر ہے جو کسی فعل کے نہ کرنے پر آتا ہے۔ وَاعْفُ عَنَّا: (یہ) العفو (سے ہے) گناہ سے درگزر کرنا۔ وَاغْفِرْ لَنَا (یہ) غفران (سے ہے) گناہوں کو چھپانا اور ان کو مٹانا۔

سببِ نزول: وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ:...... جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر بڑی شاق گزری۔ چنانچہ انہوں نے دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کیا: "ہمیں (اس سے پہلے) ان اعمال کا مکلف بنایا گیا تھا جن کی ہم میں طاقت تھی (مثلاً) نماز، روزہ، صدقہ اور جہاد (وغیرہ) اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ آیت نازل ہوئی ہے جس کی ہم میں طاقت نہیں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم لوگ بھی وہ کہنا چاہتے ہو جو تم سے پہلے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) نے کہا تھا؟" (کہ انہوں نے خدا کے احکام سن کر یہ کہا) سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا (سورۃ البقرہ، ۹۳) "ہم نے سن تو لیا لیکن مانتے نہیں۔" (لیکن تم ایسا مت کہو تم اس کی بجائے یہ) کہو: سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ہم نے سن لیا اور مان لیا "پھر جب لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا اور ان کی زبانوں پر یہ جاری ہو گیا تو رب تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ: اور اس آیت کے حکم کو یہ آیت نازل کر کے منسوخ فرما دیا: لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ

(مسلم شریف، دیکھیں اسباب النزول للواحدی ص۵۱)

ارکان ایمان اور مؤمنین کو تسلی

تفسیر: لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ:...... یعنی خدا کی پاک ذات زمینوں اور آسمانوں کی ہر شے کی مالک ہے اور جو ان میں ہے ان پر مطلع ہے۔ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ: یعنی تمہارے جیوں میں جو بڑائی (کا خیال) ہے اس کو خواہ تم چھپاؤ یا ظاہر کرو خدا اس کو جانتا ہے اور اس کا تم سے حساب لے گا۔ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ: یعنی وہ جس کو چاہے معاف کر دے اور جس کو چاہے عذاب دے وہ ہر چیز پر قادر ہے اس سے کسی بات کی پرسش کا کسی کو حق نہیں۔ اور لوگوں سے (ان کے کیے کے بارے میں) پوچھا جائے گا۔ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ: یعنی جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب باتوں کی تصدیق فرمائی جو رب تعالیٰ نے ان پر نازل فرمائیں یعنی قرآن اور وحی۔ اسی طرح اہل ایمان نے بھی (ان دونوں باتوں کی تصدیق کی)۔

كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ: یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام نے رب تعالیٰ کی وحدانیت کی تصدیق کی اور اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آئے۔ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ: یعنی ہم یہود و نصاریٰ کی طرح بعض کا انکار اور بعض کا اقرار نہ کریں گے بلکہ ہم کسی تفریق کے بغیر رب تعالیٰ کے سب رسولوں پر ایمان لے آتے ہیں۔ [1]

وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ڭ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ:...... یعنی (اے ہمارے پروردگار!) ہم نے آپ کی پکار کو قبول کیا آپ کے حکم کو مانا۔ اے اللہ! ہم آپ سے ان گناہوں کی مغفرت کا سوال کرتے ہیں جو ہم سے سرزد ہوئے اور اے اللہ! ایک اکیلے تیرے ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اور تیری ہی طرف ٹھکانہ ہے۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا: یعنی خدا تعالیٰ کسی کو اس کی ہمت سے زیادہ کا مکلف نہیں بناتے۔ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ: یعنی ہر نفس جو نیکی بھی آگے بھیجے گا اسے اس کی جزا ملے گی اور جو برائی کرے گا اس کی سزا ملے گی۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا: یعنی تم لوگ اپنی دعا میں یہ الفاظ کہو۔ مطلب یہ ہے کہ یا اللہ! ہم سے بھول یا چوک سے جو گناہ سرزد ہو گئے ان پر ہمیں عذاب نہ دینا۔ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَي الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا: یعنی ہمیں ان سخت احکام کا مکلف نہ بنایئے کہ (جو ہمارے بس میں نہ ہوں اور) ہم ان سے عاجز آ جائیں جیسا کہ ہم سے پہلی امتوں کو مکلف بنایا گیا ہے۔ جیسے توبہ (کی قبولیت) میں اپنے آپ کو مارنے (کی شرط) اور

---

[1] نہ یہود کی طرح کہ فقط اپنی نسل یعنی اسرائیلی پیغمبروں کے سوا کسی اور کو مانیں ہی نہ، اور ان میں سے جس کا چاہے انکار کر دیں حتیٰ کہ اسرائیلی انبیا کے سلسلہ کے خاتم حضرت مسیح علیہ السلام کا انکار کر کے ان کی جان تک لینے کی کوشش کی اور اپنے خیال میں ان کو مار ہی ڈالا تھا۔ اور نہ ہی نصاریٰ کی طرح کہ ایک اسرائیلی نبی کے ماننے میں تو وہ غلو کیا کہ پیغمبری سے اٹھا کر خدا بنا دیا اور اسماعیلی شاخ کے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت ٹھان لیں۔ قرآن کریم کے کتاب الٰہی ہونے کا منکر مشہور انگریز مصنف "گبن" اس سب کے باوجود قرآن کریم کی وسعت پر حیران ہو کر کہتا ہے، "محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وسیع المشربی نے اپنے پیش رووں کے لیے بھی وہی درجہ رکھا جو خود اپنے لیے۔ اور ہبوط آدم علیہ السلام سے لے کر نزول قرآن تک سلسلۂ وحی کو قائم رکھا۔" تاریخ زوال رومن امپائر ج۵ ص۳۴۰" (تفسیر ماجدی ج۱ ص۵۲۰) نسیم

(پاکی حاصل کرنے کے لیے نجاست کو دھونے کی بجائے) نجاست کی جگہ کو ہی کاٹ دینا (کہ یہ سب احکام بڑے سخت تھے)۔ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ: یعنی جن تکلیفوں اور آزمائشوں کو جھیلنے کی ہم میں سکت نہیں ان کا بوجھ ہمارے سروں پر نہ رکھیو! وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا: یعنی ہمارے گناہوں کو مٹا، ہماری برائیوں کو چھپا اور بڑے حشر کے دن ہمیں فضیحت و رسوائی سے بچا اور اپنی اس رحمت کے ساتھ ہم پر رحم فرما جو ہر شی پر وسیع ہے۔ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ: یعنی اے اللہ! تو ہمارا مددگار، ہمارے امور کا نگران و نگہبان ہے۔ ہمیں چھوڑ نہ دے اور ہمارے اور اپنے دین کے دشمنوں کافروں پر ہماری مدد فرما (ہمیں ان پر غالب فرما) جو تیرے دین کو ٹھکراتے ہیں اور تیری وحدانیت کا انکار کرتے ہیں اور تیرے نبی کی رسالت کو جھٹلاتے ہیں ایک روایت میں ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تین دعائیں مانگیں تو ہر دعا پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (ندائے غیبی سے) کہا گیا، کہ "میں نے ایسا کر دیا۔"

بلاغت:...... یہ آیت بھی فصاحت و بلاغت کی کئی انواع و اقسام کو شامل ہے۔ مثلاً:

۞...... وَاِنْ تُبْدُوْا (تم ظاہر کرو) اور اَوْ تُخْفُوْهُ (یا تم چھپاؤ) میں اور يَغْفِرُ اور يُعَذِّبُ میں لفظی طباق ہے اور اِكْتَسَبَتْ اور كَسَبَتْ میں معنوی طباق ہے کیوں کہ كَسَبَ خیر میں استعمال ہوتا ہے اور اِكْتَسَبَ شر میں استعمال ہوتا ہے (اور خیر اور شر میں طباق ہے)۔ اٰمَنَ اور الْمُؤْمِنُوْنَ میں جناس اشتقاق ہے (کہ دونوں باب افعال سے ہیں) یعنی اٰمَنَ يُؤْمِنُ سے ہیں۔ اور مؤمنوں یہ باب افعال سے اسم فاعل مذکر جمع کا صیغہ ہے۔ جناس اشتقاق اس کو کہتے ہیں جس میں دو لفظ ایک فعل سے اور ایک باب سے مشتق ہوں یہاں دونوں لفظ باب افعال سے ہیں۔ نسیم۔ (واللہ اعلم) لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ: اس میں "اطناب" ہے (کیوں کہ اس سے پہلے سب رسولوں پر ایمان لے آنے کو ذکر کیا جا چکا ہے)۔ وَالْمُؤْمِنُوْنَ: اس میں حذف کے ذریعے "ایجاز" ہے کہ اصل عبارت اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ہے۔ (کہ اس میں لفظ اللہ اور رسلہ کو حذف کر کے فعل کو اسم فاعل میں بدل کر ذکر کیا گیا ہے جس سے عبارت میں "ایجاز" پیدا ہو گیا ہے۔ نسیم)

فائدہ:...... حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جس نے سورۂ بقرہ کی ان آخری دو آیتوں کو رات میں پڑھا یہ (اس رات میں) اس کو کافی ہو جائیں گی۔" (بخاری)

اور مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ "ایک فرشتے نے آسمان سے نازل ہو کر خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو کر کہا: "(یا رسول اللہ!) دو نوروں کی خوشخبری لے لیجیے! کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے کسی نبی علیہ السلام کو نہ دیے گئے۔ (ان میں ایک نور) سورۂ فاتحہ اور (دوسرا نور) سورۂ بقرہ کی آخری آیات ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں سے جو بھی (خواہ ایک) حرف (بھی) پڑھیں گے (اور اس میں جو دعا بھی ہو گی) وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دی جائے گی۔" (مسلم)

سورۂ بقرہ تمام شد

تم بعونه تعالٰی تفسیر و ترجمة سورة البقرة۔ والحمد لله علٰی ذلك۔

سورۃ آل عمران

تعارف:......سورت آل عمران مدنی ہے اور یہ ایک طویل سورت ہے، درحقیقت یہ سورت دین اسلام کے دو عالیشان ارکان پر مشتمل ہے۔

اول:......عقیدۂ توحید جسے دلائل و براہین سے مدلل و مبرہن کیا گیا ہے۔

دوم:......شرائع (قانون سازی) جو بالخصوص مغازی (جنگوں) اور جہاد فی سبیل اللہ کے متعلق ہے۔

اول عقیدہ:......اس سورت کی مختلف آیات رب تعالیٰ کی وحدانیت اور یکتائی اور نبوت کے اثبات پر لائی گئی ہیں، مختلف آیات میں قرآن کے صدق وسچائی کو ثابت کیا گیا ہے، مختلف آیات میں اہل کتاب کے ان اعتراضات اور شبہات کا رد اور ازالہ کیا گیا ہے جو وہ دین اسلام، قرآن اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر کرتے تھے، سورۃ البقرہ میں اہل کتاب کے ایک گروہ ''یہود'' کی حقیقت اور ان کی باطنی خباثت کو طشت از بام کیا گیا تھا اب سورت آل عمران میں دوسرے گروہ ''نصاریٰ'' کے اعتقادی دجل پر روشنی ڈالی جا رہی ہے، نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں لب کشائی کرتے، انہیں خدائی کے مقام تک پہنچاتے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تکذیب کرتے، قرآن عظیم کا انکار کرتے، نصاریٰ کے اعتقاداتی احوال کو تقریباً نصف سورت میں بیان کیا گیا ہے، واضح اور مسکت دلائل کے ساتھ نصاریٰ کے شبہات کا رد کیا گیا ہے، نصاریٰ خصوصاً حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق عجیب عجیب عقائد رکھتے تھے سورۂ آل عمران میں ان کا رد کیا گیا ہے، نصاریٰ کی تردید کے ضمن میں گاہے گاہے یہود کے اعتقادات باطلہ کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے اور سختی سے ان پر رد کیا گیا ہے، ساتھ ساتھ مسلمانوں کو اہل کتاب کے مکر و فریب اور دجل سے ہوشیار رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔

دوم شرائع:......اس سورت میں بعض شرعی احکام کے متعلق بھی گفتگو کی گئی ہے جیسے مثلاً فرضیت جہاد، فرضیت حج، سود، منکر زکوٰۃ کا حکم۔ غزوہ بدر اور غزوۂ احد کے تفصیلی احوال بیان کیے گئے ہیں، ان غزوات سے مسلمانوں کو جو سبق دینا تھا اس پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، جیسا کہ غزوۂ بدر میں مسلمان فتح یاب ہوئے اور غزوۂ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم کما حقہ نہ ماننے پر عارضی طور پر شکست خوردہ ہوئے، جس کی پاداش میں مسلمانوں کو کفار اور منافقین کی طرف سے خوشی کے نعرے اور طعن و تشنیع کے کلمات سننے پڑے، اللہ تعالیٰ نے اس کی حکمت کی طرف مسلمانوں کی راہنمائی فرمائی، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ مؤمنین کے دلوں کو پاک کرنا چاہتا ہے تا کہ گندے اور پاکباز میں امتیاز ہو جائے۔ سورۂ کریم میں منافقین کے بغض ونفاق اور مسلمانوں کی ہمتوں کو پست کرنے کے متعلق ان کی ریشہ دوانیوں پر بھی کلام کیا گیا ہے، سورت کے آخر میں کائنات، زمین و آسمان کی تخلیق اور عجائب و اسرار جو خالق کے وجود پر دلالت کرتے ہیں پر غور وخوض اور فکر و تدبر کرنے کی دعوت دی گئی ہے، پھر سورت کو مجاہدین اور جہاد جس میں حقیقی فلاح، بھلائی اور عظمت مضمر ہے کے تذکرہ پر ختم کیا گیا ہے، چنانچہ آخری آیت میں یوں ارشاد ہوتا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾ (سورۃ آل عمران، ۲۰۰)

سورۂ آل عمران کی فضیلت:......حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا: ''قیامت کے دن قرآن اور اہل قرآن جو اس پر عمل کرتے رہے کو لایا جائے گا، جب کہ سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران ان کے آگے آگے ہوں گی۔[1]

سورۂ آل عمران کی وجہ تسمیہ:......چوں کہ اس سورت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ مریم علیہا السلام کے والد عمران کے خاندان کا تفصیلی ذکر آیا ہے نیز سورت میں مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے تفصیلی احوال بیان کیے گئے ہیں، اس مناسبت سے سورۃ کا نام سورۃ ''آل عمران'' رکھا گیا ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[1] اخرجہ مسلم۔ آگے آگے ہونے سے مراد یہ ہے کہ مسلمان کی سفارش میں پیش پیش ہوں گی یا مسلمان کے آگے آگے نور کی صورت میں ہوں گی۔ واللہ اعلم

اٰیَاتُهَا ۲۰۰ ﴿۳﴾ سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ ﴿۸۹﴾ رُكُوْعَاتُهَا ۲۰

الٓمّٓ ① اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۗ ② نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۙ ③ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۬ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ④ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۗ ⑤ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑥ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ⑦ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ⑧ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ⑨

وقف منزل وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم — ع ل

ترجمہ:...... الٓمّٓ ① اللہ ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ ہے قائم رکھنے والا ہے۔ ② اُس نے آپ پر حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی ایسی کتاب جو اُن کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے تھیں، اور اس سے پہلے نازل فرمایا توریت کو اور انجیل کو۔ ③ جو لوگوں کے لیے ہدایت ہیں اور نازل فرمایا فرقان کو، بے شک جن لوگوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا ان کے لیے سخت عذاب ہے اور اللہ غلبہ والا ہے بدلہ لینے والا ہے۔ ④ بے شک اللہ ایسا ہے کہ اُس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں زمین میں اور نہ آسمان میں۔ ⑤ اللہ وہ ہے جو تمہاری تصویریں بناتا ہے رحموں میں جس طرح چاہے، کوئی معبود نہیں اس کے سوا، وہ غلبہ والا ہے، حکمت والا ہے۔ ⑥ اللہ وہ ہے جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی اس میں آیات محکمات ہیں جو اُمّ الکتاب ہیں اور دوسری آیات متشابہات ہیں سو وہ لوگ جن کے دِلوں میں کجی ہے وہ اُن کے پیچھے پڑتے ہیں جو قرآن میں متشابہات ہیں فتنہ تلاش کرنے کے لیے اور اس کا مطلب تلاش کرنے کے لیے، اور نہیں جانتا اس کے مطلب کو مگر اللہ، اور جو لوگ علم میں راسخ ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، سب ہمارے رب کی طرف سے ہے اور نہیں نصیحت حاصل کرتے مگر عقل والے۔ ⑦ اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو کج نہ کر دیجیے۔ اس کے بعد کہ آپ نے ہم کو ہدایت دی، اور ہمیں اپنے پاس سے بڑی رحمت عطا فرمایئے، بے شک آپ بہت بڑے عطا فرمانے والے ہیں۔ ⑧ اے ہمارے رب! بیشک آپ لوگوں کو اس دن میں جمع فرمانے والے ہیں جس میں کوئی شک نہیں۔ بیشک اللہ وعدہ خلافی نہیں فرماتا۔ ⑨

اہم لغات:...... اَلْحَيُّ زندہ، جاوید جس پر فنا اور موت نہ آئے۔ اَلْقَيُّوْمُ انسانوں کے معاملات اور امور کی بہتر تدبیر کرنے والا (ہر چیز کا نگہبان اور قائم بذاتہ)۔ يُصَوِّرُكُمْ: "التصویر" سے مشتق ہے، کسی چیز کو متعین صورت پر بنانا تصویر یعنی صورت گری ہے، یعنی اللہ جیسے چاہتا ہے تمہیں پیدا فرماتا ہے۔ اَلْاَرْحَامُ رحم کی جمع بچہ دانی۔ مُحْكَمٰتٌ: "محکم ایسا کلام جس کا معنی اور مراد واضح ہو۔ قرطبی کہتے ہیں: محکم سے مراد ایسا کلام ہے جس کی تاویل وتفسیر معروف ومعلوم ہو اور اس کا معنی سمجھ میں آتا ہو، متشابہ ایسا کلام جسے جاننے تک کسی کو رسائی نہ ہو (یعنی جس کا معنی اور مراد واضح نہ ہو) صرف اللہ تعالیٰ کو اس کا معنی اور مراد معلوم ہو جیسے سورتوں کے شروع میں حروف مقطعات، متشابہات کی تعریف وتفسیر

کے متعلق یہ بہترین قول ہے [۱] زَيْغٌ حق سے پھر جانا، زاغ زیغا یعنی مال بمیل (کسی چیز سے اعراض کرنا، پھر جانا) الرّٰسِخُوْنَ رسوخ سے مشتق (اسم فاعل) ہے۔ بمعنی گڑ جانا، جاگزیں ہوجانا۔ بقول شاعر:

لقد رسخت فی القلب منی مودة　　لليلى أبت أيامها أن تغيرا

میرے دل میں لیلیٰ کی محبت جاگزیں ہوچکی ہے چنانچہ اس سے وابستہ یادیں میرا پیچھا نہیں چھوڑتیں۔

• شانِ نزول: ...... یہ آیات نجران کے نصرانیوں کے متعلق نازل ہوئیں وہ وفد کی صورت میں مدینہ آئے تھے، ان کی تعداد ساٹھ (۶۰) تھی، ان میں سے چودہ ان کے رؤسا تھے جن میں تین ان کے اکابر تھے عبدالمسیح جو کہ ان کا امیر تھا، ایہم ان کا مشیر تھا اور ابو حارثہ بن علقمہ جو کہ ان کا بڑا حبر اور عالم تھا، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ان ہی تینوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ گفتگو کی، کبھی کہتے عیسیٰ ہی اللہ ہے، چوں کہ عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ کبھی کہتے عیسیٰ ''ابن اللہ'' ہیں، چوں کہ ان کا کوئی باپ نہیں، کبھی کہتے وہ ''ثالث ثلاثہ'' تین کا تیسرا ہیں کیوں کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: فَعَلْنَا وَقُلْنَا یعنی ہم نے ایسا کیا اور ہم نے کہا۔ اگر خدا ایک ہوتا تو اس کی بجائے۔ فعلت و قلت [۲] ہوتا۔

اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عیسائیوں سے فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہمارا رب زندہ جاوید ہے وہ مرتا نہیں حالاں کہ عیسیٰ علیہ السلام میں یہ صفت نہیں۔ عیسائی بولے! جی ہاں بے شک، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہمارا رب ہر چیز کا نگہبان ہے اور حفاظت کرنے والا ہے، ہر چیز کو رزق عطا کرتا ہے، کیا عیسیٰ علیہ السلام میں بھی یہ صفات پائی جاتی ہیں؟

اہل نجران بولے: نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے زمین و آسمان میں کوئی چیز پوشیدہ نہیں، کیا عیسیٰ علیہ السلام کو بھی ہر چیز کا علم تھا؟ بلکہ انہیں تو بس صرف اسی چیز کا علم تھا جس کا علم اللہ نے ان کو عطا کر دیا؟ وہ بولے: نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہمارا رب نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے اور نہ اسے رفع حاجت کی ضرورت پڑتی ہے جب کہ عیسیٰ علیہ السلام کھاتے ہیں پیتے ہیں اور انہیں پیشاب و پاخانے کی بھی حاجت پیش آتی ہے؟ عیسائی بولے: جی ہاں بے شک۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پھر تم اپنے اعتقادات کا زعم کیوں رکھتے ہو؟ نصاریٰ خاموش رہے، بایں ہمہ حق تسلیم کرنے سے برابر انکار کرتے رہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ آل عمران کی ابتدائی اسی (۸۰) سے زائد آیات نازل فرمائی۔ [۳]

تفسیر: ...... الٓمّٓ: ان حروف سے اعجاز قرآن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ قرآن مجید کی کلماتی لڑی میں حروف کو بھی خوبصورتی سے پرویا گیا ہے، اس کی تفصیل سورۂ بقرہ کی ابتداء میں گزر چکی ہے۔ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ: اللہ کے سوا کوئی پروردگار نہیں اور وہی معبود برحق ہے۔ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ: جو زندہ جاوید اور باقی رہنے والا ہے، اسے موت نہیں آئے گی اور وہی اپنے بندوں کے افعال سنوارنے والا ہے اور وہی بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ: اے محمد! اسی (رب نے) تمہارے اوپر قرآن نازل کیا جو دلائل و قطعی براہین سے لبریز ہے۔ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ: یعنی قرآن مجید سے پہلے جو کتابیں نازل کی گئی ہیں وہ قرآنی تعلیمات کے عین مطابق ہیں۔ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ یعنی اللہ تعالیٰ نے دو عظیم کتابیں تورات اور انجیل نازل فرمائی ہیں اور وہ دونوں قرآن سے پہلے نازل فرمائیں جن میں بنی اسرائیل کے لیے ہدایت کا سامان ہے۔ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ: یعنی آسمانی کتابوں کی جنس نازل فرمائی۔ [۴] چوں کہ آسمانی کتابیں ہی حق و باطل کے درمیان فرق کرتی تھیں، ہدایت اور گمراہی میں انہی سے امتیاز ہوتا تھا، دوسرے قول کے مطابق الْفُرْقَانَ سے مراد قرآن ہے، قرآن کا اوپر ذکر آچکا ہے دوبارہ قرآن کا ذکر اس کی عظمت شان ظاہر کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔ [۵] اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ: یعنی جو لوگ اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں اور باطل طریقے سے ان آیات کی تردید کرتے ہیں۔ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ: یعنی آخرت میں انہیں دردناک عذاب ہوگا۔

---

[۱] القرطبی ۴/ ۹ [۲] یعنی صیغہ جمع کی بجائے مفرد متکلم کا صیغہ لایا جاتا۔ [۳] الفخر الرازی ۷/ ۱۶۵ و ابن کثیر المختصر ۱/ ۲۸۸ [۴] الفرقان پر الف لام جنس کا ہے جب کہ تھانوی صاحب نے فرقان کی تفسیر معجزات سے کی ہے۔ [۵] یہ قتادہ اور ربیع کا قول ہے ابن جریر کے نزدیک مختار قول یہ ہے کہ فرقان کا معنی حق و باطل، رشد و ضلالت میں فرق کرنے والا ہے چوں کہ قرآن کا ذکر اوپر "نزل علیک الکتاب" کے تحت ہو چکا ہے۔

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ:...... اللہ غلبے والا ہے اپنے فیصلہ پر سختی سے نمٹنے والا ہے، وہ مغلوب ہونے والا نہیں، وہ نافرمان سے انتقام لینے والا ہے۔

زمین وآسمان میں اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ:...... یعنی اللہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں، اس کے احاطہ علم سے کوئی چیز باہر نہیں وہ کائنات کی ہر چیز پر اطلاع رکھتا ہے مخفی رہنے والی کوئی چیز اللہ کے ہاں مخفی نہیں۔

هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ: یعنی اللہ ہی تمہیں تمہاری ماؤں کی بچہ دانیوں میں پیدا کرتا ہے خواہ لڑکے کو پیدا کرے یا لڑکی کو، وہ خواہ خوبصورت ہو یا بدصورت اس کا اختیار اسی کو حاصل ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ: یعنی اللہ کے سوا کوئی رب (پروردگار) نہیں، وہ یکتا ہے، خدائی میں وہ منفرد ہے، اپنی بادشاہت کا زبردست منتظم ہے اور اس کی کاریگری میں بے شمار حکمتیں ہیں۔ اس آیت میں عیسائیوں پر رد کیا گیا ہے چوں کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کی خدائی کے دعویدار تھے، اللہ تعالیٰ نے تنبیہ کردی کہ اللہ ہی رحم مادر میں بچے کو پیدا کرتا ہے اور وہی بچے کی صورت گری کرتا ہے۔ یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام غیب کا علم نہیں رکھتے بلکہ وہ تو اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں جیسے اللہ کے اور بندے ہیں۔ [۱]

آیات محکمات ومتشابہات

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ:...... یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اسی اللہ نے تمہارے اوپر قرآن نازل کیا ہے۔ [۲] مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ: یعنی قرآن میں (اکثر) ایسی آیات بھی ہیں جو اپنے مدلول پر واضح دلالت کرتی ہیں، ان میں کوئی التباس نہیں، کوئی پیچیدگی نہیں، جیسے حلال وحرام کے متعلقہ آیات، انہی آیات پر کتاب کا اصلی دارومدار ہے اور یہ آیات کتاب کی اساس ہیں۔ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ: یعنی قرآن میں بعض دوسری آیات ایسی ہیں جن کی دلالت اور مراد بہت سارے لوگوں پر مشتبہ ہوجاتی ہے، سو جس شخص نے متشابہ کو محکم وواضح آیات کی طرف موڑا وہ ہدایت پہ رہا اور جس نے اس کے برعکس کیا وہ گمراہی میں جا پڑا۔ اسی لیے ارشاد ہوا: فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ: یعنی جس کے دل میں ہدایت سے منہ موڑ کر گمراہی کی طرف جانے کا زعم ہو وہ متشابہ آیات کے پیچھے پڑ جاتا ہے اور اپنی خواہش کے مطابق ان کی تفسیر کرتا ہے۔ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ: یعنی وہ ایسا اس لیے کرتا ہے تاکہ لوگوں میں فتنہ برپا کردے اور ان کا دین بگاڑے، وہ کلام اللہ کی تفسیر حسب منشا کر کے اپنے متبعین کو ایہام میں ڈالتے ہیں جیسا کہ نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کیا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ:...... اس سے نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے اللہ کے بیٹے ہونے یا اللہ کا جز ہونے پر استدلال کیا، جب کہ یہ آیت متشابہات میں سے ہے، انہوں نے محکم آیات کو چھوڑ دیا اور ان کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ حالانکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ: (یعنی عیسیٰ علیہ السلام تو ہمارے بندے ہیں ہم نے ان پر انعام کیا ہے) معلوم ہوا عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اللہ کے رسول ہیں۔

وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ: یعنی آیات متشابہات کی تفسیر اور ان کا حقیقی معنی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ: جو لوگ علم میں پختہ کار ہیں اور علم ان کے دل ودماغ میں رچا بسا ہے وہ متشابہات پر ایمان رکھتے ہیں کہ یہ من جانب اللہ ہیں۔ [۳]

كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا: یعنی آیات خواہ متشابہات ہوں یا محکمات ہوں سب ہی برحق ہیں اور سچ ہیں، چوں کہ یہ بھی کلام اللہ ہیں۔

وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ: وہی لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں جو اہل عقل ہیں اور وہی اس میں تدبر کرتے ہیں۔

---

[۱] شبہ نہ ہو کہ مفسر نے عیسیٰ علیہ السلام کو عام بندوں جیسا قرار دیا ہے سو انسانی صفات میں سب بندے برابر ہیں۔ [۲] اَلْكِتٰبَ پر الف لام عہد کا ہے۔ [۳] یہ تفسیر تب ہے جب الا اللہ پر وقف کیا جائے اگر وقف وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ پر کیا جائے یعنی مفرد کا عطف مفرد پر کیا جائے تو معنی ہوگا کہ متشابہات کی تاویل اللہ جانتا ہے اور علم میں پختہ کار علما بھی جانتے ہیں۔ دونوں تفسیریں منقول ہیں۔

ایک جامع دعا

رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا:...... یعنی اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو حق سے نہ پھیرنا اور ہمیں گمراہ نہ کرنا بَعۡدَ اِذۡ هَدَیۡتَنَا: یعنی ہمیں دین راست اور شریعت مستقیمہ پر لانے کے بعد وَهَبۡ لَنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً: اپنے فضل وکرم سے ہمیں رحمت سے مالا مال کر دے جو ہمیں تیرے برحق دین پر کاربند رکھے۔ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡوَهَّابُ: اے ہمارے پروردگار! تو ہی اپنے بندوں پر لطف واحسان کرنے والا ہے اس مرتبے کا تو ہی سزاوار ہے۔ رَبَّنَاۤ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوۡمٍ لَّا رَيۡبَ فِيۡهِ: یعنی تو ہی اس خوفناک دن میں مخلوقات کو (میدان محشر میں) جمع کرے گا اور اس میں کوئی شک نہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخۡلِفُ الۡمِيۡعَادَ: یعنی تیرا وعدہ حق وسچ ہے اور اے ہمارے پروردگار! تو وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

• اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجۡمَعَنَّكُمۡ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ ؕ وَمَنۡ اَصۡدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيۡثًا ﴿۸۷﴾ (سورۃ النساء، ۸۷)

بلاغت:...... نَزَّلَ عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ:۔ قرآن کو کتاب سے تعبیر کیا گیا ہے اور ''الکتاب'' اسم جنس ہے، اس سے قرآن کو تمام کتب سماویہ پر فوقیت دینا مقصود ہے گویا قرآن ہی کتاب کہلانے کا سزاوار ہے۔ لِمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ: یہ کنایہ ہے ان آسمانی کتابوں سے جو قرآن سے بیشتر نازل کی گئیں۔ چنانچہ قرآن کے ظاہر اور مشہور ہونے کی بنا پر کتب سماویہ کو لِمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ: کا نام دیا گیا ہے۔

وَاَنۡزَلَ الۡفُرۡقَانَ: یہ فقرہ عطف العام علی الخاص کے قبیل میں سے ہے، چنانچہ اولاً تین کتابوں کا ذکر ہوا پھر عام لفظ کے تحت ساری کتابوں کو ذکر کر دیا گیا تاکہ افادہ میں شمول ہو باوجود یہ کہ اہتمام کے ساتھ خاص کا ذکر قبل ازیں کر دیا گیا ہے۔ هُنَّ اُمُّ الۡكِتٰبِ: شریف رضی کہتے ہیں: یہ استعارہ ہے، مراد یہ ہے کہ آیات محکمات کتاب کی اصل اور جڑ ہیں اور یہ آیات بمنزلہ ماں کے ہیں، گویا سارا قرآن ان آیات کے تابع ہے یا سارے قرآن کا آیات محکمات کے ساتھ ایسا ہی تعلق ہے جیسا اولاد کا ماں کے ساتھ ہوتا ہے چنانچہ اولاد پریشانی میں ماں کا سہارا لیتی ہے۔ [1]

وَالرّٰسِخُوۡنَ فِى الۡعِلۡمِ:...... اس فقرے میں استعارہ کا پہلو نمایاں ہے، چنانچہ ثقیل اور مضبوط چیز جو زمین میں گڑی ہوئی ہو کے ساتھ ایسے اہل علم کو تشبیہ دی گئی ہے جو علم میں پختہ کار ہوں، یہ اسلوب کلام والثابتون فی العلم سے زیادہ بلیغ ہے۔ [2]

فائدہ اول:...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت هُوَ الَّذِىۡۤ اَنۡزَلَ عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ مِنۡهُ اٰيٰتٌ مُّحۡكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الۡكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ الآیۃ تلاوت کی پھر فرمایا: جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو متشابہات کی کھوج میں پڑے ہوں تو یہ وہی لوگ ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کیا ہے، ان سے ڈرتے رہو۔ (رواہ مسلم)

محکم ومتشابہ کی تفسیر

فائدہ دوم:...... قرطبی کہتے ہیں: متشابہ اور محکم کی تفسیر میں سب سے زیادہ بہتر قول یہ ہے: محکم ایسا کلام جس کی تاویل معروف ہو، جس کا معنی اور تفسیر سمجھ میں آتی ہو، اور متشابہ ایسا کلام ہے جس کا علم صرف اللہ کے ساتھ مخصوص ہے مخلوق کو اس کے علم تک رسائی حاصل نہیں، بعض مفسرین کہتے ہیں: متشابہ کا علم ایسا ہی ہے جیسے قیامت کا وقت، یاجوج ماجوج کا خروج، دجال کا خروج، نزول عیسیٰ اور سورتوں کی ابتدا میں حروف مقطعات کا علم۔ [3]

فائدہ سوم:...... قرآنی آیات کی دو قسمیں ہیں: ① ...... محکمات ② ...... اور متشابہات، جیسا کہ آیت کریمہ ان اقسام پر دلالت کرتی ہے۔

شبہ:...... اس آیت سے معلوم ہوا کہ کچھ آیات محکمات ہیں اور کچھ متشابہات جب کہ سورۂ ہود کی ایک آیت كِتٰبٌ اُحۡكِمَتۡ اٰيٰتُهٗ: سے معلوم ہوا کہ سارے کا سارا قرآن محکم ہے اور سورۂ زمر کی ایک آیت نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا: سے معلوم ہوا سارے کا سارا قرآن متشابہ ہے۔

جواب:...... آیات میں کوئی تعارض نہیں چوں کہ ان تینوں آیات کے الگ الگ معانی ہیں۔ چنانچہ سورۂ ہود کی آیت کا معنی ہے کہ اس کتاب کی آیات میں کوئی عیب نہیں، بلکہ یہ برحق کلام ہے جو پُر از فصاحت ہے، ان آیات کے معانی صحیح ہیں، جب کہ سورۂ زمر کی آیت میں مُّتَشَابِهًا: لفظی

---

[1] تلخیص البیان ص ۱۷ [2] تلخیص البیان ص ۱۷ [3] القرطبی ۴/ ۹

معنی میں ہے یعنی قرآنی آیات حسن وخوبی میں ایک دوسری کے مشابہ (ایک جیسا ہونا) ہیں اور ایک دوسری کی تصدیق کرتی ہیں۔

فائدہ چہارم:......امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: قرآن مجید کی بعض آیات مجھے اشتباہ اور التباس میں ڈال دیتی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پوچھا: بھلا کون سی؟ اس نے کہا: ایک جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ (اس دن لوگوں میں رشتے ناطے نہیں ہوں گے اور نہ ہی ایک دوسرے سے سوال کریں گے۔)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ (لوگ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوں گے اور ایک دوسرے سے سوالات کریں گے)۔

پھر ایک اور جگہ ہے:

وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا (اللہ سے کسی بات کو نہیں چھپائیں گے)۔

جب کہ دوسری جگہ ہے:

وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ (اللہ ہمارا رب ہے اور ہم مشرکین نہیں تھے۔

حالاں کہ اس آیت میں لوگوں نے حق بات اللہ سے چھپادی۔ نیز سورۃ ''النازعات'' میں آسمان کی تخلیق کو زمین کی تخلیق سے پہلے ذکر کیا ہے اور سورۂ ''فصلت'' میں زمین کی تخلیق کو آسمان کی تخلیق سے پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ پھر وہ بولا: وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا گویا اس کا معنی ہوا کہ اللہ ان صفات کا حامل تھا اب نہیں رہا۔[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ: کی کیفیت نفخۂ اولیٰ (پہلی بار صور پھونکنے) کے موقع پر ہوگی: فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ (یعنی جو مخلوق آسمانوں اور جو مخلوق زمین میں ہوگی اس پر غشی طاری ہوجائے گی ہاں البتہ جسے اللہ چاہے) اس موقع پر لوگوں کے درمیان رشتے ناطے نہیں ہوں گے اور نہ ہی ایک دوسرے سے سوالات کریں گے، پھر دوسرے نفخہ (دوسری بار صور پھونکنے) کے موقعے پر لوگ ایک دوسرے سے سوالات کریں گے اور ایک دوسرے کی طرف متوجہ بھی ہوں گے۔

رہی بات: مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ۔ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا کی تو وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل اخلاص (موحدین) کی بخشش فرمادے گا، انہیں بخشا ہوا دیکھ کر مشرکین ایک دوسرے سے کہیں گے آؤ ہم بھی کہیں کہ ہم مشرکین نہیں تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے اعضا گویا ہوں گے، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ سے کوئی بات پوشیدہ نہیں رہے گی، اب کے کفار حسرت کریں گے کہ کاش وہ بھی مسلمان ہوتے، اللہ تعالیٰ نے زمین کو دو دنوں میں پیدا کیا پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا پھر دو دنوں میں سات آسمانوں کو ترتیب سے تخلیق کیا، پھر سطح زمین کو بچھایا اور زمین سے پانی اور سبزہ اگایا، اس میں پہاڑ، درخت، ٹیلے اور جو کچھ زمین میں ہے پیدا کیا، یہ سب دو دنوں میں پیدا کیا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا (اور اس کے بعد زمین کو بچھایا)

گویا زمین اور جو کچھ زمین میں ہے چار ایام میں پیدا کیا اور دو دنوں میں آسمان کی تخلیق کی، رہی بات وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا کی سو اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات پر رہا ہے اور رہے گا۔[2] تمہاری ہلاکت، تمہارے اوپر قرآن کا اشتباہ نہیں ہونا چاہیے، سارے کا سارا قرآن اللہ کی طرف سے منزل ہے۔

---

[1] چوں کہ سائل سمجھا کَانَ فعل ناقص ماضی کے لیے آتا ہے بزعم آں معنی ہوا!! اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا تھا......الخ [2] گویا اس جیسی تراکیب میں کَانَ برائے ماضی منقطعاً نہیں بلکہ مسند مسند الیہ کے لیے علی الدوام ثابت ہے۔

کفار کے سبب کفر کا بیان

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ﴿۱۰﴾ كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۱۱﴾ قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ وَتُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾ قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۖ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُمْ مِثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ ۚ وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَنْ يَشَاءُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِأُولِي الْأَبْصَارِ ﴿۱۳﴾ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَآبِ ﴿۱۴﴾ قُلْ أَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِنْ ذَٰلِكُمْ ۚ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَأَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾ الصَّابِرِينَ وَالصَّادِقِينَ وَالْقَانِتِينَ وَالْمُنْفِقِينَ وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ ﴿۱۷﴾

ترجمہ:..... بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اُن کے مال اور اولاد اللہ کے نزدیک کچھ بھی کام نہیں آئیں گے، اور یہ لوگ وہ ہیں جو دوزخ کا ایندھن ہیں۔ ﴿۱۰﴾ ان کا طریقہ وہی ہے جو آلِ فرعون کا اور اُن لوگوں کا تھا جو اُن سے پہلے تھے، ان لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا، سو اللہ نے اُن کو پکڑ لیا ان کے گناہوں کی وجہ سے، اور اللہ سخت عذاب والا ہے۔ ﴿۱۱﴾ آپ اُن لوگوں سے فرما دیجیے جنہوں نے کفر کیا کہ عنقریب تم مغلوب ہوں گے اور جمع کیے جاؤ گے دوزخ کی طرف اور بُرا بچھونا ہے۔ ﴿۱۲﴾ بلاشبہ تمہارے لیے نشانی تھی اُن دو جماعتوں میں جو آپس میں مقابل ہوئیں ایک جماعت لڑ رہی تھی اللہ کی راہ میں، اور دوسری جماعت کافر تھی، وہ دیکھتی آنکھوں مسلمانوں کی جماعت کو دوگنی دیکھ رہے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنی مدد کے ساتھ جس کو چاہے تائید فرماتا ہے، بلاشبہ اس میں ضرور بڑی عبرت ہے اُن لوگوں کے لیے جو آنکھوں والے ہیں۔ ﴿۱۳﴾ خوش نُما بنا دی گئی ہے لوگوں کے لیے خواہشوں کی محبت یعنی عورتیں اور بیٹے اور بڑے بڑے بھاری مال سونے کے اور چاندی کے، اور نشان لگائے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتیاں، یہ دنیا والی زندگی کا فائدہ اٹھانا ہے اور اللہ کے پاس ہے اچھا ٹھکانہ۔ ﴿۱۴﴾ آپ فرما دیجیے: کیا میں تم کو اس سے بہتر بتا دوں؟ جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا ان کے لیے اُن کے رب کے پاس باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اُن میں ہمیشہ رہیں گے، اور بیویاں ہیں پاکیزہ، اور رضامندی ہے اللہ کی طرف سے، اور اللہ بندوں کو دیکھنے والا ہے۔ ﴿۱۵﴾ یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! بلاشبہ ہم ایمان لائے، لہٰذا بخش دے ہمارے گناہوں کو اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا دے۔ ﴿۱۶﴾ یہ لوگ صبر کرنے والے ہیں اور سچے ہیں، اور حکم ماننے والے ہیں اور خرچ کرنے والے ہیں، اور راتوں کے پچھلے حصوں میں مغفرت طلب کرنے والے ہیں۔ ﴿۱۷﴾

ماقبل سے مناسبت:..... جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی دعا اور تضرع کا ذکر کیا کہ اللہ انہیں ایمان پر ثابت قدم رکھے تو اس کے بعد کافروں کے سبب کفر کو بیان کیا ہے کہ انہیں کثرت مال اور کثرت اولاد نے دنیوی زندگی کے بارے میں دھوکے میں ڈال رکھا ہے، ساتھ یہ بھی بیان کر دیا ہے کہ مال و اولاد انہیں خدائی عذاب سے نہیں بچا سکے گی جیسے دنیا میں انہیں کوئی نفع نہیں پہنچا سکی، اس پر اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر کی مثال بیان کی ہے کہ اس

میں رحمٰن کا لشکر شیطان کے لشکر سے ٹکرایا نتیجہ یہ نکلا کہ کفار باوجود یہ کہ ان کے پاس مال افراد کی کثرت تھی شکست خوردہ ہوئے جب کہ مؤمنین قلیل تعداد میں تھے فتحیاب ہوئے، چنانچہ کفار کو ان کے اموال اور اولاد نے کچھ نفع نہ پہنچایا، پھر ان آیات کو نصیحت پر ختم کیا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نیکوکاروں کے لیے خیر و بھلائی ہے۔

لغات: ...... تُغْنِيَ: اِغناء سے ہے بمعنی دفاع کرنا اور نفع پہنچانا وَقُوْدُ النَّارِ: وَقُوْد۔ واؤ کے فتحہ کے ساتھ ہے بمعنی ایندھن (لکڑیاں) جن سے آگ جلائی جاتی ہے، واؤ کے ضمہ کے ساتھ مصدر بمعنی اِتِّقَاد ہے۔ دأب: عادت، شان۔ یہ لفظ داب الرجل فی عملہ سے ہے، یعنی فلاں شخص نے اپنے کام میں محنت اور کوشش کی پھر دأب کا اطلاق عادت پر ہونے لگا چوں کہ جس چیز میں انسان کوشاں رہتا ہے، وہ اس کی عادت بن جاتا ہے۔ اٰيَةٌ: علامت فِئَةٌ: جماعت، لوگوں کی جماعت کو فئۃ اس لیے کہا جاتا ہے چوں کہ شدت کے وقت جماعت کا سہارا لیا جاتا ہے، فاء یفئی سہارا لینا۔ عِبْرَةٌ: نصیحت حاصل کرنا، عبرۃ عبور سے ماخوذ ہے، عبور کسی ایک چیز کا دوسری کی طرف تجاوز کرنا اسی سے ہے "نہر عبور کرنا" چنانچہ اعتبار جہالت سے علم کی طرف منتقل ہونے کو کہا جاتا ہے۔ زُيِّنَ: تزیین سے ہے بمعنی تحسین کسی چیز کو خوبصورتی سے ہمکنار کرنا الشَّهَوٰتِ: شهوۃ کی جمع ہے وہ امر جس کی طرف نفس دعوت دے، نفس اسے پسند کرتا ہو۔ الْقَنَاطِيْرِ: قنطار کی جمع ہے بمعنی مال کا بڑا ڈھیر یا بہت زیادہ مال جو شمار سے باہر ہو الْمُقَنْطَرَةِ: دوگنا چند در چند، یہ لفظ بطور تاکید لایا گیا ہے جیسے کہا جاتا ہے۔ الف مؤلفہ۔ ای اضعاف مضعفہ چند در چند یہ طبری کا قول ہے۔

امام فرائد سے منقول ہے کہ قناطیر قنطار کی جمع ہے اور المقنطرہ جمع الجمع ہے گویا نو (۹) قناطیر (۹ ڈھیر) ہوئے۔ [۱]

الْمُسَوَّمَةِ: علامت زدہ، ایسی علامت جو دل کو اچھی لگتی ہو اور آنکھیں کو خیرہ کر دیتی ہو۔ دوسرے قول کے مطابق الْمُسَوَّمَةِ: کا معنی چرنے والے جانور مویشی ہیں۔ مجاہد اور عکرمہ کہتے ہیں: مسومہ سے مراد خوبصورت گھوڑے ہے۔ [۲]

الْمَاٰبِ: مرجع، رجوع کرنے کی جگہ الاسحار: سحری کا وقت جو طلوع فجر سے پہلے ہوتا ہے۔

شانِ نزول: ...... جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کو بدر میں شکست فاش سے چور کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ واپس چلے گئے، آپ نے یہودیوں کو جمع کر کے فرمایا: اے جماعت یہود! اسلام قبول کر لو قبل از یں کہ تمہارے اوپر بھی ایسا ہی عذاب نازل ہو، جیسا قریش پر نازل ہوا، تمہیں یقین ہو چکا ہے کہ میں نبی مرسل ہوں۔ یہود بولے: اے محمد! تم اپنے تئیں کہیں دھوکا نہ کھا جاؤ، تم نے قریش کی ایسی جماعت سے جنگ کی ہے جو جنگی چالوں سے ناواقف اور جاہل تھے، اگر تمہیں ہمارا سامنا کرنا پڑا تمہیں پتہ چل جائے گا کہ واقعی ہم مرد ہیں، ہم جیسوں سے تمہیں مقابلہ نہیں کرنا پڑا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ ...... الآیۃ نازل کی۔ [۳]

کفار کا کوئی والی اور مددگار نہیں

تفسیر: ...... اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ: ۔ یعنی کفار کو ان کے اموال اور اولاد کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گی اور نہ ہی آخرت میں ان سے خدا کا عذاب دور کر سکتے ہیں۔ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا: یعنی اللہ کے عذاب میں سے کچھ بھی اور عذاب کے درد و الم کو بھی دور نہیں کر سکتے۔ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ: وہ جہنم کا ایسا ایندھن ہوں گے جس سے آگ دھکائی اور جلائی جاتی ہے۔ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ: ان کفار کا حال اور ان کا معاملہ ایسا ہی ہے جیسا فرعونیوں کا حال اور معاملہ تھا، ان کا فعل اور طرز عمل ایسا ہی ہے جیسا فرعونیوں کا تھا۔ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ: فرعونیوں سے پہلے جو کافر قومیں ہیں جیسے ہود علیہ السلام کی قوم، صالح علیہ السلام کی قوم اور شعیب علیہ السلام کی قوم۔ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا: ان لوگوں نے ایسی آیات کو جھٹلایا جو پیغمبروں کی رسالت پر دلالت کرتی تھیں۔ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ: اللہ نے انہیں ہلاک کر دیا ان کی ہلاکت کفر و معاصی کے سبب ہوئی۔ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ: یعنی اللہ دردناک عذاب دینے والا اور سخت پکڑ والا ہے۔ اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ کفار قریش اسی طرح کفر پر ڈٹے رہے جیسے فرعونی معاندین کفر پر ڈٹے رہے، سو جس طرح فرعونیوں کو ان کے اموال اور اولاد نے نفع نہیں پہنچایا اسی طرح ان کو بھی ان کے

---

[۱] القرطبی ۴/۳۱ [۲] تفسیر الرازی ۷/۲۱۱ [۳] مختصر تفسیر ابن کثیر ۱/۲۶۸، واسباب النزول للواحدی ص ۵۴

اموال اور اولاد نفع نہیں پہنچائیں گے۔ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا: اے محمد! یہود اور سب ہی کفار سے کہو۔ سَتُغْلَبُوْنَ: تمہیں دنیا میں عنقریب شکست سے دور چار ہونا پڑے گا۔ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ: تمہیں جہنم کی طرف ہانکا جائے گا اور جہنم میں جمع کیا جائے گا۔ وَبِئْسَ الْمِهَادُ: یعنی جہنم کا ٹھکانہ بہت برا ہے جو تم نے اپنے لیے تیار کرلیا ہے۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ: اے یہود! تمہارے لیے نصیحت اور عبرت ہے۔ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا: یعنی ایسی دو جماعتوں میں جو بدر کے موقع پر جنگ کے لیے آپس میں ٹکرائیں۔ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مؤمنین کی جماعت تو اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے لڑ رہی تھی۔

وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ:...... دوسری جماعت کفار کی تھی جو شیطان اور طاغوت کی راہ میں لڑ رہی تھی اور یہ جماعت کفار قریش کی تھی۔

يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ: کفار اپنے آپ کو مسلمانوں سے دگنا دیکھتے تھے رَاْيَ الْعَيْنِ یعنی کھلی آنکھوں سے (حقیقتاً) دیکھتے تھے یہ محض وہم یا خیال فاسد نہیں تھا، اس آیت کی تفسیر کے متعلق دوسرا قول یوں ہے کہ کفار مؤمنین کو تعداد میں اپنے سے دگنا دیکھتے تھے، ایسا اس لیے تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کی آنکھوں میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ کردی تھی تاکہ کفار پر مسلمانوں کا رعب چھا جائے اور جنگ میں مرعوب ہو کر ان کے حوصلے پست ہو جائیں، پہلا قول ابن جریر کا مختار قول ہے اور یہ زیادہ ظاہر قول ہے چوں کہ رَاْيَ الْعَيْنِ یعنی کھلی آنکھوں سے حقیقت حال کو دیکھا جاتا ہے نہ کہ وہم وخیال کو۔[1] وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ: اللہ اپنی نصرت ومدد سے جسے چاہتا ہے تقویت پہنچاتا ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً: اس میں عبرت اور نصیحت ہے۔ لِّاُولِي الْاَبْصَارِ: ان لوگوں کے لیے جو عقل سلیم رکھتے ہوں اور فکر مستقیم رکھتے ہوں، اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ مادی قوت ہی سب کچھ نہیں، خدائی مدد اور نصرت کثرت تعداد اور کثرت اسلحہ کے شرمندۂ احسان نہیں بلکہ مدد اور نصرت تو اللہ کی معونت اور تائید سے حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ "اگر اللہ تمہاری مدد کردے تو تمہارے اوپر کوئی بھی غلبہ حاصل نہیں کرسکتا"۔ (آل عمران، ۱۶۰)

فانی زندگی کی خواہشات سے لوگوں کے دھوکا کھا جانے کے متعلق آگاہ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فانی زندگی کی خواہشات سے لوگوں کے دھوکا کھا جانے کے متعلق آگاہ کیا ہے زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ: مرغوب چیزوں کی طرف میلان انسانی نفوس کو خوبصورت اور خوشنما لگتا ہے، مرغوب چیزوں میں سب سے پہلے عورتوں کو بیان کیا ہے۔ چوں کہ عورتوں کا فتنہ زیادہ سخت ہوتا ہے اور عورتوں کے ساتھ نفسانی لذت کا تعلق بقیہ چیزوں سے کہیں زیادہ ہوتا ہے، چنانچہ حدیث میں ہے۔ "میں نے اپنے بعد عورتوں سے بڑھ کر کوئی اتنا بڑا فتنہ نہیں چھوڑا جو مردوں کے لیے زیادہ ضرررساں ہو۔"[2]

عورتوں کے بعد ان چیزوں کو ذکر کیا جو ان سے پیدا ہوتی ہیں۔ وَالْبَنِيْنَ اور بیٹے، مرغوب چیزوں میں بیٹوں کو اس لیے ذکر کیا ہے چوں کہ بیٹے دلوں کا ثمرات اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے:

وانما اولادنا بيننا أكبادنا تمشي على الارض
لو هبت الريح على بعضهم لامتنعت عيني عن الغمض

ترجمہ:...... ہماری اولاد ہمارے درمیان ایسے رہ رہی ہے جیسے ہمارے جگر گوشے ہوں جو زمین پر چل رہے ہوں
اگر ان میں سے کسی پر تیز ہوا چل پڑے تو مجھے اونگھ بھی نہیں آتی۔[3]

---

[1] يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ میں تین ضمائر ہیں یرون میں ضمیر مرفوع متصل، هُمْ ضمیر منصوب متصل، مِّثْلَيْهِمْ میں مجرور متصل مراجع کے اعتبار سے مختلف احتمالات ہیں ضمیر مرفوع کا مرجع کفار ہو ضمیر منصوب متصل کا بھی مرجع کفار ہو اور ضمیر مجرور متصل کا مرجع مؤمنین ہو تو وہی تفسیر ہوگی جو قول اول میں اختیار کی گئی ہے۔ دوسرا احتمال ضمیر مرفوع متصل اور ضمیر مجرور متصل کا مرجع کفار ہو اور ضمیر منصوب متصل کا مرجع مؤمنین یہ دوسری تفسیر ہے اس طرح اور احتمالات بھی معلوم کیے جاسکتے ہے: فلیتا مل۔ [2] اخرجہ البخاری

[3] دیوان حماسہ ص ۵۰

بیٹوں کا ذکر مال کے ذکر سے مقدم رکھا چوں کہ انسان کی محبت مال کی محبت سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔
وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ :یعنی سونے اور چاندی کا بہت سارا مال جو اوپر تلے ڈھیر لگا ہو، مال اس لیے محبوب ہوتا ہے چوں کہ اکثر خواہشات کا حصول مال سے ممکن ہو پاتا ہے چنانچہ انسان مال حاصل کرنے کے لیے بڑے بڑے خطرات مول لیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا (اور تم مال سے بہت زیادہ محبت کرتے ہو)۔ مال میں صرف سونا اور چاندی کو اس لیے ذکر کیا ہے چوں کہ لین دین کا اصل دارومدار سونے اور چاندی پر ہے۔ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ یعنی اصیل اور خوبصورت گھوڑے وَالْاَنْعَامِ یعنی اونٹ، گائے بیل اور بکریاں، انہی چوپایوں میں سے بعض سواری کے کام آتے ہیں بعض کھانے کے کام آتے ہیں اور بعض زینت کے کام۔ وَالْحَرْثِ :کھیتی باڑی اور باغبانی چنانچہ انہی سے انسانی خوراک مہیا ہوتی ہے۔ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا : یہ خواہش کی مرغوب چیزیں دنیوی زندگی کی عارضی رونق اور ختم ہوجانے والی زینت ہیں۔ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ :.....اللہ ہی کے پاس لوٹنے کی خوبی ہے اور اسی کے پاس ثواب ہے۔ [۱]

فانی دنیا کی عارضی خوشنمائی سے بہتر چیز

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ :.....اے محمد! کہہ دیجیے، کیا میں تمہیں دنیا کی عارضی زرق برق وخوشنمائی اور ختم ہوجانے والی دنیوی عشرتوں سے بدرجہا بہتر چیز نہ بتاؤں؟ آیت میں استفہام برائے تقریر ہے۔ [۲] لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ :قیامت کے دن پرہیزگاروں کے لیے کشادہ بہشتیں ہیں جن کے بیچوں بیچ اور اطراف وجوانب میں نہریں بہہ رہی ہوں گی۔
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا :ہمیشہ ہمیشہ ان بہشتوں میں ٹھہرے رہیں گے۔ وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ یعنی ایسی بیویاں ہوں گی جو حسی اور معنوی گندگی سے پاک ہوں گی، انہیں پاخانے کی حاجت پیش آئے گی اور نہ ہی پیشاب کی، انہیں حیض آئے گا اور نہ ہی نفاس، انہیں دنیوی عورتوں کی طرح امراض نہیں پیش آئیں گے۔ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ :ان پرہیزگاروں کو نعمتوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی عظیم رضامندی بھی حاصل ہوگی، حدیث میں آتا ہے۔ ”میں نے اپنی رضامندی تمہارے اوپر نازل کردی اس کے بعد میں کبھی بھی تم سے ناراض نہیں ہوں گا“
وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ :اللہ اپنے بندوں کے احوال جانتا ہے، ہر ایک کو اس کے استحقاق کے بقدر عطا فرمائے گا۔

متقی وپرہیزگاروں کی صفات

اس کے بعد اللہ نے ان پرہیزگاروں کے صفات بیان فرمائے۔ چنانچہ فرمایا: اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا یعنی ہم تجھ پر ایمان لائے، تیری کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لائے۔ فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ :اپنے فضل وکرم سے ہماری مغفرت فرما، اور آتش جہنم سے ہمیں نجات عطا فرما۔ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ یعنی شدت وسختی کے موقع پر صبر کرنے والے ہیں، اپنے ایمان میں سچے ہیں اور دشمنوں سے مقابلے کے وقت سچے ہیں، شدت اور فرحت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کرتے ہیں۔ وَالْمُنْفِقِيْنَ :وہ خیر وبھلائی کے کاموں میں اپنے اموال خرچ کرتے ہیں۔ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ یعنی سحری کے وقت استغفار کرتے ہیں۔
بلاغت :.....مِّنَ اللّٰهِ :۔اس میں ایجاز (اختصار) ہے اصل عبارت یوں ہے: مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ شَيْئًا [۳] اسم نکرہ ہے جو تقلیل پر دلالت کرتا ہے، یعنی انہیں قلیل سا نفع بھی نہیں ہوگا۔ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ :یہ جملہ اسمیہ ہے جو ثبوت وتحقق پر دلالت کرتا ہے۔ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ :اس میں التفات کا پہلو نمایاں ہے۔ اسلوب کلام غیبوبت سے خطاب کی طرف لایا گیا ہے اصل اسلوب یوں ہے: فَاَخَذْنَاهُمْ لَكُمْ اٰيَةٌ [۴] اصل میں اٰيَةٌ لَكُمْ ہے، مقدم کو اس لیے مؤخر کیا تاکہ اس کی طرف زیادہ شوق دلایا جاسکے۔ اٰيَةٌ کی تنکیر (نکرہ ہونا) تفخیم اور تہویل کے

---

[۱] اس آیت سے اسباب معیشت بیان کیے گئے ہیں چنانچہ سونے چاندی کو اولیت حاصل ہے جو تجارت سے زیادہ نفع بخش ہوتے ہیں، کاغذی کرنسی بھی سونے چاندی کے حکم میں ہے لیکن یہ کہ آگاہ کردیا کہ مادیت کچھ نہیں روحانیت سب کچھ ہے۔ [۲] تقریر کا معنی ہے مخاطب کو اقرار پر ابھارنا جیسے اانت فعلت هذا؟ (مختصر المعانی از بحث استفہام)۔ [۳] مضاف کو حذف کرکے مضاف الیہ کو مضاف کے قائم مقام بنادیا گیا ہے۔ [۴] اصل نسخہ میں اسی طرح ہے فی الواقع یہ التفات تکلم سے غیبوبت کی طرف ہے۔

لیے ہے معنی ہوگا تمہارے لیے عظیم نشانی ہے۔ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ: میں بھی تنکیر اسی قسم کی ہے: تَرَوْنَهُمْ: اور رأی العین میں تجنیس اشتقاق ہے۔ حُبُّ الشَّهَوَاتِ اس سے مراد مشتہیات یعنی مرغوب چیزیں ہیں۔ زمخشری کہتے ہیں: مشتہیات کو شہوات سے بطور مبالغہ بیان کیا گیا ہے گویا مرغوب اشیا نفسانی خواہش ہیں نیز خواہشات کی کمتری پر تنبیہ کردی چوں کہ شہوت (خواہش نفس) حکما کے یہاں گھٹیا سمجھی جاتی ہے۔

بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ۔ خیر کو مبہم رکھا گیا ہے اس کی عظمت شان کی وجہ سے اور اس کی معرفت کی طرف زیادہ شوق دلانے کے لیے۔

لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ ابوسعود کہتے ہیں: ربوبیت کے عنوان کے ساتھ متقین کی ضمیر لائی گئی ہے، ان پر اور زیادہ لطف و کرم ظاہر کرنے کے لیے۔[۱] وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ ان دونوں کے درمیان تجنیس ناقص کی صنعت ہے۔

خواہشات کو مزین کرنے والا کون ہے؟

اول فائدہ: ......خواہشات کو مزین کرنے والا کون ہے؟ ایک قول کے مطابق شیطان ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ ۔ شیطان کی تزئین اور اس کے وسوسے اور خواہشات کی طرف میلان کو خوبصورت کر کے دکھانا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ مزین کرنے والا اللہ ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝۷ (سورۃ الکہف، آیت ۷)

ترجمہ: ......"اللہ کی تزئین ابتلا و آزمائش کے لیے ہے تا کہ نفس و شہوت کا بندہ رحمٰن کے بندے سے جدا ہو جائے۔"

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

اے ہمارے رب! تو نے ہمارے لیے جن خواہشات کو مزین کیا ہے ان پر صبر کرنا صرف تیرے ہی اختیار سے ہے۔[۲]

سحری کے وقت استغفار کی خصوصیت

دوم فائدہ: ......وقت سحری کے ساتھ استغفار کو اس لیے مخصوص کیا گیا ہے چوں کہ اس وقت میں کی گئی دعا قبولیت کے زیادہ قریب ہوتی ہے چوں کہ سحری کے وقت نفس پراگندہ نہیں ہوتا روح میں انابت ہوتی ہے اور اس وقت عبادت نفس پر نہایت گراں گزرتی ہے اس لیے دعا قبولیت کے زیادہ قریب ہوتی ہے۔

ابن کثیر کہتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رات کو نماز پڑھتے پھر کہتے: اے نافع! کیا سحری کا وقت ہو گیا ہے؟ جب نافع کہتے: جی ہاں وقت ہو گیا ہے تو ابن عمر رضی اللہ عنہ دعا اور استغفار کی طرف متوجہ ہو جاتے یہاں تک کہ صبح ہو جاتی۔[۳]

اہل کتاب کی گمراہی اور دین کے معاملہ میں اختلاف کا ذکر

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ؕ۝۱۸ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۣ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۱۹ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝۲۰ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ

النصف ع ۱۱

[۱] تفسیر ابی السعود ۱/۲۲۱ [۲] رواہ البخاری [۳] مختصر تفسیر ابن کثیر ۱/۲۷۱

النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۱﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۲﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: ......اللہ نے گواہی دی کہ بلاشبہ کوئی معبود نہیں اُس کے سوا، اور فرشتوں نے اور اہلِ علم نے، وہ انصاف کے ساتھ قائم ہے، کوئی معبود نہیں مگر وہی، وہ غلبہ والا ہے حکمت والا ہے۔﴿۱۸﴾ بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے اور نہیں اختلاف کیا اُن لوگوں نے جن کو کتاب دی گئی مگر اس کے بعد کہ اُن کے پاس علم آ گیا محض آپس میں ضد اضدی کی وجہ سے، اور جو شخص اللہ کی آیات کا انکار کرے سو اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔﴿۱۹﴾ سو اگر وہ آپ سے حجت بازی کریں تو آپ فرما دیجیے کہ میں نے اپنی ذات کو اللہ کی فرمانبرداری میں لگا دیا اور ان لوگوں نے بھی جنھوں نے میرا اتباع کیا، اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی آپ اُن سے اور اَن پڑھوں سے کہہ دیجیے: کیا تم اللہ کے فرمانبردار ہوئے؟ پس اگر وہ فرمانبردار ہو جائیں تو انہوں نے ہدایت پالی، اور اگر وہ روگردانی کریں تو آپ کے ذمے پس پہنچا دینا ہے اور اللہ بندوں کو دیکھنے والا ہے۔﴿۲۰﴾ بے شک جو لوگ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور ناحق نبیوں کو قتل کرتے رہے ہیں اور ان لوگوں کو قتل کرتے ہیں جو انصاف کا حکم دیتے ہیں سو اُن کو آپ دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیجیے۔﴿۲۱﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا و آخرت میں ضائع ہو گئے اور اُن کی کوئی مدد کرنے والا نہ ہو گا۔﴿۲۲﴾ اے مخاطب! کیا تو نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جنھیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا۔ انہیں اللہ کی کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے تا کہ اُن کے درمیان فیصلہ کرے پھر اُن میں سے ایک فریق اعراض کرتے ہوئے منہ پھیر لیتا ہے۔﴿۲۳﴾ یہ اس لیے کہ انہوں نے کہا کہ ہرگز ہمیں آگ نہ چھوئے گی مگر چند گنے چنے دنوں میں، اور اُن کو دھوکے میں ڈال دیا اُن کے دین کے بارے میں اس چیز نے جس کو وہ افترا کرتے تھے۔﴿۲۴﴾ پس کیا حال ہو گا جب ہم اُن کو جمع کریں گے اس دن جس میں کوئی شک نہیں، اور ہر جان کو اس عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کیا اور اُن پر ظلم نہ ہو گا۔﴿۲۵﴾

ماقبل سے ربط و مناسبت: ......جب اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی مدح و تعریف کرتے ہوئے فرمایا: اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا: اس کے بعد بیان کیا کہ ایمان کے دلائل ظاہر اور واضح ہیں، اس پر فرمایا: شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ: پھر بیان کیا کہ اسلام ہی دین حق ہے جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پسند کیا ہے اور رسول کو حکم دیا کہ وہ اعلانیہ اللہ کے حضور سرِ تسلیم خم کر دیں اور انقیاد و تسلیم کا اعلان کریں۔ اس کے بعد اہل کتاب کی گمراہیوں کا ذکر کیا ہے اور دین کے معاملہ میں ان کے اختلاف کا تذکرہ کیا اور قبول حق سے ان کے اعراض کو بھی بیان کیا ہے۔

لغات: شَهِدَ: ......شهادةٌ سے فعل ماضی ہے اور شہادت کا معنی اقرار اور بیان ہے۔ اَلْقِسْطِ عدل و انصاف اَلدِّيْنَ دین کا لغوی معنی جزا اور بدلہ ہے، دین کا اطلاق ملت پر بھی ہوتا ہے اور آیت میں یہی مراد ہے۔ اَلْاِسْلَامُ: لغوی معنی سرِ تسلیم خم کرنا، مان لینا اور انقیاد تام۔ ابن انباری کہتے ہیں: مسلم کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کرنے والا، چنانچہ مقولہ ہے۔ سلم الشی لفلان یعنی یہ چیز فلاں کے لیے خالص، اسلام کا معنی ہوا خالص دین اور خالص عقیدہ حَآجُّوْكَ تم سے جھگڑا کیا ان لوگوں نے غَرَّهُمْ ان کو دھوکے میں ڈالا يَفْتَرُوْنَ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔

شانِ نزول: ......جب رسول کریم ﷺ مدینہ میں مقیم ہو گئے آپ کی خدمت میں ملک شام سے دو حَبر (یہودی علما) حاضر ہوئے، آپ کے پاس داخل ہوتے ہی مخصوص علامات اور صفات سے آپ کو پہچان لیا، وہ بولے: آپ ہی محمد ہیں؟ فرمایا: جی ہاں۔ بولے! کیا آپ احمد ہی ہیں نا؟ فرمایا: جی ہاں، بولے: ہم آپ سے شہادت کے بارے میں سوال کریں گے اگر آپ نے درست جواب دے دیا تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کی تصدیق کر دیں گے، رسول کریم ﷺ نے فرمایا: تم دونوں مجھ سے سوال کر سکتے ہو۔ وہ کہنے لگے: کتاب اللہ میں عظیم شہادت کے

بارے میں ہمیں بتائیں کہ وہ کون سی ہے؟ چنانچہ اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی: شَهِدَ اللهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الآیۃ، چنانچہ دونوں یہودی عالم دولت اسلام سے سرفراز ہوئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کی۔ [1]

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت وانفرادیت

تفسیر: ......شَهِدَ اللهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ:۔ اللہ تعالیٰ اپنی واحدنیت اور انفرادیت کے متعلق اپنے بندوں کو واضح طور پر آگاہ کر رہا ہے۔ علامہ زمخشری کہتے ہیں: دلالت کو گواہ کی گواہی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور وجہ شبہ بیان وکشف ہے۔

وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ: اللہ تعالیٰ کی تخلیق، صنعت وکاریگری کے دلائل کے ساتھ اس کی وحدانیت پر فرشتے اور اہل علم بھی گواہی دیتے ہیں۔ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ: ای حال کونہ......یعنی اس حال میں کہ اعتدال کے ساتھ انتظام رکھنے والے ان امور میں بھی انصاف فرمانے والے ہیں جو کہ عمر اور رزق کے متعلق ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ: معبود برحق کوئی نہیں مگر وہی الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ: اپنی بادشاہت کا زبردست انتظام چلانے والا ہے اور اپنی کاری گری حکمت سے چلاتا ہے۔ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللهِ الْاِسْلَامُ: مقبول شریعت اللہ کے ہاں صرف اسلام ہے۔ اسلام کے سوا اللہ کسی اور دین سے راضی نہیں۔ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ: یہود اور نصاریٰ نے اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے بارے میں اس کے بعد اختلاف کرنا شروع کیا جب کھلم کھلے دلائل اور واضح معجزات کے ذریعہ انہیں حقیقت حال کا علم ہو گیا، ان کا کفر کسی شبہے یا خفا کی وجہ سے نہیں بلکہ محض ضد، ہٹ اور تکبر کی وجہ سے ہے گویا وہ علم سے نابلد لوگوں میں سے ہیں۔

بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ: چوں کہ ان میں حسد کی بیماری تھی جو انہیں حب جاہ حب ریاست پر ابھارتی تھی۔ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللهِ فَاِنَّ اللهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ: یہ وعید ہے اور دھمکی ہے، یعنی جو شخص اللہ کی آیات کا انکار کرے گا وہ بہت جلد اللہ کی طرف لوٹ جائے گا اور پھر اللہ اسے کفر کا بدلہ دے گا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی

فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ:......اے محمد! اگر اہل کتاب دین کے معاملہ میں تم سے جھگڑیں تو ان سے کہو: میں اللہ کا بندہ ہوں اور اس کے حضور سر تسلیم خم ہوتا ہوں، خالص اسی کی عبادت کرتا ہوں، اس کا کوئی شریک نہیں، کوئی مثل ونظیر نہیں، اس کی بیوی نہیں، اس کی اولاد نہیں۔ وَمَنِ اتَّبَعَنِ: یعنی میں اور میرے متبعین ملت (دین) اسلام پر ہیں، ہم سب اللہ کے دین کے لیے منقاد وسر تسلیم خم ہیں۔

وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ: یعنی یہود، نصاریٰ اور عرب کے بت پرستوں سے کہہ دیجیے۔ ءَاَسْلَمْتُمْ: کیا تم اسلام قبول کرتے ہو یا کفر پر باقی رہتے ہو جب کہ تمہارے پاس واضح دلائل آ چکے ہیں جو تمہارے قبول اسلام کا موجب ہو سکتے ہیں۔

فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا: اگر وہ اس طرح اسلام قبول کریں جس طرح تم (صحابہ) نے اسلام قبول کیا ہے تو بلاشبہ وہ گمراہی سے نکل کر ہدایت کی طرف آ کر اور تاریکی سے نکل کر اجالے کی طرف آ کر اپنے آپ کو نفع پہنچائیں گے۔ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ: یعنی اگر وہ قبول اسلام سے منہ موڑیں اور اعراض کریں تو اے محمد! تمہارا کچھ نقصان نہیں کریں گے چوں کہ اللہ نے تمہیں ان کی ہدایت کا مکلف نہیں بنایا، تم تو صرف تبلیغ کے مکلف ہو اور بس، دراصل اس آیت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دینا مقصود ہے۔ وَاللهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ: یعنی اللہ اپنے بندوں کے جمیع احوال سے باخبر ہے لہٰذا انہیں ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا، روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ آیت اہل کتاب کو پڑھ کر سنائی تو وہ بولے: ہم اسلام لے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہود سے فرمایا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ عیسیٰ علیہ السلام کلمة الله، اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں؟ یہود بولے! معاذ اللہ، ہم یہ گواہی نہیں دیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصاریٰ سے فرمایا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں؟ وہ بولے: معاذ اللہ! عیسیٰ اللہ کے بندے نہیں ہیں۔ چنانچہ آیت میں فَاِنْ تَوَلَّوْا سے اسی انکار اور جحود کی طرف اشارہ ہے۔

[1] القرطبی ۴/ ۴۱، البحر المحیط ۲/ ۴۰۱

یہود کے احوال قبیحہ کا ذکر

اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ:...... اللہ کے نازل کردہ کلام کو جھٹلاتے ہیں: وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ: یعنی بلا سبب اور بلا وجہ انبیا کو قتل کرتے ہیں، انبیا کا اگر کوئی جرم ہے تو صرف یہ ہے کہ انبیا اہل کتاب کو اللہ کی طرف دعوت دیتے تھے۔ اس آیت میں یہود کے احوال بیان ہوئے ہیں انہوں نے حضرت زکریا علیہ السلام کو قتل کیا، ان کے بیٹے یحییٰ علیہ السلام کو قتل کیا اور بہت سارے انبیا کو قتل کیا، ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: بنی اسرائیل نے ایک ہی دن کے ابتدائی حصہ میں تین سو انبیا کو قتل کیا۔ وَّیَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ: یعنی اللہ کی طرف بلانے والوں اور نیکی اور عدل کا حکم دینے والوں کو قتل کیا۔ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ: آپ انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیں، بشارت تو اچھی خبر کی دی جاتی ہے عذاب کی خبر کو بشارت سے تعبیر کیا گیا ہے یہ اسلوب بطور تہکم (ندامت دلانے اور ٹھٹھا کرنے کے لیے) استعمال کیا گیا ہے۔ حالاں کہ وہ تو دردناک عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں چوں کہ انہوں نے اپنے اندر تین طرح کے جرائم جمع کر رکھے تھے اللہ کی آیات کا انکار، انبیا کا قتل اور دعوت دینے والوں کا قتل اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ: یعنی انہوں نے نیکی اور اچھائی کے جو اعمال کیے وہ سب اکارت چلے گئے دنیا و آخرت میں ان کا کوئی اثر باقی نہیں رہا، بلکہ دنیا و آخرت میں ان کے حصے میں لعنت و رسوائی ہی باقی رہی ہے۔ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ: کوئی ایسا نہیں جو اللہ کے عذاب سے بچانے میں ان کی مدد کر سکے یا ان کا دفاع کر سکے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی ضد و عناد کو بیان کیا ہے۔

حق سے منہ موڑنے والے

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ:...... اے محمد! کیا تم نے ان لوگوں کے طریقہ عمل سے تعجب نہیں کیا جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا، آیت میں استفہام برائے تعجب ہے، یہ تعجب یا تو رسول کے لیے ہے یا ہر مخاطب کے لیے، علامہ زمخشری کہتے ہیں: اس سے مراد یہود کے علما ہیں جنہیں تورات کے وافر حصے کا علم دیا گیا تھا۔ یُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِیَحْكُمَ بَیْنَهُمْ: انہیں تورات جو کہ ان کے پاس تھی کی طرف دعوت دی جاتی تھی وہ اس کی صحت کا اعتقاد بھی رکھتے تھے، تاکہ یہ کتاب ان کے درمیان ہونے والے جھگڑوں کا فیصلہ کر دے، لیکن وہ قبول دعوت سے انکار کر دیتے۔ ثُمَّ یَتَوَلّٰى فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ: پھر ان کی ایک جماعت اللہ کا حکم ماننے سے مکر جاتی، اس جملے میں استبعاد ہے یعنی علم کے بعد انہوں نے قبول حق سے منہ موڑ لیا اور وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ: کا جملہ برائے تاکید ہے یعنی وہ ایسی قوم تھی کہ ان کی طبیعت میں اعراض اور حق سے پھر جانا رچا بسا تھا چنانچہ مفسرین کہتے ہیں کہ اس آیت سے ایک قصے کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے وہ یہ کہ دو یہودی مرد اور عورت سے فعل زنا سرزد ہوا وہ فیصلے کے لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے رجم کرنے کا فیصلہ سنایا، لیکن یہودیوں نے یہ فیصلہ ماننے سے انکار کر دیا اور کہنے لگے: ہماری کتاب میں تو زنا کی صرف اتنی سزا آئی ہے کہ زانی کا منہ کالا کیا جائے، چنانچہ تورات لائی گئی اس میں رجم کا حکم مذکور تھا، چنانچہ زانی اور مزنی بہا دونوں کو رجم کیا گیا۔ اس پر یہود غصہ ہو گئے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی شناعت کی ہے۔[1]

یہود کے منہ موڑنے اور اعراض کرنے کا سبب

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ:...... یعنی یہود کے منہ موڑنے اور اعراض کرنے کا سبب یہ تھا کہ وہ اللہ پر جھوٹ بولتے تھے، ان کا زعم باطل تھا کہ وہ انبیا کی اولاد ہیں اور وہ دوزخ میں (جائیں گے ہی نہیں بالفرض اگر چلے بھی گئے تو) چند گنے چنے چالیس دن تک رہیں گے، چوں کہ انہوں نے چالیس ہی دن بچھڑے کی عبادت کی تھی۔ وَغَرَّهُمْ فِیْ دِیْنِهِمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ: یعنی اللہ پر جھوٹ بولنے نے ان کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ فَكَیْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ: یعنی قیامت کے دن ان کا کیا حال ہوگا جب حساب کے لیے اللہ انہیں جمع کرے گا، اس جملے میں کفار کے ساتھ کیے گئے سلوک کی ہولناکی اور شدت بیان کرنا مقصود ہے۔ وَوُفِّیَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ:

---

[1] قصہ صحیح بخاری میں دیکھ لیا جائے کتاب التفسیر

ہر نفس (جان) کو اس کی جزا اور بدلہ جو مبنی پر عدل و انصاف ہوگا مل جائے گا۔

وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ: یعنی انہیں استحقاق سے زیادہ عذاب دے کر یا جزا و سزا میں کمی کر کے ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

بلاغت:......اِنَّ الدِّيۡنَ عِنۡدَ اللّٰهِ الۡاِسۡلَامُ: جملے کے دونوں طرف معرف بالام ہیں جو حصر کا فائدہ دے رہا ہے یعنی کوئی دین نہیں مگر اسلام۔

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ: دلوں میں خوف و دہشت بٹھانے کے لیے اسم ظاہر کو ضمیر کی جگہ لایا گیا ہے۔لِّلَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ: سے یہود اور نصاریٰ کو تعبیر کیا جاتا ہے ان کی شناعت اور قباحت کے اظہار کے واسطے چوں کہ علم ہو جانے کے بعد اختلاف کرنا انتہا درجے کی ذلات اور شناعت ہے۔

اَسۡلَمۡتُ وَجۡهِىَ: وجہ یعنی چہرہ بول کر کل مراد لیا ہے چوں کہ وجہ کا اطلاق پورے جسم پر بھی ہوتا ہے یہ مجاز مرسل ہے۔فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ: اصل میں بشارت اچھی بات کی دی جاتی ہے، شر اور بری بات میں بشارت کا استعمال برائے تہکم ہے اور اس طرز کلام کو "اسلوب تہکمی" کہا جاتا ہے چنانچہ انذار کو بشارت کی جگہ پر اتارا ہے، جیسے سورۃ النساء میں ہے بَشِّرِ الۡمُنٰفِقِيۡنَ بِاَنَّ لَهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا: یہ مشہور اسلوب ہے۔

فائدہ:......اس آیت میں فضیلت علم پر دلالت ہو رہی ہے اور علما کا شرف ظاہر ہو رہا ہے، کیوں کہ اگر علما سے زیادہ کوئی صاحب شرف ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنے نام اور فرشتوں کے ساتھ ذکر کرتا، چنانچہ اپنے نام کے ساتھ علما کا تذکرہ کیا ہے، فضیلت علم میں اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وَقُلۡ رَّبِّ زِدۡنِىۡ عِلۡمًا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: العلماء ورثة الانبياء۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے جو شخص یہ آیت شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الآیۃ: پڑھے قیامت کے دن اسے لایا جائے گا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے بندے نے مجھ سے عہد کر رکھا ہے میں ہر وعدہ وفا کرنے والے سے بڑھ کر وعدہ وفا کرنے والا ہوں۔ میرے بندے کو جنت میں داخل کر دو۔[1]

لطیفہ:......فضائل علم میں میں نے یہ لطیفہ پڑھا ہے کہ ایک مرتبہ عقل اور علم میں مناظرہ ہو گیا اشعار:

علم العليم وعقل العاقل اختلفا ... من ذا الذی منهما قد احرز الشرفا

عالم کے علم اور عقلمند کی عقل میں جھگڑا کھڑا ہو گیا کہ ان دونوں میں سے زیادہ صاحب شرف کون ہے۔

فالعلم قال: انا احرزت غايته ... والعقل قال: انا الرحمن بي عرفا

علم بولا: میں اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہوں اور عقل کو بھی اپنے احاطہ میں لے رکھا ہے، عقل بولی میری وجہ سے رب تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

فافصح العلم افصاحًا وقال له ... بأينا الله فی فرقانه اتصفا

علم بولا: بھلا قرآن مجید میں اللہ کی صفت ہم دونوں میں سے کس کے ساتھ لائی گئی ہے۔

فبان للعقل ان العلم سيده ... فقبل العقل رأس العلم وانصرفا

بالآخر عقل اس حقیقت تک پہنچا کہ علم اس کا سردار ہے چنانچہ عقل نے علم کا سر چوما اور چلتا بنا۔

اہل اسلام کے لیے خوشخبری و بشارت

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الۡمُلۡكِ تُؤۡتِى الۡمُلۡكَ مَنۡ تَشَآءُ وَتَنۡزِعُ الۡمُلۡكَ مِمَّنۡ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنۡ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنۡ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الۡخَيۡرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۲۶﴾ تُوۡلِجُ الَّيۡلَ فِى النَّهَارِ وَتُوۡلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيۡلِ وَتُخۡرِجُ الۡحَـىَّ مِنَ الۡمَيِّتِ وَتُخۡرِجُ الۡمَيِّتَ مِنَ الۡحَـىِّ وَتَرۡزُقُ مَنۡ تَشَآءُ بِغَيۡرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾ لَا يَتَّخِذِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الۡكٰفِرِيۡنَ اَوۡلِيَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۚ وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ فَلَيۡسَ مِنَ اللّٰهِ فِىۡ شَىۡءٍ اِلَّاۤ اَنۡ

[1] رواہ الطبری فی الکبیر

تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۖۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِيْدًا ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۱﴾ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

ترجمہ:...... آپ یوں کہیے کہ اللہ جو ملک کا مالک ہے تُو ملک دیتا ہے جس کو چاہے اور ملک چھین لیتا ہے جس سے چاہے اور تو عزت دیتا ہے جس کو چاہے اور ذلت دیتا ہے جس کو چاہے، تیرے ہی ہاتھ میں سب بھلائی ہے، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ ﴿۲۶﴾ تو داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں، اور تو نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور تو جس کو چاہے بے حساب رزق دیتا ہے۔ ﴿۲۷﴾ نہ بنائیں مؤمن کافروں کو دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر، اور جو شخص یہ کام کرے گا تو اللہ سے دوستی کرنے کے کسی شمار میں نہیں، مگر اس حالت میں کہ دشمنوں سے کچھ بچاؤ کرنا ہو، اور اللہ تم کو اپنے سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ ﴿۲۸﴾ آپ فرما دیجیے: اگر تم چھپاؤ گے جو تمہارے سینوں میں ہے یا اُسے ظاہر کرو گے تو اللہ اس کو جان لے گا، اور اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جس دن ہر شخص اپنے نیک عمل کو حاضر پائے گا اور ان کاموں کو بھی پالے گا جو بُرے تھے۔ ﴿۲۹﴾ اس کی خواہش ہوگی کہ کاش اس کے اور اُس دن کے درمیان بہت دور کی مسافت ہوتی اور اللہ تم کو اپنے سے ڈراتا ہے اور اللہ بندوں پر مہربان ہے۔ ﴿۳۰﴾ آپ فرما دیجیے: اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو اللہ تم سے محبت فرمائے گا، اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا اور اللہ غفور ہے رحیم ہے۔ ﴿۳۱﴾ آپ فرما دیجیے کہ اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی، سو اگر وہ اعراض کریں تو بلاشبہ اللہ دوست نہیں رکھتا کافروں کو۔ ﴿۳۲﴾

ماقبل سے ربط ومناسبت:..... قبل ازیں اللہ تعالیٰ نے توحید ورسالت کے دلائل ذکر کیے دینِ اسلام کی صحت کا ذکر کیا اب مسلمانوں کو اسلام کے نتیجے میں بشارتیں سنائی جارہی ہیں، چنانچہ سارے اختیارات اللہ کے پاس ہیں وہ جسے چاہے عزت بخشے جسے چاہے ذلت دے، اللہ نے اپنے رسول کو دعا اور اللہ کے حضور گڑ گڑانے کا حکم دیا ہے تاکہ اللہ لشکرِ حق کو سربلندی عطا فرمائے اور دینِ مبین کی مدد فرمائے۔

لغات:...... اَللّٰهُمَّ: اصل میں یا اللہ تھا، حرف ندا کو حذف کر دیا گیا اور اس کی بجائے آخر میں میم مشدد لائی گئی اَللّٰهُمَّ بن گیا، یہ خلیل اور سیبویہ کا قول ہے۔ تَنْزِعُ تو سلب کرتا ہے اور چھینتا ہے، مراد اس سے زوال ہے، چنانچہ مقولہ ہے: نزع اللّٰه عنه الشر یعنی اللہ نے فلاں شخص سے اس کا شر زائل کر دیا۔ تُوْلِجُ: باب افعال ایلاج سے ہے بمعنی ادخال، ولج، یلج بمعنی دخل یدخل اسی سے ہے۔ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ [1] اَمَدًا: انتہاء، اَماد کی جمع آماد ہے۔ تُقٰىةً: بچاؤ، کسی کے شر سے بچنا۔

سببِ نزول: ''الف''...... جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ فتح کرلیا تو آپ نے اپنی امت سے فارس وروم کی بادشاہتیں فتح کر لینے کا بھی وعدہ کیا، منافقین اور یہود کہنے لگے، یہ تو محمد کا محض خیال ہے، کہاں محمد اور کہاں فارس وروم کی سپر طاقتیں، یہ دونوں حکومتیں زبردست طاقت اور قوت دفاع رکھتی ہیں، کیا محمد کے لیے بس اتنا ہی کافی نہیں کہ اس نے مکہ فتح کرلیا اور اب فارس وروم کی فتح کے خواب دیکھنے لگا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾ [2] (سورہ آل عمران، آیت ۲۶)

---

[1] یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے۔ یہ ضرب المثل محال کام پر بولی جاتی ہے۔ [2] القرطبی ۴/ ۵۲

"ب": ...... ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بدری صحابی کے یہود کے ساتھ حلیفانہ مراسم تھے، جب غزوۂ احزاب کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوچ کرنے کا ارادہ کیا تو عبادہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! میرے ساتھ پانچ سو یہودی ہیں، میرا خیال ہے کہ وہ بھی میرے ساتھ (لشکر کا حصہ بن کر) چلیں تا کہ دشمن پر کثرت تعداد کی وجہ سے ہمارا رعب بیٹھ جائے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ الآیة۔ [1]

عزت وذلت اور ہر بھلائی کے خزانے اللہ ہی کی دست قدرت میں ہیں

تفسیر: ...... قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ: ۔ آپ کہہ دیجیے اے اللہ! اے ہر چیز کے مالک وبادشاہ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ: پوری کائنات میں تو ہی تصرف کرنے والا ہے، تو جسے چاہتا ہے بادشاہت عطا فرماتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔

وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ: تو جسے چاہتا ہے عزت عطا فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے رسوا کر دیتا ہے۔

بِیَدِکَ الْخَیْرُ ۔ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ: ہر طرح کی بھلائی کے خزانے تیرے ہی دست قدرت میں ہیں اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔

دن اور راتوں کا چھوٹا بڑا ہونا

تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّھَارِ وَتُوْلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیْلِ: ...... تو رات کو دن میں داخل کرتا ہے جس طرح دن کو رات میں داخل کرتا ہے، یوں کہ رات میں اضافہ کر دیتا ہے اور دن میں کمی کر دیتا ہے اسی طرح دن میں اضافہ کر دیتا ہے اور رات میں کمی کر دیتا ہے۔ چنانچہ ایسا سالانہ موسموں میں ہوتا ہے گرمیوں میں دن بڑھ جاتا ہے اور سردیوں میں رات۔ وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ: یعنی تو دانے سے کھیتی نکالتا ہے اور کھیتی سے دانے نکالتا ہے، درخت کو گٹھلی سے نکالتا ہے اور گٹھلی کو درخت سے نکالتا ہے، انڈے کو مرغی سے نکالتا ہے اور زندہ مرغی کو مردہ انڈے سے نکالتا ہے، کافر سے مؤمن کو پیدا کرتا ہے اور مؤمن سے کافر کو پیدا کرتا ہے، ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں یہی لکھا ہے۔ طبری کہتے ہیں: سب سے بہتر اور درست تفسیر یوں ہے: "زندہ انسان اور حیوان کو مردہ نطفے سے پیدا کرتا ہے۔ اور مردہ نطفے کو زندہ انسان اور حیوان سے نکالتا ہے۔" [2]

وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ: ...... تو جسے چاہتا ہے بغیر حساب وشمار کے وسیع رزق عطا فرماتا ہے۔

غیر مسلموں سے دوستی کی ممانعت

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کافروں کو دوست بنانے سے منع فرمایا، چنانچہ ارشاد ہوا: لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ: یعنی مؤمنین اللہ کے دشمنوں سے دوستی کی پینگیں نہ بڑھائیں کہ اللہ کے دوستوں کو چھوڑ دیں، یہ بات تو عقل کے بھی خلاف ہے کہ انسان اپنے اندر اللہ کی محبت اور اللہ کے دشمنوں کی محبت جمع کر لے۔ علامہ زمخشری کہتے ہیں: مؤمنین کو منع کیا گیا ہے کہ وہ اپنی قرابت داری کی بنا پر کفار سے رسم دوستی نہ رکھیں اور کوئی ایسا تعلق اور رسم رواں نہ رکھیں جس سے رب تعالیٰ کا تعلق متاثر ہو۔

وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰہِ فِیْ شَیْءٍ: جو شخص کفار سے رسم دوستی رکھتا ہے سو جر گہ دین اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

---

[1] روائع البیان ۱/ ۳۹۹ [2] سید قطب شہید نے اس آیت کی تفسیر میں نہایت لطیف بات کی ہے اس کا خلاصہ ہم نظر قارئین کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اس طرح داخل کرتا ہے کہ سردیوں میں راتیں طویل ہو جاتی ہیں کرۂ افلاک اس طرح آہستہ آہستہ غیر مرئی حرکت کرتا ہے کہ جو حصہ دن کا ہوتا ہے وہ رات بن جاتا ہے اس طرح اللہ نے رات کو دن میں داخل کر دیا پھر آہستہ آہستہ افلاک کا دوران تبدیل ہوتا رہتا ہے اور رات کا حصہ دن میں تبدیل ہو جاتا ہے یوں موسم گرما میں دن بڑے ہو جاتے ہیں اور رات کے کچھ حصے دن میں داخل ہو جاتے ہیں، اسی طرح زندگی اور موت انسان میں غیر مرئی طور پر متحرک رہتی ہے چنانچہ انسان کے وہ خلیے جو پرانے ہوتے ہیں اور ناکارہ ہوتے ہیں وہ ختم ہو جاتے ہیں اور ان کی جگہ نئے کارآمد خلیے آجاتے ہیں اسی طرح کارآمد خلیوں پر بھی موت آجاتی ہے، یہ حرکت خود بخود نہیں ہیں بلکہ رب تعالیٰ کی تدبیر سے بدستور جاری ہے۔ دیکھیے ظلال القرآن ۳/ ۱۷۰

اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْھُمْ تُقٰىةً:......الّا یہ کہ تمہیں کفار کی طرف سے کسی شر، ظلم یا کسی اور بات کا اندیشہ ہو تو محض زبانی کلامی طور پر ان سے دوستی کا اظہار کرلو لیکن تمہارے دل ان کی محبت و دوستی سے بیزار ہوں، چوں کہ بیوقوفوں کو بہلانے کا یہ بھی ایک طریقہ ہے، چنانچہ ایک روایت میں ہے۔''ہم بعض اقوام سے بظاہر رسم دوستی رکھے ہوئے ہیں، حالاں کہ ہمارے دل ان پر لعنت کر رہے ہوتے ہیں۔

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ: اللہ تمہیں اپنے عذاب سے ڈراتا ہے جو اسی سے صادر ہوگا۔

وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ: اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، لہٰذا اللہ ہر عمل کرنے والے کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دے گا۔

اللہ تعالیٰ کے علم سے کوئی چیز چھپی نہیں

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ:......خواہ تم اپنے دلوں میں کفار کی دوستی چھپائے رکھو یا ظاہر کرو، اللہ تعالیٰ اس پر مطلع ہے اور اس سے کوئی چیز مخفی نہیں۔وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ: یعنی اللہ تعالیٰ تمام امور کو جانتا ہے، آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہوتا ہے اس کا اسے علم ہے۔وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ: جو شخص اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرے گا وہ اس سے بدلہ لے گا یہ ایک بڑی دھمکی اور تہدید ہے۔

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا: یعنی قیامت کے دن ہر انسان اپنے عمل کا بدلہ پائے گا اس سے کچھ بھی غائب نہیں ہوگا، اگر اچھے اعمال کیے تو بدلا بھی اچھا ملے گا اور اگر برے اعمال کیے تو بدلہ بھی برا ملے گا، اگر اعمال اچھے ہوئے تو صاحب اعمال دیکھ کر خوش ہوگا۔وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِيْدًا: یعنی اگر انسان کا عمل برا ہوا تو وہ تمنا کرے گا کہ وہ اپنے اعمال دیکھے ہی نہیں اور حسرت کرے گا کہ اس کے اور اس کے برے اعمال کے درمیان بہت دور کا فاصلہ ہو جیسا کہ مشرق و مغرب کے درمیان فاصلہ ہے۔وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ: اللہ تمہیں اپنے عذاب سے ڈراتا ہے۔وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ: اپنی مخلوقات پر رحم کرتا ہے وہ پسند کرتا ہے کہ اس کے بندے صراط مستقیم پر چلتے رہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ:......اے محمد! لوگوں سے کہہ دیجیے اگر تم سچ مچ اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو یعنی میرا کہا مانو چوں کہ میں تمہاری طرف بھیجا گیا رسول ہوں، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تم سے محبت کرے گا۔

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ: جب تم رسول کی اتباع کرو گے اور اس کا کہا مانو گے تو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ابن کثیر کہتے ہیں۔جو شخص محبت خداوندی کا دعویدار ہو اس کے لیے یہ آیت فیصلہ کن ہے، سوا گر وہ طریقۂ محمدیہ پر نہ ہو تو بلاشبہ جھوٹا ہے وہ اس وقت تک محب رسول یا محب خدا نہیں ہو سکتا جب تک اس کے اقوال و افعال شریعت محمدی کے تابع نہ ہوں۔قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ: یعنی اللہ کے حکم کو مانو اور پیغمبر کے حکم کو مانو۔فَاِنْ تَوَلَّوْا :یعنی اگر طاعت سے اعراض کرو۔فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ: جو شخص اللہ کی آیات کا کفر کرے، اس کے رسولوں کی نافرمانی کرے اللہ اس سے محبت نہیں کرتا بلکہ اللہ اسے عذاب دے گا۔اور رسوا کرے گا۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ (سورۃ التحریم، آیت ۸)

بلاغت :......ان آیات میں فصاحت و بلاغت کے مختلف پہلو نمایاں ہیں۔

① ......صنعت طباق یا تضاد کا پہلو نمایاں ہے: تُؤْتِي وَتَنْزِعُ، تُعِزُّ وَتُذِلُّ، اَللَّيْلَ وَالنَّهَارَ، اَلْحَيَّ وَالْمَيِّتَ، تُخْفُوْا وَتُبْدُوْا، خَيْرٍ وَسُوْءٍ، مُحْضَرًا و بعیدًا۔

② ......تجنیس ناقص مَالِكَ الْمُلْكِ، تُحِبُّوْنَ وَيُحْبِبْكُمْ میں جبکہ تَتَّقُوْا وَتُقَاةً اور يَغْفِرُ وغَفُوْر میں جناس اشتقاق ہے۔

③ ......ردالعجز علی الصدر [1] تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ میں

---

[1] دو کرر لفظ کہ ان میں سے ہر ایک کو فقرہ کے اول میں اور آخر میں دو دو مرتبہ ذکر کیا جائے۔

④......تکرار، یہ مختلف جملوں میں تفخیم و تعظیم کے لیے لایا گیا ہے۔ جیسے: تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ

⑤......ایجاز بالحذف تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ اصل میں یوں ہے: مَنْ تَشَآءُ تُؤْتِي الْمُلْكَ وَتَنْزِعُ، تُعِزُّ اور تُذِلُّ میں بھی یہ صنعت نمایاں ہے۔

⑥...... تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ تلخیص البیان میں ہے۔ ''یہ عجیب استعارہ ہے یہ استعارہ ایک چیز کو دوسری چیز میں داخل کرنے سے عبارت ہے، چنانچہ رات میں جس قدر کمی ہوتی ہے اسی کی بقدر دن میں اضافہ ہوجاتا ہے اور اس کے برعکس بھی، جبکہ ادخال کی بہ نسبت ایلاج، زیادہ بلیغ ہے چوں کہ یہ لفظ طرفین (رات اور دن) میں سے ہر ایک میں دخول کے معنی کا فائدہ دیتا ہے، یہ لطیف اشارہ شدت ملابست سے معلوم ہوتا ہے۔

⑦...... وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ حیّ مؤمن سے مجاز ہے جب کہ کافر کو مجاز اً میت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (واللہ اعلم) [1]

فائدہ:...... بِيَدِكَ الْخَيْرُ آیت میں صرف خیر کا ذکر ہے شر کا ذکر نہیں جب کہ شر کا اختیار بھی اللہ کے دست قدرت میں ہے، دراصل ہمیں ایک ادب کی تعلیم دی جارہی ہے کہ شر کی نسبت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف نہ کی جائے اگرچہ شر کا خالق اللہ ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کا ثمرہ

تنبیہ:......امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت نقل کی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرائیل علیہ السلام کو بلاتا ہے اور کہتا ہے: میں فلاں سے محبت کرتا ہوں: تو بھی اس سے محبت کر، چنانچہ جبرائیل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر جبرائیل علیہ السلام آسمان میں اعلان کرتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت کرتا ہے تم سب (اے اہل آسمان!) اس سے محبت کرو، چنانچہ اہل آسمان بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بغض کرتا ہے تو بھی جبرائیل علیہ السلام کو بلاتا ہے اور فرماتا ہے، میں فلاں شخص سے بغض رکھتا ہوں، تم بھی اس سے بغض رکھو۔ چنانچہ جبرائیل علیہ السلام اس سے بغض کرنے لگتے ہیں، پھر جبرائیل علیہ السلام اہل آسمان میں اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے بغض رکھتا ہے، تم بھی اس سے بغض رکھو۔ چنانچہ اہل آسمان بھی اس سے بغض رکھنے لگتے ہیں، پھر اس کا بغض زمین میں پھیلا دیا جاتا ہے۔

پیغمبروں کے شرف اور علو مرتبت کا بیان

إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ إِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾ إِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ إِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ ۚ إِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّيْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ وَإِنِّيْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّيْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۳۶﴾ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ إِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ إِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ

[1] یہ مجازی معنی اس صورت میں مراد لیا جاسکتا ہے جب آیت کی تفسیر میں یوں کہا جائے۔ ''مؤمن کو کافر سے نکالتا ہے اور کافر کو مؤمن سے۔'' اس پر آیت سے بھی استدلال کیا گیا ہے۔ ''اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ'' یہ حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے۔

مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِىَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِىْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّىْۤ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِىِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾

ترجمہ:...... بے شک! اللہ نے منتخب فرمالیا آدم کو اور نوح کو اور آلِ ابراہیم کو اور آلِ عمران کو سارے جہانوں پر۔ ﴿۳۳﴾ بعض اُن میں بعض کی اولاد ہیں، اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ ﴿۳۴﴾ جب عرض کیا عمران کی بیوی نے کہ اے میرے رب بے شک میں نے آپ کے لیے نذر مان لی کہ جو بچہ میرے شکم میں ہے وہ آزاد ہوگا لہٰذا آپ اُس کو مجھ سے قبول فرمایئے، بے شک آپ ہی ہیں سننے والے جاننے والے۔ ﴿۳۵﴾ پس جب اس کو جنا تو کہنے لگیں اے میرے رب! بلاشبہ میں نے اس کو لڑکی جنا ہے، اور اللہ کو خوب معلوم ہے جو کچھ اس نے جنا ہے، اور نہیں ہے بیٹا بیٹی کی طرح سے، اور میں نے اُس کا نام رکھ دیا ہے مریم، اور بے شک میں اس کو اور اس کی ذرّیت کو تیری پناہ میں دیتی ہوں شیطان مردود سے۔ ﴿۳۶﴾ سو اس کے رب نے قبول فرمالیا اس بچی کو اچھی طرح قبول فرمانا اور اس کو بڑھایا اچھی طرح سے بڑھانا، اور اس کو زکریا کی کفالت میں دے دیا جب کبھی زکریا داخل ہوئے ان پر محراب میں تو پایا اُن کے پاس رزق، تو انہوں نے کہا کہ اے مریم! کہاں سے ہے یہ تیرے لیے، انہوں نے کہا کہ وہ اللہ کے پاس سے ہے، بے شک اللہ رزق دیتا ہے جس کو چاہے بے حساب۔ ﴿۳۷﴾ اس موقع پر زکریا نے اپنے رب سے دعا کی، عرض کیا اے میرے رب! مجھے آپ اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرمادیجیے، بلاشبہ آپ دعا سننے والے ہیں۔ ﴿۳۸﴾ پس فرشتوں نے اُن کو آواز دی اس حالت میں کہ وہ کھڑے ہوئے محراب میں نماز پڑھ رہے تھے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ آپ کو یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے وہ اللہ کے کلمہ کی تصدیق کرنے والا ہوگا اور سردار ہوگا اور عورتوں سے دور رہنے والا ہوگا اور نبی ہوگا صالحین میں سے۔ ﴿۳۹﴾ وہ کہنے لگے کہ اے میرے رب! کہاں سے ہوگا میرے لڑکا حالانکہ مجھے بڑھاپا پہنچ چکا ہے اور میری بیوی بانجھ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسی طرح اللہ کرتا ہے جو چاہے۔ ﴿۴۰﴾ وہ کہنے لگے کہ اے میرے رب! میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرمادیجیے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ تو تین دن تک لوگوں سے بات نہ کرے گا مگر صرف اشارے سے، اور یاد کر اپنے رب کو کثرت کے ساتھ اور اللہ کی پاکی بیان کر شام اور صبح۔ ﴿۴۱﴾

ربط ومناسبت اور خلاصہ آیات:...... اوپر گزر چکا ہے کہ اللہ کی محبت پیغمبروں کی اطاعت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی اب پیغمبروں کے شرف اور علومراتب کو بیان کیا جارہا ہے، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام سے ابتدا کی، دوسرے نمبر پر آدم ثانی یعنی حضرت نوح علیہ السلام کو ذکر کیا گیا پھر تیسرے نمبر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو، درمیان میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا گیا چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، چوتھے نمبر پر آلِ عمران کا تذکرہ لایا گیا جب کہ اسی درمیان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر بھی چل پڑا ہے، اس ضمن میں تین قصے ذکر کیے گئے ہیں۔ حضرت مریم کی ولادت کا قصہ، حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کا قصہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا قصہ یہ تینوں قصے خوارق عادت سے تعلق رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت عظیمہ پر دلالت کرتے ہیں۔

لغات:...... اصْطَفٰى چنا، منتخب کیا، اصْطَفٰى صفوۃ سے ماخوذ ہے، یعنی اللہ نے ان کو اپنی مخلوق میں صاف وشفاف بنایا۔ مُحَرَّرًا جریت سے ماخوذ ہے بمعنی آزاد یعنی اللہ کے لیے خالص کیا ہوا جسے دنیوی جنجال اپنی لپیٹ میں نہ لے۔ اُعِيْذُهَا: میں نے اس کو پناہ میں دیا۔

وَّكَفَّلَهَا: کفل یکفل فهو کافل، جو کسی انسان پر خرچ کرتا ہو اور اس کے مصالح ومعاملات کا انتظام کرتا ہو، حدیث میں ہے: انا وکافل الیتیم فی الجنة کهاتین۔ میں اور یتیم کا خرچہ چلانے والا قیامت کے دن ان دو انگلیوں کی طرح اکٹھے ہوں گے۔ الْمِحْرَابَ او نچی نمایاں جگہ، ابوعبیدہ کہتے ہیں: محراب، بیٹھنے کی جگہوں میں سب سے اعلیٰ واشرف ہوتی ہے، اسی لیے مسجد کی اعلیٰ واشرف جگہ کو محراب کہتے ہیں۔ [۱]

[۱] البحر المحیط ۲/ ۴۳۳

حَصُوْرًا: الحصر سے ماخوذ ہے بمعنی حبس میں رہنا مراد وہ شخص جو اپنے آپ کو خواہشات نفس سے دور رکھے گویا قید میں اپنے آپ کو ڈال دے۔ مفسرین نے حَصُوْرًا: کے دو معانی بیان کیے ہیں ہم محققین کے مختار معنی کو ذکر کرتے ہیں کہ حصور وہ شخص ہوتا ہے جو عورتوں سے کنارہ کش ہو، اس کی کنارہ کشی نامردی کی وجہ سے نہ ہو بلکہ عفت و پاکدامنی کی وجہ سے ہو۔ [1] عَاقِرٌ: کا اطلاق مرد عورت دونوں پر ہوتا ہے جس کے ہاں اولاد نہ ہو بانجھ۔ رَمْزًا: اشارہ جو ہاتھ سے ہو یا سر سے ہو یا کسی اور چیز سے، طبری کہتے ہیں، ہونٹوں سے کیا ہوا اشارہ رمز کہلاتا ہے، آنکھوں اور بھنوؤں کے اشارے میں بھی کبھی کبھی مستعمل ہوتا ہے۔ اَلْعَشِيِّ: زوال کے وقت کے بعد تا غروب آفتاب کے وقت پر عشی کا اطلاق ہوتا ہے۔ الْاِبْكَارِ: طلوع آفتاب سے لے کر چاشت تک کے وقت کو ابکار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے:

فلا الظل من برد الضحى تستطيعهٔ ولا الفئى من برد العشى تذوق

ترجمہ:...... چاشت کے وقت کی خنکی کے ہوتے ہوئے تمہیں سایہ لینے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی شام کے وقت کی ٹھنڈک کے ہوتے ہوئے ڈھلتے سائے کی ضرورت پڑتی ہے۔

انبیائے علیہم السلام کی جہاں والوں پر فضیلت

تفسیر: ...... اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ: ۔ اللہ نے آدم علیہ السلام کو چن کر فضیلت دی۔ آدم علیہ السلام اللہ کی مخلوق میں سے خالص اور ابوالبشر ہیں۔
وَنُوْحًا: پیغمبروں میں سے بزرگ ہستی وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ: یعنی ابراہیم علیہ السلام کا خاندان، قرابتدار اور وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام اور ان دونوں کی اولاد میں سے جو انبیا ہوئے فی الجملہ نبی آخر الزمان بھی وَاٰلَ عِمْرٰنَ: عمران کے خاندان والے، ان میں سے عیسیٰ علیہ السلام جو کہ بنی اسرائیل کے آخری نبی ہیں بھی شامل ہیں۔ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ: یعنی ان سب کو ان کے اپنے زمانے کے تمام جہانوں پر فضیلت دی۔ قرطبی کہتے ہیں: انبیا میں سے صرف ان چند انبیا کا ذکر اس لیے ہوا چوں کہ انبیا اور رسولوں کی نسلیں انہی سے چلی ہیں۔
ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ: یعنی دین، زہد و تقویٰ اور بزرگی میں یہ نسل ایک دوسرے سے ملتی جلتی تھی۔
وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ: یعنی اللہ اپنے بندوں کے اقوال سنتا ہے اور ان کے دلوں کے بھید جانتا ہے۔

عمران کی بیوی

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ: ...... اہل کتاب کو وہ وقت یاد کراؤ جب عمران کی بیوی حنہ بنت فاقوذ نے کہا تھا۔
رَبِّ اِنِّىْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِىْ بَطْنِىْ: میرے بطن میں جو حمل ہے میں تیری عبادت و اطاعت کے لیے اس کی نذر مانتی ہوں۔
مُحَرَّرًا: جو تیری عبادت اور خدمت کے لیے (دنیا کے بکھیڑوں سے) آزاد ہوگا۔
فَتَقَبَّلْ مِنِّىْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ: تو میری دعا کو سننے والا ہے اور میری نیت کا حال خوب جانتا ہے (لہٰذا میری اس نذر کو قبول فرما)۔
فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّىْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى: ...... جب عمران کی بیوی نے وضع حمل کیا تو حسرت اور عذر خواہی کے انداز میں بولی: اے میرے رب! یہ تو لڑکی ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: عمران کی بیوی نے یہ بات اس لیے کہہ دی چوں کہ نذر میں صرف لڑکوں کو قبول کیا جاتا تھا، تاہم اللہ تعالیٰ نے مولود مریم کو قبول فرمالیا۔
وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ: جو چیز اس نے جنم دی ہے اللہ اس سے بخوبی واقف ہے چاہے وہ یہ بات کہتی یا نہ کہتی۔

حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی ولادت

وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى: ...... لڑکا جو کہ عمران کی بیوی کا مطلوب تھا اس کی ہبہ کردہ لڑکی جیسا نہیں بلکہ یہ لڑکی تو افضل ہے، یہ دونوں جملے معترضہ

---

[1] تفسیر الفخر الرازی ۸/۳۹، کذا فی الطبری والقرطبی

ہیں اور یہ دونوں جملے اس مولودہ کی عظمت شان واضح کرنے کے لیے لائے گئے ہیں، نیز اس مولودہ سے متعلق امور بھی عظیم الشان ہیں چنانچہ مریم علیہاالسلام اور ان کے بیٹے کو سارے جہانوں کے لیے علامت اور نشانی بنایا ہے۔ ان تمام امور کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے دو جملے معترضہ لائے گئے ہیں۔ وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ: یہ عمران کی بیوی کے کلام کا تتمہ ہے، اصل میں وضع کلام یوں ہے: اِنِّیْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰی وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ: یعنی یہ تو مجھ سے لڑکی پیدا ہوئی اور میں اس کا نام مریم رکھتی ہوں، مریم کا معنی آل عمران کی زبان میں ''عبادت گزار عورت اور رب تعالیٰ کی خادمہ ہے۔ وَاِنِّیْٓ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ: میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیرے حفظ وامان میں دیتی ہوں، اللہ نے عمران کی بیوی کی دعا قبول فرمائی۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ:...... مریم کے پروردگار نے اسے نہایت اچھے طریقہ سے قبول فرمایا، ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: اللہ نے مریم کو نیک بختوں کے طریقوں پر چلایا۔ وَاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا: اور نہایت کامل طریقے سے اسے پروان چڑھایا اور بہت اچھی اس کی نشوونما کی۔ وَكَفَّلَهَا زَكَرِیَّا: اور زکریا کو اس کی سرپرستی اور نگرانی سونپی اور انہی کو مریم کے مصالح اور معاملات کا نگران اور منتظم مقرر کیا ہے، یہاں تک کہ جب مریم علیہاالسلام سن بلوغ کو پہنچیں تو رب تعالیٰ کی عبادت کے لیے محراب میں گوشہ نشین ہوگئیں۔ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْهَا زَكَرِیَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا: یعنی جب بھی زکریا، مریم علیہاالسلام کے حجرے یا عبادت خانے میں داخل ہوتے ان کے پاس پھل اور کھانا پاتے، مجاہد کہتے ہیں: مریم علیہاالسلام کے پاس زکریا علیہ السلام موسم گرما کا پھل موسم سرما میں پاتے اور موسم سرما کا پھل موسم گرما میں پاتے۔

قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنّٰی لَكِ هٰذَا: تمہارے پاس یہ رزق کدھر سے آتا ہے؟ آنّٰی بمعنی این ہے۔ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ: یعنی اللہ کی طرف سے یہ رزق ملتا ہے اور وہ بغیر محنت ومشقت کے بھی رزق عطا کرسکتا ہے۔ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِیَّا رَبَّهٗ:...... جب زکریا علیہ السلام نے مریم کو عطا کردہ اللہ کی کرامت ملاحظہ فرمائی تو رب تعالیٰ کے حضور گڑگڑا کر دعا فرمائی۔ قَالَ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً: اے میرے پروردگار! اپنے پاس سے مجھے نیک وصالح بیٹا عطا فرما۔ زکریا علیہ السلام بوڑھے ہوچکے تھے اور ان کی بیوی بھی بوڑھی اور بانجھ تھی ''طَیِّبَةً'' کا معنی ہے نیکوکار اور مبارک۔ اِنَّكَ سَمِیْعُ الدُّعَآءِ یعنی جو بھی تیرے حضور دعا کرتا ہے تو اس کی دعا قبول فرماتا ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کو بیٹے کی ولادت کی بشارت

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ یُّصَلِّیْ فِی الْمِحْرَابِ:...... جبرائیل علیہ السلام نے زکریا علیہ السلام کو پکارا در آں حالاں کہ وہ نماز میں کھڑے تھے۔ اَنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكَ بِیَحْیٰی: یعنی اللہ آپ کو لڑکے کی بشارت دیتا ہے اور اس کا نام یحییٰ ہوگا۔ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ: اور وہ عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرے گا، اس کی رسالت پر ایمان لائے گا، عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ کا نام اس لیے دیا گیا چوں کہ وہ کلمہ ''كُنْ'' سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ وَسَیِّدًا: اپنی قوم کا سردار وپیشوا ہوگا۔ وَحَصُوْرًا یعنی عفت، زہد اور پارسائی کے لیے اپنے آپ کو نفسانی خواہشات سے بالکلیہ روکے ہوگا، باوجود قدرت کے وہ عورتوں کے قریب نہیں جائے گا۔ بعض مفسرین نے جو یحییٰ علیہ السلام کے متعلق کہا ہے کہ وہ نامرد تھے، یہ باطل محض ہے چوں کہ انبیا علیہم السلام معمولی نقص سے بھی پاک ہوتے ہیں۔ نیز نامردی نقص ومذموم ہے جبکہ یہ آیت مقام مدح میں وارد ہوئی ہے۔ [1]

وَنَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ: اور وہ صالحین انبیا میں سے نبی ہوگا۔ ابن کثیر کہتے ہیں: یہ دوسری بشارت ہے، پہلی بشارت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق تھی اور یہ دوسری ان کی نبوت کے متعلق ہے۔ بلاشبہ دوسری بشارت پہلی بشارت سے بڑھ کر ہے، اسی طرح کی بشارت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو بھی دی گئی تھی چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝ (سورۃ القصص، آیت ۷)

ترجمہ:...... ''ہم اسے تمہارے پاس واپس لوٹائیں گے اور اسے پیغمبری بھی عطا کریں گے۔''

---

[1] یہ تفسیر ابن کثیر نے قاضی عیاض سے نقل کی ہے۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ :......یعنی ہمارے ہاں لڑکا کیسے ہوسکتا ہے۔
وَّقَدْ بَلَغَنِىَ الْكِبَرُ: مجھے بڑھاپے نے آن لیا ہے، اس وقت زکریا علیہ السلام کی عمر ۱۲۰ سال تھی۔ وَامْرَاَتِىْ عَاقِرٌ: میری بیوی بانجھ ہے جو بچے نہیں جنتی، ان کی بیوی کی عمر ۹۸ سال تھی، سبب بڑھاپا دونوں میں جمع تھا جب کہ بیوی میں بانجھ پن بھی تھا یہ دونوں اسباب مانع اولاد ہیں۔
قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ: یعنی اللہ کو کوئی چیز عاجز نہیں کرسکتی اور نہ ہی کوئی معاملہ اس کے لیے گراں ہوتا ہے۔
قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّىْٓ اٰيَةً:...... میری بیوی کے حاملہ ہونے پر کوئی علامت مقرر کردے۔
قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا: اس پر علامت یہ ہے کہ تم لوگوں کے ساتھ تین ایام تک بات نہیں کرسکو گے ہاں البتہ باتوں کی بجائے اشارے کروگے، باوجود یہ کہ تم بے عیب وصحیح اور سلامت ہوگے، مقصد یہ ہے کہ آسمانی مانع کی وجہ سے ذکر اللہ کے سوا بات نہیں کرسکیں گے۔ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا یعنی اپنی زبان سے اللہ کا زیادہ سے زیادہ ذکر کرو تا کہ اس عظیم نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرسکو، چنانچہ زکریا علیہ السلام کلام سے روک دیے گئے، اذکار وتسبیحات سے نہیں روکے گئے، یہ امر معجزے کا زیادہ حامل ہے۔
وَسَبِّحْ بِالْعَشِىِّ وَالْاِبْكَارِ:...... نقص وعیب سے اللہ کی صفات کی تنزیہ بیان کرو جو دن کے شروع اور آخر میں سبحان اللہ کے ورد سے ہو۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ اللہ کے لیے نماز پڑھو، اس صورت میں سَبِّحْ بمعنی صَلِّ ہوگا۔ طبری کہتے ہیں۔
صبح وشام اپنے رب کی عبادت کے ذریعہ اس کی بڑائی بیان کرو۔
بلاغت :...... وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ اور وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى : یہ دونوں جملے معترضہ ہیں، ان کے ذریعہ موضوع کی عظمت ظاہر کرنا مقصود ہے اور مولود کے درجات کی عظمت بیان کرنا ہے۔
وَاِنِّىْٓ اُعِيْذُهَا:...... مضارع کا صیغہ لایا گیا ہے جو استمرار اور تجدد پر دلالت کرتا ہے۔
وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا:...... مریم علیہا السلام کو اگنے والی کھیتی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، وجہ شبہ نشوونما ہے، یہ کلام مریم علیہا السلام کی تربیت سے بطور استعارہ تبعیہ مجاز ہے۔
فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ:...... منادی جبرائیل امین ہیں، انہیں پوری جماعت سے تعبیر کیا گیا ہے ان کے مرتبے کی عظمت کے واسطے چوں کہ وہ فرشتوں کے سردار ہیں۔ بِالْعَشِىِّ وَالْاِبْكَارِ عشی اور ابکار میں صنعت تضاد نمایاں ہے۔
اول فائدہ:...... روایت ہے کہ عمران کی بیوی حنّہ بوڑھی اور بانجھ تھی، ایک دن وہ درخت کے سائے تلے بیٹھی ہوئی تھی، اچانک ایک پرندے پر اس کی نظر پڑی جو اپنے بچوں کو دانہ کھلا رہا تھا، اسے یکایک اولاد کا خیال پیدا ہوا اور تمنا ظاہر کی، بولی: اے اللہ! میں تیرے حضور نذر مانتی ہوں کہ اگر تو نے مجھے بیٹا عطا کیا تو میں اسے بیت المقدس کی خاطر صدقہ کروں گی جو اس کا مجاور بن کر رہے، پھر وہ حاملہ ہوگئی اور وضع حمل سے پہلے ہی عمران علیہ السلام وفات پاگئے، نذر ماننے کا یہی راز تھا۔ [1]

کرامات اولیا پر دلیل

دوم فائدہ:...... ابن کثیر نے آیت کریمہ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا کی تفسیر کی تحت لکھا ہے کہ یہ آیت کرامات اولیا پر دلیل ہے احادیث میں اس کے بے شمار نظائر ملتے ہیں، چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کئی دنوں سے فاقہ سے تھے۔ آپ اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے کھانے کے متعلق پوچھا، تاہم ان کے پاس بھی کوئی چیز نہیں تھی۔ اتنے میں ایک پڑوسن نے ان کے پاس دو روٹیاں اور گوشت کا چھوٹا سا ٹکڑا بھیجا، فاطمہ رضی اللہ عنہا نے روٹیاں اور گوشت ایک بڑے پیالے میں رکھ دیا، دیکھتے ہی دیکھتے پیالہ روٹیوں اور گوشت سے بھر گیا۔

[1] تفسیر ابی السعود ۱/ ۲۳۰

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا ذکر

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ ذٰلِكَ مِنْ أَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ إِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُوْنَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۖ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ إِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَتْ رَبِّ أَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ۖ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ إِذَا قَضٰى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْإِنْجِيْلَ ﴿۴۸﴾ وَرَسُوْلًا إِلٰى بَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ ۙ أَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ أَنِّيْٓ أَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًۢا بِإِذْنِ اللّٰهِ ۖ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِ الْمَوْتٰى بِإِذْنِ اللّٰهِ ۖ وَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۚ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِأُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾ إِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۚ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۵۱﴾

ترجمہ:......اور جب کہا فرشتوں نے کہ اے مریم! بے شک اللہ نے تجھے منتخب فرمالیا اور پاک بنادیا اور سب جہانوں کی عورتوں کے مقابلہ میں تم کو چن لیا۔ (۴۲) اے مریم! تم اپنے رب کی فرمانبرداری کرتی رہو اور سجدہ کرو اور رکوع کرو ان لوگوں کے ساتھ جو رکوع کرنے والے ہیں۔ (۴۳) یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم آپ کی طرف وحی بھیجتے ہیں اور آپ نہیں تھے اُن کے پاس جب کہ وہ ڈال رہے تھے اپنی قلموں کو کہ اُن میں سے کون مریم کی کفالت کرے اور آپ نہیں تھے اُن کے پاس جس وقت کہ وہ جھگڑ رہے تھے۔ (۴۴) جب کہا فرشتوں نے کہ اے مریم! بے شک اللہ تمہیں خوشخبری دیتا ہے ایک کلمہ کی جو منجاب اللہ ہوگا اُس کا نام مسیح ہوگا وہ عیسیٰ ابن مریم ہوگا وہ دنیا اور آخرت میں باوجاہت ہوگا اور مقربین میں سے ہوگا۔ (۴۵) اور وہ لوگوں سے بات کرے گا گہوارہ میں اور بڑی عمر میں، اور وہ صالحین میں سے ہوگا۔ (۴۶) وہ کہنے لگیں کہ اے رب! میرے لڑکا کس طرح ہوگا حالانکہ مجھے کسی بشر نے ہاتھ نہیں لگایا، فرمایا اللہ اسی طرح پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے، جب وہ کسی اَمر کا فیصلہ فرمادے، تو فرما دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے۔ (۴۷) اور اللہ سکھادے گا اس کو کتاب اور حکمت اور توراۃ اور انجیل۔ (۴۸) اور بنادے گا اس کو رسول بنی اسرائیل کی طرف، بنی اسرائیل سے ان کا یہ خطاب ہوگا کہ بلاشبہ میں تمہارے پاس آیا ہوں تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر، کہ بلاشبہ میں بناتا ہوں تمہارے سامنے مٹی سے پرندے کی طرح ایک چیز پھر اُس میں پھونک دیتا ہوں تو وہ پرندہ ہو جاتی ہے اللہ کے حکم سے، اور اچھا کرتا ہوں مادرزاد اندھے کو اور برص والے کو، اور زندہ کرتا ہوں مُردوں کو اللہ کے حکم سے، اور میں تمہیں خبر دیتا ہوں اس چیز کی جو تم کھاتے ہو اور ذخیرہ رکھتے ہو اپنے گھروں میں، بلاشبہ اس میں تمہارے لیے نشانی ہے اگر تم ایمان قبول کرنے والے ہو۔ (۴۹) اور سچا بتاتا ہوں اپنے سے پہلی کتاب کو جو تورات ہے

اور تا کہ میں حلال کروں تمہارے لیے بعض وہ چیزیں جو تم پر حرام کی گئیں، اور میں لایا ہوں تمہارے پاس نشانی تمہارے رب کی طرف سے، لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو،(۵۰) بے شک اللہ میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے سو اس کی عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے۔(۵۱)

ربط آیات اور تعارف:......اولاً اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کا قصہ بیان کیا حالاں کہ ان کے والدین بوڑھے ہو چکے تھے اور والدہ بانجھ بھی تھیں، باوجود اس کے ان کی ولادت ہوئی جو ماورائے اسباب خارق عادت امر ہے، اس کے بعد اس سے کہیں زیادہ بڑھ کر خارق عادت واقعہ کو بیان فرمایا، وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بغیر باپ کے ولادت کا ہونا ہے، یہ واقعہ پہلے سے زیادہ عجیب ہے، دراصل یہ قصہ نصاریٰ پر رد ہے چوں کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کی خدائی کا دعویٰ کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے مریم بتول علیہا السلام سے ان کی پیدائش کا ذکر فرمایا تا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی بشریت پر دلیل قائم ہو جائے قصۂ ولادت کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا ذکر ہے جو ان کی رسالت کے مؤید ہیں، یہ ان پیغمبروں میں سے ہیں جن کے ہاتھ سے خارق عادت امور ظاہر ہوئے اور اس طرز پر قصے کو بیان کرنا خود اس پر دلیل ہے کہ ربوبیت کی کسی صفت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام موصوف نہیں تھے۔

لغات:......اَنۡۢبَآءِ : نَبَآءِ کی جمع ہے بمعنی اہم خبر۔ نُوۡحِیۡهِ : وحی سے ماخوذ ہے۔ وحی: خفیہ طور پر دل میں معنی ڈال دینا۔ اَقۡلَامَهُمۡ: قلم جس سے لکھا جاتا ہے، قلم کا اطلاق اس تیر پر بھی ہوتا ہے جس سے قرعہ ڈالا جاتا ہے، آیت میں یہی مراد ہے۔ الۡمَسِیۡحُ: شرف والے القاب میں سے ایک لقب ہے جیسے صدیق اور فاروق، مسیح عبرانی زبان کا لفظ ہے بمعنی برکت والا۔[1] وَجِیۡهًا: باآبرو، ذی وجاہت اور قدر و منزلت والے۔ الۡمَهۡدِ: بچے کا بچھونا۔ كَهۡلًا: جوانی اور بڑھاپے کی درمیانی عمر پر كَهۡلٌ کا اطلاق ہوتا ہے، اس کا مونث كَهۡلَةٌ ہے۔ الۡاَكۡمَهَ: مادرزاد اندھا۔ الۡاَبۡرَصَ: وہ شخص جو برص کی بیماری میں مبتلا ہو، اس بیماری کی وجہ سے بدن پر سفیدی چھا جاتی ہے یہ ایک مہلک مرض ہے۔

حضرت مریم رضی اللہ عنہا کا قصہ

تفسیر:...وَاِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرۡيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰٮكِ: اس وقت کو یاد کرو جب فرشتوں کے سردار جبرائیل امین نے کہا: اے مریم! اللہ تعالیٰ نے تمہیں دنیا جہان کی عورتوں میں سے کرامات کے لیے چن لیا ہے۔ وَطَهَّرَكِ: اور تمہیں گندگیوں اور ناپاکیوں سے پاک کر دیا ہے اور یہودیوں کی لگائی گئی تہمتوں سے بھی پاک کر دیا ہے۔ وَاصۡطَفٰٮكِ عَلٰى نِسَآءِ الۡعٰلَمِيۡنَ: یعنی دنیا جہان کی ساری عورتوں میں سے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے اظہار کے لیے تمہیں منتخب کیا ہے کہ تمہیں بغیر باپ کے شریف و نجیب بیٹا عطا فرمائے گا۔

يٰمَرۡيَمُ اقۡنُتِىۡ لِرَبِّكِ: اس انتخاب پر رب تعالیٰ کا شکر بجا لانے کے لیے اس کی عبادت و طاعت کرتی رہو۔ وَاسۡجُدِىۡ وَارۡكَعِىۡ مَعَ الرّٰكِعِيۡنَ: یعنی نمازیوں کے ساتھ تو بھی اللہ کے لیے نماز پڑھتی رہ۔ ذٰلِكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَيۡبِ نُوۡحِيۡهِ اِلَيۡكَ: یعنی اے محمد! ہم نے تمہیں عمران کی بیوی کا قصہ جو سنایا، اس کی بیٹی مریم بتول رضی اللہ عنہا کا قصہ، زکریا علیہ السلام کا قصہ سنایا، درحقیقت یہ غیب کی باتیں اور خبریں ہیں، یہ ساری مغیبات ہم نے تمہاری طرف وحی کی ہیں حالاں کہ قبل ازیں تمہیں ان باتوں کا علم نہیں تھا۔ وَمَا كُنۡتَ لَدَيۡهِمۡ اِذۡ يُلۡقُوۡنَ اَقۡلَامَهُمۡ اَيُّهُمۡ يَكۡفُلُ مَرۡيَمَ: آپ اس وقت مجاورین کے پاس نہیں تھے جب وہ مریم کی کفالت کے سلسلہ میں باہم رغبت ظاہر کر رہے تھے اور انہوں نے قرعہ اندازی کے تیر ڈالے تا کہ جس کے نام کا قرعہ نکلے وہی مریم کی کفالت کرے۔ وَمَا كُنۡتَ لَدَيۡهِمۡ اِذۡ يَخۡتَصِمُوۡنَ: اور آپ اس وقت ان کے پاس نہیں تھے جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے، آیت سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ یہ سب خبریں وحی کے ذریعہ آپ تک پہنچی ہیں، روایت میں ہے کہ جب حنہ نے مریم رضی اللہ عنہا کو جنم دیا انہیں ایک کپڑے میں لپیٹ کر مسجد میں لے آئیں اور احبار کے پاس چھوڑ دیا، احبار بیت المقدس میں کعبہ کے پاسبانوں کی طرح رہتے تھے، پاسبانوں سے کہا اسے سنبھالو اس لڑکی کی نذر مانی ہوئی ہے، مجاورین میں سے ہر ایک نے کفالت کے سلسلہ میں رغبت ظاہر کی چوں کہ مریم رضی اللہ عنہا ان کے امام کی بیٹی تھیں، پھر نوبت قرعہ اندازی تک پہنچی، چنانچہ قرعہ حضرت زکریا علیہ السلام کے نام نکلا، چنانچہ زکریا علیہ السلام نے مریم رضی اللہ عنہا کو اپنی کفالت میں لے لیا۔[2] ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے زکریا علیہ السلام کو مریم رضی اللہ عنہا کا سرپرست بنایا اس میں مریم علیہا السلام کی سعادت ہے تا کہ زکریا علیہ السلام کی ماتحتی میں ان کی عمدہ تربیت ہو، زیور علم سے آراستہ ہوں اور آداب زندگی سیکھیں۔[3]

---
[1] الکشاف ۱/ ۲۷۸ [2] الطبری ۶/ ۳۵۱ [3] معلوم ہوا اولاد کو اچھے معلم کی تربیت میں دینا چاہیے۔

اِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرۡيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنۡهُ :......یعنی اے مریم! اللہ تمہیں مولود کی بشارت دیتا ہے جو بغیر باپ کے اللہ کے ایک کلمہ (کن) سے پیدا ہوگا۔ اسۡمُهُ الۡمَسِيۡحُ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ: اس پیدا ہونے والے بچے کا نام عیسیٰ، لقب مسیح اور یہ منسوب اپنی ماں کی طرف ہوگا، دراصل اس امر پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ مریم رضی اللہ عنہا خاوند کے واسطے کے بغیر عیسیٰ علیہ السلام کو جنم دیں گی۔ وَجِيۡهًا فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ: یعنی دنیا اور آخرت میں سردار اور باآبرو ہوں گے۔ وَمِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ: اللہ کے ہاں مقرب ہوں گے۔ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الۡمَهۡدِ وَكَهۡلًا: یہ مولود کلام کرنے کی عمر سے پہلے ہی گہوارے میں لوگوں سے کلام کرے گا اور بڑھاپے میں بھی کلام کرے گا، علامہ زمخشری کہتے ہیں: آیت کا معنی ہے کہ ان دونوں حالتوں میں یہ مولود انبیا جیسا کلام کرے گا اس میں بچپن اور بڑھاپے کے کلام کا فرق نہیں ہوگا۔[1] بلاشبہ یہ انتہا درجے کا معجزہ ہے۔ وَمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ: یعنی وہ تقویٰ اور بزرگی میں کامل ہوں گے۔ قَالَتۡ رَبِّ اَنّٰى يَكُوۡنُ لِىۡ وَلَدٌ وَّلَمۡ يَمۡسَسۡنِىۡ بَشَرٌ: مریم رضی اللہ عنہا نے کہا: اے میرے پروردگار! میں شادی شدہ نہیں ہوں مجھ سے لڑکا کیسے پیدا ہوگا؟ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ: اللہ کا حکم ایسا ہی ہے، اسے کوئی چیز عاجز نہیں کرسکتی وہ والدین کے واسطہ اور سبب سے بھی لڑکا پیدا کرتا ہے اور بلاسبب بھی پیدا کرسکتا ہے۔ اِذَا قَضٰٓى اَمۡرًا فَاِنَّمَا يَقُوۡلُ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ: جب اللہ کسی چیز کا بلا تاخیر اور بلاسبب وجود کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے وجود کے لیے "کن" کہتا ہے اور وہ چیز وجود میں آجاتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصیات و معجزات

وَيُعَلِّمُهُ الۡكِتٰبَ:...... اللہ عیسیٰ علیہ السلام کو کتابت سکھائیں گے۔ وَالۡحِكۡمَةَ: اور قول و فعل میں راست بازی یا انبیا کی عادات بھی نصیب ہوگی۔ وَالتَّوۡرٰىةَ وَالۡاِنۡجِيۡلَ: اور انہیں تورات و انجیل کے حفظ کی توفیق بخشے گا۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: عیسیٰ علیہ السلام نے یہ دونوں کتابیں حفظ کررکھی تھیں۔ وَرَسُوۡلًا اِلٰى بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ: اور اللہ اس مولود کو بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجیں گے اور وہ بنی اسرائیل سے کہے گا۔

اَنِّىۡ قَدۡ جِئۡتُكُمۡ بِاٰيَةٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ: یعنی میں تمہارے پاس ایسی نشانی لایا ہوں جو میری سچائی پر دلالت کرتی ہے اور وہ معجزات ہیں جن سے اللہ نے میری تائید فرمائی ہے، میرے سچے ہونے کی یہ نشانیاں ہیں اَنِّىۡۤ اَخۡلُقُ لَكُمۡ مِّنَ الطِّيۡنِ كَهَيۡـــَٔةِ الطَّيۡرِ: میں تمہارے سامنے گارے اور مٹی سے پرندے کی ایک مورت بناتا ہوں۔ فَاَنۡفُخُ فِيۡهِ فَيَكُوۡنُ طَيۡرًاۢ بِاِذۡنِ اللّٰهِ: اس مورت میں پھونک مارتا ہوں اور وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: حضرت عیسیٰ علیہ السلام واقعی گارے سے پرندے کی شکل بناتے پھر اس میں پھونک مارتے تو وہ پرندہ اللہ کے حکم سے سرعام پھر سے اڑ جاتا، یہ معجزہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ نے انہیں پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔[2] یہ پہلا معجزہ ہوا۔

وَاُبۡرِئُ الۡاَكۡمَهَ وَالۡاَبۡرَصَ: اور میں اس شخص کو تندرست کر دیتا ہوں جو مادرزاد اندھا ہو اور مبتلائے برص کو بھی تندرست کر دیتا ہوں۔ یہ دوسرا معجزہ ہے۔ وَاُحۡىِ الۡمَوۡتٰى بِاِذۡنِ اللّٰهِ: یعنی میں بعض مردوں کو بھی زندہ کر دیتا ہوں، میں ایسا اپنی قدرت سے نہیں بلکہ اللہ کی مشیت اور اس کی قدرت سے کرتا ہوں، عیسیٰ علیہ السلام نے چار مردوں کو زندہ کیا، عازر جو کہ ان کا دوست تھا، ایک بڑھیا کا بیٹا، عاشر کی بیٹی اور سام بن نوح، قرطبی وغیرہ نے یہی لکھا ہے۔ بِاِذۡنِ اللّٰهِ: کا لفظ مکرر لایا گیا ہے تاکہ عیسیٰ علیہ السلام کی خدائی کا وہم ختم ہوجائے، یہ تیسرا معجزہ ہے۔

وَاُنَبِّئُكُمۡ بِمَا تَاۡكُلُوۡنَ وَمَا تَدَّخِرُوۡنَ فِىۡ بُيُوۡتِكُمۡ: میں تمہارے ذاتی احوال کے متعلق بھی غیب کی باتیں بتلاسکتا ہوں تمہیں ان میں ذرہ برابر بھی شک نہیں گزرے گا، چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام بتلادیتے کہ اس شخص نے فلاں چیز کھائی ہے اور گھر میں فلاں چیز ذخیرہ کررکھی ہے، یہ چوتھا معجزہ ہے۔[3]

اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ: یعنی میں نے تمہارے پاس جو معجزات لائے ہیں ان میں میرے سچے ہونے پر واضح دلالت موجود ہے۔ بشرطیکہ تم اللہ کی نشانیوں کی تصدیق کرو، پھر خبر دی کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کی تصدیق کرتے ہیں۔ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوۡرٰىةِ: میں تمہارے پاس آیا ہوں اس حال میں کہ میں موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرتا ہوں اور ان تعلیمات کی تائید کرتا ہوں جو تورات میں

---

[1] الکشاف ۱/ ۲۷۸ [2] مختصر ابن کثیر ۱/ ۲۸۴ [3] مذکور ترتیب کے مطابق چار ہوئے اس ترتیب میں اندھے کو بینا کرنا اور کوڑھی کو تندرست کرنا ایک معجزہ شمار کیا گیا ہے دراصل یہ دو معجزے ہیں یوں کل ملا کر پانچ ہوتے ہیں۔

مذکور ہیں۔ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْكُمْ: اور اس لیے بھیجا گیا ہوں تا کہ بعض چیزیں جو موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں تمہارے اوپر حرام کر دی گئی تھیں میں انہیں تمہارے لیے حلال کر دوں، ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اس آیت میں دلیل ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کی بعض شریعت کو منسوخ کر دیا اور یہ صحیح بھی ہے۔ وَجِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ: میں تمہارے پاس ایسی نشانی لایا ہوں جو میری رسالت کی صحت پر شاہد ہے اور وہ اللہ کی طرف سے عطا کردہ معجزات ہیں جو میرے تائید کنندہ ہیں، تاکید کے لیے یہ جملہ مکرر لایا گیا ہے۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ: یعنی اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ: یعنی میں اور تم عبودیت اور بندگی میں یکساں ہیں سو اللہ ہی میرا اور تمہارا معبود و پروردگار ہے۔ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ: یعنی تقویٰ، اللہ کی عبادت اور اس کی وحدانیت کا اقرار سیدھا راستہ ہے اس میں کجی نہیں۔

بلاغت:...... وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓىِٕكَةُ: ۔ یہ تسمیۃ الخاص باسم العام کے قبیل سے ہے یعنی فرشتوں سے جبرائیل امین کو تعبیر کیا ہے، اسے مجاز مرسل کہا جاتا ہے، یہ اسلوب جبرائیل امین کی عظمت شان کے پیش نظر اختیار کیا گیا ہے۔ وَاصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ: اَصْطَفٰىكِ کا لفظ مکرر لایا گیا ہے جیسے مریم کا لفظ مکرر لایا گیا ہے یہ باب اطناب (تطویل) میں سے ہے۔ وَلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ: یہ جماع سے کنایہ ہے جیسے: الحرث، اللباس اور المباشر جماع سے کنایات ہیں۔ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ: لفظ اُحِلَّ اور حُرِّمَ کے درمیان محسنات بدیعہ میں سے طباق (تضاد) ہے، ان آیات میں حذف واطناب اور بلاغت کی کئی دوسرے پہلو بھی نمایاں ہے، میں نے طوالت کے خوف سے ان سب کو نظر انداز کر دیا ہے۔

فائدہ:...... ولادت عیسیٰ علیہ السلام کے موقع کو یوں تعبیر کیا: كَذٰلِكِ اللّٰهُ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ: جب کہ یحییٰ علیہ السلام کی ولادت پر یوں فرمایا: كَذٰلِكَ اللّٰهُ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ: ان دونوں تعبیروں میں مخفی نکتہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق بدون اسباب کے تھی جو ایجاد و اختراع ہے، جب کہ یحییٰ علیہ السلام کے والدین تو موجود ہیں لیکن بڑھاپا اور بانجھ پن مانع ہیں، اس لیے اول تعبیر کے مناسب لفظ "خلق" ہے اور ثانی تعبیر کے مناسب لفظ "فعل" ہے۔ واللہ اعلم

حضرت مریم رضی اللہ عنہا کا قرآن میں نام ذکر کرنے کی حکمت

تنبیہ:...... بعض علما نے ایک اور زبردست تفسیری نکتہ اس موقع پر بیان کیا ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مریم بتول رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی اور عورت کا نام ذکر نہیں کیا اس کی حکمت یہ ہے کہ دراصل نصاریٰ پر رد کرنا مقصود ہے چوں کہ وہ مریم رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ کی بیوی قرار دیتے ہیں (معاذ اللہ)، جب کہ کوئی بھی ذی مرتبہ اپنی بیوی کا نام ذکر نہیں کرتا، نیز عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت مریم بتول رضی اللہ عنہا کی طرف کرنی ہے چوں کہ ان کا باپ نہیں اس لیے آیت میں فرمایا: اسْمُهُ الْمَسِیْحُ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ۔

یہود کا بنی اسرائیل سے اختلاف

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِیْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ ﴿۵۴﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسٰٓى اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَیْنَكُمْ فِیْمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۵۶﴾ وَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

الثلثة ع ۳

الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۷﴾ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۟ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۱﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۲﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۳﴾

ترجمہ:...... پھر جب عیسیٰ نے اُن کی طرف سے انکار دیکھا تو کہنے لگے کہ کون ہیں جو میرے مددگار ہو جائیں اللہ کی طرف، حواریوں نے کہا: ہم اللہ کے مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ ہو جایئے کہ ہم فرمانبردار ہیں۔ ﴿۵۲﴾ اے ہمارے رب! ہم اس پر ایمان لائے جو آپ نے نازل فرمایا اور ہم نے رسول کا اتباع کیا آپ ہمیں ان لوگوں کے ساتھ لکھ دیجیے جو تصدیق کرنے والے ہیں۔ ﴿۵۳﴾ اور اُن لوگوں نے مکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے بہتر تدبیر فرمانے والا ہے۔ ﴿۵۴﴾ جب فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ اے عیسیٰ! میں تمہیں وفات دینے والا ہوں اور تمہیں اپنی طرف اُٹھانے والا ہوں اور تمہیں ان لوگوں سے پاک کرنے والا ہوں جنہوں نے کفر کیا، اور جن لوگوں نے تمہارا اتباع کیا اُن کو غالب رکھوں گا قیامت کے دن تک اُن لوگوں پر جنہوں نے کفر اختیار کر لیا، پھر میری طرف تم سب کو لوٹنا ہوگا، پھر فیصلے کروں گا تمہارے درمیان اس چیز کے بارے میں جس میں تم اختلاف رکھتے تھے۔ ﴿۵۵﴾ سو جن لوگوں نے کفر اختیار کیا پس میں اُن کو سخت عذاب دوں گا دنیا میں اور آخرت میں اور اُن کے لیے کوئی مددگار نہ ہوگا۔ ﴿۵۶﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو اللہ اُن کو پورے پورے اجر عطا فرما دے گا، اور اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔ ﴿۵۷﴾ یہ آیات اور ذکر حکیم ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں۔ ﴿۵۸﴾ بلاشبہ اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال ایسی ہے جیسے آدم کی مثال، پیدا فرمایا اُن کو مٹی سے پھر اُن سے فرما دیا ہو جا پس اُن کی پیدائش ہو گئی، ﴿۵۹﴾ یہ حق ہے آپ کے رب کی طرف سے سو آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں۔ ﴿۶۰﴾ سو جو شخص اُن کے بارے میں آپ سے جھگڑا کرے۔ اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم آ گیا ہے تو آپ فرما دیجیے کہ آ جاؤ ہم بلا لیں اپنے بیٹوں کو اور تم بلا لو اپنے بیٹوں کو اور ہم بلا لیں اپنی عورتوں کو اور تم بلا لو اپنی عورتوں کو اور ہم حاضر کر دیں اپنی جانوں کو اور تم بھی حاضر ہو جاؤ اپنی جانوں کو لے کر پھر ہم سب مل کر خوب سچے دل سے اللہ سے دعا کریں اور لعنت بھیج دیں جھوٹوں پر۔ ﴿۶۱﴾ بلاشبہ یہ سچ بات ہے، اور کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا، اور بے شک اللہ زبردست ہے اور حکمت والا ہے۔ ﴿۶۲﴾ پھر اگر وہ روگردانی کریں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو خوب جاننے والا ہے۔ ﴿۶۳﴾

ماقبل سے ربط وتعارف:...... اس سے پہلے آیات میں برابر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہوا ہے اور سابقہ آیات میں مریم رضی اللہ عنہا کو عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت دی گئی پھر اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات بیان کیے گئے، یہ سب قطعی دلائل ہیں جو عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر دلالت کرتے ہیں تاہم جتنے بھی دلائل، براہین اور معجزات اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی تائید میں انہیں عطا کیے، ان کے ہوتے ہوئے بھی اکثر بنی اسرائیل ان پر ایمان نہیں لائے، نتیجۃً یہود ان کے جانی دشمن بن گئے اور انہیں قتل کرنے کا اقدام کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں یہود کے شر سے محفوظ رکھا اور انہیں آسمانوں پر زندہ اٹھا لیا۔

لغات:...... اَحَسَّ: کسی امر کا متحقق ہو جانا، بھرپور احساس کر لینا، یہ احساس سے ماخوذ ہے، حواسِ خمسہ سے کیے ہوئے ادراک کو احساس کہا جاتا ہے۔ اَلْحَوَارِيُّوْنَ: حواری کی جمع، خالص مرد، خاص آدمی، صفائی والا، شہری عورتوں کو حواریات کہا جاتا ہے چوں کہ شہری عورتیں اپنے سفید رنگت اور خوبصورتی میں خاص ہوتی ہیں، چنانچہ شاعر کہتا ہے:

فقل للحواریات یبکین غیرنا ولا تبکنا الا الکلاب النوابح

ترجمہ:...... سفید فام خوبصورت اور نازک اندام شہری عورتوں سے کہو کہ ہمارے اوپر نہ روئیں (کیوں کہ وہ اہل عشرت میں سے نہیں ہیں) تاہم ہمارے اوپر بھونکنے والے کتوں کے سوا کوئی نہ روئے چوں کہ وہ کتے ہمارے ساتھ رہے ہیں، شاعر کا مقصد ہے کہ وہ دیہات کا رہنے والا ہے اور جنگ پیشہ انسان ہے۔

آیت میں حواریین سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھی اور متبعین ہیں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں کو صحابہ کہا جاتا ہے، ان کے دلوں کی صفائی اور پاکیزگی کی بنا پر انہیں حواری کہا جاتا ہے۔ مَكَرُوْا: مکر بمعنی فریب، دھوکا، اصل میں خفیۃً فساد پھیلانے کو مکر کہا جاتا ہے، زجاج کہتے ہیں: مقولہ ہے۔ وَمَكَرَ اللیل: یعنی رات تاریک ہوگئی، مکر و اللہ سے مراد اللہ کا اپنے بندوں کو ڈھیل دینا، فراء وغیرہ سے یہی منقول ہے۔ نبتھل: ہم گڑگڑا کر دعا کرتے ہیں۔ "ابتھال" کا اصل معنی ہے دل لگی سے دعا کرنا جس میں کسی پر لعنت کی جا رہی ہو۔ بھلہ کا معنی لعنت ہے۔

شانِ نزول:...... جب نجران کے نصاریٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مناظرہ کرنے لگے تو انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: آپ ہمارے صاحب کو کیوں برا بھلا کہتے ہیں؟ آپ نے پوچھا: بھلا میں کیا کہتا ہوں؟ نصاریٰ بولے: آپ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام بندے ہیں، آپ نے فرمایا: جی ہاں بلاشبہ وہ تو اللہ کے بندے، اس کے رسول اور اس کے کلمہ ہیں جن کا القاء مریم بتول علیہا السلام میں کیا گیا، سن کر نصاریٰ غصہ ہوگئے اور کہا: کیا آپ نے کوئی انسان دیکھا ہے جو بغیر باپ کے پیدا ہوا ہو؟ اگر آپ سچے ہیں تو اس کی کوئی مثال دکھائیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ:

روایت میں ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصاریٰ کو اسلام کی دعوت دی تو وہ بولے: ہم آپ سے پہلے کے مسلمان ہیں، آپ نے فرمایا: تم جھوٹ بولتے ہو، تین چیزیں تمہارے قبول اسلام میں مانع ہیں۔ (۱)...... تمہارا یہ کہنا کہ اللہ کا بیٹا ہے۔ (۲)...... خنزیر کھانا۔ (۳)...... اور صلیب کو سجدہ کرنا۔ نصاریٰ بولے: بھلا ان عقائد سے کون منع کرتا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۟ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۱﴾ (سورہ آل عمران، آیت ۵۹ تا ۶۱)

اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصاریٰ کو مباہلہ کی دعوت دی، نصاریٰ ایک دوسرے سے کہنے لگے: اگر مباہلہ کے علاوہ کوئی اور آپشن آپ ہمارے سامنے رکھیں تاکہ ہم اس کے متعلق غور کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسلام قبول کرو، یا جزیہ دو یا پھر جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ، تاہم نصاریٰ نے جزیہ قبول کر لیا۔ [1]

یہود کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کا ارادہ

تفسیر:...... فَلَمَّاۤ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ:۔ چنانچہ جب عیسیٰ علیہ السلام نے یہود کا کفر پر ڈٹے رہنا ضلالت و گمراہی پر کاربند رہنا اور انہیں قتل کرنے کا ارادہ بھانپ لیا۔ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللّٰهِ: یعنی اللہ کی طرف دعوت دینے میں میرا مددگار کون ہوگا، مجاہد کہتے ہیں یعنی اللہ کے لیے میری اتباع کون کرے گا۔ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ: یعنی پکے اور سچے مؤمنین جو عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین تھے کہنے لگے کہ اللہ کے دین کے ہم مددگار ہیں۔ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ: ہم اللہ کی تصدیق کرتے ہیں اور جو تعلیمات آپ لے کر آئے ہیں اس کی بھی، آپ گواہ رہیے کہ ہم آپ کی رسالت کے آگے سر تسلیم خم ہیں اور آپ کی مدد کرنے میں مخلص ہیں۔ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا بِمَاۤ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ: یعنی ہم تیری آیات پر ایمان لائے، تیرے رسول عیسیٰ کی فرمانبرداری کی، ہمیں ان لوگوں میں لکھ لیجیے جو تیری وحدانیت اور تیرے

---

[1] القرطبی ۴/ ۱۰۳ او اسباب النزول للواحدی

رسول کے سچے ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔اس کے بعد اللہ نے یہود کے متعلق خبر دی جو آپس میں مشاورت کر کے عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے درپے ہو گئے تھے۔وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ: یعنی یہودیوں نے عیسیٰ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تاہم اللہ نے عیسیٰ کو ان کے شر سے محفوظ رکھا اور انہیں آسمان پر اٹھالیا، انہیں ادنیٰ سی اذیت بھی نہیں پہنچنے دی۔یہودا نامی خائن شخص پر عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ ڈال دی مَكَرَ اللّٰهُ از باب مشاکلت ہے۔[۱] اسی لیے آگے فرمایا: وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ: یعنی یہود نے عیسیٰ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا اور اللہ نے انہیں بچالیا، اللہ کی تدبیر ان کی تدبیر سے زیادہ بہتر اور قوی ہے، چنانچہ ان کے قتل کرنے کے منصوبے کو اپنی تدبیر کے ذریعہ اکارت کر دیا، حدیث میں ہے:

اللھم امکر لی ولا تمکر عَلَیَّ یااللہ! میرے حق میں تیری تدبیر ہو میرے خلاف تیری تدبیر نہ ہو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر اٹھائے جانے کا ذکر

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ:......یعنی میں تمہیں آسمان پر اٹھالوں گا اور پھر جب تم اپنی طبعی عمر پوری کر لو گے، تمہیں موت دوں گا، دراصل عیسیٰ علیہ السلام کو نجات کی خوشخبری دینا اور سلامتی کے ساتھ آسمان پر اٹھالینا ان دو باتوں کو اس آیت میں بیان کرنا مقصود ہے، قتادہ کہتے ہیں: آیت میں تقدیم و تاخیر ہے، تقدیری عبارت یوں ہے: انی رافعك الی ثم متوفيك بعد ذالك۔

طبری کہتے ہیں: بعض دوسرے مفسرین اس کا معنی یوں بیان کرتے ہیں: جب اللہ نے کہا: اے عیسیٰ! میں تمہیں اپنی طرف اٹھالوں گا اور تمہیں کافروں سے پاک کروں گا اور پھر تمہیں دنیا میں بھیجنے کے بعد موت دوں گا۔[۲] وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا: جن لوگوں نے تمہیں قتل کرنے کا ارادہ کر رکھا ہے میں ان کے اشرار سے تمہیں خلاصی دوں گا، حسن کہتے ہیں: اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو پاک رکھا یہود سے، نصاریٰ سے، مجوس سے اور اپنی قوم کے کفار سے وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ: یعنی میں تمہارے متبعین جنہوں نے تم پر ایمان لایا ہے انہیں تمہاری نبوت کا انکار کرنے والوں پر غالب کروں گا، تفسیر جلالین میں ہے: الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ: یعنی مسلمانوں اور نصاریٰ میں سے جن لوگوں نے تمہاری نبوت کی تصدیق کی۔فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا: سے مراد یہود ہیں، حجت و تلوار میں یہود پر غالب رہیں گے۔ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ: پھر تم اللہ کی طرف لوٹ کر جاؤ گے اور تم جو عیسیٰ کے بارے میں اختلاف کرتے ہو اس کے متعلق اللہ تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ: رہی بات کفار کی جو تمہاری نبوت کا انکار کرتے ہیں اور تمہاری ملت کی مخالفت کرتے ہیں میں انہیں دنیا میں شدید عذاب دوں گا۔یہ عذاب قتل اور قید کی صورت میں ہو سکتا ہے اور آخرت میں دوزخ کا عذاب دوں گا۔ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ: ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا جو انہیں عذاب سے بچا سکے۔ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ: رہی بات مؤمنین کی سو اللہ ان کے نیک اعمال کا اچھا اور کامل بدلہ دے گا اس میں کمی نہیں کی جائے گی۔ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ: اللہ ظلم کرنے والے کو پسند نہیں کرتا بھلا وہ خود اپنے بندوں پر کیونکر ظلم کرے گا؟

ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ: اے محمد! یہ غیب کی خبریں ہم ہی آپ کو بتاتے ہیں۔ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ: یہ غیب کی خبریں قرآن حکیم کی آیات ہیں جس کے پاس باطل پھٹک نہیں سکتا۔ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ: عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے بغیر باپ کے پیدا کیا اس باب میں ان کی مثال آدم علیہ السلام جیسی ہے۔ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ: اللہ نے آدم کو ماں اور باپ کے بغیر پیدا کیا، انہیں مٹی سے بنایا پھر کہا کہ ہو جا تو وہ ہو گئے، چنانچہ عیسیٰ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا اتنا عجیب نہیں جتنا کہ آدم کا ماں اور باپ کے بغیر پیدا ہونا ہے۔

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ: عیسیٰ کے بارے میں یہ بات حق و سچ ہے اس میں شک مت کرو۔

---

[۱] الفاظ کا ایک جیسا ہونا، لیکن معانی کا مختلف ہونا مشاکلت ہے۔ [۲] الطبری ۶/ ۴۵۸، بعض مفسرین کہتے ہیں عیسیٰ علیہ السلام دن کی تین گھڑیاں وفات پا گئے تھے پھر اللہ نے انہیں آسمان پر اٹھالیا، بعض کہتے ہیں متوفّی سے مراد نیند کی موت دینا ہے یہ ضعیف قول ہے، قرطبی کہتے ہیں صحیح یہ ہے کہ اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر وفات کے آسمان پر اٹھالیا، یہی ابن عباس سے منقول ہے یہی حسن، ابن زید اور دوسرے مفسرین کا قول ہے، بعض مفسرین نے متوفی کا لغوی معنی مراد لیا ہے یعنی میں تمہیں صحیح و سلامت واپس لے لوں گا۔

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ :...... جو شخص عیسیٰ کے بارے میں آپ سے جھگڑے جبکہ حق واضح ہو چکا۔
فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ : یعنی پس کہہ دو ان سے کہ آ جاؤ ہم اکٹھے ہوتے ہیں ہم اور تم میں سے ہر کوئی اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلائے اور وہ خود بھی ہو پھر ہم سب مل کر مباہلہ کرتے ہیں، صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ، حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور فرمایا: یا اللہ! یہ میرے گھرانے کے افراد ہیں۔ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ: یعنی پھر ہم اللہ کے حضور گڑگڑا کر دعا کرتے ہیں اور کہتے ہیں: اے اللہ! عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں ہم میں سے جو جھوٹا ہو اس پر لعنت کر، جب نصاریٰ کو آپ ﷺ نے مباہلہ کی دعوت دی تو انہوں نے مباہلہ کرنے سے انکار کر دیا اور جزیہ دینے پر راضی ہو گئے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اگر مباہلہ کرنے والے نصاریٰ میدان میں آ جاتے اور جب واپس جاتے تو اپنے مال و اہل میں سے کچھ بھی باقی نہ پاتے۔" ابو حیان کہتے ہیں: نصاریٰ نے مباہلہ اس لیے نہیں کیا چوں کہ انہیں رسول اللہ ﷺ کے سچے ہونے کا یقین تھا۔[1]
اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ: اے محمد! ہم نے عیسیٰ کے بارے میں جو حق و سچ آشکارا کیا ہے اس میں شک نہیں۔

عقیدہ تثلیث کی تردید

وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ:...... یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس میں نصاریٰ کے عقیدہ تثلیث کی تردید ہے۔ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ: یعنی اللہ اپنی بادشاہت میں زبردست غلبہ رکھتا ہے اور اپنی کاری گری میں حکمت والا ہے۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ: اگر نصاریٰ توحید کے اقرار سے اعراض کر جائیں تو بلاشبہ وہ فساد پھیلانے والے ہیں، اللہ انہیں خوب جانتا ہے، اس پر اللہ انہیں برا بدلا دے گا۔

بلاغت: فَلَمَّآ اَحَسَّ :...... ابو حیان کہتے ہیں: اس فقرے میں استعارہ ہے چوں کہ کفر محسوس ہونے والی چیز نہیں بلکہ کفر جانچا اور سمجھا جاتا ہے، کفر پر حس کا اطلاق از قسم استعارہ ہے۔ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ: لفظ "مکروا" اور "الماکرین" میں تجنیس اشتقاق ہے، اس میں مشاکلہ کا پہلو بھی نمایاں ہے۔

فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ :...... اوپر آیا ہے: وَاِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ : اس میں متکلم کی ضمیر ہے، یہاں متکلم سے غیبوبت کی طرف التفات ہے۔ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ: ربوبیت کے عنوان کو چھیڑا جا رہا ہے جب کہ رب کی رسول کی طرف اضافت کی گئی ہے، اس انداز کلام سے رسول اللہ ﷺ کے مرتبہ شرافت کو ظاہر کرنا مقصود ہے۔

فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ:...... یہ جملہ الہاب و تہییج[2] کے باب سے ہے یعنی بھڑکانے اور برانگیختہ کرنے کے باب سے ہے جو اور زیادہ ثابت قدمی کا فائدہ دیتا ہے، بلاغت کا یہ پہلو ابو سعود کا بیان کردہ ہے۔

لطیفہ:...... صاحب البحر المحیط کہتے ہیں: ایک شخص نے جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا۔ مکر کی نسبت اللہ نے اپنی طرف کیسے کر دی حالاں کہ دوسروں پر مکر کرنے کا عیب لگایا ہے۔ جنید رحمۃ اللہ علیہ بولے: مجھے تمہارے سوال کا جواب نہیں آتا البتہ میں نے فلاں ظہرانی کو یہ شعر کہتے سنا ہے ؎

ویقبح من سواك الفعل عندی ... فتفعله فیحسن منك ذاكا

یہ فعل جب تیرے سوا کوئی اور کرتا ہے تو میں اسے نہایت قبیح سمجھتا ہوں لیکن یہی فعل جب تجھ سے سرزد ہوتا ہے تو میں اسے نہایت اچھا سمجھتا ہوں۔
پھر جنید رحمۃ اللہ علیہ نے سائل سے کہا: اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو میں نے تمہیں جواب دے دیا ہے۔

---

[1] البحر المحیط ۲ / ۴۸۰، امر قطعی جو دلائل قطعیہ سے ثابت ہو اور ہو ضروریات دین میں سے اس پر مباہلہ کرنا جائز ہے، امر ظنی پر مباہلہ کرنا جائز نہیں۔ مباہلہ کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں فریق اپنی اولاد اور عورتوں کو لے کر کھلے میدان میں جائیں اور اللہ کے حضور گڑگڑا کر دعا کریں جو جھوٹا ہو اس پر لعنت کریں۔ رہی بات آگ میں چھلانگ لگانے کی تو یہ شرعی مباہلہ نہیں۔

[2] ایسا کلام لانا جس سے مخاطب کو کسی امر پر برانگیختہ کیا جائے۔

یہود و نصاریٰ کو دعوت توحید

قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ تَعَالَوۡا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمۡ اَلَّا نَعۡبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشۡرِكَ بِهٖ شَيۡـًٔـا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعۡضُنَا بَعۡضًا اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُوۡلُوا اشۡهَدُوۡا بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۶۴﴾ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوۡنَ فِىۡۤ اِبۡرٰهِيۡمَ وَمَاۤ اُنۡزِلَتِ التَّوۡرٰٮةُ وَالۡاِنۡجِيۡلُ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۵﴾ هٰۤاَنۡتُمۡ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجۡتُمۡ فِيۡمَا لَـكُمۡ بِهٖ عِلۡمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوۡنَ فِيۡمَا لَيۡسَ لَـكُمۡ بِهٖ عِلۡمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۶﴾ مَا كَانَ اِبۡرٰهِيۡمُ يَهُوۡدِيًّا وَّلَا نَصۡرَانِيًّا وَّلٰكِنۡ كَانَ حَنِيۡفًا مُّسۡلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۶۷﴾ اِنَّ اَوۡلَى النَّاسِ بِاِبۡرٰهِيۡمَ لَلَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُ وَهٰذَا النَّبِىُّ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ؕ وَاللّٰهُ وَلِىُّ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۶۸﴾ وَدَّتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ لَوۡ يُضِلُّوۡنَكُمۡ ؕ وَمَا يُضِلُّوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَهُمۡ وَمَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۶۹﴾ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنۡتُمۡ تَشۡهَدُوۡنَ ﴿۷۰﴾ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَلۡبِسُوۡنَ الۡحَـقَّ بِالۡبَاطِلِ وَتَكۡتُمُوۡنَ الۡحَـقَّ وَاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۱﴾ وَقَالَتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اٰمِنُوۡا بِالَّذِىۡۤ اُنۡزِلَ عَلَى الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَجۡهَ النَّهَارِ وَاكۡفُرُوۡۤا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۷۲﴾ وَلَا تُؤۡمِنُوۡۤا اِلَّا لِمَنۡ تَبِعَ دِيۡنَكُمۡ ؕ قُلۡ اِنَّ الۡهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنۡ يُّؤۡتٰٓى اَحَدٌ مِّثۡلَ مَاۤ اُوۡتِيۡتُمۡ اَوۡ يُحَآجُّوۡكُمۡ عِنۡدَ رَبِّكُمۡ ؕ قُلۡ اِنَّ الۡفَضۡلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۷۳﴾ يَّخۡتَصُّ بِرَحۡمَتِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ ﴿۷۴﴾

ع ۸ / ۱۵

ترجمہ:..... آپ فرما دیجیے کہ اے اہل کتاب! آ جاؤ ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم عبادت نہ کریں مگر اللہ کی، اور اُس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور اللہ کو چھوڑ کر ہم آپس میں کوئی کسی دوسرے کو رب نہ بنائے، سو اگر وہ روگردانی کریں تو کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم فرمانبردار ہیں۔ ﴿۶۴﴾ اے اہلِ کتاب! تم کیوں حجت کرتے ہو ابراہیم کے بارے میں، حالانکہ نہیں اتاری گئی توریت اور انجیل مگر اُن کے بعد، کیا تم عقل نہیں رکھتے ہو۔ ﴿۶۵﴾ اے لوگو! تم ایسے لوگ ہو جنہوں نے اس چیز میں جھگڑا کیا جس کا تمہیں کچھ علم تھا پھر تم کیوں حجت کرتے ہو اس بات میں جس کا تمہیں علم نہیں ہے اور اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔ ﴿۶۶﴾ نہیں تھے ابراہیم یہودی اور نصرانی، لیکن وہ حق کو اختیار کرنے والے فرمانبردار تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے۔ ﴿۶۷﴾ بلاشبہ انسانوں میں ابراہیم کے ساتھ سب سے زیادہ قریب تر وہ لوگ ہیں جنہوں نے اُن کا اتباع کیا اور یہ نبی ہیں اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اللہ سب مؤمنین کا ولی ہے۔ ﴿۶۸﴾ اہلِ کتاب کی ایک جماعت نے اس بات کی خواہش کی کہ کسی طرح تمہیں گمراہ کر دیں۔ اور وہ گمراہ نہیں کرتے مگر اپنے نفسوں کو اور وہ نہیں سمجھتے۔ ﴿۶۹﴾ اے اہلِ کتاب! تم کیوں کفر کرتے ہو اللہ کی آیات کے ساتھ، حالانکہ تم اقرار کرتے ہو۔ ﴿۷۰﴾ اے اہلِ کتاب! تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں مخلوط کرتے ہو اور حق کو چھپاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو۔ ﴿۷۱﴾ اور کہا اہلِ کتاب کے ایک گروہ نے کہ ایمان لاؤ اس پر جو نازل کیا گیا مسلمانوں پر دن کے شروع حصہ میں، اور منکر ہو جاؤ دن کے آخر حصہ میں امید ہے کہ یہ لوگ واپس لوٹ آئیں۔ ﴿۷۲﴾ اور اقرار مت کرنا مگر ایسے شخص کے سامنے جو تمہارے دین کا تابع ہو، آپ فرما دیجیے کہ بلاشبہ ہدایت وہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہے یہ باتیں تم اس لیے کرتے ہو کہ کسی دوسرے کو ایسی چیز مل رہی ہے جو تمہیں دی گئی یا اس لیے کہ

وہ تم پر دلیل میں غالب ہو جائیں گے تمہارے رب کے پاس۔ آپ فرما دیجیے کہ بلاشبہ فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ اُسے عطا فرماتا ہے جسے چاہے، اور اللہ واسع ہے خوب جاننے والا ہے۔ (۷۳) وہ مخصوص فرماتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ (۷۴)

ربط وتعارف:...... جب قرآن نے نصاریٰ پر حجت قائم کر دی اور عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ان کے دعوائے الوہیت کو باطل قرار دے دیا گیا تو اب اہل کتاب کے دونوں فریقوں یہود ونصاریٰ کو دعوت توحید دی جارہی ہے اور انبیا کے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اقتدا کی دعوت دی جارہی ہے، چوں کہ ابراہیم علیہ السلام کی ملت، ملت اسلام تھی، آپ علیہ السلام یہودی تھے اور نہ ہی نصرانی جیسا کہ فریقین کا دعویٰ ہے، اس کے بعد اس امر کو ثابت کیا گیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب ہونے کی زیادہ حق دار ہے۔

لغات: سَوَآءٍ:...... درمیان، برابر، وسط، نصف، ابوعبیدہ کہتے ہیں: مقولہ ہے ''قد دعاك الى السواء فأقبل منه'' فلاں نے تمہیں برابری (نصف) کی دعوت دی اسے قبول کرلو۔ زہیر شاعر کہتا ہے ؎

اروني خطةً لا ضيم فيها يسوي بيننا فيها السواء

ترجمہ:...... مجھے کوئی ایسی خصلت وشرافت دکھاؤ جس میں کوئی ظلم نہ ہو، یہ چیز ہمارے درمیان برابر سرابر ہے۔

اَوْلَى:...... زیادہ حقدار ہونا۔ وَدَّتْ: وہ چاہتی ہے، پسند کرتی ہے۔ تَلْبِسُوْنَ: (صیغہ جمع مذکر حاضر) مصدر "اللبس" سے ماخوذ ہے بمعنی خلط ہوجانا، التباس واشتباہ میں پڑ جانا۔ وَجْهَ النَّهَارِ: دن کا اول حصہ، چوں کہ دن کے جس حصے کی مواجہت ہوتی ہے وہ دن کا اول ہی حصہ ہے۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے:

من كان مسرورًا بمقتل مالك فليأت نسوتنا بوجه النهار [۱]

ترجمہ:...... جو شخص مالک کی قتل گاہ سے خوش ہوتا ہو وہ ان کے اول حصے میں ہماری عورتوں کے پاس آئے۔

شان نزول:...... ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہود کے احبار (علما) اور نجران کے نصاریٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اکٹھے ہو گئے اور ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں جھگڑنے لگے

یہود کہتے: ابراہیم علیہ السلام تو یہودی تھے، نصاریٰ کہتے: وہ تو نصرانی تھے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ الآیۃ۔ [۲]

تفسیر:...... قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ:۔ کہہ دیجیے: اے جماعت یہود ونصاریٰ! ایسی بات کی طرف آجاؤ جو مبنی برانصاف اور معتدل ہے جس میں ہم میں سے ہر ایک کے لیے انصاف ہے۔

اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا: وہ یہ کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔

وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ:...... اور ہم ایک دوسرے کی عبادت نہ کریں جیسے یہود اور نصاریٰ عزیر اور عیسیٰ علیہما السلام کی عبادت کرتے ہیں، حلال وحرام کا حکم لگانے میں احبار ورہبان کا کہا مانتے ہیں، جب یہ آیت نازل ہوئی حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم تو احبار ورہبان کی عبادت نہیں کرتے تھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا ایسا نہیں تھا کہ جس چیز کو وہ حرام قرار دیتے اور جس چیز کو وہ حلال قرار دیتے تم اسے اختیار کر لیتے تھے؟ عرض کیا: جی ہاں ایسا تھا۔ فرمایا: یہی تو ان کی عبادت ہے۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ:...... یعنی اگر اہل کتاب توحید سے اعراض کریں اور اس معتدل دعوت کو قبول کرنے سے انکار کریں تو کہہ دو: اے جماعت اہل کتاب!...... ہم موحدین اور مسلمان ہیں، اللہ کی یکتائی اور وحدانیت کا اقرار کرتے ہیں اور خالص اسی کی عبادت کرتے ہیں۔

---

[۱] مجاز القرآن لابی عبیدہ ص ۹۷۔ [۲] مجمع البیان ۲/ ۴۵۶

یہود و نصاریٰ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حوالے سے باہمی نزاع

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ :......اے جماعت یہود و نصاریٰ! تم ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑا اور بحث کرتے ہو، اور تم دعویٰ کرتے ہو کہ وہ تمہارے دین پر تھے۔ وَمَاۤ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِیْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ: یعنی یہودیت اور نصرانیت (جیسے ادیان) ان کے بعد کی پیداوار ہیں، بھلا ابراہیم علیہ السلام ان میں سے کیسے ہو سکتے ہیں؟

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ: کیا تم اپنے باطل قول کو نہیں سمجھتے، چنانچہ ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا فاصلہ ہے، موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان بھی ایک ہزار سال کا فاصلہ ہے، بھلا کوئی عقلمند شخص ایسی بات کر سکتا ہے، کلام میں استفہام برائے توبیخ ہے۔

هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِیْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ :......اے جماعت یہود و نصاریٰ! یہ تم ہی تو ہو جو عیسیٰ کے بارے میں جھگڑتے اور مباحثہ کرتے ہو، حالاں کہ تم ان کے زمانے میں رہے اور اب تم نے ان کے بارے میں الٹے سیدھے عقائد گھڑ لیے۔

فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْمَا لَیْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ: بھلا ابراہیم اور ان کے دین کے بارے میں تم کیوں جھگڑتے اور بحث کرتے ہو اور تم انہیں یہودیت اور نصرانیت کی طرف منسوب کرتے ہو، اس کا تمہیں سرے سے علم ہی نہیں، یہ نری بے وقوفی اور حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ: اللہ کو ابراہیم کے معاملہ کی حقیقت کا علم ہے، تمہیں اس کا علم نہیں، ابوحیان کہتے ہیں: اس آیت میں اہل کتاب کو دعوت فکر دی جا رہی ہے کہ تمہیں اس بات کی حقیقت کا علم نہیں، جبکہ ہمیں علم ہے لہٰذا ہماری سنو، جیسے آگاہ شخص کہتا ہے۔ تمہیں اس کا علم نہیں میری سنو [1]

اہل کتاب کے دعویٰ کی تردید و تکذیب

اس کے بعد اللہ نے اہل کتاب کے دعویٰ کی تردید و تکذیب کی ہے چنانچہ فرمایا: مَا كَانَ اِبْرٰهِیْمُ یَهُوْدِیًّا وَّلَا نَصْرَانِیًّا: یعنی ابراہیم دین یہودیت پر تھے اور نہ ہی دین نصرانیت پر، یہودیت تو موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی تحریف شدہ صورت ہے اسی طرح نصرانیت بھی عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی تحریف شدہ مذہبی تعبیر ہے۔ وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا: البتہ ابراہیم تمام ادیان سے الگ تھلگ دین قیم پر تھے۔

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ: یعنی وہ تو مسلمان تھے۔ مشرک نہیں تھے، اس فقرے میں اہل کتاب پر تعریض ہے کہ وہ مشرک ہیں چنانچہ یہود عزیز علیہ السلام کو ابن اللہ کہہ کر شرک کے مرتکب ہوئے اور نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہہ کر شرک کے مرتکب ٹھہرے، اس میں مشرکین کے دعویٰ کی بھی تردید ہے ان کا دعویٰ تھا کہ وہ ملت ابراہیمی پر ہیں۔

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِیْمَ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ:......ابراہیم کی طرف نسبت کرنے کا زیادہ حق وہ لوگ رکھتے ہیں جو ان کے اتباع ہوں، جو ان کے راستے پر چلتے ہوں اور جنہوں نے ان کا طریقہ اختیار کیا ہو، ان کے زمانے میں بھی اور ان کے بعد بھی۔ وَهٰذَا النَّبِیُّ: یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ حق دار ہیں۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا: اور امت محمدیہ کے مؤمنین، وہ یہ بات کہنے کے زیادہ حق دار ہیں کہ ہم دین ابراہیمی پر ہیں۔

وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ: اللہ ہی مؤمنوں کا محافظ، حامی اور مددگار ہے۔

یہودیوں کا صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہودیت کی دعوت

جب یہودیوں نے بعض صحابہ کو یہودیت کی دعوت دی تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی: وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ یُضِلُّوْنَكُمْ: بغض و عداوت اور حسد کی وجہ سے اہل کتاب (یہود) چاہتے ہیں کہ تمہیں اپنے دین کی طرف موڑ کر گمراہ کر دیں۔

وَمَا یُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ :......اس گمراہی کی تحریک کا وبال انہی پر پڑے گا، چنانچہ اس کی وجہ سے انہیں دگنا عذاب ہوگا۔ وَمَا یَشْعُرُوْنَ:

---

[1] البحر المحیط ۲/ ۴۸۶۔ چنانچہ غالب کہتا ہے۔ اے تازہ واردان بساط ہوائے دل + زنہار اگر تمہیں ہوس نائے و نوش ہے۔ دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو + میری سنو جو گوش حقیقت نوش ہے۔

انہیں اس کا شعور تک نہیں۔ اس کے بعد قرآن نے اہل کتاب کو ان کے فعل قبیح پر سخت ڈانٹ پلائی ہے۔ یٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ: یعنی محمد ﷺ پر نازل کیے گئے قرآن کا انکار کیوں کرتے ہو؟ وَاَنۡتُمۡ تَشۡهَدُوۡنَ: یعنی تمہیں قرآن کے برحق ہونے کا علم بھی ہے۔ یٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَلۡبِسُوۡنَ الۡحَقَّ بِالۡبَاطِلِ: یعنی تم تحریف اور تبدیلی کر کے حق و باطل کو گڈ مڈ کیوں کرتے ہو۔ وَتَكۡتُمُوۡنَ الۡحَقَّ وَاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ: یعنی تمہاری کتابوں میں محمد ﷺ کی جو صفات اور نشانیاں وارد ہوئی ہیں انہیں کیوں چھپاتے ہو۔ حالاں کہ تمہیں ان صفات کے برحق ہونے کا علم بھی ہے۔

اہل کتاب کی بدباطنی

اس کے بعد اہل کتاب کی ایک اور خباثت بیان کی جارہی ہے وہ یہ کہ شروع دن میں اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرتے پھر شام کو اسلام سے پھر جاتے، یہ پروپیگنڈہ اس لیے شروع کیا تاکہ مسلمانوں میں شکوک وشبہات پیدا ہو جائیں اور وہ بھی اسلام سے پھر جائیں۔ چنانچہ فرمایا: وَقَالَتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اٰمِنُوۡا بِالَّذِيۡۤ اُنۡزِلَ عَلَى الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَجۡهَ النَّهَارِ: ابن کثیر کہتے ہیں: یہ بھی ایک فریب تھا ضعیف مسلمانوں کے دلوں میں دین کے معاملے میں شکوک ڈالنا چاہتے تھے تاکہ التباس میں پڑ جائیں۔ یہود آپس میں مشاورت کرتے کہ کچھ لوگ شروع دن میں مسلمانوں کے ساتھ مل کر اسلام کا اظہار کریں اور جب شام ہو جائے تو اپنے دین کی طرف واپس آجائیں تاکہ جہلا سمجھیں کہ ان لوگوں کو اسلام میں کوئی نقص دکھائی دیا ہے اس لیے اسلام سے برگشتہ ہو گئے۔ (گویا مسلمانوں میں انارکی اور بددلی پھیلانے کے لیے یہ پروپیگنڈہ کیا گیا جو ناکام رہا)[1] وَاكۡفُرُوۡۤا اٰخِرَهٗ: یعنی شام کو اسلام سے پھر جاؤ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ: یعنی شاید دین کے بارے میں ان کے دلوں میں شکوک پیدا ہو جائیں اور اسلام سے رجوع کر لیں۔ وَلَا تُؤۡمِنُوۡۤا اِلَّا لِمَنۡ تَبِعَ دِيۡنَكُمۡ: یہ یہود کے کلام کا تتمہ ہے جسے اللہ نے حکایت کیا ہے، یعنی دل کی بات ظاہر نہ کرو اور کسی سے بھی مطمئن نہ ہوا الا یہ کہ کوئی تمہارے دین پر ہو اس سے دل کی بات کہہ دو اور اس پر اعتماد بھی کر لو۔

ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے

قُلۡ اِنَّ الۡهُدٰى هُدَى اللّٰهِ:...... اے محمد! یہود سے کہہ دیجیے ہدایت تمہارے ہاتھوں میں تو نہیں، ہدایت تو حقیقت میں اللہ کی ہدایت ہے، اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے دولت ایمان سے سرفراز فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے ایمان پر ثابت قدم رکھتا ہے، جیسا کہ اللہ نے مؤمنین کو ہدایت بخشی ہے یہ جملہ معترضہ ہے، اس کے بعد یہود کا بقیہ کلام ذکر کیا ہے۔ اَنۡ يُّؤۡتٰۤى اَحَدٌ مِّثۡلَ مَاۤ اُوۡتِيۡتُمۡ اَوۡ يُحَآجُّوۡكُمۡ عِنۡدَ رَبِّكُمۡ: یعنی یہود! ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ صرف اسی کی تصدیق کرو جو تمہارے دین کی اتباع کرتا ہو، مدعی نبوت کو بھی دیکھو اگر وہ تمہارے دین کی اتباع کرتا ہو تو اس کی تصدیق کرو ورنہ اس کی تکذیب کر دو۔ کسی کی نبوت کا اقرار اور اعتراف مت کرو الا یہ کہ جب اس کا تمہارے دین پر ہونا ثابت ہو جائے، کیوں کہ یہ اندیشہ ہے کہ جو کچھ (نبوت) تمہیں دیا گیا ہے اس کی مثل کسی اور کو مل جائے اور اس اندیشے کی وجہ سے کہ مسلمان تمہارے رب کے پاس مباحثہ کے ذریعے تمہارے اوپر غلبہ نہ حاصل کر لیں، چنانچہ جب تم محمد کی نبوت کا اقرار کرو گے اور اس کے دین میں داخل نہیں ہو گے تو قیامت کے دن محمد کو تمہارے اوپر حجت حاصل ہو جائے گی ان کا مقصد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا انکار کرنا ہے۔

قُلۡ اِنَّ الۡفَضۡلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ: اے محمد! اہل کتاب سے کہہ دیجیے: عطائے نبوت کا اختیار تمہیں نہیں سونپا گیا، وہ تو اللہ کے دست قدرت میں ہے، خیر و فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے عطا فرما دے۔ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ: اللہ بہت زیادہ عطا کرنے والا ہے اور وسیع پیمانے پر نوازنے والا ہے وہ خوب جانتا ہے فضل و عطا کا کون اہل ہے۔ يَّخۡتَصُّ بِرَحۡمَتِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ: وہ امر نبوت سے جس کو چاہتا ہے خاص طور پر منتخب فرماتا ہے۔ وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ: اللہ کا فضل بہت وسیع اور عظیم ہے اس کی کوئی حد نہیں۔

---

[1] مختصر ابن کثیر ۱/۲۹۱

بلاغت :......ان آیات میں فصاحت وبلاغت کے بے شمار پہلو نمایاں ہیں چنانچہ اِلٰی کَلِمَةٍ: میں مجاز ہے چوں کہ واحد کا اطلاق جمع پر کیا گیا ہے۔ اَرْبَابًا: میں تشبیہ ہے چوں کہ رؤسائے دین کی اطاعت کو رب تعالیٰ کے حلال وحرام کرنے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ: میں صنعت طباق ہے۔ یُضِلُّوْنَكُمْ ۚ وَمَا یُضِلُّوْنَ: میں تجنیس تام ہے۔ اُوْلٰی اور ولی میں تجنیس اشتقاق ہے، اس کے علاوہ بہت سارے مقامات میں تکرار اور حذف کے صنائع نمایاں ہیں۔

فائدہ:......رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل شاہ روم کو خط لکھ کر دعوت اسلام دی اور بطور استشہاد آیت نمبر ۶۴ لکھی جس میں اخلاص کے ساتھ صرف اللہ کی عبادت کی دعوت دی گئی ہے، خط کا متن جیسا کہ صحیح مسلم میں مروی ہے حسب ذیل ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

یہ خط ہے محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی طرف سے ہرقل کی جانب جو روم کا بڑا شخص ہے، اس شخص کو سلام ہو جو ہدایت پر چلے۔

امابعد! میں تجھ کو دعوت دیتا ہوں اس کلمہ کی جو اسلام کی طرف لانے والا ہے، یعنی کلمۂ طیبہ کی، اسلام لے آ، سلامتی میں رہو گے اور اللہ تعالیٰ دہرا اجر عطا فرمائے گا جیسا کہ اہل کتاب سے حق تعالیٰ کا وعدہ ہے، اگر تم نے اسلام سے روگردانی کی تو تمام رعایا کے اسلام قبول نہ کرنے کا گناہ تجھ پر ہوگا:

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ [1]

یہود کی خیانت مالی اور خیانت دینی

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۷﴾ وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّىْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾

ع ۱۶

[1] صحیح البخاری ومسلم

ترجمہ:......اور اہلِ کتاب میں بعض ایسے ہیں کہ اُن کے پاس اگر بہت زیادہ مال امانت رکھ دو گے تو وہ تمہاری طرف ادا کر دیں گے اور اُن میں ایسے ہیں کہ اگر تم اُن کے پاس ایک دینار امانت رکھ دو گے تو وہ تمہاری طرف ادا نہیں کریں گے مگر یہ کہ تم برابر سر پر کھڑے رہو یہ اس لیے کہ انہوں نے کہا کہ اَن پڑھوں کے بارے میں ہم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے اور وہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں، ﴿۷۵﴾ ہاں جس نے اپنے عہد کو پورا کیا اور تقویٰ اختیار کیا تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ متقیوں کو دوست رکھتا ہے۔ ﴿۷۶﴾ بے شک اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے مقابلہ میں جو لوگ حقیر معاوضہ لیتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور نہ اُن سے اللہ تعالیٰ کلام فرمائے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نظر فرمائے گا اور نہ اُن کو پاک فرمائے گا اور اُن کے لیے عذاب ہے دردناک۔ ﴿۷۷﴾ اور بلاشبہ اُن میں ایک گروہ ایسا ہے جو اپنی زبانوں کو موڑ کر کتاب بیان کرتا ہے تا کہ تم اُس کو کتاب سے سمجھو حالانکہ وہ کتاب سے نہیں ہے، اور وہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے پاس سے ہے حالانکہ وہ اللہ کے پاس سے نہیں ہے، اور وہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں۔ ﴿۷۸﴾ کسی بشر سے یہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ اُسے کتاب، حکمت اور نبوت عطا فرمائے پھر وہ لوگوں سے یوں کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ، اور لیکن وہ یہ کہے گا کہ تم اللہ والے ہو جاؤ اس وجہ سے کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور اس وجہ سے کہ تم پڑھتے ہو۔ ﴿۷۹﴾ اور وہ تمہیں یہ حکم نہیں دے گا کہ تم فرشتوں کو اور نبیوں کو رب بنالو، کیا وہ تم کو کفر کا حکم دے گا بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو۔ ﴿۸۰﴾

ربط وتعارف:......قبل ازیں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے قبائح، خباثتوں اور مکروفریب کو بیان کیا، اب اس کے بعد یہود کے ایک خاص وصف خیانت کو بیان کیا جارہا ہے، وہ دونوں اقسام کی خیانت مالی خیانت اور دینی خیانت کے مرتکب تھے چنانچہ کلام اللہ میں تحریف کر کے اللہ کے ساتھ خیانت کرتے اور لوگوں کا مال باطل طریقے سے اپنے لیے حلال کر کے لوگوں کے ساتھ مالی خیانت کرتے۔

لغات:...... قِنْطَارٍ: مال کثیر، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ قَآئِمًا: ساتھ لازم رہنا اور مطالبہ میں پیش پیش رہنا۔ الْاُمِّيّٖنَ: مراد عرب ہیں امّی کا لفظی معنی جو لکھ سکتا ہو اور نہ ہی پڑھ سکتا ہو عرب لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ يَلْوٗنَ: اللّی سے (لفیف مقرون صیغہ جمع مذکر غائب) بمعنی لپیٹنا، بٹنا، مقولہ ہے۔ لویت یدہ یعنی میں نے اس کا ہاتھ موڑ دیا، یعنی اہل کتاب اپنی زبانوں کو موڑ لیتے ہیں تا کہ نازل کردہ آیات سے محرف عبارات کی طرف مائل ہو جائیں۔ لَا خَلَاقَ: یعنی اللہ کی رحمت سے انہیں کچھ حصہ نہیں ملے گا۔ رَبّٰنِيّٖنَ: ربانی کی جمع ہے، رب کی طرف منسوب، طبری کہتے ہیں حکما اور علما ہو جاؤ۔[1]

سبب نزول:......اشعث بن قیس کی روایت ہے کہ میرے اور ایک یہودی کے درمیان زمین کا ایک ٹکڑا مشترک تھا، یہودی نے میرے حصے سے انکار کر دیا، میں یہودی کو لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: کیا تمہارے پاس گواہ ہیں؟ میں نے عرض کیا: نہیں۔ آپ نے یہودی سے فرمایا: قسم اٹھاؤ۔ میں نے عرض کیا: یہ تو قسم (جھوٹی) اٹھا کر میرے حصے کو بھی ہڑپ کر جائے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۷﴾[2]

یہود کی خیانت، ہٹ دھرمی اور زعم باطل

تفسیر: وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ:[3] ...... یہودیوں میں سے بعض ایسے لوگ بھی ہیں کہ اگر تم ان کے پاس مال کثیر بطور امانت رکھو تو وہ سارا مال واپس لوٹا دیں گے جیسے عبداللہ بن سلام، چنانچہ ایک قریشی نے ان کے پاس ایک ہزار اوقیہ سونا رکھا، عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے پورا مال جوں کا توں واپس کر دیا۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ: بعض یہود ایسے ہیں کہ ان کے اوپر ایک دینار کا بھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا چوں کہ وہ نہایت خائن ہیں۔ جیسے فنحاص بن عازوراء، چنانچہ ایک قریشی نے اس کے پاس ایک دینار بطور امانت رکھا اس

---

[1] الطبری ۶/ ۵۴۰ [2] القرطبی ۴/ ۱۲۰ [3] من برائے تقلیل ہے، تَاْمَنْهُ اور يُؤَدِّهٖ مضارع مجزوم بوجہ شرط وجزا ہونے کے ہے۔

نے واپس لوٹانے سے انکار کر دیا۔ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا: [1] الا یہ کہ تم اس کے ساتھ چمٹے رہو اور اس کے پاس موجود رہو اور مطالبہ کرتے رہو۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ: خیانت پر ان کو زعم باطل نے ابھار رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امیوں (عرب) کے اموال ہمارے لیے مباح کر دیے ہیں، روایت میں ہے کہ یہود کہا کرتے: نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ: یعنی ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں، ساری مخلوق ہماری غلام ہے، جب ہم اپنے غلاموں کا مال کھاتے ہیں تو ہمارے اوپر کسی کا اختیار باقی نہیں رہتا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہود کہتے: دین میں جو شخص ہمارا مخالف ہو اللہ نے اس کا مال ہمارے لیے مباح کر دیا ہے۔ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ: یہود مذکور بالا زعم باطل کا دعویٰ کرنے میں اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں حالاں کہ انہیں بھی اپنے جھوٹے ہونے کا علم ہے۔ روایت میں ہے کہ جب یہود نے کہا۔ لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ کے دشمنوں نے جھوٹ بولا ہے، چنانچہ جاہلیت میں جو چیز بھی تھی وہ میرے قدموں تلے ہے (یعنی اس پر مجھے پورا اختیار حاصل ہے) ہاں البتہ امانت نیک و بد کو واپس لوٹائی جاتی ہے۔ [2] بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ: یعنی حقیقت ایسے نہیں جیسے ان کا گمان ہے، بلکہ اس میں انہیں گناہ ہوگا، ہاں البتہ یہود میں سے جو شخص امانت ادا کر دے اور محمد ﷺ پر ایمان لائے، تقویٰ اختیار کرے اور محارم سے اجتناب کرے تو اللہ اس سے محبت کرے گا اور اسے عزت و شرف عطا فرمائے گا۔

دین و ایمان کا سودا کرنے والوں کے لیے آخرت میں رسوائی

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا:...... جو لوگ اللہ سے کیے ہوئے عہد کہ وہ محمد ﷺ کی تصدیق کریں گے اور اپنی جھوٹی قسموں کے بدلے میں دنیا کا حقیر اور معمولی سامتاع حاصل کرتے ہیں۔ اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ: [3] یعنی آخرت میں اللہ کی رحمت سے ان کا کچھ حصہ نہیں ہوگا۔ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ: یعنی اللہ ان سے لطف و کرم کا کلام نہیں کرے گا اور نہ ہی قیامت کے دن رحمت کی نظر سے ان کی طرف دیکھے گا۔ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ: یعنی اللہ انہیں گناہوں کی گندگی سے پاک نہیں کرے گا اور انہیں ارتکاب معاصی کی وجہ سے سخت عذاب ہوگا۔

یہود کی کلام اللہ میں تحریف

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ:...... یہودیوں کی ایک جماعت ایسی ہے کتاب [4] کی تلاوت کے وقت اپنی زبانوں کو مروڑتے ہیں تا کہ کتاب کے معانی میں تحریف کر دیں اور کلام اللہ کی مراد تبدیل کر دیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: کلام اللہ کی تاویل میں ایسی تحریف کرتے کہ مراد بدل جاتی۔ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ: تا کہ تم لوگ اس تحریف شدہ کلام کو کلام اللہ سمجھو، یہ تو گمراہی کا اقدام ہے اور صریح بہتان ہے۔ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ: اور وہ تحریف شدہ کلام کو اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں حالاں کہ وہ اللہ پر صریح جھوٹ بولتے ہیں۔ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ: انہیں اپنے جھوٹ بولنے اور اللہ پر افترا پردازی کا علم ہے۔

عیسائیوں کے قول کی تردید

اس کے بعد عیسائیوں پر رد کیا گیا چوں کہ عیسائی اس بات کے بھی دعویدار تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں اپنی عبادت کرنے کا حکم دیا ہے۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ: انسانوں میں سے جس کسی کو اللہ نے کتاب، حکمت اور نبوت عطا کی ہو اس کے لیے صحیح اور مناسب نہیں۔ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ: کہ وہ لوگوں سے کہتا ہو کہ اللہ کو چھوڑ کر میری عبادت کرو۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ: بشر ہ تحت النفی، واقع ہوا ہے، جو عموم کا فائدہ دے رہا ہے، مقصد یہ ہے کہ سرے سے صحیح ہی نہیں اور عقلاً اس کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا کہ کسی نبی جسے نبوت

---

[1] قائما فعل ناقص مَادُمْتَ کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ [2] القرطبی ۴/ ۱۱۹ [3] لا، لائے نفی جنس ہے یعنی آخرت میں معمولی حصہ بھی نہیں ہوگا۔ [4] کتاب سے مراد تورات ہے۔

اور شریعت عطا کی گئی ہو سے الوہیت کا دعویٰ سرزد ہو، چوں کہ رسول اللہ اور مخلوق کے درمیان سفیر ہوتا ہے تا کہ لوگوں کو اللہ کی عبادت کی طرف راہنمائی کرے بھلا کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ لوگوں کو اپنی عبادت کرنے کی دعوت دے۔

وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ : لیکن پیغمبر تو لوگوں سے کہتا ہے ربانی (اللہ والے) ہو جاؤ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: حکما علما اور حلما بن جاؤ، معنی یہ ہوا کہ میں تمہیں یہ دعوت نہیں دیتا کہ تم میرے بندے بن جاؤ بلکہ میں تمہیں اس امر کی دعوت دیتا ہوں کہ علماء فقہاء اور اللہ کے فرماں بردار بندے بن جاؤ۔ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ: [1] کیوں کہ جس کتاب کی لوگوں کو تعلیم دیتے ہو اور جو کتاب تم پڑھتے ہو اس کا یہی اثر ہونا چاہیے۔

وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا: اور اسے یہ اختیار بھی نہیں کہ وہ تمہیں غیر اللہ یعنی فرشتوں اور انبیا کی عبادت کی دعوت دے، کیوں کہ انبیاء کی بعثت کا اہم مقصد دعوت اللہ ہے اور لوگوں کو اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کی دعوت دینا ہے۔

اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ: کیا تمہیں تمہارا نبی کفر اور توحید کے انکار کا حکم دے سکتا ہے، اس کے بعد کہ تم اسلام لے آئے اور اللہ کے دین میں داخل ہو چکے؟ آیت میں استفہام انکاری ہے، یعنی کوئی نبی ایسا نہیں کرتا۔

بلاغت:...... ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا:۔ بعید کا اشارہ ان کے شر و فساد میں کمال غلو کی غمازی کرتا ہے۔

لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ: اس میں ایجاز ہے تقدیری عبارت یوں ہے۔ لَيْسَ عَلَيْنَا فِي اکل اموال الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ یہاں بھی نکرہ تحت النفی واقع ہوا ہے جو عموم کا فائدہ دے رہا ہے۔ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ: اس میں استعارہ ہے لفظ "شراء" کو استبدال کے لیے مستعار لیا ہے۔

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ: اللہ کے شدید غصّے سے مجاز ہے، بعد والے فقرے میں بھی یہی پہلو نمایاں ہے۔ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ: زمخشری کہتے ہیں۔ اس کلام سے کفار کی تحقیر و اہانت کو مجازاً بیان کیا گیا ہے۔ کیوں کہ جو شخص حد سے تجاوز کرتا ہے اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور دونوں آنکھوں سے اسے دیکھتا ہے۔ اتَّقٰى: اور الْمُتَّقِيْنَ: کے درمیان تجنیس اشتقاق ہے جب کہ اَلْكُفْر اور مُّسْلِمُوْنَ: میں صنعت طباق ہے۔

فائدہ:...... روایت میں ہے کہ ایک شخص نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: ہم جہاد کے دوران اہل ذمہ کے اموال سے مرغیاں اور بکریاں پاتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تم کیا کہتے ہو؟ ہم کہتے ہیں کہ ہمارے لیے اس میں کوئی حرج نہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ تو ایسا ہی ہے جیسے اہل کتاب نے کہا تھا: لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ جب اہل ذمہ تمہیں جزیہ دے رہے ہیں ان کا مال تمہارے لیے حلال نہیں الا یہ کہ وہ دلی رضا مندی سے تمہیں دے دیں۔ (ابن کثیر)

انبیائے کرام علیہم السلام سے پختہ عہد

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ

[1] ما مصدر یہ ہے، جار مجرور متعلق ہیں كُوْنُوْا کے

وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۠ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۣ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۹۱﴾

ترجمہ:......اور جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ میں جو کچھ بھی تم کو کتاب اور حکمت عطا کروں پھر آ جائے تمہارے پاس رسول جو تصدیق کرنے والا ہو اس چیز کی جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اس پر ایمان لاؤ گے اور ضرور ضرور اس کی مدد کرو گے، فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور تم نے اس پر میرا مضبوط عہد قبول کر لیا؟ انہوں نے کہا کہ ہاں ہم نے اقرار کر لیا، فرمایا سو تم گواہ رہو اور میں تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔ ﴿۸۱﴾ پھر جو شخص اس کے بعد روگردانی کرے گا سو یہی لوگ نافرمان ہیں۔ ﴿۸۲﴾ کیا اللہ کے دین کے علاوہ کوئی دین تلاش کرتے ہیں، حالانکہ وہ سب اس کے فرمانبردار ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں خوشی سے اور مجبوری سے، اور اُسی کی طرف سب واپس ہوں گے۔ ﴿۸۳﴾ آپ فرما دیجیے کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو کچھ نازل کیا گیا ہم پر اور اُس پر جو نازل کیا گیا ابراہیم پر اور اسماعیل پر اور اسحٰق پر اور یعقوب پر اور اُن کی اولاد پر اور اُس پر جو عطا کیا گیا موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور تمام نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے، ہم اُن میں سے کسی کے درمیان بھی تفریق نہیں کرتے اور ہم اس کے لیے فرمانبردار ہیں۔ ﴿۸۴﴾ اور جو کوئی شخص اسلام کے علاوہ کسی دین کو طلب کرے گا تو ہرگز اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا۔ ﴿۸۵﴾ اللہ کیوں کر ہدایت دے اس قوم کو جنہوں نے اپنے ایمان کے بعد کفر اختیار کر لیا۔ حالانکہ وہ گواہی دے چکے تھے کہ بلاشبہ رسول حق ہے اور اُنکے پاس واضح دلائل بھی آ گئے، اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ﴿۸۶﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کی سزا یہ ہے کہ اُن پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی۔ ﴿۸۷﴾ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، اُن سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا اور نہ اُن کو مہلت دی جائے گی، ﴿۸۸﴾ سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح کر لی تو بے شک اللہ غفور ہے رحیم ہے۔ ﴿۸۹﴾ بیشک جن لوگوں نے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا پھر کفر میں بڑھتے رہے ہرگز اُن کی توبہ قبول نہ ہوگی اور یہ لوگ پکے گمراہ ہیں۔ ﴿۹۰﴾ بیشک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور وہ اس حال میں مر گئے کہ وہ کافر تھے تو اُن میں سے کسی سے زمین بھر کر بھی سونا قبول نہ کیا جائے گا، اگرچہ وہ اپنی جان کے بدلہ میں دینا چاہے، یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے اور ان کے لیے کوئی مددگار نہ ہوگا۔ ﴿۹۱﴾

ربط وتعارف:......اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی خیانت کا ذکر کیا ہے کہ وہ کلام اللہ میں تحریف کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے اوصاف جو ان کی کتب میں مذکور ہیں کو تبدیل کرتے ہیں اور ان پر ایمان نہیں رکھتے، اب اللہ تعالیٰ نے ایسا مدلل مؤقف ذکر کر دیا ہے۔ جو اہل کتاب پر حجت ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انبیا علیہم السلام سے پختہ عہد لے رکھا تھا کہ اگر وہ محمد ﷺ کو پائیں تو ان پر ضرور ایمان لائیں اور ان کے مددگار و معاون بنیں۔ چنانچہ انبیا سے محمد ﷺ پر ایمان لانے کا عہد لیا گیا بھلا ان کے متبعین سے محمد ﷺ کی رسالت کی تکذیب کیوں کر ہو۔

پھر ایک اصول ذکر کر دیا کہ صحت ایمان کے لیے سب ہی رسولوں پر ایمان لانا شرط ہے، اس ضمن میں تفریعاً فرمادیا کہ اسلام ہی دین برحق ہے اللہ تعالیٰ اس کے سوا کسی اور دین کو قبول ہی نہیں کرے گا۔

لغات: مِيْثَاقَ: ......ایسا پختہ عہد جو قسم وغیرہ کے ساتھ مؤکد کیا گیا ہو اَصْرِ مضاف ہے یا ضمیر مجرور متکلم کی طرف، اصل میں ثقل اور بوجھ کو اَصْر کہا جاتا ہے، زمخشری کہتے ہیں: چوں کہ جس سے عہد لیا جاتا ہے وہ بوجھ تلے دب جاتا ہے۔[1] الْفٰسِقُوْنَ: اللہ کی اطاعت سے نکل جانے والے۔ طَوْعًا: رغبت سے سر تسلیم خم ہونا۔ انقیاد۔ كَرْهًا: جبر و زبردستی الْاَسْبَاطِ: سبط کی جمع ہے، بمعنی پوتا، یہاں بنی اسرائیل کے قبائل مراد ہیں يُنْظَرُوْنَ: مہلت دینا، انظار سے ماخوذ ہے نظرۃ مہلت۔ الْخٰسِرُوْنَ: خسران (خسارہ) اصل سرمایہ میں کمی اور نقص آ جانا۔ الضَّآلُّوْنَ: کفریہ سرگرمیوں میں منہمک ہونے والے۔

شانِ نزول: ......ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ انصار کا ایک شخص مرتد ہو گیا اور مشرکین کے ساتھ جا ملا، کچھ ہی دنوں کے بعد اسے ندامت ہوئی، اس نے اپنی قوم کو پیغام بھیجا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھو، کیا میرے لیے توبہ کی گنجائش ہے؟ مجھے اپنے اقدام پر سخت ندامت ہو رہی ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

چنانچہ اس کی قوم نے اسے جواباً خط لکھا وہ واپس آیا اور اسلام قبول کر لیا۔[2]

تفسیر: وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ:[3] ......اے اہل کتاب! اس وقت کو یاد کرو جب اللہ نے نبیوں سے پختہ عہد لیا۔ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ: اس وجہ سے کہ میں تمہیں جو کتاب اور حکمت عطا کروں۔ طبری کہتے ہیں۔ اس کا معنی ہے! اے انبیاء! اگر میں تمہیں کتاب وحکمت دوں۔[4] ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ: پھر تمہارے پاس میری طرف سے بھیجا ہوا پیغمبر آئے وہ کتاب لے کر آئے جو تمہارے پاس موجود پہلی کتابوں کی تصدیق کرے اور وہ پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ: تم ضرور اس کی تصدیق کرو گے اور ضرور اس کی مدد کرو گے ابن عباس کہتے ہیں: اللہ جو نبی بھی بھیجا اس سے عہد لیتا کہ اگر اس کی زندگی میں محمد مبعوث ہو جائے تو وہ ضرور اس پر ایمان لائے اور اور ضرور اس کی مدد کرے، یہی پختہ عہد ہر نبی کی امت پر بھی عائد ہوتا ہے۔ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰي ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ: کیا تم اس پختہ عہد کا اقرار اور اعتراف کرتے ہو اور اس مضمون پر میرا عہد اور حکم قبول کرتے ہو؟ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا: انبیاء علیہم السلام نے کہا: ہم نے اعتراف کیا۔ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ: فرمایا: اپنے آپ پر گواہ بن جاؤ اور اپنے متبعین پر بھی، میں بھی تمہارے اوپر اور تمہارے متبعین پر گواہ ہوں۔ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ: سو جس نے اعراض کیا اور عہد توڑ ڈالا۔ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ: سو وہ طاعت خدائے تعالیٰ سے نکلے ہوئے ہیں۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ: ......ہمزہ برائے انکار توبیخی ہے یعنی کیا اہل کتاب اللہ کے دین اسلام کے علاوہ کسی اور دین کی تلاش میں ہیں جب کہ اللہ نے یہی دین اپنے رسولوں کو دے کر بھیجا ہے۔ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: اہل آسمان اور اہل زمین نے اللہ کے آگے سر جھکا دیا ہے اور منقاد ہیں۔ طَوْعًا وَّكَرْهًا: خوشی سے اور مجبور ہو کر، قتادہ کہتے ہیں: مؤمن خوشی سے اسلام قبول کرتا ہے اور کافر زبردستی مجبوراً منقاد ہے جب کہ اس کا انقیاد اسے نفع نہیں پہنچائے گا، ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: مؤمن دلی رضامندی سے سر تسلیم خم ہے جب کہ کافر مجبوراً منقاد ہے۔ چنانچہ وہ اللہ کی تسخیر، قہر، سلطنت اور قدرت کے ماتحت ہے وہ اس کی مخالفت نہیں کر سکتا۔[5] وَاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ: قیامت کے دن سبھی کو اللہ کے پاس لوٹایا جائے گا اللہ ان کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا۔

---

[1] الکشاف ۱/ ۲۹۰ [2] اخرجہ النسائی بحوالہ القرطبی ۴/ ۱۲۹ [3] اَخَذَ مہموز الفاء متعدی بدو مفعول ہے۔ [4] لما میں ما مصدریہ، موصولہ اور شرطیہ اور توطیہ برائے قسم تینوں احتمال ہو سکتے ہیں۔ اگر ما توطیہ قسم کے لیے ہو تو لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ الخ جواب قسم ہے زمخشری نے اسی کو ترجیح دی ہے اگر شرطیہ ہو تو لتؤمنن جواب شرط کے قائم مقام ہے۔ [5] الطبری ۶/ ۵۶۷ مختصر ابن کثیر ۱/ ۲۹۷

امت محمد یہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمام انبیائے کرام علیہم السلام، آسمانی کتابوں اور صحائف پر ایمان

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا: ......اے محمد! کہہ دیجیے کہ میں اور میری امت اللہ پر اور قرآن مجید جو ہمارے اوپر نازل کیا گیا ہے پر ایمان لائی ہے۔ وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ: یعنی ہم انبیا کرام پر نازل شدہ صحیفوں اور وحی پر ایمان لائے ہیں، اَلْاَسْبَاطِ۔ سبط کی جمع ہے اس سے مراد یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے پروان چڑھنے والے بنی اسرائیل کے قبیلے ہیں۔ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى: یعنی موسیٰ کو تورات اور عیسیٰ کو انجیل دی گئی ہم ان پر بھی ایمان لائے۔ وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ: اور تمام انبیا پر جو کچھ نازل ہوا ہم اس پر بھی ایمان لائے۔ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ: یعنی ہم ایسا نہیں کرتے کہ ان میں سے بعض پر ایمان لائیں اور بعض کا انکار کر دیں جیسا کہ یہود ونصاریٰ کرتے ہیں، بلکہ ہم سب پر ایمان لائے۔ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ: یعنی ہم خالص اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اس کی الوہیت اور ربوبیت کا اقرار کرتے ہیں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان کر دیا کہ اسلام کے علاوہ کوئی بھی دین ہو وہ باطل ہے اور ناقابل التفات ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا: وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ:[1] جس شخص نے شریعت اسلام کے علاوہ کوئی اور شریعت اختیار کی جبکہ شریعت اسلام کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھیج دیے گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کی اختیار کردہ شریعت کو ہرگز قبول نہیں کرے گا۔ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ: چوں کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رہے گا اس لیے آخرت میں خسارہ پانے والا ہوگا۔ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ: استفہام برائے تعجب ہے گویا ایسے لوگوں کے کفر پر تعجب کیا جا رہا ہے، یعنی جو قوم ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرے اللہ اس قوم کو کیسے ہدایت دے گا کیوں کہ وہ قوم ہدایت کی مستحق ہی نہیں۔ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ: یعنی ان کے پاس شواہد آچکے اور حق واضح ہو چکا کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اس کے بعد بھی ایسا کرے تو وہ ہدایت کے مستحق نہیں۔ جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ: یعنی ان کے پاس معجزات لائے گئے واضح حجتیں لائی گئیں جو نبی کی سچائی پر دلالت کرتی ہیں۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ: یعنی اللہ انہیں راہ سعادت کی توفیق نہیں دیتا۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: جب یہود ونصاریٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ صفات دیکھ لیں جو ان کی کتب میں بیان کی گئی تھیں اور انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برحق ہونے کے شواہد بھی مل گئے تو وہ عرب پر حسد کرنے لگے کہ نبی آخر الزماں عرب میں سے کیوں مبعوث ہوئے ان میں سے کیوں مبعوث نہیں ہوئے بالآخر ان کا حسد کفر وجحود پر منتج ہوا۔

اہل کفر پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت

اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ: ......یعنی ان کے کفر کا بدلہ یہی ہے کہ ان پر اللہ کی لعنت ہو، فرشتوں کی لعنت ہو اور ساری مخلوقات کی لعنت ہو۔ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ: یعنی یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے، ان سے لمحہ بھر کے لیے بھی عذاب نہیں ہٹایا جائے گا اور نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی۔ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا: ہاں البتہ جس نے توبہ کر لی، سچے دل سے رجوع کر لیا اور اپنے فاسد اعمال کی اصلاح کر لی۔ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ: یعنی اللہ اس پر رحمت وبخشش کا فضل کرے گا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا: یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے اولاً موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا پھر عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کر کے کفر کیا پھر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کا انکار کر کے ان کے کفر میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔ لَنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ: جب تک وہ کفر پر برقرار رہیں گے ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی۔ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ: یعنی یہ لوگ راہ حق سے نکل کر گمراہی کے راستے پر چلے گئے ہیں، اس کے بعد حالت کفر پر مرجانے والے کا بیان ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ: یعنی جن لوگوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا پھر کفر پر رہتے ہوئے مر گئے، مرنے سے پہلے انہوں نے کفر سے توبہ نہیں کی، یہی حکم سب کفار کے متعلق ہے۔

---

[1] من شرطیہ ہے فلن یقبل منہ جواب شرط ہے، جواب شرط فعل مضارع بلن ہے اس لیے جواب پر فاء جزائیہ لایا گیا ہے۔

فَلَنۡ يُّقۡبَلَ مِنۡ اَحَدِهِمۡ مِّلۡءُ الۡاَرۡضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افۡتَدٰى بِهٖ: ......یعنی ان میں سے کسی ایک سے بھی فدیہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اگر چہ وہ جان چھڑائی کے لیے بھری زمین کے برابر فدیہ میں سونا دے ڈالے۔ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ: ان لوگوں کو دردناک عذاب ہوگا۔

وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِيۡنَ: یعنی کسی کے اختیار میں نہیں کہ انہیں اللہ کے عذاب سے چھٹکارا دلا سکے یا عذاب کی دردناکی سے پناہ دے سکے۔

بلاغت: ......لَمَاۤ اٰتَيۡتُكُمۡ: اس میں غیبوبت سے خطاب کی طرف التفات ہے چوں کہ پہلے مِيۡثَاقَ النَّبِيّٖنَ: ہے۔[1]

اِشۡهَدُوۡا: اور الشّٰهِدِيۡنَ: کے درمیان تجنیس اشتقاق ہے اسی طرح كَفَرُوۡا: اور كُفۡرًا: میں بھی۔ طَوۡعًا وَّكَرۡهًا: میں صنعت تضاد ہے۔ اسی طرح کفر اور ایمان میں بھی تضاد ہے۔ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوۡنَ: یہ ترکیب قصر صفت علی الموصوف کے باب سے ہے یعنی صفت کو موصوف پر بند کیا گیا ہے، معنی ہوگا بس یہی گمراہ ہیں۔ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ: بھی اسی باب سے ہے۔[2] وَمَاۤ اُوۡتِىَ مُوۡسٰى وَعِيۡسٰى وَالنَّبِيُّوۡنَ: یہ ترکیب عطف العام علی الخاص کے قبیل میں سے ہے۔ کیوں کہ النَّبِيُّوۡنَ عام ہے اور معطوف علیہ خاص ہے۔

وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ: اَلِيۡمٌ بروزن فَعِيۡلٌ بمعنی مؤلِم بروزن مفعل ہے تاہم مبالغہ کے لیے مؤلِم سے اَلِيۡمٌ کی طرف عدول کیا گیا ہے۔

فائدہ: ......مذکورہ بالا آیات میں کفار کی تین اقسام بیان کی گئی ہیں:

① ......کفار کی ایک قسم یہ ہے کہ ایسے کفار جو کفر سے سچی توبہ کر لیں اور توبہ انہیں نفع بھی پہنچائے چنانچہ اِلَّا الَّذِيۡنَ تَابُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ سے اسی قسم کی طرف اشارہ ہے۔

② ......وہ کفار جو توبہ تو کرتے ہیں لیکن ان کی توبہ فاسد ہوتی ہے جو کوئی نفع نہیں پہنچاتی چنانچہ كَفَرُوۡا بَعۡدَ اِيۡمَانِهِمۡ ثُمَّ ازۡدَادُوۡا كُفۡرًا سے انہی کی طرف اشارہ ہے۔

③ ......وہ کفار جو سرے سے توبہ ہی نہیں کرتے اور حالت کفر پر ہی انہیں موت آ جاتی ہے۔ اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَمَاتُوۡا وَهُمۡ كُفَّارٌ: سے انہی کی طرف اشارہ ہے۔

تنبیہ: ......شیخین نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ایک دوزخی سے کہا جائے گا: ذرا بتاؤ زمین پر جو کچھ بھی ہے وہ اگر تمہاری ملکیت میں ہوا سے فدیہ میں دے کر اپنی جان چھڑانے کو تیار ہو؟ وہ کہے گا: جی ہاں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے تو دنیا میں تجھ سے نہایت ادنیٰ مطالبہ کیا تھا، میں نے تو تیرے باپ آدم کی جملہ اولاد سے عہد لیا تھا ان میں تو بھی شامل تھا، کہ میرے ساتھ شریک نہیں ٹھہراؤ گے، تاہم تو نے انکار کر دیا اور میرے ساتھ شریک ٹھہرایا۔

(تیسرے پارہ کی تفسیر ختم ہوئی۔ والحمد للہ علی ذلك)

---

[1] النبیین اسم ظاہر ہے، باب التفات میں اسمائے ظواہر غائب کے حکم میں ہوتے ہیں۔ [2] قصر الصفة علی الموصوف تخصیص کا فائدہ دیتا ہے۔

پارہ نمبر ۴......لَنۡ تَنَالُوا

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَىۡءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ ﴿۹۲﴾ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسۡرَآءِيۡلُ عَلٰى نَفۡسِهٖ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تُنَزَّلَ التَّوۡرٰٮةُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِالتَّوۡرٰٮةِ فَاتۡلُوۡهَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۹۴﴾ قُلۡ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوۡا مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ حَنِيۡفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ اَوَّلَ بَيۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىۡ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلۡعٰلَمِيۡنَ‌ ۚ‏ ﴿۹۶﴾ فِيۡهِ اٰيٰتٌ ۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰهِيۡمَۚ وَمَنۡ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الۡبَيۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَيۡهِ سَبِيۡلًا ؕ وَمَنۡ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۹۷﴾ قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ‌ۖ وَاللّٰهُ شَهِيۡدٌ عَلٰى مَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۸﴾ قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ مَنۡ اٰمَنَ تَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا وَّاَنۡتُمۡ شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۹﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تُطِيۡعُوۡا فَرِيۡقًا مِّنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ يَرُدُّوۡكُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ كٰفِرِيۡنَ ﴿۱۰۰﴾ وَكَيۡفَ تَكۡفُرُوۡنَ وَاَنۡتُمۡ تُتۡلٰى عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيۡكُمۡ رَسُوۡلُهٗ ؕ وَمَنۡ يَّعۡتَصِمۡ بِاللّٰهِ فَقَدۡ هُدِىَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۱۰۱﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا ۚ وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ كُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا ۚ وَكُنۡتُمۡ عَلٰى شَفَا حُفۡرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنۡقَذَكُمۡ مِّنۡهَا ‌ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمۡ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۰۳﴾

ہرگز نہ پاؤ گے تم بھلائی کو یہاں تک کہ خرچ کرو اس چیز میں سے جس سے تم محبت کرتے ہو، اور جو بھی کوئی چیز خرچ کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والا ہے۔ ﴿۹۲﴾ سب کھانے حلال تھے بنی اسرائیل کے لیے سوائے اس کے جو اسرائیل نے اپنے اوپر حرام کر لیے تھے اس سے پہلے کہ تورات نازل ہو، آپ فرما دیجیے کہ تم تورات لے آؤ پھر اُس کو پڑھو اگر تم سچے ہو۔ ﴿۹۳﴾ پھر اس کے بعد جس شخص نے اللہ پر جھوٹا بہتان باندھا، سو وہی لوگ ہیں بڑے بے انصاف والے۔ ﴿۹۴﴾ آپ فرما دیجیے کہ اللہ نے سچ فرمایا لہٰذا تم ملت ابراہیم کا اتباع کرو جو باطل کو چھوڑ کر حق کو اختیار کرنے والے تھے اور مشرکین میں نہ تھے۔ ﴿۹۵﴾ بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے۔ جو برکت والا ہے اور لوگوں کے لیے ہدایت ہے۔ ﴿۹۶﴾ اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں، مقامِ ابراہیم ہے، اور جو اس میں داخل ہوگا امن والا ہوگا اور اللہ کے لیے لوگوں کے ذمے ہے اس گھر کا حج کرنا جسے طاقت ہو اس گھر تک راہ طے کر کے جانے کی، اور جو شخص منکر ہو سو اللہ بے نیاز ہے سارے جہانوں سے۔ ﴿۹۷﴾ آپ فرما دیجیے: اے اہلِ کتاب! تم کیوں کفر کرتے ہو اللہ کی آیات کے ساتھ حالانکہ اللہ کو تمہارے سب کاموں کی اطلاع ہے۔ ﴿۹۸﴾ آپ فرما دیجیے کہ اے اہلِ کتاب! تم کیوں روکتے ہو اللہ کی راہ سے اس شخص کو جو ایمان لائے، تم اس میں کجی تلاش کرتے ہو حالانکہ تم خود گواہ ہو، اور اللہ ان کاموں

وقف جبریل علیہ السلام
لازم

سے غافل نہیں ہے جو تم کرتے ہو۔ (۹۹) اے ایمان والو! اگر تم کہنا مانو گے ایک جماعت کا ان لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی تو وہ تمہارے ایمان کے بعد تمہیں واپس کافر بنادیں گے، (۱۰۰) اور تم کفر کیسے اختیار کر سکتے ہو حالانکہ تم پر اللہ کی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے اور تمہارے اندر اس کا رسول ﷺ موجود ہے، اور جو شخص اللہ کو مضبوط پکڑ لے سو اس کو سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دی گئی۔ (۱۰۱) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے اور ہرگز مت مرنا مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو، (۱۰۲) اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو، اور آپس میں متفرق نہ ہو، اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو تمہارے اوپر ہے جبکہ تم دشمن تھے، سو اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا فرمادی لہٰذا تم اس کی نعمت کی وجہ سے بھائی بھائی ہو گئے، اور تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے سو اللہ نے تم کو اس سے بچا دیا۔ اللہ ایسے ہی بیان فرماتا ہے تمہارے لیے اپنی آیات تا کہ تم ہدایت پر رہو۔ (۱۰۳)

ماقبل سے ربط وتعارف:...... اس سے قبل کفار کے احوال ومآل کو بیان کیا گیا، یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ اگر کافر بھری زمین کے برابر سونا فدیہ میں دے اسے کچھ فائدہ نہیں ہوگا اب بطور استطراد[1] ایسے امور بیان کیے جارہے ہیں جو اللہ کی رضامندی اور جنت کی کامیابی حاصل کرنے میں مؤمن کے لیے مدومعاون ہیں، اس کے بعد نبوت ورسالت پر اہل کتاب کے ظاہر کیے گئے شبہات کا دفعیہ کیا گیا ہے، پھر مسلمانوں کو ہوشیار رہنے کی تاکید کی گئی ہے تاکہ اسلام اور مسلمان اہل کتاب کی مکروہ چالبازیوں سے محفوظ رہیں اور مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد واتفاق رہے۔

لغات: اَلۡبِرَّ:...... ایک جامع کلمہ ہے اس میں خیر وبھلائی کی مختلف وجوہ شامل ہیں، یہاں اس سے مراد جنت ہے۔ حِلًّا: حلال، حِلًّا: مصدر ہے، صفت بن رہا ہے، اسی لیے اس میں واحد، جمع اور مذکر، مونث سب یکساں ہیں۔ اِسۡرَآءِيۡلَ: یعقوب علیہ السلام کا دوسرا نام (یا لقب) بِبَكَّةَ: مکہ کا نام ہے بکہ اور مکہ دونوں اسم مستعمل ہیں، وجہ تسمیہ ''لانها تبك'' چوں کہ مکہ ظالموں کی گردنیں کچل دیتا ہے۔ چنانچہ جس ظالم نے بھی مکہ کے متعلق برا ارادہ رکھا اللہ نے اسے تباہ کر دیا۔ مُبٰرَكًا: برکت سے ہے بمعنی خیر وبھلائی کا زیادہ ہونا۔ مَّقَامُ اِبۡرٰهِيۡمَ: ابراہیم علیہ السلام کے کھڑے ہونے کی جگہ، حقیقت میں وہ ایک پتھر تھا جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ تعمیر کرتے تھے۔ عِوَجًا: کجی، ابوعبید کہتے ہیں۔ یعنی کلام اور عمل کی کجی کو عوج بکسر العین کہا جاتا ہے۔ اور بفتح العین عوج دیوار اور شہتیر کی کجی کو کہا جاتا ہے۔ يَّعۡتَصِمۡ: پناہ لینا اور باز رہنا، منع اس کا اصلی معنی ہے۔ ابوعبید کہتے ہیں: کسی بھی چیز کا سہارا لینے والا معتصم (پناہ لینے والا) ہے اور جو بھی کسی چیز سے مانع ہو وہ عاصم ہے[2] اسی ہے۔ لَا عَاصِمَ الۡيَوۡمَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ: بچانے والا مراد ہے۔ شَفَا: ہر چیز کا کنارہ اسی سے ہے شَفَا حُفۡرَةٍ: گڑھے کا کنارہ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ: یعنی جہنم کے کنارے۔

شان نزول:...... ایک مرتبہ شاس بن قیس یہودی قبیلۂ اوس وخزرج کے انصار صحابہ کی ایک جماعت کے پاس سے گزرا، یہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیٹھے باتیں کر رہے تھے، ایسی شاندار جمعیت دیکھ کر حسد وغصے سے آگ بگولا ہو گیا، حالاں کہ زمانہ جاہلیت میں اوس وخزرج ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے، اس نے کہا: آخر ہم انہیں اتنے سکون اور قرار کے ساتھ اکٹھے کیوں رہنے دیں، پھر اس نے ایک نوجوان یہودی کو کہا کہ وہ انصار کی مجلس میں جا کر بیٹھے اور انہیں جنگ بعاث یاد دلائے اور اس جنگ میں کہے گئے رزمیہ اشعار پڑھے، جنگ بعاث میں اوس کو فتح یابی ہوئی تھی، چنانچہ یہودی نوجوان نے ایسا ہی کیا: دیکھتے ہی دیکھتے صحابہ ایک دوسرے پر فخر کرنے لگے اور غصہ بھڑک اٹھا، حتیٰ کہ اسلحہ لاؤ اسلحہ لاؤ کی آوازیں بلند ہو گئیں، اتنے میں نبی کریم ﷺ کو خبر ہوئی آپ مہاجرین وانصار کے ساتھ باہر تشریف لائے اور فرمایا: یہ جاہلیت کی نعرہ بازی کیوں ہو رہی ہے حالاں کہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں، اللہ نے تمہیں دولت اسلام سے نوازا، اسلام کے ذریعہ جاہلی تعصب کو ختم کیا اور تمہارے درمیان محبت والفت پیدا کی، انصار فوراً سمجھ گئے کہ یہ شیطانی مکروفریب کی ایک جھلک تھی اور دشمن کا دھوکا تھا، انصار نے اسلحہ پھینک دیا، رو پڑے اور ایک دوسرے سے بغلگیر ہو گئے پھر جماعت کی شکل میں سراپا اطاعت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ لوٹ گئے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تُطِيۡعُوۡا فَرِيۡقًا مِّنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ يَرُدُّوۡكُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ كٰفِرِيۡنَ ۝[3]

---

[1] کلام کو اس طرح بیان کرنا کہ اس سے دوسرا کلام لازم آجائے۔ [2] القرطبی ۴/۱۵۶ [3] اسباب النزول ص ۶۶ والکشاف ۱/۳۰۱

پسندیدہ و بہتر مال راہِ خدا میں خرچ کرنے کی ترغیب

تفسیر: لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ: ...... تم ہرگز نیکوکاروں میں سے نہیں ہوسکتے اور ہرگز جنت نہیں پاسکتے یہاں تک کہ اپنے افضل اموال میں سے خرچ نہ کرلو۔ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَىۡءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ: اور جو چیز بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو وہ تمہارے لیے محفوظ رہتی ہے اور اس کی بہترین جزا تمہیں دی جائے گی۔[1]

اونٹ کے گوشت اور دودھ کی حرمت وحلّت

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ: ...... کھانے کی تمام چیزیں بنی اسرائیل کے لیے حلال تھی۔ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسۡرَآءِيۡلُ عَلٰى نَفۡسِهٖ: البتہ کھانے کی وہ چیزیں جو یعقوب نے اپنے اوپر حرام کردی تھیں اور وہ اونٹ کا گوشت اور اونٹ کا دودھ تھا، پھر بنی اسرائیل پر اور کھانے کی چیزیں بھی حرام کردی گئیں جیسے چربی وغیرہ، یہ چیزیں بنی اسرائیل پر بطور سزا حرام کی گئی تھیں۔ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تُنَزَّلَ التَّوۡرٰٮةُ: یعنی تورات کے نازل کیے جانے سے قبل کھانے کی تمام چیزیں بنی اسرائیل کے لیے حلال تھیں۔ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِالتَّوۡرٰٮةِ فَاتۡلُوۡهَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ: اے محمد! اہل کتاب سے کہو: اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو تورات لے آؤ اور مجھے پڑھ کر سناؤ، حالاں کہ کھانے کی کچھ چیزیں تمہاری بغاوت اور ظلم کی وجہ سے حرام کردی گئی تھیں، علامہ زمخشری کہتے ہیں: دراصل اللہ تعالیٰ نے یہود کی بغاوت، ظلم اور صدِ سبیل اللہ پر جو گواہی قائم کی یہود اس کی تکذیب کرنا چاہتے تھے، چنانچہ جب رسول کریم ﷺ نے دنداں شکن جواب دیا اور مناظرہ کیا اور انہیں مبہوت کردیا تو وہ رسوا ہوکر واپس چلے گئے، ان میں سے کسی اور کو بھی تورات نکالنے کی جسارت نہ ہوسکی، اس میں حضور نبی کریم ﷺ کے سچے ہونے پر زبردست دلیل ہے۔[2]

فَمَنِ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ: ...... یعنی جس نے حجت اور گواہی قائم ہوجانے کے بعد اللہ پر جھوٹ تراشا۔ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ: پس وہی لوگ حد سے تجاوز کرنے والے اور باطل طریقے سے ہٹ دھرمی کرنے والے ہیں۔ قُلۡ صَدَقَ اللّٰهُ: یعنی محمد کی طرف جو بھی وحی بھیجی جاتی ہے اور جو بھی انہیں خبر دی جاتی ہے یہ اللہ کا فرمایا ہوا ہے جو حق و سچ ہے۔ فَاتَّبِعُوۡا مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ: یعنی یہودیت کو ترک کرو اور ملت اسلام پر چلو جو حقیقت میں ملت ابراہیم ہے۔ حَنِيۡفًا: جو کہ باطل ادیان سے یکسر الگ تھلگ ہے۔ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ: اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو یہود و نصاریٰ کے منسوب کردہ یہودیت اور نصرانیت سے بریٔ الذمہ کردیا کہ وہ مشرک نہیں تھے، اس میں اہل کتاب کے مشرک ہونے پر تعریض بھی ہے۔[3]

سب سے پہلی مسجد کی بنیاد

اِنَّ اَوَّلَ بَيۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىۡ بِبَكَّةَ: ...... یعنی سب سے پہلی مسجد جو سطح زمین پر اللہ کی عبادت کے لیے بنائی گئی وہ مسجد حرام ہے جو مکہ میں ہے۔ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلۡعٰلَمِيۡنَ: جو بنانے کے وقت ہی سے برکتوں اور خیر کثیر کا حج اور عمرہ کرنے والوں کے لیے محور اور سامان ہے، یہ مسجد (گھر) اہل زمین کے لیے نور وہدایت کا سرچشمہ ہے چوں کہ یہ اہل زمین کا قبلہ ہے، اس کے بعد کچھ ایسے امور کا تذکرہ کیا گیا ہے جو بقیہ مساجد پر مسجد حرام کی فضیلت ومزیت کا سبب ہیں۔

مقام ابراہیم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا

فِيۡهِ اٰيٰتٌ ۢ بَيِّنٰتٌ[4] مَّقَامُ اِبۡرٰهِيۡمَ: ...... اس میں بہت ساری واضح نشانیاں ہیں اور مقام ابراہیم ہے۔ یہ واضح نشانیاں مسجد حرام کی فضیلت پر

---

[1] ہر ایک کے پاس افضل مال نہیں ہوتا چنانچہ جس کے پاس جو کچھ میسر ہو وہی خرچ کرے۔ [2] الکشاف ۱/ ۲۹۵ [3] بڑے لطیف انداز میں دوسرے پر ٹوک لگانا تعریض ہے۔ [4] مقام ابراہیم یا تو مبتدا ہے اور خبر محذوف ہے یا اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ سے بدل بعض ہے۔

دلالت کرتی ہیں۔ مقام ابراہیم: یہ وہ جگہ ہے جہاں ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہو کر بیت اللہ کی بنیادیں اوپر اٹھا رہے تھے، ان نشانیوں میں سے آب زمزم ہے، حطیم ہے، مکہ میں صفا اور مروہ ہے، بیت اللہ میں حجر اسود نصب ہے، یہ نشانیاں اس گھر کے شرف پر برھان قاطع ہو، اور یہی گھر مسلمانوں کا قبلہ ہونے کا سزاوار ہے۔ وَمَنۡ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا: یہ ایک اور نشانی ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے مکہ امن کا گہوارا بن گیا اور جو بھی اس میں داخل ہوتا ہے وہ امن میں چلا جاتا ہے، ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی: رَبِّ اجۡعَلۡ هٰذَا الۡبَلَدَ اٰمِنًا۔

حج بیت اللہ کی فرضیت

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الۡبَيۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَيۡهِ سَبِيۡلًا۔[1] استطاعت رکھنے والے پر بیت اللہ کا حج کرنا فرض لازم ہے۔ وَمَنۡ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الۡعٰلَمِيۡنَ: یعنی جس نے حج ترک کیا تو اللہ اس کی عبادت سے بے نیاز ہے حتیٰ کہ ساری مخلوقات سے بے نیاز ہے، ترک حج کو کفر سے تعبیر کیا ہے تارک حج کی شناعت ظاہر کرنے کے لیے اور اس پر سختی اور تغلیظ کرنے کے واسطے، ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: جس شخص نے فریضۂ حج سے انکار کیا اس نے کفر کیا اللہ اس سے بے نیاز ہے۔[2]

اہل کتاب کی سرزنش

اس کے بعد اہل کتاب کی سرزنش شروع کر دی ہے۔ چنانچہ فرمایا: قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ: اے اہل کتاب! تم محمد پر نازل کیے گئے قرآن کا انکار کیوں کرتے ہو، حالاں کہ اس کے سچ و برحق ہونے پر دلائل و براہین قائم ہو چکے ہیں۔ وَاللّٰهُ شَهِيۡدٌ عَلٰى مَا تَعۡمَلُوۡنَ: یعنی اللہ تمہارے تمام اعمال پر مطلع ہے ان کا تمہیں پورا بدلہ دے گا۔

قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ مَنۡ اٰمَنَ: ...... یعنی تم لوگوں کو اللہ کے دین برحق سے کیوں برگشتہ کرتے ہو اور جو شخص ایمان لانے کا ارادہ رکھتا ہو اسے کیوں منع کرتے ہو۔ تَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا: تم اس لیے ایسا کرتے ہو تا کہ دین مستقیم میں کجی پیدا ہو جائے، چنانچہ اہل کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منقول صفات میں تغیر کرتے اور لوگوں کو ایہام والتباس میں ڈالتے کہ اسلام میں خلل اور کجی ہے۔ وَّاَنۡتُمۡ شُهَدَآءُ: یعنی تمہیں علم ہے کہ اسلام دین برحق ہے۔ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ: یہ تہدید اور وعید ہے، یہود و نصاریٰ دو چیزوں کا مجموعہ تھے خود بھی گمراہ تھے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے تھے، اوپر کی دونوں آیات میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ اسلام کا انکار کر کے خود گمراہ ہوئے اور دوسرے لوگوں کو اسلام میں داخل ہونے سے روک کر انہیں گمراہ کیا، چنانچہ سادہ لوح انسانوں کے دلوں میں شکوک و شبہات ڈالتے جس کی وجہ سے وہ قبول اسلام سے رک جاتے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تُطِيۡعُوۡا فَرِيۡقًا مِّنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ: ...... اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کی ایک جماعت کی بات مان لو گے۔ يَرُدُّوۡكُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ كٰفِرِيۡنَ: تو اہل کتاب تمہیں تمہارے ایمان لانے کے بعد پھر سے کافر بنا دیں گے، اس آیت میں اوس وخزرج سے خطاب ہے، چوں کہ یہود انہیں فتنے میں مبتلا کرنا چاہتے تھے جیسا کہ شان نزول میں گزر چکا ہے لیکن الفاظ میں عموم ہے۔ وَكَيۡفَ تَكۡفُرُوۡنَ وَاَنۡتُمۡ تُتۡلٰى عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيۡكُمۡ رَسُوۡلُهٗ: اس میں انکار و استبعاد ہے یعنی کفر تمہارے ہاں کیسے در آئے گا حالاں کہ اللہ کی آیات لگا تار نازل ہو رہی ہیں اور وحی بھی لگا تار نازل ہو رہی ہے منقطع نہیں ہوئی اور اللہ کا رسول بھی تمہارے درمیان موجود ہے۔ وَمَنۡ يَّعۡتَصِمۡ بِاللّٰهِ فَقَدۡ هُدِىَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ: یعنی جس نے دین برحق کو پکڑے رکھا اس نے سیدھی راہ پالی۔ یہی راستہ نعمتوں والی بہشتوں میں پہنچانے والا ہے، اس دین کا برحق ہونا لسان نبوت سے ثابت ہو چکا ہے۔

---

[1] مَنِ اسۡتَطَاعَ النَّاسِ سے بدل بعض ہے، اِلَيۡهِ مِنۡ موصولہ سے حال ہے اور سَبِيۡلًا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، استطاعت سے مراد زادِ راہ، امن، کرایہ اور گھر والوں کا نفقہ ہے۔ [2] مختصر ابن کثیر ۱/ ۲۰۳

تقویٰ اختیار کرنے کا حکم

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ:......یعنی اللہ سے ڈرو جس طرح کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے یا تقویٰ اختیار کرو جس طرح کہ تقویٰ کا حق ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: حق یہ ہے کہ اطاعت کی جائے نافرمانی نہ کی جائے، اسے یاد رکھا جائے بھولا نہ جائے اور اس کا شکر کیا جائے کفران نہ کیا جائے۔ [1] حَقَّ تُقٰتِهٖ: سے مراد یہ ہے کہ اس طرح ڈرا جائے جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے، یہ مقام جملہ معاصی سے اجتناب سے حاصل ہوتا ہے۔ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ: یعنی اسلام پر ڈٹے رہو اور اسے ڈاڑھوں میں مضبوطی سے پکڑے رکھو یہاں تک کہ تمہیں موت آئے دراں حالیکہ تم اسی حالت پر کاربند ہو گویا تم اسلام پر مرو، آیت کا مقصد اسلام پر ثابت قدمی دکھانا ہے۔

اختلاف اور تفرقہ کی ممانعت

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا:......یعنی اللہ کے دین اور اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑے رکھو۔ [2] اور تفرقہ میں مت پڑو، دین میں اختلاف نہ کرو جس طرح تم سے پہلے یہود و نصاریٰ نے اختلاف کیا۔ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ: اے جماعت عرب! اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اس نے جو تمہارے اوپر کی ہیں۔ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ: اسلام سے پہلے تم ایک دوسرے کے سخت دشمن تھے، اسلام کے ذریعہ اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم سب کو ایمان پر جمع کیا۔ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا: اور تم اللہ کے فضل و کرم سے آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ [3] وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا: تم دوزخ کی آگ میں پڑنے کے لیے بالکل جھکے ہوئے تھے کہ اللہ نے تمہیں اسلام کے ذریعہ وہاں سے نکال لیا۔ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ: یعنی واضح بیان کی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی نشانیاں کھول کھول کر واضح کرتا ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ: تا کہ ان نشانیوں کے ذریعہ تم سعادت دارین حاصل کرو۔

بلاغت:......ان آیات کریمہ میں بلاغت کے بے شمار پہلو نمایاں ہیں۔ مختصراً کچھ یہ ہیں۔ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ: امر برائے توبیخ و سرزنش ہے۔ تا کہ یہود کی قباحت آشکارہ ہو جائے۔ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ: موصوف مقدر ہے عبارت یوں ہے البیت الذی ببکۃ۔ تفخیم و تعظیم کے لیے موصوف کا ذکر ترک کیا گیا ہے۔ وَمَنْ كَفَرَ: یہ عبارت ومن لم یحج کے بجائے لائی گئی ہے، ایسا فرضیت حج کی تاکید اور تارک حج پر تشدید کے لیے کیا گیا ہے، ابوسعود کہتے ہیں۔ اس آیت میں مختلف فنون اعتبارات ہیں، ان کے اوپر مزید گنجائش نہیں رہتی۔" یعنی آیت وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ: میں۔ چنانچہ خبر مقدم کی گئی ہے جو تحقیق پر دلالت کرتی ہے اور پھر جملہ اسمیہ لایا گیا ہے جو ثبات و استمرار پر دلالت کرتا ہے تا کہ واضح ہو جائے کہ حج انسانوں کے ذمے اللہ کا واجب حق ہے پہلے اسلوب تعمیم کا اپنایا ہے پھر اس میں تخصیص پیدا کی ہے، پہلے ابہام ہے پھر تبیین، اجمال ہے پھر تفصیل۔ [4] وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ: قرآن کو حبل (رسی اور ڈور) کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور اسم مشبہ بہ کو مشبہ کے لیے مستعار لیا ہے مشبہ بہ حبل ہے اور مشبہ قرآن، یوں یہ استعارہ تصریحیہ ہے، وجہ جامع نجات ہے۔ شَفَا حُفْرَةٍ: حالت جاہلیت کو گہرے گڑھے میں گرنے کے لیے جھکنے کی حالت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، اس میں استعارہ تمثیلیہ ہے۔ واللہ اعلم

اہل کتاب کے دو شبہات کا دفعیہ

تنبیہ:......یہ آیات کریمہ اہل کتاب کے دو شبہات کے دفعیہ کے لیے وارد ہوئی ہیں۔

پہلا شبہ:......اہل کتاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے: تمہارا دعویٰ ہے کہ تم دین ابراہیم پر ہو حالاں کہ تم شریعت ابراہیم کی خلاف ورزی کرتے ہو، چنانچہ تم اونٹ کا گوشت حلال سمجھتے ہو ان کا دودھ پیتے ہو باوجود یہ کہ یہ دونوں چیزیں ان کی شریعت میں حرام تھیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے

---

[1] مختصر ابن کثیر ۱/ ۳۰۴۔ [2] یہ مضبوطی سے پکڑنے سے مراد دین پر چلنا اور کتاب کے مقتضا کو پورا کرنا ہے۔ [3] موجود نسخہ میں آیت کا یہ حصہ موجود نہیں ہم نے صرف ترجمہ پر اکتفا کیا ہے۔ [4] ابوالسعود ۱/ ۲۵۵

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ إِسۡرَآءِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسۡرَآءِيلُ عَلَىٰ نَفۡسِهِۦ مِن قَبۡلِ أَن تُنَزَّلَ ٱلتَّوۡرَىٰةُۚ قُلۡ فَأۡتُواْ بِٱلتَّوۡرَىٰةِ فَٱتۡلُوهَآ إِن كُنتُمۡ صَٰدِقِينَ ﴿۹۳﴾ سے ان کی تردید فرمادی۔

دوسرا شبہ:...... اہل کتاب کہتے ''بیت المقدس'' تمام انبیا کا قبلہ رہا ہے، وہی پہلی مسجد ہے اور قبلہ قرار دینے کی وہی سزاوار ہے، اے محمد! تم نے بیت المقدس کو کیوں چھوڑ دیا؟ اللہ تعالیٰ نے إِنَّ أَوَّلَ بَيۡتٖ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكٗا وَهُدٗى لِّلۡعَٰلَمِينَ ﴿۹۶﴾ سے اس شبہ کا ازالہ کر دیا۔

دعوت الی اللہ کی فرضیت

وَلۡتَكُن مِّنكُمۡ أُمَّةٞ يَدۡعُونَ إِلَى ٱلۡخَيۡرِ وَيَأۡمُرُونَ بِٱلۡمَعۡرُوفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ ٱلۡمُنكَرِۚ وَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡمُفۡلِحُونَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَا تَكُونُواْ كَٱلَّذِينَ تَفَرَّقُواْ وَٱخۡتَلَفُواْ مِنۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ ٱلۡبَيِّنَٰتُۚ وَأُوْلَٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيمٞ ﴿۱۰۵﴾ يَوۡمَ تَبۡيَضُّ وُجُوهٞ وَتَسۡوَدُّ وُجُوهٞۚ فَأَمَّا ٱلَّذِينَ ٱسۡوَدَّتۡ وُجُوهُهُمۡ أَكَفَرۡتُم بَعۡدَ إِيمَٰنِكُمۡ فَذُوقُواْ ٱلۡعَذَابَ بِمَا كُنتُمۡ تَكۡفُرُونَ ﴿۱۰۶﴾ وَأَمَّا ٱلَّذِينَ ٱبۡيَضَّتۡ وُجُوهُهُمۡ فَفِي رَحۡمَةِ ٱللَّهِۖ هُمۡ فِيهَا خَٰلِدُونَ ﴿۱۰۷﴾ تِلۡكَ ءَايَٰتُ ٱللَّهِ نَتۡلُوهَا عَلَيۡكَ بِٱلۡحَقِّۗ وَمَا ٱللَّهُ يُرِيدُ ظُلۡمٗا لِّلۡعَٰلَمِينَ ﴿۱۰۸﴾ وَلِلَّهِ مَا فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِي ٱلۡأَرۡضِۚ وَإِلَى ٱللَّهِ تُرۡجَعُ ٱلۡأُمُورُ ﴿۱۰۹﴾ كُنتُمۡ خَيۡرَ أُمَّةٍ أُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَأۡمُرُونَ بِٱلۡمَعۡرُوفِ وَتَنۡهَوۡنَ عَنِ ٱلۡمُنكَرِ وَتُؤۡمِنُونَ بِٱللَّهِۗ وَلَوۡ ءَامَنَ أَهۡلُ ٱلۡكِتَٰبِ لَكَانَ خَيۡرٗا لَّهُمۚ مِّنۡهُمُ ٱلۡمُؤۡمِنُونَ وَأَكۡثَرُهُمُ ٱلۡفَٰسِقُونَ ﴿۱۱۰﴾ لَن يَضُرُّوكُمۡ إِلَّآ أَذٗىۖ وَإِن يُقَٰتِلُوكُمۡ يُوَلُّوكُمُ ٱلۡأَدۡبَارَ ثُمَّ لَا يُنصَرُونَ ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ ٱلذِّلَّةُ أَيۡنَ مَا ثُقِفُوٓاْ إِلَّا بِحَبۡلٖ مِّنَ ٱللَّهِ وَحَبۡلٖ مِّنَ ٱلنَّاسِ وَبَآءُو بِغَضَبٖ مِّنَ ٱللَّهِ وَضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ ٱلۡمَسۡكَنَةُۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمۡ كَانُواْ يَكۡفُرُونَ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ وَيَقۡتُلُونَ ٱلۡأَنۢبِيَآءَ بِغَيۡرِ حَقّٖۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَواْ وَّكَانُواْ يَعۡتَدُونَ ﴿۱۱۲﴾

ترجمہ:...... اور تم میں سے ایک ایسا گروہ ہونا ضروری ہے جو دعوت دیتے ہوں خیر کی طرف، اور حکم کرتے ہوں اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہوں بُرے کاموں سے، اور یہ لوگ پورے پورے کامیاب ہیں، ﴿۱۰۴﴾ اور مت ہو جاؤ ان لوگوں کی طرح جو آپس میں متفرق ہو گئے اس کے بعد اُن کے پاس واضح احکام پہنچے آپس میں اختلاف کرلیا اور یہ لوگ ہیں جن کے لیے بڑا عذاب ہے۔ ﴿۱۰۵﴾ جس دن چہرے سفید ہوں گے اور چہرے سیاہ ہوں گے، سو جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے اُن سے کہا جائے گا کیا تم نے کفر اختیار کیا اپنے ایمان کے بعد، سو چکھو عذاب اس وجہ سے کہ تم کفر کرتے تھے۔ ﴿۱۰۶﴾ اور جن کے چہرے سفید ہوں گے سو وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿۱۰۷﴾ یہ اللہ کی آیات ہیں ہم آپ پر ان کی تلاوت کرتے ہیں حق کے ساتھ، اور اللہ جہانوں کے ساتھ ظلم کا ارادہ نہیں فرماتا، ﴿۱۰۸﴾ اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہی کی طرف تمام امور لوٹائے جائیں گے۔ ﴿۱۰۹﴾ تم سب اُمتوں سے بہتر امت ہو جو نکالی گئی لوگوں کے لیے، بھلائی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو، اور اگر اہلِ کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا، اُن میں سے بعض مؤمن ہیں اور اکثر اُن میں سے فرمانبرداری سے باہر ہیں۔ ﴿۱۱۰﴾ تم کو ہرگز ضرر نہ پہنچا سکیں گے مگر ذراسی تکلیف، اور اگر تم سے جنگ کریں گے وہ تو پشت پھیر

کر بھاگ جائیں گے پھر اُن کی مدد نہ کی جائے گی۔ ⑪ جمادی گئی اُن پر ذلت جہاں کہیں بھی پائے جائیں، مگر ایسے سبب سے جو اللہ کی طرف سے ہو اور ایسے سبب سے جو لوگوں کی طرف سے ہو اور وہ لوٹ گئے اللہ کے غصّے کو لے کر، اور جمادی گئی اُن پر مسکنت، یہ اس لیے کہ وہ کفر کرتے تھے اللہ کی آیتوں کے ساتھ، اور وہ نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے، یہ اس لیے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے آگے بڑھ جاتے تھے۔ ⑫

ماقبل سے ربط وتعارف:.....قبل ازیں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی چالبازیوں سے ہوشیار رہنے کا حکم دیا، جمعیت برقرار رکھنے اور اتحاد بحال رکھنے کا حکم دیا اور شریعت مستقیمہ پر ثابت قدم رہنے کی تلقین فرمائی، اب مسلمانوں کو دعوت الی اللہ کا فریضہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیا جارہا ہے، آپس میں اتحاد واتفاق کا حکم دیا اور باہمی اختلاف سے باز رہنے کی تلقین فرمائی، پھر یہود پر جو ذلت اور رسوائی نازل ہوئی اس کا تذکرہ بھی فرمایا۔

لغات: اُمَّةٌ:.....جماعت، الْبَيِّنٰتُ واضح نشانیاں اَلْمَعْرُوْفِ: شریعت نے جس کا حکم دیا ہے اور جسے عقل سلیم اچھا سمجھے۔ الْمُنْكَرِ: وہ چیز جس سے شریعت نے منع کیا ہو اور جسے عقل سلیم قبیح سمجھے۔ الْاَدْبَارَ: دبر کی جمع ہے ہر چیز کے پچھلے حصّے کو کہا جاتا ہے، مقولہ ہے: **ولاہ دبرہ** یعنی فلاں شخص نے پیٹھ پھیری۔ ثُقِفُوْٓا: وہ پائے جائیں۔ حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ: حبل کا لغوی معنی رسی اور ڈور ہے، یہاں مراد عہد و پیمان ہے، چوں کہ عہد و پیمان سے خوف زائل ہوجاتا ہے۔ بَآءُوْ: رجوع کرنا، لوٹنا۔ مَسْكَنَةُ: فقر ومحتاجی۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حکم

تفسیر: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ:.....تم میں سے ایک ایسی جماعت قائم ہونی چاہیے جو دعوت الی اللہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے یعنی جو ہر اچھی بات کا لوگوں کو حکم دے اور ہر بری بات سے لوگوں کو منع کرے۔ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ: یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ: یہود ونصاریٰ کی طرح مت ہوجاؤ جنہوں نے اتباع ھویٰ (خواہشات نفس) کے سبب دین میں اختلاف کیا اور تفرقہ کا شکار ہوئے، انہوں نے یہ اختلاف اور تفرقہ واضح نشانیاں آجانے کے بعد ڈالا۔ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ: یعنی اختلاف کے سبب قیامت کے دن انہیں شدید عذاب ہوگا۔

بروز قیامت اہل ایمان اور کفار کے چہرے

يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ:.....یعنی قیامت کے دن ایمان وطاعت کی بدولت مؤمنین کے چہرے چمک رہے ہوں گے اور کفر ومعاصی کی وجہ سے کفار کے چہروں پر درماندگی اور تاریکی چھائی ہوئی ہوگی۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ: اجمال کے بعد یہ تفصیل ہے، یعنی اہل دوزخ جن کے چہروں پر تاریکی چھائی ہوگی انہیں توبیخ کے طور پر کہا جائے گا کہ جب تمہارے سامنے واضح نشانیاں اور دلائل آگئیں اس کے بعد کیا تم نے کفر کیا؟ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ: اب اپنے کفر کے بسبب عذاب شدید کا مزہ چکھو۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ:.....رہی بات سعادت مندوں کی جن کے چہرے اعمال صالحہ کی بدولت روشن ہوں گے۔ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ: پس وہ جنت[1] میں ہمیشہ ہمیشہ داخل رہیں گے، جنت سے انہیں کبھی بھی نہیں نکالا جائے گا۔ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ:[2] اے محمد! یہ اللہ کی آیات ہیں، اس حال میں کہ یہ آیات سراسر حق ہیں۔ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ: اللہ تعالیٰ تو کسی پر ظلم نہیں کرتا البتہ لوگ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ: یعنی جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب کچھ اللہ کی ملکیت ہے۔ اور سب اس کے بندے ہیں۔ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ: یعنی وہی حاکم ہے اور دنیا اور آخرت میں اسی کا تصرف چلے گا۔

---

[1] مفسر نے رحمت کی تفسیر جنت سے کی ہے۔ یقیناً رحمت کا صحیح مصداق جنت ہی ہے۔ [2] جار مجرور متلبسا کے متعلق ہو کر ھا ضمیر منصوب متصل سے حال واقع ہو رہا ہے۔

بہترین اور افضل امت

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ:......اے امت محمد! تم سب امتوں سے بہترین امت ہو چوں کہ تم لوگوں کو سب سے زیادہ نفع پہنچانے والے ہو، اسی لیے فرمایا: اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ: تمہیں لوگوں کی نفع رسانی اور مصلحت کے لیے بھیجا گیا ہے، بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ: بہترین لوگ وہ ہیں جو بیڑیوں اور طوقوں میں جکڑے ہوئے تمہارے پاس آئیں گے اور اسلام قبول کرلیں گے۔ تَاْمُرُوْنَ [1] بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ: یہ جملہ اس امت کے بہترین ہونے کی وجہ بتلا رہا ہے گویا یوں کہا گیا: یہ خصائل حمیدہ تمہارے بہترین امت ہونے کا سبب ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے جو شخص اس امت کا فرد بننا چاہے وہ اللہ کی لگائی گئی شرط کو پورا کرے۔ [2] وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ: یعنی اہل کتاب اگر محمد پر نازل کردہ کتاب پر ایمان لے آئیں اور ان کی لائی ہوئی تعلیمات کی تصدیق کردیں تو ان کا یہ عمل دنیا و آخرت میں ان کے لیے بہتر ہوگا۔

مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ:......اہل کتاب میں سے قلیل سی جماعت دولت ایمان سے سرفراز ہے جیسے نجاشی اور عبداللہ بن سلام جبکہ بھاری اکثریت فاسق ہے اور اللہ تعالیٰ کی طاعت سے نکلی ہوئی ہے۔ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى: وہ تمہیں زبانی کلامی سب وشتم اور دشنام طرازی کے ذریعہ معمولی اذیت پہنچا سکتے ہیں مزید تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ: یعنی شکست خوردہ ہوکر بھاگیں گے اور تمہارا کچھ نقصان نہیں کرسکتے۔ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ: یعنی پھر تم ہوا اور وہ ہیں، وہ بے یار و مددگار ہوں گے، یہ جملہ مستانفہ ہے۔ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا: ذلت و رسوائی ان کے ساتھ لازم و ملزوم ہے۔ جہاں بھی وہ ہوں ذلت و رسوائی ان کے ساتھ ہے اور ان کو ایسے گھیرے ہوئے ہے جیسے آباد گھر بسنے والوں کو گھیر لیتا ہے۔ اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ: ہاں البتہ اللہ کا ذمہ اور مسلمانوں کا ذمہ اختیار کرلیں، ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: یعنی اللہ کا عہد اور لوگوں کا عہد اختیار کرلیں۔ [3] وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ: اور وہ اللہ کے سخت غضب کے مستحق بن کر لوٹے ہیں۔ [4] وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ: فاقہ اور محتاجی انہیں لازم ہوچکی ہے، چنانچہ محتاجی نے انہیں شش جہات سے گھیرے رکھا ہے۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ: ذلت، رسوائی، غضب اور تباہی اس وجہ سے ان پر مسلط کی گئی ہے چوں کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں اور ظلماً انبیا کو قتل کرتے رہے ہیں۔ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ: اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سرکشی اور نافرمانی کے مرتکب تھے اور اللہ کے اوامر کو نہیں بجالاتے تھے۔

بلاغت:......ان آیات کریمہ میں بیان و بدیع کی مختلف وجوہ نمایاں ہیں ان میں چند یہ ہیں: وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ: اس میں محسنات بدیعیہ میں سے صنعت مقابلہ ہے۔ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ: اس میں قصر صفت علی الموصوف کا پہلو نمایاں ہے۔ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ: تَبْيَضُّ اور تَسْوَدُّ میں صنعت تضاد ہے۔ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ: حال بول کر محل مراد لیا گیا ہے جو مجاز مرسل کی ایک صورت ہے چنانچہ رحمت بول کر رحمت کا محل یعنی جنت مراد ہے۔ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ: اس میں استعارہ ہے چنانچہ نصب کیے گئے خیمے کے ساتھ ذلت و رسوائی کو تشبیہ دی گئی ہے۔ سورۂ بقرہ میں بھی یہ استعارہ گزر چکا ہے۔ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ: تنکیر برائے تفخیم و تہویل ہے۔ [5]

فائدہ: ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ:...... جملہ مستانفہ ہے اسی لیے نون ثابت رہا ہے۔ علامہ زمخشری کہتے ہیں: حکم جزا سے عدول کیا گیا ہے اور حکم اخبار لایا گیا ہے گویا کہا جارہا ہے کہ "پھر میں تمہیں خبر دیتا ہوں کہ وہ بے یار و مددگار ہوں گے ان کی مدد نہیں ہوگی۔" اگر يُنْصَرُوْنَ مجزوم ہوتو ان کی مدد کی نفی ان کے قتال کرنے کے ساتھ مقید ہوگی، چوں کہ مدد کا وعدہ مطلق ہے۔ [6]

---

[1] یا تو جملہ مستانفہ ہے جو خیر امۃ کی وضاحت کررہا ہے یا امۃ کی صفت ثانیہ ہے۔ [2] مختصر ابن کثیر ۱/۳۱۱ [3] یعنی مسلمانوں کے ساتھ ذمی بن کے رہنے کا معاہدہ کرلیں تو پھر قتل یا قید سے بچ سکتے ہیں۔ [4] انجام کار وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے ہیں۔ (آسان ترجمہ) [5] رب تعالیٰ کے غضب کی ہولناکی نمایاں کرنا مقصود ہے۔
[6] الکشاف ۱/۳۰۸ مختصراً

تنبیہ:...... آیت کریمہ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا میں جس اختلاف کی طرف اشارہ کیا گیا اس سے مراد عقیدہ اور اصول دین کا اختلاف ہے، رہی بات فروعی اختلاف کی جیسا کہ آئمہ مجتہدین میں فروعی اختلافات ہوتے ہیں سو شریعت مطہرہ میں اس کی گنجائش رکھی گئی ہے جیسا کہ علمانے اس پر متنبہ کیا ہے، اس موضوع میں امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا گراں قدر رسالہ ہے "دفع الملام عن الائمة الأعلام" بڑا مفید رسالہ ہے اس کی طرف رجوع کیا جائے۔

اہل کتاب کی قسمیں اور ان کے اموال واولاد کا تذکرہ

لَيْسُوْا سَوَآءً ۭ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَھُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِىَ عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَـيْـــًٔا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْھَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ ھٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْھَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ فَاَھْلَكَتْهُ ۭ وَمَا ظَلَمَھُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَھُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ يٰٓاَيُّھَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِھِمْ ښ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُھُمْ اَكْبَرُ ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ھٰٓاَنْتُمْ اُولَاۗءِ تُحِبُّوْنَھُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ټ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْھُمْ ۡ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِھَا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُھُمْ شَـيْـــًٔـا ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾ ع ۱۱

ترجمہ:...... یہ لوگ سب برابر نہیں ہیں اہلِ کتاب میں سے ایک جماعت ایسی ہے جو حق پر قائم ہے، رات کے اوقات میں اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں۔ ﴿۱۱۳﴾ یہ لوگ ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور امر بالمعروف کرتے ہیں اور منکر سے روکتے ہیں۔ اور نیک کاموں میں دوڑتے ہیں اور یہ لوگ صالحین میں سے ہیں۔ ﴿۱۱۴﴾ اور یہ لوگ جو بھی کچھ خیر کا کام کریں گے تو اس کی ناقدری نہ کی جائے گی اور اللہ متقیوں کو جاننے والا ہے۔ ﴿۱۱۵﴾ بلاشبہ جن لوگوں نے کفر کیا ہرگز ان کے کام نہ آئیں گے اُن کے مال اور ان کی اولاد اللہ کے مقابلہ میں کچھ بھی، اور یہ لوگ دوزخ والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿۱۱۶﴾ اس کی مثال جو کچھ وہ اس دنیاوی زندگی میں خرچ کرتے ہیں ایسی ہے جیسے ایک ہوا ہو جس میں سخت سردی ہو جو ایسے لوگوں کی کھیتی کو پہنچ گئی جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا پھر اس کو برباد کر دیا اور اللہ نے اُن پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ ﴿۱۱۷﴾ اے ایمان والو! اپنے سوا کسی کو اپنا راز دار مت بناؤ، وہ لوگ تمہارے بگاڑ میں ذرا بھی کوتاہی نہیں کرتے، اُن کو وہ چیز پسند ہے جس سے تمہیں تکلیف ہو بغض ظاہر ہو چکا ہے، اُن کے مونہوں سے اور جو کچھ ان کے سینے چھپاتے ہیں وہ اس سے بڑھ کر ہے، تحقیق ہم نے بیان کر دیں تمہارے لیے آیات اگر تم عقل رکھتے ہو۔ ﴿۱۱۸﴾ تم لوگ ایسے ہو کہ اُن سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت

نہیں کرتے اور تم پوری کتاب پر ایمان لاتے ہو، اور وہ جب آپس میں تنہائیوں میں جاتے ہیں تو مارے غصے کی جلن کے اپنی انگلیوں کو دانتوں سے کاٹ لیتے ہیں، آپ فرما دیجیے کہ مر جاؤ اپنی جلن میں، بے شک اللہ جاننے والا ہے اُن سب چیزوں کو جو سینوں میں ہیں۔ (۱۱۹) اگر تم کو کوئی اچھی حالت پہنچ جائے تو اُن کو بری لگتی ہے اور اگر تمہیں کوئی بُری حالت پہنچ جائے تو اس سے خوش ہوتے ہیں، اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو ان کی مکاری تمہیں کچھ بھی ضرر نہ پہنچائے گی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اُن کے اعمال کا احاطہ فرمائے ہوئے ہے۔ (۱۲۰)

ما قبل سے ربط و تعارف:...... قبل ازیں عمومی طور پر اہل کتاب کی صفات ذمیمہ [۱] بیان کی گئی ہیں اب اس عموم سے استثنا کیا جا رہا ہے سب اہل کتاب ایک ہی درجہ میں نہیں ہیں بلکہ ان میں مؤمن بھی ہیں، کافر بھی، نیکوکار بھی اور فاجر بھی، اس کے بعد اہل کتاب کے اموال اور اولاد کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ روز قیامت یہ کچھ نفع نہیں پہنچائیں گے اس کے بعد دین دشمنوں کو دوست بنانے سے منع کیا گیا ہے اور نتیجتاً اس سے پیدا ہونے والے دنیوی اور اخروی ضرر پر متنبہ کیا ہے۔

لغات: اٰنَآءَ:...... اوقات، گھڑیاں، اٰنَآءَ اِنْي بروزن مِعِي کی جمع ہے۔ يُّكْفَرُوْهُ: کفر سے ماخوذ ہے، مضارع مجہول بمعنی انکار، بدلہ و جزا کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے، چوں کہ جزا و بدلہ بمنزلہ کفر و جحود کے ہے۔ صِرٌّ: تیز ہوا جس میں شدت کی سردی بھی ہو۔ حَرْثَ: کھیتی، لغوی معنی بیجائی کے لیے زمین جوتنا ہے۔ بِطَانَةً: خاص لوگ بِطَانَةُ الرجل اہل و عیال کے خاص لوگ جن کے پاس انسان آتا جاتا ہو، استر، خاص لوگوں کو استر کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے چوں کہ استر بدن کے ساتھ چمٹا ہوتا ہے۔ لَا يَأْلُوْنَكُمْ: کمی کوتاہی اور کسر باقی نہ چھوڑنا، علامہ زمخشری کہتے ہیں: ألا يالو، تقصیر و کوتاہی کرنا۔ خَبَالًا: فساد، نقصان "رجل مخبول" ناقص العقل شخص۔ عَنِتُّمْ: شدید ضرر اور مشقت اٰلْاَنَامِلَ: پورے۔

شان نزول:...... جب حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی دولت اسلام سے سرفراز ہوئے تو یہودی احبار (علما) کہنے لگے: محمد پر صرف ہمارے برے لوگوں نے ایمان لایا ہے اگر یہ ہمارے افضل لوگ ہوتے اپنے آبا کا دین نہ چھوڑتے، انہیں براہ راست طعنے دیتے اور کہتے۔ تم نے کفر کیا اور خسارے میں رہے۔ اس پر اللہ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ (۱۱۳) [۲]

اہل کتاب کے شریف و نیک لوگ

تفسیر: لَيْسُوْا سَوَآءً:...... اہل کتاب گناہوں میں برابر نہیں ہیں، یہ کلام تام ہے۔ اس کے بعد نیا ابتدائی کلام ہے۔ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ: ان میں ایک جماعت ان کے دین پر قائم و دائم بھی ہے۔ يَتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ: رات کو نماز تہجد پڑھتے ہیں جن میں آیات کی تلاوت کرتے ہیں۔ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ: یعنی صحیح طریقہ سے اللہ پر اور آخرت کے دن ایمان رکھتے ہیں۔ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ: یعنی خیر و بھلائی کی دعوت دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، برائی دیکھ کر چشم پوشی اور مداہنت نہیں کرتے۔ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ: نیکی اور بھلائی کے کاموں کی طرف لپک کر جاتے ہیں، سستی نہیں کرتے۔ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ: یہ لوگ اللہ کے نیک بندوں کی جماعت میں سے ہیں۔ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ: یعنی وہ جو بھی نیک عمل کرتے ہیں اللہ کے ہاں ہرگز ضائع نہیں ہوگا۔ [۳]

اہل کتاب کے جہنمی لوگ

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا:...... کافروں کو ان کے وہ اموال جنہیں جمع کرنے میں انہوں نے جان کی بازی لگا رکھی ہے اور ان کی اولاد جس کی محبت میں پاگل ہو چکے ہیں یہ اموال اور اولاد اللہ کے عذاب سے انہیں نہیں بچائیں گے۔ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ: یہی پکے دوزخی ہیں اور عذاب دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

---

[۱] گھٹیا صفات۔ [۲] اسباب النزول للواحدی ص ۶۸ [۳] وہ جو بھلائی بھی کریں گے اس کی ہرگز ناقدری نہیں کی جائے گی۔ (آسان ترجمہ قرآن)

مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ :...... یہ لوگ دنیا میں اپنی مدح سرائی اور ذکر جمیل کے لیے خرچ کرتے ہیں اس کی مثال تند و تیز ہوا کی سی ہے جس میں شدت کی سردی بھی ہو۔ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ: یہ تباہ کن ہوا ایک ایسی قوم کی کھیتی پر آفت بن کر ٹوٹ پڑے جس نے گناہوں کے سبب اپنے اوپر ظلم کیا ہو اور ہوا کھیتی کو تباہ کر جائے مالکان اس سے کچھ نفع نہ اٹھا سکیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کفار کے نیک اعمال کو اکارت کر دیتا ہے جس طرح یہ کھیتی تباہ ہو جاتی ہے۔ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ یعنی کھیتی تباہ کر کے اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے ایسے اعمال کا ارتکاب کیا جو موجب سزا بنے اور انہوں نے خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے منافقین کو رازدار بنانے سے منع کیا تا کہ انہیں اسرار پر آگاہی نہ ہو۔

منافقین اور دین دشمنوں کو دوست بنانے کی ممانعت

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ :...... منافقین کو دوست مت بناؤ کہ تم ان سے محبت کرنے لگو اور انہیں اپنے رازوں سے آگاہ کر دو، مؤمنین کو چھوڑ کر انہیں اپنا دوست مت بناؤ۔ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا: وہ فساد پھیلانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑتے۔ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ: وہ تو تمہیں مشقت میں دیکھنا چاہتے ہیں جس سے تمہیں سخت ضرر لاحق ہوتا رہے۔ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ :تمہاری عداوت ان کی زبانوں سے ظاہر ہو چکی ہے، وہ اپنے سینوں میں تمہارا بغض چھپائے رکھنے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اپنے منہ سے اس کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ: یعنی انہوں نے اپنے سینوں میں تمہارا جو بغض اور عداوت چھپا رکھی ہے وہ ظاہر کردہ بغض و عداوت سے کہیں زیادہ ہے۔ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ :ہم نے ایسی آیات کی وضاحت کر دی ہے جو دین کے معاملہ میں اخلاص رکھنے پر دلالت کرتی ہیں، ان آیات میں مؤمنین سے دوستی اور کفار سے عداوت رکھنے کی صراحت موجود ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ: اگر تم سمجھدار ہو، یہ فقرہ رغبت دلانے اور نفوس کو برانگیختہ کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔

ابن جریر کہتے ہیں یعنی یہ کہ اگر تم اللہ کے اوامر و نواہی کو سمجھتے ہو۔ اس کے بعد مؤمن کے اس عمل (منافقین کے ساتھ دوستی) کی ناپسندیدگی کا ذکر ہے۔ هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ :اے مؤمنین کی جماعت! دوستی کے معاملہ میں تم سے خطا سرزد ہوئی ہے چوں کہ تم منافقین سے محبت رکھتے ہو جب کہ وہ تم سے محبت نہیں رکھتے، تم ان کے نفع کے خواہش مند ہو حالاں کہ وہ تمہیں ضرور نقصان میں دیکھنا چاہتے ہیں اور انہوں نے اپنے دلوں میں تمہاری عداوت چھپا رکھی ہے۔ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ جتنی بھی کتابیں نازل کی گئی ہیں ان سب پر تم ایمان رکھتے ہو، بایں ہمہ وہ پھر بھی تم سے بغض رکھتے ہیں، ان سے محبت کرنے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جب کہ وہ تمہاری کتاب پر ایمان نہیں رکھتے؟ اس میں زبردست توبیخ ہے کہ وہ اپنے بطلان پر پورے تصلب سے قائم ہیں اتنے تم اپنے حق پر قائم نہیں ہو۔ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا: ان کی یہ بھی ایک خباثت ہے کہ وہ نفاق کے مارے تمہارے سامنے ایمان ظاہر کرتے ہیں۔ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ :اور وہ تنہائی کی اپنی مجالس میں سخت غصہ اور غضب کی وجہ سے انگلیوں کے پورے چباتے ہیں چوں کہ وہ تمہاری باہمی یگانگت اور اتفاق و اتحاد کو نہیں برداشت کر سکتے، ہاتھ یا انگلیاں یا پورے چبانا شدت غضب اور حسرت و افسوس سے کنایہ ہے، چوں کہ مؤمنین کو اذیت پہنچانا ان کے بس کی بات نہیں رہی۔ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ :یہ منافقین کے لیے بددعا ہے، یعنی اے محمد! کہہ دیجیے: اللہ تمہارے غصے کو دائمی رکھے یہاں تک کہ تم مرجاؤ۔[1]

منافقین کی چاہت

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ :...... تم نے مؤمنین کے بارے میں اپنے دلوں میں جو حسد و بغض و عداوت چھپا رکھی ہے اللہ اسے بخوبی جانتا ہے۔ اس کے بعد بتایا گیا ہے کہ منافقین اس انتظار میں لگے بیٹھے ہیں کہ کب مؤمنین پر کوئی بلا نازل ہوگی۔

---

[1] یہ طبری کا قول ہے اور بہت سارے مفسرین نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ وہ اپنی مراد نہیں پا سکتے اس کے آگے موت بھی رہے۔ دیکھیے قرطبی ۱/۱۸۳

چنانچہ ارشاد ہوا: اِنۡ تَمۡسَسۡكُمۡ حَسَنَةٌ تَسُؤۡهُمۡ : اگر تمہیں کوئی خیر وبھلائی مل جائے مثلاً فراخی، آسودگی، مدد ونصرت اور غنیمت تو منافقین اس سے ناخوش اور کبیدہ خاطر ہوجاتے ہیں۔ وَاِنۡ تُصِبۡكُمۡ سَيِّئَةٌ يَّفۡرَحُوۡا بِهَا: اگر تمہیں تنگی قحط یا شکست کا سامنا کرنا پڑے تو منافقین اس سے خوش ہوجاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان دو امور سے منافقین کی عداوت کی انتہا بتلادی ہے کہ مؤمنین کو جو خیر وبھلائی حاصل ہوتی ہے منافقین اس سے ناخوش ہوتے ہیں اور مؤمنین اگر کسی تنگی ترشی میں مبتلا ہوجائیں تو منافقین خوش ہوجاتے ہیں۔ وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا لَا يَضُرُّكُمۡ كَيۡدُهُمۡ شَيۡـًٔا: یعنی اگر تم منافقین کی اذیتوں پر صبر کرلو اور اپنے اقوال وافعال میں اللہ سے ڈرتے رہو تو منافقین کا مکر وفریب تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کے ضرر کی نفی صبر وتقویٰ کے ساتھ مشروط کی ہے۔[1] اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡطٌ: یعنی اللہ ان کی مکروہ تدابیر سے واقف ہے، ان کی تدابیر انہی پر موڑ دے گا اور انہیں ان کی خبیث اور گندی نیتوں پر عذاب ملے گا۔

بلاغت: مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اُمَّةٌ :...... یہ جملہ اسمیہ ہے جو استمرار پر دلالت کرتا ہے، اسی طرح اس کے بعد صیغہ مضارع لایا گیا ہے۔ يَتۡلُوۡنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ: جو تجدد پر دلالت کرتا ہے اسی طرح يَسۡجُدُوۡنَ: بھی اسی کی مثل ہے۔ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ: بعید کا اشارہ بعد رتبی کی طرف ہے۔ كَمَثَلِ رِيۡحٍ فِيۡهَا صِرٌّ: اس میں تشبیہ تمثیلی ہے، چنانچہ منافقین اور کفار تفاخر اور مدح سرائی کے لیے جو کچھ خرچ کرتے تھے، اسے ایسی کھیتی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جسے سخت تیز ہوا نے تباہ کردیا ہو اور ہوا میں شدید آندھی بھی ہو۔ لَا تَتَّخِذُوۡا بِطَانَةً: آدمی کی پوشیدہ باتوں کو استر کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، اس میں استعارہ بھی ہے۔ (دیکھیے تلخیص البیان) عَضُّوۡا عَلَيۡكُمُ الۡاَنَامِلَ: ابوحیان کہتے ہیں: ان آیات میں محسنات بدیعیہ بھی نمایاں ہیں چنانچہ اِنۡ تَمۡسَسۡكُمۡ حَسَنَةٌ تَسُؤۡهُمۡ ۚ وَاِنۡ تُصِبۡكُمۡ سَيِّئَةٌ يَّفۡرَحُوۡا بِهَا: میں صنعت مقابلہ ہے چوں کہ حَسَنَةٌ (اچھائی وبھلائی) کو سَيِّئَةٌ (برائی) کے مدمقابل لایا گیا ہے، ناخوشی کو خوشی کے مقابلہ میں لایا گیا ہے۔ ظَلَمَهُمۡ اور يَظۡلِمُوۡنَ میں جناس اشتقاق ہے۔ اسی طرح الغیظ اور غیظکم، تومنون اور آمنا میں بھی تجنیس اشتقاق ہے۔

لطیفہ: اِنۡ تَمۡسَسۡكُمۡ حَسَنَةٌ :...... میں خیر وبھلائی کے حصول کو مس سے تعبیر کیا گیا ہے جب کہ وَاِنۡ تُصِبۡكُمۡ سَيِّئَةٌ: میں برائی میں مبتلا ہونے کو ''اصابت'' سے تعبیر کیا گیا ہے، وجہ فرق سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اگر معمولی سی بھلائی بھی مسلمانوں کو حاصل ہوتی ہے تو اس سے بھی منافقین چیں بجبیں ہوجاتے ہیں، جب کہ مسلمان کسی بری چیز مثلاً قحط تنگی وغیرہ میں جب تک پوری طرح مبتلا نہ ہوں کفار خوش نہیں ہوتے، چنانچہ جب مسلمان پوری طرح کسی مصیبت میں گرفتار ہوجائیں تو کفار خوش ہوجاتے ہیں۔ یہ نکتہ قرآن عظیم کے اسرار بلاغت میں سے ہے۔
(دیکھیے حاشیہ کشاف)

غزوات کے ابتدائی احوال

وَاِذۡ غَدَوۡتَ مِنۡ اَهۡلِكَ تُبَوِّئُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ مَقَاعِدَ لِلۡقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۱۲۱﴾ اِذۡ هَمَّتۡ طَّآئِفَتٰنِ مِنۡكُمۡ اَنۡ تَفۡشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلَقَدۡ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدۡرٍ وَّاَنۡتُمۡ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذۡ تَقُوۡلُ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَلَنۡ يَّكۡفِيَكُمۡ اَنۡ يُّمِدَّكُمۡ رَبُّكُمۡ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ مُنۡزَلِيۡنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى ۙ اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا وَيَاۡتُوۡكُمۡ مِّنۡ فَوۡرِهِمۡ هٰذَا يُمۡدِدۡكُمۡ

[1] آج کل Save the Cheldrn بچوں کی حفاظت کی ایک تنظیم تعلیمی اداروں میں، دہشت گردی اور اس پر صبر کرنے پر ورکشاپس کرواتے رہتے ہیں، یہ محض دجل ہے ان کے لکچرز میں آیات قرآنیہ بھی شامل ہوتی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں پر جتنا ظلم ہوتا ہے مسلمان صبر کرتے ہیں اور سہتے رہتے ہیں، مزاحمت نہیں کرتے، مذکورہ آیت منافقین مدینہ کے متعلق ہے آج کے کفار کے متعلق نہیں ان کا علاج جہاد اور مزاحمت ہے۔

رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ

بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ

فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ

الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

ترجمہ:......اور جب آپ اپنے گھر سے صبح کے وقت نکلے مسلمانوں کو قتال کرنے کے لیے مقامات بتا رہے تھے، اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔﴿۱۲۱﴾ جب ارادہ کیا دو جماعتوں نے تم میں سے کہ بزدل ہو جائیں، اور اللہ ان کا ولی تھا اور اللہ پر بھروسہ کریں مؤمن بندے۔﴿۱۲۲﴾ اور بلا شبہ اللہ نے بدر میں تمہاری مدد فرمائی، حالانکہ تم کمزور حالت میں تھے، پس اللہ سے ڈرو تا کہ تم شکر گزار ہو۔﴿۱۲۳﴾ جب آپ مؤمنین سے فرما رہے تھے کیا تمہیں یہ کافی نہ ہوگا کہ تمہارا رب تین ہزار فرشتوں کے ذریعہ تمہاری مدد فرما دے جو اتارے گئے ہوں۔﴿۱۲۴﴾ ہاں اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو اور دشمن تم پر فوراً آ پہنچے تو اللہ تمہاری مدد فرمائے گا پانچ ہزار فرشتوں کے ذریعہ، جن پر نشان لگے ہوئے ہوں گے۔﴿۱۲۵﴾ اور اللہ نے یہ مدد صرف اس لیے کی کہ تمہارے لیے بشارت ہو اور تمہارے دل اس سے مطمئن ہوں اور مدد نہیں ہے مگر صرف اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے حکمت والا ہے۔﴿۱۲۶﴾ تا کہ کافروں میں سے ایک گروہ کو ہلاک کر دے یا اُن کو ذلیل کر دے تو وہ واپس ہو جائیں محروم ہو کر۔﴿۱۲۷﴾ آپ کو کچھ بھی اختیار نہیں ہے، اللہ چاہے تو اُن کو توبہ کی توفیق دے یا اُن کو عذاب دے کیونکہ وہ ظلم کرنے والے ہیں۔﴿۱۲۸﴾ اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے، وہ مغفرت فرماتا ہے جس کی چاہے اور عذاب دیتا ہے جس کو چاہے، اور اللہ غفور ہے رحیم ہے۔﴿۱۲۹﴾ اے ایمان! والو مت کھاؤ سود چند در چند بڑھا کر اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔﴿۱۳۰﴾ اور ڈرو اس آگ سے جو تیار کی گئی ہے کافروں کے لیے۔﴿۱۳۱﴾ اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔﴿۱۳۲﴾

ماقبل سے ربط وتعارف:......ان آیات سے غزوات کے احوال کی ابتدا کی جا رہی ہے، ان آیات کا سیاق معرکۂ مناظرہ ومباحثہ سے معرکۂ جنگ ومیدان کی طرف منتقل کیا جا رہا ہے، ان آیات میں غزوۂ احد کا تفصیلی ذکر آئے گا جب کہ بیچ میں غزوۂ بدر کے متعلق بھی بعض آیات ہیں، ان آیات میں مؤمنین کو اللہ تعالیٰ کی نعمت عظمیٰ یاد کروائی گئی ہے کہ بدر میں مسلمانوں کی تعداد قلیل تھی اس کے باوجود انہیں فتح نصیب ہوئی، یہ آیت غزوۂ احد کے قصے کے متعلق پہلی آیت ہے اور غزوۂ احد کے متعلق تقریباً ساٹھ آیات ہیں، ان آیات کا ماقبل کے ساتھ ربط یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کو راز دار بنانے سے ڈرایا، اس کا سبب منافقین کا انصار کے دونوں گروہوں کو ہوا دینا تھا جب کہ رأس المنافقین ابی بن سلول کی سرپرستی بھی منافقین کو حاصل تھی۔ چنانچہ شیخین کی روایت ہے کہ آیت کریمہ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا: انصار کے بارے میں نازل ہوئی، جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہمارے دو گروہ تھے بنو حارثہ اور بنو سلمہ، ہمیں ان آیات کا نزول بہت محبوب ہے چوں کہ ارشاد ہے: وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا۔

لغات: غَدَوْتَ:......صبح کے وقت باہر نکلنا۔ تَفْشَلَا: سستی، کمزوری ہمت وحوصلہ پست ہونا۔ تُبَوِّئُ: تم اتارتے ہو، مقیم بناتے ہو، تبوئ مصدر ہے بمعنی کسی جگہ پر جم جانا۔ اَذِلَّةٌ: تعداد میں کم ہونا اور اسلحہ بھی کم ہونا۔ فَوْرِهِمْ: سرعت، جلدی مقولہ ہے "فارت القدر" ہنڈیا میں ابال آیا، سرعت کے معنی میں مستعمل ہے "من فوره" اسی گھڑی، اسی وقت۔ مسومین نشان زدہ، واؤ کی کسرہ کے ساتھ بمعنی ان کی علامت ہوگی، چنانچہ غزوۂ بدر میں فرشتے سفید عمامے پہنے ہوئے تھے۔ طَرَفًا: گروہ، ٹکڑا۔ يَكْبِتَهُمْ: الکبت سے ماخوذ ہے بمعنی ہزیمت

شکست، بسا اوقات غیظ اور ذلیل کرنے کے معنی میں بھی آیا ہے۔ خَآئِبِیْنَ: خیبۃ سے ماخوذ ہے بمعنی مطلوب کے حصول میں ناکامی ہونا۔

واقعہ غزوۂ احد

تفسیر: وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ: ……اے محمد! وہ وقت یاد کرو جب تم اپنے گھر سے نکل کر احد کی طرف جا رہے تھے۔ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِیْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ: تم مؤمنین کو دشمن کے ساتھ لڑنے کے لیے مورچوں پر بٹھا رہے تھے۔ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ: اللہ تمہارے اقوال کو سنتا ہے اور تمہارے احوال کو جانتا ہے۔ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا: جب قریب تھا کہ مسلمانوں کے لشکر میں سے دو گروہ حوصلہ ہار رہے تھے اور واپس ہونا چاہتے تھے، یہ دو گروہ بنوسلمہ اور بنوحارثہ تھے، جب رسول کریم ﷺ کفار مکہ کے مقابلے کے لیے مدینہ سے نکلے تو آپ کے ساتھ ایک ہزار کا لشکر تھا لیکن رأس المنافقین عبداللہ بن اُبی کہنے لگا بھلا ہم اپنی اولاد اور اپنی جانوں کو کیوں قتل کروائیں؟ تاہم وہ تہائی لشکر لے کر واپس چلا گیا، انصار کے یہ دو گروہ بھی واپس ہونا چاہتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں نافرمانی سے محفوظ رکھا اور رسول اللہ ﷺ کے شانہ بشانہ رہے۔ وَاللّٰهُ وَلِیُّهُمَا: یعنی اللہ ان کا مددگار اور حمایتی ہے۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ: تمام احوال و امور میں مؤمنین اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں۔

واقعہ غزوہ بدر

اس کے بعد غزوۂ بدر کی فتح کا بیان ہے تاکہ احد میں عارضی شکست پر مسلمانوں کو تسلی ہو جائے۔ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ یعنی اللہ نے بدر کے موقع پر تمہاری مدد فرمائی باوجود یہ کہ تم تعداد میں بھی کم تھے اور تم نہتے تھے، تاکہ تمہیں یقین ہو جائے کہ مدد تو اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور فتح اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، فتح کثرت تعداد اور زیادتی اسلحہ کے مرہون نہیں۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ: اللہ نے تمہیں جو مدد اور فتح عطا فرمائی ہے اس پر اس کا شکر ادا کرو۔

غزوۂ بدر میں تین ہزار فرشتوں سے امداد

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ اَلَنْ یَّكْفِیَكُمْ اَنْ یُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِیْنَ: ……جب غزوۂ بدر کے دوران اے محمد! تم اپنے صحابہ سے کہہ رہے تھے: کیا تمہیں کافی نہیں کہ اللہ تمہاری مدد کے لیے تین ہزار فرشتے بھیجے۔ بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا: بَلٰٓى وعدہ کی تصدیق ہے، یعنی بے شک اللہ فرشتوں کے ذریعہ تمہاری مدد کرے گا بشرط یہ کہ معرکہ میں تم صبر کرو، اللہ سے ڈرتے رہو اور اللہ کا حکم مانتے رہو۔ وَیَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا: اور مشرکین بھی اسی وقت تمہارے پاس آن دھمکیں۔[۱] یُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِیْنَ: اللہ فرشتوں کے ذریعہ تمہاری مدد میں اضافہ کرے گا، جو اسلحہ سجائے ہوئے نمایاں علامت والے ہوں گے اور جنگی چالوں کے پورے مشاق ہوں گے۔[۲] وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ: اے مؤمنین! اللہ نے فرشتوں کی یہ مدد اس لیے بھیجی ہے تاکہ تمہیں فتح کی بشارت مل جائے اور میدان جنگ میں تم ڈٹے رہو۔ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ: اور اس لیے کہ تمہارے دلوں کو سکون مل جائے اور تاکہ تم دشمن کی اکثریت سے ڈر نہ جاؤ۔ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ: تمہیں یہ وہم نہ ہو کہ فتح کثرت تعداد اور کثرت اسلحہ سے ہوتی ہے، حقیقت میں فتح تو صرف اللہ کی مدد سے ہوتی ہے، فتح کا دارومدار فرشتوں پر نہیں اور نہ ہی کسی اور پر۔ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ: اس اللہ کی مدد سے جو غالب ہے، مغلوب نہیں اور جو کچھ بھی کرتا ہے اس میں اس کی حکمت کارفرما ہوتی ہے۔

---

[۱] اور وہ لوگ اپنے اسی ریلے میں اچانک تم تک پہنچ جائیں۔ (آسان ترجمہ قرآن) [۲] مُسَوِّمِیْنَ کا معنی علامت زدہ ہوں گے، عروہ بن زبیر کہتے ہیں: فرشتے چتکبرے گھوڑوں پر سوار تھے اور انہوں نے سفید عمامے پہن رکھے تھے جن کے شملے دونوں کاندھوں کے درمیان ڈال رکھے تھے۔ دیکھیے طبری اور کشاف۔

لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا:...... یہ خدائی تدبیر اس لیے ہے تا کہ قتل یا قید کرنے سے دشمن کی ایک جماعت ہلاک ہوجائے اور شرک کے ارکان میں سے ایک رکن منہدم ہوجائے اَوْ يَكْبِتَهُمْ: اور اللہ انہیں شکست سے چور کر کے رسوا کردے۔ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ: اپنے مقصد میں ناکام ہو کر واپس لوٹیں۔ چنانچہ میدان بدر میں اللہ تعالیٰ نے ایسا کر دکھایا کہ مسلمانوں نے قریش کے ستر سردار قتل کیے اور اتنے ہی قیدی بنائے، اللہ نے مسلمانوں کو عزت بخشی، شرک اور مشرکین کو ذلیل وخوار کیا۔ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ: یہ آیت جملہ معترضہ کے طور پر وارد ہوئی ہے، یہ آیت قصۂ احد کے متعلق ہے۔ چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہوگئے اور آپ کا چہرۂ اقدس زخمی ہوگیا تو آپ نے فرمایا: اس قوم کو فلاح کیسے مل سکتی ہے جو اپنے نبی کا چہرہ خون آلود کردے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی آیت کا معنی ہے، اے محمد! بندوں کی تدبیر کا اختیار تمہارے پاس نہیں بلکہ یہ اختیار تو اللہ کو حاصل ہے۔ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ: اللہ ہی کو بندوں پر اختیار حاصل ہے۔ یا انہیں ہلاک کر دے، یا انہیں شکست سے دوچار کرے یا انہیں توبہ کی توفیق عطا فرمائے اگر اسلام قبول کرلیں، یا اگر کفر پر مصر رہیں تو انہیں عذاب دے، بلاشبہ وہ ظالم ہیں اور عذاب کے مستحق ہیں۔ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ: اللہ ہی آسمانوں اور زمین کی بادشاہت کا سزاوار ہے جسے چاہے عذاب دے، جسے چاہے بخشش عطا فرمائے، وہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

سود لینے کی ممانعت

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً:...... اللہ تعالیٰ نے اپنے مؤمن بندوں کو اس آیت میں سود لینے سے منع فرمایا ہے اور ساتھ جاہلی طریقہ کے مطابق دگنا چوگنا سود لینے پر بھی سرزنش کی ہے، جاہلیت میں دگنا چوگنا سود لینے کا رواج عام تھا۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: جاہلیت میں جب دین (قرضہ) کی مدت پوری ہوجاتی دائن (قرض دہندہ) مدیون سے کہتا۔ یا تو ادائیگی کرو یا مجھے سود دو۔ اگر مدیون قرضہ دے دیتا تو فبہا ورنہ دائن مدت بڑھا دیتا اور مقدار میں بھی اضافہ کر دیتا، پورا سال اسی طرح ہوتا، بسا اوقات معمولی قرضہ (دین) بھی اصل کے مقابلے میں چند در چند ہوجاتا۔[1] وَاتَّقُوا اللّٰهَ: اللہ کے عذاب سے ڈرو اور جس چیز سے اس نے منع کیا ہے اس سے رکے رہو۔ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ: تا کہ تم کامیاب ہوجاؤ۔ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ: اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ: اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم نیکوکار بن جاؤ اور اللہ کی رحمت کے مستحق بن جاؤ۔

بلاغت: اِذْ تَقُوْلُ:...... صیغۂ مضارع سے حال کی حکایت کی جارہی ہے تا کہ وہ واقعہ اذہان میں مستحضر رہے۔ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ: عنوان ربوبیت کے ساتھ مخاطبین کا بھی اضافہ کیا گیا ہے تا کہ مخاطبین سے کمال عنایت کا اظہار کیا جائے۔ یہ نکتہ ابوسعود نے رقم کیا ہے۔ يَغْفِرُ وَيُعَذِّبُ: ان دونوں الفاظ میں صنعت طباق ہے۔ اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً: اس میں تجنیس اشتقاق ہے۔ لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰٓوا: اس میں مجاز مرسل ہے چوں کہ انجام کار سود سے حاصل ہونے والا مال کھایا ہی جاتا ہے۔ باعتبار ما یؤل الیہ کے لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰٓوا: کہا گیا ہے۔

تنبیہ:...... سود کے متعلق اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً: آیت میں آیا ہے، یہ بیان نہ تو قید کے لیے ہے اور نہ ہی شرط کے لیے، بلکہ یہ ایک حالت کا بیان ہے۔ جس پر لوگ جاہلیت میں تھے، نیز اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً: سے سود کی شناعت بیان کرنا مقصود ہے۔ اس طور پر کہ جو وہ دوگنا سوگنا سود وصول کرتے تھے تو یہ ایسا ظلم تھا جو لوگوں کی چیخیں نکلوا دیتا تھا اور یہ لوگوں کے ساتھ کھلی دشمنی تھی۔ ابوحیان کہتے ہیں: اس شنیع حالت سے منع کیا گیا ہے، جس میں وہ سود پر سود لگاتے چلتے جاتے تھے کہ بسا اوقات معمولی قرضہ بھی مدیون کے سارے مال کو گھیر لیتا تھا۔ مُّضٰعَفَةً: سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اہل جاہلیت ایک ہی سال میں مکرر بار دوگنا چوگنا سود وصول کرتے تھے، جبکہ سود کی جملہ انواع حرام ہیں، گویا یہ حالت سود کی ممانعت کے لیے قید اور شرط نہیں۔[2]

---

[1] یہاں جو سود کئی گنا بڑھا کر کھانے کا ذکر ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ کم شرح پر سود کی اجازت ہے بلکہ اس وقت سودی قرضوں میں عموماً یہی ہوتا تھا اس لیے ایک واقعہ کے طور پر بات بیان کی گئی ہے ورنہ سورت بقرہ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ اصل مال پر جتنی بھی زیادتی ہو وہ سود ہے اور حرام ہے (حاشیہ آسان ترجمہ قرآن) [2] البحر المحیط ۳/ ۵۴

جنت کی وسعت، اوصاف حمیدہ، جنت کی صفات وغیرہ کا ذکر

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۠ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ؕ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾

ع ۱۴ ۵ — ع ۱۵ ۶

ترجمہ:...... اور جلدی آگے بڑھو مغفرت کی طرف جو تمہارے رب کی طرف سے ہے اور جنت کی طرف جس کا عرض ایسا ہے جیسے تمام آسمان اور زمین، وہ تیار کی گئی ہے متقیوں کے لیے۔ ﴿۱۳۳﴾ جو خرچ کرتے ہیں خوشی میں اور تکلیف میں، اور جو ضبط کرنے والے ہیں غصے کو، اور جو لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں، اور اللہ محبت فرماتا ہے اچھے کام کرنے والوں سے۔ ﴿۱۳۴﴾ اور وہ لوگ جنہوں نے جب کوئی برا کام کیا یا اپنی جانوں پر ظلم کیا تو اللہ کو

یاد کیا اور اپنے گناہوں کی مغفرت چاہی اور گناہوں کو کون بخشے گا سوائے اللہ کے اور انہوں نے اپنے کیے پر اصرار نہیں کیا وہ جانتے ہیں۔ (۱۳۵) یہ وہ لوگ ہیں جن کا بدلہ مغفرت ہے اُن کے رب کی طرف سے اور باغ ہیں جن کے نیچے جاری ہیں نہریں اُن میں ہمیشہ رہیں گے اور اچھا بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا۔ (۱۳۶) تم سے پہلے بہت سے طریقے گذر چکے ہیں لہٰذا تم چلو زمین میں پھر دیکھو کیا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا۔ (۱۳۷) یہ بیان ہے لوگوں کے لیے اور ہدایت ہے اور نصیحت ہے متقیوں کے لیے۔ (۱۳۸) اور ہمت نہ ہارو اور غمگین نہ ہو اور تم ہی بلند ہو گے اگر تم مؤمن ہو۔ (۱۳۹) اگر تم کو زخم پہنچ گیا تو تمہاری مقابل قوم کو اس جیسا زخم پہنچ چکا ہے اور یہ دن ہیں جنہیں ہم باری باری بدلتے رہتے ہیں لوگوں کے درمیان اور تا کہ اللہ جان لے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے، اور بنا لے تم میں سے شہادت پانے والے، اور اللہ پسند نہیں فرماتا ظالموں کو (۱۴۰) اور تا کہ پاک صاف کرے ایمان والوں کو، اور مٹا دے کافروں کو۔ (۱۴۱) کیا تم نے یہ خیال کیا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور ابھی معلوم نہیں کیا اللہ نے اُن لوگوں کو جو جہاد کرنے والے تم میں سے، اور تا کہ وہ جان لے ثابت قدم رہنے والوں کو۔ (۱۴۲) اور اس میں شک نہیں کہ تم لوگ موت کے سامنے آنے سے پہلے اس کی آرزو کرتے تھے، سو اب تم نے موت کو دیکھ لیا اس حال میں کہ وہ آنکھوں کے سامنے ہے۔ (۱۴۳) اور محمد صرف رسول ہیں، اُن سے پہلے رسول گذر چکے ہیں، تو کیا اُن کو موت آ جائے یا مقتول ہو جائیں تو تم اُلٹے پاؤں پلٹ جاؤ گے؟ اور جو شخص اُلٹے پاؤں پھر جائے تو وہ اللہ کو کچھ بھی نقصان نہ دے گا، اور اللہ عنقریب شکر گذاروں کو ثواب دے گا۔ (۱۴۴) اور کسی جان کو موت نہیں آ سکتی مگر اللہ کے حکم سے اس طرح پر کہ اُس کا وقت مقرر کیا ہوا ہے، اور جو شخص دنیا کے بدلے کا ارادہ کرے گا ہم اس میں سے اس کو دے دیں گے اور جو شخص آخرت کے ثواب کا ارادہ کرے گا ہم اس میں سے اُسے دے دیں گے اور عنقریب ہم شکر گذاروں کو جزا دیں گے۔ (۱۴۵) اور بہت سے نبی گذرے ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی، پھر جو مصیبتیں اُن کو اللہ کی راہ میں پہنچیں اُن کی وجہ سے نہ ہمت ہارے نہ کمزور پڑے اور نہ عاجز ہوئے، اور اللہ صبر کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔ (۱۴۶) اور اُن کا قول اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ انہوں نے یوں کہا کہ اے ہمارے رب! بخش دے ہمارے گناہوں کو، اور ہمارے کاموں میں حد سے آگے بڑھ جانے کو اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھ، اور کافر قوم کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما، (۱۴۷) سو اللہ نے اُن کو دنیا کا بدلہ دے دیا اور آخرت کا عمدہ بدلہ دیا اور اللہ پسند فرماتا ہے اچھے کام کرنے والوں کو۔ (۱۴۸)

ماقبل سے ربط وتعارف: ......قبل ازیں اللہ تعالیٰ نے صبر وتقویٰ پر مؤمنین کو برانگیختہ کیا ہے اور غزوۂ بدر میں فرشتوں کی مدد پر بھی مؤمنین کو متنبہ کیا اب اللہ کی رضامندی کی طرف لپکنے کا حکم دیا جا رہا ہے، پھر تفصیل سے غزوۂ احد کا ذکر ہے، پھر بیان فرمایا کہ آزمائش تو زندگی کا حصہ ہے، یہ بھی بیان فرمایا کہ انبیا کے قتل ہو جانے سے مؤمنین کے حوصلے پست نہیں ہو جانے چاہئیں، پھر آیات کریمہ میں غزوہ احد سے حاصل ہونے والی عبرت اور سبق کا تفصیلی ذکر ہے۔

لغات: وَسَارِعُوْٓا: ......ایک دوسرے پر سبقت لے جاؤ اور کوشش کرو۔ السَّرَّآءِ: فراخی، خوشی۔ وَالضَّرَّآءِ: شدت اور تنگی۔ وَالْكٰظِمِيْنَ: غصے کو پیٹ میں واپس لے جانے والے، مقولہ ہے ''کظم غیظة'' فلاں شخص نے غصہ نکالنے کی قدرت کے باوجود غصہ ظاہر نہیں کیا۔ ''کظم القربة'' سے ماخوذ ہے بمعنی مشکیزے کا لبریز ہو جانا۔ فَاحِشَةً: ایسا عمل جو قباحت میں انتہا درجے کا ہو۔[1] خَلَتْ: گذر چکی۔ سُنَنٌ: سُنَّةٌ کی جمع ہے، ایسا طریقہ اور راستہ جس کی اقتدا کی جائے اسی سے ہے سنت نبوی، یہاں سنت سے مراد مکذبین کو پیش آنے والے واقعات ہیں۔ قَرْحٌ: فتحہ اور ضمہ کے ساتھ بمعنی زخم، فراء کہتے ہیں: فتحہ کے ساتھ زخم اور ضمہ کے ساتھ زخم کا درد اور صدمہ[2] نُدَاوِلُهَا: ہم ادلتے بدلتے ہیں، مداولہ کسی چیز کو ایک حالت سے دوسری حالت میں بدلنا مقولہ ہے۔ ''تداولته الا یدی'' کسی چیز کو ایک کے ہاتھ سے دوسرے کے ہاتھ میں منتقل کرنا۔ وَلِيُمَحِّصَ: باب تفعیل سے صیغہ واحد مذکر غائب ہے، تمحیص کا معنی ہے، کسی چیز کو خالص کرنا، ہر طرح کے عیب سے پاک کرنا، لغوی معنی تنقیہ اور ازالہ ہے۔ يَمْحَقَ: المحق سے ماخوذ ہے کسی چیز کو آہستہ آہستہ کم کرنا۔ اَعْقَابِكُمْ: عقب کی جمع ہے ایڑی، مقولہ ہے۔

[1] ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں فاحشہ سے مراد زنا ہے۔ [2] قرطبی ۴/ ۲۱۷

''انقلب علی عقبہ'' یعنی وہ اسی حالت پر واپس لوٹ گیا جس پر وہ تھا۔مُّؤَجَّلًا: مقررہ وقت جس میں ذرہ برابر بھی تقدیم وتاخیر نہ ہو۔ وَكَاَيِّنْ: کم کے معنی میں ہے جس سے تکثیر کو بیان کیا جاتا ہے، اصل میں أَيٌّ ہے اس پر کاف حرف جار جو تشبیہ کے لیے ہے داخل کی گئی كَاَيِّنْ: ہو گیا۔رِبِّيُّوْنَ: رِبِّيٌّ کی جمع ہے رب کی طرف منسوب جیسے ربانیین یعنی اللہ والے، علما، اتقیا اور عابدین مراد ہیں، دوسرے قول کے مطابق ربة کی طرف منسوب بمعنی جماعت ہے۔اسْتَكَانُوْا: جھک گئے، لغوی معنی سکون ہے چوں کہ جو شخص کسی کے آگے جھک جاتا ہے (سرنڈر کر لیتا ہے)وہ اپنے صاحب کے سامنے سکون میں آ جاتا ہے وہ اس کے ساتھ جو کرنا چاہے کر لے۔

مکارم اخلاق کے اصول اور بنیاد

تفسیر:وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ :...... اس چیز کی طرف سبقت لے جاؤ جو موجب مغفرت ہے، یہ سبقت اطاعت خدا اور اس کے احکام واوامر بجالانے سے حاصل ہوتی ہے۔وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ: اور ایسی جنت کی طرف سبقت لے جاؤ جو وسعتوں والی ہے اور جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کی چوڑائی کی طرح ہے جیسا کہ سورۂ حدید میں ہے۔عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (سورہ الحدید، آیت ۲۱) اس سے جنت کی وسعت کو بیان کرنا مقصود ہے، جب جنت کی یہ چوڑائی ہے تو لمبائی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟[1] أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ: یہ جنت اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ: جو لوگ مالداری اور تنگدستی، تنگی اور فراخی میں اپنے اموال خرچ کرتے ہیں۔وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ: اور جو اپنے غصے کو قابو میں رکھتے ہیں باوجود یہ کہ انہیں انتقام لینے پر قدرت حاصل ہوتی ہے۔وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ: یعنی جو ان کے ساتھ برا سلوک کرے اسے معاف کر دیتے ہیں۔وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ: جو لوگ متذکرہ بالا اوصاف حمیدہ کے حاملین ہو اللہ ان سے محبت کرتا ہے۔وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً: اور جو لوگ کسی قبیح گناہ (جیسے کبیرہ گناہ) کے مرتکب ہوں۔اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ: کسی گناہ کا ارتکاب کر کے اپنے او پر ظلم کریں۔

ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ:...... انہیں اللہ کی عظمت اور وعید یاد آ جاتی ہے وہ فوراً گناہ سے دست کش ہو جاتے ہیں، توبہ کر لیتے ہیں اور اللہ کی طرف رجوع کر لیتے ہیں۔وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ: گناہوں کو کوئی معاف نہیں کرتا مگر اللہ۔یہ جملہ معترضہ ہے جو بندوں کی دل جوئی کے لیے لایا گیا ہے، اس میں توبہ کی ترغیب دی گئی ہے، اس جملے میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ گناہ خواہ کتنا ہی بڑا ہو بلا شبہ رب تعالیٰ کی بخشش ومعافی اور رحمت اس سے کہیں زیادہ وسعت والی ہے۔وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ: قبیح فعل جو ان سے سرزد ہوا سے بار بار کرتے ہی نہیں رہتے جب کہ وہ اس فعل کے قبیح ہونے کو جانتے ہو، بلکہ اس گناہ سے الگ ہو جاتے ہیں اور توبہ کر لیتے ہیں۔اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ: یعنی ان اوصاف حمیدہ کے ساتھ جو لوگ متصف ہوں ان کا بدلہ اور ثواب ان کے گزشتہ گناہوں کی معافی ہے۔ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ: ان صفات کے حاملین کے لیے بہشتیں ہیں جن کے درختوں کے بیچوں بیچ نہریں بہہ رہی ہوں گی۔خٰلِدِيْنَ فِيْهَا: ان بہشتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ: جو اللہ کی اطاعت کرتا ہے اسے بدلہ اور جزا میں ملنے والی جنت بہت اچھی ہے۔اس میں اللہ تعالیٰ نے غزوۂ احد کا تتمہ ذکر کیا ہے، اس تتمہ سے پہلے مبادی رشد وہدایت کو بطور تمہید ذکر کیا ہے۔چنانچہ ارشاد ہوا:قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ: گزشتہ امتوں کے حوالے سے اللہ کی سنت چلی آ رہی ہے کہ ان امتوں کو اپنے انبیا کی مخالفت کی وجہ سے ہلاکت کر دیا۔ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ: تم زمین میں چلو پھرو اور جھٹلانے والوں کی خبریں معلوم کرو اور ان پر پڑنے والے عذاب کا حال دیکھو، یہ اس لیے تا کہ تمہیں ان امتوں کے آثار سے نصیحت اور عبرت حاصل ہو۔هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ: اس قرآن میں عام لوگوں کے لیے شافی بیان ہے۔[2] وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ: رشد وہدایت کی طرف لانے کی رہنمائی ہے اور بالخصوص پرہیزگاروں کے لیے نصیحت

---

[1] زیر تفسیر آیت میں تشبیہ کو حذف کیا گیا ہے اس سے مبالغہ مقصود ہے جیسا کہ عرب کسی چیز کا مبالغہ بیان کرنے میں ایسا ہی مقولہ بولتے ہیں۔[2] اس تفسیر کے مطابق هذا کا مشار الیہ قرآن ہوگا بعض مفسرین نے، ماقبل مذکور کو مشار الیہ بنایا ہے، معنی ہوگا: سابقہ امتوں کی ہلاکت کی خبریں جو میں نے تمہارے لیے واضح کر دی ہیں ان میں گمراہی سے ہدایت کی طرف لانے کا سامان ہے اور متقین کے لیے سامان نصیحت ہے، دیکھیے طبری

ہے، آیت میں صرف متقین کا ذکر آیا ہے چوں کہ گزشتہ امتوں کے احوال یا قرآن مجید سے راہنمائی وہی لیتے ہیں اور دوسرے لوگوں کی بنسبت وہی اس سے نفع اٹھاتے ہیں، اس کے بعد غزوۂ احد میں مسلمانوں کو ہونے والی شکست پر تسلی دی جا رہی ہے۔

غزوۂ احد میں شکست پر مسلمانوں کو تسلی

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا: ...... تم سست مت بنو اور نہ ہی غمگین ہو یعنی جہاد کے حوالے سے تمہارے حوصلے پست نہ ہوں اور جو تمہیں شکست ہوئی اس سے غمزدہ نہ ہو۔ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ: کفار پر تم ہی غالب رہو گے اور تم ہی کو فوقیت حاصل ہوگی، اگر احد میں تمہیں ہزیمت دیکھنی پڑی بدر میں تم کفار پر آفت بن کر ٹوٹ پڑے تھے۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ: اگر تم سچے مؤمنین ہو تو کمزور نہ پڑو اور غمگین نہ ہو۔ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ: اگر تمہیں قتل کا سامنا کرنا پڑا اور زخم لگا ہے تو بدر میں مشرکین کو بھی ایسا ہی قتل اور زخم دیکھنے پڑے تھے۔ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ: زمانے کو قرار نہیں، ایک دن تمہارے غلبے کا ہے اور دوسرا دن تمہاری مغلوبیت کا، کسی دن تم پریشان ہو جاتے ہو اور کسی دن خوش۔[1]

وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: ...... اللہ نے ایسا اس لیے کیا ہے تاکہ تمہارا امتحان ہو جائے اور اللہ دیکھ لے کہ کون شدائد میں صبر کرتا ہے اور کون صبر نہیں کرتا، نیز مؤمنین اور منافقین میں فرق کر دے۔ وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ: اور تاکہ اللہ تعالیٰ تم میں سے بعض کو اپنے راستے میں شہادت کی نعمت سے نوازے۔ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ: یعنی اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، انہی میں سے منافقین بھی ہیں جو غزوۂ احد کے موقع پر نبی ﷺ سے الگ ہو گئے۔ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: اور تاکہ اللہ ایمان والوں کو گناہوں سے پاک وصاف کر دے اور انہیں منافقین سے ممتاز کر دے۔ وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ: اللہ کافروں کو رفتہ رفتہ ہلاک کرے گا۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ: استفہام انکاری ہے۔ معنی ہے۔ اے مؤمنین کی جماعت! کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ ابتلا و آزمائش اور گناہوں سے پاک کیے بغیر تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے؟ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ: ابھی تک تم نے اللہ کی راہ میں جہاد نہیں کیا تاکہ اللہ تمہارے جہاد اور شدائد پر تمہارے صبر کو جانچے۔ طبری کہتے ہیں: آیت کا معنی ہے: اے اصحاب محمد کی جماعت! کیا تم گمان کرتے ہو کہ تم اپنے رب کی عطا کردہ عزت وشرف کو پا لو گے حالاں کہ ابھی تک مؤمن بندوں کے لیے واضح نہیں ہوا کہ فی سبیل اللہ جہاد کرنے والے کون ہیں، اور معرکہ کے وقت صبر کرنے والے کون ہیں اور رب لگائی کی خاطر دکھ اور تکلیف کون برداشت کرنے والے ہیں۔ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ: تم دشمن کے مدمقابل ہونے کی تمنا کرتے تھے تاکہ مرتبۂ شہادت سے محظوظ ہو سکو۔ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ: شہادت کی سختی چکھنے سے پہلے، اس آیت میں ان لوگوں کے لیے سرزنش ہے جنہیں ہزیمت اٹھانی پڑی۔ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ: تم نے اپنی آنکھوں سے شہادت کی موت کو دیکھ لیا، جب تمہارے بھائی قتل کیے جا رہے تھے اور تم دیکھ رہے تھے۔

آیت کا شان نزول

جنگ احد میں کافروں نے افواہ پھیلا دی کہ محمد قتل کر دیے گئے، منافقین کہنے لگے: حقیقۃً محمد اگر قتل کر دیے گئے تو پھر آؤ ہم اپنے پہلے دین کی طرف لوٹ جائیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ: اور محمد (ﷺ) تو ایک رسول ہی ہیں، ان سے پہلے بھی بہت سارے رسول گزر چکے ہیں، ان میں سے بعض طبعی موت مرے اور بعض قتل کیے گئے۔ اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ: اگر محمد (ﷺ) کو اللہ نے موت دے دی یا کفار نے انہیں قتل کر دیا تو کیا تم ایمان کے بعد مرتد ہو کر کافر بن جاؤ گے؟ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا: جو شخص دین (اسلام) سے برگشتہ ہو گیا وہ اللہ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا، بلکہ وہ اللہ کے غصے اور عذاب سے تعرض

---

[1] مفسر نے نمر بن تولب کے اشعار کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جو یہ ہیں۔ فلا وابی الناس لا یعلمون + فلا الخیر خیر ولا الشر شر: فیوم علینا ویوم لنا + ویوم نساء ویوم نسر۔ دیکھیے حاشیہ کشاف

کر کے اپنا ہی نقصان کرے گا۔ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ: اللہ اطاعت شعاروں کو ثواب عطا فرمائے گا یہ وہ لوگ ہیں جو ثابت قدم رہیں اور برگشتہ نہ ہوں، اس کے بعد اللہ نے بتلا دیا کہ موت کا وقت مقرر ہے ایک گھڑی بھی اس میں تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی۔

ہر ذی روح کو موت آنی ہے

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ :...... ہر ذی روح کو موت اللہ کے ارادہ اور مشیت سے آتی ہے۔ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا: ہر ذی روح کی موت کا وقت مقرر ہے اور لکھا ہوا ہے اس میں تقدیم و تاخیر نہیں ہوتی، اس آیت سے مؤمنین کو جہاد کے لیے برانگیختہ کرنا اور ترغیب دلانا ہے، چنانچہ سستی اور کاہلی سے زندگی میں اضافہ نہیں ہوتا۔ اور شجاعت سے زندگی میں کمی نہیں ہوتی، ڈرپوکی تقدیر کو نہیں بدل دیتی اور انسان مدت مقررہ سے پہلے مرتا نہیں اگرچہ ہلاکتوں سے کھیلتا رہے اور معرکوں میں جُتا رہے۔

مالِ غنیمت کی رغبت رکھنے والوں کی تعریض

وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا:...... جو شخص اپنے عمل کے بدلہ میں دنیا کا اجر و بدلہ لینا چاہے ہم اسے دنیا ہی میں بدلہ دے دیتے ہیں۔ آخرت میں اسے کچھ حصہ نہیں ملتا، اس میں ان لوگوں کے لیے تعریض ہے جو مالِ غنیمت کی رغبت رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ حصول دنیا کوئی ایسی چیز نہیں جس پر رشک کیا جائے، چوں کہ دنیا نیک و بد کو مل جاتی ہے۔ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا: اور جو شخص اپنے عمل کے بدلے میں آخرت کا اجر لینا چاہے ہم اسے وہی عطا کرتے ہیں، یہ اجر پورا پورا اسے ملے گا اس کے ساتھ ساتھ ہم نے دنیا کا جتنا حصہ اس کے لیے تقسیم کر رکھا ہے وہ بھی اسے عطا کرتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ: جو شخص آخرت کی کھیتی کا ارادہ رکھتا ہو ہم اس کی کھیتی میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ (سورۃ الشوریٰ، آیت ۲۰) وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ: شکر کرنے والوں کو ہم اپنی رحمت اور فضل سے نوازتے ہیں، جتنا ان کا شکر اور عمل ہوتا ہے اسی کے بقدر رحمت و فضل سے نوازتے ہیں۔

انبیائے کرام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے قتال کرنا

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ:...... کتنے ایسے انبیا میں جنہوں نے کلمۃ اللہ کی سربلندی کے لیے قتال کیا اور ان کے شانہ بشانہ علمائے ربانی بھی لڑتے رہے، نیکوکار بندے بھی ان کے ساتھ شریک رہے اور قتل بھی کیے گئے۔ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: ان علمائے ربانیین اور نیکوکار بندوں کو اللہ کی راہ میں قتل و زخم پیش آتے اس سے ان کے حوصلے پست نہیں ہوتے تھے اور نہ ہی وہ سستی و کاہلی دکھاتے تھے۔ وَمَا ضَعُفُوْا: جہاد کے بارے میں وہ کمزوری نہیں دکھاتے تھے۔ وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ: وہ دشمن کے آگے نہ جھکے اور نہ دبے۔ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا: ثابت قدمی اور دینی قوت کے ہوتے ہوئے وہ صرف اپنے رب سے بخشش طلب کرتے تھے۔ وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا: تیری واجب اطاعت و عبادت میں ہم سے جو کوتاہی ہوا سے معاف فرما۔ وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا: جنگی مورچوں میں ہمیں ثابت قدم رکھ۔ وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ: کافروں کے مقابلے میں ہمیں فتح نصیب فرما۔[1] فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ: اللہ نے ان کے لیے دنیا و آخرت کی اچھائیاں جمع کر دیں۔ چنانچہ دنیا میں فتح، غنیمت، عزت و سربلندی اور شہروں پر بالادستی عطا فرمائی اور آخرت میں جنت اور اس کی نعمتیں۔ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ: جو شخص اچھے اعمال کرے اور نیت خالص رکھے، بالخصوص آخرت کا اجر و ثواب اس کا مطمح نظر ہو وہ اللہ کے ہاں قابل اعتماد بندہ ہوتا ہے۔

بلاغت: عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ:...... حرف تشبیہ اور وجہ تشبیہ حذف کر دی گئی ہے یہ تشبیہ بلیغ ہے: ای کعرض السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ سَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ: یہ تسمیۃ الشی باسم سببہ کے باب سے ہے۔ اَيْ سَارِعُوْٓا اِلٰى موجبات مَغْفِرَةٍ: ان امور کی طرف سبقت کرو جو

---

[1] فعل متعدی بدو مفعول ہے ضمیر منصوب متصل مفعول اول اور ثَوَابَ مفعول ثانی

مغفرت کا موجب اور سبب ہیں جیسے نماز، روزہ وغیرھا۔ السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ: اس میں صنعت تضاد ہے۔ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ: استفہام بمعنی نفی ہے ای لا یغفر الخ۔ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ: بعید کا اشارہ لایا گیا ہے جو بعد رتبی پر دلالت کرتا ہے۔ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ: نِعْمَ فعل مدح ہے اور اس کا مخصوص بالمدح محذوف ہے عبارت یوں ہے: نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ذَالِكَ۔ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ: اس میں التفات کا پہلو نمایاں ہے چنانچہ اس سے قبل ہے۔ نُدَاوِلُهَا: متکلم کا صیغہ ہے، تکلم سے غیبوبت کی طرف التفات ہے، اس التفات سے جہاد فی سبیل اللہ کی عظمت نمایاں کرنا ہے۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ: اس میں قصر موصوف علی الصفۃ ہے۔ یعنی ذات محمد ﷺ کو صفت رسالت میں بند کر دیا ہے۔ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ: تلخیص البیان میں ہے، یہ استعارہ ہے اس سے مراد دین سے پھر جانا ہے، عقیدے سے پھر جانے کو ایڑیوں پر رجوع کرنے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

فوائد: اول فائدہ:...... ان آیات کریمہ میں مکارم اخلاق کے اصول اور بنیادیں بتلائی گئی ہیں، جن میں خرچ کرنا، غصے پر قابو پانا، گناہگاروں کو معاف کرنا، گناہوں سے توبہ کرنا، ان میں سے ہر عمل فضائل کا سرچشمہ ہے۔

دوم فائدہ:...... مغفرت کو جنت پر مقدم کیا گیا ہے چوں کہ تخلیہ[1] تحلیہ پر مقدم ہوتا ہے، چنانچہ وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوتا جو گناہوں سے پاک نہ ہوا ہو۔

سوم فائدہ:...... جنت کی وسعت بیان کرنے کے حوالے سے صرف عرض بیان کیا گیا ہے۔ اور طول نہیں بیان کیا گیا، ایسا مبالغہ کے طور پر کیا گیا ہے، کہ جب عرض کا یہ حال ہے طول کا کیا عالم ہوگا؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: جیسے مثلاً سات آسمان اور سات زمینیں ایک دوسرے کے ساتھ مل جائیں۔ یہ طول ہے۔[2]

چہارم فائدہ:...... ہرقل نے نبی کریم ﷺ کو خط لکھا، تم جنت کی طرف بلاتے ہو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین جیسی ہے، بھلا دوزخ کہاں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ: جب دن آجاتا ہے تو رات کہاں چلی جاتی ہے؟[3]

پنجم فائدہ:...... بہت ساری آیات میں اللہ تعالیٰ نے اعمال آخرت کی طرف سبقت کرنے کا حکم دیا ہے: وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ، وَسَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ، فاستبقوا الخیرات، فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ، وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ جب کہ اعمال دنیا کی طرف سبقت کی بجائے سست روی کا حکم دیا گیا ہے۔ فامشوا فی مناکبها۔ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ اس میں بھی ایک اہم راز ہے۔ غور کر لیجیے۔[4]

غزوہ احد کے احوال اور مؤمنین کو ثابت قدم رہنے کی ترغیب

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓي اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ

[1] تخلیہ اپنے آپ کو گناہوں سے خالی کرنا، تحلیہ فضائل سے اپنے آپ کو مزین کرنا۔ [2] البحر المحیط ۳/ ۵۸۔ [3] اخرجہ احمد۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جنت کے وسیع ہونے سے یہ نہیں ہوا کہ دوزخ کے لیے جگہ ہی باقی نہیں بچی۔ [4] آخرت مؤمن کا مطلوب و مقصود ہے جب کہ دنیا ظل زائل ہے۔

فَاَثَابَكُمْ غَمًّاۢ بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٥٣﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿١٥٤﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿١٥٥﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿١٥٦﴾ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿١٥٧﴾ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِالَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿١٥٨﴾

ع ٦

ترجمہ:......اے ایمان والو! اگر تم ان لوگوں کا کہا مانو گے جنہوں نے کفر اختیار کیا تو وہ تم کو اُلٹے پاؤں پھیر دیں گے جس کی وجہ سے تم ناکام ہو جاؤ گے۔ ﴿١٤٩﴾ بلکہ اللہ تمہارا مولیٰ ہے اور وہ سب مدد کرنے والوں سے بہتر ہے۔ ﴿١٥٠﴾ ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے اس وجہ سے کہ انہوں نے ایسی چیز کو اللہ کا شریک بنایا جس کی اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی اور اُن کا ٹھکانہ دوزخ ہے، اور وہ ظلم کرنے والوں کا بُرا ٹھکانہ ہے۔ ﴿١٥١﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جو اس نے تم سے کیا تھا جس وقت تم دشمنوں کو بحکم خداوندی قتل کر رہے تھے، یہاں تک کہ جب تم بزدل ہو گئے اور حکم کے بارے میں تم نے آپس میں اختلاف کیا اور تم نے اس کے بعد نافرمانی کی جبکہ تمہیں اللہ نے وہ چیز دکھا دی جسے تم محبوب رکھتے تھے، تم میں سے بعض دنیا چاہتے تھے اور بعض آخرت کے طلب گار تھے، پھر اللہ نے تم کو دشمنوں کی طرف سے پھیر دیا تاکہ تم کو آزمائے، اور البتہ تحقیق اللہ نے تم کو معاف فرما دیا اور اللہ مؤمنین پر بڑے فضل والا ہے۔ ﴿١٥٢﴾ جب تم دور چلے جا رہے تھے اور کسی کو مڑ کر نہیں دیکھ رہے تھے تو رسول تم کو پکار رہے تھے، تمہارے پیچھے سے، پس اللہ نے تمہیں غم کی پاداش میں غم دیدیا تاکہ تم غمگین نہ ہو اس چیز پر جو تم سے جاتی رہے اور نہ اس مصیبت پر جو تم کو پہنچ جائے اور اللہ تمہارے سب کاموں سے باخبر ہے۔ ﴿١٥٣﴾ پھر اللہ نے غم کے بعد تم پر امن کو نازل فرما دیا جو اُونگھ کی صورت میں تھی جو تم میں سے ایک جماعت پر چھائی ہوئی تھی، اور ایک جماعت ایسی تھی جن کو اپنی ہی جانوں کی فکر پڑی ہوئی تھی یہ لوگ اللہ کے بارے میں حق کے خلاف جاہلیت والا خیال کر رہے تھے، یوں کہہ رہے تھے کہ کیا ہمارے ہاتھ میں بھی کچھ اختیار ہے، آپ فرما دیجیے کہ بلاشبہ سب اختیار اللہ ہی کو ہے، یہ لوگ اپنے نفسوں میں ایسی بات چھپا رہے ہیں جسے آپ کے سامنے ظاہر نہیں کرتے تھے، یہ لوگ کہہ رہے تھے کہ اگر ہمارا کچھ بھی اختیار چلتا تو ہم یہاں قتل نہ کیے جاتے، آپ فرما دیجیے اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تب بھی بلاشبہ وہ لوگ جن کے بارے میں قتل ہونا مقدر ہو چکا تھا اپنی اُن جگہوں کے لیے نکل کھڑے ہوتے جہاں جہاں وہ قتل ہو کر گرے اور تاکہ اللہ آزمائے جو تمہارے سینوں میں ہے اور تاکہ اس کو صاف کرے جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ سینوں کی باتوں کو جاننے والا ہے۔ ﴿١٥٤﴾ بے شک تم میں سے جو لوگ اُس دن پشت پھیر کر چلے

گئے جس دن دونوں جماعتیں آپس میں مقابل ہوئی تھیں بات یہی ہے کہ اُن کو شیطان نے لغزش دے دی بعض ایسے اعمال کے سبب جو انہوں نے کیے، اور البتہ تحقیق اللہ نے ان کو معاف فرما دیا بے شک اللہ بخشنے والا ہے حلم والا ہے۔ ﴿۱۵۵﴾ اے ایمان والو! اُن لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جنہوں نے کفر کیا اور اپنے بھائیوں سے کہا جب وہ زمین میں سفر کرنے لگیں یا غازی بن جائیں کہ اگر یہ لوگ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے تاکہ اللہ اس بات کو اُن کے دلوں میں حسرت بنا دے، اور اللہ زندہ فرماتا ہے اور موت دیتا ہے اور اللہ تمہارے سب کاموں کو دیکھنے والا ہے۔ ﴿۱۵۶﴾ اور البتہ اگر تم قتل کر دیے جاؤ اللہ کی راہ میں یا مر جاؤ تو بلاشبہ اللہ کی طرف سے مغفرت اور رحمت بہتر ہے اس چیز سے جسے وہ لوگ جمع کرتے ہیں ﴿۱۵۷﴾ اور اگر تم مر گئے یا قتل ہو گئے تو ضرور اللہ کی طرف جمع کیے جاؤ گے۔ ﴿۱۵۸﴾

ماقبل سے ربط وتعارف:...... ان آیات کریمہ میں غزوۂ احد کے احوال بیان کیے جا رہے ہیں بالخصوص ان آیات میں شکست کے اسباب بیان کیے جائیں گے اس کے ساتھ ساتھ مؤمنین کو دعوت اسلام پر ثابت قدم رہنے اور پختہ عزم کی ترغیب دی جا رہی ہے۔

لغات: سُلْطٰنًا:...... حجت، برھان، اصل میں سلطان قوت کو کہا جاتا ہے، حکمران کو بھی سلطان کہا جاتا ہے چوں کہ اس کے پاس قوت ہوتی ہے۔ مَثْوٰى: انسان کا ٹھکانا، ماؤاہ، محاورہ ہے ثوی بالمکان۔ فلاں شخص اس جگہ مقیم ہوا۔ تَحُسُّوْنَهُمْ: تم انہیں قتل کرتے ہو۔ زجاج کہتے ہیں: الحسُّ، قتل کے ذریعہ استیصال کر دینا، شاعر کہتا ہے:

حسسنا هم بالسیف حساً فاصبحت ‏ ‏ ‏ بقیتهم قد شردوا وتبددوا

ترجمہ:...... ہم نے تلوار سے دشمن کا استیصال اور صفایا کر دیا، باقی ماندہ متفرق ہو کر بھاگ گئے۔

تُصْعِدُوْنَ:...... الاصعاد سے ہے زمین پر آنا جانا، چلنا، صعود اور اصعاد میں فرق یہ ہے کہ صعود اوپر چڑھنا اور اصعاد ہموار زمین پر چلنا۔ لَا تَلْوٗنَ: تم کسی کی طرف التفات نہیں کرتے ہو، جیسا کہ شکست خوردہ کسی کی طرف مڑ کر نہیں دیکھتا، اصل میں ''لَیُّ العنق'' سے ماخوذ ہے، گردن موڑنا۔ اُخْرٰىكُمْ: تمہارے پیچھے۔ اَثَابَكُمْ: تمہیں بدلہ دے گا۔ اَمَنَةً: امن، اطمینان۔ يَّغْشٰى: وہ ڈھانپتا ہے۔ وَلِيُمَحِّصَ: باب تفعیل سے ہے، تنقیہ، صاف کرنا، کسی چیز کو عیوب سے پاک کرنا۔ اسْتَزَلَّهُمُ: اس نے انہیں چوکا دیا، خطا سرزد ہونا۔ غُزًّى: غازی کی جمع ہے اللہ کی راہ میں نکلا ہوا۔

شانِ نزول:...... غزوۂ احد میں مسلمانوں کو سخت کڑے حالات سے پالا پڑا تھا، جب رسول کریم ﷺ مدینہ واپس لوٹے تو صحابہ میں سے کچھ لوگ کہنے لگے: ہم شکست سے کیوں دوچار ہوئے حالاں کہ اللہ نے فتح و نصرت کا وعدہ کیا ہوا ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا: گھاٹی میں تعینات کیے ہوئے تیر اندازوں کی طرف اشارہ ہے۔

منافقین کسی کے خیر خواہ نہیں، اللہ ہی بہترین مددگار و کارساز ہے

تفسیر: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا:...... اے ایمان والو! اگر تم کفار اور منافقین کا کہا مانو گے۔ يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓي اَعْقَابِكُمْ: وہ تمہیں کفر کی طرف لے جائیں گے۔ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ: انجام کار تم گھاٹے کی طرف لوٹ جاؤ گے، اس سے بڑا خسارہ کوئی نہیں کہ تم ایمان کو کفر سے بدل دو، ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: جب مسلمان احد سے واپس ہوئے تو منافقین کہنے لگے: اگر محمد ﷺ سچا نبی ہوتا اسے شکست نہ اٹھانا پڑتی، لہٰذا تم سب اپنے بھائیوں کی طرف لوٹ جاؤ۔ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ: بَلْ اضراب کے لیے ہے۔[1] یعنی منافقین تمہارے خیر خواہ اور مددگار نہیں ہو سکتے کہ تم ان کا کہا مانو، بلکہ اللہ تمہارا خیر خواہ اور مددگار ہے اسی کا حکم مانو۔ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ: وہی تمہارا بہترین مددگار اور معین ہے اس کے سوا کسی اور سے مدد مت مانگو، اس کے بعد اللہ نے مسلمانوں کو بشارت دی ہے کہ اس نے دشمن کے دلوں میں رعب ڈال دیا ہے۔

---

[1] پہلے کلام سے اعراض کرنا مقصود ہوتا ہے۔

چنانچہ فرمایا: سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ: ہم کافروں کے دلوں میں خوف اور گھبراہٹ ڈال دیں گے۔ بِمَاۤ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا: اس کا سبب یہ ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں اور وہ دوسرے معبودانِ باطلہ کی عبادت کرتے ہیں جن کے متعلق کوئی حجت اور برہان نہیں۔ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ: یعنی ان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِیْنَ: آتشِ دوزخ ظالموں کا بہت برا ٹھکانا ہے، چنانچہ کفار دنیا میں مرعوب رہیں گے اور آخرت میں دردناک عذاب میں رہیں گے، حدیث میں ہے۔ ''ایک مہینہ کی مسافت سے دشمن کے دلوں میں رعب پڑ جاتا ہے اور اس رعب سے میری مدد کی گئی ہے۔ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ: اللہ نے تمہارے ساتھ جو وعدہ کیا تھا کہ دشمن پر تمہیں فتح ہوگی سو یہ وعدہ اللہ نے پورا کر دیا ہے۔ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ: تم اللہ کے حکم سے تلواروں کے ساتھ کفار کا استیصال کر رہے تھے۔ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ: یہاں تک کہ جب تم نے کاہلی اور کمزوری دکھائی اور گھاٹی والے مورچے پر ڈٹے رہنے یا چھوڑ دینے کے متعلق ایک دوسرے سے اختلاف کرنے لگے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم سے غزوہ احد میں ایک اجتہادی خطا

وَعَصَیْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ:...... تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی کی، باوجود یہ کہ فتح تمہیں حاصل ہو چکی تھی، روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس تیراندازوں پر مشتمل ایک دستے کو گھاٹی پر تعینات کیا تھا، انہیں حکم دیا کہ مسلمانوں کا دفاع کرتے رہیں، آپ نے ان سے فرمایا تھا: اپنے مورچے مت چھوڑنا یہاں تک کہ تم دیکھو کہ پرندے ہمارا گوشت نوچ رہے ہیں پھر بھی یہ جگہ نہ چھوڑنا۔ چنانچہ جب دونوں لشکر ٹکرائے، مشرکین تیراندازی کی تاب نہ لا سکے اور پسپا ہو گئے ان کی پسپائی دیکھ کر تیراندازوں کا متعین دستہ پکار اٹھا۔ غنیمت، غنیمت، مال و اسباب جمع کرنے عقبی ٹیلے سے نیچے اتر آئے، تاکہ اس دستے کے امیر (حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ) جمے رہے اور ان کے ساتھ دس مجاہدین بھی ثابت قدم رہے، میدان جنگ کے حوالے سے اس گھاٹی کی اہمیت مشرکین فوراً تاڑ گئے، چنانچہ انہوں نے گھاٹی پر یلغار کر دی بچے ہوئے تیر اندازوں کو شہید کیا اور پھر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے، اسی کو بیان فرمایا: مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ: فتح کے بعد جب اللہ نے تمہیں پسندیدہ چیز (مالِ غنیمت) دکھائی۔ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الدُّنْیَا: دنیا سے مراد غنیمت ہے یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے پہاڑی مورچہ چھوڑ دیا تھا۔ وَمِنْكُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الْاٰخِرَةَ: اور تم میں سے بعض آخرت کا ثواب چاہتے ہیں، ان سے مراد وہ دس صحابہ ہیں جو گھاٹی والے مورچے پر ڈٹے رہے اور اپنے امیر عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی اطاعت بجالائی یہاں تک کہ اسی حالت پر شہید کر دیے گئے۔ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِیَبْتَلِیَكُمْ: پھر تمہیں کفار سے شکست خوردہ واپس کیا تاکہ تمہارے ایمان کا امتحان لے۔ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ: باوجود یہ کہ تم سے نافرمانی سرزد ہوئی اللہ نے تمہیں معاف کر دیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ گناہ کو اگر اللہ معاف نہ کرے وہ پیش آنے والی سزا سے کہیں زیادہ سزا اور عذاب کا موجب ہے، اسی لیے آگے فرمایا: وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ: یعنی اللہ ہر وقت اور ہر حال میں مؤمنین پر فضل و احسان کرنے والا ہے۔

شکست کے باعث پہنچنے والے غم کی حکمت

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ:...... اے مؤمنین کی جماعت! اس وقت کو یاد کرو جب تم پیٹھ پھیر کر بھاگ رہے تھے اور اپنے پیچھے دیکھتے بھی نہیں تھے اور تم میں سے کوئی بھی کسی دوسرے کے لیے ٹھہرتا نہیں تھا۔ وَّالرَّسُوْلُ یَدْعُوْكُمْ فِیْۤ اُخْرٰىكُمْ: محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں پیچھے سے پکار رہے تھے اور کہتے تھے، اے اللہ کے بندو! میرے پاس آؤ، اے اللہ کے بندو میرے پاس آؤ، میں اللہ کا رسول (آواز دے رہا) ہوں، جو واپس لوٹ آئے گا، اس کے لیے جنت ہے۔'' حالاں کہ تم بھاگنے میں منہمک تھے۔ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ: اللہ نے تمہیں تمہارے اس عمل کا بدلہ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غم پہنچانے اور ان کے حکم کی مخالفت کرنے کے سبب تمہیں بھی غم میں مبتلا کیا۔ [1] لِّكَیْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ: تاکہ تمہیں اس چیز پر

---

[1] طبری کہتے ہیں بِغَمٍّ میں با علیٰ کے معنی میں ہے، معنی ہوگا: اللہ نے تمہاری معصیت اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت پر تمہیں غم پر غم کا بدلہ دیا۔ ابن قیم نے یہی معنی راجح قرار دیا ہے اور ابن کثیر نے بھی اسی کو معتمد قرار دیا ہے۔ جب کہ اردو ترجمہ میں متن والا ترجمہ اختیار کیا گیا ہے۔

حزن وملال نہ ہو جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے یعنی مال غنیمت پر۔ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ : اور جو مصیبت تمہیں پہنچی ہے یعنی شکست، اس آیت میں مسلمانوں کو پہنچائے گئے غم کی حکمت بیان کی جارہی ہے کہ اللہ مسلمانوں کے غم اور حزن وملال کو بھلا دے، یہ محض اللہ کا فضل وکرم ہے۔ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ : اللہ مخلص اور خودغرض کو جانتا ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم پر اونگھ اور نیند کا طاری ہونا

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا[1] :...... یہ اللہ تعالیٰ کا صحابہ پر احسان کا تذکرہ ہے، یعنی اس شدید غم کے بعد اللہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم پر اونگھ طاری کر دی جو سکون واطمینان کا باعث تھی۔ اور اس لیے بھی تا کہ (اے مؤمنین) تمہیں اپنے اوپر اعتماد حاصل ہو جائے چنانچہ خوفزدہ سوتا نہیں، بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ ہمارے اوپر نیند طاری ہوگئی حالاں کہ ہم صف بستہ تھے، چنانچہ میرے ہاتھ سے تلوار گر جاتی اور میں اسے بار بار ہاتھ میں پکڑتا۔ اس کے بعد اللہ نے بتلادیا کہ یہ امن وسکون ہر کس وناکس کے لیے نہیں تھا بلکہ مخلصین کے لیے تھا، جب کہ منافقین خوف وگھبراہٹ کے عالم میں بدستور رہے۔ اسی لیے فرمایا: يَّغْشٰى طَآىِٕفَةً مِّنْكُمْ : یعنی نیند نے تم میں سے ایک جماعت کو ڈھانپ لیا تھا اور یہ جماعت اہل حق واخلاص کی تھی۔ وَطَآىِٕفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ : ایک دوسری جماعت تھی جنہیں اپنی جان کے لالے پڑے تھے اور وہ شکست کے درپے ہو چکے تھے انہیں صرف اپنی جانیں بچانے کی فکر اور رغبت تھی یہ منافقین تھے، اس کا سبب یہ ہوا تھا کہ مشرکین آئندہ جنگ کا وعدہ کر گئے تھے، مسلمان تو جنگ کے لیے کمربستہ تھے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر امن وسکون کی چادر تان دی اور وہ سو گئے، رہی بات منافقین کی سو وہ نہایت خوفزدہ تھے کہیں کفار دوبارہ نہ پلٹ آئیں اس لیے ان کی نیند اڑ گئی تھی۔

اہل جاہلیت کا اللہ تعالیٰ کے متعلق گمان

يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ :...... وہ لوگ اللہ کے متعلق ایسا برا گمان رکھتے ہیں جیسا اہل جاہلیت گمان رکھتے تھے، ابن کثیر کہتے ہیں: ان لوگوں نے یقین کر لیا کہ جب لمحہ بھر کے لیے مشرکین کو غلبہ مل گیا وہ سمجھے بس یہی فیصلہ ہے، اسلام اور اہل اسلام کھپ چکے، تاہم اہل شرک کا یہی عالم ہوتا ہے، جب کوئی ہولناک کا معاملہ پیش آتا ہے وہ اسی طرح کی بدگمانی کا شکار ہو جاتے ہیں۔[2] يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ : ہمارے اختیار میں کچھ بھی نہیں، اگر ہمارا بس چلتا ہم جنگ کے لیے اپنے گھروں سے باہر نہ آتے۔ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ : اے محمد! کہہ دیجیے سارے کا سارا اختیار اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ جیسے چاہتا ہے تصرف کرتا ہے۔ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ : وہ لوگ اپنے دلوں میں ایسی ایسی باتیں چھپا کر رکھتے ہیں جنہیں تمہارے لیے ظاہر نہیں کرتے۔ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا : اگر اختیار ہمارے پاس ہوتا ہم گھروں سے نہ نکلتے اور ہمارے آدمی بھی قتل نہ کیے جاتے، لیکن ہمیں گھروں سے باہر نکلنے پر مجبور کیا گیا، یہ تفسیر ہے اس چیز کی جسے منافقین نے اپنے دلوں میں چھپا رکھا تھا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اس دن ہمارے اوپر نیند طاری ہوگئی میں نیند کے عالم میں معتب بن قشیر کی بات سن رہا تھا وہ کہہ رہا تھا: اگر ہمارے پاس اختیار ہوتا ہم یہاں قتل نہ کیے جاتے۔

قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ :...... اے محمد! ان سے کہہ دیجیے: اگر تم اپنے گھروں سے باہر نہ نکلتے اور تمہارے درمیان ایسے لوگ موجود ہوتے جن کے مقدر میں قتل ہونا اللہ نے لکھ دیا ہو یہ لوگ خود ہی اپنی اپنی قتل گاہوں تک پہنچ جاتے، اللہ کی تقدیر سے کسی کو مفر نہیں۔ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ : یہ اس لیے تا کہ تمہارے دلوں کے اخلاص یا نفاق کو اللہ آزمالے۔ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ : اور اس لیے بھی کہ تا کہ تمہارے دلوں میں پڑے میل کچیل کو پاک وصاف کر دے۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ : یعنی اللہ پوشیدہ رازوں سے واقف ہے اور ضمیروں پر اسے پوری آگاہی حاصل ہے، دلوں میں پائے جانے والے خیر وشر کو بھی جانتا ہے۔

---

[1] نُعَاسًا اَمَنَةً سے بدل اشتمال ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اَنْزَلَ کا مفعول لہ ہے متن ترجمہ میں دوسرے قول کو اختیار کیا گیا ہے۔ [2] ابن کثیر ۱/ ۳۳۰۔

میدان احد میں شکست خوردہ لوگوں کا تذکرہ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے میدان احد میں شکست خوردہ لوگوں کا تذکرہ کیا ہے، چنانچہ ارشاد: اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ: یعنی تم میں سے جن لوگوں کو معرکۂ احد میں شکست سے دو چار ہونا پڑا۔ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ: جس دن دو جماعتیں ایک دوسرے کے مدمقابل ہوئیں، ایک جماعت مسلمانوں کی اور دوسری مشرکین کی۔ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا: انہیں شیطان نے اپنے وسوسے کے ذریعہ لغزش میں ڈال دیا اور انہیں ان کے اپنے بعض اعمال بد کی وجہ سے خطا میں ڈال دیا جیسے کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کے حکم کی مخالفت کی اور گھاٹی والا مورچہ چھوڑ دیا۔ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ: اللہ نے ان کی سزا انہیں معاف کر دی اور انہیں درگزر کر دیا۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ: یعنی اللہ وسیع مغفرت والا ہے، بردبار ہے نافرمان کو سزا دینے میں جلد بازی نہیں کرتا۔

منافقین کے اقوال وافعال کی اقتدا کی ممانعت

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے منافقین کے اقوال وافعال کی اقتدا کرنے سے منع فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا: اے ایمان والو! منافقین کی طرح مت ہو جاؤ۔ وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ: یعنی یہ منافقین اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں جب وہ سفر پر نکلے یا جنگیں لڑنے۔ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا: کہ اگر ہمارے پاس مقیم رہتے اور گھروں سے باہر نہ جاتے تو نہ مرتے اور نہ قتل کیے جاتے، اللہ تعالیٰ نے منافقین پر رد کرتے ہوئے فرمایا: لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ: یہ بات اس لیے کہتے ہیں تا کہ یہ فاسد اعتقاد ان کے دلوں میں حسرت وافسوس بن کر رہ جائے۔ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ: منافق کے قول واعتقاد کی تردید ہے یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی مارنے والا اور زندہ کرنے والا ہے، جنگ کے لیے نہ جانا اور گھروں میں بیٹھے رہنا موت کے مانع نہیں ہے۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ: اللہ اپنے بندوں کے اعمال پر مطلع ہے پس انہیں پورا پورا بدلہ دے گا۔ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: یعنی تم جنگ اور جہاد میں شہید کر دیے گئے۔ اَوْ مُتُّمْ: یا تمہیں موت آ گئی اس حال میں کہ تمہارا ارادہ جنگ کا ہو لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ: یعنی اللہ کی مغفرت اور رحمت دنیا میں باقی وزندہ رہنے اور دنیا کا فانی ساز وسامان جمع کرنے سے بدرجہا افضل ہے۔ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِالَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ: یعنی برابر ہے کہ خواہ تم بستروں پر پڑے پڑے مرجاؤ یا میدان جنگ میں لڑتے ہوئے مرجاؤ ہر حال میں تمہیں اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے وہ تمہیں تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا، لہٰذا وہ چیز جو تمہیں اللہ کے قریب کرے اسے ترجیح دو اور جو چیز اللہ کی رضامندی کی موجب ہو اسے فوقیت دو جیسے جہاد فی سبیل اللہ اور عمل صالح۔ کیا خوب کسی شاعر نے کہا ہے:

فان تكن الابدان للموت أنشئت ۔۔۔ فقتل امرئ بالسيف فى الله افضل

ترجمہ:......اگر انسانی بدن موت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں تو اللہ کی راہ میں تلوار سے قتل ہو جانا افضل واعلیٰ ہے۔

بلاغت: يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ :......اس میں استعارہ کا پہلو نمایاں ہے پہلے گزر چکا ہے۔ لفظ اٰمَنُوْا اور كَفَرُوْا میں صنعت طباق ہے، اسی طرح يُخْفُوْنَ: اور يُبْدُوْنَ: میں بھی اور فَاتَكُمْ وَاَصَابَكُمْ میں بھی۔ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ: "مثواهم" نہیں کہا بلکہ اسم ظاہر کو مضمر کی جگہ لایا گیا ہے، ایسا تغلیظ وتشدید کے لیے کیا گیا ہے، اور مخصوص بالذم محذوف ہے عبارت یوں ہے: وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ النَّارُ[1] ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ: تنکیر برائے تعظیم ہے۔ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ: کہا: عَلَيْهِمْ: نہیں کہا، یعنی اسم ظاہر کو ضمیر کی جگہ لایا گیا ہے ایسا مومنین کا مرتبہ شرف ظاہر کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ ظَن: دونوں میں تجنیس اشتقاق ہے۔ اسی طرح فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ: میں بھی۔ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ: اس میں استعارہ ہے، چنانچہ خشکی میں سفر کرنے والے کو سمندری تیراک کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، چوں کہ تیراک پانی کو اپنے پیروں سے دور ہٹاتا ہے۔[2]

---

[1] ابوالسعود ۱/ ۲۸۲ [2] تلخیص البیان ص ۲۲

فائدہ:...... معرکۂ احد میں ثابت قدمی دکھانے والوں میں سے ایک پیش قدمی کرنے والے شیر انس بن نضر حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچا بھی تھے، جب مسلمانوں کو شکست ہوئی اور منافقین نے افواہ پھیلادی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل کر دیے گئے ہیں، انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا اللہ میں تیرے حضور مسلمانوں کے فعل پر معذرت چاہتا ہوں اور مشرکین کے فعل سے بری الذمہ ہوں، پھر تلوار لے کر آگے بڑھے، حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے ملے، ان سے فرمایا: اے سعد! مجھے احد کی طرف سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے، میدان جنگ میں اتر گئے اور شہید ہو گئے، مشرکین نے ان کا مثلہ کر دیا، انہیں کوئی بھی پہچان نہ سکا، البتہ ان کی بہن نے انہیں انگلیوں کے پوروں سے پہچانا، ان کے جسم پر تیر، تلوار اور نیزوں کے اسی سے زائد نشانات اور زخم پائے گئے۔[1]

فائدہ:...... ابن کثیر نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ غزوۂ احد کے موقع پر عورتیں مسلمانوں کے پیچھے تھیں اور زخمی مشرکین پر ہاتھ صاف کرتی، میں اگر قسم اٹھاؤں تا کہ ہم میں سے کسی نے بھی دنیا کا ارادہ نہیں کیا مجھے امید ہے کہ میں قسم سے بری ہو جاؤں گا۔ حتیٰ کہ اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: مِنكُمْ مَّن يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنكُم مَّن يُرِيدُ الْآخِرَةَ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے دیے گئے حکم کی مخالفت کی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نو صحابہ کے ساتھ تنہا رہ گئے اور وہ دسویں تھے، جب کفار نے یلغار کر دی تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو ہمارا دفاع کرے، آپ برابر کہتے رہے یہاں تک کہ ان میں سے سات آدمی قتل کر دیے گئے، حمزہ رضی اللہ عنہ کا بطن چاک کر دیا گیا تھا، ہند نے ان کا جگر نکال کر چبانا چاہا لیکن وہ ایسا نہ کر سکی، اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید حزن و ملال ہوا اور حمزہ رضی اللہ عنہ پر ستر بار نماز پڑھی۔[2]

حکمت و دانائی کے ساتھ امور قیادت سنبھالنے کا حکم

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۖ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿١٥٩﴾ إِن يَنصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۖ وَإِن يَخْذُلْكُمْ فَمَن ذَا الَّذِي يَنصُرُكُم مِّن بَعْدِهِ ۗ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٦٠﴾ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَن يَغُلَّ ۚ وَمَن يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٦١﴾ أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللَّهِ كَمَن بَاءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿١٦٢﴾ هُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿١٦٣﴾ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿١٦٤﴾ أَوَلَمَّا أَصَابَتْكُم مُّصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُم مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنَّىٰ هَٰذَا ۖ قُلْ هُوَ مِنْ عِندِ أَنفُسِكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٦٥﴾ وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٦٦﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا ۚ وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوِ ادْفَعُوا ۖ قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ ۗ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ ۚ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِم

النصف

[1] صحیح البخاری [2] حمزہ رضی اللہ عنہ کی میت رکھی رہتی اور بقیہ موتی اٹھالیے جاتے یوں ان پر ستر بار نماز ہوئی۔

مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾

ترجمہ:......سو اللہ کی رحمت کے سبب آپ اُن کے لیے نرم ہو گئے، اور اگر آپ سخت مزاج اور سخت دل والے ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے، سو آپ ان کو معاف فرما دیجیے، اور ان کے لیے استغفار کیجیے، اور کاموں میں ان سے مشورہ لیجیے پھر جب آپ پختہ عزم کر لیں تو اللہ پر توکل کیجیے، بے شک توکل کرنے والے اللہ کو محبوب ہیں۔ ﴿۱۵۹﴾ اگر اللہ تمہاری مدد فرمائے تو تم پر کوئی غالب آنے والا نہیں، اور اگر وہ تمہیں بغیر مدد کے چھوڑ دے تو وہ کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے گا اور اللہ ہی پر بھروسہ کریں مؤمن بندے۔ ﴿۱۶۰﴾ اور نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ خیانت کرے، اور جو شخص خیانت کرے گا وہ اس خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے دن لے کر آئے گا پھر ہر شخص کو اس کے کیے کا بدلہ دیا جائے گا اور اُن پر ظلم نہ ہوگا۔ ﴿۱۶۱﴾ کیا جو شخص اللہ کی رضا کا تابع ہو وہ ایسے شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو اللہ کے غضب کا مستحق ہوا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بُرا ٹھکانہ ہے۔ ﴿۱۶۲﴾ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک درجات میں مختلف ہوں گے اور اللہ تعالیٰ اُن کاموں کو دیکھتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔ ﴿۱۶۳﴾ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے مؤمنین پر احسان فرمایا جبکہ اُن میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو اُن کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور اُن کا تزکیہ کرتا ہے اور اُن کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، اور اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔ ﴿۱۶۴﴾ اور جس وقت تم کو ایسی مصیبت پہنچی جس کی دوگنی مصیبت تم پہنچا چکے ہو تو کیا تم یوں کہتے ہو کہ یہ کہاں سے ہے آپ فرما دیجیے یہ تمہاری ہی طرف سے ہے بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ﴿۱۶۵﴾ اور جو تکلیف تمہیں پہنچی جس دن دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے مقابلے میں آئی تھیں سو یہ اللہ کے حکم سے تھا اور تا کہ اللہ تعالیٰ جان لے مؤمنین کو۔ ﴿۱۶۶﴾ اور جان لے ان کو جنہوں نے نفاق اختیار کیا اور اُن سے کہا گیا کہ آؤ جنگ کرو اللہ کی راہ میں یا دفاع کرو، وہ کہنے لگے کہ اگر ہم جنگ کرنا جانتے تو ضرور تمہارے ساتھ ہو لیتے، وہ لوگ بہ نسبت ایمان کے آج کفر سے زیادہ قریب ہیں وہ اپنے مونہوں سے وہ بات کہتے ہیں جو اُن کے دلوں میں نہیں ہے اور اللہ خوب جاننے والا ہے اُس بات کو جسے وہ چھپاتے ہیں۔ ﴿۱۶۷﴾ جنہوں نے اپنے بھائیوں سے کہا اور خود بیٹھ رہے کہ اگر ہماری بات مانتے تو نہ مارے جاتے، آپ فرما دیجیے تم اپنی جانوں سے موت کو دفع کرو اگر تم سچے ہو۔ ﴿۱۶۸﴾

ماقبل سے ربط تعارف:......اس سے پہلے لگاتار آیات میں غزوۂ احد کا تذکرہ ہوا ہے اور مسلمانوں کی شکست اس پر ہونے والے غم واضطراب کا تذکرہ ہوا، بیماری اور اس کی دوائی کی تعیین وتشخیص کی گئی، اب ان آیات کریمہ میں حکمت ودانائی کے ساتھ امور قیادت سنبھالنے کا حکم دیا جا رہا ہے، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کا جو فعل سرزد ہوا اس کے باوجود آپ نے ان کے ساتھ وسعت قلب اور اخلاق حسنہ کا معاملہ کیا آپ نے سختی اور شدت کا برتاؤ نہیں کیا۔ بلکہ لطف وکرم اور نرمی سے انہیں مخاطب کیا، اسی لیے تو آپ کی دعوت پر دلوں کا اجتماع تھا اور آپ کی قیادت اعلیٰ کے تحت ایک اکائی بنے ہوئے تھے اور وحدیت کا مظاہرہ کر رہے تھے، ان آیات میں اخلاق نبوت کو بیان کیا جا رہا ہے، آپ کی بعثت جو نعمت عظمیٰ ہے کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے اس کے علاوہ غزوۂ احد کے بقیہ احوال بھی بیان کیے گئے ہیں۔

لغات: فَظًّا:......الفظ، سخت مزاج، تندخو، واحدی کہتے ہیں: اس سے مراد بدخلق ہے شاعر کہتا ہے۔

اخشیٰ فظا ظة عم أو جفاء اخ   وكنت أخشیٰ عليها من اذیٰ الكلم

مجھے چچا کی بدخلقی اور بھائی کی تندخوئی کا سخت ڈر ہے مجھے زخموں کے درد والم سے کہیں زیادہ ان کا ڈر ہوتا ہے۔

غَلِيْظَ الْقَلْبِ:......جس کا دل متاثر نہ ہوتا ہو اور نہ نرم ہو، چنانچہ شاعر کہتا ہے:

يبكیٰ علينا ولا نبكی علی احدٍ   لنحن اغلظ اكبادًا من الا بل

ہمارے اوپر لوگ روتے ہیں جب کہ ہم کسی پر نہیں روتے ہم تو اونٹ سے بھی زیادہ سنگدل ہیں۔

اِنۡفَضُّوۡا :......متفرق ہوجاتے، فض کالغوی معنی توڑنا ہے اسی سے محاورہ ہے۔ لا یفضض اللّٰہ فاك اللہ تیرے دانت نہ توڑے۔یغل: غلول سے فعل مضارع ہے، معنی خیانت ہے، اصل میں غلول۔کسی چیز کوخفیہ طور پراٹھانا، مقولہ ہے۔غل فلان فی الغنیمۃ فلاں شخص نے مال غنیمت میں خیانت کردی۔بَآءَ : رجوع کرنا، لوٹنا مستحق ہونا۔سَخَطٍ :السخط سے ماخوذ ہے بمعنی غصہ۔مَاۡوٰىهُ: ٹھکانا۔یُزَکِّیۡهِمۡ :وہ انہیں پاک کرتا ہے۔مَنَّ : المنۃ سے ماخوذ ہے بمعنی انعام واحسان۔فَادۡرَءُوۡا :دور کرو۔

شان نزول:......غزوہ بدر سے حاصل ہونے والے مال غنیمت میں سے ایک سرخ چادر گم ہوگئی، بعض لوگ کہنے لگے شاید نبی کریم ﷺ نے لے لی ہو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَمَا كَانَ لِنَبِیٍّ اَنۡ یَّغُلَّ ؕ وَمَنۡ یَّغۡلُلۡ یَاۡتِ بِمَا غَلَّ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰی كُلُّ نَفۡسٍ مَّا كَسَبَتۡ وَهُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ ﴿۱۶۱﴾

صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشاورت کا حکم

تفسیر :فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنۡتَ لَهُمۡ : ......اللہ نے اپنے فضل وکرم سے اے محمد! تمہارے دل میں اپنی رحمت ودیعت کردی ہے، اسی وجہ سے آپ اپنے اصحاب سے نرمی کا برتاؤ کرتے ہیں باوجود یہ کہ غزوۂ احد کے موقع پر انہوں نے آپ کے حکم کی مخالفت کی۔وَلَوۡ كُنۡتَ فَظًّا غَلِیۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِكَ: اگر آپ تند خواور سنگدل ہوتے، صحابہ کے ساتھ سختی سے پیش آتے تو یہ آپ کے پاس سے تتر بتر ہوجاتے، اور کہیں دور بھاگ جاتے، آیت میں کلامی اور لسانی سختی اور دل کے تشدد دونوں کی نفی کی گئی ہے، چنانچہ فظاظت کا تعلق کلام سے ہے اور غلظت کا تعلق دل سے فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ وَشَاوِرۡهُمۡ فِی الۡاَمۡرِ : اے محمد! تمہیں جو اپنے اصحاب کی طرف سے اذیت پہنچی ہے اسے درگزر کرو اور ان کے لیے اپنے رب سے مغفرت طلب کرو، اپنے جملہ معاملات میں ان سے مشاورت کروتا کہ لوگ آپ کی اقتدا کریں، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: جو قوم بھی مشاورت کرتی ہے اسے درپیش معاملہ میں درست سمت کی راہنمائی ملتی ہے۔[1] حضور نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بکثرت مشورہ کرتے تھے۔فَاِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَكَّلۡ عَلَی اللّٰهِ: پھر جب مشاورت کے بعد کسی امر پر تمہارا دل جم جائے تو اللہ پر بھروسہ کرلو اور اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرلو۔اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الۡمُتَوَكِّلِیۡنَ: یعنی جو لوگ اللہ پر بھروسہ کرلیتے ہیں اور اپنے اموراس کے سپرد کردیتے ہیں اللہ انہیں پسند کرتا ہے۔اِنۡ یَّنۡصُرۡكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمۡ : ......اگر اللہ تمہاری مدد کرے تمہارے اوپر کوئی غالب نہیں آسکتا۔وَاِنۡ یَّخۡذُلۡكُمۡ فَمَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَنۡصُرُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِهٖ: اور اگر وہ تمہیں بے یار و مددگار کرے اور تمہاری مدد نہ کرے تو پھر تمہارا کوئی بھی مددگار نہیں ہوگا، چنانچہ کبھی اس کی طرف سے تمہارے لیے مدد آسکتی ہے جیسے غزوۂ بدر کے موقع پر اور کبھی خذلان (مدد کا نہ ہونا) بھی ہوسکتا ہے جیسے غزوۂ احد کے موقع پر، چنانچہ سب اختیارات اسی کے پاس ہیں، اسی کے ہاتھ میں عزت ومدد، فتح ونصرت، ذلت ورسوائی ہے۔وَعَلَی اللّٰهِ فَلۡیَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ: صرف اللہ پر مؤمنین بھروسہ رکھیں اور اسی پر اعتماد رکھیں اور اسی کے پاس اپنا ٹھکانا ڈھونڈیں۔

انبیائے کرام علیہم السلام سے خیانت سرزد نہیں ہوتی

وَمَا كَانَ لِنَبِیٍّ اَنۡ یَّغُلَّ: ......عقلی اور شرعی طور پر کسی طرح صحیح اور درست نہیں کہ کوئی نبی مال غنیمت میں خیانت کرے، آیت میں شان کی نفی ہے جو کہ فعل کی نفی سے زیادہ بلیغ ہے، مراد یہ ہے کہ کسی نبی سے ایسا نہیں ہوسکتا، اس کا تصور کرنا بھی صحیح نہیں چہ جائے کہ اس خیانت کا وقوع ہو۔وَمَنۡ یَّغۡلُلۡ یَاۡتِ بِمَا غَلَّ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ: یعنی مسلمانوں کے اموال غنیمت میں سے جو شخص خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن اس چیز کو اپنی گردن پر اٹھا کر لائے گا، ایسا اس لیے ہوگا تا کہ وہ سرعام رسوا ہوجائے۔ثُمَّ تُوَفّٰی كُلُّ نَفۡسٍ مَّا كَسَبَتۡ: ہر شخص کو اس کے کیے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اس میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔وَهُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ: ہر نفس کو اس کا عادلانہ بدلہ مل جائے گا اس میں کمی بیشی نہیں ہوگی، چنانچہ نافرمان کی سزا میں اضافہ

---

[1] گفتگو کرنے والے کے لیے دعا ہے۔ [2] الطبری ۷/ ۳۴۴

نہیں کیا جائے گا اور فرمانبردار کے ثواب میں کمی نہیں کی جائے گی۔ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ: یعنی اللہ کا حکم ماننے والا، اس کی رضا کا طلب گار اور وہ شخص جو نافرمان ہو برابر نہیں ہو سکتے، نافرمان تو اس کے عذاب اور غصے کا مستحق ہے اور خسارہ اس کا مقدر ہے۔ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ: اس کا ٹھکانا اور مرجع دوزخ ہے جو بہت برا ٹھکانا ہے۔ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ: ان کے درجات مختلف ہوں گے، درجات سے مراد منازل و مراتب ہیں، طبری کہتے ہیں: اللہ کے ہاں ان کی منازل مختلف ہوں گی چنانچہ جو شخص فرمانبردار ہوگا اور اللہ کی رضا کا طلب گار ہوگا اسے عزت اور عظیم ثواب ملے گا اور جو شخص اللہ کی ناراضی مول لے اس کے لیے رسوائی اور دردناک عذاب ہوگا۔ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ: یعنی اللہ پر بندوں کے اعمال مخفی نہیں ہیں وہ عنقریب اعمال کا انہیں پورا پورا بدلہ دے گا۔

مسلمانوں پر ایک احسان عظیم کا ذکر

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان عظیم کا ذکر کیا ہے وہ یہ کہ خاتم النبیین کو مبعوث فرما کر انسانیت پر عظیم احسان کیا ہے چنانچہ ارشاد ہوا: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ: اللہ نے مؤمنین پر عظیم انعام کیا وہ یہ کہ انہی میں سے ان کی طرف رسول عربی کو مبعوث کیا، وہ اس کی پوری پوری خبر رکھتے تھے اور اس کے احوال سے بخوبی واقف تھے، آیت میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کا ذکر مخصوص کیا ہے حالاں کہ نبی آخر الزماں تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں، اس کی وجہ یہ ہے چوں کہ آپ ﷺ کی بعثت سے نفع اٹھانے والے مؤمنین ہی ہیں۔ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ: جو انہیں نازل کردہ وحی پڑھ پڑھ کر سنائے۔ وَيُزَكِّيْهِمْ: اور انہیں گناہوں اور اعمال کی گندگی سے پاک کرے گا۔ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ: اور انہیں قرآن مجید اور سنت مطہرہ کی تعلیم دے۔ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ: جب کہ حال یہ ہے کہ نبی آخر الزماں کی بعثت سے پہلے یہ لوگ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے، پھر تاریکی سے اجالے کی طرف منتقل ہوئے اور سب سے افضل امت کہلائے۔

غزوۂ احد کے بقیہ احوال

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ:...... اے مؤمنو! جب تمہیں غم انگیز مصیبت پہنچی غزوۂ احد کے موقع پر کہ تمہارے ستر آدمی قتل کر دیے گئے۔ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا: تم بدر میں دشمن کو اس کی دگنی مصیبت پہنچا چکے ہو۔ تم نے ستر کفار قتل کیے اور ستر قیدی بنائے۔ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا: اور تم کہتے ہو یہ آزمائش کہاں سے ہمارے اوپر آ گئی اور شکست کس طرف سے آ گئی، حالاں کہ ہمارے ساتھ نصرت و فتح کا وعدہ کیا گیا تھا۔ اَنّٰى هٰذَا کے الفاظ مؤمنوں کو جھنجوڑنے کے لیے لائے گئے ہیں، چوں کہ شکست کا سبب یہ خود بنے تھے۔ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ: اے محمد! مؤمنین سے کہہ دیجیے: مصیبت کا سبب تمہاری اپنی طرف سے سرزد ہوا ہے اور تم خود سبب بنے ہو چوں کہ تم نے رسول کا حکم نہیں مانا اور تم مال غنیمت کے حریص بن گئے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ: یعنی اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، اس کے حکم پر کوئی باز پرس کرنے والا نہیں اور اس کی قضا اور فیصلے کو کوئی رد کرنے والا نہیں۔ وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ: یعنی تمہیں احد کے دن جو مصیبت پہنچی جس دن کہ مسلمانوں کی جماعت اور مشرکین کی جماعت ایک دوسری کے مقابل ہوئی تھیں، ایسا اللہ کی تقدیر اور اس کے فیصلہ سے ہوا ہے یہی اس کا ازلی ارادہ تھا تا کہ مؤمنین منافقین سے ممتاز ہو جائیں۔ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ: تا کہ اللہ اہل ایمان کو جو صبر کیے رہے، ثابت قدم رہے اور ان کے پاؤں ڈگمگائے نہیں جانچ لے۔

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا: اور تا کہ اہل نفاق کو بھی دیکھ لے جیسے عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے ساتھی جو غزوۂ احد کے موقع پر رسول اللہ ﷺ سے الگ ہو گئے تھے اور گھروں کو واپس لوٹ آئے تھے، ان کی تعداد تین سو کے لگ بھگ تھی، ان سے مؤمنین نے کہا: آؤ مشرکین کے ساتھ لڑو اور ہمارا ساتھ دو یا اپنی جمعیت سے ہماری تعداد میں اضافہ کرو اور دفاع کرتے رہو۔ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ: منافقین نے کہا: اگر ہم حقیقت میں جنگ دیکھتے تمہارے ساتھ مل کر لڑتے لیکن ہمارے خیال میں یہ جنگ نہیں تھی۔ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ: یعنی جب منافقین نے اس خیال کا اظہار کیا تو وہ ایمان کی بہ نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے۔ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ: جو بات انہوں نے دلوں میں چھپا رکھی تھی اس کے برخلاف اظہار کرتے تھے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ: انہوں نے اپنے دلوں میں جو کفر اور نفاق چھپا رکھا تھا اللہ اس سے بخوبی واقف ہے۔
اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا: جنہوں نے اپنے دوستوں سے کہا اور وہ بھی انہی جیسے تھے، اس حال میں کہ لڑائی میں حصہ لینے کے بجائے بیٹھے رہے۔ لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا: کہ اگر مؤمنین ہماری بات مانتے اور ہماری نصیحت سنتے اور ہماری طرح واپس لوٹ آتے احد میں قتل نہ کیے جاتے۔ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ: اے محمد! ان منافقین سے کہہ دیجیے اگر جنگ میں نہ جانا موت سے نجات دلاسکتا تو پھر موت کو اپنے سے دور کر کے دکھاؤ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو، اس آیت کا مقصد توبیخ اور ڈانٹ ہے، اور یہ کہ موت تمہیں ضرور آ کر رہے گی اگرچہ تم پختہ عمارتوں میں بند کیوں نہ ہو۔

بلاغت:...... اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اور وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ: میں صنعت مقابلہ ہے، جو کہ محسنات بدیعیہ میں سے ہے۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ: جار مجرور کو حصر کے لیے مقدم کیا گیا ہے۔ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ: اس میں شان کی نفی ہے جو فعل کی نفی سے ابلغ ہے۔ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ: ابوحیان کہتے ہیں: یہ استعارہ بدیعیہ ہے، امور شریعت کو ایسی دلیل اور نشانی سے تشبیہ دی ہے جسے دیکھ کر راہنمائی حاصل کی جاتی ہو اور نافرمان کو ایسے شخص سے تشبیہ دی گئی ہے جسے کسی چیز کی اتباع کا حکم دیا گیا ہو وہ اتباع کرنے سے مکر جائے اور واپس لوٹ آئے۔[1] بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ: تنکیر تہویل ہولنا کی بیان کرنے کے لیے لائی گئی ہے۔ هُمْ دَرَجٰتٌ: مضاف محذوف ہے، عبارت یوں ہوگی: ذوو درجات متفاوتة چنانچہ مؤمن کا درجہ بلند تر ہے اور کافر کا درجہ کمتر ہے۔[2] لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ: میں صنعت طباق ہے۔ اسی طرح يُبْدُوْنَ اور وَيُخْفُوْنَ میں بھی طباق ہے۔ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ: دونوں الفاظ کے درمیان تجنیس اشتقاق ہے۔

تنبیہ:...... آیت کریمہ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ: میں اس امر پر دلالت ہے کہ مکارم اخلاق حضور نبی کریم ﷺ کا خاصہ ہیں، عجیب بات ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کو امور عظیمہ کے لیے جمع کرتے باایں ہمہ آپ سراپائے تواضع وخاکساری ہوتے، حالاں کہ آپ کا نسب سب سے اعلیٰ آپ کا حسب سب سے عظیم، آپ کا عمل سب سے پاکیزہ، آپ سب سے زیادہ سخی، سب سے زیادہ فصیح وبلیغ سارے امور عظام آپ میں علی وجہ الاتم پائے جاتے تھے، پھر بھی آپ اپنے کپڑوں میں خود پیوند لگاتے، جوتے خود گانٹھ لیتے، جیسا جوتا ملتا پہن لیتے، گدھے پر سواری بھی کر لیتے، زمین پر بیٹھ جاتے، غلام کی دعوت بھی قبول فرمالیتے، اس روشن چراغ اور مکارم وفضائل کے بحر بیکراں پر درود وسلام ہو۔

فائدہ:...... توکل علی اللہ (اللہ پر بھروسہ کرنا) کا مقام بہت بلند ہے، اس کی دو وجہیں ہیں: اول یہ کہ اللہ متوکل بندے سے محبت کرتا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ دوم یہ کہ متوکل اللہ تعالیٰ کی پناہ میں ہوتا ہے چنانچہ فرمان ہے: وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ[3]

واقعہ غزوۂ احد سے سبق وعبرت

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ڜ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْھُمْ فَزَادَھُمْ اِيْمَانًا ڰ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْۗءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ

[1] البحر المحیط ۳/۱۰۱ [2] تلخیص البیان ص ۲۲ [3] التسہیل لعلوم التنزیل ۱/۱۲۲

عَظِيْمٍ ﴿١٧٤﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٧٥﴾ وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١٧٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٧٧﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿١٧٨﴾ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿١٧٩﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿١٨٠﴾

ع ۱۸

ترجمہ: ......اور ہرگز گمان نہ کرو اُن لوگوں کے بارے میں جو اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے کہ وہ مردہ ہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں۔﴿۱۶۹﴾ وہ خوش ہیں اس سے جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا فرمایا اور وہ خوش ہو رہے ہیں اُن لوگوں کی وجہ سے جو اُن کے پاس نہیں پہنچے۔ اُن کے پیچھے رہ گئے کہ کوئی خوف نہیں اُن پر اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔﴿۱۷۰﴾ وہ خوش ہو رہے ہیں بوجہ نعمت اور فضل خداوندی کے اور اس بات سے خوش ہیں کہ بلاشبہ اللہ ضائع نہیں فرماتا مؤمنین کے اجر کو۔﴿۱۷۱﴾ جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو مان لیا اس کے بعد کہ اُن کو زخم پہنچ چکا تھا ان میں سے جنہوں نے نیکی کے کام کیے اور تقویٰ اختیار کیا اُن کے لیے بہت بڑا ثواب ہے۔﴿۱۷۲﴾ یہ ایسے ہیں کہ جب ان سے لوگوں نے کہا کہ بلاشبہ لوگوں نے تمہارے لیے سامان کیا ہے لہٰذا تم اُن سے ڈرو تو اُن کی اس بات نے اُن کا اور زیادہ ایمان بڑھا دیا اور کہنے لگے کہ ہم کو اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے۔﴿۱۷۳﴾ سو وہ اللہ کی نعمت اور اس کا فضل لے کر واپس ہوئے ان کو کچھ بھی تکلیف نہیں پہنچی اور وہ اللہ کی رضامندی کے تابع رہے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔﴿۱۷۴﴾ یہ جو بات پیش آئی صرف اس وجہ سے کہ شیطان اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے سو تم اُن سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو۔﴿۱۷۵﴾ اور آپ کو وہ لوگ رنجیدہ نہ کریں جو تیزی کے ساتھ کفر میں جا پڑتے ہیں بے شک وہ لوگ اللہ کو کچھ بھی ضرر نہ دے سکیں گے، اللہ چاہتا ہے کہ اُن کو آخرت میں کچھ بھی حصہ نہ دے اور اُن کے لیے بڑا عذاب ہے۔﴿۱۷۶﴾ بے شک جن لوگوں نے کفر کو ایمان کے بدلہ خرید لیا وہ ہرگز اللہ کو کچھ بھی ضرر نہ پہنچا سکیں گے اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہے۔﴿۱۷۷﴾ اور ہرگز گمان نہ کریں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ ہم جو اُن کو مہلت دے رہے ہیں وہ ان کی جانوں کے لیے بہتر ہے، بات یہی ہے کہ ہم انہیں مہلت دے رہے ہیں تاکہ وہ گناہوں میں اور زیادہ ترقی کر لیں اور ان کے لیے عذاب ہے ذلیل کرنے والا۔﴿۱۷۸﴾ اللہ مؤمنین کو اس حالت پر چھوڑنا نہیں چاہتا جس پر تم اب ہو جب تک کہ ناپاک کو پاک سے جدا نہ فرما دے، اور اللہ تم کو امور غیب پر مطلع نہیں فرماتا لیکن اللہ منتخب فرما لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہے، سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر، اور اگر تم ایمان پر قائم رہے اور تم نے تقویٰ اختیار کیا تو تمہارے لیے ثواب عظیم ہے۔﴿۱۷۹﴾ اور ہرگز خیال نہ کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اُس چیز میں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دی ہے کہ یہ بخل کرنا اُن کے لیے بہتر ہے، بلکہ وہ اُن کے لیے برا ہے، جس چیز کے ساتھ انہوں نے بخل کیا عنقریب قیامت کے دن ان کو اس کا طوق پہنایا جائے گا۔ اور اللہ کے لیے آسمانوں اور زمین کی میراث ہے اور اللہ اُن کاموں کی خبر رکھتا ہے جو تم کرتے ہو۔﴿۱۸۰﴾

ربط وتعارف: ......آیات میں برابر غزوۂ احد کے واقعات بیان کیے جارہے ہیں، ان میں منافقین کا بھانڈا ابھی پھوڑا جارہا ہے، سبق آموز عبرت بھی دلائی جارہی ہے۔

لغات: يَسْتَبْشِرُوْنَ: ......وہ خوش ہوتے ہیں، اس کا مجرد ''بشرۃ'' ہے چوں کہ جب انسان خوش ہوتا ہے اس کی خوشی کے اثرات اس کے چہرے پر ظاہر ہوتے ہیں۔ ابن عطیہ کہتے ہیں يَسْتَبْشِرُوْنَ: میں سین استفعال کی برائے طلب نہیں بلکہ محض فعل مراد ہوگا، جیسے وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ: میں سین برائے طلب نہیں۔ الْقَرْحُ: زخم اگر قاف کے ضمہ کے ساتھ ہو تو زخم کا درد والم مراد ہے۔ حَسْبُنَا: احساب سے ماخوذ ہے بمعنی کافی ہونا چنانچہ شاعر کہتا ہے:

فتملاء بيتنا أقطًا وسمنًا　　　وحسبك من غنىً شِبَعٌ وريٌّ

ہمارا گھر پنیر اور گھی سے بھرا ہوا ہے اگر کھانے پینے کی اشیا تمہارے پاس دستیاب ہوں تو تمہارے غنی ہونے کے لیے یہ کافی ہے۔

حَظًّا: الحظ حصہ خیر وشر دونوں میں مستعمل ہے اور اگر مقید نہ ہو تو حظ خیر کے لیے ہوتا ہے۔ نُمْلِىْ: املاء سے ہے بمعنی تاخیر اور مہلت دینا، قرطبی کہتے ہیں: یہاں املا سے مراد عمر کا طویل ہونا اور آسودۂ عیش ہونا ہے۔ يَمِيْزَ: وہ جدا کرتا ہے۔ سَيُطَوَّقُوْنَ: الطوق گلے کا پھندا، کسی چیز کا لزوم ہونا جیسے پھندا گلے کے ساتھ چمٹ جاتا ہے۔

شان نزول: ......ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب غزوۂ احد کے موقع پر تمہارے بھائیوں کو شہید کردیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے پپوٹوں میں ڈال دیں، یہ پرندے جنت کی نہروں پر آتے جاتے ہیں، جنتی میوے کھاتے ہیں، اور رات کو عرش کے سائے تلے لٹکی ہوئی قندیلوں میں پناہ لیتے ہیں، جب یہ شہدا اپنے کھانے پینے اور عیش آرام کی بو پاتے ہیں کہتے ہیں: ہمارے بھائیوں تک ہمارا پیغام کون پہنچائے گا کہ ہم زندہ ہیں، جنت میں ہیں اور ہمیں رزق عطا کیا جاتا ہے، یہ اس لیے تاکہ ان کے بھائی دنیا میں جہاد کے معاملہ میں سستی نہ برتیں اور جنگ سے کترائیں نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمادیا: تمہارا یہ پیغام میں پہنچاؤں گا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ [1]

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری ملاقات ہوئی آپ نے فرمایا: اے جابر: میں تمہیں سر جھکائے غمزدہ سا کیوں دیکھتا ہوں؟ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے والد شہید کردیے گئے، اور اپنے پیچھے عیال چھوڑا اور ان پر قرضہ بھی ہے، فرمایا: کیا میں تمہیں بشارت نہ دوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے والد کے ساتھ کیسا معاملہ کیا؟ میں نے عرض کیا: بے شک اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: اللہ نے تمہارے والد کو زندہ کیا اور اسے اپنے سامنے لاکر کلام کیا حالاں کہ اللہ نے جس سے بھی کلام کیا۔ پردوں کے پیچھے سے کلام کیا، اللہ نے ان سے فرمایا: اے عبداللہ! تمنا کرو میں تمہیں عطا کروں گا۔ عرض کیا: اے میرے رب! میں تجھ سے مطالبہ کرتا ہوں کہ مجھے دنیا میں واپس بھیج دے تاکہ میں تیرے لیے دوبارہ قتل کیا جاؤں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرا یہ فیصلہ صادر ہو چکا ہے کہ لوگوں کو دنیا میں واپس نہیں بھیجا جائے گا عرض کیا: اے میرے رب! پیچھے والوں کو میرا پیغام پہنچادے۔ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ [2]

شہید مردہ نہیں زندہ ہیں

تفسیر: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا: ......تم ہرگز یہ گمان نہ کرو کہ جو لوگ اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے شہید کیے گئے وہ مردہ ہیں جو کسی قسم کا احساس ہی نہیں رکھتے اور کھاتے پیتے بھی نہیں بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ: بلکہ وہ زندہ ہیں جنت خلد میں زندگی گزار رہے ہیں، انہیں جنت کی نعمتیں عطا کی جاتی ہے صبح وشام ان نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں، واحدی کہتے ہیں۔ شہداء کی زندگی کے متعلق اصل

---

[1] اسباب النزول ص ۷۳، اور القرطبی ۴/ ۲۶۸ [2] اخرجه ابن ماجه والترمذی كذا فی القرطبی ۴/ ۲۶۸

دلیل نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث ہے کہ شہدا کی روحیں سبز پرندوں کے پپوٹوں میں ڈال دی گئی ہیں، انہیں رزق دیا جاتا ہے، وہ کھاتے ہیں اور نعمت والی زندگی میں ہیں۔ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ: وہ جنت میں خوش عیش زندگی گزار رہے ہیں انہیں جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں ان پر خوش ہیں۔ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ: اور وہ اپنے ان مجاہدین بھائیوں سے بھی خوش ہوتے ہیں جنہیں جہاد میں ابھی موت نہیں آئی۔ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ: اس بات سے خوش ہوتے ہیں کہ آخرت میں ان پر کوئی خوف نہیں ہوگا اور دنیا سے الگ ہونے پر غمزدہ بھی نہیں ہوں گے چوں کہ وہ نعمتوں والی بہشتوں میں ہوں گے۔

يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ:...... استبشار (خوشی) کو دوبارہ ذکر کیا گیا ہے تا کہ اس خوشی کے ساتھ متعلقہ نعمت و فضل کو بار بار یاد کیا جائے معنی ہوگا کہ اللہ نے انہیں جو عظیم نعمتیں دی ہوں گی، ان پر جو اپنا فضل کیا ہوگا اور انہیں جو ثواب عظیم عطا کیا ہوگا اس کی بدولت خوش ہوں گے۔ اطاعت کے بدلے نعمتوں کے مستحق ہوں گے اور اجر و ثواب میں جو چند در چند اضافہ ہوگا وہ اللہ کا فضل ہوگا۔ چنانچہ مؤمنین کے اجر و ثواب میں کمی نہیں ہوگی۔

غزوہ احد کے زخمیوں کے اجر عظیم کی بشارت

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ:...... وہ لوگ جنہوں نے غزوۂ احد میں زخم لگنے کے بعد اللہ کی اطاعت کی اور رسول کی اطاعت کی، ابن کثیر کہتے ہیں: اس آیت میں "غزوۂ حمراء الاسد" کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے، چنانچہ جب کفار احد سے واپس ہوئے تو راستے میں انہیں ندامت ہوئی کہ اگر وہ تھوڑا اور حملہ کرتے مسلمانوں کا خاتمہ کر سکتے تھے، اس خیال کے پیش نظر انہوں نے مدینہ کی طرف لوٹنے کا ارادہ کیا، جب آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ نے کفار کے تعاقب کا اعلان کیا تا کہ کفار کو مسلمانوں کی قوت کا یقین ہو جائے آپ نے صرف انہی صحابہ کو جانے کی اجازت دی جو غزوۂ احد میں شریک تھے، چنانچہ مسلمان کفار کے تعاقب میں چل دیے باجود یہ کہ مسلمان زخم کھا چکے تھے پھر بھی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے لیے چل پڑے۔[1] لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ: ان میں سے جنہوں نے رسول کی بات مانی اور جہاد میں نکلنے کے لیے رسول کا کہا مان لیا باوجود یہ کہ انہیں زخم بھی لگا اور مصائب کا سامنا بھی کیا ان کے لیے اجر عظیم اور بہت بڑا ثواب ہے۔ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا: مشرکین کے اعوان و انصار میں سے افواہ پھیلا کر بھڑکانے والوں نے کہا کہ قریش تمہارے خلاف بڑا لشکر لے کر جمع ہو رہے ہیں لہٰذا ان سے ڈرتے رہو، اس خوف کے بجائے مسلمانوں کے ایمان میں اضافہ ہوا ہے۔ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ: مؤمنین کہتے ہیں: اللہ ہی ہمیں کافی ہے، وہی ہمارا محافظ، ہمارے معاملے کا متولی وہ بہترین پناہ دہندہ اور مددگار ہے اور جو اس پر بھروسہ کرتا ہے اس کے لیے وہی کارساز ہے۔ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ: وہ سلامتی کی نعمت کے ساتھ اور اجر و ثواب کے فضل عظیم کے ساتھ واپس لوٹے۔ لَمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ: اور یہ کسی ناخوشگوار امر اور اذیت میں مبتلا نہیں ہوئے۔ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ: انہوں نے اللہ کی رضامندی جو دونوں جہانوں کی سعادت مندی ہے حاصل کر لی۔ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ: یعنی اللہ اپنے بندوں پر بہت زیادہ احسان کرنے والا ہے۔

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ:...... یہ بات کہنے والا کہ "لوگ تمہارے خلاف جمع ہو رہے ہیں۔" شیطان ہے جو اپنے دوستوں کے ذریعہ تمہیں ڈرا رہا ہے شیطان کے دوست تو کفار ہیں جو تمہیں ڈرا رہے ہیں۔ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ: ان سے مت ڈرو، ان پر غلبہ دلوانے کا میں ضامن ہوں، لیکن اگر تم سچے مؤمن ہو تو میرے حکم کی نافرمانی کرنے سے ڈرو کہیں تم ہلاک نہ ہو جاؤ۔ آیت کریمہ میں شیطان سے مراد "نعیم بن مسعود اشجعی" ہے جسے ابوسفیان نے بھیجا تھا تا کہ وہ مسلمانوں کو روکے، ابوحیان کہتے ہیں فعل کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے چوں کہ یہ فعل شیطان کے وسوسے اور اس کے اغوا کی وجہ سے صادر ہوا۔

---

[1] مختصر ابن کثیر ۱/۳۳۸

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ :......اس آیت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی جارہی ہے کہ اے محمد! ان منافقین کے لیے غمزدہ نہ ہو جو کفر کی طرف لپک کر جاتے ہیں اپنے اقوال سے بھی اور اپنے افعال سے بھی، ان سے اسلام کے بارے میں جو سازشیں سرزد ہوتی ہیں ان کی مطلق پرواہ نہ کرو۔ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا: یعنی منافقین اپنے کفر کے زور سے اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے بلکہ وہ تو اپنا نقصان کریں گے۔ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ: اللہ اپنی حکمت اور مشیت سے چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کے لیے ثواب کا کچھ حصہ بھی نہ ہو۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ: ثواب کی محرومی سے بڑھ کر انہیں آخرت میں دردناک عذاب ہوگا۔

کفار کو مہلت دینے کی حکمت

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ :...... ہرگز کفار یہ گمان نہ کریں کہ ہم نے ان کو کفریہ کرتوتوں پر جو انہیں عذاب نہیں دیا اور انہیں جو مہلت دی ہے یہ ان کے حق میں بہتر ہے۔ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا: بلکہ ہم نے تو اس لیے انہیں مہلت دی ہوئی ہے اور اس لیے ان کی موت میں تاخیر کی ہوئی ہے تا کہ وہ معصیت کا ارتکاب کرتے رہیں اور وہ گناہوں میں بڑھتے جائیں۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ: ان کے لیے آخرت میں ایسا عذاب ہوگا جو انہیں رسوا کردے گا۔

مؤمن اور منافق میں امتیاز کا وعدہ

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰي مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰي يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ:......اس آیت میں اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وعدہ کر دیا ہے کہ وہ عنقریب مؤمن کو منافق سے ممتاز کردے گا، آیت کا معنی ہے: اللہ ہرگز مؤمنین کو منافقین کے ساتھ گڈمڈ نہیں چھوڑے گا یہاں تک کہ انہیں آزمالے اور ان دونوں میں فاصلہ اور فرق کردے، جیسا کہ غزوۂ احد میں فرق کر دیا۔ چنانچہ اہل ایمان بھی واضح ہو گئے اور اہل نفاق بھی، ابن کثیر کہتے ہیں: امتحان و آزمائش کا ہونا ضروری ہے جس سے دوست اور دشمن کا پتہ چل جائے، مؤمن صبر کرنے والا ممتاز ہو جائے اور منافق فاجر نمایاں ہو جائے، جیسا کہ غزوۂ احد کے موقع پر ہوا۔[1] وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَي الْغَيْبِ: طبری کہتے ہیں: اس آیت کی سب سے بہتر تفسیر یوں ہے۔ اللہ ایسا نہیں کرسکتا کہ تمہیں اپنے بندوں کے دلوں پر مطلع کردے اور پھر تم مؤمن، منافق اور کافر میں امتیاز کرسکو۔ لیکن اللہ خود امتحان اور آزمائش سے امتیاز کر دیتا ہے جیسا کہ غزوۂ احد کے دن جنگ و معرکہ سے امتحان لیا۔[2] وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ: ہاں البتہ اللہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے اور اسے اپنی غیب کی باتوں پر (بذریعہ وحی) مطلع کر دیتا ہے جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منافقین کے احوال پر مطلع کر دیا۔ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ: صحیح طرح سے ایمان لے آؤ وہ یوں کہ صرف تنہا، اللہ غیب پر مطلع ہے اور اللہ اپنے رسول کو جو غیب کی بات پر مطلع کر دیتا ہے وہ بذریعہ وحی اسے آگاہ کرتا ہے۔ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ: تم اگر میرے رسولوں کی تصدیق کرو اور ڈرتے رہو اپنے رب سے اور اطاعت کرتے رہو تو تمہارے لیے ثواب عظیم ہے۔

راہِ خدا میں خرچ کرنے کی ترغیب اور بخل کی ممانعت

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ھُوَ خَيْرًا لَّھُمْ :......قبل ازیں اللہ تعالیٰ نے جہاد فی سبیل اللہ میں اپنی جان کھپا دینے کی ترغیب دی ہے اب اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دی جارہی ہے۔ اور جو بخل کرے اسے سخت وعید سنائی ہے، معنی ہوگا: بخیل یہ گمان نہ کرے کہ وہ جو مال جمع کررہا ہے اس کے لیے نفع بخش ہوگا، بلکہ یہ تو اس کے لیے باعث ضرر ہے، اس کے دین کے لیے بھی نقصان دہ ہے اور دنیا

---

[1] مختصر ابن کثیر ۱/ ۳۴۰ [2] الطبری ۷/ ۴۲۷

کے لیے بھی۔ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ایسا نہیں جیسا کہ وہ گمان کرتے ہیں بلکہ یہ ان کے لیے شر ہے۔ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بخل کیے ہوئے مال کو طوق بنادے گا جو بخیلوں کی گردنوں میں لٹکا دیا جائے گا یوں وہ عذاب میں پڑے رہیں گے، چنانچہ صحیح بخاری میں ہے۔ جس شخص کو اللہ نے مال دے رکھا ہو اور وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرتا ہو قیامت کے دن اس مال کو گنجے سانپ کی صورت میں تبدیل کردیا جائے گا، اس کی آنکھوں پر دو بڑے نقطے ہوں گے، سانپ بخیل کو اپنے جبڑوں میں پکڑ لے گا اور پھر کہے گا: میں تیرا مال اور تیرا خزانہ ہوں، پھر آپ نے یہ آیت۔ تلاوت کی وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ الآیہ وَلِلّٰهِ مِيرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: یعنی کائنات میں جو کچھ بھی ہے وہ اللہ کی ملکیت ہے چنانچہ فنائے مخلوق کے بعد سب کچھ اسی کی طرف لوٹ آئے گا۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ: یعنی اللہ تمہارے اعمال پر مطلع ہے۔

بلاغت: ...... البحر میں ہے۔ ان آیات کریمہ میں بلاغت وبدیع کے بے شمار پہلو نمایاں ہیں۔ چنانچہ يَسْتَبْشِرُونَ اور لَنْ يَّضُرُّوا میں اطناب ہے۔ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ: میں طباق ہے۔ اَلْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ: میں بھی طباق ہے۔ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ: میں استعارہ ہے۔ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ: اور الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ: میں بھی استعارات ہیں اگر خبیث سے مراد کافر ومنافق ہو اور طیب سے مراد مؤمن۔

فائدہ: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ: ...... ابراہیم علیہ السلام نے یہ کلمہ اس وقت کہا تھا جب انہیں آگ میں ڈالا گیا تھا۔ علامہ سیوطی نے اکلیل میں لکھا ہے کہ غم اور شدائد کے موقع پر یہ کلمہ کہنا مستحب ہے۔

دعوت اسلام کے خلاف یہودیوں کی سازش

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَاۗءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ۭ قُلْ قَدْ جَاۗءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْھُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَاۗءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَاۗىِٕقَةُ الْمَوْتِ ۭ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۣوَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۡ فَنَبَذُوْهُ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِھِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّھُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾

وقف لازم

ع

ترجمہ:...... بلاشبہ اللہ نے سن لی اُن کی بات جنہوں نے کہا ہے کہ بے شک اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں، عنقریب ہم اُن کی بات کو لکھ لیں گے اور جو انہوں نے نبیوں کے ناحق خون کیے ہیں اس کو بھی لکھ لیں گے اور ہم کہیں گے کہ چکھ لو جلنے کا عذاب۔ (۱۸۱) یہ ان اعمال کی وجہ سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجے، اور بلاشبہ اللہ بندوں پر ظلم فرمانے والا نہیں ہے۔ (۱۸۲) جنہوں نے کہا کہ بے شک اللہ نے ہم سے یہ فرمایا کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک کہ وہ ہمارے پاس ایسی قربانی کی چیز نہ لائے جسے آگ کھا جائے، آپ فرما دیجیے! مجھ سے پہلے بہت سے رسول کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے اور جو تم کہہ رہے ہو وہ بھی لائے پھر تم نے اُن کو کیوں قتل کیا اگر تم سچے ہو؟ (۱۸۳) سو اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ سے پہلے رسول جھٹلائے جا چکے ہیں وہ کھلی کھلی نشانیاں لائے اور صحیفے لائے اور روشن کتاب لائے۔ (۱۸۴) ہر جان موت چکھنے والی ہے اور بات یہی ہے کہ تم کو قیامت کے دن پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، سو جو شخص بچا دیا گیا آگ سے اور داخل کر دیا گیا جنت میں سو وہ کامیاب ہو گیا، اور دنیا والی زندگی دھوکے کے سامان کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ (۱۸۵) تم لوگ ضرور ضرور آزمائے جاؤ گے اپنی جانوں اور مالوں کے بارے میں اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور جن لوگوں نے شرک کیا اُن کی طرف سے ضرور بالضرور بہت سی باتیں دل آزاری کی سنو گے، اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو بلاشبہ یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔ (۱۸۶) اور جب اللہ نے ان لوگوں سے مضبوط عہد لیا جن کو کتاب دی گئی کہ تم ضرور ضرور کتاب کو لوگوں کے سامنے بیان کرنا اور اس کو نہ چھپانا، سو انہوں نے اس کو اپنی پشتوں کے پیچھے ڈال دیا اور انہوں نے اس کے ذریعہ تھوڑی سی قیمت خرید لی، سو بُری ہے وہ چیز جو وہ خریدتے ہیں۔ (۱۸۷) آپ ہرگز خیال نہ کریں کہ جو لوگ اپنے کیے پر خوش ہوتے ہیں اور اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ جو کام انہوں نے نہیں کیے اُن پر اُن کی تعریف کی جائے اُن کے بارے میں آپ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ وہ عذاب سے چھوٹ گئے اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (۱۸۸) اور اللہ ہی کے لیے ہے ملک آسمانوں اور زمینوں کا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۱۸۹)

ماقبل سے ربط وتعارف:...... قبل ازیں معرکۂ احد کے احوال بیان ہوئے، درمیان میں منافقین کی فریب کاریوں اور سازشوں پر روشنی ڈالی گئی اور مسلمانوں کے جہادی پختہ عزم کا ذکر بھی ہوا، اب اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد دعوت اسلامیہ کے خلاف یہودیوں کی سازشوں اور رکاوٹوں کا ذکر کیا ہے۔ تاکہ مسلمان یہود کی چالوں سے متنبہ رہیں، ان کی بے شمار گندی عادات وغلط معتقدات کو بھی بیان کیا گیا ہے جیسے ذات باری تعالیٰ پر بخل وفقر کی تہمت، نقض عہد، قتل انبیا، خیانت درامانت اس کے علاوہ انواع واقسام کے مختلف جرائم۔

لغات: عَهِدَ اِلَيْنَآ :...... ہمیں وصیت کی ہے اور ہم سے وعدہ لیا ہے۔ بِقُرْبَانٍ: وہ جانور جو تقرب الی اللہ کے لیے ذبح کیا جائے۔ اَلْبَيِّنٰتِ: واضح آیات ونشانیاں، یہاں معجزات مراد ہیں۔ اَلزُّبُرِ : زبور کی جمع مراد کتاب، زبر کا لغوی معنی کتابت ہے، زبور، مکتوب کے معنی میں ہے۔ جیسے رکوب مرکوب کے معنی میں ہے، زجاج کہتے ہیں زبور سے مراد ایسی کتاب جو حکمت والی ہو۔ زُحْزِحَ: الزحزحة سے ماخوذ ہے، دور کرنا، پرے ہٹانا، فَازَ : امید کردہ چیز میں کامیاب ہونا اور خوف سے نجات پالینا۔ لَتُبْلَوُنَّ: بَلَا يَبْلُوْ سے ہے تمہارا ضرور امتحان لیا جائے گا۔ عَزْمِ الْاُمُوْرِ : عزم کا معنی ہے پختہ رائے یہاں درست تدبیر مراد ہے جو ہر عقل مند کے لیے ضروری ہے۔ بِمَفَازَةٍ: نجات۔

شانِ نزول:...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہودیوں کی درس گاہ جس میں وہ تورات پڑھتے تھے میں تشریف لے گئے، وہاں یہودیوں کو ایک آدمی کے پاس مجتمع دیکھا، اس آدمی کا نام فنحاص بن عازوراء تھا۔ یہ یہودیوں کا عالم تھا، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: تیرا ناس ہو: اللہ سے ڈر اور اسلام قبول کر، اللہ کی قسم! تو جانتا ہے کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، وہ تمہارے پاس حق پیغام لے کر آئے ہیں، ان کا حق ہونا تم تورات اور انجیل میں پاتے ہو، فنحاص بولا: بخدا! اے ابوبکر! ہم اللہ کے محتاج نہیں بلکہ وہی ہمارا محتاج ہے، ہم اس کے آگے گڑگڑاتے نہیں جیسا کہ وہ ہمارے لیے گڑگڑاتا ہے، ہم تو اس سے بے نیاز ہیں۔ اگر اللہ غنی ہوتا ہم سے قرض کا مطالبہ نہ کرتا جیسا کہ تمہارے صاحب کا گمان ہے، تمہیں ربا (سود) سے منع کرتا ہے اور ہمیں عطا کرتا ہے، اگر اللہ غنی ہوتا ہمیں ربا نہ دیتا، اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غصہ ہو گئے اور زور سے اس کے منہ پر مارا اور بولے: اللہ کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تمہارے ساتھ ہمارا معاہدہ نہ ہوتا میں تمہاری گردن اڑا دیتا۔ فنحاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کرنے چل پڑا اور کہا: اے محمد! اپنے ساتھی کو دیکھو اس نے

میرے ساتھ کیا کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکر! تم نے ایسا کیوں کیا؟ عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس اللہ کے دشمن نے بہت بڑی بات کہی ہے، یہ کہتا ہے: اللہ فقیر ومحتاج ہے اور ہم غنی اور مالدار ہیں، مجھے اللہ کے لیے غصہ آ گیا اور اس کے منہ پر دے مارا، فنحاص نے انکار کر دیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تصدیق میں یہ آیات نازل فرمائی: لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ [1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس جماعت میں کعب بن اشرف، مالک بن صیف اور فنحاص بن عازوراء بھی تھے، کہنے لگے: اے محمد! تمہارا دعویٰ ہے کہ تم اللہ کے رسول ہو اور اللہ نے تمہارے اوپر کتاب نازل کی ہے، حالاں کہ اللہ نے ہم سے عہد لے رکھا ہے کہ ہم اس وقت تک کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک کہ وہ ایسی قربانی نہ لے آئے، جسے آگ بھسم کر جائے، اگر تم ایسی قربانی پیش کر دو جسے آگ کھا جائے تو ہم تمہاری تصدیق کر دیں گے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:
اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ۭ قُلْ قَدْ جَاۗءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْھُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ [2]

یہودیوں کے زعم باطل کی تردید

تفسیر: لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ:...... یہ شنیع مقولہ اللہ کے دشمنوں یہودیوں کا مقولہ ہے ان پر اللہ کی لعنت ہو، ان کا زعم باطل تھا کہ اللہ فقیر ومحتاج ہے، جب سورۂ بقرہ کی آیت مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا (سورۃ البقرۃ، ۲۴۵) نازل ہوئی۔ اسے بنیاد بنا کر یہود کہنے لگے اللہ تو فقیر ہے چوں کہ وہ ہم سے قرضہ مانگتا ہے۔ دوسری آیت ہے: يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ (سورۃ المائدہ، ۶۴) قرطبی کہتے ہیں: یہود کمزور مسلمانوں کو یہ جھوٹی بات ملمع سازی کے طور پر کہتے تھے تا کہ انہیں شک میں ڈال دیں یہ ان کا عقیدہ نہیں تھا، بلکہ کمزور مسلمانوں کو شک میں ڈالنا اور نبی کریم ﷺ کی تکذیب ان کی غرض تھی، معنی یہ ہے کہ محمد کے بقول اللہ فقیر ہے چوں کہ وہ ہم سے قرضہ مانگتا ہے۔ [3]
سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ: ہم حفاظت کرنے والے فرشتوں کو حکم دیں گے کہ ان کی بدگوئی ان کے نامۂ اعمال میں لکھ دیں، ہم ان کا یہ گھناؤنا جرم بھی لکھیں گے کہ انہوں نے انبیا کو ناحق قتل کیا، ان کے اسلاف نے انبیا کو قتل کیا ہے گویا یہ ان کے فعل شنیع سے رضامند تھے یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ انہوں نے خود قتل کیا ہو۔ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ: آخرت میں اللہ فرشتوں کی زبانی ان سے کہلائے گا: آتش دوزخ کا عذاب چکھو جو بھڑکنے والا اور جلانے والا ہے۔ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ: یہ عذاب اس وجہ سے تمہیں دیا جا رہا کہ تم نے جرائم کا ارتکاب کیا ہے۔ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ: اللہ سبحانہ وتعالیٰ عادل ہے، اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا، مقصد یہ ہے کہ بندوں کو ہونے والا عذاب ان کی اپنی معصیت کے سبب ہے، علامہ زمخشری کہتے ہیں: یہ بھی عدل ہے کہ گنہگار کو سزا دی جائے اور نیکوکار کے ساتھ بھلائی کی جائے۔

یہود کا صریح جھوٹ

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ:...... یہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے اور تورات میں ہم سے عہد لیا ہے کہ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ: ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم کسی رسول کی تصدیق نہ کریں یہاں تک کہ وہ ہمارے پاس مخصوص معجزہ لائے وہ یہ کہ وہ رسول قربانی پیش کرے جسے آسمان سے آگ اتر کر کھا جائے، یہ اللہ پر صریح جھوٹ ہے اللہ نے یہ حکم کسی کو نہیں دیا۔ قُلْ قَدْ جَاۗءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ: اے محمد! توبیخ اور ان کی تکذیب کے اظہار کے طور پر ان سے کہہ دیجیے کہ مجھ سے پہلے بھی بہت سارے پیغمبر تمہارے پاس آئے وہ کھلم کھلا معجزات لے کر آئے اور اپنی نبوت کے صدق پر واضح دلائل لائے اور تمہارے منہ بولے معجزات بھی لائے۔

---

[1] اسباب النزول للواحدی ص ۷۶ و مختصر ابن کثیر ۱ / ۳۴۲ [2] التفسیر الکبیر للرازی ۹ / ۱۲۱ [3] القرطبی ۴ / ۲۹۴

فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ: ......اگر تم اپنے اسی دعویٰ میں سچے ہو کہ تم اللہ پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی پھر تم نے رسولوں کی تکذیب کیوں کی انہیں قتل کیوں کیا؟ اس کے بعد اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو تسلی دی اور فرمایا: فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ: اے محمد! ان لوگوں کی تکذیب سے آپ غمزدہ نہ ہوں، سو اگر انہوں نے ایسا کیا ہے تو ان کے اسلاف بھی ان سے پہلے اللہ کے پیغمبروں کو جھٹلا چکے ہیں، آپ غمزدہ نہ ہوں ان پیغمبروں میں آپ کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ: ان لوگوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی باوجود یہ کہ یہ پیغمبر براہین قاطعہ اور واضح معجزات لے کر آئے تھے۔ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ: وہ پیغمبر آسمانی کتابیں لے کر آئے جو حکمتوں اور مواعظ سے پر تھیں اور واضح کتاب لے کر آئے جیسے تورات و انجیل كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ: یعنی مخلوقات نے فنا کی طرف جانا ہے اور ہر ذی روح نے مرنا ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے: كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ (سورۃ الرحمٰن، ۲۶) وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ: تمہیں قیامت کے دن تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ: جسے ہم دوزخ سے پرے اور دور کر دیں اور جنت میں داخل کر دیں وہ دائمی سعادت اور ہمیشہ ہمیشہ کی نعمتوں سے سرشار ہوا۔ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ: یعنی دنیا تو بس دار فنا ہے، اس سے نفع اٹھانے میں وہی شخص منہمک ہوتا ہے جو احمق اور دھوکا کھا جانے والا ہو۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اس آیت میں دنیا کا مقام نہایت حقیر کر کے دکھایا گیا ہے اور اس کی حیثیت فانی قرار دی گئی ہے۔

فقر و فاقہ اور مصائب کے ذریعہ آزمائش

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ: ...... بخدا! تمہیں ضرور آزمایا جائے گا اور تمہارا ضرور امتحان لیا جائے گا، یہ امتحان تمہارے اموال کے متعلق تمہیں فقر و فاقہ اور مصائب میں مبتلا کر کے لیا جائے گا اور تمہیں شدائد و امراض میں مبتلا کر کے تمہاری جانوں کا امتحان لیا جائے گا۔ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا: تمہیں اپنے دشمنوں یہود و نصاریٰ اور مشرکین کی طرف سے بہت ساری اذیتوں کا سامنا کرنا ہوگا، اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو خبر دی جا رہی ہے کہ انہیں مشرکین اور فجار کی طرف سے مختلف بلاؤں کا سامنا کرنا ہوگا، ان مواقع پر مؤمنین کو صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رکھنے کا حکم دیا گیا ہے چوں کہ جنت کو ناگوریوں کے پردوں تلے چھپا دیا گیا ہے، اسی لیے آگے فرمان ہے۔ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا: اور اگر تم ناگواریوں اور ناپسندیدہ حالات پر صبر کر لو اور اقوال و افعال میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ: یعنی صبر اور تقویٰ ایسے امور ہیں جن کا تعلق ہمت اور حوصلہ سے ہے چوں کہ اللہ نے ان امور کے بجا لانے کا حکم دیا ہے۔

تورات میں یہود سے پختہ عہد

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ: ......اے محمد! یاد کرو جب اللہ نے تورات میں یہود سے پختہ عہد لیا۔ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ: یعنی کتاب اللہ میں جو احکام ہیں انہیں ظاہر کرو گے چھپاؤ گے نہیں، ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: یہ یہود کے لیے ہے، اللہ نے اپنے رسول ﷺ کے معاملے میں ان سے پختہ عہد لیا تھا تاہم انہوں نے عہد کو چھپا دیا اور اس کی کچھ پاسداری نہ کی۔[1] فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا: یہ عہد یہودیوں نے پس پشت ڈال دیا اور اسے دنیا کی حقیر چیز سے بدل دیا۔ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ: یہ خریداری بہت بری رہی اور یہ خسارے کا سودا نہایت برا رہا۔ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا: اے محمد! ہرگز گمان نہ کرو کہ جو لوگ تمہاری حقانیت کو لوگوں سے چھپاتے ہیں۔ وَيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا: اور وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے نام نہاد تمسک حق پر ان کی تعریف کریں حالاں کہ وہ گمراہی پر ہیں۔ فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ: تم ان کے بارے میں ہرگز یہ گمان مت کرو کہ وہ عذاب سے بچ جائیں گے۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ: انہیں دردناک عذاب ہوگا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: یہ آیات اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی، حضور نبی کریم ﷺ نے ان سے کسی چیز کے

---

[1] التسہیل لعلوم التنزیل ۱/۱۲۶

بارے میں پوچھا، اہل کتاب نے جواب چھپا دیا اور جھوٹ موٹ کا جواب دے دیا، پھر اس حقیقت پوشی پر فخر بھی کرنے لگے۔[1]

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی سب کا سب اللہ کی ملک ہے بھلا جس ذات کی یہ شان ہے وہ فقیر کیونکر ہوسکتا ہے؟ آیت میں ان بدطینت لوگوں پر رد ہے جو کہتے تھے کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں۔

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ: یعنی اللہ ان بدعقیدہ لوگوں کو سزا دینے پر قدرت رکھتا ہے۔

بلاغت:......ان آیات کریمہ میں بیان وبدیع کے مختلف پہلو نمایاں ہیں۔اِنَّ اللّٰهَ فَقِیْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِیَآءُ: یہود نے اس جملے کو "ان" کے ساتھ بطور مبالغہ مؤکد کیا ہے، جب کہ غنی کی نسبت اپنی طرف کی اور اس کے ساتھ تاکید نہیں لائی گویا معنی یہ ہوا کہ غنا ان کا وصف لازم ہے جو کسی تاکید یا دلیل کا محتاج نہیں، یہ ان کے کفری تمرد وطغیان کی واضح دلیل ہے۔سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا: کتابت کا فعل تو فرشتوں سے سرزد ہوگا اور اللہ نے کتابت کا حکم دیا ہے، اس لیے اللہ کی طرف فعل کی نسبت مجازاً کی گئی ہے۔ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْكُمْ :اس میں مجاز مرسل ہے جزو بول کر کل مراد لیا گیا ہے، ایدی (ہاتھوں) کا ذکر ہوا چوں کہ اکثر اعمال ہاتھوں سے سرزد ہوتے ہیں۔تَاْكُلُهُ النَّارُ: الاکل (کھانا) کی نسبت نار (آگ) کی طرف کی گئی ہے ایسا بطور استعارہ کیا گیا ہے چوں کہ اکل (خوردن) حقیقۃً انسان اور حیوان کا فعل ہے، اسی طرح ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ: میں بھی استعارہ ہے چوں کہ "ذوق" چکھنا انسان کی صفت ہے۔مَتَاعُ الْغُرُوْرِ: علامہ زمخشری کہتے ہیں: دنیا کو ایسے متاع (سامان) کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو خریدار کے لیے پردۂ خفا میں ہو اور دھوکا کھا کر اسے خرید لے، گویا دھوکا دینے والا شیطان ہے، اس میں استعارہ کا پہلو نمایاں ہے۔[2]

فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا :......اس میں بھی استعارہ ہے۔جو کہ النبذ (پھینکنے) اور الاشتراء (خریدنے) میں ہے، عدم عمل کو ایسی چیز کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو پشت کے پیچھے ہو اور قلیل رقم کے ساتھ خریدنے کو ان کے بنائے گئے عوض کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ان آیات میں محسنات بدیعہ بھی ہیں چنانچہ "فقیر" اور "اغنیاء" میں طباق ہے۔زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ: میں صنعت مقابلہ ہے۔لَتُبَیِّنُنَّهٗ اور وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ میں بھی طباق ہے۔قَوْلَ الَّذِیْنَ قَالُوْا: اور كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ :میں تجنیس اشتقاق ہے۔

فائدہ:......آیت کریمہ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ :میں صیغہ مبالغہ بروزن فعال استعمال کیا گیا ہے جب کہ اس میں مبالغہ کا معنی نہیں بلکہ محض نسبت کا معنی ہے جیسے عطار ونجار وتمار، ان سارے صیغوں میں مبالغہ معناً نہیں اگرچہ مبالغہ کا وزن لایا گیا ہے۔بلکہ یہ تو محض نسبت کے لیے ہیں۔

ابن مالک کہتا ہے:

و مع فاعل وفعال فعل　　　　فی نسب أغنیٰ من الیاء قبل

ترجمہ:......فاعل، فعال اور فعل کے اوزان نسبت کے متعلق ہیں جو یائے نسبتی سے مستغنی ہیں۔

تنبیہ:......دنیوی تعیش کو اللہ تعالیٰ نے مَتَاعُ الْغُرُوْرِ: سے متصف کیا ہے چوں کہ دنیا کے باقی رہنے کی تمنا اور خواہش کی جاتی ہے۔نتیجۃً دنیا اپنے خواہش مند کو دھوکا دے دیتی ہے پھر دنیا اسے پچھاڑ بھی دیتی ہے۔اسی لیے اسلاف کا قول ہے۔"دنیا متاع متروک ہے جو عنقریب مضمحل ہو کر زائل ہو جائے گا، اس متاع سے اپنا حصہ لو اور اللہ کی اطاعت میں عمل کرو جہاں تک ممکن ہو سکے۔واللہ المستعان

اللہ تعالیٰ کی توحید کی عظمت، بڑائی اور قدرت کے دلائل

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا

[1] الکشاف ۱/ ۳۴۵ [2] الکشاف ۱/ ۳۴۵

خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿١٩٢﴾ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿١٩٣﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿١٩٤﴾ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿١٩٥﴾ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿١٩٦﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۫ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٩٧﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿١٩٨﴾ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿١٩٩﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٢٠٠﴾

ترجمہ:...... بلاشبہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور یکے بعد دیگرے رات دن کے آنے جانے میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ ﴿١٩٠﴾ جو اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے ہوئے بیٹھے ہوئے اور لیٹے ہوئے اور فکر کرتے ہیں آسمان اور زمین کے پیدا کرنے میں، اے ہمارے رب! آپ نے اس کو عبث پیدا نہیں فرمایا، ہم آپ کی پاکی بیان کرتے ہیں، سو آپ ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا دیجیے۔ ﴿١٩١﴾ اے ہمارے رب! اس میں شک نہیں کہ جسے آپ دوزخ میں داخل فرما دیں تو واقعی آپ نے اسکو رسوا کر دیا، اور ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں۔ اے ہمارے رب بلاشبہ ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا کہ وہ ایمان کے لیے پکار رہا ہے کہ تم ایمان لاؤ اپنے رب پر، سو ہم ایمان لے آئے، اے ہمارے رب! سو آپ مغفرت فرما دیجیے ہمارے گناہوں کی، اور کفارہ کر دیجیے ہمارے گناہوں کا اور ہمیں نیک بندوں کے ساتھ موت دیجیے۔ ﴿١٩٣﴾ اے ہمارے رب! اور ہمیں عطا فرمایئے جو آپ نے اپنے رسولوں کی معرفت وعدہ فرمایا اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کیجیے بلاشبہ آپ وعدہ خلافی نہیں فرماتے۔ ﴿١٩٤﴾ پس اللہ پاک نے ان کی دُعا قبول فرمائی کہ میں ضائع نہ کروں گا تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو مرد ہو یا عورت، تم آپس میں ایک دوسرے سے ہو سو جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ان کو ایذا دی گئی اور انہوں نے جنگ کی اور قتل کیے گئے سو میں ضرور ضرور ان کے گناہوں کا کفارہ کر دوں گا، اور اُن کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی یہ بدلہ ملے گا اللہ کے پاس سے اور اللہ کے پاس اچھا بدلہ ہے۔ ﴿١٩٥﴾ ہرگز دھوکہ میں نہ ڈالے آپ کو کافروں کا شہروں میں آنا جانا۔ ﴿١٩٦﴾ یہ تھوڑا سا نفع ہے پھر ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بُرا بچھونا ہے۔ ﴿١٩٧﴾ لیکن وہ لوگ جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے لیے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہ مہمانی ہوگی اللہ کی طرف سے اور جو اللہ کے پاس ہے بہتر ہے نیک بندوں کے لیے۔ ﴿١٩٨﴾ اور بلاشبہ بعض

اہلِ کتاب ایسے ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور اس پر جو نازل کیا گیا تمہاری طرف اور جو نازل کیا گیا اُن کی طرف جو عاجزی کرنے والے ہیں اللہ کے لیے، وہ نہیں خریدتے اللہ کی آیات کے بدلے تھوڑی سی قیمت، یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے ان کا اجر ہے ان کے رب کے پاس، بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ ﴿۱۹۹﴾ اے ایمان والو! صبر کرو اور مقابلہ میں جم کر رہو اور نیک کاموں میں لگے رہو اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ ﴿۲۰۰﴾

ماقبل سے ربط وتعارف:......اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدا توحید، الوہیت اور نبوت کے دلائل سے کی اب سورت کا اختتام وحدانیت، قدرت اور خلق وایجاد کے دلائل کے ساتھ کیا جا رہا ہے تا کہ انسان مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے پر استدلال کرے، یہ خاتمہ ختام مسک کے مترادف ہے، نیز اس کتاب کا مقصد قلب وروح کو مخلوق کے اشغال سے ہٹا کر معرفت خدائے تعالیٰ کی طرف لانا ہے چنانچہ آیات میں اللہ کی توحید عظمت بڑھائی، اور جلال کے ایسے دلائل لائے گئے ہیں جن سے دل منور ہو جاتے ہیں نتیجۃً افکار آسمانوں اور زمین کی ملکوت کے متعلق غور وفکر کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ یوں انسان پورے اخلاص سے رب تعالیٰ کی یکتائی اور اس کی قدرت کاملہ کا برملا اعتراف کرتا ہے، اوّلاً انسان کتاب اللہ میں غور وتدبر کرتا ہے، ثانیاً کائنات کی وسعتوں کا مطالعہ کرتا ہے جس سے اس پر حقائق کے دروازے کھل جاتے ہیں اور حقیقت تک پہنچنے کے لیے ہواس سے معاونت لیتا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ (سورہ یوسف، آیت ۱۰۵)

لغات: الْاَلْبَابِ:......لُبٌّ کی جمع ہے بمعنیٰ عقل۔ بَاطِلًا: فضول چیز جو حکمت کے بغیر ہو۔ سُبْحٰنَكَ: ایسا کلمہ جس کے ذریعہ اللہ کی تنزیہ و پاکی بیان کی جاتی ہے۔ اَخْزَيْتَهٗ: تو نے اسے ذلیل وخوار کر دیا۔ كَفِّرْ عَنَّا: ہٹا دے۔ الْاَبْرَارِ: بَرٌّ اور بَارٌّ کی جمع ہے مراد شریعت پر چلنے والے فَاسْتَجَابَ: اجاب جواب دیا، مان لیا۔ نُزُلًا: وہ چیز جو مہمان کے لیے تیار کی جائے۔ رَابِطُوْا: المرابطۃ سے ماخوذ ہے، سرحد پر دشمن کو نشانہ بنانے کے لیے گھات لگانا۔

شانِ نزول:......حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے ہجرت کے بارے میں عورتوں کا ذکر کرتے اللہ تعالیٰ کو نہیں سنا (یعنی قرآن میں ان کا ذکر نہیں) اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ

آسمان وزمین کی تخلیق میں اہلِ دانش کے لیے دلائل

تفسیر: اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ:......درحقیقت آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں ان کے مضبوط اور بے نمونہ پیدا کرنے کے اعتبار سے ان سب میں وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ: اور لگاتار رات اور دن کے ایک کے بعد دوسرے کے آ جانے میں لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ: ان سب میں اہل دانش کے لیے صانع کے وجود اور اس کی حکمت پر واضح دلائل ہیں، یہ دلائل صرف اسی شخص پر ظاہر ہو سکتے ہیں جو صاحب عقل ہو جو کائنات میں غور وفکر کرتا ہو، یہ استدلال ایسا نہیں جیسا کہ بہائم کے دیکھنے سے حاصل ہوتا ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل دانش کے اوصاف بیان کیے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ: یعنی عقل ودانش والے وہ ہیں جو اپنی زبانوں سے اور قلوب سے جمیع احوال میں کھڑے، بیٹھے لیٹے ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے عام واقعات میں وہ اللہ کے ذکر سے غافل نہیں ہوتے چوں کہ اللہ کے ذکر سے ان کے دل مطمئن ہوتے ہیں اور وہ خدائی کے مراقبہ میں مستغرق ہوتے ہیں۔ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: آسمانوں اور زمین کی ملکوت اور ان کی تخلیق اور اجرام فلکی کے متعلق غور وفکر کرتے ہیں، اللہ کی کاریگری کے عجائب اور اس کے تخلیقی کارناموں میں بھی غور وفکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا: اے ہمارے رب! تو نے یہ کائنات اور جو کچھ اس میں ہے فضول بغیر حکمت کے پیدا نہیں کیا۔

اہل دانش کی دعائیں

سُبۡحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ:......اے اللہ! عبث وفضول سے ہم تیری تنزیہ اور پاکی بیان کرتے ہیں تو عبث میں نہیں پیدا کیا، ہمیں اجر وثواب عطا فرما اور دوزخ کے عذاب سے بچا۔ رَبَّنَاۤ اِنَّكَ مَنۡ تُدۡخِلِ النَّارَ فَقَدۡ اَخۡزَيۡتَهٗ: جس کو تو نے دوزخ کی آگ میں داخل کر دیا اس کو تو نے انتہا درجے کا ذلیل ورسوا کر دیا اور سر عام رسوا کیا۔ وَمَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ: کوئی نہیں جو ظالموں کو اللہ کے عذاب سے بچا سکے، ظالمین سے مراد کفار ہیں جیسا کہ ابن عباس اور جمہور مفسرین کی رائے ہے، سورۃ البقرہ میں اس کی تصریح ہو چکی ہے۔ دیکھیے آیت والکافرون ھم الظالمون۔ رَبَّنَاۤ اِنَّنَا سَمِعۡنَا مُنَادِيًا يُّنَادِىۡ لِلۡاِيۡمَانِ: اے ہمارے رب! ہم نے ایمان کی دعوت دینے والے یعنی محمد ﷺ کو سن لیا۔ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِرَبِّكُمۡ فَاٰمَنَّا: اس داعی کی دعوت یہ ہے کہ اے لوگو! اپنے رب پر ایمان لے آؤ اور اس کی واحدانیت کی گواہی دو، ہم نے اس کی تصدیق کی اور داعی کی اتباع کی۔ رَبَّنَا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا: اے ہمارے رب! ہماری خطا پوشی فرما اور گناہوں کی وجہ سے ہمیں ذلیل وخوار نہ کرنا۔ وَكَفِّرۡ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا: ہم نے جن گناہوں کا ارتکاب کیا ہے اپنے فضل وکرم سے مٹا دے۔ وَتَوَفَّنَا مَعَ الۡاَبۡرَارِ: ہمیں نیکو کاروں کے ساتھ ملا دے، ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں آیت میں ذُنُوۡبَ سے مراد کبیرہ گناہ اور ''سیئات'' سے مراد صغیرہ گناہ ہیں۔ چنانچہ اس آیت سے بھی اس تفسیر کی تائید ہوتی ہے۔ اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا كَبَآئِرَ مَا تُنۡهَوۡنَ عَنۡهُ نُكَفِّرۡ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ: اس تفسیر کی رو سے آیت میں تکرار بھی لازم نہیں آتا۔ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدۡتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ: تضرع اور آہ وزاری کے لیے تکرار ندا لایا گیا ہے تاکہ کامل درجے کے خشوع وخضوع کا اظہار ہو جائے، معنی ہے: اے ہمارے رب! تو نے اپنے پیغمبروں کی زبانی ہمارے ساتھ جو وعدہ کیا ہے وہ ہمیں عطا فرما، یعنی جنت جو مطیعین کے لیے ہے۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے مطابق ہے۔ وَلَا تُخۡزِنَا يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ: ہمیں کافروں کی طرح رسوا نہ کرنا۔ اِنَّكَ لَا تُخۡلِفُ الۡمِيۡعَادَ: تو اپنے وعدے کے خلاف ورزی نہیں کرتا، تو نے ایمان لانے والے کے ساتھ جنت کا وعدہ کیا ہوا ہے۔

اہل خرد کی دعاؤں کا جواب

فَاسۡتَجَابَ لَهُمۡ رَبُّهُمۡ اَنِّىۡ لَاۤ اُضِيۡعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنۡكُمۡ مِّنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰى:......اللہ نے اہل دانش کی دعا کا یوں جواب دیا کہ میں نیکی کا عمل ضائع نہیں کروں گا، عمل کرنے والا خواہ مرد ہو یا عورت، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اہل دانش لگاتار اے ہمارے رب، اے ہمارے رب! کہتے رہے، یہاں تک کہ رب تعالیٰ نے ان کی پکار سن لی۔ بَعۡضُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ: یعنی مرد عورت سے ہے اور عورت مرد سے ہے (دونوں ایک دوسرے کی جنس ہیں) جب تم اصل وجنس میں مشترک ہو تو اجر وثواب میں بھی مشترک ہو۔ فَالَّذِيۡنَ هَاجَرُوۡا وَاُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ: جنہوں نے اپنے وطنوں کو چھوڑا اور اپنے دین کو لے کر بھاگ کھڑے ہوئے اور مشرکین نے ان کو اپنے گھر چھوڑنے پر مجبور کیا۔ وَاُوۡذُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِىۡ: اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے انہوں نے اذیتیں برداشت کیں۔ وَقٰتَلُوۡا وَقُتِلُوۡا: جو میرے دشمنوں کے ساتھ لڑتے رہے اور مرتے بھی رہے۔ لَاُكَفِّرَنَّ عَنۡهُمۡ سَيِّاٰتِهِمۡ: جن کے اوپر اوصاف بیان ہوئے ہیں میں ضرور ان کے گناہ مٹاؤں گا ان کی بخشش کروں گا اور ان پر اپنی رحمت کروں گا۔ وَلَاُدۡخِلَنَّهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ: میں انہیں ضرور نعمتوں والی بہشتوں میں داخل کروں گا، یہ اللہ کی طرف سے ان کے اعمال صالحہ کی جزا اور بدلہ ہے۔ وَاللّٰهُ عِنۡدَهٗ حُسۡنُ الثَّوَابِ: اللہ کے ہاں بہت اچھا بدلہ ہے اور وہ جنت ہے جس میں ایسی نعمتیں ہیں جو کسی آنکھ نے نہیں دیکھیں، کسی کان نے نہیں سنیں اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں کھٹکیں۔

دنیا کی نعمتیں زائل ہونے والی ہیں، کفار کو تنبیہ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کفار کی حالت پر متنبہ کیا ہے کہ انہیں دنیا میں عیش وعشرت حاصل ہے سرور حاصل ہے لیکن دنیا کی نعمتیں زائل ہو جانے والی ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فِى الۡبِلَادِ: اے سامع! کافروں کا شہروں میں آنا جانا بغرض روزگار

وتجارت اور جاہ ومرتبہ تمہیں ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے۔ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ یہ تھوڑے وقت کی قلیل عیاشی ہے پھر یہ نعمتیں زائل ہو جائیں گی اور آخرت میں ان کا ٹھکانا دوزخ ہوگا بہت برا ٹھکانا اور سکون گاہ ہے جو کہ دوزخ کی آگ ہے۔ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا: لیکن جو لوگ اللہ کے لیے تقویٰ اختیار کرتے ہیں ان کے لیے دائمی نعمتیں ہیں جو بہشتوں میں ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ: یہ سب نعمتیں اللہ کی طرف سے بطور مہمانی اور کرامت کے ہوں گی۔ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ: اللہ کے پاس جو ثواب، عزت واکرام ہے وہ نیکوکار اخیار کے لیے ہے اور وہ اشرار وفجار کے متاع قلیل جو زائل ہو جانے والا ہے سے بدرجہا افضل ہے۔

اہل کتاب کے احوال کی خبر

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بعض اہل کتاب کے متعلق خبر دی ہے۔ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ: یہود ونصاریٰ میں سے ایک جماعت ایسی ہے جو اللہ پر ایمان رکھتی ہے جیسا کہ ایمان رکھنے کا حق ہے، اور تمہاری طرف جو کتاب نازل کی گئی ہے اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور ان کی طرف جو کتاب مثلاً تورات وانجیل نازل کی گئی ہے اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی، نجاشی اور اس کے متبعین خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ: اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں اور سر تسلیم خم کیے ہوئے ہیں۔ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا: یعنی یہ جماعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ اوصاف اور ان کی کتابوں میں موجود احکام شریعت کو تبدیل نہیں کرتی، چوں کہ یہ دنیا کے پیچھے نہیں پڑی ہوئی، جیسے کہ ان کے احبار اور رہبان کیا کرتے تھے۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ:...... انہیں ان کے ایمان کا ثواب دیا جائے گا اور انہیں دگنا ثواب دیا جائے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ: یعنی ان کو دوگنا اجر دیا جائے گا۔ آگے ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ: اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے کیوں کہ جمیع معلومات کا اس کو علم ہے، ہر ایک کے بارے میں جانتا ہے کہ اسے ثواب ملنا ہے یا عذاب، ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ آیت نجاشی کے بارے میں نازل ہوئی، جب نجاشی کی وفات ہوئی تو جبرائیل امین نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی وفات کی خبر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا: کھڑے ہو جاؤ اور اپنے بھائی نجاشی کی نماز جنازہ پڑھو۔ بعض صحابہ ایک دوسرے سے کہنے لگے: کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ایک موٹے حبشی کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دے رہے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ الآیۃ نازل فرمائی۔

صبر کی وصیت اور تلقین

اللہ تعالیٰ نے یہ سورت جامع وصیت کے ساتھ ختم فرمائی، اس وصیت سے دونوں جہانوں کی سعادت حاصل کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا: اے مؤمنین (کی جماعت) طاعتِ خداوندی پر پیش آنے والی مشقتوں اور پیش آنے والے شدائد پر صبر کرو وَصَابِرُوْا: اور دشمن کے ساتھ جنگ وقتال کے وقت ثابت قدمی دکھا کر دشمن پر غلبہ حاصل کرو وَرَابِطُوْا: جہاد کے لیے تیار رہتے ہوئے چستی کے ساتھ اپنی سرحدوں کی پاسبانی کرو۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ: اللہ سے ڈرو اس کے حکم کی مخالفت نہ کرو تا کہ تمہیں دارین کی سعادت حاصل ہو جائے۔

بلاغت:...... ان آیات کریمہ میں بیان وبدیع کی مختلف اصناف نمایاں ہیں۔

پانچ مرتبہ رَبَّنَآ کے الفاظ دہرائے گئے ہیں اس میں اطناب کا پہلو نمایاں ہے تا کہ تضرع اور آہ وزاری میں مبالغہ ہو۔ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، والَّيْلِ وَالنَّهَارِ، قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا اور ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى: میں طباق ہے۔ مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ: میں ایجاز وحذف ہے اصل عبارت یوں ہے: مَا وَعَدْتَّنَا عَلَى السنة رُسُلِكَ: اسی طرح وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا: میں بھی حذف وایجاز ہے ای "قائلین ربنا" آمنوا...... فامنا اور عَمَلَ عَامِلٍ اور منادِ ینادی میں تجنیس مغایر ہے۔ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ: میں تنکیر رائے تفخیم وتعظیم ہے، اِنَّ کی خبر پر

لام، تاکید مزید کے لیے لایا گیا ہے۔ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا: میں استعارہ ہے، تلاش معاش کے لیے زمین میں چلنے پھرنے کے لیے "تقلب" کا استعارہ استعمال کیا گیا ہے۔

فوائد: اول فائدہ:...... ان آیات میں مخلوق میں غور وفکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے چوں کہ خالق میں غور فکر کرنا ممنوع ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے: "تفکروا فی الخلق ولا تفکروا فی الخالق فانکم لا تقدرون اللہ قدرہ" مخلوقات میں غور وفکر کرو، خالق میں غور وفکر نہ کرو چوں کہ تم اللہ تعالیٰ کی قدرت کا احاطہ نہیں کر سکتے یہ اس لیے کہ اللہ کی کنہ تک رسائی حاصل کرنا اور اس کی صفات کی حقیقت تک پہنچنا محال ہے، بعض علماء کا قول ہے کہ ذات باری تعالیٰ میں غور وفکر کرنا ایسا ہی ہے جیسے سورج کی ٹکیہ پر نظر جما کر دیکھنے والا، اللہ اس سے عظیم تر ہے چونکہ اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔

دوم فائدہ:...... یہاں پانچ مرتبہ رَبَّنَا آیا ہے، ایسا رب تعالیٰ کے لطف وکرم اور مہربانی اور رحمت کی طلب کے لیے ہے چوں کہ یہ اسم تربیت، ملک اور اصلاح پر دلالت کرتا ہے۔

سوم فائدہ:...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو عجیب تر واقعہ دیکھا وہ بیان کریں۔ اس پر ام المؤمنین رضی اللہ عنہا رو پڑیں اور فرمایا: آپ عجیب شان کے مالک تھے، چنانچہ ایک مرتبہ رات کو میرے پاس تشریف لائے آپ کا جسد اطہر میری بدن سے مس ہوا پھر آپ نے فرمایا: مجھے چھوڑ و تا کہ اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کروں، میں نے عرض کیا: بخدا! میں آپ کی قربت کو بہت پسند کرتی ہوں (لیکن آپ کی خواہش کا احترام کرتی ہوں) تاہم آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور گھر میں رکھے مشکیزے سے پانی لیا، وضو کیا، آپ نے زیادہ پانی نہیں بہایا، پھر نماز کے لیے کھڑے ہو گئے اور رونے لگے یہاں تک کہ آپ کی ڈاڑھی مبارک تر ہو گئی، پھر آپ نے سجدہ کیا یہاں تک کہ زمین بھی تر ہو گئی، پھر آپ پہلو کے بل لیٹ گئے یہاں تک کہ بلال رضی اللہ عنہ آ گئے اور نماز فجر کی اطلاع دی اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کیوں رو رہے ہیں، حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اے بلال! تیرا ناس ہو، میرے رونے سے کون سی چیز مانع ہے، حالاں کہ اس رات اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ آیات نازل کی ہیں: إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ پھر فرمایا: ہلاکت ہے اس شخص کے لیے جو ان آیات کی تلاوت کرے اور فکر وتدبر نہ کرے۔ [1]

سورۂ آل عمران کی تفسیر کا ترجمہ اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم سے بروز اتوار مورخہ ۱۳ رمضان المبارک ۱۴۳۲ مطابق ۱۴ اگست ۲۰۱۱ کو رات سوا دس بجے مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ بقیہ تفسیر کا ترجمہ بھی بآسانی مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

---

[1] اخرجہ ابن مردویہ وانظر ابن کثیر ۱/ ۳۴۸

سورۃ النساء

تعارف:......سورۃ النساء طویل مدنی سورتوں میں سے ایک ہے، یہ سورت احکام شریعت سے بھری ہوئی ہے، یہ احکام مسلمانوں کے داخلی اور خارجی امور کے متعلق ہیں، اس سورت میں قانون وقانون سازی کا پہلو بہت ہی نمایاں ہے جو کہ مدنی سورتوں کی ایک امتیازی شان ہے، تاہم بیچ بیچ میں اہم امور بھی زیر بحث ہیں اس ضمن میں عورت، گھرانہ، خاندان، معاشرہ اور ریاست کے احکام زیر بحث لائے گئے ہیں۔ لیکن عورتوں کے موضوع کو ترجیحاً بیان کیا گیا ہے اسی لیے اس سورت کا نام ہی ''سورۃ النساء'' ہے۔

اس سورت میں عورتوں اور یتامیٰ (یتیم کی جمع) بالخصوص یتیم لڑکیوں کے حقوق بیان کیے گئے ہیں، چنانچہ یتیم لڑکیاں اپنے اولیا اور وصیوں کی زیر کفالت ہوتی ہیں اس لحاظ سے میراث، کمائی اور ازدواجی زندگی کے حوالے سے ان کے حقوق مقرر کیے گئے ہیں، چنانچہ شریعت نے عورت بالخصوص یتیم لڑکی کو جاہلیت اور اس کی بہیمانہ اور ظالمانہ اقدار وروایات کے خونخوار پنجوں سے نجات دلائی ہے۔

سورت میں عورت کی عزت، مرتبہ اور مقام کی تعیین کی گئی ہے، اس کی صنفی نازکیت کے احترام کا حکم دیا گیا ہے، اس سورت میں عورت کے حقوق جیسے مہر، میراث اور معاشرتی حقوق مقرر کیے گئے ہیں۔ اس سورت میں جہاں میراث کے احکام تفصیلاً بیان کیے گئے ہیں وہیں محرمات (نسب رضاعت اور مصاہرت سے حرام ہونے والی عورتوں) کی بھی تعیین کی گئی ہے۔

زوجیت کے مختلف علاقات کو بھی بیان کیا گیا ہے کہ زوجیت محض بدنی تعلق کا نام نہیں بلکہ انسانی تعلق کا مقدس رشتہ ہے اور یہ کہ مہر اجرت وثمن نہیں (بلکہ مہر عطیہ ہے جو محبت کو اور زیادہ پختہ کر دیتا ہے اور حسن معاشرت کی جڑیں اس سے اور زیادہ مضبوط ہوتی ہیں اور ربط قلب بڑھتا ہے۔

سورت کریمہ میں خاوند اور بیوی کے حقوق وفرائض بھی بیان کیے گئے ہیں، ایسے خطوط کی نشاندہی کی گئی ہے جن پر خاوند چل کر ازدواجی زندگی کو درست وصواب ڈگر پر رکھ سکتا ہے، زوجین کے درمیان پیدا ہوجانے والے اختلاف کا مثبت حل پیش کیا گیا ہے اور مرد کے نگہبان ومنتظم ہونے کو بھی بیان کیا گیا ہے اور یہ کہ مرد کو عورت پر جو اختیار حاصل ہے یہ اختیار ایسا نہیں جیسا غلام پر حاصل ہوتا ہے بلکہ یہ خیر خواہی اور تادیب کا اختیار ہوتا ہے جیسا کہ کسی نگہبان کو اپنی رعیت پر حاصل ہوتا ہے۔

پھر موضوع کلام خاندانی دائرہ سے نکل کر معاشرہ کی وسعت تک پھیل گیا ہے چنانچہ ہر چیز میں حسن سلوک کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، سورت میں بیان کیا گیا ہے کہ احسان کی بنیاد باہمی ہمدردی اور ضمانت پر ہے، خیر خواہی اور چشم پوشی پر ہے، تاکہ معاشرے کی بنیادیں پختہ تر ہوجائیں۔

داخلی اصلاح ودرستی سے موضوع کلام خارجی امن کے قیام کی طرف منتقل کیا گیا ہے تاکہ امت محفوظ ومحقون رہے چنانچہ مسلمانوں کو مکمل طور پر تیار رہنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ دشمن کا استیصال ہوجائے۔

پھر بین الاقوامی سطح پر معاملات درست رکھنے کے بعض قواعد بیان کیے گئے ہیں، سورت میں منافقین کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم بھی دیا گیا ہے چوں کہ منافقین برائی کے سرغنہ اور شر کے جراثیم ہیں جن سے حذر (دور رہنا) ہی بہتر ہے، سورت کریمہ میں منافقین کی چالبازیوں سے ہوشیار رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔

اہل کتاب بالخصوص یہود کے خطرات سے متنبہ رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اور پیغمبروں کے متعلق ان کے موقف کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔

سورت کے آخر میں نصاریٰ کی ضلالت واشگاف کی گئی ہے چنانچہ نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں غلو کا شکار ہوگئے انہیں خدا سمجھ کر ان کی عبادت کرنے لگے پھر انہیں سولی پر چڑھا دیا حالاں کہ ان کے اعتقاد میں عیسیٰ علیہ السلام خدا تھے۔[1] یوں نصاریٰ نے تثلیث کا عقیدہ بھی اپنی طرف سے گھڑ لیا اور نتیجۃً مشرکین اور بت پرست کہلائے، سورت کی آخری آیات میں نصاریٰ کو اس گمراہ کن عقیدہ سے رجوع کرنے کی دعوت دی گئی ہے اور صاف وشفاف توحید کے اپنانے کی دعوت دی گئی ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۔ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۔ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ

[1] کسی شاعر نے کیا خوب کہا: اذا صلب الاله بفعل عبد+یهودی فما هذا الاله. جب کسی یہودی کے فعل سے خدا سولی پر چڑھا دیا جائے تو یہ کیسا خدا ہوا؟

وَّاحِدٌ (سورۃ النساء، ۱۷۱) تین خداؤں کا قول مت اختیار کرو، باز آ جاؤ یہی تمہارے لیے بہتر ہے خدا تو بس ایک ہے۔

وجہ تسمیہ:......اس سورت میں اکثر ایسے احکام بیان کیے گئے ہیں جو عورتوں کے متعلق ہیں، جب کہ عورتوں کے احکام اتنی کثرت سے کسی دوسری سورت میں نہیں بیان کیے گئے۔ عربی میں عورتوں کو نساء کہا جاتا ہے اور اس سورت کو ''سورۃ النساء الکبریٰ'' کہا جاتا ہے جب کہ ''سورت الطلاق'' کو ''سورۃ النساء الصغریٰ'' کہا جاتا ہے۔

اٰیَاتُھَا ۱۷۶ | (۴) سُوْرَۃُ النِّسَآءِ مَدَنِیَّۃٌ (۹۲) | رُکُوْعَاتُھَا ۲۴

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا ۝۱ وَاٰتُوا الْیَتٰمٰۤى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ ۪ وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ اِلٰۤى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِیْرًا ۝۲ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَلَّا تَعُوْلُوْا ؕ ۝۳ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا ۝۴ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۵ وَابْتَلُوا الْیَتٰمٰى حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَاۤ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ یَّكْبَرُوْا ؕ وَمَنْ كَانَ غَنِیًّا فَلْیَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِیْرًا فَلْیَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَیْهِمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِیْبًا ۝۶ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۪ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا ۝۷ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْیَتٰمٰى وَالْمَسٰكِیْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۸ وَلْیَخْشَ الَّذِیْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّیَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَیْهِمْ ۪ فَلْیَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْیَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ۝۹ اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا ۝۱۰

ع ۱۲

ترجمہ:......اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا، اور اُس جان سے اُس کا جوڑا پیدا فرمایا اور اُن دونوں سے بہت سارے مرد اور عورتیں پھیلا دیے، اور اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے آپس میں سوال کرتے ہو، اور قرابت داریوں سے بھی ڈرو، بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے۔ ۱ اور دے دو، یتیموں کو اُن کے مال، اور مت بدلو خبیث مال کو اچھے مال سے، اور مت کھاؤ اِن کے مالوں کو اپنے مالوں میں مِلا کر،

بے شک ایسا کرنا بڑا گناہ ہے۔② اور اگر تم کو ڈر ہو کہ یتیموں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو اُن عورتوں سے نکاح کر لو جو عورتیں تم کو پسند ہوں دو دو، تین تین، چار چار، سو اگر تم کو ڈر ہو کہ انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی عورت سے نکاح کر لو، یا اُن لونڈیوں پر بس کرو جو تمہاری ملکیت ہوں، یہ اس سے قریب تر ہے کہ تم زیادتی نہ کرو۔③ اور تم عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی کے ساتھ ادا کرو، سو اگر وہ تمہارے لیے اس میں سے نفس کی خوشی سے کچھ چھوڑ دیں تو اُس سے مبارک طور پر خوشگواری کے ساتھ کھالو۔④ اور بیوقوفوں کو اپنے مال مت دو جن کو اللہ نے تمہارے لیے زندگی گذارنے کا ذریعہ بنایا ہے، اور اُن مالوں سے اُن کو کھانے پینے کے لیے دے دو اور اُن کو کپڑے پہنا دو، اور اُن سے بھلی بات کہہ دو۔⑤ اور آزمالو تم یتیموں کو یہاں تک کہ وہ نکاح کے قابل ہو جائیں، سو اگر تم اُن کی طرف سمجھ داری محسوس کرو تو اُنکے مال اُن کو دے دو، اور مت کھاؤ ان کے مالوں کو فضول خرچی کرتے ہوئے اور اُن کے بڑے ہو جانے سے پہلے جلدی کرتے ہوئے، اور تم میں سے جو شخص صاحب مال ہو وہ پرہیز کرے، اور جو شخص تنگدست ہو سو وہ مناسب طریقہ پر کھالے، سو جب تم دے دو اُن کو اُن کے مال تو اس پر گواہ بنالو، اور اللہ کافی ہے حساب لینے والا۔⑥ مردوں کے لیے اس مال میں سے حصہ ہے جو اُن کے ماں باپ نے اور رشتہ داروں نے چھوڑا، اور عورتوں کے لیے اس مال میں حصہ ہے جو اُن کے ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا، وہ مال تھوڑا ہو یا زیادہ یہ حصہ مقرر کیا ہوا ہے۔⑦ اور جب تقسیم کرنے کے موقع پر رشتہ دار اور یتیم اور مسکین حاضر ہو جائیں تو اس مال میں سے ان کو بھی کچھ دیدو، اور اُن سے اچھے طریقہ پر بات کرو۔⑧ اور چاہیے کہ وہ لوگ ڈریں جو اپنے پیچھے ضعیف بچوں کو چھوڑ جاتے اور ان پر خوف ہوتا سو یہ لوگ اللہ سے ڈریں اور ٹھیک بات کریں۔⑨ بیشک جو لوگ ظلم کے طریقے پر یتیموں کا مال کھاتے ہیں بات یہی ہے کہ وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں، اور عنقریب دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔⑩

لغات: بَثَّ :...... اس نے پھیلایا، الگ الگ کیا، اسی سے ہے۔ "وَزَرَابِيُّ مَبْثُوثَةٌ" اَلْاَرْحَامَ : رحم کی جمع ہے اصل میں بچہ دانی کو کہا جاتا ہے جس میں بچہ بنتا ہے، پھر اس کا اطلاق قرابت داری پر ہونے لگا۔ رَقِيبًا : رقیب اس نگران کو کہتے ہیں جو کام کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ حُوْبًا: گناہ۔ تَعُوْلُوْا: تم ظلم کرتے ہو، مقولہ ہے عال المیزان "ترازو جھک گیا" عال الحاکم، حکمران نے ظلم کیا۔ صَدُقٰتِهِنَّ: صَدُقَةٍ کی جمع ہے بمعنی مہر۔ نِحْلَةٍ: ہبہ، عطیہ۔ السُّفَهَآءَ : کمزور عقل والے ہے، یہاں مراد فضول خرچ ہیں اٰنَسْتُمْ : تم نے دیکھا، محسوس کیا۔ بِدَارًا : جلدی سے سَدِيْدًا : راست بازی۔

شان نزول:...... عروہ بن زبیر کی روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آیت کریمہ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى کے بارے میں پوچھا، عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے بھانجے! آیت میں ایسی یتیم لڑکی کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جو اپنے ولی کی پرورش میں ہو اور لڑکی ولی کے مال میں شریک ہو، جب کہ ولی کو لڑکی کا مال و جمال بھاتا ہو اور وہ اس لڑکی کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہو حالاں کہ وہ اسے دوسری کسی عورت جیسا مہر نہ دیتا ہو، چنانچہ مسلمانوں کو ایسا کرنے سے منع کیا گیا۔ الا یہ کہ یتیم لڑکیوں کو بڑھ چڑھ کر مہر دیں اور پورا پورا حق دیں، اگر ایسا نہ کر سکیں تو مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ ان کے سوا انہیں جو عورتیں پسند ہوں ان سے نکاح کریں، اس آیت کے بعد لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوالات کرتے اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ [1]

مقاتل بن حیان سے مروی ہے کہ قبیلہ غطفان کا ایک شخص مرثد بن زید اپنے یتیم بھتیجے کا سرپرست بنا اور اس کا مال کھا گیا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ⑩ [2]

تفسیر:...... اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدا سب لوگوں کو مخاطب کر کے کی ہے اور انہیں صرف اللہ کی عبادت کی دعوت دی ہے، یہ انداز اس لیے اپنایا ہے تا کہ لوگ اللہ کی یکتائی اور وحدانیت پر متنبہ ہو جائیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ: اس رب سے ڈرو جس نے تم سب کو ایک ہی اصل یعنی تمہارے باپ آدم سے پیدا کیا۔ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا: اور اسی نفس واحدہ (آدم) سے

---

[1] اخرجہ البخاری ومسلم [2] القرطبی ۵ / ۵۳ واسباب النزول ص ۸۳

اس کی بیوی حوا پیدا کی۔ بَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا كَثِيۡرًا وَّنِسَآءً: آدم اور حوا سے مردوں اور عورتوں کی کثیر تعداد (زمین میں) پھیلا دی۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِهٖ وَالۡاَرۡحَامَ: اس اللہ سے ڈرو جس کی ذات کا تم ایک دوسرے کو واسطہ دیتے ہو، مثلاً کہنے والا یوں کہتا ہے: میں تمہیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ اور رشتہ داری کے قطع کرنے سے ڈرو۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيۡكُمۡ رَقِيۡبًا: اللہ تمہارا نگران ہے اور تمہارے سب اعمال وافعال پر مطلع ہے، آیت کریمہ میں دو جگہوں پر شروع میں اور آخر میں تقویٰ کا تاکیداً تذکرہ کیا گیا ہے چوں کہ تقویٰ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر حق ہے، تکرار سے اللہ کے اس حق کی عظمت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ اسی طرح تقویٰ اور صلہ رحمی کو ایک ساتھ ذکر کیا تاکہ رابطہ انسانی (انسانوں کا باہم مربوط جڑا رہنا) کی اہمیت پر دلالت ہو جائے۔ چنانچہ سب ہی انسانوں کی اصل ایک ہی ہے اور وہ انسانیت اور نصب کا بھائی چارہ ہے، اگر انسان اس اصول کو اپنا لیں تو زندگی امن وسکون اور سعادت میں گزاریں، وگرنہ دنیا میں عموماً جنگیں بھڑک اٹھتی ہیں جو بوڑھوں اور بچوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں جس میں خشک وتر جل جاتے ہیں اس لیے ہمدردی اور رشتہ داری کے پہلو کو ترجیحاً بیان کیا، اسی لیے آئندہ آیات میں یتیموں کے متعلق وصیت کی گئی ہے کہ ان کے ساتھ حسن سلوک رکھا جائے اور ان کے اموال کی حفاظت کی جائے۔

حرام کو حلال میں ملانے کی ممانعت

وَاٰتُوا الۡيَتٰمٰۤى اَمۡوَالَهُمۡ:...... یتیم جب بالغ ہو جائیں انہیں ان کے اموال دے دو۔ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الۡخَبِيۡثَ بِالطَّيِّبِ: حرام مال یعنی یتیموں کے مالوں کو اپنے حلال مال کے ساتھ تبدیل مت کرو۔ وَلَا تَاۡكُلُوۡۤا اَمۡوَالَهُمۡ اِلٰۤى اَمۡوَالِكُمۡ: یتیموں کے اموال کو اپنے مال کے ساتھ خلط مت کرو کہ پھر اس سب کو تم کھا جاؤ۔ اِنَّهٗ كَانَ حُوۡبًا كَبِيۡرًا: یتیموں کے اموال میں خرد برد کرنا کبیرہ گناہ ہے چوں کہ یتیم تو نگرانی اور حفاظت کا محتاج ہوتا ہے کیوں کہ وہ ضعیف وناتواں ہے اور یتیم پر ظلم کرنا اللہ کے نزدیک کبیرہ گناہ ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یتیم لڑکی کے ساتھ کم مہر پر شادی کرنے سے منع فرمایا ہے۔ وَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تُقۡسِطُوۡا فِى الۡيَتٰمٰى: اگر تم میں سے کسی کی پرورش میں کوئی یتیم لڑکی ہو اور سرپرست کو خوف ہو کہ وہ یتیمہ کے ساتھ انصاف نہیں کر پائے گا یعنی اسے مہر مثل نہیں دے پائے گا تو اسے چھوڑ دے اور کسی اور عورت کے ساتھ نکاح کرے، اس کے علاوہ بھی عورتیں بہت ساری ہیں، اللہ نے اس پر کوئی تنگی نہیں کی۔ [1]

چار شادیوں کی اجازت

فَانۡكِحُوۡا مَا طَابَ لَكُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ مَثۡنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ:...... تو پھر یتیم لڑکیوں کے علاوہ جن عورتوں سے چاہو نکاح کرو، تم میں سے جو چاہے دو کے ساتھ نکاح کرے، جو چاہے تین کے ساتھ کرے جو چاہے چار کے ساتھ کرے۔ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَةً: اگر تمہیں خوف ہو کہ بیویوں کے درمیان عدل نہیں کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی پر اکتفا کرو۔ اَوۡ مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ: یا باندیوں کے نکاح پر اکتفا کرو جو ملک یمین سے حاصل ہوئی ہوں، چوں کہ باندیوں کے ایسے حقوق نہیں ہوتے جو آزاد عورتوں کے ہوتے ہیں۔ ذٰلِكَ اَدۡنٰۤى اَلَّا تَعُوۡلُوۡا: ایک بیوی پر اکتفا کر لینا اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ تم ظلم وجور کی طرف مائل نہیں ہو گے۔

مہر کی ادائیگی کا حکم

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحۡلَةً:...... عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی سے بطور عطیہ دو۔ فَاِنۡ طِبۡنَ لَكُمۡ عَنۡ شَىۡءٍ مِّنۡهُ نَفۡسًا: اگر عورتیں (تمہاری بیویاں) خوش دلی سے (اور اپنی طرف سے) تمہیں مہر میں سے کچھ ہبہ کر دیں۔ فَكُلُوۡهُ هَنِيۡٓـئًا مَّرِیۡٓـئًا: مہر کا یہ ہبہ کردہ حصہ لے لو یہ تمہارے لیے حلال وطیب ہے۔

---

[1] طبری نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ اگر تمہیں خوف ہو کہ یتیموں کے بارے میں عدل نہیں کر سکو گے اسی طرح عورتوں کے بارے میں بھی ڈرو کہ جب تم ایک سے زائد عورتوں سے نکاح کرو۔ ہم نے تفسیر میں جو معنی بیان کیا ہے وہ ابن کثیر کا مختار ہے اور شان نزول کے موافق ہے۔

ناسمجھدار اور نابالغ بچوں کے مال کی حفاظت کا حکم

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا:...... یتیموں میں سے جو فضول خرچ ہوں انہیں ان کے اموال جن کو اللہ نے تمہارے ابدان اور معاش کا سرمایہ بنایا ہے۔ نہ دو چوں کہ وہ اموال کو ضائع کر دیں گے، ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: سفہا سے مراد عورتیں اور بچے ہیں، طبری کہتے ہیں: ناسمجھ کو اس کا مال نہ دو، ناسمجھ وہ شخص ہوتا ہے جو بدنظمی کی وجہ سے مال کو ضائع کر دے خواہ وہ بچہ ہو یا مرد، مذکر ہو یا مؤنث۔ [1]

وَّارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ:...... ان کے اموال سے انہیں کھانے کا سامان دو اور انہیں کپڑے پہناؤ۔ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا: ان سے نرمی کی بات کرو مثلاً یوں کہو: جب تم سمجھدار ہو جاؤ گے ہم تمہیں تمہارا مال سپرد کر دیں گے۔ وَابْتَلُوا الْیَتٰمٰی حَتّٰۤی اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ: یتیموں کا امتحان لیتے رہو یہاں تک کہ جب وہ عمر نکاح کو پہنچ جائیں اور یہ سن بلوغت ہے اس عمر میں لڑکا نکاح کے قابل ہو جاتا ہے۔ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ: اگر تم ان میں دین اور مال کے اعتبار سے سمجھ داری دیکھو اور محسوس کرو تو بلا تاخیر ان کے اموال انہیں سپرد کر دو۔

وَلَا تَاْكُلُوْهَاۤ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ یَّكْبَرُوْا:...... یتیموں کے اموال خرچ کرنے میں جلد بازی نہ کرو اور فضول خرچی سے کام نہ لو یہ کہتے ہوئے کہ جیسے ہم چاہیں گے اموال خرچ کریں گے تاکہ یتیموں کے بالغ ہونے سے پہلے پہلے ہم خرچ کرلیں کہیں وہ ہم سے اپنا مال چھین نہ لیں۔ وَمَنْ كَانَ غَنِیًّا فَلْیَسْتَعْفِفْ: یتیموں کے سرپرستو! تم میں سے جو مالدار ہو وہ یتیم کے مال سے اپنا دامن بچائے اور اس کے انتظام وانصرام پر اجرت نہ لے۔ وَمَنْ كَانَ فَقِیْرًا فَلْیَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ: جو شخص محتاج ہو وہ بقدر ضرورت اور اپنے کام کی اجرت کے بقدر لے۔ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَیْهِمْ: جب تم یتیموں کو ان کے اموال سپرد کر دو، درایں حالیکہ وہ بالغ اور سمجھدار ہو چکے ہوں تو مال کی حوالگی پر گواہ بنالو تاکہ وہ انکار نہ کرسکیں۔ وَكَفٰی بِاللّٰهِ حَسِیْبًا: اللہ حساب لینے والا اور نگرانی کرنے والا کافی ہے۔

قرابت داروں کے ترکہ میں مردوں اور عورتوں کا حصہ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ قرابتداروں کے ترکہ میں مردوں اور عورتوں کا حصہ ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ۪ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ: اولاد اور قرابت داروں کے لیے میت کے ترکہ میں حصہ ہے اسی طرح بیٹیوں اور قریبی عورتوں کے لیے بھی میت کے ترکہ میں حصہ ہے، اصل وراثت کی حصہ داری میں سب برابر ہیں اگرچہ حصوں کی مقدار میں تفاوت ہے، اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ بعض عرب عورتوں اور بچوں کو ترکہ میں حصہ دار نہیں سمجھتے تھے اور کہتے تھے: ترکہ میں تو ان افراد کا حصہ ہوتا ہے جو جنگ میں شریک ہوتے ہوں اور قبیلے کا دفاع کرتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کے اس حکم کو چکنا چور کر دیا۔ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ: برابر ہے ترکہ خواہ قلیل ہو یا کثیر۔ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا: یہ شریعت کے نظام عدل اور کتاب مقدس کی رو سے اللہ تعالیٰ کا قطعی مقرر کردہ حصہ ہے۔

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ: ترکہ تقسیم کیے جانے کے وقت اگر میت کے قرابت دار فقرا اور مساکین جو وارث نہ ہوں حاضر ہو جائیں تو ان کی دلجوئی کے لیے اس ترکہ میں سے کچھ نہ کچھ انہیں بھی دو۔ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا: اور ان سے اچھی بات کرو کہ یہ مال چھوٹوں کا حق ہے اور تم اس کے مالک نہیں بن سکتے۔

وَلْیَخْشَ الَّذِیْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّیَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَیْهِمْ:...... اس آیت میں اوصیا (سرپرستوں) کو وصیت کی جارہی ہے کہ اے سرپرست! یاد رکھو، اگر تیرے بعد تیری چھوٹی نابالغ اولاد ہو تو اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا، اس لیے تمہاری پرورش میں جو یتامیٰ ہوں ان کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرو جیسا کہ تم چاہتے ہو کہ تمہارے بعد تمہاری اولاد سے معاملہ کیا جائے۔ فَلْیَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْیَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا: یہ متولی یتیموں کے معاملہ میں اللہ سے ڈریں اور یتیموں سے ایسی بات کہیں جو اپنی اولاد سے کہتے ہوں یعنی۔ نرمی سے بات کریں۔

---

[1] الطبری ۷/ ۵۶۵

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ اَمۡوَالَ الۡیَتٰمٰی ظُلۡمًا: یعنی ناحق یتیموں کا مال جو لوگ ہڑپ کرتے ہیں۔ اِنَّمَا یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِہِمۡ نَارًا: حقیقت میں یہ لوگ آگ کھاتے ہیں جو ان کے پیٹوں میں قیامت کے دن بھڑکے گی۔ وَسَیَصۡلَوۡنَ سَعِیۡرًا: یہ لوگ عنقریب دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہو جائیں گے۔

بلاغت: ...... آیات میں فصاحت و بیان کے مختلف پہلو نمایاں ہیں، ان میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

① ...... غَنِیًّا اَوۡ فَقِیۡرًا، قَلَّ اَوۡ کَثُرَ، رِجَالًا وَّنِسَآءً، الۡخَبِیۡثَ بِالطَّیِّبِ میں طباق ہے۔

② ...... دَفَعۡتُمۡ فَادۡفَعُوۡٓا اور قُوۡلُوۡا قَوۡلًا: میں تجنیس مغایر ہے۔

③ ...... فَادۡفَعُوۡٓا اِلَیۡہِمۡ اَمۡوَالَہُمۡ ...... فَاِذَا دَفَعۡتُمۡ اِلَیۡہِمۡ اَمۡوَالَہُمۡ اور لِلرِّجَالِ نَصِیۡبٌ مِّمَّا تَرَکَ الۡوَالِدٰنِ وَالۡاَقۡرَبُوۡنَ ۪ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیۡبٌ مِّمَّا تَرَکَ الۡوَالِدٰنِ وَالۡاَقۡرَبُوۡنَ میں صنعت اطناب ہے۔

④ ...... وَاٰتُوا الۡیَتٰمٰۤی اَمۡوَالَہُمۡ: میں مجاز مرسل ہے، یعنی یتامیٰ کا اطلاق ہوا ہے باعتبار ما کان کے۔ اسی طرح یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِہِمۡ نَارًا: میں بھی مجاز مرسل ہے اور یہ باعتبار مایؤول الیہ کے ہے جیسے اِنِّیۡۤ اَرٰىنِیۡۤ اَعۡصِرُ خَمۡرًا: یعنی میں انگور نچوڑ رہا ہوں جو انجام کار شراب بن جائے گی۔

⑤ ...... وَمَنۡ کَانَ غَنِیًّا فَلۡیَسۡتَعۡفِفۡ ۚ وَمَنۡ کَانَ فَقِیۡرًا فَلۡیَاۡکُلۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ: میں لطیف قسم کا مقابلہ ہے۔

⑥ ...... رِجَالًا کَثِیۡرًا وَّنِسَآءً وغیرھا میں ایجاز ہے۔

فوائد: اول فائدہ: ...... ابتدائے سورت ہی میں لوگوں کو یاد دہانی کرائی گئی ہے کہ انہیں نفس واحد سے پیدا کیا گیا ہے، اس میں شان دار تمہید اور براعت استہلال ہے، اس امر پر اطلاع ہوگئی کہ سورت میں نکاح، میراث، زوجیت، مصاہرت اور رضاعت کے شرعی احکام پر بحث کی جائے گی۔

دوم فائدہ: ...... سورت میں یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ: کے الفاظ میں خطاب آیا ہے، عموماً یہ انداز کفار کے لیے اگر اختیار کیا گیا ہے تو اس کے بعد رب تعالیٰ کی وحدانیت اور ربوبیت کے دلائل لائے گئے ہیں جیسے: یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اعۡبُدُوۡا رَبَّکُمُ ، یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰہِ حَقٌّ اور اگر مؤمنین سے خطاب کیا گیا ہو تو اس کے بعد نعمتوں کا ذکر آیا ہے جیسے: یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّکُمُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنۡہَا زَوۡجَہَا وَبَثَّ مِنۡہُمَا رِجَالًا کَثِیۡرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِہٖ وَالۡاَرۡحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیۡکُمۡ رَقِیۡبًا ①

سوم فائدہ: ...... یتیموں کے اموال کی نسبت سرپرستوں کی طرف کی گئی ہے حالاں کہ یہ تو یتیموں کے اموال ہیں، اس سے امت کے باہمی تکافل پر تنبیہ کی گئی ہے، اموال کی حفاظت کی طرف راغب کیا گیا ہے تاکہ بے وقوف کے ہاتھ میں مال نہ جائے اور وہ فضول خرچی اور ضیاع سے دور رہے۔

چہارم فائدہ: ...... اِنَّمَا یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِہِمۡ: میں بطون کا ذکر کیا گیا ہے جب کہ جو چیز کھائی جاتی ہے وہ پیٹ ہی میں جاتی ہے، یہ اسلوب اس لیے اپنایا گیا ہے تاکہ تاکید اور مبالغہ کا فائدہ حاصل ہو جائے یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے: ابصرت بعینی وسمعت باذنی (میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا میں نے اپنے کان سے سنا) اسی طرح ذٰلِکُمۡ قَوۡلُکُمۡ بِاَفۡوَاہِکُمۡ: بھی اسی قبیل سے ہے۔

مسئلہ تعدد ازواج

تعدد ازواج ایسی ضرورت ہے زندگی کے مختلف احوال جس کا تقاضا کرتے ہیں، تعدد ازواج کوئی جدید انفرادی اسلامی قانون نہیں، بلکہ قبل از اسلام کے بھی تعدد ازواج کا کثیر رواج تھا، ہاں البتہ تعدد ازواج کو اسلام نے حدود و قیود کے ساتھ مقید و منظم کیا، اس کی غیر معیاری اور غیر انسانی صورت کو ختم کیا، معاشرے کو درپیش بعض اضطراری حالات میں تعدد ازواج کو بطور علاج و دوائی تجویز کیا ہے، حقیقت میں تعدد ازواج کا قانون اسلامی مفاخر میں سے ہے چوں کہ تعدد ازواج ایسا راستہ ہے جس کے ذریعہ معاشرتی مشکل حل ہو جاتی ہے، یہ مشکل درحقیقت اہم مسئلہ ہے جو اقوام عالم کو درپیش ہے، اقوام عالم کے ہاں اس کا کوئی مثبت حل نہیں۔ معاشرہ حقیقت میں ترازو کی مانند ہے جس کے دونوں پلڑوں کا برابر سرابر ہونا ضروری ہے، جب کبھی اس معاشرتی ترازو کے توازن میں خلل پڑے تو اس وقت ہماری ذمہ داری کیا ہوگی؟ اور جب عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلہ میں بڑھ جائے ہمیں کیا اقدام کرنے ہوں گے؟ کیا ہم کسی عورت کو زوجیت کی نعمت سے محروم قرار دے سکتے ہیں، اسے ماں بننے کی نعمت سے

محروم رکھ سکتے ہیں، اور یوں اسے بے لگام اور شتر بے مہار کی طرح چھوڑ دیں جو فحاشی وعریانی اور زنا کاری کی راہ پر چل نکلے؟ یا ہم اس اہم مسئلہ کا کوئی مثبت حل نکالیں اور سنجیدگی سے سوچیں تا کہ عورت کا وقار اور احترام مجروح نہ ہو، خاندانی زندگی پاکیزہ رہے اور معاشرہ بھی سلامت رہے؟

چنانچہ اس کی کھلی مثال ہم نے جرمنی میں دیکھی، دوسری جنگ عظیم میں جرمنی کے بے شمار فوجی ہلاک ہو گئے اور عورتوں کی تعداد میں حیرت انگیز اضافہ ہوا اور ایک مرد کے مقابلہ میں تین عورتیں آ گئیں، معاشرتی خلل کی یہ بدتر صورت ہے، اس صورت حال سے ہم کیسے نمٹ سکتے ہیں؟ اسلام نے اس اہم مسئلہ کا بڑا خوبصورت حل پیش کیا ہے۔ جب کہ عیسائی دنیا دونوں ہاتھ جوڑے حیران پریشان اس مسئلہ کو صرف دیکھتی ہی رہی چوں کہ یورپی دین اور قانون مرد کے لیے تعدد ازواج کو مباح قرار نہیں دیتا، لیکن اس قانون میں ایک مرد سینکڑوں عورتوں کو جنسی خواہش پوری کرنے کے لیے اپنے ساتھ رکھ سکتا ہے، چنانچہ ایک والد اپنی بیٹی کو بوائے فرینڈ کے ساتھ دیکھ کر فخر محسوس کرتا ہے بلکہ اس بے حیائی پر رشک کرتا ہے اور انہیں جنسی راحت پہنچانے کے لیے جملہ اسباب مہیا کرتا ہے، حتیٰ کہ یہ انسانیت سوز بے حیائی عام رواج بن گیا ہے، مختلف یورپی ممالک میں جنسی بے راہ روی کو قانونی حیثیت حاصل ہے۔

اس کے برخلاف اسلام صاف شفاف اور پاکیزہ نظام "تعدد ازواج" پیش کرتا ہے، جس سے خاندانی اعلیٰ معیار برقرار رہتا ہے، معاشرتی زندگی استوار رہتی ہے، تعجب ہے حلال طریقے کو ممنوع قرار دیا جا رہا ہے اور اس کے برخلاف حرام طریقے کو نہ صرف مباح بلکہ قانونی جواز دیا جا رہا ہے جس کی وجہ سے عورت انسانی درجہ سے اتر کر حیوانیت تک پہنچ جاتی ہے۔

رب ان الهدیٰ هداك وآيا تك حق تهدی بها من تشاء

ترجمہ:......اے میرے رب حقیقت میں ہدایات کا راستہ وہی ہے جو تو نے مقرر کیا ہوا ہے اور تیری آیات برحق ہیں ان کے ذریعہ تو جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔[1]

احکام میراث

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۤ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱﴾ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ

[1] عام تجربہ اور مشاہدہ کی بات ہے کہ مادہ کے مقابلے میں نر میں زیادہ شہوت پائی جاتی ہے چنانچہ بکریوں کے بڑے ریوڑ کے لیے ایک بکرا کافی ہوتا ہے اور پھر جنسی خواہش کا اظہار عموماً نر کی طرف سے پہلے ہوتا ہے، نیز بسا اوقات نر کو جنسی خواہش کی حاجت پیش آتی ہے اور مادہ انکار کر دیتی ہے اس کے برخلاف کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ عورت کو خواہش ہو اور مرد انکار کر دے، اس تمہید سے معلوم ہوا کہ مرد میں عورت کے مقابلے میں جنسی قوت زیادہ ہوتی ہے، بسا اوقات مرد کی ضرورت ایک عورت سے پوری نہیں ہوتی اسے دو یا تین عورتوں کی ضرورت ہوتی ہے اگر زوجہ واحدہ پر اکتفا کر لیا جائے تو حرام کاری کا دروازہ کھل جائے گا، نیز مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کی تعداد عصر حاضر میں زیادہ ہوگئی ہے، مرد جنگ کے میدان میں مرتے بھی ہیں، دہشت گردی کے جملہ واقعات میں مردوں کو نشانہ بنایا جاتا ہے اس لیے عقلاً بھی تعدد ازواج ازبس ضروری ہے ورنہ عورتیں بن بیاہی رہ جائیں گی۔

لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّورَثُ كَلٰلَةً أَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِنْ كَانُوْٓا أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ أَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۗ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۖ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾

ترجمہ:......اللہ تم کوتمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے، لڑکے کے لیے اتنا حصہ ہے جتنا دولڑکیوں کا ہے، سو اگر لڑکیاں دو سے زیادہ ہوں تو اُن کے لیے اس مال کا دوتہائی ہے جو مرنے والے نے چھوڑا، اور اگر ایک لڑکی ہو تو اس کے لیے آدھا ہے اور اس کے ماں باپ کے لیے یعنی ہر ایک کے لیے چھٹا چھٹا حصہ ہے اس مال میں سے جو مرنے والے نے چھوڑا بشرطیکہ اس کے اولاد ہو، پس اگر اُس کے لیے اولاد نہ ہو اور والدین ہی اُس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کے لیے تہائی ہے، سو اگر مرنے والے کے بھائی ہوں تو اس کی ماں کے لیے چھٹا حصہ ہے۔ اس وصیت کے نافذ کرنے کے بعد جو مرنے والے نے کی ہو یا اُس قرض کی ادائیگی کے بعد جو میت پر ہو، تمہارے باپ اور بیٹے ہیں تم نہیں جانتے کہ ان میں سے تم کو کون شخص نفع پہنچانے میں زیادہ قریب تر ہے، یہ حصے اللہ کی طرف سے مقرر ہیں۔ بے شک اللہ جاننے والا، حکمت والا ہے۔ ﴿۱۱﴾ اور تمہارے لیے اس مال میں سے آدھا ہے جو تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں اگر ان کے اولاد نہ ہو، سو اگر ان کے اولاد ہو تو تمہارے لیے اس کا مال چوتھائی ہے جو کچھ انہوں نے چھوڑا، اُس وصیت کے نافذ کرنے کے بعد جو وہ وصیت کر گئیں اور اس قرضے کی ادائیگی کے بعد جو اُن کے ذمہ ہے، اور ان کے لیے اس مال کا چوتھائی ہے جو تم نے چھوڑا اگر تمہارے اولاد نہ ہو، سو اگر تمہارے اولاد ہو تو اُن کے لیے آٹھواں ہے اس میں سے جو تم نے چھوڑا، اُس وصیت کے نافذ کرنے کے بعد جو تم وصیت کر گئے ہو، یا قرض کی ادائیگی کے بعد جو تمہارے ذمہ ہو۔ اور اگر مرنے والا کوئی مرد یا کوئی عورت ہو جس کو مورث بنایا جا رہا ہو اور حال یہ ہے کہ اس کے ماں باپ میں سے کوئی نہ ہو اور نہ کوئی بیٹا بیٹی ہو اور نہ پوتا پوتی ہو اور اس نے کوئی بھائی یا بہن چھوڑی ہو، تو اُن میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے، سو اگر بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو وہ سب تہائی مال میں شریک ہوں گے اس وصیت کے نافذ کرنے کے بعد جس کی وصیت کی گئی ہو اور ادائے قرض کے بعد، اس حال میں کہ نقصان پہنچانے کی نیت نہ کی ہو، یہ حکم اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ علیم ہے اور حلیم ہے۔ ﴿۱۲﴾ یہ اللہ کی حد بندیاں ہیں، اور جو شخص اطاعت کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی اُسے اللہ تعالیٰ ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے، اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ ﴿۱۳﴾ اور جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی حدود سے آگے نکل جائے وہ اسے آگ میں داخل فرمائے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے عذاب ہے ذلیل کرنے والا۔ ﴿۱۴﴾

ماقبل سے ربط وتعارف:......قبل ازیں اللہ تعالیٰ نے یتیموں کے متعلق وصیت کی ہے اور ضمناً قرابت داروں کا اجمالی حق بیان کیا ہے، اب اس کے بعد احکام میراث تفصیل سے بیان کیے جا رہے ہیں تا کہ سابقہ اجمال کی تفصیل ہو جائے، اس میں بیٹوں اور بیٹیوں کے حصص بیان کیے پھر آبا کے اور امہات کے حصص بیان کیے پھر ازواج وزوجات کے حصے بیان کیے پھر بھائیوں اور بہنوں کے حصے بیان کیے۔

لغات: يُوصِيْكُمُ اللّٰهُ:......وصیت سے ماخوذ ہے بمعنی کسی چیز کا حکم دینا، وصیت کا لفظ ''امر'' کے لفظ سے زیادہ بلیغ ہے، چوں کہ وصیت میں اہتمام اور حرص کا معنی بھی پایا جاتا ہے۔ **فَرِيْضَةً** یعنی اللہ کا مقرر کردہ حق جسے اللہ نے واجب کیا ہو۔ **كَلٰلَةً** میت جس کی نہ اولاد ہو اور نہ ہی والدین، یعنی جس کے اصول وفروع نہ ہوں، چنانچہ کلالہ ''اَلْكَلُّ'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی ضعف ہے، مقولہ ہے ''كَلَّ الرَّجُلُ'' فلاں شخص کمزور ہو گیا۔

حُدُوْدُ اللّٰهِ، اللہ کے مقرر کردہ احکام وفرائض جن سے تجاوز کرنا جائز نہیں۔

سببِ نزول:......روایت ہے کہ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی بیوی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنے ساتھ اپنی دو بیٹیاں بھی لائی، عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ دولڑکیاں سعد بن ربیع کی بیٹیاں ہیں جو آپ کے ساتھ معرکہ احد میں شریک تھے اور وہ شہید کر دیے گئے، ان کے چچا نے ان کا مال لے لیا ہے اور ان کے لیے کچھ نہیں چھوڑا، ان کے نکاح کے لیے مال کی ضرورت ہے (جو ہے نہیں)، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دونوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ بہتر فیصلہ کرے گا، چنانچہ اللہ نے آیت میراث نازل فرمائی۔ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ الآیۃ، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چچا کو پیغام بھیجا کہ سعد کی دو بیٹیوں کو دو تہائی مال دے دو اور ان کی ماں (بیوہ) کو آٹھواں حصہ دو اور جو باقی بچ رہے وہ تمہارا حق ہے۔

تقسیم میراث میں عدل کا حکم

تفسیر: يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ :......اللہ تمہیں تمہاری اولاد کی میراث کے بارے میں حکم دیتا ہے اور میراث کے بارے میں عدل برتنے کی وصیت کرتا ہے۔ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ: میراث میں سے بیٹے کو دو بیٹیوں کے برابر حصہ ملے گا۔ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ: اگر میت کے ورثہ میں صرف عورتیں ہی ہوں اور ان کی تعداد دو یا دو سے زیادہ ہو۔ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ: دو اور دو سے زیادہ بیٹیوں کے لیے دو تہائی ترکہ ہوگا۔ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ: اگر صرف ایک ہی بیٹی وارث بن رہی ہو تو اسے نصف ترکہ ملے گا۔ آیت میراث کی ابتدا اولاد کے حصص سے کی گئی ہے ان کے بعد اصول (والدین) کی میراث کا ذکر آیا ہے چوں کہ اولاد میراث میں مقدم ہوتی ہے، چنانچہ ارشاد ہے۔ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ :باپ کو چھٹا حصہ اور ماں کو بھی چھٹا حصہ ملے گا۔ مِمَّا تَرَكَ: میت کے ترکہ میں سے۔ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ: بشرطیکہ میت کا کوئی بیٹا یا بیٹی ہو، ولد کا اطلاق بیٹے اور بیٹی دونوں پر ہوتا ہے۔ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ: اگر میت کی کوئی اولاد نہ ہو اور صرف میت کے والدین اس کے وارث بن رہے ہوں یا والدین کے ساتھ زوجین (میاں، بیوی) میں سے کوئی ہو۔ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ: تو ماں کو مال کا تہائی حصہ ملے گا یا زوجین میں سے جو زندہ ہو اسے مقررہ حصہ دینے کے بعد جو باقی بچ رہے اس کا تہائی ملے گا اور جو باقی ہوگا وہ باپ کو ملے گا۔ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ :اگر والدین کے ساتھ میت کے بھائی بھی ہوں ان کی تعداد دو یا اس سے زیادہ ہو تو اس صورت میں ماں کو فقط چھٹا حصہ ملے گا۔[1] اور بقیہ ترکہ باپ کا حق ہوگا، حکمت اس میں یہ ہے کہ اولاد پر خرچ کرنا باپ کی ذمہ داری ہوتی ہے اس لیے باپ کو مال کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔

مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ:......ورثہ کو مذکورہ بالا حقوق میت کی وصیت نافذ کرنے کے بعد اور اس کا قرضہ ادا کرنے کے بعد حاصل ہوں گے چنانچہ ترکہ وصیت پوری کرنے اور قرضہ ادا کرنے کے بعد تقسیم کیا جائے گا۔ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ: یعنی میراث کی تقسیم اور حصص کی تعیین کا اختیار اللہ نے اپنے پاس رکھا ہے، مقرر کردہ فریضوں کی حکمت کا علم اللہ ہی کو ہے اور اس نے مصلحت اور منفعت کو مدنظر رکھ کر میراث کی تقسیم کی ہے، اگر تقسیم میراث کا اختیار انسانوں کو سپرد کر دیتا تو انہیں علم نہ ہوتا کہ کون سا وارث ان کے لیے زیادہ نفع بخش ہے یوں حکمت کے بغیر میراث کا مال تقسیم کر دیتے، اسی لیے اللہ نے آگے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا :جس چیز میں مخلوق کی بھلائی ہے اللہ اسے جانتا ہے اور اس نے اپنی حکمت کے مطابق شریعت اور میراث کے احکام مقرر کیے ہیں۔

میاں بیوی کے حصص کا بیان

اس کے بعد اللہ نے میاں بیوی کے حصے ذکر کیے ہیں۔ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ: اے مردو! تمہارے لیے

---

[1] اِخْوَةٌ کی قید سے ماں کا تہائی حصہ چھٹے حصے میں تبدیل ہوگیا ہے اگرچہ بھائیوں کو کچھ نہیں ملتا۔

تمہاری بیویوں کا نصف ترکہ ہے بشرط یہ کہ تمہاری بیویوں کی کوئی اولاد نہ ہو گو یا لاولد مرگئی ہوں نہ تم سے ان کی اولاد ہو اور نہ ہی کسی اور سے۔[1] فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ: اگر تمہاری بیویوں کی اولاد ہو تو تمہیں ان کی میراث میں سے چوتھائی حصہ ملے گا، بالاجماع بیٹے کے ساتھ پوتا ملحق کیا گیا ہے۔[2] مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ: میراث کے یہ حصے عورتوں کی کی ہوئی وصیت اور قرض کی ادائیگی کے بعد تقسیم کیے جائیں گے۔ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ: اور تمہاری بیویاں خواہ ایک ہی ہو یا ایک سے زائد کے لیے تمہارے ترکہ کا چوتھائی حصہ ہے بشرط یہ کہ تمہاری کوئی اولاد نہ ہو، نہ ہی موجود بیویوں کے بطن سے ہو اور نہ طلاق یافتہ بیویوں کے بطن سے۔ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ: اگر تمہاری اولاد ہو خواہ موجود بیویوں سے یا غیر موجود (مطلقہ) بیویوں سے ہو تو تمہارے چھوڑے ہوئے مال میں سے آٹھواں حصہ تمہاری بیویوں کو ملے گا۔ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ: وصیت اور دین (قرض) کی تنفیذ وادائیگی کا بار بار تذکرہ کیا جارہا ہے چوں کہ ان کی ادائیگی کا معاملہ مہتم بالشان اور ازبس ضروری ہے۔

کلالہ کی میراث کا حکم

وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً:...... اگر میت کلالہ ہو یعنی نہ اس کے والدین زندہ ہوں اور نہ ہی اس کی اولاد ہو، چنانچہ اصول وفروع کے نہ ہونے پر اس کے دور کے رشتہ دار اس کے ورثہ بن رہے ہوں۔ أَوِ امْرَأَةٌ: یا کوئی عورت کلالہ ہو۔ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ میت (مورث) کا ماں شریک کوئی بھائی یا کوئی (ماں شریک) بہن ہو۔ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ: یعنی ماں شریک بھائی کو چھٹا حصہ ملے گا اور اور ماں شریک بہن کو بھی چھٹا حصہ ملے گا۔ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ: اگر ماں شریک بھائی اور بہنیں ایک سے زائد ہوں تو وہ تہائی مال آپس میں برابر سرابر تقسیم کرلیں گے مرد اور عورتیں اس میں برابر ہوں گے، بحر میں ہے: علما کا اس پر اجماع ہے کہ آیت میں "اخ" سے مراد ماں شریک بھائی ہیں۔

مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ: یعنی وصیت پوری کرنے کے بعد اور قرضہ ادا کرنے کے بعد، اور وصیت مصلحت کے قصد وارادہ سے کی ہو ورثہ کو نقصان پہنچانے کے ارادہ سے نہ کی گئی ہو نیز وصیت اللہ کی مقرر کردہ حد میں ہو اور حد تہائی مال ہے چوں کہ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے وصیت تہائی مال میں ہو اور تہائی بھی زیادہ ہے۔ وَصِيَّةً مِنَ اللَّهِ: یہ سب اللہ کے حکم سے ہے۔ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ: اللہ نے جو احکام مشروع کیے ہیں ان کا علم رکھتا ہے اور جو شخص اس کے حکم کی مخالفت کرتا ہے اسے سزا دینے میں جلد بازی نہیں کرتا۔ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ: مذکورہ احکام اللہ کے مقرر کردہ قوانین وشرائع ہیں تاکہ اس کے بندے ان پر عمل کریں اور حد سے تجاوز نہ کریں۔ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ: جو شخص اللہ کا حکم مانتا ہے اور اس کے رسول کا حکم مانتا ہے اللہ اسے نعمتوں والی بہشتوں میں داخل کرے گا، ان بہشتوں میں درختوں تلے نہریں جاری ہوں گی۔ خَالِدِينَ فِيهَا: ہمیشہ ہمیشہ ان بہشتوں میں ٹھہرے رہیں گے۔ وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ: یہ عظیم کامیابی ہے۔

وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ: اور جو شخص اللہ کا حکم نہیں مانتا اور رسول کا حکم نہیں مانتا نیز اللہ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرتا ہے۔

يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا: اللہ اسے دوزخ کی آگ میں داخل کرے گا اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔

وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ: اور اس کو شدید عذاب ہوگا جس میں اس کی سخت ذلت اور رسوائی ہوگی۔

بلاغت:...... ان آیات میں بدیع کی مختلف اصناف نمایاں ہیں چند حسب ذیل ہیں: الذَّكَرَ وَالْأُنْثَىٰ، وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١٣﴾ وَمَنْ يَعْصِ اور آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ: میں صنعت طباق ہے۔ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ: اور مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ: میں اطناب ہے جس کا فائدہ وصیت کے نافذ کرنے پر تاکید کرنا ہے۔ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ: میں جناس اشتقاق ہے۔ عَلِيمٌ حَلِيمٌ: میں مبالغہ ہے۔

---

[1] یعنی تم سے پہلے تمہاری بیویوں نے دوسرے مردوں سے نکاح کیا ہو ان سے بھی ان کی کوئی اولاد نہ ہو۔ [2] یعنی اگر بیوی مرجائے اس کا بیٹا تو زندہ نہ ہو البتہ پوتا زندہ ہو تو بھی خاوند کو چوتھائی ترکہ ملے گا۔

فائدہ:...... بعض علما نے يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ: سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ماں سے بھی زیادہ رحم کرنے والا ہے چوں کہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے والدین کو ان کی اولاد کے بارے میں وصیت کی ہے اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ماں سے بھی زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

عورت کے مقابلے میں مرد کے دگنا حصہ کی حکمت

تنبیہ:...... عورت کے مقابلے میں مرد کے دگنا حصہ کی حکمت یہ ہے کہ مرد کے ذمہ اخراجات زیادہ ہوتے ہیں، اسے کسب معاش وتجارت میں بھی حصہ لینا پڑتا ہے، مشقتیں بھی برداشت کرنی پڑتی ہیں لہٰذا اس کے اخراجات کے پیش نظر مال کی طرف اس کی محتاجی بھی زیادہ ہے اس لیے مرد کو عورت کا دگنا حصہ دیا گیا ہے۔[1]

خواتین پر ظلم اور غیر اخلاقی وغیر انسانی معاملات سے ممانعت

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ﴿۱۵﴾ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۱۶﴾ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۭ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ۭ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْــــًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۹﴾ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْــــًٔا ۭ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۲۰﴾ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۲۱﴾

ترجمہ:...... اور تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں بے حیائی کا کام کریں سو اُن پر چار آدمیوں کی گواہی طلب کرلو جو تم میں سے ہوں، سو اگر وہ گواہی دے دیں تو اُن عورتوں کو گھروں میں روکے رکھو یہاں تک کہ اللہ ان کو موت دے دے یا اُن کے لیے کوئی راہ تجویز فرمادے۔ ﴿۱۵﴾ اور جو بھی دو شخص تم میں سے بے حیائی کا کام کریں اُن کو اذیت پہنچاؤ، پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں تو ان سے اعراض کرو، بلاشبہ اللہ توبہ قبول فرمانے والا مہربان ہے۔ ﴿۱۶﴾ پس اللہ کے ذمہ ان لوگوں کی توبہ قبول کرنا ہے جو حماقت کے ساتھ گناہ کرلیتے ہیں پھر قریب ہی وقت میں توبہ کرلیتے ہیں، سو

[1] دیکھیے مصنف کی کتاب ''المواریث فی الشریعۃ الاسلامیۃ'' ص ۱۸

یہ وہ لوگ ہیں جن کی توبہ اللہ قبول فرمائے گا، اور اللہ علم والا حکمت والا ہے۔ ⑰ اور اُن لوگوں کی توبہ نہیں جو بُرے کام کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب اُن میں سے کسی کے سامنے موت حاضر ہوجائے تو کہتا ہے کہ بے شک میں نے اب توبہ کی، اور نہ اُن لوگوں کی توبہ ہے جو کافر ہونے کی حالت میں مرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔ ⑱ اے ایمان والو! تمہارے لیے یہ حلال نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث ہوجاؤ اور تم ان عورتوں کو اس غرض سے مقید مت رکھو کہ جو مال تم نے اُن کو دیا ہے اس میں سے کچھ واپس لے لو، مگر یہ کہ وہ عورتیں کوئی صریح فحش کام کر بیٹھیں، اور تم اُن کے ساتھ اچھے طریقہ پر زندگی گذارو، سو اگر تم کو وہ ناپسند ہیں تو ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اُس میں زیادہ خیر رکھ دے۔ ⑲ اور اگر ایک بیوی کو دوسری بیوی کی جگہ بدلنا چاہو اور تم اُن میں سے ایک کو بہت سا مال دے چکے ہو تو اُس میں سے کچھ بھی نہ لو۔ کیا تم اس کو واپس لوگے بہتان رکھ کر اور صریح گناہ کا ارتکاب کرکے، ⑳ اور تم اس کو کیسے لیتے ہو حالانکہ تم ایک دوسرے تک پہنچ چکے ہو اور انہوں نے تم سے خوب پختہ عہد لے لیا ہے۔ ㉑

ربط وتعارف:...... قبل ازیں اللہ تعالیٰ نے نکاح ومیراث کے متعلق عورتوں اور مردوں کے احکام بیان کیے اب حدود کو بیان کیا جارہا ہے، حدود کے بعد جاہلی عادات، عورتوں پر ظلم کرنے، ان کے مہر ہڑپ کرجانے اور ان کے ساتھ غیر انسانی معاملہ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

لغات: وَالّٰتِیْ:...... اَلّٰتِیْ: اسم موصول کی غیر قیاسی جمع ہے۔ اَلْفَاحِشَةَ: قبیح فعل یہاں مراد زنا ہے۔ وَالَّذٰنِ: اَلَّذِیْ اسم موصول کا تثنیہ ہے۔ اَلتَّوْبَةُ: اصل میں توبہ رجوع کرنے کو کہتے ہیں اور توبہ کی حقیقت فعل قبیح پر ندامت کا ہوجانا ہے۔ كَرْهًا: کاف کی فتحہ کے ساتھ بمعنی اکراہ یعنی کسی کو مجبور کرنا، اور ضمہ کے ساتھ مشقت کا معنی ہے۔ تَعْضُلُوْهُنَّ: تم عورتوں کو روکتے ہو۔ ''عضل المرأة'' عورت کو نکاح کرنے سے روک دینا۔ بُهْتَانًا: ظلم، اصل میں حیرت انگیز جھوٹ کو کہا جاتا ہے۔ اَفْضٰى: عورت تک پہنچا۔ اس کی اصل فضاء سے ماخوذ ہے بمعنی وسعت۔ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا: پختہ عہد، یہاں عقد نکاح مراد ہے۔

شان نزول:...... اہل جاہلیت کا رواج تھا کہ جب کوئی مرد مرجاتا تو اس کا بیٹا آجاتا یا میت کا ولی آجاتا اور مرتے وقت جو عورت اس کے نکاح میں ہوتی اس کا وارث بن جاتا اور اس کا مال بھی تحویل میں لے لیتا، مال پر ایک چادر پھیلا دیتا، اگر چاہتا تو پہلے ہی مہر کے عوض بیوہ کے ساتھ نکاح کرلیتا یا کسی اور شخص سے نکاح کروالیتا اور اس کا مہر خود قبضہ کرلیتا اس پر یہ آیت نازل ہوئی: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ۭ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔـا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ⑲ [1]

نصاب شہادت زنا

تفسیر: وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ:...... تمہاری بیویوں میں سے جو زنا کر بیٹھیں تو ان کے ارتکاب زنا پر چار مسلمان آزاد مردوں کو تلاش کرو جو گواہی دیں۔ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ: اگر گواہوں سے ان کا جرم ثابت ہوجائے تو انہیں گھروں میں نظر بند کردو۔ حَتّٰى يَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ: انہیں گھروں میں تا موت نظر بند رکھو۔ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا: یا اللہ تعالیٰ ان کے لیے احکام شریعت کی رو سے خلاصی کی کوئی راہ نکال دی۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ ابتدائے اسلام میں اگر کوئی عورت زنا کا ارتکاب کربیٹھتی اور اس کا جرم ثابت ہوجاتا تو اسے تا موت گھر میں قید کرلیا جاتا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور نازل فرمائی اور نظر بندی کا حکم کوڑوں یا رجم کی حد سے منسوخ ہوگیا۔ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ: اور جو مرد اور عورت زنا کا ارتکاب کربیٹھیں۔ ''اَلَّذٰنِ'' مذکر کا صیغہ تغلیباً لایا گیا ہے۔ فَاٰذُوْهُمَا: انہیں ڈانٹ ڈپٹ کے ذریعہ اور جوتے مار مار کر خوب اذیت اور تکلیف پہنچاؤ۔ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا: اگر وہ دونوں زنا سے توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرلیں تو انہیں اذیت پہنچانے سے رک جاؤ۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا: اللہ توبہ قبول کرتا ہے اور وہ

[1] زادالمسیر ۲/ ۳۹

وسیع رحمت والا ہے۔فخر الرازی کہتے ہیں۔نظر بندی کی سزا عورت کے ساتھ مخصوص تھی اور اذیت پہنچانا مرد کے ساتھ مخصوص تھا، چوں کہ عورت جب گھر سے باہر نکلتی ہے تو زنا میں پڑ جاتی ہے جب گھر میں نظر بند کر لی جائے گی تو حتی الامکان زنا کا وقوع نہیں ہوگا، رہی بات مرد کی سوا سے گھر میں نظر بند کرنے میں حرج ہے چوں کہ اسے محنت مزدوری کر کے اہل وعیال اور اپنے لیے اخراجات مہیا کرنے پڑتے ہیں اس لیے مرد کی سزا نظر بندی اور قید وحبس سے مختلف ہونے میں کوئی حرج نہیں۔ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ: اللہ نے جو توبہ قبول کرنی اپنے اوپر لازمی کی ہوئی ہے وہ ان لوگوں کے لیے ہے جو نا سمجھی میں معصیت کے مرتکب ہو بیٹھیں اور وہ اس فعل کی قباحت وشناعت سے ناواقف ہوں پھر انہیں اس فعل پر ندامت ہو اور وہ اللہ کے حضور توبہ کر لیں۔ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ یعنی موت آ جانے سے پہلے توبہ کر لیتے ہیں۔ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ: یہی لوگ ہوتے ہیں اللہ جن کی توبہ قبول کرتا ہے۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا: اللہ اپنی مخلوق کا پورا پورا علم رکھتا ہے اور اس نے شریعت کے جو احکام مقرر کر رکھے ہیں یہ اس کی حکمت سے ہیں۔

حالت اضطرار کی توبہ مقبول نہیں

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ:...... ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں کی جاتی جو گناہ کا ارتکاب کرتے رہیں اور پھر جب موت آئے اس وقت کہیں کہ میں نے توبہ کی، یہ اضطراری حالت کی توبہ ہے جو قبول نہیں کی جاتی۔[1] حدیث میں ہے: اللہ اس بندے کی توبہ قبول کرتا ہے جو حالت غرغرہ کو نہ پہنچا ہو۔[2] وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ: اور وہ لوگ جو کفر پر مر جائیں تو موت کے وقت ان کی توبہ بھی قبول نہیں کی جاتی۔ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا: ہم نے ان لوگوں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

عورت کو سامان وراثت سمجھنے کی ممانعت

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا:...... عورتوں کو سامان وراثت مت سمجھو جو ایک انسان کی ملکیت سے دوسرے انسان کی ملکیت میں منتقل ہوتا رہتا ہے اور جب ان کے خاوند مر جائیں تم جبراً ان کے وارث بن بیٹھو۔ (ایسا مت کرو) ابن عباس رضی اللہ عنہما تے ہیں: جاہلیت میں جب کوئی شخص مر جاتا تو اس کے اولیا اس کی بیوی کے زیادہ حق دار سمجھے جاتے تھے، اگر چاہتے تو ان میں سے کوئی ایک بیوہ کے ساتھ شادی کر لے یا کسی اور سے اس کی شادی کروا دیتے۔ یا چاہتے تو اسے شادی سے بالکلیہ روک دیتے۔[3] وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ: تمہارے لیے حلال نہیں کہ تم ان بیوگان کو دوسری شادی کرنے سے منع کر دو یا تم ان پر تنگی کر دو تاکہ انہیں دیے ہوئے مہر میں سے کچھ حصہ ہڑپ کر جاؤ۔ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ: ہاں البتہ اگر کھلی بے حیائی کا ارتکاب کر بیٹھیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: فَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ: یہ کھلی بے حیائی سے مراد نشوز اور نافرمانی ہے۔ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ: عورتوں کے ساتھ ایسے انداز سے سلوک اور برتاؤ کرو جس کا اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے ان سے نرم لہجے میں بات کرو، اور رویہ ان کے ساتھ نرمی اور اچھائی کا رکھو۔

عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم

فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا:...... اگر تم ان (کی صحبت اور ساتھ دینے) کو ناپسند کرتے ہو تو ان پر صبر کرو اور ان کے ساتھ برابر اچھائی کرتے رہو، عین ممکن ہے اللہ تمہیں ان سے صالح اولاد عطا فرما دے جو تمہاری آنکھوں کو ٹھنڈا کرے، یہ بھی عین ممکن ہے کہ جس چیز کو تم ناپسند کرتے ہو اس میں خیر کثیر ہو، صحیح حدیث میں ہے کوئی مؤمن کسی مؤمن عورت سے بغض نہ رکھے، اگر اسے اس میں

---

[1] سید قطب شہید ''الظلال'' میں لکھتے ہیں: یہ مضطر کی توبہ ہے، اسے معصیت اور خطیئات نے گھیر لیا ہوتا ہے چوں کہ اب اس کے پاس مزید گناہ کرنے کی گنجائش نہیں رہتی اس کے پاس موقع ہی نہیں رہا، ایسی توبہ اللہ قبول نہیں فرماتے چوں کہ اس توبہ کے بعد اصلاح کی اور زندگی کی کوئی توقع نہیں ہوتی اور نہ ہی یہ توبہ اس کی طبیعت کی تبدیلی اور اس کے متوجہ ہونے پر دال ہے۔ [2] غرغرہ کی حالت مرتے وقت حلق میں سانس کا اٹک جانا۔ [3] القرطبی ۵ / ۹۴

کوئی عادت بری معلوم ہو تو دوسری کوئی عادت جی کو بھا بھی سکتی ہے۔ اس کے بعد اللہ نے مہر واپس لینے سے منع فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہے۔ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ: اے مؤمنو! اگر تم نے ایک عورت کو طلاق دی ہو اور اس کی جگہ دوسری کسی عورت سے نکاح کرنا چاہو۔ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا: اور حال یہ ہو کہ تم نے بڑی مقدار میں مہر دے رکھا ہو جو ڈھیر تک پہنچتا ہو تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو۔ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا: استفہام انکاری ہے یعنی کیا تم باطل طریقے سے اور ظلم سے مہر واپس لو گے۔ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ: بھلا یہ مہر لینا تمہارے لیے کیسے مباح ہو سکتا ہے حالاں کہ تم ایک دوسرے سے ازدواجی تعلقات قائم کر چکے ہو۔ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا: اور انہوں نے تم سے پختہ عہد لے رکھا ہے، پختہ عہد سے مراد عقد نکاح ہے، مجاہد کہتے ہیں "میثاق غلیظ" سے مراد عقد نکاح ہے، حدیث میں ہے۔ عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو تم نے اللہ کی امانت کے طور پر انہیں لیا ہے اور ان کی شرم گاہوں کو اللہ کے حکم سے اپنے لیے حلال سمجھا ہے۔ [۱]

بلاغت:...... ان آیات میں بیان و بدیع کی مختلف اصناف نمایاں ہیں۔ يَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ: میں مجاز عقلی ہے اور اسناد حقیقی یوں ہے: يَتَوَفَّاهُنَّ اللّٰهُ. وَاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا: میں استعارہ ہے چنانچہ میثاق کا لفظ عقد شرعی کے لیے بطور استعارہ لیا گیا ہے۔ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا: اور كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا میں تجنیس مغایر ہے۔ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا: میں مبالغہ ہے۔

فائدہ:...... آیت کریمہ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ: میں جماع کے لیے افضا کا لفظ بطور کنایہ لایا گیا ہے، اس اسلوب کے ذریعہ مؤمنین کو آداب کی تعلیم دینا مقصود ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں "افضی" سے مراد جماع ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ لفظ بطور کنایہ استعمال کیا ہے۔

تنبیہ:...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ لوگوں سے خطاب کیا اور فرمایا: اے لوگوں! عورتوں کے مہر میں گرانی مت کرو اگر زیادہ مہر رکھنا دنیا میں کوئی شرافت کی چیز ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شرافت کو ضرور اختیار کرتے حالاں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی کسی بیوی اور کسی بیٹی کا مہر بارہ (۱۲) اوقیہ سے زیادہ نہیں رکھا، اتنے میں ایک عورت کھڑی ہوئی اور بولی: اے عمر! اللہ ہمیں زیادہ مہر دلا رہا ہے اور تم منع کرتے ہو؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا: اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس عورت نے سچ کہا اور عمر سے خطا ہوئی۔ [۲]

محرمات کا بیان

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَاۗؤُكُمْ مِّنَ النِّسَاۗءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَاۗىِٕكُمْ وَرَبَاۗىِٕبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَاۗىِٕكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۡ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۡ وَحَلَاۗىِٕلُ اَبْنَاۗىِٕكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾

ع ۸/۱۴

ترجمہ:...... اور اُن عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہیں مگر جو پہلے گذر چکا۔ بے شک یہ بے حیائی کا اور غصے کا کام ہے

[۱] اخرجہ مسلم [۲] الکشاف ۱/۳۷۹

اور بُرا راستہ ہے۔ ㉓حرام کی گئیں ہیں تم پر تمہاری مائیں، اور تمہاری بیٹیاں، اور بہنیں، اور تمہاری پھوپھیاں، اور تمہاری خالائیں اور بھائی کی بیٹیاں، اور بہن کی بیٹیاں، اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا، اور تمہاری دودھ شریک بہنیں، اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری اُن بیویوں کی بیٹیاں جن بیویوں سے دخول کر چکے ہو جو تمہاری گودوں میں ہیں، سو اگر تم نے ان بیویوں سے دخول نہ کیا ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ ان کی لڑکیوں سے نکاح کر لو، اور حرام ہیں تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری پشت سے ہیں اور یہ بھی حرام ہے کہ تم دو بہنوں کو اپنے نکاح میں جمع کرو مگر جو گذر چکا، بلاشبہ اللہ غفور ہے رحیم ہے۔ ㉓

ماقبل سے ربط وتعارف:......قبل ازیں اللہ تعالیٰ نے بیویوں کے ساتھ حسن سلوک رکھنے کا حکم دیا، انہیں اذیت پہنچانے اور ان کا مہر کھانے سے ڈرایا اس کے بعد ان عورتوں کو ذکر کیا جن کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں یا تو قرابت کے بسبب یا مصاہرت کے بسبب یا رضاعت کے بسبب۔

لغات:......سَلَفَ:۔ گزرا ہوا مَقْتًا: "المقت" شدید بغض جو مرتکب قبیح سے کیا جائے، جو شخص اپنے باپ کی بیوہ سے نکاح کر لیتا اہل عرب اس نکاح کو "نکاح مقت" کہتے تھے۔ وَرَبَآئِبُكُمُ: ربيبة کی جمع ہے، ربیبہ بیوی کی بیٹی جو دوسرے خاوند سے ہو اور اب اس کی پرورش میں ہو ابوعبیدہ کہتے ہیں: حُجُوْرِكُمْ سے مراد گھر ہیں۔ حَلَآئِلُ: حَلِيْلَةٌ کی جمع ہے۔ زوجہ، بیوی، کیوں کہ وہ اپنے خاوند کے لیے حلال ہوتی ہے۔

شان نزول:......ابوقیس بن اسلت صالحین انصار میں سے تھے جب ان کی وفات ہوگئی تو ان کے بیٹے قیس نے باپ کی بیوہ کو پیغام نکاح بھیجا، بیوہ نے کہا: میں تمہیں اپنا بیٹا سمجھتی ہوں، البتہ میں رسول کریم ﷺ کے پاس جاتی ہوں اور معاملہ ان سے دریافت کروں گی، چنانچہ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور معاملہ کی خبر کی، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ۭ وَسَآءَ سَبِيْلًا ㉒[1]

درج ذیل عورتوں سے نکاح حرام ہے

تفسیر: وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ:......ان عورتوں سے شادی نہ کرو جن سے تمہارے آبا نے نکاح کیا ہو، البتہ اس قسم کے نکاح جو قبل ازیں ہو چکے وہ معاف ہیں۔ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا: آبا کی منکوحات سے نکاح کرنا نہایت درجے کا قبیح اور شنیع امر ہے، جو شخص ایسا کرتا ہے وہ بے غیرتی اور ڈھٹائی کی انتہا کو پہنچ جاتا ہے، بھلا ایک انسان کو یہ بات کیسے زیب دے گی کہ وہ اپنے باپ کی منکوحہ سے نکاح کرے، یہ حکم دادا، پردادا (اگر چہ اوپر چلے جائیں) کی بیوہ کے متعلق بھی ہے چوں کہ دادی۔ پردادی ماں کے حکم میں ہوتی ہے۔ وَسَآءَ سَبِيْلًا: یہ قبیح اور انتہائی درجے کا برا نکاح، بہت برا طریقہ ہے۔

نسبی محرمات

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے محرمات کو بیان کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ: ماؤں کے ساتھ نکاح کرنا تمہارے اوپر حرام کر دیا گیا ہے، امہات کا لفظ دادی پردادی، نانی، پرنانی اگر چہ اوپر چلے جائیں کو بھی شامل ہے۔

وَبَنٰتُكُمْ: تمہارے اوپر تمہاری بیٹیاں بھی حرام کر دی گئی ہیں، اس حکم میں اولاد کی بیٹیاں بھی شامل ہیں اگر چہ نیچے تک آ جائیں۔

وَاَخَوٰتُكُمْ: اور تمہاری بہنیں بھی تمہارے اوپر حرام کر دی گئی ہیں۔ خواہ حقیقی بہن ہو یا باپ شریک ہو یا ماں شریک۔

وَعَمّٰتُكُمْ: یعنی تمہارے آبا کی بہنیں اور تمہارے اجداد کی بہنیں۔ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ: یعنی بھتیجی اور بھانجی۔ یہی حکم ان کی اولاد کا بھی ہے یہ نسبی محرمات ہیں، جن کی ترتیب یوں ہے مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں، اور بھانجیاں۔

---

[1] القرطبی ۵/ ۱۰۴

رضاعی محرمات

اس کے بعد رضاعی محرمات کا بیان ہے۔ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ : اللہ تعالیٰ نے رضاعت کو نسب کے قائم مقام قرار دیا ہے، حتیٰ کہ مرضعہ (دودھ پلانے والی عورت) کو ماں کا درجہ دیا ہے، یعنی جس طرح تمہارے اوپر ماں حرام ہے اسی طرح رضاعی ماں بھی حرام ہے، اسی طرح رضاعی بہن بھی حرام ہے، آیت کریمہ میں رضاعی محرمات میں سے صرف رضاعی ماں اور رضاعی بہن کا ذکر آیا ہے، لیکن حدیث نبویہ میں وضاحت آئی ہے کہ رضاعی محرمات سات ہیں، جیسا کہ نسبی محرمات ہیں، آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ رضاعت سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سسرالی محرمات کو بیان کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ : ۔یعنی بیوی کی ماں کے ساتھ نکاح کرنا بھی حرام ہے برابر ہے بیوی کے ساتھ دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو، چوں کہ بیٹی کے ساتھ صرف نکاح کرنے سے ماں حرام ہو جاتی ہے۔

وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ : یعنی تمہاری بیویوں کی ایسی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہوں، پرورش کی قید اتفاقی ہے احترازی نہیں، چوں کہ بیوی کی بیٹی ہو پہلے خاوند سے ہو، عموماً دوسرے خاوند کی پرورش میں ہوتی ہے اور وہ غالباً اپنی ماں کے ساتھ ہی رہتی ہے اور دوسرا خاوند اس کا سرپرست ہوتا ہے، اس پر اجماع ہے۔

مِنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ : آیت میں دخول جماع سے کنایہ ہے یعنی تمہاری وہ بیویاں جنہیں تم پردے میں پیچھے داخل کر چکے ہو۔ یہ تفسیر ابن عباس سے منقول ہے، اے مؤمنین! تم اپنی پروردہ لڑکیوں کی ماؤں کے ساتھ دخول کر چکے ہو تو وہ تمہارے اوپر حرام کر دی گئی ہیں۔ اور اگر ان کے ساتھ دخول نہ کیا ہو اور انہیں طلاق دے کر فارغ کر چکے ہو تو ان کی بیٹیوں کے ساتھ نکاح کرنے میں تمہارے اوپر کوئی گناہ نہیں۔

وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ : اور تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں تمہارے اوپر حرام کر دی گئی ہیں، برخلاف لے پالکوں کے سو ان کی بیویوں کے ساتھ نکاح کرنا حلال ہے۔

وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ : اکٹھی دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا بھی تمہارے اوپر حرام کر دیا گیا ہے، البتہ جاہلیت میں اس قسم کے جو نکاح ہوئے وہ اللہ نے معاف کر دیے۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا : یعنی جو ہو چکا اللہ نے معاف کر دیا اور وہ اپنے بندوں پر رحم کرنے والا ہے۔

بلاغت : ...... حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ : ۔میں مجاز مرسل ہے چوں کہ "امہات" کا مضاف حذف ہے عبارت یوں ہے: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ نکاح اُمَّهٰتُكُمْ۔

فوائد : ...... علماء نے آیت محرمات سے یہ قاعدہ مستنبط کیا ہے کہ بیٹیوں کے ساتھ محض عقد کر لینے سے ان کی مائیں حرام ہو جاتی ہیں۔ جب کہ عورتوں کے ساتھ عقد کر لینے کے بعد دخول سے ان کی بیٹیاں حرام ہوتی ہیں۔

(چوتھے پارہ کی تفسیر ختم ہوئی۔ والحمد للہ علی ذلک)

پارہ نمبر ۵......وَالْمُحْصَنٰتُ

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا (٢٤) وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (٢٥) يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (٢٦) وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۟ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا (٢٧) يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا (٢٨) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۟ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا (٢٩) وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا (٣٠) اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا (٣١)

ترجمہ: ......اور حرام ہیں وہ عورتیں جو کسی مرد کے نکاح میں ہوں، سوائے اُن عورتوں کے جن کے تم مالک ہو جاؤ، اللہ نے ان احکام کو تم پر فرض فرما دیا ہے، اور تمہارے لیے حلال کی گئیں ہیں وہ عورتیں جو اُن کے علاوہ ہیں کہ تم اپنے مالوں کے بدلہ طلب کرو اس حال میں کہ تم پاک دامنی اختیار کرنے والے ہو، پانی بہانے والے نہ ہو، سو ان میں سے جن عورتوں سے نفع حاصل کر لو ان کے مہر دے دو جو مقرر ہو چکے ہیں اور تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ مقرر مہر کے بعد آپس کی رضامندی سے کسی بات پر راضی ہو جاؤ بلاشبہ اللہ علیم ہے حکیم ہے۔(٢٤) اور تم میں جس شخص کو اس کا مقدور نہ ہو کہ آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرے تو آپس کی ایمان والی باندیوں سے نکاح کر لے جو تمہاری مملوکہ ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے ایمان کو، تم سب آپس میں ایک دوسرے کے برابر ہو، سو تم مذکورہ باندیوں سے ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کر لو اور انہیں ان کے مہر بہتر طریقہ پر دے دو، یہ منکوحہ باندیاں نہ اعلانیہ بدکاری کرنے والی ہوں اور نہ خفیہ طریقہ پر دوست بنانے والی ہوں، پس جب وہ باندیاں نکاح میں آجائیں تو اگر کوئی بے حیائی کا کام کر بیٹھیں تو اُن پر اس کی آدھی سزا ہے جو آزاد عورتوں پر ہے، یہ اس کے لیے ہے جو تم میں سے زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ رکھتا ہو، اور یہ بات کہ صبر کرو بہتر ہے تمہارے لیے، اور اللہ غفور ہے رحیم ہے۔(٢٥) اللہ چاہتا ہے کہ بیان فرمائے تمہارے لیے اور تم کو بتلا دے

طریقے اُن لوگوں کے جو تم سے پہلے تھے اور یہ کہ وہ تمہاری توبہ قبول فرمائے، اور اللہ علم والا ہے حکمت والا ہے۔(۲۶) اور اللہ چاہتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول فرمائے اور جو لوگ خواہشات نفسانیہ کے پیچھے چلتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم بڑی بھاری کجی میں پڑ جاؤ۔(۲۷) اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ تخفیف کا ارادہ فرماتا ہے اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔(۲۸) اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مالوں کو ناحق طریقہ سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ کوئی تجارت آپس کی رضامندی سے ہو، اور مت قتل کرو اپنی جانوں کو، بے شک اللہ تم پر بہت بڑا مہربان ہے(۲۹) اور جو شخص زیادتی اور ظلم اختیار کرے گا سو عنقریب ہم اسے دوزخ میں داخل کر دیں گے اور یہ اللہ پر آسان ہے۔(۳۰) اگر تم ان بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کرو گے، جن سے تمہیں روکا گیا ہے تو تمہاری چھوٹی برائیوں کا ہم خود کفارہ کر دیں گے اور تم کو ایک باعزت جگہ داخل کریں گے۔(۳۱)

لغات: ...... مُحْصِنِیْنَ:۔ زنا سے پاک، پاک دامن۔مُسٰفِحِیْنَ: السفاح سے مشتق ہے بمعنی زنا، سفاح کا لغوی معنی پانی بہانا ہے، زنا کو سفاح اس لیے کہا جاتا ہے چوں کہ زانی بھی صرف نطفہ گراتا اور شہوت پوری کرتا ہے اس کے علاوہ اس کی کوئی غرض نہیں ہوتی۔

طَوْلًا: وسعت اور مالداری۔اَخْدَانٍ: خدن کی جمع ہے، عورت کا یار جو پوشیدہ طور پر اس سے زنا کرتا ہو۔الْعَنَتَ: فسق و فجور۔ اصل میں ضرر و فساد کو کہا جاتا ہے۔سُنَنَ: سُنَّۃٌ کی جمع ہے حسبہ جس کا معنی راستہ، طریقہ ہے۔نُصْلِیْهِ: ہم اس کو دخل کریں گے۔

شان نزول: ...... حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ غزوۂ اوطاس کے موقع پر ہمارے قبضے میں بہت ساری عورتیں آئیں ان میں سے اکثر شادی شدہ تھیں، ان عورتوں کے ساتھ جماع کرنے کو ہم نے اچھا نہ سمجھا، تاہم، ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۭ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا (۲۴) چنانچہ آپ نے یہ عورتیں ہمارے لیے حلال قرار دیں (اسباب النزول ص ۸۵)

دوسرے کی منکوحہ سے نکاح کی ممانعت

تفسیر: ...... وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ: ۔شادی شدہ عورتوں کے ساتھ نکاح بھی تمہارے اوپر حرام کر دیا گیا ہے، البتہ جو باندیاں قید ہو کر تمہارے قبضے میں آ جائیں تو ان کے استبرائے رحم کے بعد ان کے ساتھ ہم بستری کرنا حلال ہے اگرچہ دارالحرب میں ان کے شوہر موجود ہی کیوں نہ ہوں۔ چوں کہ قیدی بنا لینے سے کافر کی عصمت و ناموس منقطع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ سورت الممتحنۃ میں ہے:
وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ۔ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ: یہ اللہ تعالیٰ کے احکام جو تمہارے اوپر فرض کر دیے گئے ہیں۔
وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ: ...... مذکورہ عورتوں کے علاوہ بقیہ عورتوں کے ساتھ نکاح تمہارے لیے حلال کر دیا گیا ہے۔
اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ: یہ کہ شرعی طریقے سے عورتوں کو لاؤ اور انہیں مہر دو، اس حال میں کہ تم ان سے شادی کرو، محض شہوت پوری کرنا مقصود نہ ہو۔فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً: نکاح کر کے جن عورتوں سے تم لطف اور لذت اٹھاؤ تو انہیں ان کے مہر دو۔ یہ اللہ کا مقرر کردہ حکم ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۔عورتوں کو بطور عطیہ مہر دو۔وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ: عورتیں اپنی مرضی سے مقررہ مہر میں جو کمی کر دیں اس میں تمہارے اوپر کوئی گناہ نہیں ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـــًٔا مَّرِيْٓـــًٔا: ابن کثیر کہتے ہیں: جب تم بیوی کا مہر مقرر کر دو اور وہ تمہیں مہر کے کچھ حصے سے بری الذمہ کر دے یا کل مہر چھوڑ دے تو اس میں تمہارے اوپر کوئی گناہ نہیں اور عورت پر بھی کوئی گناہ نہیں۔اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا: اللہ اپنے بندوں کے مصالح کو خوب جانتا ہے اور جو احکام اپنے بندوں کے لیے مشروع کیے ہیں ان کی حکمت سے بھی آگاہ ہے۔

لونڈیوں سے نکاح کے احکام

وَمَنۡ لَّمۡ يَسۡتَطِعۡ مِنۡكُمۡ طَوۡلًا اَنۡ يَّنۡكِحَ الۡمُحۡصَنٰتِ الۡمُؤۡمِنٰتِ: ......تم میں سے جس شخص کے پاس شادی کے لیے فراخی اور قدرت نہ ہو کہ وہ آزاد پاک دامن مؤمن عورتوں سے نکاح کر سکے۔فَمِنۡ مَّا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ مِّنۡ فَتَيٰتِكُمُ الۡمُؤۡمِنٰتِ: تو وہ مؤمنین کی ملکیت میں جو مؤمنہ باندیاں ہوں ان سے نکاح کرے۔وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِاِيۡمَانِكُمۡ : یہ جملہ معترضہ ہے کہ ایمان کے معتبر ہونے کے لیے ظاہری حالت کافی ہے، باطن کا علم اللہ ہی کو ہوتا ہے۔بَعۡضُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ: یعنی تم سب آدم کی اولاد ہو اور ایک ہی جان سے پیدا ہوئے ہو، باندیوں کے ساتھ نکاح کرنے کو برا نہ سمجھو، کئی باندیاں آزاد عورتوں سے بہتر ہوتی ہیں۔اس آیت میں باندیوں کے ساتھ نکاح کرنے کی ترغیب دی جا رہی ہے، فضیلت کا اعتبار ایمان پر ہے نہ کہ حسب ونسب پر۔فَانۡكِحُوۡهُنَّ بِاِذۡنِ اَهۡلِهِنَّ: باندیوں سے نکاح ان کے مالکان کی اجازت سے کرو۔وَاٰتُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ: خوش دلی سے انہیں ان کے مہر دو، انہیں کم تر سمجھ کر ان کے مہر میں کمی نہ کرو۔مُحۡصَنٰتٍ غَيۡرَ مُسٰفِحٰتٍ: اس حال میں کہ وہ پاک دامن ہوں زنا کرنے والی نہ ہوں۔وَلَا مُتَّخِذٰتِ اَخۡدَانٍ: اپنے دوستوں کے ساتھ چھپ کر زنا کرنے والی نہ ہوں۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: خدن: عورت کا یار جو چھپ کر اس سے زنا کرتا ہو، اللہ تعالیٰ نے فواحش سے منع فرما دیا۔فَاِذَاۤ اُحۡصِنَّ فَاِنۡ اَتَيۡنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيۡهِنَّ نِصۡفُ مَا عَلَى الۡمُحۡصَنٰتِ مِنَ الۡعَذَابِ: جب شادی کر کے محصن ہو جائیں اور اس کے بعد پھر زنا کریں تو ان پر آزاد عورتوں کی سزا کے نصف سزا ہوگی۔

ذٰلِكَ لِمَنۡ خَشِىَ الۡعَنَتَ مِنۡكُمۡ : باندیوں کے ساتھ نکاح اس شخص کے لیے مباح ہے جسے زنا میں پڑ جانے کا خوف ہو۔

صبر لونڈیوں کے نکاح سے بہتر ہے

وَاَنۡ تَصۡبِرُوۡا خَيۡرٌ لَّكُمۡ : ......یعنی باندیوں کے ساتھ نکاح کرنے سے گریز کرنا بہتر ہے تاکہ پیدا ہونے والا بچہ غلام نہ ہو۔حدیث میں ہے جو شخص چاہتا ہو کہ وہ پاک وصاف حالت میں اللہ سے ملاقات کرے تو وہ آزاد عورتوں سے نکاح کرے۔[۱] وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ : اللہ وسیع مغفرت والا ہے اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمۡ : اللہ تمہیں تمہارے دین وشریعت کے احکام اور امور کی حکمتوں سے نوازنا چاہتا ہے۔وَيَهۡدِيَكُمۡ سُنَنَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ : اللہ انبیا اور صالحین کے راستے کی طرف تمہاری راہنمائی کرتا ہے تاکہ تم ان کی اقتدا کرو۔

وَيَتُوۡبَ عَلَيۡكُمۡ : اور تم نے جن گناہوں اور محارم کا ارتکاب کیا ہے ان پر تمہاری توبہ قبول کرتا ہے۔وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ : اللہ اپنے بندوں کے احوال جانتا ہے اور اپنی حکمت سے شریعت کے احکام مقرر کرتا ہے۔وَاللّٰهُ يُرِيۡدُ اَنۡ يَّتُوۡبَ عَلَيۡكُمۡ : تاکید کے لیے یہ جملہ دہرایا گیا ہے کہ اللہ اپنے بندوں پر وسیع رحمت کرتا ہے۔اللہ احکام شریعت کے ساتھ تمہیں گناہوں سے پاک کرنا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کے بندے اس کے حضور توبہ کریں۔وَيُرِيۡدُ الَّذِيۡنَ يَتَّبِعُوۡنَ الشَّهَوٰتِ اَنۡ تَمِيۡلُوۡا مَيۡلًا عَظِيۡمًا : فساق وفجار لوگ جو شیطان کے پیروکار ہیں چاہتے ہیں کہ تمہیں حق سے ہٹا کر باطل پر لگا دیں اور تم بھی انہی جیسے فساق وفجار ہو جاؤ۔يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّخَفِّفَ عَنۡكُمۡ : اللہ تمہارے اوپر احکام شریعت کو آسان کرنا چاہتا ہے۔وَخُلِقَ الۡاِنۡسَانُ ضَعِيۡفًا: انسان خواہش نفس کی مخالفت کرنے سے عاجز ہے اور خواہشات نفس کی اتباع سے رک نہیں سکتا۔

اکل حلال کی تاکید

اس کے بعد اللہ نے لوگوں کو باطل طریقے سے دوسروں کے اموال کھانے سے منع فرمایا ہے۔چنانچہ ارشاد فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡكُلُوۡۤا اَمۡوَالَكُمۡ بَيۡنَكُمۡ بِالۡبَاطِلِ: اے اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق کرنے والو! تم باطل طریقے سے ایک دوسرے کے اموال مت کھاؤ۔ ہر ایسا طریقہ جو شریعت نے مباح نہیں کیا وہ باطل طریقہ ہے جیسے چوری، خیانت، غصب، سود، قمار اور ان جیسے اور دھندے۔اِلَّاۤ اَنۡ تَكُوۡنَ تِجَارَةً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡكُمۡ : البتہ وہ مال جو شریعت کے صاف ستھرے طریقے کے مطابق حاصل کیا ہو جیسے تجارت وہ تمہارے لیے حلال طیب ہے۔

---

[۱] ابن ماجہ عن انس مرفوعا

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: آیت میں استثنا منقطع ہے۔ یعنی مال کمانے کے لیے حرام اسباب اختیار مت کرو، لیکن مشروع تجارت جو فروخت کنندہ اور خریدار کی باہمی رضامندی سے ہو جائز ہے، ایسی تجارت کر سکتے ہو (مختصر ابن کثیر ۱/ ۳۷۸)۔

قتل ناحق کی ممانعت

وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمۡ رَحِيۡمًا: ......تم ایک دوسرے کا خون مت بہاؤ۔ زجر و توبیخ میں مبالغہ لانے کے لیے خون بہانے کو قتل نفس سے تعبیر کیا گیا ہے، یا اپنے ظاہر پر ہے اور جان نکالنے کے معنی میں ہے یہ تعبیر بندوں پر رحمت کی وجہ سے اختیار کی گئی ہے۔ وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ عُدۡوَانًا وَّظُلۡمًا: جو شخص تعدی اور ظلم کر کے اللہ کے منع کردہ امور کا ارتکاب کرتا ہے، بھول کر یا خطاً نہیں۔ فَسَوۡفَ نُصۡلِيۡهِ نَارًا: ہم اسے بہت بڑی آگ میں داخل کریں گے، جس میں وہ جلتا رہے گا۔ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرًا: یہ کام اللہ کے لیے آسان تر ہے، کوئی مشکل نہیں کیوں کہ اللہ کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی۔ اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا كَبٰۤٮِٕرَ مَا تُنۡهَوۡنَ عَنۡهُ نُكَفِّرۡ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ: اے مومنین! اگر تم کبیرہ گناہ جن سے اللہ نے تمہیں منع کیا ہے چھوڑ دو، ہم اپنے فضل و کرم سے تمہارے صغیرہ گناہ معاف کر دیں گے۔ وَنُدۡخِلۡكُمۡ مُّدۡخَلًا كَرِيۡمًا: ہم تمہیں جنت میں داخل کریں گے جو عزت اور نعمتوں کا ٹھکانا ہے۔ ان نعمتوں کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی انسان کے دل پر کھٹکیں۔

بلاغت: ......حُرِّمَتۡ، اُحِلَّ، مُحۡصِنِيۡنَ، مُسٰفِحِيۡنَ اور كَبٰۤٮِٕرَ، سَيِّاٰتِكُمۡ میں صنعت طباق ہے۔ الّٰتِىۡ دَخَلۡتُمۡ بِهِنَّ: میں کنایہ ہے۔ مراد جماع ہے جیسے بنی علیها، ضرب علیها جماع سے کنایہ ہیں۔ وَاٰتُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ: میں استعارہ ہے چنانچہ اُجُوۡرَ کا لفظ مہر کے لیے مستعار ہے کیوں کہ صورۃً مہر اجرت کے مشابہ ہے۔ تَنۡكِحُوۡا مَا نَكَحَ: اور اَرۡضَعۡنَكُمۡ وَاَخَوٰتُكُمۡ مِّنَ الرَّضَاعَةِ: اور مُحۡصَنٰتٍ غَيۡرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخۡدَانٍ ‌ۚ فَاِذَاۤ اُحۡصِنَّ: میں تجنیس مغایر ہے۔ اس کے علاوہ اطناب و حذف بھی کثیر مواقع میں ہے۔

فائدہ اول: ......روافض اور شیعہ نے آیت فَمَا اسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِهٖ مِنۡهُنَّ: سے جواز متعہ پر استدلال کیا ہے، حالاں کہ یہ فاحش غلطی ہے چوں کہ آیت میں استمتاع سے مراد جماع کے ذریعہ عورتوں سے نفع اٹھانا ہے نہ کہ نکاح متعہ کتاب و سنت سے متعہ کی حرمت ثابت ہے اس کی مخالفت کا کوئی اعتبار نہیں۔ (دیکھیے تفصیل کے لیے مصنف کی کتاب روائع البیان ۱/ ۴۵۷)۔

دوم فائدہ: ......ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: کبیرہ سے مراد ایسا گناہ جس کا انجام دوزخ ہو یا وہ اللہ کے غضب کا موجب ہو یا لعنت و عذاب کا موجب ہو۔

سوم فائدہ: ......سعید بن جبیر کی روایت ہے کہ ایک شخص نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: کیا کبائر کی تعداد سات ہے؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان کی تعداد سات سو تک ہے، لیکن استغفار کے ساتھ کبیرہ نہیں اور اصرار کے ساتھ صغیرہ گناہ صغیرہ نہیں رہتا (بلکہ کبیرہ بن جاتا ہے)۔ (القرطبی)

مرد و عورت ایک دوسرے پر فضیلت کی حرص نہ کریں

وَلَا تَتَمَنَّوۡا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعۡضَكُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ‌ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيۡبٌ مِّمَّا اكۡتَسَبُوۡا‌ ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيۡبٌ مِّمَّا اكۡتَسَبۡنَ‌ ؕ وَسۡـَٔلُوا اللّٰهَ مِنۡ فَضۡلِهٖ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمًا ﴿۳۲﴾ وَلِكُلٍّ جَعَلۡنَا مَوَالِىَ مِمَّا تَرَكَ الۡوَالِدٰنِ وَالۡاَقۡرَبُوۡنَ‌ؕ وَالَّذِيۡنَ عَقَدَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ فَاٰتُوۡهُمۡ نَصِيۡبَهُمۡ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْدًا ﴿٣٣﴾ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ
اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِىْ تَخَافُوْنَ
نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِى الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ
سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿٣٤﴾ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا
مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَاۤ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿٣٥﴾ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا
تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِى الْقُرْبٰى وَالْجَارِ
الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ
مُخْتَالًا فَخُوْرَا ﴿٣٦﴾ ۙ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ
وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿٣٧﴾ ۚ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا
بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿٣٨﴾ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿٣٩﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ
حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٤٠﴾ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ
عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿٤١﴾ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا
يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿٤٢﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا
تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِىْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ
مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا
بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿٤٣﴾

ترجمہ: ......اور تم کسی چیز کی تمنا نہ کرو جس کے ذریعہ اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، مردوں نے جو اعمال کیے ان کے لیے ان کے اعمال کا حصہ ہے، اور عورتوں نے جو اعمال کیے ان کے لیے ان کے اعمال کا حصہ ہے، اور اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرو، بلاشبہ اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔﴿۳۲﴾ اور ہر ایک کے لیے ہم نے اُس مال میں وارث مقرر کردیے ہیں جو والدین اور رشتہ دار چھوڑ جائیں، اور جن لوگوں سے تمہارا معاہدہ ہوا، ان کو ان کا حصہ دے دو، بے شک اللہ کو ہر چیز کی اطلاع ہے۔﴿۳۳﴾ مرد عورتوں پر حاکم ہیں، اس سبب سے کہ اللہ نے اُن میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس سبب سے کہ مردوں نے اپنے مالوں میں سے خرچ کیا، سو جو عورتیں نیک ہیں وہ اطاعت کرنے والی ہیں،

مرد کی عدم موجودگی میں بحفاظت الٰہی نگہبانی کرنے والی ہیں، اور جن عورتوں کی بدخوئی کا تمہیں ڈر ہو اُن کو نصیحت کرو اور انہیں لیٹنے کی جگہوں میں تنہا چھوڑ دو، اور ان کو مارو، سو اگر وہ تمہاری فرمانبرداری کریں تو اُن پر زیادتی کرنے کے لیے بہانہ نہ ڈھونڈو، بے شک اللہ تعالیٰ رفعت والا ہے بڑا ہے۔﴿۳۴﴾ اور اگر تم کو شوہر اور بیوی کے آپس کے اختلاف کا ڈر ہو تو بھیج دو ایک آدمی فیصلہ کرنے والا مرد کے خاندان سے اور ایک آدمی فیصلہ کرنے والا عورت کے خاندان میں سے، اگر دونوں اصلاح چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کے درمیان موافقت پیدا فرمادے گا، بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا خبر رکھنے والا ہے۔﴿۳۵﴾ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ بناؤ اور والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں، پاس والے پڑوسی اور دور والے پڑوسی اور پہلو کے ساتھی کے ساتھ اور مسافر کے ساتھ اور اُن لوگوں کے ساتھ جو مالکانہ طور پر تمہارے قبضے میں ہیں اچھا سلوک کرو، بے شک اللہ تعالیٰ اُسے پسند نہیں فرماتا جو اپنے آپ کو بڑا سمجھے شیخی کی باتیں کرے﴿۳۶﴾ جو لوگ کنجوسی کرتے ہیں اور لوگوں کو کنجوسی کا حکم دیتے ہیں اور جو کچھ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا ہے اُسے چھپاتے ہیں، اور ہم نے کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کیا ہے۔﴿۳۷﴾ اور جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو لوگوں کو دکھانے کے لیے اور اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ آخرت کے دن پر، اور شیطان جس کا ساتھی ہو سو وہ بہت بُرا ساتھی ہے۔﴿۳۸﴾ اور کیا نقصان ہے اُن کا اگر وہ ایمان لائیں اللہ پر، اور آخرت کے دن پر اور خرچ کریں اُس میں سے جو اللہ نے انہیں دیا ہے، اور اللہ اُن کو خوب جانتا ہے۔﴿۳۹﴾ بے شک اللہ ظلم نہیں فرمائے گا۔ ذرّہ برابر بھی اور اگر نیکی ہوگی تو اس کو چند در چند کردے گا اور اپنے پاس سے بڑا ثواب عطا فرمائے گا۔﴿۴۰﴾ پس کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ کو ان پر گواہ بنائیں گے۔﴿۴۱﴾ جس دن وہ لوگ آرزو کریں گے جنہوں نے کفر کیا اور رسول کی نافرمانی کی کہ کاش! ان پر زمین برابر کردی جاتی اور یہ لوگ اللہ سے کوئی بات بھی نہ چھپائیں گے۔﴿۴۲﴾ اے ایمان والو! اس حال میں کہ تم نشہ میں ہو نماز کے پاس نہ جاؤ یہاں تک کہ تم جان لو کہ کیا کہہ رہے ہو، اور نہ اس حالت میں نماز کے پاس جاؤ جب کہ تم پر غسل فرض ہو، مگر یہ کہ راستہ گذرنے والے ہو یہاں تک کہ تم غسل کرلو۔ اگر تم مریض ہو یا تم میں سے کوئی شخص قضائے حاجت کی جگہ سے آیا ہو یا تم نے عورتوں کو چھوا ہو پھر پانی نہ پاؤ تو ارادہ کرو پاک مٹی کا، سو مسح کرلو اپنے چہروں کا اور ہاتھوں کا بے شک اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا مغفرت فرمانے والا ہے۔﴿۴۳﴾

ماقبل سے ربط وتعارف: ......اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے قبل ازیں محرمات کا ذکر کیا، اس سے پہلے میراث کا ذکر ہوا جس میں مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے، اب ان آیات میں دونوں اجناس (مرد وعورت) کی خصوصیات کی تمنا کرنے سے منع کیا گیا ہے کیوں کہ بے جا تمنا حسد وبغض کا سبب ہے، اس کے بعد اللہ نے زوجین کے حقوق بیان کیے ہیں اور پھر نشوز واختلاف کی صورت میں مختلف اقدام اٹھانے کی ہدایت کی گئی ہے۔

لغات: **مَوَالِیَ:** ......وہ شخص جو دوسرے کا متولی اور سرپرست ہو، غلام کو بھی مولیٰ کہا جاتا ہے اور مالک کو بھی، کیوں کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے متولی ہوتے ہیں۔ یہاں ''موالی'' سے مراد ورثاء اور عصبہ ہیں **قَوّٰمُوْنَ:** قوّام کی جمع ہے جو کہ صیغہ مبالغہ ہے۔ ''القیام'' سے مشتق ہے بمعنی نگران، نگہبان، یعنی مرد عورتوں کی ایسی نگرانی کرتے ہیں جیسے حکمران رعایا کی کرتا ہے **قٰنِتٰتٌ:** اطاعت کرنے والی عورتیں۔ القنوت سے مشتق ہے بمعنی دائمی طاعت **نُشُوْزَھُنَّ:** عورتوں کی نافرمانی، نشوز اصل میں بلند جگہ کو کہا جاتا ہے اور عورت بھی جب خاوند کی نافرمانی کرتی ہے اپنے آپ کو خاوند پر بلند کرلیتی ہے۔ **الْمَضَاجِعِ:** ''مضجع'' کی جمع ہے، سونے کی جگہ **شِقَاقَ:** خلاف، عداوت، اصل میں الشق سے ماخوذ ہے بمعنیٰ جانب پہلو، چنانچہ دو مخالفین ایک دوسرے کی مخالف جانب پر ہوتے ہیں۔ **الْجُنُبِ:** جو رشتہ دار نہ ہو۔ الجنابۃ: بعد ودوری **مُخْتَالًا:** خیلا فخر وتکبر **الغائط:** حدث، اصل میں غائط نشیبی جگہ کو کہا جاتا ہے، جب لوگ قضائے حاجت کے لیے جاتے ہیں تو ایسی ہی جگہ کا انتخاب کرتے ہیں۔ مراد پیشاب و پاخانہ ہے **مِثْقَالَ:** ایک وزن ہے۔

شانِ نزول: ......مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی اے اللہ کے رسول! مرد جہاد کے لیے جاتے ہیں ہم جہاد بھی نہیں کرتیں، اور ہمیں میراث سے بھی نصف حصہ ملتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۭ وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۭ وَسْــَٔـلُوا اللّٰهَ

مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿۳۲﴾ [1]

روایت ہے کہ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ جو کہ انصار کے نقیب تھے کی بیوی ان کی نافرمانی کرنے لگی، اس کا نام حبیبہ بنت زید تھا، سعد رضی اللہ عنہ نے اسے طمانچہ مار دیا، بیوی کا والد اسے ساتھ لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: میں نے اپنی پیاری بیٹی اس کے نکاح میں دی یہ اسے طمانچے مارنے لگا ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ عورت اس سے بدلہ لے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ. اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہم نے کچھ اور چاہا تھا لیکن اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔[2]

فضیلت میں اللہ کی حکمت

تفسیر: وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰی بَعْضٍ: ......اے مؤمنین! جن دنیوی یا دینی خصوصیات میں اللہ نے کسی کو مخصوص کیا ہے، ان کی تمنا نہ کرو، کیوں کہ ان چیزوں کی تمنا باہمی حسد و بغض پر منتج ہوتی ہے۔ علامہ زمخشری کہتے ہیں: مؤمنین کو حسد اور ایسی چیزوں مثلاً جاہ و مال جن میں اللہ نے بعض کو فوقیت دی ہے کی تمنا کرنے سے منع کیا گیا ہے، چوں کہ یہ فضیلت اللہ تعالیٰ کی تقسیم اور حکمت سے ہے اور اللہ اپنے بندوں کے احوال کی حکمت جانتا ہے۔ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ: فریقین (مرد و عورت) میں سے ہر ایک کے لیے میراث کا متعین حصہ ہے۔ طبری کہتے ہیں: ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا اور بدلہ ملے گا، اگر عمل اچھا ہو تو بدلہ بھی اچھا اور اگر عمل برا ہو تو بدلہ بھی برا۔[3] وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ: اللہ سے اس کا فضل و کرم مانگو وہ تمہیں عطا کرے گا کیوں کہ وہ بڑی کریم ذات ہے اور عطا کرنے والا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا: اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ اسی لیے اللہ نے لوگوں کو مختلف طبقات میں تقسیم کر رکھا ہے اور بعض کو مراتب میں فضیلت دے رکھی ہے۔

مرنے والے کے ورثا کا حق ادا کرو

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ: ......ہم نے ہر انسان کے عصبات مقرر کر رکھے ہیں جو اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کی میراث اور ترکہ سے حصہ لیتے ہیں۔ وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ: اور جاہلیت میں جن لوگوں سے تم نے کوئی عہد و پیمان کر رکھا ہو جو مدد و نصرت اور میراث کے متعلق ہو، انہیں بھی میراث سے حصہ دو۔ یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا جو آیت میراث سے منسوخ ہو گیا۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دو آدمیوں کا آپس میں کوئی نسبی رشتہ نہیں ہوتا تھا وہ آپس میں عہد و پیمان کر لیتے تھے اگر ایک مر جاتا تو دوسرا اس کا وارث بن جاتا تھا اللہ تعالیٰ نے آیت وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ: سے یہ آیت منسوخ کر دی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: جب مہاجر مدینہ ہجرت کر کے آئے تو مہاجر انصاری کا وارث بنتا تھا، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو مواخات قائم کی تھی اس کے بغیر ہی مہاجری وارث بن جاتا تھا جب آیت وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ: نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔[4] اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدًا: اللہ ہر چیز پر مطلع ہے اس کا تمہیں بدلہ دے گا۔

مردوں کی عورتوں پر فضیلت کی حکمت

اس کے بعد بیان کیا گیا ہے کہ عورتوں کے معاملات کی نگرانی اور سرپرستی مردوں کو سپرد ہے اور عورتوں کے امور کے جواب دہ مرد ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے: اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ: امر و نہی میں مرد عورتوں کے نگران ہیں جیسے حکام رعایا کے امور کے نگران ہوتے ہیں بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَاۤ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ: چوں کہ اللہ نے مردوں کو عقل و تدبیر اور حسن انتظام کی صلاحیت سے نوازا ہے، کمائی اور دوسروں پر خرچ کرنے کی صفت بھی اللہ نے مردوں کو دے رکھی ہے، چنانچہ مرد عورتوں کی حفاظت نگرانی خرچ اور تادیب کے ذمہ دار ہیں، ابو سعود کہتے ہیں:

---

[1] اسباب النزول ص ۸۵ [2] الکشاف ۱/ ۳۹۰ [3] الطبری ۸/ ۲۶۷ [4] مختصر ابن کثیر ۱/ ۳۸۴

آیت میں مردوں کو عورتوں پر عقل مندی، حسن تدبیر، اصابت رائے اور قوت میں دی گئی ہے اسی لیے نبوت، امامت، حکمرانی، شہادت اور جہاد مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ [1]

عورتوں کی قسمیں اور ان کی تادیب کا طریقہ

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ:...... مرد کے ماتحت رہتے ہوئے عورتوں کے احوال کی تفصیل بیان کی گئی ہے، اللہ نے بیان فرمادیا ہے کہ عورتوں کی دو قسمیں ہیں۔ (۱)...... نیکوکار اور فرماں بردار (۲)...... نافرمان اور سرکش، چنانچہ نیکوکار عورتیں اللہ تعالیٰ اور اپنے خاوندوں کی فرماں بردار ہوتی ہیں وہ اپنے خاوندوں کے حقوق پوری کرتی ہیں وہ اپنی عزت وعصمت کی حفاظت کرتی ہیں۔ فواحش سے دور رہتی ہیں اور اپنے خاوندوں کے اموال کی حفاظت کرتی ہیں، اپنے خاوندوں کے امور جنہیں پوشیدہ رکھنا ضروری ہوتا ہے کو پوشیدہ رکھتی ہیں۔ حدیث میں ہے: اللہ کے ہاں سب سے برا شخص قیامت کے دن وہ ہوگا جو اپنی بیوی سے ہم بستری کرے اور پھر میاں بیوی میں سے کوئی ایک ہم بستری کے احوال افشا کردے۔

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ:...... یہ دوسری قسم کا بیان ہے، یہ نافرمان اور سرکش عورتیں ہیں، یہ وہ عورتیں ہیں جو تکبر کرتی ہیں، اپنے خاوندوں کی اطاعت نہیں کرتیں۔ مردوں پر لازمی ہے کہ ان کی اصلاح کریں اور ہمدردی سے پیش آئیں۔ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ: نصیحت وارشاد کے ذریعہ عورتوں کو اللہ سے ڈراؤ۔ اگر وعظ ونصیحت کا ان پر کچھ اثر نہ ہو تو ان کے بستر چھوڑ دو اور ان سے الگ سو، ان سے بات نہ کرو اور ان کی قریب نہ جاؤ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: عورتوں کے بستر چھوڑنے سے مراد یہ ہے کہ ان کے ساتھ جماع نہ کیا جائے اور اگر اس کے بستر پر سوئے بھی تو بیوی کی طرف پیٹھ پھیر دے، اگر اس سے بھی باز نہ آئیں تو انہیں مارے، لیکن مارنے میں احتیاط سے کام لے ضرب مبرح نہ ہو۔

فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْهِنَّ سَبِیْلًا: اگر عورتیں تمہاری بات مان لیں تو پھر انہیں اذیت پہنچانے کے درپے مت ہو۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیًّا كَبِیْرًا: یقیناً اللہ تعالیٰ بلند شان والا اور بہت بڑا ہے، اللہ ہی عورتوں کا ولی اور سرپرست ہے، جو ان پر ظلم کرے گا ان سے انتقام لے گا۔ ذرا دیکھیے عورتوں کی تادیب کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ہمیں کیا خوب تعلیم دی ہے، نافرمانی پر عورتوں کو سزا کی خوبصورت ترتیب مقرر کی ہے، اولاً ہمیں وعظ ونصیحت کی ہدایت کی ہے، اگر اس سے عورتوں پر خاطر خواہ اثر نہ ہو تو ان کے بستر چھوڑ دینے کا حکم دیا ہے۔ یہ گر بھی اگر کارگر ثابت نہ ہو تو مارنے کا حکم دیا ہے، پھر آیت اللہ کی عظمت وبڑھائی پر ختم کی گئی ہے جو اس امر کی غماض ہے کہ اللہ تعالیٰ خاوند کی نسبت کہیں زیادہ قدرت رکھتا ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کمزوروں کی مدد کرنے والا ہے اور مظلومین کو پناہ دینے والا ہے۔

گھریلو جھگڑوں میں منصف بنانے کا حکم

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ:...... اے حکام! اگر تمہیں زوجین کے درمیان مخالفت اور عداوت کے پھوٹ جانے کا خوف ہو تو ایک عادل منصف مرد کے خاندان سے منتخب کرو اور ایک عادل منصف عورت کے خاندان سے، وہ دونوں اکٹھے ہو کر زوجین کے معاملے پر غور وفکر کریں، پھر ایسا فیصلہ کریں جس میں دونوں کی مصلحت وبھلائی ہو۔ اِنْ یُّرِیْدَاۤ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا: بشرط یہ کہ زوجین اصلاح کروانے کا ارادہ رکھتے ہوں کہ ان کے درمیان الفت ومحبت پھر سے پیدا ہو جائے، اگر ان کی نیت درست ہوئی اور ان کے دلوں میں ایک دوسرے کی خیر خواہی ہوئی تو اللہ منصفین کی وساطت میں برکت ڈالے گا اور اللہ زوجین کے درمیان پیار ومحبت پیدا کردے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا خَبِیْرًا:...... اللہ اپنے بندوں کے احوال سے واقف ہے اور جو قانون بناتا ہے اپنی حکمت سے بناتا ہے۔

حقوق العباد اور ان کی ترتیب

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْئًا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا:...... اللہ کی توحید اور بڑھائی بیان کرو، اللہ کے ساتھ کسی بت یا کسی اور چیز کو شریک نہ

---

[1] ارشاد العقل السلیم ۱/ ۳۳۹

ٹھہراؤ، اور والدین کے ساتھ حسن سلوک رکھو ان کی عزت اور احترام کرو۔ وَبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ: اپنے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک رکھو، خاص کر یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک رکھو۔ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى: جو تمہارا قرابت دار پڑوسی ہو اس کا تمہارے اوپر پڑوس اور قرابت داری کا حق ہے۔ وَالْجَارِ الْجُنُبِ: اور ایسا پڑوسی جس کے ساتھ تمہاری رشتہ داری نہ ہو اس کے ساتھ بھی حسن سلوک کرو۔ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ: ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: اس سے مراد رفیق سفر ہے، علامہ زمخشری کہتے ہیں: اس سے مراد تمہاری صحبت میں رہنے والا ہے خواہ وہ تمہارا رفیق سفر ہو یا پڑوسی ہو یا تعلمی سلسلہ میں ہم جماعت ہو یا مجلس میں تمہارے ساتھ بیٹھنے والا ہو یا کوئی اور ہو، گویا جس شخص کے ساتھ بھی تمہاری ادنیٰ محبت بھی ہو، تمہارے اوپر ضروری ہے کہ اس کے حقوق کی رعایت رکھو، اور اسے بھولو مت، ایک اور قول کے مطابق: اس سے مراد عورت ہے۔ [1] وَابْنِ السَّبِيْلِ: اجنبی مسافر جو اپنے وطن اور اہل وعیال سے دور ہو کے ساتھ بھی حسن سلوک کرو۔ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ: تمہاری ملکیت میں جو غلام اور باندیاں ہوں ان کے ساتھ بھی حسن سلوک رکھو۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا: اللہ ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو متکبر ہو، اپنے قرابت داروں اور پڑوسیوں کو کمتر سمجھتا ہو، فخر کرتا ہو اور اپنے آپ کو بالاتر سمجھتا ہو اور وہ اپنے آپ کو دوسرے لوگوں سے بہتر و بالاتر سمجھتا ہو، یہ جامع آیت ہے، اس میں احسان و بھلائی پر ابھارا گیا ہے۔

اور جو شخص اس آیت میں غور و تدبر کرے گا وہ بلغا کے مواعظ اور حکما کے نصائح سے بے نیاز ہو جائے گا۔

بخل کی مذمت

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ناپسند بندوں کی صفات بیان کی ہیں، چنانچہ ارشاد فرمایا: اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ: اللہ نے ان پر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو جو واجب کیا ہے وہ خرچ نہیں کرتے اور دوسروں کو بھی نہ خرچ کرنے کا حکم دیتے ہیں، یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے وہ انصار سے کہتے تھے کہ اپنے اموال جہاد اور صدقات میں خرچ نہ کرو۔ بایں ہمہ اعتبار عموم الفاظ کا ہے خصوص مورد کا نہیں۔ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ: ان کے پاس جو مال ودولت ہے اسے چھپا کر رکھتے ہیں، اور تورات میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صفات وارد ہوئی ہیں انہیں بھی چھپاتے ہیں۔ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا: اللہ کی نعمت کا انکار کرنے والوں کے لیے ہم نے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ: اور جو لوگ فخر اور شہرت کے لیے مال خرچ کرتے ہیں نہ کہ اللہ کے لیے۔

وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ: اللہ اور آخرت پر وہ صحیح طرح سے ایمان نہیں رکھتے، یہ آیت منافقین کے بارے میں ہے۔

وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا: شیطان جس شخص کا ساتھی اور دوست ہو وہ شخص شیطان کے کہنے پر عمل کرتا ہے، یہ دوست بہت برا ہے

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ: استفہام انکاری ہے، بھلا اللہ پر ایمان لانے اور اس کی راہ میں خرچ کرنے میں ان پر کیا تاوان اور وبال پڑے گا؟ علامہ زمخشری کہتے ہیں: یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی انتقام لینے والے سے کہا جاتا ہے: تیرا کیا نقصان ہوگا اگر تو معاف کر دے؟ اور جیسے کسی نافرمان سے کہا جاتا ہے: اگر تم والدین کے فرماں بردار بن جاؤ تمہارا کیا جائے گا؟ اس میں مذمت اور توبیخ ہے، بتایا جا رہا ہے کہ یہ لوگ (منافقین) منفعت کی جگہ سے جاہل ہیں۔

وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا: منافقین کے لیے اس میں عذاب وعقاب کی وعید سنائی جا رہی ہے، یعنی اللہ انہیں ان کے اعمال کا بدلہ دے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ:...... اللہ کسی کے عمل سے کچھ بھی کم نہیں کرے گا اگر چہ ذرہ کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ ذرہ سے مراد فضا میں اڑتی غبار کا ذرہ ہے، ذرے کا ذکر بطور تمثیل ہے، اس سے قلیل کے ذریعہ کثیر پر تنبیہ کرنا مقصود ہے۔

وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا: اگر یہ ذرہ نیکی ہو تو اللہ اسے کئی گنا تک بڑھا دیتا ہے۔

وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا: اللہ اپنی طرف سے فضل و کرم کرتا ہے اور عمل پر عظیم اجر و ثواب عطا فرماتا ہے۔ اور وہ اجر و ثواب جنت ہے۔

---

[1] الکشاف ۱/ ۱۹۳، یہ طبری کی بھی مختار رائے ہے۔

آخرت میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی گواہی

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا: ......اس وقت کفار و فجار کا کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت کے نبی کو حاضر کریں گے جو اس امت پر گواہی دے گا اور اے محمد! ہم تمہیں بھی اپنی امت کے نافرمانوں اور جھٹلانے والوں پر بطور گواہ پیش کریں گے، اس وقت ان کا کیا حال ہوگا؟ استفہام برائے توبیخ ہے۔

آخرت میں نافرمانوں کا پچھتاوا

يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ: ......اس سخت گرمی والے دن فجار (گناہ گار لوگ) جنہوں نے اللہ کی وحدانیت کا انکار کیا ہو اور اللہ کے رسول کی نافرمانی کی ہو تمنا کریں گے کہ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ کاش! انہیں زمین میں دفن کر دیا جاتا اور مُردوں کی طرح ان پر مٹی پھیر دی جاتی، یا کاش! زمین پھٹے اور انہیں نگل جائے اور وہ مٹی کے ساتھ مٹی ہو جائیں، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا (سورۃ النباء، آیت ۴۰)

"جس دن آدمی اپنے اعمال دیکھے گا اور کافر کہے گا: کاش! میں مٹی ہوتا۔"

کفار جب قیامت کی ہولنا کی دیکھیں گے اس وقت یہ کہیں گے۔ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا: یہ لوگ اللہ سے کسی بات کو نہیں چھپا سکیں گے، کیوں کہ ان کے اعضا کے خلاف گواہی دیں گے۔

حالت نشہ اور جنابت میں نماز کی ممانعت

اس کے بعد اللہ نے نشہ اور جنابت کی حالت میں نماز سے دور رہنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ: حالت نشہ میں نماز نہ پڑھو، کیوں کہ اس حالت میں خشوع و خضوع حاصل نہیں ہوتا، حالاں کہ نماز میں بندہ اپنے رب سے مناجات کر رہا ہوتا ہے، یہ آیت شراب حرام ہونے سے پہلے کی ہے، ترمذی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے ہمارے لیے کھانا تیار کیا، انہوں نے ہمیں دعوت دی اور کھانے میں ہمیں شراب بھی پلائی، شراب پی کر ہم نشہ میں آ گئے، اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا، حاضرین نے نماز پڑھانے کے لیے مجھے آگے بڑھا دیا، میں نے سورت "الکافرون" پڑھی اور یوں تلاوت کر دی:

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ، اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ، وَنَحْنُ نَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا: انزال یا جماع کی وجہ سے تم پاک نہ ہو اور حالت جنابت میں ہو تو بھی نماز کے قریب مت جاؤ، ہاں البتہ اگر تم مسافر ہو اور تمہارے پاس پانی دستیاب نہ ہو تو اسی حالت میں تیمم کر کے نماز پڑھ لو۔

تیمم کی اجازت

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ: ......اور اگر تم بیمار ہو اور پانی استعمال کرنے سے "تمہیں ضرر ہو یا تم مسافر ہو اور پیشاب یا پاخانے کی وجہ سے تمہیں حدث (بے وضوگی) لاحق ہو گیا ہو اور تمہارے پاس پانی موجود نہ ہو۔ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ: ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: عورتوں کو چھونے سے مراد جماع ہے یعنی یا تم نے عورتوں سے جماع کیا ہو اور تم حالت جنابت میں ہو اور طہارت (غسل) کے لیے پانی دستیاب نہ ہو۔ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ: پانی کی عدم دستیابی کی صورت میں پاک مٹی کا قصد کرو اور اس سے طہارت حاصل کرو، اس مٹی سے اپنے منہوں اور ہاتھوں کا مسح کرو۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا: اللہ اپنے بندوں کو رخصت اور آسانی دیتا ہے تا کہ عبادت کریں اور کسی تنگی میں نہ پڑیں۔

بلاغت:.....ان آیات میں فصاحت وبلاغت اور بیان وبدیع کے مختلف پہلو نمایاں ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۖ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ، حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اور وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ میں اطناب ہے۔ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا: میں استعارہ ہے، چنانچہ استحقاق وراثت اور استحقاق ملکیت کو کسب وکمائی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور استعارہ تبعیہ کے طور پر اکتساب کے لفظ سے اكْتَسَبُوْا مشتق کیا گیا ہے۔ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ: بستر چھوڑ دینا ترک جماع سے کنایہ ہے، اسی طرح اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ: میں بھی کنایہ ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: اس کا معنی ہے ''تم نے عورتوں سے جماع کیا ہو۔'' اسی طرح اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ: میں غائط حدث سے کنایہ ہے۔ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ: میں قَوّٰمُوْنَ: صیغہ مبالغہ ہے اور پورا جملہ جملہ اسمیہ ہے جو استمرار ودوام پر دلالت کرتا ہے۔ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا: میں معلوم شی کے متعلق سوال کیا گیا ہے، اس سے مراد توبیخ ہے۔

حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ: اور بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا: میں تجنیس اشتقاق ہے۔

مُخْتَالًا فَخُوْرًا: میں اس امر پر تعریض کی گئی ہے تکبر مذموم حرکت ہے جو لوگوں کو حقیر سمجھنے پر منتج ہوتی ہے۔ بہت ساری جگہوں میں حذف بھی ہے جیسے وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا: میں اصل عبارت یوں ہے: اِحْسِنُوْا اِلَى الْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔

اول فائدہ:.....آیت کریمہ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا: میں اللہ تعالیٰ نے صرف اصلاح کا ذکر کیا ہے اور اصلاح کی مقابل چیز تفریق یا طلاق کا ذکر نہیں کیا، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حکمین کے لیے ضروری ہے کہ وہ زوجین کے درمیان صلح وصفائی کروانے کے لیے انتہا درجے کی کوشش کریں، کیوں کہ تفریق کی صورت میں گھرانے تباہی تک پہنچ جاتے ہیں اولاد کا کوئی پرسان حال نہیں رہتا، یہ امور ایسے ہیں جن سے بچنا بے حد ضروری ہے۔

دوم فائدہ:.....اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ کو دو عظیم اسم اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا: پہ ختم کیا، گویا ان کے ذریعہ خاوندوں کے دلوں پر دستک دی جا رہی ہے کہ استعمال حق میں ظلم سے دور رہیں اور اس دھوکا میں نہ رہیں کہ عورتوں پر انہیں دسترس حاصل ہے، اللہ تعالیٰ اس پر کہیں زیادہ قدرت رکھتا ہے۔

سوم فائدہ:.....بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کی ہے وہ کہتے ہیں:.....رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: مجھے قرآن مجید کی تلاوت سناؤ، میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول! میں قرآن پڑھوں اور آپ سنیں گے حالاں کہ آپ پر قرآن نازل کیا جاتا ہے؟ فرمایا: جی ہاں۔ میں چاہتا ہوں کوئی دوسرا قرآن پڑھے اور میں سنوں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے سورت النساء کی تلاوت شروع کی اور اس آیت تک پہنچا۔ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا: آپ نے فرمایا: بس کافی ہے، میں نے جو آپ کو دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو نکل رہے ہیں۔

تنبیہ:.....آیت میں ایک دوسرے کی فضیلت کا ذکر یوں آیا ہے۔ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ: اگر آیت کا اسلوب یوں ہوتا۔ بتفضیلھم علیھن تو زیادہ مختصر ہوتا۔ اس طرح کی تعبیر سے ایک زبردست حکمت مقصود ہے وہ یہ کہ عورت مرد کے لیے ایسی ہی ہے جیسے عضو جسم کے لیے ضروری ہوتا ہے اور مرد بھی عورت کے لیے اتنا ہی ضروری ہے، چنانچہ مرد اگر سر کی مانند ہے تو عورت بدن کی طرح ہے، کسی طرح روا نہیں کہ ایک عضو کسی دوسرے عضو پر تکبر کرے، چنانچہ کان آنکھوں سے بے نیاز نہیں ہو سکتے، ہاتھ پاؤں سے بے نیاز نہیں ہوتے، اس امر میں کسی شخص پر عار نہیں کہ اس کا دل اس کے معدہ سے افضل ہے اور اس کا سر اس کے ہاتھ سے زیادہ اچھا ہے، ہر عضو انتظام کے تحت اپنا کام پورا کرتا ہے، کوئی عضو کسی دوسرے عضو سے بے نیاز نہیں۔ یہ تفسیر کے اسرار میں سے ایک سر ہے، معلوم ہوا کہ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ: میں کمال درجے کا ایجاز واعجاز ہے۔

عورتوں کی تعلیم وتربیت کے متعلق ایک اہم بحث:.....اسلام دشمن عناصر شریعت اسلامیہ پر طعن کرتے ہیں کہ اسلام نے مرد کو اجازت دے رکھی ہے کہ وہ عورت کو مارے، یوں اسلام نے عورت کی اہانت وتحقیر کی ہے اور عورت کے مرتبہ ومقام کو مجروح کیا ہے۔

جواب:.....جی ہاں اللہ تعالیٰ کے فیصلے حکمت پر مبنی ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے مرد کو اجازت دی ہے کہ وہ عورت کو مارے، لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ کب مارے؟ اور کیسی عورت کو مارے؟ مرد کو ایسی مار کی اجازت دی گئی ہے جو ضرب غیر مبرح (جس سے چوٹ نہ آئے) ہو، جیسا کہ حدیث

میں آیا ہے کہ عورت کے نشوز اور نافرمانی کی صورت میں مرد عورت کو مارے۔ یہ مار اس وقت ہوگی جب عورت خاوند کے حقوق اور معاشرت میں کوتاہی کرنے لگے، راہ راست پر نہ آئے اور شیطنت پر مصر ہو، حتیٰ کہ گھریلو زندگی جہنم بن جائے، خاوند کو سمجھ ہی نہ آئے کہ وہ ایسی حالت میں کیا کرے۔ چنانچہ قرآن کریم نے ہمیں بہترین علاج بتایا ہے کہ ہم صبر وتحمل سے کام لیں، وعظ ونصیحت کریں، اس سے بھی اگر عورت راہ راست پر نہ آئے تو اس کا بستر چھوڑ دیا جائے۔ اگر یہ حکمت بھی کارگر ثابت نہ ہوتو پھر اس سے ذرا سخت طریقہ اپنانے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں اور وہ مار ضرب غیر مبرح ہو، تا کہ عورت کے دماغ میں گھسا ہوا خناس ختم ہو جائے۔

فیصلہ کیجیے ایک طرف ضرب غیر مبرح کا ضرر ہے دوسری طرف طلاق کا ضرر ہے، ان دونوں میں سے کون سا ضرر خفیف ہے؟ لامحالہ ضرب غیر مبرح اخف ہے۔ عقلا کے نزدیک ضرر خفیف برداشت کر لیا جاتا ہے، کسی دانشور کا کیا خوبصورت مقولہ ہے کہ اندھے سے کانا اچھا۔ معلوم ہوا کہ مار طریق ہائے علاج میں سے ایک طریقہ ہے جو بعض حالت میں کارگر ثابت ہوتا ہے جب کہ ان حالات میں نرمی سے کام نہیں چلتا۔ ما لهؤلاء القوم لا یکادون یفقهون حدیثا بھلا ان لوگوں کو کیا ہوا جو سیدھی بات بھی نہیں سمجھ پائے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ٝ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِى الدِّيْنِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَكَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾ ع اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿۵۲﴾ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿۵۳﴾ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَاۤ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿۵۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۫ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ﴿۵۷﴾

ترجمہ: ......کیا تو نے اُن لوگوں کو دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا وہ گمراہی کو خریدتے ہیں اور یہ ارادہ کرتے ہیں کہ تم راہ سے بھٹک جاؤ۔﴿۴۴﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو خوب جاننے والا ہے اور اللہ کافی ہے ولی ہونے کے اعتبار سے اور اللہ کافی ہے مددگار ہونے کے اعتبار سے۔﴿۴۵﴾ جو لوگ یہودی ہیں ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو کلمات کی تحریف کرتے ہیں ان کی جگہوں سے اور کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور نہیں مانیں گے اور کہتے ہیں کہ سُن لے اس حال میں کہ تو سننے والا نہ ہو، اور اپنی زبانوں کو موڑتے ہوئے اور دین میں طعن کرتے ہوئے لفظ رَاعِنَا کہتے ہیں اور اگر وہ یوں کہتے کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا اور آپ سن لیجیے اور ہم پر نظر فرمایئے تو اُن کے لیے بہتر ہوتا اور لیکن اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کر دی سو وہ ایمان نہیں لائیں گے مگر تھوڑے سے آدمی۔﴿۴۶﴾ اے وہ لوگو جن کو کتاب دی گئی! ایمان لاؤ اس پر جو ہم نے نازل کیا جو اُس کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے۔ اس سے پہلے کہ ہم چہروں کو مٹا دیں پھر اُن کو اُلٹی جانب کی طرح بنا دیں یا ان پر لعنت کر دیں جیسا کہ ہم نے ہفتہ کے دن والوں پر لعنت کی، اور اللہ کا حکم پورا ہو کر ہی رہتا ہے۔﴿۴۷﴾ بے شک اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے علاوہ جس گناہ کو چاہے بخش دے گا اور جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے تو اس نے بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا۔﴿۴۸﴾ کیا تو نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنی جانوں کو پاکیزہ بتاتے ہیں، بلکہ اللہ جس کو چاہے پاکیزہ بناتا ہے اور لوگوں پر کھجور کی گٹھلی کے تاگے کے برابر بھی ظلم نہ ہو گا۔﴿۴۹﴾ دیکھو کہ یہ لوگ اللہ پر کیسے جھوٹ باندھتے ہیں اور اُن کا یہ افترا صریح گناہ ہونے کے لیے کافی ہے۔﴿۵۰﴾ کیا تو نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا، وہ مانتے ہیں بُتوں کو اور شیطان کو، اور کافروں کے بارے میں کہتے ہیں کہ جو لوگ ایمان لائے ان کی بنسبت یہ کافر زیادہ راہِ راست پر ہیں۔﴿۵۱﴾ ایسا کہنے والے وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور جس پر اللہ لعنت کر دے تو اس کے لیے کوئی مددگار نہ پائے گا۔ ﴿۵۲﴾ کیا اُن لوگوں کا ملک میں کچھ حصہ ہے سو ایسی صورت میں لوگوں کو وہ ذرا سی چیز بھی نہ دیتے۔﴿۵۳﴾ کیا وہ لوگوں سے اس چیز پر حسد کرتے ہیں جو اللہ نے اُن کو اپنے فضل سے دی ہے، سو ہم نے آلِ ابراہیم کو کتاب اور حکمت دی اور ہم نے اُن کو بڑا ملک عطا کیا۔﴿۵۴﴾ سو اُن میں سے بعض اس پر ایمان لائے اور بعض نے اُس سے روگردانی کی، اور کافی ہے دوزخ کا دہکتی ہوئی آگ ہونا۔﴿۵۵﴾ بلاشبہ جن لوگوں نے ہماری آیات کے ساتھ کفر کیا عنقریب ہم ان کو آگ میں داخل کریں گے جب بھی ان کی کھالیں پک جائیں گی تو ہم ان کی کھالوں کے علاوہ ان کی دوسری کھالیں پلٹ دیں گے تاکہ عذاب چکھیں، بیشک اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔﴿۵۶﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے عنقریب ہم اُن کو ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، اُن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اُن میں اُن کے لیے پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور ہم ان کو گھنے سائے میں داخل کریں گے۔﴿۵۷﴾

شانِ نزول: ......روایت ہے کہ ابوسفیان نے یہودیوں کے عالم کعب بن اشرف سے کہا: تمہارے پاس کتاب کا علم ہے جب کہ ہم ان پڑھ لوگ ہیں علم سے بے بہرہ ہیں، بتاؤ سیدھی راہ پہ کون ہے ہم یا محمد؟ کعب بن اشرف نے کہا: اپنا دین بیان کرو، ابوسفیان نے کہا: ہم حاجیوں کے لیے اونٹ ذبح کرتے ہیں، انہیں پانی پلاتے ہیں، مہمان کی خدمت کرتے ہیں، بیت اللہ کی تعمیر اور رکھوالی کرتے ہیں، جب کہ محمد نے اپنے آباؤ اجداد کا دین چھوڑ دیا اور قطع رحمی کر دی ہے۔ کعب بن اشرف نے کہا: تمہارا دین محمد کے دین سے بہتر ہے، اللہ کی قسم تم لوگ ہدایت پر ہو، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۫ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾

ربط وتعارف:......قبل ازیں اللہ تعالیٰ نے کفار کے کچھ اُخروی حالت ذکر کیے کہ وہ تمنا کریں گے کہ کاش! ان پر مٹی پھیر دی جاتی، اور وہ کوئی بات چھپا نہیں سکیں گے۔ اس کے بعد یہود کے کفر، انکار اور تکذیب کا بیان ہے پھر اہل کتاب کے کچھ غلط عقائد کا ذکر بھی کیا گیا ہے جن کا انجام دوزخ کی آگ ہے۔

لغات:......رَاعِنَا: ہماری رعایت کیجیے ہمیں دیکھیے، عبرانی زبان میں یہ کلمہ بطور گالی استعمال ہوتا ہے، یہ کلمہ بول کر اس سے رعونت حماقت مراد لیتے تھے۔ اَقْوَمَ: سیدھا، درست وصواب۔ نَّطْمِسَ: الطمس سے ماخوذ ہے بمعنی مٹانا، کسی چیز کا اثر ختم کر دینا۔

فَتِيْلًا: وہ دھاگا جو کھجور کی گٹھلی کی شق میں ہوتا ہے۔ اَلْجِبْتِ: ایک بت کا نام ہے، لیکن اس کا استعمال ہر باطل کے لیے ہے۔

اَلطَّاغُوْتِ: اللہ کے سوا ہر وہ چیز جس کی پوجا کی جائے خواہ وہ پتھر ہو یا انسان ہو یا شیطان، ایک قول کے مطابق طاغوت شیطان کو کہا جاتا ہے۔

نَقِيْرًا: وہ نقطہ جو گٹھلی کی پشت پر ہوتا ہے۔ نُصْلِيْهِمْ: ہم انہیں داخل کریں گے۔

یہودیوں کی قباحتیں

تفسیر: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ:......اہل کتاب کے برے حال پر تعجب کیا گیا ہے، استفہام برائے تعجب ہے یعنی اے محمد! کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں تورات کے علم کا ایک حصہ دیا گیا، مراد یہودیوں کے احبار (علما) ہیں۔ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ: جو ہدایت کے مقابلے میں گمراہی کو اختیار کرتے ہیں اور کفر کو ایمان پر ترجیح دیتے ہیں۔ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ: اے جماعت مؤمنین! یہ چاہتے ہیں تم حق راہ کو چھوڑ کر گمراہی پر آ جاؤ تا کہ تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ: یہ گمراہ یہودی تمہارے ساتھ جو عداوت رکھتے ہیں اللہ اس سے بخوبی واقف ہے، ان سے ڈرو اور دور رہو۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۚ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا: یہ بات تمہیں کافی ہے کہ اللہ تمہارا حامی اور مددگار ہے، صرف اسی پر بھروسہ رکھو، وہ ان کے مکر وفریب سے تمہارے بارے میں کافی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی کچھ قباحتیں ذکر کی ہیں۔ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ: ان یہودیوں کی ایک جماعت ایسی بھی ہے جو تورات میں اللہ کے کلام کو تبدیل کرتے ہیں اور اس کی ایسی تفسیر کرتے ہیں جو مراد خدا نہیں ہوتی، وہ ایسا جان بوجھ کر کرتے ہیں، چنانچہ تورات میں حضور نبی کریم ﷺ کی جو صفات وارد ہوئی ہیں تبدیل کر دیں، رجم وغیرہ کے احکام میں تغیر کر دیا۔ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا: جب انہیں دعوت ایمان دیتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم نے تمہاری بات سن لی اور تمہارے حکم کی نافرمانی کی، مجاہد کہتے ہیں: اے محمد! جو تم نے کہا ہم نے سن لیا اور ہم تمہاری بات نہیں مانیں گے، ان کے اس خیال میں انتہا درجے کا کفر وعناد ہے۔

وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ:......یہ محاورہ ہے جس کے دو معنی ہیں، اس میں خیر کا بھی احتمال ہے اور شر کا بھی، درحقیقت یہ محاورہ معنی خیر میں مستعمل ہے۔ یعنی اللہ کرے تم کوئی بری بات نہ سنو، لیکن یہودی خبثا اس محاورے سے آپ ﷺ کو بددعا دیتے، یعنی سنو، اللہ کرے تم نہ سن سکو، مراد یہ ہے کہ تم بہرے ہو جاؤ یا تمہیں موت آ جائے۔ وَّرَاعِنَا: اور یہود باتوں باتوں میں رَاعِنَا کا لفظ کہتے، یہ رعونت سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے حماقت، بظاہر وہ کہتے کہ ہماری رعایت کرو جب کہ حقیقت میں حماقت مراد لیتے۔ یہ کلمہ بول کر رسول اللہ ﷺ کا استہزا کرتے تھے، ان کی نیت اہانت اور گالی ہوتی اور بظاہر عزت واکرام۔ لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِى الدِّيْنِ: وہ اپنی زبانوں کو اس لیے توڑتے مروڑتے تھے تا کہ حق کو باطل کی طرف پھیر دیں اور اسلام پر طعن کرتے تھے۔ ابن عطیہ کہتے ہیں: یہود میں یہ خصلت اب تک موجود ہے، اس بارے میں باقاعدہ اپنی اولاد کو تعلیم دیتے ہیں، ایسے الفاظ اپنی اولاد کو یاد کرواتے ہیں جو بظاہر عزت وتوقیر پر دلالت کرتے ہیں لیکن ان کی مراد تحقیر ہوتی ہے۔[1] وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا: اگر وہ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا: کے بجائے سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا: کہتے وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ: اور رَاعِنَا کے بجائے اِسْمَعْ اور وَانْظُرْنَا کہتے، یعنی اگر یہود حضور نبی کریم ﷺ سے بری بات کی بجائے سنجیدہ اور نرم بات کرتے لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ: یہ سنجیدہ بات ان کے حق میں بہتر ہوتی اور اللہ کے ہاں درست وصواب ہوتی۔ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا: اللہ نے انہیں ہدایت سے دور رکھا ہوا ہے اور ان کے اپنے کفر کی وجہ سے انہیں اپنی رحمت سے دور رکھا ہوا ہے، یہ بہت تھوڑا ایمان رکھتے ہیں۔ زمخشری کہتے ہیں: ان کا ایمان رکیک اور نہایت کمزور ہوتا ہے جس کا کوئی

---

[1] البحر المحیط ۳/۲۶۴

اعتبار نہیں۔ [۱] چنانچہ کتاب کے کچھ حصے پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں۔اس کے بعد اللہ نے یہود کو چہرے مسخ کرنے اور حواس چھین لینے سے ڈرایا دھمکایا تا کہ ایمان لے آئیں۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا: اے جماعت یہود! ہم نے جو محمد ﷺ پر قرآن نازل کیا ہے اس پر ایمان لے آؤ۔ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ: اس حال میں کہ قرآن تورات کی تصدیق کرتا ہے۔ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ: اس سے پہلے کہ ہم چہرے، ناک، آنکھ، ابروئیں مسخ کردیں۔حتیٰ کہ چہرے پشتوں کی مانند رہ جائیں، اس میں انسانی محاسن کی انتہادرجے کی بدصورتی ہے۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ [۲] اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ السَّبْتِ: ہم انہیں ایسی ہی مسخ کردیں گے۔ جیسے اصحاب سبت کو مسخ کردیا تھا۔ یہ وہ یہود تھے جنہوں نے ہفتے کے دن کے تقدس کو پامال کیا تھا اللہ نے انہیں بندر اور خنزیر بنادیا۔ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا: اور جب اللہ کسی بات کا حکم دیتا ہے لامحالہ وہ نافذ ہو کر رہتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ: یعنی اللہ شرک معاف نہیں کرتا اور اس کے علاوہ جس بندے کو چاہتا ہے اس کے گناہ معاف کردیتا ہے۔ وَمَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِیْمًا: جس شخص نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا اس نے بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا۔ طبری کہتے ہیں: آیت نے اس امر کو واضح کردیا ہے کہ ہر وہ شخص جس سے کبیرہ گناہ سرزد ہو وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ہوتا، چنانچہ اگر اللہ چاہے اسے معاف کردے۔ چاہے گناہ پر اسے سزا دے دے بشرطیکہ کبیرہ گناہ شرک نہ ہو۔ [۳]

یہود کا اپنے آپ کو پاکباز سمجھنا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ یہود اپنے آپ کو بڑے ہی پاکباز سمجھتے ہیں حالاں کہ وہ کفر پر مصر ہیں اور کتاب میں تحریف کرتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ: کیا تمہیں ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو خود اپنی تعریف آپ کرتے ہیں اور اپنے آپ کو طاعت اور تقویٰ کے ساتھ متصف قرار دیتے ہیں؟ استفہام برائے تعجب ہے۔ قتادہ کہتے ہیں: یہ اللہ کے دشمن یہود ہیں جو اپنی آپ تعریف کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں۔ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ یعنی ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں، ہمارے گناہ تو ہیں ہی نہیں۔ [۴] بَلِ اللّٰهُ یُزَكِّیْ مَنْ یَّشَآءُ: یعنی یہودیوں کے اپنے تزکیہ کا کوئی اعتبار نہیں، اصل اعتبار تو اللہ کے تزکیہ کا ہے، اللہ ہی امور کے حقائق اور دقائق سے واقف ہے، وہی اپنے پسندیدہ بندوں کا تزکیہ کرتا ہے، یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو پاک طینت اور نیکوکار ہوں نہ کہ یہود و اشرار اور بدبخت۔ وَلَا یُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا: ان کے اعمال سے معمولی کمی اور نقص نہیں کیا جائے گا۔ فتیل کھجور کی گٹھلی میں پڑی درج میں باریک سی دھاگا نما جھلی کو کہا جاتا ہے اس سے مراد قلت ہے، جیسے: اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ میں اُنْظُرْ كَیْفَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ: آیت میں یہود کے افترا اور جھوٹ پر تعجب کیا جارہا ہے، معنی ہے: اے محمد! دیکھو! یہ اپنے تزکیہ کے متعلق اللہ پر کیسے جھوٹ بول رہے ہیں اور اپنے اس دعویٰ میں بھی جھوٹے ہیں کہ وہ اللہ کے بیٹے اور اس کے پسندیدہ ہیں؟ وَكَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِیْنًا: ان کے کھلا گناہ ہونے میں یہی کافی ہے کہ وہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں، یہ ان کا جرم عظیم ان کے لیے کافی ہے۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ:...... استفہام برائے تعجب ہے، مراد یہ ہے کہ یہودیوں کو تورات کا ایک حصہ دیا گیا اس کے باوجود وہ بتوں پر یقین رکھتے ہیں اور اللہ کے علاوہ جس کی بھی پرستش کی جاتی ہے اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ وَیَقُوْلُوْنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَبِیْلًا: یہود کفار مکہ سے کہتے ہیں، تم محمد اور اس کے ساتھیوں سے زیادہ سیدھے راستے پر ہو۔ ابن کثیر رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں: یہود کفار کو مسلمانوں پر فضیلت دیتے تھے چوں کہ کفار مکہ جاہل اور کتاب اللہ کے منکر تھے [۵] اللہ تعالیٰ نے ان کی گمراہی کی خبر دیتے ہوئے فرمایا: اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ: انہی کو اللہ نے دھتکار دیا ہے اور اپنی رحمت سے دور رکھا ہے۔ وَمَنْ یَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِیْرًا: جسے اللہ اپنی رحمت سے دور کردے بھلا اللہ کے عذاب سے اسے کون بچائے گا؟ اور اس سے لعنت کے آثار یعنی عذاب عظیم کو کون دور کرسکتا ہے؟ اَمْ لَهُمْ نَصِیْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ: یا یہ کہ بادشاہت میں ان کا کوئی حصہ ہے؟ اسلوب کلام انکار کے طور پر لایا گیا ہے یعنی

---

[۱] الکشاف ۱/ ۴۰۱۔ [۲] طبری نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے یعنی قبل اس کے کہ ہم آنکھیں مسخ کردیں اور ان کے نشانات ہی مٹا ڈالیں اور گدی کی طرح چہرے کر ڈالیں، آنکھیں پشتوں میں لگا دیں اور پھر پیچھے چلنا شروع کردیں۔ [۳] الطبری ۸/ ۴۵۰ [۴] الطبری ۸/ ۴۵۲ [۵] مختصر ابن کثیر ۱/ ۴۰۳

کائنات کی بادشاہت میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔ فَإِذًا لَّا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا: اگر کائنات کی بادشاہی میں ان کا کچھ حصہ ہوتا تو یہ کسی کو کھجور کی گٹھلی کے شگاف کے برابر بھی کچھ نہ دیتے چوں کہ یہ بہت زیادہ بخیل ہیں۔ نقیر فتیل کا مثل ہے، اس کا معنی گٹھلی پر پڑا شگاف اور نکتہ ہے۔ اس مثال سے یہود کی مذمت کی جارہی ہے کہ وہ انتہا درجے کے بخیل ہیں۔ أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ: ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: حضور نبی کریم ﷺ کو نبوت ملنے کی وجہ سے یہود آپ پر حسد کرتے اور صحابہ کے ایمان لانے کی وجہ سے ان پر حسد کرتے معنی ہے کہ: بلکہ یہود حضور نبی کریم ﷺ اور مؤمنین پر حسد کرتے ہیں۔ چوں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو نبوت کے ساتھ فضیلت بخشی ہے اور عرب پر شرف عطا کیا ہے، مؤمنین پر اس لیے حسد کرتے ہیں چوں کہ اللہ نے مؤمنین کو عزت اور مقام عطا فرمایا ہے۔ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُم مُّلْكًا عَظِيمًا: چنانچہ ابراہیم کی اولاد میں سے جو تمہارے اسلاف ہیں ہم نے انہیں نبوت عطا کی ہے، ہم نے ان پر کتابیں نازل کی ہیں اور نبوت کے ساتھ ساتھ انہیں عظیم بادشاہت بھی دی جیسے حضرت داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام، بھلا تم محمد ﷺ پر حسد کیوں کرتے ہو؟ یہود پر رد کرنا مقصود ہے حالاں کہ انہیں علم ہے کہ اللہ نے اہل ابراہیم کو فضیلت بخشی ہے۔ فَمِنْهُم مَّنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُم مَّن صَدَّ عَنْهُ: یہود میں سے بعض ایسے ہیں جو محمد ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ قلیل ہیں اور ان میں سے اکثر آپ پر ایمان نہیں رکھتے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے: فَمِنْهُم مُّهْتَدٍ ۖ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ: ان میں سے بعض ہدایت پر ہیں اور اکثر فاسقین ہیں۔ وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا: ان کے کفر وعناد پر ان کے لیے دوزخ کی آگ بطور سزا کافی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کفار فجار کے لیے جو عذاب اور وعید تیار کر رکھی ہے کی خبر دی ہے۔

عذاب کے لیے کفار کی کھال بدل دی جائے گی

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا: ...... حقیقت میں جو لوگ ہماری آیات کا انکار کرتے ہیں ہم عنقریب انہیں خوفناک آگ میں داخل کریں گے جو چہروں اور جلدوں کو جلا کر بگاڑ دے گی۔ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ: جب بھی ان کی جلدیں آگ میں جل جل کر ناکارہ ہو جائیں گی ہم ان کی جلی ہوئی کھالوں کو تازہ کھالوں میں بدل دیں گے تاکہ عذاب کی تکلیف مسلسل برقرار رہے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ایک دن میں آگ جہنمیوں کی کھالوں کو ستر ہزار بار جلسائے گی، جب بھی کھالیں جل کر کوئلہ ہو جائیں گی کھالوں سے کہا جائے گا کہ جیسی تھیں ایسی ہو جاؤ۔ چنانچہ کھالیں اصلی حالت پر آ جائیں گی۔ ربیع کہتے ہیں: جہنمی کی کھال چالیس ہاتھ موٹی ہوگی، اس کا پیٹ اتنا بڑا ہوگا کہ اس میں اگر پہاڑ رکھ دیا جائے وہ بھی سما جائے، جب جہنمی کی کھال آگ میں جل جائے گی فوراً تبدیل کر دی جائے گی۔ حدیث میں ہے۔ "دوزخ میں جہنمیوں کی جسامت نہایت زیادہ بڑی ہو جائے گی یہاں تک کہ کان کی لو سے کاندھے تک کا فاصلہ سات سو سال کی مسافت کے برابر ہوگا، اور کھال کی موٹائی ستر ہاتھ ہوگی اور ایک دانت احد پہاڑ کے برابر ہوگا۔"[1] إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا: اللہ غالب ہے اس کے آگے کوئی رکاوٹ نہیں بن سکتا، وہ اپنے عدل کی بنا پر عذاب دیتا ہے۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا: اس آیت میں نیکوکاروں کے انجام کی خبر دی جارہی ہے، ہم نیک عمل کرنے والے ایمان والوں کو بہشتوں میں داخل کریں گے جن میں ہر طرف سے نہریں بہہ رہی ہوں گی، جنت میں جہاں چاہیں گے مقیم رہیں گے، انہیں موت نہیں آئے گی۔ لَّهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ: جنت میں انہیں ایسی بیویاں ملیں گی جو ہر طرح کی گندگی سے پاک ہوں گی، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: جنت کی عورتیں بول وبراز، حیض، تھوک، بلغم، منی اور حمل سے پاک ہوں گی۔ وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا: ہم انہیں ایسے سائے میں داخل کریں گے جو دھوپ سے کبھی منسوخ نہیں ہوگا، اس سائے میں گرمی ہوگی نہ ہی سردی۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: آیت میں ظل کی صفت ظلیل لائی گئی ہے اس سے مراد ایسا سایہ نہیں جیسا دنیا میں ہوتا ہے، دنیا کے سائے پر گرمی اور سردی اثر انداز ہوتی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے: جنت میں ایک ایسا درخت ہے جس کے سائے تلے شہسوار سو سال تک چلتا رہے گا مگر اس کا سایہ ختم نہیں ہونے پائے گا۔[2]

---

[1] اخرجہ احمد فی المسند [2] اخرجہ الشیخان

بلاغت:......ان آیات میں فصاحت و بلاغت اور بدیع کے مختلف پہلو نمایاں ہیں۔ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ: میں مجاز مرسل ہے جب کہ النَّاس سے مراد حضور نبی کریم ﷺ ہیں، یہ تسمیۃ الخاص باسم العام کے قبیل سے ہے، اس میں اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ آپ ﷺ میں اولین وآخرین کے اوصاف جمع ہیں۔ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ: اور لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ: میں استعارہ ہے، کیوں کہ خرید اایسی چیز کو جاتا ہے جو ازقسم جنس و مادیت ہو، اور چکھا تو زبان سے جاتا ہے، یہاں مراد الم اور تکلیف ہے۔ لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ: اللیی کا معنی ہے رسی بٹنا اللیی کو ایسے کلام کے لیے مستعار لیا گیا ہے جس کا ظاہر کے خلاف قصد کیا گیا ہو۔ نطمس وجوها چہروں کے مسخ کردینے نطمس وجوها سے تعبیر کیا گیا ہے، گویا چہروں کو ایسی تحریر کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس کی سطریں اور حروف مٹا دیے گئے ہوں۔ اَلَمْ تَرَ: میں استفہام برائے تعجب ہے۔ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ: میں امر برائے تعجب ہے۔ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ: اور اَمْ يَحْسُدُوْنَ: میں استفہام برائے توبیخ و تقریع ہے۔ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا: میں تعریض ہے، کلام میں شدت بخل پر تعریض کی جارہی ہے۔ وجوهٌ...... ادبارٌ اور آمنوا...... کفروا میں طباق ہے۔ نَلْعَنُهُمْ...... لعنًا، یؤتون...... اٰتاهم، ظِلًّا ظَلِيْلًا میں جناس اشتقاق ہے۔ مختلف مقامات میں حذف اور اطناب ہے۔

عدل و انصاف کی ہدایت اور منافقین کی عادات کا ذکر

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۵۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۵۹﴾ ع اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿۶۰﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿۶۱﴾ فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿۶۲﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا ﴿۶۳﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۶۵﴾ وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿۶۶﴾ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۶۷﴾ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۶۸﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿۷۰﴾

ع ۱۱

ترجمہ:...... بے شک اللہ تمہیں حکم فرماتا ہے کہ امانت والوں کو امانتیں دے دیا کرو اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلے کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلے کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ جس چیز کی تمہیں نصیحت فرماتا ہے وہ بہت اچھی ہے، بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔﴿۵۸﴾ اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ کی اور فرمانبرداری کرو رسول کی، اور ان لوگوں کی فرمانبرداری جو اولو الامر ہیں تم میں سے، پس اگر تم آپس میں کسی چیز کے بارے میں جھگڑنے لگو تو اس کو لوٹا دو اللہ کی طرف اور رسول ﷺ کی طرف، اگر تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے بہت خوب تر ہے۔﴿۵۹﴾ کیا آپ نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اُس پر ایمان لائے جو اللہ نے آپ کی طرف نازل فرمایا اور اُس پر بھی ایمان لائے جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا یہ لوگ چاہتے ہیں کہ شیطان کی طرف اپنا قضیہ لے جائیں حالانکہ اُن کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ اس کے منکر ہوں، اور شیطان چاہتا ہے کہ اُن کو گمراہ کر کے دور کی گمراہی میں ڈال دے۔﴿۶۰﴾ اور جب ان سے کہا گیا کہ آ جاؤ اس حکم کی طرف جو اللہ نے نازل فرمایا اور آ جاؤ رسول ﷺ کی طرف تو آپ منافقین کو دیکھیں گے کہ وہ آپ سے ہٹتے ہیں۔﴿۶۱﴾ پس کیا حال ہو گا جب اُن کو کوئی مصیبت پہنچے اُن کے ہاتھوں کے کیے ہوئے کرتوتوں کی وجہ سے پھر وہ آئے آپ کے پاس اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہمارا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ بھلائی کی صورت نکل آئے اور آپس میں موافقت ہو جائے۔﴿۶۲﴾ یہ وہ لوگ ہیں جو کچھ اُن کے دلوں میں ہے اللہ اُسے جانتا ہے، سو آپ اُن سے اعراض کیجیے اور ان کو نصیحت کیجیے اور اُن کی ذاتوں کے متعلق اُن سے ایسی باتیں کہہ دیجیے جو اُن کے حق میں خوب زیادہ فائدہ مند ہوں۔﴿۶۳﴾ اور ہم نے پیغمبر نہیں بھیجے مگر اسی لیے کہ بحکمِ خداوندی ان کی فرمانبرداری کی جائے اور جب انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا آپ کے پاس آتے پھر اللہ سے مغفرت مانگتے اور رسول ﷺ ان کے لیے استغفار کرتا تو ضرور اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور مہربانی فرمانے والا پالیتے۔﴿۶۴﴾ سو قسم ہے آپ کے رب کی وہ مؤمن نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ جو اُن کے آپس کے جھگڑے ہوں اُن میں آپ کو فیصلہ کرنے والا بنا کر آپ کے فیصلے سے اپنے دلوں میں کسی بھی طرح کی تنگی محسوس نہ کریں اور پورا پورا تسلیم کرالیں۔﴿۶۵﴾ اور اگر ہم اُن پر یہ فرض کر دیتے کہ اپنی جانوں کو قتل کر دو یا یہ کہ اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو اس پر عمل نہ کرتے مگر تھوڑے سے لوگ، اور اگر وہ لوگ اُن کاموں کو کرتے جن کی انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو یہ اُن کے حق میں بہتر ہوتا، اور یہ اُن کے ایمان کو زیادہ پختہ کرنے والا عمل ہوتا،﴿۶۶﴾ اور اُس وقت اُن کو ہم اپنے پاس سے ضرور اجرِ عظیم عطا کرتے۔﴿۶۷﴾ اور ہم اُن کو سیدھے راستے پر چلاتے۔﴿۶۸﴾ اور جو لوگ اللہ کی اور رسول ﷺ کی فرمانبرداری کریں سو یہ اُن اشخاص کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیا اور صدیقین اور شہدا اور صالحین اور یہ حضرات اچھے رفیق ہیں۔﴿۶۹﴾ یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ کافی ہے جاننے والا۔﴿۷۰﴾

ماقبل سے ربط وتعارف:...... قبل ازیں اللہ تعالیٰ نے یہود کا حال ان کا حسد، عناد اور کفر بیان کیا ہے اور ان کے لیے اللہ نے جو عذاب اور آخرت میں سزا دیتا کر رکھی ہے وہ بھی بیان کی، اس کے بعد مؤمنین کو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت، ادائے امانت اور عدل وانصاف کے ساتھ فیصلے کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ پھر منافقین کی عادات اور صفات ذکر کی گئی ہیں جن سے دور رہنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔

لغات: نِعِمَّا:...... اصل میں ہے نعم ما یعنی نعم الشئی یعظکم به یعنی اللہ جس چیز کی تمہیں نصیحت کرتا ہے وہ بڑی عظیم ہے۔ تَأْوِيْلًا: مآل وعاقبت۔ يَزْعُمُوْنَ: الزعم سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے ظنی اعتقاد، علمائے عربیت کہتے ہیں: زعم فلان یعنی جب کسی کے متعلق شک ہو، معلوم نہ ہو کہ آیا وہ جھوٹ بول رہا ہے یا سچ کہتا ہے۔ ابن درید کہتے ہیں: اس کا اطلاق اکثر باطل پر ہوتا ہے، اسی طرح اہل عرب کا مقولہ ہے: زعموا مطیة الکذب۔ تَوْفِيْقًا: موافقت جو کہ مخالفت کی ضد ہے۔ بَلِيْغًا: موثر۔ شَجَرَ: اختلاف کیا، درخت کو بھی اَلشَّجَرَ: کہا جاتا ہے، درخت کی ٹہنیاں ایک دوسرے میں گھسی ہوتی ہیں۔ حَرَجًا: شک، تنگی۔

سببِ نزول: ...... جب رسول کریم ﷺ مکۃ المکرمہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تو عثمان بن طلحہ نے باب کعبہ کو مغلق کیا اور خود بیت اللہ کی چھت پر چڑھ گیا اور رسول اللہ ﷺ کو بیت اللہ کی چابیاں دینے سے انکار کر دیا اور کہا: اگر میں یہ یقین رکھتا کہ محمد اللہ کا رسول ہے تو میں چابیاں دینے سے انکار نہ کرتا، تاہم حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا بازو مروڑ کر چابیاں لے لیں اور دروازہ کھول دیا، رسول کریم ﷺ بیت اللہ میں داخل ہوئے، دو رکعات نماز پڑھی، جب آپ باہر نکلے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ عثمان بن طلحہ کو چابیاں واپس کر دو، اس پر عثمان نے کہا: تم نے اذیت پہنچائی اور مجھ سے زبردستی چابیاں چھینی اور پھر مجھ پر نرمی بھی کر رہے ہو، آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل کیا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰى أَهْلِهَا ۙ وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۗ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿٥٨﴾

آپ نے پوری آیت تلاوت کی، سن کر عثمان بن طلحہ ایمان لے آیا، اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے بنی طلحہ چابی تاابد اپنے پاس رکھو اور تم سے چابی کوئی نہیں چھینے گا مگر ظالم ہی۔[1]

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ منافقین کے بشر نامی ایک آدمی اور ایک یہودی کا آپس میں کوئی تنازع تھا، یہودی نے کہا: چلو محمد کے پاس فیصلہ کروا لیتے ہیں، منافق نے کہا: بلکہ ہم کعب بن اشرف[2] سے فیصلہ کروا لیتے ہیں، آیات میں اللہ تعالیٰ نے کعب بن اشرف کو طاغوت سے تعبیر کیا ہے۔ تاہم یہودی برابر اصرار کرتا رہا کہ میں رسول اللہ ﷺ سے فیصلہ کرواؤں گا۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ نے منافق کے خلاف یہودی کے حق میں فیصلہ کیا، جب منافق فیصلہ ہو جانے کے بعد باہر نکلا وہ فیصلے پر راضی نہیں تھا، بولا! چلو ہم عمر کے پاس چلتے ہیں ان سے فیصلہ کرواتے ہیں۔ چنانچہ دونوں عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور یہودی نے کہا: میرے اور اس شخص کے درمیان ایک تنازع ہے قبل ازیں ہم محمد کے پاس گئے تھے، انہوں نے اس کے خلاف میرے حق میں فیصلہ سنایا، لیکن یہ اس فیصلے سے راضی نہیں، اب یہ فیصلے کے لیے تمہارے پاس مجھے لے آیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منافق سے کہا: کیا حقیقت یہی ہے؟ منافق نے کہا: جی ہاں! عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اچھا یہیں ٹھہرو، ذرا میں اندر سے ہو آؤں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اندر گئے تلوار لی اور باہر آ کر منافق کا سر تن سے جدا کر دیا، اور فرمایا: جو شخص اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے پر رضامند نہ ہو اس کے بارے میں میں یہی فیصلہ کرتا ہوں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ أَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَآ أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ أَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا إِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ أُمِرُوْٓا أَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۗ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ أَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿٦٠﴾[3]

امانتوں کی ادائیگی کا حکم

تفسیر: إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰى أَهْلِهَا: ...... آیت میں تمام مکلفین کو خطاب ہے جیسے ذمہ میں متعلق سبھی حقوق پر امانت کا اطلاق ہوتا ہے خواہ حقوق اللہ ہو یا حقوق العباد وہ سبھی بندے کے ذمہ امانت ہیں، علامہ زمخشری کہتے ہیں: ہر طرح کی امانت کے بارے میں آیت میں خطاب ہے۔[4] معنی ہے: اے مؤمنین! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مالکان کو ادا کرو۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں امانتیں ان کے مالکان کو ادا کرنے کا حکم دیا ہے، یہ عمومی حکم ہے اس میں انسان پر واجب جملہ حقوق شامل ہیں خواہ وہ نماز ہو یا روزہ، کفارہ ہو یا حج یا کوئی اور حق، حقوق العباد بھی اس میں داخل ہیں جیسے انسانوں کی ایک دوسرے کے پاس رکھی ہوئی امانتیں۔

عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کا حکم

وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ: ...... اور اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ: اللہ تعالیٰ تمہیں جس چیز کی نصیحت کرتا ہے وہ بڑی عظیم چیز ہے۔ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا: اس میں وعدہ بھی ہے اور وعید بھی، یعنی اللہ تمہارے اقوال کو سنتا ہے اور تمہارے افعال کو دیکھتا ہے۔

---

[1] الفخر الرازی ۱۰ / ۱۳۸، و اسباب النزول ص ۹۰ [2] یہودیوں کا سردار تھا۔ [3] الکشاف ۱ / ۴۰۶ و القرطبی ۵ / ۲۶۴ [4] الکشاف ۱ / ۴۰۵

اولی الامر کی اطاعت کا حکم

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ: ......یعنی کتاب وسنت پر عمل پیرا ہو کر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت وفرماں برداری کرو اور مسلمان اصحاب اختیار (حکمرانوں) کی اطاعت بھی کرو بشرط یہ کہ وہ شریعت کی پیروی کرتے ہوں، کیوں کہ خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں، آیت میں لفظ مِنْكُمْ سے یہ امر مترشح ہوتا ہے کہ بااختیار طبقہ کی پیروی اس وقت واجب ہے جب وہ حسی طور پر اور معنوی طور پر مسلمان ہوں، وہ گوشت پوست کے اعتبار سے بھی مسلمان ہوں، صرف شکل وصورت کے اعتبار سے مسلمان ہونا کافی نہیں۔

اختلاف کی صورت میں شریعت کی طرف رجوع کیا جائے

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ: ......اگر کسی معاملہ میں تمہارا اختلاف ہوجائے تو اس کا فیصلہ کتاب وسنت کے مطابق کرو۔ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ: بشرط یہ کہ تم پکے اور سچے مؤمنین ہو۔ یہ جملہ شرط ہے اور اس کی جزا محذوف ہے، کیوں کہ ماقبل کا جملہ جزا پر دلالت کرتا ہے، جزا یوں ہوگی۔فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ: دراصل اس آیت میں کتاب وسنت پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دی جارہی ہے جیسے کہنے والا کہہ دیتا ہے: ان کنت ابنی فلا تخالفنی. اگر تم میرے بیٹے ہو تو میری مخالفت مت کرو۔ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا: کتاب اللہ اور سنت رسول کی طرف رجوع کرنا تمہارے حق میں بہتر ہے، اس میں تمہاری بھلائی ہے اور اسی میں تمہاری عاقبت کی اچھائی ہے۔اس کے بعد اللہ نے منافقین کی صفات ذکر کی ہیں جو ایمان کے دعویدار تھے مگر ان کے دل ایمان سے خالی تھے۔چنانچہ ارشاد ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ: ......اس شخص پر آیت میں تعجب کیا جارہا ہے جو ایمان کا دعویدار ہو اور پھر اللہ کے حکم پر رضامند نہ ہو۔ معنی ہے: کیا تم ان منافقین کے طرز عمل پر تعجب نہیں کرتے جن کا دعویٰ ہے کہ وہ تمہاری طرف نازل کی گئی کتاب یعنی قرآن پر ایمان رکھتے ہیں اور تم سے پہلے جو کتابیں تورات اور انجیل نازل کی گئی ہیں ان پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَی الطَّاغُوْتِ: وہ اپنے اختلافی امور طاغوت کے پاس فیصلہ کرنے کے لیے لے جاتے ہیں۔ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: طاغوت سے مراد کعب بن اشرف ہے، یہ یہودیوں کے سرکشوں میں سے ایک ہے، بغض وعداوت اور سرکشی میں حد سے بڑھ جانے کی وجہ سے اسے طاغوت کا نام دیا گیا ہے وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ یَّكْفُرُوْا بِهٖ: حالاں کہ انہیں اللہ پر ایمان لانے اور اللہ کے سوا ہر ایک کی نفی کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَمَنْ یَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی

ترجمہ: ......جس نے طاغوت کی نفی کی اور اللہ پر ایمان لے آیا اس نے مضبوط کڑا تھام لیا۔(سورۃ البقرۃ، آیت ۲۵۶)

وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا: ......شیطان انہیں آراستہ خواہشات کے ذریعہ گمراہ کرنا چاہتا ہے اور انہیں حق وہدایت سے دور لے جانا چاہتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منصف بنانے میں منافقین کی روگردانی

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰی مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَی الرَّسُوْلِ: ......اور جب ان منافقین سے کہا جاتا ہے کہ اپنے جھگڑے کتاب اللہ اور پیغمبر کے پاس لے جاؤ تاکہ رسول تمہارے درمیان فیصلہ کرے۔رَاَیْتَ الْمُنٰفِقِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا: تم انہیں دیکھو گے کہ وہ نفاق کی وجہ سے تم سے روگردانی کرلیتے ہیں۔فَكَیْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ: اس وقت ان کا کیا عالم ہوگا جب اللہ ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں عذاب دے گا، کیا وہ اپنا دفاع کرنے کی طاقت رکھتے ہیں؟ثُمَّ جَآءُوْكَ یَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِیْقًا: پھر یہ منافقین جرم پر آپ سے معذرت کرنے آگئے اور قسمیں اٹھا کر کہنے لگے کہ ہم کسی دوسرے کے پاس جھگڑا اس لیے لے کر گئے تاکہ فریقین کے

درمیان صلح ہوجائے اور معاملہ نمٹ جائے، ہم نے آپ کا فیصلہ چھوڑنے کا ارادہ نہیں کیا، چنانچہ اللہ نے ان کی تکذیب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ: یہ منافقین جھوٹ بولتے ہیں، اللہ ان کے دلوں کے نفاق، مکروفریب اور دھوکے کو جانتا ہے اور یہ لوگ چکنی چپڑی باتوں سے تمہیں دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ: مصلحت کے پیش نظر ان سے روگردانی کرلو اور ان کے باطن میں جو نفاق پڑا ہے اس کے متعلق اپنا علم ظاہر نہ کرنا اور ان کا پردہ چاق نہ کرنا تاکہ ڈرپوکی پر قائم رہیں۔ وَعِظْهُمْ: آیات کے ذریعہ انہیں مکروفریب اور نفاق سے باز رہنے کی تاکید کرو۔ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا: اور ان سے ایسا موثر کلام کرتے رہو جو ان کے دلوں میں اتر جائے، یہ کلام ان کے لیے ڈانٹ اور ان کے نفاق کے لیے زجروتوبیخ کا باعث ہوگا۔ اس کے بعد اللہ نے پیغمبروں کے متعلق خبر دی ہے۔

رسول کی اطاعت کی جائے

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ:...... ہم نے جو بھی پیغمبر بھیجا ہے وہ اس لیے تاکہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔ چنانچہ اس کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے اور اس کی نافرمانی حقیقت میں اللہ کی نافرمانی ہے۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ: ان منافقین نے جب تمہاری بات نہ مان کر اپنے اوپر ظلم کیا اگر یہ نفاق سے توبہ کرکے تمہارے پاس آجاتے اور اللہ سے اپنے گناہوں کی بخشش مانگ لیتے اور اپنی خطاؤں کا اعتراف کرلیتے۔ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ: اے محمد: اگر تم ان کے لیے حق تعالیٰ سے بخشش مانگتے۔ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا: تو وہ جان لیتے کہ اللہ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا ہے اور کشادہ رحمت والا ہے۔

ایمان صادق کا راستہ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایمان صادق کا راستہ بتایا ہے۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ: لام برائے تاکید قسم ہے، یعنی اے محمد! تمہارے رب کی قسم، اس وقت تک یہ لوگ مؤمن نہیں ہوسکتے جب تک آپس کے جھگڑوں میں تمہیں منصف تسلیم نہ کرلیں۔ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا: پھر تمہارے فیصلہ کے متعلق اپنے دلوں میں کسی قسم کی تنگی اور تردد نہ پائیں اور مکمل طور پر سر تسلیم خم کرلیں۔ تمہارے فیصلے سے معارضہ نہ کریں، چنانچہ ایمان کی یہی حقیقت ہے کہ انسان دل وجان سے تسلیم کرے اور مکمل اذعان واعتقاد رکھے۔ وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ: اگر ہم ان منافقین پر وہ مشقتیں فرض کرتے جو ان سے پہلے لوگوں پر فرض کی تھیں تو ہم انہیں حکم دیتے کہ اپنی جانوں کو قتل کرو اور وطن سے نکل جاؤ جیسا کہ بنی اسرائیل پر ہم نے یہ حکم فرض کیا تھا۔ مَا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ: چنانچہ یہ حکم بہت تھوڑے لوگ مانتے کیوں کہ ان کا ایمان انتہائی کمزور ہے۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا: جس چیز کا انہیں حکم دیا گیا ہے اگر وہ بجالاتے تو دنیا وآخرت میں ان کے لیے بہتر ہوتا اور ان کا ایمان راسخ ہوتا، گمراہی اور نفاق سے دور ہوتے، انہیں اطاعت خدا اور اطاعت رسول کا حکم دیا گیا تھا۔

اطاعت خدا اور اطاعت رسول کے ثمرات

وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا:...... ہم انہیں ایسا سیدھا راستہ دکھاتے جو نعمتوں والی بہشتوں تک پہنچانے والا ہے اس کے بعد اللہ نے اطاعت خدا اور اطاعت رسول کے ثمرات بیان کیے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے: وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ: جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول کے منع کردہ امور سے باز رہتا ہے تو اللہ اسے مقربین کے ساتھ عزت وسکون کے مقام میں ٹھہرائے گا۔ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ: یعنی عالیشان ٹھکانوں میں ٹھہرنے والوں کے ساتھ ٹھہریں گے، عالیشان ٹھکانوں میں ٹھہرانے والے انبیا، صدیقین، شہدا اور صالحین ہیں۔ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا: ان اللہ والوں کی رفاقت اور صحبت بہت ہی اچھی ہے اور یہ نیکوکار بہت ہی اچھے رفقا ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض الوفات میں یہ آیت

پڑھتے سنا۔ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ: میں سمجھ گئی کہ بھلائی ہی بھلائی ہے۔[1] ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ: جو اجر وثواب فرماں برداروں کو عطا کیا گیا ہے وہ محض اللہ کے فضل سے ہے۔ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا: اللہ تعالیٰ جسے فضل واحسان کا مستحق سمجھتا ہے اسے بدلہ دینے کے لیے کافی ہے۔

بلاغت:...... ان آیات کریمات میں بلاغت کے مختلف پہلو نمایاں ہیں۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ: میں استفہام برائے تعجب ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ: میں اِنَّ برائے تاکید ہے اور خبر بمعنی امر (انشاء) ہے، کلام میں تاکید ہے جو تفخیم وامتثال کا فائدہ دے رہی ہے۔ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ: اور وَاسْتَغْفَرَتْ لَهُمْ: میں غیبوبت سے خطاب کی طرف التفات ہے جس سے شان رسول اور عظمت استغفار مترشح ہوتی ہے۔ يُضِلَّهُمْ ضَلٰلًا۔ قُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا اور يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا: میں جناس مغایر ہے۔ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ: میں استعارہ ہے، شجر کا لفظ تنازع کے لیے مستعار ہے کلام میں معقول کے لیے محسوس کا استعارہ ہے۔

بہت ساری جگہوں میں حذف اور اطناب ہے جو اہل تدبر پر مخفی نہیں۔

فائدہ:...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ ایک شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ مجھے اپنی جان اور اہل وعیال سے بھی زیادہ محبوب ہیں، میں اپنے گھر ہوتا ہوں آپ کی یاد مجھے ستاتی ہے، مجھ سے صبر نہیں ہوسکتا، حتیٰ کہ میں اسی لمحے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا ہوں، جب میں اپنی موت اور آپ کی موت کو یاد کرتا ہوں مجھے معلوم ہوتا ہے کہ آپ جنت میں انبیا کے ساتھ ہوں گے اور اگر میں جنت میں داخل ہو گیا تو مجھے خوف ہے کہ میں آپ کو نہیں دیکھ سکوں گا، تاہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آدمی کو کوئی جواب نہ دیا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی: وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾[2]

جہاد فی سبیل اللہ کا حکم

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿۷۱﴾ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿۷۲﴾ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۳﴾ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۭ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿۷۶﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا

ع

[1] مختصر ابن کثیر ۱/۴۱۱ [2] اخرجہ ابن مردویہ

الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ؕ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۗ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۷﴾ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰۤؤُلَاۤءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿۷۸﴾ مَاۤ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَاۤ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۷۹﴾ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾ وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۫ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ؕ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾ وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰۤى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾ فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿۸۴﴾ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾

النصف

ترجمہ: ...... اے ایمان والو! تم اپنے بچاؤ کا سامان لے لو پھر نکل کھڑے ہو چھوٹی جماعتیں یا بڑی جماعتیں بنا کر، ﴿۷۱﴾ اور بلاشبہ تم میں بعض ایسے لوگ ہیں جو دیر لگاتے ہیں، سو اگر تم کو کوئی مصیبت پہنچ جائے تو کہتے ہیں اللہ نے مجھ پر انعام فرمایا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ حاضر نہ تھا۔ ﴿۷۲﴾ اور اگر تم کو اللہ کا فضل حاصل ہو جائے تو کہنے لگتے ہیں گویا کہ تمہارے اور اُن کے درمیان کوئی دوستی ہی نہیں۔ اے کاش! میں ان کے ساتھ ہوتا تو مجھ کو بڑی کامیابی حاصل ہوتی۔ ﴿۷۳﴾ سو جو لوگ آخرت کے بدلہ دنیا والی زندگی کو اختیار کرتے ہیں ان کو چاہیے کہ اللہ کی راہ میں جنگ کریں اور جو شخص اللہ کی راہ میں جنگ کرے پھر وہ قتل کر دیا جائے یا غالب ہو جائے سو عنقریب ہم اُسے اجرِ عظیم عطا کریں گے۔ ﴿۷۴﴾ اور تمہیں کیا عذر ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ضعیفوں کی خاطر جن میں مرد اور عورتیں اور بچے ہیں جنگ نہ کرو جو یوں کہہ رہے ہیں کہ اے ہمارے رب! نکال ہم کو اس بستی سے جس

کے رہنے والے ظالم ہیں، اور بنا دے ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی حمایت کرنے والا اور ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی مددگار بنا دے۔ ﴿۷۵﴾ جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا وہ شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں، سو تم شیطان کے دوستوں سے جنگ کرو بلاشبہ شیطان کی تدبیر ضعیف ہے۔ ﴿۷۶﴾ کیا تو نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو، پھر جب اُن پر جنگ کرنا فرض کیا گیا تو اس وقت ان میں سے ایک فریق لوگوں سے اس طرح ڈرنے لگا جیسا اللہ سے ڈرتے ہوں بلکہ اس سے بھی زیادہ ڈرنے لگے اور کہنے لگے کہ اے رب! آپ نے ہم پر جنگ کیوں فرض کی ہم کو تھوڑی مدت کے لیے مہلت کیوں نہ دی، آپ فرما دیجیے کہ دنیا کا نفع تھوڑا سا ہے اور آخرت بہتر ہے اس کے لیے جو پرہیزگاری اختیار کرے اور تم لوگوں پر کھجور کی گٹھلی کے تاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ ﴿۷۷﴾ تم جہاں بھی ہو تم کو موت پکڑ لے گی، اگرچہ تم مضبوط قلعوں کے اندر ہو اور اگر اُن کو کوئی اچھی حالت پیش آ جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے ہے، اور اگر اُن کو کوئی بری حالت پیش آ جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تیری وجہ سے ہے، آپ فرما دیجیے کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے، سو ان لوگوں کو کیا ہوا کہ بات سمجھنے کے قریب بھی نہیں جاتے۔ ﴿۷۸﴾ تجھے جو کوئی اچھی حالت پہنچ جائے سو وہ اللہ کی طرف سے ہے، اور تجھے جو کوئی بری حالت پہنچ جائے سو وہ تیری طرف سے ہے، اور ہم نے آپ کو لوگوں کے لیے پیغام پہنچانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اللہ کافی ہے گواہی دینے والا۔ ﴿۷۹﴾ جو شخص فرمانبرداری کرے رسول کی تو اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی، اور جس نے رُوگردانی کی سو ہم نے آپ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا۔ ﴿۸۰﴾ اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا کام بات ماننا ہے، پھر جب آپ کے پاس سے باہر جاتے ہیں تو ان میں سے کچھ لوگ اس بات کے خلاف کہتے ہیں جو وہ کہہ چکے تھے، اور اللہ لکھتا ہے جو کچھ وہ راتوں کو مشورے کرتے ہیں، سو آپ ان کی طرف سے اعراض کریں اور اللہ پر بھروسہ کریں، اور اللہ کافی ہے کارساز۔ ﴿۸۱﴾ کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے اور اگر وہ اللہ کے سوا کسی غیر کے پاس سے ہوتا تو اس میں بکثرت اختلاف پاتے۔ ﴿۸۲﴾ اور جب اُن کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر آ جاتی ہے تو اُسے مشہور کر دیتے ہیں، اور اگر اس خبر کو پہنچا دیتے رسول ﷺ کی طرف اور اُن لوگوں کی طرف جو اُن میں سے فہم رکھنے والے ہیں تو ان میں جو ایسے حضرات ہیں جو اس سے استخراج کر لیتے ہیں وہ اس کو جان لیتے اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم شیطان کے پیرو ہو جاتے سوائے چند آدمیوں کے۔ ﴿۸۳﴾ سو آپ اللہ کی راہ میں قتال کیجیے آپ مکلف نہیں ہیں مگر اپنی جان کے، اور ایمان والوں کو ترغیب دیجیے، عنقریب اللہ کافروں کے زور کو روک دے گا اور اللہ بہت سخت ہے زور کے اعتبار سے، اور بہت سخت ہے سزا دینے کے اعتبار سے۔ ﴿۸۴﴾ جو کوئی شخص اچھی سفارش کرے اُسے اس میں سے حصہ ملے گا اور جو شخص بُری سفارش کرے اس کو اس میں سے حصہ ملے گا اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ ﴿۸۵﴾ اور جب تمہیں کسی تحیہ کے ذریعہ دعا دی جائے تو تم اُس سے اچھی دُعا دے دو، یا اُسی کو لوٹا دو، بے شک اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔ ﴿۸۶﴾ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ضرور بالضرور قیامت کے دن تمہیں جمع فرمائے گا جس میں کوئی شک نہیں، اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہوگی۔ ﴿۸۷﴾

ماقبل سے ربط وتعارف:...... قبل ازیں اللہ تعالیٰ نے منافقت (نفاق) اور منافقین سے حذر کرنے اور اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے، اب ان آیات میں اطاعت اور قربات یعنی جہاد فی سبیل اللہ کا حکم دیا ہے تا کہ کلمۃ اللہ کے سربلندی ہو اور دین زندہ رہے، کفار کے ساتھ نبرد آزما ہونے کے لیے تیار رہنے کا حکم دیا ہے، پھر جہاد میں پیچھے رہ جانے والے منافقین کا حال بیان کیا ہے اور مؤمنین کو ہدایت کی ہے کہ ان کے شر سے محفوظ رہیں۔

لغات: ثُبَاتٍ:...... ثبتة کی جمع ہے، معنی جماعت در جماعت ہے۔ بُرُوْجٍ: بلند عمارت، عالیشان محل، یہاں قلعے مراد ہیں۔ مُّشَيَّدَةٍ: بلند و مضبوط عمارت۔ بَيَّتَ: رات کے وقت کسی کام کو بجالانے کی تدبیر کرنا، رات کے وقت دشمن کے شب خون کو البیتات کہا جاتا ہے، اسی سے عرب کا مقولہ ہے۔ امر بیت بلیل۔ وہ ایسا معاملہ جو رات کو پیش آئے۔ اَذَاعُوْا بِهٖ: پھیلایا۔ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ: نکالنا، پانی نکالنا، اسی سے ہے کتاب وسنت سے احکام مستنبط کرنا۔ حَرِّضِ: کسی کام پر ابھارنا۔ تَنْكِيْلًا: سزا اور اذیت دینا۔ كِفْلٌ: حصہ، کفل کا استعمال اکثر و بیشتر شر میں ہوتا ہے۔ مُقِيْتًا: کسی چیز پر قدرت رکھنا۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے:

ذی ضغن کففت النفس عنه وکنت علی مساءته مقیتًا

ترجمہ:......کینہ ور سے میں نے ہاتھ روک لیا ورنہ میں اس کے ساتھ برا کرنے پر پوری قدرت رکھتا تھا۔

شان نزول:......ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور ان کے چند ساتھی مکہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے نبی! جب ہم مشرکین تھے معزز سمجھے جاتے تھے جب ہم نے اسلام قبول کیا تو بے یار و مددگار اور ذلیل ہو گئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے درگزر کرنے کا حکم دیا گیا ہے، کفار کے ساتھ جنگ نہ کرو، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ ہجرت کر کے آ گئے اللہ نے آپ کو جنگ کرنے کا حکم دیا اور یہ آیت نازل ہوئی:

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ قِیْلَ لَهُمْ كُفُّوْۤا اَیْدِیَكُمْ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْیَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْیَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَیْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنَاۤ اِلٰۤی اَجَلٍ قَرِیْبٍ ؕ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰی ۫ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا ۝

دشمن کے مقابلے میں تیاری کا حکم

تفسیر: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ:......اے ایمان والو! دشمن کے مقابلے میں اپنی حفاظت کا سامان کر رکھو اور ان کے ساتھ نبرد آزما ہونے کے لیے تیاری کر لو۔ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِیْعًا: جہاد کے لیے الگ الگ دستوں میں نکلو بایں طور کہ ایک دستے کے بعد دوسرا یا مضبوط لشکر کی صورت میں سبھی اکٹھے نکلو۔ چنانچہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو اختیار دیا ہے چاہیں تو الگ الگ دستوں میں نکلیں یا لشکر کی صورت میں۔ اِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّیُبَطِّئَنَّ: تم میں بالیقین ایسا شخص بھی ہوگا جو جہاد کے معاملہ میں کاہلی کر رہا ہوگا اور وہ پیچھے رہ جانے والا ہوگا، ایسے شخص سے مراد منافق ہے، آیت میں منافق کو ''تم میں سے'' یعنی اہل ایمان میں سے قرار دیا ہے اس کی بظاہر حالت کا اعتبار کیا گیا ہے۔ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةٌ: پھر اگر تمہیں کوئی مصیبت پیش آ جائے یعنی دوران جنگ تمہارے آدمی شہید ہو جائیں اور جنگ میں شکست ہو جائے۔ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِیْدًا: تو یہ منافق کہے گا! اللہ نے مجھ پر فضل کیا کہ میں جنگ میں ان کے ساتھ شریک نہیں تھا ورنہ میں بھی ان کے ساتھ مارا جاتا۔ وَلَىِٕنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ: اے مؤمنین! اگر تمہیں فتح، کامرانی اور غنیمت حاصل ہو۔

جہاد میں منافقین کا رویہ

لَیَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهٗ مَوَدَّةٌ یّٰلَیْتَنِیْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِیْمًا:......یہ منافق ندامت اور حسرت کی بات کہے گا گویا تمہارے اور اس کے درمیان کوئی جان پہچان اور دوستی ہے ہی نہیں، کہے گا: اے کاش میں بھی ان کے ساتھ شریک ہوتا مجھے بھی مال غنیمت سے وافر حصہ ملتا۔ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهٗ مَوَدَّةٌ: جملہ معترضہ ہے جو منافقین کے کمزور ایمان پر تنبیہ کر رہا ہے، دوستی کا حال ان کے ظاہر کے اعتبار سے ہے ان کے اعتقاد میں نہیں۔ اہل ایمان میں سے ہونے کی اس کی تمنا محض سیم و زر کی خاطر ہے نہ کہ حقیقتاً مؤمن ہونے کے واسطے۔

مجاہدین کے فضائل

اللہ تعالیٰ نے جہاد میں پیچھے رہ جانے والوں کی مذمت کی ہے تو آگے مؤمنین کو جہاد کی ترغیب دی ہے چنانچہ ارشاد ہوا فَلْیُقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یَشْرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَةِ: مخلصین اپنی جان کی بازی لگا دینے والے اور مال خرچ کرنے والے ہی ایسے ہیں جو اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور انہوں نے ابدی زندگی کے بدلہ میں فانی زندگی کا سودا کر رکھا ہے۔ وَمَنْ یُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیُقْتَلْ اَوْ یَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا: یہ اللہ کی طرف سے اجر عظیم کا وعدہ ہے یعنی جس شخص نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا برابر ہے وہ غالب رہا یا مغلوب رہا یعنی اللہ کے کلمہ کی سربلندی کے لیے جس نے اللہ کی راہ میں جنگ کی وہ شہید کر دیا گیا یا وہ فتح مند ہوا ہم اسے عنقریب ثواب عظیم عطا کریں گے، گویا اللہ کی راہ میں لڑنے والے

کو دو اچھائیوں میں سے ایک ضرور ملتی ہے شہادت یا غنیمت جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں نکلتا ہے وہ صرف اس نیت سے نکلتا ہے تا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرے، اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور رسولوں کی تصدیق کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کہتا ہے: میں اس کی ضمانت دیتا ہوں کہ اسے جنت میں داخل کروں یا اسے اپنے گھر کی طرف ثواب اور مال غنیمت سے مالا مال لوٹاؤں گا۔[1]

جہاد کی ترغیب

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ: ...... آیت میں استفہام برائے ترغیب ہے یعنی اے مؤمنین! تمہیں کیا ہوا تم اللہ کی راہ میں کیوں نہیں لڑتے، تم اپنے کمزور بھائیوں کی خلاصی کے لیے لڑتے کیوں نہیں؟ انہیں مشرکین نے ہجرت سے روکا ہوا ہے وہ ناچار مشرکین کی اذیتیں اور شدائد برداشت کرتے ہیں۔ جب کہ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ: "مُسْتَضْعَفِيْنَ" کا بیان ہے، یعنی بہت سارے ضعیف مردوں عورتوں اور بچوں کو مشرکین نے ہجرت سے روکا ہوا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ میں اور میری والدہ "مُسْتَضْعَفِيْنَ" میں سے تھے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے یوں دعا فرماتے تھے: "اللهم انج الوليد بن الوليد وسلمى بن هشام" یا اللہ! ولید بن ولید اور سلمیٰ بن ہشام کو نجات عطا فرما...... الخ جیسا کہ صحیح میں وارد ہوئی ہے۔ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ: یہ لوگ مصیبت کے مارے اپنے رب سے فریاد کرتے ہوئے کہتے ہیں: اے ہمارے رب! اس بستی (شہر) سے ہمیں نکال۔ بستی سے مراد مکہ ہے، اس وقت مکہ اہل کفر کا وطن تھا، اسی لیے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے ہجرت کر آئے تھے۔ الظَّالِمِ اَهْلُهَا: اسی بستی والے کفر کے ذریعہ ظلم کرنے والے ہیں، مراد قریش کے رؤسا و عظما ہیں جو مسلمانوں کو ہجرت سے روکتے تھے اور اظہار اسلام سے منع کرتے تھے۔ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا: یعنی اس تنگی سے نکلنے کا ہمیں راستہ عطا فرما اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی اور مددگار مقرر فرما۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کا حامی و مددگار مقرر کر دیا، وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر مستضعفین کی بھرپور مدد اور حمایت کی اور ان پر عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کیا چنانچہ آپ نے مظلوم کو ظالم سے انصاف دلایا۔ اس کے بعد اللہ نے مجاہدین کا حوصلہ بڑھایا ہے اور انہیں جہاد کی ترغیب دی ہے چنانچہ ارشاد ہوا۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: ایمان والے تو اللہ کے دین کی نصرت اور کلمۃ اللہ کی سربلندی کے لیے لڑتے ہیں، چوں کہ اللہ ان کا حامی و ناصر ہے۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ: جب کہ کفار تو شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں اور شیطان کفر اور سرکشی کی طرف بلاتا ہے۔ اے اللہ کے دوستو! شیطان کے انصار و اعوان سے لڑو، یقیناً تم ان پر غالب رہو گے، چنانچہ اللہ کی راہ میں لڑنے والوں اور شیطان کی راہ میں لڑنے والوں کے درمیان واضح فرق ہے۔ سو جو شخص اللہ کی راہ میں لڑتا ہے وہ غالب و فتح مند رہتا ہے چوں کہ اللہ اس کا حامی و ناصر ہوتا ہے اور جو شیطان کی راہ میں لڑتا ہے وہ بے یار و مددگار رہتا ہے اور رسوائی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا: فی الواقع شیطان کی چالیں بہت کمزور ہیں، بھلا اللہ کی قدرت سے ان کا کیا تقابل۔ علامہ زمخشری کہتے ہیں: مؤمنین کے ساتھ شیطان کا مکر و فریب کافروں کے ساتھ اللہ کی چال کے مقابلہ میں بہت کمزور ہے۔[2]

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ: ...... اے محمد! کیا تم ایسی قوم پر تعجب نہیں کرتے جو جنگ کا مطالبہ کرتی ہے درآں حالیکہ وہ مکہ میں مقیم ہے، ان سے کہا گیا کہ کفار کے ساتھ لڑنے سے ابھی ہاتھ روکے رکھو، ابھی ان سے لڑنے کا وقت نہیں آیا، اپنے آپ کو نماز اور ادائے زکوٰۃ کے لیے تیار رکھو۔

جہاد فرض ہونے پر بعض لوگوں کا تردد

فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً: ...... جب ان پر مشرکین کے ساتھ جنگ فرض کر دی گئی تو یکا یک ان میں سے ایک جماعت خوفزدہ ہوئی، سستی دکھانے لگی اور موت سے ایسے ہی ڈرنے لگی جیسے اللہ کے عذاب سے ڈرا جاتا ہے یا اس

---

[1] اخرجہ مسلم [2] الکشاف ۱/ ۴۱۴

سے بھی زیادہ۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: مؤمنین کو ابتدائے اسلام میں جب کہ وہ مکہ میں مقیم تھے نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا اور مشرکین کی اذیتوں پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا، جب کہ مؤمنین دل ہی دل میں کڑھتے تھے کہ کاش! انہیں لڑنے کی اجازت دی جائے تا کہ دشمنوں کا قتل عام کر کے اطمینان حاصل کریں، پھر جب انہیں جنگ کا حکم دیا گیا تو ان میں سے بعض ڈر گئے اور مشرکین کا سامنا کرنے سے خوفزدہ ہو گئے۔[1]
وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ:...... موت سے خوفزدہ ہو کر کہتے ہیں: اے ہمارے رب! تو نے ہمارے اوپر کیوں جہاد فرض کیا ہے؟ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ: لولا برائے تحضیض ہے، معنی ہے: تو نے ہمیں تھوڑی مدت کے لیے اور مہلت کیوں نہیں دی تا کہ ہم طبعی موت مر جاتے اور دشمن کے ہاتھوں مارے نہ جاتے چوں کہ دشمن ہمارے قتل پر خوش ہوگا۔ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى: اے محمد! ان سے کہہ دیجیے کہ دنیا کی نعمتیں فنا ہو جانے والی ہیں جب کہ آخرت کی نعمتیں باقی رہیں گی چنانچہ آخرت کی نعمتیں دنیا کی فانی نعمتوں سے افضل و اعلیٰ ہیں، یہ اس شخص کے لیے ہیں جو اللہ سے ڈرے اور اس کا حکم بجا لائے۔ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا: تمہارے اعمال کے اجر میں سے معمولی کمی بھی نہیں کی جائے گی حتیٰ کہ کھجور کی گٹھلی میں پڑی دھاگا نما جھلی کے برابر بھی کمی نہیں کی جائے گی۔ تسہیل میں ہے کہ یہ آیت بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق ہے جنہیں جنگ سے دست کش رہنے کا حکم دیا گیا تھا وہ جنگ کی تمنا کرنے لگے، چنانچہ جب انہیں لڑنے کا حکم دیا گیا تو جنگ کو ناپسند کرنے لگے، ان کا یہ ردعمل دین میں شک کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ موت سے ڈرتے تھے۔ دوسرے قول کے مطابق یہ آیت منافقین کے بارے میں ہے، یہ قول سیاق کلام کے بھی زیادہ قریب ہے۔ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ: تم جس جگہ بھی ہو مدت عمر پوری ہونے پر تمہیں موت آن لے گی، اگر چہ تم موت سے بچاؤ کے لیے مضبوط قلعوں میں جا گزیں کیوں نہ ہو جاؤ، لہٰذا موت سے ڈر کر جہاد سے گریزاں مت ہو۔

بھلائی و برائی اللہ کی طرف سے ہے

وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ:...... اگر انہیں معمولی فتح یا مال غنیمت مل جائے تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اس کی تقدیر سے ایسا ہوا ہے چوں کہ اللہ نے ہمارے اندر بھلائی بھانپ لی تھی۔ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ: اگر انہیں شکست، بھوک یا اس جیسی کوئی برائی پہنچے تو کہتے ہیں یہ تو اس وجہ سے پہنچی جو ہم نے محمد کی اتباع کر دی تھی اور جو ہم اس کے دین میں داخل ہو گئے تھے، گویا یہ محمد اور اس کے دین کی بدشگونی ہے۔ سدی کہتے ہیں: منافقین کہتے! ہمیں برے حالات اس وجہ سے دیکھنے کو آئے جو ہم نے اپنا دین ترک کر دیا اور محمد کی پیروی کر دی، یہ مصیبت ہمیں اسی وجہ سے پہنچی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قوم فرعون کا حال بیان کیا ہے۔ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ: اگر فرعونیوں کو برائی پہنچتی تو موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں سے بدفالی لیتے کہ یہ تو ان کی نحوست ہے۔ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ ان کا زعم باطل مردود ہے اور انہیں دندان شکن جواب دو کہ خیر و شر تو اللہ کی طرف سے ہے۔ یعنی اے محمد! ان احمقوں سے کہو! اچھائی، برائی، نعمت، نحوست سب اللہ کی طرف سے ہے، خیر و شر کا خالق وہی ہے اس کے سوا کوئی خالق نہیں، صرف وہی نفع اور نقصان کا مالک ہے، سب شئون اسی کے ارادہ سے صادر ہوتے ہیں۔ فَمَالِ هٰۤؤُلَاۤءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا: کیا وجہ ہے یہ لوگ سمجھتے کیوں نہیں کہ سب کچھ اللہ کی تقدیر سے ہے۔ قلت فہم (نا سمجھی) پر منافقین کی توبیخ کی جا رہی ہے۔

ایمان کی حقیقت

اس کے بعد اللہ نے ایمان کی حقیقت بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا:
مَاۤ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَاۤ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ:...... آیت میں ہر سامع سے خطاب ہے یعنی اے انسان! تجھے اچھائی نیکی، انعام و احسان جو پہنچتا ہے یہ اللہ کے فضل و کرم اور احسان سے ہے اور تجھے جو مصیبت پہنچتی ہے یہ تیری ہی طرف سے ہوتی ہے چوں کہ

[1] مختصر ابن کثیر ۱/ ۴۱۳

تمہارے اعمال ہی اس کا سبب بنتے ہیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَصَابَكُمۡ مِّنۡ مُّصِيۡبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ وَيَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِيۡرٍ ؕ (سورۃ الشوریٰ، آیت ۳۰)

ترجمہ: ...... تمہیں جو مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے اعمال کی وجہ سے ہے حالاں کہ بہت ساری برائیاں تمہیں معاف کر دی جاتی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوری انسانیت کے نبی ہیں

اس کے بعد پیغمبر کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: وَاَرۡسَلۡنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوۡلًا ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيۡدًا: اے محمد! ہم نے تمہیں سارے انسانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے تاکہ تم اللہ کی شریعت اور دین ان تک پہنچاؤ۔ تمہاری رسالت پر اللہ بطور گواہ کافی ہے، اس کے بعد رسول کی اطاعت کی ترغیب دی گئی ہے۔ مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ: جس نے پیغمبر کا حکم مانا گویا اس نے اللہ کا حکم مانا کیوں کہ پیغمبر تو اللہ کا فرستادہ اور اس کا مبلغ ہوتا ہے۔ وَمَنۡ تَوَلّٰى فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ عَلَيۡهِمۡ حَفِيۡظًا: جس نے تمہاری فرماں برداری سے روگردانی کی تو اے محمد! ہم نے تمہیں ان کے اعمال کی حفاظت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا اور نہ ہی تمہیں ان کا حساب لینے والا بنا کر بھیجا ہے، تمہارے ذمہ تو پیغام پہنچا دینا ہے۔

منافقین کی مکاری

وَيَقُوۡلُوۡنَ طَاعَةٌ ۫ فَاِذَا بَرَزُوۡا مِنۡ عِنۡدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنۡهُمۡ غَيۡرَ الَّذِىۡ تَقُوۡلُ: ...... منافقین کہتے ہیں: اے محمد! تمہارا حکم ہم نے مان لیا۔ طَاعَةٌ ایسا ہی ہے جیسے کہا جاتا ہے سَمۡعًا وَّطَاعَةً: یعنی ہم نے حکم سن لیا اور مان لیا۔ جب وہ آپ کے پاس سے چلے جاتے ہیں تو ان میں سے ایک جماعت رات کو تمہاری بات کے خلاف مشورہ کرتی ہے، یہ مشورہ تمہاری مخالفت میں ہوتا ہے۔ وَاللّٰهُ يَكۡتُبُ مَا يُبَيِّتُوۡنَ: راتوں کو یہ لوگ جو مشورہ کرتے ہیں اللہ نے اپنے فرشتوں کو حکم دے رکھا ہے کہ نامہ ہائے اعمال میں اسے لکھ لیں تاکہ تو روز قیامت اس کا انہیں بدلہ دیا جائے۔ فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ وَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ: تم انہیں خاطر میں نہ لاؤ، اپنے معاملات اللہ کے سپرد کر دو اور اسی پر بھروسہ رکھو۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيۡلًا اَفَلَا يَتَدَبَّرُوۡنَ الۡقُرۡاٰنَ: اللہ تمہارا ان سے بدلہ لے گا وہ بطور مددگار کافی ہے اور جو اس پر بھروسہ کرتا ہے وہ اس کی مدد کرتا ہے۔ اس کے بعد اللہ نے منافقین کا ایک عیب اور نقص واضح کیا ہے کہ یہ قرآن میں فکر و تدبر نہیں کرتے۔ وَلَوۡ كَانَ مِنۡ عِنۡدِ غَيۡرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوۡا فِيۡهِ اخۡتِلَافًا كَثِيۡرًا: اگر یہ قرآن مختلف ہوتا جیسا کہ مشرکین کا گمان ہے تو اس میں بہت بڑا تناقض پاتے، یعنی اس کی اخبار، نظم حروف، اور معانی میں تناقض ہوتا، لیکن قرآن اس نقص سے پاک ہے، چنانچہ قرآن کی اخبار سچی ہیں اور نظم حروف بلیغ ہے اور اس کے معانی محکم ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن اللہ کی طرف سے منزل ہے۔

افواہ پھیلانے کی مذمت

وَاِذَا جَآءَهُمۡ اَمۡرٌ مِّنَ الۡاَمۡنِ اَوِ الۡخَـوۡفِ اَذَاعُوۡا بِهٖ: ...... منافقین کو جب مؤمنین کی فتح یا غنیمت یا شکست کی اڑتی ہوئی خبر آ جاتی ہے تو اسے خوب پھیلاتے ہیں، اس کی حقیقت تک رسائی نہیں حاصل کرتے، بے تکی خبریں مسلمانوں کے لیے باعث فساد ہیں۔ وَلَوۡ رَدُّوۡهُ اِلَى الرَّسُوۡلِ وَاِلٰٓى اُولِى الۡاَمۡرِ مِنۡهُمۡ لَعَلِمَهُ الَّذِيۡنَ يَسۡتَنۡبِطُوۡنَهٗ مِنۡهُمۡ: جو خبر منافقین کو پہنچی اگر وہ اسے موضوع گفتگو بنانا چھوڑ دیں بلکہ یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے جائیں یا اکابر صحابہ کے پاس لے جائیں یا اہل بصیرت کے پاس لے جائیں تو ان لوگوں میں سے جو اس کی کھوج لگانے والے ہیں وہ اس کی حقیقت سے آگاہ ہو جائیں۔ وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَرَحۡمَتُهٗ لَاتَّبَعۡتُمُ الشَّيۡطٰنَ اِلَّا قَلِيۡلًا: اے مؤمنین! پیغمبر کو بھیج کر اور قرآن نازل کر کے اگر اللہ نے تمہارے اوپر اپنا فضل و رحمت نہ کی ہوتی تو تم شیطان کی اتباع میں فواحش کا ارتکاب کرتے ہوتے اور تم میں سے تھوڑے لوگ ہی بچ پاتے۔ اس کے بعد اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جہاد کا حکم دیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے فَقَاتِلۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفۡسَكَ: اے محمد! اللہ کے کلمہ کی سربلندی کے لیے جہاد کرو اگرچہ تمہیں تنہا ہی کیوں نہ لڑنا پڑے، تمہارے ساتھ فتح و نصرت کا وعدہ کیا گیا ہے، منافقین کے جہاد میں نہ جانے پر غمزدہ مت ہو۔ وَحَرِّضِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ: مؤمنین کو جہاد پر ابھارو اور ترغیب دو۔ عَسَى اللّٰهُ اَنۡ يَّكُفَّ بَاۡسَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا: عنقریب اللہ کفار کی

جنگ کا زور توڑ دے گا۔ اس آیت میں کفار کا زور توڑ دینے کا وعدہ ہے۔ عَسَی تحقیق کا فائدہ دیتا ہے یعنی جب تم مؤمنوں کو جہاد پر ابھارو گے اس کا اثر یہ ہوگا کہ اللہ کفار کی جنگ کا زور توڑ دے گا۔ چنانچہ غزوۂ بدر اور فتح مکہ کے مواقع پر کفار کا زور ختم ہو گیا۔ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا: اللہ تعالیٰ زبردست قوت اور سطوت کا مالک ہے، اس کا عذاب اور سزا بہت سخت ہے۔

سفارش کرنے کا بیان

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا: ...... جو شخص شریعت کے موافق لوگوں کی سفارش کرتا ہے اس میں سفارش کنندہ کا بھی حصہ ہوتا ہے۔ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا: جو شخص شریعت کے مخالف سفارش کرتا ہے اس کے گناہ میں اس کا بھی حصہ ہوتا ہے۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا: اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے لہٰذا ہر شخص کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دے گا۔

سلام کرنے کے آداب

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا: ...... جب کوئی مسلمان تمہیں سلام کرے تو اسے اس سے بہتر جواب دو یا کم از کم اسی کی بمثل سلام کا جواب دو۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا: اللہ تعالیٰ بندوں کے چھوٹے بڑے اعمال کا پورا پورا حساب لے گا۔ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ: اللہ نے قسم اٹھائی ہے کہ قیامت کے دن مخلوقات کو ضرور میدان حشر میں جمع کرے گا، یعنی وہ اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ یکتا ہے ضرور تمہیں قبروں سے اٹھا کر حساب کے لیے جمع کرے گا، اس میں کوئی شک و شبہ نہیں، اولین وآخرین کو ایک میدان میں جمع کرے گا مخلوقات سے حساب لے گا، انہیں جزا یا سزا دے گا۔ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا: استفہام بمعنی نفی ہے یعنی اللہ سے زیادہ سچا اور وعدے کا پکا کوئی نہیں وہ تو تمام جہانوں کا پالنہار ہے۔

بلاغت: ...... ان آیات میں فصاحت وبلاغت کے مختلف پہلو نمایاں ہیں۔ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ: میں استعارہ ہے آیت میں ''شراء'' کا لفظ مبادلہ کے لیے استعمال کیا گیا ہے بلکہ یہ تو لطیف استعارہ ہے۔ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً: میں تشبیہ مرسل ہے۔ اِلْاَمْنِ اَوِالْخَوْفِ: میں طباق ہے۔ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ، حُيِّيْتُمْ فَحَيُّوْا، يَّشْفَعْ شَفَاعَةً: میں تجنیس اشتقاق ہے۔ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ: میں استفہام برائے انکار ہے۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ: میں صنعت مقابلہ ہے اسی طرح مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا: میں بھی مقابلہ ہے یعنی پہلے ایک معنی لایا گیا ہے پھر اس کے مقابل میں دوسرا معنی۔

تنبیہ: قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ: ...... اور وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ: میں بظاہر تعارض لگتا ہے، حقیقت میں کوئی تعارض نہیں کیوں کہ پہلی آیت میں خلق وایجاد کی نسبت اللہ کی طرف ہے یعنی اللہ ہر چیز کا خالق ہے، خیر وشر کا وہی خالق ہے۔ جب کہ دوسری آیت میں سبب وکسب کی نسبت مخلوق کی طرف ہے۔ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ: یا یوں کہا جائے گا کہ ادب کی رعایت کرتے ہوئے برائی کی نسبت مخلوق کی طرف کی گئی ہے اور اچھائی کی نسبت اللہ کی طرف، اگرچہ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے جیسا کہ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے: الخير كله بيدك والشر ليس اليك یعنی ساری بھلائی تیری طرف سے ہے اور برائی تیری طرف سے نہیں۔ واللہ اعلم۔

منافقین کے شنیع اعمال کا تذکرہ اور قتل خطا وقتل عمد کا بیان

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَاۗءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ

أَوْلِيَاءَ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ ۖ وَلَا تَتَّخِذُوا
مِنْهُمْ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿٨٩﴾ إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ
صُدُورُهُمْ أَنْ يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتَلُوكُمْ ۚ فَإِنِ
اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ﴿٩٠﴾ سَتَجِدُونَ
آخَرِينَ يُرِيدُونَ أَنْ يَأْمَنُوكُمْ وَيَأْمَنُوا قَوْمَهُمْ ۚ كُلَّمَا رُدُّوا إِلَى الْفِتْنَةِ أُرْكِسُوا فِيهَا ۚ فَإِنْ لَمْ
يَعْتَزِلُوكُمْ وَيُلْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوا أَيْدِيَهُمْ فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ ۚ وَأُولَٰئِكُمْ
جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُبِينًا ﴿٩١﴾ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا
خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا ۚ فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ
وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ۚ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ
أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ۖ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِنَ اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا
حَكِيمًا ﴿٩٢﴾ وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ
عَذَابًا عَظِيمًا ﴿٩٣﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ
السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ ۚ كَذَٰلِكَ كُنْتُمْ
مِنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿٩٤﴾ لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ
الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۚ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ
بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً ۚ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى
الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٩٥﴾ دَرَجَاتٍ مِنْهُ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿٩٦﴾

ترجمہ: ......سومنافقین کے بارے میں تم کو کیا ہوا کہ دو گروہ بن گئے اور اللہ نے ان کے کرتوتوں کی وجہ سے انہیں الٹا پھیر دیا، کیا تم چاہتے ہو کہ اُسے ہدایت پر لے آؤ جسے اللہ نے گمراہ کر دیا اور جسے اللہ گمراہ کر دے سو تو اس کے لیے کوئی راستہ نہ پائے گا۔﴿٨٨﴾ اُن کی خواہش ہے کہ کاش! تم کافر ہو جاؤ جیسا کہ انہوں نے کفر اختیار کیا پھر تم سب برابر ہو جاؤ، سو تم اُن میں سے دوست نہ بناؤ یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اللہ کے راستے میں، سو اگر وہ اعراض کریں تو اُن کو پکڑو اور اُن کو قتل کرو جہاں بھی تم اُن کو پاؤ، اور نہ بناؤ اُن میں سے کسی کو دوست اور نہ مددگار۔﴿٨٩﴾ مگر جو لوگ ایسے ہیں جو اُن لوگوں سے میل ملاپ رکھتے ہیں جن کے اور تمہارے درمیان عہد ہے یا تمہارے پاس اس حال میں آ جائیں کہ اُن کے دل تمہارے ساتھ اور اپنی قوم کے ساتھ جنگ کرنے سے رک رہے ہوں، اور اگر اللہ چاہتا تو ان کو تم پر مسلط فرما دیتا سو وہ ضرور تم سے لڑتے پس اگر وہ تم سے الگ رہیں سو

تم سے قتال نہ کریں اور تمہارے ساتھ سلامت روی کا معاملہ رکھیں تو اللہ نے تمہارے لیے ان پر کوئی راہ نہیں دی۔⁽⁹⁰⁾ عنقریب تم دوسرے لوگوں کو پاؤ گے جو یہ چاہیں گے کہ تمہاری طرف سے بے خطر ہو کر رہیں اور اپنی قوم سے بھی بے خطر ہو کر رہیں، جب کبھی لوٹائے جائیں فتنے کی طرف تو اُس کی طرف واپس لوٹ جائیں، سو اگر وہ تم سے یکسو نہ ہوں اور تمہاری طرف سلامت روی کا معاملہ نہ رکھیں اور اپنے ہاتھوں کو نہ روکیں سو ان کو پکڑو اور قتل کرو جہاں بھی ان کو پاؤ، اور یہ وہ لوگ ہیں جن پر ہم نے تمہارے لیے ایسی حجت دے دی ہے جو واضح ہے۔⁽⁹¹⁾ اور کسی مؤمن کی شان نہیں ہے کہ وہ کسی مؤمن کو قتل کرے مگر خطا کے طور پر اور جو شخص کسی مؤمن کو بطور خطا قتل کر دے تو اس پر واجب ہے کہ ایک مؤمن غلام آزاد کرے اور اس کے خاندان والوں کو دیت ادا کرے، إلّا یہ کہ وہ لوگ معاف کر دیں، اور اگر وہ مقتول ایسی قوم میں سے ہو جو تمہارے مخالف ہیں اور وہ شخص خود مؤمن ہے تو ایک مؤمن غلام آزاد کرنا واجب ہے، اور اگر وہ ایسی قوم سے ہو کہ تمہارے اور اُن کے درمیان معاہدہ ہو تو دیت بھی واجب ہے جو اس کے خاندان والوں کو سپرد کر دی جائے اور ایک مؤمن غلام آزاد کرنا بھی واجب ہے، پھر جس شخص کو غلام نہ ملے تو وہ لگا تار دو ماہ کے روزے رکھے بطریق توبہ کے جو اللہ کی طرف سے مقرر ہوئی ہے اور اللہ علم والا اور حکمت والا ہے۔⁽⁹²⁾ اور جو شخص کسی مؤمن کو قصداً قتل کر دے تو اس کی جزا جہنم ہے اس میں ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب ہوگا اور اس پر اللہ کی لعنت ہوگی، اور اس کے لیے اللہ نے بڑا عذاب تیار فرمایا ہے۔⁽⁹³⁾ اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں سفر کرو تو تحقیق کر لیا کرو، اور جو شخص تمہارے سامنے اطاعت ظاہر کرے اُسے یوں نہ کہو کہ تو مؤمن نہیں ہے، تم دنیا والی زندگی کا سامان تلاش کرتے ہو، سو اللہ کے پاس غنیمت کے بہت مال ہیں، اس سے پہلے تم ایسے ہی تھے، سو اللہ نے تم پر احسان فرمایا، سو خوب تحقیق کر لیا کرو، بے شک اللہ ان کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔⁽⁹⁴⁾ جو مسلمان عذر والے نہیں ہیں، ان میں جو بیٹھ رہنے والے ہیں اور جو اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں برابر نہیں ہیں، جو لوگ اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرنے والے ہیں ان کو بیٹھے رہ جانے والوں پر اللہ نے بڑے درجہ کی فضیلت دی ہے اور سب سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا اور اللہ نے فضیلت دی ہے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہ جانے والوں پر اجرِ عظیم عطا فرما کر۔⁽⁹⁵⁾ جو اس کی طرف سے درجات اور بخشش اور مہربانی کی صورت میں ملے گا، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔⁽⁹⁶⁾

ربط وتعارف: ...... قبل ازیں اللہ تعالیٰ نے منافقین کا معاندانہ اور رسوا کن طرز عمل اور کردار واضح کیا ہے، اب ان کے چند شنیع اعمال کا تذکرہ کیا جا رہا ہے، پھر قتل خطا اور قتل عمد کا حکم بیان کیا گیا ہے، کسی انسان کو قتل کرنے کے اقدام پر غور وفکر اور تحقیق کا حکم دیا گیا ہے تا کہ بھولے میں کوئی مسلمان قتل نہ کر دیا جائے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے مراتب بیان کیے ہیں۔

لغت: أَرْكَسَهُمْ : ...... مجرد "الرکس" ہے بمعنی کسی چیز کو الٹ دینا، یعنی انہیں کفر کی طرف لوٹا دیا، ایک شاعر کہتا ہے:

فأركسوا في حميم النار انهم کانوا عصاةً وقالوا الا فك والزور[1]

انہیں دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ میں لوٹا دیا گیا ہے کیوں کہ وہ گناہ گار تھے، بہتان باندھتے تھے اور جھوٹ بولتے تھے۔

حَصِرَتْ : ...... تنگ ہوئی۔ **السَّلَمَ :** انقیاد، سر تسلیم خم کرنا۔ **ثَقِفْتُمُوهُمْ :** تم انہیں پاؤ۔ **فَتَبَيَّنُوْا :** تحقیق ووضاحت کر لو۔

شانِ نزول: (الف) ...... حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ غزوۂ احد کے موقع پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ساتھ تشریف لے گئے، لوگوں میں سے کچھ (جو منافقین تھے) واپس ہو گئے، صحابہ رضی اللہ عنہم واپس لوٹنے والوں کے بارے میں دو جماعتوں میں بٹ گئے، بعض کہنے لگے: ہم انہیں قتل کریں گے، بعض کہنے لگے: نہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ أَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ۔ أَتُرِيْدُوْنَ أَنْ تَهْدُوْا مَنْ أَضَلَّ اللّٰهُ ۔ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا⁽⁸⁸⁾

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غزوۂ احد پاکیزہ چیز ہے جس نے گندگی دور کر دی ہے جیسے آگ لوہے کے میل کو دور کر دیتی ہے۔ (اخرجه الشيخان)

(ب) ...... حدیث روایت کی جاتی ہے کہ حارث بن یزید حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت مخالف تھا تاہم وہ ایک مرتبہ اسلام قبول کرنے کے ارادے سے ہجرت کر آیا، راستے میں اسے عیاش بن ابی ربیعہ ملے، حارث تو اسلام قبول کرنے کے ارادہ سے آیا تھا لیکن عیاش رضی اللہ عنہ کو اس کا علم نہیں تھا،

---

[1] یہ امیۃ بن ابی صلت کا شعر ہے۔

چنانچہ عیاش رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَھُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَھْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِــيْمًا حَكِــيْمًا ﴿۹۲﴾[1]

(ج)...... ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ ایک شخص اپنی بکریاں چرا رہا تھا، مسلمان اس کے پاس گئے، اس نے کہا: السلام علیکم، تاہم صحابہ سمجھے یہ جان بچانے کے لیے سلام کر رہا ہے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسے قتل کر دیا اور اس کی بکریاں لے لیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ۭ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾[2]

منافقین سے متعلق مسلمانوں کو ہدایت

تفسیر: فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَھُمْ بِمَا كَسَبُوْا:...... اے مؤمنین! تمہیں کیا ہو گیا ہے، تم دو جماعتوں میں بٹ گئے ہو، تم میں سے بعض کہتے ہیں کہ ہم ان منافقین کو جو واپس چلے گئے قتل کریں گے اور بعض کہتے ہیں کہ قتل نہیں کریں گے، حال یہ ہے کہ وہ منافقین ہیں، اللہ نے ان کے نفاق کی وجہ سے انہیں کفر کی طرف لوٹا دیا ہے۔ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ: جس شخص کو اللہ نے گمراہ کر دیا ہو کیا تم اس کی ہدایت چاہتے ہو؟ دونوں جگہوں میں استفہام برائے انکار و توبیخ ہے، معنی یہ ہے: تم منافقین کے معاملہ میں اختلاف نہ کرو اور ان کے بارے میں بھلائی کا گمان مت رکھو، چوں کہ اللہ نے ان کی گمراہی کا فیصلہ کر لیا ہے۔ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا: جس کو اللہ نے گمراہ کر دیا ہو (اس کی خواہش و عمل کے مطابق) پھر تم اس کی ہدایت کا راستہ نہیں پا سکتے۔ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَاۗءً: یہ منافقین خواہش رکھتے ہیں کہ تم بھی ان کی طرح کافر ہو جاؤ پھر تم اور وہ برابر کفار رہو۔ فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْھُمْ اَوْلِيَاۗءَ حَتّٰي يُھَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: تم انہیں اس وقت تک دوست نہ بناؤ جب تک وہ ایمان نہ قبول کر لیں اور ہجرت و جہاد فی سبیل اللہ میں براہ راست شریک ہو کر اپنا ایمان ثابت نہ کر دیں۔

منافقین سے قتال کا حکم

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْھُمْ وَاقْتُلُوْھُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْھُمْ:...... اگر یہ لوگ اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے سے گریز کریں تو اے مؤمنو! جہاں بھی انہیں پاؤ، انہیں پکڑو اور قتل کر دو خواہ حدود حرم میں پکڑے جائیں یا باہر۔ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْھُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا: نہ ہی ان سے مدد طلب کرو اور نہ ہی ان سے کسی قسم کی خیر خواہی کی امید رکھو، اپنے معاملات میں ان سے مدد مت چاہو اگرچہ وہ تمہاری مدد اور حمایت کا عندیہ ہی کیوں نہ دیں۔

معاہدہ قوموں سے قتال کی ممانعت

اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَھُمْ مِّيْثَاقٌ:...... ہاں البتہ ایسے لوگ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جو ایسی قوم کے ساتھ جا ملے ہوں اور ان کی پناہ میں آ گئے ہوں جن کے ساتھ تمہارا معاہدہ صلح ہو، اس صورت میں پناہ گزینوں کا حکم پناہ دہندگان جیسا ہو گا یعنی ان کی جانیں محفوظ ہو جائیں گی۔ اَوْ جَاۗءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُھُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَھُمْ: یہ بھی استثنا ہے اور قتل سے استثنا ہے، ہاں البتہ وہ لوگ تمہارے پاس اس حالت میں آئیں کہ وہ تمہارے ساتھ جنگ کرنے اور اپنی قوم کے ساتھ جنگ کرنے سے بیزار ہوں، چنانچہ یہ لوگ تمہارے ساتھ ہوں گے اور نہ ہی تمہارے خلاف۔ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَھُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ: یہ اللہ کا تمہارے اوپر لطف و کرم ہے کہ اس نے ان لوگوں کو تمہارے ساتھ

---

[1] اسباب النزول ص ۹۷ [2] رواہ البخاری

جنگ کرنے سے باز رکھا ہے ورنہ اللہ چاہتا تو انہیں قوت دے کر تمہارے اوپر مسلط کر دیتا اور وہ تمہارے ساتھ لڑتے۔ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا: اگر وہ تمہارے ساتھ جنگی تعرض نہ کریں بلکہ سر تسلیم خم کر دیں اور امن کی پیشکش کریں تو تمہیں ان کے خلاف کسی قسم کی کارروائی کرنے کا اختیار نہیں، جب تک وہ صلح پر قائم رہیں ان کے ساتھ جنگ نہیں کر سکتے۔

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ: ...... تم منافقین میں سے کچھ دوسرے لوگ بھی پاؤ گے جو اپنا ایمان ظاہر کر کے تم سے محفوظ رہنا چاہتے ہیں اور کفر ظاہر کر کے اپنی قوم سے محفوظ رہنا چاہتے ہیں۔ ابو مسعود کہتے ہیں: یہ لوگ قبیلہ بنو اسد اور قبیلہ غطفان سے تھے، جب مدینہ آتے اسلام ظاہر کرتے، مسلمانوں کے ساتھ معاہدے کر لیتے تاکہ محفوظ رہیں اور جب اپنی قوم کے پاس لوٹتے کفر پر آ جاتے اور اپنے معاہدے توڑ دیتے تاکہ اپنی قوم سے محفوظ رہیں۔

كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا: ...... انہیں جب بھی کفر یا مسلمانوں کے خلاف لڑنے کی دعوت دی جاتی ہے تو اس میں فوراً کود پڑتے ہیں، یہ تو بُرے دشمن سے بھی بدتر ہیں۔ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ: اور اگر یہ لوگ تمہارے خلاف لڑنے سے باز نہ آئیں اور نہ ہی تمہیں صلح کی پیش کش کریں اور جنگ سے اپنے ہاتھ بھی نہ روکیں۔ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ: تو انہیں گرفتار کرو جہاں بھی پاؤ انہیں قتل کر دو۔ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا: ہم نے تمہیں ان کی داروگیری اور قتل پر کھلا اختیار دے دیا ہے اور ان کے دھوکے اور خیانت کی وجہ سے ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کرو، ان پر حجت تمام ہو چکی ہے۔ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا: کسی مؤمن کے شایان شان نہیں کہ وہ کسی دوسرے مؤمن کو قتل کر دے الا یہ کہ بھول چوک سے کسی مؤمن کو قتل کر دے، کیوں کہ ایمان دوسرے مسلمان پر زیادتی کرنے سے باز رکھتا ہے۔

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا: ...... جس شخص نے کسی مؤمن کو بھول چوک سے (قتل خطا کے طور پر) قتل کر دیا تو اس کے ذمہ مسلمان غلام (یا باندی) کو آزاد کرنا واجب ہے کیوں کہ اس نے ایک جان ضائع کی ہے لہٰذا اس کے بدلے میں دوسری جان کو زندگی بخشے چنانچہ غلام کو آزاد کرنا اسے زندہ کرنے کے مترادف ہے۔ اسی طرح قاتل کے ذمہ مقتول کے ورثا کو پوری دیت دینا واجب ہے۔ ہاں البتہ اگر مقتول کے ورثا دیت معاف کر دیں تو ساقط ہو جائے گی۔ قتل خطا پر شارع نے دو چیزیں واجب کی ہیں۔ (۱) ...... کفارہ اور وہ مؤمن غلام آزاد کرنا ہے جو قاتل کے مال سے ہو۔ (۲) ...... دیت جس کی مقدار عاقلہ کے ذمہ سو اونٹ ہیں۔ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ: جو شخص غلام (یا باندی) نہ پائے اس پر واجب ہے کہ لگاتار دو ماہ روزے رکھے۔ روزے غلام آزاد کرنے کے بدلے میں رکھے جائیں گے، اللہ تعالیٰ نے شریعت کا یہ حکم تمہارے اوپر بطور توبہ کے لاگو کیا ہے۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا: اللہ اپنی مخلوق کا علم رکھتا ہے اور اپنی شریعت کے احکام حکمت کے مطابق جاری کرتا رہے۔

قتل عمد کا حکم

اس کے بعد اس نے قتل عمد کا حکم بیان کیا ہے جو زبردست جرم ہے اور اس کی سخت سزا بھی بیان فرمائی۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا: جس شخص نے جان بوجھ کر کسی مؤمن کو قتل کرنے کا اقدام کیا اور اسے اس کے مؤمن ہونے کا علم بھی ہو، اس کا بدلہ جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ پڑا رہے گا۔ جمہور علما کے نزدیک یہ ایک ایسے شخص کے متعلق ہے جو مؤمن کے قتل کو حلال سمجھتا ہو، جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے، کیوں کہ مؤمن کے قتل کرنے کو حلال سمجھنے والا کافر ہو جاتا ہے۔ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا: ایسے شخص پر اللہ تعالیٰ کی شدید ناراضی ہوتی ہے اور وہ اللہ کی رحمت سے دور رہتا ہے۔ اور اسے آخرت میں سخت عذاب ہوگا۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا: جب تم جہاد کی غرض سے سفر کرو تاکہ دشمنوں سے جنگ کرو تو اچھی طرح سے تحقیق کر لیا کرو کہ آیا جس شخص کو تم قتل کرنا چاہتے ہو وہ مؤمن ہے یا کافر ہے۔

بلا تحقیق کسی کو کافر نہ کہو

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا: ......جو شخص تمہیں اسلام کے مقرر کردہ طریقے کے مطابق سلام کرے اسے مت کہو کہ تو مؤمن نہیں ہے، اور تو نے سلام قتل کے ڈر کی وجہ سے ہمیں دھوکا دینے کے لیے کیا ہے، اور یوں تم اسے بالآخر قتل کر دو۔

تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا: ......اس حال میں کہ تم دنیا کے مال کے طلب گار ہو اور یاد رکھو دنیا کا مال بہت جلد ختم ہو جانے والا ہے۔ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ: جب کہ اللہ کے پاس تو اس سے بدر جہا بہتر چیز ہے اور وہ اللہ کا تیار کردہ ثواب عظیم اور نعمتوں والی بخششیں ہیں۔ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا: اسی طرح تم کفار تھے اللہ نے تمہیں دولت اسلام سے مالا مال کیا، تمہیں دولت ایمان سے نواز کر تمہارے اوپر احسان کیا، لہٰذا تحقیق کر لیا کرو کہ کہیں تم کسی مؤمن کو قتل نہ کر دو، اپنے اوپر اس کو قیاس کر لیا کرو۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا: اللہ تمہارے اعمال پر مطلع ہے وہ تمہیں پورا پورا بدلہ دے گا۔

مجاہدین کے فضائل و درجات

اس کے بعد اللہ نے مجاہدین کے فضائل بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے: لَا يَسْتَوِى الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ: مؤمنین میں سے وہ شخص جو گھر بیٹھا رہے اور جہاد میں شریک نہ ہو جبکہ اسے کوئی عذر بھی لاحق نہ ہو وہ ایسے شخص کے برابر نہیں ہو سکتا جو اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہو، عذر جو معتبر سمجھا گیا ہے جیسے نابینا ہونا، لنگڑا پن اور بیماری۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: بیٹھے رہنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو جنگ بدر میں شریک نہیں ہوئے اور جو جہاد میں شریک رہے ان کو برتری دی گئی ہے، جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا مجھے رخصت حاصل ہے؟ اللہ کی قسم اگر میں استطاعت رکھتا تو میں ضرور جہاد کے لیے نکلتا، ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا تھے، اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ۔

فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً: ......اللہ نے ایسے لوگوں کو جو اپنے اموال اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں معذورین جو اپنے گھروں میں بیٹھے رہیں پر ایک درجہ فضیلت دی ہے، چوں کہ نیت میں یہ سب برابر ہیں جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: مدینہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ تم نے جو سفر بھی کیا ہے اور جس وادی کو بھی تم نے طے کیا ہے وہ تمہارے ساتھ ضرور رہے ہیں، صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا وہ مدینہ میں ہیں آپ نے فرمایا: جی ہاں! انہیں دشمن نے روک رکھا ہے۔[1] وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى: یعنی مجاہدین اور وہ لوگ جو عذر کی وجہ سے بیٹھے رہیں سب سے اللہ نے اچھائی اور نیکی کا وعدہ کر رکھا ہے، آخرت میں انہیں اچھا بدلہ ملے گا۔ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا: مجاہدین کو اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں پر اجر عظیم میں فضیلت عطا فرمائی ہے جو بغیر کسی عذر کے جہاد میں شریک نہیں ہوئے۔ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ۔ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا: اللہ نے خصوصیت کے ساتھ مجاہدین کو بڑے درجے اور مراتب عطا فرمائے ہیں اس کے ساتھ ساتھ انہیں مغفرت اور رحمت بھی عطا فرمائی ہے، چنانچہ حدیث میں ہے:

جنت کے سو درجات ہیں جو اللہ نے اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لیے تیار کر رکھے ہیں، ہر دو درجوں کے درمیان اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان کے درمیان ہے۔[2]

بلاغت: ......ان آیات میں بلاغت، بیان اور بدیع کے مختلف پہلو نمایاں ہیں فَمَا لَكُمْ فِى الْمُنٰفِقِيْنَ: میں استفہام برائے انکار ہے اسی طرح اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا: میں بھی۔ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ اور اَلْقَاعِدُوْنَ ......اَلْمُجَاهِدُوْنَ میں صنعت طباق ہے۔ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا: اور مَغْفِرَةً ......غَفُوْرًا: میں جناس مغایر ہے۔ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ۔ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ

---

[1] اخرجہ البخاری [2] اخرجہ النسائی

الْحُسْنٰی ۔ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ میں اطناب ہے۔ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: میں استعارہ ہے۔ الضرب کو "قتال کی سعی" کے لیے استعارہ لیا گیا ہے۔ الضرب میں استعارہ ہے جہاد کے لیے۔ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ: میں مجاز مرسل ہے، جزو بول کر کل مراد لیا گیا ہے۔

فوائد:......اسلام کے نقطۂ نظر میں قتل عمد جرم عظیم ہے، اسی لیے قتل عمد کی سزا نہایت شدید رکھی گی ہے، چنانچہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے کسی مؤمن کو قتل کرنے پر آدھے کلمہ کے برابر بھی مدد کی وہ قیامت کے دن آئے گا اس حال میں کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا "اللہ کی رحمت سے محروم۔" ایک اور حدیث میں ہے: ساری دنیا کا ختم ہوجانا اللہ کے نزدیک مؤمن کے قتل سے ہیچ ہے۔ اسی لیے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فتویٰ دیا تھا کہ قاتل کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس جرم عظیم سے محفوظ رکھے۔

قتل خطا میں مؤمن غلام آزاد کرنے کی حکمت

تنبیہ:......قتل خطا کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے مؤمن غلام آزاد کرنے کا حکم دیا ہے، اس کی حکمت یہ ہے کہ: قاتل نے زندوں میں سے ایک مؤمن جان کا خاتمہ کیا ہے لہٰذا اس کے ذمہ لازمی ٹھہرا کہ وہ اسی جیسی زندہ اور آزاد جان کھڑی کرے، چنانچہ غلامی موت کے مترادف ہے، غلام کو آزاد کرنا گویا اسے زندگی عطا کرنا ہے۔ نیز اسلام نے غلام کو حقوق عطا کیے ہیں جب کہ دوسرے ادیان میں غلام کو ایسے حقوق حاصل نہیں۔ چنانچہ غلاموں کے حقوق میں قرآنی آیت سے بڑھ کر کوئی اور نہیں چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّیْ رِزْقِهِمْ عَلٰی مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ: رسول کریم ﷺ نے مرض الوفات میں فرمایا تھا: نماز قائم کرو، نماز قائم کرو، اور اپنے غلاموں کے معاملہ میں ڈرو، ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالو۔ جو شخص سیاہ فام امریکیوں کی امریکا میں بدحالی سے واقف ہے وہ ہمارے موقف کو زیادہ واضح سمجھ سکتا ہے، عجیب طرفہ تماشا ہے اہل مغرب غلامی کو حرام قرار دیتے ہیں جب کہ وہ خود آزاد افراد کو غلام بنائے جارہے ہیں، فرد کی بجائے جماعتوں، قوموں اور قبیلوں کو غلام بنا رہے ہیں، اسے نوآبادیاتی کا نام دیتے ہیں۔ یہ کہاں کی تہذیب ہے، اس بے حقیقت مدنیت کو اسلامی تہذیب سے کیا واسطہ، ان کی تہذیب تو جغرافیائی اور قبیلائی حدود اور قومیت پر استوار ہے۔

ہجرت کے ثمرات اور اس کی ترغیب، صلوٰۃ خوف کا بیان

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ۭ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِی الْاَرْضِ ۭ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ۭ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿٩٧﴾ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿٩٨﴾ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿٩٩﴾ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۭ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٠٠﴾ ع وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ڰ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿١٠١﴾ وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۣ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ ۠ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ

يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَنْ تَضَعُوْۤا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۰۲﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ وَلَا تَهِنُوْا فِى ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۰۴﴾ اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ۙ﴿۱۰۵﴾ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۚ﴿۱۰۶﴾ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۚۙ﴿۱۰۷﴾ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿۱۰۸﴾ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۟ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓــئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓــئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۚ﴿۱۱۲﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَیْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾

ترجمہ: ...... بے شک فرشتے جن لوگوں کی جان ایسی حالت میں قبض کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی جان پر ظلم کر رکھا تھا ان سے فرشتے کہتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے وہ کہتے ہیں کہ ہم بے بس تھے زمین میں، فرشتے کہتے ہیں کہ کیا اللہ کی زمین کشادہ نہیں تھی کہ تم ترک وطن کر کے دوسری جگہ چلے جاتے، سو یہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بُری جگہ ہے۔﴿۹۷﴾ لیکن جو مرد اور عورتیں اور بچے قادر نہ ہوں کہ کوئی تدبیر کر سکیں اور نہ راستے سے واقف ہوں۔﴿۹۸﴾ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمائے گا اور اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔﴿۹۹﴾ اور جو شخص اللہ کی راہ میں وطن چھوڑے وہ زمین میں جانے کی بہت سی جگہ پائے گا اور اُسے بہت کشادگی ملے گی، اور جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرنے کی نیت سے نکل کھڑا ہو پھر اس کو موت آ پکڑے تو یقینی طور پر اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ثابت ہو گیا اور اللہ بڑا بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔﴿۱۰۰﴾ اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ نماز میں قصر کر لو اگر تم کو اس بات کا خوف ہے کہ کافر لوگ تمہیں فتنہ میں ڈال دیں گے، بے شک کافر تمہارے کھلے ہوئے دشمن ہیں۔﴿۱۰۱﴾ اور جب آپ اُن میں موجود ہوں پھر ان کے لیے نماز قائم کریں تو چاہیے کہ اُن میں سے ایک

جماعت آپ کے ساتھ کھڑی ہو جائے اور یہ لوگ اپنے ہتھیار لے لیں، پھر جب سجدہ کر چکیں تو یہ تمہارے پیچھے ہو جائیں اور دوسری جماعت آ جائے جنہوں نے نماز نہیں پڑھی، سو وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھیں، اور اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار ساتھ لے لیں، کافروں کی یہ خواہش ہے کہ اگر تم اپنے ہتھیاروں سے اور اسباب سے غافل ہو جاؤ تو تم پر یک بارگی حملہ کر بیٹھیں، اور تم پر اس بات کا کوئی گناہ نہیں کہ اگر بارش سے تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو اپنے ہتھیار رکھ دو اور اپنے بچاؤ کا سامان لے لو، بے شک اللہ نے کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار فرمایا ہے۔ (۱۰۲) سو جب تم نماز ادا کر چکو تو اللہ کو یاد کرو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر، پھر جب مطمئن ہو جاؤ تو نماز قائم کرو، بے شک نماز مؤمنین پر فرض ہے جس کا وقت مقرر ہے۔ (۱۰۳) اور دشمنوں کا پیچھا کرنے میں سستی نہ کرو، اگر تم کو تکلیف ہوتی ہے تو ان کو بھی تکلیف ہوتی ہے جیسا کہ تمہیں تکلیف ہوتی ہے، اور تم اللہ سے وہ امید رکھتے ہو جو وہ امید نہیں رکھتے، اور اللہ علیم ہے حکیم ہے۔ (۱۰۴) بلاشبہ ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب اُتاری تا کہ آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ دیں جو اللہ نے آپ کو سمجھایا، اور نہ ہو جایئے خیانت کرنے والوں کے طرف دار۔ (۱۰۵) اور اللہ سے استغفار کیجیے، بے شک اللہ بخشنے والا ہے مہربان ہے۔ (۱۰۶) اور آپ اُن لوگوں کی طرف سے جواب دہی نہ کیجیے جو اپنی جانوں کی خیانت کر رہے ہیں بے شک اللہ پسند نہیں فرماتا اس شخص کو جو خیانت کرنے والا گنہگار ہو۔ (۱۰۷) جو شرماتے ہیں لوگوں سے اور اللہ سے نہیں شرماتے حالانکہ وہ ان کے ساتھ ہے جبکہ وہ راتوں کو اس بات کا مشورہ کرتے ہیں جس سے اللہ راضی نہیں ہے، اور اللہ اُن کے سب کاموں کو جاننے والا ہے۔ (۱۰۸) خبردار تم وہ لوگ ہو جو جھگڑتے ہو اُن کی طرف سے دنیا والی زندگی میں سو کون جھگڑے گا اُن کی طرف سے قیامت کے دن یا کون ہو گا ان کا کارساز۔ (۱۰۹) اور جو شخص کوئی گناہ کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ سے مغفرت چاہے تو اللہ کو پائے گا بخشنے والا مہربان۔ (۱۱۰) اور جو شخص کوئی گناہ کرے تو یہ گناہ کرنا اسی پر پڑے گا۔ اور اللہ علیم ہے حکیم ہے، (۱۱۱) اور جو کوئی شخص چھوٹا گناہ کرے یا بڑا گناہ کرے پھر کسی بَری آدمی کو اس کی تہمت لگا دے تو اس نے بڑا بہتان اور صریح گناہ اپنے اوپر لاد لیا۔ (۱۱۲) اور اگر آپ پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو اُن میں سے ایک گروہ نے یہ ارادہ کر ہی لیا تھا کہ آپ کو بہکا دیں، اور وہ نہیں بہکاتے مگر اپنی ہی جانوں کو، اور آپ کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچائیں گے، اور اللہ نے نازل فرمائی ہے آپ پر کتاب اور حکمت، اور آپ کو وہ باتیں بتائیں جن کو آپ نہیں جانتے تھے، اور آپ پر اللہ کا فضل بہت بڑا ہے۔ (۱۱۳)

ماقبل سے ربط ومناسبت: ......قبل ازیں اللہ تعالیٰ نے نیکوکار مجاہدین کے ثواب کا تذکرہ کیا، اس کے بعد گھر میں بیٹھے رہنے والوں کا ذکر کیا، اس کے بعد دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنے کی ترغیب دی ہے اور ہجرت پر مرتب ہونے والے اثرات وسعت اور اجر و ثواب کا ذکر ہوا، جب ہجرت اور جہاد خوف کا سبب بنتے ہیں تو صلاۃ خوف کا ذکر ہوا، اس کے بعد ایک عدالتی فیصلے کا تذکرہ ہے جس کے تحت ایک یہودی کو انصاف دلایا گیا تھا۔

لغات: مُرٰغَمًا: ......الرغام سے مشتق ہے اور الرغام کا معنی مٹی ہے، جائے انتقال۔ ابن قتیبہ کہتے ہیں: المراغم اور المهاجر کا ایک ہی معنی ہے، اصل میں جب کوئی شخص اپنی قوم سے ناراض ہو کر کہیں چلا جاتا تو وہ جس جگہ جاتا اس جگہ کو مراغم کہا جاتا تھا، اور جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جاتا اس کے جانے کو ہجرت کہا جاتا۔[1] **سَعَةً:** رزق میں وسعت و کشادگی۔ **تَقْصُرُوْا**، القصر سے فعل مضارع ہے بمعنی نقص، چنانچہ مقولہ ہے "قصر صلاته" یعنی اس شخص نے چار رکعتی نماز کو دو رکعتوں میں پڑھا۔ ابوعبید کہتے ہیں اس میں تین لغات ہیں: مجرد، باب تفعیل باب افعال سے بالترتیب قَصَرْتُ، قَصَّرْتُ، أَقْصَرْتُ الصَّلَاةَ[2] **تَغْفُلُوْنَ** "الغفلة" سے فعل مضارع ہے۔ بے احتیاطی کی وجہ سے انسان کو لاحق ہونے والی بھول اور سہو۔ **مَّوْقُوْتًا:** محدود وقت، مقرر وقت۔ **تَهِنُوْا:** تم کمزوری اور سستی دکھاتے ہو۔ **خَصِيْمًا:** مدمقابل، جھگڑا کرنے والا۔ **خَوَّانًا:** بہت زیادہ خیانت کرنے والا۔

شانِ نزول: (الف) ...... ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ کچھ مسلمان مکہ میں مقیم تھے اور ان کے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے کفار انہیں حقارت

---

[1] تفسیر غریب القرآن ص ۱۳۴ [2] القرطبی ۵/۳۶۰

کی نظر سے دیکھتے تھے، غزوۂ بدر کے موقع پر مشرکین ان میں سے بعض کو زبردستی اپنے ساتھ لے گئے اور دوران جنگ ان میں سے بعض زخمی بھی ہوئے، مسلمان کہنے لگے: ہمارے یہ بھائی تو مسلمان تھے انہیں زبردستی جنگ میں لایا گیا ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۚ فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿٩٧﴾ [1]

(ب)...... ضمرہ بن قیس "مستضعفین" میں سے تھے جو مکہ میں مقیم رہ گئے تھے اور اکثر بیمار رہا کرتے، جب انہوں نے ہجرت کے متعلق آیات سنیں تو اپنے بیٹوں سے کہا مجھے اٹھا کر لے جاؤ، میں مستضعفین میں سے نہیں ہوں، بلکہ میں تو راستے کی سوجھ بوجھ رکھتا ہوں، اللہ کی قسم یہ رات میں مکہ میں نہیں بسر کروں گا، چنانچہ بیٹوں نے ان کو چارپائی پر اٹھالیا اور انہیں لے کر بسوئے مدینہ چل پڑے، تاہم قضا نے انہیں مہلت نہ دی اور مقام نعیم میں پہنچ کر وفات پا گئے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَمَن يَخْرُجْ مِن بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٠٠﴾ [2]

(ج)...... انصار میں کے ایک شخص طعمہ بن اُبیرق جو بنوظفر سے تعلق رکھتا تھا نے اپنے پڑوسی قتادہ بن نعمان کی زرہ چوری کر لی، زرہ آٹے کے تھیلے میں رکھی ہوئی تھی، چنانچہ تھیلے میں سوراخ ہونے کی وجہ سے راستے میں آٹا گرتا رہا، طعمہ نے زرہ زید بن سمین کے پاس چھپا دی، زید بن سمین یہودی تھا، چنانچہ طعمہ کے ہاں زرہ تلاش کی گئی مگر نہ ملی، اس نے قسمیں اٹھا کر زرہ کی نفی کر دی، یوں تفتیش کار اسے چھوڑ آئے اور آٹے کے نشانات پر چلتے رہے یہاں تک کہ یہودی کے گھر آ پہنچے، اس سے زرہ برآور ہو گئی، اس نے کہا یہ زرہ مجھے طعمہ نے دی ہے، اس کے بیان پر کچھ یہودیوں نے گواہیاں بھی دیں۔ بنوظفر نے کہا: ہمارے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس چلو، چنانچہ بنوظفر نے آپ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ اپنے ساتھی کا دفاع کریں اور بنوظفر نے طعمہ کے بےقصور ہونے کی گواہی بھی دی، یہودی کے چور ہونے کی گواہی دی، رسول اللہ ﷺ نے ارادہ کیا کہ طعمہ کا دفاع کریں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ ۚ وَلَا تَكُن لِّلْخَائِنِينَ خَصِيمًا ﴿١٠٥﴾

چنانچہ طعمہ مکہ بھاگ گیا اور وہاں جا کر مرتد ہو گیا، اس نے وہاں بھی ایک گھر میں نقیب لگا کر چوری کرنا چاہا اسی دوران اس پر دیوار گری جس تلے وہ دب کر ہلاک ہو گیا۔ [3]

ہجرت کے فضائل اور مہاجرین کے لیے کشائش کا وعدہ

تفسیر: إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ: ...... جن لوگوں کی جانیں فرشتوں نے قبض کیں اس حال میں کہ وہ کفار کے ساتھ مقیم رہ کر اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے، یہ لوگ دارالایمان کی بجائے دارالحرب میں مقیم رہے قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ: فرشتے ان کی روح نکالنے آئے تو کہا: تم دین کے کس درجے میں ہو؟ یہ سوال برائے توبیخ ہے، انہوں نے معذرت کرتے ہوئے کہا: ہم تو سرزمین مکہ میں بےبس تھے اور ہجرت کرنے سے عاجز اور لاچار تھے قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا: فرشتوں نے ڈانٹتے ہوئے کہا: کیا اللہ کی زمین کشادہ نہیں کہ تم دارالکفر سے ایسی جگہ کی طرف ہجرت کرو جہاں تم اللہ کے دین کو قائم کر سکو جیسا کہ مدینہ ہجرت کرنے والوں نے کیا فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا: یعنی ان کی قرارگاہ جہنم ہوگی جو بہت برا ٹھکانا اور مقام ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مستضعفین اور ہجرت سے بےبس و عاجز لوگوں کو مستثنیٰ کیا ہے إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا: لیکن ان میں سے جو بےبس اور مجبور لوگ ہیں جیسے مرد، عورتیں بچے جنہیں مشرکین نے لاچار کر رکھا تھا اور وہ تنگدستی کی وجہ سے ہجرت نہیں کر سکتے تھے، کفار سے جان چھڑانا بھی ان کے بس میں نہیں تھا اور نہ ہی دارالہجرت کو پہنچنے والے

---

[1] مختصر ابن کثیر ۱/۴۲۷، القرطبی ۵/۳۴۹، ابوالسعود ۱/۳۸۰

راستے سے واقف تھے۔ فَأُولَٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ :کیا بعید اللہ انہیں معاف کر دے کیوں کہ انہوں نے اپنے اختیار سے ہجرت ترک نہیں کی۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا : اللہ معذورین کو معاف کر دیتا ہے اور ان کی بخشش کر دیتا ہے۔کلام اللہ میں عَسَى برائے تحقیق ہوتا ہے۔ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً : یہ ہجرت کی ترغیب ہے، جو شخص اپنے وطن کو چھوڑ کر اور دین بچانے کی خاطر دشمن کی چنگل سے نکل بھاگتا ہے وہ زمین میں ہجرت کی بہت جگہ اور کشادگی پائے گا جہاں دشمن جانے سے کترا رہا ہوگا، رزق میں بھی وسعت پائے گا، چنانچہ اللہ کی زمین بہت وسیع ہے اور وہ اپنے بندوں کو بھرپور رزق پہنچاتا ہے۔[1]

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ (سورۃ العنکبوت، آیت ۵۶)

ترجمہ:......"اے میرے ایماندار بندو! میری زمین وسیع ہے پس میری ہی عبادت کرو۔"

آگے ارشاد ہوا: وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ : اس آیت میں اللہ نے یہ خبر دی ہے کہ جو شخص اپنے شہر سے ہجرت کی نیت سے اپنا دین بچانے کے واسطے اللہ اور اس کے رسول کی طرف بھاگ کھڑا ہو پھر وہ دار الہجرت میں پہنچنے سے پہلے مر جائے تو اللہ کے ہاں اس کا اجر و ثواب ثابت ہو چکا۔ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا : اللہ اپنے بندوں کا پردہ رکھنے والا ہے اور ان پر بڑا مہربان ہے۔

قصر نماز کی اجازت و رخصت

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ : جب تم جہاد اور تجارت یا اس کے علاوہ کسی اور غرض کے لیے سفر کرو تو تمہارے اوپر گناہ نہیں کہ تم نماز میں قصر کرو اور چار رکعتی نمازوں کو دو رکعات میں بدل کر پڑھو۔ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا : اگر تمہیں کفار دشمن کی طرف سے خوف ہو آیت میں خوف کا ذکر بطور شرط نہیں بلکہ بطور بیان واقع ہے چنانچہ عموماً سفر خطرات سے خالی نہیں ہوتا چوں کہ مشرکین اس وقت بکثرت تھے۔ اس کی تاکید یعلیٰ بن امیہ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں: میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے عرض کی: اللہ تعالیٰ نے تو اِنْ خِفْتُمْ کی شرط لگائی ہے، جب کہ لوگوں کو تو کوئی خوف لاحق نہیں پھر کیوں نمازیں قصر پڑھتے ہیں؟ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے بھی اس پر تعجب ہوا تھا، میں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اللہ کی طرف سے تمہارے اوپر صدقہ ہے اسے قبول کرلو۔ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا : کفار تمہارے دشمن ہیں اور تمہاری عداوت ظاہر کرتے ہیں لہٰذا وہ عبادت کی مشغولیت کے موقع کو غنیمت سمجھ کر تمہیں قتل کر سکتے ہیں، عبادت ان کے لیے مانع نہیں ہو سکتی۔

خوف کی نماز کا بیان

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ :......اے محمد! جب تم صحابہ کے ساتھ ہو اور وہ نماز خوف پڑھنا چاہیں دوران جنگ، صحابہ کی ایک جماعت تمہاری اقتدا میں کھڑی ہو اس حال میں کہ انہوں نے اسلحہ سے مسلح ہوں، کیوں کہ احتیاط اسی میں ہے، دوسرا گروہ دشمن کے مدمقابل کھڑا ہو۔ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ ۪ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ : جب پہلی جماعت نماز سے فارغ ہو جائے تو وہ جماعت جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی وہ پہلی جماعت کی جگہ آ جائے تا کہ وہ آپ کے پیچھے نماز پڑھے۔ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ : انہیں چاہیے کہ دشمن سے باخبر رہیں اور ان سے لڑنے کے لیے تیار اور مسلح رہیں۔ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً : تمہارے دشمنوں کی یہ تمنا ہے کہ تم اپنے اسلحہ جات اور ساز و سامان

---

[1] آیت سے معلوم ہوا کہ عصر حاضر کا مسئلہ جسے ساری دنیا میں آج کل موضوع گفتگو بنایا جاتا ہے کہ آبادی بڑھ رہی ہے، بظاہر اس آیت سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ چنانچہ تا قیامت زمین کی وسعتوں میں کمی واقع نہیں ہوگی۔ از مترجم

سے غافل ہوجاؤ اور وہ اچانک تمہارے اوپر دھاوا بول دیں اور سختی سے تمہارے اوپر حملہ آور ہوجائیں، تمہیں قتل کردیں اس حال میں کہ تم نماز میں مشغول ہو، مطلب یہ ہوا کہ تم سب نماز میں مصروف نہ ہوجاؤ کہ دشمن تمہیں آن لے، بلکہ نماز کو اسی طرح قائم کرو جیسا کہ اس کا تمہیں حکم دیا گیا ہے۔ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ : بارش یا بیماری کی صورت میں تمہارے اوپر کوئی گناہ نہیں کہ تم اسلحہ نہ اٹھاؤ اور تمہیں مسلح رہنے سے کمزوری لاحق ہوتی ہو۔ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ : بیدار رہو اور جہاں تک ہوسکے دشمن کے مقابلے میں اپنا دفاع مضبوط تر بنائے رکھو۔ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا : کفار کے لیے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے، ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں ابوعیاش زرقی کی روایت نقل کی ہے، ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہم مقام عسفان میں رسول کریم ﷺ کے ساتھ تھے، مشرکین سے ہمارا آمنا سامنا ہوگیا اور مشرکین کے دستے کی کمان خالد بن ولید کر رہے تھے، وہ ہماری طرف سے قبلہ کی سمت پر تھے، رسول کریم ﷺ نے ہمیں ظہر کی نماز پڑھائی، مشرکین نے ہمیں دیکھ کر کہا: مسلمان غفلت کی حالت میں تھے اگر ہم ان پر حملہ کردیتے، اچھا ہوتا، پھر کہنے لگے: ابھی دوسری نماز کا وقت آیا چاہتا ہے، مسلمانوں کو نماز اپنی جانوں اور اپنے عیال سے بھی زیادہ محبوب ہے، ابوعیاش کہتے ہیں: اس موقع پر جبرائیل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے، یہ وقت ظہر اور عصر کے درمیان کا تھا۔[1] صلاۃ خوف کے بعد اللہ نے کثرت سے ذکر کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ : جب تم نماز سے فارغ ہوجاؤ تو کھڑے، بیٹھے، لیٹے ہر حال میں اللہ کا زیادہ سے زیادہ ذکر کرو تا کہ دشمن کے خلاف تمہیں فتح سے نوازے۔ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ : جب تم حالت امن میں ہوجاؤ اور خوف نہ ہو تو پوری نماز پڑھو اور ایسے ہی پڑھو جیسے تمہیں خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ رکوع، سجدہ اور جمیع شرائط کا پورا پورا خیال رکھو۔

نمازوں کے اوقات مقرر ہیں

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا : ......نماز مقررہ اوقات میں مؤمنوں پر فرض کی گئی ہے، ان اوقات سے "تاخیر کرنا جائز نہیں، اس کے بعد اللہ نے جہاد اور سختیوں پر صبر کرنے کی ترغیب دی ہے۔ وَلَا تَهِنُوْا فِى ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ : اپنے دشمن کا پیچھا کرنے میں سستی مت کرو بلکہ محنت وکوشش سے ان کی طلب میں لگے رہو، ان سے لڑو اور ہر مورچے پہ تیار رہو۔

کفار کے تعاقب کا حکم

اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ : ......اگر تمہیں زخموں اور جنگ سے درد پہنچا ہے تو مشرکین کو بھی درد ہوا ہے جیسا کہ تمہیں ہوا ہے، لیکن فرق یہ ہے کہ تم اللہ سے شہادت، ثواب اور فتح وکامرانی کی امید رکھتے ہو۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا : اللہ اپنی مخلوق کے مصالح سے واقف ہے اور اپنے احکام حکمت سے بھیجتا ہے، علامہ قرطبی کہتے ہیں: یہ آیت جنگ احد کے بارے میں نازل ہوئی ہے، چوں کہ حضور نبی کریم ﷺ کو مشرکین کا پیچھا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور احد میں مسلمان زخمی تھے، آپ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ وہی میرے ساتھ جائے جو احد میں میرے ساتھ تھا۔ دوسرے قول کے مطابق یہ حکم ہر جہاد کے بارے میں ہے۔ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ : اے محمد! ہم نے تمہاری طرف قرآن نازل کیا ہے جو برحق ہے تا کہ تم لوگوں کے درمیان اس حکم کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے تمہیں سمجھایا ہے اور تمہاری طرف وحی کیا ہے۔

گناہ گاروں کی سفارش کی ممانعت

وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا : ......تم خیانت کرنے والوں کے جانبدار مت بنو اور ان کا دفاع مت کرو، خائنین سے مراد طعمہ بن اُبیرق اور اس کی

[1] مختصر ابن کثیر ۱/ ۴۳۱

جماعت ہے۔ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ :تم نے طعمہ کے دفاع کا جو ارادہ کیا تھا اس سے اللہ کے حضور استغفار کرو۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا :جو بخشش طلب کرتا ہے اللہ اسے بخشش عطا کرتا ہے اور بڑا مہربان ہے۔

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ :......تم ان لوگوں کی جانبداری اور دفاع نہ کرو جو گناہوں کا ارتکاب کر کے اپنے آپ سے خیانت کرتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا :اللہ خیانت کرنے والے کو جو سرتا پا گناہوں میں ڈوبا ہوا ہو پسند نہیں کرتا۔ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ : ڈر اور شرم وحیا کی وجہ سے یہ لوگ تو دوسرے لوگوں سے چھپتے ہیں پر اللہ سے حیا نہیں کرتے، حالاں کہ اللہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس سے حیا کی جائے اور اس سے ڈرا جائے۔ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ: اللہ ان کے ساتھ ہی ہوتا ہے، اللہ انہیں اور ان کے احوال کو بخوبی جانتا ہے، خُفیۃً جو بھی تدابیر کرتے ہیں اور اسے بطور راز چھپائے رکھتے ہیں اللہ انہیں بھی جانتا ہے، یعنی خائن کے بے گناہ ہونے پر ان کی گواہیوں سے بخوبی واقف ہے۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا : اللہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہ سکتی، ہر چیز اللہ کے احاطۂ علم میں ہے۔ اس کے بعد اللہ نے طعمہ کی قوم کو مخاطب کیا ہے اور ان کی توبیخ کی ہے۔ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا : اے لوگو! تم ہی ہو جو چور کا دفاع کرتے ہو اور دنیا میں خیانت کرنے والوں کی جانبداری کرتے ہو۔ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ: آخرت میں جب اللہ انہیں عذاب میں گرفتار کرے اس وقت کون ان کا دفاع کرے گا؟ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا : اللہ کی سزا اور انتقام سے ان کے دفاع کا اختیار کس کو حاصل ہوگا؟ اس کے بعد اللہ نے ان لوگوں کو توبہ کی طرف بلایا ہے۔ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ: جو شخص کوئی برا عمل کرے جس کی لپیٹ میں کوئی دوسرا شخص بھی آتا ہو، جیسے بے گناہ پر تہمت یا کوئی ایسا جرم کرے جس سے اپنے اوپر ظلم کرے جیسے چوری ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا : پھر وہ گناہ سے توبہ کرے تو اللہ کو عظیم مغفرت والا پائے گا، اس کی رحمت وسیع ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی ابیرق پر توبہ پیش کی ہے۔ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا : جو شخص جان بوجھ کر گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اس گناہ کا وبال مرتکب ہی پر پڑتا ہے، اللہ کو اس کے گناہ کا علم ہوا ہے اور اس پر اسے جو سزا دیتا ہے اس میں اللہ کی حکمت کارفرما ہوتی ہے۔ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓـَٔةً اَوْ اِثْمًا: جو شخص صغیرہ گناہ کا ارتکاب کرے یا کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے۔ ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا : پھر مرتکب اس گناہ کی نسبت کسی بے گناہ کی طرف کر دے تو اس نے بڑے جرم اور گناہ کی جرأت کی، اس کے بعد اللہ نے حضور نبی کریم ﷺ پر اپنے فضل وکرم کا تذکرہ کیا ہے۔

ایک مسلمان چور اور یہودی کا قصہ

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ: ......اگر نبوت اور رحمت خداوندی سے تمہارے اوپر اللہ کا فضل وکرم نہ ہوتا تو ان میں سے ایک جماعت نے تمہیں سیدھی راہ سے ہٹانے کا ارادہ کر ہی لیا تھا، چوں کہ بنو ابیرق نے حضور نبی کریم ﷺ سے مطالبہ کیا تھا کہ آپ طعمہ کی بے گناہی کا اعلان کریں، اور جرم کا مرتکب یہودی کو ٹھہرائیں، اللہ نے رسول ﷺ پر اپنا فضل کیا اور آپ ﷺ کو حقیقت حال آگاہ کر دیا۔ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ : ان کی گمراہی کا وبال انہی پر پڑے گا۔ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ : اے محمد! یہ لوگ تمہیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے کیوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بچانے والا ہے۔ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ : اللہ نے تمہارے اوپر قرآن اور سنت نازل فرمائی ہے بھلا یہ لوگ تمہیں کیسے سیدھی راہ سے ہٹا سکتے ہیں، اللہ نے تمہارے اوپر کتاب نازل کی ہے اور تمہاری طرف احکام بھیجتا ہے۔ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا: اللہ نے تمہیں شریعت اور امور غیب کا علم دیا ہے۔[1] تمہارے اوپر اللہ کا بڑا فضل ہے۔

بلاغت: ......ان آیات میں بلاغت اور بیان کی مختلف انواع پائی جاتی ہیں ان میں سے چند مختصراً حسب ذیل ہیں:

---

[1] اس آیت سے نبی کریم ﷺ کا عالم الغیب ثابت کرنا سنگین غلطی ہے، اللہ نے بذریعہ وحی شرائع اور دوسرے امور کا علم آپ کو دیا ہے، اگر طعمہ کے جرم کی خبر آپ ﷺ وحی سے پہلے دے دیتے تو مان لیا جاتا جب کہ آپ تو طعمہ کی بے گناہی کی حمایت کا ارادہ رکھتے تھے کہ بذریعہ وحی حقیقت حال ظاہر ہوئی۔

① قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ؛ اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً ؛ میں استفہام برائے توبیخ ہے۔

② فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ: میں عام کا اطلاق ہے جب کہ مراد خاص ہے، اطلاق تو عام نمازوں کا ہے مراد صلاۃ خوف ہے۔

③ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا، يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا، يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا: میں تجنیس مغایر ہے۔

④ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ: میں واحد پر جمع کا اطلاق کیا گیا ہے، مراد فرد واحد یعنی ملک الموت ہے، ایسا ملک الموت کی عظمت کے لیے کیا گیا ہے۔

⑤ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ: میں طباق سلب ہے۔

⑥ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا: میں لفظ الصَّلٰوۃَ مکرر لایا گیا ہے جو باب اطناب میں سے ہے، اس سے نماز کی فضیلت ظاہر کرنا مقصود ہے۔

سرگوشیوں کی مذمت اور شیطان کی کارستانیوں سے ہوشیار رہنے کی تاکید

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۟ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾ وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ

ع ۱۷ وقف لازم ع ۱۸

وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَاۤ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْۤا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾

ترجمہ: ...... نہیں ہے کوئی بھلائی ان کے بہت سے مشوروں میں مگر جو شخص صدقے کا یا اچھی باتوں کا یا لوگوں کے درمیان اصلاح کرنے کا حکم دے اور جو شخص یہ کام اللہ کی رضاجوئی کے لیے کرے گا سو ہم اس کو بڑا ثواب دیں گے۔﴿۱۱۴﴾ اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے اس کے بعد کہ اس کے لیے ہدایت ظاہر ہو چکی اور مسلمانوں کے راستے کے خلاف کسی دوسرے راستے کا اتباع کرے تو ہم اس کو وہ کام کرنے دیں گے جو وہ کرتا ہے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بُرا ٹھکانہ ہے۔﴿۱۱۵﴾ بے شک اللہ اس بات کو نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے علاوہ جتنے گناہ ہیں جس کے لیے اُسے منظور ہوگا بخش دے گا، اور جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے تو وہ دور کی بڑی گمراہی میں جا پڑا۔﴿۱۱۶﴾ یہ لوگ اللہ کے سوا صرف عورتوں کو پکارتے ہیں اور نہیں پکارتے مگر شیطان کو، جو سرکش ہے۔﴿۱۱۷﴾ جس پر اللہ نے لعنت کی، اور شیطان نے کہا کہ میں تیرے بندوں میں سے ایک مقررہ حصہ لے لوں گا۔﴿۱۱۸﴾ اور میں اُن کو گمراہ کروں گا اور امیدیں دلاؤں گا اور ان کو تعلیم دوں گا سو وہ جانوروں کے کانوں کو کاٹیں گے اور میں اُن کو تعلیم دوں گا سو وہ اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو بدلا کریں گے، اور جو شخص اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنا لے سو وہ صریح نقصان میں پڑ گیا۔﴿۱۱۹﴾ شیطان اُن سے وعدے کرتا ہے اور اُن کو آرزوئیں دلاتا ہے، اور شیطان اُن سے صرف فریب والے وعدے کرتا ہے،﴿۱۲۰﴾ ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور اس سے کہیں بچنے کی جگہ نہ پائیں گے۔﴿۱۲۱﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے عنقریب ہم اُن کو ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، اُن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اللہ تعالیٰ نے سچا وعدہ فرمایا ہے، اور کون ہے جس کا کہنا اللہ سے زیادہ سچا ہو۔﴿۱۲۲﴾ نہ تمہاری آرزوؤں پر مدار ہے اور نہ اہلِ کتاب کی اُمیدوں پر، جو شخص بُرا عمل کرے گا اُس کا بدلہ دیا جائے گا اور نہ پائے گا اللہ کے سوا کوئی دوست اور مددگار۔﴿۱۲۳﴾ اور جو شخص نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت اور وہ مؤمن ہو تو یہ لوگ داخل ہوں گے جنت میں، اور اُن پر اتنا ظلم بھی نہ ہوگا جتنا گڑھا کھجور کی گٹھلی میں ہے۔﴿۱۲۴﴾ اور اس سے بڑھ کر دین کے اعتبار سے کون اچھا ہوگا جس نے اپنی ذات کو اللہ کے لیے جھکا دیا، اور وہ اچھے کام کرنے والا ہے، اور اس نے ابراہیم علیہ السلام کی ملت کا اتباع کیا جو سارے دینوں کو چھوڑ کر اللہ ہی کی طرف مائل ہونے والے تھے، اور اللہ نے ابراہیم کو دوست بنا لیا﴿۱۲۵﴾ اور اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ فرمائے ہوئے ہے۔﴿۱۲۶﴾ اور وہ

آپ سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ طلب کرتے ہیں، آپ فرما دیجیے کہ اللہ تمہیں اُن کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے اور وہ جو کتاب میں تم پر تلاوت کیا جاتا ہے اُن یتیم عورتوں کے بارے میں جن کو تم وہ حق نہیں دیتے ہو جو اُن کے لیے مقرر کیا گیا اور تم رغبت رکھتے ہو کہ ان سے نکاح کرو اور ضعیف بچوں کے بارے میں بھی تم پر آیات تلاوت کی جاتی ہیں اور یہ کہ تم یتیموں کے حق میں انصاف کے ساتھ قائم رہو۔ اور جو کوئی خیر کا کام کرو گے سو اللہ تعالیٰ اُس کا جاننے والا ہے۔ ﴿۱۲۷﴾ اور اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی طرف سے بد مزاجی کا یا بے رخی کا اندیشہ کرے تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں کہ آپس میں کسی خاص طریقہ پر صلح کرلیں۔ اور صلح اچھی چیز ہے، اور انسانوں کے نفسوں میں کنجوسی حاضر کردی گئی ہے اور اگر تم اچھا برتاؤ رکھو اور پرہیز گاری اختیار کرو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ اُن کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔ ﴿۱۲۸﴾ اور تم ہرگز اس بات پر قادر نہیں ہو کہ عورتوں کے درمیان عدل قائم رکھو اگرچہ تم حرص کرو، لہٰذا تم بالکل ہی نہ ڈھل جاؤ، جس کی وجہ سے ایک عورت کو ادھر میں لٹکی ہوئی چھوڑ دو، اور اگر تم اصلاح کرو اور پرہیز گاری اختیار کرو تو بے شک اللہ تعالیٰ غفور ہے رحیم ہے۔ ﴿۱۲۹﴾ اور اگر دونوں جدا ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو اپنی عطا کی ہوئی وسعت کے ذریعہ بے نیاز کردے گا۔ اور اللہ کشائش والا اور حکمت والا ہے۔ ﴿۱۳۰﴾ اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے، اور البتہ ہم نے اُن لوگوں کو وصیت کی جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور تم کو بھی وصیت کی کہ اللہ سے ڈرو، اور اگر کفر کرو گے تو بلاشبہ اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور اللہ بے نیاز ہے لائقِ حمد وستائش ہے۔ ﴿۱۳۱﴾ اور اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے، اور کارساز ہونے کے لیے اللہ کافی ہے۔ ﴿۱۳۲﴾ اے لوگو! اگر اللہ چاہے تو تم سب کو ختم کردے اور دوسروں کو لے آئے، اور اللہ کو اس پر قدرت ہے۔ ﴿۱۳۳﴾ جو شخص ارادہ کرے دنیا کے ثواب کا تو اللہ کے پاس دنیا و آخرت کا ثواب ہے اور اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ ﴿۱۳۴﴾

ربط وتعارف:...... قبل ازیں اللہ تعالیٰ نے طعمہ کا قصہ ذکر کیا، اس میں بے گناہ یہودی پر چوری کی تہمت لگائی گئی تھی، ظاہر ہے اس طرح کی واردات میں لوگوں میں سرگوشیاں ہونا معمول ہے، اب یہاں اس امر کا تذکرہ کیا جارہا ہے کہ سرگوشیوں کا معاملہ اللہ پر مخفی نہیں اور خفیۂ جو تدبیر بھی کی جائے اللہ کو اس کا علم ہوتا ہے، اور یہ کہ سرگوشیوں میں خیر وبھلائی نہیں ہوتی ہاں البتہ وہ سرگوشیاں جو خیر اور اصلاح کی نیت سے کی جائیں، اس کے بعد اللہ نے یہ بیان کیا ہے کہ رسول ﷺ کے حکم کی نافرمانی جرم عظیم ہے، شیطان اور اس کی کارستانیوں سے ہوشیار رہنے کی تاکید کی گئی ہے، پھر میراث کے معاملے میں عورتوں کے حقوق ادا کرنے کی تاکید ہے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے، عورت کے نافرمان ہوجانے کی صورت میں اصلاح کے طریقہ کی ہدایت کی گئی ہے۔

لغات: نَّجْوٰىهُمْ:...... ''النجوی'' دو آدمیوں کے درمیان ہونے والی سرگوشی، واحدی کہتے ہیں: نجویٰ (سرگوشی) دو آدمیوں کے درمیان ہی ہوتی ہے۔ يُّشَاقِقِ: الشقاق سے فعل مضارع ہے، معنی وہ مخالفت کرتا ہے، الشقاق ایسی مخالفت کو کہتے ہیں جس میں دشمنی اور عداوت بھی ہو چوں کہ مخالفین میں سے ایک مخالف ایک شق (جانب) پر ہوتا ہے اور دوسرا دوسری شق پر مريدًا: مرد یمرد سے صفت مشبہ ہے۔ معنی متمرد، سرکش ہے۔ زہری کہتے ہیں: مرد الرجل، یعنی فلاں شخص سرکش ہوگیا اور اطاعت سے منہ موڑ بیٹھا۔ فَلَيُبَتِّكُنَّ: ''البَتَك'' قطع کرنا، کاٹنا، اسی سے ہے ''سَيْفٌ بَاتِكٌ'' کاٹنے والی تلوار۔ مَحِيْصًا: حاص یحیص سے مشتق ہے، معنی راہ فرار، چنانچہ ضرب المثل ہے: ''وقعوا في حيص بيص'' وہ لوگ ایسی گڑبڑی میں پڑ گئے جس سے نکلنے کے لیے کوئی راستہ ہی نہیں۔ خَلِيْلًا: خُلَّةٌ سے صفت مشبہ ہے، خلة خالص محبت کو کہتے ہیں، ثعلب کہتے ہیں: خلیل کو خلیل اس لیے کہتے ہیں چوں کہ وہ سودائے قلب سے محبت کررہا ہوتا ہے، بشار کا شعر ہے۔

قد تخللت مسلك الروح مني وبه سمي الخليل خليلًا

ترجمہ:...... اے محبوب! تو روح کی مانند میرے اندر حلول کی ہوئی ہے اسی وجہ سے خلیل (دوست) کو خلیل کہا جاتا ہے۔

الشُّحّ: بخل۔ الْمُعَلَّقَةِ: وہ عورت جو نہ خاوند والی کہلائے اور نہ ہی طلاق یافتہ۔

شانِ نزول: (الف)...... جب طعمہ بن ابیرق نے چوری کی اور حضور نبی کریم ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تو وہ مکہ بھاگ گیا اور مرتد

ہوگیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى [1]

(ب)۔۔۔۔۔قتادہ کہتے ہیں: مؤمنین اور اہل کتاب ایک دوسرے پر اظہار فخر کرتے، اہل کتاب کہتے: ہمارا نبی تمہارے نبی سے پہلے ہوا ہے اور ہماری کتاب تمہاری کتاب سے پہلے بھیجی گئی ہے، لہٰذا ہم اللہ کے محبوب بندے ہیں۔ مؤمنین کہتے: ہمارے نبی آخری نبی ہیں اور ہماری کتاب نے ساری آسمانی کتابوں کو منسوخ کر دیا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَاۤ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ [2]

اکثر سرگوشیوں میں خیر و بھلائی نہیں

تفسیر: لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ:۔۔۔۔۔لوگوں کی اکثر سرگوشیوں میں خیر و بھلائی نہیں ہوتی۔ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ: ہاں البتہ وہ سرگوشی جس میں راز دارانہ طور پر دوسرے کو صدقہ کا حکم دیا گیا ہو کہ وہ چپکے سے صدقہ کر دے یا اطاعت خداوندی کا حکم دیا گیا ہو، طبری کہتے ہیں: ہر وہ چیز معروف میں داخل ہے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے، نیکی اور بھلائی کے اعمال جو اللہ کے ہاں مندوب ہیں وہ بھی معروف میں داخل ہیں، اور دو مخالفین کے درمیان صلح صفائی کروا دینا اصلاح ہے۔ [3] وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ: جو شخص نیکی، بھلائی کے اعمال اور اصلاح رب تعالیٰ کی رضا کے لیے انجام دے نہ کہ کسی دنیاوی غرض کے لیے فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا: عنقریب ہم اسے ثواب عظیم عطا کریں گے۔ ثواب عظیم جنت ہے۔ جزا ''سوف'' کے ساتھ لائی گئی ہے جو اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اعمال بر کی جزا آخرت میں ملے گی کیوں کہ آخرت دار الجزا ہے دنیا دار الجزا نہیں۔ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى: اور جو شخص پیغمبر کے حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے جو حکم کہ اللہ کی طرف سے آچکا ہو اور معجزات کے ذریعہ اس کا حق ہونا ظاہر ہو چکا ہو۔ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ: اور وہ مؤمنین کے راستے سے ہٹ کر چلتا ہے اور مؤمنین کے طریقہ سے ہٹ کر کسی دوسرے کے طریقہ پر چلے۔ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ: ہم اس کو اس کے فاسد اختیار کے ساتھ چھوڑ دیں گے اور انجام کار اسے دوزخ میں داخل کریں گے۔ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا: اور جہنم ان کا بہت برا ٹھکانا ہے۔

شرک نا قابل معافی جرم ہے

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ:۔۔۔۔۔ اللہ شرک کا گناہ معاف نہیں کرتا، اس کے علاوہ جو گناہ ہو اور جسے چاہے معاف کر دیتا ہے۔ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا: جو شخص اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے وہ راہ حق سے بہت دور چلا جاتا ہے۔

مشرکین کی جہالت اور شیطان کی انسان دشمنی

اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا:۔۔۔۔۔اللہ کو چھوڑ کر یہ مشرکین جن سے دعائیں مانگتے ہیں اور جن کی عبادت کرتے ہیں وہ بت ہیں جن کے نام عورتوں کے ناموں جیسے ہیں۔ جیسے لات، عزیٰ، منات۔ ''تسہیل'' میں لکھا ہے کہ عرب بتوں کے نام اسمائے مونثہ پر رکھتے تھے۔ [4] وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا: یہ صرف شیطان سرکش کی عبادت کرتے ہیں جو سرکشی اور گناہ میں حد سے بڑھا ہوا ہے اور یہ ابلیس ہے جس نے اپنے رب کا حکم نہیں مانا تھا۔ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا: جس پر اللہ نے لعنت کر دی ہے اور اپنی رحمت سے اسے دور کر دیا ہے، اس پر شیطان نے قسم اٹھا کر کہا: اے اللہ! تو نے اپنے جن بندوں کی وجہ سے مجھے رحمت سے دور کیا ہے میں ان سے ایک مقرر حصہ ضرور لے کر رہوں گا، میں انہیں اپنی اطاعت پر مجبور کروں گا، یہ کفار اور گناہ گار لوگ ہوں گے۔ صحیح مسلم میں ہے: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آدم علیہ السلام سے کہے گا: جہنمیوں کی جماعت کو بھیج دو، آدم علیہ السلام عرض کریں گے: جہنمیوں کی جماعت کیا ہے؟ رب تعالیٰ فرمائے گا: ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے۔ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ: میں انہیں ضرور راہ ہدایت سے ہٹا کر رہوں گا اور انہیں لمبی لمبی جھوٹی آرزوئیں دلاؤں گا، میں زندگی بھر ان کے دلوں

---

[1] القرطبی ۵/ ۳۸۵ [2] اسباب النزول ص ۱۰۴ [3] الطبری ۹/ ۲۰۱ [4] یہ طبری کا مختار قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ''اناثا'' عورتوں سے مراد فرشتے ہیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ۝ مشرکین کا خیال تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔

میں برا خیال بٹھائے رکھوں گا کہ دوبارہ زندگی ملنے اور حساب و کتاب کی کچھ حقیقت نہیں۔ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ :اور میں انہیں حکم دوں گا وہ چوپایوں کے کان چیر ڈالیں گے۔ قتادہ کہتے ہیں: یعنی چوپایوں کے کان چیریں گے اور انہیں بحیرہ اور سائبہ کی علامات بنا دیں گے، جیسا کہ مشرکین جاہلیت میں کرتے تھے۔ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ: میں انہیں حکم دوں گا پس وہ اللہ کی تخلیق میں تغیر کر دیں گے، چنانچہ غلاموں اور جانوروں کو خصی کریں گے، چہروں پر خال وخط بنائیں گے وغیر ذالک۔ دوسرے قول کے مطابق، تغیر سے مراد اللہ کے دین کو کفر اور معاصی میں تبدیل کرنا ہے، اللہ کے حلال کردہ کو حرام میں اور حرام کردہ کو حلال میں تبدیل کرنا ہے۔

وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ :اور جو شخص شیطان کو دوست بناتا ہے اور اس کا کہا مانتا ہے جب کہ اللہ کا حکم نہیں مانتا۔ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا: دنیا و آخرت میں وہ خسارے میں رہا اس کا ہمیشہ ہمیشہ کا ٹھکانا دوزخ ہوگا، بھلا اس سے بُرا ٹھکانا اور کون سا ہوسکتا ہے۔ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ: وہ ان سے کامیابی اور سعادت کے وعدے کرتا ہے اور انہیں آرزوئیں دلاتا ہے جو سراسر جھوٹی اور باطل ہیں۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ یہ اخبار واقعی ہے، چنانچہ شیطان اپنے دوستوں سے وعدے کرتا ہے اور انہیں آرزوؤں میں مبتلا کرتا ہے کہ یہی دنیا وہ آخرت میں کامیاب ہیں، حالاں کہ وہ سراسر جھوٹا ہے۔ [1] وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا :شیطان کا وعدہ تو محض باطل اور گمراہی ہے۔ ابن عرفہ کہتے ہیں: غرور ایسی چیز کو کہتے ہیں جس کا ظاہر اچھا ہو اور باطن بہت برا، ظاہری حالت خوبصورت اور باطنی حالت نہایت قبیح ہو۔ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ :قیامت کی دن ان کا ٹھکانا اور انجام دوزخ ہے۔ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا :اس ٹھکانے سے بھاگنے کی کوئی راہ نہیں ہوگی۔

نیک لوگوں کے احوال

اس کے بعد اللہ نے نیکوکاروں کا حال بیان کیا ہے اور جنت میں ملنے والی نعمتوں کا بھی تذکرہ ہے۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا: ایمان والے ہمیشہ ہمیشہ نعمتوں والے ٹھکانے میں رہیں گے، یہ نعمتیں لازوال ہوں گی اور کہیں دوسری جگہ منتقل بھی نہیں کی جائیں گی۔ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا: یہ اللہ کا ایسا وعدہ ہے جس میں ذرہ برابر بھی شک کی گنجائش نہیں۔ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا: قول و قرار میں اللہ سے بڑھ کر کون سچا ہوسکتا ہے؟ استفہام نفی کے معنی میں ہے یعنی اللہ سے زیادہ سچا کوئی نہیں۔ ابوسعود کہتے ہیں: آیت کا مقصد شیطان کے جھوٹے وعدوں کا معارضہ ہے۔ [2] لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ :اے مسلمانو! اللہ نے تمہارے ساتھ جو وعدہ کیا ہے وہ نہ تو تمہاری آرزوؤں سے حاصل ہوگا اور نہ ہی اہل کتاب کی آرزوؤں سے، یہ وعدہ تو ایمان اور عمل صالح سے حاصل ہوتا ہے۔ حسن بصری کہتے ہیں: ایمان تمنا اور آرزو کرنے سے حاصل نہیں ہوتا، ایمان تو سودائے قلب میں جاگزیں ہوتا ہے اور عمل اس کی تصدیق کرتا ہے۔ [3] ایک قوم آرزوؤں میں مبتلا ہوجاتی ہے یہاں تک کہ دنیا سے نکل جاتی ہے اور اس کے پاس ایک نیکی بھی نہیں ہوتی وہ پھر بھی دنیا میں کہتے ہیں: ہمیں اللہ تعالیٰ سے حسن ظن ہے۔ محض حسن ظن کے اظہار سے کچھ نہیں ہوتا اگر عمل اچھا نہ ہو بلکہ یہ تو صریح جھوٹ ہے۔ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ: جو شخص بُرا عمل کرتا ہے وہ اس کی سزا دنیا یا آخرت میں بھگت لیتا ہے۔

وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا :...... وہ اللہ کے سوا کوئی دوست نہیں پائے گا جو اسے عذاب سے بچا سکے اور اس کی مدد کر سکے۔ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ :اور جو شخص نیک اعمال کرتا ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرط یہ کہ اس میں ایمان کی صفت موجود ہو۔ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا :اللہ انہیں جنت میں داخل فرمائے گا، ان کے اعمال کے ثواب میں سے ذرہ برابر بھی کمی نہیں کی جائے گی بھلا کمی کیوں ہوگی جب کہ بدلہ دینے والا تو اللہ ہے جو ارحم الراحمین ہے۔ هُوَ مُؤْمِنٌ کی قید اس امر کے بیان کے لیے ہے کہ طاعت بغیر ایمان کے نفع بخش نہیں ہوتی۔

---

[1] مختصر ابن کثیر ۱/ ۴۳۹ [2] ابوالسعود ۱/ ۳۸۴ [3] حنفیہ کے نزدیک ایمان کی یہی تفسیر ہے۔

سب سے بہتر ملت و دین

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ:...... اس شخص سے بڑھ کر کسی کا دین اچھا نہیں ہو سکتا جو اللہ کے حکم کے آگے جھک جائے، اس کی شریعت کو تسلیم کرلے اور خلوص سے اللہ کے لیے عمل کرے۔ وَهُوَ مُحْسِنٌ: اس حال میں کہ وہ اللہ کا فرماں بردار ہو، اللہ کی منع کردہ چیزوں سے اجتناب کرتا ہو۔ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا: اور اس دین کی اتباع کی جس پر ابراہیم خلیل اللہ قائم رہے تھے، وہ سیدھے اور سچے راستے پر رہے اور یہ دین اسلام ہے۔ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا: اللہ نے ابراہیم کو اپنا خاص دوست بنالیا ہے، انہیں اپنی محبت کے لیے چن لیا۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: خلّہ گہری دوستی کا درجہ جو محبت کا اعلیٰ ترین درجہ ہے، یہ مقام رب تعالیٰ کی بکثرت طاعت سے حاصل ہوتا ہے۔[1] وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ: کائنات میں جو کچھ بھی ہے سب اس کی ملکیت ہے، اسی کے بندے ہیں اور اسی کی مخلوق ہیں، وہ سب میں تصرف کرنے والا ہے، جو وہ فیصلہ کرے اس کی مخالفت کرنے والا کوئی نہیں اور وہ جو حکم صادر کرتا ہے اس کے متعلق کوئی پوچھنے والا نہیں۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا: ساری کائنات اللہ کے احاطۂ علم میں ہے اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

عورتوں کے مَردوں پر حقوق

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ:...... لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ عورتوں کے معاملات میں ان پر کیا واجب ہے (یعنی عورتوں کے کون سے حقوق مردوں پر واجب ہیں)۔ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ: اے محمد! ان سے کہو: جو تم پوچھتے ہو اللہ اس کے بارے میں تمہیں بتاتا ہے اور قرآن میں عورتوں کی میراث کے متعلق جو حکم آیا ہے وہ بھی تمہیں بتاتا ہے۔

یتیم لڑکیوں سے نکاح

فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ:...... اور اللہ تمہیں یتیم لڑکیوں کے بارے میں بھی حکم بتاتا ہے جن کے ساتھ تم نکاح کرنے کی رغبت رکھتے ہو ان کے حسن و جمال کی وجہ سے، یا مال کی وجہ سے اور تم انہیں پورا مہر نہیں دیتے تو اللہ تمہیں ایسا کرنے سے منع کرتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: جاہلیت میں کسی شخص کے پاس یتیم لڑکی رہتی ہوتی وہ اس پر اپنی چادر ڈال دیتا پھر کوئی دوسرا شخص اس سے نکاح کرنے کی جسارت نہیں کرسکتا تھا، اگر لڑکی خوبصورت ہوتی اور مالدار بھی ہوتی تو خواہش منداس کے ساتھ نکاح کرلیتا اور اس کا مال ہڑپ کرجاتا، اور اگر بدصورت ہوتی تو اسے شادی کرنے سے روکے رکھتا، حتیٰ کہ وہ مرجاتی اور اس کے مال کا وارث بن جاتا، اللہ نے اس سے منع کردیا اور ایسا کرنا حرام قرار دیا۔

یتیم اور کمزور بچوں کے حقوق

وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ[2] مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ:...... لوگ تم سے کمزور بچوں کے بارے میں بھی پوچھتے ہیں، تم ان کے حقوق کا پورا پورا خیال رکھو، میراث اور مہر میں یتیموں کے ساتھ انصاف کرو۔ اہل جاہلیت بچوں اور عورتوں کو میراث میں حصہ دار نہیں بناتے تھے، اللہ نے اس سے منع فرمادیا۔ اہل جاہلیت بطور حجت کہا کرتے تھے کہ: ہم ایسے افراد کو میراث سے حصہ کیوں کردیں جو نہ تو گھوڑے پر سوار ہوسکتے ہیں اور نہ ہی اسلحہ اٹھا سکتے ہیں اور نہ دشمن کو قتل کرسکتے ہیں۔ اللہ نے اس سے منع کردیا اور حکم دیا کہ عورتوں اور بچوں کو میراث سے حصہ دیا جائے۔ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا: اور تم جو بھی عدل واحسان عورتوں اور یتیموں کے ساتھ کروگے اللہ اس پر تمہیں پورا پورا بدلہ عطا فرمائے گا، ابن کثیر کہتے ہیں: اس آیت میں خیر و بھلائی کے امور پر ابھارا گیا ہے اور اللہ کے احکام واوامر بجالانے کی ترغیب دی گئی ہے، اور یہ کہ اللہ پورا پورا بدلہ دے گا۔[3]

---

[1] مختصر ابن کثیر ۱ / ۴۴۳ [2] وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ اور وَاَنْ تَقُوْمُوْا مجرور ہے اور اس کا عطف یتامیٰ پر ہے کشاف ۱ / ۴۰۷ [3] مختصر ابن کثیر ۱ / ۴۴۴

زوجین کے درمیان صلح کا بیان

اس کے بعد اللہ نے خاوند کی زیادتی کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا: اور اگر کسی عورت کو اپنے خاوند سے ظلم و زیادتی یا پہلو تہی اور روگردانی کا اندیشہ ہو، اس کا سبب عورت کا بدصورت ہونا ہو یا کبر سنی ہو یا خاوند کی نظر میں کوئی اور خوبصورت عورت سمائی ہو۔ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَاۤ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا: تو زوجین میں سے کسی پر کوئی حرج اور گناہ نہیں کہ وہ آپس میں صلح کر لیں، عورت باہمی مصالحت کی راہ ہموار کرنے کے لیے اپنے بعض حقوق مثلاً نفقہ یا کپڑے یا شب باشی سے دستبردار ہو سکتی ہے تا کہ خاوند کا دل مائل ہو جائے اور اس کی محبت اور صحبت دائمی رہے۔ ابن جریر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی ہے کہ یہ آیت ایسے شخص کے بارے میں ہے جس کی دو بیویاں ہوں، ان میں سے ایک بڑھاپے کی وجہ سے جماع کے قابل نہ رہے یا بدصورت ہو اور خاوند اس سے محبت نہ کرتا ہو، اور عورت اس سے کہہ دے: مجھے طلاق نہ دو، ہاں البتہ تمہیں میری طرف سے پورا اختیار ہے۔[1]

وَالصُّلْحُ خَيْرٌ: ...... زوجین کے درمیان صلح کا ہو جانا علیحدگی اور طلاق سے بدرجہا بہتر ہے۔ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ: انسانوں کے دلوں میں بخل کا بیج تو بو ہی دیا گیا ہے۔ الشح شدید قسم کے بخل کو کہا جاتا ہے، ایسا نہیں ہوتا کہ عورت اپنے حق نفقہ اور حق شب باشی سے دستبردار ہو جائے اور خاوند کا دل بھی جس عورت سے اچٹ جائے اسے باری کا حصہ دینے پر تیار نہیں ہوتا اور اس سے محبت نہیں کرتا۔ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا: اور اگر تم عورتوں کے معاملہ میں بھلائی کرو اور ان پر ظلم نہ کرو بلکہ اللہ سے ڈرتے رہو۔ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا: تم جو عمل بھی کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے، تمہارے اعمال پر اللہ تمہیں بدلہ دے گا۔

بیویوں کے درمیان مساوات کا حکم

اس کے بعد اللہ نے ذکر کیا ہے کہ عورتوں کے درمیان کما حقہ عدل قائم کرنا محال ہے اور مرد اس کی طاقت نہیں رکھتے، چنانچہ ارشاد ہے وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْۤا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ: اے مردو! تم عورتوں کے درمیان کامل اور مکمل طور پر عدل قائم رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے اور تم عورتوں کے درمیان محبت، قلبی میلان اور جنسی انتفاع میں برابری نہیں کر سکتے۔ وَلَوْ حَرَصْتُمْ: اگر چہ تم اپنے جیسی کوشش ہی کیوں نہ کر لو کیوں کہ محبت و قلبی میلان میں برابری رکھنا انسان کی قدرت میں نہیں۔ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ: جو بیوی تمہاری منظور نظر نہیں اس سے کلی طور پر روگردانی نہ کر لو، اسے درمیان میں لٹکی نہ چھوڑ دو کہ وہ نہ تو خاوند والی کہلاتی ہو اور نہ ہی طلاق یافتہ۔ آیت میں اس قسم کی عورت کو ایسی چیز کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو زمین و آسمان کے درمیان لٹک رہی ہو، نہ ہی وہ زمین پر ٹھہری ہو اور نہ ہی آسمان میں ہو یہ تشبیہ ابلغ ہے۔ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا: اور اگر تم نے بیوی کے ساتھ جو زیادتی کر لی ہے اس کی اصلاح کر لو اور عدل و انصاف پر آ جاؤ۔ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا: تم سے جو کچھ زیادتی ہو جاتی ہے (توبہ کرنے پر) اللہ تمہیں معاف کر دے گا اور تمہارے اوپر رحم کرے گا۔

زوجین میں جدائی

وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ: ...... اور اگر زوجین طلاق کے ذریعہ ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو اللہ اپنے فضل و کرم سے دونوں کو ایک دوسرے سے بے نیاز کر دے گا۔ مثلاً خاوند کو اس پہلی عورت سے بہتر عورت عطا فرما دے گا اور زیادہ اچھی اور خوشگوار زندگی عطا فرما دے گا۔ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا: اللہ اپنے بندوں پر وسیع فضل کرنے والا ہے اور اپنی تدابیر میں بہتر حکمت کرنے والا ہے۔ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ: جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین ہے اللہ کی ملکیت، مخلوق اور بندے ہیں۔ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ: ہم نے پہلوں اور پچھلوں کو یہی تاکید کی اور میں تمہیں بھی حکم دیا ہے کہ ہمارا حکم بجالاؤ اور اطاعت کرو۔ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ: اور تم سب کو تاکید کی کہ اللہ سے ڈرو

---

[1] الطبری ۹/ ۲۷۱

اور اطاعت اختیار کرو۔ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ: اگر تم کفر کرو گے تو تمہارے کفر سے اللہ کا کچھ نقصان نہیں ہوگا، کیوں کہ اللہ انسانوں سے بے نیاز ہے، وہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے کا مالک ہے۔ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا: اللہ اپنی مخلوق سے بے نیاز ہے اور اس کی ذات سزاوار حمد و ستائش ہے، فرماں برداروں کی فرماں برداری سے اسے کوئی نفع نہیں ہوتا اور نافرمانوں کی نافرمانی سے اس کا کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا: یعنی آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ کی ملکیت ہے، اللہ اپنے بندوں کے اعمال کی حفاظت کے لیے کافی ہے۔ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ: اگر اللہ چاہے تمہیں ہلاک کر دے اور فنا کر دے اور تمہاری جگہ اوروں کو لے آئے۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي ذٰلِكَ قَدِيْرًا: اور اللہ ایسا کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا: جو شخص اپنے عمل سے دنیا کا بدلہ لینا چاہے تو اللہ کے ہاں اس سے اعلیٰ اور افضل چیز ہے، وہ دنیا اور آخرت کا بدلہ ہے، سو اعلیٰ کو چھوڑ کر کمتر کو کیوں طلب کیا جائے؟ بندے کو چاہیے کو وہ دنیا اور آخرت کی اچھی چیز طلب کرے، اللہ تعالیٰ بندوں کے اقوال سنتا ہے اور ان کے اعمال دیکھتا ہے۔

بلاغت: ...... ان آیات میں فصاحت و بلاغت کے مختلف پہلو نمایاں ہیں۔ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ: الوجہ کا لفظ قصد و ارادہ کے لیے مستعار لیا گیا ہے۔ اسی طرح وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ: میں الشُّحَّ: بخل دل سے جدا نہیں ہوتا گویا دل کے ساتھ لازم ہے، ملازمت کے لیے احضار کا لفظ مستعار ہے۔ ضَلَّ ضَلٰلًا. خَسِرَ خُسْرَانًا. اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ. صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ میں جناس مغایر ہے۔ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ: میں تشبیہ مرسل ہے۔ بہت ساری آیات میں اطناب و ایجاز ہے۔

تنبیہ: ...... اوپر مذکورہ آیت میں عدل سے مراد قلبی محبت میں عدل ہے، ورنہ یہ آیت سابقہ آیت فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاۗءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ: کے متناقض ہوگی، حالاں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کے لیے باریاں مقرر کر رکھی تھیں، اور فرمایا کرتے تھے۔ ”اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے جس میں مجھے اختیار حاصل ہے اور جو چیز میرے اختیار میں نہیں اس پر مجھ سے مواخذہ نہ کرنا حالاں کہ وہ چیز تیرے اختیار میں ہے۔“ یعنی قلبی محبت کسی کے اختیار میں نہیں، اس پر آیت کا یہ حصہ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ: بھی دلالت کرتا ہے۔ البتہ عصر حاضر کے مجددین اور روشن خیال دانشور جو ایک ہی عورت کے ساتھ شادی کے وجوب کی دعوت دیتے ہیں وہ اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں، حالاں کہ یہ استدلال صراحتاً غلط ہے اور اس کا کوئی اعتبار نہیں، کیوں کہ یہ نام نہاد روشن خیال دانشور نصوص شریعت سے ناواقف ہیں اور ان کے خام خیال کی نصوص شریعت سے تردید ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی علمائے سوء سے بچائے۔

ادائے شہادت کی تاکید اور آسمانی کتب، فرشتوں اور پیغمبروں پر ایمان کی دعوت

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاۗءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۣ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿۱۳۷﴾ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَۨا ﴿۱۳۸﴾ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ

الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿۱۳۹﴾ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَا ﴿۱۴۰﴾ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾

ع ٢٠ / ١٤

ترجمہ:...... اے ایمان والو! انصاف پر قائم ہونے والے اللہ ہی کے لیے گواہی دینے والے بن کر رہو اگرچہ تمہاری جانوں یا تمہارے ماں باپ یا تمہارے رشتہ داروں کے خلاف پڑ جائے، اگر غنی ہے یا فقیر ہے تو اللہ تعالیٰ کو دونوں کے ساتھ تم سے زیادہ تعلق ہے سو تم انصاف کرنے میں خواہش نفس کا اتباع نہ کرو اور اگر تم کج بیانی کرو گے تو بلاشبہ اللہ تمہارے سب کاموں سے باخبر ہے۔﴿۱۳۵﴾ اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور اس کی کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر نازل فرمائی اور اُن کتابوں پر جو اس سے پہلے نازل فرمائیں۔ اور جو شخص منکر ہو اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور آخرت کے دن کا تو وہ گمراہ ہو کر دور کی گمراہی میں جا پڑا۔﴿۱۳۶﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر کفر میں بڑھتے چلے گئے تو اللہ اُن کو نہیں بخشے گا اور نہ اُن کو راہ دکھائے گا۔﴿۱۳۷﴾ منافقین کو خوشخبری سنا دیجیے کہ اُن کے لیے دردناک عذاب ہے۔﴿۱۳۸﴾ جو مؤمنین کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں۔ کیا اُن کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں بلاشبہ ساری عزت اللہ کے لیے ہے۔﴿۱۳۹﴾ اور اللہ نے تم پر کتاب میں یہ حکم نازل فرمایا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کا انکار کیا جا رہا ہے اور اُن کا مذاق کیا جا رہا ہے تو اُن کے ساتھ نہ بیٹھو یہاں تک کہ وہ کسی دوسری بات میں مشغول ہو جائیں۔ بلاشبہ تم اس حالت میں اُن جیسے ہو جاؤ گے، بلاشبہ اللہ منافقوں کو اور کافروں کو سب کو دوزخ میں جمع فرما دے گا۔﴿۱۴۰﴾ جو اس بات کے انتظار میں رہتے ہیں کہ تمہارے اوپر کوئی مصیبت آ پڑے، سو اگر تمہارے لیے اللہ کی طرف سے فتح یابی حاصل ہو جائے تو کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے اور اگر کافروں کو کچھ حصہ مل جائے تو ان سے کہتے ہیں کیا ہم تم پر غالب نہ آ گئے تھے اور کیا ہم نے تم کو مسلمانوں سے نہیں بچایا، سو اللہ قیامت کے دن تمہارے درمیان فیصلے فرمائے گا اور اللہ ہرگز کافروں کو مسلمانوں کے مقابلے میں غالب نہ فرمائے گا۔﴿۱۴۱﴾ بے شک منافق اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں اور حال یہ

ہے کہ اللہ اُن کی دھوکہ بازی کی ان کو سزا دینے والا ہے اور جب وہ نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو کسل مندی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں، لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر تھوڑا سا۔(۱۴۲) ادھر میں لٹکے ہوئے ہیں اس کے درمیان، نہ ان لوگوں کی طرف نہ اُن لوگوں کی طرف، اور جسے اللہ گمراہ کردے اس کے لیے تو ہرگز کوئی راستہ نہ پائے گا۔(۱۴۳) اے ایمان والو! مؤمنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ کی صریح حجت قائم کرلو۔(۱۴۴) بے شک منافق دوزخ کے سب سے نیچے طبقے میں ہوں گے اور تو ہرگز اُن کے لیے کوئی مددگار نہ پائے گا۔(۱۴۵) سوائے اُن لوگوں کے جنہوں نے توبہ کرلی اور اصلاح کرلی اور اللہ پر مضبوط بھروسہ رکھا اور اپنا دین اللہ کے لیے خالص کردیا، تو یہ لوگ مؤمنین کے ساتھ ہوں گے اور عنقریب اللہ مؤمنین کو اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔(۱۴۶) اللہ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر گذار بنو اور ایمان لاؤ اور اللہ قدر دان ہے جاننے والا ہے۔(۱۴۷)

ماقبل سے ربط ومناسبت: ......قبل ازیں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے ساتھ عدل واحسان کرنے کا حکم دیا ہے، اب ان آیات میں جملہ معاملات میں عدل عام کا حکم دیا ہے، کامل ومکمل طریقہ سے ادائے شہادت کا حکم دیا جارہا ہے خواہ مشہود علیہ مالدار ہو یا فقیر اور اتباع ھویٰ (خواہشات نفسی، کی پیروی) سے منع کیا گیا ہے۔ پھر فرشتوں، آسمانی کتب اور پیغمبروں پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے، اس کے بعد منافقین کے چند اوصاف بیان کیے گئے ہیں اور اس پر مرتب ہونے والی سزا اور عذاب کا بھی ذکر ہے۔

لغات: تَلْوٗا: ......اللَّیُّ سے فعل مضارع ہے اور ان شرطیہ کی وجہ سے نون گر گیا ہے۔ موڑنا، بٹنا، مقولہ ہے۔ لویتُ فلانًا حقه میں نے فلاں کو اس کا حق دینے سے روک دیا، اسی سے حدیث میں ہے لی الواجد ظلم مالدار کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ یَخُوْضُوْا: الخوض کسی چیز میں گھس جانا، پانی میں گھس جانا۔ نَسْتَحْوِذْ: الاستحواذ، غلبہ، کسی پر غلبہ حاصل کرنا۔ مُذَبْذَبِیْنَ: الذبذبة، اضطراب، دو چیزوں میں تردد کا ہونا۔ الدَّرْكِ: طبقہ کے معنی میں ہے جو نچلا ہو، ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: الدرك کا استعمال اہل دوزخ کے لیے ہوتا ہے اور الدرج کا استعمال اہل جنت کے لیے ہوتا ہے، ہاں البتہ درجات ایک دوسرے کے اوپر ہوتے ہیں اور درکات ایک دوسرے کے نیچے ہوتے ہیں۔

سچی گواہی کی تاکید

تفسیر: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ: ......اللہ پر ایمان لانے والو اور اس کی کتاب کی تصدیق کرنے والو! عدل وانصاف قائم کرنے والے بنو اور راست بازی کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھو۔ "قَوّٰمِیْنَ" صیغہ مبالغہ ہے، مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان سے ظلم وجور کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ: اور تم گواہیاں اللہ کی رضا مندی کے لیے قائم کرو، کسی اور غرض کے لیے نہیں۔ اور نہ ہی اپنی تعلق داری کی وجہ سے۔ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ: اگرچہ یہ گواہی تمہاری ذات کے خلاف پڑتی ہو یا تمہارے والدین یا قریبی رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، قرابت داری اور کسی قسم کا نفع ادائے شہادت کے مانع نہ ہو، چنانچہ ہر انسان پر اصل میں حق کی حکمرانی ہے۔ اِنْ یَّكُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا: جس شخص کے خلاف گواہی دی جارہی ہو وہ اگر غنی (مالدار) ہو تو اس کی مالداری کی چنداں رعایت نہ رکھی جائے اور اگر فقیر ہو تو ادائے شہادت کی بابت اس کے بارے میں رحم نہ کیا جائے۔ فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا: اللہ مالدار اور فقیر سے زیادہ حق دار ہے، اللہ خوب جانتا ہے کہ کس میں مالدار اور فقیر کی بہتری ہے، لہٰذا تم اللہ کے حکم کی رعایت رکھو اللہ بندوں کے معاملات ومصالح سے بخوبی واقف ہے۔ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا: خواہشات نفس کی اتباع مت کرو تاکہ تم لوگوں کے درمیان عدل وانصاف قائم کرتے رہو، ابن کثیر کہتے ہیں: تمہیں خواہش نفس، عصبیت اور لوگوں کا بغض ترک عدل پر نہ ابھارے بلکہ ہر حال میں عدل وانصاف قائم کرو۔[1] وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا: اگر سچی گواہی دینے سے تم اپنی زبانوں کو روک لو یا سچی گواہی قائم کرنے سے تم اعراض کرلو۔ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا: جو تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے اس کا تمہیں پورا پورا بدلہ دے گا۔

---

[1] مختصر ابن کثیر ۱/ ۴۴۷

ارکانِ ایمان پر ثابت قدمی کی ترغیب

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ: ......اے ایمان والو! ایمان پر ثابت قدم رہو اور ایمان پر مداومت دکھاؤ ـ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ: اس کتاب پر ایمان قائم و دائم رکھو جو محمدؐ پر نازل کی گئی ہے ـ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ: اور ان آسمان کتابوں پر بھی ایمان رکھو جو قرآن سے پہلے نازل کی گئی ہیں۔ ابو مسعود کہتے ہیں: کتاب پر الف لام جنس کا ہے، مراد تمام آسمانی کتب ہیں ـ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا: جس شخص نے اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے پیغمبروں اور آخرت کے دن کا انکار کیا تو راہ ہدایت سے نکل گیا اور درست سمت سے دور بھٹک گیا ـ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا: یہ آیت منافقین کے بارے میں ہے۔[1] منافقین ایمان لائے پھر مرتد ہوئے پھر ایمان لائے اور پھر مرتد ہوئے پھر کفر پر ہی ان کا خاتمہ ہوا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: اس آیت میں ہر منافق داخل ہے، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں خواہ خشکی میں ہو یا تری میں۔

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اللہ نے ایسے شخص کے بارے میں خبر دی ہے جو ایمان میں داخل ہو پھر ایمان سے نکل جائے پھر ایمان کی طرف لوٹ آئے پھر کفر پر آ جائے اور کفر پر قائم رہے یوں گمراہی میں بڑھتا ہی رہے یہاں تک کہ مر جائے، مر جانے کی بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے، اللہ اس کی مغفرت نہیں کرتا، اس کے لیے کوئی راستہ باقی نہیں رہتا کہ وہ ہدایت کی طرف آ جائے اور اس کی مغفرت ہو۔[2]

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آگے فرمایا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا: اللہ اس سنگین کفر کو درگزر نہیں کرے گا اور نہ ہی ان گمراہوں کو جنت عطا کرے گا۔ زمخشری کہتے ہیں: آیت کا یہ مفہوم نہیں کہ اگر یہ لوگ خلوص دل سے ایمان لے آئیں بار بار کفر کی طرف لوٹنے کے بعد تو ان کا ایمان قبول نہیں کیا جائے گا اور ان کی مغفرت نہیں کی جائے گی۔ لیکن ان کا خلوص دل سے ایمان لانا محال ہے، گویا ان کا ایمان لانا بعید ہے۔ فاسق کا بھی یہی حال ہوتا ہے جو گناہ کے بعد توبہ کرتا ہے پھر توبہ توڑ دیتا ہے پھر توبہ کرتا ہے اور پھر گناہ کر جاتا ہے اس سے توبہ پر قائم رہنے کی امید نہیں ہوتی، غالب یہی ہے کہ وہ نہایت برے حال پر مر جاتا ہے۔ اس کے بعد اللہ نے منافقین کے انجام کی خبر دی ہے۔

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا: بشارت کا لفظ عذاب کیلئے بطور تہکم استعمال کیا گیا ہے یعنی اے محمد! منافقین کو دردناک عذاب کی خبر دیدو۔

الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ: ...... یہ لوگ تو کفار کو اپنا دوست بناتے ہیں اور کفار ہی ان کے معاون اور مددگار ہیں، وہ ایسا اپنی قوت بڑھانے کے لیے کرتے ہیں اور مؤمنین کو دوست نہیں بناتے ـ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ: کیا یہ لوگ کفار کی دوستی سے قوت و غلبہ حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ استفہام انکاری ہے، یعنی کفار کی تو کوئی عزت ہے ہی نہیں، ان کے یہاں عزت و قوت کیسے طلب کی جا سکتی ہے ـ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا: یعنی عزت تو ساری کی ساری اللہ کی ہے اور اس کے دوستوں کی ہے۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اس سے مقصد یہ ہے کہ اللہ کے حضور حصول عزت کی درخواست کی جائے ـ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ: اللہ نے قرآن میں یہ حکم تمہارے لیے نازل کیا ہے۔ آیت میں مومن و منافق سے خطاب ہے جو ایمان کا اظہار کرتا ہو ـ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا: چنانچہ اللہ نے یہ حکم نازل کیا ہے کہ جب تم قرآن سنو اور کفار اس کا انکار کر رہے ہوں اور مذاق اڑانے والے اس کا مذاق اڑا رہے ہوں۔

اسلام کا مذاق اڑانے والوں کی مجلس میں نہ بیٹھا جائے

فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ: ......تو کفار جو اللہ کی آیات کا مذاق اڑا رہے ہوں کے ساتھ مت بیٹھو یہاں تک کہ وہ قرآن کی گستاخی چھوڑ کر اور باتوں میں نہ لگ جائیں ـ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ: اگر تم ان کے ساتھ بیٹھے رہے تو کفر میں تم انہی کے حکم میں ہو۔

---

[1] دوسری تفسیر کے مطابق یہ آیت یہودیوں کے بارے میں ہے، چنانچہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا پھر بچھڑے کی پوجا کر کے کفر کیا پھر جب موسیٰ علیہ السلام طور سے واپس آئے یہود دوبارہ ایمان لے آئے پھر عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا اور ان کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر کے کفر میں بڑھتے ہی گئے، یہ قتادہ کا قول اور طبری نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

[2] مختصر ابن کثیر ۱/ ۴۴۸

اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا: ۔ اللہ روز آخرت دونوں جماعتوں یعنی کفار اور منافقین کو دوزخ کی آگ میں جمع کرے گا، کیوں کہ آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہو۔ یہ وعید کفار کے ساتھ مل بیٹھنے اور مجلس کرنے سے ڈرانے کے متعلق ہے۔ اس کے بعد تذکرہ ہے کہ کفار مؤمنین کے برے حالات کے منتظر ہیں، چنانچہ ارشاد ہوا: الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ: کفار انتظار کر رہے ہیں کہ تمہارے اوپر مصائب نازل ہوں۔ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ: اگر تمہیں دشمن پر غلبہ حاصل ہو جائے اور مال غنیمت بھی حاصل ہو۔ قَالُوْۤا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ: یعنی ہم تمہارے ساتھ کیوں نہ ہوتے، اب غنیمت میں سے ہمیں بھی حصہ دو۔

وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ: اے جماعت مؤمنین! اگر کفار کو تمہارے اوپر غلبہ مل جائے۔ قَالُوْۤا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ: تو منافقین مشرکین سے کہتے ہیں: کیا ہم تمہارے اوپر غلبہ نہیں حاصل کر سکتے تھے، اور تمہیں اپنی گرفت میں لے کر تمہارے اوپر تابڑ توڑ حملے نہیں کر سکتے تھے اس کے باوجود ہم نے تمہیں مؤمنین سے بچایا؟ یہاں تک کہ تم فتح مند ہوئے، تم نے جو مال غنیمت حاصل کیا ہے اس میں سے ہمارا حصہ لاؤ، ہم تمہارے کسی دشمن کو باقی نہیں چھوڑیں گے۔ فریقین کے انجام کو بیان کرتے ہوئے ارشاد ہے۔

فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ: روز قیامت اللہ ہی مؤمنین اور کفار کے درمیان فیصلہ کرے گا، اور ان کے درمیان برحق فیصلہ کرے گا۔

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا: اللہ ہرگز کفار کو مؤمنین پر ایسا اختیار اور غلبہ نہیں دے گا کہ کفار مؤمنین کا استیصال کر دیں اگرچہ بعض دفعہ کفار کو مسلمانوں پر فتح نصیب ہو جائے گی، مآل کار اچھائی متقین کے حصہ میں ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

منافقین کی چند علامات

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ: ...... منافقین وہی کچھ کر رہے ہیں جو دھوکا باز کرتا ہے چنانچہ منافقین ایمان ظاہر کرتے ہیں اور دل میں کفر چھپائے رکھتے ہیں، اللہ اس دھوکے پر انہیں پورا پورا بدلہ دے گا، ان کی جانیں محفوظ ہونے کے حوالہ سے مؤمنین کو ہاتھ نہ اٹھانے کی تائید کی گئی ہے، آخرت میں ان کے لیے جہنم کا نچلا طبقہ تیار کیا گیا ہے، مشاکلۃً منافقین کے بدلے کو خداع (دھوکا) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیوں کہ دھوکے کا وبال انہی پر لوٹ کر آئے گا۔ وَاِذَا قَامُوْۤا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى: یہ لوگ نہایت سستی اور کاہلی کے ساتھ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں، انہیں نہ ہی ثواب کی امید ہوتی ہے اور نہ ہی عذاب کا ڈر ہوتا ہے۔ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ: نماز سے ان کا مقصد ریا و نمائش ہوتا ہے، رضائے الٰہی ان کا مقصد نہیں ہوتا۔ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا: یہ اللہ کا ذکر بہت قلیل کرتے ہیں۔ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ: کفر و ایمان کے درمیان حالت اضطراب ہی میں رہتے ہیں وہ اپنے دین کے معاملے میں حیرانی و پریشانی کا شکار ہیں۔ لَاۤ اِلٰى هٰۤؤُلَآءِ وَلَاۤ اِلٰى هٰۤؤُلَآءِ: ان کی نسبت نہ مؤمنین کے ساتھ ہے اور نہ کفار کے ساتھ۔ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا: جسے اللہ گمراہ کرے پھر تم سعادت و ہدایت کا راستہ اس کے لیے نہیں پاؤ گے۔

کفار سے دوستی کی ممانعت

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ: ...... مؤمنین کے ساتھ دوستی چھوڑ کر کفار مجرمین کے ساتھ دوستی مت رکھو۔ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا: کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ کے لیے حجت قائم کر دو جو تمہارے خلاف ہو کہ تم منافقین ہو؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: قرآن میں ہر دلیل حجت ہے اس کے بعد منافقین کے انجام کی خبر دی گئی ہے۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ: منافقین قعر جہنم میں سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے اور جہنم کے سات طبقے ہیں، ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: جہنم کے نچلے حصہ میں چوں کہ منافقین کفر کے ساتھ اسلام کے مذاق بھی اڑاتے تھے، جس طرح جنت کے درجات ہیں اسی طرح دوزخ کے درکات ہیں۔ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا: تم ان منافقین کا کوئی مددگار نہیں پاؤ گے جو ان کی مدد کر سکے اور دوزخ کے عذاب سے بچا سکے۔ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا: یہ استثنا ہے یعنی البتہ وہ لوگ جو نفاق سے توبہ کر لیں۔ وَاَصْلَحُوْا: یعنی اپنے اعمال اور نیتوں کی اصلاح کر لیں۔ وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ: کتاب اللہ اور اللہ کے دین پر

چلنا شروع کرلیں وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ: اور اپنے عمل سے صرف اور صرف اللہ کی رضا جوئی مطلوب ہو۔فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ: روز قیامت یہ لوگ مؤمنین کی جماعت میں سے ہوں گے۔وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا: آخرت میں اللہ انہیں اجر عظیم عطا فرمائے گا اور وہ جنت ہے۔مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ: تمہیں عذاب دینے میں اللہ کا کون سا نفع اور فائدہ ہے؟ کیا تمہیں عذاب دے کر اللہ کا غصہ ٹھنڈا ہوگا، یا کیا تم سے انتقام لے لے گا، یا اس میں اللہ کی دفع مضرت اور جلب منفعت ہے؟ وہ تو تم سے بے نیاز ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا: اللہ اپنے بندوں کی اطاعت کا قدردان ہے باوجود یہ کہ وہ غنی ہے اور بے نیاز ہے وہ عمل قلیل پر ثواب عظیم عطا فرماتا ہے۔

بلاغت: ......ان آیات میں فصاحت وبلاغت کے مختلف پہلو نمایاں ہیں۔قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ: میں قَوّٰمِيْنَ صیغہ مُبالغہ ہے۔یعنی زیادہ عدل کرنے والے۔غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا اور اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا: میں صنعت طباق ہے۔اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا میں تجنیس ناقص ہے۔کیوں کہ صیغوں کی شکل بدل گئی ہے۔يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ. جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا میں جناس اشتقاق ہے۔بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ: میں اسلوب تہکمی ہے کیوں کہ انذار کے مقام پر بشارت کا لفظ لایا گیا ہے۔وَهُوَ خَادِعُهُمْ: میں استعارہ ہے، اسم خداع بدلے کے لیے مستعار لیا گیا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ خداع (دھوکا) سے پاک ہے۔اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ: میں استفہام انکاری ہے، غرض اس سے توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ ہے۔

اول فائدہ: ......يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا: میں تکرار نہیں ہے، بلکہ اس کا معنی ہے کہ ایمان پر ثابت قدم رہو جیسے مؤمن کہتا ہے:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ: یعنی اے اللہ! ہمیں سیدھی راہ پر ثابت قدم رکھ۔

دوم فائدہ: ......مؤمنین کی فتح اور کامیابی کو اللہ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے اور یوں فرمایا ہے :فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ: جب کہ کفار کی کامیابی کو "نَصِيْبٌ" سے یوں تعبیر کیا ہے :وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ: ان کی کامیابی کو اللہ نے اپنی طرف منسوب نہیں کیا۔کیوں کہ مسلمانوں کی عظمت شان مقصود ہے اور کافروں کی خست وحقارت کو ظاہر کرنا ہے۔

سوم فائدہ: ......مفسرین کا بیان ہے کہ دوزخ کے سات درکات (طبق) ہیں: ① ......پہلا جهنم ② ...... لظیٰ ③ ......حطمه ④ ......سعیر ⑤ ......سقر ⑥ ......جحیم ⑦ ......هاویه بسا اوقات ایک طبقہ کو دوسرے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے چوں کہ سب طبقات میں قدر مشترک نار (آگ) ہے۔بحر میں یہی لکھا ہے۔

منافق کافر سے زیادہ خطرناک ہے

تنبیہ: ......اسی لیے منافق کو کافر کی بنسبت سخت عذاب ہوگا، چنانچہ ارشاد ہے :اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا: اللہ تعالیٰ نے کافر پر توبہ کی یہ شرط رکھی ہے کہ وہ کفر سے باز آ جائے صرف یہی شرط کافر کے لیے رکھی ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ: یعنی کفار سے کہہ دیجیے: اگر کفر سے باز آ جائیں تو ان کے گزشتہ کفریہ اعمال بخش دیے جائیں گے۔جب کہ منافق کی توبہ قابل قبول ہونے کے لیے چار شرائط رکھی ہیں:

① ......توبہ ② ......اصلاح ③ ......اعتصام ④ ......اخلاص دین، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ: البتہ جو لوگ توبہ کرلیں گے، اپنی اصلاح کرلیں گے، اللہ کا سہارا مضبوطی سے تھام لیں گے اور اپنے دین کو خالص اللہ کے لیے بنالیں گے۔اس سے معلوم ہوا کہ منافقین کفار سے زیادہ بُرے ہیں اور عذاب کے زیادہ مستحق ہیں۔اس کے بعد بھی اللہ نے فرمایا ہے :اُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ: یہ مؤمنین کے ساتھ ہیں اور یہ نہیں فرمایا :اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنِيْنَ: یہ لوگ مومن ہیں۔اس کے بعد فرمایا :وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا: اللہ مؤمنین کو اپنی طرف سے اجر عظیم عطا فرمائے گا۔یوں نہیں فرمایا :وَسَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ: چوں کہ ان سے اللہ کو بغض اور نفرت ہے کیوں کہ کفر نفاق شناعت میں بڑھا ہوا ہے۔اللہ ہمیں اپنی کتاب کے اسرار ورموز سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

(پانچویں پارہ کی تفسیر ختم ہوئی۔والحمد للہ علی ذلک)

پارہ نمبر ۶ ...... لَا يُحِبُّ اللّٰهُ

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ
تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ
اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ
ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۙ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۵۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا
رَّحِيْمًا ﴿۱۵۲﴾ يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ
فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ
الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ
وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾
فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ
بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۠﴿۱۵۵﴾ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا
عَظِيْمًا ۙ﴿۱۵۶﴾ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ
شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا
قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۙ﴿۱۵۷﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ
قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۚ﴿۱۵۹﴾ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ
طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۙ﴿۱۶۰﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ
اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶۱﴾ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ
وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ
وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ۧ﴿۱۶۲﴾

ترجمہ: ......اللہ تعالیٰ بری بات کے ظاہر کرنے کو پسند نہیں فرماتا سوائے اس شخص کے جس پر ظلم کیا گیا ہو اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے ﴿۱۴۸﴾ اگر تم

خیر کو ظاہر کرو یا اس کو چھپاؤ یا برائی کو معاف کرو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا قدرت رکھنے والا ہے۔ ﴿۱۴۹﴾ بلاشبہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان راہ تجویز کرلیں ﴿۱۵۰﴾ یہ وہ لوگ ہیں جو یقیناً کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کیا ہے۔ ﴿۱۵۱﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر اور ان میں کسی کے درمیان میں فرق نہیں کرتے یہ وہ لوگ ہیں کہ عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اجور عطا فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ ﴿۱۵۲﴾ اہل کتاب آپ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے ایک کتاب اتار دیں۔ سو وہ موسیٰ سے اس سے بھی بڑی بات کا سوال کر چکے ہیں انہوں نے یوں کہا کہ تو ہمیں آمنے سامنے اللہ تعالیٰ کو دکھا دے، سو ان کو ان کے ظلم کی وجہ سے بجلی نے پکڑ لیا، پھر انہوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا اس کے بعد کہ ان کے پاس دلائل آچکے تھے، پھر ہم نے اس کو معاف کر دیا، اور ہم نے موسیٰ کو صریح غلبہ دے دیا ﴿۱۵۳﴾ اور ہم نے لوگوں پر طور کو اٹھالیا ان سے مضبوط عہد لینے کی وجہ سے، اور ہم نے ان سے کہا کہ دروازے میں داخل ہو جاؤ جھکے ہوئے، اور ہم نے ان سے کہا کہ زیادتی نہ کرو سنیچر کے دن میں اور ہم نے ان سے لے لیا تھا بہت مضبوط عہد۔ ﴿۱۵۴﴾ سو ہم نے اس وجہ سے (ان پر لعنت کی) کہ انہوں نے عہد شکنی کی اور اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کیا، اور نبیوں کو ناحق قتل کیا۔ اور انہوں نے یوں کہا کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔ سو وہ ایمان نہ لائیں گے مگر تھوڑے سے لوگ۔ ﴿۱۵۵﴾ اور (اس وجہ سے بھی ان پر لعنت کی) کہ انہوں نے کفر اختیار کیا اور انہوں نے مریم پر بہت بڑا بہتان لگایا۔ ﴿۱۵۶﴾ اور انہوں نے یوں کہا کہ بلاشبہ ہم نے مسیح ابن مریم کو قتل کر دیا جو اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں حالانکہ انہوں نے نہ ان کو قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا لیکن ان کو شبہ میں ڈال دیا گیا، اور بلاشبہ جن لوگوں نے ان کے بارے میں اختلاف کیا وہ ضرور ان کے بارے میں شک میں ہیں، اٹکل پر چلنے کے سوا ان کو ان کے بارے میں کوئی علم نہیں اور یقیناً انہوں نے ان کو قتل نہیں کیا ﴿۱۵۷﴾ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا ہے۔ ﴿۱۵۸﴾ اور اہل کتاب میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہیں جو ان پر مرنے سے پہلے ایمان نہ لائے اور قیامت کے دن وہ ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ ﴿۱۵۹﴾ سو جن لوگوں نے یہودیت اختیار کی ہم نے ان کے ظلم کی وجہ سے ان پر وہ پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں جو ان کے لیے حلال کی گئیں تھیں اور اس وجہ سے کہ وہ اللہ کے راستے سے روکنے میں زیادہ مشغول رہے ہیں ﴿۱۶۰﴾ اور اس وجہ سے کہ وہ سود لیتے رہے حالانکہ اس سے منع کیا گیا تھا اور اس وجہ سے کہ وہ لوگوں کے مال باطل طریقے پر کھاتے رہے اور ہم نے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔ ﴿۱۶۱﴾ لیکن ان میں سے جو علم میں پختہ ہیں اور جو ایمان لانے والے ہیں وہ ایمان لاتے ہیں اس پر جو اتارا گیا آپ پر، اور جو اتارا گیا آپ سے پہلے، اور جو لوگ قائم کرنے والے ہیں نماز کو اور دینے والے ہیں زکوٰۃ کو اور جو ایمان لانے والے ہیں اللہ تعالیٰ پر آخرت کے دن پر ایسے لوگوں کو ہم عنقریب بڑا ثواب عطا کریں گے۔ ﴿۱۶۲﴾

ماقبل سے ربط و مناسب:..... قبل ازیں اللہ تعالیٰ نے منافقین اور ان کی رسوائی کا ذکر کیا ہے، اب ان آیات میں یہ بات بیان کی جارہی ہے کہ فضائح اور قبائح کا اظہار اللہ کو پسند نہیں، البتہ ایسے حق کی صورت میں ان کا اظہار ضروری ہے جہاں حق خطیر ہو اور اس کا ضیاع ہو رہا ہو، ایسی صورت میں تعجب کیوں کر ہو، اس کے بعد یہود کا ذکر کیا گیا ہے اور ان کی کچھ گھناؤنے جرائم کا ذکر بھی کیا گیا ہے، مثلاً یہود کا یہ مطالبہ تھا کہ وہ خدا کو کھلی آنکھوں دیکھنا چاہتے تھے، بچھڑے کی پرستش، عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھا دینے کا دعویٰ، پاکباز مریم پر تہمت وغیر ذالک۔

لغات: **جَهْرَةً**:..... کھلی آنکھوں دیکھنا۔ **بُهْتَانًا**: بہتان، جھوٹ جس کی شدت سے حیرت ہو جائے۔ **شُبِّهَ**: عیسیٰ علیہ السلام اور مقتول کے درمیان اشتباہ کا ڈال دیا جانا۔ **وَاَعْتَدْنَا**: ہم نے تیار کر رکھا ہے۔ **الرّٰسِخُوْنَ**: علم میں رسوخ اور پختگی پیدا کرنے والے۔

سبب نزول:..... کعب بن اشرف اور یہود کی ایک جماعت نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اے محمد! اگر تم نبی ہو تو ہمارے پاس آسمان سے یکبارگی کتاب لاؤ جیسے موسیٰ علیہ السلام تورات لائے تھے، اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾

فحش گوئی اور برائی کی تشہیر پسندیدہ نہیں

تفسیر: لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ:...... اللہ فحش بات اور زبان سے پہنچائی گئی اذیت کو پسند نہیں کرتا، ہاں البتہ مظلوم ظالم کو کھلی بددعا دے سکتا ہے، اس کے ظلم کا اظہار کرسکتا ہے اور اس کی برائی بیان کرسکتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: آیت کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں کہ کوئی شخص کسی کو بددعا دے، الا یہ کہ وہ مظلوم ہو تو وہ ظالم کو بددعا دے سکتا ہے۔[1] وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا: اللہ مظلوم کی بددعا کو سنتا ہے اور ظالم کو جانتا ہے۔

برائی کو معاف کرنا بہتر ہے

اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ:...... اے لوگو! اگر تم خیر و بھلائی کا عمل ظاہری کرو یا اسے خفیہ طور پر کرو یا جو شخص تمہارے ساتھ برائی کرے اسے معاف کرو۔ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا: اللہ بہت معاف کرنے والا ہے باوجود یہ کہ وہ دار و گیری پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: تمہارے اوپر سنت اللہ کی اقتدا لازمی ہے لہٰذا جن لوگوں سے زیادتی ہو انہیں معاف کر دیا کرو۔[2] اس آیت میں اللہ نے عفو و درگزر کی ترغیب دی ہے کہ اللہ باوجود قدرت رکھنے کے معاف فرما دیتا ہے حالاں کہ تم کمزور ہو تم معاف کیوں نہیں کرتے؟ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ: یہ آیت یہود اور نصاریٰ کے بارے میں ہے، کیوں کہ یہ لوگ اپنے انبیا پر تو ایمان لائے پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کفر کر بیٹھے۔ چنانچہ ایک نبی کا انکار بھی سب انبیا کا انکار ہوتا ہے اور انبیا کا انکار حقیقت میں اللہ کا انکار ہے۔

پکے اور اصل کافر

وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ:...... اللہ اور اس کے پیغمبروں میں فرق کرنا یوں ہے کہ اللہ پر ایمان لایا جائے اور پیغمبروں کا انکار کر دیا جائے، اسی طرح پیغمبروں میں فرق کرنا یوں ہے کہ بعض پیغمبروں پر ایمان لایا جائے اور بعض کا انکار کر دیا جائے۔ اللہ نے اس کی تفسیر یوں کی ہے: وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ: ہم بعض پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں: اس بات کے قائل اللہ کے دشمن یہود و نصاریٰ ہیں۔ یہود نے تورات پر ایمان لایا اور انجیل و عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کر دیا، نصاریٰ انجیل اور عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان تو لائے لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر دیا اور دین اسلام کو چھوڑ دیا۔ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا یہ لوگ کفر و ایمان کے درمیان میں کوئی متوسط راستہ ڈھونڈ رہے ہیں، حالاں کہ کفر و ایمان کے درمیان کوئی راستہ نہیں ہے۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا: یہ لوگ جو قبیح صفات سے موصوف ہیں، یہ پکے کافر ہیں اگرچہ ایمان کا دعویٰ کرتے ہوں۔ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا: ہم نے ان لوگوں کے لیے شدید عذاب تیار کر رکھا ہے جو ان کے لیے رسوا کن ہے اور یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہیں گے۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ: اور جو لوگ اللہ کی تصدیق کریں اور تمام پیغمبروں کا اقرار کریں یہ پکے مؤمنین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین ہیں، یہ پیغمبروں میں فرق روا نہیں رکھتے بلکہ سبھی پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں۔ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ: ہم ان مؤمنین کو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے پر پورا پورا ثواب عطا کریں گے۔ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا: جو گناہ ہو جاتے ہیں اللہ انہیں بخش دیتا ہے اور اپنے بندوں پر قسم قسم کے انعامات کرتا ہے۔ يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ: یہ آیت علمائے یہود کے بارے میں ہے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اگر تم نبی ہو تو یکبارگی آسمان سے ہمارے پاس کتاب لاؤ جیسے موسیٰ لائے تھے، یہود نے ضد و حسد اور عناد کی وجہ سے کہا تھا، اللہ نے ان کے سوال کا تذکرہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے ذکر کیا ہے۔ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً: یہود نے موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا

---

[1] مختصر ابن کثیر ۱ / ۴۵۲ [2] ابوالسعود ۱ / ۳۹۳

تھا کہ انہیں کھلم کھلا اللہ کا دیدار کراؤ۔ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ: چنانچہ آسمان سے ان پر آگ نازل ہوئی جس نے ان کے ظلم کی وجہ سے انہیں بھسم کر دیا۔ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ: پھر یہودیوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا اور اسے خدا سمجھ کر پوجنے لگے حالاں کہ ان کے پاس معجزات اور دلائل آ چکے تھے۔ مثلاً عصا، ہاتھ کا چمکدار ہونا، دریا کا راستہ دینا وغیرہ۔ ابومسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رویت باری تعالیٰ کا مطالبہ اگر چہ یہود کے اسلاف کا تھا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے یہودی اپنے اسلاف کے پیروکار تھے لہٰذا ہر وہ عمل جو ان کے اسلاف کا تھا ان کی طرف منسوب ہے۔[1] فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ: یہود نے جن نافرمانیوں کا ارتکاب کیا باوجود یہ کہ عظیم جرائم تھے اللہ نے معاف کر دیے۔ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا: ہم نے موسیٰ کو کھلی دلیل اور معجزہ دیا جو ان کی سچائی اور صحت نبوت کو ظاہر کرتا تھا، طبری کہتے ہیں: سلطان سے مراد واضح معجزات ہیں جو اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو عطا کیے تھے۔

یہود کی نافرمانیاں

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ:...... جب انہوں نے تورات کی شریعت ماننے سے انکار کیا تو ہم نے ان پر پہاڑ لا کھڑا کیا تاکہ وہ کیے گئے پختہ عہد کو قبول کر لیں۔ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا: بیت المقدس کے دروازے سے سر جھکائے ہوئے داخل ہو، تاکہ تم اللہ کے حضور عاجزی کرو، تاہم جس چیز کا انہیں حکم دیا گیا تھا اس کی انہوں نے مخالفت کی اور سرینوں کے بل ہجوم بناتے ہوئے داخل ہوئے اور بطور استہزا "حنطة فی شعرة"[2] کہتے ہوئے داخل ہوئے۔ وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ: یعنی ہفتے کے دن مچھلیاں پکڑ کر حد سے تجاوز مت کرو، انہوں نے اس کی بھی مخالفت کی اور مچھلیاں برابر شکار کرتے رہے۔ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا: ہم نے ان سے پختہ تاکیدی عہد لیا۔ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ: ان کے عہد توڑنے کے بسبب ہم نے ان پر لعنت کی اور انہیں ذلیل ورسوا کیا۔ فَبِمَا میں مَا برائے تاکید ہے۔ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ: اور ان کے اللہ کی آیات کے انکار کے بسبب وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ: اور ناحق انبیا کو قتل کرنے کے سبب، جیسے زکریا علیہ السلام کو انہوں نے قتل کیا۔ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ: اور ان کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہنے کی وجہ سے کہ ہمارے دلوں پر پردے ہیں اسی لیے ہم ان کی بات سمجھ نہیں پاتے، اللہ نے یہود پر رد کرتے ہوئے فرمایا: بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا: بلکہ ان کے کفر اور گمراہی کی وجہ سے اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے، ان میں سے بہت کم لوگ ایمان لاتے ہیں جیسے عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی۔ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا: اور ان کے کفر کا راستہ اختیار کرنے اور مریم رضی اللہ عنہا پر بہت بڑا بہتان باندھنے کے بسبب ہم نے ان پر لعنت کی، چنانچہ ان بدبختوں نے مریم رضی اللہ عنہا پر زنا کی تہمت لگائی، حالاں کہ اللہ نے انہیں سارے جہان کی عورتوں پر فضیلت بخشی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی نہیں دی گئی وہ زندہ ہیں

وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ:...... اور ان کے یہ بات کہنے کے بسبب کہ ہم نے اس شخص کو قتل کر دیا ہے جو پیغمبر ہونے کا دعویٰ کرتا تھا۔ یہودی استہزا کے طور پر یہ بات کرتے تھے جیسے فرعون کہا کرتا تھا۔ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ: کہ تمہارا رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے وہ تو مجنون ہے، یہود تو عیسیٰ علیہ السلام کو ولد زنا (العیاذ باللہ) اور مریم علیہا السلام کو زانیہ سمجھتے تھے اور عیسیٰ علیہ السلام کے رسول ہونے کا عقیدہ نہیں رکھتے تھے۔ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ: یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا اور نہ ہی انہیں سولی پر چڑھایا لیکن یہودیوں نے ایک ایسے شخص کو قتل کیا اور سولی پر چڑھایا جسے عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ بنا دیا گیا تھا، بیضاوی کہتے ہیں: ایک شخص عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق منافقت اور جاسوسی کیا کرتا تھا، وہ یہودیوں کی رہبری کرتے ہوئے اپنے گھر سے نکلا اللہ نے اسے عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ بنا دیا یہودیوں نے اسے پکڑ کر قتل کیا اور سولی پر لٹکا دیا جب کہ یہودی اسے عیسیٰ علیہ السلام سمجھتے رہے۔[3]

---

[1] ابوالسعود ۱/ ۳۹۴ [2] مقولہ کا معنی ہے کہ ہمیں گندم چاہیے، حطۃ کی بجائے یہ مقولہ کہتے تھے، حطۃ کا معنی ہے ہماری خطا معاف کی جائے۔ [3] البیضاوی ص ۱۴۱

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ:...... جو لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ ان کے قتل کے متعلق شک میں پڑے ہوئے ہیں، روایت ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھالیا گیا اور ان کی شبہ ایک اور آدمی پر ڈال دی گئی تو یہودیوں نے اس مشابہ شخص کو پکڑ کر قتل کر دیا اور کہنے لگے: اگر یہ مقتول عیسیٰ ہے تو ہمارا آدمی کہاں گیا؟ اگر یہ ہمارا آدمی ہے تو عیسیٰ کہاں گیا؟ اختلاف میں پڑ گئے، بعض کہنے لگے یہی عیسیٰ ہے اور بعض کہنے لگے یہ عیسیٰ نہیں ہے بلکہ کوئی اور ہے، البتہ ان سب نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ ایک شخص قتل کیا گیا ہے، اس میں اختلاف ہوا کہ وہ مقتول ہے کون۔ [1] مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ: ان کے پاس عیسیٰ کے قتل کے بارے میں حقیقی علم نہیں ہے یہ تو صرف وہم و گمان کے پیچھے چل رہے ہیں۔ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ یقین رکھتے ہوئے انہوں نے عیسیٰ کو قتل نہیں کیا کہ یہ واقعی عیسیٰ ہے بلکہ انہیں شک و وہم تھا، اللہ نے عیسیٰ کو ان کے شر سے نجات دی اور اسے آسمانوں پر اٹھالیا، وہ اپنے جسد و روح کے ساتھ زندہ ہیں۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ سے اس پر دلالت ہوتی ہے۔ [2] وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا: اللہ اپنی بادشاہت میں غالب ہے اور اپنی کاریگری میں حکمت سے کام کرتا ہے۔ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ: یہود و نصاریٰ میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو اپنے مرنے سے پہلے عیسیٰ پر ضرور بضرور ایمان نہ لائے یہ اس وقت جب وہ موت کے فرشتے کو کھلی آنکھ سے دیکھ رہا ہوگا لیکن اس وقت اسے ایمان کوئی نفع نہیں پہنچائے گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: یہودی اس وقت تک نہیں مرتا یہاں تک کہ عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لے آئے، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا: بتائیں کہ اگر کسی یہودی کی گردن ماری جائے تو؟ فرمایا: وہ اپنی زبان کو حرکت دے دیتا ہے۔ یہ تفسیر مجاہد، عکرمہ اور ابن سیرین سے بھی منقول ہے۔ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا: عیسیٰ یہود کے خلاف گواہی دیں گے کہ انہوں نے ان کی تکذیب کی ہے اور نصاریٰ کے خلاف یہ گواہی دیں گے کہ انہوں نے ان کو ابن اللہ کہا ہے۔

شریعت موسوی میں سختی کی وجہ

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ:...... یہود کے ظلم کے بسبب اور جو انہوں نے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کیا ہے کے بسبب ہم نے یہود پر مختلف انواع واقسام کے طیبات یعنی پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں جو فی الواقع حلال تھیں۔ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا: اور اس وجہ سے بھی کہ وہ کثیر لوگوں کو اللہ کے دین میں داخل ہونے سے روکتے تھے، مجاہد کہتے ہیں: یہود خود بھی دین میں داخل ہونے سے باز رہے اور دوسروں کو بھی منع کرتے تھے۔ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ: اور ان کے سود لینے کی وجہ سے بھی حالاں کہ انہیں سود سے منع کیا گیا تھا، اللہ نے تورات میں حرمت سود کا حکم نازل کیا تھا۔ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ: رشوت اور بے شمار باطل طریقوں سے لوگوں کے اموال کھانے کی وجہ سے بھی۔ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا: ان یہود میں سے جو کفار ہیں ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ: البتہ ان یہودیوں میں سے جو لوگ علم میں پختہ کار ہیں جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت۔ وَالْمُؤْمِنُوْنَ: یعنی مہاجرین و انصار جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں اور اہل کتاب میں سے نہیں۔ يُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ: جو آسمانی کتب اور تمام انبیا پر ایمان رکھتے ہیں۔ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ: یعنی میں (اللہ) ایسے لوگو کی مدح سرائی کرتا ہوں جو نماز قائم کرنے والے ہیں۔ اَلْمُقِيْمِيْنَ منصوب علی المدح ہے۔ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ: اور جو لوگ اپنے اموال کی زکوٰۃ دیتے ہیں۔ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ: اور جو لوگ اللہ کی وحدانیت پر ایمان رکھتے ہیں اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے پر یقین رکھتے ہیں اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا: جن لوگوں کی یہ صفات بیان کی گئی ہیں انہیں ہم ان کی اطاعت پر اجر عظیم عطا کریں گے اور وہ جنت میں داخلہ ہے۔

---

[1] التسہیل العلوم التنزیل ۱/ ۱۶۳ [2] ان میں سے ایک حدیث شیخین کی یہ بھی ہے کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے عنقریب تمہارے درمیان ابن مریم نازل ہوں گے اور وہ عادل منصف ہوں گے صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ ختم کر دیں گے۔

بلاغت :......ان آیات میں بلاغت اور فصاحت کے مختلف پہلو نمایاں ہیں۔ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اور نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ : میں طباق ہے۔ قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ: یہود نے بر سبیل تہکم واستہزا کہا تھا، چوں کہ یہود عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ فَبِمَا نَقْضِهِمْ :میں حرف زائد معنی تاکید کے لیے ہے۔اصل یوں ہے۔فَبِنَقْضِهِمْ۔

الرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ :......میں استعارہ ہے، رسوخ کو علمی پختگی کے لیے بطور استعارہ لیا گیا ہے۔اسی طرح قُلُوْبُنَا غُلْفٌ: میں بھی استعارہ ہے، غلاف کو غطاء (پردہ) کے معنی میں بطور استعارہ لیا گیا ہے جو عدم فہم کے لیے ہے۔اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا: میں غیبوبت کی طرف سے تکلم کی طرف التفات ہے۔وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ: میں مجاز مرسل ہے کل بول کر بعض مراد لیا ہے۔

فوائد:......تسہیل میں لکھا ہے: یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کو "رسول اللہ" کیسے کہہ دیا حالاں کہ وہ ان کے منکر تھے اور انہیں گالیاں دیتے تھے؟

جواب :......اس شبہ کے تین جوابات دیے گئے ہیں: ① ...... یہود نے ایسا بر سبیل تہکم (استہزا) کہا ہے۔② ...... یہود نے مسلمانوں کے اعتقاد کے مطابق کہا ہے گویا یوں کہا: تمہارے بقول اللہ کے رسول ہے۔③ ...... "رسول اللہ" اللہ کا قول ہے لہٰذا اس سے پہلے وقف ہوگا، اس کا فائدہ یہ ہے کہ یہود کے گناہ کی بڑھائی واضح کرنا ہے اور ان کے قول کہ ہم نے عیسیٰ کو قتل کر دیا کی تقبیح اور تکذیب مقصود ہے۔وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ: میں یہود کی تکذیب اور تردید ہے، اس میں نصاریٰ کی بھی تردید ہے، چنانچہ نصاریٰ کہتے تھے کہ عیسیٰ کو سولی پر چڑھا دیا گیا، پھر انہوں نے صلیب کی پوجا شروع کر دی۔ تعجب در تعجب ہے ایک طرف کہتے ہیں کہ عیسیٰ ابن اللہ ہے دوسری طرف کہتے ہیں کہ انہیں سولی پر چڑھا دیا گیا، بھلا خدا کا بیٹا ہو اور کمزور مخلوق اسے سولی پر چڑھا دے، بھلا خدا کی خدائی کدھر رہی جو مخلوق اس کے بیٹے پر ظلم کر گئی اور وہ اپنے بیٹے کی مدد بھی نہ کر سکا۔العیاذ باللہ۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع سماء کی حقیقت

تنبیہ:......آیت کریمہ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ :اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول عیسیٰ علیہ السلام کو یہود اشرار کے شر سے محفوظ کر لیا، چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام مقتول نہیں ہوے اور نہ ہی انہیں سولی پر چڑھایا گیا، یہود نے تو ایک دوسرے شخص کو سولی پر چڑھا دیا ہے جسے بدفہمی کی بنا پر عیسیٰ علیہ السلام سمجھ بیٹھے تھے، یہ وہی شخص تھا جسے اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ بنا دیا تھا چنانچہ یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ شخص کو قتل کر دیا اور اسے سولی پر چڑھا دیا، یہی حق و سچ بات ہے اور اسی کا عقیدہ رکھنا چاہیے۔ رہی بات نصرانیوں کی، ان کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام سولی پر چڑھا دیے گئے اور یہودیوں نے ان کی اہانت کی اور ان کے سر پر کانٹے رکھ دیے، حالاں کہ عیسیٰ علیہ السلام عاجزی کرتے رہے باوجود یہ کہ نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا بھی کہتے تھے، اور ان کے زعم کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام انسانیت کو نجات دلانے کے لیے آئے تھے، کسی نے کیا ہی خوبصورت اشعار کہے ہیں:

عجبًا للمسیح بین النصاریٰ والی ایّ والد نسبوہ

مسیح علیہ السلام کے معاملہ میں تعجب ہے کہ نصاریٰ انہیں کس والد کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

أسلموہ الی الیهود وقالوا انهم بعد ضربه صلبوہ۔

عیسیٰ علیہ السلام کو نصاری نے یہودیوں کے سپرد کر دیا اور کہنے لگے کہ یہودیوں نے انہیں پہلے قتل کیا اور پھر انہیں سولی پر چڑھا دیا۔

فاذا کان مایقولون حقًا وصحیحاً فأین کان ابوہ۔

نصرانیوں کی بات اگر حق و سچ ہے تو پھر عیسیٰ علیہ السلام کے والد (جو ان کے بقول خدا ہے) کہاں تھا؟

حین خلّی ابنه رهین الأعادی اتراهم أرضوہ ام اغضبوہ؟

جب خدا نے اپنے بیٹے کو تنہا چھوڑ دیا اور دشمنوں کے قبضہ میں دے دیا، کیا یہودیوں نے انہیں خوش رکھا یا غصہ میں رکھا۔

فلئن کان راضیًا بأذاهم فاحمدوهم لأنهم عذبوہ۔

اگر عیسیٰ یہودیوں کی ایذارسانی پر راضی تھے تو پھر تم یہود کی تعریف کرو کیوں کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو اذیت اور عذاب پہنچا رہے تھے۔

ولئن کان ساخطا فاترکوہ واعبدوھم لا نھم غلبوہ۔

اگر عیسیٰ علیہ السلام یہود سے ناراض تھے تو پھر انہیں چھوڑ دو اور یہود ہی کی عبادت کرو کیوں کہ وہ خدا کے بیٹے پر غالب آ ئے۔

نصاریٰ کو ترک غلو کی دعوت

إِنَّآ أَوۡحَيۡنَآ إِلَيۡكَ كَمَآ أَوۡحَيۡنَآ إِلَىٰ نُوحٖ وَٱلنَّبِيِّـۧنَ مِنۢ بَعۡدِهِۦۚ وَأَوۡحَيۡنَآ إِلَىٰٓ إِبۡرَٰهِيمَ وَإِسۡمَٰعِيلَ وَإِسۡحَٰقَ وَيَعۡقُوبَ وَٱلۡأَسۡبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَٰرُونَ وَسُلَيۡمَٰنَۚ وَءَاتَيۡنَا دَاوُۥدَ زَبُورٗا ﴿١٦٣﴾ وَرُسُلٗا قَدۡ قَصَصۡنَٰهُمۡ عَلَيۡكَ مِن قَبۡلُ وَرُسُلٗا لَّمۡ نَقۡصُصۡهُمۡ عَلَيۡكَۚ وَكَلَّمَ ٱللَّهُ مُوسَىٰ تَكۡلِيمٗا ﴿١٦٤﴾ رُّسُلٗا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى ٱللَّهِ حُجَّةُۢ بَعۡدَ ٱلرُّسُلِۚ وَكَانَ ٱللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمٗا ﴿١٦٥﴾ لَّٰكِنِ ٱللَّهُ يَشۡهَدُ بِمَآ أَنزَلَ إِلَيۡكَۖ أَنزَلَهُۥ بِعِلۡمِهِۦۖ وَٱلۡمَلَٰٓئِكَةُ يَشۡهَدُونَۚ وَكَفَىٰ بِٱللَّهِ شَهِيدًا ﴿١٦٦﴾ إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ وَصَدُّواْ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ قَدۡ ضَلُّواْ ضَلَٰلَۢا بَعِيدًا ﴿١٦٧﴾ إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ وَظَلَمُواْ لَمۡ يَكُنِ ٱللَّهُ لِيَغۡفِرَ لَهُمۡ وَلَا لِيَهۡدِيَهُمۡ طَرِيقًا ﴿١٦٨﴾ إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خَٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدٗاۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى ٱللَّهِ يَسِيرٗا ﴿١٦٩﴾ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدۡ جَآءَكُمُ ٱلرَّسُولُ بِٱلۡحَقِّ مِن رَّبِّكُمۡ فَـَٔامِنُواْ خَيۡرٗا لَّكُمۡۚ وَإِن تَكۡفُرُواْ فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِۚ وَكَانَ ٱللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمٗا ﴿١٧٠﴾ يَٰٓأَهۡلَ ٱلۡكِتَٰبِ لَا تَغۡلُواْ فِي دِينِكُمۡ وَلَا تَقُولُواْ عَلَى ٱللَّهِ إِلَّا ٱلۡحَقَّۚ إِنَّمَا ٱلۡمَسِيحُ عِيسَى ٱبۡنُ مَرۡيَمَ رَسُولُ ٱللَّهِ وَكَلِمَتُهُۥٓ أَلۡقَىٰهَآ إِلَىٰ مَرۡيَمَ وَرُوحٞ مِّنۡهُۖ فَـَٔامِنُواْ بِٱللَّهِ وَرُسُلِهِۦۖ وَلَا تَقُولُواْ ثَلَٰثَةٌۚ ٱنتَهُواْ خَيۡرٗا لَّكُمۡۚ إِنَّمَا ٱللَّهُ إِلَٰهٞ وَٰحِدٞۖ سُبۡحَٰنَهُۥٓ أَن يَكُونَ لَهُۥ وَلَدٞۘ لَّهُۥ مَا فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِي ٱلۡأَرۡضِۗ وَكَفَىٰ بِٱللَّهِ وَكِيلٗا ﴿١٧١﴾ لَّن يَسۡتَنكِفَ ٱلۡمَسِيحُ أَن يَكُونَ عَبۡدٗا لِّلَّهِ وَلَا ٱلۡمَلَٰٓئِكَةُ ٱلۡمُقَرَّبُونَۚ وَمَن يَسۡتَنكِفۡ عَنۡ عِبَادَتِهِۦ وَيَسۡتَكۡبِرۡ فَسَيَحۡشُرُهُمۡ إِلَيۡهِ جَمِيعٗا ﴿١٧٢﴾ فَأَمَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّٰلِحَٰتِ فَيُوَفِّيهِمۡ أُجُورَهُمۡ وَيَزِيدُهُم مِّن فَضۡلِهِۦۖ وَأَمَّا ٱلَّذِينَ ٱسۡتَنكَفُواْ وَٱسۡتَكۡبَرُواْ فَيُعَذِّبُهُمۡ عَذَابًا أَلِيمٗا وَلَا يَجِدُونَ لَهُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ وَلِيّٗا وَلَا نَصِيرٗا ﴿١٧٣﴾ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدۡ جَآءَكُم بُرۡهَٰنٞ مِّن رَّبِّكُمۡ وَأَنزَلۡنَآ إِلَيۡكُمۡ نُورٗا مُّبِينٗا ﴿١٧٤﴾ فَأَمَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ بِٱللَّهِ وَٱعۡتَصَمُواْ بِهِۦ فَسَيُدۡخِلُهُمۡ فِي رَحۡمَةٖ مِّنۡهُ وَفَضۡلٖ وَيَهۡدِيهِمۡ إِلَيۡهِ صِرَٰطٗا مُّسۡتَقِيمٗا ﴿١٧٥﴾ يَسۡتَفۡتُونَكَ قُلِ ٱللَّهُ يُفۡتِيكُمۡ فِي ٱلۡكَلَٰلَةِۚ إِنِ ٱمۡرُؤٌاْ

وقف لازم ۔ ۴۰۴

هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَاِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾

ع ۵

ترجمہ:...... بے شک ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی جیسا کہ وحی بھیجی نوح کی طرف اور ان نبیوں کی طرف جو ان کے بعد آئے اور ہم نے وحی بھیجی ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب کی طرف اور یعقوب کی اولاد کی طرف اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف، اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی، ﴿۱۶۳﴾ اور ہم نے بہت سے ایسے رسول بھیجے جن کا ہم نے آپ سے اس سے پہلے حال بیان کیا اور بہت سے ایسے رسول بھیجے جن کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا، اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے خاص طور پر کلام کیا ﴿۱۶۴﴾ ہم نے رسول بھیجے جو خوش خبری سنانیوالے تھے اور ڈرانے والے تھے تاکہ پیغمبروں کے آنے کے بعد کے لیے اللہ پر کوئی حجت باقی نہ رہے، اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا ہے، ﴿۱۶۵﴾ لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے اس چیز کی جو آپ کی طرف اتاری، اس کو اپنے علم کے ساتھ اتاری ہے اور فرشتے گواہی دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی شہادت ہی کافی ہے۔ ﴿۱۶۶﴾ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے سے روکا بے شک وہ بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑے ﴿۱۶۷﴾ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور ظلم کیا اللہ ان کو نہیں بخشے گا ﴿۱۶۸﴾ اور نہ جہنم کی راہ کے علاوہ انہیں کوئی راہ بتلائے گا وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ اللہ پر آسان ہے۔ ﴿۱۶۹﴾ اے لوگو! بے شک تمہارے پاس حق کے ساتھ تمہارے رب کی طرف سے رسول آ گیا سو تم ایمان لاؤ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر تم کفر کرو سو بلاشبہ اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اور اللہ جاننے والا ہے اور حکیم ہے۔ ﴿۱۷۰﴾ اے اہل کتاب! غلو نہ کرو اپنے دین میں اور مت کہو اللہ کی شان میں مگر حق بات، مسیح جو عیسیٰ ابن مریم ہیں وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اللہ کا کلمہ ہیں جس کو اللہ نے مریم تک پہنچایا اور اللہ کی طرف سے ایک روح ہے، سو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور مت کہو کہ تین خدا ہیں اس سے باز آ جاؤ یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا۔ معبود صرف اللہ ہی ہے جو اکیلا ہے وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو۔ اسی کے لیے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور اللہ کارساز ہونے کے لیے کافی ہے۔ ﴿۱۷۱﴾ مسیح ہرگز اس کو عار نہیں سمجھے گا کہ اللہ کا بندہ بنے اور نہ مقرب فرشتے، اور جو کوئی شخص عار کرے اللہ کی عبادت سے اور تکبر کرے تو ان کو عنقریب اپنے پاس جمع فرمائے گا۔ ﴿۱۷۲﴾ سو جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کو پورے پورے بدلے عطا فرمائے گا اور فضل سے اور زیادہ دے گا اور جن لوگوں نے عار کی اور تکبر کیا سو ان کو دردناک عذاب دے گا اور یہ لوگ اپنے لیے اللہ کے سوا کوئی یار اور مددگار نہ پائیں گے۔ ﴿۱۷۳﴾ اے لوگو! بے شک آئی ہے تمہارے پاس دلیل تمہارے رب کی طرف سے اور ہم نے اتارا ہے تمہاری طرف واضح نور ﴿۱۷۴﴾ سو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اسے مضبوطی سے پکڑا تو عنقریب ان کو اپنی رحمت اور فضل میں داخل فرمائے گا اور ان کو اپنی طرف سے سیدھے راستہ پر پہنچا دے گا۔ ﴿۱۷۵﴾ لوگ آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں آپ فرما دیجیے اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے، اگر کوئی شخص مر جائے اس کے کوئی اولاد نہیں اور اس کی ایک بہن ہے تو اس کے لیے اس مال میں کا آدھا ہے جو مرنے والے نے چھوڑا اور بہن کے پورے مال کا وارث ہوگا اگر اس بہن کے کوئی اولاد نہ ہو پس اگر دو بہنیں ہیں تو ان کے لیے اس مال میں سے دو تہائی ہے جو مرنے والے نے چھوڑا۔ اور اگر یہ لوگ بہن بھائی ہوں تو ایک مرد کے لیے دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے، اللہ تمہارے لیے بیان فرماتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو، اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ ﴿۱۷۶﴾

ماقبل سے ربط وتعارف: ...... قبل ازیں یہود کے جرائم اور کفریات کا ذکر کیا گیا کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا اور ان کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی انکار کیا، اب یہاں اس امر کا تذکرہ کیا جا رہا ہے کہ تمام رسولوں پر ایمان رکھنا شرط ہے اور یہ کہ اللہ نے تمام رسولوں کو بشارت سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ پھر نصاریٰ کو ترک غلو کی دعوت دی گئی ہے کہ مسیح علیہ السلام کے بارے میں غلو نہ کریں یعنی ابن اللہ یا تین کا تیسرا کا اعتقاد چھوڑ دیں، چنانچہ نصاریٰ کے زعم کی طرح عیسیٰ علیہ السلام ابن اللہ نہیں ہیں اور ایسے بھی نہیں جیسا کہ یہودیوں کا گمان ہے کہ عیسیٰ ابن زنا ہیں (العیاذ باللہ)

چنانچہ فریقین افراط وتفریط کا شکار ہیں۔ پھر سورت کریمہ حقوق ورثہ کی رعایت کے تذکرہ پر ختم کی گئی ہے۔

لغات: تَغْلُوْا:...... الغلو سے ماخوذ ہے، حد سے تجاوز کرنا۔ یَّسْتَنْکِفَ: صیغہ واحد مذکر غائب وہ ننگ وعار سمجھتا ہے۔ زجاج کہتے ہیں: نکفت الدمع یہ مقولہ اس وقت بولا جاتا ہے جب آنسو گر کر رخساروں پر آجائیں اور مبتلا بہ انگلی سے صاف کر دے۔ بُرْهَانٌ: دلیل، معجزات مراد ہیں۔ وَاعْتَصَمُوْا: انہوں نے پناہ لی۔ الْكَلٰلَةِ: جس کی اولاد اور والد نہ ہو۔ اس کی تشریح پہلے گزر چکی ہے۔

شان نزول:...... نصاریٰ کا ایک وفد رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگے: اے محمد! تم ہمارے صاحب پر عیب کیوں لگاتے ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے صاحب کون ہیں؟ نصاریٰ بولے: عیسیٰ۔ فرمایا: بھلا میں ان کے بارے میں کیا کہتا ہوں؟ بولے: تم کہتے ہو کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ آپ ﷺ نے نصرانیوں سے فرمایا: اس میں عیسیٰ علیہ السلام کے لیے کوئی عار نہیں، نصرانیوں نے کہا: کیوں نہیں۔ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا [1]

مراتب انبیا اور ان کا پیغام

تفسیر:...... اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ: اے محمد! ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی جیسے نوح اور ان کے بعد انبیا کی طرف وحی بھیجی۔ خطاب میں رسول کریم ﷺ کو بقیہ انبیا کے ذکر سے مقدم رکھا ہے اگرچہ آپ کی نبوت مؤخر ہے کیوں کہ تقدم رتبی کو تقدم زمانی پر فوقیت حاصل ہے، گویا آپ کے فضل ومرتبہ کی رعایت رکھتے ہوئے آپ کا ذکر مقدم رکھا گیا ہے۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ: ہم نے تمام انبیا کی طرف وحی بھیجی۔ ابراہیم، اسماعیل ...... الخ کی طرف وحی بھیجی، ان مذکورین انبیا کے مرتبے کا لحاظ رکھتے ہوئے بالخصوص انہیں ذکر کیا گیا ہے۔

محمد ﷺ کے بعد نوح علیہ السلام کو ذکر کیا گیا ہے کیوں کہ نوح علیہ السلام شیخ الانبیا اور ثانی ابوالبشر ہیں، نوح علیہ السلام کے بعد ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے کیوں کہ آپ انبیا کے تیسرے باپ ہیں، شجرۂ نبوت کی شاخیں انہیں سے نکلتی ہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ: آیت میں عیسیٰ علیہ السلام کو چار انبیا پر مقدم کیا ہے، کیوں کہ یہ انبیا عیسیٰ علیہ السلام کی پیروی کی سختی سے تاکید کرتے تھے، نیز یہود عیسیٰ علیہ السلام کی ذات پر طعن کرتے تھے اور نصاریٰ ان کی تقدیس پر حرف گیری کرتے تھے۔ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا: اور ہم نے بالخصوص داؤد کو زبور عطا کی، قرطبی کہتے ہیں: زبور میں ایک سو پچاس (۱۵۰) سورتیں تھیں، ان میں احکام نہیں تھے بلکہ حکمت اور مواعظ تھے۔ [2]

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ:...... ہم نے اور بھی پیغمبر بھیجے، اے محمد! ان میں سے کچھ کی خبریں ہم نے تم سے ذکر کی ہیں۔ یہ خبریں اس سورت کے علاوہ دوسری سورتوں میں ہیں۔ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ: اور بہت سارے دوسرے پیغمبر بھی ہیں جن کے احوال کی خبر تمہیں نہیں دی۔ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا: اللہ نے موسیٰ کو یہ خصوصیت عطا فرمائی کہ ان سے بلا واسطہ کلام کیا اسی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کو کلیم بھی کہا جاتا ہے تَكْلِيْمًا: کی تاکید مجاز کے احتمال کو ختم کرنے کے لیے لائی گئی ہے۔ ثعلب کہتے ہیں: اگر یہ تاکید نہ لائی گئی ہوتی تو خط کے بھیجنے کو بھی مجازاً کلام سے تعبیر کر دیا جاتا یا قاصد کے ذریعہ کلام ہو جاتا، لیکن جب تَكْلِيْمًا: کی تاکید لائی گئی تو جملہ احتمالات ختم ہو گئے اور یہ وہی کلام ہو سکتا ہے جو من جانب اللہ مسموع ہو۔ [3] رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ: پیغمبر بھیجے جو اپنے متبعین کو جنت کی خوشخبری دیتے اور نافرمانوں کو دوزخ کی آگ کا ڈر سناتے لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ: اللہ نے ان پیغمبروں کو بھیجا تاکہ اس طرح حجت تمام ہو جائے کہ لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ اگر ہماری طرف پیغمبر مبعوث کیے جاتے تو ہم ایمان لے آتے، چنانچہ پیغمبر بھیج کر اللہ نے انسانوں کی حجت ختم کر دی۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا: اللہ اپنی بادشاہت میں غالب ہے اور اپنی کاریگری میں حکیم ہے۔ اس کے بعد یہود پر رد کیا گیا ہے جب کہ انہوں نے محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کیا۔

---

[1] اسباب النزول للواحدی ص ۱۰۷ [2] القرطبی ۲۶/۶ [3] البحر ۳۹۹/۳

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ: ۔اگر یہ لوگ تمہاری نبوت کی گواہی نہیں دیتے اللہ تو گواہی دیتا ہے اور اس کی بھی گواہی دیتا ہے کہ تمہارے اوپر قرآن نازل کیا گیا ہے۔اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ: اللہ نے اپنے علم خاص کے ذریعہ قرآن نازل کیا ہے قرآن کے معجز اسلوب کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، فرشتے بھی اس کی گواہی دیتے ہیں اور تمہاری نبوت کی بھی گواہی دیتے ہیں۔وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا: اللہ بطور گواہ کافی ہے، اللہ کی گواہی دوسروں سے تمہیں بے نیاز کردے گی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًا بَعِيْدًا: جن لوگوں نے خود بھی کفر کیا اور لوگوں کو اللہ کے دین میں داخل ہونے سے منع کرتے رہے وہ سیدھی راہ سے پھر گئے ہیں کیوں کہ ان لوگوں نے ضلالت واضلال (دوسروں کو گمراہ کرنا) کو اپنے اندر جمع کرلیا ہے، ان کی گمراہی تو انتہا درجے کی ہے۔اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا: علامہ زمخشری کہتے ہیں: انہوں نے کفر ومعصیت کو اپنے اندر جمع کرلیا ہے۔

لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا: اللہ انہیں ہرگز معاف نہیں کرے گا اور نہ ہی انہیں جنت کے راستے پر لائے گا کیوں کہ یہ لوگ کفر پر مر گئے۔اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا:...... انہیں نہیں دکھایا جائے گا مگر ایسا راستہ جو جہنم تک پہنچانے والا ہے۔ یہ ان کے کرتوتوں کا بدلہ ہے، دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا: یعنی انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رکھنا اللہ پر کوئی مشکل نہیں۔يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ: اے لوگو! محمد تمہارے پاس دین حق اور شریعت مطہرہ لے کر آئے ہیں۔فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ: تمہارے رب کے پاس سے محمد ﷺ جو تعلیمات اور احکام لے کر آئے ہیں ان کی تصدیق کرو، اس صورت میں ایمان تمہارے لیے بہتر ہوگا۔وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: اور اگر تم کفر پر ڈٹے رہو تو اللہ تم سے بے نیاز ہے، تمہارا کفر اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، زمین وآسمان کی ملکیت اور بادشاہت اسی کی ہے اور سب انسان اس کے بندے ہیں۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا: اللہ اپنے بندوں کے احوال کا علم رکھتا ہے اور جو تدبیر بھی کرتا ہے وہ حکمت پر مبنی ہوتی ہے۔قبل ازیں یہودیوں پر رد ہوا کہ عیسیٰ کو نہیں بلکہ ان کے مشابہ شخص کو یہود نے قتل کیا اب نصاریٰ پر رد کیا جارہا ہے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِىْ دِيْنِكُمْ: ......اے نصاریٰ کی جماعت! دین کے معاملے میں حد سے آگے مت بڑھو۔ وہ اس طرح کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں افراط کا شکار مت ہو اور انہیں خدا مت بناؤ۔وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ: اللہ کے متعلق ایسی صفات بیان نہ کرو جو اس کے شایان شان نہیں جیسے حلول، اتحاد، خدا کی بیوی کا ہونا اور اس کا صاحب اولاد ہونا۔اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ: عیسیٰ تو اللہ کے پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر ہیں، وہ اللہ کے بیٹے نہیں جیسا کہ تمہارا گمان ہے۔وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ: یعنی اللہ نے عیسیٰ کو کلمۂ "کُنْ" سے پیدا کیا ہے اور بغیر باپ اور بغیر نطفہ کے پیدا کیا ہے۔وَرُوْحٌ مِّنْهُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ: اللہ کی طرف سے عیسیٰ روح والے ہیں یہ دراصل جبرائیل امین کی پھونک کا اثر تھا جو انہوں نے مریم رضی اللہ عنہا کے گریبان میں ماری تھی اور وہ اس پھونک سے حاملہ ہوگئی تھیں۔ روح کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہے عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت ظاہر کرنے کے واسطے۔وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ: تین خداؤں کے قائل مت ہو، تین خدا یہ ہیں: اللہ، مسیح اور مریم یا اللہ تین ہیں: باپ بیٹا اور روح القدس۔ اللہ نے نصاریٰ کو تثلیث سے منع فرمایا، بلکہ انہیں توحید کا حکم دیا ہے کیوں کہ اللہ ترکیب سے پاک ہے اور مرکب کی نسبت سے بھی پاک ومطہر ہے۔اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ: تثلیث سے باز رہو، یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔
اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ: ......اللہ تو الوہیت میں منفرد و یکتا ہے، وہ تین کا تیسرا نہیں جیسا کہ تمہارا عقیدہ ہے۔سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ: اللہ بیٹا ہونے سے پاک ومنزہ ہے۔لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ: سب کچھ اللہ کی مخلوق، ملکیت اور اس کے بندے ہیں، اللہ مثل سے بالاتر ہے چہ جائے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو۔وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا: بیٹے سے اللہ کے بے نیاز ہونے پر تنبیہ ہے یعنی اللہ اپنی مخلوقات کی تدابیر اور انتظام وانصرام چلانے میں کافی ہے اسے کسی معاون کی ضرورت نہیں اور نہ ہی مدد لینے کے لیے بیٹے کی ضرورت ہے چوں کہ وہ ہر چیز کا مالک ہے، اس کے بعد نصاریٰ کے غلط عقائد کا رد کیا گیا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بندہ ہونے میں عار نہیں

لَنْ یَّسْتَنْکِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّکُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ :...... مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کا بندہ ہونے پر عار محسوس نہیں کرتے اور نہ ہی ان میں خدا ہونے کا تکبر ہے بلکہ وہ اللہ کا بندہ ہونے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ وَلَا الْمَلٰٓئِکَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ: اور نہ ہی اللہ کے مقرب فرشتے اس میں کسی قسم کی عار محسوس کرتے ہیں۔ وَمَنْ یَّسْتَنْکِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَیَسْتَکْبِرْ فَسَیَحْشُرُهُمْ اِلَیْهِ جَمِیْعًا: اور جو شخص اللہ کی بندگی سے اپنے آپ کو بالاتر سمجھے اور تکبر کرے تو اللہ ان سب کو قیامت کے دن حساب کے لیے جمع کرے گا۔ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ: یعنی جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے انہیں ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ عطا فرمائے گا۔ وَیَزِیْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ: اور اپنے فضل و کرم سے اس سے کہیں زیادہ عطا فرمائے گا اور ایسی نعمتیں عطا فرمائے گا جو کسی آنکھ نے دیکھی نہیں ہوں گی، کسی کان نے سنی نہیں ہوں گی اور نہ ہی کسی انسان کے دل پر کھٹکی ہوں گی۔

سرکشی اور غرور کی سزا

وَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْتَنْکَفُوْا وَاسْتَکْبَرُوْا فَیُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا:...... اور جو لوگ بندگی کو عار سمجھتے ہوں گے اور بندگی سے اپنے آپ کو بالاتر سمجھتے ہوں گے اللہ انہیں دردناک عذاب دے گا۔ وَّلَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا: ان کے لیے کوئی حمایتی اور مددگار نہیں ہوگا جو انہیں اللہ کے عذاب سے بچا سکے۔ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ: تمہارے پاس اللہ کی طرف سے حجت آچکی ہے، وہ محمد اللہ کے رسول ہیں جن کی تائید ظاہری معجزات سے ہوئی ہے۔ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا: اور ہم نے تمہارے اوپر قرآن نازل کیا یہی تو حقیقی روشنی ہے۔ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ: جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اللہ کی واحدانیت کا اقرار کیا اور روشن کتاب کو مضبوطی سے پکڑے رکھا۔ فَسَیُدْخِلُهُمْ فِیْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ: اللہ انہیں اپنی جنت میں داخل کرے گا جو ہمیشہ ہمیشہ کا ٹھکانا ہے۔ وَّیَهْدِیْهِمْ اِلَیْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا: انہیں دنیا میں دین اسلام کی طرف راستہ دکھائے گا اور آخرت میں ان کے لیے راہ جنت ہموار کر دے گا۔

میراث میں کلالہ کا حکم

یَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْکُمْ فِی الْکَلٰلَةِ :...... اے محمد! لوگ تم سے ایسے میت کے بارے میں پوچھتے ہیں جس کا والد اور اولاد نہ ہو۔ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَیْسَ لَهٗ وَلَدٌ: آپ لوگوں سے کہہ دیجیے جو شخص مرجائے اس حال میں کہ نہ اس کا والد زندہ ہو اور نہ ہی اولاد وہ کلالہ ہے۔ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ: یعنی اس کی حقیقی بہن یا باپ شریک بہن ہو تو اسے بھائی کے ترکہ میں سے نصف ملے گا۔ وَهُوَ یَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّهَا وَلَدٌ: یعنی اگر بہن مرجائے تو اس کا حقیقی یا باپ شریک بھائی وارث بنے گا بشرطیکہ بہن کی کوئی اولاد نہ ہو۔ فَاِنْ کَانَتَا اثْنَتَیْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ: اور اگر دو یا دو سے زیادہ بہنیں ہوں تو انہیں بھائی کے ترکہ میں سے دو تہائی میراث ملے گی۔ وَاِنْ کَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ: اور اگر ورثا مخلوط ہوں، بھائی بھی ہوں اور بہنیں بھی ہوں تو ہر مرد کو دو بہنوں کے برابر حصہ ملے گا۔ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَکُمْ اَنْ تَضِلُّوْا: اللہ نے تمہارے لیے یہ احکام اور شرائع بیان کیے ہیں تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ۔ وَاللّٰهُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ: اللہ ایسی ہر چیز کو بخوبی جانتا ہے جس میں تمہاری مصلحت اور تمہارا نفع ہے، اللہ اپنے بندوں کے مصالح سے واقف ہے خواہ یہ مصالح حیات سے متعلق ہوں یا موت سے۔

بلاغت: کَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ:...... مخصوص انبیا کا ذکر ان کی فضیلت کے اظہار کے لیے ہے اور اس میں تشبیہ مرسل بھی ہے۔ یٰٓاَهْلَ الْکِتٰبِ: عموم سے خصوص کا ارادہ کیا گیا ہے، یعنی اہل کتاب سے نصاریٰ مراد ہیں کیوں کہ بعد میں وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ: آیا ہے، اور یہ نصاریٰ کا قول ہے۔ اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ: اس میں قصر ہے جسے قصر الموصوف علی صفة سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ یَشْهَدُوْنَ ۔ وَکَفٰی

بِاللّٰهِ شَهِيْدًا: میں جناس اشتقاق ہے۔

فوائد:...... "من"، تبعیض کے لیے آتا ہے تاہم کبھی ابتدائے غایت کے لیے بھی آتا ہے جیسے وَرُوْحٌ مِّنْهُ میں مِنۡ ابتدائے غایت کے لیے ہے۔

لطیفہ:...... ہارون الرشید کے ایک نصرانی طبیب نے ایک مرتبہ امام واقدی سے مناظرہ کیا اور کہا: تمہاری کتاب میں ایک آیت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ اللہ کا جز ہیں۔ پھر اس نے وَرُوْحٌ مِّنْهُ تلاوت کی، امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ: اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ اگر عیسیٰ اللہ کا جز و ہیں تو آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ بھی اللہ کا جز و ہو۔ نصرانی لاجواب ہو گیا اور اسی وقت اس نے اسلام قبول کر لیا، اس پر رشید بہت خوش ہوا اور واقدی کو بہت بڑا انعام دیا۔

اللہ کے فضل و کرم سے سورۃ النساء کا ترجمہ مکمل ہوا

۴ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ مطابق ۳۰ نومبر ۲۰۱۱ء (تقبل اللّٰہ منا)

سورۃ المائدۃ

سورت کا تعارف وخلاصہ: ......سورت مائدہ طویل مدنی سورت ہے، سورۃ البقرہ، النساء اور الانفال کی طرح اس میں بھی بکثرت احکام بیان ہوئے ہیں، اس کے علاوہ عقائد اور قصص اہل کتاب بھی بیان ہوئے ہیں، سورت المائدہ آخر میں نازل ہوئی ہے اس میں نسخ نہیں ہوا، اس میں اٹھارہ احکام بیان ہوئے ہیں۔

وقت نزول: ......جب نبی کریم ﷺ حدیبیہ سے واپس ہوئے اس وقت یہ سورت نازل ہوئی، اس میں اکثر شرعی احکام بیان ہوئے ہیں چوں کہ مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی جا چکی تھی اس لیے اصول وضوابط، شرائع واحکام کے مطابق ریاست کا قیام ضروری تھا تا کہ ریاستی انتظام لغزش سے پاک رہے۔

احکام: ......سورت میں جو احکام بیان ہوئے ہیں، ہم مختصراً ان کا جائزہ لیتے ہیں۔ احکام العقود، ذبائح، شکار، احرام، کتابی عورتوں سے نکاح، مرتد ہوجانا، طہارت کے احکام، حد سرقہ، باغی کی حد، زمین میں فساد پھیلانا، جوا اور شراب کے احکام، قسم کا کفارہ، احرام میں شکار کرنا، موت کے وقت وصیت، بحیرہ اور سائبہ کا حکم، شریعت پر عمل نہ کرنے کا حکم، وغیر ذالک۔

قصص: ......ہمیں عبرت حاصل کرنے کے لیے اللہ نے احکام کے ساتھ ساتھ کچھ قصے بھی بیان کیے ہیں۔ بنی اسرائیل کا قصہ بیان کیا، جس میں بنی اسرائیل کی سرکشی، تمرد کا ذکر ہے اور میدان تیہ میں چالیس سال تک ان کے سرگرداں رہنے کا قصہ بھی بیان کیا گیا ہے۔

آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا قصہ بھی بیان کیا گیا ہے چنانچہ قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا تھا، سطح زمین پر یہ پہلا خون تھا جو مجرمانہ حیثیت سے ناحق گرایا گیا۔

سورت میں قصہ مائدہ (دسترخوان) بھی بیان کیا گیا ہے، چنانچہ آسمان سے دسترخوان نازل ہوا اور عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین کے سامنے سج گیا۔ دراصل دسترخوان کا نازل ہونا عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا۔

سورت میں یہود ونصاریٰ سے مناقشہ اور مناظرہ بھی کیا گیا ہے جس کا دارومدار ان کے باطل عقائد ہیں کیوں کہ یہود ونصاریٰ نے اللہ کی طرف اولاد کی نسبت کر دی تھی، انہوں نے معاہدے بھی توڑے، تورات وانجیل میں تحریف بھی کی، اور پھر محمد ﷺ کی رسالت کا انکار کیا۔ سورت کا خاتمہ یوم حشر کے تذکرہ پر ہوا ہے چنانچہ قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام کو سرعام لوگوں کے سامنے بلایا جائے گا۔ اور نصاریٰ کی تکذیب کے لیے خدا پوچھے گا:

ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؕ

سورت مائدہ کے فضائل: ......حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ جب سورت مائدہ رسول مقبول ﷺ پر نازل ہوئی آپ اونٹنی پر سوار تھے، اونٹنی آپ کو اٹھانے سے قاصر رہی آپ اونٹنی سے نیچے اتر آئے۔[1]

وجہ تسمیہ: ......چوں کہ اس سورت میں "المائدہ" کا ذکر آتا ہے مائدہ دسترخوان کو کہا جاتا ہے، حواریوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا تھا کہ اپنی نبوت کی تصدیق میں آسمان سے مائدہ نازل کرو، اسی مائدہ کا سورت میں ذکر آتا ہے، اسی مناسبت سے سورت کا نام "سورۃ المائدہ" ہے۔

اٰيَاتُهَا ۱۲۰ (۵) سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ (۱۱۲) رُكُوْعَاتُهَا ۱۶

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ① يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ

المنزل ۲

[1] اخرجہ احمد

الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ
وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ
وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲﴾
حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ
وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۣ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ
ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ؕ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ؕ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ
لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ
مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ
وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا
اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۴﴾ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ
اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۠ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ
اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۫ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۵﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا
قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى
الْكَعْبَيْنِ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ
الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ
مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ ﴿۶﴾ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۫
وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫
وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۹﴾ وَالَّذِيْنَ

الربع وقف لازم

ع ۵

كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ⑩

ترجمہ:......اے ایمان والو! اپنے عہد کو پورا کرو حلال کیے گئے تمہارے لیے چوپائے انعام سے، مگر وہ جن کے بارے میں تمہیں بتا دیا جائے گا اس حال میں کہ جس وقت تم احرام میں ہو شکار کو حلال کرنے والے نہ ہو بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے۔ ① اے ایمان والو! مت حلال کرو اللہ کے شعائر کو، اور نہ شہر حرام کو اور نہ ھدی کو اور نہ پٹے ڈالے ہوئے جانوروں کو اور نہ ان لوگوں کو جو بیت حرام کا قصد کر کے جا رہے ہوں! وہ اپنے رب کا فضل اور رضا مندی تلاش کرتے ہیں اور جب تم حلال ہو جاؤ تو شکار کر لو اور ہرگز کسی قوم کی دشمنی کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا ہے اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم زیادتی کرو اور آپس میں نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو، اور گناہ اور زیادتی پر آپس میں مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ سخت عذاب والا ہے۔ ② حرام کیا گیا تم پر مردہ جانور اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا اور وہ جانور جو گلا گھٹنے سے مر جائے اور وہ جانور جو کسی ضرب سے مر جائے اور وہ جانور جو اوپر سے گر کر مر جائے اور وہ جانور جو کسی سے ٹکرا کر مر جائے اور وہ جانور جسے کسی درندہ نے کھالیا مگر وہ جسے تم ذبح کر لو اور حرام کیا گیا وہ جانور جو ذبح کیا گیا پرستش گاہوں پر، اور یہ بھی حرام کیا گیا کہ تقسیم کرو تیروں کے ذریعہ یہ سب گناہ کے کام ہیں۔ آج کافر تمہارے دین سے ناامید ہو گئے سو ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔ آج میں نے پورا کر دیا تمہارا دین اور میں نے تم پر اپنی نعمت پوری کر دی، اور میں نے تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر اختیار کرنے کے لیے پسند کیا، سو جو کوئی شخص مجبور ہو جائے سخت بھوک میں جو گناہ کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو سو یقیناً اللہ تعالیٰ غفور ہے رحیم ہے۔ ③ وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کیا ہے جو ان کے لیے حلال کیا گیا ہے، آپ فرما دیجیے حلال کی گئیں تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں، اور جن شکاری جانوروں کو تم نے تعلیم دی اس حال میں کہ تم انکو سدھانے والے ہو، ان کو سکھاتے ہو اس طریقہ سے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں سکھایا سو ان میں سے کھالو جو انہوں نے تمہارے لیے روک لیا اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، بے شک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔ ④ آج تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں، اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی ان کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے، اور پاکدامن عورتیں جو مسلمان ہیں اور وہ پاک دامن عورتیں جو ان لوگوں میں سے ہیں جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تمہارے لیے حلال ہیں۔ جب کہ تم ان کو ان کے مہر دے دو اس طریقے پر کہ تم پاکدامنی اختیار کرنے والے ہو، خفیہ طریقے پر دوستی کرنے والے نہ ہو۔ اور جو کوئی شخص ایمان کا انکار کر دے تو اس کے اعمال اکارت ہو گئے، اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں ہو گا۔ ⑤ اے ایمان والو! جب تم نماز کی طرف اٹھو تو اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولو اور اپنے سروں کا مسح کر لو اور دھولو اور اپنے پیروں کو ٹخنوں تک، اور اگر حالت جنابت میں ہو تو اچھی طرح سے پاک ہو جاؤ اور اگر تم مریض ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص قضائے حاجت کی جگہ سے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے قربت کی ہو پھر تم پانی کو نہ پاؤ تو ارادہ کر لو پاک مٹی کا سو اس سے اپنے چہروں کا اور اپنے ہاتھوں کا مسح کر لو اللہ ارادہ نہیں فرماتا کہ تم پر کوئی تنگی ڈالے لیکن وہ ارادہ فرماتا ہے تا کہ تم کو پاک کرے اور تا کہ تم پر اپنی نعمت پوری کرے تا کہ تم شکر کرو ⑥ اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو جو تم پر ہے اور اس پختہ عہد کو یاد کرو جو تم نے اللہ سے مضبوطی کے ساتھ کیا ہے جبکہ تم نے کہا کہ ہم نے سنا اور مانا، اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے ان باتوں کو جو سینوں میں ہیں۔ ⑦ اے ایمان والو! اللہ کے لیے پوری پابندی کرنے والے انصاف کے ساتھ شہادت ادا کرنے والے ہو جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں ہرگز اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے اللہ تعالیٰ سے ڈرو بے شک اللہ ان کاموں سے باخبر ہے جنہیں تم کرتے ہو، اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے وعدہ فرمایا جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے کہ ان کے لیے مغفرت ہے اور اجر عظیم ہے، ⑨ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا یہی لوگ دوزخ والے ہیں۔ ⑩

لغات:......اَلْعُقُوْدِ: العقدُ کی جمع ہے بمعنی باندھنا، گرہ لگانا، مقولہ ہے "عقدت الحبل بالحبل" رسی کے ساتھ رسی باندھی، یا رسی کے ساتھ رسی کو گرہ دی۔ پھر یہ لفظ معانی کے لیے استعمال کیا گیا۔ زمخشری کہتے ہیں: العقد پختہ عہد، رسی کی گرہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ حطیۂ شاعر کہتا ہے:

قوم اذا عقد واعقدًا لجارھم شدّوا العناج وشدوا فوقه الكربا[1]

''وہ ایسی قوم ہے کہ جب اپنے پڑوسی سے معاہدہ اور پختہ عہد کرتی ہے تو اس عہد کو رسی سے باندھ لیتی ہے اور اس عہد پر لکڑ بھی ہوتی ہے۔''

بَهِيمَةُ الْاَنْعَامِ :۔اَلْبَهِيمَةُ: جو بول نہ سکتا ہو اور اس کی آواز میں ابہام ہو۔الْاَنْعَامِ: نعم کی جمع ہے، بمعنی مویشی، اونٹ، گائے، بھیڑ بکریاں۔

الْقَلَآئِدَ: قلادۃٌ کی جمع ہے، قلادہ ایک نشان ہوتا ہے جو حرم میں لے جانے والے جانور کے گلے میں لٹکایا جاتا ہے۔

يَجْرِمَنَّكُمْ : ارتکاب جرم۔شَنَاٰنُ: بغض اَلْمَوْقُوْذَةُ: الوقذ سے ماخوذ ہے، کسی چیز کو اس طرح مارنا جو قریب الموت ہو جائے۔

النُّصُبِ: بت، پتھر، جاہلیت کے بت جن پر چڑھاوے چڑھاتے تھے اور ان کے پاس لے جا کر جانور ذبح کرتے تھے۔الْاَزْلَامِ: تیر، زلم کی جمع ہے، جب کوئی شخص سفر یا جنگ کا ارادہ کرتا تو تیر نکال کر قسمت معلوم کرتا تھا، تیروں کے ذریعہ قسمت معلوم کرتا۔مَخْمَصَةٍ: بھوک، پیٹ کا سکڑ جانا، چوں کہ بھوک کے وقت پیٹ سکڑ جاتا ہے۔الْجَوَارِحِ: شکاری پرندے اور جانور جیسے عقاب، شاہین، کتا، چیتا وغیرھا۔

شانِ نزول: ......ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مشرکین بیت اللہ کا حج کرتے اور بیت اللہ کی تعظیم کے لیے جانور لے جاتے، شعائر کی تعظیم کرتے اور قربانی بھی دیتے تھے، مسلمانوں نے مشرکین پر غارت گری ڈالنے کا ارادہ کیا۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ......[2]

ایفائے عہد کا حکم اور حلال جانوروں کی تفصیل

تفسیر: ...يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ:۔ مسلمانوں کو اہل ایمان کے لفظ سے مخاطب کیا گیا ہے اس میں مسلمانوں کی تکریم و تعظیم ہے، یعنی اے مومنین کی جماعت! معاہدوں کو پورا کرو۔عقود، عقد کی جمع ہے خواہ انسان کا دوسرے انسان کے ساتھ کوئی معاہدہ ہو یا رب تعالیٰ کے ساتھ معاہدہ ہو، سب معاہدے اس میں شامل ہو گئے۔ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: عقود عہود کے معنی میں ہے جو عہد کی جمع ہے، اس سے مراد اللہ کی حلال کردہ اور حرام کردہ چیزیں اور قرآن میں بیان کردہ جملہ فرائض اور احکام ہیں۔[3] اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ: میں تمہارے لیے مویشیوں کا گوشت کھانا حلال کرتا ہوں۔مویشیوں میں اونٹ، گائے، بھیڑ بکریاں ہیں، ان کا گوشت ذبح کے بعد حلال ہے، البتہ وہ جانور حرام ہیں جن کا بیان اسی سورت میں آیا چاہتا ہے اور وہ مردار، خون، خنزیر......الخ ہیں۔

حالت حرام میں شکار کی ممانعت

غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ: ۔یعنی تمہارے لیے یہ اشیا حلال کی گئی ہے علاوہ اس کے کہ تم حالت احرام میں شکار کو حلال سمجھو، چنانچہ حالت احرام میں شکار حلال نہیں ہوگا۔اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ: اللہ جو چاہتا ہے اپنی مخلوق کے لیے احکام بھیجتا ہے۔يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ: اللہ کی حرام کردہ چیزوں اور اس کی محترم نشانیوں کو حلال نہ سمجھو اور نہ ہی اس کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرو۔حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: شعائر سے مراد اللہ کے شرائع (احکام شریعت) ہیں جو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے مقرر کر رکھے ہیں۔ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: حالت احرام میں جو چیزیں تمہارے اوپر اللہ نے حرام کی ہیں انہیں حلال نہ سمجھو۔وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ: حرمت والے مہینوں کو جنگ کے لیے حلال نہ سمجھو اور جو جانور بیت اللہ کی نذر کیے جا رہے ہوں انہیں بھی حلال نہ سمجھو بلکہ وہ قابل احترام ہیں یا جس جانور کے گلے میں قلادہ (نشانی) ڈالا گیا ہو اسے قابل احترام سمجھو۔وَلَاۤ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا: اور جو لوگ حج و عمرہ کے قصد و ارادہ سے سوئے

---

[1] العناج وہ رسی جو ڈول کے ساتھ کس کر باندھ لی جاتی ہے الکرب، ڈول کے اوپر لگی ہوئی لکڑ، شعر میں پختہ عہد سے استعارہ ہے۔[2] الطبری ۹/ ۴۶۳۔[3] یہ طبری اور زمخشری کا مختار قول ہے، راجح یہ ہے کہ ہر عقد اور معاہدہ کا پورا کرنا ضروری ہے، یہی قول صاحب بحر کا مختار ہے۔ابن اسلم کہتے ہیں چھ عقود ہیں: اللہ کے ساتھ عہد، عقد حلف، عقد شرکہ، عقد بیع، عقد نکاح اور عقد یمین

بیت اللہ عازم سفر ہوں انہیں بھی حلال نہ سمجھو۔ آیت میں اللہ تعالیٰ نے حاجیوں پر غارت گری ڈالنے سے منع کیا ہے اور بیت اللہ سے روکنے سے بھی منع کیا ہے جیسا کہ اہل جاہلیت کرتے تھے۔ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا: اور جب تم احرام سے حلال ہو جاؤ تو تمہارے لیے شکار حلال کر دیا گیا ہے۔ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْکُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا: جو قوم تمہیں مسجد حرام سے روکتی تھی ان کا بغض وعداوت تمہیں ان پر زیادتی کرنے پر نہ ابھارے۔ وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ: خیر و بھلائی کے کاموں پر ایک دوسرے سے تعاون کرو اور ترک منکرات پر بھی ایک دوسرے سے تعاون کرو، اور ایسے کام میں بھی ایک دوسرے سے تعاون کرو جو قربت خداوندی کا باعث ہو، گناہ اور ظلم و زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون مت کرو۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ: اللہ کے عذاب سے ڈرو کیوں کہ اللہ نافرمان کو سخت عذاب دینے والا ہے۔

حرام جانوروں کی تفصیل

حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ: اے مؤمنین! حرام کیا گیا ہے تمہارے اوپر مردار کا گوشت کھانا، مردار ایسا جانور جو بغیر ذبح کیے طبعی موت مر جائے، حرام کیا گیا ہے، لہو جو بہتا ہوا اور خنزیر کا گوشت۔ علامہ زمخشری لکھتے ہیں: اہل جاہلیت ان محرمات کو کھاتے تھے، وہ جانور جو طبعی موت مر جاتا اور فصید وہ خون جو انتڑیوں میں ہوتا اور انتڑیاں بھون کر کھاتے اور کہتے یہ حرام نہیں۔[1] آیت میں خنزیر کے گوشت کا ذکر ہے کیوں کہ خنزیر حرام بعینہ ہے، حتیٰ کہ اگر خنزیر ذبح بھی کر لیا جائے تب بھی حرام ہے۔ وَمَاۤ اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ: اور وہ جانور بھی حرام کیا گیا ہے جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو یا غیر اللہ کے لیے ذبح کیا گیا ہو۔ جیسے مثلاً ت وعزیٰ کے نام پر اہل جاہلیت جانور ذبح کرتے تھے۔[2]

وَالْمُنْخَنِقَةُ: ......اور وہ جانور بھی حرام کیا گیا ہے جو رسی وغیرہ سے گلا گھٹنے سے مر گیا ہو۔ وَالْمَوْقُوْذَةُ: اور جسے چوٹ مار کر ہلاک کیا گیا ہو، جیسے ڈنڈے یا پتھر سے کوئی جانور مر جائے او ذبح نہ کیا جا سکے۔ وَالْمُتَرَدِّیَةُ: جو جانور پہاڑ سے گر کر مر جائے وہ بھی حرام کیا گیا ہے۔

وَالنَّطِیْحَةُ: اور جسے کسی دوسرے جانور نے سینگ مار کر ہلاک کر دیا ہو۔ وَمَاۤ اَکَلَ السَّبُعُ: اور وہ جانور جسے درندے نے کھا لیا ہو اور وہ مر گیا ہو جو باقی بچ رہے وہ حرام کر دیا گیا ہے۔ اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ: ہاں البتہ مذکورہ بالا جانوروں میں سے جو ابھی زندہ ہو اور تم نے شرعی طریقہ سے اسے ذبح کر لیا ہو تو وہ حلال ہے، طبری کہتے ہیں: اس کا معنی ہے کہ البتہ وہ جانور جسے تم ذبح کر کے پاک کر لو۔[3]

وَمَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ: اور جو جانور بتوں پر ذبح کیے جائیں وہ بھی حرام کر دیے گئے ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں! النُّصُبِ: ان پتھروں (بتوں) کو کہا جاتا ہے جنہیں اہل جاہلیت پوجتے تھے اور ان کے لیے جانور ذبح کرتے تھے، اللہ نے اس سے منع کیا ہے، زمخشری کہتے ہیں: اہل جاہلیت نے بیت اللہ کے پاس ایک پتھر نصب کر رکھا تھا جانور ذبح کر کے اس پر چڑھاوا چڑھاتے تھے اور جانور کے خون سے اس پتھر کو لتھیڑتے تھے، اس سے ان پتھروں کی تعظیم کرتے اور اس عمل کو قربت کا باعث سمجھتے تھے، اللہ نے مؤمنین کو اس بدعملی سے منع کر دیا۔

جوئے کے تیر

وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ: ......اور یہ بھی تمہارے اوپر حرام کیا گیا ہے کہ تم جوئے کے تیروں سے خیر و شر معلوم کرو اور گوشت تقسیم کرو۔ کشاف میں ہے: جاہلیت میں جب کوئی شخص سفر یا جنگ یا تجارت یا نکاح یا کسی اور کام کا ارادہ کرتا تو وہ تیروں کے ذریعے فال نکالتا، بعض تیروں پر لکھا ہوتا: میرے رب نے مجھے منع کیا ہے، بعض پر لکھا ہوتا: میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے ایسا کرنے کا جب کہ بعض تیروں پر کچھ نہ لکھا ہوتا۔ اگر حکم والا تیر نکلتا تو قسمت آزما اپنے کام پر نکل جاتا اور اگر مانع تیر نکلتا تو باز رہتا، اگر ایسا تیر نکلتا جس پر کچھ نہ لکھا ہوتا تو از سر نو فال نکالتا۔[4]

---

[1] الکشاف ۱/ ۴۶۸ [2] عصر حاضر میں مختلف مزارات پر جانوروں کے جو چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں وہ بھی اسی حکم میں ہیں اور جو جانور غیر اللہ کے نام پر پالا جائے وہ بھی اسی حکم میں ہے اس باب میں مسلمانوں کی طرف سے بہت غفلت برتی جاتی ہے نہایت احتیاط کی ضرورت ہے۔ جب کہ حکم شرعی صاف واضح ہے۔ [3] الطبری ۹/ ۵۰۲ [4] الکشاف ۱/ ۴۶۹

ذٰلِكُمْ فِسْقٌ:...... یہ بات فسق و فجور پر منتج ہوتی ہے اور اللہ کی اطاعت سے خروج کا باعث ہے، کیوں کہ اس طرح فال نکالنا علم غیب میں دخل دینے کے مترادف ہے جب کہ علم غیب اللہ کے ساتھ مخصوص ہے، وہی علام الغیوب (غیب کا جاننے والا) ہے۔[1]

اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِیْنِكُمْ: کفار کی تمام تر امیدوں پر پانی پھر چکا ہے اور وہ تم سے مایوس ہو چکے ہیں کہ تم اپنے دین سے رجوع نہیں کرو گے۔ ابن عباس کہتے ہیں: کفار مایوس ہو چکے ہیں کہ تم کبھی بھی ان کے دین کی طرف نہیں لوٹو گے۔ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ: مشرکین سے خوفزدہ نہ ہو، مجھ سے ڈرو، میں کفار کے خلاف تمہاری مدد کروں گا، دنیا و آخرت میں میں تمہیں فوقیت عطا کروں گا۔

دین اسلام کی تکمیل

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ: حلال و حرام کو واضح کر کے میں نے تمہاری شریعت مکمل کر دی۔ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ: سیدھی راہ کی طرف راہنمائی کر کے اور تمہیں توفیق بخش کر تمہارے اوپر اپنی نعمت پوری کر دی۔ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا: میں نے تمام ادیان میں سے اسلام کو تمہارے لیے بطور دین منتخب کیا ہے، یہی پسندیدہ دین ہے اس کے علاوہ کسی اور دین کو اللہ قبول نہیں کرتا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ جس نے اسلام کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کیا اس کا یہ دین ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

مضطر کے احکام

فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَةٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ: ہاں البتہ جو شخص بھوک کے مارے مجبور ہو جائے اور مذکورہ حرام کردہ جانوروں میں سے کسی کا گوشت کھا لے درآں حالیکہ وہ گناہ کی طرف مائل نہ ہو اور جان بوجھ کر ایسا کرنے کا ارادہ نہ ہو تو کھانے پر اس کا مواخذہ نہیں ہوگا کیوں کہ ضرورت سے محظورات (ممنوعات) مباح ہو جاتے ہیں۔

حلال چیزوں سے متعلق سوال وجواب

یَسْئَلُوْنَكَ مَاذَاۤ اُحِلَّ لَهُمْ:...... اے محمد! تم سے لوگ سوال کرتے ہیں کہ ان کے لیے کون سی کھانے کی چیزیں حلال کی گئی ہیں؟ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّیِّبٰتُ: ان سے کہہ دیجیے کہ تمہارے لیے تمام مستلذات (پاک چیزیں) حلال کر دی گئی ہیں بشرط یہ کہ وہ خبیث اور گندی نہ ہوں، ہر ایسی چیز جس سے گِھن آتی ہو جیسے گبریلے چوہے وغیرہ حرام کی گئی ہے۔ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ: تمہارے سدھائے ہوئے جانوروں کا کیا ہوا شکار بھی تمہارے لیے حلال کیا گیا ہے۔ سدھائے ہوئے جانور جیسے کتے، عقاب، چیتا وغیرہ۔ مُكَلِّبِیْنَ: سدھائے ہوئے شکاری کتے۔ زمخشری کہتے ہیں: المکلب: تربیت یافتہ سدھایا ہوا درندہ یا جانور۔ الکلب سے مشتق ہے چوں کہ اس قسم کی تربیت عموماً کتوں کی جاتی ہے۔[2]

تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ:...... جنہیں تم شکار کے طریقے اور آداب سکھاتے ہو، چنانچہ انسان کو اللہ نے جو علم عطا کیا ہے اس کا یہ بھی ایک جزو ہے۔ فَكُلُوْا مِمَّاۤ اَمْسَكْنَ عَلَیْكُمْ: یہ جانور تمہارے لیے جو شکار پکڑ لائیں اسے کھاؤ بشرطیکہ شکاری جانور نے شکار میں سے کچھ نہ کھایا ہو، اگر جانور نے شکار میں سے کچھ کھا لیا ہو تو پھر نہ کھاؤ، چنانچہ حدیث ہے: "جب تم اپنے سدھائے ہوئے کتے کو شکار پر چھوڑو سوا گر کتا شکار کو ہلاک کر دے تو کھا لو اور اگر کتا شکار میں سے کھا لے تو تم نہ کھاؤ، کیوں کہ کتے نے شکار اپنے لیے پکڑا ہے۔[3] کتے کے تربیت یافتہ ہونے کی نشانی یہ ہے کہ جب کتا شکار پر چھوڑا جائے تو کتا لپک پڑے، جب مالک ڈانٹے تو کتا ڈانٹ قبول کرے، یہ کہ کتا شکار پکڑ کر مالک کے پاس لے آئے اور اس میں نہ کھائے، یہ کہ کتا چھوڑتے وقت اللہ کا نام لے لیا جائے، سدھائے ہوئے کتے کے کیے ہوئے شکار کو کھانے کی یہ چار شرائط ہیں۔ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهِ: یعنی کتا چھوڑتے وقت اللہ کا نام لے لو۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ: اپنے اعمال کے متعلق اللہ سے ڈرتے رہو کیوں کہ اللہ

---

[1] یہ تفسیر تب ہے اگر اشارے کا مشار الیہ الاستقسام بالازلام ہو چوں کہ اس صورت میں مرجع اقرب ہوگا، یہی ابن عباس کا قول ہے اور یہ راجح ہے جب کہ طبری نے اشارے کا مشار الیہ محرمات کو قرار دیا ہے، دونوں تفسیر صحیح ہیں۔ [2] الکشاف ۱/۱۷۴ [3] اخرجہ البخاری من حدیث عدی بن حاتم

بندوں کو بہت جلد بدلہ دینے والا ہے۔اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ: ذبح کیے ہوئے جانوروں میں سے مرغوبات تمہارے لیے حلال کردیے گئے ہیں۔وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ: یہود ونصاریٰ کے ذبائح (ذبح کیے ہوئے جانور) بھی تمہارے لیے حلال ہیں۔وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ: اور تمہارے ذبح کیے ہوئے جانور یہود ونصاری کے لیے حلال ہیں، کچھ حرج نہیں کہ تم انہیں کھلاؤ یا ان کے ہاتھ گوشت فروخت کرو۔

اہل کتاب عورتوں سے نکاح کی حلت

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ: ......اے مؤمنو! آزاد، پاک دامن عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں۔وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ: آزاد کتابی عورتیں (یہودیات اور نصرانیات) بھی تمہارے لیے حلال کردی گئی ہیں، ان کے ساتھ نکاح کرنا حلال ہے۔ یہ جمہور علما کی رائے ہے، عطا کہتے ہیں: اب اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتوں کی تعداد بڑھادی ہے، یہ اس وقت رخصت دی گئی تھی جب عورتوں کی تعداد نسبتاً کم تھی، اب یہ رخصت نہیں ہے۔اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ: بشرط یہ کہ جب تم انہیں مہر دو۔مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ: اس حال میں کہ نکاح سے تمہارا مقصد پاک دامنی ہو، ہوس نفس نکالنا مقصود نہ ہو۔وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ: اور چوری چھپے معشوقائیں اور دوست عورتیں بنانے والے نہ ہو جن سے تم زنا کرتے پھرو۔ طبری کہتے ہیں: انفرادی طور پر چوری چھپے کسی عورت کو دوست نہ بنالو جس سے تم زنا کرو۔[1] وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ: جس شخص نے دین سے روگردانی اختیار کرکے ارتداد کی راہ لی اور ایمان کے شرائع کا انکار کیا اس کا عمل باطل ہوگیا اور وہ ہلاک ہوگیا اس کے بعد اللہ نے وضو کرنے کا حکم دیا ہے کہ بوقت نماز اچھی طرح اہتمام سے وضو کرو۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

نماز کے لیے وضو کی فرضیت اور جنابت کے لیے غسل کا حکم

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ: ......اے ایمان والو! جب تم نماز کا ارادہ کرو اس حال میں کہ تم حالت حدث (بے وضو) میں ہو۔ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ: تو اپنے چہرے اور کہنیوں تک ہاتھ دھولو۔وامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ: اور اپنے سروں کا مسح کرو اور ٹخنوں سمیت پاؤں دھولو۔ علامہ زمخشری کہتے ہیں اِلَى الْكَعْبَيْنِ: پاؤں کی غایت لائی گئی ہے، یہ غایت اس لیے لائی گئی ہے تاکہ پاؤں پر مسح کرنے کا گمان جاتا رہے کیوں کہ شریعت میں مسح کی غایت نہیں بیان کی جاتی، چنانچہ حدیث میں ہے: وَيْلٌ لِلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ جو ایڑیاں دھونے میں خشک رہ جائیں ان کے لیے دوزخ کی ہلاکت ہے۔[2] اس حدیث سے امامیہ پر رد ہوتا ہے، امامیہ پاؤں پر مسح کرنے کے قائل ہیں، جب کہ آیت صریح ہے، آیت میں وَاَرْجُلَكُمْ نصب کے ساتھ ہے اور اَرْجُلَكُمْ کا عطف وَاَيْدِيَكُمْ پر ہے، رہی یہ بات کہ مغسولات (جو اعضا دھوئے جاتے ہیں) کے درمیان ممسوح (جس کا مسح کیا جاتا ہے) کیوں لایا گیا؟ سو اس اسلوب سے ترتیب وضو کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا: اور اگر تم حالت جنابت میں ہو تو سارے بدن کو دھوکر طہارت حاصل کرو۔وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ: اور اگر تم بیمار ہو اور پانی استعمال کرنے سے تمہیں اذیت ہوتی ہو یا تم مسافر ہو اور وضو یا غسل کے لیے پانی نہ ملے۔اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ: یا تم میں سے کوئی شخص قضائے حاجت سے فارغ ہوکر آیا ہو۔اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ: یا تم نے عورتوں کے ساتھ ہمبستری کی ہو۔

تیمم کی رخصت واجازت

فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا: ......اور تمہیں تلاش کے باوجود پانی نہ ملے تو پاک مٹی کا قصد کرو اور اس سے تیمم کرلو۔فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ: مٹی پر دو ضربیں لگاکر چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرلو، سنت نبویہ میں اسی کی وضاحت آئی ہے۔مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ: اللہ نے تمہارے اوپر جو وضو، غسل اور تیمم فرض کیا ہے اس کے بارے میں تمہیں تنگی میں نہیں ڈالنا چاہتا۔وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ: اللہ تمہیں گناہوں کی گندگیوں سے پاک کرنا چاہتا ہے اور احکام شریعت بیان کرکے

---

[1] الطبری ۹/ ۵۹۰ [2] الکشاف ۱/ ۴۷۴

تمہارے اوپر اپنی نعمت تمام کرنا چاہتا ہے تاکہ تم اللہ کی بے شمار نعمتوں پر شکر ادا کرو۔ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا: اس میں مؤمنین سے خطاب ہے۔ یہاں نعمت سے مراد اسلام اور مسلمانوں کو جو عزت و شرف حاصل ہوا ہے، یعنی اے مؤمنین! اللہ نے تمہارے اوپر اسلام کی نعمت عظمیٰ جو کی ہے اور اللہ کا وہ وعدہ جو پیغمبر نے تم سے لیا ہے جب تم نے تنگی و فراخی میں اطاعت بجا لانے کا وعدہ کیا تھا کو یاد رکھو۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ: اللہ سے ڈرو بلاشبہ اللہ تمہارے نفوس کی چوریوں سے بخوبی واقف ہے اس کا تمہیں پورا پورا بدلہ دے گا۔

گواہی کا حکم اور عدل وانصاف کی تاکید

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ: اے مؤمنین! پوری تندھی سے اپنی شہادت کے ساتھ اللہ کے لیے راست بازی پر قائم رہو۔ قَوّٰمِيْنَ صیغۂ مبالغہ ہے۔ شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ: عدل کے ساتھ گواہی قائم کرو۔ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا: دشمنوں کا بغض وعداوت تمہیں ترک عدل اور ان پر زیادتی کرنے پر نہ ابھارے۔ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى: جن لوگوں سے تم بغض وعداوت رکھتے ہو ان سے عدل وانصاف کرنا اللہ سے ڈرنے کے زیادہ قریب ہے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ: اللہ سے ڈرو، اللہ تمہارے اعمال سے واقف ہے وہ تمہیں تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ علامہ زمخشری کہتے ہیں: اس آیت میں عظیم تنبیہ ہے کہ کفار جو کہ اللہ کے دشمن ہیں کے ساتھ عدل کرنا واجب ہے، بھلا مؤمنین کے ساتھ عدل وانصاف برتنے کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جب کہ مؤمنین تو اللہ کے دوست ہیں۔[1] وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ: اللہ نے فرماں بردار مومنین سے وعدہ کیا ہے۔ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ: کہ آخرت میں ان کے لیے گناہوں کی بخشش اور ثواب عظیم ہے۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ: قبل ازیں مؤمنین کا حال ذکر کیا ہے اور اب مجرم کفار کا انجام ذکر کیا جا رہا ہے، وہ یہ کہ کفار دوزخ کے نچلے طبقہ میں ہوں گے اور ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں گرفتار رہیں گے۔ ابو حیان کہتے ہیں: اوپر آیت میں مومنین کے بیان میں جملہ فعلیہ لایا گیا ہے جو کہ ماضی کے وعدہ کو متضمن ہے اور یہ وقوع کی دلیل ہے جب کہ کافرین کے بیان میں جملہ اسمیہ لایا گیا ہے جو ثبوت حکم پر دلالت کرتا ہے یعنی کفار دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

بلاغت: لَا تُحِلُّوْا شَعَاۗىِٕرَ اللّٰهِ: ...... میں ''الشعیرۃ'' کا استعارہ لیا گیا ہے، اور یہ عبادات کی علامت ہے۔ وَلَا الْقَلَاۗىِٕدَ: ای ''ذوات القلائد'' یہ عطف الخاص علی العام کے باب میں سے ہے، چوں کہ یہ اشرف ہدی ہوتی ہے۔ وَتَعَاوَنُوْا عَلَي الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ: اس میں محسنات بدیعیہ میں سے مقابلہ ہے۔ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ: عام کا اطلاق ہے اور مراد خاص ہے، طعام سے مراد ذبح کیا ہوا جانور اور اس کا گوشت ہے۔ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ: ان دونوں لفظوں کے درمیان طباق ہے۔ کیوں کہ مُحْصِنِيْنَ کا معنی ہے پاک دامن رہنے والے اور مُسٰفِحِيْنَ کا معنی ہے زنا کرنے والے۔ اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ: میں ارادۂ فعل کو فعل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور سبب کو مسبب کے قائم مقام رکھا ہے، ان دونوں میں ملابست ہے۔ آیت میں ایجاز بھی ہے ای وانتم محدثون۔

اول فائدہ: ...... حکایت ہے کہ مشہور فلسفی کندی سے اس کے شاگردوں نے کہا: اے حکیم! ہمارے لیے قرآن جیسی ایک کتاب بنا دو، کندی نے حامی بھر لی، اور کئی دن تک روپوش رہا پھر جب واپس آیا کہنے لگا: اللہ کی قسم میں ایسا کرنے سے بے بس ہوں اور کوئی بھی ایسا نہیں کر سکتا، میں نے قرآن مجید کھولا تو سورۃ المائدہ نکلی، کیا دیکھتا ہوں کہ اس میں وفائے عہد کا حکم ہے اور نکث عہد سے منع کیا گیا ہے، قرآن نے عام چیزوں کو حلال قرار دیا ہے اور کچھ چیزوں کو مستثنا کیا ہے، پھر کندی نے اپنی فلسفیانہ حکمت کو دو سطروں میں بیان کیا جس کی شرح کئی جلدوں میں کی جا سکتی ہے۔[2]

دوم فائدہ: ...... عرب میں عرصہ دراز سے جاہلی عصبیت کا سلسلہ چلا آیا ہے۔ چنانچہ ایک جاہلی شاعر کا شعر ہے:

---

[1] الکشاف ۱/۴۷۶ [2] القرطبی ۶/۳۱

وهل أنا الا من غزية ان غوت غويتُ وأن ترشد غزيه ارشد

ترجمہ:...... میرا تعلق غزیہ سے ہے، اگر غزیہ گمراہی کا راستہ اختیار کرے تو میں بھی گمراہ کا راستہ اختیار کرتا ہوں اور اگر وہ راہ راست پر آئے تو میں بھی راہ راست پہ آجاتا ہوں۔

تاہم اسلام نے جاہلی عصبیت کا خاتمہ کیا اور انسانی اکرام واحترام کا درس دیا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۖ

چنانچہ دونوں معاشرتی بنیادوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

سوم فائدہ:...... ایک یہودی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا! اے امیر المؤمنین! تمہاری کتاب میں ایک ایسی آیت ہے اگر یہ آیت ہمارے اوپر نازل ہوتی تو اس دن کو ہم عید بنا لیتے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ کون سی آیت ہے؟ یہودی نے جواب دیا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ

فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ③

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم میں اس دن کو بخوبی جانتا ہوں جس دن یہ آیت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی بلکہ نزول کی گھڑی بھی مجھے اچھی طرح یاد ہے، چنانچہ یہ آیت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر عرفہ کی شام بروز جمعہ نازل ہوئی ہے۔ (اور دوسرے دن یعنی دس ذی الحجہ کو مسلمان عید مناتے ہیں)۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑪ وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ⑫ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰي خَاۗىِٕنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ⑬ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ⑭ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ڛ قَدْ جَاۗءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ⑮ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰي صِرَاطٍ

مُّسْتَقِيْمٍ ⑯ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا
اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑰ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ
اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ
وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؗ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ⑱ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ
قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا
نَذِيْرٍ ؗ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑲ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا
نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ
الْعٰلَمِيْنَ ⑳ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ
فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ㉑ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ
فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ㉒ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ
الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۬ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ㉓ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى
اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ㉔ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَآ
اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ㉕ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ
سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ㉖

ترجمہ:......اے ایمان والو! تم پر جو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اسے یاد کرو، جب کہ ایک قوم نے تم پر دست درازی کا ارادہ کیا سو اس نے ان کے ہاتھوں کو تم تک پہنچنے سے روک دیا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ایمان والے اللہ ہی پر بھروسہ کریں۔ ⑪ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ہم نے ان میں سے بارہ نمائندے بھیجے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بلاشبہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو، اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ، اور ان کی مدد کرو، اور اللہ کو اچھے طور پر قرض دیتے رہو میں ضرور تمہارے گناہوں کا کفارہ کروں گا اور تمہیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی سو اس کے بعد تم میں سے جو شخص کفر اختیار کرے وہ راہ راست سے دور جا پڑا، ⑫ سو ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان کو ملعون قرار دے دیا اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت بنا دیا وہ کلمات کو ان کے مواقع سے بدل دیتے ہیں اور وہ اس نصیحت کا بہت بڑا حصہ بھول گئے جو انہیں ذکر کی گئی تھی۔ اور آپ برابر ان کی طرف سے کسی نہ کسی خیانت پر مطلع ہوتے رہیں گے باستثنا تھوڑے سے لوگوں کے، سو آپ انہیں معاف فرمایئے اور درگزر کیجیے بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوبی کا معاملہ کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ ⑬ اور جن لوگوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں ان سے ہم نے پختہ عہد لیا سو وہ اس چیز کا بڑا حصہ بھول گئے جس کے ذریعہ ان کو نصیحت کی گئی سو ہم نے قیامت کے دن تک ان کے

درمیان دشمنی اور بغض کو ڈال دیا اور عنقریب اللہ تعالیٰ انہیں جتلا دے گا جو کام وہ کیا کرتے تھے۔⑭ اے اہلِ کتاب! تحقیق آیا تمہارے پاس ہمارا رسول جو تم سے بہت سی ان چیزوں کو بیان کرتا ہے جن کو تم اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سے چھپاتے تھے اور بہت سے چیزوں سے درگزر کرتا ہے، بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور ایک ایسی کتاب آئی ہے جو واضح بیان کرنے والی ہے⑮ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ ان لوگوں کو سلامتی کے راستے بتاتا ہے جو اس کی رضامندی کے طلب میں لگے رہتے ہیں اور ان کو اپنے حکم سے اندھیروں سے نور کی طرف نکالتا ہے اور انہیں سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دیتا ہے⑯ البتہ تحقیق انہوں نے کفر کیا جنہوں نے یوں کہا کہ بے شک اللہ مسیح ابن مریم ہے، آپ فرما دیجیے کہ اگر اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم اور اس کی والدہ کو اور جو کچھ بھی زمین میں ہے ان سب کو ہلاک فرمانے کا ارادہ فرمائے تو کون ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ سے بچا سکے اور اللہ ہی کے لیے ملک ہے آسمانوں کا اور زمینوں کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے وہ پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔⑰ اور یہود و نصاریٰ نے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور اس کے پیارے ہیں آپ فرما دیجیے کہ پھر وہ تمہیں تمہارے گناہوں کے سبب کیوں عذاب دے گا؟ بلکہ تم اس کی مخلوق میں سے بشر ہو وہ بخشے گا جس کو چاہے اور عذاب دے گا جس کو چاہے اور اللہ تعالیٰ ہی کا ملک ہے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے⑱ اے اہلِ کتاب! تمہارے پاس ہمارا رسول آیا ہے جو ایسے وقت میں تمہارے لیے بیان کرتا ہے جبکہ رسولوں کا سلسلہ موقوف تھا تاکہ تم یوں نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی بشارت دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا، سو تمہارے پاس بشارت دینے والا اور ڈرانے والا آ گیا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔⑲ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! تم اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو جو اس نے تمہیں عطا فرمائی جب کہ اس نے تم میں انبیا بنائے اور تمہیں بادشاہ بنایا اور تم کو وہ کچھ دیا جو جہانوں میں سے کسی کو نہیں دیا۔⑳ اے میری قوم! مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے اور پیچھے واپس مت لوٹو ورنہ نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے۔㉑ وہ کہنے لگے اے موسیٰ! یہ واقعی بات ہے کہ اس سرزمین میں بڑے زبردست لوگ ہیں، اور بے شک اس بستی میں ہرگز داخل نہ ہوں گے جب تک لوگ نہ نکل جائیں گے۔ سو اگر وہ اس سے نکل جائیں تو ہم داخل ہو جائیں گے۔㉒ دو آدمیوں نے کہا جو ڈرنے والے تھے اللہ تعالیٰ نے ان پر انعام فرمایا تھا کہ تم لوگ ان پر دروازے سے داخل ہو جاؤ۔ سو جب تم اس میں داخل ہو گے تو بلا شبہ تم غلبہ پانے والے ہو گے، اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو اگر تم مؤمن ہو،㉓ وہ کہنے لگے کہ اے موسیٰ! ہم ہرگز کبھی بھی اس میں داخل نہ ہوں گے جب تک کہ وہ لوگ اس میں موجود ہیں لہٰذا تو اور تیرا رب دونوں جائیں پھر دونوں جنگ کر لیں بے شک ہم تو یہیں بیٹھے ہیں㉔ موسیٰ نے کہا کہ اے میرے رب! بے شک میرے بس میں صرف میری جان اور میرا بھائی ہے، لہٰذا ہمارے اور فاسق قوم کے درمیان فیصلہ فرما دیجیے㉕ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سو یہ سرزمین ان لوگوں پر چالیس سال تک حرام رہے گی۔ زمین میں حیران پھرتے رہیں گے سو آپ نافرمان قوم پر رنج نہ کیجیے۔㉖

ما قبل سے ربط و تعارف: ......اس سے پہلے حلال و حرام کے متعلق احکام بیان کیے گئے ہیں اب آگے اسلام کی نعمت عظمیٰ، ہدایت اور دفع شر کا ذکر ہے، اس کے بعد اہل کتاب پر کی گئی نعمت کا ذکر ہے، ان سے لیے معاہدات کا ذکر ہے، تاہم اہل کتاب نقض عہد کے مرتکب ہوئے۔ پھر فریقین (یہود و نصاریٰ) کو دعوت ہدایت دی گئی ہے اور یہ کہ پیغمبر آخر الزمان کی شریعت مطہرہ کو اختیار کریں اور ضلالات و اوہام کو ترک کریں۔

لغات: ......نَقِيْبًا: النقيب قوم کا بڑا جو قوم کے احوال و مصالح کی کھوج لگاتا ہو اور خیال رکھتا ہو، جیسے کسی جماعت کا کفیل۔ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ: التعزیر مصدر ہے تعظیم و توقیر۔ سَوَآءَ السَّبِيْلِ: راستے کا درمیان، سیدھی راہ۔ قٰسِيَةً: ایسے دل جو پتھر کی مانند سخت ہوں جن سے خیر کی کوئی توقع نہ ہو۔ خَآئِنَةٍ: خیانت، تاہم ''خائن'' کی صفت بھی ہو سکتی ہے جیسے ''رجل طاغية ورجل راوية''

فَاَغْرَيْنَا: ''الغراء'' سے ماخوذ ہے، یعنی ہم نے ابھارا۔ فَتْرَةٍ: انقطاع۔ يَتِيْهُوْنَ: التیہ سے ماخوذ ہے، معنی حیران و پریشان اور ضائع ہونا۔

شانِ نزول: ......بنو نضیر نے رسول کریم ﷺ کے سر پر چکی کا پاٹ گرانا چاہا اور آپ کو اور آپ کے اصحاب سے غدر کرنا چاہا اس پر اللہ نے یہ

آیت نازل فرمائی:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ ......[1]

اہل ایمان پر احسان

تفسیر: ......یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ: اے ایمان والو! اللہ نے تمہارے اوپر جو فضل وکرم کیا ہے اسے یاد کرو کہ تمہیں دشمن سے محفوظ رکھا۔اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ یَّبْسُطُوْٓا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ: تمہیں قتل وہلاک کرنے کی سازش کر رہے تھے۔فَكَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ: اللہ نے تمہیں ان کے شر سے محفوظ رکھا اور ان کی اذیت کو تم سے دور کیا۔وَاتَّقُوا اللّٰهَ: خدا کے اوامر کو بجالا کر اور نواہی سے بچ کر اللہ سے ڈرتے رہو۔وَعَلَی اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ: چاہیے کہ مؤمنین اللہ پر بھروسہ رکھیں، اللہ مؤمنوں کے لیے کافی اور مددگار ہے۔

بنی اسرائیل کے بارہ سردار

اس کے بعد اللہ نے یہود کے احوال، خیانت اور نقض عہد کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ: اللہ نے بنی اسرائیل سے حلفیہ پختہ عہد لیا۔وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا: ہم نے موسیٰ کو حکم دیا کہ بارہ نقیب اپنے ساتھ لے لو، نقیب قوم کے بڑے کو کہا جاتا ہے جو قوم کے مصالح اور احوال کا خیال رکھتا ہو۔ ہر قبیلے سے ایک نقیب ہو جو اپنی قوم کا کفیل ومنتظم ہو اور وہ اپنی قوم کی طرف سے عہد کا پاس دار ہو۔ علامہ زمخشری کہتے ہیں: فرعون کی ہلاکت کے بعد جب بنی اسرائیل مصر میں جم گئے تو اللہ نے انہیں ملک شام میں اریحاء کی طرف سفر کرنے کا حکم دیا، جہاں کنعان کے جابر حکمران قابض تھے، بنی اسرائیل سے اللہ نے کہا: میں نے یہ سرزمین تمہارا مستقر اور وطن بنادیا ہے، تم قابضین کے ساتھ جہاد کرو میں تمہاری مدد کردوں گا۔ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ملا تھا کہ ہر قبیلے سے ایک نقیب منتخب کرلیں، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی کیا اور نقبا کو ساتھ لے کر سوئے شام روانہ ہوئے، جب سرزمین کنعان کے قریب پہنچے تو نقبا قابض قوم کی جاسوسی اور حالات معلوم کرنے میں لگ گئے، انہوں نے قابض قوم کو عظیم الجسم اور ان کی قوت وشوکت کو دیکھا تو ان سے ڈر گئے اور واپس لوٹ آئے، موسیٰ علیہ السلام نے انہیں حالات افشا کرنے سے منع کیا تھا لیکن سوائے دو آدمیوں کے باقی سب نے حالات افشا کردیے یوں میثاق وعہد توڑ دیا۔[2]

وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ: اللہ نے فرمادیا تھا کہ میں تمہارے ساتھ میں اور تمہاری مدد کروں گا۔لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّكٰوةَ: لام برائے قسم ہے یعنی میں تمہارے لیے قسم اٹھاتا ہوں اے بنی اسرائیل! اگر تم میری فرض کردہ نماز وزکوٰۃ ادا کرو گے۔

وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ: اور تم میرے پیغمبروں کی تصدیق کرو گے، ان کی مدد کرو گے اور دشمن کے مقابلہ میں ان کا ساتھ دو گے۔

وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا: یعنی اللہ کی رضا جوئی کے لیے خیر کے راستے میں خرچ کرو گے۔

لَاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ: میں تمہارے گناہ مٹادوں گا، یہ جواب قسم ہے، بیضاوی کہتے ہیں: یہ جواب قسم جواب شرط کے بھی قائم مقام ہے۔

وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ: ان بہشتوں کے بالا خانوں اور درختوں کے نیچے پانی، دودھ، شراب اور شہد کی نہریں بہتی ہیں۔

بنی اسرائیل کا اللہ سے عہد

فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ: ......اس پختہ عہد کے بعد جو شخص کفر کرے گا یقیناً وہ سیدھی راہ سے ہٹ گیا اور ایسی گمراہی میں جا اٹکا جس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّیْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ: ان کے نقض عہد کے سبب ہم نے انہیں اپنی رحمت سے دور کردیا۔وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِیَةً: ان کی بدبختی کی وجہ سے ہم نے انہیں سنگدل بنادیا اور وہ جفاشعار بن گئے اب ان کے دل قبول ایمان کے لائق ہی نہیں رہے۔[3] یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ: ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: تورات کی غلط تاویلیں کرنے لگے اور جو مراد ہوتی اسے بدل دیتے۔

---

[1] مختصر ابن کثیر ۱/ ۴۹٦ [2] الکشاف ۱/ ۴۷۸ [3] یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے جیسا کہ بحر میں آیا ہے۔

خدا کے متعلق ایسی باتیں کہتے جو اس نے کبھی نہ کہی ہوتیں۔ [1] کلام اللہ کو بدلنے سے بڑا جرم کوئی نہیں۔ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ: تورات میں انہیں جن تعلیمات کا حکم دیا گیا تھا اس کا ایک بڑا حصہ انہوں نے ترک کر دیا۔ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ: اے محمد! تم برابر ان کی خیانتوں پر آگاہ ہوتے رہو گے چنانچہ نقض عہد، مکر و فریب، غدر اور خیانت تو ان کی اور ان کے اسلاف کی عادات میں سے ہے، بہت تھوڑے ان عادات سے بچ پاتے ہیں یہ بھی وہ ہیں جنہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ: تم ان سے بدلہ نہ لو بلکہ انہیں معاف اور درگزر کرو، جو تمہارے ساتھ برائی کرے اسے معاف کر دو۔ یہ آیت، آیت سیف اور آیت جزیہ سے منسوخ ہے یہ جمہور علما کا قول ہے۔ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ: اور جن لوگوں کا دعویٰ ہے کہ وہ اللہ کے انصار ہیں اور اسی سے اپنے آپ کو ملقب کرتے ہیں، ہم نے اسی طرح ان سے بھی عہد لیا کہ توحید پر رہو اور محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لاؤ۔

فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ: انہیں انجیل میں ہم نے جو احکام دیے تھے کہ انبیا پر ایمان لاؤ، عہد پورا کرو وغیرھا یہ سب انہوں نے ترک کر دیے۔

فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ: ہم نے نصاریٰ کے فرقوں کے درمیان قیامت کی صبح تک بغض و عداوت پیدا کر دی، وہ ایک دوسرے پر لعنت ہی کرتے رہیں گے۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: نصاریٰ آپس میں برابر بغض و عداوت رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں اور لعنت کرتے ہیں، ہر فرقہ دوسرے فرقے کو اپنی عبادت گاہ میں داخل نہیں ہونے دیتا۔ [2] اہل مغرب کا بھی یہی حال ہے، حالاں کہ ایک ہی دین کے نام لیوا ہیں، اس کے باوجود وہ ایک دوسرے کو ہلاک اور زیر کرنے کے لیے طرح طرح کے حیلے بہانے تراشتے رہتے ہیں، چنانچہ ایٹم بم اور ہائیڈروجن جن کی تباہی عقل کے تصور سے بھی بالاتر ہے اسی باہمی بغض و عداوت کا نتیجہ ہے، چنانچہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۵۵

ترجمہ: ...... اللہ انہیں دنیا کی زندگی میں عذاب دینا چاہتا ہے تا کہ ان کی روحیں نکلیں اس حال میں کہ وہ کفار ہی ہوں۔

آگے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ: اس میں نصاریٰ کو دھمکی دی جا رہی ہے کہ وہ اپنے قبیح اعمال کا بدلہ پائیں گے۔

اہل کتاب کی کلام اللہ میں تحریف

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ: یہود و نصاریٰ سے خطاب ہے، اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارے رسول محمد ﷺ دین حق لے کر آئے ہیں، بہت ساری باتیں جو تمہاری کتاب میں موجود ہیں جنہیں تم چھپاتے ہو جیسے محمد پر ایمان لانا، آیت رجم، ہفتہ والوں کا قصہ جو بندر بنا دیے گئے تھے وغیرہ محمد ان سب کو ظاہر کریں گے۔ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ: اور بہت ساری باتوں کو درگزر کر جاتے ہیں انہیں بیان نہیں کریں گے، صرف وہی باتیں بیان کریں گے جن میں تمہارے لیے محمد کی نبوت پر دلیل و حجت ہوگی اور ان کے صدق پر گواہی ہوگی اگر ہر چیز ذکر کریں تو تم رسوا ہو جاؤ گے۔ تسہیل میں ہے: آیت میں حضور نبی کریم ﷺ کی نبوت کے صحیح ہونے پر دلیل ہے کیوں کہ آپ ﷺ نے وہ باتیں بیان کیں جو اہل کتاب نے چھپا دی تھیں حالاں کہ آپ امی تھے، آپ نے اہل کتاب کی کتب کو پڑھا نہیں۔ [3]

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ: یعنی تمہارے پاس نور آیا ہے اور وہ نور قرآن مجید ہے چوں کہ قرآن شرک و ظلم اور شک و شبہ کی تاریکیوں کو ختم کرتا ہے، یہ کتاب حق کو ظاہر کرنے والی ہے اور معجز ہے۔ [4] يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ: اللہ قرآن کے ذریعہ اسی کو ہدایت دیتا ہے، جو اس کی رضا چاہتا ہو، نجات و سلامتی اس کے پیش نظر ہو۔ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ: صراط مستقیم سے مراد دین اسلام ہے۔ اس کے بعد نصاریٰ نے جو عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں افراط کیا ہے کا بیان ہے، کیوں کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کہتے

---

[1] مختصر ابن کثیر ۱/ ۴۹۷ [2] مختصر ابن کثیر ۱/ ۴۹۸، یہی حال آج مسلمانوں کا بھی ہے جو قابل صد افسوس ہے۔ [3] التسہیل ۱/ ۱۷۲ [4] سبھی مفسرین نے نور سے مراد قرآن مجید لیا ہے اور قرآن کا سیاق و سباق بھی اسی کا مؤید ہے، نور سے حضور نبی ﷺ کو مراد لینا صریح غلطی ہے۔

تھے۔ چنانچہ ارشاد ہے: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ : وہ لوگ کافر ہیں جنہوں نے عیسیٰ کو معبود ٹھہرایا، یہ نصاریٰ کا ایک فرقہ ہے، جن کا دعویٰ ہے کہ اللہ عیسیٰ میں حلول کر گیا ہے، چنانچہ نصاریٰ کی کتابوں میں ہے "اور رب یسوع آیا۔" یسوع، نصاریٰ کے ہاں عیسیٰ علیہ السلام کا نام ہے۔ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا : اے محمد! ان سے کہہ دیجیے: تم نے جھوٹ بولا، بھلا اللہ کے عذاب سے ٹکر لینے کی کون طاقت رکھتا ہے اگر اللہ، مسیح، ان کی ماں اور سب اہل زمین کو ہلاک کرنے کا ارادہ کر لے؟ چنانچہ عیسیٰ بھی مجبور بندے ہیں ساری مخلوق کی طرح ان پر بھی موت آ سکتی ہے، جس شخص کی یہ حالت ہو وہ معبود نہیں ہو سکتا، اگر عیسیٰ معبود ہوتے تم از کم اپنے آپ کو تو موت سے چھڑا سکتے۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا : آسمانوں اور زمین کے درمیان مخلوقات اور عجائب سب اللہ کی ملکیت ہے۔ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ : اللہ جو چاہے پیدا کرنے پر قادر ہے۔ اسی لیے اللہ نے عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا کیا۔ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ : اللہ کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی۔

یہود و نصاریٰ کا جھوٹ

اس کے بعد یہود و نصاریٰ کا افترا اور جھوٹ نقل کیا گیا ہے۔ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ : ہمارا معاملہ اللہ کے ساتھ بیٹوں جیسا ہے ہم تو اللہ کے چہیتے اور محبوب ہیں چوں کہ ہم اللہ کے بتلائے ہوئے دین پر ہیں۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ہم اللہ کے انبیا کی طرف منسوب ہیں اور انبیا اللہ کے بیٹے ہیں، ہمارا اللہ کے ساتھ خصوصی تعلق ہے وہ ہم سے محبت کرتا ہے۔[1] قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ : کہہ دیجیے: اگر تم ایسے ہی ہو جیسے تم دعویٰ کرتے ہو کہ تم اللہ کے بیٹوں کے بمنزلہ ہو اور اس کے چہیتے ہو تو پھر تمہارے کفر اور افترا و جھوٹ پر تمہارے لیے اللہ نے دوزخ کی آگ کیوں تیار کر رکھی ہے؟ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ : بلکہ تم بشر ہو دوسرے انسانوں کی طرح، اللہ سبحانہ، وتعالیٰ کا حکم اپنے بندوں پر چلتا ہے۔ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ : اپنے بندوں میں سے جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب دے، اس کی حکمرانی پر کوئی اعتراض نہیں، اس کے حکم کو رد کرنے والا کوئی نہیں۔ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۡ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ : سب کچھ اللہ کی ملکیت ہے اور اس کی قدرت و سلطنت کے ماتحت ہے، اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اہل کتاب کو ایمان کی دعوت

اس کے بعد اہل کتاب کو نبی آخر الزمان پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ : اے جماعت یہود و نصاریٰ! انبیا کے مقدس سلسلہ میں وقفہ ہو جانے کے بعد اور دین کے کہنہ ہو جانے کے بعد تمہارے پاس محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے ہیں تاکہ تمہیں دین حق کے شرائع کی تعلیم دیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان پانچ سو ساٹھ (۵۶۰) سال کا وقفہ ہوا ہے، اس وقفہ میں کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا۔ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ : تاکہ تم یہ حجت نہ پیش کر سکو کہ ہمارے پاس کوئی پیغمبر خیر کی خوشخبری دینے والا اور شر سے ڈرانے والا نہیں آیا۔ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ : سو اس منصب کے پیغمبر تمہارے پاس آ چکے اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ : ابن جریر کہتے ہیں: اللہ نافرمان کو عذاب دینے پر قادر ہے اور فرماں بردار کو ثواب عطا کرنے پر قادر ہے۔ اس کے بعد یہود کے بغض و عناد اور انکار کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا : جب اللہ نے تمہارے درمیان انبیا بھیجے جو تمہیں دین کی تعلیم دیتے تھے اور تمہیں بادشاہوں جیسی زندگی عطا کی، تمہارے اوپر کوئی غالب نہیں آ سکتا تھا حالاں کہ قبل ازیں تم فرعون کے مملوک و غلام رہ چکے تھے، اللہ نے فرعون کو غرق آب کر کے تمہیں آزادی سے نوازا۔ بیضاوی کہتے ہیں: اتنے زیادہ انبیا کسی قوم میں نہیں بھیجے گئے جتنے بنی اسرائیل میں بھیجے گئے۔ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ : اور تمہیں انواع و اقسام کی نعمتیں عطا کیں

---

[1] مختصر ابن کثیر ۱/ ۴۹۹

تمہیں عزت واکرام سے نوازا، دریا کے بیچوں بیچ تمہارے لیے راستہ بنایا، بادلوں کا سایہ تمہارے اوپر کیے رکھا اور تمہارے کھانے کے لیے من وسلویٰ نازل کیا، غرض تمہیں وہ کچھ عطا کیا جو جہاں میں کسی کو نہیں عطا کیا گیا۔

یہود کی ارض مقدس میں داخلے کا حکم اور ان کی بزدلی

یٰقَوۡمِ ادۡخُلُوا الۡاَرۡضَ الۡمُقَدَّسَةَ الَّتِیۡ کَتَبَ اللّٰهُ لَکُمۡ: بیضاوی کہتے ہیں: ارض مقدسہ سے مراد بیت المقدس ہے، بیت المقدس اس لیے کہا جاتا ہے چوں کہ یہ سرزمین انبیا کا ٹھکانا رہی ہے اور مؤمنین کا مسکن رہی ہے۔[1] اور الَّتِیۡ کَتَبَ اللّٰهُ لَکُمۡ: کا معنی ہے کہ جس سرزمین کا اللہ نے تمہارے باپ اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) سے وعدہ کیا تھا اور فیصلہ کیا تھا کہ یہ سرزمین تمہیں مل کر رہے گی۔ وَلَا تَرۡتَدُّوۡا عَلٰۤی اَدۡبَارِکُمۡ فَتَنۡقَلِبُوۡا خٰسِرِیۡنَ: اور ظالم حکمرانوں سے خوفزدہ ہو کر واپس نہ لوٹ آنا۔ تسہیل میں ہے: روایت ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو ارض مقدسہ میں داخل ہونے کا حکم دیا تو بنی اسرائیل ارض مقدسہ کے سرکردہ لوگوں سے ڈر گئے اور واپس مصر لوٹ آئے۔[2] قَالُوۡا یٰمُوۡسٰۤی اِنَّ فِیۡهَا قَوۡمًا جَبَّارِیۡنَ: اس سرزمین میں قد آور اور طاقتور لوگ رہتے ہیں جن کے ساتھ ہم کسی طرح بھی جنگ نہیں کر سکتے، یہ عمالقہ تھے جن کا تعلق قوم عاد سے تھا۔ وَاِنَّا لَنۡ نَّدۡخُلَهَا حَتّٰی یَخۡرُجُوۡا مِنۡهَا فَاِنۡ یَّخۡرُجُوۡا مِنۡهَا فَاِنَّا دٰخِلُوۡنَ: ہم ارض مقدسہ میں اس وقت تک داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ یہ قد آور قوم بغیر جنگ کے یہ ملک ہمارے حوالے نہ کر دے اور خود یہاں سے چلی نہ جائے۔ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِیۡنَ یَخَافُوۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمَا: جب بنی اسرائیل کا ہلی پر اتر آئے تو نقبا میں سے دو آدمی جن کے دلوں میں خوف خدا تھا اور ان میں نیکی اور یقین بھی تھا نے کہا:[3] ادۡخُلُوۡا عَلَیۡهِمُ الۡبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلۡتُمُوۡهُ فَاِنَّکُمۡ غٰلِبُوۡنَ: تم ان کی قد آوری سے گھبراؤ نہیں اور وہ طول القامت ہیں ان کے دل نہایت کمزور ہیں، جب تم شہر کے بڑے دروازے سے داخل ہو گے اللہ کے حکم سے ان پر غالب آ جاؤ گے۔ وَعَلَی اللّٰهِ فَتَوَکَّلُوۡۤا اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ: اللہ پر بھروسہ رکھو اگر تم سچے مؤمن ہوئے تو وہ تمہاری مدد کرے گا۔ قَالُوۡا یٰمُوۡسٰۤی اِنَّا لَنۡ نَّدۡخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوۡا فِیۡهَا فَاذۡهَبۡ اَنۡتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوۡنَ: یہ حد درجے کی نافرمانی اور بے ادبی ہے، بالفاظ دیگر گویا انہوں نے کہا: ہم کفر کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتے ہیں۔ یہ نبی آخر الزماں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار صحابہ رضی اللہ عنہم تو تھوڑے ہی تھے جنہوں نے کہا تھا: ہم آپ سے بنی اسرائیل جیسی بات نہیں کہیں گے بلکہ ہم کہتے ہیں: آپ اور آپ کا رب دونوں جنگ کے لیے جائیں ہم آپ کے شانہ بشانہ ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا

قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ لَاۤ اَمۡلِکُ اِلَّا نَفۡسِیۡ وَاَخِیۡ فَافۡرُقۡ بَیۡنَنَا وَبَیۡنَ الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِیۡنَ: ...... اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے معذرت کرتے ہوئے کہا: اے میرے رب! میں اپنی قوم کا مالک نہیں ہوں، مجھے تو صرف اپنی جان اور اپنے بھائی پر اختیار ہے، لہٰذا ہمارے درمیان اور تیری اطاعت سے نکلنے والوں کے درمیان فرق کر دے۔ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیۡهِمۡ اَرۡبَعِیۡنَ سَنَةً ۚ یَتِیۡهُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ: اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول کر لی اور بنی اسرائیل کو میدان تیہ میں چالیس سال تک سرگرداں رکھا۔ آیت کا مطلب ہے کہ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: ارض مقدسہ میں داخل ہونا بنی اسرائیل پر چالیس سال کے لیے حرام ہے، دنیا میں سرگرداں رہیں گے اور اس تک پہنچنے کا راستہ ہی نہیں پائیں گے۔ فَلَا تَاۡسَ عَلَی الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِیۡنَ: آپ ان پر افسوس نہ کریں کیوں کہ یہ فاسقین ہیں اور عذاب کے مستحق ہیں، تسہیل میں ہے: بنی اسرائیل پوری پوری رات چلتے رہتے جب صبح ہوتی وہیں ہوتے جہاں سے سفر کی ابتدا کی تھی۔[4]

بلاغت: ...... اَنۡ یَّبۡسُطُوۡۤا اِلَیۡکُمۡ اَیۡدِیَهُمۡ: میں بسط ید (ہاتھ بڑھانا) غلبہ پانے سے کنایہ ہے جیسے ''کَفّ یَدَ'' ہاتھ روکنا، کسی کام سے رک جانے سے کنایہ ہے۔ بَعَثۡنَا مِنۡهُمُ: اس میں غیبوبت سے تکلم کی طرف التفات ہے۔ وَیُخۡرِجُهُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ: میں استعارہ ہے، ظلمتوں یعنی تاریکی کا استعارہ ہے کفر کے لیے اور نور کا استعارہ ہے ایمان کے لیے۔ وَجَعَلَکُمۡ مُّلُوۡکًا: اس میں تشبیہ بلیغ ہے، یعنی عیش و

---

[1] البیضاوی ص ۱۴۸ [2] التسہیل ۱/ ۱۷۳ [3] یہ دو نیکو کار حضرت یوشع علیہ السلام اور کالب رحمۃ اللہ علیہ تھے یہ دونوں فرماں بردار تھے۔ [4] التسہیل ۱/ ۱۷۴

عشرت میں بادشاہوں کی طرح، چنانچہ صرف تشبیہ اور وجہ شبہ کو حذف کر دیا اور تشبیہ بلیغ ہوگئی۔ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ: میں طباق ہے۔

اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا: جملہ معترضہ ہے جو نیکوکار بندوں پر اللہ کے فضل کے بیان کے لیے لایا گیا ہے۔

فائدہ اول:...... ارض مقدسہ سے سرزمین فلسطین کے موسوم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ انبیا کا مسکن ہے۔ مقدسہ کا معنی ہے پاک، گویا مظروف کی برکت سے ظرف بھی پاک ہوگیا۔

فائدہ دوم:...... ایک عارف نے ایک فقیہ سے کہا: قرآن میں تم کہاں پاتے ہو کہ دوست دوست کو عذاب نہیں دیتا؟ فقیہ خاموش رہا اور پھر یہ آیت تلاوت کی: قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ: اس آیت میں اس امر پر دلیل ہے کہ محب اپنے حبیب کو عذاب اور اذیت نہیں دیتا۔ (ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں کا تذکرہ اور رہزنوں و چوروں کی سزا کا بیان

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ۭ
قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ۭ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾ لَىِٕنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ
يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ
اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾
فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ۭ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ
اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ كَتَبْنَا
عَلٰي بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ
وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۡ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ
بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿۳۲﴾ اِنَّمَا جَزٰۗؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ
فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ
لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۳۳﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا
عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ
وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ
مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۳۶﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ
يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۷﴾ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا
اَيْدِيَهُمَا جَزَاۗءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۳۸﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ

النصف وقف لازم

ع ۸

فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۹﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۰﴾

ترجمہ:......اور آپ ان کو آدم کے دو بیٹوں کا قصہ صحیح طور پر پڑھ کر سنایئے جبکہ ان دونوں نے ایک ایک نیاز پیش کی، سو ان میں سے ایک کی نیاز قبول کر لی گئی اور دوسرے کی نیاز قبول نہ کی گئی اس نے کہا کہ میں تجھے ضرور بالضرور قتل کروں گا دوسرے نے کہا کہ اللہ تعالیٰ صرف تقویٰ والوں سے قبول فرماتا ہے۔﴿۲۷﴾ یہ یقینی بات ہے کہ اگر تو نے میرے قتل کرنے کے لیے میری طرف ہاتھ بڑھایا تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے تیری طرف اپنا ہاتھ بڑھانے والا نہیں ہوں گا بے شک میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں جو سب جہانوں کا پروردگار ہے۔﴿۲۸﴾ بلاشبہ میں چاہتا ہوں کہ تو میرے گناہ اور اپنے گناہ اپنے سر دھر لے پھر تو دوزخ والوں میں سے ہو جائے اور یہ ظالموں کی سزا ہے ﴿۲۹﴾ سو اس کے نفس نے اسے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر لیا سو اس نے اسے قتل کر دیا جس کی وجہ سے وہ نقصان اٹھانے والوں میں شامل ہو گیا ﴿۳۰﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا وہ زمین کو کرید رہا تھا تا کہ وہ اسے دکھا دے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کو کیسے چھپائے کہنے لگا افسوس میری حالت پر! کیا میں اس سے عاجز ہو گیا کہ اس کوے کی طرح ہو جاؤں سو اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دوں پھر وہ پچھتانے والوں میں سے ہو گیا۔﴿۳۱﴾ اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ جو بھی کوئی شخص کسی شخص کو بلاعوض جان کے یا بغیر کسی فساد کے قتل کر دے جو زمین میں ہو تو گویا قتل کرنے والے نے سب لوگوں کو قتل کر دیا، اور جس نے کسی جان کو زندہ رکھا تو گویا اس نے سب لوگوں کو زندہ کر دیا اور یہ واقعی بات ہے کہ ان کے پاس ہمارے رسول کھلی ہوئی دلیلیں لے کر آئے پھر اس کے بعد ان میں سے بہت سے لوگ زمین میں زیادتی کرنے والے ہیں۔﴿۳۲﴾ جو لوگ اللہ سے اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد کے لیے دوڑتے ہیں ان کی سزا یہی ہے کہ ان کو قتل کیا جائے یا ان کو سولی پر چڑھایا جائے، یا ان کے ہاتھ پاؤں جانب مخالف سے کاٹ دیئے جائیں یا زمین سے نکال دیئے جائیں، یہ دنیا میں ان کی رسوائی اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے ﴿۳۳﴾ سوائے ان لوگوں کے جنھوں نے توبہ کر لی اس سے پہلے کہ تم ان پر قدرت پاؤ سو جان لو کہ بلاشبہ اللہ غفور ہے رحیم ہے۔﴿۳۴﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ کا قُرب تلاش کرو اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ ﴿۳۵﴾ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اگر ان کے پاس وہ سب کچھ ہو جو زمین میں اور اس جیسا اس کے ساتھ اور بھی ہو تا کہ وہ قیامت کے دن کے عذاب سے جان چھڑانے کے لیے دے دیں تو یہ ان سے قبول نہ کیا جائے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔﴿۳۶﴾ وہ ارادہ کریں گے کہ دوزخ سے نکلیں حالانکہ اس میں سے نکلنے والے نہیں اور ان کے لیے ہمیشہ باقی رہنے والا عذاب ہے۔﴿۳۷﴾ جو چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت ہو سو ان کے کردار کے عوض ان کے ہاتھ کاٹ دو یہ بطورِ سزا کے اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ غالب ہے حکمت والا ہے۔﴿۳۸﴾ سو جو شخص اپنے ظلم کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح کر لے سو بلاشبہ اللہ اس کی توبہ قبول فرما لے گا۔ بے شک اللہ غفور ہے رحیم ہے۔﴿۳۹﴾ کیا تجھے معلوم نہیں کہ بلاشبہ اللہ کے لیے ملک آسمانوں کا اور زمینوں کا، وہ عذاب دیتا ہے جسے چاہے اور بخشتا ہے جسے چاہے، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔﴿۴۰﴾

ربط ومناسبت:......قبل ازیں بنی اسرائیل کی سرکشی اور جہاد میں ان کی نافرمانی کا بیان ہوا ہے اب آدم کے دو بیٹوں کا قصہ ذکر کیا جا رہا ہے چنانچہ قابیل نے اللہ کے حکم کی نافرمانی کی اور بے گناہ جان کو قتل کیا، چنانچہ قابیل سطح زمین پر پہلا نافرمان تھا یہود اسی کی روش پر چلے لہٰذا یہود سرکشی اور نافرمانی میں قابیل کے مشابہ ہیں، اس کے بعد رہزنوں کی سزا اور چور کی سزا کا بیان ہے تا کہ ریاست اجتماعی طور پر امن وامان کا گہوارہ رہے، اور مفسدین کا قلع قمع ہو جائے۔

لغات: قُرْبَانًا:...... القربان ایسی چیز جس کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل ہو۔ تَبُوْٓاَ: تم لوٹو گے، باء بولا جاتا ہے جب کوئی اپنی پہلی منزل کو لوٹ آئے۔ فَطَوَّعَتْ: آسان کی گئی، طَاعَ الشَّیْءُ کسی چیز کا سہل وآسان ہونا، منقاد ہونا۔ يَّبْحَثُ: مٹی کریدتا ہے۔ سَوْءَةَ: نعش (لاش) يٰوَيْلَتٰٓى: کلمہ حسرت، ہائے افسوس! امام سیبویہ یہ کہتے ہیں کہ یہ کلمہ ہلاکت کے وقت بولا جاتا ہے۔ يُّنْفَوْا: نَفَاہ سے ماخوذ ہے بمعنی دور کیا، دراصل کسی چیز

کا ختم ہوجانا اس کا معنی ہے۔خِزۡیٌ: ذلت ورسوائی۔الۡوَسِیۡلَةَ: ہر وہ چیز جس کے ذریعے انسان اللہ کا وسیلہ حاصل کرے۔نَکَالًا: سزا عذاب۔
شانِ نزول:...... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عُرینہ کا ایک گروہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور مدینہ ہی میں قیام رکھا، انہیں مدینہ کی آب وہوا راس نہ آئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں شہر سے باہر صدقہ کے اونٹوں کے پاس بھیج دیا اور ساتھ ہدایت کر دی کہ اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پیتے رہو، جب یہ لوگ صحت یاب ہوگئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چرواہے کو قتل کیا اور اونٹ بھگا کر لے گئے، آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک دستہ ان کے پیچھے دوڑایا، صحابہ رضی اللہ عنہم ڈاکوؤں کو گرفتار کر کے لے آئے چنانچہ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے گئے اور ان کی آنکھیں پھوڑ کر دھوپ میں کھلے میدان میں ڈال دیے گئے، یہاں تک کہ مر گئے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:
اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیۡنَ یُحَارِبُوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ [1]

قصہ ہابیل وقابیل

تفسیر: وَاتۡلُ عَلَیۡهِمۡ نَبَاَ ابۡنَیۡ اٰدَمَ بِالۡحَقِّ:...... اے محمد! ان یہود حاسدین اور ان جیسے دوسرے لوگوں کو قابیل اور ہابیل جو کہ آدم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے کی سچی اور برحق خبر پڑھ کر سناؤ اور انہیں یہ قصہ یاد دلاؤ یہ برحق قصہ ہے۔اِذۡ قَرَّبَا قُرۡبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنۡ اَحَدِهِمَا وَلَمۡ یُتَقَبَّلۡ مِنَ الۡاٰخَرِ: جب دونوں نے خدا کے حضور قربانی پیش کی، ہابیل کی قربانی عند اللہ قبول کر لی گئی جب کہ قابیل کی قربانی قبول نہ ہوئی۔مفسرین کہتے ہیں: اس قربانی کا سبب یہ ہوا کہ حوا علیہا السلام ہر حمل کے دوران دو جڑواں بچے جنم دیتی تھیں جن میں سے ایک لڑکی اور ایک لڑکا ہوتا، طریقہ یہ تھا کہ اس حمل کی لڑکی کی شادی دوسرے حمل کے دوران پیدا ہونے والے لڑکے سے ہوتی اور اس حمل کے لڑکے کی شادی بھی کسی دوسرے حمل کی لڑکی سے ہوتی۔چنانچہ جب آدم علیہ السلام نے ہابیل کی شادی قابیل کی جڑواں بہن سے کروانا چاہی تو ہابیل راضی ہوگیا مگر قابیل اس شادی سے راضی نہ ہوا کیوں کہ اس کی جڑواں بہن زیادہ خوبصورت تھی، آدم علیہ السلام نے دونوں بیٹوں سے کہا: تم قربانی دو جس کی قربانی بھی قبول کر لی گئی وہ اس متنازعہ لڑکی سے شادی کر لے، قابیل کسان تھا اس نے ردی قسم کا اناج قربانی میں پیش کیا جب کہ ہابیل نے بھیڑ بکریاں پال رکھی تھیں اور اعلیٰ قسم کا مینڈھا قربانی میں پیش کیا، چنانچہ ہابیل کی قربانی مقبول ہوئی، وہ یوں کہ آسمان سے آگ آئی جس نے قربانی کو ہڑپ کر لیا، یہ صورت حال دیکھ کر قابیل حسد سے جل بھن گیا اور اپنے بھائی ہابیل کو قتل کی دھمکی دی۔[2] قَالَ لَاَقۡتُلَنَّكَ: قابیل نے اپنے بھائی ہابیل سے کہا: میں تمہیں ضرور قتل کروں گا۔ہابیل نے وجہ دریافت کی، قابیل نے کہا: چوں کہ تمہاری قربانی قبول کر لی گئی ہے اور میری قربانی قبول نہیں ہوئی۔ہابیل نے کہا: بھلا اس میں میرا کیا قصور ہے؟

ہابیل کا خوفِ خدا

قَالَ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الۡمُتَّقِیۡنَ: اللہ تو اس کی قربانی قبول کرتا ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہو اور خالص نیت رکھتا ہو، علامہ بیضاوی لکھتے ہیں: مارے حسد کے قابیل نے ہابیل کو قتل کی دھمکی دی اور اس کا حسد حدِ افراط تک پہنچ گیا تھا، ہابیل نے حقیقت پر مبنی جواب دیا کہ تم نفس پرستی کر رہے ہو اور تقویٰ چھوڑ رہے ہو، میرا اس میں کوئی قصور نہیں۔اس میں اشارہ ہے کہ اطاعت وبندگی صرف متقی مؤمن کی قبول کی جاتی ہے۔[3] لَئِنۡۢ بَسَطۡتَّ اِلَیَّ یَدَكَ لِتَقۡتُلَنِیۡ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیۡكَ لِاَقۡتُلَكَ: اگر تم مجھے قتل کرنے کی غرض سے ہاتھ بڑھاؤ گے میں تمہارا مقابلہ بعینہٖ نہیں کروں گا، ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میں اپنی ذات کے لیے تم سے انتقام نہیں لوں گا۔اِنِّیۡۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الۡعٰلَمِیۡنَ: میں تمہاری طرف ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا کیوں کہ میں رب تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔زمخشری کہتے ہیں: ہابیل قابیل سے زیادہ طاقتور تھا، لیکن اس کے دل میں خوفِ خدا تھا اس لیے مقابلہ کرنے سے گریز کیا۔[4]

---
[1] القرطبی ۶/ ۱۴۸ [2] الکشاف ۱/ ۴۸۴، والقرطبی ۶/ ۱۳۴ [3] البیضاوی ص ۱۴۹ [4] الکشاف ۱/ ۴۸۵

اِنِّیۡۤ اُرِيۡدُ اَنۡ تَبُوۡٓاَ بِاِثۡمِیۡ وَاِثۡمِكَ فَتَكُوۡنَ مِنۡ اَصۡحٰبِ النَّارِ :...... اگر تم مجھے قتل کرتے ہی ہو تو تمہارا یہ عمل مجھے تمہیں قتل کرنے سے زیادہ پسند ہے۔ ابوحیان کہتے ہیں: آیت کا معنی ہے کہ اگر قدیر کا فیصلہ ہی ہو تو میں اس امر کو اختیار کروں گا کہ میں مظلوم رہوں، اللہ ہی میرا بدلہ لے، میں ظالم نہیں بننا چاہتا۔[1] ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: معنی یہ ہے کہ میں تمہیں قتل کرنے کی ابتدا نہیں کروں گا، تاکہ اگر تو مجھے قتل کرے تو میرے قتل کرنے کے گناہ کو بھی اپنے سر لے لے اور اپنے گناہ کو بھی اپنے سر لے لے یوں تو دوزخیوں میں سے ہو جائے۔ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيۡنَ: جو شخص سرکشی کرتا ہے اور اللہ کے حکم کی نافرمانی کرتا ہے اس کی یہی سزا ہے۔ فَطَوَّعَتۡ لَهٗ نَفۡسُهٗ قَتۡلَ اَخِيۡهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصۡبَحَ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ: بالآخر قابیل کے لیے اس کے نفس نے بھائی کے قتل کو آسان اور مزین بنا دیا، بھائی کو قتل کر کے دائمی بدبخت بن گیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ہابیل نے قابیل کو دوزخ کا خوف دلایا لیکن وہ باز نہ رہا۔ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبۡحَثُ فِى الۡاَرۡضِ لِيُرِيَهٗ كَيۡفَ يُوَارِىۡ سَوۡءَةَ اَخِيۡهِ: اللہ نے ایک کوا بھیجا جس نے چونچ اور پنجے سے زمین کریدی تاکہ قاتل کو بتلائے کہ وہ اپنے بھائی کی میت کو کیسے چھپائے۔ مجاہد کہتے ہیں: اللہ نے دو کوے بھیجے جو آپس میں لڑنے لگے یہاں تک کہ ایک کوے نے دوسرے کو قتل کر دیا، پھر قاتل کوے نے گڑھا سا بنایا اور مردہ کوے کو اس میں دفن کر دیا، سطح زمین پر یہ پہلا قتل تھا، روایت ہے کہ قابیل نے ہابیل کو قتل کر کے کھلے میدان میں ڈال دیا تھا، اسے پتہ نہیں تھا کہ اسے کہاں چھپائے، یہاں تک کہ اس نے کوے کو دیکھا کہ وہ ایک مردہ کوے کو دفن کر رہا ہے، اس پر کہا: قَالَ يٰوَيۡلَتٰٓى اَعَجَزۡتُ اَنۡ اَكُوۡنَ مِثۡلَ هٰذَا الۡغُرَابِ فَاُوَارِىَ سَوۡءَةَ اَخِىۡ: قابیل نے حسرت سے کہا: اے میری ہلاکت! کیا میں اس پرندے سے بھی گیا گزرا ہوں کہ میں اپنے بھائی کا جسد مٹی میں دبا نہ سکا جیسا کہ اس کوے نے کیا ہے؟

فَاَصۡبَحَ مِنَ النّٰدِمِيۡنَ: جب اسے اپنے بھائی کی میت مٹی میں دبانے کی راہ نہ سوجھی تو وہ پشیمان ہو کر رہ گیا۔ بھائی کے قتل پر اسے ندامت نہیں ہوئی، ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: اگر اسے قتل پر ندامت ہوتی یہ اس کی طرف سے توبہ ہو جاتی۔[2]

مِنۡ اَجۡلِ ذٰلِكَ ۛۚ كَتَبۡنَا عَلٰى بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اَنَّهٗ مَنۡ قَتَلَ نَفۡسًۢا بِغَيۡرِ نَفۡسٍ اَوۡ فَسَادٍ فِى الۡاَرۡضِ: یعنی قابیل اور ہابیل کے سانحہ کی وجہ سے قابیل نے اپنے بھائی کو جو ظلماً قتل کیا ہم نے بنی اسرائیل پر یہ حکم لاگو کر دیا کہ جو ناحق اور ظلم کرتے ہوئے کسی جان کو قتل کرے گا وہ قصاص کا مستحق ہوگا۔ اور زمین میں فساد پھیلانے جیسے رہزنی اور ارتداد کی وجہ سے قتل نہ ہو بلکہ اس کے علاوہ ظلماً قتل کر دے تو قاتل قصاص دینے کا مستحق ہے۔

ایک بے گناہ کا قتل ساری انسانیت کا قتل ہے

فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيۡعًا: گویا قاتل نے ساری انسانیت کو قتل کر دیا۔ بیضاوی کہتے ہیں: حدیث میں ہے کہ قابیل نے جان کی حرمت توڑی اور دنیا میں قتل کی بنیاد رکھی، اس کے بعد لوگ قتل کی جرأت کرنے لگے، اس سے مقصد جان کے قتل کو عظیم تر فعل قرار دیا ہے تاکہ دلوں میں اس عظیم گناہ کی ہیبت بیٹھ جائے اور قتل سے دور رہنے کی ترغیب دینا مقصود ہے۔[3] وَمَنۡ اَحۡيَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحۡيَا النَّاسَ جَمِيۡعًا: جو شخص کسی جان کو بچانے کا سبب بنے اور اسے ہلاکت سے بچالے تو یہ ایسا ہی ہے کہ گویا اس نے ساری انسانیت کو زندہ کر دیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر کے متعلق کہتے ہیں: جس شخص نے کسی ایک ایسی جان کو قتل کیا جو اس پر حرام تھی اس کی مثال یہ ہے کہ وہ گویا اس نے سارے انسانوں کو قتل کر دیا، جو شخص کسی جان کو قتل کرنے سے باز رہا اور اس جان کی حرمت کی پاسداری کی اور اللہ سے ڈر گیا وہ ایسا ہی ہے گویا اس نے سارے انسانوں کو زندہ کر دیا۔ وَلَقَدۡ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُنَا بِالۡبَيِّنٰتِ: اس کے بعد کہ جب ہم نے بنی اسرائیل پر یہ سخت حکم لاگو کر دیا ان کے پاس پیغمبر کھلم کھلا دلائل لے کر آئے۔ ثُمَّ اِنَّ كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ بَعۡدَ ذٰلِكَ فِى الۡاَرۡضِ لَمُسۡرِفُوۡنَ: اس ڈانٹ کے باوجود ان میں سے اکثر قتل کے معاملے میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں اور قتل کے گھناؤنے جرم کی پرواہ تک نہیں کرتے۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اس میں بنی اسرائیل کی توبیخ ہے کیوں کہ وہ علم کے باوجود محارم کا ارتکاب کرتے تھے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: باوجود یہ کہ یہود کو قتل جیسے عظیم جرم کا علم تھا وہ پھر بھی انبیا کو قتل کرتے تھے، اس سے معلوم ہوا وہ بدبخت نہایت درجے کے سنگدل تھے۔ ان قصوں سے مقصد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے، چوں کہ یہود نے دھوکے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور

---

[1] البحر ۳ / ۴۶۳ [2] القرطبی ۶ / ۱۴۲ [3] البیضاوی ص ۱۵۱

آپ کے صحابہ کی جان لینا چاہی، اس لیے بنی اسرائیل کی تخصیص اس جرم کے ذکر میں اس مقام پر نہایت مناسب ہے اور اس سے کلام میں اور زیادہ تاکید آجاتی ہے۔[1]

بدامنی پھیلانے والوں کی سزا

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ:...... جو لوگ اللہ کی شریعت، اس کے دین، اس کے اولیا اور اللہ کے رسول سے برسر پیکار ہوتے ہیں۔ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا: اور زمین میں معصیت، گناہ گاری، ارتکاب جرم اور خون ریزی کر کے فساد پھیلاتے ہیں۔

اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا: ان کی سرکشی کی سزا یہ ہے کہ انہیں قتل کیا جائے۔ اَوْ يُصَلَّبُوْٓا: یعنی قتل کیے جائیں اور سولی پر لٹکائے جائیں تا کہ دوسرے لوگوں کو عبرت ہو جائے۔ اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ: ان کے دائیں ہاتھ اور بائیں ٹانگیں کاٹی جائیں۔

اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ: انہیں ایک شہر سے دوسرے شہر میں جلاوطن کیا جائے۔ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا: مذکورہ سزا ان کے لیے دنیا میں ذلت اور رسوائی ہے۔ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ: اور آخرت میں انہیں دوزخ کا عذاب ہوگا۔ بعض علما کہتے ہیں: امام کو اختیار ہے! چاہے تو رہزن کو قتل کرے، چاہے سولی پر لٹکائے اور چاہے تو ہاتھ پاؤں کاٹ دے۔ اور اگر چاہے تو جلاوطن بھی کر سکتا ہے، یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: جس درجے کی ڈکیتی ہوگی اسی کے مناسب سزا بھی ہے چنانچہ جو قتل کرے گا اسے بھی قتل کیا جائے گا اور جو قتل کرے گا اور ساتھ مال بھی لوٹے گا اسے قتل کیا جائے گا اور ساتھ سولی پر بھی لٹکایا جائے گا، اور جو صرف مال لوٹے گا اس کے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں گے اور جو صرف ڈرائے دھمکائے گا اسے جلاوطن کیا جائے گا۔ یہ جمہور کا قول ہے۔[2]

توبہ سے حقوق اللہ کی معافی

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ:...... البتہ راہزنوں میں سے جو لوگ گرفتاری سے پہلے توبہ کر لیں۔ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ: تو اللہ کی بخشش اور رحمت بہت وسیع ہے اس شخص کے لیے جو توبہ کرے، اللہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے اور اس کی لغزش کو درگزر کرتا ہے۔

تقویٰ اور عمل صالح کا حکم

اس کے بعد اللہ نے مؤمنین کو تقویٰ اور عمل صالح کا حکم دیا ہے چنانچہ ارشاد ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ: اللہ کے عذاب سے ڈرو اور ایسی اطاعت وعبادت کی طلب میں رہو جس سے قربت خداوندی حاصل ہو۔ قتادہ کہتے ہیں: اطاعت اور عمل صالح کے ذریعے اللہ کا تقرب حاصل کرو۔ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ: اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے جہاد کرو تا کہ تمہیں دائمی نعمتیں حاصل ہوں اور دائمی کامیابی سے ہم کنار ہو۔

مال سے نجات نہیں ملتی

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ:...... اگر ہر کافر کے لیے زمین کی ساری کی ساری دولت اور مال ہو اور اسی کی مثل اس کے ساتھ مزید ہو۔ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ: اور وہ یہ سارا مال بطور فدیہ دے کر عذاب سے اپنی جان بچانا چاہے اسے یہ فدیہ کچھ نفع نہیں پہنچائے گا بلکہ اسے دردناک عذاب ملے گا۔ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ: اگر وہ دوزخ کے عذاب سے نکلنا چاہیں گے تو نہیں نکل سکیں گے، وہ دائمی عذاب میں رہیں گے جس میں وقفہ نہیں ہوگا۔ حدیث میں ہے "قیامت کے دن ایک کافر لایا جائے گا اس سے پوچھا جائے گا: بتلاؤ اگر تمہارے پاس بھری زمین کی برابر سونا ہو

---

[1] التفسیر الکبیر ۱۱/۲۱۱ [2] البحر الرازی ۱۱/۲۱۵

توکیا تم اسے فدیہ میں دے کر اپنی جان عذاب سے چھڑاؤ گے؟ وہ کہے گا: جی ہاں! اس سے کہا جائے گا: تجھ سے تو معمولی چیز کا مطالبہ کیا گیا تھا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، تم نے یہ ماننے سے انکار کر دیا، چنانچہ فرشتوں کو حکم دیا جائے گا اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔[1]

چوری کی سزا

راہزنوں کی سزا کے بعد چور کی سزا بیان کی جارہی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا: ہر چور خواہ مرد ہو یا عورت اس کا ہاتھ کاٹ دو۔ جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا: یہ ان کے قبیح فعل کا بدلہ ہے۔ نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ: یہ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ سزا ہے۔ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ: اللہ نے شریعت کا حکم حکمت کے مطابق بھیجا ہے، اس نے ظلماً ہاتھ کاٹنے کا حکم نہیں دیا۔ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ: یعنی چوری سے رجوع کر لے۔ وَاَصْلَحَ: اپنی زندگی سنوار لے اور نیک اعمال کرنے لگے۔ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ: اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے، اسے آخرت میں عذاب نہیں دیتا۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ: بلاشبہ اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اس کے بعد اللہ نے اپنی بادشاہت کی وسعت کا بیان کیا ہے۔ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: اے مخاطب! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ غالب سلطنت کا مالک ہے، آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اسی کے ہاتھ میں ہے۔ استفہام برائے تقریر ہے۔ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ: اللہ جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے، اللہ ہر چیز پر قادر ہے اسے کوئی چیز بھی عاجز نہیں کر سکتی۔

بلاغت:...... قَتَلَ/وَاَحْيَا:۔ میں صنعت طباق ہے، اسی طرح يُعَذِّبُ، يَغْفِرُ میں بھی۔

يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ: حذف مضاف کے قبیل میں سے ہے عبارت یوں ہے: يُحَارِبُوْنَ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ: چوں کہ اللہ کے ساتھ کوئی بھی محاربہ نہیں کر سکتا، کلام مجازی ہے۔ وَمَنْ اَحْيَاهَا: میں استعارہ ہے چوں کہ ''احیاء'' کا معنی باقی رکھنا ہے، موت کے بعد نفس کو زندہ رکھنے پر صرف اللہ قادر ہے۔ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ: زمخشری کہتے ہیں: یہ لزوم عذاب کی تمثیل ہے چوں کہ اہل دوزخ کو کسی طرح بھی نجات نہیں ملے گی۔ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ: میں صنعت طباق ہے۔

اول فائدہ:...... راہزن کی نفی (جلاوطنی) قید کرنے سے ہوگی یعنی راہزن کو دنیا کی وسعتوں سے نکال کر دنیا کی تنگی میں لے جانا ہے لہٰذا اسے جیل میں قید کر دیا جائے گا، یہی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ شاعر کہتا ہے:

خرجنا عن الدنيا وعن وصل اهلها فلسنا من الأحيا ولسنا من الموتىٰ

اذا جاءنا السجان يومًا لحاجة عجبنا وقلنا: جاء هذا من الدنيا

ہم دنیا سے نکل چکے ہیں اور اہل دنیا کی ملاقات سے دور ہو چکے ہیں، اب ہماری یہ کیفیت ہے کہ ہمارا شمار زندوں میں ہوتا ہے اور نہ ہی مردوں میں، جب کسی کام کے لیے جیل کا کوئی کارندہ ہمارے پاس آتا ہے ہم اس پر تعجب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ دنیا سے آرہا ہے۔

فائدہ دوم:...... یہاں ''اَلسَّارِقُ'' کو ''اَلسَّارِقَةُ'' پر مقدم کیا گیا ہے، جب کہ سورت نور میں ''اَلزَّانِيَةُ'' (زنا کرنے والی عورت) کو ''اَلزَّانِيْ'' پر مقدم کیا گیا ہے، اس میں راز یہ ہے کہ مرد چوری کے لیے فوراً کمربستہ ہو جاتا ہے اور زنا عورت کی طرف سے زیادہ شنیع اور قبیح سمجھا جاتا ہے اس لیے دونوں جگہوں میں رعایت کی گئی ہے۔

فائدہ سوم:...... اصمعی کہتے ہیں: ایک دن میں نے یہ آیت تلاوت کی وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ: میرے پاس ایک اعرابی بیٹھا ہوا تھا، میں نے بھولے سے ''وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ'' پڑھ دیا۔

اعرابی بولا: یہ کس کا کلام ہے؟ میں نے کہا: اللہ کا کلام ہے۔ اعرابی بولا: یہ تو اللہ کا کلام نہیں، دوبارہ پڑھو، میں نے آیت دوبارہ پڑھی، اور اب کی بار مجھے تنبیہ ہوئی اور آیت درست پڑھی: وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ: اعرابی بولا: جی ہاں! یہ اللہ کا کلام ہے، میں نے کہا: کیا تو قرآن پڑھ سکتا ہے؟ اس نے کہا:

---

[1] اخرجہ البخاری فی کتاب الرقاب

نہیں۔ میں نے پوچھا: پھر تمہیں کیسے علم ہوا کہ مجھ سے خطا ہوئی ہے۔ وہ بولا: اے آدمی! اللہ غالب ہے، اس لیے حکم دیتا ہے اور ہاتھ کاٹتا ہے۔ اگر مغفرت کرتا، رحم کرتا تو ہاتھ کاٹنے کا حکم نہ دیتا۔[1]

فائدہ چہارم:...... بعض ملحدین شریعت مطہرہ کے اس حکم پر اعتراض کرتے ہیں کہ حقیر مال کے بدلے میں ہاتھ کیوں کاٹ دیا جاتا ہے۔ چنانچہ اپنی بات کو یوں منظم کیا۔

يد بخمس مئين عسجد وديت مابالها قطعت في ربع دينار

تحكم مالنا الا السكوت له وأن نعوذ بمولانا من النار

یہ ہاتھ کبھی سونے کا بن جاتا ہے اور نہایت قیمتی سمجھا جاتا ہے حتیٰ کہ پانچ سو دینار میں اس کی دیت دی جاتی ہے، جب کہ دوسری طرف اتنا حقیر ہے کہ چوتھائی دینار کے بدلے میں کاٹ دیا جاتا ہے، اس پر ہماری رائے اور مرضی نہیں ایک فیصلہ ہے جو ہمارے اوپر لاگو کیا گیا ہے، ہمارے پاس خاموش رہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں اور یہ کہ ہم دوزخ سے اللہ کی پناہ مانگتے رہیں۔

بعض علما نے ان اشعار کا یوں جواب دیا:

عزا الامانة اغلاها وارخصها ذل الخيانة فافهم حكمة البارى

یعنی جب تک یہ ہاتھ امانتدار رہا تو قیمتی سمجھا جاتا رہا اور جب اسی ہاتھ سے خیانت سرزد ہوئی تو ذلت و رسوائی بن گئی، اس میں یہی رب تعالیٰ کی حکمت ہے، اسے ذرا سمجھو۔

چور کی سزا قطع ید:...... اہل مغرب شریعت مطہرہ کے اس حکم پر اعتراض کرتے ہیں کہ چور کا ہاتھ کاٹنا معاشرے کے ساتھ بے انصافی ہے، چوری کی سزا کے لیے جیل کافی ہے۔ اہل مغرب کا یہ فلسفہ کسی طرح بھی منطقی انجام کو نہیں پہنچتا۔ اگر جرائم بڑھتے جائیں اور جیلیں بھر جائیں یوں راہزن جو امن و امان کو تہہ و بالا کر دیتے ہیں اور چور جو اپنے دھندے میں لگے رہتے ہیں، وہ تو مطمئن ہو جائیں گے اور کسی چیز سے نہیں ڈریں گے، الا یہ کہ خود ساختہ قانون نے ان پر قید کی جو مدت لاگو کر دی وہ انہیں چار و ناچار پوری کرنی پڑے گی، ورنہ وہ تو مزے سے کھاتے ہیں، پیتے ہیں اور پہنتے ہیں۔ یوں جب انہیں رہائی ملے گی تو ارتکابِ جرم پر اور زیادہ جری ہو جائیں گے۔ ہم جرائم کی بڑھتی ہوئی تعداد سے روز بروز اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں، جرائم کا امڈا ہوا سیلاب ہے کہ رکنے نہیں پاتا۔ یہ انسان کی کوتاہ اور ناقص عقل کا قصور ہے، کیوں کہ جرائم کے علاج کے لیے انسانی عقل نے اپنے تئیں ایسی دوا تجویز نہیں کی جو بیماری کا علاج بن سکے اور شفائے کاملہ بخشے، جب کہ اسلام نے کیا ہی زبردست علاج تجویز کیا ہے کہ شرو برائی کو جڑ ہی سے اکھاڑ پھینکا جائے۔ یوں صرف ایک ہاتھ کٹے گا اور جرائم کی روک تھام ہو جائے گی۔

یہود کی ایذا رسانی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی

يَٰٓأَيُّهَا ٱلرَّسُولُ لَا يَحْزُنكَ ٱلَّذِينَ يُسَٰرِعُونَ فِى ٱلْكُفْرِ مِنَ ٱلَّذِينَ قَالُوٓا۟ ءَامَنَّا بِأَفْوَٰهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِن قُلُوبُهُمْ ۛ وَمِنَ ٱلَّذِينَ هَادُوا۟ ۛ سَمَّٰعُونَ لِلْكَذِبِ سَمَّٰعُونَ لِقَوْمٍ ءَاخَرِينَ لَمْ يَأْتُوكَ ۖ يُحَرِّفُونَ ٱلْكَلِمَ مِنۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهِۦ ۖ يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَٰذَا فَخُذُوهُ وَإِن لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَٱحْذَرُوا۟ ۚ وَمَن يُرِدِ ٱللَّهُ فِتْنَتَهُۥ فَلَن تَمْلِكَ لَهُۥ مِنَ ٱللَّهِ شَيْـًٔا ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ لَمْ يُرِدِ ٱللَّهُ أَن يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ ۚ لَهُمْ فِى ٱلدُّنْيَا خِزْىٌ ۖ وَلَهُمْ فِى ٱلْءَاخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٤١﴾ سَمَّٰعُونَ لِلْكَذِبِ أَكَّٰلُونَ لِلسُّحْتِ ۚ فَإِن جَآءُوكَ فَٱحْكُم بَيْنَهُمْ أَوْ

[1] زاد المسیر لابن الجوزی ۲/ ۳۵۴

اَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ ۚ وَاِنۡ تُعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ فَلَنۡ يَّضُرُّوۡكَ شَيۡـًٔا ؕ وَاِنۡ حَكَمۡتَ فَاحۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِالۡقِسۡطِ ؕ

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُقۡسِطِيۡنَ ﴿۴۲﴾ وَكَيۡفَ يُحَكِّمُوۡنَكَ وَعِنۡدَهُمُ التَّوۡرٰىةُ فِيۡهَا حُكۡمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوۡنَ مِنۡ

بَعۡدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَاۤ اُولٰٓـئِكَ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِيۡهَا هُدًى وَّنُوۡرٌ ۚ يَحۡكُمُ بِهَا النَّبِيُّوۡنَ

الَّذِيۡنَ اَسۡلَمُوۡا لِلَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَالرَّبّٰنِيُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا مِنۡ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوۡا عَلَيۡهِ

شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخۡشَوُا النَّاسَ وَاخۡشَوۡنِ وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰيٰتِىۡ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ

فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ ﴿۴۴﴾ وَكَتَبۡنَا عَلَيۡهِمۡ فِيۡهَاۤ اَنَّ النَّفۡسَ بِالنَّفۡسِ ۙ وَالۡعَيۡنَ بِالۡعَيۡنِ وَالۡاَنۡفَ

بِالۡاَنۡفِ وَالۡاُذُنَ بِالۡاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالۡجُرُوۡحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنۡ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَمَنۡ

لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۴۵﴾ وَقَفَّيۡنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمۡ بِعِيۡسَى ابۡنِ مَرۡيَمَ مُصَدِّقًا

لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ مِنَ التَّوۡرٰىةِ‌ ۖ وَاٰتَيۡنٰهُ الۡاِنۡجِيۡلَ فِيۡهِ هُدًى وَّنُوۡرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ مِنَ التَّوۡرٰىةِ

وَهُدًى وَّمَوۡعِظَةً لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۴۶﴾ وَلۡيَحۡكُمۡ اَهۡلُ الۡاِنۡجِيۡلِ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فِيۡهِ ؕ وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ

اللّٰهُ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۴۷﴾ وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَـقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ مِنَ الۡكِتٰبِ

وَمُهَيۡمِنًا عَلَيۡهِ فَاحۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَهُمۡ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الۡحَـقِّ ؕ لِكُلٍّ

جَعَلۡنَا مِنۡكُمۡ شِرۡعَةً وَّمِنۡهَاجًا ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَجَـعَلَـكُمۡ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰـكِنۡ لِّيَبۡلُوَكُمۡ فِىۡ مَاۤ اٰتٰٮكُمۡ

فَاسۡتَبِقُوا الۡخَـيۡرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرۡجِعُكُمۡ جَمِيۡعًا فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ فِيۡهِ تَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۴۸﴾ وَاَنِ احۡكُمۡ

بَيۡنَهُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَهُمۡ وَاحۡذَرۡهُمۡ اَنۡ يَّفۡتِنُوۡكَ عَنۡۢ بَعۡضِ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ اِلَيۡكَ ؕ

فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاعۡلَمۡ اَنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّصِيۡبَهُمۡ بِبَعۡضِ ذُنُوۡبِهِمۡ ؕ وَاِنَّ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوۡنَ ﴿۴۹﴾

اَفَحُكۡمَ الۡجَاهِلِيَّةِ يَبۡغُوۡنَ ؕ وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكۡمًا لِّقَوۡمٍ يُّوۡقِنُوۡنَ ﴿۵۰﴾

ترجمہ: ......اے رسول! آپ کو وہ لوگ رنجیدہ نہ کریں جو دوڑ دوڑ کر کفر میں گرتے ہیں جو ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنے منہ سے کہا کہ ہم ایمان لائے اور حال یہ ہے کہ ان کے دل ایمان نہیں لائے، اور ان لوگوں میں سے ہیں جو یہودی ہیں یہ لوگ جھوٹ کو بہت زیادہ سننے والے ہیں، جو لوگ تمہارے پاس نہیں آئے ان کو باتیں پہنچانے کے لیے خوب دھیان سے سنتے ہیں۔ یہ لوگ کلمات کو ان کی جگہوں سے بدل دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگر تم کو یہ حکم ملے تو اس کو لے لینا اور اگر تم کو یہ حکم نہ ملے تو اس سے پرہیز کرنا اور اللہ تعالیٰ جس کو فتنے میں ڈالنے کا ارادہ فرمائے تو اے مخاطب! اس کے لیے اللہ تعالیٰ پر تیرا کوئی زور نہیں چل سکتا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ نہیں فرمایا کہ ان کے دلوں کو پاک کرے، ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے، اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔﴿۴۱﴾ یہ لوگ جھوٹ کو بہت زیادہ سننے

والے ہیں، خوب حرام کھانے والے ہیں، سو اگر وہ آپ کے پاس آئیں تو ان کے درمیان فیصلہ فرما دیجیے یا ان سے اعراض فرما لیجیے، اور اگر آپ اعراض کریں تو یہ آپ کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے اور اگر آپ فیصلہ دیں تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ فرمائیے۔ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے،﴿۴۲﴾ اور وہ آپ سے کیسے فیصلہ کراتے ہیں حالانکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے پھر اس کے بعد وہ روگردانی کرتے ہیں، اور وہ لوگ مؤمن نہیں ہیں۔﴿۴۳﴾ بے شک ہم نے تورات نازل کی اس میں ہدایت ہے اور روشنی ہے، اس کے ذریعے انبیاء فیصلہ کرتے ہیں انبیا جو اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار تھے، یہ فیصلے ان لوگوں کو دیتے تھے جو یہود تھے، اور اللہ والے اور علم والے بھی فیصلہ دیتے تھے بوجہ اس کے کہ ان کو اللہ کی کتاب کو محفوظ رکھنے کا حکم دیا گیا تھا، اور وہ اس پر گواہ تھے۔ تو تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور میری آیتوں کے ذریعے تھوڑی سی قیمت مت خریدو اور جو شخص اس کے موافق حکم نہ کرے جو اللہ نے نازل فرمایا ہے سو یہی لوگ کافر ہیں﴿۴۴﴾ اور ہم نے ان پر تورات میں لکھ دیا کہ جان جان کے بدلے، اور آنکھ آنکھ کے بدلے، اور ناک ناک کے بدلے، اور کان کان کے بدلے، اور دانت دانت کے بدلے، اور زخموں کا بدلے ہے۔ سو جو شخص معاف کر دے وہ اس کے لیے کفارہ ہے اور جو شخص اس کے موافق حکم نہ کرے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا سو یہی لوگ ظالم ہیں۔﴿۴۵﴾ اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) کو بھیجا جو اس کتاب کی تصدیق کرنے والے تھے جو ان کے سامنے تھی یعنی تورات، اور ہم نے ان کو انجیل دی جس میں ہدایت تھی اور روشنی تھی اور وہ تصدیق کرنے والی تھی اس چیز کی جو ان کے سامنے تھی یعنی تورات اور وہ تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لیے ہدایت تھی اور نصیحت﴿۴۶﴾ اور چاہیے کہ انجیل والے حکم کریں اس کے موافق جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اور جو شخص اس کے موافق فیصلہ نہ کرے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا سو وہی لوگ نافرمان ہیں۔﴿۴۷﴾ اور ہم نے حق کے ساتھ آپ کی طرف کتاب اتاری وہ ان کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئیں اور وہ ان کتابوں کی محافظ ہے اور آپ ان کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کیجیے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اور جو حق آپ کے پاس آیا ہے اسے چھوڑ کر آپ ان کی خواہش کا اتباع نہ کیجیے۔ تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے شریعت اور خاص راہ مقرر کر دی ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن (اس نے ایسا نہیں کیا) تاکہ تم کو اس کے بارے میں آزمائے جو تم کو دیا، سو تم خیر کے کاموں کی طرف دوڑو، اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے، سو وہ ان باتوں کے بارے میں تم کو باخبر فرمائے گا جن میں تم اختلاف رکھتے تھے،﴿۴۸﴾ اور یہ کہ آپ ان کے درمیان اسی کے موافق فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے اتارا اور ان کی خواہشوں کا اتباع نہ کریں اور اس بات سے پرہیز کریں کہ یہ لوگ آپ کو اللہ کے دیے ہوئے احکام میں سے کسی حکم سے ہٹا دیں۔ سو اگر وہ روگردانی کریں تو آپ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے ان کو سزا دیدے اور بے شک لوگوں میں بہت سے ایسے ہیں جو نافرمان ہیں۔﴿۴۹﴾ کیا یہ جاہلیت کے حکم کو چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بہتر فیصلہ کرنے والا ان لوگوں کے لیے کون ہے جو یقین کرتے ہیں۔﴿۵۰﴾

ربط وتعارف: ...... قبل ازیں حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے بیٹوں کا قصہ ذکر کیا گیا، ایک بھائی کا دوسرے بھائی کو حسد کی بنا پر قتل کرنا پھر اس کے بعد حرابہ اور سرقہ کے احکام بیان کیے گئے، اس کے بعد منافقین اور یہود کا ذکر ہے کہ انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض وحسد ہے۔ اس ضمن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی کہ انسانیت دشمن عناصر کی اذیت سے غمزدہ نہ ہوں، اللہ ہی آپ کو محفوظ رکھنے والا ہے اور ان کے مکر سے نجات دلانے والا ہے۔ اس کے بعد ذکر ہے کہ اللہ نے تورات میں نورانی احکام نازل کیے تھے، جن سے یہود نے روگردانی کی۔

لغات: ...... یحزنك: الحزن سرور کا الٹ اور متضاد ہے۔ السُّحۡتِ: حرام چوں کہ حرام نیکیوں کو تباہ کر دیتا ہے۔ سحت کا لغوی معنی ہلاکت ہے۔ الۡاَحۡبَارُ: حبر کی جمع ہے بمعنی عالم، تحبیر بمعنی تحسین سے ماخوذ ہے۔ وَقَفَّيۡنَا: ہم نے اس کے پیچھے بھیجا۔ مُهَيۡمِنًا: نگہبان، عالیشان کے معنی میں بھی آتا ہے۔ شِرۡعَةً: سنت وطریقہ۔ مقولہ ہے۔ شرع لهم: یہ طریقہ لوگوں کے لیے جاری کیا۔ مِنۡهَاجًا: واضح طریقہ۔

شانِ نزول: ...... حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک یہودی کے پاس سے گزرے، اس کا منہ کالا کیا گیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو بلایا اور ان سے پوچھا: کیا تم اپنی کتاب میں زانی کی سزا کے متعلق یہی حکم پاتے ہو؟ یہود بولے: جی ہاں!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہود کے ایک عالم کو بلایا اور فرمایا: میں تمہیں اس ذات کا واسطہ دیتا ہوں جس نے تورات موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی ہے، کیا تم لوگ اپنی کتاب میں زانی کی سزا یہی پاتے ہو؟ وہ بولا نہیں! اگر تم مجھے واسطہ نہ دیتے تو میں حقیقت کی خبر تمہیں نہ دیتا، لیکن ہماری کتاب میں زنا کی سزا رجم ہے، تاہم ہمارے اشراف میں ارتکاب زنا بکثرت ہوتا ہے اور جب ہم کسی بڑے آدمی کو زنا کرتے پکڑے ہیں تو اسے چھوڑ دیتے ہیں اور جب کسی کمزور کو پاتے تو اس پر حد جاری کر دیتے ہیں، تاہم اس تفریق پر ہم نے احتجاج کیا اور ہم نے طے کیا کہ کسی ایک فیصلے پر ہم جمع ہو جائیں جو شریف و رذیل دونوں پر لاگو کیا جا سکے۔ چنانچہ ہم نے منہ کالا کرنے اور کوڑے مارنے پر اتفاق کر لیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! میں پہلا شخص ہوں جس نے یہودیوں کے مردہ کیے ہوئے حکم کو زندہ کیا ہے۔ آپ نے مجرم یہودی کے متعلق حکم دیا اور اسے رجم کر دیا گیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی

یہود کہتے: محمد کے پاس جاؤ، اگر وہ تمہیں منہ کالا کرنے اور کوڑے لگانے کا حکم دے تو قبول کر لو اور اگر تمہیں رجم کرنے کا حکم دے تو اسے چھوڑ دو۔[1]

تفسیر: ...... يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ: رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب ہے جو بطور تسلی دیا جا رہا ہے۔ اے محمد! ایسے لوگوں کے طرز عمل سے غمزدہ نہ ہوں جو کفر کی طرف سبقت لیے جا رہے ہیں اور بڑی تیزی سے کفر میں گرتے چلے جا رہے ہیں۔ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ: یہ لوگ منافقین میں سے ہیں، جن کا ایمان منہ سے نیچے اترنے نہیں پاتا۔ صرف زبانی کلامی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، حالاں کہ ان کے دل کافر ہیں۔ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا: اور یہودیوں میں سے ایسے لوگ ہیں۔ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ: جو جھوٹی اور باطل باتیں سننے میں خوب مبالغہ کرتے ہیں اور ان کے علما اللہ پر جھوٹ بولنے میں بھی نہیں چوکتے اور اللہ کی کتاب میں بھی ردوبدل کر دیتے ہیں۔ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ: دوسری قوم کا کلام مبالغہ آرائی سے قبول کرتے ہیں، جب کہ وہ قوم بوجہ تکبر کے تمہاری مجلس میں حاضر نہیں ہوتی اور بغض و عداوت میں حد سے نکلی ہوئی ہے۔ یہ خیبر کے یہود ہیں اور سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ: بنو قریظہ کی صفت ہے۔

یہود کی احکام الٰہی میں تحریف اور ان پر دائمی ذلت

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ: ...... الفاظ اور کلمات کا موقع محل اور مراد مقرر ہو جانے کے بعد ان میں تحریف کرتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اللہ کے احکام میں تحریف کرتے ہیں اور ان کی جگہ دوسرے اپنی طرف سے احکام جاری کرتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: یہ حدود اللہ تھیں جو تورات میں واضح آئی تھیں، انہوں نے رجم کو کوڑوں کی سزا میں بدل دیا اور منہ کالا کرنے میں بدل دیا۔ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا: اگر محمد تمہیں کوڑے لگانے کا حکم دے تو منظور کر لو اور اگر رجم کرنے کا حکم دے تو قبول نہ کرو۔ اللہ نے ان کی تردید میں فرمایا: وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا: اللہ جس کے کفر و ضلالت کا ارادہ کرتا ہے تو کوئی شخص بھی اسے بچانے کی قدرت نہیں رکھتا۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ: اللہ ان کے دلوں کو کفر کی گندگی اور ضلالت کی خباثت سے پاک نہیں کرنا چاہتا، چونکہ ان کا طرز عمل نہایت قبیح ہے اور یہ بدعملی کا شکار ہیں۔ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ: دنیا میں ذلت و رسوائی ان کا مقدر بن چکی ہے۔ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ: آخرت میں ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں جائیں گے۔ ابوحیان کہتے ہیں: آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے تاکہ یہود کے کفر کی طرف سبقت کرنے پر آپ کو جو ملال ہو رہا ہے اس میں تخفیف ہو جائے۔[2] سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ: جھوٹی باتیں کان لگا لگا کر سنتے ہیں، تاکید کے لیے کلام دہرایا گیا ہے۔ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ: اور مبالغہ کر کے حرام کھاتے ہیں۔ رشوت، سود وغیرہ عام کھاتے ہیں۔ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ: اے محمد! اگر یہ لوگ اپنے تنازعات میں تمہارے پاس فیصلہ کروانے آئیں تو تمہیں فیصلہ کرنے اور

---

[1] رواہ مسلم۔ [2] البحر ۳/۳۸۸

نہ کرنے میں اختیار ہے۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اگر یہ لوگ تمہارے پاس فیصلہ کروانے آئیں تو تمہارے اوپر فیصلہ کرنا ضروری نہیں، کیوں کہ یہ اتباعِ حق نہیں کرنا چاہتے بلکہ یہ خواہش نفس کی پیروی کرتے ہیں۔ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا: چوں کہ اللہ تمہارا محافظ ونگہبان ہے، وہی لوگوں سے تمہاری حفاظت کررہا ہے۔ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ: ان کے درمیان حق و انصاف سے فیصلہ کرو، اگرچہ ظالم ہوں اور راہ عدل سے نکلے ہوئے ہوں۔ چوں کہ اللہ عدل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ: اے محمد! یہود تمہیں حکم اور ثالث کیسے بنائیں گے اور تمہارے فیصلے سے کیسے راضی ہوں گے، حالاں کہ ان کے پاس تورات ہے، جس میں اللہ کا حکم موجود ہے۔ وہ تورات میں حکم خدا دیکھتے ہیں، پر عمل نہیں کرتے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اس میں اللہ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تعجب ہے کہ یہود کو تورات میں زنا کا حکم معلوم ہے، اس کے بعد پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم کیسے تسلیم کریں گے۔ وہ حق سے عدول کرتے ہیں اور باطل کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس سے یہود کا جہل اور ضد وعناد ظاہر ہے۔[1] ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ: یہ تمہارا فیصلہ ہے جو ان کی کتاب کے عین موافق ہے، اس سے روگردانی کرتے ہیں، حالاں کہ حق و سچ واضح ہو چکا ہے۔ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ: یہ مؤمنین نہیں ہیں، چوں کہ یہ اپنی کتاب تورات پر ایمان نہیں رکھتے، کیوں کہ انہوں نے تورات سے اعراض کیا ہے اور تورات کے حکم سے روگردانی کی ہے۔ تسہیل میں ہے: یہ یہود پر الزام ہے، چونکہ جو شخص کتاب اللہ کی مخالفت کرتا ہے اور اس کا حکم بدل دیتا ہے اس کا دعوائے ایمان باطل ہے۔ اس کے بعد اللہ نے تورات کی مدح کی ہے کہ یہ نور ہے۔

تورات نور ہدایت تھی

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ: ...... یعنی ہم نے موسیٰ پر تورات نازل کی، اس میں احکام کا واضح بیان ہے اور روشنی و ہدایت ہے اس میں مشتبہ احکام کا واضح حل موجود ہے۔ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا: تورات کے مطابق بنی اسرائیل کے انبیا فیصلے کرتے رہے ہیں، وہ انبیا جو اللہ کے حکم کے آگے منقاد تھے۔ لِلَّذِيْنَ هَادُوْا: یعنی یہود کے لیے تورات کے مطابق فیصلے کرتے تھے، اس کے حکم کے باہر نہیں جاتے، نہ تبدیل کرتے تھے اور نہ یہ تحریف۔ وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ: یہود کے علما اور فقہا بھی تورات کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔

بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ: کیوں کہ اللہ نے انہیں کتاب کی حفاظت کی ذمے داری سونپی تھی کہ اس میں تحریف نہ کی جائے۔

وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَاۗءَ: اور وہ اس کے نگہبان تھے۔ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ: اے علمائے یہود! تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات اور حکم رجم کے اظہار میں لوگوں سے مت ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو۔ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَـمَنًا قَلِيْلًا: میری آیات کو حقیر وفانی دنیا سے نہ بدلو، میری آیات کے بدلے میں رشوت، جاہ ومنصب نہ لو۔ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ: اور جو شخص اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا وہ کافر ہے۔ زمخشری لکھتے ہیں: جو لوگ اللہ کے حکم کو حقیر سمجھتے ہوئے اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے، وہ کافر ہیں، ظالم ہیں، فاسق ہیں۔ جب یہود نے اللہ کی آیات کی تحقیر کی تو انہیں کفر سے متصف کیا گیا۔ ابوحیان کہتے ہیں: آیت میں اگرچہ خطاب یہود سے ہے، لیکن حکم یہود وغیر یہود سب کے لیے عام ہے۔[2] ہر وہ آیت جو کفار کے متعلق وارد ہوئی ہے، اس کا حکم نافرمان مؤمنین کو بھی شامل ہے۔

تورات میں قصاص کا حکم

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ: ...... یعنی تورات میں یہود پر فرض کیا کہ جان کے بدلے میں جان قتل کی جائے گی۔ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ: اور جب ناحق طور پر آنکھ پھوڑی جائے گی تو اس کے بدلے میں زیادتی کرنے والے کی آنکھ بھی پھوڑی جائے گی۔ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ: اور جب ظلماً ناک کاٹی جائے گی تو اس کے بدلے میں بھی ظالم کی ناک کاٹی جائے گی۔ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ: اور کان کو بھی بدلے میں کاٹا

---

[1] الفخر الرازی ۱۱/۶ [2] ۲۳۶ البحر ۳/ ۴۹۲

جائے گا۔ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ: اور دانت کو دانت کے بدلے میں توڑا جائے گا۔ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ: زیادتی کرنے والے سے زیادتی کے مثل قصاص لیا جائے گا۔ یہ زخموں کا حکم ہے، یعنی جس زخم کا قصاص لینا ممکن ہو اور برابری بھی ہوتی ہو اور جان کا خطرہ نہ ہو تو زخم کا بھی قصاص لیا جائے گا۔ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ: ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: جس مظلوم نے زیادتی کرنے والے کو معاف کر دیا اور اس پر صدقہ کر دیا تو وہ مطلوب کا کفارہ ہوگا اور طالب کے لیے اجر ہوگا۔ [1] امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: جس شخص نے صاحب حق کو معاف کیا اور دیت صدقہ کر دی تو یہ صدقہ کرنے والے کے لیے کفارہ ہوگا۔ اللہ اس کے گناہ معاف فرما دے گا۔ [2] وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ: جو لوگ اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلے نہیں کرتے، وہ اللہ کی شریعت کی مخالفت کر کے مبالغہ کے ساتھ ظلم کرتے ہیں۔

انجیل اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تورات کی تصدیق کرتے تھے

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ:...... ہم نے پیغمبروں کے بعد عیسیٰ بن مریم کو بھیجا، اس حال میں کہ وہ اپنے سے پیشتر نازل کی گئی کتاب یعنی تورات کی تصدیق کرتے تھے۔ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ: یعنی ہم نے عیسیٰ پر انجیل نازل کی، اس میں راہ حق کی طرف ہدایت ہے اور روشنی ہے، جس کے ذریعے شبہات کے اندھیرے چھٹ سکتے ہیں۔

وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ: اس حال میں کہ یہ کتاب اپنے سے پہلی کتاب یعنی تورات کا اعتراف کرتی ہے کہ یہ بھی اللہ کی طرف سے ہے۔ کلام میں تکرار زیادتِ تقریر کے لیے ہے۔ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ: یہ کتاب ہدایت دینے والی اور نصیحت دینے والی ہے متقین کو۔ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ: اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو انجیل عطا کی، انہیں اور ان کے متبعین کو ہم نے حکم دیا کہ انجیل کے مطابق فیصلے کرو۔ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ: جو لوگ اللہ کے حکم کے مطابق فیصلے نہیں کرتے، وہ سرکش ہیں۔ ایمان اور طاعت خاوندی سے نکلے ہوئے ہیں۔

قرآن مہیمن ہے اور مہیمن کی تشریح

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ:...... اے محمد! ہم نے تمہاری طرف قرآن نازل کیا، جس کے عدل وصدق میں ذرا برابر شک نہیں۔

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ: یہ قرآن اپنے سے پہلے والی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ: اور ان کی نگہبان اور ان پر حاکم ہے۔ زمخشری کہتے ہیں: ساری کتابوں کی نگہبان ہے، کیوں کہ قرآن آسمانی کتابوں کے صحیح اور سچی ہونے پر گواہی دیتا ہے۔ [3]

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: مھیمن کا لفظ اس امر کو متضمن ہے کہ قرآن امین ہے، شاہد ہے اور اپنے سے پہلی کتابوں پر حاکم ہے۔ اللہ نے پہلی کتابوں کے محاسن قرآن میں جمع کر دیے ہیں بلکہ اس کے کمالات میں بہت اضافہ کیا ہے۔ [4] فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ: اے محمد! لوگوں کے درمیان اسی حکم کے مطابق فیصلے کرو جو اللہ نے اس عظیم کتاب میں نازل کیا ہے۔ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ: اس قرآن میں جو احکام آئے ہیں ان سے اعراض کرتے ہوئے یہود کی اغراض فاسدہ کے موافق مت ہو جاؤ۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اللہ نے تمہیں جس حق کا حکم دیا ہے اس سے اعراض کر کے ان جاہل بدبختوں کی خواہشات کی طرف مائل نہ ہو جاؤ۔ [5]

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا:...... ہم نے ہر امت کے لیے الگ سے ایک شریعت اور طریقہ مقرر کیا ہے، بالخصوص اس امت کے لیے شریعت مقرر کی ہے۔ ابوحیان کہتے ہیں: یہود کے لیے بھی ایک شریعت اور طریقہ مقرر کیا، اسی طرح نصاریٰ کے لیے بھی۔ شریعت اور طریقے سے مراد احکام ہیں جب کہ اصول وعقائد واحد ہیں۔ چنانچہ توحید، رسالت، آسمانی کتب، معاد وجزا پر ایمان رکھنا سبھی کے لیے یکساں ہے۔ [6] وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً: اگر اللہ چاہتا تو سارے انسانوں کو دین واحد اور شریعت واحدہ پر جمع کر دیتا اور پھر اس دین کی

---

[1] مختصر ابن کثیر ۱/ ۵۲۲ [2] الطبری ۱۰/ ۳۶۹ [3] الکشاف ۱/ ۴۹۷ [4] مختصر ابن کثیر ۱/ ۵۲۴ [5] ابن کثیر المختصر ۱/ ۵۲۴ [6] البحر ۳/ ۵۰۲

کوئی چیز منسوخ نہ ہوتی۔ وَّلٰكِنۡ لِّيَبۡلُوَكُمۡ فِىۡ مَاۤ اٰتٰٮكُمۡ :لیکن اللہ نے مختلف شریعتیں جاری فرمائی ہیں تا کہ اپنے بندوں کو آزمائے، آیا کہ بندے اللہ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم ہوتے ہیں یا اعراض کرتے ہیں، سو شرائع میں اختلاف رکھا تا کہ اللہ دیکھے مطیع کون ہے اور عاصی کون ہے؟ فَاسۡتَبِقُوا الۡخَيۡرٰتِ :اس چیز کی طرف سبقت لے جاؤ جو تمہارے لیے بہتر ہے، یعنی طاعت خداوندی اور شریعت مطہرہ۔

اِلَى اللّٰهِ مَرۡجِعُكُمۡ جَمِيۡعًا فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ فِيۡهِ تَخۡتَلِفُوۡنَ :اے لوگو! اللہ ہی کی طرف تم نے لوٹ کر جانا ہے۔ قیامت کے دن سبھی اس کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔ اللہ تمہیں روز قیامت خبر دے گا کہ تم نے امر دین میں کیوں اختلاف کیا اور تمہیں اعمال کا بدلہ دے گا۔

وَاَنِ احۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَهُمۡ : یعنی اہل کتاب کے درمیان قرآن کے مطابق فیصلہ کرو اور اہل کتاب کی فاسد خواہشات کی طرف مائل نہ ہو۔ وَاحۡذَرۡهُمۡ اَنۡ يَّفۡتِنُوۡكَ عَنۡۢ بَعۡضِ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ اِلَيۡكَ :ان دشمنوں سے ڈرو کہ کہیں تمہیں اللہ کی شریعت سے پھیر نہ دیں۔ بلا شبہ یہ لوگ جھوٹے ہیں، کافر ہیں اور خائن ہیں۔ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاعۡلَمۡ اَنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّصِيۡبَهُمۡ بِبَعۡضِ ذُنُوۡبِهِمۡ : اللہ نے جو حکم نازل کیا ہے اگر اس سے اعراض کریں اور اس کے علاوہ کا ارادہ کریں تو اے محمد! جان لو کہ اللہ ان کو ان کے بعض گناہوں کی سزا دینا چاہتا ہے۔ وَاِنَّ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوۡنَ : اکثر لوگ طاعت سے نکلے ہوئے ہوتے ہیں، حق کے مخالف ہوتے ہیں اور معصیت میں منہمک ہوتے ہیں۔ اَفَحُكۡمَ الۡجَاهِلِيَّةِ يَبۡغُوۡنَ : استفہام برائے انکار ہے، معنی ہے کہ کیا تمہارے فیصلے سے روگردانی کریں گے اور اللہ کے حکم و فیصلے کے سوا کوئی اور حکم تلاش کریں گے اور وہ جاہلیت کا فیصلہ ہوگا۔ وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكۡمًا لِّقَوۡمٍ يُّوۡقِنُوۡنَ : اللہ سے بڑھ کر کون ہے جو اپنے فیصلے میں اس سے زیادہ عدل و انصاف کرنے والا ہو اور اپنے بیان میں زیادہ سچا ہو۔

بلاغت: يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوۡلُ :......لفظ رسالت کے ساتھ خطاب برائے تعظیم ہے۔ يُسَارِعُوۡنَ فِى الۡكُفۡرِ :الی کے بجائے حرف فی لایا گیا ہے جو اس امر پر دال ہے کہ یہ کم بخت کفر پر مصر رہیں گے اور مسابقت کر کے کفر میں بڑھتے جائیں گے۔ سَمّٰعُوۡنَ لِلۡكَذِبِ :صیغہ مبالغہ یعنی جھوٹ سننے میں مبالغہ کرتے ہیں۔ لَهُمۡ فِى الدُّنۡيَا خِزۡىٌ :خِزۡىٌ کو نکرہ لایا گیا ہے برائے تفخیم۔ وَكَيۡفَ يُحَكِّمُوۡنَكَ : استفہام برائے تعجب ہے، یعنی یہود نہ تو آپ کو رسول مانتے ہیں اور نہ ہی آپ پر ایمان رکھتے ہیں، پھر کیسے آپ کو ثالث تسلیم کر لیا۔ وَمَاۤ اُولٰۤـئِكَ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ : بعید کا اشارہ لایا گیا ہے جو بعد رتبے پر دلالت کرتا ہے، یعنی سرکشی اور ہٹ دھرمی میں انتہا تک پہنچے ہوئے ہیں۔ فَلَا تَخۡشَوُا النَّاسَ : یہود کے رؤسا اور علما سے خطاب ہے اور اس کے لیے التفات کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ غیبوبت سے خطاب کی طرف التفات ہے۔ فَاسۡتَبِقُوا الۡخَيۡرٰتِ : میں استعارہ ہے۔ گویا گھوڑ سوار کے ساتھ عمل کرنے والوں کو تشبیہ دی گئی ہے، چونکہ دوڑ لگانے والے اپنے نشان تک پہنچنے میں جلدی کرتے ہیں۔[1]

فائدہ:......امام رازی کہتے ہیں: اکثر مقامات پر حضور نبی کریم ﷺ کو يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ کی تعظیمی نام سے خطاب کیا گیا ہے اور يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوۡلُ سے خطاب صرف دو جگہوں میں کیا گیا ہے: ایک يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوۡلُ لَا يَحۡزُنۡكَ الَّذِيۡنَ يُسَارِعُوۡنَ فِى الۡكُفۡرِ : اور دوم اسی سورت میں يا ايها الرسول بلغ ما انزل اليك: بلا شبہ یہ خطاب تشریف و تعظیم کے لیے ہے۔[2]

تنبیہ:......تفسیر الظلال میں سید قطب شہید رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: قرآنی نص افحکم الجاهلية يبغون: کی روشنی میں یہ امر واضح ہوتا ہے کہ یہ بشر اور بشر کی بندگی دوسرے بشر کے لیے خدا کی بندگی کو چھوڑنے اور غیر کی بندگی اختیار کرنے کا حکم ہے۔ یہی چیز فرق کرتی ہے کہ یا تو شاہراہ زندگی میں شریعت نافذ کی جائے یا جاہلیت کی حکمرانی کو رواج دیا جائے۔ جاہلیت کوئی زمانی وقفہ اور فطرت کا نام نہیں بلکہ جاہلیت آج، کل آئندہ میں بھی پائی جاتی ہے۔ پھر لوگ یا تو شریعت کے مطابق فیصلے قبول کریں گے اور شریعت کے آگے سر تسلیم خم ہوں گے۔ اس صوت میں مسلمان کہلانے کے مستحق ہوں گے یا پھر انسان کی خود ساختہ شریعت کے مطابق فیصلے کریں گے۔ اس صورت میں جاہلیت زدہ ہوں گے اور خدا تعالیٰ کی شرعیت سے خارج ہوں گے۔[3]

---

[1] تلخیص البیان، ص ۱۳۰ [2] الفخر الرازی ۱۱ / ۲۳۱ [3] ظلال القرآن ۶ / ۱۸۳ بالاختصار

اہل کتاب سے دوستی کی ممانعت اور ان کے جرائم وافعال قبیح کا تذکرہ

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ ٱلْيَهُودَ وَٱلنَّصَٰرَىٰٓ أَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم
مِّنكُمْ فَإِنَّهُۥ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٥١﴾ فَتَرَى ٱلَّذِينَ فِى قُلُوبِهِم مَّرَضٌ
يُسَٰرِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَىٰٓ أَن تُصِيبَنَا دَآئِرَةٌ ۚ فَعَسَى ٱللَّهُ أَن يَأْتِىَ بِٱلْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِندِهِۦ
فَيُصْبِحُوا۟ عَلَىٰ مَآ أَسَرُّوا۟ فِىٓ أَنفُسِهِمْ نَٰدِمِينَ ﴿٥٢﴾ وَيَقُولُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَهَٰٓؤُلَآءِ ٱلَّذِينَ أَقْسَمُوا۟ بِٱللَّهِ
جَهْدَ أَيْمَٰنِهِمْ ۙ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۚ حَبِطَتْ أَعْمَٰلُهُمْ فَأَصْبَحُوا۟ خَٰسِرِينَ ﴿٥٣﴾ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مَن
يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِۦ فَسَوْفَ يَأْتِى ٱللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُۥٓ ۙ أَذِلَّةٍ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى
ٱلْكَٰفِرِينَ يُجَٰهِدُونَ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ۚ ذَٰلِكَ فَضْلُ ٱللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَآءُ ۚ
وَٱللَّهُ وَٰسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٥٤﴾ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱلَّذِينَ يُقِيمُونَ ٱلصَّلَوٰةَ وَيُؤْتُونَ
ٱلزَّكَوٰةَ وَهُمْ رَٰكِعُونَ ﴿٥٥﴾ وَمَن يَتَوَلَّ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ فَإِنَّ حِزْبَ ٱللَّهِ هُمُ ٱلْغَٰلِبُونَ ﴿٥٦﴾
يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ ٱلَّذِينَ ٱتَّخَذُوا۟ دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِّنَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ مِن
قَبْلِكُمْ وَٱلْكُفَّارَ أَوْلِيَآءَ ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٥٧﴾ وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى ٱلصَّلَوٰةِ ٱتَّخَذُوهَا
هُزُوًا وَلَعِبًا ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُونَ ﴿٥٨﴾ قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ هَلْ تَنقِمُونَ مِنَّآ إِلَّآ أَنْ ءَامَنَّا بِٱللَّهِ
وَمَآ أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَآ أُنزِلَ مِن قَبْلُ ۙ وَأَنَّ أَكْثَرَكُمْ فَٰسِقُونَ ﴿٥٩﴾ قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُم بِشَرٍّ مِّن ذَٰلِكَ
مَثُوبَةً عِندَ ٱللَّهِ ۚ مَن لَّعَنَهُ ٱللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ ٱلْقِرَدَةَ وَٱلْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ ٱلطَّٰغُوتَ ۚ
أُو۟لَٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضَلُّ عَن سَوَآءِ ٱلسَّبِيلِ ﴿٦٠﴾ وَإِذَا جَآءُوكُمْ قَالُوٓا۟ ءَامَنَّا وَقَد دَّخَلُوا۟ بِٱلْكُفْرِ وَهُمْ
قَدْ خَرَجُوا۟ بِهِۦ ۚ وَٱللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا۟ يَكْتُمُونَ ﴿٦١﴾ وَتَرَىٰ كَثِيرًا مِّنْهُمْ يُسَٰرِعُونَ فِى ٱلْإِثْمِ
وَٱلْعُدْوَٰنِ وَأَكْلِهِمُ ٱلسُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿٦٢﴾ لَوْلَا يَنْهَىٰهُمُ ٱلرَّبَّٰنِيُّونَ وَٱلْأَحْبَارُ عَن
قَوْلِهِمُ ٱلْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ ٱلسُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا۟ يَصْنَعُونَ ﴿٦٣﴾ وَقَالَتِ ٱلْيَهُودُ يَدُ ٱللَّهِ مَغْلُولَةٌ ۚ
غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا۟ بِمَا قَالُوا۟ ۘ بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ ۙ يُنفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ۚ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا
مِّنْهُم مَّآ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ طُغْيَٰنًا وَكُفْرًا ۚ وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ ٱلْعَدَٰوَةَ وَٱلْبَغْضَآءَ إِلَىٰ يَوْمِ
ٱلْقِيَٰمَةِ ۚ كُلَّمَآ أَوْقَدُوا۟ نَارًا لِّلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا ٱللَّهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِى ٱلْأَرْضِ فَسَادًا ۚ وَٱللَّهُ لَا يُحِبُّ

وقف لازم ۔ وقف منزل

الثلثة

ع

وقف لازم

الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٤﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ۭ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَاۗءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٦﴾

ترجمہ:......اے ایمان والو! یہود ونصاریٰ کو دوست نہ بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو کوئی تم میں سے ان سے دوستی کرے تو بلاشبہ وہ ان میں سے ہے، بے شک اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا، ﴿٥١﴾ سوآپ دیکھیں گے ان لوگوں کو جن کے دل میں مرض ہے کہ دوڑ کر ان میں گھسے جاتے ہیں، کہتے ہیں کہ ہمیں اس بات کا ڈر ہے کہ ہم پر کوئی گردش نہ آجائے، سوقریب ہے کہ اللہ فتح کو لے آئے گا یا اپنے پاس سے کسی اور چیز کو۔ پھر اس بات پر نادم ہوں گے جو انہوں نے اپنے نفسوں میں چھپائی، ﴿٥٢﴾ اور اہلِ ایمان یوں کہیں گے کیا یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے خوب مضبوطی کے ساتھ اللہ کی قسمیں کھائیں کہ وہ ضرور تمہارے ساتھ ہیں ان کے اعمال اکارت ہو گئے جس کی وجہ سے نقصان میں پڑنے والے ہو گئے۔ ﴿٥٣﴾ اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے سو عنقریب اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو پیدا فرمادے گا جن سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہوگی اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے ہوں گے۔ وہ مسلمانوں پر نرم دل ہوں گے اور کافروں پر زبردست ہوں گے، وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ دیتا ہے جسے چاہے، اور اللہ بڑی وسعت والا بڑے علم والا ہے، ﴿٥٤﴾ تمہارا اولی بس اللہ اور اس کا رسول ہے اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے جو نماز قائم کرتے ہیں، اور زکوٰۃ دیتے ہیں، اس حال میں کہ وہ رکوع کرنے والے ہیں، ﴿٥٥﴾ اور جو کوئی شخص دوست رکھے اللہ تعالیٰ کو اور اس کے رسول کو اور ان لوگوں پر جو ایمان لائے سو اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا جو گروہ ہے وہی غالب ہونے والا ہے۔ ﴿٥٦﴾ اے ایمان والو! ان کو دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنالیا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور ان کے علاوہ جو دوسرے کافر ہیں ان کو بھی دوست نہ بناؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگر تم مؤمن ہو۔ ﴿٥٧﴾ اور جب تم نماز کے لیے پکارتے ہو تو وہ اسے ہنسی اور کھیل بنالیتے ہیں، یہ اس لیے کہ وہ سمجھ نہیں رکھتے۔ ﴿٥٨﴾ آپ فرمادیجیے! کہ اے اہلِ کتاب! تم ہم سے صرف اس لیے ناراض ہوتے ہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر ایمان لائے جو ہماری طرف اتارا گیا اور جو ہم سے پہلے اتارا گیا، اور ایک یہ بات ہے کہ تم میں اکثر نافرمان ہیں۔ ﴿٥٩﴾ آپ فرمادیجیے! کیا میں تمہیں وہ طریقہ بتاؤں جو اللہ کے نزدیک سزا کے اعتبار سے اس سے زیادہ برا ہے۔ یہ ان لوگوں کا طریقہ ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کردی اور جن پر اللہ غصہ ہوا اور ان میں سے بعض کو اللہ نے بندر اور سور بنادیا۔ جنہوں نے شیطان کی عبادت کی یہ لوگ جگہ کے اعتبار سے بدترین لوگ ہیں اور سیدھے راستہ سے بہت زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں ﴿٦٠﴾ اور جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ وہ کفر کے ساتھ داخل ہوئے اور کفر کی ہی حالت میں نکل گئے، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جس کو وہ چھپاتے ہیں، ﴿٦١﴾ اور آپ ان میں سے بہت سوں کو دیکھیں گے جو گناہ میں اور ظلم اور حرام کھانے میں تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں۔ یہ واقعی بات ہے کہ وہ اعمال برے ہیں جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ ﴿٦٢﴾ کیوں نہیں منع کرتے ان کو درویش اور اہل علم گناہ کی باتیں کرنے سے اور حرام کھانے سے، واقعی وہ کرتوت برے ہیں جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ ﴿٦٣﴾ اور کہا یہودیوں نے کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بند ہو گیا ہے، بند ہوئے ان کے ہاتھ، اور ان کے قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی، بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں وہ خرچ فرماتا ہے جیسے چاہے، اور آپ کے رب کی طرف سے جو آپ پر نازل کیا گیا، وہ ان میں سے بہت سوں کو سرکشی اور کفر کے زیادہ ہونے کا سبب بن جائے گا، اور ہم نے ڈال دی ان کے درمیان دشمنی اور بغض قیامت کے دن تک۔ انہوں نے جب کبھی لڑائی کی آگ جلائی اللہ تعالیٰ نے اسے بجھا دیا اور یہ لوگ فساد کے لیے دوڑتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ فسادیوں کو دوست نہیں رکھتا ﴿٦٤﴾ اور اگر اہلِ کتاب ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ضرور ان کے گناہوں کا کفارہ کردیتے، اور ہم انہیں ضرور نعمتوں کے باغوں میں داخل کردیتے، ﴿٦٥﴾ اور اگر وہ قائم کرتے تورات کو اور انجیل کو اور اس کو جو کچھ نازل ہوا ہے ان پر ان کے رب کی طرف سے تو

ضرور کھاتے اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے، ان میں ایک جماعت سیدھی راہ اختیار کرنے والی ہے اور ان میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو برے کرتوت کرتے ہیں۔(۶۶)

ماقبل سے ربط و مناسبت:......قبل ازیں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اہل کتاب نے تورات و انجیل پر عمل نہیں کیا، ان پر کفر کا حکم لاگو ہوا۔ اب ان آیات میں یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی کرنے سے منع کیا جا رہا ہے۔ پھر اس کے بعد یہود کے جرائم بیان کیے گئے ہیں، جس کے ذریعے وہ ذات باری تعالیٰ پر تہمت لگاتے تھے۔ یہ ان کے شنیع اقوال اور قبیح افعال ہیں۔

لغات: دَآئِرَةٌ:......جمع دوائر ہے حوادث زمانہ، مصائب، چنانچہ شاعر کہتا ہے:

ترد عنك القدر المقدورا ودآئرة الدهر أن تدورا[1]

حتی المقدور تجھ سے مصائب دور نہیں ہو سکتے اور زمانے کا کوئی نہ کوئی حادثہ گردش میں رہتا ہی ہے۔ حَبِطَتْ: صیغہ واحد مؤنث غائب، باطل ہوئی۔ تَنْقِمُوْنَ: تم عیب لگاتے ہو۔ السُّحْتَ: حرام۔ مَغْلُوْلَةٌ: الغل سے ماخوذ ہے۔ ہتھکڑی جو ہاتھ میں ڈالی جاتی ہے۔ یہ کنایہ ہے بخل سے۔ اَطْفَاَهَا: الاطفاء سے ہے بمعنی اسی طرح بجھا دینا کہ اثر ہی باقی نہ رہے۔ مُّقْتَصِدَةٌ: عادل، جو غلو سے پاک ہو، اعتدال۔

شان نزول: (الف)......ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رفاعہ بن زید اور سوید بن حارث اسلام ظاہر کرتے تھے، پھر منافق ہوئے جب کہ کچھ مسلمان ان سے دوستی رکھتے تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ يَاۤيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۵۷)[2]

(ب)......ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہود کی ایک جماعت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور سوال کیا کہ کن رسولوں پر ایمان لایا جائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ پر ایمان رکھتا ہوں، جو کتابیں ہماری طرف نازل کی گئی ہیں۔ ان پر ایمان رکھتا ہوں اور جو تعلیمات ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی طرف نازل کی گئیں۔ ان پر ایمان رکھتا ہوں۔ جب آپ نے عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا تو یہود ان کی نبوت کا انکار کرنے لگے اور کہا: اللہ کی قسم! ہم کسی دین کے ماننے والوں کو نہیں جانتے، جن کا تم سے زیادہ دنیا و آخرت میں حصہ کم ہو اور تمہارے دین سے زیادہ بُرا دین کوئی نہیں، اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ[3]

یہود و نصاریٰ کو مددگار نہ بنایا جائے

تفسیر: يَاۤيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ:......اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی کی پینگیں بنانے سے منع فرمایا ہے، نہ ان کی مدد کی جائے اور نہ ہی ان سے مدد مانگی جائے۔ ان کے ساتھ مسلمانوں جیسی معاشرت قائم رکھنے سے بھی منع فرمایا۔[4] بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ: یہود و نصاریٰ مسلمانوں کے خلاف ایک ہاتھ کی مانند ہیں کیوں کہ کفر و ضلالت میں وہ اکٹھے ہیں اور متحد ہیں۔ چنانچہ کفر سارے کا سارا ملت واحدہ ہے۔ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ: اور جو یہود و نصاریٰ سے دوستی رکھتا ہے اس کا حکم انہی جیسا ہے۔ زمخشری کہتے ہیں: آیت میں اللہ کی طرف سے تغلیظ اور تشدید ہے، چوں کہ دین کی مخالفت اور دین سے کنارہ کشی سزا وار تشدید ہے، جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مشرکین کی تہذیب اور طریقہ اختیار نہ کیا جائے۔[5] اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ: اللہ ظالموں کو ہدایت ایمان نہیں دیتا۔

منافقین اور یہود کے تعلقات

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ:......یعنی جن کے دلوں میں شک اور نفاق ہے، جیسے عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی، یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی رکھنے میں سبقت لے جاتے ہیں۔ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰۤى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ: مسلمانوں کی دوستی سے معذرت کرتے

[1] الطبری ۱۰/ ۴۰۴ [2] اسباب النزول للواحدی، ص ۱۱۴ [3] القرطبی ۶/ ۲۳۳، مجمع البیان ۳/ ۲۱۴ [4] البحر ۳/ ۵۰۷ [5] الکشاف ۱/ ۴۹۹

ہوئے کہتے ہیں کہ ہم تو حوادث زمانہ سے ڈرتے ہیں۔ یہود تو محمد پر غلبہ پالیں گے۔ اللہ نے ان کی بدگمانیوں کی رد میں فرمایا۔فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ : اللہ مسلمانوں کو فتح عطا فرمائے گا۔ چنانچہ اللہ نے مسلمانوں کو فتح مکہ عطا فرمائی۔ یہ نبی کریم ﷺ اور مؤمنین کو بشارت دی گئی ہے۔اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ: یعنی اللہ تمہیں کسی ایسے امر سے ہلاک کردے جو اس کی طرف سے ہو۔ اس میں مخلوق سبب نہ بن رہی ہو، جیسے بنونضیر کے دلوں میں رعب ڈال دیا تھا۔فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ: منافقین نے اپنے دلوں میں اللہ کے دشمنوں یہود و نصاریٰ کی جو دوستی چھپا رکھی ہے اس پر پشیمان ہوں گے۔وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا : جب اللہ نے منافقین کا پردہ چاک کردیا تو مؤمنین منافقین کے احوال پر تعجب کر کے کہیں گے۔اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ : کیا یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے پختہ قسمیں اٹھائی تھیں کہ وہ اے جماعت یہود! تمہارے ساتھ ہیں، تمہاری مدد کریں گے، جیسا کہ دوسرے مقام میں ہے:وَاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ : اگر تمہارے ساتھ جنگ لڑی گئی تو ہم تمہاری ضرور مدد کریں گی۔حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ: ان کے اعمال باطل ہوجائیں گے اور وہ دنیا و آخرت میں خسارے میں رہیں گے۔

اسلام کی بقا، حفاظت اور غلبہ کی پیش گوئی

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ: ......وعید کے طور پر خطاب ہے۔ معنی ہے کہ اے مؤمنین کی جماعت! تم میں سے جو شخص دین حق سے برگشتہ ہوگا اور دین حق کو کسی دوسرے دین سے بدلے گا اور ایمان سے کفر کی طرف جائے گا۔[1] فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ: عنقریب ان کی جگہ ایسے مؤمن لوگوں کو لے آئے گا جن سے اللہ محبت کرتا ہوگا اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہوں گے۔اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ: جو مؤمنین کے لیے رحم دل اور انکساری والے ہوں گے جب کہ کافرین کے لیے سخت مزاج ہوں گے۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: یہ تمام مسلمانوں کی صفات ہیں کہ مسلمان ایک دوسرے کے لیے متواضع اور رحم دل ہوں اور دشمن کے خلاف سخت مزاج۔[2] جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کفار کے لیے سخت اور آپس میں رحم دل ہیں۔(الفتح:۲۹) مؤمن سے اللہ کی محبت ہونے کی علامت ہے کہ مؤمن نرم اخلاق کا مالک ہو۔ اپنے مؤمنین بھائیوں کے لیے تواضع کرتا ہو، عاجزی اس کا وتیرہ ہو، جبکہ کفار کے سامنے تند مزاج اور سرتان کر چلنے والا ہو۔يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ : اور وہ اللہ کے کلمہ کی سربلندی کے لیے جہاد کرنے والے ہوں گے۔ وہ کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا نہیں کرتے ہوں گے۔ تصلب فی الدین ان کا وصف خاص ہوگا۔ اللہ کی ذات کے متعلق کسی سے نہیں ڈرتے ہوں گے۔ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ: جو شخص ان صفات حمیدہ سے متصف ہو تو یہ محض اللہ کے فضل سے ہی ہوتا ہے اور اس کی توفیق سے ہوتا ہے۔وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ : اللہ وسیع فضل و احسان والا ہے، جو فضل کا مستحق ہے اُسے خوب جانتا ہے۔

مسلمانوں کے اصلی دوست

جب اللہ نے کفار کے ساتھ دوستی رکھنے سے منع کیا ہے تو اب یہ بتلایا جارہا ہے کہ کون لوگ دوستی رکھنے کے لائق ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا : یعنی یہود و نصاریٰ تمہارے دوست نہیں، تمہارے دوست تو اللہ، اس کا رسول اور مؤمنین ہیں۔الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ: یعنی وہ مؤمنین جو ان اوصاف جلیلہ کے ساتھ متصف ہوں یعنی وہ نماز قائم کرتے ہوں، زکوٰۃ دیتے ہوں اور اللہ کے حضور جھکتے ہوں۔ تسہیل میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ''ولی'' کا مفرد لفظ لایا ہے نہ کہ جمع۔ پھر اسم جلالہ پر ورسولہ والذین آمنوا کا عطف لایا گیا ہے جو اس امر کی دلیل ہے کہ اصل دوستی اللہ سے ہو اور پھر باقی اس کے تابع ہیں۔ اگر یوں کہا جاتا:اِنَّمَا اَوْلِيَآؤُكُمْ تو کلام میں اصل

---

[1] آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ کچھ مسلمان مرتد ہوجائیں گے۔ چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں قبیلہ بنوحنیفہ مرتد ہوا جو کہ مسیلمہ کذاب کا قبیلہ تھا۔ بعد میں بھی بہت سارے لوگ مرتد ہوئے۔ ہمارے زمانے میں قادیانی مرتد ہیں۔
[2] مختصر تفسیر ابن کثیر ۱/ ۵۲۸

اور تابع کی تمیز نہ رہتی۔ وَمَنۡ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا فَاِنَّ حِزۡبَ اللّٰهِ هُمُ الۡغٰلِبُوۡنَ: جو لوگ اللہ، اس کے رسول اور مؤمنین سے دوستی رکھتے ہیں ان کا تعلق حزب اللہ (اللہ کی جماعت) سے ہے۔ وہی اپنے دشمنوں پر غالب رہیں گے۔

کفار سے ترکِ موالات کی وجہ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا دِيۡنَكُمۡ هُزُوًا وَّلَعِبًا:...... دین دشمن لوگوں کو جو تمہارے دین کا مذاق اڑاتے ہیں اور تمسخر کرتے ہیں۔ مِّنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَالۡكُفَّارَ اَوۡلِيَآءَ: یہود، نصاریٰ اور دوسرے کفار کو اپنے دوست نہ بناؤ، تم ان سے دوستی اور محبت رکھو حالاں کہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ سو جو لوگ تمہارے دین کا تمسخر اڑائیں، ان سے دوستی کرنا صحیح نہیں بلکہ ان سے بغض وعداوت رکھنا واجب ہے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ: کفار و فجار کی دوستی کے معاملے میں اللہ سے ڈرو اگر سچے مؤمنین ہو۔ اس کے بعد یہود کے مذاق اڑانے کی مثال بیان کی گئی ہے۔ وَاِذَا نَادَيۡتُمۡ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوۡهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا: جب تم نماز کے لیے اذان دیتے ہو تو یہود تمہارا اور نماز کا تمسخر اڑاتے ہیں۔ بحر میں ہے: یہود جب اذان سنتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ پر حسد کرنے کی وجہ سے کہتے ہیں: تم نے نئی چیز ایجاد کر لی، جس کا رواج انبیا کے یہاں نہیں تھا۔ یہ اونٹ کی آواز کی مانند چیخ تم نے کہاں سے گھڑ لی۔ یہ کتنی بری آواز ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔[1] اللہ نے اس بات پر متنبہ کیا ہے کہ جو شخص نماز کا مذاق اڑائے اُسے دوست بنانے کے بجائے دھتکار دینا چاہیے۔ یہ آیت گویا ماقبل والی آیت کی تاکید ہے۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَعۡقِلُوۡنَ: ان کا یہ فعل اس وجہ سے ہے کہ وہ فجار وفساق ہیں۔ نماز کی حکمت سے نابلد ہیں۔ تطہیر نفس کے متعلق نماز کی غرض سے واقف نہیں ہیں۔ یہود کی عقل کی نفی اس لیے کی گئی ہے کہ عقل سے کام نہیں لیتے۔ اگر دنیوی مصالح کے حصول کے لیے ان کے پاس عقلیں ہیں، لیکن دینی امور میں عقلوں سے نفع نہیں اٹھاتے تو گویا ان کے پاس عقل ہے ہی نہیں۔

قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ هَلۡ تَنۡقِمُوۡنَ مِنَّاۤ:...... اے محمد! کہہ دیجیے کہ اے یہود و نصاریٰ کی جماعت! کیا تم ہمارے اوپر عیب لگاتے ہو اور ہمارا انکار کرتے ہو۔ اِلَّاۤ اَنۡ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡنَا وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلُ: ہاں البتہ ہمارا یہ عیب ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور ان ضروریات دین پر ایمان لائے جنہیں اللہ کا رسول لایا ہے۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: تم ہمارے اوپر کوئی عیب اور طعنہ نہیں دیتے مگر یہی فی الواقع یہ کوئی عیب نہیں اور نہ ہی یہ کوئی مذمت کی بات ہے۔ یہ استثناء منقطع ہے۔[2] وَاَنَّ اَكۡثَرَكُمۡ فٰسِقُوۡنَ: اور تم (یہود و نصاریٰ) میں سے اکثر لوگ سیدھی راہ سے نکلے ہوئے ہیں۔ قُلۡ هَلۡ اُنَبِّئُكُمۡ بِشَرٍّ مِّنۡ ذٰلِكَ: کہہ دیجیے کہ تم ہم پر جو عیب لگاتے ہو اس سے زیادہ بدتر چیز کے متعلق میں تمہیں آگاہ کروں؟ مَثُوۡبَةً عِنۡدَ اللّٰهِ: اور وہ چیز ثواب و جزا ہے جو اللہ کے ہاں ثابت ہے۔ تسہیل میں ہے کہ ثواب کو عقاب کی جگہ بطور تہکم رکھا گیا ہے۔ جیسے فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ مَنۡ لَّعَنَهُ اللّٰهُ: جس شخص کو اللہ اپنی رحمت سے دور کر دے۔ وَغَضِبَ عَلَيۡهِ: اور اس کے کفر کی وجہ سے اللہ کی اس پر ناراضی ہو۔ وَجَعَلَ مِنۡهُمُ الۡقِرَدَةَ وَالۡخَنَازِيۡرَ: ان میں سے بعض کو مسخ کر کے بندر بنا دیا اور بعض کو سور بنا دیا۔ وَعَبَدَ الطَّاغُوۡتَ: اور ان میں سے بعض کو شیطان کا پجاری بنا دیا۔ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنۡ سَوَآءِ السَّبِيۡلِ: یہ ملعون جو ان قبیح ورذیل صفات سے موصوف ہیں، آخرت میں ان کا ٹھکانا نہایت بُرا ہوگا اور ان میں سے اکثر لوگ سیدھی راہ سے ہٹے ہوئے ہیں۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں معنی ہے: اے اہل کتاب! ہمارے دین پر طعنے کرنے والو! ہمارے دین کی بنیاد توحید پر ہے۔ ہمارے دین میں اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کی جاتی، حالاں کہ تم اللہ کے سوا مخلوق کی عبادت بھی کرتے ہو اور تمہارے اندر بے شمار قباحتیں موجود ہیں۔[3] قرطبی کہتے ہیں: جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں نے یہود سے کہا: اے بندروں اور خنزیروں کے بھائیو! یہود سن کر سر جھکا لیتے اور انہیں سخت رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے:

---

[1] البحر ۳/۵۱۵، ابو مسعود کہتے ہیں: مدینہ میں جب مؤذن اذان میں اشھد ان محمدًا رسول اللہ کہتا تو جواب میں ایک نصرانی کہتا: اللہ جھوٹے کو آگ میں جلائے۔ ایک رات اس کا غلام آگ لے کر گھر میں داخل ہوا۔ ایک چنگاری اڑی اور گھر میں گھس گئی، جس نے پورے گھر کو لپیٹ میں لی اور سارا گھرانہ جل کر خاکستر ہو گیا۔ ابو مسعود ۲/۴۰ [2] مختصر ابن کثیر ۱/۵۳۰ [3] ابن کثیر ۱/۵۳۱

فلعنة الله على اليهود ان اليهود اخوة القرود

ترجمہ:...... یہود پر اللہ کی لعنت ہو، یہود تو درحقیقت بندروں کے بھائی ہیں۔

وَاِذَا جَآءُوۡكُمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا:...... جاؤوا کی ضمیر مرفوع متصل یہود کی طرف لوٹ رہی ہے، جن کا تعلق منافقین کے گروہ سے ہے۔ جب یہ یہود منافقین تمہارے پاس آتے ہیں تو اپنا اسلام ظاہر کرتے ہیں۔ وَقَدۡ دَّخَلُوۡا بِالۡكُفۡرِ وَهُمۡ قَدۡ خَرَجُوۡا بِهٖ: اے محمد! حال یہ ہے کہ جیسے کورے کافر تمہارے پاس داخل ہوتے ہیں ایسے ہی کورے باہر نکلتے ہیں۔ وہ جو علم کی باتیں تم سے سنتے ہیں اس کا انہیں کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ مواعظ اور زواجر کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا كَانُوۡا يَكۡتُمُوۡنَ: یعنی کفر و نفاق کو وہ چھپا کر رکھتے ہیں۔ آیت میں منافقین کے لیے شدید وعید ہے۔ وَتَرٰى كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ يُسَارِعُوۡنَ فِى الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ: اور تم بہت سارے یہود کو دیکھو گے کہ وہ معاصی اور ظلم کی طرف سبقت کرتے ہیں۔ وَاَكۡلِهِمُ السُّحۡتَ: اور ان کا حرام کھانا۔ لَبِئۡسَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ: ان کے قبیح اعمال اور شنیع اخلاق نہایت برے ہیں۔ لَوۡلَا يَنۡهٰٮهُمُ الرَّبّٰنِيُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ: ان کے علما اور احبار انہیں روکتے کیوں نہیں۔ عَنۡ قَوۡلِهِمُ الۡاِثۡمَ وَاَكۡلِهِمُ السُّحۡتَ: گناہ معصیت اور حرام خوری سے۔ لَبِئۡسَ مَا كَانُوۡا يَصۡنَعُوۡنَ: ان کا یہ طرز عمل بہت برا ہے۔ یعنی اللہ کے حرام کردہ امور سے منع نہ کرنا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: قرآن میں اس آیت سے بڑھ کر اور کوئی آیت توبیخ کی نہیں ہے۔ یعنی علمائے یہود کی توبیخ اس آیت میں سخت کی گئی ہے۔ ابوحیان کہتے ہیں: اس آیت کی توبیخ ایسے علما اور عبادت گزاروں کو بھی شامل ہے جو معصیت کو دیکھ کر خاموش رہتے ہیں اور منع نہیں کرتے۔ چنانچہ ابن مبارک کا شعر ہے:

وهل أفسد الدين الا الملوك واحبار سوء ورهبانها

ترجمہ:...... اس دین کو صرف بادشاہوں، علمائے سوء اور جاہل پیروں نے خراب کیا ہے۔

یہود کی حق تعالیٰ کی شان میں گستاخی

وَقَالَتِ الۡيَهُوۡدُ يَدُ اللّٰهِ مَغۡلُوۡلَةٌ: لعنتی یہود کہتے ہیں: اللہ بخیل ہے جو بندوں کو روک روک کر رزق دیتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: مَغۡلُوۡلَةٌ: کے معنی ہے بخیل جو مارے بخل کے اپنے پاس اشیا کو روکے رکھے۔ یہود کی یہ مراد نہیں کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے بلکہ ان کی مراد ہے کہ اللہ بخیل ہے۔[1] غُلَّتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ: یہ یہود کو بددعا ہے کہ وہی بخل و فقر سے دوچار ہوں۔ وَلُعِنُوۡا بِمَا قَالُوۡا: ان کے اس بُرے قول کی وجہ سے اللہ نے ان کو اپنی رحمت سے دور رکھا ہوا ہے۔ بَلۡ يَدٰهُ مَبۡسُوۡطَتٰنِ ۙ يُنۡفِقُ كَيۡفَ يَشَآءُ: بلکہ اللہ سخی ہے، بخشش کرنے والا ہے، اپنے بندوں کو رزق عطا کرتا ہے اور جیسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ ابو مسعود کہتے ہیں: رزق کی تنگی رب تعالیٰ کے فیضان رحمت میں نقص و کمی کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ تنگی رزق کا دارومدار خدائی حکمت پر ہے۔ بسا اوقات بندوں میں معصیت ہوتی ہے جس کی وجہ سے حکمت خداوندی تنگیٔ رزق کی مقتضی ہوتی ہے۔[2] وَلَيَزِيۡدَنَّ كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ مَّاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ طُغۡيَانًا وَّكُفۡرًا: اے محمد! یہ قرآن جو تمہارے اوپر نازل کیا گیا ہے ان کے کفر بالائے کفر اور طغیان بالائے طغیان میں اضافہ کرتا ہے۔ چوں کہ جب بھی کوئی آیت نازل ہوتی ہے وہ اس کا انکار کرتے ہیں۔ یوں کفر و طغیان میں بڑھتے جاتے ہیں، جیسے وہ کھانا جو صحت مند لوگوں کے لیے پکایا گیا ہو وہ بیماروں کی بیماری میں اضافہ کر دیتا ہے۔ طبری کہتے ہیں: اللہ نے اپنے نبی کو آگاہ کر دیا ہے کہ یہود سرکشی اور تمرد میں بڑھ رہے ہیں اور وہ حق کے آگے جھکنے والے نہیں، اگرچہ انہیں دین اسلام کے صحیح ہونے کا علم ہے، لیکن ان کا معاندانہ طرز عمل انہیں ماننے نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت میں تسلی دی ہے۔[3] وَاَلۡقَيۡنَا بَيۡنَهُمُ الۡعَدَاوَةَ وَالۡبَغۡضَآءَ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ:...... ہم نے یہود کے درمیان بغض و عداوت ڈال دی ہے۔ چنانچہ ان کی باتوں میں تضاد ہے اور ان کے دلوں میں اختلاف و تشتت ہے۔ وہ روز قیامت تک بغض و عداوت میں گرفتار رہیں گے۔

كُلَّمَاۤ اَوۡقَدُوۡا نَارًا لِّلۡحَرۡبِ اَطۡفَاَهَا اللّٰهُ: جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کی آگ بھڑکائیں گے۔ اللہ اس آگ کو بجھا دے گا۔

---

[1] الطبری ۱۰/ ۴۵۲ [2] ابوالسعود ۲/ ۴۳ [3] الطبری ۱۰/ ۴۵۷

وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ: ......اسلام مخالف پروپیگنڈے کرنے میں مصروف رہتے ہیں اور مسلمانوں کے درمیان پھوٹ اور فساد برپا کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ان کی بس خوبی یہی ہے کہ وہ ہمیشہ زمین پر فساد برپا کرنے میں لگے رہتے ہیں۔وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا: اگر یہود و نصاریٰ اللہ اور اس کے رسول پر اس طرح سے ایمان لے آئیں جس طرح ایمان لانے کا حق ہے اور اللہ کے محارم سے اجتناب کریں۔لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ: تو انہوں نے جو گناہ کر رکھے ہیں، ہم مٹا دیں گے۔وَلَأَدْخَلْنَاهُمْ جَنَّاتِ النَّعِيمِ: اس کے ساتھ ہی ہم انہیں نعمتوں والی بہشتوں میں داخل کریں گے۔وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ: اور اگر یہ لوگ اللہ کے امر پر استقامت دکھائیں اور جو کچھ تورات اور انجیل میں ہے، اس پر عمل کریں اور جو اس عظیم کتاب میں ان کے بارے میں نازل ہوا ہے اس پر پورا اتریں۔لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ: اللہ اس کا رزق وسیع کر دے گا۔آسمان وزمین کی برکتیں ان پر عام ہوں گی۔مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُقْتَصِدَةٌ: اہل کتاب میں سے ایک معتدل جماعت بھی ہے جو سیدھی راہ پر قائم ہے۔غالی نہیں اور نہ ہی تنگ نظر اور کوتاہ بین ہے۔یہ وہ لوگ ہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں، جیسے عبداللہ بن سلام، نجاشی اور سلمان رضی اللہ عنہم وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ: ان میں بہت سارے اشرار اور برے ہیں، جو بدعملی اور بدقولی کا شکار ہیں۔

بلاغت: ......أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ: میں الفاظ أَذِلَّةٍ اور أَعِزَّةٍ میں طباق ہے جو حسنات بدیعہ میں سے ہے۔اسی طرح مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ: میں بھی طباق ہے۔لَوْمَةَ لَائِمٍ: لَوْمَةَ: اور لَائِمٍ: کے نکرہ لانے میں مبالغہ ہے۔إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ: یہ بیان بر سبیل تہیج ہے۔هَلْ تَنْقِمُونَ مِنَّا إِلَّا أَنْ آمَنَّا: اس اسلوب بیان کو علما کے نزدیک مدح بزم اور بذم بہ مدح کہا جاتا ہے۔چنانچہ یہود نے ایمان پر قائم رہنے کو موجب انکار قرار دیا ہے جب کہ واقع اس کے برعکس ہے۔مَثُوبَةً عِنْدَ اللَّهِ مَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ: یہ بات تہکم میں سے ہے۔شَرٌّ مَكَانًا: شر کی نسبت مکان کی طرف کی گئی ہے، حالاں کہ حقیقت میں شر اہل مکان کا ہوتا ہے۔یہ اسلوب بیان بطور مبالغہ اختیار کیا گیا ہے۔يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ: ہاتھ کا بندھا ہوا ہونا کنایہ ہے بخل سے۔أَوْقَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ: جنگ میں آگ کا بھڑکانا استعارہ ہے کیوں کہ جنگ کی فی الواقع آگ نہیں ہوتی، البتہ جنگ کو آگ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جیسی آگ لکڑی کو جلا دیتی ہے، اسی طرح جنگ انسانوں کو کھا جاتی ہے۔
لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ: نعمتوں کے وسیع ہونے سے کنایہ ہے۔

فائدہ اول: ......حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ایک نصرانی کاتب کو ملازم رکھا ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا کہ نصرانیوں کو جب اللہ نے ذلیل وخوار کیا تم انہیں عزت نہ دو۔جب اللہ نے انہیں خیانت سے موصوف کیا ہے تو تم ان پر اعتماد نہ کرو، جب اللہ نے انہیں دور رکھا ہے تو تم کیوں قریب کرتے ہو؟ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جواب لکھا: اس کے بغیر بصرہ کا نظم قائم نہیں رہ سکا۔اس کی مجھے سخت ضرورت ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواباً لکھا: اگر مر جائے تو پھر کیا کرو گے؟[1]

فائدہ دوم: ......حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں مسلیمہ کذاب وحشی کے ہاتھوں قتل ہوا جب کہ اسی وحشی کے ہاتھوں حضرت حمزہ سید الشہدا رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے۔وحشی کہا کرتے تھے: میں نے جاہلیت میں ایک افضل انسان کو قتل کیا ہے اور اسلام میں بدترین انسان یعنی مسلیمہ کذاب کو قتل کیا ہے۔[2]

فائدہ سوم: ......مفسرین کہتے ہیں: "عسٰی" اللہ کی طرف سے واجب ہے چوں کہ کریم جب خیر وبھلائی میں طمع کرتا ہے تو وہ بمنزلہ وعدہ ہے۔[3]

فائدہ چہارم: ......امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ: میں علما کو ابھارا جا رہا ہے، کیوں کہ جب "لولا" ماضی پر داخل ہوتا ہے تو توبیخ کا فائدہ دیتا ہے اور جب مضارع پر آتا ہے تو تحضیض کا فائدہ دیتا ہے۔تحضیض کے معنی کسی کام پر ابھارنا ہے۔

---

[1] البحر ۳/ ۵۰۷ [2] محاسن التاویل ۶/ ۲۰۳۴ [3] الرازی ۱۳/ ۱۹

کفار و منافقین اور اہل کتاب کو دعوت دینے کا حکم اور ان کے عقائد کا بیان

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ
مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۷﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَىْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا
التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ
طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ
وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَقَدْ
اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِىْۤ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَاۤ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُهُمْ ۙ
فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَحَسِبُوْۤا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ
عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۷۱﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ
ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِىْۤ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّىْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ
حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ
ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّاۤ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۴﴾ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ
اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ
لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۷۵﴾ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ
وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۶﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِىْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ
قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۷۷﴾ لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِىْۤ
اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۷۸﴾ كَانُوْا لَا
يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِى الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَلَوْ
كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِىِّ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۱﴾

وقف لازم

ع ۱۰ / ۱۴

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾

ترجمہ:......اے رسول! آپ پہنچا دیجیے جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا، اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام نہ پہنچایا، اور لوگوں سے اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے گا، بے شک اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو راہ نہیں دکھائے گا۔ ﴿۶۷﴾ آپ فرما دیجیے کہ اے اہلِ کتاب! تم کسی راہ پر نہیں ہو یہاں تک کہ توریت کو اور انجیل کو اور اس چیز کو قائم کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل کی گئی اور ضرور ضرور ان میں سے بہت سوں کی سرکشی کو اور کفر کو وہ مضمون زیادہ کردے گا جو آپ کی طرف نازل کیا گیا، سو آپ کافر قوم پر افسوس نہ کیجیے، ﴿۶۸﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ یہودی ہیں اور فرقہ صابئین اور نصاریٰ ان میں سے جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور اعمال صالحہ کرے تو ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ ﴿۶۹﴾ بلاشبہ ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا اور ان کی طرف ہم نے رسول بھیجے جب بھی کوئی رسول ان کے پاس ایسا حکم لے کر آیا جو ان کی خواہشوں کے موافق نہیں تھا تو انہوں نے نبیوں کی ایک جماعت کو جھٹلا دیا اور ایک جماعت کو قتل کر دیا ﴿۷۰﴾ اور انہوں نے گمان کیا کہ کچھ بھی فتنہ نہ ہوگا پھر وہ اندھے اور بہرے ہو گئے پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر توجہ فرمائی پھر ان میں سے بہت سے لوگ اندھے اور بہرے ہو گئے اور اللہ تعالیٰ ان کاموں کو دیکھتا ہے جن کو وہ کرتے ہیں۔ ﴿۷۱﴾ بلاشبہ وہ لوگ کافر ہوئے جنہوں نے یوں کہا کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے حالانکہ مسیح نے فرمایا ہے کہ اے بنی اسرائیل! تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے، بلاشبہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرے تو اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے، اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ ﴿۷۲﴾ بلاشبہ وہ لوگ کافر ہوئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین معبودوں میں سے ایک معبود ہے حالانکہ ایک معبود کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور اگر اس بات سے باز نہ آئے جو وہ کہتے ہیں تو ضرور ضرور ان لوگوں کو جو ان میں کفر ہی پر جمے رہیں دردناک عذاب پہنچ جائے گا، ﴿۷۳﴾ کیا وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں توبہ نہیں کرتے اور اس سے مغفرت نہیں چاہتے، اور اللہ تعالیٰ غفور ہے رحیم ہے۔ ﴿۷۴﴾ نہیں ہے مسیح ابن مریم مگر ایک رسول، ان سے پہلے رسول گزر چکے ہیں اور ان کی ماں سچی ہے، وہ دونوں کھانا کھاتے تھے، دیکھ لیجیے! ہم کیسے ان کے لیے دلائل بیان کرتے ہیں۔ پھر دیکھئے کہ وہ لوگ کہاں الٹے جا رہے ہیں، ﴿۷۵﴾ آپ فرما دیجیے کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہو جو تمہارے ضرر اور نفع کا اختیار نہیں رکھتے، اور اللہ تعالیٰ سننے والا، اور جاننے والا ہے۔ ﴿۷۶﴾ آپ فرما دیجیے کہ اے اہلِ کتاب! تم اپنے دین میں ناحق کا غلو نہ کرو اور ان لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو جو پہلے گمراہ ہو چکے ہیں اور انہوں نے بہت سوں کو گمراہ کیا اور سیدھے راستے سے بہک گئے۔ ﴿۷۷﴾ بنی اسرائیل میں سے جو لوگ کافر تھے وہ ملعون ہوئے داؤد کی زبان پر اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی زبان پر، یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ زیادتی کرتے تھے، ﴿۷۸﴾ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو برے کام سے نہیں روکتے تھے جو انہوں نے کیا، واقعۃً برے تھے وہ افعال جو وہ کرتے تھے، ﴿۷۹﴾ تو ان میں سے بہت سوں کو دیکھے گا کہ ان لوگوں سے دوستی کرتے ہیں جنہوں نے کفر اختیار کیا واقعۃً برے ہیں وہ افعال جو ان کی جانوں نے آگے بھیجے یہ کہ اللہ ان پر ناراض ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہنے والے ہیں، ﴿۸۰﴾ اور اگر وہ ایمان لاتے اللہ پر اور نبی پر اور اس پر جو اتارا گیا ہے نبی کی طرف تو کافروں کو دوست نہ بناتے لیکن بہت سے لوگ ان میں سے فرمانبرداری سے خارج ہیں۔ ﴿۸۱﴾ تو اہلِ ایمان کے لیے سب سے زیادہ دشمن یہودیوں اور مشرکین کو پائے گا اور ضرور بالضرور اہلِ ایمان سے محبت میں سب سے زیادہ قریب تر تو ان لوگوں کو پائے گا جنہوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں، یہ اس وجہ سے کہ ان میں علما ہیں اور درویش ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔ ﴿۸۲﴾

ماقبل ربط ومناسبت:......قبل ازیں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار کے ساتھ دوستی کرنے سے باز رہنے کی تاکید کی ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کفار اور منافقین کے احوال کو براہ راست نشانہ بناتی اور ان کے عقائد ونظریات پر قدغن تھی، بلاشبہ اس چیز سے ان کے دلوں میں دشمنی جنم لیتی۔ چنانچہ ان آیات میں اہل کتاب اور کفار ومنافقین کو دعوت دینے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اس کے بعد اہل کتاب کے عقائد بیان کیے گئے ہیں۔

بالخصوص نصاریٰ کے عقائد کہ عیسیٰ علیہ السلام کو تین میں تیسرا اقرار دینے پر واضح دلیل کے ساتھ رد کیا گیا ہے۔

لغات: **یَعۡصِمُكَ:** ...... العصمة سے واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے بمعنی حفاظت کرنا، اور بچانا۔ **طُغۡیَانًا:** طغیان، حد سے تجاوز کرنا ظلم اور غلو۔ **تَأۡسَ** تم حزن وملال کرتے ہو، اسی یاسی، الاسی، حزن وملال۔ شاعر کہتا ہے:

وانخلبت عيناه من فرط الأسى[1]

ترجمہ: ...... حزن وملال کے بڑھ جانے کی وجہ سے اس کی آنکھیں امڈ آئیں۔

خَلَتۡ: ...... گزر گئی۔ **صِدِّیۡقَةٌ:** صدق کا صیغہ مبالغہ۔ **فِعِّیۡلٌ** اوزان مبالغہ میں سے ہے، جیسے رجل سکیت۔ سکون میں مبالغہ کرنے والا، سکیر نشے میں زیادہ دھت رہنے والا۔ **یُؤۡفَكُوۡنَ** وہ حق سے پھر جاتے ہیں۔ **تَغۡلُوۡ:** الغلو سے ماخوذ ہے۔ حد سے تجاوز کرنا، مقولہ ہے "غلافی دینه" شدت اختیار کرنا، حد سے تجاوز کر جانا۔ **قِسِّیۡسِیۡنَ:** ...... القس والقسیس نصرانی رئیس کو کہا جاتا ہے۔ اس کے معنی عالم ہیں۔ **وَرُهۡبَانًا:** راہب کی جمع ہے الرهبة سے ماخوذ ہے معنی خوف ورہبانیت، گرجے میں عبادت کرنے کو کہا جاتا ہے۔ **تفیض** برتن کا اس طرح بھر جانا کہ بہہ پڑے۔ چنانچہ مقولہ ہے فاض الماء وفاض الدمع، پانی بہہ نکلا، آنسو نکل پڑے۔ شاعر کہتا ہے:

وفاضت دموع العين مني صبابة عنى النحر حتى بل دمعي محملي

ترجمہ: ...... مارے عشق کے میرے آنسو سینے پر بہہ نکلے، حتیٰ کہ میری آنسوؤں نے میرا کجاوہ تر کر دیا۔

سبب نزول: ...... ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی رسالت دے کر بھیجا، میں اپنے دل میں تنگی سی محسوس کرنے لگا۔ میں سمجھ گیا کہ لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہوں گے جو میری تکذیب کریں گے۔ اس پر آیت نازل ہوئی:

یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ ؕ وَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ یَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الۡكٰفِرِیۡنَ ﴿۶۷﴾[2]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تبلیغ کا حکم اور حفاظت کا وعدہ

تفسیر: یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ: ...... یہ خطاب برائے تعظیم وتشریف ہے، یعنی اپنے رب کا پیغام کسی کا انتظار کیے بغیر اور نڈر ہو کر دوسروں تک پہنچاؤ۔ وَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَهٗ: ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: تمہارے رب کی طرف سے جو تعلیمات اور پیغامات نازل کیے گئے ہیں، وہ سب آگے پہنچاؤ، اگر تم نے اس میں سے کوئی چیز چھپا دی تو رسالت کو آگے نہیں پہنچایا۔[3] آیت میں امت کے حاملین علم کو تادیب ہے کہ امر شریعت کی کوئی بات چھپائیں نہیں۔ وَاللّٰهُ یَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ: اور اللہ تمہیں لوگوں کی بدسلوکی اور سازشوں سے بچائے گا۔ زمخشری کہتے ہیں: آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کا وعدہ ہے۔ معنی ہے اللہ تمہیں دشمنوں سے محفوظ رکھنے کی ضمانت دیتا ہے۔ لوگوں کی پاسبانی میں تمہارا کیا عذر ہے؟ روایت میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پاسبانی کے لیے چوکیدار مقرر کر رکھے تھے، حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیمے سے سر مبارک باہر نکالا اور فرمایا: اے لوگو! واپس لوٹ جاؤ، اللہ نے خود ہی میری حفاظت کا ذمہ لے لیا ہے۔[4] اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الۡكٰفِرِیۡنَ: تمہارے ذمے تبلیغ ہے، اللہ جسے چاہتا ہے اسے ہدایت دیتا ہے جس کے لیے کفر کا فیصلہ ہو چکا ہے وہ ہدایت پر کبھی نہیں آ سکتا۔ قُلۡ یٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لَسۡتُمۡ عَلٰی شَیۡءٍ حَتّٰی تُقِیۡمُوا التَّوۡرٰىةَ وَالۡاِنۡجِیۡلَ: اے محمد! ان یہود ونصاریٰ سے کہہ دیجیے، فی الواقع تم دین کی کسی چیز پر نہیں ہو، حتیٰ کہ تم تورات وانجیل کے کسی حکم پر عمل کرو اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لاؤ، یہ تقاضے پورے کرو گے تب تم تورات وانجیل پر قائم رہ سکتے ہو۔ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكُمۡ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ: ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: یعنی قرآن مجید۔

---

[1] القرطبی ۶/ ۵۴ [2] اسباب النزول، ص ۱۱۵ [3] القرطبی ۶/ ۲۴۵ [4] الکشاف ۱/ ۵۱۴

وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا:...... لام برائے قسم ہے۔ یعنی میں قسم اٹھاتا ہو، اے محمد! یہ قرآن جو تمہارے اوپر نازل کیا گیا ہے، اہل کتاب کے غلو و تکذیب میں اور زیادہ اضافہ کا باعث ہے اور تمہاری نبوت کے انکار میں انہیں اور زیادہ بڑھا رہا ہے۔ وہ کفر و ضلالت میں اور زیادہ بڑھ رہے ہیں، کیوں کہ جو آیت بھی نازل ہوتی ہے اس کا انکار کرتے ہیں اور یوں ان کے کفر میں اضافہ ہوتا ہے۔ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ: ان پر تم حزن نہ کرو، انبیا کی تکذیب ان کی عادت ہے۔ یہ نبی کریم ﷺ کو تسلی ہے۔ حزن سے منع نہیں کیا جا رہا۔[1] اس کے بعد ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق کرتے ہیں اور وہ مسلمان ہیں۔ وَالَّذِيْنَ هَادُوْا: اور یہود وَالصّٰبِـُٔوْنَ: یہ نصاریٰ کی ایک جماعت ہے، جو ستاروں کی پوجا کرتے تھے۔ وَالنَّصٰرٰى: اور نصاریٰ، یہ عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین ہیں۔

یہود کی بدعہدی

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا: ان مذکورین میں سے جو لوگ صحیح اور خالص طریقے سے ایمان لائے، اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور نیک اعمال کیے، جو قربت الٰہی کا سبب ہے۔

فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ: ان پر قیامت کی جو ہولناکیاں گزریں گی ان کے بارے میں انہیں کوئی خوف نہیں ہوگا اور انہوں نے دنیا میں جو کچھ پیچھے چھوڑا ثواب جزیل کو دیکھنے کے بعد غمزدہ نہیں ہوں گے۔[2] ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: مقصد یہ ہے کہ ہر وہ فرقہ جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور نیک اعمال کرے، ایسا ممکن نہیں مگر جبھی کہ اعمال شریعت محمدیہ کے عین موافق ہوں۔ جو بھی ان عقائد و اعمال کو بجا لائے گا آئندہ پیش آنے والے احوال سے خوفزدہ نہیں ہوگا اور جو کچھ اپنے پیچھے چھوڑ آیا ہے، اس پر اسے حزن نہیں ہوگا۔[3]

لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ: ہم نے یہود سے پختہ عہد لیا کہ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائیں گے۔ بحر میں ہے: اس چیز کا صدور اسلاف یہود سے ہوا۔ چنانچہ انہوں نے جرائم کا ارتکاب کیا، انبیا کی تکذیب کی اور ان میں سے بعض کو قتل کیا۔ موجودہ یہود اپنے اسلاف کے پیروکار اور اخلاف ہیں، یہ بھی رسول اللہ ﷺ کو اذیت پہنچانے اور آپ کی نافرمانی میں پیش پیش ہیں، محض انہیں اپنے اسلاف کی سزا نہیں دی جا رہی۔ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا: اور ہم نے ان کی طرف راہنمائی کے لیے پیغمبر بھیجے جو ان سے امور دین بیان کرتے ہیں۔

كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ: جب اللہ کے ان بھیجے ہوئے پیغمبروں میں سے کوئی پیغمبر آتا جو ان کی خواہشات کے خلاف تعلیمات لاتا۔ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ: یہ ان پیغمبروں کی ایک جماعت کی تکذیب کرتے اور ایک جماعت کو قتل کر دیتے۔ بیضاوی کہتے ہیں: ماضی کو مضارع سے استحضار کے واسطے بیان کیا گیا ہے اور اس پر تنبیہ کی گئی ہے کہ ان کا طرز عمل ماضی میں رہا، مستقبل میں بھی رہے گا اور ان آیات کے نزول کے وقت بھی ہے۔[4] وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ: اور بنی اسرائیل کا گمان ہے کہ انہوں نے جو انبیا کا قتل کیا ہے اور تکذیب کی ہے اس کے بدلے میں کسی قسم کی بلا و آزمائش اور عذاب کا سامنا نہیں کرنا ہوگا۔

فَعَمُوْا وَصَمُّوْا: انہوں نے گمراہی اور فساد میں انتہا کر دی ہے، ہدایت سے اندھے ہو چکے ہیں اور حق بات سننے سے بہرے ہیں۔ آیت میں یہود کو اندھے اور بہرے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ کیوں کہ اندھا بھی بینائی نہ ہونے کی وجہ سے راستے کو نہیں دیکھ سکتا اور بہرہ سن نہیں سکتا۔

ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ: قرطبی کہتے ہیں: کلام میں اضمار ہے۔ تقدیری عبارت یوں ہے: اوقعت بهم الفتنة فتابوا فتاب الله عليهم یعنی جب ان پر آزمائش آن پڑی تو انہوں نے اللہ کی طرف رجوع کیا اور توبہ کی، اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی۔[5]

ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ: پھر ان میں سے کثیر اندھے ہو گئے اور بہرے ہو گئے جب کہ حق واضح ہو چکا تھا۔ اس میں بھی تشبیہ ہے۔

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ: اللہ ان کے اعمال سے بخوبی آگاہ ہے۔ یہ وعید اور تہدید ہے۔

---

[1] القرطبی ۶/۲۴۵ [2] الطبری ۱۰/۴۷۶ [3] مختصر ابن کثیر ۱/۵۳۵ [4] البیضاوی، ص ۱۵۷ [5] القرطبی ۶/۲۴۸

نصاریٰ کے عقائد کا بیان

اس کے بعد گمراہ نصاریٰ کے عقائد بیان کیے گئے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ: ابومسعود کہتے ہیں: یہاں سے نصاریٰ کے قبائح، غلط عقائد اور نظریات بیان کیے جارہے ہیں۔ اس سے پہلے یہود کے قبائح اور غلط نظریات بیان کیے گئے۔ چنانچہ نصاریٰ کا ایک فرقہ کہتا ہے کہ مریم نے الٰہ کو جنم دیا ہے۔ اس عقیدے کا قائل یعقوبیہ فرقہ ہے۔ ان کا یہ بھی خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ ذات عیسیٰ میں بھی حلول کر گیا ہے اور دونوں کا ذاتی اتحاد ہو گیا ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ حلول واتحاد سے پاک اور بالاتر ہے۔[1] وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ: یعنی میں تمہاری طرح بندہ ہوں، میرے خالق کی عبادت کرو، وہ تمہارا بھی خالق ہے، جس کے آگے ہر چیز سرتسلیم خم ہے۔ ابن کثیر کہتے ہیں: مسیح علیہ السلام نے صغر سنی میں پہلی بات جو کہی وہ یہ کہی: اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ یعنی میں اللہ کا بندہ ہوں، مجھے کتاب عطا کی ہے اور نبی بنایا ہے۔ قرطبی کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے زبردست حجت قاطعہ کے ساتھ نصاریٰ پر رد کیا ہے اور فرمایا: وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ: جب مسیح علیہ السلام کہہ رہے ہیں رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ: پتہ چلا کہ مسیح اور رب میں تغایر ہے، جنسی اتحاد نہیں، ورنہ اپنے آپ کو رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ: کہنے کا کیا معنی۔ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ: جس نے غیر اللہ کے معبود ہونے کا عقیدہ رکھا، وہ کبھی بھی جنت میں داخل نہیں ہوں گا۔ کیوں کہ جنت موحدین کا ٹھکانا ہے، مشرکین کا نہیں۔ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ: اس کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے۔ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ: ظالموں کا کوئی مددگار اور عذاب سے چھڑانے والا نہیں ہوگا۔

عقیدہ تثلیث کا ابطال

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ: یعنی اللہ تین معبودان میں سے ایک ہے۔ اس عقیدہ کے قائل دو فرقے نسطوریہ اور ملکانیہ ہیں۔ وہ کہتے ہیں: معبودیت اللہ، عیسیٰ اور مریم میں مشترک ہے۔ ان میں سے ہر ایک معبود ہے۔ اسی لیے ان کا قول مشہور ہوا۔ باپ بیٹا اور روح القدس۔[2] وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ: حالاں کہ وجود میں صرف ایک ہی معبود ہے جو وحدانیت کے ساتھ متصف ہے۔ مثال و نظیر سے پاک اور بالاتر ہے۔ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ: اگر نصاریٰ تثلیث کے عقیدے سے باز نہ آئے۔ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ: یعنی انہیں دنیا اور آخرت میں عذاب ملے گا۔ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ: استفہام برائے توبیخ ہے۔ یعنی کیا یہ لوگ ان بے ہودہ عقائد اور باطل نظریات سے باز نہیں آتے۔ اتحاد اور حلول کے عقیدہ سے استغفار نہیں کرتے؟ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ: اللہ ان کی مغفرت کرے گا اور ان پر رحم فرمائے گا بشرطیکہ توبہ کرلیں۔ بیضاوی کہتے ہیں۔ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ: استفہام جس میں تعجب ہے کہ یہ لوگ کفر پر برابر ڈٹے ہوئے ہیں۔

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ: مسیح تو اور پیغمبروں کی طرح ایک پیغمبر ہیں۔ اللہ نے انہیں بعض معجزات کے ساتھ مخصوص کیا ہے تاکہ ان کے صدق کا اظہار کر دے۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے مردوں کا زندہ ہونا ایسا ہی ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں عصا زندہ ہو جاتا اور پھر اس کا سانپ بن جانا اور زیادہ باعث تعجب ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام اگر بن باپ کے پیدا ہوئے تو آدم علیہ السلام ماں باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے، ان کی پیدائش تو نہایت تعجب کی بات ہے۔ بلکہ یہ سب کچھ رب تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام رب تعالیٰ کے شئون و افعال کے مظاہر ہیں۔ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ: ان کی ماں صدق (سچائی) میں بڑھی ہوئی تھیں۔ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ: یہ دونوں اور مخلوق کی طرح گوشت پوست اور ہاڑ گوڑ کے انسان تھے۔ وہ دونوں مخلوق کی طرح کھاتے پیتے تھے۔ آیت میں لطیف اشارہ ہے کہ جو کھاتا پیتا ہے اسے لامحالہ قضائے حاجت کی ضرورت پیش آتی ہے جس کی یہ حالت ہو وہ کیوں کر معبود ہو سکتا ہے یا اُسے کیسے معبود کہا جاسکتا ہے۔ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ: ان لوگوں کے حال پر تعجب کیا جارہا ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ یعنی دیکھو ہم اہل کتاب کے اعتقادات کے بطلان پر کیسی واضح

---

[1] ابوالسعود ۲/۴۹ [2] القرطبی ۶/۲۴۹ نصاریٰ کہتے ہیں۔ مسیح اور مریم دو الٰہ ہیں اور اللہ کے ساتھ ہیں۔ اس طرح ثالث ثلاثہ ہیں۔ بحر میں ہے کہ تینوں جوہر واحدہ ہیں۔ تین اقالیم باپ، بیٹا اور روح القدس یہ تینوں الٰہ واحد ہیں۔

آیات بیان کرتے ہیں۔ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰی یُؤْفَكُوْنَ: اس بیان کے بعد انہیں حق بات سننے، سمجھنے اور اس میں غور و فکر کرنے سے کیسے پھیرا جاتا ہے، حالاں کہ یہ بیان اظہر من الشمس ہے۔ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا: اے محمد! کہہ دیجیے کیا تم اپنی عبادات کا رخ ان کی طرح کیے ہو، جو نفع اور نقصان پر قدرت نہیں رکھتے۔ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ: اللہ تمہارے اقوال کو سنتا ہے اور تمہارے افعال کو جانتا ہے۔ آیت اس امر کو متضمن ہے کہ اہل کتاب ان کی عبادت کرتے ہیں جو عاجز ہیں، کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی نقصان۔

نصاریٰ کا غلو فی الدین

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ غَیْرَ الْحَقِّ: اے یہود و نصاریٰ کی جماعت! اپنے دین میں حد سے تجاوز نہ کرو اور اپنے اسلاف کی طرح افراط کے شکار نہ ہو اور تم عیسیٰ کے متعلق یہ نہ کہو کہ وہ معبود ہیں یا خدا کے بیٹے ہیں۔ قرطبی کہتے ہیں: یہود کا غلو عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ ہے کہ وہ کہتے تھے: عیسیٰ ولد زنا ہے (العیاذ باللہ) اور نصاریٰ کا غلو یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا ہے۔[1]

وَلَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ: اپنے اسلاف اور ائمہ جو گمراہی پر ہیں کے پیچھے مت چلو، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آئے اور گمراہ ہوئے۔ وَاَضَلُّوْا كَثِیْرًا: اور مخلوق میں سے کثیر تعداد کو گمراہ کر گئے۔ وَضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ: واضح راستے سے ہٹ گئے۔ قرطبی کہتے ہیں: ضلو میں تکرار لایا گیا ہے۔ جس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ وہ قرآن کے نزول سے پہلے بھی گمراہ تھے اور اس کے بعد بھی۔ اسلاف سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کا راستہ رائج کیا اور اسی راستے پر گامزن رہے۔ یہود و نصاریٰ کے رؤسا تھے۔[2]

یہود پر حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی لعنت

لُعِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ: اللہ نے زبور میں انہیں لعنتی قرار دیا اور انجیل میں بھی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ہر ایک کی زبان سے اسے ملعون قرار دیا گیا۔ موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں تورات میں ملعون ٹھہرے۔ داؤد علیہ السلام کے عہد میں زبور میں ملعون ٹھہرے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے عہد میں انجیل میں ملعون ٹھہرے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قرآن میں ملعون ٹھہرے۔[3] مفسرین کہتے ہیں: جب یہود نے ہفتہ کے دن کے متعلق حد سے تجاوز کیا تو انہیں داؤد علیہ السلام نے بددعا دی تو اللہ نے انہیں بندروں میں مسخ کر دیا اور جب اصحاب مائدہ نے عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا تو عیسیٰ علیہ السلام نے بددعا کی تو وہ خنازیر میں مسخ کر دیے گئے۔ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا یَعْتَدُوْنَ: ان پر لعنت ان کی معصیت اور حد سے تجاوز کرنے کی وجہ سے ہوئی۔ اس کے بعد اللہ نے یہود کا شنیع حال بیان کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: كَانُوْا لَا یَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ: وہ جو برے افعال کرتے تھے، ان سے ایک دوسرے کو نہیں روکتے تھے۔ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ: جو افعال وہ کرتے ہیں، بہت برے ہیں۔ زمخشری کہتے ہیں: آیت میں ان کے برے افعال پر تعجب کیا گیا ہے اور تعجب کو قسم کے ساتھ مؤکد کیا گیا ہے۔ ان مسلمانوں پر افسوس ہے جو برے اعمال سے باز نہیں آتے۔ گویا اسلام سے ان کا کوئی تعلق ہی نہیں۔ حالاں کہ وہ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔[4] بحر میں: یہ اس لیے چوں کہ وہ اعلانیہ بُرے اعمال کرتے تھے اور باز نہیں آتے تھے۔ معصیت اگر کی بھی جائے تو اس پر پردہ کیا جائے۔ کیوں کہ حدیث ہے کہ تم میں سے جو شخص ان برائیوں میں سے کسی برائی میں مبتلا ہو جائے تو اس پر پردہ کیا جائے۔ تاہم جب برائی سرعام کی جائے اور لوگوں کو اس کی موافقت کی دعوت دی جائے تو اس برائی پر یہ ابھارتا ہے اور اس کے پھیلانے اور اضافے کا باعث ہے۔[5] تَرٰی كَثِیْرًا مِّنْهُمْ یَتَوَلَّوْنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا: تم بہت سارے یہود کو دیکھو گے کہ وہ مشرکین سے دوستی رکھتے ہیں اور ایسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین کے بغض کی وجہ سے کرتے ہیں۔ مراد کعب بن اشرف اور اس کے ساتھی ہیں۔ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ: انہوں نے آخرت کے لیے جو بھیج رکھا ہے وہ بہت برا ہے۔

اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ: یہ جملہ مخصوص بالذم ہے۔ یعنی انہوں نے آخرت کے لیے جو اللہ کا غضب بھیج رکھا ہے، بہت برا ہے۔

---

[1] القرطبی ۶/ ۲۵۲ [2] القرطبی ۶/ ۲۵۲ [3] البحر ۳/ ۵۳۹ [4] الکشاف ۱/ ۵۱۹ [5] البحر ۳/ ۵۴۰

وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ: اور وہ دوزخ کے عذاب میں ابد الآباد داخل رہیں گے۔ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ: اگر یہ یہود اللہ اور اپنے نبی کی تصدیق کرتے اور ان کے پاس جو کتاب آئی ہے اس کی تصدیق کرتے تو مشرکین کو اپنے دوست نہ بناتے۔ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ: لیکن ان میں سے اکثر ایمان اور طاعت خداوندی سے نکلے ہوئے ہیں۔ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا: لام برائے قسم ہے۔ اے محمد! قسم سے تم یہود اور مشرکین کو لوگوں میں سب سے زیادہ مسلمانوں سے عداوت رکھنے والا پاؤ گے۔ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى: یہ آیت نجاشی کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو کہ ملک حبشہ کا بادشاہ تھا۔ اس میں اس کے ساتھی بھی شامل ہیں۔ علامہ زمخشری کہتے ہیں: اللہ نے یہود کے شدید تکبر اور حق کے قبول نہ کرنے کو بیان کیا ہے اور نصاریٰ کی نرم خوئی کو بیان کیا ہے اور ان کے اسلام کی قریب ہونے کو بیان کیا ہے۔ یہود کو مؤمنین کے ساتھ شدید عداوت رکھنے میں مشرکین کے ہم نفس قرار دی ہے بلکہ مؤمنین سے ان کی عداوت مشرکین سے بھی بڑھی ہوئی ہے۔[1] ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا: نصاریٰ کے قرب محبت ومودت کی علت بیان کی جارہی ہے۔ یعنی ان کی مودت کے زیادہ قریب ہونے کا سبب یہ ہے کہ ان میں علما اور عبادت گزار لوگ موجود ہیں۔ وَاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ: وہ عاجزی اور انکساری کی صفت حمیدہ سے متصف ہیں اور یہود کی طرح تکبر نہیں کرتے۔ بیضاوی کہتے ہیں: آیت میں اس بات پر دلیل ہے کہ تواضع، علم وعمل کی طرف متوجہ رہنے اور شہوت سے اعرض قابل ستائش صفات ہیں، اگرچہ کسی کافر ہی میں کیوں نہ ہوں۔[2]

بلاغت: ...... لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ: اس تعبیر میں زبردست تحقیر ہے۔ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ: امر دعوت میں نرمی کا رویہ اختیار کرنے کی غرض سے اسم جلیل کی اضافت کی گئی ہے۔ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ: علیہم نہیں کہا بلکہ مقام ضمیر میں اسم ظاہر لایا گیا ہے تاکہ ان کا رسوخ فی الکفر عیاں ہوجائے۔ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ: ماضی کی جگہ مضارع کا صیغہ لایا گیا ہے استحضار کے لیے۔

فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ: اسم جلیل کو ضمیر کے مقام پر لایا گیا ہے۔ ایسا امر بیان کے مہتم بالشان ہونے کی وجہ سے کیا گیا ہے۔

عَمُوْا وَصَمُّوْا: میں استعارہ ہے، اندھے پن اور بہرے پن کا استعارہ ہے ہدایت وایمان سے اعراض کے واسطے۔

اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ، ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ: ابو مسعود کہتے ہیں: امر تکرار لایا گیا ہے اور ایسا تعجیب میں مبالغہ کے لیے کیا گیا ہے اور ثم کا لفظ تعجبین میں فرق واضح کرنے کے لیے لایا گیا۔ یعنی آیات کا بیان امر بدیع ہے اور نہایت درجے کا واضح ہے، ان کھلم کھلا آیات سے اعراض نہایت تعجب کا باعث ہے۔ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ: یہود کے برے اعمال کی تقبیح ہے۔

فائدہ: ...... قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا: کی تفسیر میں محققین کہتے ہیں کہ یہ حکم عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آیا ہے۔ بھلا اولیا کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے، آیا کہ وہ نفع ونقصان کے مالک ہوسکتے ہیں؟

تنبیہ: ...... ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: آیت کریمہ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ: اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مریم رضی اللہ عنہا نبیہ نہیں تھیں۔ جیسا کہ ابن حزم اور بعض دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ سارہ اور ام موسیٰ نبیہ تھیں۔ انہوں نے اس بات سے استدلال کیا ہے کہ فرشتوں نے سارہ سے خطاب کیا تھا اور مریم سے بھی۔ جمہور کا موقف یہ ہے کہ اللہ نے صرف مردوں کو نبی بنا کر بھیجا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ: کہ ہم نے تم سے پہلے صرف مردوں کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے۔ اشعری نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔[3]

(چھٹے پارہ کی تفسیر ختم ہوئی۔ والحمد للہ علی ذلک)

پارہ نمبر ۷ ......وَاِذَا سَمِعُوْا

الجزء ۷

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ
رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ
يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۸۶﴾ يٰٓاَيُّهَا (ع ۱۰)
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَكُلُوْا
مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ
اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ
مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ
اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾ يٰٓاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ
وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ
وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰي رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾ لَيْسَ عَلَي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ
اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ (ع ۱۲)
تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰي بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ
مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ
عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ۭ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ۭ وَاللّٰهُ
عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ

مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٩٦﴾

ترجمہ:......اور جب انہوں نے اس چیز کو سنا جو نازل کی گئی رسول کی طرف تو تو دیکھے گا کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہہ رہی ہیں اس وجہ سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا، وہ یہ کہہ رہے تھے کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے سو آپ ہمیں ان لوگوں کے ساتھ لکھ دیجیے جو تصدیق کرنے والے ہیں ﴿٨٣﴾ اور ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور حق پر ایمان نہ لائیں جو ہمارے پاس آ گیا اور ہم اس بات کی کہ امید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ داخل فرمائے گا۔ ﴿٨٤﴾ سو اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کی وجہ سے ایسے باغ ثواب میں دے دیئے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اور یہ اچھے کام کرنے والوں کا بدلہ ہے ﴿٨٥﴾ اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا یہ لوگ دوزخ والے ہیں۔ ﴿٨٦﴾ اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں کو حرام مت قرار دو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں، اور حد سے آگے نہ بڑھو، بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھ جانے والے کو پسند نہیں فرماتا، ﴿٨٧﴾ اور کھاؤ اس میں سے جو اللہ تعالیٰ نے تم کو حلال پاکیزہ رزق عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔ ﴿٨٨﴾ اللہ تعالیٰ ایسی قسموں پر تمہارا مؤاخذہ نہیں فرماتا جو لغو ہوں، لیکن وہ ایسی قسموں پر مؤاخذہ فرماتا ہے جن کو تم باندھ دو، سو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا دینا ہے جو اس کھانے کا درمیانہ ہو جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑا پہنا دینا ہے یا ایک غلام آزاد کرنا ہے سو جو شخص نہ پائے تو تین دن کے روزے ہیں، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسمیں کھاؤ اور تم اپنی قسموں کی حفاظت کرو اسی طرح اللہ بیان فرماتا ہے تا کہ تم شکر کرو۔ ﴿٨٩﴾ اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت اور جوئے کے تیر گندی چیزیں ہیں شیطان کے کاموں میں سے ہیں لہٰذا تم ان سے بچو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ ﴿٩٠﴾ شیطان یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے آپس میں دشمنی اور بغض واقع کر دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے سو کیا تم باز آنے والے ہو ﴿٩١﴾ اور فرمانبرداری کرو اللہ کی اور فرمانبرداری کرو رسول کی، اور ڈرتے رہو، سو اگر تم نے روگردانی کی تو جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمہ واضح طور پر پہنچا دینا ہے۔ ﴿٩٢﴾ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان پر اس بارے میں کوئی گناہ نہیں کہ انہوں نے کھایا پیا جبکہ انہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور ایمان لائے اور نیک عمل کیے پھر تقویٰ اختیار کیا اور ایمان لائے پھر تقویٰ اختیار کیا اور نیک اعمال میں لگے اور اللہ اچھے عمل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ ﴿٩٣﴾ اے ایمان والو! اللہ تم کو قدرے شکار سے ضرور آزمائے گا تمہارے نیزے شکار کو پہنچیں گے اور ہاتھ۔ تا کہ اللہ جان لے کہ بن دیکھے اس سے کون ڈرتا ہے سو جس نے اس کے بعد زیادتی کی اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔ ﴿٩٤﴾ اے ایمان والو! شکار قتل نہ کرو اس حالت میں کہ تم احرام میں ہو، اور تم میں سے جو شخص شکار کو قصداً قتل کر دے تو اس کا بدلہ اس جانور کا جیسا ہو گا جس کو قتل کیا تم میں دو انصاف والے آدمی اس کا فیصلہ کریں گے اس طرح سے کہ وہ بدلہ والا جانور بطور ہدی کے کعبہ تک پہنچنے والا ہو۔ یا مسکینوں کو کفارہ کے طور پر کھانا دے دیا جائے یا اس کے برابر روزے رکھ لے تا کہ اپنے کیے کی سزا چکھ لے۔ اللہ نے معاف فرمایا جو پہلے گذر چکا ہے اور جو شخص پھر ایسی حرکت کرے گا تو اللہ اس سے انتقام لے گا اور اللہ زبردست ہے انتقام لینے والا، ﴿٩٥﴾ تمہارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کر دیا ہے جو تمہارے نفع کے لیے اور مسافروں کے واسطے ہے اور تم پر حرام کیا گیا خشکی کا شکار جب تک کہ تم احرام میں ہو اور اللہ سے ڈرو جس کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے۔ ﴿٩٦﴾

ماقبل سے ربط ومناسبت:......قبل ازیں اللہ تعالیٰ نے یہود ونصاریٰ کے احوال اور ان کے عقائد ونظریات ذکر کیے اب ان آیات میں یہ چیز ذکر کی جارہی ہے کہ یہود مسلمانوں سے سخت عداوت رکھتے ہیں، اسی لیے انہیں مشرکین کے ہم نفس قرار دیا گیا ہے۔ اسی اثنا میں یہ بات بھی ذکر کی گئی ہے کہ نصاریٰ یہود کی بہ نسبت مسلمانوں کے قریب ہیں اور مسلمانوں کے بارے میں قدرے نرم گوشہ رکھتے ہیں۔ اہل کتاب کے نظریات کے بعد دوبارہ احکام شرعیہ بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں سے کفارہ یمین، حرمت شراب، حرمتِ جوا، حالت احرام میں شکار کی حرمت ہیں۔

لغات:...... رِجْسٌ: زجاج کہتے ہیں: الرجس کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جس سے گھن کی جائے، خواہ وہ عمل ہو یا کوئی گندگی۔ گوبر اور پاخانے کو بھی رجس کہا جاتا ہے۔ الْجَحِيْمِ: سخت جلانے والی آگ۔ الصيد: شکار خواہ جانور ہو یا پرندہ صید کا اطلاق مصید پر بھی ہوتا ہے۔ یعنی

شکار کیا ہوا جانور۔ شاعر کہتا ہے:

صید الملوك ارانب وثعالیب　　واذا رکبت فصیدی الابطال

بادشاہوں کا شکار خرگوش اور لومڑیاں ہوتی ہیں، لیکن جب میں شکار کے لیے گھوڑے پر سوار ہوتا ہوں تو میرا شکار بڑے بڑے پہلوان ہوتے ہیں۔

شان نزول: الف: ...... ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ ایک شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! جب میں گوشت کھاتا ہوں تو میرے اندر عورتوں کی خواہش شدت پکڑ جاتی ہے اور میں افراط شہوت کا شکار ہو جاتا ہوں۔ اس لیے میں نے اپنے اوپر گوشت حرام کر دیا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ [1]

ب: ...... حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جس دن شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا، میں اس دن کچھ لوگوں کو ابوطلحہ کے گھر شراب پلا رہا تھا (ساقی بنا ہوا تھا) ان کی شراب فضیخ (شیرۂ انگور کی شراب)، بسر، تمر (کھجور کی شراب) ہوتی تھی۔ یکایک کسی منادی کو آواز لگاتے ہوئے سنا، وہ کہہ رہا تھا: شراب حرام کر دی گئی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے اس دن مدینہ کی گلیوں میں شراب بہا دی گئی۔ ابوطلحہ نے کہا: جاؤ اور شراب بہا دو۔ کچھ لوگوں نے یہ شبہ ظاہر کیا کہ جو لوگ قتل کر دیے گئے ہیں اس حال میں کہ ان کے پیٹوں میں شراب پڑی تھی، ان کا کیا بنے گا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾ [2]

تفسیر: وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ: ...... یہ لوگ جب قرآن سنتے ہیں جو اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے۔ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ: تم دیکھو گے کہ ان کی نرم دلی کی وجہ سے خوف خدا کے بارے میں ان کی آنکھیں بہہ پڑتی ہیں، ان کے دلوں پر کلام اللہ کا اثر ہو جاتا ہے۔ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ: یہ اس وجہ سے کہ وہ جانتے ہیں کہ یہ کلام اللہ ہے اور برحق ہے۔ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا: وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم تیرے نبی کی تصدیق کرتے ہیں اور تیری کتاب کی بھی تصدیق کرتے ہیں۔ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ: ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں شامل کر لے جو قیامت کے دن دوسری امم پر گواہی دے گی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: یہ آیات نجاشی اور اس کے اصحاب کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ چنانچہ جب حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے انہیں قرآن سنایا تو رو پڑے، حتیٰ کہ ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں۔ [3] وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ: بھلا کونسی چیز ہمیں ایمان سے روک سکتی ہے اور اتباع حق سے روک سکتی ہے۔ حق بات واضح ہو چکی ہے۔ جب یہود انہیں طعنے دیتے تو جواب میں یہ بات کہتے تھے، بحر میں ہے: آیت میں اس بات پر انکار ہے کہ یہود و نصاریٰ معرفت حق کے باوجود ایمان کی نفی کر رہے ہیں۔ [4] وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ: حال یہ ہے ہم طمع کرتے ہیں کہ ہمارا رب ہمیں جنت میں داخل کرے اور اپنے نیکوکار بندوں کی صحبت میں رکھے۔ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا: اللہ انہیں ایمان، تصدیق اور اعتراف حق پر بدلہ عطا فرمائے گا۔ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا: ان بہشتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، ان سے نکلیں گے نہیں اور یہ نعمت دائمی ہوگی۔ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ: یہ نیکوکاروں کے حسن عمل اور حسن نیت کا ثواب اور اجر ہے۔

اشقیا کے احوال

اس کے بعد اللہ نے اشقیا کے احوال کی خبر دی ہے۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ: جن لوگوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کیا، یہ لوگ اہل دوزخ ہیں۔ انہیں دوزخ میں عذاب دیا جائے گا۔ ابو مسعود کہتے ہیں: اشقیا کو تصدیق کنندگان کے مقابلے میں ذکر کیا ہے تاکہ ترغیب کے ساتھ ساتھ ترہیب بھی ہو جائے۔ [5] يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ: طبری نے عکرمہ سے روایت نقل کی ہے کہ اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کچھ لوگوں نے اپنے آپ کو خصی کرنے اور گوشت ترک کرنے کا ارادہ کیا اس پر یہ

---

[1] اسباب النزول ۱۱۷ والقرطبی ۶/ ۲۶۰ [2] القرطبی ۶/ ۲۹۳ واسباب النزول ۱۲۰ [3] ابن کثیر ۱/ ۵۳۹ [4] البحر ۴/ ۶ [5] ابوالسعود ۲/ ۵۵

آیت نازل ہوئی۔ یعنی اپنے آپ کو ان لذات سے محروم نہ کرو اور از روئے تقشّف یہ نہ کہو کہ یہ چیزیں ہم نے اپنے اوپر حرام کر دی ہیں۔ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ : اللہ نے جو حدود مقرر کر رکھی ہیں انہیں تجاوز مت کرو اور افراط و تفریط کا شکار نہ بنو۔ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَیِّبًا : وہ چیزیں کھاؤ جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر رکھی ہیں اور جو چیزیں پاک ہیں۔ تسہیل میں ہے: کھانے کی حلال چیزوں اور حلال عورتوں سے نفع اٹھاؤ۔ صرف کھانے کی چیزوں کو مخصوص کیا گیا ہے کیوں کہ کھانے کی اشیا انسان کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔[1] وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ : نہایت لطف کے ساتھ تقویٰ اختیار کرنے کی استدعا کی جا رہی ہے۔ گویا اللہ یوں فرما رہا ہے کہ اللہ کی طاعت میں کوتاہی کر کے ایمان ضائع مت کرو کہیں تمہارے لیے عظیم حسرت نہ بن جائے۔ کیوں کہ ایمان باللہ موجب ہے تقویٰ کا۔

لَا یُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِكُمْ : ......قصد حلف کے بغیر ہی بے ساختہ طور پر تم سے جو سبقت لسانی ہو جاتی ہے اس پر اللہ تمہارا مواخذہ نہیں کرے گا جیسے مثلاً یوں کہہ دیا۔ لا واللہ، بلیٰ واللہ یا قسم سے وغیرہ۔ وَلٰكِنْ یُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ : لیکن اس قسم پر تمہارا مواخذہ کرے گا جو تم قصد اور نیت کے ساتھ پختہ طور پر قسم اٹھاؤ اور پھر اس قسم کو توڑ دو۔ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِیْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِیْكُمْ : حانث ہو جانے پر قسم کا کفارہ یہ ہے کہ درمیانی قسم کا کھانا جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، اس جیسا دس مسکینوں کو کھلاؤ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: یعنی درمیانی قسم کا کھانا ہو جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: درمیانی قسم کا کھانا، روٹی اور کھجور، روٹی اور کشمش ہے۔ عمدہ کھانا جو ہم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہیں وہ روٹی اور گوشت ہے۔[2] اَوْ كِسْوَتُهُمْ : یا مسکینوں کو کپڑے پہنائے جائیں۔ ہر مسکین کو اتنا کپڑا دیا جائے جس سے اس کا بدن ڈھک جائے۔ اَوْ تَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ : یا مملوک غلام کو رضائے الٰہی کی خاطر آزاد کرنا ہے۔ بحر میں ہے: علما کا اس پر اجماع ہے کہ حانث کو کھانا کھلانے، کپڑے پہنانے اور غلام آزاد کرنے میں اختیار ہے۔[3] فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ : یعنی جو شخص اوپر مذکورہ امور میں سے کچھ نہ پائے تو وہ تین دن روزے رکھے۔[4]

قسم کا کفارہ

ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَیْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ : ......یہ قسم کا شرعی کفارہ ہے جو قسم توڑنے کی صورت میں لازم ہوتا ہے۔ وَاحْفَظُوْٓا اَیْمَانَكُمْ : اپنی قسموں کی حفاظت کرو اور صرف ضرورت کے وقت قسم اٹھاؤ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: یعنی قسم نہ اٹھاؤ۔ ابن جریر کہتے ہیں: جو قسمیں توڑ دو تو اس کا کفارہ ضرور دو۔ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ : جیسے یہاں اللہ نے مسئلہ واضح کر دیا ہے۔ اسی طرح اللہ شرعی احکام کھول کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ تم اس کا شکر ادا کرو۔

جوے اور شراب کی حرمت

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ : ......ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: خمر سے مراد نشہ آور شرابیں ہیں۔ میسر، جوا جاہلیت میں جوئے کا عام رواج تھا۔ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ : اور وہ بت جو عبادت کے لیے نصب کیے گئے ہیں اور تیر جو بیت اللہ کے دربانوں اور بتوں کے خدام کے پاس رکھے ہوتے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: انصاب ایک پتھر ہے، جس کے پاس مشرکین قربانی کے جانور ذبح کرتے تھے اور ازلام ایسے تیر ہیں جن سے قسمت کا حال معلوم کرتے تھے۔ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ : یہ سب چیزیں نجس اور گندگی ہیں، جن سے عقل سلیم دور بھاگتی ہے۔ یہ ساری چیزیں خبائث ہیں، جنہیں شیطان نے مزین کر رکھا ہے۔ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ : ان کو چھوڑ دو اور ان سے نہایت دوری پر رہو، کیوں کہ یہ گندگیاں ہیں تاکہ تم ثواب عظیم لے کر کامیاب ہو جاؤ۔ کیوں کہ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ : شیطان ان رزائل کے ذریعے صرف مؤمنین کے درمیان بغض و عداوت ڈالنا چاہتا ہے تاکہ مؤمنین شراب پی کر اور جوا کھیل کر ایک

---

[1] التسہیل، ص ۱۸۶ [2] ابن کثیر ۱/ ۵۴۳ [3] البحر ۴/ ۱۱ [4] احناف اور حنابلہ نے شرط لگائی ہے کہ روزے لگاتار رکھے جائیں۔ امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک تسلسل شرط نہیں۔

دوسرے کے دشمن ہوجائیں۔ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ: شراب اور جوئے کے ذریعے تمہیں ذکر اللہ سے روکنا چاہتا ہے، جس میں تمہاری دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے اور تمہیں نماز سے روکنا چاہتا ہے جو کہ تمہارے دین کا ستون ہے۔ ابوحیان کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے میں دو مفاسد ذکر کیے ہیں۔ ایک دنیوی ہے اور دوسرا دینی۔ دنیوی مفسدہ یہ ہے کہ شراب، شر اور کینے کا باعث ہے اور پینے والوں کو قطع تعلقی تک پہنچا دیتا ہے۔ رہی بات جوئے کی سو جوئے باز لگاتار جوا کھیلتا رہتا ہے، یہاں تک کہ تہی دست رہ جاتا ہے اور اس کے پاس کوئی چیز نہیں ہوتی۔ نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ بیوی بچے پر بھی جوا کھیلا جاتا ہے۔ رہی بات دینی مفسدہ کی سو شراب سرور اور مستی لاتا ہے جس کی وجہ سے پینے والا ذکر اللہ اور نماز سے غافل ہوجاتا ہے جبکہ جوئے کی صورت میں جواری خواہ غالب ہو یا مغلوب ہر حال میں ذکر اللہ سے غافل رہتا ہے۔ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ: صیغہ استفہام کا ہے اور امر کے معنی میں ہے۔ تب ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا تھا۔ انتهينا ربنا انتهينا: اے ہمارے رب، ہم باز آئے۔ بحر میں ہے۔ یہ استفہام نہی میں زیادہ بلیغ ہے۔ گویا یوں کہا جا رہا ہے تمہیں مفاسد بتلا دیے گئے ہیں جو باز آجانے کے موجب ہیں۔ کیا تم باز آتے ہو یا پھر ان مفاسد پر باقی رہتے ہو۔ [1] وَاَطِيْعُوا اللهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا: اللہ کا حکم مانو، رسول کا حکم مانو اور مخالفت مت کرو مخالفت سے ڈرو۔ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ: اگر تم روگردانی کرو، اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر عمل نہ کرو۔ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ: پیغمبر کے ذمے تمہاری ہدایت نہیں بلکہ ان کے ذمے تو تبلیغ رسالت ہے۔ تمہیں بدلہ دینا ہمارے ذمے ہے۔ طبری کہتے ہیں: آیت میں اس شخص کے لیے اللہ کی وعید ہے جو اللہ کے حکم سے روگردانی کرے۔ اللہ تعالیٰ کہتا ہے: اگر تم نے میرے حکم سے روگردانی کی اور نہی سے اعراض کیا تو میرے عتاب میں مبتلا ہوجاؤ گے۔ میرے غصے اور غضب سے ڈرو۔ [2] ابوحیان کہتے ہیں: آیت میں ایسی بالغ وعید ہے جس میں کوئی خفا نہیں کیوں کہ تمہیں عذاب دینے کی ذمہ داری مرسل کی ہے رسول کی نہیں۔ [3]

شراب سے متعلق ایک سوال کا جواب

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا: ...... ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: جب حرمت شراب کی آیت نازل ہوئی تو لوگ کہنے لگے: ان مُردوں کا کیا حال ہوگا جو شراب پیتے مر گئے اور جوئے کی کمائی کھاتے کھاتے مر گئے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: گناہ اور مذمت فعل معاصی سے تعلق رکھتی ہے اور جو لوگ مر چکے وہ عاصی (گناہ گار) نہیں تھے۔ اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ: اگر لوگ محرمات سے بچیں تو ان پر کھانے پینے کی اشیا میں کوئی حرج نہیں۔ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا: حرام کردہ چیز سے بچو اور اس کی حرمت پر ایمان رکھو۔ ایمان اور اعمال پر ثابت قدمی دکھاؤ۔ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا: اور پھر تقویٰ پر قائم رہو۔ محارم سے اجتناب کرو، اعمال حسنہ جو تقرب الی اللہ کا باعث ہو کو کرتے رہو۔ وَاللهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ: جو لوگ اعمال صالحہ کرتے ہوں اور اللہ کے مقرب ہوں، اللہ انہیں پسند کرتا ہے۔

تقویٰ کے تین مراتب

تسہیل میں ہے، آیت میں تقویٰ کا تکرار ہے، اس تکرار میں یہ راز بتایا گیا ہے کہ تقویٰ کے تین مراتب ہیں ''اول'' تقویٰ شرک، یعنی شرک سے دور رہا جائے۔ دوم تقویٰ معاصی، یعنی گناہوں سے بچا جائے۔ سوم ان چیزوں سے بچا جائے جن میں کوئی حرج نہیں تا کہ وہ چیزیں حرج والی چیزوں کا سبب نہ بنیں۔ [4]

حالت حرام میں شکار کی ممانعت اور سزا

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ: ...... جب تم نے حج یا عمرہ کا احرام باندھا ہو، اسی حالت میں اللہ تمہیں آزمائے گا جس کی صورت یہ ہے کہ تمہارے سامنے شکار آجائے اور چھوٹے شکار کو تم ہاتھوں سے پکڑنا چاہو اور بڑے شکار کو تیروں سے مارنا

---

[1] البحر المحیط ۴/۱۵ [2] الطبری ۱۰/۵۷۵ [3] البحر ۴/۱۵ [4] التسہیل لعلوم التنزیل ۱/۸۷

چاہو۔ بیضاوی کہتے ہیں: یہ آیت صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو آزمائش میں ڈلا۔ چنانچہ شکاری جانور خیموں کے اردگرد ہجوم بنا لیتے، اگر چاہتے تو ہاتھوں سے پکڑ سکتے اور تیروں سے مار سکتے، لیکن تھے احرام کی حالت میں۔ [۱]

بحر میں ہے: عرب جو شکار پکڑتے ہیں اور اس سے لذت حاصل کرتے ہیں، اس شکار میں اچھی خصلتیں اور خوبصورت اوصاف ہیں۔ [۲]

لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ: تا کہ غیب میں اللہ سے ڈرنے والا، نہ ڈرنے والے سے ممتاز ہو جائے۔ کیوں کہ ڈرنے والے کا ایمان قوی ہوتا ہے اور نہ ڈرنے والے کا ایمان کمزور ہوتا ہے۔ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ: اس اعلان اور ڈرسنانے کے بعد جو شخص شکار سے تعرض کرے گا اسے سخت اور دردناک عذاب پہنچے گا۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ: شکاری جانور کو قتل نہ کرو، اس حال میں کہ تم نے حج یا عمرہ کا احرام باندھا ہو۔ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ: جس شخص نے حالت احرام میں شکار قتل کیا تو اس پر ایسی جزا ہے جو مقتول شکار کے مماثل ہو۔ جزا کا اطلاق اونٹ، گائے اور بکری پر ہوگا۔ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ: شکار کیے گئے جانور کی مثل کا فیصلہ دو عادل مسلمان کریں جو حکم کی حیثیت رکھتے ہوں۔ هَدْيًاۢ بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ: اس حال میں کہ یہ جزا ہدی ہو جو ذبح کی جائے اور مسکینوں کو اس کا گوشت صدقہ کیا جائے۔ ہر مسکین کو ایک مد گوشت دیا جائے۔

اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ: اس پر اس طعام کے برابر یعنی ہر مد کے بدلہ میں ایک روزہ رکھنا واجب ہے تا کہ اس نے احرام کی جو بے حرمتی کی ہے کے وبال کا مزہ چکھے۔ تسہیل میں ہے: اللہ نے محرم کے کیے شکار پر وہ امور ذکر کیے جو اس کے بدلے میں واجب ہوتے ہیں۔ پہلے نمبر پر جزا کا ذکر ہوا جو چوپایوں کی صورت میں ہے۔ پھر دوسرے نمبر پر طعام کا ذکر کیا، پھر تیسرے نمبر پر صیام یعنی روزے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور کا مذہب ہے شکار کرنے والے محرم کو تین امور میں اختیار ہے جو چاہے، بجالائے۔ حرفِ اَوْ سے عطف اسی کا مقتضی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حکم بالترتیب ہے۔ [۳]

عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ: یعنی جنہوں نے تحریم سے پہلے حالت احرام میں شکار کیا وہ معاف ہے۔ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ: جس نے اس حکم کے بعد شکار قتل کیا اس حال میں کہ وہ محرم ہو اللہ آخرت میں اس سے بدلہ لے گا۔

حالتِ احرام میں دریا کے شکار کی اجازت

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ: ...... اے لوگو! تمہارے لیے سمندر کا شکار حلال کر دیا گیا ہے برابر ہے کہ تم حالت احرام میں ہو یا نہ ہو۔

وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ: سمندر کا شکار جو کھایا جائے جیسے مچھلی وغیرہ اس میں تمہاری منفعت، خوراک اور مسافروں کا توشہ ہے۔

وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا: تمہارے اوپر خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے جب تک حالت احرام میں رہو۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ: اس اللہ سے ڈرو جس کی طرف تمہیں روزِ قیامت اٹھایا جائے گا اور وہ اعمال پر تمہیں جزا یا سزا دے گا۔

بلاغت: ...... تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ: میں استعارہ ہے۔ الفیض کا معنی ہے کسی چیز کا لبالب ہو جانے کی وجہ سے بہہ پڑنا۔ مبالغہ کے طور پر شدت بکا کی وجہ سے آنسو بہانے کے لیے استعارہ ہے۔ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ: مجاز مرسل ہے، جزو کا اطلاق کیا گیا ہے اور کل مراد ہے۔ گردن آزاد کرنی سے مراد پورا انسان آزاد کرنا ہے۔ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ: استفہام سے مراد امر ہے۔ یہ نہی میں زیادہ بلیغ ہے۔ ابو مسعود کہتے ہیں: شراب، جوئے کی تحریم اس آیت میں تاکید در تاکید کے ساتھ لائی گئی ہے۔ شروع میں ایک تاکید انما کے ساتھ لائی گئی، پھر شراب و جوئے کو اصنام و ازلام کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، پھر انہیں رجس اور شیطانی عمل قرار دیا گیا ہے، پھر ان سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے اور بچنے کو کامیابی کا سبب قرار دیا گیا ہے، پھر شراب نوشی اور جوئے بازی کے دنیوی اور دینی مفاسد بیان کیے گئے ہیں۔ پھر باز رہنے کے لیے، کلام میں تاکید مزید پیدا کرنے کے لیے صیغۂ استفہام لایا گیا۔ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ: یہ اس بات کی دلیل ہے کہ زجر و توبیخ میں معاملہ انتہا تک پہنچا ہوا ہے۔ [۴]

---

[۱] البیضاوی ص ۱۶۰ [۲] البحر ۴/ ۱۶ [۳] التسہیل ۱/ ۱۸۸ [۴] ابو السعود ۲/ ۵۶

فائدہ: ...... تحریم کی تعبیر فَاجْتَنِبُوْهُ سے کی گئی ہے۔ چنانچہ یہ تعبیر نہی اور تحریم میں حرم سے زیادہ بلیغ ہے۔ کیوں کہ اس کا معنی ہے کلی طور پر کسی چیز سے دور رہنا۔ اس کی مثال یہ ہے وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰی کیوں کہ جب فعل حرام کا قرب بھی حرام ہے تو اصل فعل بطریق اولی حرام در حرام ہوگا۔

تنبیہ: ...... قرآن کریم میں احکام شرعی کی تعلیل نہیں لائی گئی، ہاں البتہ ایجاز و اختصار کے ساتھ، جبکہ اس موقع پر یہاں شراب و جوئے کی حرمت کی تعلیل تفصیل سے ذکر کی گئی ہے۔ مثلاً مؤمنین میں بغض و عداوت کا پڑ جانا، اللہ کی راہ سے رک جانا، مؤمنین کا نماز سے غافل ہو جانا، شراب اور جوئے کا وصف رجس سے لانا، انہیں شیطانی عمل قرار دینا اور شیطان تو انسانوں کو اغوا کرنا چاہتا ہے۔ یہ سب امور شراب اور جوئے کے مضر اور زیادہ خطرناک ہونے کی خبر دیتے ہیں۔ قرآن عظیم کے اسرار و رموز میں غور کیا جائے۔[1]

کعبہ مکرمہ کی تعظیم

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ؕ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۹۷﴾ اِعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ؕ ﴿۹۸﴾ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ

ع ۱۳

[1] روائع البیان ۱ / ۵۶۲

فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ ۖ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

ترجمہ: ......کعبہ جو احترام والا گھر ہے اللہ نے اسے لوگوں کے قائم رہنے کا سبب قرار دیا ہے اور رحمت والے مہینے کو اور ہدی کے جانوروں کو اور ان کے گلے میں جو پٹے پڑے ہوئے ہوں ان سب کو لوگوں کے قائم رہنے کا ذریعہ بنایا ہے یہ اس لیے کہ تم جان لو کہ بلاشبہ اللہ جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بے شک اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔﴿۹۷﴾ تم جان لو! کہ بلاشبہ اللہ سخت عذاب والا ہے اور اللہ بلاشبہ بخشنے والا مہربان ہے﴿۹۸﴾ رسول اللہ ﷺ کے ذمے صرف پہنچانا ہے اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو۔﴿۹۹﴾ آپ فرما دیجیے کہ خبیث اور طیب برابر نہیں ہیں اگرچہ اے مخاطب! تجھے خبیث کی کثرت بھلی معلوم ہوتی ہو۔ سوائے عقل والو! اللہ سے ڈرو۔ تاکہ کامیاب ہو جاؤ۔﴿۱۰۰﴾ اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو ناگوار ہوں اور اگر تم ان کے بارے میں اس وقت سوال کرو گے جس وقت قرآن نازل ہو رہا ہو تو وہ تمہارے لیے ظاہر کر دی جائیں گی اللہ نے ان کے بارے میں معافی دے دی اور اللہ بخشنے والا اور حلم والا ہے﴿۱۰۱﴾ ایسی ہی باتیں تم سے پہلے بھی لوگ پوچھ چکے ہیں، پھر جلد ہی وہ ان کے منکر ہو گئے﴿۱۰۲﴾ اللہ نے مقرر نہیں فرمایا نہ کوئی بحیرہ اور نہ کوئی سائبہ اور نہ کوئی وصیلہ اور نہ کوئی حام، لیکن جن لوگوں نے کفر اختیار کیا وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور ان میں اکثر وہ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے﴿۱۰۳﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اور رسول کی طرف، تو کہتے ہیں کہ ہمیں وہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا کیا باپ دادوں کے پیچھے چلیں گے اگرچہ ان کے باپ دادے کچھ بھی نہ جانتے ہوں اور ہدایت پر نہ ہوں﴿۱۰۴﴾ اے ایمان والو! اپنی جانوں کی فکر کرو، جو شخص گمراہ ہوگا وہ تمہیں ضرر نہ دے گا جب کہ تم ہدایت پر ہو گے، بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانا ہے پھر وہ تم کو ان سب کاموں سے باخبر کر دے گا جو تم کیا کرتے تھے﴿۱۰۵﴾ اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے جب کہ وصیت کا وقت ہو تو دو وصی ہوں جو دیندار ہوں تم میں سے ہوں یا تمہارے علاوہ دوسری قوم سے ہوں اگر تم سفر میں گئے ہوئے ہو پھر تم کو موت کی مصیبت پہنچ جائے، اگر تمہیں شک ہو تو ان دونوں کو نماز کے بعد روک لو پھر وہ اللہ کی قسم کھائیں کہ ہم اپنی قسم کے عوض کوئی قیمت نہیں لیتے اگرچہ قرابت دار ہو اور ہم اللہ کی گواہی کو نہیں چھپاتے بلاشبہ ایسا کرنے کی صورت میں ہم گنہگاروں میں شامل ہو جائیں گے﴿۱۰۶﴾ پھر اگر اس کی اطلاع ملے کہ وہ دونوں گناہ کے مرتکب ہو گئے تو ان کی جگہ ایسے دو آدمی کھڑے ہوں جو ان لوگوں میں سے ہوں جن کے بارے میں پہلے دو شخصوں نے گناہ کا ارتکاب کیا، یہ بعد والے دو شخص وہ ہوں جو قریب تر ہوں سو یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی قسم کھائیں کہ واقعی ہماری گواہی ان دونوں کی گواہی کے مقابلے میں زیادہ درست ہے اور ہم نے تجاوز نہیں کیا اگر ہم ایسا کریں تو بیشک ہم ظلم کرنے والوں میں شمار ہوں گے﴿۱۰۷﴾ یہ قریب تر ہے کہ وہ گواہی کو صحیح طریقے پر ادا کریں یا اس بات سے ڈر جائیں کہ ان کی قسموں کے بعد ان پر پھر قسمیں لوٹا دی جائیں گی، اور اللہ سے ڈرو اور سنو، اور اللہ تعالیٰ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا﴿۱۰۸﴾

ماقبل سے ربط و تعارف: ......ان آیات سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بات ذکر کی ہے کہ شکار محرم پر حرام ہے اور حالت احرام میں شکاری جانور اور پرندے قتل کرنے سے منع فرمایا۔ اب ان آیات میں اللہ نے یہ ذکر کیا ہے کہ اللہ نے کعبہ کو لوگوں کے لیے قیام امن کا ذریعہ بنایا ہے، چوں کہ اللہ نے لوگوں کے دلوں میں کعبہ کی تعظیم راسخ کر دی ہے، اس طور پر کہ اس میں کسی کو اذیت نہیں پہنچتی، جیسے حرم پاک وحشی جانوروں اور پرندوں کے لیے جائے امن ہے، ایسے ہی انسانوں کے لیے امن کی جگہ ہے۔ دنیا و آخرت میں خیرات و سعادتوں کے حصول کا سبب ہے۔

لغات: ......**بَحِيْرَةٍ:** البحر سے ماخوذ ہے۔ شق کرنا، کان چیرنا۔ ابوعبید کہتے ہیں: ایسی اونٹنی جو لگاتار پانچ بچے جنم دے اور آخر میں نر بچہ جنم دی۔ مشرکین اس کا کان چیر دیتے اور اسے آوارہ طور پر آزاد کر دیتے۔ اس اونٹنی پر کوئی سواری نہ کرتا اور اس کا دودھ نہ دھوتا۔ **سَآئِبَةٍ:** اونٹنی

جو نذر وغیرہ کے لیے چھوڑی جائے۔ وَصِيلَةٍ: ایسی بکری جو سات بچے جنم دے اور ساتویں بچے کے موقع پر دو بچے جنم دے، ایک نر ایک مادہ۔ مشرکین کہتے ہیں: قد وصلت اخاھا بکری اپنے بھائی سے جا ملی، لہٰذا ذبح نہ کی جائے۔ حَامٍ: ایسا نر اونٹ جس کی صلب سے دس بچے جنم دیے جائیں اور اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کی پیٹھ میں خم آ گیا ہے، اس پر نہ سواری کی جاتی، نہ ذبح کیا جاتا۔ جہاں چاہے چرتا پھرے اور جہاں چاہے پانی پیے، اسے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ عثر ظاہر ہوا، مقولہ ہے عثرت منه خيانة میں فلاں شخص کی خیانت پر آگاہ ہوگیا۔ الْاَوْلَيٰنِ: اولی کا تثنیہ ہے معنی زیادہ حقدار۔ [1]

شانِ نزول، الف:...... ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ کچھ لوگ از روئے مذاق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کرتے۔ کوئی کہتا میرا باپ کون ہے؟ کوئی کہتا: میری اونٹنی گم ہوگئی ہے، اس وقت وہ کہاں ہے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ

ب:...... ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ تمیم داری رضی اللہ عنہ اور عدی بن بداء مکہ مکرمہ آتے جاتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کے ساتھ بنو سہم کا ایک نوجوان ہولیا اور وہ ایسی جگہ مرگیا جہاں کوئی مسلمان نہیں تھا۔ اس نے دونوں سے وصیت کر دی اور ترکہ ان دونوں کے سپرد کیا اور ساتھ ہدایت کر دی کہ یہ میرے ورثا تک پہنچا دیا جائے۔ چنانچہ دونوں نے ترکہ ورثا تک پہنچا دیا جبکہ ترکہ میں سے چاندی کا بنا ہوا خوبصورت کٹورا جس پر سونے کا کام ہوا تھا روک لیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے قسم لی کہ تم نے نہ ہی اسے چھپایا اور نہ ہی تمہیں اس کا کوئی پتہ ہے؟ پھر کٹورا مکہ میں ان دونوں سے برآمد ہوگیا۔ تاہم مالکان نے دعویٰ کر دیا کہ یہ کٹورا ہم نے عدی اور تمیم داری سے خریدا ہے۔ چنانچہ سہمی کے ورثا میں سے دو آدمی آئے اور انہوں نے قسم اٹھائی کہ یہ کٹورا سہمی کی ملکیت ہے اور ہماری گواہی ان کی گواہی سے زیادہ قابلِ سماعت ہے اور ہم نے زیادتی نہیں کی۔ چنانچہ ورثا نے کٹورا قبضے میں کر لیا۔ اسی واقعہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ۔ [2]

کعبہ کے "قیام للناس" ہونے کا مطلب اور اشہرِ حرام

تفسیر: جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ:...... اللہ نے کعبہ کو لوگوں کے لیے نیکوکاری، دینداری، راست بازی اور معاش کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ کیوں کہ کعبہ معاش و معاد کے امور کو بروئے کار لانے کا سبب ہے۔ خوفزدہ کعبہ کی پناہ لیتا ہے۔ اس میں کمزور کو امان ملتا ہے۔ تاجروں کو نفع حاصل ہوتا ہے۔ حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے بیت اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ: اور حرمت والے مہینوں کو بھی جو کہ یہ ہیں ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب، قیامِ امن کا ذریعہ بنایا ہے۔ ان مہینوں میں جنگ حرام کر دی گئی تھی۔ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ: اور وہ جانور جو حرم قربانی کے لیے لایا جائے اور قربانی کے جانوروں کے گلوں میں پڑے پٹوں کو بھی قیامِ امن کا ذریعہ بنایا ہے۔ چنانچہ قربانی کے جانور اور ان کے مالکان امن میں رہتے ہیں۔ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ: بیت اللہ، حرمت والے مہینوں، ہدی اور پٹوں کی حرمت اس لیے ہے تاکہ اے لوگو! تمہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں اور زمین کے امور کی تفاصیل جانتا ہے۔ وہی تمہارے مصالح کو جانتا ہے، اسی لیے حرم کو امن کا ذریعہ بنایا ہے۔ ہر چیز کو حرم میں سکون ملتا ہے۔ دیکھو اللہ اپنے بندوں پر کتنا مہربان ہے باوجود یکہ لوگ کفر پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ: اے لوگو! جان لو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے اس شخص کو جو اس کی نافرمانی کرے اور جو فرمانبرداری کرے، اطاعت اختیار کرے اور اس کی طرف رجوع کرے اس پر رحم کرتا ہے اور اسے بخشش عطا فرماتا ہے۔ خوف و رجا کے درمیان رہو، اس لیے اس کے عذاب کے متعلق سن کر مایوس نہ ہو جاؤ اور اس کی رحمت کو دیکھ کر طمع میں نہ آ جاؤ۔ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ: رسول کے ذمے تو صرف تبلیغِ رسالت ہے اور تبلیغِ شریعت ہے۔ چنانچہ رسول نے نہ صرف تبلیغِ رسالت کی بلکہ اس کا حق ادا کر دیا۔ سو اب اگر کوئی کوتاہی کرے گا، اس کا کوئی عذر قابلِ مسموع نہیں ہوگا۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ: تمہارے احوال و اعمال میں سے اللہ پر کچھ مخفی نہیں ہے وہ تمہیں پورا پورا بدلہ دے گا۔ ابوحیان کہتے ہیں: اس جملے میں تشدید ہے۔ کیوں کہ اللہ نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ بندے کے ظاہری اور باطنی احوال سے بخوبی آگاہ ہے۔ وہ بندے کو اس کے احوال پر پورا پورا بدلہ دے گا۔ [3]

---

[1] اسباب النزول، ص ۱۲۰ [2] القرطبی ۶/ ۳۴۶ [3] البحر ۴/ ۲۷

قُلْ لَّا يَسْتَوِى الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ:......اے محمد! کہہ دیجیے کہ گندی، ناپاک اور پاک چیزیں برابر نہیں ہوتیں۔اے سامع! اگر چہ ناپاک چیزوں کی کثرت تمہیں بھلی لگتی ہو۔ اللہ نے یہ مثال حلال وحرام، مطیع وعاصی، ردی اور عمدہ میں فرق کرنے کے لیے بیان کی ہے۔ قرطبی کہتے ہیں: جمیع امور میں مثال عام ہے۔ خواہ ان امور کا تعلق کسب وکمائی سے ہو، معاش سے ہو، اعمال سے ہو، لوگوں سے ہو یا معارف علوم سے ہو۔ ان تمام میں سے جو بھی ناپاک ہو اس کے حق میں فلاح نہیں اور نہ ہی اس کی عاقبت سنور سکتی ہے، اگر چہ وہ بکثرت ہی کیوں نہ ہو جبکہ پاک چیز اگر چہ قلیل ہو، قابل صد ستائش ہے۔ اس کی عاقبت سنوری ہوئی ہے۔[1] ابوحیان کہتے ہیں: بظاہر خبیث وطیب دونوں عام ہیں۔ اس میں مال حرام، نیک عمل، فاسد عمل، اچھے لوگ، برے لوگ، صحیح عقائد، فاسد عقائد سب شامل ہیں۔ اس کی نظیر دوسری آیت میں بھی ملتی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِىْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا: پاک زمین سے اللہ کے حکم سے نباتات اگیں گی اور جو گندی زمین ہو اس سے نقصان کے سوا کچھ نہیں نکلے گا۔ (سورۃ الاعراف، آیت ۵۸) فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ: اللہ کے اوامر بجالا کر اور نواہی سے اجتناب کر کے اللہ سے ڈرو اے اہل عقل! تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ اور دائمی نعمتوں میں جا بسو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ:......پیغمبر سے ایسی باتوں کے بارے میں سوال مت کرو جن کی چنداں کوئی ضرورت نہیں۔ اگر ان کی حقیقت تمہارے لیے ظاہر کر دی جائے تو تم پریشان ہو جاؤ۔ زمخشری کہتے ہیں: پیغمبر خدا سے بکثرت سوالات نہ کرو، چوں کہ اگر پیغمبر ان سوالات کا جواب تمہیں دے دیں اور تمہیں ان کا مکلف بنا دیں تو تم مشقت اور دقت میں پڑ جاؤ گے اور اپنے سوالات پر تمہیں ندامت ہوگی۔[2] وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ: اگر تم نزول وحی کے زمانے میں ان دقت طلب سوالات کے متعلق دریافت کرو گے تو یہ تمہارے لیے ظاہر کر دیے جائیں گے اور تم پریشان ہو جاؤ گے۔[3] عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا: قبل ازیں تم نے جو سوالات کر دیے، اللہ نے معاف کر دیے اور اخروی سزا درگزر کر دی۔ آئندہ ایسے سوالات مت کیجیو۔ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ: اللہ وسیع مغفرت اور عظیم فضل واحسان والا ہے۔ اسی لیے اللہ نے تمہیں معاف کر دیا اور تمہیں عذاب وسزا نہیں دی۔ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ: تم سے پہلے ایک قوم نے ایسے ہی سولات کیے تھے۔ جب انہیں جوابات مل گئے اور احکام فرض کر دیے گئے تو ان مسائل کا انکار کر دیا اور مرتکب کفر ہوئے۔ اسی لیے آگے ارشاد ہے: ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ: ان مسائل پر عمل نہ کر کے کافر ہوئے۔ چنانچہ بنی اسرائیل اپنے انبیا سے مختلف اشیا کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ جب انہیں حکم دیا جاتا تو وہ عمل نہ کر کے ہلاکت کا شکار ہو گئے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ:......جاہلیت کے دور میں جب کوئی اونٹنی پانچ جھولیوں میں بچے دے دیتی اور پانچواں نر ہوتا تو مشرکین اس اونٹنی کے کان چیر دیتے اور اس پر سواری حرام قرار دیتے اور اس کا دودھ بتوں کے لیے وقف کر دیتے۔ اس اونٹنی کو بحیرہ کہا جاتا اور جب کوئی شخص سفر کی تیاری کرتا تو کہتا جب میں سفر سے واپس آ گیا یا کوئی بیمار کہتا: اگر میں بیماری سے صحت یاب ہو گیا تو میری اونٹنی سائبہ ہوگی اور وہ اونٹنی بتوں کے نام پر آزاد کر دی جاتی۔ بحیرہ کی طرح اس سے بھی نفع اٹھانا حرام سمجھا جاتا اور جب بکری مادہ بچہ جنتی تو وہ انہی کی ملکیت میں رہتی، اگر نر بچہ جنتی تو بچہ بتوں کے نام کر دیا جاتا اور اگر ایک ہی جھولی میں نر اور مادہ دو بچے جنتی تو کہتے: وصلت اخاها وهي الوصيلة: یعنی مادہ بچہ اپنے بھائی کے ساتھ مل کے پیدا ہوا، لہٰذا یہ بکری وصیلہ ہے۔ حامی وہ اونٹ کہلاتا جو دس مرتبہ جفتی کر چکا ہوتا اور ہر جفتی کے نتیجے میں اس کی صلب سے بچہ پیدا ہوتا تو مشرکین کہتے: قد حمی ظهره۔ اس کی پیٹھ میں خم آ گیا ہے اور یہ اونٹ حامی کہلاتا۔ اسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا۔ جب اسلام آیا تو اسلام نے ان کفریات کو باطل قرار دیا اور اعلان کر دیا کہ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حامی کی کوئی حیثیت نہیں۔ وَلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۖ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ: لیکن جو لوگ اللہ کے ساتھ کفر کرتے ہیں وہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں اور تحریم کو اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ ان جانوروں کی حرمت کا حکم اللہ کی طرف سے ہے۔ ان میں سے اکثر عقل سے خالی ہیں اور نہیں سمجھتے کہ یہ اللہ تعالیٰ پر

---

[1] القرطبی ۶ / ۳۲۷ [2] الکشاف ۱ / ۵۳۳ [3] ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: یعنی نہ ہی تکلیف شرعی کے متعلق سوال کرو کہ وہ تمہارے اوپر لازم کر دی جائے اور نہ ہی کسی واقعہ کے متعلق پوچھو کر تم پریشان ہو جاؤ گے۔

کھلا افترا ہے۔ کیوں کہ وہ تو اپنے آباواجداد کی تقلید کرتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

آباؤاجداد کی اندھی تقلید

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ: ......اور جب ان گمراہوں سے کہا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی طرف آؤ اور اپنی طرف سے حلال وحرام کے احکام نہ چلاؤ۔ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا: یعنی ہمیں تو اپنے آباؤ واجداد کا دین کافی ہے۔ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ: ہمزہ استفہامیہ برائے انکار ہے اور اس سے غرض توبیخ ہے۔ یعنی کیا وہ اپنے آباؤ اجداد کی پھیلائی ہوئی گمراہی پر چلتے ہیں۔ اگرچہ وہ دین کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتے تھے اور نہ ہی حق تک ان کو رسائی ہو سکتی تھی۔

اہل ایمان کو ایک نصیحت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ: ......اے ایمان والو! اپنی حفاظت کرو، معاصی سے اجتناب کرو۔ گناہوں پر اصرار مت کرو اور اصلاح نفس کا التزام کرو۔ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ: لوگوں میں سے جو گمراہ ہوگا اس کی گمراہی سے تمہارا کچھ نقصان نہیں ہوگا، بشرطیکہ تم ہدایت پر کاربند رہو۔ زمخشری کہتے ہیں: مسلمان کفار پر حسرت کرتے تھے اور آرزو کرتے تھے کہ یہ بھی اسلام میں داخل ہو جائیں۔ مسلمانوں سے کہا گیا کہ اپنی اصلاح کی فکر کرو اور ہدایت کے راستے پر چلنے کی فکر کرو۔ اگر تم ہدایت پر ہو تو کسی کا گمراہی پر مصر رہنا تمہارے لیے نقصان نہیں جیسے اللہ نے اپنے نبی کریم ﷺ سے فرمایا: فلا تذهب نفسك عليهم حسرات۔ کفار پر حسرت وافسوس کی وجہ سے تم اپنی جان نہ گنوا بیٹھو۔[۱] ابوسعود کہتے ہیں: یہ وہم ہرگز نہ کیا جائے کہ آیت میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ترک کی رخصت دی گئی ہے، کیوں کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر من جملہ امر ہدایت میں سے ہے۔ چنانچہ روایت ہے کہ ایک دن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے منبر پر فرمایا: اے لوگو! تم یہ آیت پڑھتے ہو اور اسے معنی غیر موضوع پر چسپاں کر دیتے ہو۔ میں نے رسول کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ جب لوگ برائی دیکھیں اور اس سے روکیں نہیں تو اللہ ان سب کو عمومی عذاب میں گرفتار کر لے گا۔[۲] إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا: تمہیں اور تمام مخلوقات نے اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ: اللہ تمہیں تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ بیضاوی کہتے ہیں: آیت میں فریقین کے لیے وعدہ اور وعید ہے اور اس امر پر تنبیہ ہے کہ کوئی ایک شخص کسی دوسرے کے گناہ میں نہیں پکڑا جائے گا۔

وصیت کے احکام اور شہادت کے آداب

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ: ......اے ایمان والو! جب تم میں سے کوئی شخص جان بلب اور قریب الموت ہو اور موت کی علامات ظاہر ہو جائیں، اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ اپنی وصیت پر گواہ بنا لے۔ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ: وہ وصیت پر مسلمانوں میں سے دو عادل شخصوں کو گواہ بنا لے یا اگر مسلمان دستیاب نہ ہوں تو غیر مسلموں میں سے دو کو گواہ بنا لے۔ إِنْ أَنتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُم مُّصِيبَةُ الْمَوْتِ: اگر تم سفر پر ہو اور تمہیں موت کی جانکاہ مصیبت پیش آ گئی۔ تَحْبِسُونَهُمَا مِن بَعْدِ الصَّلَاةِ: ان دونوں کو نماز عصر کے بعد روک لو، کیوں کہ نماز عصر کا وقت لوگوں کے اجتماع کا ہوتا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے ایسا ہی کیا تھا۔ عدی اور تمیم کو روک لیا اور عصر کے بعد منبر کے پاس ان سے قسم لی فَيُقْسِمَانِ بِاللَّهِ إِنِ ارْتَبْتُمْ: اگر تمہیں ان کی گواہی میں شک وشبہ ہو۔ ابوالسعود کہتے ہیں: اگر وارث کو خیانت کا شک ہو اور ترکہ میں سے اس نے کوئی چیز قبضہ کر لی ہو تو ان دونوں کو روک لو اور ان سے حلف لو۔[۳]

---

[۱] الکشاف ۱/ ۴۴۳ [۲] ابوالسعود ۲/ ۶۵۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو یہاں تک کہ جب تم بخل عام، اتباع خواہشات، ترجیح دنیا اور ہر ذی رائے کو اپنی رائے پر اتراتا دیکھو تو اس وقت اپنی فکر کر لو۔ (اخرجہ الحاکم) [۳] ابوالسعود ۲/ ۶۶

لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى: ...... یہ کہتے ہوئے اللہ کی قسم اٹھائیں: ہم اپنی قسم سے کسی کو ترجیح دینا نہیں چاہتے اور نہ ہی دنیا کا کوئی فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی ہم مال کی خاطر جھوٹی قسم نہیں اٹھاتے اگر چہ وہ شخص جس کے لیے ہم قسم اٹھاتے ہیں وہ ہمارا اقربی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ: اللہ نے ہمیں جس گواہی کا حکم دیا ہے ہم اسے نہیں چھپائیں گے، اسے قائم کریں گے۔ اگر ہم ایسا کریں تو ہم گناہ گار ہوں گے۔ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا: اگر وارث ان دونوں سے قسم لینے کے بعد ان کی خیانت پر مطلع ہو جائے یا ان کی جھوٹی گواہی پر مطلع ہو جائے۔ فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ: تو ورثہ میں سے دو اور اشخاص جو تر کہ کے مستحق ہوں خائن گواہوں کے قائم مقام ہو جائیں گے، جنہوں نے گناہ اپنے سر لیا تھا۔ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا: وہ اللہ کی قسم اٹھائیں کہ ہماری گواہی زیادہ سچی اور زیادہ قابل سماعت ہے بہ نسبت پہلے گواہوں کی گواہی کے۔ کیوں کہ انہوں نے خیانت کی ہے۔ وَمَا اعْتَدَيْنَآ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ: اور جو ہم نے گواہی دی اس میں ہم نے زیادتی نہیں کی اور خیانت کر کے حد سے تجاوز نہیں کیا۔ اگر ہم نے ان پر جھوٹ بولا تو یقیناً ہم ظالم ہوں گے۔ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ: یہ حکم اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ لوگ حقیقت پر مبنی گواہی دیں۔ اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کریں۔ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ: یا اس بات سے ڈریں کہ ان کے بعد ان کے علاوہ کسی اور کو بھی قسم دی جاسکتی ہے اور انہیں پھر رسوا نہ ہونا پڑے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا: اپنے رب سے ڈرو اور اس کے حکم کی اطاعت کرو۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ: اللہ اطاعت سے نکلنے والوں کو ہدایت نہیں دیتا۔[1]

بلاغت: وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ: ...... اَلْقَلَآئِدَ کا عطف اَلْهَدْيَ پر ہے۔ یہ عطف الخاص علی العام کے قبیل میں سے ہے۔ قَلَآئِدَ کو بالخصوص ذکر کیا گیا ہے۔ کیوں کہ اس میں ثواب زیادہ ہے۔ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ: مصدر بلاغ کا اطلاق ہوا ہے اور مراد تبلیغ ہے۔ ایسا مبالغہ کے لیے کیا گیا ہے۔ اَلْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ: ان دونوں میں صفت طباق ہے۔ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ: میں تجنیس اشتقاق ہے۔ یہ محسنات بدیعیہ میں ہیں۔ شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ: جملہ خبریہ ہے جو انشائیہ کے معنی میں ہے۔ اس سے مراد امر ہے۔ اِيْ لِيَشْهَدْ بَيْنَكُمْ۔

فوائد: ...... امام شاطبی کہتے ہیں: کثرت سے سوال بازی مذموم ہے۔ اس کے مختلف مواقع ہیں۔ ہم ان میں سے دس کا تذکرہ ذیل میں کرتے ہیں۔

بلا ضرورت کثرت سے سوال کرنے کے دس مواقع

(۱) ...... ایسی چیز کے متعلق سوال کرنا جس کا کوئی نفع نہ ہو، جیسے کچھ لوگوں نے سوال کیا تھا کہ میرا باپ کون ہے؟ (۲) ...... ایسا سوال جو زائد از حاجت ہو، جیسے حج کے متعلق سوال کرنا کہ کیا ہر سال حج فرض ہے؟ (۳) ...... ایسا سوال کرنا جس کی فی الوقت کوئی حاجت نہ ہو جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال پر فرمایا: ذرونی ما ترکتکم۔ (۴) ...... مشکل اور لاینحل سوالات جیسے اغلوطات کے متعلق ممانعت آئی ہے۔ (۵) ...... عبادات کے حکم کی علت کے متعلق سوال جیسے حائضہ عورت پر روزے کی قضا ہے، اس کے متعلق علت جاننے کے بارے میں سوال کرنا کہ حائضہ عورت پر روزے کی قضا ہے، نماز کی قضا نہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ (۶) ...... سوال میں حد تکلف تک پہنچ جانا اور زیادہ گہرائی کے درپے ہو جانا جیسے بنی اسرائیل نے گائے کے متعلق بار بار سوالات کیے تھے۔ (۷) ...... سوال سے کتاب وسنت کا معارضہ ظاہر ہو رہا ہو، اسی لیے سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک آدمی کو کہا تھا: کیا تم عراقی تو نہیں ہو؟ (۸) ...... متشابہات سے متعلق سوال کرنا، اسی لیے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے الاستواء کے متعلق فرمایا تھا: الاستواء (اللہ کا عرش پر براجمان ہونا) معلوم ہے، اس پر ایمان لازمی ہے اور اس کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے۔ (۹) ...... وہ سوال جس کا جواب اسلاف سے حاصل ہو چکا ہو جیسے عمر بن عبدالعزیز سے کسی نے واقعہ کربلا کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: ان خونوں سے اللہ نے ہمارے ہاتھ محفوظ رکھے، اب ہم اپنی زبانیں ان میں گندی نہیں کر سکتے۔ (۱۰) ...... ایسا سوال جو ضد وعناد کی بنا پر ہو یا مخاطب کو

---

[1] یہ آیات قرآن کی مشکل آیات میں سے ہیں شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ الخ اعراب میں مختلف اقوال ہیں۔ تفصیل کے لیے روح المعانی ملاحظہ ہو۔

بے بس کرنا مقصود ہو اور سائل اپنا لوہا منوانا چاہتا ہو۔ چنانچہ حدیث میں ہے: مردوں میں سب سے بُرا مرد جس سے اللہ کو سب سے زیادہ بغض ہو وہ ضدی وہٹ دھرم اور جھگڑالو ہے۔ [1]

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾ اِذْ
قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ
تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ
مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ
بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾ وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا
اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ
عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا
وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ
اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا
وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ
اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ
اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۚ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ
عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا
مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ
اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ
لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾
لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۲۰﴾

[1] محاسن التاویل القاسمی ۶/ ۲۱۷۶

ترجمہ:...... جس دن اللہ تعالیٰ رسولوں کو جمع فرمائے گا پھر ان سے سوال فرمائے گا تمہیں کیا جواب ملا وہ عرض کریں گے ہمیں کچھ علم نہیں۔ بلاشبہ آپ غیبوں کو خوب جاننے والے ہیں۔ (۱۰۹) جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ بن مریم! یاد کر میری نعمت جو تجھ پر ہے اور تیری والدہ پر، جب کہ میں نے روح القدس کے ذریعہ تیری تائید کی تو باتیں کرتا تھا گہوارہ میں اور بڑی عمر میں اور جبکہ میں نے تجھے تعلیم دی کتاب کی اور حکمت کی اور تورات کی اور انجیل کی، اور جب کہ تو بناتا تھا۔ مٹی سے پرندے جیسی صورت میرے حکم سے پھر تو اس میں پھونک مار دیتا تھا تو وہ صورت پرندہ بن جاتی تھی میرے حکم سے، اور تو اچھا کرتا تھا مادر زاد اندھے کو اور برص والے کو میرے حکم سے اور جب کہ تو نکالتا تھا مردوں کو میرے حکم سے، اور جبکہ میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے روکے رکھا جبکہ تو ان کے پاس دلیلیں لے کر آیا ان لوگوں نے کہا جو کافر تھے کہ یہ نہیں ہے مگر کھلا ہوا جادو۔ (۱۱۰) اور جب میں نے وحی کے ذریعہ حواریین کو حکم دیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور آپ گواہ ہو جائیں کہ بلاشبہ ہم فرمانبردار ہیں (۱۱۱) اور جب حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰ بن مریم! کیا آپ کا رب یہ کر سکتا ہے کہ ہمارے اوپر آسمان سے خوان نازل فرمادے انہوں نے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگر تم مؤمن ہو۔ (۱۱۲) وہ کہنے لگے کہ ہم چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہم اس بات کو جان لیں کہ آپ نے ہم سے سچ کہا ہے اور ہم اس پر گواہ ہو جائیں۔ (۱۱۳) عیسیٰ بن مریم نے عرض کیا کہ اے اللہ! جو ہمارا رب ہے، ہم پر آسمان سے خوان نازل فرمادے جو ہمارے موجودہ لوگوں کے لیے اور بعد میں آنے والوں کے لیے عید ہو جائے اور آپ کی طرف سے ایک نشانی ہو جائے اور آپ ہمیں عطا فرمائیے! آپ بہترین عطا فرمانے والے ہیں۔ (۱۱۴) اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں بے شک تم پر خوان نازل کرنے والا ہوں سو تم سے جو شخص اس کے بعد ناشکری کرے گا تو بے شک میں اس کو ایسا عذاب دوں گا کہ ایسا عذاب جہانوں میں سے کسی کو بھی نہ دوں گا۔ (۱۱۵) اور جب اللہ تعالیٰ کا فرمانا ہوگا کہ اے عیسیٰ بن مریم! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ تم مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو معبود بنالو؟ وہ عرض کریں گے میں آپ کی پاکی بیان کرتا ہوں میرے لیے یہ بات زیبا نہیں ہے کہ ایسی بات کہوں جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہیں۔ اگر میں نے کہا ہوتا تو وہ آپ کو معلوم ہوتا۔ آپ جانتے ہیں جو میرے جی میں ہے اور میں وہ نہیں جانتا جو آپ کے علم میں ہے بے شک آپ غیبوں کے جاننے والے ہیں۔ (۱۱۶) میں نے ان سے سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہا جو آپ نے مجھے حکم فرمایا کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی جو میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے اور میں ان کے بارے میں باخبر تھا جب تک میں ان میں موجود تھا۔ پھر جب آپ نے مجھے اٹھالیا تو آپ ہی ان کے نگراں تھے اور آپ ہر چیز پر مطلع ہیں۔ (۱۱۷) اگر آپ ان کو عذاب دیں تو بیشک وہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ ان کی مغفرت فرمادیں تو بلاشبہ آپ زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔ (۱۱۸) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو ان کی سچائی نفع دے گی ان کے لیے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے یہ بہت بڑی کامیابی ہے (۱۱۹) اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہے ملک آسمانوں کا اور زمین کا اور جو ان کے درمیان ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۱۲۰)

ماقبل سے ربط و مناسبت:...... قبل ازیں موت کے آثار ظاہر ہو جانے پر وصیت کا بیان ہوا ہے۔ تقویٰ، سمع وطاعت کا ذکر ہوا۔ اس کے بعد ہولناکی والے دن یعنی روز قیامت کا ذکر ہوا۔ اولین وآخرین سبھی کو جمع کیا جائے گا۔ اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا تذکرہ ہوا ہے جن میں سے ایک آسمان سے نازل ہونے والے دسترخوان کا بھی ذکر ہے۔ سورت کا اختتام جناب مسیح علیہ السلام کی برأت دعوائے الوہیت پر کیا گیا ہے۔

لغات:...... كَفَفْتُ میں نے روکا، منع کیا، اسی سے کفیف و مکفوف بھی مشتق ہیں بمعنی نابینا کیوں کہ وہ بھی دیکھنے سے روکا گیا ہوتا ہے۔ اَيَّدْتُّكَ: الاید سے ماخوذ ہے بمعنی قوت، صیغہ واحد متکلم از ماضی مطلق، معنی ہے۔ میں نے تمہیں قوت دی۔ اَوْحَيْتُ: الوحی سے فعل ماضی باب افعال، چپکے سے دل میں بات ڈال دینا۔ وحی کی مختلف اقسام ہیں۔ وحی بمعنی الالہام، حالت بیداری یا نیند میں اعلام کو بھی وحی کہا جاتا ہے۔ جبرئیل علیہ السلام کا پیغمبروں کے پاس نازل ہونا بھی وحی ہے۔ [۱] اَلْمَآئِدَةً دسترخوان، دسترخوان وہی کپڑا ہوگا جس پر کھانا لگا ہو۔ اگر کھانا نہ لگا ہو تو وہ مائدہ (دسترخوان) نہیں ہوگا۔ [۲] الرَّقِيْبَ: المراقب۔ افعال واحوال کی نگرانی اور دیکھ بھال کرنے والا۔ ابدًا: ایسا امر جس میں کوئی انقطاع نہ ہو۔

[۱] القرطبی ۶/ ۳۶۳ [۲] ابن البحر ۴/ ۳۰

حساب و جزا کے لیے تمام مخلوق کا اجتماع

تفسیر: یَوۡمَ یَجۡمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ:......اے لوگو! اس خوفناک دن کو یاد کرو جس دن اللہ حساب و جزا کے لیے پیغمبروں اور مخلوقات کو جمع کرے گا۔ فَیَقُوۡلُ مَاذَاۤ اُجِبۡتُمۡ: یعنی اے پیغمبرو! تمہاری امتوں نے تمہیں کیا جواب دیا؟ اور جب تم نے اپنی امت کو ایمان و توحید کی دعوت دی تو انہوں نے کیا جواب دیا؟ قَالُوۡا لَا عِلۡمَ لَنَا: یعنی تیرے علم کے ہوتے ہوئے ہمارے علم کی کوئی حیثیت نہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: آیت کا معنی ہے کہ ہمارے پاس بس اتنا قلیل علم ہے جس کے بارے میں تو بخوبی آگاہ ہے۔[1] اِنَّكَ اَنۡتَ عَلَّامُ الۡغُيُوۡبِ: جو کچھ تو جانتا ہے ہم نہیں جانتے۔ تو ظاہر و باطن سب جانتا ہے۔ ابوالسعود کہتے ہیں: آیت میں اظہار شکوہ ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انتقام لینے کی التجا

پیغمبروں کو راہ حق میں جو مصائب اور خطرات پیش آئے ان کے علم کو اللہ کے سپرد کیا اور رب تعالیٰ سے انتقام لینے کی التجا کی ہے۔[2]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیے گئے معجزات کا ذکر

اِذۡ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ اذۡكُرۡ نِعۡمَتِىۡ عَلَيۡكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ:......ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام پر جو انعامات و احسانات کیے اور انہیں خوارق عادت جو معجزات عطا کیے ان کا ذکر کیا ہے۔ یعنی میں نے تمہارے اوپر انعام و احسان کیا۔ تمہیں بغیر باپ کے پیدا کیا۔ تمہیں اپنی قدرت کاملہ پر نشانی بنایا۔ تمہاری والدہ پر انعام و احسان کیا۔ تمہیں اس کی برأت و پاکدامنی پر بین دلیل و برہان بنایا اور ظالم لوگ اس پر زنا کی جو تہمت لگاتے تھے اس سے مریم کو بری الذمہ کیا۔[3] قرطبی کہتے ہیں: یہ روز قیامت کے احوال میں سے ہے۔ یعنی اس دن کو یاد کرو، جب اللہ پیغمبروں کو جمع کرے گا اور جب عیسیٰ سے کہے گا۔ الخ۔ مستقبل کو ماضی کے صیغہ سے بیان کیا ہے۔ اذ قال جو قرب قیامت پر دال ہے۔ اِذۡ اَيَّدْتُّكَ بِرُوۡحِ الۡقُدُسِ: جب میں نے تمہیں روح مقدس جبریل امین کے ذریعے قوت بخشی۔ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الۡمَهۡدِ وَكَهۡلًا: تم لوگوں سے گہوارے میں (بچپن میں) بات کرتے تھے اور بڑھاپے میں نبی ہونے کی حیثیت سے بات کرتے تھے۔ وَاِذۡ عَلَّمۡتُكَ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَالتَّوۡرٰىةَ وَالۡاِنۡجِيۡلَ: میرے انعام و احسان کو یاد کرو، جب میں نے تمہیں کتاب و حکمت کا علم عطا کیا تورات و انجیل کے ساتھ ساتھ یہ علم نافع ہے۔ وَاِذۡ تَخۡلُقُ مِنَ الطِّيۡنِ كَهَيۡـــَٔةِ الطَّيۡرِ بِاِذۡنِىۡ: اسی طرح یاد کرو جب تم گارے مٹی سے پرندے جیسی شکل بناتے تھے تم ایسا میرے حکم سے کرتے تھے۔ فَتَنۡفُخُ فِيۡهَا فَتَكُوۡنُ طَيۡرًۢا بِاِذۡنِىۡ: پھر تم اس شکل میں پھونک مارتے تھے تو اللہ کے حکم اور مشیت سے یہ بشکل پرندہ بن جاتا۔ وَتُبۡرِئُ الۡاَكۡمَهَ وَالۡاَبۡرَصَ بِاِذۡنِىۡ: میرے حکم اور مشیت سے مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دیتے تھے جبکہ یہ لوگ اپنے مرض سے مایوس ہو چکے ہوتے۔ وَاِذۡ تُخۡرِجُ الۡمَوۡتٰى بِاِذۡنِىۡ: میرے حکم و مشیت سے تم مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ ہر معجزے کے ساتھ باذنی کا لفظ دہرایا گیا ہے تاکہ ان مشرکین پر رد ہو جائے جو ربوبیت کی نسبت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف کرتے تھے۔ اس امر کی وضاحت کر دی کہ یہ جملہ خوارق اللہ کی طرف سے ہیں اور ان کو عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر بطور معجزہ ظاہر کیا ہے۔ وَاِذۡ كَفَفۡتُ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ عَنۡكَ اِذۡ جِئۡتَهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ: اس وقت کو یاد کرو جب میں نے یہود کو تمہارے قتل سے روکا، جب تم ان کے پاس کھلے دلائل لائے تھے اور انہوں نے تمہارے قتل کا پختہ ارادہ کر لیا تھا۔ فَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡهُمۡ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ: اور جن لوگوں نے تمہاری نبوت کا انکار کیا انہوں نے کہا کہ یہ خوارق تو محض جادو اور فریب ہیں۔ یہ لوگ تم پر ایمان نہیں لائے۔ وَاِذۡ اَوۡحَيۡتُ اِلَى الۡحَوَارِيّٖنَ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِىۡ وَبِرَسُوۡلِىۡ: یہ بھی اللہ کے انعامات و احسانات میں سے ہے جو اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام پر کیا۔ یعنی اس وقت کو یاد کرو جب میں نے حواریوں کو حکم دیا کہ وہ میری تصدیق کرو اور میرے پیغمبر عیسیٰ ابن مریم کی بھی تصدیق کریں۔

---

[1] القرطبی ۶/ ۳۶۱، آیت میں ادب کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ [2] ابوالسعود ۲/ ۷۰ [3] ابن کثیر ۱/ ۵۶۱

اس امر کا داعیہ میں نے بھی ان کے دل میں ڈالا۔ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ: حواریوں نے کہا: اے ہمارے رب! تو نے ہمیں جو حکم دیا ہم نے اس کی تصدیق کی اور تو گواہ رہ کہ ہم ایمان لانے میں مخلص ہیں اور رب تعالیٰ کے حکم کے آگے سرنگوں ہوتے ہیں۔

نزولِ مائدہ

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ:...... اس وقت کو یاد کرو جب حواریوں نے کہا: اے عیسیٰ! تمہارا رب اس بات پر قدرت رکھتا ہے کہ ہمارے اوپر آسمان سے دسترخوان نازل کرے۔ قرطبی کہتے ہیں: حواریوں نے یہ سوال رسوخ ایمان اور معرفت خداوندی کے حصول سے پہلے کیا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ سوال ان جہّال کی طرف سے صادر ہوا ہو جو حواریوں کے ساتھ شریک تھے۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے کچھ لوگوں نے کہا تھا: اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ: جیسے ان بستی والوں کے معبود ان ہیں ایسا ہی ہمارا معبود مقرر کردو۔ ابوحیان کہتے ہیں: ظاہری الفاظ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں شک کے مقتضی ہیں کہ آسمان سے دسترخوان نازل کیا جائے۔ زمخشری نے بھی یہی بیان کیا ہے۔[1] زمخشری کے علاوہ دوسرے مفسرین نے اس امر پر زور دیا ہے کہ حواریین مؤمنین تھے اور عیسیٰ علیہ السلام کے خاص ساتھی تھے۔ انہیں کسی قسم کا شک نہیں تھا، حتیٰ کہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حواریوں کو رب تعالیٰ کی قدرت میں شک نہیں تھا۔ انہوں نے محض خبر لینے کے طور پر سوال کیا کہ اللہ دسترخوان نازل کرے گا یا نہیں؟ اگر اللہ دسترخوان نازل کرے تو ہمارے لیے طلب کرو، ان کا سوال اطمینان قلب اور تثبت کے لیے تھا۔ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ: ایسے سوالات اور مطالبات کرنے سے اللہ سے ڈرو، اگر تم اللہ کی قدرت کاملہ کی تصدیق کرتے ہو۔ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا: حواریوں نے کہا: دسترخوان کے نزول کا ہم نے اس لیے مطالبہ کیا ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہم تبرک کے طور پر کھائیں اور یقین کے اضافے سے اپنے دلوں کو سکون پہنچائیں۔ وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا: اور ہم ایسا یقین رکھتے ہیں کہ اس میں شک کا شائبہ تک نہیں اور آپ کی نبوت کا ہمیں پورا یقین ہے۔ وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ: اور لوگوں میں سے جو اس مائدہ پر حاضر نہیں ہوئے، ہم انہیں گواہی دے سکیں۔

نزولِ مائدہ کی دعا

قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ:...... حواریوں کے مطالبۂ خوان کے جواب میں عیسیٰ علیہ السلام نے کمال حجت سے جواب دیا اور دسترخوان کے لیے رب کے حضور دعا کردی۔ روایت ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کا ارادہ کیا تو اون کا بنا ہوا جبہ پہنا، اون کی چادر اوڑھی اور نماز میں مشغول ہو گئے اور پھر رو کر دعا مانگی۔ ابوالسعود کہتے ہیں: عیسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ کو دو مرتبہ پکارا۔ ایک مرتبہ خدائی کے جامع کمالات والے اوصاف سے پکارا اور دوسری مرتبہ وصف ربوبیت سے نہایت عاجزی اور تضرع کے ساتھ پکارا۔[2] تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا: دسترخوان کے نزول والا یہ دن ہماری فرحت اور سرور کا دن ہو جائے۔ ہمارے لیے بھی اور ہمارے بعد آنے والوں کے لیے بھی۔ وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ: تیرے پیغمبر کی سچائی پر یہ دسترخوان دلیل، حجت اور گواہی ہوگا۔ یا اللہ! ہمیں رزق عطا فرما۔ بے شک تو بہترین عطا کرنے والا اور رزق دینے والا ہے۔ کیوں کہ تو بے نیاز اور سزاوار حمد وستائش ہے۔ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ: اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور حکم ہوا کہ میں عنقریب تمہارے اوپر دسترخوان نازل کروں گا۔

ناشکروں کے لیے سخت سزا کی وعید

فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ:...... جس نے اس واضح دلیل و حجت اور معجزہ کے بعد کفر کیا۔ میں اسے ایسا سخت عذاب دوں گا کہ ایسا عذاب کسی بشر کو نہیں دوں گا۔ حدیث میں ہے: "آسمان سے دسترخوان نازل کیا گیا۔ یہ دسترخوان روٹی اور

[1] الکشاف ۱/ ۵۴۰ اس سے معلوم ہوا وہ مؤمنین نہیں تھے۔ [2] ابوالسعود ۲/ ۵۳

گوشت سے سجا ہوا تھا۔ دسترخوان کا مطالبہ کرنے والوں کو ہدایت کی گئی کہ آئندہ دن کے لیے ذخیرہ نہ کریں اور نہ خیانت کریں۔ تاہم انہوں نے خیانت کی اور دوسرے دن کے لیے کھانا ذخیرہ بھی رکھا۔ چنانچہ دوسرے دن دسترخوان اٹھالیا گیا اور انہیں مسخ کر کے بندر اور خنزیر بنا دیا گیا۔"[1] تسہیل میں ہے "جب کوئی قوم کسی نشانی کا مطالبہ کرتی ہے اگر وہ معجزہ اور نشانی انہیں دے دی جائے تو اس کے بعد اگر کفر کا ارتکاب کرے تو اللہ کی سنت ہے کہ وہ قوم عذاب میں گرفتار ہو جاتی ہے۔ چنانچہ مطالبین میں سے بعض نے جب کفر کیا تو اللہ نے انہیں خنزیر بنا دیا۔[2]

اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال اور اس کا جواب

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ: ۔یہ قصے کا عطف قصے پر ہے۔

اِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ. وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَی: پر عطف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کے سامنے یہ اعلان کرے گا تا کہ کفار کو معلوم ہو جائے کہ وہ باطل پر تھے۔[3] آیت کا معنی ہے لوگوں سے ذکر کرو کہ آخرت کے دن جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے اور رسول عیسیٰ ابن مریم کو مخاطب کرے گا، یہ خطاب کفار کی توبیخ اور ڈانٹ کے لیے ہوگا۔ اللہ کہے گا: اے عیسیٰ! کیا تم نے لوگوں کو اپنی عبادت کی دعوت دی، اپنی معبودیت اور اپنی ماں کی معبودیت کے اعتقاد کی دعوت دی؟ قرطبی کہتے ہیں: یہ ان لوگوں کے لیے توبیخ ہے جو عیسیٰ اور مریم کی خدائی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اس میں سخت قسم کی توبیخ اور ڈانٹ ہے۔[4]

قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ ۗ بِحَقٍّ: ۔اے میرے رب! جو بات تیری شان کے خلاف ہے، میں اس سے تجھے پاک و منزہ قرار دیتا ہوں۔ میرے لیے کسی طرح روا نہیں کہ میں ایسی بات کہوں جو تیری شان کے لائق نہیں۔ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ: اگر ایسی بات مجھ سے صادر ہوئی ہوتی، تجھ پر کچھ بھی مخفی نہیں ہے۔ تو بخوبی جانتا ہے کہ میں نے یہ بات نہیں کہی۔ یہ اس عقیدے سے اظہار برأت ہے۔ نہایت ادب ہے اور رب تعالیٰ کے دربار میں عاجزی و مسکنت کا اظہار ہے۔ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ: تو میری ذات کی حقیقت کو بخوبی جانتا ہے اور جو کچھ میرے ضمیر میں ہے اس سے بھی پوری طرح آگاہ ہے۔ میں تیری ذات کی حقیقت نہیں جانتا اور نہ ہی تیری صفات کمال کا ادراک رکھتا ہوں۔ تو ہی مخفی باتوں کو جانتا ہے۔ ما کان وما یکون (جو ہوا اور جو ہوگا) سب کچھ تیرے احاطہ علم میں ہے۔ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِیْ بِهٖ: میں نے ان لوگوں سے صرف وہی بات کہی جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا۔ امام رازی کہتے ہیں: أَمَرْتُ کی بجائے قُلْتُ آیا ہے جو موجب ادب ہے تا کہ عیسیٰ خود اور رب تعالیٰ دو آمرین اکٹھے نہ ہونے پائیں۔ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ: میں نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ جو میرا خالق ہے اور تمہارا بھی خالق ہے، اس کی عبادت کرو۔ میں تمہاری طرح کا بندہ ہوں۔

وَ كُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ: جب تک میں ان کے درمیان رہا ہوں، میں ان کے اعمال پر گواہ رہا۔

فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ: ......اور جب تو نے مجھے آسمان پر اٹھا لیا تو اے اللہ! تو ہی ان کے اعمال کا محافظ رہا اور ان کے افعال پر گواہ رہا۔ وَاَنْتَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ: اور تو ہر چیز پر آگاہ اور مطلع ہے۔ کوئی چیز تجھ سے پوشیدہ نہیں۔ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ: اور اگر تو انہیں عذاب دے تو تو ہی ان کا مالک ہے اور اختیار رکھتا ہے، جیسے چاہے تصرف کر سکتا ہے، تجھ پر کوئی اعتراض نہیں۔ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ: ......اور ان میں سے جو توبہ کرے تو اگر اسے بخش دے تو بلاشبہ تو غالب ہے اور اپنی کاریگری میں حکمت رکھتا ہے۔ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ: یعنی قیامت کا دن جس میں دنیا میں سچ بولنے والوں کو ان کا سچ فائدہ دے گا۔ کیوں کہ روز قیامت جزا کا دن ہے۔ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا: ان کے لیے ایسی بہشتیں ہیں، جن کے بالا خانوں کے نیچے اور درختوں کے تلے نہریں بہتی ہیں۔ ہمیشہ ہمیشہ ان بہشتوں میں ٹھہرے رہیں گے، نکلیں گے نہیں۔

---

[1] اخرجہ الترمذی فی باب التفسیر [2] التسہیل ۱/ ۱۹۴ [3] البحر ۴/ ۵۸ [4] القرطبی ۶/ ۳۷۵

رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ ؕ ذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ:

اپنی سچائی کی وجہ سے اللہ کی خوشنودی حاصل کریں گے اور وہ خود بھی اللہ سے خوش ہوں گے۔ یہی تو سب سے بڑی کامیابی ہے۔

لِلّٰہِ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا فِیۡہِنَّ ؕ وَہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ:

سب کچھ اللہ کی ملکیت ہے اور اس کے غلبہ وسطوت کے ماتحت ہے۔ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

تنبیہ: ......امام مسلم نے روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمان باری تعالیٰ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ہے، تلاوت کیا: رَبِّ اِنَّہُنَّ اَضۡلَلۡنَ کَثِیۡرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنۡ تَبِعَنِیۡ فَاِنَّہٗ مِنِّیۡ ۚ وَمَنۡ عَصَانِیۡ فَاِنَّکَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ:

اور عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ فرمان تلاوت کیا۔ اِنۡ تُعَذِّبۡہُمۡ فَاِنَّہُمۡ عِبَادُکَ ۚ وَاِنۡ تَغۡفِرۡ لَہُمۡ فَاِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ

اس کے بعد آپ ﷺ نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے اور یہ دعا کی: یا اللہ! میری امت، میری امت اور آپ ﷺ رو دیے۔ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل امین کو حکم دیا: اے جبرئیل! محمد کے پاس جاؤ تمہارا رب خوب جانتا ہے، اس سے پوچھو تم کیوں رو رہے ہو؟ چنانچہ جبرئیل امین تشریف لائے اور آپ ﷺ سے وجہ دریافت کی۔ آپ ﷺ نے وجہ بتادی، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبرئیل! محمد کے پاس جاؤ اور کہو: ہم تمہیں امت کے بارے میں خوش کریں گے، پریشان نہیں کریں گے۔

آج صفر المظفر مطابق ۸ جنوری ۲۰۱۲ء بروز اتوار بعد نماز فجر سورۃ المائدہ کی تفسیر کا ترجمہ مکمل ہوا۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم

سورۃ الانعام

ربط وتعارف:...... سورہ انعام ان طویل مکی سورتوں میں سے ہے جن کا موضوع، عقیدہ اور اصول ایمان ہے۔ تاہم مدنی سورتوں جیسے بقرہ، آل عمران، نساء اور مائدہ جن کی تفسیر ہو چکی ہے، ان سے قدرے مختلف سورہ انعام کے اہداف و مقاصد ہیں۔ اس سورت میں تنظیمی احکام جیسے روزہ، حج، حدود، تعزیرات، احکام قید و بند، محاربہ وغیرھا کو بیان نہیں کیا گیا جیسے اہل کتاب یہود، نصاریٰ ومنافقین کے بارے میں کوئی تذکرہ نہیں۔ اس میں بڑے بڑے اساسی مسائل جو عقیدہ وایمان کے اصول قرار پاتے ہیں، بیان کیے گئے ہیں۔ ان اساسی مسائل کو مختصراً تین عناوین میں بیان کیا جا سکتا ہے۔

① ...... مسئلہ الوہیت ② ...... مسئلہ وحی ورسالت ③ ...... مسئلہ بعث بعد الموت اور جزا

• سورت میں دعوت اسلام کے لیے ان اساسی اصول کو جامعیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور ان اصول کو براہین قاطعہ اور دلائل باہرہ کے ساتھ مدلل کیا گیا ہے۔ کیوں کہ یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی ہے اور اس وقت اس سورت کے اولین مخاطب مشرکین تھے۔ تھوڑا غور کرنے سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ اس سورت میں دعوت وتبلیغ کے دو اسلوب اختیار کیے گئے ہیں جبکہ بقیہ سورتوں میں یہ اسالیب اتنی کثرت سے اختیار نہیں کیے گئے۔ یہ اسالیب مندرجہ ذیل ہیں:

① ...... اسلوب تقریر ② ...... اسلوب تلقین

اول: اسلوب تقریر:...... قرآن مجید میں توحید باری تعالیٰ پر دلائل قائم کیے گئے ہیں جو رب تعالیٰ کی قدرت، غلبہ، سلطنت اور سطوت پر دال ہیں۔ اس اسلوب کے بیان کے لیے عموماً واحد غائب کی ضمیر مرفوع متصل استعمال کی گئی ہے جس کا مرجع فوراً قلب سلیم میں اتر جاتا ہے اور یہ امر کسی ذی شعور پر مخفی نہیں رہتا کہ اللہ تعالیٰ ہی کائنات کو وجود بخشنے والا ہے۔ وہی صاحب فضل ہے، وہی انعام واحسان کرنے والا ہے۔ چنانچہ "ھو" کی ضمیر لائی گئی ہے جو خالق کائنات پر دلالت کرتی ہے۔ جیسے: هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ، وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ الْاَرْضِ، وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰكُمْ بِالَّیْلِ، وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ، وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ الخ۔ وهو القاهر فوق عباده۔

دوم: اسلوب تلقین:...... رسول کریم ﷺ کی تعلیم سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ حجت ودلیل کی تلقین فرماتے تا کہ مدمقابل کا ماتھا ٹھنک جائے اور وہ حجت ودلیل پر توجہ دے اور دلیل اس کے دل میں اتر جائے اور گھر کر لے پھر وہ اس سے چھٹکارا نہیں پا سکتا اور نہ ہی اِدھر اُدھر ہو سکتا ہے۔ یہ اسلوب عموماً سوال وجواب کی صورت میں اختیار کیا گیا ہے۔ پہلے سوال کیا جاتا ہے پھر ساتھ ہی اس کا جواب دیا جاتا ہے۔ جیسے مندرجہ ذیل آیات سے واضح ہے:

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ، قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ، قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰی قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْكُمْ بِهٖ، وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰۤی اَنْ یُّنَزِّلَ اٰیَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ

اس اسلوب کو اختیار کر کے مشرکین کے ساتھ مناقشہ کیا گیا ہے اور دلائل وحجج اور براہین سے انہیں لا جواب کیا گیا ہے۔ اس لیے دعوت اسلام کے پیش نظر سورہ انعام کو مکی سورتوں میں امتیاز حاصل ہے۔ اسلام کے حقائق واضح کیے ہیں اور اس کی اساس کو مضبوط کیا ہے۔ معارضین کے شبہات ختم ہو جاتے ہیں۔ سورت میں توحید کا ذکر ہے کہ اللہ خلق وایجاد میں منفرد ہے۔ تشریع وعبادت میں واحد ہے۔ پیغمبروں کو جھٹلانے والوں کا مؤقف ذکر کیا گیا اور امثال سابقہ کے قصص بیان کر کے ان سے عبرت حاصل کرنے کی توجہ دلائی گئی ہے۔ ان مکذبین نے رسالت اور وحی کے متعلق جو شبہات ظاہر کیے، ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ بعث بعد الموت اور جزا وسزا کا ذکر بھی ہے۔ یہ سب امور دلائل انفسی اور دلائل آفاقی سے مدلل کیے گئے ہیں۔ انبیا کے باپ ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ سورت میں رسول کریم ﷺ کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی راہنمائی کی گئی

ہے کہ مشکلات میں صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے۔ حشر کے دن مکذبین کے حالت کی تصویر کشی کی گئی ہے پھر جاہلیت میں کفار کے جاہلی تصرفاتی عقائد کا بھی بیان ہے اور ان کی خود ساختہ تحلیل و تحریم کا بھی ذکر ہے اور اس پر نفاذ و ابطال کا حکم بھی لگایا گیا ہے۔ سورت کے آخر میں دس وصیتیں ذکر کی گئی ہیں جو ہر آسمانی کتاب میں ذکر کی گئی ہیں اور انبیا سابقین اپنی امتوں کو ان کی دعوت دیتے رہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾

سورت کے اختتام میں انسانی منصب پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ انسان زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے اور انسان کو اللہ نے کائنات سپرد کی ہے جو نسل انسانی ایک کے بعد دوسرا اس مقام پر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی مراتب میں تفاوت رکھی ہے جو اس کی عظیم الشان حکمت کی مظہر ہے۔ اس کی حکمت ابتلا و اختیار میں بھی ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۵﴾

سورت کی وجہ تسمیہ:...... سورت کا نام الانعام ہے کیوں کہ انعام کا ذکر سورت میں وارد ہوا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

انعام نعم کی جمع ہے بمعنی چوپائے۔ نیز کفار مختلف چوپایوں کو بتوں کے نام کر دیتے تھے اور بتوں کی قربت حاصل کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سورۃ الانعام مکہ مکرمہ میں ایک ہی رات میں نازل ہوئی ہے اور بوقت نزول ستر ہزار فرشتے بھی اترے جو تسبیح و تہلیل میں مصروف رہے۔[1]

اٰيَاتُهَا ۱۶۵ — (۶) سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ مَكِّيَّةٌ (۵۵) — رُكُوْعَاتُهَا ۲۰

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ؕ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ﴿۲﴾ وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ﴿۳﴾ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۴﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۵﴾ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۪ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۶﴾ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ

[1] محاسن التاویل ۶/ ۲۲۳۲۔ امام رازی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس سورت کی دو امتیازی خصوصیات ہیں۔ اول یہ کہ یہ سورت پوری ایک بار نازل ہوئی۔ دوم یہ کہ اس سورت کو لے کر ستر ہزار فرشتے آئے۔ امتیاز کا سبب یہ ہے کہ سورت توحید، عدل، نبوت، معاد کے دلائل پر مشتمل ہے اور اس میں مبطلین و ملحدین کا ابطال ہے۔

لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧﴾ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا
لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ﴿٨﴾ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ﴿٩﴾
وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿١٠﴾ قُلْ سِيْرُوْا
فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١١﴾ قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ
لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا
اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٢﴾ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١٣﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ
اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ
اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٤﴾ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٥﴾ مَنْ
يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿١٦﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا
هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٧﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿١٨﴾

ترجمہ:......سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے پیدا فرمایا آسمانوں کو اور زمین کو اور بنایا تاریکیوں کو، اور روشنیوں کو، پھر بھی وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں، ﴿١﴾ وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا کیچڑ سے، پھر اجل مقرر فرمائی اور اس کے پاس ایک اجل مقرر ہے، پھر تم شک کرتے ہو، ﴿٢﴾ اور وہ اللہ ہے آسمانوں میں اور زمین میں وہ جانتا ہے باطنی حالات کو اور ظاہر حالات کو، اور وہ جانتا ہے جو تم عمل کرتے ہو ﴿٣﴾ اور جب ان کے رب کی نشانیوں میں سے ان کے پاس کوئی نشانی آتی ہے تو اس سے اعراض کرتے ہیں، ﴿٤﴾ سو بلاشبہ انہوں نے حق کو جھٹلایا جب ان کے پاس آیا۔ سو عنقریب آجائیں گی ان کے پاس اس چیز کی خبریں جس کا مذاق بنایا کرتے ہیں۔ ﴿٥﴾ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی امتوں کو ہلاک کر دیا، ان کو ہم نے زمین میں ایسا اقتدار دیا تھا جو تم کو نہیں دیا اور ہم نے ان پر زوردار بارشیں برسائیں اور ہم نے نہریں بنا دیں جو ان کے نیچے جاری تھیں پھر ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا اور ان کے بعد ہم نے پیدا کر دیں دوسری امتیں ﴿٦﴾ اور اگر ہم اتار دیں آپ پر کاغذ میں لکھا ہوا کوئی نوشتہ پھر وہ اس کو اپنے ہاتھوں سے چھو لیں تب بھی کافر لوگ یوں کہیں گے کہ یہ کچھ بھی نہیں ہے مگر صریح جادو ہے، ﴿٧﴾ اور وہ کہتے ہیں کہ کیوں نہیں اتارا گیا اس پر فرشتہ اور اگر ہم کوئی فرشتہ اتار دیتے تو فیصلہ کر دیا جاتا پھر ان کو کوئی مہلت نہ دی جاتی، ﴿٨﴾ اور اگر ہم اس کو فرشتہ بناتے تو اس کو آدمی ہی بناتے اور ہم ان پر شبہ ڈال دیتے جس شبہ میں وہ اب پڑ رہے ہیں، ﴿٩﴾ اور بلاشبہ آپ سے پہلے رسولوں کے ساتھ استہزا کیا گیا پھر جن لوگوں نے استہزا کیا ان کو اس چیز سے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ ﴿١٠﴾ آپ فرما دیجیے کہ چلو زمین میں پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ ﴿١١﴾ آپ فرما دیجیے! کس کی ملکیت ہے جو آسمانوں میں ہے اور زمینوں میں ہے۔ فرما دیجیے کہ یہ سب اللہ ہی کے لیے ہے اس نے اپنے اوپر رحمت کرنا لازم فرما لیا ہے، وہ ضرور تم کو قیامت کے دن جمع فرمائے گا جس میں کوئی شک نہیں، جن لوگوں نے اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالا وہ ایمان نہیں لائیں گے، ﴿١٢﴾ اور اسی کے لیے ہے جو ساکن ہے رات میں اور دن میں، اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ ﴿١٣﴾ آپ فرما دیجیے! کیا میں اللہ کے سوا کسی کو مددگار بنا لوں جو پیدا کرنے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور وہ کھلاتا ہے اور اسے کھلایا نہیں جاتا۔ آپ فرمایے! بلاشبہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا وہ شخص ہو جاؤں جو فرمانبردار ہوا، اور آپ ہرگز مشرکین میں سے نہ ہو جایئے۔ ﴿١٤﴾ آپ فرما

دیجیے! کہ بے شک! میں اگر اپنے رب کی نافرمانی کروں تو بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں، ﴿۱۵﴾ اس دن جس سے عذاب ہٹا دیا گیا سو میرے رب نے اس پر رحم فرمایا اور یہ کھلی ہوئی کامیابی ہے ﴿۱۶﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ تجھے کوئی تکلیف پہنچا دے تو اس تکلیف کا دور کرنے والا اس کے علاوہ کوئی نہیں اور اگر وہ تجھے کوئی بھلائی پہنچا دے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۱۷﴾ اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہ حکمت والا ہے باخبر ہے۔ ﴿۱۸﴾

لغات :...... یَعۡدِلُوۡنَ: غیر اللہ کو اللہ کے برابر کرتے ہیں، غیر اللہ کو اللہ کے شریک اور مساوی ٹھہراتے ہیں۔ مقولہ ہے: عدل فلان فلانًا: فلاں کو فلاں کے برابر کیا۔ تَمۡتَرُوۡنَ: تم شک کرتے ہو، کسی معاملے میں شک کرنے کو امترا کہا جاتا ہے۔ قَرۡنٍ: القرنُ امت وقوم جو ایک ملت کے ساتھ مقترن ہو۔ حدیث میں ہے۔ خیر القرون قرنی۔ اصل میں قرن سو سال کو کہا جاتا ہے۔ پھر قَرۡنٍ کا اطلاق لوگوں کی ایک امت اور قوم پر ہونے لگا جو اس زمانے میں زندہ ہو۔ شاعر کہتا ہے:

اذا ذهب القرن الذی کنت فیهم وخلفت فی قرن فانت غریب

ترجمہ:...... جب یہ زمانہ جس میں تم موجود ہو گزر جائے اور تم دوسرے زمانے میں پیچھے رہ جاؤ تو تم اجنبی کہلاؤ گے۔ [۱]

مِدۡرَارًا: لگاتار، موسلا دھار۔ قِرۡطَاسٍ: ورق جس پر لکھا جاتا ہے۔ لَلَبَسۡنَا: ہم نے شبہ والتباس میں ڈال دیا۔ خلط میں پڑ جانا۔

حَاقَ: مصیبت میں پڑ گیا۔ وَلِيًّا: مددگار، حمایتی۔

شان نزول :...... مشرکین مکہ کہنے لگے: اے محمد! خدا کی قسم ہم اس وقت تک تمہارے اوپر ایمان نہیں لائیں گے، یہاں تک کہ تم ہمارے پاس اللہ کی طرف سے ایک کتاب اور اس کے ساتھ چار فرشتے لے کر نہ آ ؤ، جو گواہی دیں کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہے اور تم اللہ کے رسول ہو۔ اس پر یہ آیت نازل کی گئی: وَلَوۡ نَزَّلۡنَا عَلَيۡكَ كِتٰبًا فِيۡ قِرۡطَاسٍ فَلَمَسُوۡهُ بِاَيۡدِيۡهِمۡ لَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۷﴾

توحید کے دلائل، تخلیق کائنات

تفسیر: اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِيۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ:...... اللہ تعالیٰ نے الحمد سے اس سورت کی ابتدا کی ہے۔ اس سے اپنے بندوں کو تعلیم دینا مقصود ہے کہ وہ رب تعالیٰ کی حمد و ثنا اسی صیغہ کے ساتھ کریں جو تعظیم، ثنا اور کمال کی مختلف اصناف کو جامع ہے اور اس امر کو بتلانا مقصود ہے کہ اللہ جمیع محامد اور صفات کمال کا مستحق ہے۔ اس کا کوئی ہمسر نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کی کوئی نظیر و مثال نہیں۔ آیت کا معنی ہے: اللہ جو کہ تمہارا رب ہے اور تمہارے اوپر طرح طرح کے انعامات و احسانات اور کرامات کرنے والا ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ان میں جو کچھ بھی انواع و اصناف کی اشیا ہیں پیدا کیں۔ کائنات جو کہ اللہ جل شانہ کی قدرت و کاریگری کا شاہکار ہے، جو اس کی حکمت کی مظہر ہے، جسے دیکھ کر عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں۔ فکریں سوچنے پر مجبور ہو جاتی ہیں جو کہ اہل بصیرت کے لیے نصیحت ہے۔ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوۡرَ: اور اسی نے تاریکیوں اور اجالوں کو پیدا کیا۔ دن و رات بنائے جو ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں، جن میں تمام جہانوں کا فائدہ ہے۔ یہ فائدہ کسی حساب و شمار میں آنے والا نہیں۔ ظلمات جمع کا صیغہ لایا گیا ہے۔ کیوں کہ گمراہی کی راہیں مختلف ہیں جبکہ نور کے لیے مفرد کا صیغہ لایا ہے۔ کیوں کہ نور کا مصدر واحد ہے اور وہ رب تعالیٰ کی ذات ہے جو ساری کائنات کو بقعہ نور بنا دیتا ہے۔ تسہیل میں ہے: آیت میں مجوسیوں پر رد کیا گیا ہے۔ کیوں کہ مجوسی آگ اور ستاروں کی پرستش کرتے ہیں۔ نیز مجوسیوں کا قول ہے کہ خیر و بھلائی نور ہے اور شر ظلمت ہے۔ اس لیے نور اللہ ہے۔ اس پر رد کر دیا گیا ہے کہ خیر و شر اللہ کی مخلوق میں اور ان کا وجود اللہ کی خلق میں ہے اور مخلوق خدا نہیں ہو سکتی۔ [۲] ثُمَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِرَبِّهِمۡ يَعۡدِلُوۡنَ: ان دوٹوک دلائل اور براہین قاطعہ کے بعد کفار رب تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں اور وہ بت جو ان کے اپنے تراشیدہ ہوتے ہیں رب تعالیٰ کے مساوی قرار دیتے ہیں اور ایسے ایسے اوہام باندھتے ہیں، جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ اس میں کفار کے فعل پر تعجب ہے اور ان کے لیے توبیخ ہے۔ ابن عطیہ کہتے ہیں: آیت میں کفار کے فعل قبیح پر دلالت ہے۔ کیوں کہ معنی یہ ہے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین وغیرہ کو پیدا کیا۔ رب تعالیٰ کی آیات واضح ہیں اور اس کے

---

[۱] القرطبی ۶/۳۹۱ [۲] التسہیل ۲/۲

انعامات بھی مخفی نہیں، اس سب کے باوجود پھر بھی کفار رب تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے تم کسی سے کہو: اے فلاں! میں تمہیں مال عطا کرتا ہوں، تمہارا اکرام کرتا ہوں اور تمہارے ساتھ ہر طرح کی بھلائی بھی کرتا ہوں۔ پھر تم مجھے گالی دیتے ہو؟ یعنی اس ساری وضاحت کے بعد کفار شریک ٹھہراتے ہیں۔[1]

تخلیق انسانی کا ذکر

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ: ...... یعنی تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا۔ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا: اور تمہاری زمانی مدت مقرر کی، جس کی انتہا پر تم مرجاتے ہو۔ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ: اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کی بھی تمہاری مدت مقرر کی ہے۔ پہلی اجل (مدت) موت کی ہے اور دوسری اجل بعث بعد الموت کی ہے۔ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ: پھر تم اے کفار! بعث بعد الموت کے متعلق شک کرنے لگے اور ان عظیم نشانیوں کے ظہور کے بعد انکار کرنے لگے۔ وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ: آسمانوں اور زمین میں وہی اللہ ہی عظیم معبود ہے۔ ابن کثیر کہتے ہیں: آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے، سب اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اس کی وحدانیت کا اقرار کرتے ہیں اور اس کی الوہیت کو مانتے ہیں۔ اسی کو پکارتے ہیں، خواہ رغبت سے یا گھبراہٹ سے اور اسی ذات کو اللہ کا نام دیتے ہیں۔ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ: تمہاری پوشیدہ اور ظاہری باتوں کو خوب جانتا ہے۔ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ: تم جو بھی خیر و شر کے اعمال و افعال کرتے ہو، اللہ ان سے بھی بخوبی آگاہ ہے۔ تمہیں ان کا پورا پورا بدلہ دے گا۔

اس کے بعد اللہ نے عناد و اعراض کا ذکر کیا ہے۔ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ: جو بھی ان کے سامنے دلیل یا کوئی معجزہ لایا جاتا ہے یا قرآنی آیات میں سے کوئی آیت لائی جاتی ہے۔ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ: مگر یہ کہ اس میں مطلق غور نہیں کرتے اور التفات ہی نہیں کرتے۔ قرطبی کہتے ہیں: مراد یہ ہے کہ کفار ایسی آیات پر غور نہیں کرتے، جن سے اللہ کی توحید ثابت ہوتی ہے اور ان معجزات پر بھی توجہ نہیں دیتے، جن سے نبی کی صداقت پر استدلال ہوتا ہے۔[2] فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ: اور وہ قرآن جو اللہ نے ان کے پاس بھیجا اسے انہوں نے جھٹلا دیا۔ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ: عنقریب ان پر عذاب آئے گا، خواہ جلد یا بدیر، اور جو یہ قرآن کا مذاق اڑاتے تھے، اس کی انہیں خبر ہو جائے گی۔ آیت میں عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

بطور عبرت سابقہ اقوام کے احوال

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کفار کو ابھارا ہے کہ سابقین کے حالات سے عبرت حاصل کرو۔ چنانچہ ارشاد ہے: اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ: ان سے پہلے جن اقوام کو ہم نے ان کی تکذیب انبیا کی وجہ سے ہلاک کیا، ان سے عبرت نہیں حاصل کرتے۔ کیا وہ اس کا علم نہیں رکھتے؟ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ: ہم نے انہیں وسعت، فراخی، عیش و عشرت اور زمین میں تمکین کے اسباب عطا کیے جو اے اہل مکہ! ہم نے تمہیں نہیں عطا کیے۔ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا: اور ہم نے لگاتار اور موسلا دھار بارشیں نازل کیں، جو ان کے لیے خوشحالی کا پیغام لائیں۔ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ: ہم نے ان کے درختوں اور گھروں کے نیچے سے نہریں بہائیں، حتیٰ کہ وہ فراخی اور خوشحالی میں زندگی بسر کرنے لگے۔ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ: پھر انہوں نے کفر کیا اور نافرمانی پر اتر آئے۔ ان کے گناہوں کے سبب ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔ آیت میں کفار کے لیے دھمکی ہے کہ اگر باز نہ آئے تو ان کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوگا۔ حالاں کہ انہیں زمین میں قوت و تمکین حاصل تھی۔ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ: ان کے بعد ہم نے ان کے علاوہ ایک دوسری قوم پیدا کر دی۔ ابوحیان کہتے ہیں: آیت میں مخاطبین سے ہلاکت کی تعریض کی گئی ہے۔ جیسا کہ ان سے پہلے نافرمانوں سے کیا گیا۔[3] وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ: اے محمد! اگر ہم تمہارے اوپر ایسی کتاب نازل کرتے جو ایک ورق پر لکھی ہوتی جیسا کہ کفار کی تجویز ہے۔ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ: وہ اس کا معائنہ کرتے اور ہاتھوں سے چھو کر دیکھتے تاکہ ان کے اشکال ختم ہو جاتے۔ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ: اس عظیم نشانی کو دیکھ کر کفار کہتے یہ تو کھلم کھلا جادو ہے اور وہ یہ بات محض ضد و عناد

---

[1] البحر المحیط ۶/۶۸ [2] القرطبی ۶/۳۹۰ [3] البحر المحیط

کی وجہ سے کہتے۔ غرض یہ ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے، اگر چہ ان کے پاس واضح دلائل اور کھلی نشانیاں ہی کیوں نہ لائی جائیں۔ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ: کہتے کیوں نہیں تمہارے اوپر فرشتہ نازل کیا گیا جو تمہاری نبوت اور سچائی کی گواہی دیتا اور "لولا" "ھلا" کے معنی تخصیص کے لیے ہے۔ ابوسعود کہتے ہیں: محمد پر فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا، جسے ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور وہ ہمارے ساتھ کلام کرتا۔ کہتا کہ محمد نبی ہے۔ یہ بھی کفار کے اباطیل میں سے ہے، جب ان پر حیلوں کی راہ مسدود ہو جاتی ہے اس طرح کے باطل اشکالات شروع کر دیتے ہیں۔[1] وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ: جیسے کہ کفار نے باطل تجویز دی ہے اس طرح اگر ہم فرشتہ نازل کرتے اور وہ اسے کھلی آنکھوں سے دیکھ لیتے، پھر وہ کفر کرتے تو ان کی ہلاکت ان کا مقدر بن جاتی۔ جیسا کہ عادت اللہ ہے کہ جب منہ بولتی نشانی دیکھ لینے کے بعد ایمان نہ لایا جائے تو اللہ مطالبہ کرنے والوں کو ہلاک کر دیتا ہے۔ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ: پھر انہیں مہلت اور تاخیر نہیں دی جاتی۔ گویا یہ آیت کفار کے مطالبے کو پورا نہ کرنے کی علت ہے اور مطالبہ کرنے والے اپنے ہی ہاتھوں اپنی قبر کھودنا چاہتے ہیں۔ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا: اگر ہم رسول کو فرشتہ بنا کر بھیجتے تو لامحالہ وہ فرشتہ کسی مرد کی شکل میں ہوتا، کیوں کہ انسان میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ فرشتے کو دیکھ سکیں۔ وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ: تو یہ لوگ التباس اور خلط میں پڑ جاتے۔ کیوں کہ اگر یہ فرشتے کو انسانی شکل میں دیکھتے تو کہتے یہ تو انسان ہے، فرشتہ نہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر کے متعلق کہتے ہیں: اگر ان کے پاس فرشتہ آتا تو یقیناً وہ کسی مرد کی صورت میں آتا کیوں کہ فرشتے نور ہیں، اس لیے انسان فرشتوں کو دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ: ہر امت میں سے جو لوگ کفار تھے وہ انبیا جو ان کی طرف مبعوث کیے جاتے تھے، کے ساتھ مذاق اڑاتے تھے۔ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ: ان مذاق اڑانے والوں پر ان کے مذاق کی سزا اور عذاب نازل ہوا، جس نے ان کو گھیر لیا۔ اس میں کفار کو دھمکی دی جا رہی ہے۔ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ: اے محمد! ان مذاق اڑانے والے مسخروں سے کہہ دیجیے کہ زمین میں چلو پھرو اور سفر کرو، دیکھو اور غور کرو کہ کفار جو تم سے پہلے گزرے ان پر کیسا عذاب نازل ہوا تا کہ تم پہلی امتوں کے آثار و نشانات سے عبرت حاصل کرو کہ اللہ نے انہیں کیسے ہلاک کیا اور وہ عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے کیسے عبرت بن گئے۔ قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: اے محمد! کہہ دیجیے کہ ساری کائنات کس کی پیدا کردہ ہے، کس کی ملکیت ہے اور کس کے تصرف میں ہے؟ سوال کفار پر حجت قائم کرنے کے لیے ہے اور انہیں ڈانٹ پلانے کے لیے ہے۔ قُلْ لِّلّٰهِ: تنبیہ کے طور پر انہیں کہو! کہ کائنات کی تخلیق، ملکیت اور تصرف اللہ کا ہے چوں کہ کفار ضروری طور پر اس کی موافقت کریں گے، کیوں کہ اللہ ہر چیز کا خالق ہے یا تو ہر چیز اللہ کا اعتراف کرتی ہے یا اس کی ان پر حجت قائم ہو چکی ہے۔

كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ: ...... اللہ نے فضل و احسان کے طور پر اپنے اوپر رحمت لازم کر دی ہے، اس سے غرض کفار کو نرمی کے ساتھ ایمان کی دعوت دینا ہے۔ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ: اللہ تمہیں تمہاری قبروں سے ضرور اٹھائے گا اور قیامت کے دن جمع کرے گا اس دن میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ یہ اس لیے ہوگا تا کہ اللہ تمہیں پورا پورا بدلہ دے۔ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ: انہوں نے اپنے آپ کو ضائع کر دیا اور اس ضیاع کا سبب ان کا کفر اور دنیا میں ان کے برے اعمال ہیں۔ تاہم وہ ایمان نہیں لائیں گے، اسی لیے آخرت میں ان کے لیے میزان نہیں قائم کیا جائے گا اور آخرت میں ان کے لیے سوائے دوزخ کے کچھ بھی حصہ نہیں ہوگا اور انہیں دردناک عذاب ہوگا۔ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ: رات اور دن میں جو مخلوق بھی آرام و سکون حاصل کرتی ہے، سب اس کے قہر و غلبہ اور تصرف کے ماتحت ہیں۔ آیت سے مراد رب تعالیٰ کی ملکیت کے عموم کو بیان کرنا ہے۔ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ: اللہ اپنے بندوں کے اقوال سننے والا ہے اور ان کے احوال سے واقف ہے۔ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا: استفہام برائے توبیخ ہے۔ یعنی اے محمد! ان مشرکین سے کہو: کیا میں غیر اللہ کو معبود بنا لوں؟ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: بغیر کسی سابقہ

---

[1] البحر المحیط ۶۸/۲

مثال کے اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ :اور اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے اور رزق اسے نہیں دیا جاتا۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اللہ اپنی مخلوق کو رزق عطا کرنے والا ہے اور وہ مخلوق کا محتاج نہیں۔[1] قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ :اے محمد! مشرکین سے کہہ دیجیے میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں سر تسلیم خم کرنے میں پہل کرنے والا بنوں اس امت میں سے۔ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ :اور مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ میں مشرک نہ بنوں۔ زمخشری کہتے ہیں: آیت کے معنی یہ ہیں: مجھے اسلام کا حکم دیا گیا ہے اور شرک سے منع کیا گیا ہے۔

اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں

قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ :...... مشرکین سے کہہ دیجیے! اگر میں نے اپنے رب کے علاوہ کسی اور کی عبادت کی تو مجھے خدا تعالیٰ کے سخت ترین عذاب کا ڈر ہے اور یہ عذاب قیامت کے دن کا عذاب ہے۔ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ :جس شخص سے عذاب دور کردیا گیا تو گویا اس پر اللہ نے رحمت کردی۔ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ :یعنی ظاہری نجات بڑی کامیابی ہے۔ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ :اے محمد! اگر تمہارے اوپر فقر و فاقہ کی تنگی یا مرض آجائے تو اس تنگی کو دور کرنے والا کوئی نہیں مگر اللہ، اس تنگی کو دور کرنے والا اللہ کے سوا کوئی موجود نہیں۔ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ :اگر تمہیں صحت و نعمت کی بھلائی پہنچے تو اسے رد کرنے والا کوئی نہیں، کیوں کہ صرف اللہ ہی بھلائی اور تنگی پہنچانے والا ہے۔ تسہیل میں ہے: آیت میں رب تعالیٰ کی یکتائی پر واضح دلیل ہے کہ وہی اکیلا خیر و تنگی پہنچانے والا ہے۔ اس کے بعد والے اوصاف بھی از قسم براہین ہیں جو مشرکین پر وارد ہوئے ہیں۔[2] وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ :ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: وہی ذات تو ہے جس کے آگے گردنیں خم ہوتی ہیں، جس کے آگے بڑے بڑے جابر ذلیل و حقیر ہیں۔ چہرے اسی کے آگے جھکتے ہیں، وہ ہر چیز پر غالب ہے۔ اس کے سب افعال حکمت پر مبنی ہیں اور وہ اشیا سے باخبر ہے۔[3]

بلاغت: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ :...... یہ صیغہ قصر کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی حمد و ثنا کا کوئی مستحق نہیں، مگر اللہ۔ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ :اس میں محسنات بدیعیہ میں سے صنعت طباق ہے۔ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ :اس میں استبعاد ہے کہ مشرکین ان آیات کے بعد اللہ کے برابر کسی اور کو ٹھہرائیں۔ رَبِّهِمْ :میں اسم ظاہر ضمیر کی جگہ لایا گیا ہے۔ ایسا مشرکین کی شناعت کے لیے کیا گیا ہے۔ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ :میں طباق (تضاد) ہے۔ مِّنْ قَرْنٍ :میں مضاف حذف ہے۔ یعنی "اھل قرن" اور یہ مجاز مرسل ہے۔ وَاَرْسَلْنَا السَّمَاۗءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا :میں بارش کو آسمان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ بھی مجاز مرسل ہے۔ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ :میں رسل کو نکرہ لایا گیا ہے اور ایسا تفخیم و تکثیر کے لیے کیا گیا ہے۔ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ :صیغہ مبالغہ ہے۔

فائدہ: ...... قرآن مجید میں پانچ سورتوں کی ابتدا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے ہوتی ہے۔ ① ...... سورۃ الفاتحہ ② ...... سورۃ الانعام ③ ...... سورۃ الکہف ④ ...... سورہ سباء ⑤ ...... سورہ فاطر

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے صدق پر شہادت

قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ۭ قُلِ اللّٰهُ ڐ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۣ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۭ اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰي ۭ قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ⑲ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاۗءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑳ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰي عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ

وقف لازم ۔ ع ۔

[1] مختصر ابن کثیر ۱/ ۵۷۰ [2] التسہیل ۲/ ۴ [3] ابن کثیر ۱/ ۵۷۱

لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ
كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿۲۳﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ
كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى
قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ
يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْــَٔوْنَ عَنْهُ ۚ
وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ
وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَوْ رُدُّوْا
لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۲۹﴾
وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۭ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ
بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۰﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا
يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ۭ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾
وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾ قَدْ نَعْلَمُ
اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾
وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ
لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ
اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ
عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾

ع۱۰

النصف

ترجمہ:......آپ فرما دیجیے کہ گواہی کے لیے سب سے بڑھ کر کون سی چیز ہے؟ آپ فرما دیجیے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے اور میری طرف یہ قرآن وحی کے ذریعے بھیجا گیا ہے تاکہ میں اس کے ذریعے تمہیں اور جس جس کو یہ قرآن پہنچے اسے ڈراؤں، کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ دوسرے معبود ہیں؟ آپ فرما دیجیے کہ میں تو ایسی گواہی نہیں دیتا، آپ فرما دیجیے کہ صرف وہی ایک معبود ہے اور بلاشبہ میں ان سے بیزار ہوں جن کو تم شریک بناتے ہو، ﴿۱۹﴾ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ رسول کو پہچانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ جن لوگوں نے اپنی جانوں کو ضائع کر دیا سو وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ﴿۲۰﴾ اور اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر بہتان باندھے۔ اس کی آیتوں کو جھٹلائے، بے شک بات یہ ہے کہ ظلم کرنے والے کامیاب نہیں ہوتے، ﴿۲۱﴾ اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے پھر ان لوگوں سے ہم کہیں گے جنہوں نے شرک کیا

کہاں ہیں تمہارے شریک جن کے بارے میں تم دعویٰ کیا کرتے تھے؟ (۲۲) پھر نہ ہوگا ان کا فریب اس کے سوا کہ وہ کہیں گے قسم ہے اللہ کی جو ہمارا رب ہے ہم شرک کرنے والے نہ تھے۔ (۲۳) دیکھو کیسا جھوٹ بولا اپنی جانوں پر اور وہ سب کچھ غائب ہوا جو وہ جھوٹ بنایا کرتے تھے، (۲۴) اور ان میں بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں کہ وہ اسکو سمجھیں اور ان کے کانوں میں بھاری پن کر دیا ہے اور اگر یہ لوگ ہر طرح کی نشانیاں دیکھ لیں تب بھی ان پر ایمان نہ لائیں گے، یہاں تک کہ جب آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے جھگڑا کرتے ہیں، جنھوں نے کفر کیا وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ پچھلے لوگوں کی لکھی ہوئی باتوں کے سوا کچھ بھی نہیں (۲۵) اور وہ لوگ اس سے منع کرتے ہیں اور اس سے دور ہوتے ہیں، اور وہ نہیں ہلاک کرتے مگر اپنی ہی جانوں کو اور سمجھتے نہیں ہیں۔ (۲۶) اور آپ اگر اس وقت دیکھیں جب وہ کھڑے کیے جائیں گے دوزخ پر تو کہیں گے ہائے! ہماری بربادی کاش! ہم واپس کر دیے جاتے اور اپنے رب کی آیات کو نہ جھٹلاتے! اور ہم ایمان والوں میں سے ہو جاتے! (۲۷) بلکہ بات یہ ہے کہ وہ جس چیز کو اس سے پہلے چھپایا کرتے تھے وہ ظاہر ہو گئی اور اگر وہ واپس کر دیے جائیں تب وہ بھی وہ کام کریں گے جس سے وہ منع کیے گئے اور بلاشبہ وہ جھوٹے ہیں (۲۸) اور انہوں نے کہا کہ بس یہی ہے ہماری دنیا والی زندگی اور ہم نہیں ہیں اٹھائے جانے والے، (۲۹) اور اگر آپ اس وقت جب کھڑے کیے جائیں گے اپنے رب حضور رب تعالیٰ شانہٗ کا سوال ہوگا کیا یہ حق نہیں ہے؟ جواب میں کہیں گے کہ ہاں! ہمارے رب کی قسم یہ حق ہے! رب تعالیٰ شانہٗ فرمائیں گے کہ چکھو عذاب اس وجہ سے کہ تم کفر کرتے تھے۔ (۳۰) اس میں شک نہیں کہ وہ لوگ خسارے میں پڑ گئے جنھوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا یہاں تک کہ جب ان کے پاس اچانک قیامت آجائے گی تو کہیں گے کہ ہائے ہماری حسرت! اس پر جو ہم نے دنیا میں کوتاہی کی اور اپنے بوجھوں کو اپنی کمروں پر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ خبردار! برا ہے وہ بوجھ جسے وہ اٹھا رہے ہوں گے (۳۱) اور نہیں دنیا والی زندگی مگر ایک لعب اور لہو اور البتہ آخرت والا گھر ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟ (۳۲) ہم جانتے ہیں کہ بے شک آپ کو ان کی باتیں رنجیدہ کرتی ہیں۔ سو یہ یقینی بات ہے وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے اور لیکن ظلم کرنے والے اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں (۳۳) اور بلاشبہ آپ سے پہلے رسولوں کو جھٹلایا گیا سو انہوں نے جھٹلائے جانے پر اور ایذائیں پہنچنے پر صبر کیا یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آگئی اور اللہ کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں اور البتہ پیغمبروں کی بعض خبریں آپ کے پاس پہنچ چکی ہیں (۳۴) اور اگر آپ کو ان کا اعراض کرنا گراں گزر رہا ہے تو اگر آپ سے ہو سکے تو آپ زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی زینہ تلاش کر لیں پھر آپ ان کے پاس معجزہ لے آئیں تو آپ ایسا کر لیجیے اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔ لہٰذا آپ نادانوں میں سے نہ ہو جایئے۔ (۳۵)

ربط و تعارف:...... شروع سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت و وحدانیت پر دلائل اور براہین قائم کیے۔ اب ان آیات میں محمد ﷺ کی نبوت کے صدق پر شہادت قائم کی ہے۔ پھر منکرین قرآن اور مکذبین وحی کا موقف ذکر کیا اور قیامت کے دن ان کی شدید حسرت کا ذکر کیا ہے۔

لغات: لِأُنْذِرَكُمْ:...... الانذار سے ماخوذ ہے ڈرسنانا، ایسی خبر دینا جس میں خوف بھی ہو۔ فِتْنَتُهُمْ: الفتنہ امتحان۔ أَكِنَّةً: کنان کی جمع ہے بمعنی پردہ، ڈھکن۔ وَقْرًا: کسی چیز کا بوجھل ہونا مقولہ ہے: وقرت اذنہ فلاں شخص بہرہ ہو گیا۔ أَسَاطِيرُ: اسطورۃ کی جمع ہے بمعنی خرافات، اباطیل، جوہری کہتے ہیں: باطل باتیں۔[1] يَنْئَوْنَ: وہ دور ہوتی ہیں۔ بَغْتَةً: اچانک فَرَّطْنَا: فَرَّطَ کوتاہی کی باوجودیکہ ترک کوتاہی پر قدرت ہو۔ ابوعبید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: فَرَّطَ، ضَيَّعَ ضائع کیا۔ أَوْزَارَهُمْ: وزرٌ کی جمع ہے بمعنی گناہ يَزِرُونَ: وہ اٹھائیں گے۔ لَهْوٌ: اللَّهْوُ نفس کو سنجیدگی سے مذاق کی طرف پھیر دینا۔ ہر وہ چیز جو تمہیں اپنی طرف مشغول کر دے گویا وہ تمہیں ہلاک کر رہی ہوتی ہے۔

شانِ نزول، الف:...... رؤسائے مکہ کہنے لگے: اے محمد! ہم کسی کو بھی نہیں جانتے جو تمہاری رسالت کی تصدیق کرتا ہو۔ چنانچہ ہم نے تمہارے بارے میں یہود و نصاریٰ سے پوچھا، ان کا خیال ہے کہ تمہارے بارے میں ان کے پاس کوئی تذکرہ نہیں۔ ہمیں کوئی ایسا شخص بتاؤ جو تمہارے رسول ہونے کی گواہی دے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

---

[1] مجمع البیان ۴/ ۲۸۶

قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ۚ قُلِ اللّٰهُ ۚ شَهِيْدٌ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۚ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۚ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ۚ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿١٩﴾[1] (سورۃ الانعام، آیت ۱۹)

ب:......ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ ابوسفیان، ولید بن مغیرہ اور نضر بن حارث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی تلاوت کررہے تھے۔ نضر بن حارث سے دوسرے دو کہنے لگے: محمد کیا کہتا ہے؟ وہ بولا: یہ تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں، جو میں بھی تمہیں پہلی قوموں کی باتیں سنایا کرتا ہوں۔ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٢٥﴾[2] (سورۃ الانعام، آیت ۲۵)

ج:......روایت ہے کہ اخنس بن شریق ایک مرتبہ ابوجہل بن ہشام سے ملا اور اس سے کہا: اے ابوالحکم! مجھے محمد کے بارے میں بتاؤ، کیا وہ سچا ہے یا جھوٹا؟ اس وقت ہمارے پاس تیسرا آدمی کوئی نہیں تھا۔ ابوجہل بولا: اللہ کی قسم! محمد سچا ہے اور اس نے کبھی بھی جھوٹ نہیں بولا لیکن بات صرف اتنی ہے کہ بنو قصی نشان (جھنڈا) سقایہ (پانی پلانے کا عہدہ)، حجابت (کعبہ کی پاسبانی کا عہدہ) اور نبوت لے اڑے تو بقیہ قریش کے پاس کیا بچا؟ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿٣٣﴾[3] (سورۃ الانعام، آیت ۳۳)

تفسیر: قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً:......اے محمد! کہہ دیجیے کہ کونسی ایسی چیز ہے جو عظیم تر ہو اور وہ میرے اعلان نبوت میں سچے ہونے کی گواہی دے؟ قُلِ اللّٰهُ ۚ شَهِيْدٌ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ: آپ ہی انہیں جواب دو اور کہو: اللہ ہی میرے حق میں گواہی دیتا ہے کہ میری رسالت اور نبوت سچی ہے اور اللہ گواہی دینے کو کافی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: اللہ نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: مشرکین سے کہہ دیجیے کونسی اعلیٰ درجے کی چیز ہے جو گواہی بن سکے۔ اگر مشرکین جواب دیں تو فبہا ورنہ کہہ دیجیے کہ اللہ ہی میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے۔[4] وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ: اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تا کہ اے اہل مکہ! میں تمہیں اس کے ذریعے ڈر سناؤں اور عرب و عجم میں سے جسے بھی تا قیامت یہ قرآن پہنچا میں اسے ڈراؤں۔ ابن جزی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: آیت کا مقصد اللہ تعالیٰ کو گواہ بنانا ہے جس کی گواہی نہایت اعلیٰ درجے کی ہے۔ اس امر پر اللہ کی گواہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے صدق کا علم ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر معجزات کا اظہار ہے۔ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى:......استفہام برائے توبیخ ہے۔ یعنی اے مشرکین! کیا تم اللہ کے ساتھ دیگر معبودان کا اقرار کرتے ہو؟ دلائل واضح ہوجانے کے بعد تم کیسے گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ دوسرے معبودان بھی شریک ہیں، حالاں کہ اللہ کی یکتائی پر حجت قائم ہوچکی۔ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ: کہہ دیجیے! میں اس کی گواہی نہیں دیتا۔ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ: اے محمد! کہہ دیجیے! میں تو صرف یہ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ اکیلا ہے، فرد ہے، واحد ہے اور بے نیاز ہے۔ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ: اور میں ان بتوں سے بری الذمہ ہوں۔ اس کے بعد بیان ہے کہ کفار جاہل اور معاند کے بین بین ہیں۔ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ: یعنی یہود و نصاریٰ جو جانتے بھی ہیں اور ساتھ ساتھ عناد بھی رکھتے ہیں۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حلیہ سے پہچانتے ہیں اور ان کی صفات سے پہچانتے ہیں۔ کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات تورات و انجیل میں مذکور ہیں، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی پہچانتے ہیں، جیسے ان میں سے کوئی شخص اپنی اولاد کو پہچانتا ہے اور اسے اپنی اولاد کے متعلق کوئی شک نہیں ہوتا۔ زمخشری کہتے ہیں: آیت میں اہل مکہ کو استشہاد پیش کیا گیا ہے کہ اہل کتاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کے صحیح، سچ ہونے کا علم رکھتے ہیں اور وہ اس کے گواہ ہیں۔[5]

---

[1] اسباب النزول، ص ۱۲۲ [2] / ۱۴ ،۴ [3] التفسیر الکبیر ۱۲ / ۲۰۵ [4] البحر ۴ / ۹۰ [5] الکشاف ۲ / ۹

اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ:...... یہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں کیوں کہ یہ محمد ﷺ پر ایمان نہیں لائے جبکہ آیات واضح ہو چکی ہیں۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ: استفہام انکاری ہے اور اس کا معنی نہی ہے۔ یعنی اس شخص سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں جو اللہ پر جھوٹ بولے یا قرآن اور معجزات کی تکذیب کرے اور معجزات کو جادو کہے۔ ابوالسعود کہتے ہیں: کلمہ "او" اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ افترا اور تکذیب دونوں میں سے ہر ایک ظلم کے درجہ افراط کو پہنچا ہوا ہے۔ حالاں کہ مشرکین میں دونوں باتیں یعنی افترا پردازی اور تکذیب جمع تھیں۔ چنانچہ مشرکین اس چیز کا اثبات کرتے جس کی اللہ تعالیٰ نفی کرتا اور اس چیز کی نفی کرتے جس کا اللہ اثبات کرتا۔ اللہ انہیں تباہ کرے وہ کہاں بھٹک رہے ہیں۔[1] اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ: یعنی افترا پرداز اور مکذب فلاح نہیں پاتا۔ اس میں اشارہ ہے کہ رسالت کا مدعی اگر جھوٹا ہو تو وہ اللہ پر افترا باندھتا ہے اور وہ ظہور معجزات کا محل نہیں ہو سکتا۔

مشرکین کا جھوٹ

وَیَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ اَشْرَكُوْۤا:...... اس دن کو یاد کرو جب ہم سب مخلوق کو حساب کے لیے جمع کریں گے اور سر عام ہم ان سے کہیں گے۔ اَیْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ: تمہارے وہ معبودان کہاں ہیں جنہیں تم اللہ کے شریک ٹھہراتے تھے۔ بیضاوی آیت مذکور کی تفسیر کے بارے میں کہتے ہیں: استفہام سے مراد توبیخ (ڈانٹ پلانا) ہے۔ اور تَزْعُمُوْنَ: کا مفعول حذف ہے۔ یعنی تزعمونهم آلهة جنہیں تم معبودان سمجھتے تھے اور اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے، گویا دونوں مفعول حذف کر دیے گئے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: قرآن میں جہاں بھی "زعم" کا لفظ آیا ہے، اس سے کذب مراد ہے۔[2]

ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ:...... جب ان سے یہ سوال پوچھا جائے گا تو ان کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہوگا۔ حالاں کہ وہ حقائق دیکھ چکے ہوں گے۔ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ: وہ جھوٹی قسم کھاتے ہیں کہ اللہ کی قسم! ہم مشرکین نہیں تھے۔ قرطبی کہتے ہیں: مشرکین جب مؤمنین کی مغفرت دیکھیں گے، اس وقت مشرکین سے بیزاری کا اعلان کریں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: اللہ اہل ایمان کے گناہوں کو معاف فرمائے گا۔ جب مشرکین مؤمنین کو دیکھیں گے تو کہیں گے: آؤ ہم اللہ کے دربار میں یہ کہتے ہیں کہ ہم تو گناہ گار تھے مشرکین نہیں تھے۔ چنانچہ ان کے مونہوں پر مہریں لگا دی جائیں گی اور ان کے ہاتھ پاؤں گفتگو کرنے لگیں گے۔ اُنْظُرْ كَیْفَ كَذَبُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ: اے محمد! دیکھو رب تعالیٰ جو غیب دان ہے، اس کے دربار میں شرک کی کیسے نفی کریں گے اور اپنے اوپر جھوٹ بولیں گے۔ یہ ان کے صریح جھوٹ پر تعجب ہے۔ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ: مشرکین اپنے معبودان کے متعلق جو زعم رکھتے ہیں کہ وہ ان کی سفارش کریں گے اور انہوں نے اللہ پر جو افترا باندھ رکھا ہے کہ معبودان اللہ کے شرکا ہیں تو ان معبودان کا انہیں کوئی سراغ نہیں مل سکے گا۔ اس کے بعد اللہ نے مشرکین کے قرآن سننے کے وقت کی حالت بیان فرمائی ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّسْتَمِعُ اِلَیْكَ: اے محمد! ان مشرکین میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو تمہاری تلاوت کان لگا کر سنتے ہیں۔ وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ: ہم نے ان پر پردے ڈال دیے ہیں تاکہ قرآن کو سمجھ نہ پائیں۔ کیوں کہ ان کا سننا طلب حق کے لیے نہیں بلکہ ضد و عداوت کے لیے ہے۔ وَفِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا: ان کے کانوں کو بوجھل بنا کر ان میں بہرہ پن پیدا کر دیا ہے جو سماعت کے مانع ہے۔ ابن جزی کہتے ہیں: معنی یہ ہے کہ جب مشرکین قرآن سنتے ہیں تو اللہ ان کے اور فہم قرآن کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ اکنہ اور وقر سے مانع سماعت کو مبالغہ کے لیے تعبیر کیا گیا ہے۔[3] وَاِنْ یَّرَوْا كُلَّ اٰیَةٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا: بسا اوقات مشرکین آیات دلائل و براہین اور معجزات بھی دیکھ لیتے ہیں پھر بھی ضد و عناد کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے۔ حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوْكَ یُجَادِلُوْنَكَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ: مشرکین تکذیب و ہٹ دھرمی میں یہاں تک پہنچ چکے ہیں کہ جب تمہارے پاس جھگڑا اور مناظرہ کرنے کے لیے آتے ہیں تو قرآن کے بارے میں

---

[1] ابوالسعود ۲/ ۸۸ [2] القرطبی ۶/ ۴۰۱ [3] التسہیل ۲/ ۶

کہتے ہیں کہ یہ تو خرافات اور پہلے لوگوں کی باطل کہانیاں ہیں۔وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ: یہ مشرکین و مکذبین لوگوں کو قرآن سے منع کرتے ہیں اور محمد ﷺ کی اتباع سے دور رہتے ہیں۔وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ: وہ اپنے اس طرز عمل سے اپنے آپ ہی کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں۔انہیں اس کا شعور ہی نہیں۔ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔دونوں قبیح افعال ان میں جمع ہو جاتے ہیں۔اس کا وبال انہی پر پڑتا ہے اور انہیں اس کا شعور ہی نہیں۔[1] وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ: اے محمد! ان مشرکین کو اگر دیکھو جب انہیں دوزخ پر کھڑا کیا جائے گا تو تم ایسا ہولناک منظر دیکھتے جو سر کے بالوں کو سفید کر دے۔بیضاوی کہتے ہیں۔لَوْ: کا جواب محذوف ہے اور تقدیری جواب یہ ہے: لرأيت امرا شنيعا جواب لَوْ: اس لیے حذف کیا گیا ہے تاکہ سامع اسے عظیم تر سمجھے۔فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا: دنیا میں دوبارہ آنے کی تمنا کریں گے تاکہ نیک اعمال کر سکیں اور پھر اللہ کی آیات کو جھٹلائیں گے بھی نہیں۔وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ: جب ہم دنیا میں واپس چلے جائیں گے تو ضروریات دین کی تصدیق کریں گے اور اللہ پر صدق دل سے ایمان لائیں گے۔چنانچہ دنیا میں واپس آنے کی تمنا کریں گے تاکہ نیک اعمال کرنے ہیں اور ان سے جو لغزشیں ہوئی ہیں ان کا تدارک کر سکیں۔اللہ نے ان کی تمنا پر یوں رد کیا ہے۔

بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ:......وہ دنیا میں اپنے عیوب، برائیاں اور قبائح چھپاتے تھے اور آخرت میں ان کے سامنے ظاہر ہو جائیں گے۔وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ: بالفرض اگر انہیں دنیا میں واپس بھیج دیا جائے تو وہ پھر سے کفر اور گمراہی اختیار کریں گے اور وہ جو ایمان کا وعدہ کرتے ہیں اس میں جھوٹے ہیں۔وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ: یہ کفار، فجار تو کہتے ہیں کہ بس صرف یہی دنیوی زندگی ہے۔بعث بعد الموت کو کچھ نہیں سمجھتے۔وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ: اگر تم ان کی حالت دیکھو جب انہیں حساب کے لیے رب تعالیٰ کے دربار میں کھڑا کیا جائے گا، جیسے مجرم غلام جواب دہی کے لیے اپنے آقا کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔یہاں بھی لو کا جواب محذوف ہے اور اس منظر کی ہولناکی بیان کرنا مقصود ہے۔قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ: کیا دوسری زندگی (معاد) برحق نہیں ہے؟ ہمزہ برائے استفہام ہے جو کفار کو تکذیب پر ڈانٹ پلا رہی ہے۔قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا: کہیں گے اے ہمارے رب! اس میں کوئی شک نہیں۔یہ زندگی برحق ہے۔

قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ:......تم نے دنیا میں جو کفر کیا ہے اس کے سبب اب عذاب کا مزا چکھو۔اس کے بعد اللہ نے ان کفار کے متعلق خبر دی ہے۔چنانچہ ارشاد ہے: قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ: یہ لوگ جو بعث بعد الموت کی تکذیب کرتے تھے، خسارے میں ہیں۔حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً: یہاں تک کہ جب اچانک قیامت آ گئی اور انہیں قیامت کے آنے کا وقت معلوم نہیں تھا۔قرطبی کہتے ہیں: قیامت کو "السَّاعَةُ" اس لیے کہتے ہیں کہ اس دن حساب بہت جلد لیا جائے گا۔[2] قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا: کہیں گے۔ہائے ہماری ندامت! ہم نے اس دن کے بارے میں بڑی کوتاہی کی اور دنیا میں کچھ خیال نہیں کیا اور اعمال صالحہ نہ کر سکے۔وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ: اور حال یہ ہوگا کہ مشرکین اپنے گناہوں کا بوجھ اپنی پیٹھوں پر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔بیضاوی اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں: یہ تمثیل ہے کہ وہ اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھانے کے مستحق ہیں۔[3] عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ: کی قید ساتھ اس لیے ہے کہ عادۃً بوجھ پیٹھ پر اٹھایا جاتا ہے۔ابن جزی کہتے ہیں: یہ گناہوں کے وبال سے کنایہ ہے۔ایک قول یہ بھی ہے کہ حقیقۃً گناہوں کا بوجھ پیٹھوں پر اٹھائیں گے۔

چنانچہ روایت ہے کہ کافر کے اعمال نہایت قبیح شکل اختیار کر لیں گے اور پھر کافر کی پیٹھ پر سوار ہو جائیں گے اور مؤمن کے اعمال نہایت خوبصورت شکل اختیار کر لیں گے اور مؤمن ان پر سوار ہو جائے گا۔[4] اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ: کفار جو بوجھ اٹھائیں گے وہ بہت برا ہوگا۔وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ: دنیا کی زندگانی قلیل المدت ہونے کی وجہ سے باطل اور دھوکا ہے۔اس کی لذات فنا ہونے والی ہے۔وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ: آخرت اور اس کی نعمتیں کبھی نہ ختم ہونے والی ہیں اور ان کا سرور بھی دائمی ہے۔اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ: تم کیوں نہیں سمجھتے کہ آخرت دنیا سے بدرجہا افضل ہے؟ اس کے بعد اللہ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو تسلی دی ہے۔قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ: ہم نے مشرکین کی تکذیب کا علمی

---

[1] ابن کثیر ۱/ ۵۷۳ [2] القرطبی ۶/ ۴۱۲ [3] البیضاوی، ص ۱۱۹ [4] التسہیل ۲/ ۷

احاطہ کر رکھا ہے اور تمہارا ان پر حزن وملال بھی ہم جانتے ہیں۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: مشرکین کہتے تھے کہ محمد جادوگر، شاعر، کاہن اور مجنون ہے۔ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَٰكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ:...... وہ تہہ دل سے تمہاری تکذیب نہیں کرتے بلکہ ان کے دلوں میں تمہارا اعتقاد ہے۔ البتہ ضد وعناد کی وجہ سے انکار کرتے ہیں۔ ان کی تکذیب پر غمزدہ نہ ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو امین کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ مشرکین جانتے تھے کہ محمد جھوٹ نہیں بولتا، لیکن جحود وانکار پر ضد کیے ہوئے تھے۔ چنانچہ ابوجہل کہا کرتا تھا اے محمد! ہم تمہاری تکذیب نہیں کرتے۔ تم تو ہمارے نزدیک سچے ہو۔ ہم تو اس پیغام کی تکذیب کرتے ہیں جو تم لائے ہو۔[1] وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ فَصَبَرُوا عَلَىٰ مَا كُذِّبُوا: تم سے پہلے جو پیغمبر گزرے ہیں، انہیں اپنی اپنی قوموں کی طرف سے جو تکذیب اور استہزا کا سامنا کرنا پڑا، انہوں نے اس پر صبر کیا۔ وَأُوذُوا حَتَّىٰ أَتَاهُمْ نَصْرُنَا: اور انہیں اللہ کی راہ میں اذیتیں پہنچائی گئیں، یہاں تک کہ اللہ نے ان کی مدد کی۔ آیت میں صبر کی ہدایت کی گئی ہے اور اس پر مدد کا وعدہ ہے۔ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ: ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: اللہ کے وعدوں کو کوئی بدلنے والا نہیں، اس میں وعدے کی تقویت ہے۔

وَلَقَدْ جَاءَكَ مِن نَّبَإِ الْمُرْسَلِينَ:...... تمہیں بعض پیغمبروں کی خبریں پہنچی ہوں گی، جن کی تکذیب کی گئی اور انہیں اذیتیں پہنچائی گئیں۔ ہم نے انہیں کس طرح نجات دی اور ان اقوام کے خلاف ان کی مدد کی تم تسلی رکھو اور غمزدہ نہ ہو بلاشبہ اللہ تمہاری مدد کرے گا، جیسے ان کی مدد کی۔ وَإِن كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ: اے محمد! اگرچہ ان مشرکین کا اسلام سے اعراض اور روگردانی تمہارے اوپر گراں ہی کیوں نہ ہو۔ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَن تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ: اگر تم قدرت رکھتے ہو کہ زمین کے اندر کوئی سرنگ یا مسکن تلاش کرو۔ أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ فَتَأْتِيَهُم بِآيَةٍ: یا آسمان پر چڑھنے کے لیے کوئی سیڑھی تلاش کر سکتے ہو تو ان کے پاس ان کا منہ مانگا معجزہ لے آؤ۔ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَىٰ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ: اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ایمان لانے کی ہدایت دے دیتا۔ اے محمد! تم ان لوگوں میں ہرگز شامل نہ ہونا جو اللہ کی حکمت اور ازلی مشیت سے ناواقف ہیں۔

بلاغت: كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ...... میں تشبیہ کا پہلو نمایاں ہے۔ اسے مرسل مجمل کہتے ہیں۔ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ: میں ایجاز حذف ہے۔ اصل عبارت یوں ہے۔ تَزْعُمُونَهُمْ شرکاء۔ انظُرْ كَيْفَ كَذَبُوا: استفہام برائے تعجب ہے۔ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا: میں تمثیل بطریق استعارہ ہے جو مشرکین کے اعراض قرآن سے ہے۔ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا: اسم ظاہر کو ضمیر کے مقام پر لایا گیا ہے تاکہ مشرکین کا کفر نمایاں ہو جائے۔ يَنْهَوْنَ وَيَنْأَوْنَ: میں جناس ناقص ہے۔ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ: ترکیب میں دو تاکیدیں لائی گئی ہیں۔ ان اور لام جو اس امر پر دال ہے کہ کذب مشرکین کی طبیعت میں رچا بسا ہے۔ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ: میں تشبیہ بلیغ ہے کیوں کہ دنیا کو محض کھیل کود قرار دیا گیا ہے۔ جیسے خنساء رضی اللہ عنہا کا ایک مصرعہ ہے: فانما ھی إقبال وادبارٌ دنیا تو بس آنے جانے والی چیز ہے۔ أَفَلَا تَعْقِلُونَ: استفہام برائے توبیخ ہے۔ كُذِّبَتْ رُسُلٌ: رُسُلٌ نکرہ ہے جو تفخیم وتکثیر پر دلالت کرتا ہے۔

تنبیہ:...... امام فخر رازی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: آیت کریمہ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا عَلَى النَّارِ میں جواب "لو" حذف ہے اور ایسا معاملے کے مہتم بالشان اور قابل تفہیم بتانے کے لیے کیا گیا۔ قرآن اور اشعار میں اس کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔ ایسی تراکیب میں "لو" کا جواب اظہار کی بہ نسبت محذوف زیادہ بلیغ ہے، جیسے کوئی شخص اپنے غلام سے کہے: اللہ کی قسم! اگر میں کھڑا ہو گیا اور پھر خاموش ہو جائے۔ چنانچہ غلام کے ذہن میں تشدد کی مختلف صورتیں آجائیں گی کہ مالک مار بھی سکتا ہے، قتل بھی کر سکتا ہے۔ اور عضو توڑ بھی سکتا ہے۔ وغیر ذالک یوں غلام کا خوف بڑھ جاتا ہے اور تشدد کی کوئی صورت متعین نہیں ہو پاتی اور اگر یوں کہے: اللہ کی قسم اگر میں اٹھ گیا تو تیری پٹائی کروں گا۔ گویا جواب شرط ذکر کرے تو غلام کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کا مالک مار سے آگے نہیں بڑھے گا۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حذف جواب حصول خوف میں زیادہ مؤثر ہے۔[1]

---

[1] البحر المحیط ۴ / ۱۱۲ [1] التفسیر الکبیر ۱۲ / ۱۹۰

ایمان سے منہ موڑنے کی وجہ سے اور فرمائشی معجزات

إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ ۘ وَالْمَوْتَىٰ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿٣٦﴾ وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ
آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۚ قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَن يُنَزِّلَ آيَةً وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٧﴾ وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي
الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُم ۚ مَّا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِن شَيْءٍ ۚ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ
يُحْشَرُونَ ﴿٣٨﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا صُمٌّ وَبُكْمٌ فِي الظُّلُمَاتِ ۗ مَن يَشَإِ اللَّهُ يُضْلِلْهُ ۚ وَمَن يَشَأْ يَجْعَلْهُ
عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٣٩﴾ قُلْ أَرَأَيْتَكُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللَّهِ أَوْ أَتَتْكُمُ السَّاعَةُ أَغَيْرَ اللَّهِ
تَدْعُونَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٤٠﴾ بَلْ إِيَّاهُ تَدْعُونَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُونَ إِلَيْهِ إِن شَاءَ وَتَنسَوْنَ مَا
تُشْرِكُونَ ﴿٤١﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَأَخَذْنَاهُم بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ ﴿٤٢﴾
فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُم بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا وَلَٰكِن قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٤٣﴾
فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۖ حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُم بَغْتَةً
فَإِذَا هُم مُّبْلِسُونَ ﴿٤٤﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا ۚ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٤٥﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ
إِنْ أَخَذَ اللَّهُ سَمْعَكُمْ وَأَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلَىٰ قُلُوبِكُم مَّنْ إِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُم بِهِ ۗ انظُرْ كَيْفَ
نُصَرِّفُ الْآيَاتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُونَ ﴿٤٦﴾ قُلْ أَرَأَيْتَكُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللَّهِ بَغْتَةً أَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ
إِلَّا الْقَوْمُ الظَّالِمُونَ ﴿٤٧﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ ۖ فَمَنْ آمَنَ وَأَصْلَحَ فَلَا
خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٤٨﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿٤٩﴾
قُل لَّا أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا
يُوحَىٰ إِلَيَّ ۚ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۚ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ ﴿٥٠﴾ وَأَنذِرْ بِهِ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَن
يُحْشَرُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ ۙ لَيْسَ لَهُم مِّن دُونِهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿٥١﴾ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ
رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ۖ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِم مِّن شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ
عَلَيْهِم مِّن شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿٥٢﴾ وَكَذَٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لِّيَقُولُوا
أَهَٰؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّن بَيْنِنَا ۗ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ ﴿٥٣﴾ وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ

وقف غفران
وقف منزل
ع ۴
ع ۵

بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ ۙ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾ قُلْ اِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۸﴾

ترجمہ:...... بات کو وہی قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں اور مردوں کو اللہ زندہ فرمائے گا پھر اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے ﴿۳۶﴾ اور انہوں نے کہا کہ اس کے رب کی طرف سے اس پر کوئی پرنشانی کیوں نہیں اتاری گئی۔ آپ فرمادیجے! کہ بلاشبہ اللہ اس پر قادر ہے کہ نشانی نازل فرمائے لیکن ان میں سے بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ ﴿۳۷﴾ اور جو بھی کوئی جانور زمین میں چلنے والا ہے اور جو بھی کوئی پرندہ ہے جو اپنے بازوؤں سے اڑتا ہے یہ سب تمہاری ہی طرح کی امتیں ہیں۔ ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی۔ پھر سب اپنے رب کی طرف جمع کیے جائیں گے ﴿۳۸﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا وہ بہرے ہیں گونگے ہے، اندھیروں میں ہیں اللہ جسے چاہے گمراہ کرے اور جسے چاہے سیدھے راستے پر ڈال دے۔ ﴿۳۹﴾ آپ فرمایئے کہ تم بتاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب آجائے یا تمہارے پاس قیامت آجائے کیا اللہ کے سوا کسی کو پکارو گے اگر تم سچے ہو، ﴿۴۰﴾ بلکہ تم اسی کو پکارتے ہو پھر وہ اگر چاہے تو اس مصیبت کو دور کردیتا ہے جس کی طرف تم اسے پکارتے ہو اور تم جو شرک کرتے ہو اسے بھول جاتے ہو۔ ﴿۴۱﴾ اور ہم نے آپ سے پہلی امتوں کی طرف رسول بھیجے سو ہم نے اس کو سختی کے ذریعے اور تکلیف کے ذریعے پکڑا تا کہ وہ عاجزی کریں سو کیوں انہوں نے عاجزی نہ کی۔ ﴿۴۲﴾ پھر ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب ان کے پاس ہماری طرف سے سختی آئی تھی اس وقت وہ عاجزی کا رویہ اختیار کرتے، لیکن ان کے دل سخت ہوگئے اور شیطان نے ان کے اعمال کو مزین کرکے دکھلایا۔ ﴿۴۳﴾ سو جب وہ اس نصیحت کو بھول گئے جو انہیں کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے یہاں تک کہ جب وہ اس چیز پر اترائے جو ان کو عطا کی گئی تو ہم نے ان کو اچانک پکڑلیا۔ ﴿۴۴﴾ سو اس وقت ناامید ہوکر رہ گئے سو ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی گئی۔ جنہوں نے ظلم کیا اور سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ ﴿۴۵﴾ آپ فرمادیجیے کہ اگر اللہ تمہارے کان، تمہاری آنکھیں لے لے اور تمہارے دلوں پر مہر لگادے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تم کو یہ چیزیں دے دے۔ دیکھ لیجیے! ہم کس طرح دلائل بیان کرتے ہیں پھر وہ اعراض کرتے ہیں۔ ﴿۴۶﴾ آپ فرمادیجیے! اگر تم پر اللہ کا عذاب آجائے بے خبری میں یا خبرداری میں تو کیا ظالموں کے علاوہ اور کوئی ہلاک کیا جائے گا۔ ﴿۴۷﴾ اور ہم پیغمبروں کو صرف خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے بھیجتے رہے ہیں۔ سو جو شخص ایمان لایا اور اصلاح کرلی سو ان پر کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ غمگین ہوں گے۔ ﴿۴۸﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ان کو اس سبب سے عذاب پہنچ جائے گا کہ وہ نافرمانی کیا کرتے تھے۔ ﴿۴۹﴾ آپ فرمادیجیے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میں غیب کو جانتا ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو اسی کا اتباع کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ آپ فرمادیجیے کیا برابر ہوسکتا ہے اندھا اور دیکھنے والا کیا تم غور نہیں کرتے۔ ﴿۵۰﴾ اور آپ اس کے ذریعے ان لوگوں کو ڈرایئے جو اس بات سے ڈرتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے پاس ایسی حالت میں جمع کیے جائیں گے کہ نہ ان کا کوئی مددگار ہوگا اور نہ کوئی شفاعت کرنے والا۔ تا کہ یہ لوگ ڈر جائیں ﴿۵۱﴾ اور ان لوگوں کو دور مت کیجیے جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح و شام، جو چاہتے ہیں اس کی رضا کو، ان کا حساب آپ کے ذمہ کچھ بھی نہیں۔ اور آپ کا حساب بھی ان کے ذمہ کچھ بھی نہیں کہ آپ ان کو دور کریں پھر آپ ظالموں میں سے ہوجائیں ﴿۵۲﴾ اور اسی طرح ہم نے ان میں سے بعض کو بعض کے ذریعے آزمایا ہے تا کہ وہ کہیں کیا ہمارے درمیان سے یہ

لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا؟ کیا اللہ شکر گزاروں کو خوب جاننے والا نہیں ہے (۵۳) اور جب آ جائیں وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں ہماری آیات پر تو ان سے کہہ دیجیے کہ تم پر سلامتی ہو۔ تمہارے رب نے اپنے ذمے رحمت کو مقرر کر لیا ہے کہ جو شخص تم میں سے جہالت کی وجہ کوئی گناہ کر لے پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور اپنا حال درست کر لے تو بلاشبہ وہ غفور ہے، رحیم ہے۔ (۵۴) اور اسی طرح ہم تفصیل سے آیات کو بیان کرتے ہیں، تاکہ مجرموں کا راستہ ظاہر ہو جائے۔ (۵۵) آپ فرما دیجیے! بے شک میں اس بات سے منع کیا گیا ہوں کہ ان کی عبادت کروں جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو۔ آپ فرما دیجیے! میں تمہاری خواہشوں کا اتباع نہیں کرتا۔ ایسا کروں تو میں گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت پانے والوں میں سے نہ ہوں گا۔ (۵۶) آپ فرما دیجیے کہ بے شک میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں اور تم نے اسے جھٹلا دیا ہے۔ میرے پاس وہ نہیں ہے جس کی تم جلدی کرتے ہو۔ کسی کا حکم نہیں ہے سوائے اللہ کے، وہ حق کو بیان فرماتا ہے اور وہ فیصلہ کرنے والوں میں سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔ (۵۷) آپ فرما دیجیے! اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کی تم جلدی کر رہے ہو تو میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔ (۵۸)

ربط تعارف: ...... قبل ازیں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے قرآن اور نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے سے منہ موڑنے کا ذکر کیا ہے اور اب ان آیات میں اس کا سبب ذکر کیا جا رہا ہے۔ وہ یہ کہ قرآن نور و شفا ہے، اس کے ذریعے مؤمنین کو ہدایت ملتی ہے۔ رہی بات کفار کی سو وہ مردوں کی مانند ہیں جو نہ سنتے ہیں اور نہ مانتے ہیں۔ پھر مشرکین کے مطالبے پر بعض معجزات کا ذکر ہے اور کفار کے بہرے اور گونگے ہونے کا سبب بیان کیا گیا ہے۔

لغات: تَضَرَّعُوا: ...... التضرع سے ماخوذ ہے۔ ذلیل ہونا، عجز و نیاز کرنا۔ اَلْبَاْسَآءِ: البؤس سے ماخوذ ہے۔ فقر، تنگی۔ الضَّرَّآءِ: بلا، مصیبت۔ قرطبی کہتے ہیں۔ اَلْبَاْسَآءِ: کا اطلاق اموال پر ہوتا ہے اور الضَّرَّآءِ: کا اطلاق ابدان پر ہوتا ہے۔ یہ اکثر مفسرین کا قول ہے۔ مُّبْلِسُوْنَ: المبلس جو بھلائی سے مایوس ہو جائے، اسی سے ہے "ابلیس" کیوں کہ وہ بھی رحمت خداوندی سے مایوس ہو چکا ہے۔ دَابِرُ: آئندہ آنے والی نسل کا خاتمہ کر دیا۔ قطرب کہتے ہیں: ایسے لوگ جن کا استیصال کر دیا جائے اور کلی طور پر ہلاک کر دیے جائیں۔ شاعر کہتا ہے:

فاھلکو ابعذاب حصّ دابرھم   فما استطاعوا له صرفا ولا انتصروا

"ایسے عذاب میں قوم ہلاک کر دی گئی کہ ان کا استیصال کر دیا گیا نہ وہ واپس لوٹ سکتے ہیں اور نہ ہی انہیں غلبہ مل سکتا ہے۔"

يَصْدِفُوْنَ: ...... وہ اعراض کرتے ہیں۔ تَطْرُدِ: الطرد رسوا کر کے دور کرنا۔ الْفٰصِلِيْنَ: حاکمین۔

شان نزول: ...... ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ قریش کی ایک جماعت رسول کریم ﷺ کے پاس سے گزری۔ آپ ﷺ کے پاس حضرت صہیب، حضرت بلال، حضرت حباب اور حضرت عمار رضی اللہ عنہم تھے۔ یہ صحابہ ضعفا مسلمین میں سے تھے۔ مشرکین بولے: اے محمد! تم اپنی قوم میں سے ان لوگوں پر راضی ہو؟ اور ہم ان کے تابع ہو جائیں۔ کیا یہی لوگ ہیں، جن پر اللہ نے احسان کیا ہے۔ انہیں اپنے پاس سے دور ہٹا دو، شاید ہم اس کے بعد تمہاری پیروی اختیار کر لیں۔ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔[1]

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ

کفار و مشرکین کا مُردوں میں شمار

تفسیر: اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ: ...... ایمان کو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو قبول کے قصد سے سماع کرتے ہوں۔[2] یہاں کلام تام ہو چکا، اس کے بعد مستقل جملہ ہے۔ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ: ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: موتی (مُردوں) سے مراد کفار ہیں۔ کیوں کہ ان کے دل مردہ ہیں، اللہ نے کفار کو مردوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ یہ بات تہکم میں سے ہے۔ طبری کہتے ہیں: یعنی اور کفار کو اللہ مُردوں کے ساتھ اٹھائے گا یوں کفار کو مُردوں میں شمار کیا ہے جو آواز نہیں سنتے اور نہ ہی سمجھتے ہیں۔ کیوں کہ کفار اللہ کے دلائل اور حجت میں غور و فکر نہیں کرتے۔ اللہ کی آیات سے

---

[1] اسباب النزول، ص ۱۴۴ [2] جو بقصد طلب حق سماع کرتے ہیں۔ بیان القرآن

عبرت نہیں حاصل کرتے اور نہ ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں کہ پھر اللہ کے پیغمبروں کی تکذیب سے باز آ جائیں۔[1] ثُمَّ اِلَیۡهِ یُرۡجَعُوۡنَ: پھر ان سب کا رجوع اللہ کی طرف ہوگا، اللہ انہیں پورا پورا بدلہ دے گا۔ وَقَالُوۡا لَوۡلَا نُزِّلَ عَلَیۡهِ اٰیَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ: کفار مکہ کہتے ہیں: محمد پر کوئی ایسا معجزہ نازل کیوں نہیں کیا گیا جو اس کی تصدیق کرتا جیسے صالح علیہ السلام کی تصدیق کے لیے اونٹنی نازل کی گئی۔ موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کے لیے عصا بھیجا گیا اور عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کے لیے آسمان سے دسترخوان نازل کیا گیا۔ قرطبی کہتے ہیں: کفار کا یہ مطالبہ براہین وحجت کے بعد محض ضد وعناد کی وجہ سے تھا، طلب حق کے لیے نہیں تھا، ورنہ وہ تو قرآن کی ایک سورت کا چیلنج بھی قبول نہ کر سکے۔[2] قُلۡ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰۤی اَنۡ یُّنَزِّلَ اٰیَةً: اللہ تو ان کا مطالبہ پورا کرنے پر قادر ہے۔ وَّلٰکِنَّ اَکۡثَرَهُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ: لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ اگر ان کی خواہش کے مطابق معجزہ نازل کیا گیا تو وہی ان کی ہلاکت کا سامان بھی بن جائے گا کیوں کہ اس کے بعد بھی انہوں نے ایمان نہیں لانا، اس لیے انہیں عذاب دنیا ہی میں مل جائے گا۔ جیسے پہلی امتوں کے ساتھ ہوا۔ وَمَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِی الۡاَرۡضِ: جو جاندار بھی سطح زمین پر چلتا ہے۔ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیۡرُ بِجَنَاحَیۡهِ: اور جو پرندہ بھی ہوا کے دوش میں اپنے پروں کے ساتھ اڑتا ہے۔ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمۡثَالُکُمۡ: یہ سب تمہاری ہی طرح کے مخلوق گروہ ہیں، جنہیں اللہ نے پیدا کیا ہے۔ ان کے احوال مقرر کیے، ان کا رزق مقرر کیا اور ان کے زندہ رہنے کی مدت مقرر کی۔ بیضاوی کہتے ہیں: اس سے مقصود رب تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر دلیل قائم کرنا ہے اور یہ بتانا ہے کہ اس کا علم سب مخلوقات کو شامل اور عام ہے اور اس کی تدبیر اور انتظام میں وسعت ہے۔ اللہ تو کفار کی خواہش کے مطابق معجزہ نازل کرنے پر قادر ہے (جو مخلوقات کا انتظام چلا رہا ہے اس سے یہ کیوں کر مشکل ہو سکتا ہے)۔[3]

مَا فَرَّطۡنَا فِی الۡکِتٰبِ مِنۡ شَیۡءٍ:...... ہم نے قرآن میں ایسی کوئی چیز نہیں چھوڑی، دینی اعتبار سے لوگ جس کے محتاج ہوں۔ ہم نے ہر چیز بیان کر دی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔ اس صورت میں آیت کا معنی ہوگا: ہم نے لوح محفوظ میں کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی جسے لکھا نہ ہو۔[4] ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمۡ یُحۡشَرُوۡنَ: پھر سب کو اللہ کے پاس جمع کیا جائے گا اور اللہ ان کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ علامہ زمخشری کہتے ہیں: یعنی سب مخلوقات جانور، پرندے، سبھی کو جمع کیا جائے گا اور ایک کو دوسرے سے انصاف دلایا جائے گا، جیسا کہ روایت ہے کہ بے سینگ والا جانور سینگ والے سے بدلہ لے گا۔[5] وَالَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا صُمٌّ وَّبُکۡمٌ فِی الظُّلُمٰتِ: اور جو لوگ قرآن کی تکذیب کرتے ہیں، وہ بہرے ہیں، اللہ کے کلام کو قبول کرنے کے قصد سے نہیں سنتے وہ گونگے ہیں کہ حق بات منہ سے نہیں نکالتے۔ وہ تو کفر کی ظلمتوں میں پیچ وتاب کھا رہے ہیں۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: یہ مثال ہے یعنی جہالت ونادانی، قلت علم وقلت فہم میں ان کی مثال بہروں جیسی ہے جو سنتے نہیں اور گونگوں جیسی ہے جو بات نہیں کر سکتے۔ بایں ہمہ وہ تاریکیوں میں بھی پڑے ہوئے ہیں کچھ دیکھ نہیں سکتے۔ ایسی صورت میں انہیں راہ حق کی طرف کیسے ہدایت ہو سکتی ہے یا وہ ایسی حالت سے باہر کیسے نکل سکتے ہیں۔ مَنۡ یَّشَاِ اللّٰهُ یُضۡلِلۡهُ ؕ وَمَنۡ یَّشَاۡ یَجۡعَلۡهُ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ: اللہ جسے گمراہ کرنا چاہتا ہے اسے گمراہ کر دیتا ہے اور جسے ہدایت دینا چاہتا ہے اسے دین اسلام کی سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔

مشرکین کا مصیبت میں اللہ کو پکارنا

قُلۡ اَرَءَیۡتَکُمۡ اِنۡ اَتٰىکُمۡ عَذَابُ اللّٰهِ اَوۡ اَتَتۡکُمُ السَّاعَةُ:...... استفہام برائے تعجب ہے، یعنی مجھے خبر دو کہ اگر تمہیں اللہ کا عذاب آ جائے، جیسے تم سے پہلے لوگوں پر عذاب آیا یا اچانک قیامت آ جائے تو کس کو پکارو گے؟ اَغَیۡرَ اللّٰهِ تَدۡعُوۡنَ ۚ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ: کیا تم مصیبت وتنگی دور کرنے کے لیے غیر اللہ کو پکارو گے؟ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ بت تمہیں نفع پہنچاتے ہیں۔ بَلۡ اِیَّاهُ تَدۡعُوۡنَ فَیَکۡشِفُ مَا تَدۡعُوۡنَ اِلَیۡهِ اِنۡ شَآءَ: بلکہ خصوصیت کے ساتھ مصائب وشدائد میں اسی کو پکارو گے، جس مصیبت کو ہٹانے کے لیے تم نے اللہ کو للکارا ہے اگر وہ چاہے تو اُسے ہٹا دے۔ وَتَنۡسَوۡنَ مَا تُشۡرِکُوۡنَ: ایسے مواقع پر تم اپنے معبودان کو بھول جاتے ہو، جنہیں تم خدا کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو کیوں کہ تمہارا اعتقاد ہوتا ہے کہ اس مصیبت کو ہٹانے پر صرف اللہ قدرت رکھتا ہے، اس کے سوا کوئی قدرت نہیں رکھتا۔

---

[1] الطبری ۱۱/ ۳۴۴ [2] القرطبی ۶/ ۴۱۹ [3] البیضاوی، ص ۱۷۰ [4] طبری، زمخشری، جلالین، تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی تفسیر راجح قرار دی ہے۔ ابوحیان نے کتاب سے قرآن مراد لیا ہے۔ [5] الکشاف ۲/ ۱۶

سابقہ امتوں کا انجام

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ: ......اس میں رسول کریم ﷺ کو تسلی ہے، یعنی اللہ کی قسم ہم نے تم سے پہلے بہت سارے پیغمبروں کو مختلف امتوں کی طرف بھیجا۔ امتیں ان کی تکذیب کرتی رہیں۔فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ: ہم نے ان کو فقر و فاقہ کی مصیبت اور جسمانی امراض و درد و الم کے مصائب میں گرفتار کرلیا۔لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ: تاکہ عجز و نیاز کر کے اللہ کی طرف رجوع کریں۔فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا: "لولا" برائے تحضیض ہے، یعنی جب ان کو عذاب نے گھیر لیا تو انہوں نے عجز و نیاز کا شیوہ کیوں نہ اپنایا۔ یہ ترک دعا پر عتاب ہے۔ مشرکین کے بارے میں یہ خبر بھی دی جارہی ہے کہ اللہ کی طرف عجز و نیاز ظاہر کرنے کا داعیہ موجود ہے بایں ہمہ پھر بھی وہ اللہ کے حضور توبہ کا راستہ اختیار کیوں نہیں کرتے۔وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ: لیکن ان کی نقیض ظاہر ہے کہ ان کے دل سخت ہو چکے ہیں، اس لیے ایمان کے لیے نرم نہیں پڑتے۔وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ: اور شیطان معصیت کے اعمال اور گمراہی پر بدستور انہیں آراستہ کر کے دکھاتا رہا ہے۔فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ: جو نصیحتیں کی جارہی ہیں، انہیں بھول جاتے رہے۔فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ: تو ہم نے استدراجاً ان پر انواع و اقسام کی نعمتوں کے دروازے کھول دیے۔حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا: یہاں تک کہ جب ان نعمتوں پر اترانے لگے اور غفلت میں پڑ گئے۔اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ: ہم نے یکا یک ان کو اپنے عذاب میں پکڑ لیا تو پھر کیا تھا، وہ ہر طرح کی خیر و بھلائی سے مایوس ہو گئے۔فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا: اور ہم نے ظالم لوگوں کا کلی طور پر استیصال کر دیا اور ان کی جڑ ہی کٹ گئی۔وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ: اور اللہ کا شکر ہے، یہ شکر پیغمبروں کی مدد اور کفار کی ہلاکت پر ہے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: رب کعبہ کی قسم! قوم کفار کے ساتھ چال چلی جاتی ہے۔ کفار کو ان کے حوائج دیے جاتے ہیں اور پھر ان کی دارو گیری کی جاتی ہے۔[1]

حدیث میں ہے جب تم کسی گناہ گار بندے کو دیکھو کہ اس کو اللہ نے دنیا کافی دی ہے اور اس کی خواہش کے مطابق اسے بہت کچھ ملا ہوا ہے تو سمجھ لو کہ یہ استدراج (مہلت) ہے۔ اس کے بعد حضور نبی کریم ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی۔فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ۔[2] قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ: ان مشرکین جو کہ مکذبین و معاندین ہیں، سے کہہ دیجیے مجھے خبر دو اگر اللہ تمہارے حواس چھین لے، تمہیں بہرہ اور اندھا کر دے۔وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ: تمہارے دلوں پر مہر لگا دے۔ عقل و سوچ کی صلاحیت ہی ختم ہو جائے۔مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ: کیا اللہ کے علاوہ کوئی اور اس بات پر قدرت رکھتا ہے کہ تمہارے چھینے ہوئے حواس تمہیں واپس لوٹا دے۔اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ: دیکھو ہم آیات کو کیسے واضح کرتے ہیں اور عبرت نہیں پکڑتے۔قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً: ان مکذبین سے کہہ دیجیے! مجھے بتاؤ اگر تمہارے اوپر عذاب آ جائے اچانک رات کے وقت یا دن کی خبرداری میں۔هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ: استفہام انکاری ہے جو نفی کے معنی میں ہے۔ یعنی عذاب سے صرف تم لوگ ہی ہلاک ہو گے کیوں کہ تم کفر و عناد پر مصر ہو۔

بعثت انبیا علیہم السلام کا مقصد

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ: ......ہم نے پیغمبروں کو اس لیے بھیجا ہے تاکہ مؤمنین کو اجر و ثواب کی خوشخبری سنائیں اور کفار کو عذاب سے ڈرائیں۔ پیغمبروں کو اس لیے نہیں بھیجا کہ وہ کفار کے مطالبات پر معجزات پیش کرتے رہیں۔فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ: سو جو لوگ ان پیغمبروں پر ایمان لائے اور اعمال صالح کیے آخرت میں وہ خوفزدہ نہیں ہوں گے اور نہ غمزدہ ہوں گے، کیوں کہ آخرت متقین کے لیے دار الجزا ہے۔وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ: رہی بات ان لوگوں کی جو اللہ کی آیات کو جھٹلاتے رہے تو ان کے فسق و فجور اور طاعت خداوندی سے روگردانی کرنے کی وجہ سے انہیں عذاب ہوگا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما

[1] مختصر ابن کثیر ۱/ ۵۷۸ [2] اخرجہ الامام احمد

کہتے ہیں: آیت میں یَفْسُقُوْنَ بمعنی یکفرون ہے۔[1] قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ: اے محمد! ان کفار سے کہہ دیجیے جو خارق عادت مختلف معجزات کا مطالبہ کرتے ہیں کہ مجھے ہرگز یہ دعویٰ نہیں کہ اللہ کے خزانے مجھے سونپ دیے گئے ہیں، یہاں تک کہ تم من پسند معجزات کا مجھ سے مطالبہ کرتے پھرو اور میں یہ دعویٰ بھی نہیں کرتا کہ میں غیب کو جانتا ہوں، یہاں تک کہ تم مجھ سے نزول عذاب کے متعلق دریافت کرتے رہو۔ وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ: اور مجھے یہ دعویٰ بھی نہیں کہ میں کوئی فرشتہ ہوں، حتیٰ کہ تم مجھے آسمانوں پر چڑھ جانے کا عندیہ دو اور کھانا نہ کھانے اور پانی نہ پینے کی تجاویز دو۔ صاوی کہتے ہیں: یہ آیت کفار کے اس مطالبے پر نازل ہوئی کہ اگر تم واقعی سچے پیغمبر ہو تو اپنے رب سے کہو کہ ہمارے اوپر وسعت اور فراخی کردے، ہمارے فقر و فاقہ کو دور کردے اور ہمیں ہمارے مصالح اور مضرتوں کی خبر دو۔ چنانچہ یہ خبر دی گئی کہ یہ سارے امور اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں، محمد ﷺ کے ہاتھ میں نہیں۔[2] مراد یہ ہے کہ میں ان تین چیزوں میں سے کسی چیز کے بارے میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ یہ میرے اختیار میں ہے اور میرے مطالبہ پورا نہ کرنے کو اس بات کی دلیل قرار نہ دو کہ میری رسالت صحیح نہیں اور سچی نہیں۔

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ: میں اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں اور تمہیں بھی اس کی طرف بلاتا ہوں جو اللہ میری طرف وحی کرتا ہے۔ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَ الْبَصِیْرُ: کیا کافر اور مؤمن، گمراہ اور راہ یافتہ برابر ہو سکتے ہیں؟ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ: کیا تم سنتے ہو اور غور و فکر نہیں کرتے؟ آیت میں توبیخ ہے۔ وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْ یُّحْشَرُوْۤا اِلٰى رَبِّهِمْ: اے محمد! اس قرآن کے ذریعہ ان مؤمنین کو ڈراؤ جو اللہ کے وعدے اور وعید کی تصدیق کرتے ہیں اور عذاب حشر کا یقین رکھتے ہیں۔ ابوحیان کہتے ہیں: گویا یوں کہا جارہا ہے کہ قرآن کے ذریعے ان لوگوں کو ڈراؤ جن کے ایمان لانے کی امید ہو، رہی بات کفار کی وہ روگردانی کیے ہوئے ہیں ان کی رائے کو چھوڑ دو۔[3]

لَیْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِیٌّ وَّلَا شَفِیْعٌ: ......ان کے لیے اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں ہوگا اور نہ ہی کوئی سفارش کرنے والا ہوگا۔ لَّعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ: انہیں ڈرسناؤ تاکہ کفر و معاصی سے باز آجائیں۔ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ: اے محمد! ان ضعفا مومنین کو اپنی مجلس سے باہر نہ نکالیے جو صبح و شام لگاتار اپنے رب کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں اور ہر وقت اللہ کی قربت اور خوشنودی کے متلاشی رہتے ہیں۔ طبری کہتے ہیں: یہ آیت ضعفا مسلمین کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ مشرکین نے رسول کریم ﷺ سے کہا تھا کہ اگر تم ان (حقیر) لوگوں کو اپنی مجلس سے اٹھادو تو ہم تمہارے پاس بیٹھیں گے اور تمہاری مجلس میں حاضری دیں گے۔[4] نبی کریم ﷺ نے مشرکین کے قبول اسلام کی خاطر ایسا کرنے کا ارادہ کرلیا تھا۔ مَا عَلَیْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ: ان کے اعمال اور گناہوں کا مواخذہ تم سے نہیں لیا جائے گا، جیسے نوح علیہ السلام نے فرمایا تھا: اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّیْ: یعنی ان سے مواخذہ لینا تو میرے رب کی ذمہ داری ہے۔ صاوی کہتے ہیں: آیت کا یہ حصہ تعلیل کے مترادف ہے، معنی یہ ہوگا، ان کے گناہوں اور ان کے دلوں میں تمہاری صحبت سے جو غیر اللہ کی خوشنودی ہے، کا مواخذہ تم سے نہیں لیا جائے گا۔ یہ علی سبیل الفرض ہے۔ یعنی کفار جو کہتے ہیں، بالفرض اگر ایسا ہی ہے تو ان کا مواخذہ تم سے نہیں لیا جائے گا، ورنہ اللہ نے تو خود ان کے اخلاص اور ایمان کی گواہی دی ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے: یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ: [5] وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَیْهِمْ مِّنْ شَیْءٍ: یہ تاکید ہے جو کلام میں مطابقت پیدا کرنے کے لیے لائی گئی ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ ان کے حساب کا مواخذہ تم سے نہیں لیا جائے گا اور نہ ہی تمہارے حساب کا مواخذہ ان سے لیا جائے گا۔ پھر انہیں اپنی مجلس سے کیوں نکالو گے؟ دوسرا قول یہ ہے کہ حساب سے مراد رزق ہے۔ معنی ہوگا: ان کا رزق تمہارے اوپر واجب نہیں اور نہ ہی تمہارا رزق ان کے ذمے واجب ہے۔ تمہیں تو اللہ رزق عطا کرتا ہے جو تمام جہانوں کا پالنہار ہے۔[6] فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ: انہیں اپنی مجلس سے نہ نکالیے، سو اگر تم نے انہیں نکال دیا تو ظالم ہو جاؤ گے۔ آیت بیان احکام کے لیے ہے، ورنہ تو آپ ﷺ سے اس امر کا وقوع حاشا وکلا ہے۔ قرطبی کہتے ہیں: دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ: حالاں کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ آپ ﷺ سے شرک ہرگز سرزد نہیں ہوگا۔[7]

---

[1] زادالمسیر ۳/ ۴۲ [2] حاشیۃ الصاوی علی الجلالین ۲/ ۱۶ [3] البحر ۴/ ۱۳۴ [4] الطبری ۱۱/ ۳۷۴ [5] حاشیۃ الصاوی ۲/ ۱۷ [6] طبری اور بعض دوسرے مفسرین نے یہی تفسیر اختیار کی ہے۔ [7] القرطبی ۶/ ۴۳۴

وَ كَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ: ......یعنی مالدار کو فقیر کے ذریعے آزماتے ہیں اور شریف کو حقیر کے ذریعے آزماتے ہیں۔لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا: تا کہ اشراف و اغنیا کہا کریں کہ یہ ضعیف و کمزور لوگ ہیں، جنہیں اللہ نے ہدایت دی اور ہمارے اوپر اسلام قبول کرنے میں سبقت لے گئے۔ہم میں سے ان پر اللہ نے فضل کیا ہے۔ یہ انکار اور استہزا کے طور پر کہتے تھے، جیسے مشرکین کہا کرتے تھے۔اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا: کیا یہ وہ شخص ہے جس کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان پر یوں رد کیا۔اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ: اللہ شکر کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔ چنانچہ شکر کرنے والوں کو ہدایت عطا فرماتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے اسے رسوا کر دیتا ہے۔استفہام برائے تقریر ہے۔وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ: قرطبی کہتے ہیں: یہ آیت ان ضعفا مسلمین کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جن کے بارے میں اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو مجلس سے اٹھا دینے سے منع کیا تھا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ جب ان ضعفا کو دیکھتے تو سلام کرنے میں پہل کرتے اور کہتے: اس ذات کے لیے تمام تعریفیں ہیں جس نے میری امت میں ان لوگوں کو پیدا کیا، جن کے بارے میں مجھے حکم دیا کہ میں ان سے سلام کرنے میں ابتدا کروں۔[1]

رسول کریم ﷺ کو سلام میں ابتدا کرنے کا حکم اس لیے دیا گیا تا کہ ان کی دلگیری ہو جائے، نیز ان کا احترام بھی ملحوظ رہے۔كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ: اللہ نے اپنے فضل و کرم کی بدولت اپنے اوپر رحمت لازم کر دی ہے۔اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ: جس شخص سے بلا قصد خطا سرزد ہوئی۔مجاہد کہتے ہیں: یعنی وہ حرام کو حلال نہ سمجھتا ہو اور اپنی جہالت کی وجہ سے کسی بات کا ارتکاب کر بیٹھے۔ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ: پھر اس گناہ کے بعد اس نے توبہ کر لی اور نیک اعمال کیے اللہ اس کی مغفرت کر دے گا۔آیت میں توبہ کرنے والے سے مغفرت و رحمت کا وعدہ ہے۔وَ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ: جس طرح اس سورت میں دلائل و براہین کی وضاحت کی ہے، اسی طرح ہم تمہارے لیے امور دین کی وضاحت کرتے ہیں۔وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ: اور اس لیے بھی تا کہ مجرمین کا راستہ واضح ہو جائے اور ان کا معاملہ صاف ہو جائے۔قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ: اے محمد! ان مشرکین سے کہہ دیجیے، مجھے ان بتوں کی عبادت سے منع کیا گیا ہے، جنہیں تم معبود ان سمجھتے ہو اور اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہو۔قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ: یعنی غیر اللہ کی عبادت۔ آیت میں مشرکین کو گمراہی کے باعث تنبیہ کی گئی ہے۔

قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ: یعنی اگر میں نے تمہاری خواہشات کی پیروی کر لی تو میں گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت یافتہ جماعت میں شامل نہیں رہوں گا۔قُلْ اِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ: اللہ نے اپنی شریعت جو میری طرف وحی کی ہے اس پر پوری بصیرت کے ساتھ قائم ہوں اور یہی میرے لیے دلیل و بصیرت ہے۔وَ كَذَّبْتُمْ بِهٖ: اور تم نے اس حق کو جھٹلا دیا جو اللہ کے پاس سے میری طرف بھیجا گیا۔مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ: اور تم جو عذاب کے جلد از جلد لانے کا مطالبہ کر رہے ہو، وہ میرے اختیار میں نہیں۔ زمخشری کہتے ہیں: یعنی کفار عذاب کا تقاضا کرتے تھے۔[2] چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ: (الانفال، آیت ۳۲)اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ: عذاب وغیرہ کے معاملے میں فیصلے کا اختیار تو صرف اللہ کے پاس ہے۔يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ: اللہ حق بات کی خبر دیتا ہے اور اس کا بیان شافی ہوتا ہے اور وہ اپنے بندوں کے درمیان بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ: اگر عذاب جسے تم جلدی طلب کر رہے ہو کا معاملہ میرے اختیار میں ہوتا۔لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ: تو میں عذاب جلدی لے آتا تا کہ مجھے راحت مل جاتی، لیکن عذاب کا اختیار اللہ کے پاس ہے۔ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: یعنی میں تمہیں ایک گھڑی بھی مہلت نہ دیتا اور تمہیں ہلاک کر دیتا۔[3] وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ: اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے اگر چاہے تو جلد از جلد انہیں عذاب میں گرفتار کرے، چاہے عذاب مؤخر کر دے۔ آیت میں وعید اور تہدید ہے۔

بلاغت: وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ: ......میں استعارہ ہے، کیوں کہ کفار کو مردوں سے تعبیر کیا گیا ہے، کیونکہ کفار کے دل مردہ ہیں۔يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ: تو ہم مجاز کے دفیعہ کے لیے تاکید لائی گئی ہے کیوں کہ بسا اوقات طائر کا اطلاق عمل پر بھی ہوتا ہے، جیسے: اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ صُمٌّ وَّبُكْمٌ:

---

[1] القرطبی ۶/ ۴۳۴ [2] الکشاف ۲/ ۲۳ [3] زاد المسیر ۳/ ۵۲

تشبیہ بلیغ ہے: اِیۡ کَالصُّمِّ الۡبُکۡمِ: عدم سماع اور عدم کلام میں بہرے اور گونگے ہیں، چنانچہ ادوات تشبیہ میں سے وجہ شبہ کو حذف کیا گیا ہے۔
اِیَّاہُ تَدۡعُوۡنَ: میں قصر ہے، صفت کو موصوف پر بند کیا گیا ہے۔ فَقُطِعَ دَابِرُ: ہلاکت سے کنایہ ہے، استیصال مراد ہے۔ الۡاَعۡمٰی وَالۡبَصِیۡرُ: کافر اور مومن سے کنایہ ہے۔ مَا عَلَیۡکَ مِنۡ حِسَابِہِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ وَّمَا مِنۡ حِسَابِکَ عَلَیۡہِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ: میں رد الصدر علی العجز ہے، جسے تصدیر سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ محسنات بدیعیہ میں سے ہے۔

فائدہ: ......علامہ زمخشری آیت کریمہ فَقُطِعَ دَابِرُ الۡقَوۡمِ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا ؕ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ: کی تفسیر میں لکھتے ہیں: آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ ظالموں کی ہلاکت پر الحمد للہ کہنا واجب ہے، کیوں کہ یہ اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔[1] بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ دعا میں خلوص نیت واجب ہے، کیوں کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡہَہٗ: اسی طرح جمیع طاعات کے لیے بھی اخلاص نیت واجب ہے اور کسی دنیوی غرض کے لیے کوئی طاعت نہ ہو۔

صفات قدسیہ اور بندوں کی نجات کا ذکر

وَعِنۡدَہٗ مَفَاتِحُ الۡغَیۡبِ لَا یَعۡلَمُہَاۤ اِلَّا ہُوَ ؕ وَیَعۡلَمُ مَا فِی الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ ؕ وَمَا تَسۡقُطُ مِنۡ وَّرَقَۃٍ اِلَّا یَعۡلَمُہَا وَلَا حَبَّۃٍ فِیۡ ظُلُمٰتِ الۡاَرۡضِ وَلَا رَطۡبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۵۹﴾ وَہُوَ الَّذِیۡ یَتَوَفّٰىکُمۡ بِالَّیۡلِ وَیَعۡلَمُ مَا جَرَحۡتُمۡ بِالنَّہَارِ ثُمَّ یَبۡعَثُکُمۡ فِیۡہِ لِیُقۡضٰۤی اَجَلٌ مُّسَمًّی ۚ ثُمَّ اِلَیۡہِ مَرۡجِعُکُمۡ ثُمَّ یُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۶۰﴾ وَہُوَ الۡقَاہِرُ فَوۡقَ عِبَادِہٖ وَیُرۡسِلُ عَلَیۡکُمۡ حَفَظَۃً ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَکُمُ الۡمَوۡتُ تَوَفَّتۡہُ رُسُلُنَا وَہُمۡ لَا یُفَرِّطُوۡنَ ﴿۶۱﴾ ثُمَّ رُدُّوۡۤا اِلَی اللّٰہِ مَوۡلٰہُمُ الۡحَقِّ ؕ اَلَا لَہُ الۡحُکۡمُ ۟ وَہُوَ اَسۡرَعُ الۡحٰسِبِیۡنَ ﴿۶۲﴾ قُلۡ مَنۡ یُّنَجِّیۡکُمۡ مِّنۡ ظُلُمٰتِ الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ تَدۡعُوۡنَہٗ تَضَرُّعًا وَّخُفۡیَۃً ۚ لَئِنۡ اَنۡجٰىنَا مِنۡ ہٰذِہٖ لَنَکُوۡنَنَّ مِنَ الشّٰکِرِیۡنَ ﴿۶۳﴾ قُلِ اللّٰہُ یُنَجِّیۡکُمۡ مِّنۡہَا وَمِنۡ کُلِّ کَرۡبٍ ثُمَّ اَنۡتُمۡ تُشۡرِکُوۡنَ ﴿۶۴﴾ قُلۡ ہُوَ الۡقَادِرُ عَلٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَ عَلَیۡکُمۡ عَذَابًا مِّنۡ فَوۡقِکُمۡ اَوۡ مِنۡ تَحۡتِ اَرۡجُلِکُمۡ اَوۡ یَلۡبِسَکُمۡ شِیَعًا وَّیُذِیۡقَ بَعۡضَکُمۡ بَاۡسَ بَعۡضٍ ؕ اُنۡظُرۡ کَیۡفَ نُصَرِّفُ الۡاٰیٰتِ لَعَلَّہُمۡ یَفۡقَہُوۡنَ ﴿۶۵﴾ وَکَذَّبَ بِہٖ قَوۡمُکَ وَہُوَ الۡحَقُّ ؕ قُلۡ لَّسۡتُ عَلَیۡکُمۡ بِوَکِیۡلٍ ﴿ؕ۶۶﴾ لِکُلِّ نَبَاٍ مُّسۡتَقَرٌّ ۫ وَّسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۷﴾ وَاِذَا رَاَیۡتَ الَّذِیۡنَ یَخُوۡضُوۡنَ فِیۡۤ اٰیٰتِنَا فَاَعۡرِضۡ عَنۡہُمۡ حَتّٰی یَخُوۡضُوۡا فِیۡ حَدِیۡثٍ غَیۡرِہٖ ؕ وَاِمَّا یُنۡسِیَنَّکَ الشَّیۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّکۡرٰی مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۶۸﴾ وَمَا عَلَی الَّذِیۡنَ یَتَّقُوۡنَ مِنۡ حِسَابِہِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ وَّلٰکِنۡ ذِکۡرٰی لَعَلَّہُمۡ یَتَّقُوۡنَ ﴿۶۹﴾ وَذَرِ الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا دِیۡنَہُمۡ لَعِبًا وَّلَہۡوًا وَّغَرَّتۡہُمُ الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا وَذَکِّرۡ بِہٖۤ اَنۡ تُبۡسَلَ نَفۡسٌۢ بِمَا کَسَبَتۡ ٭ۖ لَیۡسَ لَہَا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ وَلِیٌّ

ع ۱۴/۵

[1] الکشاف ۶/ ۱۸

وَّلَا شَفِيۡعٌ‌ ۚ وَاِنۡ تَعۡدِلۡ كُلَّ عَدۡلٍ لَّا يُؤۡخَذۡ مِنۡهَا‌ ؕ اُولٰٓـئِكَ الَّذِيۡنَ اُبۡسِلُوۡا بِمَا كَسَبُوۡا‌ ۚ لَهُمۡ شَرَابٌ مِّنۡ حَمِيۡمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيۡمٌۢ بِمَا كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ ﴿۷۰﴾ قُلۡ اَنَدۡعُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنۡفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعۡقَابِنَا بَعۡدَ اِذۡ هَدٰٮنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسۡتَهۡوَتۡهُ الشَّيٰطِيۡنُ فِى الۡاَرۡضِ حَيۡرَانَ لَهٗۤ اَصۡحٰبٌ يَّدۡعُوۡنَهٗۤ اِلَى الۡهُدَى ائۡتِنَا‌ ؕ قُلۡ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الۡهُدٰى‌ ؕ وَاُمِرۡنَا لِنُسۡلِمَ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۷۱﴾ وَاَنۡ اَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوۡهُ‌ ؕ وَهُوَ الَّذِىۡۤ اِلَيۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۷۲﴾ وَهُوَ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِالۡحَـقِّ‌ ؕ وَيَوۡمَ يَقُوۡلُ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ؕ قَوۡلُهُ الۡحَـقُّ‌ ؕ وَلَهُ الۡمُلۡكُ يَوۡمَ يُنۡفَخُ فِى الصُّوۡرِ‌ ؕ عٰلِمُ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ‌ ؕ وَهُوَ الۡحَكِيۡمُ الۡخَبِيۡرُ ﴿۷۳﴾

ترجمہ: ......اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔ ان کو اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہے اور تری میں ہے، اور نہیں گرتا ہے کوئی پتہ مگر وہ اس کو جانتا ہے اور نہ کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور نہیں ہے کوئی تر چیز اور خشک مگر وہ کتاب مبین میں ہے۔﴿۵۹﴾ اور وہی ہے جو تمہیں قبضے میں لیتا ہے رات کو جانتا ہے اور جو کچھ کرتے ہو دن میں، پھر وہ تمہیں دن میں اٹھاتا ہے تاکہ پوری کر دی جائے معیاد مقرر۔ پھر اسی کی طرف تمہارا لوٹنا ہے۔ پھر وہ تمہیں ان کاموں کی خبر دے گا جو تم کیا کرتے تھے۔﴿۶۰﴾ اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہ تمہارے اوپر نگرانی کرنے والے بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم سے کسی کو موت آجاتی ہے تو اس کو ہمارے فرشتے قبض کر لیتے ہیں، اور وہ کوتاہی نہیں کرتے۔﴿۶۱﴾ پھر وہ اللہ کی طرف لوٹا دیے جائیں گے جو ان کا مالک حقیقی ہے، خبردار اسی کے لیے حکم ہے اور وہ حساب لینے والوں میں سب سے جلدی حساب لینے والا ہے۔﴿۶۲﴾ آپ فرمایے کہ کون تم کو نجات دیتا ہے خشکی اور سمندر کی اندھیریوں سے، تم اسے چپکے چپکے عاجزی کے ساتھ پکارتے ہو بلاشبہ اگر ہمیں اس مصیبت سے نجات دے دی تو ہم ضرور ضرور شکر گذاروں میں سے ہو جائیں گے۔﴿۶۳﴾ آپ فرما دیجیے اللہ تمہیں مصیبت سے نجات دیتا ہے اور ہر بے چینی سے، پھر تم شرک کرتے ہو۔﴿۶۴﴾ آپ فرما دیجیے کہ وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر عذاب بھیج دے تمہارے اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا بھڑا دے تم کو مختلف جماعتیں کر کے اور چکھا دے ایک کو دوسرے کی سختی، آپ دیکھ لیجیے کہ ہم کیسے مختلف پہلوؤں سے آیات کو بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سمجھ جائیں۔﴿۶۵﴾ اور آپ کی قوم نے اسے جھٹلایا حالانکہ وہ حق ہے۔ آپ فرما دیجیے کہ میں تم پر داروغہ بنا کر مقرر نہیں کیا گیا۔﴿۶۶﴾ ہر ایک خبر کا وقت مقرر ہے اور عنقریب تم جان لو گے۔﴿۶۷﴾ اور اے مخاطب! جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیات کے بارے میں عیب جوئی کرتے ہیں تو ان سے کنارہ ہو جا! یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی دوسری بات میں لگ جائیں۔ اور اگر تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آجانے کے بعد ظالموں کے ساتھ مت بیٹھو﴿۶۸﴾ اور جو لوگ احتیاط کرتے ہیں ان پر ظالموں کے حساب میں سے کچھ بھی نہیں ہے لیکن نصیحت ہے تاکہ وہ ڈرنے لگیں۔﴿۶۹﴾ اور چھوڑ دے ان لوگوں کو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا لیا ہے اور دنیاوی زندگی نے ان کو دھوکے میں ڈالا ہے اور قرآن کے ذریعہ ان کو نصیحت کیجیے تاکہ کوئی شخص اپنے اعمال کی وجہ سے نہ پھنس جائے جس کے لیے اللہ کے علاوہ کوئی حمایتی اور سفارش کرنے والا نہ ہوگا۔ اور اگر نفس ہر طرح سے جان کا بدلہ دے تو اس سے نہ لیا جائے گا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اعمال کی وجہ سے پھنس گئے۔ ان کے لیے پینا ہے گرم پانی سے اور دردناک عذاب ہے کفر کرنے کی وجہ سے۔﴿۷۰﴾ آپ فرما دیجیے کیا ہم پکاریں اللہ کے سوا جو ہمیں نفع نہیں دیتا اور جو ہمیں ضرر نہیں دیتا، اور کیا ہم اس کے بعد الٹے پاؤں لوٹا دیے جائیں جبکہ اللہ نے ہمیں ہدایت دی، کیا ہم اس شخص کی طرح ہو جائیں جسے شیاطین نے جنگل میں بے راہ کر دیا ہو۔ اس حال میں کہ حیران ہو کر بھٹکتا پھر رہا ہو۔ اس کے ساتھی ہیں جو اسے بلاتے ہیں کہ ہدایت کی طرف آجا ہمارے پاس۔ آپ فرما دیجیے بے شک

اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے۔ اور ہم کو حکم ہوا ہے کہ ہم سارے جہانوں کے پروردگار کے فرمانبردار ہو جائیں۔ (۷۱) اور یہ کہ نماز کو قائم کرو اور رب العالمین سے ڈرو اور وہی ہے جس کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے (۷۲) اور وہی ہے جس نے حق کے ساتھ آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا اور جس دن وہ فرمائے گا کہ ہو جا سو وہ ہو جائے گا، اور اس کا فرمان حق ہے اور اسی کے لیے ساری حکومت ہے جس دن صور پھونکا جائے گا۔ وہ جاننے والا ہے غیب کی چیزوں کو اور ظاہر چیزوں کو اور وہ حکمت والا ہے، خبر رکھنے والا ہے۔ (۷۳)

ربط و مناسبت: ...... قبل ازیں اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود اور وحدانیت پر دلائل و براہین قائم کیے ہیں۔ ان کے بعد اپنی صفات قدسیہ علم، قدرت، عظمت، جلال اور صفات جلال و جمال پر دلائل قائم کیے ہیں۔ اس کے بعد شدائد میں اپنے بندوں کو نجات دینے کا ذکر ہے۔

لغات: كَرْبٍ: ...... الکربُ وہ غم جو دل کو پہنچے۔ شِيَعًا: الشیعة ایسا فرقہ جو دوسرے کے پیچھے چلے۔ شیعہ کی جمع شِيَعٌ اور اشیاع ہے۔ اُبْسِلُوْا: الابسال سے فعل ماضی ہے۔ انسان کا اپنے آپ کو ہلاکت کے سپرد کر دینا۔ عَدْلٍ: فدیہ۔ حَمِيْمٍ: گرم پانی۔ حَيْرَانَ: حیرت، کسی معاملے میں تردد ہو جاتا اور اس سے نکلنے کی کوئی راہ نہ ہو۔ الْغَيْبِ: وہ چیز جو حواس سے غائب ہو۔ اَلشَّهَادَةِ: جس چیز کا کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کیا جائے۔ تُحْشَرُوْنَ: تم جمع کیے جاؤ گے۔

غیب کے خزانے

تفسیر: وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ: ...... یعنی اللہ کے پاس غیب کے خزانے ہیں۔ غیب کے خزانوں سے مراد ایسے غائب خفیہ امور ہیں، جنہیں کوئی نہیں جانتا اور کوئی احاطہ نہیں کرتا مگر صرف اللہ۔ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ: خشکی اور تری میں جتنے بھی حیوانات ہیں، ان سب کا احاطہ اللہ کے علم نے کیا ہوا ہے۔ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا: یہ مبالغہ ہے کہ اللہ کا علم جزئیات کو بھی محیط ہے۔ یعنی درختوں سے جو پتا بھی جھڑتا ہے اللہ کو اس کے جھڑنے کے وقت کا بھی علم ہے اور اس زمین کا بھی علم ہے جس پر پتا جھڑتا ہے۔ وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ: زمین کے اندر جو چھوٹا سا بیج پڑا ہوتا ہے، اس کو اس کی جگہ کا بھی علم ہوتا ہے اور اللہ کو یہ بھی علم ہوتا ہے کہ آیا یہ بیج اُگے گا یا نہیں اور اس سے اگنے والا اناج کون کھائے گا۔ وغیر ذالک۔ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ: کوئی بھی تر (ہری) چیز ہو یا خشک ہر چیز اللہ کے علم میں ہے اور لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔[1] ابوحیان کہتے ہیں: ذرا مذکورہ بالا معلومات کی حسن ترتیب کو ملاحظہ کیجیے۔ اللہ تعالیٰ نے اولاً معقول چیز کو ذکر کیا ہے، جس کا ہم حس سے ادراک نہیں کر سکتے اور وہ مفاتح الغیب ہے۔ دوسرے نمبر پر ایسی چیز کو ذکر کیا جس کا ہم اکثر و بیشتر حس سے ادراک کر لیتے ہیں اور وہ البر والبحر ہے۔ تیسرے نمبر پر دو لطیف اجزا کو ذکر کیا ہے۔ (۱) ...... پتے کا بلندی سے پستی کی طرف گرنا۔ (۲) ...... زمین کے اندر بیج کا مخفی ہونا۔ یہ اس امر پر دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کلیات و جزئیات کا علم ہے۔[2] وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ: یعنی وہی ذات ہے جو تمہیں رات کو سلاتی ہے اور دن کے وقت تم جو کچھ کرتے ہو (علم حاصل کرتے ہو) اسے بھی جانتا ہے۔ قرطبی کہتے ہیں: یہ حقیقۃً موت نہیں بلکہ نیند میں قبض ارواح ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: نیند میں اللہ تعالیٰ عارضی طور پر تمہاری روحیں قبض کر لیتا ہے۔ اسی پر بعث بعد الموت کو قیاس کیا جائے گا اور اس پر استدلال بھی کیا جائے گا۔ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى: پھر وہی تمہیں دن ہوتے ہی بیدار کر دیتا ہے تاکہ انقطاع حیات کی مقررہ مدت تک تم رفتہ رفتہ پہنچ جاؤ۔ فیہ کی ضمیر مجرور کا مرجع النهار ہے کیوں کہ غالب و بیشتر بیداری دن کے وقت میں ہوتی ہے اور غالب طور پر نیند رات کے وقت ہوتی ہے۔ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ: پھر اللہ تمہیں تمہارے ہی اعمال پر آگاہ کرے گا اور اس کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ اگر اعمال اچھے ہوئے تو بدلہ بھی اچھا دیا جائے گا اور اگر برے ہوئے تو بدلہ بھی برا دیا جائے گا۔

---

[1] البحر المحیط ۴/ ۱۴۶ سید قطب شہید نے اپنی تفسیر الضلال میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم علم محیط ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم سے زمین و آسمان، خشکی و تری، قعر زمین و فضا میں کوئی چیز باہر نہیں۔ انسانی دماغ قلیل ہے، اس کی رسائی محدود ہے، یہ صرف دکھائی دینے والی کائنات کو صرف آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔ حالانکہ کائنات انسانی احاطہ آنکھ سے باہر ہے۔ درختوں کے پتوں ہی کو لیجیے۔ ساری زمین کے درختوں کے پتوں کے گرنے کا علم خدا کو ہے...... الخ فی ظلال القرآن ۷/ ۷۴ [2] القرطبی ۷/ ۵

اللہ کی عظمت و کبریائی کا ذکر

اس کے بعد اللہ نے اپنی عظمت و کبریائی کا ذکر کیا ہے۔وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ: وہی تو ذات ہے جس کی سطوت ہر چیز پر قائم ہے اور ہر چیز اس کی عظمت، جلال اور کبریائی کے آگے سر تسلیم خم ہے۔وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً: ایسے فرشتے جو تمہارے اعمال محفوظ کرتے ہیں مراد کراماً کاتبین ہیں۔ابوسعود کہتے ہیں: اس میں حکمت بلیغہ اور نعمت جلیلہ ہے۔کیوں کہ جب مکلف کو یقین ہو جائے کہ اس کے اعمال محفوظ کیے جاتے ہیں جو قیامت کے دن سرعام لوگوں کے سامنے حساب کے لیے پیش کیے جائیں گے تو وہ غلط راستہ اختیار کرنے سے باز آ جائے گا۔معاصی اور قبائح سے بچنے کی کوشش کرے گا۔[1] حَتّٰى إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا: یہاں تک کہ جب کسی انسان کی مدت پوری ہو جاتی ہے تو ارواح قبض کرنے والے فرشتے اسے موت دے دیتے ہیں۔معنی یہ ہوا کہ انسانوں کی حفاظت پر مقررہ فرشتوں کی حفاظت انسانوں کی مدت پوری ہونے پر منتہی ہو جاتی ہے۔چنانچہ فرشتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ جب تک انسان زندہ رہتا ہے وہ اس کی حفاظت کریں۔جب انسان کی عمر پوری ہو جاتی ہے تو فرشتوں کی حفاظت بھی ختم ہو جاتی ہے۔

وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ: ......فرشتوں کو حفاظت اور قبض ارواح کے جو احکام ملتے ہیں، انہیں پورا کرنے میں کوتاہی نہیں کرتے۔ثُمَّ رُدُّوا إِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ: دوبارہ زندہ اٹھائے جانے کے بعد انسانوں کو اللہ کی طرف لوٹایا جائے گا۔وہی اللہ ان کا خالق و مالک ہے۔اس کا حکم اور تصرف چلتا ہے اور اللہ عدل کے ساتھ فیصلے کرتا ہے۔أَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ أَسْرَعُ الْحَاسِبِينَ: قیامت کے دن صرف اللہ کا حکم چلے گا اور اللہ ہی کا فیصلہ چلے گا۔اللہ کو ایک بندے کا حساب دوسرے کے حساب سے غافل نہیں کر سکتا اور اسے شیون بھی غافل نہیں کر سکتے۔وہ ساری مخلوق کا دنیوی دن کے نصف کے برابر حساب لے لے گا، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ اللہ انسانوں کا حساب اتنے وقت میں لے لے گا جتنے وقت میں بکری دوہ لی جاتی ہے۔قُلْ مَنْ يُنَجِّيكُمْ مِنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ: اے محمد! ان کفار سے کہہ دیجیے تمہیں خشکی اور تری کے اسفار کے شدائد و مصائب سے کون خلاصی دیتا ہے؟تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً: تم جب اسفار میں ہولناکیاں دیکھتے ہو تو اخلاص کے ساتھ اللہ کو پکارتے ہو۔اپنی زبانوں سے اور اپنے دلوں میں عجز و نیاز کرتے ہو۔ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: تم ظاہراً اور پوشیدہ اللہ کو پکارتے ہو اور یوں کہتے ہو لَئِنْ أَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشّٰكِرِينَ: یعنی اگر تو نے ہمیں ان شدائد و ظلمات سے نجات دی تو ہم مؤمنین اور شاکرین ہو جائیں گے۔یعنی جب تمہیں ہلاکت کا خوف پیش آتا ہے تو اللہ کو پکارنے لگتے ہو اور جب اللہ تمہیں نجات دے دیتا ہے تو کفر پر اتر آتے ہو۔قرطبی کہتے ہیں: اللہ نے کفار کی توبیخ کی ہے کہ شدائد میں اسے پکارتے ہیں اور فراخی میں غیر اللہ کو پکارتے ہیں۔[2]

مشرکین کو انذار اور وعید

قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيكُمْ مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ: ......صرف اللہ ہی تمہیں ان شدائد و مصائب سے نجات دیتا ہے۔یہی نہیں بلکہ ہر طرح کے کرب و غم سے وہی نجات دیتا ہے۔ثُمَّ أَنْتُمْ تُشْرِكُونَ: توبیخ ہے یعنی اس ساری تفصیل کے بعد اور تحقیق کے بعد تم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو اور ایمان نہیں لاتے۔قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰى أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِنْ فَوْقِكُمْ: اے محمد، ان کفار سے کہہ دیجیے: اللہ آسمان سے تمہارے لیے بجلیاں گرا کر تمہیں ہلاک کرنے پر قادر ہے۔اس کے علاوہ پتھروں کی بارش، پتھروں سے رجم، طوفان، چیخ اور آندھی سے بھی تمہیں ہلاک کر سکتا ہے، جیسے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا گیا۔أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ: زمین میں دھنسا کر یا زلزلہ کے ذریعے بھی تمہیں ہلاک کر سکتا ہے جیسا کہ قارون اور اہل مدین کے ساتھ کیا گیا۔أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ: یا تمہیں مختلف گروہوں میں تقسیم کر دے اور پھر تمہیں آپس میں لڑا دے۔بیضاوی کہتے ہیں کہ مختلف اغراض و خواہشات کے پیش نظر تمہیں مختلف گروہوں میں تقسیم کر دے اور پھر تمہارے درمیان جنگ کی آگ بھڑکا دے۔[3] ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: یعنی تمہارے درمیان مختلف اہواء اغراض کو پھیلا دے اور تم فرقوں

---

[1] ابوالسعود ۲/۱۰۷ [2] القرطبی ۷/۸ [3] البیضاوی ص ۱۷۳

میں بٹ جاؤ۔[۱] یہ سارے مفاہیم قریب المعنی ہیں۔آیت کا مقصد وعید سنانا ہے۔اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ: دیکھو ہم ان کفار کے لیے کس طرح آیات کو کھول کھول کر پیش کرتے ہیں۔مختلف پیرایوں میں عبرتیں اور نصیحتیں بیان کر دی ہیں تا کہ سمجھ جائیں، اللہ کی آیات، براہین اور حجج میں غور و فکر کریں۔حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ: تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! میں تیری پناہ حاصل کرتا ہوں۔اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ: فرمایا: اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں۔وَيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ معمولی ہے۔[۲] وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ: اے محمد! تمہاری قوم اس قرآن کی تکذیب کرتی ہے، قوم سے مراد قریش ہیں حالاں کہ یہ کتاب برحق نازل ہوئی ہے۔قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ: میں تمہارے اوپر کوئی نگران نہیں مقرر کیا گیا۔میں تو ڈر سنانے والا ہوں۔لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ: اللہ تعالیٰ کی خبروں میں سے ہر خبر کا وقت مقرر ہے۔اس وقت میں وہ خبر واقع ہو کر رہتی ہے۔اس میں تقدیم و تاخیر نہیں ہوتی۔وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ: وعید میں مبالغہ ہے اور اس میں تہدید بھی ہے۔یعنی تمہیں عنقریب پیش آنے والے عذاب کا علم ہو جائے گا۔

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا: ......اور جب تم ان کفار کو قرآن کی تکذیب پر طعنہ اور مذاق اڑاتے دیکھو۔فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ: تم ان کے پاس نہ بیٹھو اور ان سے منہ موڑ کر چلے جاؤ۔یہاں تک کہ یہ لوگ دوسری باتوں میں شروع ہو جائیں۔قرآن کی تکذیب اور مذاق چھوڑ دیں۔سدی کہتے ہیں: جب مشرکین مؤمنین کے ساتھ مل بیٹھتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتے اور قرآن کا مذاق اڑاتے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو مشرکین کے پاس بیٹھنے سے منع کر دیا یہاں تک کہ ان کی گفتگو کا موضوع بدل جائے۔[۳] وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ: اگر شیطان تمہیں بھلا دے کہ اللہ نے کفار کی مجلس میں بیٹھنے سے منع کیا ہے پھر تمہیں رب تعالیٰ کی ممانعت یاد آ جائے۔فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ: یعنی یاد آ جانے کے بعد کفار کی مجلس میں مت بیٹھو، کیوں کہ وہ قرآن اور دین کا مذاق اڑاتے ہیں۔ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: یعنی جب تمہیں ممانعت یاد آ جائے تو مشرکین کے ساتھ مت بیٹھے رہو۔وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ: جب مؤمنین کفار کی مجلس میں بیٹھنے سے اجتناب کریں گے تو مؤمنین پر کفار کے استہزا اور گمراہی کا حساب نہیں ہوگا۔وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ: البتہ مؤمنین پر ضروری ہے کہ وہ کفار کو نصیحت کریں اور انہیں قبائح سے باز رہنے کی تاکید کریں۔[۴] مؤمنین اپنے انداز اور رویے سے کفار کی ناپسندیدگی کا اظہار کریں تا کہ مؤمنین سے حیا کر کے قرآن کا مذاق نہ اڑائیں۔ابن عطیہ کہتے ہیں: مؤمنین کے لیے اس آیت کی بنا پر ضروری ہے کہ ملحدین، دین کے خلاف مناظرہ کرنے والوں اور قرآن کی شان میں گستاخی کرنے والوں کے ساتھ بھی کفار جیسا طرز عمل اپنایا جائے اور ان کی مجالس میں نہ بیٹھا جائے۔[۵]

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا: ......ان کفار فجار کو چھوڑ دو، جنہوں نے قابل احترام اور قابل تعظیم دین کو ہنسی مذاق کی چیز بنا دیا ہے۔وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا: اس فانی زندگی نے ان کو دھوکا دے رکھا ہے، حتیٰ کہ انہیں خیال ہونے لگا ہے کہ اس کے بعد کوئی زندگی نہیں۔وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ: قرآن کے ذریعے لوگوں کو نصیحت کرتے رہو اس خوف کی وجہ سے کہ کوئی نفس ہلاکت میں گرفتار نہ ہو جائے اور اپنے برے عمل کی وجہ سے پکڑا نہ جائے۔لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ: اور پھر ایسا ہو کہ اس کے لیے اللہ کے عذاب سے مدد کرنے والا کوئی نہ ہو اور اللہ کے ہاں کوئی سفارش کرنے والا نہ ہو۔وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا: اور کیفیت یہ ہو کہ اگر یہ نفس ہر طرح کا فدیہ دے ڈالے وہ بھی اس سے قبول نہ ہو۔قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اگر کوئی نفس بھری زمین کے برابر سونا بھی لائے اور فدیہ میں پیش کر کے اپنی جان کی خلاصی چاہے وہ بھی اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔[۶] اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا: یہ لوگ برے اعمال اور غلط عقائد کی وجہ سے اللہ کے عذاب میں گرفتار کیے جا چکے ہیں۔لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ: ان گمراہوں کے پینے کے لیے نہایت تیز کھولتا ہوا پانی

---

۱ زاد المسیر ۳/۵۹ ۲ اخرجہ البخاری ۳ الطبری ۱۱/۷ ۳۴۳ ۴ طبری نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ البتہ کفار سے اعراض کر لو اس وقت اللہ کے حکم سے نصیحت حاصل کرتا ہے تا کہ اللہ سے ڈریں۔۵ البحر ۴/۱۵۴ ۶ الطبری ۱۱/۷ ۴۴۴

ہوگا جو ان کے پیٹ میں پڑی ہوئی انتڑیوں کو ریزہ ریزہ کردے گا اور ان کے کفر کے سبب آتش دوزخ کا دردناک عذاب ہوگا اور انہوں نے ہمیشہ ہمیشہ اس ذلت میں رہنا ہے۔ قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُنَا وَلَا یَضُرُّنَا: استفہام برائے انکار ہے اور اس میں توبیخ (ڈانٹ) بھی ہے۔ اے محمد! کفار سے کہہ دیجیے: کیا ہم ان معبودان کی عبادت کریں، جنہیں اگر ہم پکاریں تو ہمیں نفع نہیں پہنچائے اور جنہیں ہم چھوڑ دیں تو نقصان نہیں پہنچائے (یعنی جو نفع ونقصان کے مالک نہیں) معبودان سے مراد بت ہیں۔ وَنُرَدُّ عَلٰۤی اَعْقَابِنَا: اور ہم ہدایت پر آ جانے کے بعد گمراہی کی طرف چلے جائیں۔ بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ: اس کے بعد کہ جب اللہ نے ہمیں اسلام کی ہدایت سے بہرہ مند فرمایا۔

ایک تمثیل

كَالَّذِی اسْتَهْوَتْهُ الشَّیٰطِیْنُ فِی الْاَرْضِ حَیْرَانَ:...... پھر تو ہماری مثال اس شخص جیسی ہوگی جسے شیاطین اچک کر بیابانوں میں لے گئے ہوں اور اسے ہلاکتوں کے سپرد کردیں۔ حَیْرَانَ اس حال میں کہ وہ حیران و پریشان ہو اور اسے معلوم ہی نہ ہو کہ کہاں جائے؟ لَهٗۤ اَصْحٰبٌ یَّدْعُوْنَهٗۤ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا: اور اس کے ساتھی اسے سیدھی راہ کی طرف بلا رہے ہوں اور کہتے ہوں کہ ہمارے پاس آ ؤ۔ وہ ان کی بات ہی نہ مانتا ہو اور نہ انہیں جواب دیتا ہو۔ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى: ان کفار سے کہہ دیجیے: اسلام کے جس راستے پر ہم ہیں، صرف یہی ہدایت کا راستہ ہے۔ اس کے علاوہ جو بھی ہے سب گمراہی ہے۔ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ: اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اللہ عزوجل کے آگے سر جھکا دیں اور ہم اپنے جمیع امور اور احوال میں خالص اسی کی عبادت کریں۔ آیت میں ایسے شخص کی تمثیل پیش کی گئی ہے جو ہدایت سے ہٹ کر ضلالت پر چل گیا ہو اور اسے اسلام کی طرف بلایا جاتا ہو جبکہ وہ جواب نہ دیتا ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: یہ مثال اللہ نے معبودان باطلہ اور ان کی دعوت دینے والوں اور اللہ کی طرف بلانے والوں کی بیان کی ہے۔ جیسے مثلاً کوئی شخص راستہ بھول جائے، یکا یک اسے ایک منادی آواز دے: اے فلاں بن فلاں اس راستے کی طرف آ، جبکہ اس کے کچھ ساتھی ہوں جو اسے بلاتے ہوں کہ اے فلاں! اس سیدھے راستے کی طرف آ ؤ۔ اگر اس شخص نے پہلے داعی کی پکار پر لبیک کہا تو وہ اسے ہلاکت میں ڈال کر چھوڑے گا اور اگر اس نے ہدایت (سیدھی راہ) کی طرف بلانے والے کی پکار پر لبیک کہا تو وہ سیدھے راستے پر پہنچ جائے گا۔ چنانچہ اسی طرح جو شخص بتوں کی پرستش کرتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ ان میں کچھ نہ کچھ راز ہے اور وہ ایک راستے پر ہے یہاں تک کہ اسے موت آ جائے تو وہ ہلاکت اور ندامت میں جا پڑتا ہے۔[1]

وَاَنْ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ:...... اور ہمیں نماز قائم کرنے اور جمیع احوال میں تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ وَهُوَ الَّذِیْۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ: اور تمہیں قیامت کے دن اللہ کے پاس جمع کیا جائے گا اور اللہ ہر عمل کرنے والوں کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا۔ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ: اللہ خالق و مالک ہے۔ آسمانوں اور زمین کا نظام چلانے والا ہے۔ اس نے آسمان اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے۔ انہیں فضول نہیں بنایا۔ وَیَوْمَ یَقُوْلُ كُنْ فَیَكُوْنُ: اللہ سے ڈرو اور اس کے عذاب سے ڈرو اور اس دن کے شدائد سے ڈرو جس دن وہ کہے گا کہ ہو جا اور بس ہو جائے گا۔ ابوحیان کہتے ہیں: یہ کسی چیز کی عدم سے وجود کی طرف اخراج کی تمثیل ہے۔ ایسا نہیں کہ وہاں کوئی چیز ہوگی جس کا حکم دیا جائے گا۔ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ: اللہ کا فرمایا ہوا حق و سچ ہے اور واقع کے عین مطابق ہے۔ قیامت کے دن اللہ ہی کی بادشاہت ہوگی۔ یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ: یعنی جس دن اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے، مراد دوسری بار صور پھونکنا ہے۔ جسے نفخہ احیا مُردوں کو دوبارہ اٹھائے جانے کا نفخہ کہتے ہیں۔ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ: جو مخفی امور اور ظاہری امور، حواس اور آنکھوں سے غائب امور کا جاننے والا ہے اور جن امور کا تم دن رات مشاہدہ کرتے ہو ان کا بھی جاننے والا ہے۔ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ: یعنی اپنے افعال میں حکمت سے کام لیتا ہے اور بندوں کے شؤون سے باخبر ہے۔

بلاغت: وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ:...... آنکھوں سے غائب امور کے لیے مفاتح کا لفظ مستعار لیا گیا ہے۔ گویا امور غائبہ خزانے ہیں جن میں غائب کی خبریں رکھ دی گئی ہیں۔ زمخشری کہتے ہیں: غیب کے لیے مفاتح کا لفظ لایا گیا ہے جو کہ بطور استعارہ ہے، کیوں کہ مفاتح (کنجیوں) کے ذریعے

---

[1] الطبری ۱۱/ ۴۵۲

خزانوں تک رسائی حاصل کی جاتی ہے جبکہ خزانے مقفل ہوتے ہیں۔ اسی طرح غیب کی خبروں سے صرف اللہ باخبر ہے۔[1] وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ: موت کی وفات کو بطور استعارہ نیند کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ کیوں کہ دونوں میں امر مشترک احساس وتمیز کا زوال ہے۔ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ: اسم ظاہر کو ضمیر کی جگہ پر لایا گیا ہے۔ یعنی مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ کے بجائے معهم ہونا چاہیے تھا۔ ایسا مشرکین کی شناعت بیان کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔ وَنُرَدُّ عَلَىٰ أَعْقَابِنَا: یعنی شرک سے واپس ہوں گے۔ کیوں کہ اس سے شرک کی تقبیح بیان کرنا مقصود ہے۔ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ: میں جناس اشتقاق ہے۔ رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ: فَوْقِ وَتَحْتِ، يَنفَعُنَا وَيَضُرُّنَا، الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ: میں طباق ہے جبکہ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ: میں سجع ہے۔

تنبیہ: ...... حاکم کہتے ہیں: وَعِندَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ: سے امامیہ کے قول کی تردید ہوتی ہے۔ چنانچہ امامیہ کا خیال ہے کہ امام غیب دان ہوتا ہے۔ حالاں کہ یہ بہتان اور کذب ہے کیوں کہ اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا آلِهَةً ۖ إِنِّي أَرَاكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٧٤﴾ وَكَذَٰلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ ﴿٧٥﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَىٰ كَوْكَبًا ۖ قَالَ هَٰذَا رَبِّي ۖ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ ﴿٧٦﴾ فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هَٰذَا رَبِّي ۖ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَئِن لَّمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ ﴿٧٧﴾ فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هَٰذَا رَبِّي هَٰذَا أَكْبَرُ ۖ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ﴿٧٨﴾ إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا ۖ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٧٩﴾ وَحَاجَّهُ قَوْمُهُ ۚ قَالَ أَتُحَاجُّونِّي فِي اللَّهِ وَقَدْ هَدَانِ ۚ وَلَا أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ إِلَّا أَن يَشَاءَ رَبِّي شَيْئًا ۗ وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۗ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ﴿٨٠﴾ وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُم بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا ۚ فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٨١﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُونَ ﴿٨٢﴾ وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ ۚ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّن نَّشَاءُ ۗ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿٨٣﴾ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۚ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوحًا هَدَيْنَا مِن قَبْلُ ۖ وَمِن ذُرِّيَّتِهِ دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ وَهَارُونَ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٨٤﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَإِلْيَاسَ ۖ كُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿٨٥﴾ وَإِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَعَ وَيُونُسَ وَلُوطًا ۚ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٨٦﴾ وَمِنْ آبَائِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ ۖ وَاجْتَبَيْنَاهُمْ

وقف لازم

[1] الکشاف ۲ / ۲۴

وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۷﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا
لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا
هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ قُلْ
لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۰﴾ ع وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ
اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ
قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ
ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ
الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَمَنْ
اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ
اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا
اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ
تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ
ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ
وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾ ع

ترجمہ: ...... اور جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر سے کہا کیا تو بتوں کو معبود مانتا ہے؟ بلاشبہ میں تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھ رہا ہوں﴿۷۴﴾ اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں کی اور زمین کی مخلوقات دکھائیں۔ تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔﴿۷۵﴾ پھر جب اس پر رات کی تاریکی چھا گئی تو ایک ستارہ دیکھا، کہا یہ میرا رب ہے، پھر جب وہ ستارہ غروب ہو گیا تو یوں کہا کہ میں غائب ہو جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔﴿۷۶﴾ پھر جب چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو کہا کہ یہ میرا رب ہے، پھر جب وہ غروب ہو گیا تو کہا اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ کرتا تو میں ضرور گمراہ لوگوں میں سے ہو جاتا۔﴿۷۷﴾ پھر جب سورج کو چمکتا ہوا دیکھا تو کہا کہ یہ میرا رب ہے، یہ سب سے بڑا ہے، پھر جب سورج غروب ہو گیا تو کہا اے میری قوم! میں ان چیزوں سے بری ہوں، جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو۔﴿۷۸﴾ بے شک میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف موڑا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا، میں سب کو چھوڑ کر اسی کی طرف مائل ہونے والا ہوں، اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں﴿۷۹﴾ اور اس کی قوم نے حجت بازی کی تو اس نے جواب میں کہا کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں حجت بازی کرتے ہو حالانکہ اس نے مجھے ہدایت عطا فرمادی، اور میں ان سے نہیں ڈرتا جن کو تم اس کا شریک بناتے ہو مگر ہاں جو کچھ میرا رب چاہے، میرے پروردگار کا علم ہر چیز کو احاطہ کیے ہوئے ہے، کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟﴿۸۰﴾ اور میں کیوں کر ان سے ڈروں جنہیں تم نے شریک بنایا ہوا ہے حالانکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے

ساتھ ان چیزوں کو شریک بنالیا ہے جس کی کوئی دلیل تم پر اللہ نے نازل نہیں فرمائی۔ سو دونوں فریقوں میں کون امن کا مستحق ہے اگر تم جانتے ہو۔ ⑧١ جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان میں کسی ناحق کی آمیزش نہ کی انہیں کے لیے امان ہے اور وہی راہ یافتہ ہیں۔ ⑧٢ اور یہ ہماری حجت تھی جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلہ میں دی۔ ہم جس کو چاہیں مرتبوں کے اعتبار سے بلند کرتے ہیں۔ بے شک آپ کا رب حکمت والا ہے علم والا ہے۔ ⑧٣ اور ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب عطا کیے اور ہر ایک کو ہم نے ہدایت دی۔ اور اس سے پہلے ہم نے نوح کو ہدایت دی اور ان کی ذریت سے داؤد کو اور سلیمان کو اور ایوب کو اور یوسف کو اور موسیٰ کو اور ہارون کو۔ اور ہم اسی طرح نیک کاروں کو جزا دیتے ہیں۔ ⑧٤ اور زکریا کو اور یحییٰ کو اور عیسیٰ کو اور الیاس کو، سب صالحین میں سے ہیں۔ ⑧٥ اور اسماعیل کو اور الیسع کو اور یونس کو اور لوط کو۔ اور سب کو ہم نے فضیلت دی جہانوں پر۔ ⑧٦ اور ان کے کچھ باپ دادوں اور کچھ اولاد اور کچھ بھائیوں کو اور ہم نے ان کو چن لیا اور ان کو ہدایت دی سیدھے راستے کی طرف۔ ⑧٧ یہ اللہ کی ہدایت ہے وہ اس کے ذریعے اپنے بندوں میں سے جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔ اگر یہ حضرات شرک اختیار کر لیتے تو جو اعمال کیا کرتے تھے وہ سب حبط ہو جاتے۔ ⑧٨ یہ وہ حضرات ہیں جن کو ہم نے کتاب دی اور حکمت اور نبوت عطا کی، سو اگر زمانہ موجودہ کے لوگ نبوت کا انکار کریں تو ہم نے اس کے لیے بہت سے لوگ ایسے مقرر کر دیے ہیں جو اس کا انکار کرنے والے نہیں ہیں۔ ⑧٩ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی سو آپ ان کی ہدایت کا اقتدا کریں۔ آپ فرما دیجیے کہ میں تو اس پر تم سے کسی معاوضہ کا سوال نہیں کرتا یہ تو صرف نصیحت ہے جہانوں کے لیے۔ ⑨٠ اور لوگوں نے اللہ کی قدر نہیں پہچانی جیسے پہچانی تھی جبکہ انہوں نے کہا کہ اللہ نے کسی بشر پر کوئی بھی چیز نازل نہیں فرمائی، آپ فرما دیجیے کہ کس نے اتاری وہ کتاب جسے موسیٰ لے کر آئے جو نور تھی اور لوگوں کے لیے ہدایت تھی۔ تم نے اسے الگ الگ ورقوں میں کر رکھا ہے جنہیں تم ظاہر کرتے ہو اور بہت کچھ چھپاتے ہو اور تم کو وہ باتیں بتائی گئی ہیں جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے نہیں جانا۔ آپ فرما دیجیے کہ اللہ نے نازل فرمایا۔ پھر ان کو چھوڑ دیجیے اپنی خرافات میں کھیلتے رہیں گے۔ ⑨١ اور یہ کتاب ہے جو ہم نے نازل کی ہے بڑی برکت والی ہے اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔ اور تاکہ آپ مکہ والوں کو اور اس کے آس پاس کے رہنے والوں کو ڈرائیں، اور جو لوگ آخرت کا یقین رکھتے ہیں اس پر ایمان لاتے ہیں اور وہ اپنی نماز کی پابندی کرتے ہیں۔ ⑨٢ اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے یا یوں کہے کہ میری طرف وحی کی گئی۔ حالاں کہ اس کی طرف کچھ بھی وحی نہیں کی گئی۔ اور اس سے بڑھ کر زیادہ ظالم کون ہوگا جو یوں کہے کہ میں ایسا کلام نازل کروں گا جیسا اللہ نے نازل کیا اور اگر تو اس منظر کو دیکھے جبکہ ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے کہ نکالو اپنی جانیں آج تم کو ذلت والے عذاب کی سزا دی جائے گی۔ اس وجہ سے کہ تم اللہ کے ذمہ جھوٹی باتیں لگاتے تھے اور اس کی آیتوں کے ماننے سے تکبر کرتے تھے، ⑨٣ اور البتہ تم ہمارے پاس آؤ گے الگ الگ جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا۔ اور تم نے اپنے پیٹھ پیچھے وہ چھوڑ دیا جو ہم نے تمہیں عطا کیا تھا، اور ہم نہیں دیکھ رہے تمہارے ساتھ تمہارے سفارشیوں کو جن کے بارے میں تم نے خیال کیا تھا کہ وہ تمہارے بارے میں شریک ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ تمہارا آپس کا تعلق منقطع ہو گیا اور تمہارے وہ دعوے گئے گزرے ہو گئے جو تم کیا کرتے تھے۔ ⑨٤

ربط وتعارف:......قبل ازیں اثبات توحید اور بطلان شرک پر دلائل و براہین قائم کیے گئے ہیں۔ اب یہاں انبیا کے باپ حضرات ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کیا جا رہا ہے تاکہ مشرکین عرب پر حجت قائم ہو جائے۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام خالص توحید لے کر آئے اور تمام گروہ اور ملتیں ابراہیم علیہ السلام کی فضیلت کی قائل ہیں۔ اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام کے بیٹوں میں سے جو پیغمبر ہوئے ان کا شرف و مرتبہ بیان کیا گیا ہے۔ آخر میں اللہ نے اپنے رسول کو ان کی اقتدا کا حکم دیا ہے۔

لغات: مَلَكُوتَ:......مِلْكٌ کے معنی میں ہے۔ واؤ اور تاء برائے مبالغہ ہے، جیسے: رَغَبُوت، رَهَبُوت، رغبت و رہبت سے ماخوذ ہیں۔ **جَنَّ:** تاریکی میں ڈھانپ لیا۔ واحدی کہتے ہیں جن علیه اللیل واجنه اللیل: رات نے ڈھانپ لیا، رات چھا گئی، رات نے چھپا لیا۔ اسی سے

الجنۃ، الجن والجنون والجنین ماخوذ ہیں۔ سب کا لغوی معنی ستر کرنا، ڈھانپنا ہے۔ [1] بَازِغًا: طَالِعًا، طلوع ہوا۔ مقولہ ہے: بَزَغَ الْقَمَرُ: چاند طلوع ہوا۔ ازہری کہتے ہیں: بَازِغًا "البزغ" سے ماخوذ ہے۔ معنی شق کرنا، پھاڑنا، چیرنا۔ گویا چاند اور سورج بھی اپنی روشنی سے تاریکی کو پھاڑ دیتا ہے۔ [2] أَفَلَ: غائب ہوا۔ سُلْطَانًا: حجت، يَلْبِسُوْا: خلط کرتے ہیں، گڈمڈ کرتے ہیں۔ وَاجْتَبَيْنَاهُمْ: ہم نے انہیں چن لیا۔ قَرَاطِيْس: قرطاس کی جمع بمعنی ورق۔ ایک شاعر کہتا ہے:

استودع العلم قرطاسًا فضیعهٔ فبئس مستودعُ العلم القراطیس

ترجمہ:...... جو شخص علوم کو اوراق کے سپرد کرتا ہے، وہ حقیقت میں علم کو ضائع کر دیتا ہے۔ کاغذ جو علم کا اسٹور ہے، بہت برا ہے۔ غَمَرٰتِ: شدت، سختی۔ خَوَّلْنٰكُمْ: ہم نے تمہیں عطا کیا، تمہیں مالک بنایا۔

شانِ نزول:...... سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ مالک بن حیف یہودی ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مناظرہ کرنے آیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: میں تمہیں اس ذات کا واسطہ دیتا ہوں، جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی ہے کیا تم تورات میں یہ حکم نہیں پاتے کہ اللہ موٹے حَبر (عالم) کو ناپسند کرتا ہے؟ مالک بن حیف موٹا حَبر تھا۔ اس پر اسے غصہ آیا اور کہا: اللہ کی قسم اللہ نے اس بارے میں کسی بشر پر کوئی حکم نہیں اتارا۔ اس کے ساتھیوں نے اس سے کہا: تیرا ناس ہو، کیا موسیٰ پر بھی اللہ نے اس طرح کا کوئی حکم نہیں اتارا؟ بولا: اللہ کی قسم کسی بشر پر اس طرح کی بات نازل نہیں کی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی:

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ اِذْ قَالُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ [3]

تفسیر: وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً:...... اے محمد! اپنی قوم بتوں کی پجاری کو ابراہیم کی بات یاد دلاؤ (کیوں کہ تمہاری قوم کا دعویٰ ہے کہ وہ ملت ابراہیم پر ہیں) جو انہوں نے اپنے باپ سے کہی تھی کہ کیا تم بتوں کو معبود ان بناتے ہو، ان کی عبادت کرتے ہو اور انہیں اللہ کے سوا خدا بنا رکھا ہے حالاں کہ اللہ نے تمہیں پیدا کیا، تمہیں درست حالت میں بنایا اور تمہیں رزق عطا کیا۔ اِنِّیْۤ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ تم اور تمہاری قوم حق سے پھرے ہوئے ہو اور گمراہی میں پڑے ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ [3]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ملکوت اعلیٰ و اسفل کا نظارہ

وَكَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ:...... اور ہم ابراہیم کو عظیم الشان بادشاہت اور سلطنت کا نظارہ کراتے تھے۔ وَلِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ: تاکہ اسے یقین میں رسوخ حاصل ہو جائے، اس لیے ہم نے اسے عظیم نشانیاں دکھلائیں۔ مجاہد کہتے ہیں: آسمان اور زمین کا پردہ ایک ثانیے کے لیے ہٹ گیا اور ابراہیم علیہ السلام نے اپنی آنکھوں سے ملکوت اعلیٰ اور ملکوت اسفل کا نظارہ کر لیا۔ [4] فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ الَّیْلُ رَاٰ كَوْكَبًا جب رات نے دن کی روشنی کو اپنی تاریکی کی لپیٹ میں لے لیا تو ابراہیم نے آسمان میں ایک چمکتا ہوا ستارہ دیکھا۔ وہ ستارہ زہرہ تھا یا مشتری تھا۔ قَالَ هٰذَا رَبِّیْ: یعنی تمہارے زعم باطل کے مطابق یہ بات قوم پر رد کرنے کے لیے کہی تاکہ قوم اپنی جہالت سے واقف ہو جائے، ان کی توبیخ بھی مقصد ہے۔ زمخشری کہتے ہیں: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد اور ان کی قوم بتوں کی عبادت کرتی تھی اور ستاروں کو بھی خدا مانتی تھی۔ ابراہیم علیہ السلام نے قوم کو متنبہ کرنا چاہا اور غور و فکر اور استدلال کے طریقے سے راہِ حق انہیں دکھانا چاہا۔ یہ بات بھی باور کرائی کہ سنجیدہ سوچ اور نظر صحیح اس بات پر منتج ہوتی ہے کہ بتوں اور ستاروں میں سے کوئی بھی معبود ہونے کا مستحق نہیں بلکہ یہ سب معرض حدوث میں ہیں۔ ان پر طلوع و غروب کا ورود ہوتا ہے۔ هٰذَا رَبِّیْ: مدمقابل سے انصاف کرنے والے کا قول ہے باوجودیکہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ باطل ہے اور وہ مقابل کا قول حکایت کرتا ہے اور یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ وہ متعصب نہیں۔ یہ طریقہ استدلال دعوت حق کے لیے زیادہ موثر ثابت ہوتا ہے اور پھر پلٹ کر حجت کے ساتھ اسے باطل بھی قرار دے دیتا ہے۔ [5]

---

[1] تفسیر الرازی ۱۳/ ۴۶ [2] تہذیب اللغۃ مادہ بزغ [3] اسباب النزول ص۱۲۶ والقرطبی ۷/ ۳۷ [4] البحر ۴/ ۱۶۵ [5] الکشاف ۲/ ۳۱

فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ:......اور جب ستارے غائب ہو گئے، کہا میں ایسے معبود کی عبادت کرنا پسند نہیں کرتا جس کی ایسی صفت ہو، کیوں کہ تغیر پذیری اور انتقال رب کے لیے روا نہیں کہ کیوں کہ یہ اجرام فلکی کی صفات ہیں۔فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ: جب ابراہیم نے چاند کو طلوع ہوتے دیکھا کہ اس کی روشنی پھیل رہی تھی، کہا: یہ میرا رب ہے، جیسے کہ اوپر اسلوب گزر چکا۔ابراہیم علیہ السلام نے قوم کو مہلت دی کہ جن کی یہ عبادت کرتے ہیں وہ تو معرض فساد میں ہیں۔نیز ان کی کم عقلی اور بے وقوفی بھی ظاہر کر دی۔فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ: اور جب چاند غروب ہو گیا تو ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اگر میرے رب نے مجھے ہدایت پر ثابت قدم نہ رکھا لامحالہ میں گمراہ قوم میں شامل ہو جاؤں گا۔اس میں قوم پر تعریض ہے کہ وہ صریح گمراہی پر ہیں۔فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ: یعنی یہ تو ستارے اور چاند سے بڑا ہے۔فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ: اور جب سورج غروب ہو گیا تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: میں تمہارے شرک اور بتوں سے بری الذمہ ہوں۔ابوحیان کہتے ہیں: جب ابراہیم علیہ السلام نے قوم سے واضح کر دیا کہ یہ ستارا رب ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا پھر ابراہیم علیہ السلام منتظر رہے کہ ستارے سے زیادہ روشن چیز سامنے آئے۔چنانچہ چاند دیکھا، پھر جب وہ بھی غائب ہو گیا تو اس سے زیادہ روشن چیز یعنی سورج کا انتظار کیا۔چنانچہ سورج چاند سے زیادہ روشن پایا اور جسامت میں اس سے بڑا بھی۔قوم پر حجت قائم کرنے کے لیے قول اختیار کیا اور واضح کر دیا کہ صفت حدوث میں یہ بھی ستاروں جیسا ہے۔[1]

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: حقیقت میں ابراہیم علیہ السلام نے اس موقع پر قوم سے مناظرہ کیا اور ان کے خداؤں، ستاروں، چاند اور سورج کا بطلان واضح کیا۔چنانچہ سورج سب سے زیادہ روشن، اس کے بعد چاند زیادہ روشن، پھر ستاروں میں زہرہ زیادہ روشن۔جب ان تینوں اجرام فلکیہ کے خدا ہونے کی نفی ہو گئی تو ابراہیم علیہ السلام نے دلیل قاطع کے ذریعے اپنا مدعا بیان کیا اور فرمایا: قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ:[2] اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ: میں نے اپنی عبادت اور توحید سے قصد کیا۔لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ: اس ذات کے لیے جس نے بغیر کسی نمونہ کے اس جہان کو پیدا کیا، آسمان اور زمین بنائے۔حَنِيْفًا: ادیان باطلہ سے روگردانی کرتے ہوئے اور دین حق کی طرف مائل ہوتے ہوئے۔وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ: میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو اللہ کے ساتھ اوروں کی بھی عبادت کرتے ہیں۔وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ: توحید کے بارے میں قوم نے ابراہیم علیہ السلام سے مناظرہ کیا۔[3] ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: قوم نے آپ علیہ السلام کے ساتھ مناظرہ کیا اور آپ علیہ السلام نے قوم پر نکیر کرتے ہوئے جواب دیا: قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ: یعنی کیا تم اللہ کے وجود اور اس کی وحدانیت کے متعلق مجھ سے جھگڑتے ہو اور مناظرہ کرتے ہو۔وَقَدْ هَدٰىنِ: اور مجھے بصیرت عطا فرمائی اور حق کی طرف میری راہنمائی کی۔وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖ: اور جن معبودان کی تم عبادت کرتے ہو، اللہ کو چھوڑ کر جو نقصان پہنچاتے ہیں اور نہ ہی نفع دیتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں، نہ سنتے اور کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتے۔مجھے ان کا کچھ خوف نہیں۔اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا: ہاں البتہ میرا خدا مجھے جو مصیبت پہنچائے تو وہ پہنچ سکتی ہے۔وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا: اللہ نے ہر چیز کو اپنے علم کے احاطہ میں لے رکھا ہے۔

مشرکین کو غفلت تامہ پر تنبیہ

اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ:......استفہام برائے توبیخ ہے۔یعنی تم نصیحت اور عبرت کیوں نہیں حاصل کرتے؟ آیت میں مشرکین کی غفلت تامہ پر تنبیہ ہے۔چوں کہ مشرکین بتوں کی عبادت کرتے ہیں، جو نفع و نقصان کے مالک نہیں اور واضح دلائل کے ظہور کے بعد بھی شرک پر مصر ہیں۔وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ: میں تمہارے ان معبودان سے کیوں کر ڈروں، جنہیں تم اللہ کے ساتھ عبادت میں شریک ٹھہراتے ہو۔

---

[1] البحر المحیط ۴/ ۱۶۷ [2] مختصر ابن کثیر ۱/ ۵۹۲ [3] بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بچپن کے احوال ہیں جب آپ علیہ السلام میں استحکام نہیں آیا تھا، لیکن صحیح قول جمہور کا ہے جو اوپر تفسیر میں اختیار کیا گیا ہے کہ یہ مقام مناظرہ ہے۔سورج، چاند اور ستاروں کے معبود ہونے کے بطلان پر آپ علیہ السلام نے حجت قائم کی ہے۔اس تفسیر کی تائید وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ: اور وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰي قَوْمِهٖ: سے بھی ہوتی ہے۔امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۲ دلائل جمہور کے مذہب کی تائید میں پیش کیے ہیں۔نیز قرطبی، زمخشری، ابوسعود، ابن کثیر اور صاحب البحر المحیط نے یہی راجح قرار دیا ہے۔واللہ اعلم

وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا:.......اور تم اللہ سے نہیں ڈرتے، جو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور تم بغیر کسی دلیل وحجت کے اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو۔ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ: ہم میں سے کون بے خوف ہونے کا زیادہ مستحق ہے۔ حالاں کہ ہم نے دلائل سے اللہ کو پہچانا ہے اور ہم خاص اسی کی عبادت کرتے ہیں۔ بے خوفی کے ہم زیادہ مستحق ہیں یا تم مستحق ہو۔ حالاں کہ تم نے اللہ کے ساتھ بتوں کو شریک کیا ہے اور اس کی یکتائی کا انکار کیا ہے۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْۤا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ: جنھوں نے اپنے ایمان کو شرک کی گندگی سے آلودہ نہیں کیا۔ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ: یہی اہل ایمان عذاب سے بے خوف رہنے کے زیادہ مستحق ہیں۔ یہی لوگ رشد وہدایت پر ہیں۔ روایت میں ہے کہ جب یہ آیات نازل ہوئیں تو صحابہ رضی اللہ عنہم ڈر گئے اور کہنے لگے: ہم میں سے کون ہے جس نے اپنے اوپر ظلم نہیں کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ وہ ظلم نہیں جو تم خیال کرتے ہو، اس سے مراد تو وہی ہے جو لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا تھا: يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾: اے میرے بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ۔ کیوں کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ (لقمان، ۱۳) [1] وَتِلْكَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَيْنٰهَاۤ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ: اوپر مذکور حجج کی طرف اشارہ ہے جن کے ذریعے اللہ نے اپنے خلیل کی تائید کی۔ ان دلائل سے ابراہیم علیہ السلام نے رب تعالیٰ کی وحدانیت پر استدلال کیا۔ سورج، چاند اور ستاروں کے طلوع وغروب کے ذریعے قوم پر حجت قائم کی۔ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ: یعنی علم وفہم اور نبوت کے ذریعے جس کے چاہتے ہیں درجات بلند کرتے ہیں۔ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ: اللہ حکمت والا ہے ہر چیز کو اس کے محل میں رکھتا ہے۔ علیم ہے اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ:.......اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو بیٹا عطا کیا اور پھر بیٹے کا بیٹا بھی عطا کیا تا کہ اپنی نسل کو باقی دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کریں۔ [2] كُلًّا هَدَيْنَا: ہم نے سب کو نیکی کی راہ دکھلائی اور انہیں نبوت وحکمت عطا کی۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اسحٰق علیہ السلام اس وقت دیا جب ابراہیم علیہ السلام بڑھاپے کو پہنچ گئے تھے اور اولاد سے مایوس ہو گئے تھے۔ چنانچہ اللہ نے اولاد کی بشارت دی جو نسل باقی رہنے کی خوشخبری بھی ہے۔ یہ بشارت کامل ہے اور عظیم نعمت ہے۔ گویا ابراہیم علیہ السلام نے جب قوم سے علیحدگی اختیار کی اور وطن سے ہجرت کی تو اس کے بدلے میں بیٹے کی صورت میں جزائے خیر عطا فرمائی۔ قوم اور قبیلے کے بدلے میں صالح اولاد سے نوازا تا کہ ابراہیم علیہ السلام اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں۔ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ: یعنی ابراہیم علیہ السلام سے پہلے، نوح علیہ السلام کا ذکر ہوا۔ کیوں کہ وہ ثانی ابوالبشر ہیں۔ اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کے بیٹوں کا شرف ذکر کیا، پھر آباواجداد کا شرف ذکر کر دیا۔ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ: یعنی ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں یہ انبیائے کرام بھی ہیں۔ [3] اللہ نے داؤد اور سلیمان علیہ السلام کا ذکر اکٹھے کیا ہے۔ کیوں کہ دونوں کو اللہ نے نبوت اور حکمت عطا فرمائی تھی۔ نیز دونوں باپ بیٹا ہیں اس لیے ایک ساتھ ذکر کر دیے۔ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ: دونوں کو ایک ساتھ ذکر کیا چوں کہ آزمائش میں دونوں مشترک ہیں۔ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ: بھائی ہونے کے ناطے دونوں کو ایک ساتھ ذکر کیا اور موسیٰ علیہ السلام کا ذکر مقدم کیا کیوں کہ وہ کلیم اللہ ہیں۔ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ: عزت واکرام والا بدلہ جو ابراہیم علیہ السلام کو دیا ایسا ہی بدلہ ہم نیکی کرنے والے باعمل وباایمان کو عطا کرتے ہیں۔

چند انبیا علیہم السلام کا تذکرہ

وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ: ......ان انبیا کرام کو ایک ساتھ ذکر کیا، کیوں کہ یہ سب زہد وپارسائی اور دنیا سے کنارہ کشی میں مشترک تھے۔ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ: نیکوکاری میں سب کامل تھے۔ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا: اسماعیل علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے ہیں اور یونس علیہ السلام بن متی اور لوط علیہ السلام بن ھاران جو کہ ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ: اس آیت میں جتنے بھی انبیا مذکور ہیں ان سب کو ان کے زمانے میں تمام جہانوں پر نبوت کے ساتھ فضیلت بخشی۔ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ: اور ہم نے ان کے آبا اور ان کی اولاد اور احباب

---

[1] الحدیث اصلہ فی الصحیحین [2] مختصر ابن کثیر ۱/۵۹۶ [3] ذُرِّيَّتِهٖ کی ضمیر کے مرجع میں دو قول ہیں۔

① ......مرجع نوح ہے۔ یہ قول فراء اور ابن جریر کا ہے۔ ② ......مرجع ابراہیم ہے۔ یہ قول عطا کا ہے اور ابوسعود نے یہی اختیار کیا ہے۔ کیوں کہ آیات کا سیاق اس کی تائید کرتا ہے۔

میں سے کثیر جماعتوں کو ہدایت دی۔ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ: ہم نے ان سب کو منتخب کیا اور حق کا سیدھا راستہ دکھایا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: یہ سارے انبیا اولادِ ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں، اگرچہ ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو ماں اور باپ کی طرف سے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ملحق ہیں۔[1] ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ: یہی اللہ کی ہدایت جو سیدھے راستے کی ہدایت ہے اپنی مخلوق میں جسے چاہتا ہے یہی ہدایت دیتا ہے۔ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ: اگر یہ انبیا اپنے فضل و مرتبہ کے ہوتے ہوئے شرک کرتے تو ان کے اعمال باطل ہوجاتے۔ بھلا انبیا کے علاوہ دوسرے لوگوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہوسکتا ہے؟ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ: یعنی ہم نے ان انبیا پر آسمانی کتابیں، حکمت خداوندی، نبوت اور رسالت نازل کر کے ان پر فضل و احسان کیا۔ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ: اے محمد! اگر تمہارے زمانے کے کفار ہماری آیات کا انکار کریں تو ہم نے ان آیات کو اپنے انبیا اور رسولوں کی حفاظت میں دے دیا۔[2] اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ: ہر پیغمبر جن کا اوپر ذکر گزر رہا ہے، یہ سب ہدایت دینے والے اور خود بھی ہدایت یافتہ ہیں۔ ان کے نقشِ قدم اور سیرت پر چلا جائے۔ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا: اے محمد! اپنی قوم سے کہہ دیجیے کہ میں قرآن کی تبلیغ پر تم سے اجرت اور مال کا سوال نہیں کرتا۔ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ: یہ قرآن تو وعظ و نصیحت کی چیز ہے۔ اس میں ساری مخلوق کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ: اور ان لوگوں کو جیسے اللہ تعالیٰ کو پہچاننا تھا اس طرح نہیں پہچانا اور نہ ہی اس کی تعظیم کا حق ادا کیا ہے۔

نزولِ قرآن سے انکار اور تورات کے وجود سے استدلال

اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ:...... جب انہوں نے وحی اور پیغمبروں کی بعثت کا انکار کیا اور اس قول کے قائلین یہود ہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ قرآن کے منکر ہیں۔ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ: اے محمد! ان معاندین سے کہہ دیجیے: تورات موسیٰ پر کس نے نازل کی جو کہ نور ہے اور اس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اور بنی اسرائیل کے لیے ہدایت ہے۔ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا: جسے تم اوراق پر لکھتے ہو، اس کے کچھ حصے کو ظاہر کر دیتے ہو اور اکثر حصے کو چھپا دیتے ہو۔ طبری کہتے ہیں: یہود نے جو امور چھپائے ان میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات اور آپ کی نبوت کا بیان بھی ہے۔[3] وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ: اے جماعت یہود! تمہیں اس قرآن میں بہت ساری دین کی باتوں کی تعلیم کی گئی ہے، جنہیں قبل ازیں نہ تم جانتے تھے اور نہ ہی تمہارے آبا و اجداد جانتے تھے۔ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ: آپ جواب میں ان سے کہہ دیجیے: اللہ نے قرآن نازل کیا ہے، پھر ان کفار کو انہیں کے باطل دین میں پڑے رہنے دو۔ آیت میں یہود کے لیے وعید اور دھمکی ہے۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ:..... یعنی یہ قرآن جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے برکت والا ہے اور اس کے منافع کثیر ہیں۔ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ: اور ماقبل نازل کی گئی کتب تورات اور انجیل وغیرھا کی تصدیق کرتا ہے۔ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا: اور اس لیے بھی تاکہ اے محمد! اس قرآن کے ذریعے اہل مکہ اور مضافات مکہ میں رہنے والوں کو ڈراؤ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: مضافات مکہ سے مراد ساری دنیا کے لوگ ہیں۔ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ: اور وہ لوگ جو حشر و نشر کی تصدیق کرتے ہیں اور اس قرآن پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے مضامین وعد و وعید، بشارت و انذار کو مانتے ہیں۔ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ یعنی وہ وقت پر کامل طریقے سے اور اہتمام سے نماز ادا کرتے ہیں۔ صاوی کہتے ہیں: خصوصیت کے ساتھ نماز کو ذکر کیا گیا ہے۔ کیوں کہ نماز عبادات میں سب سے افضل ہے۔[4] وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا: استفہام نفی کے معنی میں ہے، یعنی اس شخص سے بڑا ظالم کوئی نہیں جو اللہ پر جھوٹ بولتا ہو اور اس کا شریک اور ہمسر ٹھہراتا ہو۔

---

[1] البحر ۴/ ۱۷۳، یعنی اگرچہ باپ یا ماں کی اولاد نہیں لیکن ان کی اولاد میں سے ضرور ہیں۔ [2] بعض مفسرین نے انصار مدینہ مراد لیا ہے اور بعض مفسرین نے انبیاء مذکورین بالا مراد لیا ہے۔ [3] الطبری ۱۱/ ۵۲۷ [4] حاشیۃ الصاوی علی الجلالین ۲/ ۳۱

اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ:...... یا اس کا دعویٰ ہو کہ اللہ نے اسے نبی بنایا ہے جیسے مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا، حالاں کہ اللہ نے اسے نبی بنا کر نہ بھیجا ہو۔ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ: اور جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ وہ بھی ایسا کلام منظوم کر سکتا ہے جیسا اللہ نے نازل کیا ہے جیسے منافق وفجار کہتے ہیں: لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ: ابوحیان کہتے ہیں: یہ آیت نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی ہے کیوں کہ وہ اپنے گھٹیا کلام کے ذریعے قرآن کا مقابلہ کرتا تھا۔ [1] وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ: اے محمد! اگر تم ان ظالموں کو موت کی سکرات اور شدائد میں دیکھ لیتے لو کا جواب محذوف ہے یعنی تم ہولنا کی کا منظر دیکھتے۔ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ: اور عذاب کے فرشتے ان کے مونہوں اور پیٹھوں پر ہتھوڑے مار رہے ہوتے تھے تا کہ ان کے اجساد سے ارواح نکل جائیں اور ان سے کہہ رہے ہوتے ہیں۔ اپنے آپ کو عذاب سے بچاؤ نا۔ زمخشری کہتے ہیں: معنی یہ ہے: فرشتے کہتے ہیں کہ اپنی ارواح نکال کر ہمارے حوالے کرو۔ یہ عبارت سیاق کے اعتبار سے کفار پر نہایت شدت کی خبر دیتی ہے کہ انہیں لحہ بھر کی بھی مہلت نہیں دی جائے گی۔ [2]

اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ: آج تمہیں عذاب دیا جائے گا اس عذاب میں شدید ذلت ہوگی اور نہ ختم ہونے والی رسوائی ہوگی۔ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ: یہ عذاب تمہیں اس وجہ سے ہوگا جو تم اللہ پر افترا باندھتے تھے اور اللہ کی طرف شریک اور اولاد کو منسوب کرتے تھے۔ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ: اور تم تکبر کرنے کی وجہ سے آیات کا انکار کرتے تھے۔ ان آیات میں غور وفکر نہیں کرتے تھے اور نہ ہی ایمان لاتے تھے۔ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ: تم ہمارے پاس اپنے اہل وعیال، مال اور اولاد سے علیحدہ انفرادی طور پر حساب کے لیے آئے ہو اس حال میں کہ تم ننگے بدن، ننگے پاؤں اور غیر مختون ہو گے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ اے لوگو! تم سب اللہ کے پاس جمع کیے جاؤ گے۔ اس حال میں کہ تم ننگے پاؤں، ننگے بدن اور غیر مختون ہو گے، جیسے ابتدا میں بوقت پیدائش تمہاری حالت تھی ایسے ہی تمہیں لوٹائیں گے۔ [3] وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ: ہم نے تمہیں جو کچھ عطا کیا تھا۔ مال واولاد وہ سب تم اپنے پیچھے دنیا میں چھوڑ آئے۔ آج کے شدید دن میں وہ تمہارے کچھ کام نہ آیا۔ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا: اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے معبودان نہیں دیکھتے جن کے بارے میں تمہارا زعم تھا کہ وہ تمہارے سفارشی ہوں گے اور تم اللہ کے ساتھ عبادت میں ان کا بھی حق سمجھتے تھے۔ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ: تمہارے تمام تر تعلقات منقطع ہو گئے اور تمہارا شیرازہ بکھر کر رہ گیا۔ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ: اور جنہیں تم اپنے سفارشی اور شرکا سمجھتے تھے، وہ سب غائب ہو گئے۔

بلاغت: وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ:...... ماضی کو حال سے حکایت کیا گیا ہے۔ یعنی "اریناہ" لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ: اس میں ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے گمراہ ہونے پر تعریض ہے۔ اَلْهِدَايَةَ وَالضَّلَالَةَ: میں طباق وتضاد ہے۔ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ: میں جناس اشتقاق ہے۔ هُدَى اللّٰهِ: اضافت تشریف ہے۔ هُدٰى اور يَهْدِيْ میں جناس اشتقاق ہے۔ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ: میں پیغمبروں پر نزول وحی کے انکار پر مبالغہ ہے۔ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ: استفہام برائے توبیخ ہے۔ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ: میں طباق ہے۔ اُمَّ الْقُرٰى: مراد مکہ مکرمہ ہے۔ استعارہ ہے مکہ کو ماں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کیوں کہ مکہ تمام شہروں کی بنیاد اور اصل ہے۔ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ: شریف رضی کہتے ہیں۔ یہ عجیب استعارہ ہے۔ موت کے کرب اور شدت میں مبتلا انسانوں کو ان لوگوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، جنہیں پانی پینے کی وجہ سے گلے میں اچھولگ گیا ہو۔ [4]

تنبیہ:...... بعض مفسرین کا خیال ہے کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا ان کا والد نہیں تھا۔ دوسرے مفسرین کا کہنا ہے کہ آزر ایک بت کا نام تھا، جب کہ محققین کا قول صحیح ہے کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تھا۔ کتاب وسنت اس پر شاہد ہیں۔ آیت صریح ہے کہ آزر کافر تھا۔ اس سے ابراہیم علیہ السلام کا مقام عالی متاثر نہیں ہوتا۔ چنانچہ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد آزر سے ملیں گے۔ اس کے چہرے پر گرد وغبار چھائی ہوگی۔ الحدیث۔ آزر کے ایمان لانے کا دعویٰ کتاب وسنت سے باطل قرار پاتا ہے۔

---

[1] البحر المحیط ۴/ ۱۸۰ [2] الکشاف ۲/ ۳۶ [3] رواہ الشیخان [4] تلخیص البیان، ص ۳۷

وجود خالق، علم وقدرت اور حکمت پر دلائل

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۹۵﴾ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۹۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۲﴾ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۱۰۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ؕ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۷﴾ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۪ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

ترجمہ: ...... بے شک اللہ دانوں اور گٹھلیوں کا پھاڑنے والا ہے، اور نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالنے والا ہے مردہ کو زندہ سے، یہ اللہ ہے پھر تم کہاں الٹے چلے جارہے ہو۔﴿۹۵﴾ وہ پھاڑنے والا ہے صبح کا اور اس نے بنایا رات کو آرام کی چیز، اور اس نے چاند اور سورج کو ایک خاص حساب سے

رکھا ہے، یہ مقرر کرنا ہے اس کا جو غالب ہے علم والا ہے،(۹۶) اور وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لیے ستاروں کو پیدا فرمایا تا کہ تم ان کے ذریعے خشکی اور دریا کی اندھیریوں میں ہدایت پاؤ۔ ہم نے آیات کھول کر بیان کر دی ہیں ان لوگوں کے لیے جو جانتے ہیں۔(۹۷) اور وہ ایسا ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا سو ایک جگہ زیادہ رہنے کی ہے اور ایک جگہ تھوڑے سے وقت رہنے کی ہے، ہم نے ان لوگوں کے لیے آیات کھول کر بیان کر دی ہیں جو سمجھتے ہیں۔(۹۸) جس نے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس کے ذریعے ہر قسم کی اگنے والی چیزیں نکالیں، پھر ہم نے نکالا اس سے سبزے والی چیزوں کو۔ ہم نکالتے ہیں اس سے دانے جو ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے ہیں۔ اور کھجور کے درخت یعنی اس کے گچھوں سے خوشے نکالے جو جھکے ہوئے ہیں، اور انگوروں کے باغ اور زیتون کے باغ نکالے اور انار جو آپس میں ملتے جلتے ہیں اور ایسے بھی ہیں جو ملتے جلتے نہیں ہیں۔ اس کے پھلوں کی طرف دیکھ لو اور اس کے پکنے کی طرف۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائیں۔(۹۹) اور ان لوگوں نے جنات اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں حالانکہ اس نے ان کو پیدا فرمایا ہے، اور اس کے لیے انہوں نے بیٹے اور بیٹیاں بغیر علم کے تراش رکھے ہیں، وہ ان باتوں سے پاک ہے اور برتر ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں،(۱۰۰) وہ آسمانوں کا اور زمین کا بے مثال پیدا فرمانے والا ہے کہاں ہو سکتی ہے اس کی اولاد حالانکہ اس کی بیوی نہیں ہے، اور اس نے پیدا فرمایا ہر چیز کو، اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے،(۱۰۱) یہ اللہ تمہارا رب ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ہر چیز کا پیدا فرمانے والا ہے اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے(۱۰۲) نگاہیں اسے محیط نہیں ہو سکتیں اور وہ سب نگاہوں کو محیط ہے اور وہ بڑا باریک بین خبردار ہے۔(۱۰۳) تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے بصیرت والی چیزیں آ چکی ہیں سو جو شخص دیکھے گا سو وہ اپنے ہی لیے، اور جو اندھا بنے گا اس کا وبال اسی کی جان پر ہوگا اور میں تم پر نگران نہیں ہوں(۱۰۴) اور ہم اسی طرح دلائل کو مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں اور تا کہ یہ لوگ یوں کہیں کہ آپ نے پڑھ لیا ہے اور تا کہ ہم اسے ان لوگوں کے لیے بیان کریں جو جانتے ہیں۔(۱۰۵) آپ اس کا اتباع کیجیے جس کی آپ کے رب کی طرف سے وحی کی گئی، کوئی معبود نہیں ہے مگر وہی، اور آپ مشرکین سے روگردانی کیجیے(۱۰۶) اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ لوگ شرک نہ کرتے، اور ہم نے آپ کو ان پر نگران نہیں بنایا اور آپ ان پر داروغہ نہیں ہیں(۱۰۷) اور ان کو برا مت کہو جنہیں یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں سو وہ اللہ کو برا کہیں گے براہ جہالت حد سے گزر کر، ہم نے ایسے ہی مزین کر دیا ہر امت کے لیے ان کے عمل کو، پھر اپنے رب کی طرف ان کا لوٹنا ہے۔ سو وہ انہیں ان کاموں کو جتلا دے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔(۱۰۸) اور انہوں نے اپنی قسموں میں خوب زور لگا کر اللہ کی قسم کھائی کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آ جائے گی تو وہ ضرور ضرور اس پر ایمان لے آئیں گے۔ آپ فرما دیجیے کہ نشانیاں اللہ ہی کی طرف سے ہیں اور تمہیں اس کی کیا خبر کہ جب وہ نشانی آ جائے گی تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے۔(۱۰۹) اور ہم ان کے دلوں کو اور ان کی آنکھوں کو پلٹ دیں گے جیسا کہ وہ اس پر پہلی بار ایمان نہ لائے اور ہم ان کو اس حال میں چھوڑے رہیں گے کہ وہ اپنی سرکشی میں اندھے بنے رہیں۔(۱۱۰)

ربط و مناسبت: ......قبل ازیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے توحید کو بیان کیا اس کے بعد نبوت کا ذکر ہوا۔ اب ان آیات میں وجود خالق، رب تعالیٰ کے علم وقدرت اور حکمت پر دلائل قائم کیے جا رہے ہیں، جس کا مقصد اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ مقصود اصلی اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت ہے۔

لغات: فَالِقُ : ......الفلق۔ پھاڑنا، شق ہونا، اسی سے ہے "انفلق الصبح" یعنی صبح نے رات کا پردہ چاک کیا **سَكَنًا**: جس چیز سے انسان سکون اور انس حاصل کرے "السکن" رحمت۔ **حُسْبَانًا**: حساب، زمخشری کہتے ہیں: اَلْحُسْبَان، حَسَبَ کا مصدر ہے۔ جیسے الکفران والشکران مصادر میں۔[1] **مُتَرَاكِبًا**: ایک دوسرے کے اوپر تلے ہونا **قِنْوَانٌ**: قِنْوٌ کی جمع ہے۔ گچھا **وَيَنْعِهِ**: پھل کا پک جانا۔

خَرَقُوْا: جھوٹی باتوں میں لگ جاتے ہیں **بَدِيْعُ** : بغیر نمونہ کے کسی چیز کو بنانے والا، ایجاد کرنے والا۔

نُصَرِّفُ: کسی چیز کو ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل کرنا۔

شان نزول: ......ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ کفار قریش نے ابوطالب سے کہا کہ محمد اور اس کے ساتھیوں کو منع کرو کہ ہمارے معبودان کو برا بھلا نہ کہیں، ورنہ ہم بھی اس کے معبود کو برا بھلا کہیں گے اور اس کی ہجو کریں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

---

[1] الکشاف ۲/ ۳۹ القرطبی ۷/ ۴۱

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ

دوسری روایت میں ہے کہ مشرکین نے کہا: اے محمد! یا تو ہمارے معبودان کو برا بھلا کہنے سے باز آؤ، ورنہ ہم تمہارے معبود کی ہجو کریں گے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئی۔ [1]

نباتات سے توحید اور قدرت کے دلائل

تفسیر:......رب تعالیٰ کی عجیب کاریگری اور لطیف تدبیر کے ذریعے دوبارہ مشرکین پر حجت قائم کی جارہی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى: زمین کے اندر اللہ تعالیٰ ہی بیج کو پھاڑتا ہے تاکہ اس سے نباتات اگیں اور وہی گٹھلی کو پھاڑتا ہے تاکہ درخت اُگے۔ قرطبی کہتے ہیں: اللہ مردہ گٹھلی کو پھاڑتا ہے اور اس سے سبز پتا نکالتا ہے۔ اسی طرح بیج سے بھی۔ [2] يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ: اللہ خشک بیج سے سرسبز نباتات نکالتا ہے اور زندہ شاداب سبزے سے خشک و مردہ بیج نکالتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: اللہ مؤمن کو کافر سے نکالتا ہے اور کافر کو مؤمن سے، اس طرح زندہ اور مردہ استعارہ ہے مؤمن اور کافر سے۔ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ: وہی اللہ تو خالق و مدبر ہے۔ اسی وضاحت کے بعد تم حق سے روگردانی کیوں کرتے ہو۔ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ: اللہ تاریکیوں کا پردہ چاک کر کے روشنی نکالتا ہے۔ طبری کہتے ہیں: رات کی ظلمت اور تاریکی سے صبح کا اجالا نکالتا ہے۔ [3] وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا: یعنی لوگ مختلف حرکات و مصروفیات کو چھوڑ کر رات کو سکون اور راحت حاصل کرتے ہیں۔ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا: دقیق حساب سے بندوں کے مصالح متعلق ہیں۔ چنانچہ سورج اور چاند کی گردش سے دن، رات اور زمانے کا حساب لگایا جاتا ہے۔ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ: سورج اور چاند کی گردش رب تعالیٰ جو کامل قدرت والا ہے، کی منصوبہ بندی سے ہے، کوئی چیز بھی اس کے منصوبے سے عدول نہیں کرسکتی۔ وہ اپنی مخلوق کے مصالح اور تدبیر سے بخوبی واقف ہے۔ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ: اللہ ہی نے تمہارے لیے ستارے پیدا کیے تاکہ تم اپنے اسفار میں بحر و بر میں رات کی تاریکیوں میں درست سمت کا تعین کرسکو۔ اللہ نے ستاروں کا احسان جتلایا ہے کیوں کہ بیابانوں، صحراؤں اور سمندروں میں سفر کرنے والے راستوں کی درست سمت ستاروں ہی کے ذریعے معلوم کرتے ہیں۔ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ: ہم نے اپنی قدرت کاملہ پر بے شمار دلائل بیان کردیے ہیں اور یہ دلائل رب تعالیٰ کی عظمت و بڑائی میں غور و فکر والوں کے لیے بیان کیے ہیں۔

انسان کی جسمانی کفالت

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ:......اللہ نے تمہیں ایک ہی جان یعنی آدم علیہ السلام سے پیدا کیا۔ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ: ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: مستقر رحم مادر ہے اور مستودع باپ کی صلب ہے۔ یعنی تم اپنی ماؤں کے ارحام میں ٹھہرتے ہو اور اپنے آباء کی صلبوں میں رکے رہتے ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: مستقر ماں کے رحم میں ہوتا ہے اور مستودع مرنے کے بعد قبر میں ہے۔ [4] قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ: ہم نے یہ دلائل ان لوگوں کے لیے بیان کیے ہیں جو اسرار و دقائق سمجھتے ہیں۔ یہاں يَفْقَهُوْنَ لایا گیا ہے۔ کیوں کہ اکثر انسانی امور مخفی ہوتے ہیں اور عقول ان کو سمجھنے میں کوتاہی کرجاتی ہیں جب کہ ستاروں کا معاملہ ظاہری اور مشاہد ہے، اس لیے وہاں يَعْلَمُوْنَ کا صیغہ لایا گیا ہے۔ [5] وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ: اللہ نے بادلوں سے بارش برسائی اور بارش کے ذریعے دانوں سے اگنے والا ہر طرح کا سبزہ، پھول و پھل، سبزیات، فصلیں، جھاڑیاں اور درخت اگایا۔ طبری کہتے ہیں: یعنی ہم نے اس بارش کے ذریعے ہر وہ چیز اگائی جو پانی سے اگتی ہے اور بڑھتی ہے اور اس میں پختگی آتی ہے۔ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا: اور ہم نے اگنے والی چیزوں میں سبزہ نکالا۔ نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا: اور سبزے سے ہم تہہ بہ تہہ جڑے ہوئے دانے نکالتے ہیں جیسے گندم اور جو کے خوشے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: اس سے گندم، جو، مکئی اور چاول مراد ہے۔

---

[1] اسباب النزول، ص ۱۲۷ [2] القرطبی ۷ / ۴۴ [3] الطبری ۱۱ / ۵۵۴ [4] بعض مفسرین نے مستقر سے مراد زمین کے اوپر کی زندگی اور مستودع سے زمین کے اندر قبر کی زندگی لی ہے۔ [5] حاشیۃ الصاوی علی الجلالین ۲ / ۳۴

وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ:......اور کھجور کے گچھوں میں سے کھجوروں کے خوشے اور گچھے ہیں جو نیچے لٹکے ہوتے ہیں اور انہیں اتارنا آسان ہوتا ہے۔ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: کھجور کے گچھے مراد ہیں جو نیچے جھکے ہوتے ہیں، جنہیں اتارنا آسان ہوجاتا ہے اور پھل توڑنے والے کے قریب ہوجاتا ہے۔ وَجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ: اور پانی کے ذریعے ہم نے انگوروں کے باغات اگائے۔ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ: اسی طرح پانی سے ہم نے زیتون کے درخت اور انار کے درخت اگائے جو دیکھنے میں ایک جیسے اور ذائقے میں جدا جدا زبردست ہے۔ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ: اے لوگو! اعتبار کی نظر اور بصیرت کی نظر سے پھلوں کی ابتدائی حالت تا پکنے کی کیفیت کو دیکھو، پھل ایک حالت سے دوسری حالت میں کیسے تبدیل ہوتے ہیں۔ پھل کا رنگ، ذائقہ، جسامت کا چھوٹا ہونا اور بڑھنا کیسے ہوتا ہے۔ پھل کی بالکل ابتدائی حالت پر غور کرو۔ بعض پھل کڑوے ہوتے ہیں۔ بعض ترش اور اس حالت میں قابل انتفاع نہیں ہوتے۔ پھر جب پھل پک کر تیار ہوجاتا ہے میٹھا، مزیدار اور کھانے کے قابل ہوتا ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی قدرت کی نشانیاں مختلف اشیا میں ودیعت کردی ہیں۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ:......ان مختلف اقسام وانواع، اجناس، اشکال، اوزان کے پھلوں اور اناجوں میں اللہ کی قدرت اور وحدانیت پر کھلے دلائل موجود ہیں اور یہ دلائل ان لوگوں کے لیے ہیں جو اللہ کے وجود کی تصدیق کرتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: جو لوگ تصدیق کرتے ہیں کہ جو ذات اس سبزے کو اگانے پر قدرت رکھتی ہے وہ مُردوں کو زندہ کرنے پر بھی قدرت رکھتی ہے۔[1]

جنات کو شریک ٹھہرانا

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ: ......اور وہ جنات کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں، کیوں کہ بتوں کی عبادت میں وہ جنات کی اطاعت کرتے ہیں۔ وَخَلَقَهُمْ: کفار جانتے ہیں کہ اللہ ہی نے انہیں پیدا کیا ہے اور وہ ان کو پیدا کرنے اور بنانے میں اکیلا اور یکتا ہے تو پھر یہ کفار اللہ کے ساتھ شریک کیوں کر ٹھہراتے ہیں۔ یہ ان کی جہالت کی انتہا ہے۔ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ: اور اللہ کی طرف بیٹوں اور بیٹیوں کو منسوب کرنے لگے۔ چنانچہ کہتے ہیں: عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ وہ ایسا بے وقوفی اور جہالت کی وجہ سے کرتے ہیں۔

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ: اللہ کے متعلق جو باتیں منسوب کرتے ہیں اور جو صفات بیان کرتے ہیں اللہ ان سے پاک اور بالاتر ہے۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: اللہ بغیر کسی سابقہ مثال کے آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کی نسبت کی تردید

اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ:...... اللہ کی اولاد کیسے ہوسکتی ہے، حالاں کہ اس کی کوئی بیوی نہیں جبکہ اولاد تو بیوی سے پیدا ہوتی ہے۔ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ: اور ہر چیز کا پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے اور وہ اس کا علم بھی رکھتا ہے، جو ایسی صفت کے ساتھ متصف ہو وہ ہر چیز سے بے نیاز ہوتا ہے۔ تسہیل میں ہے: اللہ کی طرف اولاد کی نسبت کرنے والوں پر دو طرح سے رد ہوا ہے۔

اول:...... یہ کہ اولاد والد کی جنس سے ہوتی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ جنس سے پاک اور بالاتر ہے کیوں کہ اللہ ہی تمام اجناس کو بغیر کسی نمونے کے بنانے والا ہے، لہٰذا اس کی طرف اولاد کی نسبت کرنا صحیح نہیں۔

دوم:...... اللہ آسمانوں اور زمین کا خالق ہے اور جس ذات کی یہ صفت ہو وہ اولاد سے بے نیاز ہوتا ہے۔[2]

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت پر تاکید کی ہے۔ خلق وایجاد پر اپنی یکتائی ثابت کی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ: یہی اللہ تو تمہارا خالق تمہارا مالک اور تمہارا مختلف امور کی تدبیر کرنے والا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ: یعنی اللہ جمیع موجودات کا خالق ہے، جو ذات اس منصب کی ہو وہی عبادت کی مستحق ہے۔

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ: وہی ہر چیز کی حفاظت اور تدبیر کرنے والا ہے۔ تم اپنے امور اسی کے سپرد کرو اور عبادت کے ذریعے اسی کا وسیلہ پکڑو۔

---

[1] التسہیل ۲/۱۸ [2] تفسیر الجوزی ۳/۹۶

لَا تُدۡرِكُهُ الۡاَبۡصَارُ ؗ وَهُوَ يُدۡرِكُ الۡاَبۡصَارَ: ......نگاہوں کو اس تک رسائی حاصل نہیں ہوسکتی اور نہ ہی نگاہیں اس کا احاطہ کرسکتی ہیں۔ وہ نگاہوں کو پاسکتا ہے اور انہیں اپنے احاطے میں لے سکتا ہے۔ کیوں کہ اس کا علم مخفی چیزوں کو بھی محیط ہے۔ وَهُوَ اللَّطِيۡفُ الۡخَبِيۡرُ: اللہ بندوں کے امور کے لیے باریک بین ہے اور بندوں کے مصالح سے باخبر ہے۔ ابن کثیر کہتے ہیں: ادراک خاص سے قیامت کے دن رویت باری تعالیٰ کی نفی نہیں ہوتی۔ قیامت کے دن اللہ جیسے چاہے گا مؤمنین کے لیے جلوہ افروز ہوگا۔ رہی بات رب تعالیٰ کے جلال، عظمت اور تقدس کی سو نگاہیں اسے نہیں پاسکتیں۔ اسی لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آخرت میں رویت کا اثبات کرتی ہیں اور دنیا میں رویت خدا تعالیٰ کی نفی کرتی ہیں اور ان کا مستدل یہی آیت ہے۔[1] قَدۡ جَآءَكُمۡ بَصَآئِرُ مِنۡ رَّبِّكُمۡ: تمہارے پاس کھلی نشانیاں اور دلائل آچکے ہیں، جن کے ذریعے تم ہدایت کا تعین کرسکتے ہو اور حق و باطل میں تمیز کرسکتے ہو۔ زجاج کہتے ہیں۔ یعنی تمہارے پاس قرآن آچکا جس میں نشانیاں اور واضح بیان ہے۔[2] فَمَنۡ اَبۡصَرَ فَلِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ عَمِیَ فَعَلَيۡهَا: زمخشری کہتے ہیں: جو شخص (بصیرت سے) حق کو دیکھ لے گا اور پہچان لے گا اور اس پر ایمان لائے گا اس کا فائدہ اسی کی ذات کو ہوگا اور جس نے حق کو دیکھنے سے آنکھیں بند کرلیں اور اندھا پن اختیار کیا اس کا وبال اور نقصان اسی کو ہوگا۔[3] وَمَاۤ اَنَا عَلَيۡكُمۡ بِحَفِيۡظٍ: میں تمہارا نگہبان اور محافظ نہیں ہوں۔ میں تو ڈرانے والا ہوں۔ تمہارا محافظ تو اللہ ہے۔ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الۡاٰيٰتِ: ہم دلائل کو اسی طرح مختلف پہلوؤں کے ساتھ بیان کرتے ہیں تاکہ تم عبرت حاصل کرو۔

وَلِيَقُوۡلُوۡا دَرَسۡتَ: اور انجام کار مشرکین کہیں: اے محمد! تم نے کتاب میں پڑھا اور تم قرآن لائے ہو۔ لِيَقُوۡلُوۡا: میں لام لام عاقبت ہے۔

وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ: اور تاکہ ہم اس کو ان لوگوں کے لیے خوب واضح کردیں جو حق کو پہچاننے والے ہیں تاکہ وہ اس کی اتباع کریں۔

اِتَّبِعۡ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ: اے محمد! تمہارے رب نے تمہارے اوپر جو قرآن وحی کیا ہے اس کی اتباع کرو۔ قرطبی کہتے ہیں: یعنی اپنے دل اور اپنی خاطر کو ان میں مشغول نہ رکھو بلکہ اللہ کی عبادت میں مشغول رہو۔[4] لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ: معبود برحق کوئی نہیں مگر وہی۔

وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِكِيۡنَ: مشرکین کے ساتھ مجلس میں نہ بیٹھو اور نہ ہی ان کی آرا کی طرف توجہ دو۔ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشۡرَكُوۡا: اگر اللہ انہیں ہدایت دینا چاہتا تو انہیں ہدایت دے دیتا اور وہ شرک نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ ارشاد ہے: لَا يُسۡـَٔـلُ عَمَّا يَفۡعَلُ وَهُمۡ يُسۡـَٔـلُوۡنَ: اللہ جو کچھ کرتا ہے اس کے متعلق اس سے نہیں پوچھا جائے گا جب کہ انسانوں سے پوچھا جائے گا۔ (الانبیاء، ۲۳)

وَمَا جَعَلۡنٰكَ عَلَيۡهِمۡ حَفِيۡظًا: ہم نے تمہیں مشرکین کے اعمال پر نگران مقرر نہیں کیا کہ تم انہیں اعمال کا بدلہ دو۔

وَمَاۤ اَنۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِوَكِيۡلٍ: اور تم ان کے امور کے ذمے دار بھی نہیں ہو۔ صاوی کہتے ہیں: یہ ماقبل کی تاکید ہے۔ یعنی تم ان پر نگران نہیں ہو کہ انہیں لانے پر مجبور کرو۔ یہ حکم جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے۔[5]

معبودانِ باطلہ کو بُرا کہنے کی ممانعت اور حکمت

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ: ......یعنی مشرکین کے معبودان اور ان کے بتوں کو برا نہ کہو۔ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدۡوًاۢ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ: تو وہ جہالت، سرکشی، ظلم و زیادتی اور عظمت خدا تعالیٰ سے نابلد ہونے کی وجہ سے اللہ کو برا کہیں گے۔ ابن عباس کہتے ہیں: مشرکین کہتے تھے: ہمارے خداؤں کو برا کہنے سے باز آجاؤ، ورنہ ہم تمہارے خدا کو برا کہیں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو منع کردیا کہ مشرکین کے خداؤں کو برا نہ کہو۔[6] كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمۡ: جس طرح ہم نے ان مشرکین کے لیے ان کے اعمال آراستہ کر رکھے ہیں، اسی طرح ہم نے ہر امت کے لیے ان کے اعمال آراستہ کیے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ہم نے اہل طاعت کے لیے طاعت آراستہ کر رکھی ہے اور اہل کفر کے لیے کفر آراستہ کر رکھا ہے۔ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمۡ مَّرۡجِعُهُمۡ فَيُنَبِّئُهُمۡ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ: پھر انہوں نے اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اللہ انہیں اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ آیت میں جزا اور عذاب کی وعید ہے۔

---

[1] مختصر ابن کثیر ۱/۶۰۵ [2] تفسیر ابن الجوزی ۳/۹۹ [3] الکشاف ۳/۴۳ [4] القرطبی ۷/۶۰ [5] حاشیۃ الصاوی علی الجلالین ۲/۳۷ [6] ابن کثیر ۱/۶۰۷

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ: کفار مکہ اللہ کے نام کی پختہ قسمیں اٹھاتے ہیں۔

لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا: کہ اگر ان کے پاس کوئی معجزہ آیا یا کوئی امر خارق پیش کیا گیا جس کا وہ مطالبہ کرتے ہیں تو اس پر ضرور ایمان لائیں گے۔

قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ: اے محمد! مشرکین سے کہہ دیجیے: معجزات کا معاملہ تو اللہ کے اختیار میں ہے، میرے اختیار میں نہیں ہے۔ معجزات پیش کرنے پر اللہ ہی قدرت رکھتا ہے، میں قدرت نہیں رکھتا۔

وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ: اے مؤمنین! تمہیں کیا معلوم، ہوسکتا ہے جب ان کے پاس معجزہ آ جائے تو وہ اس کی تصدیق نہ کریں۔

وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ: ایمان سے ان کے دل ہم ہی پھیرتے ہیں جیسے وہ پہلی بار قرآن کی تعلیمات پر ایمان نہیں لائے۔ صاوی کہتے ہیں: یہ بیان استیناف ہے کہ ہدایت وضلالت کا خالق اللہ ہے کوئی اور نہیں۔ سو جو شخص ہدایت کا ارادہ رکھتا ہو اللہ اس کا دل ہدایت کی طرف پھیر دیتا ہے اور اللہ جس کی شقاوت کا ارادہ رکھتا ہو اللہ اس کا دل اسی کی طرف پھیر دیتا ہے۔

وَنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ: اور ہم انہیں کفر وضلالت میں سرگرداں چھوڑ دیتے ہیں۔

بلاغت: ...... الْحَيِّ اور الْمَيِّتِ: کے درمیان طباق ہے۔ اسی طرح آیت میں رد العجز علی الصدر یعنی تصدیر بھی ہے۔

فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ: استفہام انکاری ہے جو نفی کے معنی میں ہے۔ یعنی دلائل و براہین کے بعد ایمان سے روگردانی کی کوئی وجہ نہیں بنتی۔

فَاَخْرَجْنَا بِهٖ: میں غیبوبت سے التفات ہے۔ اس میں نکتہ نکالنے والے کی شان ظاہر کرنا ہے۔

وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ: میں عطف الخاص علی العام ہے۔

بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ: مجاز مرسل ہے۔ یہ تسمیہ المسبب باسم السبب کے قبیل سے ہے۔

اَبْصَرَ وَعَمِيَ: میں طباق ہے بَصَآئِرُ وَاَبْصَرَ: میں جناس اشتقاق ہے۔

تنبیہ: ...... آیت کریمہ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ: سے احاطہ کی نفی ہوتی ہے۔ رؤیت کی نفی نہیں ہوتی کیوں کہ یوں نہیں فرمایا لَا تَرَاهُ الْاَبْصَارُ: معتزلہ نے آخرت میں بھی رویت باری تعالیٰ کا انکار کیا ہے۔ تاہم انہوں نے حق عقیدے کو ترک کیا اور گمراہی اختیار کی کیوں کہ کتاب و سنت سے رویت باری ثابت ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ: اور بخاری کی روایت ہے کہ عنقریب تم اپنے رب کو دیکھو گے جیسے تم چاند کو دیکھتے ہو اور دیکھنے میں کوئی دھکم پیل نہیں ہوتی۔ کتاب وسنت دلیل کے لیے کافی ہے۔

(ساتویں پارہ کی تفسیر ختم ہوئی۔ والحمد للہ علی ذلك)

پارہ نمبر ۸ ...... وَلَوْ اَنَّنَا

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا
اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ
يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾
وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ اَفَغَيْرَ
اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ
مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ
لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ
يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ
بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا
ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ
بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ
يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ
لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـِٕهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾
اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ
بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ
مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ
نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ
اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ
لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ
اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ

يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

ترجمہ:...... اور اگر ہم ان کی طرف فرشتے اتار دیں اور ان سے مردے بات کرلیں اور ہم جمع کر دیں ان پر ہر چیز ان کے آمنے سامنے تب بھی وہ ایسے نہیں ہیں کہ ایمان لے آئیں مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ اور لیکن ان میں اکثر وہ ہیں جو جہالت کی باتیں کرتے ہیں۔ ﴿۱۱۱﴾ اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے دشمن مقرر کر دیے ہیں جو شیاطین ہیں انسانوں میں سے اور جنات میں سے ان میں بعض بعض کو ایسی باتوں کا وسوسہ ڈالتے ہیں جو بظاہر اچھی لگتی ہیں وہ یہ کام دھوکہ دینے کے لیے کرتے ہیں اور اگر تیرا رب چاہے تو یہ لوگ یہ کام نہ کریں، سو چھوڑ دیجیے ان کو اور ان باتوں کو جو وہ جھوٹ بناتے ہیں۔ ﴿۱۱۲﴾ اور تاکہ اس کی طرف ان لوگوں کے دل مائل ہو جائیں جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور تاکہ وہ اسے پسند کریں، اور تاکہ وہ مرتکب ہو جائیں ان کاموں کے جن کا وہ ارتکاب کرتے ہیں۔ ﴿۱۱۳﴾ تو کیا اللہ کے سوا کسی دوسرے فیصلہ کرنے والوں کو تلاش کروں حالانکہ اس نے تمہاری طرف مفصل کتاب نازل فرمائی ہے، اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ جانتے ہیں کہ بلاشبہ آپ کے رب کی طرف سے اتاری ہوئی ہے۔ سو آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں ﴿۱۱۴﴾ اور آپ رب کے کلمات سچائی اور عدل کے اعتبار سے پورے ہو گئے اس کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں، اور وہ سننے جاننے والا ہے۔ ﴿۱۱۵﴾ اور اگر آپ بات مان لیں ان میں سے اکثر لوگوں کی جو زمین میں ہیں تو آپ کو اللہ کی راہ سے بہکا دیں گے۔ وہ نہیں اتباع کرتے مگر گمان کا اور وہ صرف اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں۔ ﴿۱۱۶﴾ بے شک آپ کا رب اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکتا ہے اور اللہ ہدایت پر چلنے والوں کو خوب جانتا ہے۔ ﴿۱۱۷﴾ سو اس میں سے کھاؤ جس پر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو اگر تم اس کی آیات پر ایمان لائے ہو، ﴿۱۱۸﴾ اور تمہارے لیے اس کا کیا باعث ہو سکتا ہے کہ اس میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا حالانکہ اس نے تمہیں تفصیل سے بتا دیا ہے جو تم پر حرام کیا گیا۔ مگر اس صورت میں کہ تمہیں سخت مجبوری ہو۔ بلاشبہ بہت سے لوگ اپنی خواہشوں کے ذریعہ بغیر علم کے گمراہ کرتے ہیں، بے شک تیرا رب خوب جانتا ہے حد سے آگے بڑھنے والوں کو۔ ﴿۱۱۹﴾ اور چھوڑ دو ظاہری گناہ اور باطنی گناہ، بے شک جو لوگ گناہ کرتے ہیں عنقریب انہیں ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ ﴿۱۲۰﴾ اور مت کھاؤ اس میں سے جس پر اللہ کا نام ذکر نہیں کیا گیا۔ اور بے شک وہ گناہ ہے اور بلاشبہ شیاطین اپنے دوستوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں تاکہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم نے ان کا کہا مانا تو بے شک تم مشرک ہو جاؤ گے۔ ﴿۱۲۱﴾ جو شخص مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کر دیا اور اس کے لیے ایسا نور مقرر کر دیا جس کے ذریعے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے کیا یہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کا حال یہ ہے کہ وہ اندھیریوں میں ہے ان سے نکلنے والا نہیں، کافر جو عمل کرتے ہیں وہ ان کے لیے اسی طرح مزین کر دیے گئے۔ ﴿۱۲۲﴾ اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے بڑوں کو مجرم بنا دیا۔ تاکہ وہ اس میں مکر کریں اور وہ صرف اپنی ہی جانوں کے ساتھ مکر کرتے ہیں اور شعور نہیں رکھتے۔ ﴿۱۲۳﴾ اور جب ان کے پاس کوئی آیت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ ہم کو ایسی چیز نہ دی جائے جیسی کہ اللہ کے رسولوں کو دی گئی، اللہ جانتا ہے جہاں اپنے پیغام کو بھیجے۔ عنقریب ان لوگوں کو اللہ کے یہاں ذلت اور سخت عذاب پہنچے گا اس وجہ سے کہ وہ مکر کرتے تھے۔ ﴿۱۲۴﴾ سو جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینے کا ارادہ فرمائے اس کے سینہ کو ہدایت کے لیے کھول دیتا ہے اور جس کے بارے میں یہ ارادہ فرمائے کہ اس کو گمراہ فرمائے اس کے سینہ کو تنگ کر دیتا ہے۔ گویا کہ وہ بڑی تکلیف کے ساتھ آسمان میں چڑھ رہا ہے ایسے ہی ان لوگوں پر اللہ عذاب بھیج دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔ ﴿۱۲۵﴾ اور یہ آپ کے رب کا سیدھا راستہ ہے، بے شک ہم نے واضح طور پر ان لوگوں کے لیے آیات بیان کر دی ہیں جو نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ ﴿۱۲۶﴾ ان کے لیے سلامتی کا گھر ہے ان کے رب کے پاس، اور وہ جو اعمال کرتے ہیں ان کے سبب اللہ ان کا مددگار ہے۔ ﴿۱۲۷﴾

ربط و مناسبت:...... قبل ازیں اللہ تعالیٰ نے توحید، نبوت اور بعث بعد الموت اور مشرکین کی طرف سے مطالبہ معجزات کا ذکر کیا ہے۔ اب ان آیات میں یہ بات بیان کی جارہی ہے کہ معجزات کا فائدہ اس انسان کو نہیں ہوتا جو بصیرت سے محروم ہو، بالفرض اگر ان کے مطالبے کے مطابق فرشتے نازل کیے جائیں، مردے زندہ کیے جائیں تاکہ مشرکین ان سے کلام کریں۔ درندوں، جانوروں اور پرندوں کو جمع کر لیا جائے تو بھی مشرکین

محمد ﷺ اور قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے، کیوں کہ مشرکین گمراہی میں گھرے ہوئے ہیں۔

لغات: ...... قُبُلًا: آمنے سامنے ہونا۔ مواجہت حَشَرْنَا: الحشر سے ہے بمعنی جمع کرنا۔ زُخْرُفَ: زجاج کہتے ہیں: زخرف کا معنی زینت ہے۔ ابوعبیدہ کہتے ہیں: ہر وہ چیز جو بظاہر آراستہ اور زینت والی ہو، درحالیکہ وہ باطل ہو وہ زخرف میں داخل ہے۔[1]

وَلِتَصْغٰٓى: صغی الی الشی کسی چیز کی طرف مائل ہوا۔ يَقْتَرِفُوْنَ: اِقْتَرَفَ گناہ کیا، کمایا، عموماً شر میں مستعمل ہے۔

يَخْرُصُوْنَ: وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ ازہری کہتے ہیں: اصل میں غیر یقینی چیز کے متعلق ظن وگمان کرنا، اٹکل پچو۔[2]

صَغَارٌ: ذلت، يَشْرَحْ: الشرح کھلا اور وسیع ہونا۔ حَرَجًا: تنہائی۔ ابن قتیبہ کہتے ہیں: حرج ایسی تنگی جس سے نکلنے کا راستہ نہ ہو۔[3]

شانِ نزول: ...... ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ ابوجہل (ملعون) نے رسول کریم ﷺ کو لید ماری، ابھی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہ شکار سے واپس لوٹ رہے تھے اور ان کے ہاتھ میں کمان تھی۔ چنانچہ سخت برہمی اور غصے کی حالت میں ابوجہل پر چڑھ دوڑے۔ ابوجہل بولا: کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ یہ ایسی تعلیم دے رہا ہے، جس سے ہماری عقلیں بے وقوف ہوئی جا رہی ہیں اور یہ ہمارے معبودان کو گالیاں دیتا ہے۔ ہمارے آباؤ اجداد کی مخالفت کرتا ہے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا: بھلا تم لوگوں سے زیادہ بے وقوف کون ہے؟ تم بتوں کی پرستش کرتے ہو اور اللہ کی عبادت نہیں کرتے۔ اس کے بعد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کلمہ شہادت پڑھا اور اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ[4]

مشرکین کی جھوٹی قسموں کا بیان

تفسیر: ...... وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى: ۔ یہ مشرکین کی جھوٹی قسموں کا بیان ہے۔ چنانچہ وہ کہتے تھے: لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا: یعنی اگر ان کے پاس کوئی معجزہ لایا جائے تو وہ ضرور ایمان لے آئیں گے۔ آیت کا معنی ہے کہ اگر ان کے مجوزہ معجزہ پر ہم اکتفا نہ کریں بلکہ ہم ان کی طرف فرشتے نازل کریں۔ مردے زندہ کر دیں جو ان سے ہم کلام ہوں جو محمد ﷺ کی صفائی پیش کریں، جیسا کہ ان کا مطالبہ ہے۔ وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا: اور ہم کھلے عام مخلوقات کو جمع کر کے ان کے سامنے پیش کریں۔

مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ: اگر ہم ان کے تجویز کردہ معجزات پیش کر دیں تو پھر بھی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ ہاں البتہ جو اللہ چاہے، آیت میں مشرکین کے ایمان لانے سے مایوسی کا بیان ہے۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ: لیکن اکثر مشرکین اس سے جاہل ہیں۔ طبری کہتے ہیں: یعنی مشرکین اللہ کی مشیت سے جاہل ہیں۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ ایمان وکفران کے ہاتھ میں ہے۔ جب چاہیں ایمان لے آئیں اور جب چاہیں کفر اختیار کر لیں، حالاں کہ حقیقت میں معاملہ ایسے نہیں، بلکہ معاملہ اللہ کے اختیار میں ہے۔ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے گمراہ و رسوا کرنا چاہتا ہے اسے کفر میں لگا دیتا ہے (الطبری ۱۲/ ۷ ۴

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ: ...... یعنی جس طرح ہم نے ان مشرکین کو تمہارا دشمن اور مخالف بنایا ہے اسی طرح تم سے پہلے انبیا کے دشمن بھی بنائے ہیں جو انسانوں اور جنات سے شیاطین ہوتے تھے لہٰذا جیسے پہلے انبیا صبر کرتے رہے، تم بھی مشرکین کی اذیتوں پر صبر کرو۔[5] يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ: وہ ایک دوسرے کے دلوں میں وسوسے ڈالتے تھے جو گمراہی اور شر کا سبب بنتے۔ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا: یعنی آراستہ کلام اور چکنی چپڑی باطل باتوں کے ذریعے وسوسے ڈالتے تاکہ لوگوں کو دھوکا دیں۔ مقاتل کہتے ہیں: ابلیس نے انسانوں کے پیچھے شیاطین کو لگا دیا ہے جو انسانوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ چنانچہ جب انسان کا شیطان جن کے شیطان سے ملتا ہے تو وہ ایک دوسرے سے کہتے ہیں:

---
[1] جیسے عید میلاد النبی زخرف میں داخل ہے۔ [2] تہذیب اللغۃ مادہ حرص [3] غریب القرآن، ص ۱۶۰ [4] اسباب النزول، ص ۱۲۸ [5] زاد المسیر ۳/ ۱۰۸

میں نے اپنے صاحب کو فلاں فلاں طریقوں سے گمراہ کیا ہے تو بھی اپنے صاحب کو گمراہ کردے۔ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ: کا یہی معنی ہے۔[1]
وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ: اگر اللہ چاہے تو ان شیاطین کو اپنے انبیا کا دشمن نہ بناتا، لیکن حکمت خداوندی اسی کا تقاضا کرتی ہے۔
ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ سب کچھ اللہ کی تقدیر سے ہوتا ہے اس کے ارادہ اور مشیت سے ہوتا ہے۔[2] فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ: انہیں چھوڑ دو اور مشرکین جو مکاریاں کررہے ہیں ان کی طرف دھیان نہ دو۔ اللہ تمہارا حامی اور مددگار ہے۔ وَلِتَصْغَىٰ إِلَيْهِ أَفْئِدَةُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ: انبیا کے دشمن چکنی چپڑی باتیں اس لیے کرتے ہیں تاکہ کفار کے دل ان باتوں کی طرف مائل کریں۔ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوا مَا هُم مُّقْتَرِفُونَ: اور اس لیے تاکہ اس باطل پر راضی رہیں اور جن گناہوں کا وہ ارتکاب کرنے والے ہیں ان کا ارتکاب کرتے ہیں۔
أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا: ...... اے محمد! مشرکین سے کہہ دیجیے: کیا میں غیر اللہ کو قاضی اور منصف بناؤں جو میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے۔ ابوحیان کہتے ہیں: مشرکین قریش نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ہمارے اور اپنے درمیان کوئی ثالث مقرر کرلو۔ اگر چاہو تو یہود و نصاریٰ کے کسی عالم کو ثالث بنالو جو تمہارے متعلق ہمیں اپنی کتاب کے حوالے سے خبر دے۔ وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا: اسی اللہ نے قرآن نازل کیا ہے، جس میں حق و باطل کی تفصیل موجود ہے اور ہدایت اور گمراہی میں واضح امتیاز موجود ہے۔ وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِّن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ: علمائے یہود و نصاریٰ اچھی طرح سے علم رکھتے ہیں کہ قرآن برحق ہے کیوں کہ قرآن ان کی کتابوں (تورات و انجیل) کی تصدیق کرتا ہے۔ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ: تم شک کرنے والوں میں شامل نہ ہو۔ ابوسعود کہتے ہیں: آیت میں مشرکین سے نفرت کرنے اور ان سے دور رہنے پر ابھارا گیا ہے۔ یا خطاب تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور مراد امت ہے۔ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا: اللہ تعالیٰ کا کلام جس کے بارے میں خبر دیتا ہے اس میں سچا ہے اور جو فیصلہ کرتا ہے اس میں انصاف پر مبنی ہے۔ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ: اللہ کے حکم اور فیصلے کو کوئی نہیں بدل سکتا۔ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ: اللہ اپنے بندوں کے اقوال کو سنتا ہے اور ان کے افعال سے باخبر ہے۔ وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ: اگر تم نے ان کفار کا کہا مانا اس حال میں کہ وہ اہل زمین میں بکثرت ہیں تو تمہیں سیدھی راہ سے ہٹادیں گے۔ طبری کہتے ہیں: اللہ نے أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ: فرمایا ہے، کیوں کہ اہل عرب اس وقت اکثر کفار تھے اور معنی ہے: کفار تمہیں جو دعوت دیتے ہیں ان کا کہنا مانو، کیوں کہ اگر تم نے ان کا کہا مان لیا تم سیدھی راہ سے ہٹ جاؤ گے اور انہی کی مثل ہوجاؤ گے، کیوں کہ وہ تمہیں ہدایت کی دعوت نہیں دیتے۔[3]
إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ: وہ دین کے معاملے میں صرف اوہام اور ظن کے پیچھے چلتے ہیں، اس معاملے میں وہ اپنے آبا و اجداد کی تقلید کرتے ہیں۔ ان کا گمان ہے کہ ان کے آبا و اجداد حق پر تھے، حالاں کہ یہ تو جھوٹے لوگ ہیں۔
إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَن يَضِلُّ عَن سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ: اے محمد! تمہارا رب فریقین کو خوب جانتا ہے کہ ان میں سے کون سیدھی راہ سے ہٹا ہوا ہے اور کون سیدھی راہ پر ہے۔ بحر میں ہے: یہ جملہ خبر ہے، جس میں وعدہ بھی ہے اور وعید بھی کیوں کہ اللہ گمراہ کو بھی جانتا ہے اور ہدایت یافتہ کو بھی جانتا ہے۔ گویا یہ جملہ فریقین کو بدلہ دینے سے کنایہ ہے۔[4]

اللہ کے نام کا ذبیحہ

فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِن كُنتُم بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ: ...... ان جانوروں کا گوشت کھاؤ، جنہیں تم اللہ کا نام لے کر ذبح کرو، بشرطیکہ تم پکے سچے مومن ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: مشرکین مؤمنین پر اعتراض کرتے اور کہتے: جس جانور کو اللہ مار دیتا ہے (یعنی مردار) اسے تم نہیں کھاتے اور جس جانور کو تم خود مار دیتے ہو (ذبح کرتے ہو) اسے کھاجاتے ہو، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔[5] وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ: اللہ کا نام لینے کے بعد جو جانور تم اپنے ہاتھوں سے ذبح کرتے ہو، بھلا اس کے کھانے میں کیا مانع ہے؟ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ: اللہ نے حلال و حرام واضح کردیا ہے اور یہ بھی واضح کردیا ہے کہ کون کونسے جانور تمہارے اوپر حرام ہیں۔ مثلاً مردار، خنزیر وغیرہ۔

---

[1] تفسیر ابن الجوزی ۳/۱۰۹، [2] ابوالسعود ۲/۱۳۱، [3] الطبری ۱۲/۶۴، [4] البحر المحیط ۴/۲۱۰، [5] زاد المسیر ۳/۱۱۲

ہاں البتہ اضطراری حالت میں تمہارے لیے حرام کردہ جانور عارضی طور پر حلال کر دیے گئے ہیں۔ بھلا کفار جو کہ تمہارے دشمن ہیں، کے اچھالے ہوئے اعتراضات کی طرف کیوں توجہ دیتے ہو؟ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ: بغیر علم بہت سارے کفار لوگوں کو تحریم حلال اور تحلیل حرام کے ذریعے گمراہ کر رہے ہیں اور ان کا یہ طرز عمل محض نفسانی خواہشات کی بنا پر ہے۔ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ: اللہ حد سے آگے بڑھنے والوں کو خوب جانتا ہے جو حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھہراتے ہیں جب کہ ان کے پاس کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔ آیت میں وعید شدید ہے اور تہدید ہے۔ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ: ظاہری اور پوشیدہ گناہ ترک کرو۔ مجاہد کہتے ہیں: اَلْاِثْمِ سے مراد معصیت ہے خواہ پوشیدگی سے ہو یا ظاہری ہو۔ سدیؒ کہتے ہیں: ظاہری گناہ طوائف کے ساتھ زنا کرنا ہے اور باطنی گناہ پردہ نشین عورتوں سے زنا کرنا ہے۔ [1]

غیر اللہ کے نام پر مذبوحہ جانور کا حکم

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ:...... جو لوگ گناہ اور معصیت کا ارتکاب کرتے ہیں اور اللہ کے حرام کردہ امور کو بجا لاتے ہیں وہ عنقریب اپنے اعمال کا بدلہ پائیں گے۔ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ: اے مؤمنین! ان جانوروں کا گوشت مت کھاؤ، جنہیں غیر اللہ کے لیے ذبح کیا جاتا ہو یا ان پر غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جاتا ہو، جیسے بتوں کے لیے ذبح کیا جانے والا جانور۔ [2]

وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ: غیر اللہ کے لیے ذبح کیے گئے جانوروں کا گوشت کھانا معصیت ہے اور اللہ کی طاعت سے دوری اختیار کرنے کے مترادف ہے۔

وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ: شیاطین مشرکین کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں۔ مشرکین ان کے دوست ہیں، کیوں کہ مشرکین باطل دلائل کے ذریعے مؤمنین کے ساتھ مناظرے کرتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں: اللہ جس جانور کو قتل کرے (مردار) اسے تم نہیں کھاتے اور تم جسے مار دیتے ہو اسے کھا لیتے ہو؟ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ: اگر تم لوگوں نے حرام کو حلال سمجھنے کے معاملے میں مشرکین کا کہا مان لیا اور ان کے باطل خیالات میں ان کا ساتھ دیا تو اس صورت میں تم بھی ان کے ہم مثل ہو گے۔ زمخشری کہتے ہیں: چوں کہ جو شخص اپنے دین کے معاملے میں غیر اللہ کا کہا مانے، حقیقت میں وہ بھی شرک کا ارتکاب کرتا ہے۔ صاحب بصیرت کا اپنے دین کے معاملے میں حق ہے کہ وہ ایسے جانور کا گوشت نہ کھائے جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ [3]

مؤمن و کافر کی مثال

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ:...... ابوحیان کہتے ہیں: قبل ازیں مؤمنین اور کافرین کا ذکر ہوا ہے اور رب تعالیٰ نے مثال بیان کی ہے۔ مؤمن کو زندہ سے تشبیہ دی ہے، جس کو نور بصیرت حاصل ہو اور وہ اس کی مدد سے من چاہا تصرف کرتا ہو اور کافر کو ایسے شخص سے تشبیہ دی ہے جو تاریکیوں میں سرگرداں ہو۔ مثال کا مقصد یہ ہے کہ فریقین میں فرق واضح ہو جائے۔ آیت کا معنی ہے: بھلا جو شخص مردہ کے بمنزلہ ہو اور نور بصیرت سے محروم ہو، کافر و گمراہ ہو۔ کیا وہ اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جس کا دل اللہ نے نور ایمان سے زندہ کر دیا ہو اور قرآن کے ذریعے اسے گمراہی سے نکال کر باہر کر دیا ہو۔ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ: اور ہم نے اس ہدایت کے ساتھ نور عظیم بھی رکھا ہے، جس کے ذریعے اشیا کی تحقیق کی جاتی ہے اور پھر اس کے ذریعے حق و باطل میں تمیز کی جاتی ہے۔

كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا: اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جو کفر و گمراہی کی تاریکیوں میں سرگرداں ہو، اسے نکلنے کی کوئی جگہ نہ ملتی ہو۔ بیضاوی کہتے ہیں: یہ اس شخص کی مثال ہے جو گمراہی میں پڑا ہوا اور اسے چھوڑنے پر تیار نہ ہو۔ [4]

كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ...... جیسے یہ شخص تاریکیوں میں سرگرداں رہتا ہے، اسی طرح ہم نے کفار کے لیے شرک، معاصی کو آراستہ کر دیا ہے۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا: جیسے ہم نے مکہ میں مجرموں کے سرغنوں کو موقع دیا ہے کہ وہ سازشیں کریں، اسی طرح ہر شہر کے مجرموں، رؤسا اور اکابر کو فساد پھیلانے کا موقع دیا ہے۔ ابن جوزی کہتے ہیں: اللہ نے ہر شہر کے صنادید اور رؤسا کو فساق

---

[1] مختصر ابن کثیر ۱/ ۶۱۲ [2] مزارات پر ذبح کیے جانے والے جانوروں کا بھی یہی حکم ہے۔ [3] الکشاف ۲/ ۴۹ [4] البیضاوی، ۱۸۱

بنایا ہے، کیوں کہ وہ کفر کے زیادہ قریب ہوتے ہیں کیوں کہ انہیں جاہ و مرتبہ اور فراخی حاصل ہوتی ہے۔[1]

وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ: انہیں اس بات کا پتہ ہی نہیں کہ ان کی سازشوں نے انہیں کا احاطہ کر رکھا ہے۔

کفار کا گستاخانہ مطالبہ

وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ:.......اور جب ان مشرکین کے پاس محمد ﷺ کی صداقت پر واضح دلیل اور حجت قاطعہ آ جاتی ہے تو کہتے ہیں: ہم محمد ﷺ کی رسالت کی تصدیق نہیں کریں گے، یہاں تک کہ ہمیں بھی ایسے ہی معجزات دیے جائیں جیسے اللہ کے پیغمبروں کو دیے گئے۔ بحر میں ہے: مشرکین یہ بات بطور استہزا کہتے ہیں اور اگر مشرکین یقین رکھتے معاندانہ رویہ ترک کرتے تو اللہ کے پیغمبروں کی اتباع کرتے۔ روایت ہے کہ ابو جہل کہتا تھا: بنی عبد مناف نے شرف و مرتبہ میں ہماری مزاحمت کی ہے۔ بنی عبد مناف کہنے لگے: ہمیں میں سے ایک نبی مبعوث ہوا، جس کے پاس وحی آتی ہے۔ اللہ کی قسم! ہم اس سے راضی نہیں ہوں گے اور اس کی اتباع بھی نہیں کریں گے۔ ہاں البتہ ہمارے پاس بھی وحی آئے، جیسے اس کے پاس وحی آتی ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔[2] اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ: اللہ اس شخص کو خوب جانتا ہے جو رسالت کی اہلیت رکھتا ہے۔ سو جو اہلیت رکھتا ہے اللہ اسی کو رسالت عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ اس عظیم منصب کے لیے اللہ نے محمد ﷺ کو منتخب کیا۔ صنادید مکہ کو منتخب نہیں کیا۔ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ: ان مجرموں کو عنقریب ذلت و رسوائی میں پڑنا ہوگا اور قیامت کے دن عذاب شدید ان کا مقدر بن چکا ہے اس وجہ سے کہ یہ لوگ تکبر کرتے ہیں اور سازشیں کرتے ہیں۔ بحر میں ہے: آیت میں ذلت و رسوائی کو عذاب پر مقدم کیا گیا ہے کیوں کہ مشرکین سرکشی پر مصر رہے اور اتباع رسول سے روگردانی کی جبکہ ان کا یہ رویہ حصول عزت و ریاست کے لیے ہے۔ اس لیے پہلے انہیں ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا پھر عذاب شدید۔[3]

ہدایت اور اضلال اللہ کے ہاتھ میں ہے

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ:......اللہ جس شخص کو ہدایت دینا چاہتا ہے اللہ اس کے دل میں نور ودیعت کر دیتا ہے اور ہدایت اسلام کے لیے اس کا دل کھول دیتا ہے۔ گویا شرح صدر ہدایت اسلام کی علامت ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: معنی ہے کہ اس کے دل میں توحید و ایمان کے لیے وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ رسول کریم ﷺ سے اس آیت کی بابت سوال کیا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جب نور دل میں داخل ہوتا ہے تو دل میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے اور کھل جاتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: کیا اس کی کوئی علامت ہے، جس کے ذریعے شرح صدر کو پہچانا جائے؟ آپ نے فرمایا: دارالخلود کی طرف کمال توجہ، دنیا جو کہ دارالغرور ہے سے کنارہ کشی اور موت کے لیے تیاری۔[4] وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ: اور اللہ جسے گمراہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا: تو اس کا سینہ تنگ کر دیتا ہے۔ ایسا تنگ کہ اس میں ہدایت نام کی کسی چیز کے لیے جگہ ہی نہیں رہتی اور رتی برابر ایمان کو بھی اس تک رسائی حاصل نہیں ہوتی۔ عطا کہتے ہیں: اس دل میں خیر کے لیے کوئی جگہ ہی نہیں رہتی۔[5] كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى السَّمَآءِ: گویا اسے زبردستی آسمان کی طرف چڑھنا ہو اور اسے کوئی ایسی مہم سر کرنی ہو جو اس کے لیے ناممکن ہو۔ ابن جریر کہتے ہیں: اللہ نے یہ مثال ایسے کافر کی بیان کی ہے جس کی نہایت تنگدگی کی وجہ سے ایمان کو اس تک رسائی ہوتی ہی نہ ہو۔ جیسے مثلاً آسمان پر چڑھنا ناممکن ہے ایسے ہی ایمان کا اس میں رسائی حاصل کرنا۔[6] كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ: جیسے مثلاً اللہ نے کافر کا دل تنگ بنا دیا ہے۔ اسی طرح اللہ عذاب اور رسوائی ان لوگوں پر ڈالے گا جو اس کی آیات پر ایمان نہیں لاتے۔ مجاہد کہتے ہیں: الرِّجْسَ: سے مراد ایسی چیز ہے، جس میں بھلائی نہ ہو۔ زجاج کہتے ہیں: الرِّجْسَ سے مراد لعنت ہے دنیا اور آخرت میں۔

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا: اے محمد! یہ دین جس پر تم قائم ہو، یہ سیدھا راستہ ہے۔ اس میں کوئی کجی نہیں۔ اسے مضبوطی سے پکڑے رکھو۔

---

[1] زاد المسیر ۳/۱۱۷ [2] البحر ۴/۲۱۶ [3] البحر ۴/۲۱۷ [4] الطبری ۱۲/۱۰۰ [5] ابن کثیر ۱/۶۱۷ [6] الطبری ۱۲/۱۰۹

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ:...... یعنی ہم نے آیات و براہین کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے، لیکن یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو غور و خوض کریں، اپنی عقلوں سے کام لیں۔ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ: اور یہ لوگ جو دولت ایمان سے سرفراز ہوئے۔ آیات سے عبرت حاصل کی اور نفع اٹھایا، ان کے لیے سلامتی کا ٹھکانا ہے، یعنی وہ ناگواریوں سے سلامت رہیں گے اور سلامتی کا ٹھکانا جنت ہے۔ جس میں اللہ کی مہمانی اور ضیافت ہوگی۔ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ: اللہ تعالیٰ ان کا حافظ و ناصر اور مؤید ہے۔ ابن کثیر کہتے ہیں: اس آیت میں جنت کو دارالسلام سے تعبیر کیا گیا ہے، کیوں کہ صراط مستقیم سلامتی کا راستہ ہے اور یہی انبیا کا طریقہ اور نقش قدم ہے۔ چنانچہ جس طرح بے راہ روی اور کج روی سے محفوظ رہے، اسی طرح وہ بڑھتے ہوئے سلامتی کے ٹھکانے میں محفوظ ہو جائیں گے۔ [1]

بلاغت: ...... وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ: ۔ میں وصف ربوبیت کی تعریض ہے، اور ضمیر خطاب کی طرف اضافت برائے تشریف ہے۔

فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ: رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے جو برانگیختہ کرنے کے لیے ہے۔ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ: کلمہ سے مراد کلام ہے۔ جز بول کر کل مراد لیا ہے اور یہ مجاز مرسل ہے۔ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ: میں لفظ "ظاہر" اور "باطن" میں صنعت طباق نمایاں ہے۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ: موت و حیات، نور و ظلمت باب استعارہ میں سے ہیں۔ موت کفر کا استعارہ ہے۔ حیات ایمان کا اسی طرح نور و ظلمت بالترتیب ہدایت اور ضلالت کا استعارہ ہیں۔ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ: الشرح کھولنا قبول حق سے کنایہ ہے۔

فائدہ: ...... حکم کا لفظ حاکم کے لفظ سے زیادہ بلیغ ہے کیوں کہ حکم کا اطلاق صرف عادل پر ہوتا ہے۔ [2]

تنبیہ: ...... امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: آیت کریمہ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ: اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ دین کے معاملے میں مجرد تقلید کا قول حرام ہے۔ چوں کہ مجرد تقلید کا قول حقیقت میں ہوائے نفس اور خواہش نفس کا قول ہے، آیت کی رو سے یہ حرام ہے۔

بروز قیامت مخلوق کا حساب و جزا کے لیے جمع ہونا

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ؕ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا

[1] مختصر ابن کثیر ۱/ ۶۱۸ [2] محاسن التاویل ۶/ ۲۴۷۴

فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَقَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَاۤ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْۤا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

ترجمہ:......اور جس دن ان سب کو جمع کرے گا۔ اے جنات کی جماعت تم نے انسانوں میں سے کثیر تعداد کو اپنا تابع کر لیا۔ اور انسانوں میں جوان کے دوست تھے وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم میں بعض نے بعض سے نفع حاصل کیا۔ اور ہم پہنچ گئے اس مقررہ میعاد کو جو آپ نے ہمارے لیے مقرر فرمائی۔ فرمانِ خداوندی ہوگا کہ دوزخ تمہارا ٹھکانہ ہے۔ اس میں ہمیشہ رہو گے۔ سوائے اس کے جسے اللہ چاہے، بے شک تیرا رب حکمت والا ہے علم والا ہے۔ ﴿۱۲۸﴾ اور اسی طرح ہم بعض ظالموں کو بعض کا ولی بناتے ہیں بہ سبب ان کے اعمال کے جو وہ کرتے ہیں۔ ﴿۱۲۹﴾ اے جنوں اور انسانوں کے گروہ کیا تمہارے پاس رسول نہیں آئے وہ میرے احکام بیان کرتے تھے اور تم کو اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے، وہ جواب دیں گے کہ ہم اپنی جانوں پر گواہی دیتے ہیں، اور ان کو دنیا والی زندگی نے دھوکہ میں ڈالا۔ اور وہ اپنی جانوں پر گواہی دیں گے کہ بلاشبہ وہ کافر تھے۔ ﴿۱۳۰﴾ یہ اس وجہ سے کہ تیرا رب بستیوں کو ظلم کے سبب ہلاک کرنے والا نہیں ہے اس حال میں کہ وہاں کے لوگ بے خبر ہوں، ﴿۱۳۱﴾ اور ہر ایک کے لیے ان کے اعمال کے سبب درجات ہیں، اور تیرا رب ان کاموں سے غافل نہیں ہے جو کام وہ کرتے ہیں۔ ﴿۱۳۲﴾ اور تیرا رب غنی ہے رحمت والا ہے اگر وہ چاہے تو تمہیں ختم کر دے اور تمہارے بعد تمہارے پیچھے جس کو چاہے آباد کر دے جیسا کہ اس نے تمہیں دوسری قوم کی نسل سے پیدا فرمایا۔ ﴿۱۳۳﴾ بلاشبہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور آنے والی چیز ہے اور تم عاجز نہیں کر سکتے۔ ﴿۱۳۴﴾ آپ فرما دیجیے اے میری قوم! تم اپنی جگہ پر عمل کرتے رہو بلاشبہ میں عمل کر رہا ہوں، سو عنقریب جان لو گے کہ کس کے لیے ہے اس عالم کا انجام کار، بے شک کامیاب نہیں ہوتے ظالم لوگ۔ ﴿۱۳۵﴾ اور ان لوگوں نے اللہ کے لیے ایک حصہ کھیتیوں اور مویشیوں میں سے مقرر کر دیا جو اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزیں ہیں، سو انہوں نے اپنے خیال سے یوں کہا کہ یہ اللہ کے لیے ہے اور یہ ہمارے شرکا کے لیے ہے سو جو ان کے معبودوں کے لیے ہے وہ اللہ کی طرف نہیں پہنچتا اور جو اللہ کے لیے ہے سو وہ ان کے شرکا کی طرف پہنچ جاتا ہے یہ لوگ برا فیصلہ کرتے ہیں۔ ﴿۱۳۶﴾ اور اسی طرح مشرکین کے لیے ان کے شرکا نے اولاد کا قتل کرنا مزین کر دیا تاکہ وہ ان کو ہلاک کر دیں اور تاکہ وہ ان پر ان کے دین کو رلا ملا دیں۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے۔ سو آپ ان کو اور جو کچھ وہ افترا کرتے ہیں اسے چھوڑ دیجیے۔ ﴿۱۳۷﴾ اور ان لوگوں نے اپنے خیال کے مطابق یوں کہا کہ یہ مویشی ہیں اور کھیتی ہے جس پر پابندی ہے اس کو بس وہی لوگ کھائیں گے جن کو ہم چاہیں۔ اور کچھ جانور ایسے ہیں جن کی پشتیں حرام کی گئی ہیں۔ اور کچھ جانور ایسے ہیں جن پر اللہ کا نام نہیں لیتے اللہ پر بہتان باندھتے ہوئے عنقریب وہ انہیں سزا دے گا۔ بسبب اس کے کہ وہ افترا کرتے ہیں ﴿۱۳۸﴾ اور انہوں نے کہا کہ جو کچھ ان جانوروں کے پیٹوں میں ہے وہ ہمارے مردوں کے لیے خالص ہے اور ہماری بیویوں پر حرام قرار دے دیا گیا ہے۔ اور اگر وہ مردار ہو تو وہ سب اس میں شریک ہیں۔ سو وہ انہیں عنقریب اس بات کی سزا دے گا جو بیان کرتے ہیں، بے شک وہ حکمت والا

علم والا ہے۔﴿۱۳۹﴾ بے شک وہ لوگ خسارہ میں پڑ گئے جنہوں نے اپنی اولاد کو بے وقوفی سے بغیر علم کے قتل کیا اور اللہ نے انہیں جو رزق عطا فرمایا اللہ پر بہتان باندھتے ہوئے اسے حرام قرار دے دیا بے شک وہ لوگ گمراہ ہوئے اور وہ ہدایت پر چلنے والے نہیں ہیں۔﴿۱۴۰﴾

ربط ومناسبت:..... قبل ازیں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے دو فریق بیان کیے۔ ہدایت یافتہ لوگ اور گمراہ لوگ، یہ بھی بیان کر دیا کہ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں، جن کا سینہ اللہ نے ہدایت کے لیے کھول دیا اور وہ دولت ایمان سے سرفراز ہوئے اور ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو خواہش نفس پر چلے اور انہوں نے شیطان کو اپنا راہ نما مانا، پھر وہ گمراہ ہوئے۔ اب یہاں یہ بات بتائی جا رہی ہے کہ قیامت کے دن اللہ ساری مخلوقات کو حساب کے لیے جمع کرے گا، تا کہ ہر ایک اپنے اعمال کا بدلہ پا لے۔

لغات: مَثْوٰىكُمْ:..... تمہارا ٹھکانا، جائے قیام۔ یَقُصُّوْنَ: وہ حکایت کرتے ہیں اور بیان کرتے ہیں۔ ذَرَاَ: پیدا کیا۔ الْحَرْثِ: کھیتی لِیُرْدُوْهُمْ: الارداء سے ماخوذ ہے، ہلاک کرنا۔ حِجْرٌ: الحجر، حرام، لغوی معنی منع کرنا ہے۔ عقل کو بھی حجر کہتے ہیں کیوں کہ عقل بھی قباحتوں سے روکتی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: هَلْ فِیْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِیْ حِجْرٍ: سَفَهًا: حماقت، جہالت، کم عقلی۔

اطاعت شیاطین کا انجام

تفسیر: وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا:..... اس دن کو یاد کرو، جب اللہ ثقلین جن وانس کو حساب کے لیے جمع کرے گا اس حال میں کہ اللہ فرمائے گا۔ یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ: تم نے انسانوں کو بکثرت گمراہ کیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: تم نے انسانوں کی کثیر تعداد کو گمراہ کیا ہے۔ اسلوب کلام برائے توبیخ ہے۔ وَقَالَ اَوْلِیٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ: جن انسانوں نے شیاطین جن کی پیروی کی ہوگی کہیں گے: ہم نے ایک دوسرے سے نفع اٹھایا ہے۔ بیضاوی کہتے ہیں: انسانوں نے جنات سے نفع اٹھایا بایں طور کہ جنات نے انسانوں کو خواہشات اور نفس پرستی پر لگایا اور جنات نے انسانوں سے نفع اٹھایا۔ بایں طور کہ جنات نے انسانوں کی پیروی کی اور اپنی مراد حاصل کی۔[۱]

وَبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِیْٓ اَجَّلْتَ لَنَا:..... اور ہم موت اور قبر تک جا پہنچے اور حساب کا سامنا کرنے لگے۔ آیت میں اعتذار بھی ہے اور اعتراف بھی کہ شیاطین کی اطاعت کی ہے اور خواہش نفس پر چلے ہیں، گویا اپنی حالت پر حسرت اور افسوس کریں گے۔ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ: اللہ تعالیٰ ان پر رد کرتے ہوئے کہے گا: دوزخ ہی تمہارے ٹھہرنے کی جگہ ہے اور یہی ان کی منزل ہے۔ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ: ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے، البتہ اللہ جس زمانے میں چاہے خلود نہ رہے۔ طبری کہتے ہیں: خلود نہ ہونے کی یہ مدت حشر اور دخول جہنم کی درمیانی مدت ہے۔[۲] زمخشری کہتے ہیں: کفار ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ الا یہ کہ اللہ کچھ اور چاہے، یعنی البتہ ان اوقات میں خلود نہ ہوگا جب اہل دوزخ کو ایک قسم کے عذاب سے دوسری قسم کے عذاب میں منتقل کیا جا رہا ہوگا، یعنی دوزخ کے عذاب سے زمہریر کے عذاب میں انہیں منتقل کرنے کے اوقات میں خلود نہیں ہوگا۔ چنانچہ سخت چیخ و پکاریں ہوں گے اور دوبارہ دوزخ میں واپس لوٹنے کی دہائیاں دیں گے۔[۳] اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ: اپنے افعال حکمت پر انجام دیتا ہے اور بندوں کے اعمال سے باخبر ہے۔

ظالم کے لیے دھمکی

وَكَذٰلِكَ نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ:..... جیسے ہم نے جن وانس کو ایک دوسرے سے نفع پہنچایا، ایسے ہی ہم نے ظالموں کو ایک دوسرے پر مسلط کر دیا، اس وجہ سے کہ وہ معصیت اور گناہوں کا ارتکاب کرتے تھے۔ قرطبی کہتے ہیں: آیت میں ظالم کے لیے دھمکی ہے، بشرطیکہ وہ ظلم سے باز نہ آئے تو اللہ اس پر کسی دوسرے ظالم کو مسلط کر دیتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب اللہ کسی قوم سے راضی ہوتا ہے تو ان کا اختیار قوم کے اچھے آدمیوں کو سونپ دیتا ہے اور جب کسی قوم سے ناراض ہوتا ہے تو اس کا اختیار قوم کے برے لوگوں کو سونپ دیتا ہے۔ مالک بن دینار سے مروی ہے: وہ کہتے ہیں: میں نے حکمت کی بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اللہ ہوں اور بادشاہوں کا بادشاہ

---

[۱] البیضاوی، ص ۱۸۱ [۲] الطبری ۱۲/ ۱۱۸ [۳] الکشاف ۲/ ۵۱

ہوں۔ بادشاہوں کے قلوب میرے قبضہ وقدرت میں ہیں۔ سو جو شخص میری اطاعت کرتا ہے تو میں بادشاہوں کو اس پر مہربان بنا دیتا ہوں اور جو شخص میری نافرمانی کرتا ہے، میں بادشاہوں کو اس پر مصیبت اور آفت بنا دیتا ہوں۔ بادشاہوں کو گالیاں دے کر اپنے آپ کو لایعنی باتوں میں مشغول نہ کرو البتہ میری طرف رجوع کرو۔ میں تمہارے اوپر بادشاہوں کو مہربان کر دوں گا۔[1] یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْكُمْ اٰیٰتِیْ: قیامت کے دن یہ ندا لگائی جائے گی۔ استفہام برائے توبیخ ہے۔ یعنی کیا تمہارے پاس پیغمبر نہیں آئے جو تمہارے اوپر تمہارے رب کی آیات تلاوت کرتے تھے؟ وَیُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا: جو تمہیں اس عظیم دن کے عذاب سے ڈراتے تھے۔ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰۤى اَنْفُسِنَا: یعنی ان کے پاس سوائے اعتراف کے کچھ نہیں ہوگا۔ چنانچہ کہیں گے: ہم اپنی جانوں کے خلاف گواہی دیتے ہیں کہ تیرے پیغمبر ہمارے پاس آئے اور ہمیں اس دن سے ڈراتے رہے۔ ابن عطیہ کہتے ہیں: آیت میں اہل دوزخ کی طرف سے کفر کا اقرار ہے اور اپنے اوپر تقصیر کا اعتراف ہے۔ جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے: قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِیْرٌ ۙ۬ فَكَذَّبْنَا: یعنی کہیں گے: جی ہاں! ہمارے پاس ایک ڈرانے والا آیا، لیکن ہم نے اس کی تکذیب کی۔

غلط نظریہ پر کفار کی مذمت

وَغَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا: ...... دنیا کی عیش وعشرت نے ان کو دھوکے میں رکھا۔ وَشَهِدُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِیْنَ: یعنی اپنے کفر کا اعتراف کریں گے۔ بیضاوی کہتے ہیں: یہ کفار کی مذمت ہے جو ان کے غلط نظریہ اور غلط رائے پر کی جا رہی ہے۔ یہ دنیا کی زندگی اور اس کی فانی لذات سے دھوکا کھاتے رہے اور کلی طور پر آخرت سے روگردانی کی۔ آخر کار ان کا انجام یہ ہوا کہ خود ہی اپنی جانوں کے خلاف کفر کی گواہی دینے پر مجبور ہوئے اور اپنے آپ کو عذاب کے سپرد کر دیا۔ سامعین کو ان کے حالات سے ڈرانا مقصود ہے۔[2] ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ یَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ: ہم نے ان کی طرف پیغمبر اس لیے بھیجے تاکہ وہ انہیں برے انجام سے ڈرائیں، کیوں کہ تمہارا رب عادل ہے، کسی قوم کو اس وقت تک ہلاک نہیں کرتا جب تک کہ ان کی طرف کوئی پیغمبر نہ بھیج دے۔ طبری کہتے ہیں: یعنی اے محمد! ہم نے پیغمبر اس لیے بھیجے تاکہ کفار کو میری آیات پڑھ کر سنائیں اور انہیں آخرت کے دن سے ڈرائیں۔ اللہ ایسا نہیں کہ کسی قوم کو تنبیہ وتذکیر کے بغیر ہلاک کر دے۔ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا: طاعت خدا اور معصیت کا ارتکاب کرنے والوں میں سے ہر ایک کے لیے عمل کے مطابق منازل اور مراتب ہیں جنہیں وہ روز آخرت پالے گا۔ چنانچہ اگر عمل نیک ہو تو منزل اور مرتبہ بھی اچھا ہوگا اگر عمل برا ہو تو مرتبہ بھی برا۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: درجات کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ رفعت وبلندی اور انحطاط میں تفاضل ہوتا ہے، یعنی ایک درجہ نیچے دوسرا اس کے اوپر پھر دوسرا نیچے تیسرا اس کے اوپر ہکذا۔ جیسے سیڑھی کے زینوں میں تفاضل ہے۔[3]

وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعْمَلُوْنَ: ...... اللہ بندوں کے اعمال وافعال سے غافل نہیں کہ انہیں بھول جائے۔ آیت میں وعید ہے۔ وَرَبُّكَ الْغَنِیُّ: اللہ تعالیٰ مخلوق اور اس کی عبادت سے بے نیاز ہے۔ اللہ کو مخلوق کی طاعت نفع نہیں پہنچاتی اور مخلوق کی معصیت اس کا کچھ نہیں بگاڑتی۔ ذُو الرَّحْمَةِ: اللہ فضل وکرم کرنے والا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: اللہ اپنے دوستوں اور اہل طاعت پر رحمت کرنے والا ہے جب کہ دوسرے مفسرین کہتے ہیں کہ ساری مخلوق پر رحمت کرتا ہے۔ مخالفین سے انتقام لینے میں تاخیر کرتا ہے۔ یہ بھی تو اس کی رحمت ہے۔ ابو سعود کہتے ہیں: اس میں تنبیہ ہے کہ اللہ نے انبیا کو جو بھیجا ہے اس میں اللہ کا کوئی نفع نہیں بلکہ بندوں پر اللہ کی رحمت اور فضل وکرم ہے۔[4] اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ: اے عاصیو (نافرمانو) اگر اللہ چاہتا تمہیں عذاب سے ہلاک کر دیتا اور تمہارا استیصال کر دیتا۔ وَیَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا یَشَآءُ: اور تمہاری جگہ دوسری مخلوق لے آئے جو تم سے بہتر اور فرمانبردار ہو۔ كَمَاۤ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّیَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِیْنَ: جیسے تم سے پہلے لوگوں کے بعد تمہیں پیدا کیا۔ ابو حیان کہتے ہیں: آیت میں خدا کی پکڑ اور جلدی ہلاک کرنے کے متعلق تحذیر (ڈر) ہے۔ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ: تم سے وقوع قیامت اور حشر کے بپا کرنے کا جو وعدہ کیا جاتا ہے لامحالہ وہ پورا ہو کر رہے گا۔

---

[1] الفخر الرازی ۱۳/ ۱۹۴ [2] البیضاوی، ص ۱۸۲ [3] ابن الجوزی ۳/ ۱۲۶ [4] ابوالسعود ۲/ ۱۳۸

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ:...... تم ہماری قدرت اور ہمارے عذاب سے بھاگ نہیں سکتے۔ اگر چہ تم بھاگ کر نہایت دشوار گزار جگہ میں کیوں نہ پہنچ جاؤ۔ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ: اے محمد! مشرکین سے کہہ دیجیے: کفر پر تم ڈٹے رہو اور میری دشمنی پر اڑے رہو، جو اعمال تم کرنے والے ہو کرتے رہو۔ آیت میں امر برائے تہدید (دھمکی) ہے، جیسے اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ: میں امر برائے تہدید ہے۔ اِنِّيْ عَامِلٌ: میرے رب نے مجھے اپنے دین پر ثابت قدم رہنے کا جو حکم دیا ہے میں اس پر اپنا عمل جاری رکھوں گا۔ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ: عنقریب تم جان لوگے کہ ہم میں سے کس کو اچھا انجام حاصل ہوگا اور کس کی عاقبت اچھی ہوگی۔ ہمیں یا تمہیں؟ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ: جو ظالم ہوگا وہ اپنے مطلوب میں کسی طرح کامیاب نہیں ہوسکتا۔ زمخشری کہتے ہیں: آیت میں لطیف طریقے سے انذار ہے۔ اس میں انصاف کا پہلو بھی نمایاں ہے اور حسن ادب بھی ملحوظ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ شدید درجے کی وعید بھی ہے۔ اس بات کا ثبوت بھی ہے کہ ڈرانے والا حق پر ہے اور جسے ڈرایا جارہا ہے۔ باطل پر ہے۔[1]

مشرکین کے چند جاہلانہ اعتقاد

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا:...... مشرکین قریش اللہ کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور چوپایوں میں سے ایک حصہ اللہ کے لیے مقرر کر لیتے ہیں، جیسے وہ فقرا پر خرچ کرتے ہیں اور اپنے معبودان باطلہ کے لیے بھی ایک حصہ مقرر کر لیتے ہیں، جیسے وہ بتوں کے مجاوروں پر صرف کرتے ہیں۔ ابن کثیر کہتے ہیں: آیت میں مشرکین کی مذمت اور توبیخ ہے کیوں کہ وہ کفر، شرک اور بدعت کا ارتکاب کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ: یعنی اللہ نے جو کھیتی، پھل اور چوپائے پیدا کیے ہیں، ان میں حصے کر دیتے ہیں۔[2] فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ: اور وہ اپنے عزم کے مطابق کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا حصہ ہے، جب کہ ان کا یہ قول بلا دلیل ہوتا ہے۔ تسہیل میں ہے: زعم کا اطلاق اکثر و بیشتر جھوٹ پر ہوتا ہے۔[3] وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا: یہ حصہ ہمارے معبودان اور بتوں کا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: اللہ کے دشمن (مشرکین) جب کھیتی کرتے یا درختوں سے پھل اتارتے تو اس میں سے ایک حصہ اللہ کے لیے مقرر کرتے اور ایک حصہ بتوں کے لیے۔ سو جو حصہ بتوں یا ان کے معبودان کا ہوتا، خواہ غلہ ہو یا پھل ہو یا کوئی اور چیز ہو، اس کی خوب حفاظت کرتے۔ اگر اللہ کے مقرر کردہ حصہ سے کچھ غلہ یا پھل گر کر بتوں کے حصے میں جا پڑتا تو اسے فوراً اٹھا دیتے اور کہتے: اللہ تو بے نیاز ہے جب کہ بت محتاج ہیں، انہیں اس کی زیادہ ضرورت ہے۔[4] اسی لیے آگے ارشاد ہے: فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ: جو حصہ بتوں کے لیے مقرر ہوتا ہے، اس میں سے ایک دانہ بھی اللہ کو نہیں پہنچ پاتا۔ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ: اور جو حصہ اللہ کا ہوتا اس میں سے ان کے بتوں کو پہنچ جاتا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں: مشرکین کھیتی کا ایک حصہ اللہ کے لیے مقرر کر دیتے اور ایک حصہ اپنے معبودان اور بتوں کے لیے مقرر کر لیتے۔ چنانچہ ہوا چلنے سے اگر اللہ کے حصے سے کچھ غلہ اڑ کر بتوں کے حصے میں جا پڑتا تو اسے وہیں رہنے دیتے اور اگر بتوں کے حصے سے اڑ کر اللہ کے حصے میں جا پڑتا تو اسے فوراً بتوں کے حصے میں لوٹا دیتے اور جب قحط پڑتا تو اللہ کا مقرر کیا ہوا حصہ کھا جاتے جبکہ معبودان کے حصے کو سنبھال کر رکھتے۔ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ: ان کا یہ فیصلہ بہت برا ہے اور ظلم پر مبنی ہے۔

قتل اولاد پر دھمکی اور وعید

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ:...... یعنی جیسے اوپر بیان کردہ تقسیم کو ان کے دیوتاؤں نے ان کے لیے آراستہ کیا ایسے ہی ان کے شیاطین نے قتل اولاد کو ان کے لیے آراستہ کر دیا ہے کہ وہ اولاد کو قتل کر کے اپنے معبودان کے لیے قربانی دیں۔ زمخشری کہتے ہیں: جاہلیت میں کوئی شخص اٹھتا اور یوں منت مان لیتا کہ اگر اس کے ہاں اتنی تعداد میں لڑکے پیدا ہوئے تو ان میں سے ایک کو قربان کرے گا جیسے عبدالمطلب نے منت مانی تھی۔[5] لِيُرْدُوْهُمْ: تاکہ وہ ان مشرکین کو ہلاک کر دیں۔ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ: اور وہ جس دین اسماعیل علیہ السلام پر تھے اس میں مغالطے ڈال دیں۔ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ: اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا قبیح فعل نہ کرتے۔ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ: وہ جن باطل باتوں اور

---

[1] الکشاف ۲/ ۵۳ [2] مختصر ابن کثیر ۱/ ۶۲۲ [3] التسہیل ۲/ ۲۲ [4] مختصر ابن کثیر ۶۲۲ [5] الکشاف ۲/ ۵۴

افترا پردازیوں میں پڑے ہوئے ہیں، انہیں پڑے رہنے دو۔ آیت میں دھمکی بھی ہے اور وعید بھی۔ وَقَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ: یہ مشرکین کے بعض جرائم کی حکایت ہے، یعنی مشرکین کہتے ہیں: یہ چوپائے اور اناج جسے ہم نے اپنے معبودان کے لیے الگ کر لیا ہے، یہ معبودان کے علاوہ اوروں پر قطعی حرام ہے اور اس پر پابندی ہے۔ لَّا يَطْعَمُهَاۤ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ: ہاں البتہ جسے ہم کھلانا چاہیں وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ یعنی بتوں کے مجاور اور خدام (کو اگر ہم کھلانا چاہیں تو وہ) کھا سکتے ہیں۔ بِزَعْمِهِمْ: یہ پابندی بھی ان کے اپنے باطل زعم کی پیداوار ہے، جس پر کوئی حجت اور دلیل نہیں۔

مشرکین کے جانوروں کے متعلق عقائد

وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا:...... اور کچھ چوپایوں پر سواری کرنے کو حرام قرار دیا گیا ہے جیسے بحیرہ، سائبہ اور حام وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا: اور کچھ چوپائے ایسے بھی ہیں کہ ذبح کرتے وقت ان پر اللہ کا نام نہیں لیتے، بلکہ بتوں کا نام لیتے ہیں۔ افْتِرَآءً عَلَيْهِ: وہ ایسا اللہ پر جھوٹ بولنے کی وجہ سے کرتے ہیں۔ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ: اللہ اس افترا پردازی پر انہیں بدلہ دے گا۔ اس میں تہدید و وعید ہے۔ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا: مشرکین کی قباحتوں میں سے ایک اور قباحت کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے، یعنی مشرکین کہتے ہیں: بتوں اور دیوتاؤں کے نام چھوڑے ہوئے جانوروں (بحیرہ سائبہ وغیرہ) کے پیٹوں میں جو بچے پل رہے ہیں وہ صرف مردوں کے لیے حلال ہیں۔ وَمُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا: اور عورتوں پر حرام ہے۔ یعنی عورتیں ان کا گوشت نہیں کھا سکتیں۔ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ: اگر نامزد کردہ جانور سے پیدا ہونے والا بچہ مردہ ہو تو اس میں مرد اور عورتیں برابر کی شریک ہوتی ہیں۔ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ: حرام و حلال ٹھہرانے کے حوالے سے مشرکین اللہ پر جو جھوٹ بولتے ہیں اللہ اس کا انہیں بدلہ دے گا۔ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ: اللہ اپنی کاریگری میں حکیم ہے اور اپنی مخلوق کا علم رکھتا ہے۔ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْۤا اَوْلَادَهُمْ: اللہ کی قسم! یہ عقل سے پیدل لوگ جو اپنی اولاد کو قتل کرتے ہیں زبردست نقصان و خسارے میں ہیں۔ زمخشری کہتے ہیں: یہ آیت ربیعہ، مضر اور عرب کے ان قبائل کے متعلق نازل ہوئی ہے جو فقر و فاقہ کے اندیشے سے اولاد کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔[1] سَفَهًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ: وہ ایسا جہالت اور عقلمندی کے فقدان کی وجہ سے کرتے ہیں جبکہ اللہ ہی ان کو اور ان کی اولاد کو رزق دینے والا ہے۔ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ: اللہ نے انہیں جو مال عطا کیا ہے اسے اپنی طرف سے حرام قرار دیتے ہیں، جیسے بحیرہ، سائبہ وغیرہ افْتِرَآءً عَلَيْهِ: اللہ پر جھوٹ بولنے اور افترا پردازی کرنے کی وجہ سے وہ ایسا کرتے ہیں۔ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ: برائی کے ارتکاب کی وجہ سے وہ سیدھی راہ سے ہٹ گئے ہیں۔ حقیقت میں ان کا کردار نہایت برا ہے اور وہ ہدایت سے دور ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جو شخص عرب کی جاہلیت معلوم کرنا چاہے وہ سورہ انعام کی آیت ۱۳۰ سے آگے پڑھ لے اور پھر آپ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی۔ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْۤا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾[2]

بلاغت: قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ:...... یعنی انسانوں کو گمراہ کرنے میں تم نے افراط سے کام لیا۔ آیت میں ایجاز حذف ہے۔ اسی طرح اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ: میں بھی ایجاز حذف ہے۔ تقدیری عبارت یوں ہوگی۔ اسْتَمْتَعَ بَعْضُ الجن بِبَعْضِ الانس وبعض الجن بِبَعْضِ الانس۔ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ: مبتدا خبر معرفہ ہیں جو حصر کا فائدہ دے رہے ہیں۔ معنی ہوگا۔ بس دوزخ ہی ان کا ٹھکانا ہے۔ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ: استفہام برائے توبیخ ہے۔ وَلِكُلٍّ: یعنی لکل من العاملین محذوف کے عوض میں تنوین لائی گئی ہے۔ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ: مستقبل کا صیغہ استمرار اور تجدد پر دلالت کرتا ہے۔ اِنَّ اور لام برائے تاکید ہیں، کیوں کہ مخاطبین بعث بعد الموت کے منکر ہیں، اس لیے دو تاکیدیں لائی گئی ہیں۔ مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ: اسم جلیل کو ضمیر کی جگہ لایا گیا ہے تاکہ مشرکین کی گمراہی اور سرکشی ظاہر کر دی جائے۔

فوائد، اول فائدہ:...... الاکلیل میں سیوطی لکھتے ہیں کہ آیت کریمہ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا: کے معنی میں یہ حدیث ہے۔ کما تکونون یولّٰی علیکم۔ جیسے تم تھے کہ تمہیں ایک دوسرے پر مسلط کر دیا جاتا تھا۔ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: جب تم کسی ظالم کو دیکھو

---

[1] الکشاف ۲/ ۵۷ [2] مختصر ابن کثیر ۱/ ۶۲۴

کہ وہ کسی دوسرے ظالم سے انتقام لے رہا ہے، تو تعجب خیز بات کا انتظار کرو۔

تمام پیغمبر انسانوں میں سے مبعوث ہوئے ہیں

دوم فائدہ:......جمہور کا مذہب ہے کہ تمام پیغمبر انسانوں میں سے مبعوث ہوئے ہیں اور جنات میں سے کوئی پیغمبر نہیں ہوا۔ چنانچہ آیت کریمہ اَلَمْ یَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ: باب تغلیب میں سے ہے، جیسے: یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ: یعنی ان دونوں دریاؤں سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں۔(الرحمٰن۔ ۲۲) جب کہ موتی اور مونگے تو صرف دریائے شور سے نکلتے ہیں نہ کہ میٹھے سے۔

زمانہ جاہلیت کا ایک اہم واقعہ

سوم فائدہ:......قرطبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے اصحاب میں سے ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے سامنے غمزدہ رہتا۔ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ اس سے کہا: تم کیوں اتنے غمزدہ رہتے ہو؟ عرض کیا: اے اللہ کے رسول! جاہلیت میں مجھ سے ایک بہت بڑا گناہ سرزد ہوا ہے۔ مجھے خوف ہے کہ اللہ مجھے معاف نہیں کرے گا، اگرچہ میں نے اسلام قبول کرلیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ایسے گناہ کے متعلق مجھے خبر دو۔ عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں بھی ان لوگوں میں شامل ہوں جو اپنی بیٹیوں کو قتل کر دیتے تھے۔ چنانچہ میرے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ میری بیوی اس کے بارے میں مجھ سے سفارشیں کرتی رہتی کہ میں اسے زندہ چھوڑ دوں۔ میں نے اسے زندہ رہنے دیا، یہاں تک کہ وہ بڑی ہوگئی اور سن بلوغت کو پہنچ گئی۔ عورتوں میں سب سے خوبصورت دکھائی دیتی۔ لوگوں کی طرف سے نکاح کے پیغامات آنے لگے۔ اسی دوران میرے اندر غیرت کی لہر دوڑ گئی اور میرا دل اس بات کا متحمل نہیں تھا کہ میں اس کی کسی مرد سے شادی کراؤں اور نہ ہی جوان لڑکی کو بن بیاہے گھر میں ٹھہرا سکتا تھا۔ ایک دن میں نے اپنی بیوی سے کہا: میں اپنے قریبی رشتہ داروں[۱] سے ملاقات کرنے جا رہا ہوں، لڑکی کو میرے ساتھ بھیج دو۔ چنانچہ بیوی بہت خوش ہوئی اور اس نے لڑکی کو زیورات سے آراستہ کیا اور عمدہ کپڑے پہنائے۔ بایں ہمہ مجھ سے پختہ عہد بھی لیا کہ میں لڑکی کو کسی قسم کا گزند پہنچا کر اس سے خیانت نہ کروں گا۔ چنانچہ میں لڑکی کو لے کر ایک کنویں پر گیا۔ میں نے کنویں میں دیکھا، اتنے میں لڑکی معاملہ سمجھ گئی کہ میں اسے زندہ حالت میں کنویں میں دھکیل دینا چاہتا ہوں۔ چنانچہ لڑکی مجھ سے لپٹ گئی اور زور زور سے رونے لگی۔ مجھے اس پر رحم آ گیا، تاہم میں نے پھر کنویں میں دیکھا اور مجھ پر ایک بار پھر جاہلی غیرت کا بھوت سوار ہوگیا۔ چنانچہ میں نے لحہ بھر میں لڑکی کو اٹھایا اور اوندھے منہ کنویں میں دھکیل دیا۔ میں منڈیر پر بیٹھ گیا، یہاں تک کہ لڑکی کی آواز ختم ہوگئی اور میں گھر واپس لوٹ آیا۔ رسول اللہ ﷺ واقعہ سن کر رو دیے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی رو دیے۔ پھر فرمایا: اگر مجھے حکم دیا گیا ہوتا کہ میں جاہلیت کے کسی مجرم کو سزا دوں تو میں تجھے ضرور سزا دیتا۔[۲]

اللہ تعالیٰ کے احسانات اور مشرکین کی حجت

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ڮ وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ۭ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۲﴾ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ

[۱] واللہ ایک ہفتہ ہمت نہیں ہوسکی کہ اس واقعے کو پورا کروں، ٹھیک چھ دن ہوئے اور یہاں سے آگے واقعہ پورا کرنے کی ہمت ہوئی۔ اس کا احساس وہی لوگ کر سکتے ہیں جو صاحب اولاد ہوں۔ آج بچیوں کو کھلونے لا کر دیے، پھر یہ واقعہ مکمل کیا۔ [۲] تفسیر القرطبی ۷/ ۹۷

ءٰٓالذَّكَرَيۡنِ حَرَّمَ اَمِ الۡاُنۡثَيَيۡنِ اَمَّا اشۡتَمَلَتۡ عَلَيۡهِ اَرۡحَامُ الۡاُنۡثَيَيۡنِ ؕ نَبِّـُٔوۡنِىۡ بِعِلۡمٍ اِنۡ كُنۡتُمۡ
صٰدِقِيۡنَ ۙ﴿۱۴۳﴾ وَمِنَ الۡاِبِلِ اثۡنَيۡنِ وَمِنَ الۡبَقَرِ اثۡنَيۡنِ ؕ قُلۡ ءٰٓالذَّكَرَيۡنِ حَرَّمَ اَمِ الۡاُنۡثَيَيۡنِ اَمَّا
اشۡتَمَلَتۡ عَلَيۡهِ اَرۡحَامُ الۡاُنۡثَيَيۡنِ ؕ اَمۡ كُنۡتُمۡ شُهَدَآءَ اِذۡ وَصّٰٮكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ
افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۴۴﴾ قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِىۡ
مَاۤ اُوۡحِىَ اِلَىَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطۡعَمُهٗۤ اِلَّاۤ اَنۡ يَّكُوۡنَ مَيۡتَةً اَوۡ دَمًا مَّسۡفُوۡحًا اَوۡ لَحۡمَ خِنۡزِيۡرٍ فَاِنَّهٗ
رِجۡسٌ اَوۡ فِسۡقًا اُهِلَّ لِغَيۡرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضۡطُرَّ غَيۡرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَعَلَى
الَّذِيۡنَ هَادُوۡا حَرَّمۡنَا كُلَّ ذِىۡ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الۡبَقَرِ وَالۡغَنَمِ حَرَّمۡنَا عَلَيۡهِمۡ شُحُوۡمَهُمَاۤ اِلَّا مَا حَمَلَتۡ
ظُهُوۡرُهُمَاۤ اَوِ الۡحَـوَايَاۤ اَوۡ مَا اخۡتَلَطَ بِعَظۡمٍ ؕ ذٰلِكَ جَزَيۡنٰهُمۡ بِبَغۡيِهِمۡ ۖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوۡنَ ﴿۱۴۶﴾ فَاِنۡ
كَذَّبُوۡكَ فَقُلْ رَّبُّكُمۡ ذُوۡ رَحۡمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاۡسُهٗ عَنِ الۡقَوۡمِ الۡمُجۡرِمِيۡنَ ﴿۱۴۷﴾ سَيَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ
اَشۡرَكُوۡا لَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشۡرَكۡنَا وَلَاۤ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمۡنَا مِنۡ شَىۡءٍ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ
حَتّٰى ذَاقُوۡا بَاۡسَنَا ؕ قُلۡ هَلۡ عِنۡدَكُمۡ مِّنۡ عِلۡمٍ فَتُخۡرِجُوۡهُ لَنَا ؕ اِنۡ تَتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا
تَخۡرُصُوۡنَ ﴿۱۴۸﴾ قُلۡ فَلِلّٰهِ الۡحُجَّةُ الۡبَالِغَةُ ۚ فَلَوۡ شَآءَ لَهَدٰٮكُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۱۴۹﴾ قُلۡ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيۡنَ
يَشۡهَدُوۡنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنۡ شَهِدُوۡا فَلَا تَشۡهَدۡ مَعَهُمۡ ۚ وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا
وَالَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ وَهُمۡ بِرَبِّهِمۡ يَعۡدِلُوۡنَ ﴿۱۵۰﴾

ترجمہ: ......اور وہ وہی ہے جس نے باغیچے پیدا فرمائے جو چڑھائے جاتے ہیں چھپریوں پر، اور ایسے بھی ہیں جو چھپریوں پر نہیں چڑھائے جاتے، اور پیدا فرمائے کھجور کے درخت اور کھیتی جس میں مختلف قسم کے کھانے کی چیزیں ہیں اور پیدا فرمایا زیتوں کو اور انار کو جو ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور غیر مشابہ بھی ہیں۔ کھاؤ ان کے پھلوں سے جبکہ پھل لائیں اور کٹائی کے دن اس کا حق دے دو اور فضول خرچی نہ کرو۔ فضول خرچی کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں فرماتا ﴿۱۴۱﴾ اور اس نے چوپاؤں میں سے ایسے جانور پیدا فرمائے جو بوجھ اٹھانے والے ہیں، اور ایسے جانور بھی جو زمین سے لگے ہوئے ہیں۔ اللہ نے جو تمہیں عطا فرمایا اس میں سے کھاؤ، شیطان کے قدموں کا اتباع نہ کرو، بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ ﴿۱۴۲﴾ آٹھ طرح کے نر اور مادہ پیدا فرمائے کیا بھیڑ میں سے دو اور بکری میں سے دو، آپ فرمایئے کہ اللہ نے ان دونوں نروں کو حرام قرار دیا ہے یا دونوں مادہ کو یا اس بچہ کو جس کو دونوں مادہ پیٹ میں لیے ہوئے ہوں، تم مجھے کسی دلیل سے بتاؤ اگر سچے ہو، ﴿۱۴۳﴾ اور اونٹ میں سے دو اور گائے میں سے دو پیدا فرمائے آپ فرمایئے! کیا اللہ نے ان دونوں نروں کو حرام قرار دیا ہے یا دونوں مادہ کو یا اس بچہ کو جس کو دونوں مادہ پیٹ میں لیے ہوئے ہیں۔ کیا تم حاضر تھے جب اللہ نے تمہیں اس کی وصیت فرمائی۔ سو اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا جس نے اللہ پر جھوٹا بہتان باندھا، تاکہ بغیر علم کے لوگوں کو گمراہ کرے بے شک اللہ ظالموں کو راہ نہیں بتاتا۔ ﴿۱۴۴﴾ آپ فرما دیجیے جو کچھ میری طرف وحی بھیجی گئی میں اس میں کھانے والے پر کوئی چیز

حرام نہیں پاتا۔ سوائے اس کے کہ مردار ہو یا بہتا ہوا خون ہو یا سور کا گوشت ہو۔ کیونکہ بلاشبہ وہ ناپاک ہے یا ایسی چیز کو حرام پاتا ہوں جس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو سو جو شخص حالت اضطراری میں ہو اس حال میں کہ باغی اور حد سے آگے بڑھنے والا نہیں سو تیرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔ ﴿۱۴۵﴾ اور یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن والا جانور حرام کر دیا اور گائے اور بکری میں سے ہم نے ان پر ان دونوں کی چربیاں حرام کر دیں۔ سوائے اس کے جوان کی پشت پر یا ان کی آنتوں پر لگی ہوئی ہو یا جو ہڈی کے ساتھ مل جائے یہ ہم نے ان کی بغاوت کی وجہ سے انکو جزا دی۔ اور بے شک ہم سچے ہیں۔ ﴿۱۴۶﴾ سو اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ فرما دیں کہ تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے۔ اور اس کا عذاب مجرموں سے نہیں ٹالا جائے گا۔ ﴿۱۴۷﴾ جن لوگوں نے شرک کیا وہ عنقریب یوں کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کسی چیز کو حرام قرار دیتے، اسی طرح جھٹلایا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے یہاں تک کہ انہوں نے ہمارا عذاب چکھ لیا۔ آپ فرما دیجیے کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے۔ سو تم اسے ہمارے سامنے ظاہر کرو۔ تم صرف گمان کے پیچھے چلتے ہو اور صرف اٹکل سے باتیں کرتے ہو۔ ﴿۱۴۸﴾ آپ فرما دیجیے کہ اللہ ہی کے لیے ہے حجت بالغہ۔ سو اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔ ﴿۱۴۹﴾ آپ فرما دیجیے کہ لے آؤ اپنے گواہوں کو جو اس بات کی گواہی دیتے ہوں کہ بے شک اللہ نے ان چیزوں کو حرام قرار دیا۔ سو اگر وہ گواہی دیں تو آپ ان کے ساتھ گواہی نہ دیں، اور آپ ان لوگوں کی خواہش کا اتباع نہ کریں جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور دوسروں کو اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں۔ ﴿۱۵۰﴾

ماقبل سے ربط ومناسبت:...... قبل ازیں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے بارے میں یہ خبر دی کہ انہوں نے اللہ کی عطا کردہ اشیا کو اپنی طرف سے حرام قرار دیا ہے اور ساتھ ان کے کچھ قبیح اور غلط عقائد بھی ذکر کیے۔ اب یہاں اللہ تعالیٰ نے اس بات کا احسان ذکر کیا ہے کہ اللہ نے انہیں رزق عطا کیا ہے، جس میں وہ اللہ کے حکم کے بغیر ہی اپنی طرف سے تصرف کرتے ہیں۔ اس کے بعد مشرکین کے شرک پر غلط حجت بازی اور قضا وقدر پر ان کے عدم ایمان کا ذکر ہے۔ یہ بھی مشرکین کے من جملہ بہتان، افترا اور جھوٹ میں سے ہے۔

لغات: مَّعْرُوْشٰتٍ:...... بیل دار درخت جو لکڑ کے سہارے بلند کیے جاتے ہیں۔ حَصَادِہٖ: کٹائی۔ حَمُوْلَةً: اونٹ جو اپنی پیٹھ پر بوجھ اٹھاتے ہیں۔ فَرْشًا: الفرش چھوٹے بچھیرے اور بچھڑے جو بوجھ نہیں اٹھا سکتے۔ زجاج کہتے ہیں: الفرش سے مراد چھوٹے اونٹ ہوتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے:

اورثنی حمولة وفرشا　　امشها فی کل یوم مشا

ترجمہ:...... ”مجھے بوجھ اٹھانے والے اونٹ اور بچھیرے جو بوجھ نہیں اٹھا سکتے، میرے ممدوح نے مجھے عطا کیے ہیں۔ ہر دن انہیں دوہتا ہوں۔“

الحوایا:...... سمٹی ہوئی آنتیں، آنت کی چربی اور مینگنی کرنے کے اعضا، واحد حَاوِيَةٌ اور حَوِيَّةٌ ہے۔ آنتوں کو حوایا اس لیے کہا جاتا ہے کیوں کہ پیٹ آنتوں پر حاوی یعنی محیط ہوتا ہے۔ هَلُمَّ: لے آؤ۔ يَعْدِلُوْنَ: وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔

پھلوں اور باغات کے ذریعے مخلوق پر احسان

تفسیر: وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ:...... وہی اللہ کی ذات ہے، جس نے تمہیں انواع واقسام کے چوپائے عطا کر کے تمہارے اوپر احسان وانعام کیا تاکہ تم صرف اسی کی عبادت کرو، چنانچہ اللہ ہی نے تمہارے لیے انگور کے باغات پیدا کیے۔ ان میں سے کچھ بیل دار ہیں جو لکڑیوں کے سہارے اوپر چڑھائے جاتے ہیں اور کچھ بغیر سہاروں کے بلند ہوتے ہیں۔ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ: اور تمہارے لیے کھجوروں کے پھل دار درخت پیدا کیے جن کے پھل میں تمہارے لیے پھل والی لذت بھی ہے اور غذا و خوراک بھی، انواع واقسام کا اناج پیدا کیا جن سے تمہیں خوراک حاصل ہوتی ہے جب کہ رنگ ولذت میں ہر اناج کے دانے دوسرے اناج کے دانوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ نیز ان کا حجم اور بو بھی مختلف ہوتی ہے۔ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ: زیتون اور انار کے درخت پیدا کیے، جن کا پھل رنگ اور شکل میں ملتا جلتا ہے جب کہ ذائقہ میں مختلف۔ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ: اے لوگو! جن پھل دار درختوں کا اوپر ذکر ہوا جب ان کا پھل کھانے کے قابل ہو جائے

تو کھاؤ۔ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ: کٹائی اور توڑائی کے دن ان درختوں کے پھلوں میں سے فقرا اور مساکین کو بھی کچھ دے دو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: جس دن اناج اور پھلوں کو ناپا تولا جا رہا ہو اس دن فرض زکوۃ دو۔[1] وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ: یعنی کھانے میں اسراف مت کرو، کیوں کہ اس میں بدن اور عقل کا نقصان ہوتا ہے۔ طبری کہتے ہیں: آیت میں ہر چیز کے اسراف سے منع کیا گیا ہے۔[2] وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا: اور تمہارے لیے چوپائے پیدا کیے، جن میں سے کچھ پر تم بوجھ لادتے ہو اور کچھ کو ذبح کرنے کے لیے زمین پر لٹاتے ہو۔ ابن اسلم کہتے ہیں: حَمُوْلَةً سے مراد وہ چوپائے جن پر تم سوار ہوتے ہو اور فَرْشٌ سے مراد وہ جانور جن کا تم گوشت کھاتے ہو۔ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ: پھل، اناج اور چوپایوں کا گوشت کھاؤ۔ یہ سب چیزیں اللہ نے تمہیں بطور رزق عطا فرمائی ہیں۔ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ: تحلیل وتحریم میں شیطان کے راستے پر مت چلو، جیسے اہل جاہلیت چلتے تھے۔ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ: بلاشبہ شیطان انسان کا کھلم کھلا دشمن ہے، لہٰذا اس کی مکاریوں سے ہوشیار رہو۔

حلال وحرام جانور

ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَیْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَیْنِ:...... اللہ نے تمہارے لیے آٹھ اقسام کے چوپایوں کا گوشت حلال کیا ہے جو یہ ہیں: بھیڑ نر و مادہ، بکری نر و مادہ، قرطبی کہتے ہیں: یعنی آٹھ افراد چوپایوں کے حلال کیے، عرب کے نزدیک ہر فرد دوسرے جوڑے کا محتاج ہوتا ہے۔ چنانچہ مقولہ ہے کہ نر کا بھی جوڑا ہوتا ہے اور مادہ کا بھی جوڑا۔ زوجین سے دنبہ اور بھیڑ مراد ہے۔ "المعز" سے بکرا اور بکری[3] قُلْ ءٰٓالذَّكَرَیْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَیَیْنِ: مشرکین اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو جو حرام قرار دیتے تھے اس پر انکار ہے یعنی اے محمد! مشرکین سے کہہ دیجیے کہ اے مشرکین کیا بھیڑ اور بکری کی جنسوں سے دونروں کو حرام کیا ہے یا دو ماداؤں کو؟ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَیْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَیَیْنِ: دونوں جنسوں کی مادہ کے پیٹ میں جو حمل موجود ہوتا ہے اللہ نے اسے حرام کیا ہے، خواہ نر ہو یا مادہ؟ نَبِّـُٔوْنِیْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ: آیت میں توبیخ ہے۔ یعنی علم کی روشنی میں مجھے آگاہ کرو۔ افترا پردازی سے کام نہ لو، اگر تم سچے ہو تو اللہ کی طرف جو تحریم منسوب کرتے ہو اس کی کیا حقیقت ہے؟

وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَیْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَیْنِ:...... اور تمہارے لیے اونٹوں کی بھی دو صنفیں پیدا کیں۔ اونٹ اور اونٹنی اور گائے کی جنس سے بھی دو صنفیں پیدا کیں، نر اور مادہ۔ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَیْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَیَیْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَیْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَیَیْنِ: یہاں پھر یہ جملہ دہرایا گیا ہے، اس سے مقصد توبیخ اور ڈانٹ میں مبالغہ پیدا کرنا ہے۔ ابو سعود کہتے ہیں: اس امر پر انکار وارد کرنا مقصود ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مشرکین پر چار انواع میں سے کسی چوپائے کو حرام کیا ہے، نیز مشرکین کے جھوٹ کو طشت از بام بھی کرنا مقصود ہے۔ چنانچہ مشرکین بسا اوقات نر چوپائے کو حرام قرار دیتے اور بسا اوقات مادہ کو اور کبھی نر و مادہ کی اولاد کو حرام قرار دیتے۔[4] اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا: اس سے توبیخ میں اور زیادہ اضافہ ظاہر کیا گیا ہے۔ یعنی کیا تم اس وقت حاضر تھے جب اللہ نے تمہیں اس تحریم کا حکم دیا؟ اس کا تعلق باب تہکم سے ہے۔ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا لِّیُضِلَّ النَّاسَ بِغَیْرِ عِلْمٍ: یعنی اس شخص سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں جو اللہ پر جھوٹ بولے اور اللہ کی طرف ایسی چیز کی تحریم کی نسبت کرے جو اللہ نے حرام نہیں کی اور وہ ایسا بلا دلیل اور بغیر علم کے کرتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ: آیت میں ہر ظالم کے لیے عموم ہے۔

مردار اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے جانوروں کی حرمت

اس کے بعد اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ مشرکین کو اللہ کے حرام کردہ جانور بتائیں۔ چنانچہ ارشاد ہے: قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِیْ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ: اے محمد! کفار مکہ سے کہہ دیجیے کہ اللہ نے میری طرف جو وحی بھیجی ہے، اس میں اللہ نے کسی انسان پر کوئی چیز حرام نہیں کی، ہاں البتہ کھانے کی چیز مردار ہو یا بہتا ہوا خون ہو یا سور کا گوشت ہو تو وہ گندگی اور نجاست ہے۔ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ: یا کوئی جانور فسق و فجور کی بھینٹ چڑھا دیا گیا ہو، یعنی اسے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، جیسے

---

[1] القرطبی ۷/ ۱۱۳ [2] الطبری ۱۲/ ۱۷۶ [3] القرطبی ۷/ ۱۱۳ [4] ابو السعود ۲/ ۱۴۲

مثلاً بتوں پر ذبح کیا گیا۔ غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے گئے جانور کو فسق کہا گیا ہے۔ ایسا مبالغہ کے طور پر ہے۔ گویا غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرنا بعینہ فسق ہے۔ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ: جس شخص کو شدید ضرورت درپیش ہو اور وہ حرام کردہ اشیا میں سے کسی کے کھانے پر مجبور ہو اور حالت اضطرار کو پہنچ جائے تو وہ ضرورت پوری کرنے کے لیے کھا سکتا ہے، بشرطیکہ وہ لذت حاصل کرنے کی غرض سے نہ کھائے اور قدر ضرورت سے تجاوز نہ کرتا ہو۔ قدر ضرورت سے مراد اتنی مقدار میں حرام چیز کھانا جس سے جان بچ جائے تو اللہ اپنے بندوں کو بخشنے والا ہے۔

یہود پر احکام میں سختی کی وجہ

اس کے بعد اللہ نے یہ بات بیان کی ہے کہ یہود پر کچھ چیزیں ان کی معیت کی وجہ سے حرام کی گئی تھیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا: وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ: بالخصوص یہودیوں پر ہم نے ناخن والے جانور حرام کیے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: کھروں والے جانور حرام کیے گئے تھے، جیسے اونٹ اور شتر مرغ اور وہ پرندے جن کی انگلیوں میں خلا نہیں ہوتا، جیسے بطخ اور مرغابی۔[1] وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا: اور ہم نے یہود پر گائے کی چربی اور بکری کی چربی کا کھانا بھی حرام کیا۔ إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا: ہاں البتہ وہ چربی جو گائے اور بکری کی پیٹھ پر چڑھی ہوتی وہ حلال تھی۔ أَوِ الْحَوَايَا: یا جو چربی آنتوں پر ہوتی۔ أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ: یا جو چربی ہڈی پر چڑھی ہوتی، جیسے چکی کی چربی۔ معنی ہے کہ البتہ وہ چربی جو پیٹھ پر چڑھی ہوتی یا آنتوں پر چڑھی ہوتی یا ہڈی پر ہوتی وہ ان کے لیے حلال تھی۔ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِبَغْيِهِمْ ۖ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ: یہود پر یہ چیزیں ان کے ظلم سے تجاوز کرنے، انبیا کو قتل کرنے، سود کھانے اور باطل طریقے سے لوگوں کے اموال کو اپنے لیے حلال سمجھنے کی وجہ سے حرام کی گئیں۔ اے محمد! جو احوال ہم نے بیان کیے ہیں، ان کو بیان کرنے میں ہم سچے ہیں۔ آیت میں جھوٹ بولنے پر تعریض ہے اور یہود کے جھوٹ کو ظاہر کیا گیا ہے۔ فَإِن كَذَّبُوكَ فَقُل رَّبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ: اے محمد! اگر ان یہود نے تمہاری لائی ہوئی تعلیمات یعنی بیان تحریم کو جھٹلایا ہے تو ان کے حال پر تعجب کرتے ہوئے کہو کہ تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے، کیوں کہ تمہارے سنگین جرم کے باوجود تمہیں سزا نہیں دی۔ بحر میں ہے: یہ ایسا ہی ہے جیسے تم کسی بڑی معصیت کو دیکھ کر کہو: اللہ کتنا بردبار ہے، تمہاری مراد نافرمان کو مہلت دینا ہو۔[2]

رحمت واسعہ کے بعد وعید شدید کا ذکر ہے۔ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ: اللہ کی وسیع رحمت سے کہیں دھوکا نہ کھا جاؤ، کیوں کہ اس کی وسعت رحمت اس کے عذاب، قہر اور سطوت کو مجرمین سے روک نہیں سکتی۔ اللہ رحمت والا ہونے کے ساتھ ساتھ سخت سزا بھی دینے والا ہے۔ آیت میں ترغیب و ترہیب کا پہلو نمایاں ہے تا کہ گناہگار رب تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو اور نافرمان اللہ کی بردباری سے دھوکا بھی نہ کھائے۔

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِن شَيْءٍ .... مشرکین عرب کہیں گے اگر اللہ چاہتا ہم کفر نہ کرتے اور شرک کے مرتکب نہ ہوتے اور نہ ہی ہمارے آبا ؤ اجداد ایسے ہوتے۔ مشرکین کا خیال ہے کہ شرک اور تحریم حلال اللہ کی مشیت سے ہے۔ اگر اللہ چاہتا کہ وہ ایسا نہ کریں تو ایسا نہ کرتے۔ چنانچہ مشرکین شرک و تحریم حلال پر اللہ کے ارادہ و مشیت سے حجت پکڑتے تھے، جیسے معصیت میں گرفتار شخص کو کہا جائے کہ معصیت سے توبہ کرو۔ وہ کہے: یہ تو اللہ کی تقدیر سے ہے۔ اس سے فرار ممکن نہیں۔ مشرکین کی حجت فضول ہے۔ کیوں کہ مشرکین فعل خیر کے مامور ہیں اور ترک قبیح کے مامور ہیں، لیکن اس طرح کا خیال عقیدۂ جبریہ کی پیداوار ہے جسے سفہا حجت مانتے ہیں۔ اللہ نے ان پر رد کرتے ہوئے فرمایا: كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا: اسی طرح جو امتیں پہلے گزری ہیں ان میں بھی جھٹلانے کا طرز عمل رہا ہے یہاں تک کہ ہم نے ان پر عذاب نازل کیا۔ قُلْ هَلْ عِندَكُم مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا: استفہام انکاری ہے، جس سے تہکم کا قصد کیا گیا ہے۔ یعنی مشرکین سے کہہ دیجیے: کیا تمہارے پاس تمہاری بات کی سچائی پر کوئی حجت، کوئی دلیل ہے، تو اُسے ظاہر کرو۔ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ: تم اس بارے میں ظن و وہم کے پیچھے چلتے ہو اور حقیقت میں اللہ پر جھوٹ بولتے ہو۔ قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۖ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ: تم مشرکین سے کہہ دو کہ اگر تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں تو اللہ کے پاس کھلی اور واضح دلیل موجود ہے جو نمایاں ہونے میں انتہا درجے کو پہنچی ہوئی ہے

[1] البحر المحیط ۴/ ۲۴۳ [2] البحر المحیط ۴/ ۲۴۶

اگر اللہ چاہتا تم سب کو ایمان کی ہدایت سے سرفراز کرتا، لیکن اللہ نے مخلوق کو کفر و ایمان کا اختیار دیا ہے تاکہ امر تکلیف تمام ہو جائے۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ

''کہہ دیجیے حق تمہارے رب کی طرف سے ہے، جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔'' (سورۃ الکہف، آیت ۲۹)

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا: ......اے محمد! مشرکین سے کہہ دیجیے: ایسے شخص کو حاضر کرو جو تمہارے حق میں گواہی دے کہ تم اپنے اس خیال میں سچے ہو کہ اللہ نے بحیرہ، سائبہ وغیرھا کو حرام قرار دیا ہے۔ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ: اگر وہ حاضر ہوں اور اپنی گواہی میں جھوٹ بولیں تو ان جیسی گواہی مت دو اور نہ ہی ان کی تصدیق کرو، کیوں کہ یہ محض جھوٹ اور فریب ہے۔ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ: اللہ کی نشانیاں جھٹلانے والوں کی خواہشات کے پیچھے مت چلو۔ یہ لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے۔ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ: یہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں اور بتوں کی عبادت کرتے ہیں۔

بلاغت: ......حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا: دونوں لفظوں کے درمیان طباق ہے۔ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ: میں لطیف استعارہ ہے اور بڑے بلیغ طریقے سے اتباع شیطان سے منع کیا گیا ہے۔ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ: مبالغہ کے صیغے ہیں، یعنی بہت زیادہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا۔ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ: پہلا جملہ اسمیہ ہے جو اخبار میں جملہ فعلیہ سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے، لہٰذا یہ جملہ رب تعالیٰ کے وصف رحمت کے مناسب ہے اور دوسرا جملہ فعلیہ ہے تاکہ دونوں وصفوں کی جو خبر دی جارہی ہے اس میں جملے یکساں نہ ہو جائیں جبکہ باب رحمت، بہت وسیع ہے۔[1]

فائدہ: ......ارشاد باری تعالیٰ قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا: میں اس امر کی وضاحت ہے کہ تحریم کا علم وحی کے ذریعے ہوتا ہے نہ کہ ہوائے نفس سے اور یہ کہ اللہ احکام کا شارع ہے اور رسول اللہ کے احکام کی تبلیغ کرتا ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (سورۃ النجم، آیت ۳، ۴)

اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیا اور دس وصیتیں

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۱۵۱ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۱۵۲ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝۱۵۳ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۵۴ ع وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۱۵۵ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۠ وَاِنْ كُنَّا عَنْ

[1] البحر المحیط ۴/۲۴۶

دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۗ سَنَجْزِى الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِىَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِىَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ۗ يَوْمَ يَاْتِىْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِىْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ۗ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِىْ شَىْءٍ ۗ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ قُلْ اِنَّنِىْ هَدٰىنِىْ رَبِّىْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِىْ وَنُسُكِىْ وَمَحْيَاىَ وَمَمَاتِىْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِىْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَىْءٍ ۗ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِىْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۗ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۵﴾

ترجمہ: ...... آپ فرما دیجیے کہ آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر بتاؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں، یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ ٹھہراؤ اور اپنے والدین کے ساتھ احسان کرو، اور اپنی اولاد کو تنگ دستی کے ڈر سے قتل نہ کرو ہم تم کو رزق دیں گے اور ان کو بھی، اور مت قریب جاؤ بے حیائی کے کاموں کے جو ان میں سے ظاہر ہیں اور جو پوشیدہ ہیں اور مت قتل کرو اس جان کو جسے اللہ نے حرام قرار دیا مگر حق کے ساتھ۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن کا اللہ نے تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔ ﴿۱۵۱﴾ اور مت قریب جاؤ یتیم کے مال کے مگر اسی طریقے سے جو اچھا ہو۔ یہاں تک کہ وہ سن بلوغ کو پہنچ جائے۔ ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو، ہم کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ عمل کرنے کا حکم نہیں دیتے۔ اور جب تم بات کرو تو انصاف کرو اگرچہ وہ تمہارا اقرابت دار ہی ہو اور اللہ کے عہد کو پورا کرو، یہ وہ چیزیں ہیں جن کا اللہ نے تمہیں تاکیدی حکم دیا تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ ﴿۱۵۲﴾ اور بلاشبہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے سو تم اس کا اتباع کرو۔ اور مت اتباع کرو دوسرے راستوں کا سو وہ راستے تمہیں اللہ کے راستے سے ہٹا دیں گے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن کا تمہیں تاکیدی حکم دیا تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔ ﴿۱۵۳﴾ پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی جس سے اچھے عمل کرنے والوں پر نعمت پوری ہوگئی۔ اور جس میں ہر چیز کا تفصیلی بیان ہے اور جو ہدایت ہے اور رحمت ہے تاکہ وہ اپنے رب کی ملاقات کا یقین کریں۔ اور یہ کتاب ہم نے نازل کی جو بابرکت ہے سو اس کا اتباع کرو اور ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحمت ہو۔ ﴿۱۵۵﴾ اس واسطے کہ کبھی تم کہنے لگو کہ کتاب جو اتری تھی سو انہیں دو فرقوں پر جو ہم سے پہلے تھے اور ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے غافل تھے ﴿۱۵۶﴾ یا تم یوں کہنے لگتے کہ اگر ہم پر کتاب اتاری جاتی تو ہم ان لوگوں سے بڑھ کر زیادہ ہدایت پر چلنے والے ہوتے۔ سو تمہارے رب کی طرف سے دلیل اور ہدایت اور رحمت آ گئی ہے سو اس سے

زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ کی آیات کو جھٹلائے اور ان سے روکے ہم عنقریب ان کو بڑے عذاب کی سزا دیں گے جو ہماری آیات سے روکتے ہیں اس سبب سے کہ وہ روکا کرتے تھے۔(۱۵۷) یہ لوگ بس اس بات کا انتظار کرتے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آجائیں یا آپ کا رب آجائے یا آپ کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی آجائے جس دن آپکے رب کی نشانیوں میں سے ایک نشانی آجائے گی۔تو کسی شخص کو اس کا ایمان نفع نہیں دے گا جو پہلے سے ایمان نہیں لایا تھا یا جس نے اپنے ایمان میں کوئی نیک عمل نہ کیا ہو آپ فرما دیجیے کہ تم انتظار کرو۔ہم انتظار کر رہے ہیں۔(۱۵۸) بے شک جن لوگوں نے اپنے دین میں تفریق کر دی اور گروہ گروہ بن گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں،بس ان کا معاملہ اللہ ہی کے حوالے ہے۔پھر ان کے وہ کام ان کو جتا دے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔(۱۵۹) جو شخص نیک کام کرے سو اسے اس جیسے دس حصے ملیں گے اور جو شخص برائی کا کام کرے تو اسے صرف اس کے برابر ہی سزا ملے گی۔اور ان لوگوں پر ظلم نہ ہوگا۔(۱۶۰) آپ فرما دیجیے کہ بلاشبہ میرے رب نے مجھے سیدھے راستہ کی ہدایت دی ہے یہ مستحکم دین ہے جو ابراہیم کی ملت ہے جو حق کی راہ اختیار کرنے والا تھا اور شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا۔(۱۶۱) آپ فرما دیجیے کہ بلاشبہ میری نماز اور میری سب عبادتیں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ ہی کے لیے ہے۔(۱۶۲) اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں ماننے والوں میں سب سے پہلا فرماں بردار ہوں۔(۱۶۳) آپ فرما دیجیے! کیا میں اللہ کے علاوہ کوئی رب تلاش کروں حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے،اور جو بھی کوئی شخص کوئی گناہ کرے اس کا وبال اسی پر ہے اور نہ اٹھائے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ،پھر تم سب کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے سو وہ تمہیں وہ چیزیں جتا دیگا جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔(۱۶۴) اور اللہ وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا اور درجات کے اعتبار سے تم میں ایک کو دوسرے پر فوقیت دی تا کہ وہ تمہیں ان چیزوں کے بارے میں آزمائے جو تم کو عطا فرمائیں،بے شک آپ کا رب جلد سزا دینے والا ہے اور بلاشبہ وہ ضرور بخشنے والا مہربان ہے۔(۱۶۵)

ربط وتعارف: ......قبل ازیں کفار کی اپنی طرف سے حرام کردہ چیزوں کا ذکر ہوا اور اللہ تعالیٰ کی مباح کردہ چیزوں اناج،پھل اور جانور کا ذکر ہوا اب یہاں ان امور کا ذکر کیا جا رہا ہے جو حقیقت میں اللہ نے ان پر حرام کیے ہیں۔ان کے بعد دس وصیتوں کا ذکر ہے،جن پر آسمانی شرائع کا اتفاق ہے اور انہی کو قائم رکھنے میں بشری سعادت ہے۔

لغات: اَتْلُ: ......میں پڑھتا ہوں،بیان کرتا ہوں۔اِمْلَاقٍ: فقر وفاقہ،مقولہ ہے۔املق الرجل یعنی فلاں شخص فقیر ہوگیا۔اَشُدَّهٗ: قوت کا حاصل ہونا،نکاح اور سمجھداری کی حد کو پہنچ جانا۔الاشد جمع ہے اس کا واحد نہیں۔بِالْقِسْطِ: عدل جس میں کمی وزیادتی نہ ہو۔السُّبُلَ: سَبِيْلٌ کی جمع ہے بمعنی راستہ۔شِيَعًا: شِيْعَةٌ کی جمع ہے بمعنی فرقے،گروہ۔قِيَمًا: سیدھا جس میں کجی نہ ہو۔نُسُكِیْ: اَلنُّسُكُ جمع ہے نسيكةٌ کی بمعنی ذبیحہ،زجاج کہتے ہیں:یعنی میری عبادت،اسی سے الناسك ہے،عبادت کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرنا۔[1]

شرک کی ممانعت اور والدین کے ساتھ حسن سلوک

تفسیر: قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ: ......اے محمد! کہہ دیجیے: آؤ میں تمہیں پڑھ کر سناتا ہوں وہ امور جو تمہارے رب نے بالیقین تمہارے اوپر حرام کیے ہیں۔اس میں کوئی ظن اور تخمینہ نہیں۔اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا: یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کی عبادت نہ کرو۔وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا: اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔محرمات کے ضمن میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کو ذکر کیا جا رہا ہے کیوں کہ جب کسی چیز کا حکم دیا جا رہا ہو تو گویا اس کی ضد سے منع کیا جا رہا ہوتا ہے،یعنی والدین کے ساتھ بدسلوکی نہ کرو۔ابوسعود کہتے ہیں:اس میں راز یہی ہے کہ بدسلوکی کا ترک کرنا والدین کے حقوق ادا کرنے میں کافی نہیں۔[2]

فقر وفاقہ کے خوف سے قتل اولاد کی ممانعت

وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ: ......اپنی اولاد کو فقر وفاقہ کے خوف کی وجہ سے قتل مت کرو،ابن جوزی رحمہ اللہ کہتے ہیں:اس سے مراد فقر کے

---

[1] تفسیر القرطبی ۷/ ۱۵۲ [2] ابوالسعود ۲/ ۱۴۶

خوف سے بچیوں کو زندہ در گور کرنا ہے۔ نَحۡنُ نَرۡزُقُكُمۡ وَاِيَّاهُمۡ: یعنی تمہارا رزق اور ان کا رزق ہمارے ذمے واجب ہے۔ چنانچہ اللہ ہی بندوں کو رزق عطا کرنے والا ہے۔

فواحش اور قتل کی ممانعت

وَلَا تَقۡرَبُوا الۡفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنۡهَا وَمَا بَطَنَ:...... کبائر کے قریب بھی مت پھٹکو، خواہ وہ گناہ ظاہری ہوں یا پوشیدہ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: جاہلیت میں مشرکین پوشیدہ زنا کے ارتکاب میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے جب کہ ظاہری احوال میں زنا کو قبیح سمجھتے تھے۔ اللہ نے زنا کو کلی طور پر حرام قرار دیا، خواہ ظاہری اور اعلانیہ ہو یا پوشیدہ۔[1] وَلَا تَقۡتُلُوا النَّفۡسَ الَّتِيۡ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالۡحَقِّ: بے گناہ جان جس کے قتل کو اللہ نے حرام قرار دیا ہو کو قتل نہ کرو، ہاں البتہ کسی موجب اور حق کی وجہ سے کوئی جان قتل کی جائے، اس کی تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے ہوتی ہے۔ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں، الا یہ کہ تین صورتوں میں سے کوئی ایک صورت درپیش ہو۔ شادی شدہ شخص زنا کر بیٹھے۔ جان کے بدلے میں جان اور جو شخص دین (اسلام) کو چھوڑ دے اور جماعت سے الگ ہو جائے۔ ذٰلِكُمۡ وَصّٰىكُمۡ بِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ: مذکورہ امور کی اللہ نے تمہیں وصیت کی ہے کہ ان کی حفاظت کرو اور اللہ نے تمہیں مؤکد امر کی تاکید کی ہے تاکہ تم اپنی عقول کے ذریعے رشد و ہدیت حاصل کرو، تاکہ تمہیں دین و دنیا کا نفع ہو۔ ابوحیان کہتے ہیں: وَصّٰىكُمۡ کے لفظ سے لطف و رافت مترشح ہوتی ہے اور یہ بھی اللہ کا ایک احسان ہے۔[2]

مال یتیم کی حفاظت اور پیمانہ عدل وانصاف قائم کرنے کا حکم

وَلَا تَقۡرَبُوۡا مَالَ الۡيَتِيۡمِ اِلَّا بِالَّتِيۡ هِيَ اَحۡسَنُ حَتّٰى يَبۡلُغَ اَشُدَّهٗ:...... کسی حال میں بھی یتیم کے مال کے قریب مت جاؤ، ہاں البتہ ایسی صورت میں کہ جس کا یتیم کو نفع ہو، یہاں تک کہ یتیم بالغ ہو جائے اور سمجھدار ہو جائے۔ قرب کے متعلق جو نہی وارد ہوئی ہے یہ تصرف کی مختلف صورتوں کو شامل ہے، کیوں کہ جب یتیم کے مال کے قریب جانے سے بھی منع کیا گیا تو یتیم کا مال کھانے سے بطریق اولیٰ منع کیا گیا ہے اور اس کے مال کو سرمایہ کاری پر لگانا امر مستحسن ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: استثنائی صورت یہ ہے کہ یتیم کا سرپرست خیر خواہی سے یتیم کا کوئی کام کرے تو قاعدہ اور دستور کے مطابق اس کا مال کھا سکتا ہے۔ وَاَوۡفُوا الۡكَيۡلَ وَالۡمِيۡزَانَ بِالۡقِسۡطِ: پیمانہ عدل وانصاف سے قائم کرو، خواہ کچھ لینا ہو یا دینا ہو۔ لَا نُكَلِّفُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا: ہم نے ہر انسان کو اتنا ہی مکلف بنایا ہے جتنی اس میں طاقت ہے۔ انسان پر اتنا بوجھ نہیں ڈالا جو اسے عاجز کر دے۔ بیضاوی کہتے ہیں: یعنی انسان پر اتنی ہی ذمے داری ڈالی ہے، جس کی اس میں وسعت ہے اور جو اس پر گراں نہ ہو، پیمانے کے ناپ تول کے بعد انسان کو بقدر وسعت مکلف بنانے کا ذکر کیا گیا ہے، کیوں کہ حق کو پورا پورا ادا کرنا نفس پر گراں گزرتا ہے، لہٰذا انسان پر بس اتنا ہی ہے جو اس کی طاقت میں ہو اور جو انسانی طاقت سے باہر ہو وہ معاف ہے۔[3]

شہادت و گواہی میں عدل وانصاف کا حکم

وَاِذَا قُلۡتُمۡ فَاعۡدِلُوۡا وَلَوۡ كَانَ ذَا قُرۡبٰى:...... فیصلہ کرنے اور گواہی دینے میں عدل وانصاف سے کام لو، اگرچہ وہ شخص جس کے خلاف تم گواہی دے رہے ہو، وہ تمہارا اقریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ وَبِعَهۡدِ اللّٰهِ اَوۡفُوۡا: یعنی جب تم کسی سے عہد کرو تو اسے پورا کرو۔ قرطبی کہتے ہیں: اس آیت کے حکم میں اللہ کا ہر طرح کا عہد شامل ہے جو اس نے اپنے بندوں سے کر رکھا ہے۔ آیت کے مضمون میں یہ بھی احتمال ہے کہ یہ حکم لوگوں کے درمیان ہونے والے وعدوں کو بھی شامل ہو۔ اس صورت میں عہد کی نسبت جو اللہ کی طرف کی گئی ہے، وہ اس لیے کہ وعدہ پورا کرنے میں اہتمام زائد کیا جائے۔[4] ذٰلِكُمۡ وَصّٰىكُمۡ بِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ: ان باتوں کی اللہ نے تمہیں تاکید کی ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

---

[1] الطبری ۱۲/ ۲۱۹ [2] البحر ۴/ ۲۵۲ [3] البیضاوی، ص ۱۸۴ [4] القرطبی ۷/ ۱۳۷

صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایت

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ:.....اور یہی میرا سیدھا راستہ اور دین مستقیم ہے، جسے میں نے تمہارے لیے مشروع کیا ہے۔ اس راستے کو مضبوطی سے پکڑے رکھو اور مختلف ادیان اور ٹیڑھے راستوں پر مت چلو ورنہ وہ راستے تمہیں اللہ کے راستے سے ہٹا دیں گے اور ہدایت سے دور کردیں گے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے ہمیں سمجھانے کے لیے خط کھینچا، پھر فرمایا: یہ اللہ کا راستہ ہے، پھر اس خط کے دائیں اور بائیں مختلف خطوط کھینچے اور فرمایا: اس راستے کے ہر راستے پر شیطان ہے، جو اس راستے کی طرف دعوت دیتا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی۔ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ [1] ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ: تاکید کے طور پر وصیت کو مکرر لایا گیا ہے، یعنی تاکہ تم اللہ کے اوامر بجا لاکر اور نواہی سے بچ کر دوزخ سے ڈرو۔ ابن عطیہ کہتے ہیں: پہلی قسم کے محرمات میں کوئی عقلمند نہیں پڑتا تو اس کے لیے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ: کی عبارت آئی اور دوسری قسم کے محرمات از قسم شہوات ہیں اور ان میں بسا اوقات ایسا شخص پڑ جاتا ہے جسے نصیحت نہ کی گئی ہو۔ اس کے لیے لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ: کی عبارت لائی گئی، جبکہ سیدھی راہ اور جادۂ مستقیمہ مختلف فضائل کو متضمن ہوتی ہے۔ اس کے لیے تقویٰ کی ضرورت ہے۔ اس کے مناسب لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ: کی عبارت لائی گئی۔ [2]

ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِیْۤ اَحْسَنَ:.....ہم نے موسیٰ کو تورات عطا کی تاکہ نیکوکار پر اللہ کی نعمت اور کرامت تمام ہوجائے۔ طبری کہتے ہیں: یعنی! موسیٰ کو ہم نے کتاب عطا کی تاکہ ہمارا حکم بجالائے اور ممنوع سے بچ کر رہنے میں ہی اس پر ہماری نعمت تمام ہوجائے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کو کتاب کامل جاننا اللہ کی بڑی نعمت اور احسان ہے۔ [3] وَتَفْصِیْلًا لِّكُلِّ شَیْءٍ: اور دینی اعتبار سے بنی اسرائیل کو جس چیز کی ضرورت تھی اس کا کتاب میں مفصل بیان تھا۔ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ:.....اور یہ کتاب بنی اسرائیل کے لیے باعث ہدایت ورحمت تھی تاکہ وہ اللہ کی ملاقات کی تصدیق کریں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: تاکہ دوبارہ زندہ کیے جانے پر ایمان لائیں اور ثواب وعذاب کی تصدیق کریں۔ [4]

قرآن کریم کی اتباع کا حکم

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ:.....اور یہ قرآن جو ہم نے محمد پر نازل کیا ہے۔ عظیم الشان کتاب ہے اس کے منافع کثیر ہیں اور یہ کتاب مختلف دینی و دنیوی فوائد پر مشتمل ہے۔ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ: اس کتاب کو پکڑے رہو اور اسے اپنا پیشوا اور رہبر بنا کر رکھو۔ اس کی مخالفت کرنے سے ڈرو تاکہ تم رحمت کے امیدوار بن سکو۔ اَنْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآىٕفَتَیْنِ مِنْ قَبْلِنَا: ہم نے اس عظیم وصف کی حامل اور جامع خیرات کتاب کو اس لیے نازل کیا تاکہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی کتاب نہیں بھیجی گئی جس کی ہم پیروی کرتے۔ مقدس کتابیں تو صرف یہود و نصاریٰ پر نازل کی گئی ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل کرکے کفار پر حجت تمام کردی۔ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِیْنَ: حال یہ تھا کہ ہم ان کی کتابوں میں لکھی تعلیمات اور انہیں پڑھنے سے غافل رہے اور ہمیں علم ہی نہیں تھا کہ ان میں کیا لکھا ہے کیوں کہ وہ کتابیں ہماری زبان میں نہیں تھیں۔ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّاۤ اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّاۤ اَهْدٰى مِنْهُمْ: یا تم یہ نہ کہہ سکو کہ اگر ہمارے اوپر اسی طرح کتاب نازل کی جاتی، جیسے ان دو گروہوں پر کتابیں نازل کی گئی ہیں تو ہم ان سے کہیں زیادہ ہدایت پر ہوتے اور قبول حق میں ان پر سبقت لے جاتے اور رسول کی بات مانتے ہیں۔ زرا تاخیر نہ کرتے اور ہم عمل میں ان سے بہت آگے بڑھے ہوتے۔

قرآن کریم حجت کاملہ ہے

فَقَدْ جَآءَكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ:.....سو تمہارے پاس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زبان میں قرآن آچکا، اس میں حلال وحرام کی وضاحت ہے،

---

[1] مختصر ابن کثیر ۱/ ۶۳۳ [2] البحر ۴/ ۲۵۴ [3] الطبری ۱۲/ ۲۳۶ [4] ابوالسعود ۲/ ۱۴۸

دلوں کو ہدایت دیتی ہے اور بندوں پر اللہ کی عظیم رحمت ہے۔ قرطبی کہتے ہیں: محمد ﷺ کے آنے کی وجہ سے کفار کا عذر ختم ہو چکا۔[۱] ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: بَيِّنَةٌ سے مراد حجت ہے جو نبی کریم ﷺ اور قرآن کی صورت میں ہے۔[۲] فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِآيَاتِ اللَّهِ: اس شخص سے بڑھ کر کافر کون ہو سکتا ہے جو قرآن کو جھٹلائے اور اس پر ایمان نہ لائے۔ وَصَدَفَ عَنْهَا: یعنی اللہ کی آیات (قرآن) سے روگردانی کرے۔ ابو سعود رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: یعنی لوگوں کو بھی اللہ کی آیات سے دور کرے گویا اس کے خود گمراہ ہونے اور دوسروں کو گمراہ کرنے کا رویہ اختیار کرتا ہے۔ یہ دونوں امراس میں جمع کر دیتے۔[۳] سَنَجْزِي الَّذِينَ يَصْدِفُونَ عَنْ آيَاتِنَا سُوءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يَصْدِفُونَ: آیت میں کفار کے لیے وعید ہے، یعنی عنقریب ہم اللہ کی آیات سے اعراض کرنے والوں اور واضح دلائل نہ ماننے والوں کو بدلہ دیں گے جو سخت عذاب کی صورت میں ہوگا۔ یہ عذاب اللہ کی آیات سے روگردانی اور پیغمبروں کی تکذیب کے سبب ہوگا۔ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ: یہ مشرکین تو صرف اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کی روحیں قبض کرنے کے لیے فرشتے آئیں اور انہیں عذاب دیں، حالاں کہ یہ وہ وقت ہے جس میں توبہ قبول نہیں ہوتی۔ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ: ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: یعنی ان کے بارے میں قتل وغیرہ کا حکم تمہارے رب کی طرف سے آئے۔ طبری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: مراد یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ مخلوق کے درمیان حساب کے لیے آئے یا ان کے پاس تمہارے رب کی کوئی نشانی یعنی مغرب سے سورج کا طلوع آجائے اس انتظار میں ہیں۔[۴]

يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا: ...... یا قیامت کی کوئی نشانی آجائے جب کہ اس وقت کسی کافر کو اس کا ایمان کوئی نفع نہیں دیتا اور نافرمان کو بھی اس وقت کوئی نفع نہیں پہنچاتا۔ طبری کہتے ہیں: اس نشانی کے آنے سے قبل جو مشرک ہوا سے اب کے ایمان لانا نفع نہیں پہنچائے گا۔ چنانچہ اس موقع پر ایمان لانے والے کا حکم ایسا ہی ہے جیسے قیامت کے وقت ایمان لانا۔ حدیث میں ہے: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو جائے۔ چناں جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا اور لوگ اسے دیکھ لیں گے تو سب لوگ ایمان لے آئیں گے جب کہ قبل ازیں جو شخص ایمان نہیں لایا اب اُسے ایمان لانا کوئی نفع نہیں پہنچائے گا۔[۵] قُلِ انْتَظِرُوا إِنَّا مُنْتَظِرُونَ: تمہیں جو حالات پیش آتے ہیں ان کا انتظار کرو۔ آیت میں تہدید (دھمکی) اور وعید ہے۔ إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا: جنہوں نے دین میں تفریق کی اور مختلف فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: آیت میں یہود و نصاریٰ کا حال بیان کیا گیا ہے، جنہوں نے دین ابراہیم میں فرقے بنالیے۔ لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ: اے محمد! تم ان سے بری الذمہ ہو۔ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ: ان کی جزا و سزا کا اختیار اللہ کو حاصل ہے۔ وہی انہیں بدلہ دے گا۔ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ: اللہ انہیں ان کے برے اعمال کی خبر دے گا۔ طبری کہتے ہیں: یعنی آخرت میں اللہ انہیں خبر دے گا جو وہ اعمال کرتے تھے اور ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا۔[۶]

ایک نیکی کا بدلہ دس گنا

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا: ...... قیامت کے دن جو شخص ایک نیکی لائے گا اسے اس نیکی کے بدلے میں دس نیکیوں کے برابر بدلہ دیا جائے گا۔ یہ محض اللہ کی طرف سے فضل و کرم ہوگا۔ نیکی کا بدلہ چند در چند ملنے میں یہ کم از کم حد ہے، ورنہ سات سو اور اس سے بھی زیادہ بدلہ ملے گا۔ وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا: اور جو شخص ایک بدی ساتھ لائے گا اسے صرف ایک ہی بدی کا بدلہ دیا جائے گا اور بدی کا بدلہ دو گنا یا چند در چند نہیں ہوگا۔ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ: اور ان کے بدلے میں سے کچھ بھی کم نہیں کیا جائے گا۔

حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جو شخص ایک نیکی لایا اسے دس گنا اور اس سے بھی زیادہ بدلہ دیا جائے گا اور جو ایک برائی لایا اسے ایک ہی برائی کا بدلہ دیا جائے گا یا معاف کر دیا جائے گا۔[۷] چنانچہ نیکیوں میں اضافہ محض اللہ کے فضل و کرم سے ہوگا جب کہ برائیوں میں معاملہ بمثل ہوگا اور یہ باب عدل میں سے ہے۔

---

[۱] القرطبی ۷/ ۱۴۴ [۲] زاد المسیر ۳/ ۱۵۵ [۳] ابو السعود ۲/ ۱۴۹ [۴] الطبری ۱۲/ ۲۴۵ [۵] اخرجہ البخاری [۶] الطبری ۱۲/ ۲۷۴ [۷] رواہ مسلم

دین حق کی طرف رہنمائی

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ:......اے محمد! ان مشرکین مکذبین سے کہہ دیجیے: میرے رب نے مجھے سیدھے راستے کی ہدایت کی ہے اور دین حق جو دین ابراہیم ہے کی طرف میری راہنمائی کی ہے۔دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا: سیدھا دین جس میں کوئی کجی نہیں، جسے ابراہیم خلیل اللہ لے کر آئے ہیں۔وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ: اور ابراہیم علیہ السلام مشرک نہیں تھے۔آیت میں دین اسلام کی مخالفت کرنے والے کے شرک کرنے پر تعریض ہے، کیوں کہ مشرک دین ابراہیم سے خارج ہے۔قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ: اے محمد! کہہ دیجیے: میری نماز جس کے ذریعے میں اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں۔وَنُسُكِیْ: اور میرا ذبح کرنا (قربانی کرنا)۔[1] وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ: میرا جینا اور مرنا اور اس زندگی میں جو نیکیاں اور بھلائیاں کیں۔لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ: یہ سب کچھ خالص اللہ کے لیے ہے اور جو تم اللہ کے ساتھ شرک ٹھہراتے ہو ان کے لیے نہیں۔لَا شَرِیْكَ لَهٗ: اور میں غیر اللہ کی عبادت نہیں کرتا۔وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ: اور مجھے یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں عبادت خالص اللہ کے لیے کروں۔وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ: اور میں سب سے پہلے اس کا اقرار کرتا ہوں اور اللہ کے حضور سر جھکانے والا ہوں۔قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْ رَبًّا: کفار کے لیے توبیخ اور ڈانٹ ہے، سبب اس کا یہ ہے کہ مشرکین اپنے معبودان کی عبادت کی دعوت دیتے تھے۔معنی یہ ہے کہ اے محمد کہہ دیجیے: کیا میں اللہ کے علاوہ کسی اور کو بطور رب تلاش کروں؟ وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ: حالانکہ اللہ تو ہر چیز کا خالق اور مالک ہے، بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں اللہ کے علاوہ کسی اور کو خدا بنالوں۔

ہر شخص اپنے عمل کا جواب دہ ہے

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَیْهَا ۚ:......اور ہر جان کا نقصان اور اس کا وبال اسی پر پڑتا ہے۔وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی: اور کوئی شخص بھی کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور کسی انسان سے کسی دوسرے کے جرم کا مواخذہ نہیں کیا جائے گا۔ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ: اس میں وعید اور تہدید ہے، یعنی قیامت کے دن تمہیں اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔اللہ تمہارے اعمال کا تمہیں پورا پورا بدلہ دے گا اور اللہ نیکوکار اور بدکار کے درمیان تمیز کرے گا۔وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ: اللہ ہی نے تمہیں گزری امتوں اور گزشتہ قوموں کا جانشین بنایا ہے اور اللہ ہی نے تمہیں ایک دوسرے کا جانشین بنایا ہے۔طبری کہتے ہیں: تم میں سے پہلی امتوں اور قوموں کو ہلاک کرنے کے بعد میں تمہیں ان کے پیچھے لایا اور زمین میں تمہیں اپنا جانشین بنایا۔[2] وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ: اور اللہ نے تمہارے احوال میں اختلاف رکھا۔چنانچہ تم میں سے کچھ مالدار، کچھ فقراء، کچھ صاحب علم اور کچھ جاہل، کچھ نہایت طاقتور اور کچھ کمزور وغیر ذالک۔گویا تمہیں ایک دوسرے پر فضیلت دی۔لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ: جو کچھ اللہ نے تمہیں عطا کیا ہے تاکہ اس پر تمہارے شکر کا امتحان لے۔ابن جوزی کہتے ہیں: تاکہ تمہارا امتحان لے اور ظاہر کردے کہ کن اعمال پر ثواب ہے اور کن پر عذاب۔[3] اِنَّ رَبَّكَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ: تمہارا رب نافرمان کو بہت جلد عذاب دینے والا ہے اور فرمانبردار کو بخشنے والا اور اس پر رحم کرنے والا ہے۔تسہیل میں ہے: آیت میں خوف ورجا کو جمع کیا گیا ہے، جلدی عذاب دینا یا تو دنیا کی پکڑ سے ہوتا ہے یا آخرت کا عذاب مراد ہے اور ہر آنے والی چیز قریب ہی ہوتی ہے۔[4]

بلاغت: وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ:...... السُّبُلَ بدعات اور ضلالات سے استعارہ ہے۔لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا: نکرہ عموم وشمول کے افادے کے لیے ہے۔وَبِعَهْدِ اللّٰهِ: اضافت برائے تعظیم ہے۔یَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰیٰتِنَا: اسم ظاہر اسم ضمیر کی جگہ لایا گیا ہے تاکہ کفار کی برائی اور قباحت وشناعت نمایاں ہوجائے۔قُلِ انْتَظِرُوْۤا: امر برائے تہدید ووعید ہے۔لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِیْۤ اِیْمَانِهَا خَیْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْۤا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ: یہ آیت علم بیان کی معروف نوع لف نشر پر مشتمل ہے۔آیت میں دو کلام ہیں اور انہیں لپیٹ کر ایک کلام بنادیا گیا ہے تاکہ اعجاز کلام اور اختصار نمایاں رہے۔[5] ظهر اور بطن میں طباق ہے۔اسی طرح الْحَسَنَةِ اور السیئة میں بھی طباق ہے۔وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی:

---

[1] یہ ابن عباس اور مجاہد کا قول ہے۔طبری نے یہی اختیار کیا ہے۔بعض مفسرین نے نسك سے عبادت مراد لی ہے جب کہ پہلا قول راجح ہے۔[2] الطبری ۱۲/ ۲۸۷
[3] زاد المسیر ۳/ ۱۶۳ [4] التسہیل ۲/ ۸ [5] حاشیۃ الکشاف ۲/ ۶۴

شریف رضی کہتے ہیں: حقیقت میں ایسے بوجھ نہیں ہوں گے جو کمر پر اٹھائے جائیں گے بلکہ اس سے مراد گناہوں کے معنوی بوجھ ہیں اور یہ لطیف استعارہ ہے۔

فائدہ:......اللہ تعالیٰ نے اپنے راستے کے لیے مفرد لفظ لایا ہے سبیلہٖ کیوں کہ حق واحد ہوتا ہے جبکہ گمراہی کے راستے بے شمار ہوتے ہیں، اس لیے السُّبُلَ جمع کا لفظ لایا گیا ہے۔

تنبیہ:......حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: قرآن مجید میں اکثر و بیشتر جنت و دوزخ رب تعالیٰ کی صفت رحمت اور صفت قہر کو اکٹھا کرلیا گیا ہے۔ جیسے اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ :جیسے سورۃ الحجر ۴۹، ۵۰ میں ہے۔ نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ : وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ :وغیر ذلک اس طرح کی آیات ترغیب وترہیب پر مشتمل ہیں۔ بسا اوقات اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو رغبت دلا کر دعوت دی اور جنت کی صفات ذکر کیں۔ بسا اوقات ترہیب یعنی خوف دلا کر دعوت دی اور اس کے ساتھ دوزخ، عذاب، قیامت اور قیامت کی ہولنا کیوں کا ذکر کیا اور بسا اوقات دونوں کو جمع کر کے ذکر کیا تا کہ حسب حال دعوت ہو جائے۔ [۱]

الحمدللہ آج مورخہ ۲۶ ربیع الاول ۱۴۳۳ مطابق ۱۹ فروری ۲۰۱۲ کو سورۂ انعام کا ترجمہ مکمل ہوا۔
اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اپنی بارگاہ میں اسے قبول فرمائے اور بقیہ ترجمہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

---

[۱] مختصر ابن کثیر ۱/ ۶۴۲

سورۃ الاعراف

تعارف: ......سورہ اعراف مکی سورتوں میں سے سب زیادہ طویل ہے۔ یہ پہلی سورت ہے جس میں قصص الانبیا کو تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔ اس کے اہم مضامین وہی ہیں جو مکی سورتوں کے ہوتے ہیں، یعنی اصول، دعوت توحید، رسالت، معاد، جزا و سزا اور وحی۔

سورت کی ابتدائی آیات میں قرآن عظیم کو حضور نبی کریم ﷺ کا عظیم معجزہ قرار دیا گیا ہے اور یہ کہ قرآن رب تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے اور پوری انسانیت پر بہت بڑا احسان ہے۔ انسانوں پر ضروری ہے کہ وہ مضامین قرآن اور ارشادات قرآن پر سختی سے عمل پیرا ہوں تاکہ دونوں جہانوں کی خوش بختی حاصل کریں۔

سورت میں مخلوق پر ایک اور نعمت عظمیٰ کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے کہ تمام انسانوں کو ایک ہی باپ سے پیدا کیا گیا ہے اور انسان کو اشرف المخلوقات کے عظیم شرف سے سرفراز کیا گیا ہے۔ آدم علیہ السلام کو اللہ نے پیدا فرمایا اور فرشتوں کو ان کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ سورت میں شیطان کے مکر و فریب سے ہوشیار رہنے کی بھی تاکید کی گئی ہے کیوں کہ شیطان انسان کے راستے میں گھات لگا کر بیٹھا رہتا ہے تاکہ موقع ملتے ہی انسان کو سیدھی راہ سے ہٹادے اور ہدایت سے دور کردے۔

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے ساتھ آدم علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا ہے اور ان کے جنت سے نکالے جانے کا واقعہ اور زمین پر نزول کو بھی بیان کیا۔ خیر و شر، حق و باطل کے درمیان معرکہ ابلیس کے آدم اور ان کی اولاد کے ساتھ مکر و فریب کو بھی بیان کیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو وصف اولاد کے ساتھ لگاتار چار مرتبہ منادی کے طور پر لایا ہے۔ یابنی آدم اس سورت میں یہ ندائے خاص ہے۔ اس کے ذریعے اللہ نے اولاد آدم کو ان کے دشمن یعنی شیطان سے ڈرایا ہے، جس کی اولاد آدم سے پرانی دشمنی ہے، حتیٰ کہ آدم علیہ السلام کے دل میں وسوسے ڈال کر انہیں جنت سے نکلوا دیا۔ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا (سورۃ الاعراف، آیت ۲۷) اس سورت میں قیامت کے دن لوگوں کے حاضر ہونے کی ایک جگہ کا بھی ذکر ہے۔ یہ جگہ تین گروہوں کے حاضر ہونے کی جگہ ہوگی اور ان کے درمیان ہونے والی گفتگو اور مناظرہ کا بیان بھی ہوا ہے۔ چنانچہ ایک گروہ مؤمنین کا، دوسرا کفار اہل دوزخ کا اور تیسرا گروہ جس کا ذکر صرف اسی سورت میں کیا گیا ہے اور جسے اصحاب الاعراف کا نام دیا گیا ہے، اسی مناسبت سے سورت کا نام بھی ''سورۃ الاعرف'' ہے۔ یہ حاضری کی جگہ حقیقت پر مبنی ہوگی محض تخیلاتی جگہ نہیں۔ سورت میں اس امر پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے کہ اہل حق یعنی اہل جنت کفار یعنی دوزخیوں کو دیکھ کر ان پر ہنسیں گے اور آواز بلند ہوگی، جس میں دوزخیوں پر لعنت اور حرمان کا پیغام ہوگا۔ دونوں گروہوں کے درمیان پردہ حائل ہوگا اور اس پر کچھ ایسے لوگ کھڑے ہوں گے جو اپنی علامات سے پہچانے جائیں گے۔ اہل جنت چہروں کی تازگی اور رونق سے پہچانے جائیں گے جبکہ اہل دوزخ چہروں کی بدرونقی اور آلودگی سے پہچانے جائیں گے۔

اس سورت میں مختلف انبیا کے قصے بیان کیے گئے ہیں، جن میں نوح، ہود، صالح، لوط، شعیب اور موسیٰ علیہم السلام شامل ہیں۔ نوح علیہ السلام جو کہ شیخ الانبیا ہیں کے قصے سے ابتدا کی گئی ہے۔ ان کی قوم کے انکار اور عناد، تکذیب اور اعراض کا بھی تفصیلاً ذکر کیا گیا ہے۔ سورت میں موسیٰ علیہ السلام کا قصہ مفصل بیان کیا گیا ہے۔ فرعونیوں کی بدسلوکی اور سرکشی، بنی اسرائیل کے ساتھ ان کی سختیاں، آزمائشیں اور پھر اس کے بعد بنی اسرائیل کی آسودگی، امن و فرحت کو بھی سورت میں بیان کیا گیا ہے۔ پھر جب بنی اسرائیل نے اللہ کی نعمت کو بدل دیا اور اللہ کے حکم کی مخالفت کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں سزا کے طور پر بندر اور خنازیر بنادیا۔

سورت میں علمائے سوء کی نہایت مذمت خیز مثال بھی بیان کی گئی ہے۔ یہ مثال قبیح صورت میں بیان کی گئی ہے کہ ایک ہانپتا ہوا کتا ہو جو ہانپنے سے رکتا ہی نہ ہو اور وہ برابر گارے اور کیچڑ میں لوٹتا ہو، چنانچہ ارشاد ہے: وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ: بخدا یہ مثال نہایت رسوائی والی مثال ہے، چوں کہ یہ مثال ایسے شخص

کی بیان کی گئی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے علم نافع عطا کیا ہو اور وہ علم کو فانی دنیا کو اکٹھا کرنے میں لگا دے۔ لامحالہ یہ علم اس کے لیے وبال جان ہوگا، کیوں کہ وہ حقیقت میں اس علم سے نفع نہیں اٹھاتا اور نہ ہی ایمان کے راستے پر قائم رہتا ہے، گویا نعمت علم اس کے لیے زحمت بن جاتی ہے اور وہ شیطان کے راستے پر چل کر گمراہ ہو جاتا ہے۔

سورت کریمہ کو اثبات توحید پر ختم کیا گیا ہے اور بتوں کے پجاریوں پر کاری ضرب لگائی گئی ہے۔ مشرکین بتوں کو اللہ کا شریک سمجھتے تھے، جب کہ وہ نفع ونقصان کے مالک نہیں۔ نہ دیکھتے ہیں اور نہ سنتے ہیں جب کہ اللہ عزوجل یکتا ہے، وہی خالق و مالک ہے۔ گویا سورت کی ابتدا جس طرح توحید سے کی گئی، اسی طرح اختتام بھی توحید پر کیا گیا ہے۔ اس اسلوب کے ساتھ ایمان اور توحید کی دعوت دی گئی ہے۔

سورت کی وجہ تسمیہ:......اس سورت کا نام سورۃ الاعراف اس لیے ہے کیوں کہ اس میں ''الاعراف'' کا لفظ آیا ہے۔ اعراف کا معنی بلند جگہیں ہے۔ یہ ایک حد ہے جو جنت اور دوزخ اور جنتیوں و دوزخیوں کے درمیان حائل ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ ان سے اصحاب الاعراف کے بارے میں سوال کیا گیا۔ انہوں نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہوں گے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی۔ برائیاں دخول جنت میں رکاوٹ بن جائیں گی اور نیکیاں دوزخ میں جانے سے روک رکھیں گی۔ تاہم یہ لوگ یہیں رکے رہیں گے تاوقتیکہ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا کوئی فیصلہ آ جائے۔

آیاتُهَا ۲۰۶ (۷) سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ (۳۹) رُكُوْعَاتُهَا ۲۴

الٓمّٓصٓ ۝۱ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝۳ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ۝۴ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝۵ فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۶ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ۝۷ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۸ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ۝۹ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۱۰ ع وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝۱۱ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝۱۲ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝۱۳ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝۱۴ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝۱۵ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝۱۶ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ

شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ
اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَيٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ
فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ
مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَاسَمَهُمَاۤ اِنِّيْ
لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ
عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَاۤ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَاۤ اِنَّ الشَّيْطٰنَ
لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ
الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾
قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾ يٰبَنِيْۤ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ
سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰبَنِيْۤ
اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَاۤ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا
سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا
يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَاۤ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ
بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۫ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ
مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۬ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ
الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۰﴾

ترجمہ:...... الٓمّٓصٓ ① یہ کتاب ہے جو آپ کی طرف اتاری گئی۔ سو آپ کے سینے میں کوئی تنگی نہ ہو، تاکہ آپ اس کے ذریعے ڈرائیں، اور ایمان والوں کے لیے نصیحت ہے، ② اس چیز کا اتباع کرو جو تمہارے رب کی جانب سے تمہاری طرف اتاری گئی، اور اس کو چھوڑ کر دوسرے رفیقوں کا اتباع نہ کرو، تم کم نصیحت حاصل کرتے ہو، ③ اور کتنی ہی بستیاں تھیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا۔ سو ان پر ایسے وقت میں ہمارا عذاب آیا جب کہ وہ رات گذار رہے تھے یا ایسی حالت میں عذاب آیا کہ وہ دوپہر کے وقت سوئے ہوئے تھے، ④ سو جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو ان کی پکار اس کے علاوہ کچھ نہ تھی کہ بلاشبہ ہم ظالم تھے۔ ⑤ سو جن لوگوں کی طرف رسول بھیجے گئے ہم ان سے ضرور سوال کریں گے اور ہم پیغمبروں سے ضرور پوچھیں گے، ⑥ سو ہم ان کے روبرو علم کے مطابق بیان کر دیں گے اور ہم غائب نہ تھے، ⑦ اور اس دن وزن واقع ہونے والا ہے۔ سو جن کے وزن بھاری ہوئے ایسے لوگ کامیاب ہوں گے ⑧ اور جن کے وزن ہلکے ہوں گے سو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنی جانوں کا نقصان کر لیا اس وجہ سے کہ وہ ہماری آیات کے ساتھ ظلم کرتے تھے۔ ⑨ اور بلاشبہ ہم نے تمہیں زمین میں رہنے کی جگہ دی، اور ہم نے تمہارے لیے اس میں زندگی کا سامان

پیدا کیا تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔⑩ اور بلاشبہ ہم نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہاری صورتیں بنائیں۔ پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو سو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے، وہ سجدہ کرنے والوں میں نہیں تھا۔⑪ اللہ کا فرمان ہوا کہ تجھے کس چیز نے اس بات سے روکا کہ تو سجدہ کرے جبکہ میں نے تجھے حکم کیا، اس نے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں، مجھے آپ نے آگ سے پیدا کیا اور اس کو پیدا کیا کیچڑ سے۔⑫ فرمایا پس تو یہاں سے اتر جا، سو تجھے کوئی حق نہیں کہ اس میں تکبر کرے سو تو نکل جا! بے شک تو ذلیلوں میں سے ہے۔⑬ وہ کہنے لگا کہ مجھے اس دن تک مہلت دیجیے جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے۔⑭ فرمایا بے شک تو ان لوگوں میں سے ہے جنہیں مہلت دی گئی۔⑮ وہ کہنے لگا سو اس وجہ سے کہ آپ نے مجھے گمراہ کیا میں ضرور ضرور ان لوگوں کے لیے آپ کے سیدھے راستہ پر بیٹھوں گا۔⑯ پھر ضرور آؤں گا ان کے پاس ان کے سامنے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کی داہنی جانب سے اور ان کی بائیں جانب سے، اور آپ ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائیں گے۔⑰ فرمایا تو یہاں سے نکل جا ذلیل اور خوار ہو کر، اس میں شک نہیں کہ جو شخص ان میں سے تیری راہ پر چلے گا تو میں ضرور تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔⑱ اور اے آدم! رہ تو اور تیری عورت جنت میں، پھر کھاؤ جہاں سے چاہو اور پاس نہ جاؤ اس درخت کے پھر ہو جاؤ گے گنہگار۔⑲ پھر بہکایا ان کو شیطان نے تاکہ ان دونوں کے جسم کا وہ حصہ ظاہر کر دے جو ایک دوسرے سے پوشیدہ تھا یعنی وہ حصہ جو ڈھانک کر رکھنے کا تھا۔ اور کہنے لگا کہ اس درخت سے تمہارے رب نے تمہیں اسی لیے روکا ہے کہ تم دونوں اسے کھا کر فرشتے بن جاؤ گے یا ہمیشہ اسی میں رہنے والے ہو جاؤ گے۔⑳ اور اس نے ان کے سامنے قسم کھائی کہ بلاشبہ میں تمہاری خیر خواہی کرنے والوں میں سے ہوں۔㉑ سو فریب دے کر ان دونوں کو نیچے لے آیا۔ سو جب ان دونوں نے اس درخت کو چکھ لیا تو ان کی شرمگاہیں ظاہر ہو گئیں اور دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے جوڑ جوڑ کر رکھنے لگے، اور ان دونوں کو ان کے رب نے پکارا کیا میں نے تمہیں اس درخت سے منع نہ کیا تھا۔ اور کیا میں نے تم سے یہ نہ کہا تھا کہ بلاشبہ شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے۔㉒ وہ دونوں کہنے لگے کہ اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اور اگر آپ ہماری مغفرت نہ فرمائیں گے اور ہم پر رحم نہ کریں گے تو ضرور ہم تباہ کاروں میں سے ہو جائیں گے، فرمایا تم اتر جاؤ تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہیں اور تمہارے لیے زمین میں رہنے کی جگہ ہے، اور نفع حاصل کرنا ہے ایک وقت تک۔㉔ فرمایا تم اسی میں جیو گے اور اسی میں مرو گے اور اسی سے نکالے جاؤ گے۔㉕ اے آدم کی اولاد! بے شک ہم نے تمہارے لیے لباس اتارا جو تمہاری شرم کی جگہوں کو چھپاتا ہے اور وہ سبب زینت ہے اور تقوی کا لباس یہ بہتر ہے یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں㉖ اے آدم کی اولاد! تمہیں شیطان ہرگز فتنے میں نہ ڈال دے جیسا کہ اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے ایسی حالت میں نکالا کہ وہ ان کا لباس اتروا رہا تھا۔ تاکہ دکھا دے ان دونوں کو ان کی شرمگاہیں بے شک وہ اور اس کی قوم تمہیں ایسے طور دیکھتے ہیں کہ تم انہیں نہیں دیکھتے۔ بے شک ہم نے بنا دیا شیطانوں کو ان لوگوں کا دوست جو ایمان نہیں لاتے۔㉗ اور جب کوئی کام فحش کر لیتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اس پر پایا ہے اور اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے، آپ فرما دیجیے! کہ بے شک اللہ فحش کاموں کا حکم نہیں دیتا کیا تم اللہ کے ذمے وہ باتیں لگاتے ہو جنہیں تم نہیں جانتے۔㉘ آپ فرما دیجیے کہ میرے رب نے مجھے انصاف کا حکم دیا ہے۔ اور یہ کہ تم ہر سجدہ کے وقت اپنا رخ سیدھا رکھو۔ اور اس طور پر اللہ کی عبادت کرو کہ اس عبادت کو اللہ ہی کے لیے خالص کرنے والے ہو۔ جیسا اس نے تمہیں شروع میں پیدا فرمایا اسی طرح تم دوبارہ لوٹو گے۔㉙ ایک جماعت کو ہدایت دی اور ایک جماعت ایسی ہے جس پر گمراہی مقرر ہو چکی ہے۔ بلاشبہ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو دوست بنایا اور وہ سمجھ رہے ہیں کہ بے شک وہ راہ راست پر ہیں۔㉚

لغات: حَرَجٌ: ...... تنگی، مقولہ حرج المکان او الصدر یعنی جگہ تنگ ہے یا سینہ تنگ ہے۔ بَيَاتًا: رات کو دشمن پر شب خون مارنا۔ قَآئِلُوْنَ: القیلولۃ سے ماخوذ ہے۔ دوپہر کے وقت سونا، قیلولہ کرنا۔ اَلْقَائِلَةُ دوپہر۔ مَذْءُوْمًا: مذموم، حقیر۔ مَّدْحُوْرًا: دھتکارا ہوا، دفع کیا ہوا۔ سَوْاٰتِهِمَا: السوأۃ: شرمگاہ، لفظی معنی بری چیز، کیوں کہ شرمگاہ کے ظاہر کرنے کو انسان برا سمجھتا ہے، اس لیے شرمگاہ کو السوأۃ کہا جاتا ہے۔ طَفِقَا: طفق و شروع کے معنی میں ہے، یعنی وہ دونوں ایسا کرنے میں لگ گئے۔ يَخْصِفٰنِ: وہ دونوں چپکاتے ہیں۔ رِيْشًا: لباس جس سے زیب و زینت حاصل کی جاتی ہے۔ الریش کا لفظی معنی مال و جمال ہے، اسی سے ہے۔ ریش الطیر پرندے کے پَر، کیوں کہ بال و پَر

پرندے کے لیے خوبصورتی کا سبب ہوتے ہیں ۔قَبِيلَة: گروہ، لفظی معنی جماعت، خواہ وہ جماعت ایک ہی باپ کی اولاد ہو یا مختلف باپوں کی۔ فَاحِشَةً: ایسی چیز ایسا فعل اور ایسی حرکت جس کی قباحت انتہا درجے کی ہو، یہاں فاحشہ سے مراد ننگے بدن بیت اللہ کا طواف کرنا ہے۔ ہر قبیح امر کو فاحشہ کہا جاتا ہے۔فَحْشَآء: گناہ۔

تفسیر: الٓمّٓصٓ: ......حروف مقطعات کے بارے میں سورۃ البقرہ کی ابتدا میں تفصیل گزر چکی ہے۔حروف مقطعات کو قرآن میں ذکر کرنے کی حکمت یہ ہے کہ ان سے اعجاز قرآن کو نمایاں کرنا مقصود ہے۔ یہ قرآن انہی جیسے حروف سے مرکب ہے۔ بایں ہمہ عرب کے بلغا و فصحا اس جیسا کلام لانے سے عاجز رہے۔ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ: میں اللہ ہی خوب جانتا ہوں اور میں ہی فیصلہ کرتا ہوں۔ ابو عالیہ کہتے ہیں: الف سے مراد ''اللہ'' لام سے مراد ''لطیف'' اور میم سے مراد ''مجید'' اور صاد سے مراد ''صادق'' ہے۔

قرآن کے نزول کی غرض وغایت

كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ: اے محمد! یہ کتاب اللہ نے تمہاری طرف نازل کی ہے اور یہ کتاب قرآن عظیم ہے ۔فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ: اس کتاب کی تبلیغ کے متعلق تمہارا سینہ تنگ نہ ہو (یعنی پریشان نہ ہو) اس خوف کی وجہ سے کہ تمہاری قوم تمہیں جھٹلا دے گی ۔لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ: تاکہ تم قرآن کے ذریعے اس شخص کو ڈراؤ جو اللہ سے ڈرتا ہے اور اس کتاب کے ذریعے تم مؤمنین کو نصیحت کرو کیوں کہ مؤمنین ہی اس سے نفع اٹھانے والے ہیں ۔اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ: اللہ کے علاوہ راہبوں، بتوں اور کاہنوں کے پیچھے مت چلو، اور انہیں اپنا کارساز مت بناؤ ۔قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ: تم لوگ کم ہی نصیحت حاصل کرتے ہو۔ خازن کہتے ہیں: تمہیں نصیحت نہیں ہوتی، مگر کم ہی۔[1]

گزشتہ اقوام پر عذاب کا حال

وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا: ......بہت ساری بستیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا۔ بستی سے مراد اہل بستی ہیں ۔فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا: رات کے وقت ہمارے عذاب نے انہیں آن لیا ۔اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ: یا ان کے قیلولہ کے وقت عذاب نے انہیں آن گھیرا۔ عذاب ان دو وقتوں کے ساتھ اس لیے مخصوص کیا گیا کیوں کہ یہ دونوں وقت آرام و سکون کرنے کے ہیں۔ چنانچہ استراحت کی حالت میں عذاب کا آ جانا جانوں پر نہایت گراں گزرتا ہے۔ چوں کہ ہلاکت سے ایسے موقع پر انسان غفلت میں ہوتا ہے۔[2] فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ: جب یہ لوگ عذاب دیکھتے ہیں اور اس کی علامات کا مشاہدہ کرتے ہیں تو بس ان کی چیخ و پکار اور فریاد ۔اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ: بس اس بات کا اعتراف ہے کہ ہم ظلم کرتے رہے، وہ ایسا حسرت و ندامت کی وجہ سے کہیں گے، لیکن ندامت کا وقت جا چکا ۔فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ: ہم ضرور ساری امتوں سے سوال کریں گے کہ پیغمبروں نے تمہیں پیغام پہنچایا اور تم نے کیا جواب دیا؟ اس سوال سے مقصود کفار کی توبیخ ہے ۔وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ: اور ہم انہی طرح پیغمبروں سے بھی سوال کریں گے کہ کیا تم نے پیغام رسالت پہنچایا اور امانت ادا کر دی۔ بحر میں ہے: مختلف امتوں سے سوال کفار اور نافرمانوں کی توبیخ، سزا و عذاب کے لیے کیا جائے گا اور پیغمبروں سے سوال انہیں مانوس کرنے اور ان کی کرامت کے پیش نظر کیا جائے گا۔[3] فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ: ہم علم کی رو سے انہیں ان کے افعال سے آگاہ کریں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: قیامت کے دن نامہ اعمال رکھا جائے گا اور وہ لوگوں کے اعمال کی گفتگو کرے گا ۔وَمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ: ہم ان لوگوں سے کہیں غائب نہیں تھے کہ ان کے اعمال ہمارے اوپر مخفی رہتے۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندوں کو ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا، خواہ اعمال قلیل ہوں یا کثیر، جلیل ہوں یا حقیر، کیوں کہ اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر ہے۔ اس سے کوئی چیز غائب نہیں ہو سکتی جب کہ وہ تو ہر خیانت زدہ آنکھ سے واقف ہے اور دلوں کی پوشیدہ باتوں کو بھی جانتا ہے۔[4]

---

[1] تفسیر الخازن ۲/ ۱۷۳ [2] البحر ۴/ ۲۶۹ [3] البحر المحیط ۴/ ۲۷۰ [4] مختصر ابن کثیر ۲/ ۶

وزن اعمال اور میزان

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ:......قیامت کے دن اعمال کا وزن عدل کے ساتھ قائم کیا جائے گا اور تمہارا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهُ: جس شخص کے اعمال کا وزن زیادہ ہوگا اور اس کی نیکیاں زیادہ ہوں گی۔ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ: تو یہی لوگ پیش آمدہ عذاب سے نجات پانے والے ہوں گے اور عظیم ثواب کے مستحق ہوں گے۔ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهُ: اور جس شخص کے اعمال کا وزن کفر کے سبب ہلکا ہوا اور برائیوں کی وجہ سے نیکیاں کم ہوں۔ فَأُولَٰئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ: پس یہی لوگ اپنے آپ کو خسارے میں رکھنے والے ہیں اور اخروی سعادت سے محروم ہونے والے ہیں۔ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ: ان کے کفر کے سبب اور اللہ کی آیات کا انکار کرنے کے باعث۔ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: قیامت کے دن میزان میں کیا چیز موزوں کی جائے گی؟ ایک قول ہے کہ اعمال اگرچہ اعراض ہیں، انہی کا وزن کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اعمال کو اجسام میں تبدیل کر دیں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی مروی ہے۔ دوسرا قول ہے کہ وہ کتاب جس پر اعمال درج ہوں گے اس کا وزن کیا جائے گا، جیسا کہ حدیث بطاقہ میں آتا ہے۔ تیسرا قول ہے کہ صاحب عمل کا وزن کیا جائے گا، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے دن ایک موٹا شخص لایا جائے گا، اللہ کے ہاں مچھر کے پَر کے برابر بھی اس کا وزن نہیں ہوگا۔ یہ ساری صورتیں صحیح ہیں۔ چنانچہ بسا اوقات کسی کے اعمال کا وزن کیا جائے گا اور بسا اوقات محل اعمال (کتاب) کا وزن کیا جائے گا اور کبھی فاعل اعمال کا وزن کیا جائے گا۔[1] میں کہتا ہوں کہ اعمال کے وزن، نیکیوں اور برائیوں کے وزن میں بالذات کوئی غرابت نہیں۔ چنانچہ سائنس نے گرمی و سردی، ہوا کا دباؤ، بارش کی مقدار وغیرہ ناپنے کے آلات پیش کر دیے ہیں، بھلا اللہ تعالیٰ جو قادر مطلق ہے اس کے لیے اعمال کا وزن کرنا کیا مشکل ہے۔

ٹھکانہ اور روزی مقرر ہونا

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ:......اے لوگو! ہم نے زمین میں تمہارے لیے ٹھکانا اور جائے قرار بنائی ہے۔ بیضاوی کہتے ہیں: یعنی تمہارے رہنے کی جگہ بنائی۔ زراعت اور دوسرے تصرفات کی زمین میں جگہ بنائی۔[2] وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ: اور زمین میں تمہارے گزر بسر کے اسباب پیدا کیے، یعنی کھانے کی چیزیں، پینے کی چیزیں اور ہر وہ چیز جس کی زندگی میں ضرورت پڑتی ہے۔ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ: اس فضل و انعام کے باوجود تم میں سے تھوڑے لوگ اپنے رب کا شکر ادا کرتے ہیں جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے: وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ: اور میرے بندوں میں سے تھوڑے ہی لوگ شکر ادا کرنے والے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی صورت گری اور سجدے کا حکم

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ:......ہم نے تمہارے باپ آدم کو مٹی سے بنایا۔ اس کی سابقہ کوئی تصویر نہیں تھی پھر ہم نے اسے اپنی ایجاد سے بنایا اور اس کی صورت گری کی اور بہت اچھی صورت میں بنایا۔ آدم کے بجائے جمع کی ضمیر کہہ لائی گئی ہے تاکہ حضرت آدم علیہ السلام کا شرف و مرتبہ نمایاں ہو جائے۔ کیوں کہ آدم علیہ السلام ابوالبشر ہیں۔ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ: پھر ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کریں۔ یہ سجدہ آدم اور ان کی اولاد کی عزت و تکریم کی خاطر تھا۔ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ: یعنی سبھی فرشتوں نے آدم کو سجدہ کیا، البتہ ابلیس تکبر، بغض و عناد کی وجہ سے سجدہ سے مکر گیا۔ اَلَّآ اِبْلِيْسَ استثنا منقطع ہے کیوں کہ مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ کی جنس میں سے نہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ابلیس فرشتوں میں سے نہیں۔[3]

اللہ تعالیٰ سے ابلیس کا مکالمہ اور جنت سے نکالا جانا

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ:......اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے جواب طلبی کی کہ کس چیز نے تمہیں آدم کے آگے سجدہ کرنے سے روکا؟

---

[1] مختصر ابن کثیر ۲/۷۔ [2] البیضاوی، صفحہ ۱۹۱۔ [3] تفصیل کے لیے مصنف کی کتاب "النبوۃ والانبیاء" صفحہ ۴۸ دیکھیے۔

استفہام برائے توبیخ ہے۔ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ: ابلیس لعین نے جواب دیا۔ میں آدم علیہ السلام سے افضل اور اشرف ہوں، بھلا افضل مفضول کو کیونکر سجدہ کرے؟ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سجدہ نہ کرنے کی علت بیان کی ہے۔ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ: یعنی میں تو آدم سے افضل ہوں کیوں کہ میرا عنصر و مادہ آدم کے عنصر سے افضل ہے، کیوں کہ میں آگ سے پیدا کیا گیا ہوں اور آگ، مٹی سے افضل ہے، تاہم ابلیس ملعون نے اس طرف دھیان نہ دیا کہ سجدے کا حکم تو اللہ نے دیا ہے۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ملعون نے اصل عنصر کو دیکھا عظمت و شرافت کی طرف نظر نہیں کی وہ یہ کہ اللہ نے آدم کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اس میں اپنی روح پھونکی۔ چنانچہ ابلیس نے قیاس فاسد سے کام لیا اور صریح خطا کا مرتکب ہوا کہ آگ مٹی سے افضل ہے۔ چنانچہ مٹی اپنی طبع کے اعتبار سے نرم خوئی اور بردباری کی حامل ہے جب کہ آگ جلانے اور طیش میں آنے کی صفت رکھتی ہے۔ مٹی سبزہ کا محل ہے بڑھوتری، اضافہ اور اصلاح کی جگہ ہے جب کہ آگ عذاب کا محل ہے، اسی لیے ابلیس نے اپنے عنصر سے خیانت کی اور اس کی پاداش میں ہلاکت، بدبختی اور ذلت اس کا مقدر بن گئی۔[1] ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا اور اس سے خطا ہوئی سو جو شخص اپنی رائے سے دین میں قیاس چلائے گا اللہ اسے ابلیس کے ساتھ ملائے گا۔[2] قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا: حکم ہوا کہ جنت سے نکل جا، میری طاعت، میرے حکم سے تکبر کرنا کسی طرح صحیح اور درست نہیں اور اس نافرمانی کے ہوتے ہوئے تم میرے ٹھکانے میں رہو۔ فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ: تم ذلیلوں اور حقیروں میں سے ہو۔ زمخشری کہتے ہیں: جب ابلیس نے تکبر ظاہر کیا اللہ نے اسے ذلیل و خوار کر دیا جبکہ جو اللہ کے لیے عاجزی اور انکساری کرتا ہے اللہ اسے سربلندی عطا فرماتا ہے اور جو تکبر کرتا ہے اللہ اسے نیچا کر دیتا ہے۔[3]

ابلیس کا مہلت طلب کرنا

قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ: ...... ملعون نے اپنے لیے راہ نکال لی اور اللہ تعالیٰ سے تا روز قیامت مہلت طلب کر لی تا کہ موت سے نجات پالے۔ چوں کہ قیامت کے دن کے بعد موت نہیں ہوگی۔ اللہ نے جواب میں فرمایا: قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ: ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: اللہ نے ابلیس کو پہلی بار صور پھونکنے تک مہلت دی ہے، جب ساری مخلوق مر جائے گی جبکہ ابلیس نے دوسری بار صور پھونکنے تک مہلت طلب کی تھی، جب لوگ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھیں گے، تاہم اللہ نے اس سے منع کر دیا۔[4] اس کی تائید سورہ صٓ کی آیت سے ہوتی ہے۔

ابلیس کی انسان دشمنی

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ: ...... تجھے مہلت ہے، وقت معلوم کے دن تک۔ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ: تو نے مجھے جو گمراہ کیا ہے اس کی وجہ سے میں قسم کھاتا ہوں کہ میں آدم اور اس کی اولاد کے لیے راہ حق اور جنت تک پہنچانے والے راستہ نجات میں گھات لگا کر بیٹھ جاؤں گا، جیسے راہزن راہ گیروں کو لوٹنے کے لیے راستے میں گھات لگا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ: پھر میں چاروں اطراف سے تیرے بندوں پر حملہ آور ہوں گا، تا کہ انہیں تیرے دین سے روک دوں۔ طبری کہتے ہیں: اس کا معنی ہے کہ میں حق و باطل کی مختلف جہات سے ان پر حملہ آور ہوں گا۔ میں انہیں حق سے روکوں گا اور باطل ان کے سامنے خوب مزین کر کے پیش کروں گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: شیطان بندوں پر ان کے اوپر سے حملہ نہیں کر سکتا، کیوں کہ وہ بندے اور اللہ کی رحمت کے درمیان حائل نہیں ہو سکتا۔[5] وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ: پھر تو ان میں سے اکثر لوگوں کو مؤمنین، فرمانبردار اور اپنی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والا نہیں پائے گا۔ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا: جنت سے ذلیل و خوار ہو کر نکل جا اس حال میں کہ تو میری رحمت سے دھتکارا ہوا ہے۔ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ: لام برائے قسم ہے یعنی قسم ہے انسانوں اور جنات میں سے جو بھی تیرے پیچھے چلے گا وہ تیرا ساتھی ہوگا اور میں تیرے گمراہ متبعین سے ضرور جہنم کو بھر دوں گا۔ آیت میں ہر ایسے

[1] ابن کثیر ٢/٩ [2] البحر ٤/٢٧٣ [3] الکشاف ٢/٩٠ [4] القرطبی ٧/١٤٧ [5] الطبری ١٢/٣٤١

شخص کے لیے وعید ہے جو شیطان کے آگے جھک جائے اور اللہ کا حکم نہ مانے۔

آدم وحوا علیہما السلام کو اغوائے شیطانی

وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ:......اور ہم نے کہا: اے آدم! تم اپنی بیوی حوا کے ساتھ جنت میں آباد رہو۔ شیطان کو جنت سے نکالنے اور دھتکارنے کے بعد فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا: جنت میں جس جگہ سے چاہو جنت کے پھل کھاؤ۔ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ: اللہ تعالیٰ نے آدم اور حوا علیہما السلام کے لیے جنت کے تمام پھل مباح کیے، اللہ نے ایک درخت کے پھل سے انہیں منع کر دیا اور وہ درخت دونوں کو متعین کر کے بتا دیا۔ ممانعت امتحان اور آزمائش کے لیے تھی۔ ان دونوں کو عیش وعشرت میں دیکھ کر شیطان جل بھن گیا اور ان کے خلاف سازش کرنے میں لگ گیا۔ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ: شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسہ دھیمی آواز سے ڈالا تا کہ انہیں اس درخت کا پھل کھانے پر ابھارے۔ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا: تا کہ ان کی شرمگاہیں جو ان سے چھپائی گئی تھیں ان کے سامنے ظاہر کر دے۔

وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ: یہ ابلیس ملعون کے وسوسے کی تفصیل ہے۔ چنانچہ ابلیس نے وسوسے میں آدم اور حوا علیہما السلام سے کہا: تمہارے رب نے تمہیں اس درخت کا پھل کھانے سے صرف اس لیے منع کیا کہ کہیں تم جنت کے پکے مالک نہ بن جاؤ اور تم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنت میں نہ رہ جاؤ۔

وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ:......ابلیس نے اپنے مؤقف کو پختہ کرنے کے لیے اللہ کی قسم اٹھائی۔ بالآخر انہیں دھوکا دینے میں کامیاب ہو گیا، نیز مؤمن کو اللہ کا واسطہ دے کر دھوکا دیا جا سکتا ہے۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں: قاسم باب مفاعلہ سے ہے اور مبالغے کے لیے یہ صیغہ لایا گیا ہے۔ چوں کہ جو شخص کسی سے مقابلہ کرتا ہے اور اسے دھوکا دیتا ہے۔ اس میں وہ پوری کوشش کرتا ہے۔[1]

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ: وہ انہیں اللہ کی قسم اٹھا کر دھوکا دے گیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ابلیس نے قسم اٹھا کر آدم اور حوا علیہما السلام کو دھوکا دیا۔ آدم علیہ السلام کا خیال تھا کہ اللہ کی قسم اٹھانے والا جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ یوں ابلیس انہیں دھوکا دینے میں کامیاب ہوا۔[2] فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا: جب انہوں نے اس ممنوعہ درخت کا پھل کھایا تو ان دونوں کی شرم کی جگہیں ایک دوسرے پر ظاہر ہو گئیں۔ کلبی کہتے ہیں: آدم اور حوا علیہما السلام کا لباس ان سے الگ ہو گیا اور ایک دوسرے کی شرمگاہ دیکھ لی اور دونوں ایک دوسرے سے حیا کرنے لگے۔

وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ:......اور جنت کے درختوں کے پتوں سے اپنا بدن چھپانے لگے۔ ان کے کپڑے جنت کے عالیشان جوڑے تھے۔ قرطبی کہتے ہیں: دونوں پتے توڑ توڑ کر اپنے بدن پر چپکانے لگے تا کہ پتوں کے ذریعے بدن کے حیا والے حصے چھپا سکیں۔[3] وہب بن منبہ کہتے ہیں: آدم اور حوا علیہما السلام کی شرمگاہوں پر لباس نور کی صورت میں تھا۔ وہ ایک دوسرے کی شرمگاہ نہیں دیکھ سکتے تھے۔ جب ان سے خطا سرزد ہوئی تو ان کی شرمگاہیں ظاہر ہو گئیں۔[4] وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ: سزا اور ڈانٹ کے طور پر اللہ نے انہیں آواز دی کہ کیا میں نے تمہیں اس درخت کا پھل کھانے سے روکا نہیں تھا اور تمہیں شیطان ملعون کی دشمنی سے آگاہ نہیں کیا تھا؟ روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے کہا: کیا میں نے تمہیں جنت کے درختوں کا پھل عطا نہیں کیا جو شجرہ ممنوعہ سے کفایت کرتا؟ آدم علیہ السلام نے عرض کیا: بلاشبہ تیری عزت کی قسم! لیکن میرا خیال تھا کہ تیری مخلوق میں سے کوئی بھی تیرے نام کی جھوٹی قسم نہیں اٹھاتا۔ اللہ تعالیٰ نے کہا: مجھے میری عزت کی قسم! میں تمہیں ضرور زمین پر اتاروں گا۔ پھر تم وہاں مشقت والی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گے۔[5] قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ: آدم اور حوا علیہما السلام نے خطا کا اعتراف کیا اور گناہ سے توبہ کی اور رب تعالیٰ سے مغفرت طلب کی اور رحمت کا سوال کیا۔ طبری کہتے ہیں: اس آیت میں وہی کلمات ہیں جو آدم علیہ السلام کو اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے ملے۔[6]

---

[1] روح المعانی ۸/۱۰۰ [2] القرطبی ۷/۱۸۰ [3] الکشاف ۲/۹۷ [4] شیطان کے دھوکے میں آنے سے اپنی حصار مضبوط کر لو اور اللہ سے پناہ مانگتے رہو۔ [5] القرطبی ۷/۱۸۱ [6] الطبری ۳/۳۵۵

ہبوط آدم وحوا علیہماالسلام

قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ:...... آیت میں آدم، حوا علیہماالسلام اور ابلیس سے خطاب ہے۔ اسی لیے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے۔ یعنی آسمان قدس سے زمین پر اتر جاؤ، اس حال میں کہ تم ایک دوسرے کے دشمن ہوگے۔ چنانچہ شیطان انسان کا دشمن ہے اور انسان شیطان کا دشمن ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ ارشاد ہے: اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا: شیطان تمہارا دشمن ہے اور اسے اپنا دشمن ہی سمجھو۔
وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ: تمہارے لیے زمین میں ٹھہرنے کی جگہ اور کسی حد تک فائدہ اٹھانا ہے تمہاری عمریں پوری ہونے تک۔ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ: تم زمین میں زندگی بسر کرو گے اور زمین میں تمہیں دفنایا جائے گا اور اعمال کا بدلہ دینے کے لیے تمہیں زمین سے نکالا جائے گا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى

ترجمہ:...... ہم نے زمین (کی مٹی) سے تمہیں پیدا کیا اور تمہیں اسی میں واپس لوٹائیں گے اور دوبارہ اسی سے تمہیں باہر نکالیں گے۔ (سورہ طٰہٰ، ۵۵)

لباس اور پوشاک کا نزول

اس کے بعد اللہ نے اولاد آدم پر کیے ہوئے احسانات کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:
يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا:...... ہم نے تمہارے اوپر دو قسم کے لباس بھیجے۔ ایک قسم کا وہ لباس جو تمہاری شرمگاہوں کو چھپاتا ہے اور دوسری قسم کا وہ لباس جس سے تم زیب و زینت حاصل کرتے ہو۔ زمخشری کہتے ہیں: الریش، زیب و زینت کا لباس، پرندے کے بال و پر سے بطور استعارہ ہے، چوں کہ پر پرندے کے لیے زینت ہوتے ہیں۔[1] وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ: اور خوف خدا کا لباس نہایت افضل و اعلیٰ ہے، چوں کہ باطن کی طہارت ظاہر کی طہارت سے افضل ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے:

وخير لباس المرء طاعة ربه ولا خير فيمن كان لله عاصيا

ترجمہ:...... آدمی کا سب سے بہترین لباس اپنے رب کی طاعت و فرمانبرداری ہے اور جو شخص اللہ کا نافرمان ہو اس کی کوئی عزت اور مرتبہ نہیں ہوتا۔
ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ:...... لباس کا نازل کرنا اللہ کی عظیم نشانی ہے جو اس کے فضل و رحمت پر دلالت کرتی ہے۔ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ: تاکہ لوگ اللہ کی نعمتوں کو یاد رکھیں اور ان نعمتوں پر اللہ کا شکر ادا کریں۔ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ: اے بنی آدم! تمہیں شیطان مکر و فریب سے گمراہ نہ کرنے پائے۔[2] كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ: جیسے ابلیس نے تمہارے والدین کو بھلا پھسلا کر ممنوع درخت کا پھل کھلا دیا حتیٰ کہ انہیں جنت سے نکال دیا۔ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا: اور ان کا لباس ان کے بدن سے اتروالیا تاکہ ان کی شرم کی جگہیں ظاہر ہو جائیں۔ لباس اتروانے کی نسبت ابلیس کی طرف کی گئی ہے، کیوں کہ وہ سبب بنا۔ ابلیس ملعون کا یہی ہدف تھا کہ وہ انسان کا ستر کھول ڈالے اور انسان کو حسی اور معنوی فضائل سے عاری کردے۔ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ: شیطان اور اس کا لشکر تمہیں وہاں سے دیکھتا ہے جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔ شیطان نے تمہارے لیے گھات لگا رکھی ہے، لہٰذا اس کے مکر و فریب سے ہوشیار رہو، کیوں کہ دشمن جب ایسی سمت سے حملہ آور ہو جہاں اسے دیکھا نہ جاتا ہو تو وہ زیادہ خطرناک اور زیادہ خوفناک ہوتا ہے۔ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ: ہم نے شیاطین کو کفار کے اعوان و انصار بنا دیے ہیں۔ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً: اور جب مشرکین کوئی بے حیائی کا عمل کرتے ہیں، جو نہایت درجے کا قبیح ہوتا ہے، جیسے ننگے بدن کعبہ کا طواف کرنا۔ قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا: اس فعل قبیح سے یوں اپنا عذر ظاہر کرتے ہیں کہ ہم تو اپنے آباؤ اجداد کی تقلید کرتے ہیں۔ وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا: اللہ نے ہمیں کپڑے اتارنے کا حکم دیا ہے۔ بھلا ان کپڑوں میں ہم کیوں کر طواف کریں، جنہیں پہن کر ہم گناہ

---

[1] البحر ۴/۲۸۱ [2] یہ روایت طبری نے ضحاک سے نقل کی ہے۔

کرتے ہیں اور اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں، حالاں کہ یہ اللہ عزوجل پر کھلا افترا اور جھوٹ ہے۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: مشرکین نے اپنے موقف پر دو طریقوں سے حجت پکڑی ہے۔ آبا و اجداد کی تقلید اور اللہ عزوجل پر افترا پردازی۔ چنانچہ پہلی حجت سے کوئی بحث نہیں کی، چوں کہ اس کا فساد ظاہر ہے جب کہ دوسری حجت کے رد میں فرمایا: قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ:[1] اے محمد! مشرکین سے کہہ دیجیے اللہ نقص سے پاک ہے، اللہ اپنے بندوں کو افعال قبیحہ اور بری خصلتوں کا حکم نہیں دیتا۔ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ: استفہام برائے انکار ہے، کیا تم اللہ پر جھوٹ بولتے ہو اور قبیح فعل اللہ کی طرف منسوب کرتے ہو اور تم ایسا بے سوچے سمجھے کیوں کرتے ہو؟ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ: میرے رب نے تو مجھے عدل و استقامت کا حکم دیا۔ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ: ہر سجدے کے وقت کلی طور پر اللہ کی طرف متوجہ رہو۔ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ: اور عبادت وطاعت خالص اللہ کی کرو۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اللہ نے تمہیں عبادت میں استقامت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ اگر عبادت میں یہ دو صفات جمع نہ ہوں تو اللہ اس عبادت کو قبول نہیں کرتا، یعنی عبادت صحیح وصواب ہو جو شریعت کے مطابق ہو اور یہ کہ عبادت شرک سے پاک ہو۔[2] كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ: جیسے زمین سے تمہاری ابتدا کی زمین ہی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے۔ فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ: تم میں سے ایک گروہ کو اللہ نے ہدایت سے سرفراز کیا اور ایک گروہ پر گمراہی مسلط کر دی۔ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، اس سے پوچھا نہیں جاتا۔
اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ: یہ اس فریق کی علت بیان کی گئی ہے جس پر گمراہی مسلط کر دی گئی۔ یعنی اس گروہ نے شیاطین کو اللہ کے علاوہ اپنا مددگار بنالیا ہے۔ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ: ان کا گمان ہے کہ وہ بصیرت اور ہدایت پر قائم ہیں۔

بلاغت: ...... حَرَجٌ مِّنْهُ: مضاف حذف ہے اصل عبارت یوں ہے۔ من تبلیغه جیسے وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ: ای اهل القرية۔

مِّنْ رَّبِّكُمْ: وصف ربوبیت کی اضافت ضمیر مخاطبین کی طرف کی گئی ہے۔ اس انداز ترکیب سے رب تعالیٰ کے لطف مزید کو نمایاں کرنا مقصود ہے اور اوامر بجا لانے میں مخاطبین کو ترغیب دینا بھی مقصود ہے۔[3] فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ: ثقلت اور خفت میں طباق ہے۔ بَيَاتًا: اور قَآئِلُوْنَ: میں بھی طباق ہے، کیوں کہ بَيَاتًا: کا معنی ہے۔ رات کے وقت اور قائلون کا معنی ہے دن کے وقت۔ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ: ضمیر منصوب متصل کا مضاف محذوف ہے۔ عبارت یوں ہے۔ خلقنا اباكم وصورنا اباكم۔ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ: الصراط المستقيم ہدایت کے ایسے راستے کے لیے استعارہ ہے جو جنت تک پہنچانے والا ہے۔ وَيٰٓاٰدَمُ: میں ایجاز حذف ہے یعنی وقلنا یاآدم۔
وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ: "الأكل" کو القرب سے تعبیر کیا گیا ہے، دراصل نہی میں مبالغہ پیدا کرنا مقصود ہے۔
وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا: خبر کو قسم کے ساتھ مؤکد کیا گیا ہے اور ساتھ ان اور لام تاکید بھی لایا گیا ہے۔ گویا کلام میں تین تاکیدات ہیں، تاکہ کذب کا شبہ نہ رہے اور اس اسلوب کلام کو "انکاری" کہا جاتا ہے۔ کیوں کہ سامع مدعا کے متعلق متردد ہوتا ہے۔
فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ: دونوں جملوں کے درمیان صنعت طباق ہے اور یہ صنعت محسنات بدیعیہ میں سے ہے۔
تنبیہ: ...... شرمگاہ کو "سوأة" کہا جاتا ہے، چوں کہ جو شخص شرمگاہ کھول لے، اسے برا سمجھا جاتا ہے۔ علما کہتے ہیں: آیت میں اس بات پر دلیل ہے کہ "کشف عورۃ" یعنی شرمگاہ کا کھولنا امر عظیم ہے اور طبیعت کو اس سے سخت نفرت ہوتی ہے، اسی لیے شرمگاہ کو سوأة کہا جاتا ہے۔
میں کہتا ہوں کہ آیت کریمہ نے ابلیس ملعون کا ہدف واضح کر دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا: چنانچہ جو لوگ عورت کو عریاں کرنا چاہتے ہیں اور اسے برہنگی پر اکساتے ہیں اور اپنے موقف کو ترقی پسندی کا نام دیتے ہیں، یہ لوگ عورت کو حجاب اتار پھینکنے کی دعوت دیتے ہیں اور اپنے مؤقف کو آزادی نسواں اور مساوات کے دعوے سے مدلل کرتے ہیں۔ حقیقت میں یہ مغرب زدہ لوگ عورت کے دشمن ہیں اور ابلیس کے اعوان وانصار ہیں، کیوں کہ جو ہدف ان مغرب زدہ لوگوں کا ہے وہی ابلیس کا ہے۔ یہ تو بے پردگی، برہنگی اور بے ہودگی کی کھلی دعوت ہے۔ حقیقت میں یہ سوچ اور یہ نظریہ اخلاقی انحطاط کی انتہا ہے، حالاں کہ ترقی پسندی کا نظریہ اور مؤقف بے پردگی اور برہنگی پر موقوف نہیں۔ حقیقت میں وہی ترقی معتبر ہے جو عزت، شرف، عفت و پاکدامنی کی ضامن ہو۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

---

[1] البیضاوی، ص ۱۸۹ [2] مختصر ابن کثیر ۲/ ۱۳ [3] ابوالسعود ۱۵۵

يا ابنتي ان اردت آية حسن وجمالا يزين جسما وعقلا
فانبذي عادة التبرج نبذا فجمال النفوس اسمى واعلى
يصنع الصالحون وردا ولكن وردة الروض لاتضارع شكلا

اے بیٹی! اگر تم حسن و جمال کی نشانی دیکھنا چاہتی ہو جو جسم و عقل کو آراستہ بنا دے۔ تو سج دھج سے باہر نکلنے کی عادت ترک کر دے اور دل کا حسن و جمال اعلیٰ و افضل ہے۔ چنانچہ لوگ مصنوعی گلاب کا پھول تو بنا دیتے ہیں، لیکن باغ میں اگنے والا گلاب کا پھول شکل و خوبی میں منفرد ہوتا ہے۔

حسب موقع زینت اختیار کرنے کا حکم اور آخرت کے احوال کا ذکر

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ۭ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَاۗءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۭ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَاۗءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰي يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ۡ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ

مِّنْ غِلٍّ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۗ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِىَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ وَنُوْدُوْۤا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّاۢ بِسِيْمٰىهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۫ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰىهُمْ قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾

الثلثۃ — وقف لازم باختلاف — ع ۶

ترجمہ:.....اے اولادِ آدم! تم مسجد کی حاضری کے وقت اپنی آرائش لے لیا کرو اور کھاؤ اور پیو اور حد سے آگے مت بڑھو، بے شک اللہ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ ﴿۳۱﴾ آپ فرما دیجیے! اللہ نے اپنے بندوں کے لیے جو زینت نکالی ہے اور جو کھانے پینے کی چیزیں پیدا فرمائی ہیں انہیں کس نے حرام قرار دیا، آپ فرما دیجیے کہ یہ چیزیں دنیاوی زندگی میں اہل ایمان کے لیے ہیں۔ قیامت کے دن ان کے لیے خالص ہوں گی۔ ہم اسی طرح ان لوگوں کے لیے آیات بیان کرتے ہیں جو جانتے ہیں۔ ﴿۳۲﴾ آپ فرما دیجیے کہ میرے رب نے فحش کاموں کو جو ظاہر ہوں اور جو چھپے ہوئے ہوں۔ اور گناہ کو اور ظلم کو جو ناحق ہوتا ہے حرام قرار دیا ہے اور اس بات کو حرام قرار دیا کہ اللہ کے ساتھ شریک کریں جس کی کوئی دلیل اللہ نے نازل نہیں فرمائی اور یہ بھی حرام قرار دیا کہ تم اللہ کے ذمے وہ باتیں لگاؤ جنہیں تم نہیں جانتے ﴿۳۳﴾ اور ہر امت کے لیے ایک وقت مقرر ہے سو جب ان کی اجل آ گئی تو اس سے ذرا دیر بھی پیچھے نہ ہٹیں گے اور مقدم بھی نہ ہوں گے، ﴿۳۴﴾ اے اولادِ آدم! اگر تمہارے پاس میرے رسول آئیں جو تمہارے سامنے میری آیات بیان کریں سو جس نے تقویٰ اختیار کیا اور اصلاح کی سو ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے ﴿۳۵﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا وہ لوگ دوزخ والے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿۳۶﴾ سو اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے یا اس کی آیات کو جھٹلائے یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کا لکھا ہوا حصہ مل جائے گا۔ یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے فرستادہ ان کی جان قبض کرنے کے لیے آئیں گے تو وہ کہیں گے کہ وہ کہاں ہیں جنہیں تم اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے؟ جواب میں کہیں گے کہ وہ سب ہم سے غائب ہو گئے اور اس وقت یہ لوگ اپنے بارے میں اقرار کر لیں گے کہ ہم کافر تھے۔ ﴿۳۷﴾ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا کہ دوزخ میں ان جماعتوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ جو جنات میں سے اور انسانوں میں سے تم سے پہلے ہو گزریں۔ جب ایک جماعت داخل ہوگی تو اپنی جیسی دوسری جماعت پر لعنت کرے گی۔

یہاں تک کہ جب سب دوزخ میں جمع ہو جائیں گے تو پچھلے لوگ پہلے لوگوں کے بارے میں کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ان لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا لہٰذا انہیں خوب زیادہ بڑھتا چڑھتا دوزخ کا عذاب دیجیے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ سب ہی کا دوگنا ہے لیکن تم جانتے نہیں ہو، (۳۸) اور جو پہلے لوگ تھے وہ پچھلے لوگوں سے کہیں گے کہ پھر تم کو ہم پر کوئی فضیلت نہیں۔ سو چکھو عذاب اپنے اعمال کے بدلے میں۔ (۳۹) بے شک جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے۔ اور ہم ایسے ہی مجرموں کو سزا دیتے ہیں۔ (۴۰) ان کے لیے دوزخ کا بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر سے اوڑھنے کا سامان ہوگا اور ہم اسی طرح ظالموں کو بدلہ دیتے ہیں۔ (۴۱) اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ہم کسی جان کو مکلف نہیں بناتے مگر اس کی طاقت کے موافق، یہ لوگ جنت والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے (۴۲) اور جو کچھ ان کے سینوں میں کدورت ہوگی ہم اسے نکال دیں گے۔ ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ کہیں گے کہ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں یہاں پہنچا دیا۔ اور ہم راہ پانے والے نہ تھے اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا بلاشبہ ہمارے پاس ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ آئے اور ان کو آواز دی جائے گی کہ یہ جنت ہے جو تمہیں دی گئی ان اعمال کا بدلہ جو تم کیا کرتے تھے۔ (۴۳) اور جنت والے دوزخ والوں کو پکاریں گے ہمارے رب نے جو ہم سے وعدہ فرمایا تھا وہ ہم نے حق پایا سو کیا تم نے بھی اسے حق پایا جو تمہارے رب نے تم سے وعدہ فرمایا تھا وہ کہیں گے کہ ہاں! پھر ایک اعلان کرنے والا ان کے درمیان اعلان کرے گا کہ اللہ کی لعنت ہو ظالموں پر، (۴۴) جو اللہ کی راہ سے روکتے تھے اور اس میں کجی تلاش کرتے تھے اور وہ لوگ آخرت کے منکر تھے۔ (۴۵) اور دونوں کے درمیان پردہ حائل ہوگا اور اعراف پر بہت سے لوگ ہوں گے جو ہر ایک کو اس کی نشانی سے پہچانتے ہوں گے اور وہ جنت والوں کو پکار کر کہیں گے کہ تم پر سلام ہو۔ یہ لوگ جنت میں داخل نہ ہوئے ہوں گے اور امید کر رہے ہوں گے، (۴۶) اور جب ان کی نظریں دوزخ والوں کی طرف پھیر دی جائیں گی تو کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہمیں ظالم قوم کے ساتھ شامل نہ فرمائیے۔ (۴۷) اور اعراف والے بہت سے آدمیوں کو پکاریں گے جنہیں وہ ان کی نشانی سے پہچانتے ہوں گے کہ تمہارے کام نہ آئی تمہاری جماعت اور نہ تمہارا تکبر کرنا۔ (۴۸) کیا یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں تم نے قسم کھا کر کہا تھا کہ اللہ ان پر رحمت نہیں فرمائے گا ان کو یوں حکم ہو گیا کہ داخل ہو جاؤ جنت میں تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم رنجیدہ ہوں گے۔ (۴۹) اور دوزخ والے جنت والوں کو آواز دیں گے کہ ہمارے اوپر کچھ پانی بہا دو یا ان نعمتوں میں سے جو اللہ نے تمہیں دی ہیں، وہ جواب میں کہیں گے کہ بلاشبہ اللہ نے ان دونوں کو کافروں پر حرام کر دیا ہے، (۵۰) جنہوں نے اپنے دین کو لہو و لعب بنایا اور انہیں دنیا والی زندگی نے دھوکہ دیا، سو آج ہم انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں گے جیسا کہ وہ آج کے دن کی ملاقات کو بھول گئے اور جیسا کہ وہ ہماری آیات کا انکار کرتے تھے۔ (۵۱)

ربط و تعارف: ......قبل ازیں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا اور اولاد آدم پر جو انعام و احسان کیا، اس کا تذکرہ کیا اور ان کے لباس کا ذکر کیا۔ اب یہاں مناسب مواقع میں زینت اختیار کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ آخرت کے احوال ذکر کیے گئے ہیں۔ انسانوں کے مختلف گروہوں میں منقسم ہونے کا ذکر بھی ہے جو اہل جنت، اہل دوزخ اور اہل اعراف ہیں۔ ہر گروہ کا انجام یا اچھا ہوگا یا برا۔

لغات: **زِيْنَتَكُمْ:** ......الزینۃ کپڑے وغیرہ جن سے انسان زینت کا کام لیتا ہے۔ **الْفَوَاحِشَ:** فاحشۃ کی جمع نہایت درجے کا قبیح گناہ۔ **الْبَغْيَ:** ظلم و زیاتی۔ **سُلْطٰنًا:** حجت و برہان۔ **سَمِّ الْخِيَاطِ:** سوئی کا سوراخ۔ **مِهَادٌ:** بچھونا جسے انسان بچھاتا ہے۔ **غَوَاشٍ:** غَاشِيَةٌ کی جمع ہے۔ پردے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں۔ **غَوَاشٍ:** سے مراد لحاف ہیں۔ **الْاَعْرَافِ:** جنت اور دوزخ کے درمیان ایک حد، عرف کی جمع ہے۔ عرف مرغ کی کلغی کو کہا جاتا ہے۔ اعراف بطور استعارہ مستعمل ہے۔ **بِسِيْمٰهُمْ:** ان کی علامت کے ساتھ۔

سبب نزول: ......ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک عورت بیت اللہ کا عریاں طواف کرتی تھی اور کہا کرتی جو شخص مجھے ننگے بدن طواف کرنے سے منع کرے گا وہ اسے شرمگاہ پر مارے گی (یعنی ممانعت کی کوئی حیثیت نہیں) اور یہ شعر بھی پڑھتی:

اليوم يبدو بعضه او كله فما بدا منه فلا احله

میرے بدن کا کچھ حصہ ظاہر ہو یا سارا بدن ظاہر ہو جو حصہ بھی ظاہر ہو میں اسے نہیں ڈھانپوں گی۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ: اس آیت کے نزول کے فوراً بعد رسول اللہ ﷺ کے موذن نے اعلان کیا کہ کوئی شخص ننگے بدن بیت اللہ کا طواف نہ کرے۔ [1]

تفسیر:...... يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ: ہر نماز اور طواف کے وقت عمدہ اور پاکیزہ کپڑے پہنو۔ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا: لباس، کھانے اور پینے میں اسراف نہ کرو جس سے تمہاری جان اور مال کو ضرر پہنچے۔ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ: اللہ تعالیٰ حلال وحرام کے سلسلے میں حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ: اے محمد! عرب کے ان جہلای جو عریاں طواف کرتے ہیں اور اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو اپنے اوپر حرام سمجھتے ہیں کہہ دیجیے: کپڑوں سے آراستگی حاصل کرنا تمہارے او پر کس نے حرام کیا ہے۔ حالاں کہ یہ کپڑے اللہ نے تمہارے نفع کے لیے بنائے ہیں اور کھانے پینے کی لذات والی چیزیں تمہارے اوپر کس نے حرام کی ہیں؟ استفہام برائے انکار ہے۔ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ: یہ لباس زینت اور پاکیزہ چیزیں، دنیا میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کے لیے پیدا فرمائی ہیں، اگر چہ ان میں کفار بھی شریک ہیں۔ قیامت کے دن یہ چیزیں مؤمنین کے ساتھ مخصوص ہو جائیں گی اور ان میں مؤمنین کے ساتھ کوئی بھی شریک نہیں ہوگا، کیوں کہ اللہ نے کفار پر جنت حرام کردی ہے۔ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ: ہم آیات کو ان لوگوں کے لیے بیان اور واضح کرتے ہیں جو اللہ کی حکمت میں غور وتدبر کرتے ہوں اور اللہ کی شریعت وقانون کو سمجھتے ہوں۔

فواحش کی مذمت

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ:...... اے محمد! کفار سے کہہ دیجیے: اللہ نے تو صرف برائیاں اور عیوب حرام کیے ہیں، جو فحش سمجھے جاتے ہیں اور ان کا ضرر نہایت درجے کا ہے۔ برابر ہے کہ یہ برائیاں پوشیدہ ہوں یا اعلانیہ ہوں۔ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ: اللہ نے معاصی اور لوگوں پر ظلم وتعدی کو حرام کیا ہے۔ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا: اور اللہ نے حرام کیا ہے کہ تم عبادت میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ جب کہ اللہ نے شریک کے بارے میں کوئی دلیل وحجت نازل نہیں کی۔ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ: اور اللہ نے یہ بھی حرام کیا ہے کہ تم حلال وحرام کے متعلق اللہ پر جھوٹ باندھتے رہو۔ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ: ہر وہ امت جس نے پیغمبروں کی تکذیب کی، ان کی ہلاکت کی مدت مقرر ہے۔ بحر میں ہے: آیت میں مشرکین کو عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ چوں کہ مشرکین رب تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں۔

فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ: جب ان کی ہلاکت کا مقررہ وقت آجاتا ہے تو وہ لمحہ بھر بھی اس سے آگے پیچھے نہیں ہوسکتے۔ چنانچہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴿۵۹﴾ (سورۃ الکھف، آیت ۵۹)

"ان بستیوں کے مکینوں نے جب ظلم کیا ہم نے انہیں ہلاک کردیا اور ہم نے ان کی ہلاکت کا وقت مقرر کردیا۔"

آیت سَاعَةً کم از کم مدت زمانی ہے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ:...... بنی آدم سے مراد تمام امتیں ہیں۔ معنی ہے: اگر میرے پیغمبر جنہیں میں تمہاری طرف مبعوث کروں، وہ تم سے احکام وشرائع بیان کریں۔ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ: تم میں سے جو شخص طاعت بجا لاکر اپنے رب سے ڈرے اور محرمات ترک کرے تو آخرت میں اس پر کوئی خوف نہیں ہوگا اور نہ ہی انہیں کوئی غم ہوگا۔ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ: یعنی رہی بات اس شخص کی جو جھوٹ بولے اور تکبر کے ساتھ پیغمبروں کی لائی ہوئی تعلیمات (ضروریات دین) سے منہ موڑے۔ پس یہ لوگ دوزخ میں جائیں گے۔ ہمیشہ ہمیشہ اس میں ٹھہریں گے اور دوزخ سے باہر نہیں نکلیں گے۔ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ: استفہام برائے انکار ہے۔ یعنی اس شخص سے

---

[1] اخرجہ مسلم کذا فی القرطبی ۷/۱۸۹

بڑھ کر کون زیادہ برا ہوسکتا ہے جو جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ بولے اور اللہ کی نازل کردہ آیات کو جھٹلائے؟

أُولَٰئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيبُهُم مِّنَ الْكِتَابِ: یہ لوگ نوشتۂ تقدیر کے مطابق دنیا میں رزق اور عمر پائیں گے۔ مجاہد کہتے ہیں: ان لوگوں سے خیر وشر کا جو وعدہ کیا گیا ہے وہ انہیں مل کر رہے گا۔ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ: اور جب موت کے فرشتے ان کی روحیں قبض کرنے آ گئے۔ قَالُوا أَيْنَ مَا كُنتُمْ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ: تمہارے وہ معبودان جنہیں تم اللہ کے علاوہ پوجتے تھے، وہ کہاں ہیں؟ انہیں پکاروتا کہ تمہیں عذاب سے بچائیں۔ آیت میں سوال برائے توبیخ ہے۔ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا: یہ جھٹلانے والے بدبخت کہیں گے وہ تو ہمیں چھوڑ کر غائب ہوئے ہیں۔ ہمیں ان کے نفع کی کوئی امید نہیں اور نہ ہی ان میں کوئی بھلائی ہے۔ وَشَهِدُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ: یہ لوگ اپنی ذات کے خلاف اقرار اور اعتراف کریں گے کہ ہم سے کفر سرزد ہوا اور ہم گمراہ رہے۔ کفار حسرت وافسوس کے طور پر ایسا کہیں گے۔

قَالَ ادْخُلُوا فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ فِي النَّارِ:...... اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آیات کے ان جھٹلانے والوں سے کہے گا: تم جیسی جو دوسری گناہگار امتیں ہیں ان کے ساتھ دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔ یہ امتیں گزشتہ کفار ہیں۔ خواہ انسان ہوں یا جنات۔

كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَّعَنَتْ أُخْتَهَا: جب بھی کوئی گروہ دوزخ میں داخل ہوگا۔ دوزخ میں موجود گروہ پر لعنت کرے گا چوں کہ اس کی وجہ سے وہ (بعد میں آنے والا گروہ) گمراہ ہوئے۔ علامہ آلوسی کہتے ہیں: متبعین اپنے سرداروں پر لعنت کریں گے اور کہیں گے: تم ہی ہمیں یہاں لائے ہو تمہارے اوپر اللہ کی لعنت ہو۔ [1] مراد یہ ہے کہ اہل دوزخ ایک دوسرے پر لعنت کریں گے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُم بِبَعْضٍ وَيَلْعَنُ بَعْضُكُم بَعْضًا (سورۃ العنکبوت، آیت ۲۵)

"قیامت کے دن کفار ایک دوسرے کا انکار کریں گے اور ایک دوسرے پر لعنت کریں گے۔"

حَتَّىٰ إِذَا ادَّارَكُوا فِيهَا جَمِيعًا:...... یکے بعد دیگرے سب کفار دوزخ میں جمع ہو جائیں گے۔

قَالَتْ أُخْرَاهُمْ لِأُولَاهُمْ رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ أَضَلُّونَا: متبعین اپنے قائدین اور سرداروں سے کہیں گے۔ اے ہمارے رب! انہی نے ہمیں تیرے راستے سے ہٹایا ہے اور انہی نے شیطان کی طاعت ہمیں آراستہ کر کے دکھائی۔

فَآتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ: انہیں دگنا عذاب دے چوں کہ ہمارے کفر کا سبب یہی بنے ہیں۔ یہی مضمون ایک اور آیت میں بیان کیا گیا ہے:

رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلَا ﴿٦٧﴾ رَبَّنَا آتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ (سورۃ الاحزاب، آیت ۶۸،۶۷)

"اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی اطاعت کی۔ انہوں نے ہمیں سیدھے راستے سے ہٹا دیا۔
اے ہمارے رب! انہیں دگنا عذاب دے۔"

قائدین کو اس کے لیے دگنا عذاب ہوگا چوں کہ وہ خود بھی گمراہ تھے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے رہے ہیں اور پیروکاروں کو اس لیے دگنا عذاب ہوگا چوں کہ وہ گمراہ تھے اور گمراہوں کے پیچھے چلتے رہے۔ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ: یعنی قائدین اور پیروکاروں میں سے ہر ایک کو دگنا عذاب ہوگا۔ وَلَٰكِن لَّا تَعْلَمُونَ: انہیں عذاب کی ہولناکی کا علم نہیں ہوگا، اسی لیے دگنے عذاب کا سوال کریں گے۔

وَقَالَتْ أُولَاهُمْ لِأُخْرَاهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِن فَضْلٍ: سردار متبعین سے کہیں گے: تمہیں تخفیف عذاب میں ہمارے اوپر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہوگی۔ ہم گمراہی میں برابر تھے، اس لیے دردناک عذاب کے استحقاق میں بھی برابر ہیں۔ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ: جرم وگناہ کے سبب تم جہنم کا عذاب چکھو۔ سردار یہ بات اپنی تشفی کے لیے کہیں گے، چوں کہ متبعین نے سرداروں پر دگنے عذاب کا دعویٰ کیا ہوگا۔ [2]

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا:...... جن لوگوں نے ہماری آیات جو واضح تھیں کو جھٹلایا اور ایمان لانے سے تکبر کیا اور آیات کے مقتضا سے بھی پہلو تہی کی۔ لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ: اعمال صالحہ اوپر جانے کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے جیسا کہ یہ

---

[1] روح المعانی ۸/۱۱۶ [2] بعض مفسرین کا خیال ہے کہ فَذُوقُوا الْعَذَابَ الآیۃ کلام اللہ ہے جو بطور توبیخ ہے۔ طبری نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ بظاہر قائدین متبعین سے یہ کہیں گے۔ کمافی البحر واللہ اعلم

مضمون دوسری آیات میں آیا ہے۔ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ: عمدہ کلمات اللہ کی طرف چڑھ جاتے ہیں۔[1]

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ان کا کوئی عمل صالح اوپر نہیں جانے پائے گا اور نہ ہی ان کی دعا اوپر جائے گی۔ دوسری تفسیر کے مطابق آیت کا معنی ہے کہ ان کی ارواح کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ اس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ جب بندۂ کافر کا دنیا سے مرنے کا وقت آتا ہے اس کے پاس موت کا فرشتہ آجاتا ہے اور اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے: اے گندی روح! اللہ کے عذاب و غضب کی طرف نکل کر چلی جا۔ چنانچہ کافر کے بدن سے مردار جانور کی نہایت گندی بدبو کی طرح روح نکلتی ہے۔ یہ روح فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے بھی گزرتی ہے وہ کہتے ہیں: یہ گندی بدبودار روح کیسی ہے؟ حتیٰ کہ موت کا فرشتہ اسے لے کر آسمان دنیا تک جا پہنچتا ہے اور وہ آسمان کے کھلوانے کا مطالبہ کرتا ہے، لیکن آسمان نہیں کھولا جاتا۔[2] ......الحدیث

کفار کا جنت میں داخلہ محال ہے

لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ: ......قیامت کے دن یہ کفار جنت میں داخل نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے۔ یہ ضرب المثل امر محال کو بیان کرنے کے لیے لائی گئی ہے۔ یعنی کفار کا جنت میں داخل ہونا اتنا ہی محال ہے، جتنا کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں داخل ہونا، کیوں کہ سوئی کا سوراخ نہایت چھوٹا ہوتا ہے اور اونٹ بڑی جسامت کا جانور ہے۔ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ: ہم مجرموں اور گناہگاروں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ: ان کفار کے لیے بس دوزخ ہی کا بچھونا ہوگا۔

وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ: ان کے اوپر دوزخ ہی کا اوڑھنا ہوگا۔ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ: اسی طرح کا بدلہ ہم ہر ہر ظالم اور اللہ کی حدود سے تجاوز کرنے والے کو دیتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے کفار کی وعید کا ذکر کیا تو اب مؤمنین سے کیے گئے وعدے کا ذکر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ: اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق کرتے ہیں اور انہیں اللہ نے جو حکم دیا ہے اس پر پورا اترتے ہیں۔ مبتدا اور خبر کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ بحر میں ہے: اس امر پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ عمل مؤمنین کی وسعت میں قدرت میں ہے، کفار کے لیے تنبیہ ہے کہ جنت جو عظیم ٹھکانا ہے اس تک آسان عمل کے ذریعے پہنچا جا سکتا ہے، جس میں زیادہ مشقت نہیں ہے۔[3]

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ: ......یہ خبر ہے اسم موصول مبتدا ہے یعنی یہی سعادت مند مؤمنین بہشت میں دائمی خلود کے مستحق ہیں۔ جنت سے کبھی نہیں نکالے جائیں گے۔ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ: ہم ان کے دلوں کو حسد و بغض کی گندگیوں سے پاک کر دیں گے، حتیٰ کہ اہل جنت کی آپس میں محبت ہی محبت ہوگی جیسا کہ حدیث میں ہے۔ مؤمنین جنت میں داخل ہوں گے، اس حال میں کہ ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے بارے میں بغض و حسد نہیں ہوگا۔ نَزَعْنَا: صیغہ ماضی تحقق کا فائدہ دیتا ہے۔ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ: یعنی ان کے محلات کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہوں گے۔ یہ نعمتوں کے اضافے کا بیان ہے۔ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۗ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ: مؤمنین اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور شکر کریں گے، یعنی جس نے ہمیں یہ عظیم نعمت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اگر ہمیں اللہ کی ہدایت نہ ملی ہوتی اور اس کی توفیق شامل حال نہ ہوتی تو ہم اس سعادت تک نہ پہنچ سکتے۔ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ: یعنی بخدا! پیغمبروں نے ہمیں جن تعلیمات کی خبر دی ہے ہم نے ان کی تصدیق کی اور وہ پیغام حق لے کر آئے۔ وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ: فرشتے آواز لگائیں گے کہ یہی وہ جنت ہے جو دنیا میں اعمال صالحہ کے سبب تمہیں عطا کی گئی ہے۔ قرطبی کہتے ہیں: یعنی تم اپنے نیک اعمال سے جنت کی منازل کے وارث ہوئے ہو اور اللہ کی رحمت و فضل اور کرم سے تم جنت میں داخل ہوئے ہو، جیسا کہ حدیث میں ہے: تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا......الحدیث[4] وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ۗ قَالُوْا نَعَمْ: یہ آواز اس وقت لگائی جائے گی جب اہل جنت جنت میں قرار پکڑ لیں گے اور اہل دوزخ، دوزخ میں پہنچ جائیں گے۔ مستقبل کو ماضی

---

[1] یعنی عند اللہ قبول ہو جاتے ہیں۔ [2] اخرجہ الامام احمد دیکھیے ابن کثیر ۲/۱۸۔ [3] البحر المحیط ۴/۲۹۸۔ [4] اخرجہ مسلم دیکھیے قرطبی ۷/۲۰۹

سے تحقق کے لیے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی اہل جنت اہل دوزخ کو پکاریں گے اور کہیں گے: ہمارے رب نے اپنے پیغمبروں کی زبانی ہمارے ساتھ نعمتوں اور عزت وتکریم کا جو وعدہ کیا تھا وہ ہم نے سچا پایا اور تمہارے رب نے تم سے رسوائی اور عذاب کا جو وعدہ کیا تھا کیا تم نے بھی سچ پایا؟ اہل دوزخ جواب دیں گے۔ جی ہاں ہم نے رب تعالیٰ کا وعدہ سچ پایا۔ علامہ زمخشری کہتے ہیں: اہل جنت اہل دوزخ سے یہ بات رشک دلوانے کے لیے کہیں گے اور یہ اہل دوزخ کی بدحالی پر ہنسی بھی ہوگی جو ان کے اضافہ غم کا بھی باعث ہے۔[1] فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيۡنَهُمۡ اَنۡ لَّعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيۡنَ: فریقین کے درمیان ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا اور آواز لگانے والا آواز لگائے گا کہ ہر ظالم پر اللہ کی لعنت ہو۔

ظالمین کے اوصاف

اس کے بعد ظالموں کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔ الَّذِيۡنَ يَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَيَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا: یعنی جو لوگ دوسرے لوگوں کو اللہ کے دین کی پیروی سے روکتے تھے اور راستے میں کجی تلاش کرتے رہتے تھے تاکہ کوئی بھی سیدھے راستے پر چلنے نہ پائے۔

وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ كٰفِرُوۡنَ: اور وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملاقات کے منکر تھے اور اس کی تکذیب کرتے تھے۔

اہل جنت واہل دوزخ کے درمیان پردہ حائل ہوگا

وَبَيۡنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الۡاَعۡرَافِ رِجَالٌ يَّعۡرِفُوۡنَ كُلًّاۢ بِسِيۡمٰىهُمۡ: ......دونوں فریقوں کے درمیان پردہ حائل ہوگا۔ یہ ایک حد ہوگی، جسے دوسری جگہ یوں بیان کیا گیا ہے۔ فَضُرِبَ بَيۡنَهُمۡ بِسُوۡرٍ لَّهٗ بَابٌ: ان کے درمیان حد قائم کر دی جائے گی جس کا ایک دروازہ ہوگا۔ یہ حد اہل دوزخ کو اہل جنت تک پہنچنے سے مانع ہوگی۔ اس حد پر کچھ لوگ ہوں گے جو اہل جنت اور اہل دوزخ میں سے ہر ایک کو ان کی علامت سے پہچانتے ہوں گے۔ قتادہ کہتے ہیں: یہ لوگ اہل دوزخ کو ان کے چہروں کی سیاہی سے پہچانتے ہوں گے اور اہل جنت کو ان کے چہرے کے نور اور رونق سے پہچانتے ہوں گے۔[2] وَنَادَوۡا اَصۡحٰبَ الۡجَنَّةِ اَنۡ سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ: جب اصحاب اعراف اہل جنت کو دیکھیں گے تو پکار کر کہیں گے۔ سلام علیکم یعنی ان سے السلام علیکم کہیں گے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے لَمۡ يَدۡخُلُوۡهَا وَهُمۡ يَطۡمَعُوۡنَ: اصحاب اعراف جنت میں داخل نہیں ہو سکیں گے۔ حالاں کہ وہ جنت میں داخل ہونے کی طمع کرتے ہوں گے۔

وَاِذَا صُرِفَتۡ اَبۡصَارُهُمۡ تِلۡقَآءَ اَصۡحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوۡا رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡنَا مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ: مفسرین کہتے ہیں: اصحاب اعراف کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی۔ وہ اہل جنت میں سے ہوں گے اور نہ ہی اہل دوزخ میں سے۔ انہیں جنت و دوزخ کے درمیان حد فاصل پر روک دیا جائے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فیصلہ کر دے۔ چنانچہ جب وہ اہل جنت کو دیکھیں گے، انہیں سلام کریں گے اور جب اہل دوزخ کو دیکھیں گے کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں ظالموں میں شامل نہ کرنا، اللہ تعالیٰ سے دوزخیوں میں شامل نہ ہونے کی دعا کریں گے۔

ابوحیان کہتے ہیں: آیت میں لفظ "صرف" سے معلوم ہوا کہ اصحاب اعراف اہل جنت کو بکثرت دیکھتے ہوں گے اور اہل دوزخ کی طرف ان کی نظر رغبت کے ساتھ نہیں ہوگی بلکہ اصحاب اعراف کو ان کی طرف نظر کرانے پر موڑا جائے گا اور جب وہ ان کی بدحالی دیکھیں گے تو اپنے رب سے فریاد کریں گے کہ ہمیں ان میں شامل نہ کرنا۔[3] وَنَادٰۤى اَصۡحٰبُ الۡاَعۡرَافِ رِجَالًا يَّعۡرِفُوۡنَهُمۡ بِسِيۡمٰىهُمۡ: جنہیں اصحاب الاعراف آواز دیں گے۔ وہ اہل دوزخ میں سے ہوں گے اور کافروں کے رؤسا ہوں گے۔ قَالُوۡا مَاۤ اَغۡنٰى عَنۡكُمۡ جَمۡعُكُمۡ وَمَا كُنۡتُمۡ تَسۡتَكۡبِرُوۡنَ: کہیں گے تمہارا جمع کیا ہوا مال تمہارے کام آیا اور نہ ہی ایمان سے تمہارا تکبر تمہارے کام آیا۔ استفہام برائے توبیخ ہے۔ اَهٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيۡنَ اَقۡسَمۡتُمۡ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحۡمَةٍ: یہ کمزور مؤمنین جن کا تم دنیا میں تمسخر اڑاتے تھے اور تم قسم اٹھاتے تھے کہ اللہ انہیں جنت میں داخل نہیں کرے گا۔ استفہام برائے تقریر و توبیخ ہے۔ اُدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡكُمۡ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ تَحۡزَنُوۡنَ: مؤمنین سے کہیں گے: کفار کی ناپسندیدگی کے باوجود جنت میں داخل ہو جاؤ۔

---

[1] الکشاف ۲/۲۶ [2] الطبری ۱۲/ ۴۶۳ [3] روح المعانی ۸/ ۱۲۶

آلوسی کہتے ہیں: یہ اصحاب اعراف کا کلام ہے۔ وہ اہل جنت جو مشار الیہم ہیں سے کہیں گے: ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہو، تمہارے اوپر کوئی خوف نہیں ہوگا اور تم غمزدہ نہیں ہوگے۔ تم کامل طور پر سرور اور عزت پاؤ گے۔

اہل جنت اور اہل دوزخ کے درمیان گفتگو

وَنَادٰۤی اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ: ...... اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اہل جنت اور اہل دوزخ کے درمیان ہونے والی گفتگو کی خبر دی ہے جبکہ ہر فریق اپنے اپنے ٹھکانے میں جاگزیں ہو چکا ہوگا۔ یعنی اہل دوزخ اہل جنت کو آواز دیں گے کہ ہمارے اوپر کچھ پانی بہاؤ تاکہ ہم دوزخ کی تپش اور پیاس کم کر سکیں، یا اللہ نے تمہیں جو مشروبات عطا کیے ہیں ان میں سے کچھ دو۔ ہمیں تو پیاس نے مار ڈالا۔ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ: اللہ نے جنت کا مشروب اور رزق کفار کے لیے ممنوع قرار دیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ایک شخص اپنے بھائی اور باپ کو آواز دے گا کہ میں تو آگ میں جل گیا، میرے اوپر پانی بہاؤ۔ چنانچہ ان سے کہا جائے گا کہ انہیں جواب دو، چنانچہ وہ کہیں گے: اللہ نے جنت کی چیزیں دوزخ والوں پر حرام کی ہیں۔[۱] اس کے بعد اللہ نے کفار کے اوصاف بیان کیے ہیں۔ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا: اللہ کے دین کا مذاق اڑاتے رہے اور دین کا تمسخر کرتے رہے۔ وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا: دنیا کی عارضی آراستگی اور خواہشات نے تمہیں دھوکے میں ڈالا ہے، جو بھی دنیا کے بکھیڑوں میں پڑتا ہے دنیا اسے اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے اور اسے دھوکا دیتی ہے پھر اسے پچھاڑ دیتی ہے۔ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا: آج کے دن ہم انہیں عذاب میں چھوڑ دیں گے، جیسے انہوں نے عمل ترک کر دیا تھا۔ چنانچہ اس دن کا خیال بھی انہیں نہیں گزرا۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: یہ کلام مقام تمثیل میں لایا گیا ہے۔ یعنی ہم انہیں دوزخ کی آگ میں چھوڑ دیں گے اور انہیں بھول جائیں گے، جیسے انہوں نے اس عظیم دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا۔[۲] وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ: جیسے یہ لوگ دنیا میں اللہ کی آیات کے منکر تھے، آیات کی تکذیب کرتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے ہم بھی انہیں عذاب میں بھول جاتے ہیں۔

بلاغت: عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ: ...... مجاز مرسل ہے اور محلیت کا علاقہ پایا جاتا ہے۔ کیوں کہ مسجد سے مراد نماز اور طواف ہے۔ جب مسجد نماز پڑھنے کی جگہ ہے تو مسجد کا اطلاق نماز پر کر دیا گیا ہے۔ لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ: عمل کے عدم قبول سے کنایہ ہے۔ چنانچہ کفار کا عمل اور دعا قبول نہیں کی جائے گی۔ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ: میں ضمنی تشبیہ ہے۔ یعنی کفار کسی حال میں بھی جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔ الا یہ کہ جب اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو۔ امر محال کے لیے تمثیل لائی گئی ہے۔

لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ: صاحب بحر کہتے ہیں: آگ دوزخیوں کو چاروں طرف سے لپیٹ لے گی۔ اس حال کے لیے استعارہ لایا گیا ہے۔ جیسے دوسری جگہ ہے: لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ۔[۳]

فائدہ: ...... حکایت ہے کہ ہارون الرشید رحمۃ اللہ علیہ کا ایک نصرانی طبیب تھا جو اپنے فن میں بڑی مہارت رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے کسی عالم سے کہا: تمہاری کتاب میں علم طب کے متعلق کچھ بھی نہیں، حالاں کہ علم کی صرف دو قسمیں ہیں۔ علم ادیان اور علم ابدان۔ عالم نے جواب دیا۔ کتاب اللہ کی نصف آیت میں سارا علم طب جمع ہے۔ طبیب نے پوچھا: وہ کون سی آیت ہے؟ عالم نے یہ آیت پڑھی: وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا: نصرانی بولا: لیکن تمہارے نبی سے طب کے متعلق کچھ منقول نہیں۔ عالم نے جواب دیا: ہمارے پیغمبر نے بہت تھوڑے الفاظ میں ساری طب کو جمع کر دیا ہے۔ نصرانی نے کہا: وہ کیسے؟ عالم نے یہ حدیث سنائی۔ ابن آدم نے کوئی برتن شر سے نہیں بھرا جو بھرے پیٹ سے بڑھ کر ہو۔ ابن آدم کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ چند لقمے کھائے، جس سے اس کی کمر سیدھی رہے۔ نصرانی بولا: تمہاری کتاب اور تمہارے نبی نے حکیم جالینوس کے لیے طب کا کوئی نکتہ باقی نہیں چھوڑا۔[۴]

---

[۱] الطبری ۱۲/ ۴۷۳ [۲] روح المعانی ۸/ ۱۲۷ [۳] البحر المحیط ۴/ ۲۹۸ [۴] محاسن التاویل ۷/ ۲۶۶۴

انسانیت کی ہدایت کے لیے پیغمبروں کی بعثت اور کتابوں کا نزول

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ۭ
يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ
فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا
يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۣ
يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۢ بِاَمْرِهٖ ۭ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ
وَالْاَمْرُ ۭ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾ وَلَا
تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۭ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾
وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ
فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالْبَلَدُ
الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ۭ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ
يَّشْكُرُوْنَ ﴿۵۸﴾ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اِنِّيْٓ
اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵۹﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ يٰقَوْمِ
لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ
اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا
وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ
اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا
تَتَّقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۶﴾
قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۷﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ
نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿۶۸﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ۭ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ
خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوْٓا

اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۷۱﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۲﴾

ترجمہ: ...... اور اس میں شک نہیں کہ ہم نے انہیں ایسی کتاب دی ہے جسے علم کے مطابق کھول کر بیان کر دیا جو ہدایت ہے اور رحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔﴿۵۲﴾ یہ لوگ بس اس انتظار میں ہیں کہ اس کا انجام ان کے سامنے آ جائے۔ جس دن اس کا انجام سامنے آئے گا تو وہ لوگ کہیں گے جو اس کو پہلے بھول گئے تھے کہ ہمارے رب کے پیغمبر حق لے کر آئے سو کیا ہمارے سفارش کرنے والے ہیں جو ہمارے لیے سفارش کریں یا ہم واپس لوٹا دیے جائیں سو ہم اس عمل کے علاوہ عمل کریں جو کیا کرتے تھے، ان لوگوں نے اپنی جانوں کو تباہی میں ڈالا اور جو کچھ افترا پردازی کیا کرتے تھے وہ سب بے کار چلی گئی۔﴿۵۳﴾ بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا۔ پھر عرش پر استوا فرمایا، ڈھانپ دیتا ہے رات سے دن کو رات اسے طلب کر لیتی ہے جلدی سے، اور پیدا فرمایا چاند کو اور سورج کو اور ستاروں کو اس حال میں کہ اس کے حکم سے وہ مسخر ہیں خبردار! پیدا فرمانا اور حکم دینا اللہ کے لیے خاص ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔﴿۵۴﴾ تم اپنے رب کو پکارو عاجزی کے ساتھ اور چپکے چپکے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کو ناپسند فرماتا ہے جو حد سے آگے بڑھنے والے ہیں۔﴿۵۵﴾ اور فساد نہ کرو زمین میں اس کی اصلاح کے بعد، اور پکارو اپنے رب کو ڈرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے۔ بے شک اللہ کی رحمت اچھے کام کرنے والوں سے قریب ہے۔﴿۵۶﴾ اور اللہ وہ ہے جو اپنی رحمت سے پہلے ہواؤں کو خوشخبری دینے والی بنا کر بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ بھاری بادل کو اٹھا لیتی ہیں تو ہم اس کو مردہ زمین کے لیے روانہ کرتے ہیں پھر ہم اس کے ذریعے پانی نازل کرتے ہیں۔ پھر ہم اس کے ذریعے نکالتے ہیں ہر طرح کے پھلوں سے اسی طرح ہم زندہ کریں گے مردوں کو، تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔﴿۵۷﴾ اور جو اچھی زمین ہے اس کا سبزہ نکلتا ہے اس کے رب کے حکم سے اور جو زمین خراب ہے اس کا سبزہ نہیں نکلتا مگر ناقص ہم اسی طرح لوگوں کے لیے طرح طرح سے آیات بیان کرتے ہیں جو شکر گذار ہوتے ہیں۔﴿۵۸﴾ بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا سو انہوں نے کہا کہ اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ تمہارے لیے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ بے شک میں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا خوف کرتا ہوں۔﴿۵۹﴾ ان کی قوم کے بڑے لوگوں نے کہا کہ بلاشبہ ہم تجھے کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھ رہے ہیں۔﴿۶۰﴾ انہوں نے جواب دیا کہ اے میری قوم! میرے ساتھ کوئی گمراہی نہیں ہے لیکن میں سارے جہانوں کے رب کی طرف سے رسول ہوں۔﴿۶۱﴾ میں تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔﴿۶۲﴾ کیا تم کو اس بات سے تعجب ہے کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے تم ہی میں سے ایک شخص کے پاس نصیحت کی باتیں آ گئیں تاکہ وہ تمہیں ڈرائے اور تاکہ تم ڈر جاؤ، اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔﴿۶۳﴾ سو ان لوگوں نے نوح کو جھٹلایا۔ سو ہم نے اسے اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے نجات دے دی، اور ہم نے ان لوگوں کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔ بلاشبہ وہ لوگ اندھے تھے۔﴿۶۴﴾ اور قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ انہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ تمہارے لیے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے کیا تم ڈرتے نہیں۔﴿۶۵﴾ ان کی قوم کے سردار جنہوں نے کفر اختیار کیا جواب میں کہنے لگے کہ بلاشبہ ہم تجھے بے وقوفی میں دیکھ رہے ہیں۔ اور بلاشبہ ہم یہ سمجھ رہے ہیں کہ تو جھوٹوں میں سے ہے۔﴿۶۶﴾ ہود نے کہا اے میری قوم! مجھ میں بے وقوفی نہیں ہے لیکن میں بھیجا ہوا ہوں پروردگار عالم کا۔﴿۶۷﴾ پہنچاتا ہوں تم کو پیغام اپنے رب کا اور میں تمہارا خیر خواہ ہوں، امانت دار ہوں۔﴿۶۸﴾ کیا تمہیں اس بات سے تعجب ہوا کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی تم ہی میں سے ایک شخص کے واسطے سے تاکہ وہ تمہیں ڈرائے، اور یاد کرو جبکہ اس نے تمہیں قوم نوح کے بعد خلیفہ بنا دیا۔ اور جسمانی

طور پر تمہارے ڈیل ڈول میں پھیلاؤ زیادہ کر دیا لہٰذا تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو۔ تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ (۶۹) وہ کہنے لگے تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہم تنہا اللہ کی عبادت کریں اور ہمارے باپ دادا جس کی عبادت کرتے تھے اسے چھوڑ دیں۔ سو ہمارے پاس وہ چیز لے آ جس کی تو ہمیں دھمکی دیتا ہے اگر تو سچوں میں سے ہے۔ (۷۰) ہود نے کہا تم پر تمہارے رب کی طرف سے عذاب اور غصہ نازل ہو چکا۔ کیا تم مجھ سے جھگڑتے ہو ان ناموں کے بارے میں جو نام تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے خود سے تجویز کر لیے ہیں۔ اللہ نے ان کے بارے میں کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی سو تم انتظار کرو۔ بلاشبہ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔ (۷۱) پھر ہم نے ہود کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ تھے اپنی رحمت سے نجات دے دی اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور وہ لوگ ایمان والے نہ تھے۔ (۷۲)

ماقبل سے ربط ومناسبت: ...... اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار کے احوال اور ان کے خسارے کا ذکر کیا ہے۔ اب یہاں بیان کیا جا رہا ہے کہ کسی کے پاس کوئی حجت نہیں، اللہ نے انسانیت کی ہدایت کے لیے پیغمبر مبعوث کیے ہیں اور کتابیں نازل کی ہیں۔ پھر کچھ انبیا علیہم السلام کے قصے بیان کیے ہیں اور حضرت نوح علیہ السلام کے قصے سے ابتدا کی ہے اور اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قصہ ذکر کیا ہے۔

لغات: تَاْوِيْلَهٗ: ...... معاملہ کا انجام، وہ معاملہ جو لوٹ کر اسی کی طرف آئے۔ **اسْتَوٰى:** الاستواء، بلندی اور استقرار[1] جوہری کہتے ہیں: استوی علی ظهر الدابة یعنی جانور کی پیٹھ پر بیٹھ گیا۔ واستوی الی السماء یعنی آسمان کا قصد کیا۔ واستوی الشیء سیدھی اور معتدل چیز۔ **يُغْشِي:** ڈھانپ دیتا ہے۔ **حَثِيْثًا:** سریع، تیز، جلد باز۔ الحث جلد بازی۔ **تَبٰرَكَ:** برَکۃٌ سے تفاعل کے وزن پر ہے۔ کثرت اور وسعت کا معنی اس میں پایا جاتا ہے۔ ازھری کہتے ہیں: تَبَارَكَ یعنی تعالیٰ۔ تعاظم کے معنی میں ہے۔ بلند مرتبہ وعظیم رتبہ۔ **تَضَرُّعًا:** عاجزی وانکساری۔ خشوع کے ساتھ نفس کو جھکا دینا۔ **وَّخُفْيَةً:** سرّا، آہستہ، چپکے سے اور پوشیدہ۔ **بُشْرًا:** بارش کی بشارت اور خوشخبری۔ **نَكِدًا:** تنگی، کمی ہونا۔ **اٰلَاۗءَ:** نعمتیں۔ واحد لئی ہے، جیسے معیٰ۔

تفسیر: وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ: ...... ہم اہل مکہ کے پاس کتاب لائے اور وہ کتاب قرآن عظیم ہے۔ **فَصَّلْنٰهُ عَلٰي عِلْمٍ:** ہم نے اس کے معانی بیان کیے اور احکام واضح کیے اور یہ کام ہم نے اپنے علم کی بنیاد پر کیا ہے، حتیٰ کہ یہ کتاب سیدھی راہ دکھاتی ہے اس میں کجی نہیں۔ **هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ:** یہ کتاب ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو اس پر ایمان لائیں۔ **هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ:** اہل مکہ تو صرف اس انجام کا انتظار کر رہے ہیں، جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے اور وہ انجام عذاب ہے۔ حضرت قتادہ کہتے ہیں: تَاْوِيْلَهٗ اِيْ عَاقِبَتَهٗ یعنی انجام۔ **يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ:** مراد قیامت کا دن ہے۔ **يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ:** وہ لوگ کہیں گے جنہوں نے اس نعمت عظمیٰ کو ضائع کر دیا اور دنیا میں اس پر عمل نہیں کر سکے۔ **قَدْ جَاۗءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ:** ہمارے پاس پیغمبر سچی خبریں لے کر آئے، ان کا سچ متحقق ہو چکا تھا، لیکن ہماری بدبختی کہ ہم ان پر ایمان نہ لائے اور ان کے پیچھے نہ چلے۔ طبری کہتے ہیں: اس وقت قسم اٹھائیں گے جب ان پر عذاب آ چکا کہ اللہ کے پیغمبروں نے پیغام رسالت ان تک پہنچایا۔ ان کی تصدیق اور اعتراف انہیں کچھ فائدہ نہیں پہنچائے گا اور اس قیل وقال کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔[1] **فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَاۗءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ:** کیا ہمارا کوئی سفارشی ہو سکتا ہے جو ہمیں اس عذاب سے خلاصی دلائے؟ استفہام میں تمنا کا معنی پایا جا رہا ہے۔ **اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ:** یا کیا ہم دوبارہ دنیا میں جا سکتے ہیں تا کہ ہم نیک اعمال کریں اور پہلے برے اعمال کی تلافی کریں؟ اللہ تعالیٰ نے رد کرتے ہوئے فرمایا: **قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ:** انہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں رکھا، چوں کہ انہوں نے اعلیٰ اور باقی رہنے والی آخرت کے بدلے میں گھٹیا اور فانی دنیا کو خریدا ہے اور ان کا یہ جو خیال تھا کہ ان کے معبودان اور بت ان کی سفارش کریں گے سراسر باطل نکلا۔

وحدانیت اور قدرت کے دلائل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت اور قدرت کے دلائل ذکر کیے ہیں، چنانچہ ارشاد ہے: اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

[1] الطبری ۲/ ۴۸۰

فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ: تمہارا معبود اور تمہارا خالق جس کی تم عبادت کرو۔ وہ ایجاد و خلق کی قدرت میں یکتا ہے۔ جس نے ایام دنیا کی مقدار کے بقدر چھ دنوں میں آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ قرطبی کہتے ہیں: اگر اللہ چاہتا تو ایک لمحے میں آسمان و زمین پیدا فرما دیتا، لیکن اللہ اپنے بندوں کو امور میں ثابت قدمی کی تعلیم دینا چاہتا ہے۔ [1]

استواء علی العرش کی تفسیر

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ: ...... عرش پر اللہ عزوجل نے اسی انداز سے استویٰ کیا جیسا کہ اس کی عظمت شان کے شایان تھا اور یہ استوا تشبیہ، تمثیل، تعطیل اور تحریف سے پاک تھا۔ اسلاف کا یہی مذہب ہے [2] جیسا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: استوا معلوم و ثابت ہے۔ اس کی کیفیت مجہول ہے، اس پر ایمان رکھنا واجب ہے اور اس کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی صفات جیسے وارد ہوئی ہیں وہ ثابت ہیں اور یہ تشبیہ و تعطیل سے پاک ہیں۔ چنانچہ یہ سوال نہیں کیا جائے گا کہ فلاں صفت کی کیفیت کیا ہے اور یہ ہے کیونکر؟ ہم ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ عرش پر ہے، جیسے وہ چاہتا ہے اس کی حد اور صفت تک کوئی رسائی حاصل نہیں کر سکتا اور کوئی حدود بیان کرنے والا اس کی حد نہیں بیان کر سکتا۔ ہم آیات اور احادیث پڑھتے اور استوا پر ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ کی صفات کی کیفیت اللہ کے علم کے سپرد کرتے ہیں۔ [3] قرطبی کہتے ہیں: اسلاف میں سے کسی نے استوا کے حقیقۃً ہونے کا انکار نہیں کیا، البتہ سبھی کو استوا کی کیفیت کے مجہول ہونے کا اعتراف ہے۔ بلاشبہ استوا کی کیفیت کی حقیقت کیا ہے، یہ غیر معلوم ہے۔ [4] يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا: رات دن کو ڈھانپ لیتی ہے اور دن کا اجالا لے جاتی ہے اور تیز رفتاری سے چلتی ہوئی دن کو دبوچ لیتی ہے۔ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ: سب اجرام فلکی اللہ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم اور مجبور ہیں۔ یہ سب اللہ کی مشیت اور تسخیر کے پابند ہیں اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ: کائنات اللہ ہی نے بنائی ہے اور اس پر اسی کو تصرف تام حاصل ہے۔ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ: عظیم و عالی شان اور بلند رتبے والا ہے، جو کہ خالق ہے، بغیر نمونے کے کائنات کو بنانے والا ہے اور تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کو پکارنے کا طریقہ

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً: ...... اپنے رب کو عاجزی، انکساری اور خشوع و خضوع کے ساتھ چپکے چپکے (آہستہ آہستہ) پکارا کرو۔ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ: بلند آواز اور منہ پھاڑ پھاڑ کر اللہ کو پکارنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا۔ چنانچہ حدیث میں ہے: تم کسی بہرے اور غیر حاضر کو نہیں پکار رہے ہوتے (جسے زور زور سے پکارنے کی ضرورت ہو)۔ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا: شرک و معاصی کے ارتکاب سے زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔ اس کے بعد کہ اللہ نے پیغمبروں کو بھیج کر زمین کی اصلاح فرمائی۔ وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا: یعنی اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اور اس کی رحمت کی امید کرتے ہوئے اسے پکارو۔ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ: اللہ تعالیٰ کی رحمت فرمانبردار جو اس کے احکام بجا لاتے ہیں اور ممنوعات کو ترک کرتے ہیں، کے زیادہ قریب ہے۔

کائنات میں تصرف خداوندی کی اِک جھلک

وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ: ...... یعنی اللہ ہی ہوائیں چلاتا ہے جو بارش کی بشارت دیتی ہیں۔ بحر میں ہے بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ: کا معنی ہے اپنی نعمت سے اور اس سے مراد بارش ہے جو کہ اللہ کی عظیم نعمت ہے۔ انسانوں پر اس نعمت کے اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ [5] حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا: حتیٰ کہ جب ہوائیں پانی سے برے بادلوں کو اٹھا لیتی ہیں سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ: ہم ان بادلوں کو ہانک کر بنجر زمین تک لے جاتے ہیں فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ: اس بنجر مردہ زمین پر ہم پانی برساتے ہیں اور اس پانی کے ذریعے ہر قسم

---

[1] القرطبی ۷/۲۱۹ [2] استوا ثابت ہے، اس کی بحث میں پڑنا گمراہی ہے۔ یہ متشابھات میں سے ہے۔ استوا پر ایمان رکھنا واجب ہے۔ [3] محاسن التاویل ۷/۲۷۰۸
[4] القرطبی ۷/۲۱۹ [5] البحر المحیط ۴/۳۱۷

کے پھل اور سبزہ نکالتے ہیں۔ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ: جیسے ہم سبزہ اور پھل بنجر زمین سے نکالتے ہیں، اسی طرح ہم مُردوں کو قبروں سے نکالیں گے، تا کہ تم عبرت حاصل کرو اور ایمان لاؤ۔ ابن کثیر کہتے ہیں: قرآن مجید میں اس مضمون کی بے شمار مثالیں لائی گئی ہیں۔ ان کی غایت عبرت و نصیحت حاصل کرنا ہے۔[۱] وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ: اچھی زرخیز زمین میں سبزہ اللہ کی مشیت سے نفع سے بھر پور اگتا ہے۔ یہ مؤمن کی مثال ہے جو نصیحت سنتا ہے اور اس سے نفع اٹھاتا ہے۔ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا: اور جس زمین کی مٹی گندی ہو، جیسے پتھر یالی زمین اور چٹیل زمین، اس میں سبزہ نہیں اگتا۔ ہاں البتہ سخت محنت کی جائے تب بہت قلیل اگنے پاتا ہے۔ یہ کافر کی مثال ہے جو وعظ و نصیحت سے کچھ نفع نہیں اٹھاتا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: آیت میں مؤمن اور کافر کی مثال بیان کی گئی ہے۔ مؤمن اچھا انسان ہوتا ہے، جیسے اچھی زمین، اچھی زمین کا حاصل بھی عمدہ ہوتا ہے۔ کافر خبیث ہوتا ہے اور اس کا عمل بھی خبیث ہوتا ہے، جیسے بنجر اور شور زمین جس سے نفع نہیں اٹھایا جا سکتا۔[۲] كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ: جس طرح ہم نے یہ مثال بیان کی ہے، اسی طرح ہم مختلف طریقوں سے دلائل اور حجج بیان کرتے ہیں اور ہم ایک آیت کے بعد دوسری آیت لاتے ہیں اور ایک حجت کے بعد دوسری حجت لاتے ہیں۔ یہ سب ان لوگوں کے لیے ہے، جو اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں۔ آیت میں خصوصیت کے ساتھ شاکرین کا ذکر کیا گیا ہے۔ چوں کہ شکر کرنے والے ہی قرآن سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ علامہ آلوسی کہتے ہیں: اللہ کے ایسے انوکھے تصرف کی طرح ہم اللہ کی قدرت پر دلالت کرنے والی آیات بار بار ذکر کرتے ہیں اور اس قوم کے لیے بار بار ذکر کرتے ہیں جو اللہ کی نعمتوں کا شکر کرتی ہے۔ اللہ کی نعمتوں کا شکر غور و فکر کرنے اور اعتبار کرنے سے ادا ہوتا ہے۔[۳]

شیخ الانبیا حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت توحید

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ: ...... لام، محذوف قسم کے جواب میں لایا گیا ہے۔ یعنی واللہ لقد ارسلنا نوحا نوح علیہ السلام شیخ الانبیا ہیں۔ چوں کہ نوح علیہ السلام نے سب سے زیادہ عمر پائی ہے اور ادریس علیہ السلام کے بعد یہ پہلے نبی ہیں جنہیں اللہ نے مبعوث کیا اور نوح علیہ السلام کی طرح کسی نبی کو اذیت نہیں پہنچائی گئی۔ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ: اللہ کی یکتائی کا اقرار کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ تمہارے لیے اللہ کے علاوہ کوئی اور معبود نہیں جو عبادت کا مستحق ہو۔ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ: اگر تم نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا اور ایمان نہ لائے تو مجھے تمہارے اوپر یوم عظیم کے عذاب کا خوف ہے۔ یوم عظیم سے مراد یوم قیامت ہے۔ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ: نوح علیہ السلام کی قوم کے رؤسا اور سرداروں نے کہا: اے نوح! ہم تمہیں راہ حق و صواب جو بالکل واضح ہے سے ہٹا ہوا دیکھ رہے ہیں۔ ابو حیان کہتے: نوح علیہ السلام کی قوم سے صرف اشراف اور سرداروں نے جواب دیا اور یہی لوگ پیغمبروں کے نافرمان اور سرغنہ تھے۔ چوں کہ ان کی عقلیں دنیا اور طلب جاہ و ریاست میں منہمک تھیں۔[۴] یہی حال فجار کا ہے جو نیکوکار صالحین کو گمراہ تصور کرتے ہیں۔

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ: ...... میں گمراہ نہیں ہوں، لیکن میں تمہارے رب کی طرف سے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں اور وہ تمام جہانوں کا رب ہے۔ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ: اللہ نے مجھے جو پیغام دے کر بھیجا ہے، وہ میں تمہیں پہنچاتا ہوں۔ میرا مقصد تمہاری اصلاح ہے۔ میرے پاس امور غیب میں سے کچھ ایسی چیزوں کا علم ہے جو تمہارے پاس نہیں۔ ابن کثیر کہتے ہیں: پیغمبر کی یہ شان ہے کہ وہ مبلغ ہو فصیح ہو۔ خیر خواہ ہو اور بے مثل عالم ہو، مخلوق خدا میں اس کی صفات کا کوئی بھی حامل نہ ہو۔[۵] اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ: اس سے تعجب نہ کرو۔ چنانچہ یہ امر قابل تعجب نہیں کہ اللہ نے تم میں سے ایک مرد کی طرف وحی بھیجی درحقیقت اللہ نے تمہارے اوپر لطف و احسان کیا ہے۔ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ: تا کہ یہ پیغمبر تمہیں عذاب سے ڈرائے اگر تم ایمان نہ لاؤ اور تا کہ تم اپنے رب سے ڈرو۔ تقویٰ اختیار کرو اور تا کہ تمہیں اللہ کی رحمت ڈھانپ لے۔ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ: باوجود یکہ نوح علیہ السلام طویل مدت تک اپنی قوم کے ساتھ مقیم رہے، پھر بھی وہ ان کی تکذیب کرتے رہے۔ چنانچہ اللہ نے نوح علیہ السلام اور مؤمنین

---

[۱] مختصر ابن کثیر ۲/۲۷ [۲] الطبری ۱۲/۴۹۷ [۳] روح المعانی ۸/۱۴۸ [۴] البحر ۴/۳۲۰ [۵] مختصر ابن کثیر ۲/۲۸

کی مختصر سی جماعت کو کشتی میں نجات دی۔ وَاَغۡرَقۡنَا الَّذِیۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا: ان کی قوم میں سے جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلانے والے تھے، ہم نے انہیں غرق آب کیا۔ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَوۡمًا عَمِيۡنَ: دل کے اندھے ہیں، حق کو دیکھ ہی نہیں سکتے اور نہ ہی حق کی سوجھ بوجھ رکھتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: توحید، نبوت اور معاد کی معرفت سے ان کے دل اندھے ہو گئے ہیں۔ [1]

حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عاد کو دعوت توحید

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمۡ هُوۡدًا: ...... اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود علیہ السلام کو بھیجا۔ ان لوگوں کی رہائش گاہیں یمن میں ریت کے تودوں میں تھیں۔ قَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَـكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ: قوم عاد سے ان کے پیغمبر ہود علیہ السلام نے کہا: اللہ کی توحید کا اقرار کرو۔ تمہارے لیے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ: کیا تم اللہ کے عذاب سے ڈرتے نہیں ہو؟ قَالَ الۡمَلَاُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِهٖ: قوم کے بڑے لوگوں اور سرداروں نے کہا: اِنَّا لَنَرٰٮكَ فِىۡ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَـنَظُنُّكَ مِنَ الۡكٰذِبِيۡنَ: ہم تمہیں کم فہم اور کوتاہ عقل سمجھتے ہیں۔ ہمارے خیال میں تم دعوائے پیغمبری میں جھوٹے ہو۔ قَالَ يٰقَوۡمِ لَيۡسَ بِىۡ سَفَاهَةٌ وَّلٰـكِنِّىۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ: میری عقل میں نقص نہیں، جیسا کہ تمہارا گمان ہے۔ لیکن مجھے ہدایت کے ساتھ بھیجا گیا ہے اور میں تمام جہانوں کے پروردگار کا مبعوث ہوں۔ اُبَلِّغُكُمۡ رِسٰلٰتِ رَبِّىۡ وَاَنَا لَـكُمۡ نَاصِحٌ اَمِيۡنٌ: میں تمہیں اللہ کے احکام پہنچاتا ہوں اور جس چیز کی میں تمہیں دعوت دیتا ہوں اس میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ میں اپنی کہی ہوئی بات کا امین ہوں۔ جھوٹ نہیں بولتا۔ زمخشری کہتے ہیں: انبیا کی طرف ان کی قوم نے سفاہت اور کم عقلی کی نسبت کی ہے۔ اس کی جواب میں انبیا نے مناظرہ کا طریقہ اختیار نہیں کیا بلکہ ایسا کلام لائے جو ان کی عقلمندی اور دانشمندی پر دلالت کرتا ہے۔ انبیا نے جواب میں حسن آدب اور خلق عظیم کا دامن نہیں چھوڑا۔ بندوں کو یہ تعلیم دے دی کہ بے وقوفوں سے کس طرح مخاطب ہونا چاہیے اور ان سے اپنا دامن کیسے بچانا چاہیے۔ [2] اَوَعَجِبۡتُمۡ اَنۡ جَآءَكُمۡ ذِكۡرٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ عَلٰى رَجُلٍ مِّنۡكُمۡ لِيُنۡذِرَكُمۡ: اس بات پر تعجب نہ کرو کہ اللہ نے تمہیں میں سے پیغمبر بھیجا ہے تا کہ تمہیں اللہ کی ملاقات سے ڈرائے اور تمہیں اللہ کے عذاب سے بھی ڈرائے۔ وَاذۡكُرُوۡۤا اِذۡ جَعَلَـكُمۡ خُلَفَآءَ مِنۡۢ بَعۡدِ قَوۡمِ نُوۡحٍ: اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب اللہ نے نوح کی قوم کو ہلاک کیا تو اس کے بعد تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا۔ وَّزَادَكُمۡ فِى الۡخَـلۡقِ بَصۜۡطَةً: اور تمہارے اجسام میں قوت اور ضخامت بڑھائی۔ فَاذۡكُرُوۡۤا اٰلَۤاءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ: اللہ نے تمہاری اوپر جو نعمتیں کی ہیں انہیں یاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ اور ابدی سعادت حاصل کرو۔

قوم عاد کا انجام

قَالُوۡۤا اَجِئۡتَنَا لِنَعۡبُدَ اللّٰهَ وَحۡدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَا: ...... قوم نے کہا: اے ہود! تم اس لیے آئے ہو تا کہ ہمیں عذاب سے ڈراؤ اور ہم ڈر کر صرف اللہ کی عبادت کرنے لگ جائیں اور ہم اپنے بتوں اور خداؤں کو چھوڑ دیں۔ ان سے بیزاری کا اعلان کر دیں؟ فَاۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ: تم ہمارے ساتھ جس عذاب کا وعدہ کرتے ہو وہ لے آؤ۔ ہم تمہارے اوپر ایمان ہرگز نہیں لائیں گے، اگر چہ تم سچے ہی کیوں نہ ہو۔ قَالَ قَدۡ وَقَعَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ رِجۡسٌ وَّغَضَبٌ: تمہارے اوپر بالیقین اللہ کا عذاب اور غضب نازل ہو چکا۔ اَتُجَادِلُوۡنَنِىۡ فِىۡۤ اَسۡمَآءٍ سَمَّيۡتُمُوۡهَاۤ اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُكُمۡ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ: کیا تم بتوں کے بارے میں مجھ سے جھگڑتے ہو، جو نفع و نقصان کے مالک نہیں اور اللہ نے ان کی عبادت کے متعلق کوئی دلیل اور حجت نہیں اتاری۔ فَانْتَظِرُوۡۤا اِنِّىۡ مَعَكُمۡ مِّنَ الۡمُنۡتَظِرِيۡنَ: عذاب کے آنے کا انتظار کرو۔ میں بھی انتظار کرنے والوں میں شامل ہوں۔ یہ انتہا درجے کی وعید و تہدید (دھمکی) ہے۔ فَاَنۡجَيۡنٰهُ وَالَّذِيۡنَ مَعَهٗ بِرَحۡمَةٍ مِّنَّا: ہم نے ہود علیہ السلام اور ان کے ساتھ جو مؤمنین تھے کو نجات دی اور یہ ہماری ان پر رحمت تھی۔ وَقَطَعۡنَا دَابِرَ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا: ہم نے کلی طور پر ان کا صفایا کر دیا اور ان کے آخری آدمی تک ان کا استیصال کر دیا۔ وَمَا كَانُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ: وہ جھٹلاتے رہے اور ایمان نہیں لائے، اس لیے عذاب کے مستحق ٹھہرے۔ ابو سعود کہتے ہیں: وہ کفر و تکذیب پر مصر رہے اور انہوں نے کچھ رعایت نہیں کی، لہٰذا اللہ نے ان کو تند و تیز آندھی سے ہلاک کر دیا۔ [3]

---

[1] البحر ۴/ ۳۲۳ [2] الکشاف ۲/ ۱۱۶ [3] ابوالسعود ۲/ ۱۷۴

بلاغت: اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ:...... آیت کے الفاظ تو قلیل ہیں، لیکن اس میں معنیٰ کا سمندر پوشیدہ ہے۔ اس میں بہت ساری اشیا اور سوَن کا استیعاب ہے، حتیٰ کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس کی کوئی چیز باقی رہی ہو، وہ اسے طلب کرے۔ اس اسلوب بلیغ کو "ایجاز قصر" کہا جاتا ہے۔ اس کا دارومدار اس بات پر ہے کہ الفاظ قلیل ہوتے ہیں اور معانی کثیر۔ سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ: بلد (زمین) کی صفت میت لائی گئی ہے بطور استعارہ، گویا جس زمین میں سبزہ نہ ہوا سے مردہ جسم کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ وَقَطَعْنَا دَابِرَ: جڑ کاٹ دینا استیصال سے کنایہ ہے۔ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى: جیسے زمین سے سبزہ نکلتا ہے، اسی طرح ہم مُردوں کو قبروں سے نکالیں گے۔ یہ تشبیہ مجمل ہے۔ ادات تشبیہ ذکر کیے گئے ہیں اور وجہ شبہ ذکر نہیں کی گئی۔

تنبیہ:...... علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کریمہ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً: کے ذیل میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: مسلمان پوری کوشش سے اور طاقت صرف کر کے دعا کرتے تھے اور ان کی آواز نہیں سنی جاتی تھی۔ پس نہایت پست آواز سے دعا کرتے تھے، چونکہ دعا ان کے اور ان کے رب کے درمیان معاملہ سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے: اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندۂ صالح کا یوں ذکر کیا ہے۔ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا پھر کہا: علما نے دعا کے مختلف آداب ذکر کیے ہیں۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں کہ دعا کرنے والا باوضو ہو، قبلہ رو بیٹھا ہوا۔ دل دنیاوی مشاغل سے خالی ہو کر رب تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو، دعا کی ابتدا اور انتہا میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھا گیا ہو۔ ہاتھ اٹھا کر دعا کی جائے۔ دعا میں عام مؤمنین کو بھی شریک کیا جائے اور ان اوقات میں دعا کرنے کا اہتمام کیا جائے جن میں دعا قبول ہوتی ہے جیسے رات کا پچھلا پہر، وقت افطار اور جمعہ کا دن وغیرہ۔[1]

قوم ثمود اور حضرت صالح علیہ السلام کا احوال

وقف لازم

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِيْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾

[1] روح المعانی ۸/ ۱۳۹

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۭ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ
قَدْ جَاۗءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاۗءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي
الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ
وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠
وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاِنْ كَانَ طَاۗىِٕفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ
وَطَاۗىِٕفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

ترجمہ:......اور قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ صالح نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ تمہارے لیے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس دلیل آ چکی ہے، یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے نشانی ہے سو تم اسے اللہ کی زمین میں چھوڑے رکھو کھاتی پھرا کرے۔ اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگاؤ ورنہ تمہیں دردناک عذاب پکڑ لے گا، ﴿۷۳﴾ اور یاد کرو جب اللہ نے تمہیں عاد کے بعد زمین میں رہنے کا ٹھکانہ دے دیا۔ تم اس زمین کے نرم حصے میں محلات بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو۔ سو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد مت کرو۔ ﴿۷۴﴾ ان کی قوم کے جو متکبر سردار تھے انہوں نے ضعیفوں سے کہا جو ان میں سے ایمان لائے تھے کیا تم اس بات کا یقین کرتے ہو کہ صالح اس کے رب کی طرف سے بھیجا ہوا ہے؟ انہوں نے جواب دیا بے شک جو کچھ ان کو دے کر بھیجا گیا ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ ﴿۷۵﴾ متکبر سرداروں نے کہا کہ اس میں شک نہیں کہ تم جس پر ایمان لائے ہو ہم اس کے منکر ہیں۔ ﴿۷۶﴾ سو انہوں نے اونٹنی کو کاٹ ڈالا اور اپنے رب کا حکم ماننے سے سرکشی کی، اور کہنے لگے کہ اے صالح! اگر تم پیغمبروں میں سے ہو تو جس چیز کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو وہ لے آؤ۔ ﴿۷۷﴾ سو ان کو پکڑ لیا زلزلے نے سو وہ اوندھے منہ ہو کر اپنے گھروں میں پڑے رہ گئے ﴿۷۸﴾ پھر صالح نے ان سے منہ موڑا۔ اور فرمایا کہ اے میری قوم! بلا شبہ میں نے تم کو اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا۔ اور تمہاری خیر خواہی کی۔ لیکن تم خیر خواہی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔ ﴿۷۹﴾ اور ہم نے لوط کو بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم بے حیائی کا کام کرتے ہو جسے تم سے پہلے جہانوں میں سے کسی نے بھی نہیں کیا۔ ﴿۸۰﴾ بے شک تم عورتوں کو چھوڑ کر شہوت رانی کے لیے مردوں کے پاس آتے ہو بلکہ تم لوگ حد سے گذر جانے والے ہو، ﴿۸۱﴾ اور ان کی قوم کا جواب اس کے علاوہ کچھ نہیں تھا کہ وہ کہنے لگے کہ ان لوگوں کو اپنی بستی سے نکال دو۔ بے شک یہ ایسے لوگ ہیں جو پاکباز بنتے ہیں ﴿۸۲﴾ سو ہم نے نجات دی لوط کو اور اس کے گھر والوں کو سوائے اس کی بیوی کے کہ وہ رہ جانے والوں سے تھی ﴿۸۳﴾ اور ہم نے ان پر ایک بڑی بارش برسا دی۔ سو دیکھ! کیسا انجام ہے مجرمین کا۔ ﴿۸۴﴾ اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ انہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل آ گئی ہے۔ سو ناپ اور تول پورا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر مت دو، اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد مت کرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم مؤمن ہو، ﴿۸۵﴾ اور مت بیٹھ جاؤ، ہر راستے میں کہ تم لوگوں کو دھمکیاں دیتے ہو اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہو جو اس پر ایمان لائے۔ اور اس میں کجی تلاش کرتے ہو۔ اور یاد کرو جبکہ تم تھوڑے سے تھے سو اللہ نے تم کو زیادہ کر دیا۔ اور دیکھ لو فساد کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔ ﴿۸۶﴾ اور اگر تم میں سے ایک جماعت اس حکم پر ایمان لائی جسے دے کر میں بھیجا گیا ہوں اور ایک جماعت ایمان نہ لائی تو صبر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ فرما دے اور وہ سب حاکموں سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ ﴿۸۷﴾

ما قبل سے ربط وتعارف:...... قبل ازیں سورت کی ابتدا میں قصہ آدم اور اس کے ساتھ رب تعالیٰ کی قدرت کے آثار ذکر کیے گئے ہیں۔ رب تعالیٰ کی کاریگری کے عجائب جو اس کی یکتائی اور ربوبیت پر دال ہیں، ذکر کیے گئے۔ بعث بعد الموت پر زبردست دلیل قائم کی گئی ہے۔ اس کے متصل بعد انبیا کے قصص ذکر کیے گئے۔ چنانچہ نوح اور ہود علیہما السلام کے قصے ذکر کیے اور اب حضرت صالح اور حضرت شعیب علیہ السلام کے قصص ذکر کیے جا رہے ہیں۔ اس ضمن میں پیغمبروں کے معاندین کا موقف بھی بیان کیا جائے گا۔

لغات: نَاقَةُ:...... اونٹنی، عقر الناقۃ تلوار سے کونچیں کاٹ ڈالنا۔ عَتَوْا: تکبر کرنا۔ مقولہ ہے: اللیل العاتی سخت تاریک رات۔ جٰثِمِیْنَ: گھٹنوں کے بل ریت کے ساتھ چپک جانا، منہ کے بل۔ الرَّجْفَةُ: زلزلہ، جنگی اڑہ جو انسان کو ہلا کر رکھ دے، سخت اضطراب۔ الْغٰبِرِيْنَ: اللہ کے عذاب میں باقی رہ جانے والے۔ غَابِرٌ باقی، ذَاهِبٌ کے معنی میں بھی آتا ہے، جیسے اعشی کا قول ہے: فی الزمن الغابر زمانہ ماضی میں یہ اضداد میں سے ہے۔

قوم ثمود کو دعوت توحید اور اونٹنی کا قصہ

تفسیر: وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ:...... یعنی اللہ کی توحید کا اقرار کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ: زبردست ظاہر و باہر معجزہ جو میری نبوت کی صحت پر دلالت کرتا ہے۔ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً: اس میں معجزے کا بیان ہے۔ یعنی یہ میرا معجزہ ہے جو اونٹنی کی صورت میں ہے۔ ناقہ کی اضافت اللہ کی طرف کی گئی ہے جو تشریف و تعظیم کے لیے ہے۔ کیوں کہ یہ اونٹنی بلاواسطہ پیدا کی گئی تھی۔ قرطبی کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اس وقت اونٹنی ظاہر کی جب صالح علیہ السلام نے چٹان سے اونٹنی کے پیدا ہونے کا مطالبہ کیا۔ [1] فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ: اسے (آزاد) چھوڑ دو (اس پر کوئی پابندی نہ لگاؤ) تاکہ اللہ کا دیا ہوا رزق کھاتی رہے۔ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ: اس کے ساتھ کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ مت کرو اور اذیت مت پہنچاؤ، بلکہ اس کا اکرام و احترام کرو، کیوں کہ یہ اللہ کی نشانی ہے۔ چنانچہ اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ ڈالیں تو بدبختوں پر نازل ہونے والا عذاب نہایت دردناک تھا۔ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ: زمین میں خلیفہ بنایا۔ شہاب کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ تمہیں قوم عاد کا خلیفہ بنایا، کیوں کہ قوم عاد اور قوم ثمود کے درمیان طویل زمانہ ہے۔ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا: اللہ نے تمہیں سرزمین حجر میں اس طرح بسایا کہ تم ہموار علاقوں میں عالی شان محل تعمیر کرتے ہو۔ وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا: اور تم پہاڑوں کو تراش کر مکانات بناتے ہو۔ قرطبی کہتے ہیں: قوم ثمود لمبی عمروں کی وجہ سے پہاڑ تراش کر رہائش گاہ بناتی تھی، کیوں کہ ان کی عمریں ختم ہونے سے پہلے ہی ان کے مکانات بوسیدہ ہو جاتے تھے۔ [2] فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ: اللہ نے تمہارے اوپر جو نعمتیں کی ہیں، انہیں یاد کرو اور ان پر اللہ کا شکر ادا کرو اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ:...... صالح علیہ السلام کی قوم کے متکبر سردار لوگ کمزور مومنین سے کہنے لگے: اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ: کہ کیا اللہ نے صالح کو ہماری اور تمہاری طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے؟ یہ بات بطور تمسخر اور مذاق کہتے تھے۔ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ: مومنین نے بڑا ہی حکیمانہ جواب دیا کہ ہم صالح علیہ السلام کی رسالت پر ایمان لائے ہیں۔ ابوحیان کہتے ہیں: قوم کے متکبرین کے سوال کا جواب درحقیقت یوں ہونا چاہیے تھا کہ هو مرسل من ربہ مومنین نے اس جواب سے عدول کر کے کہا: اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ: یہ جواب نہایت عمدہ اور حسین جواب ہے، چوں کہ صالح علیہ السلام کی رسالت ثابت، معلوم، واضح اور مسلم ہے۔ اس میں ذرہ برابر بھی شک و ریب نہیں، کیوں کہ صالح علیہ السلام اپنی رسالت کی تائید میں خارق عادت معجزہ پیش کر چکے تھے، لہٰذا ان کی رسالت کے متعلق چنداں سوال کی ضرورت نہیں تھی۔ [3] قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ: قوم کے متکبر سرداروں نے کہا: تم جو صالح کی نبوت کی تصدیق

---

[1] القرطبی ۷/ ۲۳۸ [2] القرطبی ۷/ ۲۳۹ [3] البحر ۴/ ۳۳۰

کرتے ہو، ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔ کفار نے یوں نہیں کہا: انا بما ارسل بہ کافرون کیوں کہ کفار مخالفت کا اظہار کرنا چاہتے تھے اور مؤمنین پر رد کرنا ان کا مقصد تھا۔ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ: انہوں نے اونٹنی مار ڈالی اور اللہ کے اوامر بجالانے سے تکبر کیا۔

قوم ثمود کی ہلاکت

وَقَالُوا يَا صَالِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ: ......اے صالح! تم ہمیں جس عذاب سے ڈراتے ہو، وہ لے آؤ۔ اگر تم اے صالح سچے پیغمبر ہو تو لے آؤ۔ کفار نے صالح علیہ السلام سے یہ بات استہزا کے طور پر کہی۔ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ: انہیں شدید زلزلے نے آن دبوچا اور وہ مرے ہوئے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ ان میں حس و حرکت باقی نہ رہی۔ بحر میں ہے "آسمان کی ایک چنگھاڑ نے انہیں آن لیا، جس میں زبردست دہشت والی آواز تھی۔ اس نے ان کے دلوں کو ہلا کر رکھ دیا اور ہلاک ہو گئے۔[1] فَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا قَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلَٰكِنْ لَا تُحِبُّونَ النَّاصِحِينَ: ان کے ہلاک ہونے کے بعد صالح علیہ السلام چل دیے اور ان پر حسرت کرتے ہوئے کہا: میں نے پیغام رسالت تم تک پہنچایا اور تمہیں اللہ کے عذاب سے ڈرایا، تمہیں نصیحت کرنے میں اپنی پوری کوشش صرف کی، لیکن تم اپنی عادت پر قائم رہے اور خیر خواہوں سے بغض و عداوت رکھی۔ زمخشری کہتے ہیں: وَلَٰكِنْ لَا تُحِبُّونَ النَّاصِحِينَ: یہ حکایت ماضی ہے، جیسے کوئی شخص اپنے کسی مردہ بھائی سے کہتا ہے: اے میرے بھائی میں نے تمہیں بارہا نصیحت کی، لیکن تم نہ مانے اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا اور میری ایک نہ سنی۔

قوم لوط علیہ السلام کے احوال

وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ: ......اس وقت کو یاد کرو، جب لوط علیہ السلام نے اپنی قوم اہل سدوم سے بطور انکار و توبیخ کہا: کیا تم اس انتہا درجے کی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو، جو تم سے پہلے کسی سے بھی سرزد نہیں ہوئی۔ آیت میں الْفَاحِشَةَ: سے مراد مردوں کے ساتھ بدفعلی ہے۔ لوط علیہ السلام نے اولاً ان کی بدفعلی کا انکار کیا، پھر انہیں ڈانٹ پلائی کہ یہ فعل سب سے پہلے تم سے سرزد ہوا ہے۔ ابوحیان کہتے ہیں: جب بدفعلی کی قباحت و شناعت معلوم و معہود ہے اور اس کی قباحت عقل میں مرکوز ہوتی ہے تو اس کے بیان کے لیے معرف باللام الْفَاحِشَةَ: کا لفظ لایا گیا ہے۔ بخلاف زنا کے چنانچہ اسے نکرہ لایا گیا ہے۔ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ: سے اس بات پر دلیل ہے کہ سب سے پہلے یہ فعل قوم لوط سے سرزد ہوا ہے اور وہی اس فعل کے موجد ہیں۔ مِنْ أَحَدٍ: نفی جنس کی تاکید کے لیے مِنْ کا اضافہ کیا گیا ہے، مزید عموم کے لیے الْعَالَمِينَ لایا گیا ہے۔[2] عمرو بن دینار کہتے ہیں: قوم لوط سے قبل کوئی مرد کسی دوسرے مرد سے جنسی خواہش پوری کرتے نہیں دیکھا گیا ہے۔[3] إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِنْ دُونِ النِّسَاءِ: ......یہ الْفَاحِشَةَ: بے حیائی و بدفعلی کا بیان ہے۔ یہ دوسری توبیخ ہے اور شناعت مزید کے لیے إِنَّ: اور لام کی تاکید لائی گئی ہے۔ اے میری قوم کے لوگو! تم جنسی خواہش پوری کرنے کے لیے عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس آتے ہو۔ اس کے بعد انکار سے عدول کر کے اس حال کی خبر دی جا رہی ہے جو قبیح افعال کا موجب بنتا ہے۔ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُسْرِفُونَ: تمہارے پاس کوئی عذر نہیں بلکہ تمہاری عادت اسراف کی ہے اور تم ہر چیز میں حد سے تجاوز کرتے ہو۔ ابوسعود کہتے ہیں: آیت میں شَهْوَةً: کی قید لائی گئی ہے جو محض حیوانی وصف ہے۔ اس میں تنبیہ بھی ہے کہ عقلمند شخص کا مباشرت سے مقصد اولاد ہو اور بقائے نسل ہو نہ کہ محض شہوت کو پورا کرنا۔[4] وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوهُمْ مِنْ قَرْيَتِكُمْ ۖ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ: جب لوط علیہ السلام نے قوم کو ڈانٹ سنائی تو ان کا بس یہی جواب تھا کہ ایک دوسرے سے کہنے لگے: لوط اور اس کے متبعین مؤمنین کو اپنے شہر سے نکال دو، کیوں کہ یہ لوگ پاک باز بنتے ہیں اور مردوں سے جو ہم اپنی شہوت پوری کرتے ہیں، اس سے اعراض کرتے ہیں۔ ابن عباس اور مجاہد کہتے ہیں إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ: یعنی مردوں اور عورتوں کے ساتھ پچھلے حصے میں شہوت

---

[1] البحر ۴/۳۳۱ [2] الکشاف ۷/۱۲۴ [3] ابوالسعود ۲/۱۷۸ [4] ابوالسعود ۲/۱۷۸

پوری کرنے کو بُرا سمجھتے ہیں اور اس سے انہیں تقذر ہوتا ہے۔ قوم نے مذاق اڑاتے ہوئے یہ بات کہی اور انسان جس چیز کو اچھا سمجھتا ہے، اسے عیب دار ظاہر کرتے تھے۔

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی اور قوم کا انجام

فَاَنْجَیْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ:...... لوط علیہ السلام کی قوم پر جو عذاب نازل ہوا، ہم نے اس سے لوط علیہ السلام اور ان کے اہل خانہ میں سے مؤمنین کو نجات دی۔ البتہ لوط علیہ السلام کی بیوی عذاب میں گرفتار رہی۔ چوں کہ وہ لوط علیہ السلام سے خیانت کرتی تھی اور کافرہ تھی۔ چنانچہ قوم کے ساتھ وہ بھی عذاب میں ہلاک ہوگئی۔ [۱] وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا: ہم نے ان پر عجیب قسم کی بارش برسائی اور یہ پتھروں کی بارش تھی، جیسا کہ دوسری آیت میں ہے:

وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ (سورہ ھود، آیت ۸۲) "ہم نے ان پر کنکروں کی بارش برسائی۔"

عذاب کو موسلا دھار بارش کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ کیوں کہ بارش کی طرح آسمان سے لگاتار پتھر برسائے گئے تھے۔ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِیْنَ: اے سامع! دیکھو ان گناہگاروں کا انجام کیسا رہا؟ ان کے لیے تو ہلاکت کے سوا کچھ نہیں تھا۔

حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم کا احوال

وَاِلٰى مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ: اور ہم نے اہل مدین کی طرف شعیب کو بھیجا جو اللہ کی توحید و عبادت کی دعوت دیتے تھے۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: مدین کا اطلاق قبیلے پر بھی ہوتا ہے اور شہر پر بھی۔ شہر مدین براستہ حجاز معان کے قریب واقع ہے۔ اہل مدین اصحاب ایکہ ہیں، جیسا کہ ہم اس کا تذکرہ کریں گے۔ [۲] قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ: تمہارے پاس معجزہ آچکا ہے جو میری صداقت پر واضح دلیل ہے۔ فَاَوْفُوا الْكَیْلَ وَالْمِیْزَانَ: یعنی لوگوں کے حقوق پورے پورے ادا کرو، جب تم پیمانے سے ناپ تول کر رہے ہو یا وزن کر رہے ہو تو پورا پورا ناپ تول کرو۔ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ: حقوق العباد میں کوتاہی نہ کرو اور لوگوں کو اشیا کم ناپ تول کر مت دو اور ان پر ظلم مت کرو۔ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا: معاصی کا ارتکاب مت کرو جب کہ پیغمبروں کی بعثت سے زمین کی اصلاح ہو چکی۔ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ: میں نے تمہیں جو اللہ کے لیے خالص عبادت کرنے، حقوق العباد پورے پورے ادا کرنے اور زمین پر ترک فساد کا حکم دیا ہے اس میں تمہارے لیے سراسر بھلائی ہے بشرطیکہ تم میری بات کی تصدیق کرو۔ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ: ہر راستے میں ایمان لانے والے کو قتل سے ڈرانے، دھمکانے کے لیے نہ بیٹھو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: شعیب علیہ السلام کی قوم کے لوگ ایسے راستوں میں بیٹھ جاتے جو شعیب علیہ السلام تک جاتے اور جو شخص ان تک پہنچنے کا ارادہ رکھتا اسے ڈراتے اور اس کا راستہ روک لیتے اور کہتے: شعیب تو جھوٹا ہے۔ اس کے پاس مت جاؤ۔ جیسا کہ قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سلوک کرتے تھے۔ [۳]

وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا:...... تم راستے میں کجی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہو، یعنی وہ اپنا نظریہ پیش کرتے کہ اللہ کا دین درست و صواب نہیں، جیسے ہمارے زمانے کے گمراہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ دین عقل کے مطابق نہیں، کیوں کہ یہ دین فجار کی غلط خواہشات کی حمایت نہیں کرتا اس لیے دین کے چراغ کو پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں۔ [۴] وَاذْكُرُوْۤا اِذْ كُنْتُمْ قَلِیْلًا فَكَثَّرَكُمْ: تم تھوڑی تعداد میں تھے اور کمزور تھے، پھر تمہاری تعداد بڑھ گئی، لہٰذا تم اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو۔ وَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ: اس میں تہدید و دھمکی ہے، یعنی ان امور کو دیکھو جن کا سامنا سابقہ امتیں کرتی رہیں اور یہ امور انہیں اس وقت پیش آئے جب وہ پیغمبروں کی نافرمانی کرتے۔ اللہ نے ان سے کیسے انتقام لیا، ان سے عبرت حاصل کرو۔

---

[۱] الطبری ۱۲/۵۵۱ [۲] مختصر ابن کثیر ۲/۵۳ [۳] البحر ۴/۳۳۸ [۴] جب کہ بالمقابل اہل مغرب سے آئے دن ایسے دانشور مرد و خواتین لگاتار اسلام میں داخل ہو رہے ہیں ان کے میلان کی ایک بڑی وجہ دین اسلام کا عقل کے مطابق ہونا ہے۔

وَاِنْ كَانَ طَآىِٕفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآىِٕفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ:...... اگر تمہارا ایک گروہ میری لائی ہوئی تعلیمات میں میری تصدیق کرے اور دوسرا گروہ میری تصدیق نہ کرے تو صبر کرو، یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان عدل پر مبنی فیصلہ کردے اور اللہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ ابوحیان کہتے ہیں: یہ کلام نہایت عمدہ ہے جبکہ محقق مشکوک کی صورت میں ظاہر ہو، گویا اس میں مؤمنین سے مدد کا وعدہ ہے۔ کافروں کے حق میں سزا اور خسارے کی وعید ہے۔ [1]

بلاغت: هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ:...... اضافت برائے تعظیم وتشریف ہے۔ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ: تنکیر برائے تقلیل وتحقیر ہے، یعنی اس اونٹنی کو ادنیٰ سی اذیت بھی مت پہنچاؤ۔ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ: استفہام برائے انکار وتوبیخ ہے۔ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ: علم بدیع میں اس نوع کو تعریض کہا جاتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: کفار نے ذم بالمدح کی ہے۔

فائدہ:...... جس شخص نے اونٹنی کی ٹانگیں کاٹیں اس بدبخت کا نام ''قدار بن سالف'' تھا۔ اس فعل کی نسبت پوری قوم کی طرف کی گئی ہے کیوں کہ ان کی رضامندی سے اونٹنی کی کونچیں کاٹی گئیں۔ کسی فعل سے راضی شخص جرم میں برابر کا شریک ہوتا ہے۔

(آٹھویں پارہ کی تفسیر ختم ہوئی۔ والحمد للہ علی ذلک)

---

[1] البحر ۴/۳۴۰

پارہ نمبر ۹ ...... قَالَ الْمَلَاُ

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ
لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿٨٨﴾ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ
نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ
عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿٨٩﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿٩٠﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ
دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٩١﴾ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ
الْخٰسِرِيْنَ ﴿٩٢﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى
قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿٩٣﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ
يَضَّرَّعُوْنَ ﴿٩٤﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ
فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٩٥﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ
السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٩٦﴾ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ
بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿٩٧﴾ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿٩٨﴾ اَفَاَمِنُوْا
مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٩٩﴾ اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ
اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿١٠٠﴾ تِلْكَ الْقُرٰى
نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ
قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٠١﴾ وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ
اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿١٠٢﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿١٠٣﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٤﴾ حَقِيْقٌ
عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿١٠٥﴾
قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١٠٦﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٠٧﴾

وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾ وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۚ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ۚ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۚ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾

ترجمہ:......ان کی قوم کے سردار جو تکبر کرنے والے تھے کہنے لگے کہ اے شعیب! ضرور ضرور ہم تجھے اور ان لوگوں کو جو تیرے ساتھ ایمان لائے اپنی بستی سے نکال دیں گے، یا یہ کہ تم ہمارے دین میں واپس آ جاؤ۔ انہوں نے جواب دیا کیا (ہم تمہارے دین میں واپس آ جائیں گے) اگرچہ دل سے برا جانتے ہوں؟ ﴿۸۸﴾ اگر ہم تمہارے دین میں واپس ہو جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اللہ پر جھوٹی تہمت لگانے والے بن جائیں اس کے بعد کہ اللہ نے اس سے ہم کو نجات دی، اور ہم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم تمہارے دین میں واپس آ جائیں الا یہ کہ اللہ چاہے جو ہمارا رب ہے۔ ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا، اے ہمارے رب! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما دے اور تو فیصلہ کرنے والوں میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ ﴿۸۹﴾ اور کہا ان کی قوم کے سرداروں نے جو کفر پر تھے کہ اگر تم شعیب کی راہ پر چلنے لگو گے تو بلاشبہ بڑے نقصان میں پڑ جاؤ گے۔ ﴿۹۰﴾ سو پکڑ لیا ان کو زلزلے نے سو وہ صبح کے وقت اس حال میں ہو گئے کہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ گرے ہوئے تھے، ﴿۹۱﴾ جنہوں نے شعیب کو جھٹلایا گویا کہ وہ ان گھروں میں رہے ہی نہیں تھے، جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا وہی نقصان میں پڑنے والے ہیں۔ ﴿۹۲﴾ سو پشت پھیری ان کی طرف سے اور کہا کہ اے میری قوم! بے شک میں نے تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچا دیے اور تمہاری خیر خواہی کی سو

پھر میں کفر اختیار کرنے والی قوم پر کیوں رنج کروں؟ ﴿۹۳﴾ اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا کہ اس کے رہنے والوں کو ہم نے سختی اور تکلیف کے ساتھ نہ پکڑا ہوتا کہ وہ عاجزی کریں۔ ﴿۹۴﴾ پھر ہم نے بدحالی کی جگہ خوش حالی بدل دی یہاں تک کہ وہ بڑھتے چلے گئے اور کہنے لگے ہمارے باپ دادوں کو تکلیف اور خوشی پہنچ چکی ہے۔ سو ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا اس حال میں کہ انہیں خبر بھی نہ تھی۔ ﴿۹۵﴾ اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان کی اور زمین کی برکتیں کھول دیتے۔ لیکن انہوں نے جھٹلایا تو ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے انہیں پکڑ لیا۔ ﴿۹۶﴾ کیا بستیوں کے رہنے والے اس سے بے خوف ہیں کہ ہمارا عذاب ان کے پاس رات کے وقت اس حال میں آجائے کہ وہ سو رہے ہیں۔ ﴿۹۷﴾ یا بستیوں والے اس سے بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آجائے جبکہ وہ کھیل رہے ہوں۔ ﴿۹۸﴾ کیا یہ لوگ اللہ کی تدبیر سے نڈر ہو گئے۔ سو اللہ کی تدبیر سے بے خوف نہیں ہوتے مگر وہی لوگ جن کا برباد ہونا ہی طے پا چکا ہو۔ ﴿۹۹﴾ جو لوگ زمین کے وارث ہوتے ہیں کیا انہیں مذکورہ اقوام کے واقعات نے یہ نہیں بتایا کہ ہم چاہیں تو ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کو ہلاک کر دیں، اور ان کے دلوں پر ہم مہر لگائے ہوئے ہیں سو وہ نہیں سنتے۔ ﴿۱۰۰﴾ یہ بستیاں ہیں ان کی بعض خبریں ہم آپ کو سناتے ہیں اور بے شک ان کے پاس ان کے پیغمبر معجزات لے کر آئے تو جس چیز کو وہ پہلے جھٹلا چکے تھے اس پر ایمان لانے والے نہ تھے اللہ ایسے ہی مہر لگا دیتا ہے کافروں کے دلوں پر ﴿۱۰۱﴾ اور ہم نے ان میں سے اکثر لوگوں میں عہد کا پورا کرنا نہ پایا اور ہم نے ان میں سے اکثر کو نافرمان ہی پایا۔ ﴿۱۰۲﴾ پھر ہم نے ان کے بعد اپنی آیات کے ساتھ موسیٰ کو فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا سو انہوں نے ان آیات کے ساتھ ظلم والا معاملہ کیا سو تو دیکھ لے فساد کرنے والوں کا کیا انجام ہوا؟ ﴿۱۰۳﴾ اور کہا موسیٰ نے کہ اے فرعون! بے شک میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں۔ ﴿۱۰۴﴾ میرے لیے بھی شایانِ شان ہے کہ سچ کے علاوہ اللہ کی طرف کسی بات کو منسوب نہ کروں، میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل لایا ہوں، سو تو میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔ ﴿۱۰۵﴾ فرعون کہنے لگا کہ اگر تو کوئی نشانی لایا ہے تو اسے پیش کر دے اگر تو سچا ہے۔ ﴿۱۰۶﴾ موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈالی تو اچانک وہ بالکل واضح طور پر اژدھا بن گئی ﴿۱۰۷﴾ اور اپنا ہاتھ نکالا تو یکایک وہ دیکھنے والوں کو سفید نظر آ رہا ہے۔ ﴿۱۰۸﴾ سرداروں نے کہا جو فرعون کی قوم میں سے تھے کہ بلاشبہ یہ ایک جادوگر ہے جو بڑا ماہر ہے ﴿۱۰۹﴾ یہ چاہتا ہے کہ تمہاری سرزمین سے تمہیں نکال دے سو تم کیا مشورہ دیتے ہو؟ ﴿۱۱۰﴾ کہنے لگے کہ اس کو اور اس کے بھائی کو ڈھیل دے دے اور شہروں میں جمع کرنے والوں کو بھیج دے ﴿۱۱۱﴾ جو تیرے پاس ہر ماہر جادوگر کو لے آئیں، ﴿۱۱۲﴾ اور جادوگر فرعون کے پاس آئے کہنے لگے کہ اگر ہم غالب ہوئے تو کیا ہم کو کوئی بڑا صلہ ملے گا؟ ﴿۱۱۳﴾ فرعون نے کہا ہاں بے شک تم لوگ مقربین میں شامل ہو جاؤ گے۔ ﴿۱۱۴﴾ ان جادوگروں نے کہا کہ اے موسیٰ! یا تو آپ ڈالیں یا ہم ڈالنے والے ہو جائیں۔ ﴿۱۱۵﴾ موسیٰ نے کہا کہ تم ہی ڈالو، سو جب انہوں نے ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور ان پر ہیبت غالب کر دی اور بڑا جادو لے کر آئے۔ ﴿۱۱۶﴾ اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ تم اپنی لاٹھی ڈال دو، سو وہ اچانک ان کی بنائی ہوئی جھوٹی چیزوں کو نگلنے لگی۔ ﴿۱۱۷﴾ پس حق ظاہر ہو گیا اور وہ باطل ہو گیا جو انہوں نے بنایا تھا ﴿۱۱۸﴾ سو وہ اس جگہ مغلوب ہو گئے اور شدید بے بسی کی حالت میں (مقابلے سے پلٹ آئے) ﴿۱۱۹﴾ اور جادوگر سجدے میں ڈال دیے گئے ﴿۱۲۰﴾ کہنے لگے کہ ہم ایمان لائے رب العالمین پر ﴿۱۲۱﴾ جو موسیٰ کا اور ہارون کا رب ہے۔ ﴿۱۲۲﴾ فرعون نے کہا کیا تم اس سے پہلے اس پر ایمان لے آئے کہ میں تمہیں اجازت دوں، بلاشبہ یہ ایک بڑا مکر ہے جو تم سب نے مل کر اس شہر میں کیا ہے تاکہ تم اس کے ذریعے شہر والوں کو نکال دو سو عنقریب تم جان لو گے، ﴿۱۲۳﴾ ضرور بالضرور میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹ دوں گا پھر تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا۔ ﴿۱۲۴﴾ انہوں نے جواب میں کہا کہ بلاشبہ ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں، ﴿۱۲۵﴾ اور تو جو ہم سے انتقام لے رہا ہے اس کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم اپنے رب کی نشانیوں پر ایمان لے آئے جب وہ ہمارے پاس پہنچ گئیں۔ اے ہمارے رب! ہم پر صبر ڈال دے اور ہمیں اس حالت میں موت دے کر ہم اسلام پر ہوں۔ ﴿۱۲۶﴾ اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو یوں ہی چھوڑے رہے گا تاکہ وہ زمین میں فساد کریں اور تجھے اور تیرے معبودوں کو چھوڑے رہیں۔ اس نے کہا کہ ابھی ہم ایسا کریں گے ان کے بیٹوں کو مار ڈالیں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے اور ہم کو ان پر پوری طرح غلبہ حاصل ہے۔ ﴿۱۲۷﴾ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو، بلاشبہ یہ اللہ کی زمین ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس کا وارث بنائے اور عاقبت متقیوں کے لیے ہی ہوتی ہے ﴿۱۲۸﴾ وہ کہنے لگے

کہ ہم کو آپ کے آنے سے پہلے تکلیفیں دی جاتی رہی ہیں اور آپ کے آنے کے بعد بھی، انہوں نے جواب میں کہا کہ قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کردے اور تمہیں زمین میں خلیفہ بنادے، پھر وہ دیکھے گا کیسے عمل کرتے ہو؟ (۱۲۹)

ربط وتعارف: ...... قبل ازیں قصص الانبیا میں سے نوح، ہود، صالح، لوط اور شعیب علیہ السلام کے قصص بیان کیے گئے ہیں۔ ان کی اقوام پر نازل ہونے والے عذاب کا تذکرہ بھی ہوا۔ اب سنت الٰہیہ کا ذکر ہے کہ جو لوگ تکذیب انبیا کے مرتکب ہوتے ہیں ان سے اللہ تعالیٰ انتقام لیتا ہے۔ انتقام بتدریج لیتا ہے۔ تنگی کے بعد نعمت اور پھر پکڑ۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ہے جو سرکش فرعون کے ساتھ پیش آیا۔ اس میں زبردست عبرتیں اور مواعظ ہیں۔

لغات: يَغْنَوْا: ...... مقیم ہوئے مقولہ ہے غنی بالمکان جب کسی جگہ میں طویل عرصے تک مقیم رہے۔ عَفَوْا زیادہ ہوئے عفا النبات سبزہ بڑھ گیا۔ اَلْبَاْسَآءِ: شدید فقر وفاقہ الضراء: نقصان، مرض۔ عَفَوْا: بڑھنا نمو پانا۔ بَغْتَةً: اچانک۔ ملاءة: قوم کے بڑے لوگ۔ اَرْجِهْ: مؤخر کرو۔ صٰغِرِيْنَ: صاغر کی جمع۔ ذلیل وخوار۔ تَلْقَفُ: وہ نگلتی ہے۔ يَاْفِكُوْنَ: الإفك جھوٹ۔ الافراغ: افرغ، بہانا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کو جلاوطنی کی دھمکی

تفسیر: قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ: ...... شعیب علیہ السلام کی قوم کے منکر سردار ایمان سے دور رہنے والوں نے کہا لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا: قوم کے لوگوں نے دو کاموں میں سے ایک کے کرنے کی قسم اٹھائی۔ شعیب علیہ السلام اور ان کے متبعین کی جلاوطنی یا کفر کی طرف لوٹ جانا۔ یعنی اے شعیب! ہم تمہیں اور تمہارے اوپر ایمان لانے والوں کو اپنے درمیان سے ضرور نکال باہر کریں گے یا تم اور تمہارے ساتھ یہ ہمارے دین پر آجائیں۔ شعیب علیہ السلام نے جواب دیتے ہوئے کہا قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ: کیا تم ہمیں جلاوطنی پر مجبور کرتے ہو یا ہمیں اپنے دین پر آنے کو مجبور کرتے ہو۔ اگرچہ یہ کام ہمیں نہایت ناگوار ہو؟ استفہام انکاری ہے قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا: جب اللہ نے ہمیں تمہارے دین سے بچا لیا اور ہمیں دولت ایمان سے سرفراز کیا ہمیں ہدایت سے نوازا، اس کے بعد ہم تمہارے دین کی طرف چلے جائیں، پھر تو ہم پر بہت بڑا جھوٹ گھڑ دیں گے۔ آیت میں کفار کو مایوس کیا گیا ہے کہ شعیب علیہ السلام اور ان کے متبعین قوم کے دین کی طرف نہیں جائیں گے۔ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا: ہمارے لیے کسی طرح بھی صحیح نہیں کہ ہم تمہاری ملت اور تمہارے دین کی طرف لوٹ جائیں، ہاں البتہ اللہ اگر ہمیں ذلیل ورسوا کرنا چاہے تو پھر اس کا فیصلہ ہمارے اندر چلے گا۔ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا: اللہ کا علم ہر چیز کو اپنے احاطے میں لیے ہوئے ہے۔ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا: ہم اللہ پر ہی بھروسہ کرتے ہیں، وہ بھروسہ کرنے والوں کے لیے کافی ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی دعا اور قوم کا انجام

رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ: ...... اے ہمارے رب! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ فرما، ایسا فیصلہ جس میں ظلم وزیادتی نہ ہو اور تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ: ان کی قوم کے اشراف فساق وفجار کفار نے کہا: اگر تم شعیب کی اتباع کرو گے اور اس کی بات مانو گے تو خسارے میں رہو گے، چوں کہ تم نے ہدایت کو گمراہی سے بدل دیا ہے۔ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ: انہیں زبردست زلزلے نے دبوچ لیا، پھر وہ اپنے گھر میں اوندھے منہ گھٹنوں کے بل پڑے ہوئے رہ گئے۔ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا: اللہ نے مکذبین کو ہلاک کردیا، یوں لگتا تھا گویا وہ اپنے گھروں میں عشرت سے رہے ہی نہیں۔ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ: ان کی ہلاکت وتباہی کے بعد خسارہ اور نقصان کے متعلق خبر دی جارہی ہے۔ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ: شعیب علیہ السلام نے قوم سے یہ بات شدت غم اور افسوس کی

وجہ سے کہی، چوں کہ قوم ان کی نصیحتوں پر چلنے کو تیار نہیں تھی۔ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ: میں ان لوگوں پر کیسے غمزدہ اور حزین ہوں جو غم وحزن کیے جانے کے مستحق نہیں۔ طبری کہتے ہیں: یعنی میں ان لوگوں پر کیسے غم وحزن کروں، جو اللہ کی وحدانیت کا انکار کرتے ہیں۔ اللہ کے رسول کی تکذیب کرتے ہیں۔ بھلا میں ان کی ہلاکت پر کیسے دکھ و درد محسوس کروں؟[1] وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ: کلام میں حذف ہے۔ عبارت یوں ہوگی۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نبی فکذبه اهلها یعنی ہم نے جس بستی میں بھی کوئی نبی بھیجا، بستی والوں نے اس کی تکذیب کی۔ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ: ہم نے انہیں فقر وفاقہ اور معاشی بدحالی کی سزا دی اور بیماریوں میں مبتلا کیا۔ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ: تاکہ وہ سر تسلیم خم کر لیں اور گناہوں سے توبہ کر لیں۔

ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ: ......پھر ہم نے ان کے فقر وفاقہ اور مرض کی حالت کو مالداری اور صحت مندی میں بدل دیا۔ حَتّٰى عَفَوْا: یہاں تک کہ ان کی تعداد بڑھ گئی اور وہ خوب پھلے پھولے۔ وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ: عیش کوشی اور ناز ونعم کی وجہ سے وہ اترانے پر اتر آئے اور ناشکری کرتے ہوئے کہنے لگے: یہ تو زمانے کا ہیر پھیر ہے۔ ہمارے آباؤ اجداد بھی تو ان مصائب میں مبتلا رہے اور انہیں بھی فراخی حاصل ہوئی۔ یہ اللہ کی طرف سے کوئی عذاب تھوڑا ہی ہے، لہٰذا ہم اپنے دین پر باقی رہیں گے۔ غرض یہ ہے کہ اللہ نے بدحالی میں اس لیے انہیں مبتلا کیا تاکہ اللہ کی طرف رجوع کریں، پھر بدحالی کے بعد اللہ نے انہیں خوشحالی بھی عطا کی تاکہ اللہ کا شکر ادا کریں، لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا لہٰذا ان کے بچاؤ کی کوئی صورت باقی نہ رہی۔ صرف یہی کہ وہ عذاب میں گرفتار کر لیے جائیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ: ہم نے انہیں اچانک عذاب اور ہلاکت میں گرفتار کر لیا اور انہیں اس کا پتہ بھی نہ چلا۔

انبیا علیہم السلام کی اطاعت رحمت خداوندی کا ذریعہ ہے

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا: ......اگر ان بستیوں کے رہنے والے جنہوں نے انبیا کی تکذیب کی اور پھر وہ ہلاک کر دیے گئے اللہ اور پیغمبروں پر ایمان لے آتے، کفر اور معاصی سے اجتناب کرتے۔ لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ: ہم ہر طرف سے ان پر خیر وبھلائی کی برسات کر دیتے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ آسمان کی برکتوں سے مراد بارش ہے اور زمین کی برکات سے مراد پھل اور اناج ہے۔ سدی کہتے ہیں: ہم ان کے لیے آسمان وزمین کے دروازے آمدن رزق کے لیے کھول دیتے۔[2] وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ: لیکن انہوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی اور ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ: ہمزہ برائے انکار ہے۔ یعنی کیا یہ تکذیب کرنے والے اس بات سے بے خوف ہیں کہ ہمارا عذاب انہیں راتوں رات آن لے، اس حال میں کہ وہ غفلت کی نیند سو رہے ہوں؟ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ: یا کیا وہ بے خوف ہیں کہ ہمارا عذاب انہیں دن دھاڑے آن لے، درحالیکہ وہ کھیل کود میں مصروف ہوں؟ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ: اللہ نے ان کو نعمتوں میں ڈال کر جو مہلت دی ہے کیا وہ اس سے بے خوف ہیں، یہاں تک کہ غفلت میں ہلاک کر دیے جائیں؟ اس سے تو وہی لوگ بے خوف رہ سکتے ہیں جو خسارے میں ہیں، جن کی عقلیں ناقص ہیں اور انسانیت سے دور ہیں، وہ چوپایوں سے کم تر ہو گئے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مؤمن طاعات پر عمل کرتا رہتا ہے، اس حال میں کہ وہ ڈر رہا ہوتا ہے اور خوفزدہ ہوتا ہے جبکہ فاجر شخص سے معاصی سرزد ہوتے ہیں اور وہ مطمئن اور بے خوف ہوتا ہے۔[3]

گزشتہ اقوام اور ان کے احوال سے عبرت

اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ: ......کیا یہ بات واضح اور ظاہر نہیں ہوئی ان لوگوں کے لیے جو زمین آباد کرنے والوں کے ہلاک ہو جانے کے بعد ان کے جانشین بنے۔ مراد کفار مکہ اور مضافات میں رہنے والے لوگ ہیں۔ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ: اگر ہم چاہتے تو

---

[1] الطبری ۱۲/۵۷۱ [2] البحر ۴/۳۴۸ [3] ابن کثیر ۲/۳۸

گناہوں کے سبب ان سب کو ہلاک کر دیتے، جیسے ان سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا۔ بحر میں ہے: یعنی تم جانتے ہو ہلاک شدگان پر جو عذاب آیا کیا تم ڈرتے نہیں ہو کہ اس طرح کا عذاب تمہارے اوپر بھی آ سکتا ہے۔ ایسا کرنا ہمارے لیے مشکل نہیں۔ [1] وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ: ہم ان کے دلوں پر مہریں لگا دیں گے، پھر یہ نصیحت قبول کرنے کے قابل نہیں رہیں گے اور سماع نافع کی صلاحیت ان میں نہیں رہے گی۔ تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا: اے محمد! یہ مذکور بستیاں جن مین سے بعض کے قصے ہم نے بیان کیے اور ان بستیوں کے رہنے والوں پر جو عذاب اترا، زمین میں دھنسنا، زلزلہ کا آنا، اوپر سے پتھروں کی بارش ہونا وغیرہ تا کہ ان کے احوال سننے والا عبرت حاصل کرے۔ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ: ان کے پاس واضح دلائل اور معجزات لے کر پیغمبر آئے۔ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ: پیغمبر جو تعلیمات اور احکام لائے، ان پر ایمان نہیں لائے۔ اس وجہ سے کہ وہ پیغمبروں کے معجزات لانے سے پہلے ہی ان کی تکذیب کرتے تھے اور معجزات لانے کے بعد بھی تکذیب پر مصر رہے۔ گویا گمراہی اور سرکشی میں وہ ایک ہی حالت میں رہے۔ زمخشری کہتے ہیں: یہ لوگ پیغمبروں کے آنے کے وقت سے مرنے تک برابر تکذیب پر مصر رہے۔ بار بار مواعظ کے آنے سے راہ راست پر نہیں آئے جبکہ پے در پے معجزات اور نشانیاں بھی ان کے سامنے پیش کی گئی۔ [2] كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ: اسی سخت محکم مہر کی طرح ہم کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیں گے۔ پھر کوئی ڈرسنانے کی بات اور نشانی اثر نہیں کرے گی۔ آیت میں سامعین کو ڈرایا گیا ہے۔ وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ: ہم نے اکثر لوگوں کو وعدہ وفا نہیں پایا بلکہ اکثر لوگوں کو ہم نے طاعت سے نکلا ہوا پایا ہے۔ ابن کثیر کہتے ہیں: عہد سے مراد وہی عہد ہے جس پر انسانوں کو پیدا کیا اور اصلاب میں ان سے عہد لیا کہ اللہ ہی ان کا رب و مالک ہے۔ چنانچہ انسانوں نے اس کی مخالفت کی اور اللہ کے ساتھ غیر کی عبادت شروع کر دی، حالاں کہ اس پر کوئی عقلی و شرعی دلیل و حجت نہیں۔ [3]

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا مکالمہ

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ:...... پھر مختلف پیغمبروں کے بعد ہم نے موسیٰ بن عمران کو واضح معجزات اور دلائل کے ساتھ بھیجا۔ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ: ہم نے موسیٰ کو مصر کے بادشاہ فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا۔ فَظَلَمُوْا بِهَا: چنانچہ فرعون اور اس کی قوم نے معجزات اور دلائل کا انکار کیا۔ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ: اے سامع! فساد پھیلانے والے ظالموں کا حال و انجام دیکھو۔ ہم نے موسیٰ اور اس کی قوم کے سامنے انہیں پانی میں غرق کر کے کس طرح ان کا صفایا کر دیا۔ یہ اسلوب اللہ کے دشمنوں کو ہونے والے عذاب پر زیادہ بلیغانہ طریقے سے روشنی ڈال رہا ہے اور اللہ کے دوستوں کے دلوں کو اس سے زیادہ سے زیادہ شفا ملنے پر دال ہے۔ وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ: میں خالق عظیم جو ہر چیز کا رب اور خالق ہے کی طرف سے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ: یہ بات اس امر کے زیادہ لائق ہے اور مجھ پر حق ہے کہ میں اللہ کے بارے میں صرف اس بات کی خبر دوں جو حق و سچ ہے۔ کیوں کہ میں اللہ کی عظمت شان بخوبی جانتا ہوں۔ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ: میں اللہ کی طرف سے تمہارے پاس حجت قاطعہ لے کر آیا ہوں، لہٰذا بنی اسرائیل کا راستہ چھوڑ دو تا کہ وہ میرے ساتھ سرزمین قدس کی طرف جا سکیں۔ وہی ہمارے آباؤ اجداد کا وطن ہے۔ [4] ابوحیان کہتے ہیں: جب فرعون نے خدائی کا دعویٰ کیا تو موسیٰ علیہ السلام نے دوٹوک فیصلہ سنا دیا کہ يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ: تا کہ اسے اپنے دعوے پر تنبیہ ہو جائے کہ وہ تو سراسر جھوٹ اور باطل پرست ہے، اسی لیے فرمان باری تعالیٰ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ: کے بعد ایسا دوٹوک فیصلہ لایا گیا ہے جو مدعا کی صحت پر دلالت کرتا ہے۔ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ: جب موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا امر پختہ ہو گیا تو اس پر تبلیغ کو متفرع کیا ہے۔ چنانچہ حکم خداوندی سنا دیا کہ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[1] البحر ۴/ ۳۵۰ [2] الکشاف ۲/ ۱۳۵ [3] مختصر ابن کثیر ۲/ ۳۹۰ [4] حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے یوسف علیہ السلام کے پاس جا کر مصر میں آباد ہو گئے تھے، حتیٰ کہ فرعون نے انہیں غلام بنا لیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام ان کی آزادی کے درپے تھے۔ البحر ۴/ ۳۵۵

قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ:......فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: اگر تم اللہ کی طرف سے کوئی معجزہ اور نشانی لائے ہو جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے تو اسے ظاہر کرو تا کہ تمہارے دعویٰ کی سچائی ثابت ہو۔ فرعون نے یہ بات موسیٰ علیہ السلام کو لا جواب کرنے کے لیے کہی۔

عصائے موسیٰ کا اژدھا بن جانا

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ:......موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا پھینکا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہ ایک موٹا اور بڑا سانپ بن گیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: جب سانپ ظاہر ہوا تو منہ کھولے ہوئے فرعون کی طرف بڑھا۔ مُبِيْنٌ: کا معنی ہے کہ سانپ محض خیالی نہیں تھا بلکہ ظاہری سانپ دکھائی دے رہا تھا۔ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ: موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ گریبان سے باہر نکالا، یکا یک ہاتھ نورانی سفید دکھائی دینے لگا۔ اس کی چمک کے آگے سورج کی چمک ماند پڑ گئی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں ایسی چمک اور روشنی تھی، جس سے آسمان و زمین کے درمیان کی فضا بھی دمک اٹھی۔ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ: قوم فرعون کے اشراف کہنے لگے یہ تو جادو سے واقف ہے اور جادو میں زبردست مہارت رکھتا ہے۔ عَلِيْمٌ: یعنی جادو کے علم میں انتہا کو پہنچا ہوا ہے اور جادو کے فنون پر اسے عبور حاصل ہے۔ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ: یہ جادو کے زور سے تمہیں سرزمین مصر سے باہر نکال دینا چاہتا ہے۔ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ: کیا کہتے ہو کہ اس کے معاملہ میں ہم کیا کریں؟ اس بارے میں تم کیا مشورہ دیتے ہو؟ قرطبی کہتے ہیں: فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ: فرعون نے کہا تھا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں: یہ اشراف کا مقولہ ہے۔ یعنی اشراف نے فرعون سے کہا: فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ: جیسے ظالم و جابر رؤسا سے کہا جاتا ہے۔ ماذا ترون فی کذا۔ فلاں معاملے میں آپ لوگوں کی کیا رائے ہے؟ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ: ان کا معاملہ کچھ مؤخر کر دو، حتیٰ کہ تمہاری اپنی رائے ان کے بارے میں قائم ہو جائے اور مصر کے مختلف شہروں میں کارندے بھیج دو، جو جادوگروں کو جمع کر لائیں۔ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ: جو اس جیسے ماہر جادوگر لے آئیں۔ بڑے بڑے جادوگر مصر کے دور دراز کے علاقوں میں رہتے تھے۔

جادوگروں کا مطالبہ اجرت

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ:......کلام میں حذف ہے، جس پر سیاق کلام دلالت کرتا ہے۔ یعنی فرعون نے جادوگروں کو پیغام بھیجے اور انہیں اپنے دربار میں طلب کیا، جب جادوگر فرعون کے پاس جمع ہو گئے، کہنے لگے: اگر ہم موسیٰ پر غالب آ گئے، اسے شکست دے دی اور اس کے جادو کو زیر کر دیا تو ہمارے لیے بڑا انعام ہونا چاہیے۔ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ: فرعون نے کہا: جی ہاں! تمہارے لیے انعام ہو گا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ تم لوگ میرے مقرب بن جاؤ گے۔ یعنی تمہارا شمار میرے مخصوص لوگوں اور اہل مشورہ میں ہو گا۔ قرطبی کہتے ہیں: جادوگروں کے مطالبے سے زیادہ فرعون نے انہیں عطا کرنے کا وعدہ کیا۔ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ: جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: دو باتوں میں سے ایک اختیار کر لو، یا تم اپنا عصا پھینکو یا ہم اپنی لاٹھیاں پھینکتے ہیں۔ زمخشری کہتے ہیں: جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام کو جو اختیار دیا ہے یہ حسن آداب میں سے ہے، جیسا کہ اہل فن کے ہاں اس کا رواج ہوتا ہے۔ جیسے دو مناظرہ کرنے والے ابتدا میں ایسا کہتے ہیں۔[1] یہ تو علامہ زمخشری کی تفسیر ہے۔ زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ جادوگروں نے یہ بات اپنا غلبہ و قوت جتلانے کے لیے کہی۔ گویا وہ موسیٰ علیہ السلام کو اول والہ میں خاطر میں نہیں لا رہے تھے، جیسے کوئی ایسا شخص جسے اپنے اوپر اعتماد ہو کہتا ہے کہ تم شروع کرتے ہو یا میں شروع کروں۔ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ: موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں سے کہا: جو کچھ تم ڈالنا چاہتے ہو وہ ڈالو۔ چنانچہ جب جادوگروں نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں ڈالیں تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا (آنکھیں باندھ دیں) جادوگروں نے لوگوں کو وہم میں ڈال دیا ورنہ ان کے جادو کی کوئی حقیقت نہیں تھی، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى. وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ: جادوگروں نے

---

[1] الکشاف ۲/۱۴۰

حاضرین کو ڈرا دیا اور ان پر سخت دہشت ڈال دی، چوں کہ لوگ رسیوں اور لاٹھیوں کو رینگتے ہوئے سانپ خیال کرتے تھے۔ گویا جادوگروں نے زبردست جادو کا مظاہرہ کیا۔ ہر دیکھنے والے پر ہیبت طاری ہو جاتی تھی۔ ابن اسحاق کہتے ہیں: زور جادو دکھانے کے لیے پندرہ ہزار جادوگر جمع تھے۔ ہر جادوگر کے پاس رسیاں اور لاٹھیاں تھیں۔ فرعون بھی ملک کے رؤسا کے ساتھ دربار لگائے بیٹھا تھا۔ سب سے پہلے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون نے جادو دیکھا، چوں کہ جادوگروں نے اولاً انہی پر جادو کا اثر ڈالا تھا، پھر حاضرین کی آنکھوں پر جادو کا اثر ہوا۔ چنانچہ جادوگروں میں سے ایک جادوگر نے اپنے ہاتھ میں لائی ہوئی لاٹھیاں اور رسیاں پھینکیں، دیکھتے ہی دیکھتے وہ سانپ بن گئیں اور پوری وادی سانپوں سے بھر گئی اور سانپ ایک دوسرے کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔[1] وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ: ہم نے موسیٰ کو وحی بھیجی کہ اپنا عصا ڈال دو۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے عصا ڈال دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے موسیٰ علیہ السلام کے عصا نے (سانپ کی شکل اختیار کر لی اور) جادوگری کے جھوٹ سے بنائے گئے سانپوں کو بڑی تیزی سے نگلنا شروع کر دیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ: کا معنی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا عصا (جو سانپ بن گیا تھا) جادوگروں کی ڈالی ہوئی لاٹھیوں اور رسیوں کے پاس سے گزرتا اور انہیں اپنا لقمہ بنالیتا۔ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ: حاضرین کے لیے حق بات کھل کر سامنے آ گئی اور جادو کا جھوٹ اور فریب باطل ہو گیا۔ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ: فرعون اور اس کی قوم عظیم مجمع میں مغلوب ہو گئے اور انہیں سخت رسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔

جادوگروں کا قبول ایمان اور فرعون کا غیظ وغضب

وَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ: ...... سارے جادوگر سجدے میں گر پڑے، اس حال میں کہ تمام جہانوں کے پروردگار پر ایمان لے آنے کا اعلان کرتے ہوئے، چوں کہ حق ان کے سامنے آ چکا تھا۔ قتادہ کہتے ہیں: جادوگروں کے پہلے حصے میں کفار تھے جبکہ دن کے پچھلے حصے میں شہدا اور نیکوکار تھے۔[2] قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ: ظالم فرعون نے جادوگردن سے کہا: تم موسیٰ پر ایمان لے آئے، اس سے پہلے کہ تم مجھ سے اجازت لیتے، اس سے مقصود توبیخ ہے۔ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِى الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا: تمہارا یہ طرز عمل ایک حیلہ ہے جو تم نے اور موسیٰ نے مصر میں کر دیا ہے۔ یہ اس لیے تا کہ تم مصر سے قبطیوں کو نکال باہر کرو اور بنی اسرائیل کو یہاں آباد کر دو۔ فرعون نے یہ بات لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے کہی تا کہ لوگ جادوگروں کے پیچھے چلتے ہوئے ایمان نہ لے آئیں۔ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ: تمہیں عنقریب کڑے حالات کا علم ہو جائے گا۔ یہ وعید و تہدید ہے، لوگوں پر دہشت ڈالنے کے لیے۔ اجمالی بات لایا اس کے بعد تفصیل ہے۔ چنانچہ کہا: لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ: میں ضرور تمہارے ہاتھ پاؤں مختلف سمتوں سے کاٹ ڈالوں گا۔ طبری کہتے ہیں مِّنْ خِلَافٍ: کا معنی ہے کہ دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں یا بایاں ہاتھ اور دایاں پاؤں۔[3]

ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ: ...... پھر میں تم سب کو سولی پر لٹکاؤں گا تا کہ تمہیں اور تم جیسے دوسرے لوگوں کو سخت اذیت پہنچے۔ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ: ہم مر کر اللہ کی طرف جائیں گے، لہٰذا جس چیز کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو، ہمیں اس کا کوئی خوف نہیں۔ ہمیں موت کی کوئی پرواہ نہیں، اللہ کی راہ میں موت تو بہت اچھی چیز ہے۔ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا: تو صرف ہماری اس بات کو ناگوار اور عیب دار سمجھتا ہے کہ ہم اللہ اور اس کی نشانیوں پر ایمان لے آئے، جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ: زمخشری کہتے ہیں: ایمان لانے والوں کا مقصد ہے کہ تم ہمارے اندر صرف اسی بات کو عیب قرار دیتے ہو جو حقیقت میں عزت و افتخار اور شرف کی بات ہے اور وہ ایمان ہے۔[4] رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ: اے ہمارے رب! ہمارے دلوں میں صبر کا جذبہ ڈال دے جو ہمیں فرعون کے عذاب دینے کے وقت ڈھانپ دے اور ہمیں ملت اسلامیہ پر موت دے اس حال میں کہ ہم فتنے میں نہ پڑیں۔ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ: رؤسا اور بڑے لوگوں نے فرعون سے کہا: کیا تم موسیٰ اور اس کی جماعت کو چھوڑ

---

[1] الطبری ۱۲/ ۲۸ [2] البحر المحیط ۴/ ۳۶۴ [3] الطبری ۱۳/ ۳۴ [4] الکشاف ۲/ ۱۴۲

دو گے کہ وہ تمہارے دین سے نکل کر اور تمہارے معبودان کی عبادت چھوڑ کر زمین میں فساد پھیلاتے رہیں! یہ لوگ فرعون میں جذبات کی آگ بڑھانا چاہتے تھے اور اسے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی جماعت کو قتل کرنے پر ابھار رہے تھے۔

فرعون کا بنی اسرائیل پر مظالم کا ارادہ

قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ: ......فرعون نے انہیں جواب دیتے ہوئے کہا: ہم عنقریب ان کے لڑکوں کو قتل کریں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیں گے تا کہ وہ ہماری خدمت کرتی رہیں، جیسا کہ ہم ایسا برتاؤ ان سے کرتے بھی آئے ہیں۔ ہمیں تو ان پر غلبہ، برتری اور سلطنت حاصل ہے۔ (ہم انہیں اپنی سلطنت میں پر تک نہیں مارنے دیں گے)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو تسلی اور وعظ

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا: ......موسیٰ نے اپنی قوم کو تسلی دیتے ہوئے کہا: فرعون اور اس کی قوم کے خلاف اللہ سے مدد طلب کرو، اللہ کے حکم سے فرعون کی اذیتوں پر صبر کرو۔ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ: ساری کی ساری زمین اللہ کی ملکیت ہے۔ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے۔ اللہ نے بنی اسرائیل کو طمع دلائی کہ سرزمین مصر کا انہیں مالک بنا دے گا۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ: اچھا انجام ان لوگوں کے لیے ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا: تمہاری بعثت سے پہلے بھی ہمیں اذیتیں پہنچائی جاتی رہیں اور تمہاری بعثت کے بعد بھی پہنچائی جا رہی ہیں۔ مطلب یہ کہ سختی ان سے جدا نہیں ہو رہی۔ وہ برابر عذاب اور آزمائش میں مبتلا ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے پہلے بھی اور بعد بھی۔ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ: شاید تمہارا رب فرعون اور اس کی قوم کو ہلاک کر دے اور تمہیں ان کی زمین کا جانشین بنا دے اور اللہ یہ دیکھے کہ تم جانشینی ملنے کے بعد کیسے اعمال کرتے ہو۔ زمین میں اصلاح قائم رکھتے ہو یا فساد پھیلاتے ہو۔ اس سے غرض بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی طاعت پر برانگیختہ کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی امید پوری کر دی۔ اللہ نے فرعون کو غرق آب کیا اور مصر کی سرزمین کا بنی اسرائیل کو مالک بنا دیا۔ بحر میں ہے: موسیٰ نے اللہ کے ساتھ حسن آداب کا معاملہ روا رکھا اور کلام امید کے سیاق میں لائے ہیں۔[1]

بلاغت: عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا: ......اسم جلیل لانا بجائے اسم ضمیر کے اظہار تضرع اور عاجزی میں مبالغہ پیدا کرنے کے لیے ہے۔ ظرف کو حصر کے لیے مقدم کیا گیا ہے۔ مُؤْمِنُوْنَ اور كَافِرُوْنَ میں صنعت طباق ہے۔ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ: الْحَسَنَةَ اور السَّيِّئَةِ: کے الفاظ میں صنعت طباق ہے۔ اسی طرح الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ: میں بھی طباق ہے۔ لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ: آسانی سے برکات کے حصول کے دروازے کھولے جانے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور یہ باب استعارہ میں سے ہے۔ یعنی ہم نے تمام اطراف سے ان پر خیر و بھلائی کی۔ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى: جملہ مکرر لایا گیا ہے۔ اس سے غرض ڈرانا ہے۔ علم بلاغت میں اسے اطناب کہا جاتا ہے۔ جیسے اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ: ابو سعود کہتے ہیں: تکرار تقریر مزید کے لیے ہے۔ مَكْرَ اللّٰهِ بندے کو مہلت دینے (استدراج) سے استعارہ ہے۔[2] وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ: جملہ میں ان اور لام کے ساتھ تاکید لائی گئی ہے تا کہ جادوگروں کے دلوں میں کچھ شک ہو وہ بھی جاتا رہے۔ اس قسم کے کام کو خبر انکاری کہا جاتا ہے۔

فَوَقَعَ الْحَقُّ: استعارہ ہے امر واقعی کا استعارہ ہے ثبوت و حصول کے لیے۔ واللہ اعلم

تنبیہ: ......جب فرعون حجت و معجزے کا دلیل سے دفاع کرنے سے عاجز آ گیا تو وہ اذیت و سزا دینے پر اتر آیا۔ یہی حال ہر گمراہ اور بدعتی کا ہے کہ جب اس کے پاس دلائل نہیں ہوتے تو وہ دھمکی پر اتر آتا ہے۔[3]

---

[1] البحر المحیط ۴/ ۳۶۹ [2] ابو السعود ۲/ ۱۸۴ [3] حتیٰ کہ گالم گلوچ پر اتر آتا ہے۔ اہل یورپ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاکے شائع کرنا بھی اسی قبیل میں سے ہے۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ
قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ
اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾
فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۫ فَاسْتَكْبَرُوْا
وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ
لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ
اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا
وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِىْ
بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ
فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى
اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ
مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى
الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ
وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِىْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۱۴۱﴾ وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا
بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِىْ فِىْ قَوْمِىْ وَاَصْلِحْ وَلَا
تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِىْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ
قَالَ لَنْ تَرٰىنِىْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِىْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ
جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ قَالَ
يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۫ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾
وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ
يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ؕ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِىَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِى الْاَرْضِ

بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْۤ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

وقف لازم

ترجمہ:......اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے فرعون والوں کو قحط سالی کے ذریعہ اور پھلوں میں کمی کے ذریعہ پکڑ لیا تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ (۱۳۰) پھر جب آجاتی ان کے پاس خوشحالی تو کہتے تھے کہ یہ تو ہمارے لیے ہونی ہی چاہیے اور اگر انہیں کوئی بدحالی پہنچ جاتی تو موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست بتاتے تھے۔ خبردار ان کی نحوست اللہ کے علم میں ہے لیکن ان میں بہت سے لوگ نہیں جانتے، (۱۳۱) اور وہ کہنے لگے تو جب کبھی بھی کوئی نشانی ہمارے سامنے لائے گا تا کہ تو اس کے ذریعے ہم پر جادو کرے سو ہم تیری تصدیق کرنے والے نہیں ہیں۔ (۱۳۲) سو ہم نے ان پر طوفان بھیج دیا اور ٹڈیاں اور گھن کا کیڑا اور مینڈک اور خون، یہ نشانیاں تھیں کھلی ہوئی۔ سو انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے۔ (۱۳۳) اور ان پر جو عذاب واقع ہوتا تو کہتے تھے کہ اے موسیٰ! اپنے رب سے اس بات کی دُعا کر جس کا اس نے تجھ سے عہد کر رکھا ہے۔ اگر تو نے ہم سے عذاب کو ہٹادیا تو ہم ضرور تیری تصدیق کریں گے اور تیرے ساتھ ضرور بنی اسرائیل کو بھیج دیں گے، (۱۳۴) پھر جب ہم ان سے عذاب کو ایک مدت تک ہٹا دیتے جس مدت تک ان کو پہنچنا تھا تو وہ اس وقت عہد شکنی کر دیتے تھے۔ (۱۳۵) پھر ہم نے ان سے انتقام لے لیا سو ان کو اس سبب سے کہ انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا سمندر میں غرق کر دیا، اور وہ ان سے غافل تھے۔ (۱۳۶) اور ہم نے ان لوگوں کو زمین کے مشارق اور مغارب کا وارث بنادیا جو ضعیف شمار کیے جاتے تھے۔ اور آپ کے رب کی نیک بات بنی اسرائیل پر پوری ہوگئی۔ اس سبب سے کہ انہوں نے صبر کیا۔ اور ہم نے برباد کر دیا ان کارروائیوں کو جو فرعون اور اس کی قوم کے لوگ کیا کرتے تھے۔ اور جو کچھ وہ اونچی عمارتیں بنایا کرتے تھے۔ (۱۳۷) اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار کر دیا سو وہ ایک ایسی قوم پر آئے جو اپنے بتوں پر دھرنا دیے ہوئے تھے۔ کہنے لگے اے موسیٰ ہمارے لیے معبود تجویز کر دیجیے جیسا کہ ان کے معبود ہیں۔ انہوں نے کہا بے شک تم ایسے لوگ ہو کہ جہالت کی باتیں کرتے رہو، (۱۳۸) بلاشبہ یہ لوگ جس شغل میں ہیں وہ تباہ ہونے والا ہے۔ اور یہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں وہ باطل ہے۔ (۱۳۹) موسیٰ نے کہا کہ کیا اللہ کے سوا تمہارے لیے کسی کو معبود تلاش کروں حالانکہ اس نے تمہیں جہانوں پر فضیلت دی، (۱۴۰) اور جب ہم نے تمہیں نجات دی آل فرعون سے جو تمہیں بری تکلیفیں دیتے تھے تمہارے بیٹوں کو بکثرت قتل کرتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش ہے۔ (۱۴۱) اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور دس راتوں کے ذریعے ان کی تکمیل کر دی، اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ تم میرے بعد میری قوم میں میرے خلیفہ بن کر رہنا اور اصلاح کرتے رہنا اور مفسدین کی راہ کا اتباع نہ کرنا۔ (۱۴۲) اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کیے ہوئے وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے کلام فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب! مجھے دکھا دیجیے کہ میں آپ کو دیکھ لوں، فرمایا تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے لیکن پہاڑ کی طرف دیکھو، سو اگر پہاڑ اپنی جگہ برقرار رہا تو تم مجھے دیکھ سکو گے، پھر جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو پہاڑ کو چورا کر دیا۔ اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے، پھر جب ان کو ہوش آیا تو کہنے لگے آپ کی ذات پاک ہے میں آپ کے حضور میں توبہ کرتا ہوں۔ اور میں ایمان لانے والوں میں پہلا شخص ہوں۔ (۱۴۳) فرمایا: اے موسیٰ! بلاشبہ میں نے اپنی پیغمبری

اور اپنی ہم کلامی کے ساتھ لوگوں کے مقابلے میں تمہیں چن لیا، سو میں نے تمہیں جو کچھ دیا ہے وہ لے لو اور شکر گزاروں میں سے ہو جاؤ۔ (۱۴۴) اور ہم نے موسیٰ کے لیے تختیوں پر ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی، سو آپ قوت کے ساتھ اسے پکڑیں اور اپنی قوم کو حکم دیں کہ اس کے اچھے اچھے اعمال کو پکڑے رہیں۔ میں عنقریب تمہیں نافرمانوں کا گھر دکھادوں گا۔ (۱۴۵) میں عنقریب اپنی آیتوں سے ان لوگوں کو برگشتہ رکھوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں اور اگر وہ ساری نشانیاں دیکھ لیں تو ان پر ایمان نہ لائیں اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھیں تو اس کو اپنا طریقہ نہ بنائیں اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھیں تو اسے اپنا طریقہ بنالیں۔ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے غافل تھے۔ (۱۴۶) اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا ان کے اعمال اکارت ہو گئے۔ ان کو انہیں اعمال کی سزا دی جائے گی جو وہ کیا کرتے تھے۔ (۱۴۷) اور موسیٰ کی قوم نے ان کے بعد اپنے زیوروں سے ایک بچھڑے کو معبود بنالیا جو ایک ایسا جسم تھا کہ اس میں سے گائے کی آواز آرہی تھی۔ کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ ان سے بات نہیں کرتا اور نہ انہیں کوئی راستہ بتلاتا ہے۔ انہوں نے اس کو معبود بنالیا اور وہ ظلم کرنے والے تھے۔ (۱۴۸) اور جب وہ پچھتائے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ بلاشبہ وہ گمراہ ہو گئے تو کہنے لگے کہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ فرمائے اور ہمیں بخش نہ دے تو ہم تباہ کاروں میں سے ہو جائیں گے۔ (۱۴۹)

ربط و تعارف:...... حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ فرعون کے ساتھ گزرا جو عبرتوں اور نصیحتوں سے لبریز ہے۔ اسی لیے آیات میں ان کا ذکر لپیٹ دیا گیا ہے اور فرعونیوں پر نازل ہونے والے عذاب کا تذکرہ کیا گیا ہے جیسے قحط، طوفان، ٹڈیوں کا غلبہ وغیرہ ذالک جو کہ ان کے کفر پر مصر رہنے اور اللہ کی آیات کو جھٹلانے کا نتیجہ تھا۔ اس کے بعد بنی اسرائیل پر اللہ کی نعمتوں کا تذکرہ ہے۔ سب سے بڑی نعمت بنی اسرائیل کے دشمن کی ہلاکت اور بنی اسرائیل کا دریا سے سلامت بچ نکلنا ہے۔

لغات: اَلسِّنِیْنَ:...... سَنَة کی جمع ہے بمعنی قحط۔ یَّطَّیَّرُوْا: بدفالی لیتے ہیں، بدشگونی لیتے ہیں۔ طیرۃ سے ماخوذ ہے۔ لفظی معنی پرندے کو اڑانا۔ پھر یہ لفظ بدفالی میں مستعمل ہونے لگا۔ الطُّوْفَانَ: تباہی مچادینے والا سیلاب۔ اَلْقُمَّلَ: گھن، چھوٹے چھوٹے حشرات جو گندم وغیرہ میں پڑ جاتے ہیں اور اناج کو خراب کر دیتے ہیں۔ جوؤں کو بھی القمل کہا جاتا ہے۔ الرِّجْزُ: عذاب اور سین کے ساتھ اَلرِّجْسُ بمعنی نجس بسا اوقات عذاب کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ الیَمّ دریا۔ یَّعْكُفُوْنَ: عکف علی الشئی کسی چیز پر لازم ہو جانا۔ مُتَبَّرٌ: مہلک، ہلاکت۔ صَعِقًا: ڈھانپ دینا۔ صَعِقَ الرجل، بے ہوش ہوا۔

آل فرعون کی پکڑ اور ان کی ہٹ دھرمی

تفسیر: وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِیْنَ:...... لام محذوف قسم کے مقام پر لایا گیا ہے۔ یعنی بخدا ہم نے فرعون کے اور اس کے متبعین کو قحط کی آزمائش میں مبتلا کیا۔ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ: ہم نے ان کے پھل آفات کے ذریعے ختم کر دیے۔ مفسرین کہتے ہیں۔ ان کے درختوں پر صرف ایک کھجور لگتی اور انہیں پھلوں کی کمی کی آزمائش میں بھی مبتلا کیا۔[1] لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ: تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں اور ان کے دل نرم پڑ جائیں، چوں کہ سختی انابت، خشیت اور نرم دلی کھینچ لاتی ہے۔ اس کے بعد اللہ نے بیان کیا ہے کہ فرعونی شدائد و سختیوں کے باوجود سرکشی اور کفر میں بڑھتے ہی گئے۔ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ: جب انہیں خوشحالی اور فراخی حاصل ہو جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں: یہ تو ہماری خوش بختی ہے اور ہم اسی کے مستحق ہیں۔ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ یَّطَّیَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ: جب ان پر قحط اور معاشی تنگی مسلط ہو جاتی ہے تو اس کی بدشگونی موسیٰ اور ان کے مؤمنین ساتھیوں کے سر تھونپ دیتے ہیں اور کہتے ہیں: یہ تو ان کی نحوست کی وجہ سے ہوا۔ اللہ نے ان پر رد کرتے ہوئے فرمایا: اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ: انہیں خیر و شر جو پہنچتا ہے وہ تو اللہ کی تقدیر سے ہے موسیٰ کی بدشگونی سے نہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: یعنی اس معاملے کا اختیار تو اللہ کو حاصل ہے۔ موسیٰ اور ان کے متبعین کی نحوست سے نہیں ہے، بلکہ اللہ کا فیصلہ اور حکم یہی ہے۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ: ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے کہ قحط اور شدائد اللہ کی طرف سے ہیں اور ان کے معاصی اور گناہوں کی وجہ سے ہیں۔ موسیٰ کی طرف سے نہیں۔

---

[1] الطبری ۱۳/ ۴۶

وَقَالُوْا مَهْمَا تَأْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ:...... فرعونیوں نے موسیٰ سے کہا: اے موسیٰ! تم ہمارے پاس معجزات اس لیے لائے ہوتا کہ ہمیں اپنے دین سے پھیر دو۔ ہم تمہارے اوپر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ زمخشری کہتے ہیں: اگر یہ شبہ ظاہر کیا جائے کہ فرعونیوں نے معجزے کو "آیۃ" کا نام کیسے دیا؟ اور پھر لِتَسْحَرَنَا کیوں کہا؟ جواب یہ ہے کہ فرعون نے معجزے کو اعتقاداً اور یقیناً "آیۃ" نہیں کہا بلکہ مذاق و استہزا کے طور پر کہا ہے۔ [1] فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ: ہم نے ان پر موسلا دھار سخت بارش برسائی، حتیٰ کہ یہ لوگ نڈھال ہو گئے اور قریب تھا کہ ہلاک ہو جاتے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: طوفان سے مراد شدید موسلا دھار بارش ہے، جس نے سیلاب کی شکل اختیار کر لی اور ان کی فصلیں اور پھل تباہ کر کے رکھ دیے۔ [2] وَالْجَرَادَ: اسی طرح ہم نے ان پر ٹڈیوں کے لشکر کے لشکر مسلط کر دیے جو ان کی فصلیں اور پھل چٹ کر گئیں۔ حتیٰ کہ ٹڈیاں ان کے بدن کے کپڑے بھی کھا گئیں۔ وَالْقُمَّلَ: مراد گھن ہے۔ جس نے فرعونیوں کا اناج تباہ کر کے تباہ رکھ دیا۔ ٹڈیوں سے جو بچ رہا گھن نے اس کا صفایا کر دیا۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اَلْقُمَّلَ سے مراد جوئیں ہیں جو فرعونیوں کے کپڑوں اور بدن میں پڑ گئی تھیں۔ وَالضَّفَادِعَ: ضفدع کی جمع ہے۔ بمعنی مینڈک، مینڈکوں کی اتنی زبردست یلغار ہوتی کہ ان کے گھر، برتن اور کھانا بھر جاتا حتیٰ کہ جب کوئی فرعونی بات کرتا تو مینڈک اچھل کر اس کے منہ پر آن لگتا۔ وَالدَّمَ: فرعونیوں کا پانی خون میں بدل گیا۔ کنوؤں اور نہروں سے پانی کے بجائے خون آتا۔ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ: یہ ساری ایسی ظاہری علامات ہیں جن میں عبرتیں اور نصیحتیں واضح ہیں۔ بایں ہمہ فرعونی ایمان لانے سے تکبر کرتے رہے۔ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ: انہوں نے آیات و علامات پر ایمان لانے سے تکبر کیا چوں کہ وہ ارتکاب جرائم میں حد سے بڑھے ہوئے تھے۔ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ: اور جب ان پر مذکورہ بالا انواع و اقسام کا عذاب نازل ہوا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست

قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ:...... اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کرو تا کہ یہ عذاب ہمارے اوپر سے چھٹ جائے۔ علامہ زمخشری کہتے ہیں: یعنی اللہ نے تمہیں جو عہد دیا ہے اور نبوت سے سرفراز کیا ہے اس کے وسیلے سے اپنے ربّ سے دعا کرو تا کہ یہ عذاب دور ہو جائے۔ [3] لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ: لام برائے قسم ہے یعنی بخدا! اگر تم نے یہ عذاب جس میں ہم مبتلا ہیں، چھٹا دیا تو ہم تمہاری لائی ہوئی تعلیمات کی تصدیق کر دیں گے اور بنی اسرائیل کا راستہ آزاد کر دیں گے۔ فرعونی بنی اسرائیل سے بگاڑ لیتے تھے۔ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ: جب ہم نے موسیٰ کی دعا کی وجہ سے عذاب ایک مدت تک کے لیے دور کر دیا۔ وہ چارو ناچار اس مدت تک پہنچیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: یہ مدت غرق تک کی تھی۔ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ: پھر وہ یکا یک اپنے کیے ہوئے وعدے توڑنے پر اتر آتے ہیں اور کفر پر مصر رہتے ہیں۔

آل فرعون کا غرق ہونا اور بنی اسرائیل کو مصر و شام کی وراثت

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ:...... ہم نے ان سے انتقام لیا اور انہیں سمندر میں غرق کر دیا۔ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ: بسبب اس کے کہ وہ اللہ کی آیات جھٹلاتے تھے اور ان سے اعراض کرتے تھے اور اس کی کچھ پروا نہیں کرتے تھے۔ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا: فرعونی جس قوم سے بگاڑ لیتے تھے۔ ہم نے اس کو سرزمین شام کا وارث بنا دیا اور انہیں شام کے مشرق و مغرب کے مختلف جہات و مضافات کا بھی مالک بنا دیا۔ الَّتِىْ بٰرَكْنَا فِيْهَا: اس میں خیر و برکت اور پھلوں کی کثرت رکھ دی۔ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ: اس سرزمین میں بنی اسرائیل کو تمکین دینے سے اللہ کا سچا وعدہ پورا ہوا۔ طبری کہتے ہیں: کلمہ خیر سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ

[1] الکشاف ۲/۱۴۶ [2] الکشاف ۲/۱۴۸ [3] الکشاف ۲/۱۴۸

فرمان ہے۔ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۔ بِمَا صَبَرُوْا: کیوں کہ انہوں نے اذیتوں اور مشقات پر صبر کیا۔ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ: ہم نے فرعون اور اس کی جماعت کی تعمیر کردہ پختہ عمارتیں اور محلات تباہ کر کے رکھ دیے اور جو وہ انگور وغیرہ کی بیلیں ٹٹیوں پر چڑھاتے تھے اور باغات و کھیتیاں لگا رکھی تھیں، سب تباہ کر دیا۔ یہاں فرعون کا قصہ تمام ہوا۔ اس کے بعد بنی اسرائیل پر کلام کیا گیا کہ اللہ نے انہیں بے شمار نعمتوں سے نوازا۔ انہیں اپنی عظیم آیات دکھائیں مگر وہ قوم سرکشی پر اتری رہی۔ اس سے مقصد رسول کریم ﷺ کو تسلی دینا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ: اور ہم نے بنی اسرائیل سے سمندر پار کروایا۔ اس سمندر سے مراد بحیرۂ قلزم ہے جو اب خلیج سویز کے پاس ہے۔ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ: بنی اسرائیل دوران سفر ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرے جو بتوں کی پرستش میں منہمک تھے۔ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ: ہمارے لیے ایک بت دیوتا بنا دو جیسے ان لوگوں کے بت ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں۔ ابن عطیہ کہتے ہیں: بظاہر یوں لگتا ہے کہ بنی اسرائیل نے جو دیکھا اسے اچھا سمجھا اور چاہا کہ ایسا موسیٰ کی شریعت میں بھی ہو فی الجملہ وہ سمجھے کہ قربت خداوندی کا یہ اچھا وسیلہ ہے، ورنہ یہ بات بعید از قیاس ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام سے کہیں کہ ہمارا الگ سے کوئی معبود بنا دو، جسے ہم پوجتے رہیں۔ [۱]

قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ:...... بلاشبہ تم ایسے لوگ ہو جو اللہ کی عظمت سے جاہل ہو اور شرک سے اللہ کو پاک رکھنے سے بھی جاہل ہو۔ زمخشری کہتے ہیں: آیت عظمیٰ اور معجزۂ کبریٰ کو دیکھنے کے بعد بنی اسرائیل کا یہ مطالبہ تعجب انگیز ہے۔ چنانچہ اللہ نے انہیں جہل مطلق کے ساتھ موصوف کیا ہے۔ چنانچہ اس سے بڑی جہالت اور کیا ہو سکتی ہے۔ [۲] اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ: یہ لوگ جس باطل دین کے درپے ہیں، تباہ و برباد ہونے والا ہے۔ اس سے مراد بتوں کی پرستش ہے۔ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ: ان کا عمل باطل ہے اور بالکلیہ مضمحل ہے، چوں کہ یہ ایسی چیز کی عبادت کے درپے ہے جو عبادت کے مستحق نہیں۔ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ: کیا میں اللہ کے علاوہ کسی اور معبود کو تلاش کروں جو عبادت کا مستحق ہو۔ حالاں کہ اللہ نے تمہیں دوسرے لوگوں پر فضیلت بخشی ہے اور تمہیں اللہ نے نعمتیں عطا کی ہیں۔ طبری کہتے ہیں: اللہ نے تمہیں تمہارے زمانے کے لوگوں پر فضیلت دی ہے۔ [۳] وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ: اے بنی اسرائیل! میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو تمہارے اوپر کیں جب میں نے تمہیں فرعونیوں سے نجات دی وہ تمہیں مختلف انواع کا عذاب دیتے تھے جو نہایت سخت اور برا ہوتا۔ اس عذاب کی تفصیل آگے یوں بیان فرمائی: يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ: وہ تمہارے مردوں کو ذبح کر دیتے اور عورتوں کو زندہ رکھتے تا کہ ان سے خدمت لیتے رہیں۔ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ: تمہارے رب کی طرف سے اس عذاب میں زبردست آزمائش تھی۔ چنانچہ اللہ نے تمہیں اس عذاب سے نجات دی۔ بھلا تم اللہ کا شکر کیوں ادا نہیں کرتے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوہِ طور پر چالیس راتوں کا وعدہ

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً:...... ہم نے تیس راتیں گزرنے کے بعد موسیٰ سے سرگوشی و ملاقات کا وعدہ کیا اور ہم نے ان راتوں میں مزید دس راتوں کا اور اضافہ کیا اور چالیس راتوں کے بعد سرگوشی و مناجات کی تکمیل ہوئی۔ زمخشری کہتے ہیں: روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے مصر میں وعدہ کیا تھا کہ اگر اللہ نے ان کا دشمن ہلاک کر دیا تو اللہ کی طرف سے ان کے پاس کتاب لائیں گے۔ اس کتاب میں مامورات و منہیات کا بیان ہوگا۔ چنانچہ جب فرعون ہلاک ہو گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے کتاب کا مطالبہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تیس دن روزے رکھنے کا حکم دیا۔ یہ ذیقعدہ کا مہینہ تھا۔ جب تیس دن کے روزے مکمل کیے تو موسیٰ علیہ السلام کو منہ سے آنے والی بو ناگوار گزری، چنانچہ انہوں نے مسواک کر دیا۔ اللہ نے وحی بھیجی کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ روزے دار کے منہ کی بو میرے نزدیک مشک سے زیادہ اچھی ہے۔ اللہ نے حکم دیا کہ ذی الحجہ کے دس ایام کے مزید روزے رکھیں۔ [۴]

---

[۱] الطبری ۱۳/ ۸۴، [۲] البحر ۴/ ۳۷۸، [۳] الکشاف ۲/ ۲۵۰، [۴] الکشاف ۲/ ۱۵۱

حضرت ہارون علیہ السلام کو نیابت کی ذمہ داری

وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ:...... بنی اسرائیل میں میرے جانشین بن جاؤ تاوقتیکہ میں واپس آ جاؤں۔ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ: ان کے جملہ امور کی اصلاح و درستی کرنا اور زمین پر فساد پھیلانے والوں کے راستے پر نہ چلنا۔ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ: اور جب موسیٰ ہمارے مقررہ وقت پر آ پہنچے اور ان کے رب نے ان سے سرگوشی کی اور بلا واسطہ کلام کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دیدارِ حق تعالیٰ کی درخواست

قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ:...... مجھے اپنی مقدس ذات کا دیدار کرا دیجیے۔ قرطبی کہتے ہیں: جب موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ کا کلام سنا تو انہیں دیدار خداوندی کا شوق پیدا ہوا اور دیدار کا سوال کر دیا۔[1] قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ: رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو جواب دیا تم دنیا میں میرے دیدار کی استطاعت نہیں رکھتے، کیوں کہ اس بشری جسامت میں دیدار کی طاقت نہیں، لیکن میں تم سے زیادہ قوت والی چیز پر اپنی تجلی کوندتا ہوں اور وہ پہاڑ ہے۔ اگر پہاڑ اپنی جگہ پر قائم رہا اور اس میں کوئی تزلزل نہ آیا تو سمجھ لو تم میرے دیدار سے سرفراز ہو سکتے ہو ورنہ تمہارے اندر دیدار کی طاقت نہیں۔ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا: جب چنگل کے نصف پور کے برابر رب تعالیٰ کا نور ظاہر ہوا تو پہاڑ تجلی کی تاب نہ لاتے ہوئے ریزہ ریزہ ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر چنگل کے بقدر تجلی ڈالی، جس سے پہاڑ مٹی بن گیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔[2] حدیث میں ہے کہ پہاڑ زمین میں دھنس گیا۔ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ: جب موسیٰ علیہ السلام کو بے ہوشی سے افاقہ ہوا تو کہا: یا اللہ تو اس بات سے پاک و منزہ ہے کہ دنیا میں کوئی تیرا دیدار کر سکے۔ میں دنیا میں تیرے دیدار کا سوال کرنے سے توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے تیری عظمت و تیرے جلال پر ایمان لاتا ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت اور تختیوں کا عطیہ

قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ:...... اے موسیٰ! تمہیں الٰہی رسالت دے کر اور بلا واسطہ تم سے کلام کر کے تمہیں اہل زمانہ پر فوقیت دی ہے۔ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ: لہٰذا میں نے تمہیں جو نبوت اور حکمت دی ہے اسے لے لو۔ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ: اور رب تعالیٰ نے تمہیں جو بڑی نعمتیں دے رکھی ہیں ان پر اس کا شکر ادا کرو۔ ابو سعود کہتے ہیں: آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تسلی دی جا رہی ہے کہ اگرچہ تمہیں دیدار سے منع کر دیا، تاہم تمہیں بڑی بڑی نعمتیں عطا کی ہوئی ہیں جو سارے عالم میں کسی اور کو نہیں دی گئیں۔ انہیں غنیمت سمجھو اور ان پر اللہ کا شکر ادا کرو۔[3]
وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ: ہم نے موسیٰ کے لیے تختیوں پر ہر وہ چیز لکھ دی جس کی دینی لحاظ سے بنی اسرائیل کو ضرورت تھی ان تختیوں پر نصیحتیں مواعظ، حلال و حرام کے احکام تھے۔ یہ سب چیزیں تورات کی الواح پر لکھی تھیں۔ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ: تاکہ ان سے نصیحت حاصل کریں اور باز رہیں اور ہر قسم کی تکلیف شرعیہ کی تفصیل حاصل کریں۔ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ: تورات کو سنجیدگی اور اجتہاد و کوشش سے لے لو، جیسا کہ اولوالعزم کا مقام ہے۔ وَاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا: بنی اسرائیل کو بہترین احکام اختیار کرنے پر ابھارو جیسے رخصت کے مقابلے میں عزیمت پر عمل کریں۔ چنانچہ معافی قتل قصاص لینے سے افضل ہے اور صبر کر لینا انتقام لینے سے افضل ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ: ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا ہے ان کی قوم کو جو احکام دیے گئے ہیں، ان میں سے سخت امور پر عمل کریں۔[4] سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ: تم عنقریب فاسقین کے ٹھکانے دیکھ لو گے۔ فٰسِقِيْنَ: سے مراد فرعون اور اس کی قوم ہے۔

---

[1] القرطبی ۷/ ۲۶۸ [2] الطبری ۳/ ۹۷ [3] ابوالسعود ۲/ ۱۹۵ [4] الطبری ۳/ ۱۱۰

ان کا کیسا انجام ہوتا ہے اور انہیں کیسے تباہ کر دیا جاتا ہے تاکہ تم عبرت حاصل کرو، لہٰذا ان جیسے تم نہ ہو جاؤ۔ چنانچہ فاسقین کے انجام کو دیکھنا موجب زجر و عبرت ہے۔ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ: میری آیات کی فہم و سمجھ سے جو لوگ انکار اور تکبر کرتے ہیں۔ ان میں غور و فکر نہیں کرتے۔ میں عنقریب انہیں روک دوں گا اور انہیں سزا دینے کے طور پر ان کے دلوں کو اندھا کر دوں گا۔ زمخشری کہتے ہیں: آیت میں مخاطبین کو ان لوگوں کے برے انجام سے ڈرایا گیا ہے، جنہوں نے کفر و تکبر کی وجہ سے اللہ کی آیات سے منہ موڑ لیا، تاکہ مخاطبین بھی ان جیسے نہ ہو جائیں اور ان کے راستے پر چلنا نہ شروع کر دیں۔ [1] وَاِنْ یَّرَوْا کُلَّ اٰیَۃٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا: اگر یہ لوگ قرآنی آیات میں سے ہر آیت کا مشاہدہ کر لیں، یا ہر طرح کا معجزہ دیکھ لیں، یہ اس کی تصدیق نہیں کریں گے۔ وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الرُّشْدِ لَا یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا: اگر یہ لوگ ہدایت اور فلاح و کامرانی کا راستہ دیکھ لیں، اس پر نہیں چلیں گے۔ وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الْغَیِّ یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا: اگر گمراہی و فساد کا راستہ دیکھ لیں تو فوراً اس پر چلنا شروع کر دیتے ہیں۔ فَهَدَیْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰی عَلَی الْهُدٰی: ہم نے انہیں راستہ دکھایا تاہم انہوں نے اندھے پن کو ہدایت پر ترجیح دی۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا:...... ان لوگوں نے اللہ کے راستے اور شریعت سے اس لیے انحراف کیا، چوں کہ انہوں نے اللہ کی آیات کی تکذیب کی (یعنی نشانیوں کو جھٹلایا)۔ کَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ: اور وہ آیات جن میں ان کی سعادت تھی، ان سے غافل رہے اور ان آیات میں غور و فکر نہیں کرتے تھے۔ وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا: اور جنہوں نے اللہ کی نازل کردہ آیات کا انکار کیا۔ وَلِقَآءِ الْاٰخِرَۃِ: اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کا سامنا کرنے کو جھٹلایا۔ یعنی بعث بعد الموت پر ایمان نہیں لائے۔ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ: انہوں نے دنیا میں نیکی و احسان، صلہ رحمی اور صدقہ وغیرہ کے جو بھی بھلائی کے اعمال کیے وہ ضائع ہو گئے اور عدم ایمان کی وجہ سے ان اعمال کا ثواب ختم ہو گیا۔ هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ: انہیں انہی اعمال کا ثواب اور سزا دی جائے گی، جو انہوں نے دنیا میں کیے۔

زیور سے بنے بچھڑے کی پوجا پاٹ

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰی مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِیِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ:...... حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: سامری نے زیورات سے بچھڑا بنایا اور اس کی عبادت کر کے بنی اسرائیل کے جو لوگ گمراہ ہوئے، ان کے متعلق اس آیت میں خبر دی جا رہی ہے۔ چنانچہ سامری نے زیورات سے بچھڑے کی شکل کا ڈھانچہ تیار کیا۔ ڈھانچہ کھوکھلا تھا، جب اس میں ہوا داخل ہوتی تو بچھڑے کی سی آواز آتی۔ [2] مِنْۢ بَعْدِهٖ: کا معنی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے طور پر رب تعالیٰ کے ساتھ مناجات کرنے اور ہم کلام ہونے کے لیے جانے کے بعد سامری اور بنی اسرائیل نے ایسا کیا۔ اَلَمْ یَرَوْا اَنَّهٗ لَا یُکَلِّمُهُمْ وَلَا یَهْدِیْهِمْ سَبِیْلًا: استفہام برائے توبیخ ہے۔ یعنی بنی اسرائیل بچھڑے کی عبادت کیسے کرنے لگ گئے اور اسے معبود کیسے بنا لیا، حالاں کہ اس میں خالق اور رازق کی کوئی صفت نہیں پائی جاتی تھی۔ چنانچہ یہ کلام کی قدرت نہیں رکھتا اور نہ ہی انہیں سعادت کی راہ دکھا سکتا تھا۔ پھر اسے کیوں کر خدا بنا لیا؟! اِتَّخَذُوْهُ وَکَانُوْا ظٰلِمِیْنَ: بچھڑے کی عبادت کرنے لگے اور اسے خدا بنا لیا سو وہ اپنے او پر ظلم کرنے والے تھے۔ چوں کہ انہوں نے اشیا کو ایسے محل میں رکھ دیا تھا جس کے لیے وہ وضع نہیں کی گئی تھیں اور ظلم کی یہی حقیقت بھی ہے۔ اِتَّخَذُوْهُ: کا لفظ مکرر لایا گیا ہے۔ اس سے بنی اسرائیل کی قباحت مزید کو نمایاں کرنا مطلوب ہے۔ وَلَمَّا سُقِطَ فِیْۤ اَیْدِیْهِمْ: انہیں اپنی غلطی پر ندامت ہوئی اور سخت ندامت ہوئی اور بچھڑے کی عبادت پر انہیں افسوس ہوا۔ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا: اور جب گمراہی کو نمایاں دیکھنے لگے، گو یا اپنی گمراہی آنکھوں سے دیکھ لی۔ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ یَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَیَغْفِرْ لَنَا: اگر اللہ نے اپنی رحمت اور بخشش سے ہمارا تدارک نہ کیا۔ لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ: تو ہم ضرور ہلاک ہونے والوں میں شامل ہو جائیں گے۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: یہ بنی اسرائیل کا اعتراف ہے کہ ان سے گناہ سرزد ہوا ہے، تب اللہ کے حضور التجا کرنے لگے۔ [3]

---

[1] الکشاف ۲/۱۵۹ [2] مختصر ابن کثیر ۲/۵۱ [3] المختصر ۲/۵۱

بلاغت: فَاِذَا جَآءَتۡهُمُ الۡحَسَنَةُ:......الفاظ الۡحَسَنَةُ: اور سَيِّئَةٌ: میں طباق ہے۔ اسی طرح يَّطِّيَّرُوۡا: اور طٰٓئِرُهُمۡ: میں جناس اشتقاق ہے۔ وَدَمَّرۡنَا مَا كَانَ يَصۡنَعُ: ماضی سے مضارع کی طرف عدول کیا گیا ہے تاکہ مخاطب کے ذہن میں صورت کا استحضار ہو۔ وَمَا كَانُوۡا يَعۡرِشُوۡنَ: اصل میں ماصنعوا وماعرشوا ہے۔ اِنَّكُمۡ قَوۡمٌ تَجۡهَلُوۡنَ: جهلتم کی بجائے تَجۡهَلُوۡنَ (ماضی کے بجائے مضارع) لایا گیا ہے۔ اس نکتہ کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ جہالت ان کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی، جو ماضی میں ان سے منتقل ہوئی اور نہ ہی مستقبل میں۔[1] سَاُورِيۡكُمۡ دَارَ الۡفٰسِقِيۡنَ: میں غیبوبت سے خطاب کی طرف التفات ہے۔ اصل میں سَاُرِيۡكُمۡ: کی جگہ سأريهم ہے۔ وَلَمَّا سُقِطَ فِىۡۤ اَيۡدِيۡهِمۡ: شدید ندامت سے کنایہ ہے، چوں کہ نادم شخص اپنے ہاتھوں پر سر رکھ لیتا ہے۔ مَشَارِقَ: اور مَغَارِبَ: میں طباق ہے۔

تنبیہ:......تمام اہل سنت کا مذہب ہے کہ مؤمنین آخرت میں رب تعالیٰ کے دیدار سے سرفراز ہوں گے، جب کہ معتزلہ رؤیت باری تعالیٰ کے منکر ہیں۔ ان کا استدلال لَنۡ تَرٰٮنِىۡ: سے ہے۔ حقیقت میں یہ دلیل اہل سنت والجماعت کی ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر رؤیت محال ہوتی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سوال ہی نہ کرتے، چوں کہ انبیا ایسے امور کا رب تعالیٰ سے سوال نہیں کرتے جو اللہ پر ناجائز اور محال ہو۔ اگر رؤیت محال ہوتی جواب میں زجر اور سختی برتی جاتی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام سے فرمایا: فَلَا تَسۡـَٔلۡنِ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ ؕ اِنِّىۡۤ اَعِظُكَ اَنۡ تَكُوۡنَ مِنَ الۡجٰهِلِيۡنَ اور اوپر بیان کردہ متدل لَنۡ تَرٰٮنِىۡ: میں جو رویت سے منع کیا گیا ہے اس سے مراد دنیا میں رویت ہے، چوں کہ بشری ساخت ضعیف ہے، رویت کی متحمل نہیں۔ مجاہد کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے لَنۡ تَرٰٮنِىۡ: فرمایا: یعنی تم رویت کی طاقت نہیں رکھتے، البتہ میں پہاڑ پر تجلی ڈالتا ہوں۔ پہاڑ تم سے قوی ہے، اگر پہاڑ جوں کا توں رہا اور ثابت رہا تو تمہارا ابھی رویت سے سرفراز ہونا ممکن ہے اور اگر پہاڑ میری تجلی کی تاب نہ لا سکا تو تم اس بات کے زیادہ لائق ہو کہ میری تجلی کی تاب نہ لا سکو۔ اس تفصیل کی روشنی میں اللہ تعالیٰ نے پہاڑ موسیٰ علیہ السلام کے لیے مثال بنایا اور علی الاطلاق رویت کو محال قرار نہیں دیا۔ کتاب اللہ میں جا بجا آخرت میں رویت باری تعالیٰ کی تصریح کی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۙ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ: اس دن بعض چہرے تر و تازہ ہوں گے اور اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے، تاہم رویت باری تعالیٰ ثابت ہے، اس کا انکار کرنے والا بدعتی بد بخت ہے۔

فائدہ:......جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا کلام سنا تو انہیں دیدار کا شوق ہوا، چوں کہ سماعت کلام کی لذت دیدار یار کا شوق دلاتی ہے۔

ایک شاعر کہتا ہے:

وافرح مايكون الشوق يوما　　اذا دنت الديار من الديار

''اس دن میری خوشی اور مسرت کی انتہا ہو جاتی ہے، جب ہمارے گھر محبوب کے گھر کے قریب ہو جاتے ہیں۔''

بعض عرب خانہ بدوش تھے، اس لیے گھروں کا قریب ہونا اس معنی میں ہے۔

لطیفہ:......سعادت اور شقاوت اللہ کے ہاتھ میں ہے، چنانچہ موسیٰ بن عمران کی تربیت فرعون نے کی اور وہ مؤمن ہوئے، جبکہ دوسرا موسیٰ سامری ہے، اس کی تربیت جبرئیل نے کی اور وہ کافر ہوا۔ چنانچہ جبرئیل امین کی تربیت موسیٰ سامری کو نفع نہ پہنچا سکی اور ملعون فرعون کی تربیت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔ کسی نے کیا خوب اشعار کہے:

اذا المرء لم يخلق سعيدا من الازل　　فقد خاب من ربي وخاب المؤمل

فموسى الذى رباه جبريل كافر　　وموسىٰ الذى رباه فرعون مرسل

جب کوئی شخص ازل ہی سے خوش بخت پیدا نہیں کیا گیا تو اس کی تربیت کرنے والا اور اس سے امیدیں وابستہ رکھنے والا اس سے محروم ہی رہتا ہے۔ چنانچہ ایک موسیٰ وہ ہے جس کی تربیت جبرئیل نے کی اور وہ کافر ہوا اور ایک موسیٰ وہ ہے جس کی تربیت فرعون نے کی اور وہ اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوا۔

---

[1] افادہ صاحب البحر ۴/ ۳۷۸

اصحابِ قریہ کا تذکرہ اور ان کے احوال

وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِىْ مِنْۢ بَعْدِىْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ
رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِىْ
وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِىْ ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِىَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِىْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِىْ
وَلِاَخِىْ وَاَدْخِلْنَا فِىْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ
غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُفْتَرِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ
ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْۤا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۵۳﴾ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى
الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۖ وَفِىْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَاخْتَارَ مُوْسٰى
قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّاۤ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ
وَاِيَّاىَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِىَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِىْ مَنْ
تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ وَاكْتُبْ لَنَا فِىْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً
وَّفِى الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَاۤ اِلَيْكَ ؕ قَالَ عَذَابِىْۤ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِىْ وَسِعَتْ كُلَّ شَىْءٍ ؕ
فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ
الرَّسُوْلَ النَّبِىَّ الْاُمِّىَّ الَّذِىْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِى التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۙ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ
وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ
وَالْاَغْلٰلَ الَّتِىْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِىْۤ اُنْزِلَ
مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۨ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ الَّذِىْ يُؤْمِنُ
بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰۤى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾
وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَىْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗۤ اَنِ اضْرِبْ
بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَظَلَّلْنَا

عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا

وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ

وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ؕ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ

ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ

سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۛ كَذٰلِكَ ۛ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ وَاِذْ قَالَتْ

اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۨ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ

وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

بِعَذَابٍۢ بَـِٔيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿۱۶۶﴾

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ

الْعِقَابِ ۖۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۷﴾ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ؗ

وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ

عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ

مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾

النصف وقف لازم ۔ ن

ترجمہ:......اور جب موسیٰ اپنی قوم کی طرف اس حال میں واپس ہوئے کہ وہ غصے میں اور رنج میں تھے تو انہوں نے کہا کہ تم لوگوں نے میرے بعد میری بری نیابت کی۔ کیا اپنے رب کا حکم آنے سے پہلے تم نے جلدی کر لی؟ اور موسیٰ نے تختیوں کو ڈال دیا اور بھائی کے سر کو پکڑ لیا جسے اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ اے میری ماں بیٹے بلاشبہ قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر ڈالیں، لہٰذا مجھ پر دشمنوں کو مت ہنساؤ اور مجھے ظالموں میں شمار نہ کرو۔ ﴿۱۵۰﴾ موسیٰ نے عرض کیا کہ اے میرے رب! مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما اور آپ ارحم الراحمین ہیں۔ ﴿۱۵۱﴾ بلاشبہ جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا انہیں ان کے رب کی طرف سے ضرور غصہ پہنچے گا اور ذلت پہنچے گی دنیا والی زندگی میں، اور اسی طرح ہم افترا کرنے والوں کو سزا دیا کرتے ہیں ﴿۱۵۲﴾ اور جن لوگوں نے گناہ کیے پھر ان کے بعد توبہ کر لی اور ایمان لے آئے تو بلاشبہ آپ کا رب اس توبہ کے بعد ضرور بخش دینے والا ہے۔ مہربان ہے۔ ﴿۱۵۳﴾ اور جب موسیٰ کا غصہ فرو ہوا تو انہوں نے ان تختیوں کو اٹھا لیا اور ان تختیوں میں جو لکھا ہوا تھا اس میں ہدایت تھی ان لوگوں کے لیے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ ﴿۱۵۴﴾ اور موسیٰ نے اپنی قوم میں سے ستر مرد ہمارے وقتِ معین کے لیے چن لیے پھر جب ان کو زلزلے نے پکڑ لیا تو موسیٰ نے کہا کہ اے میرے رب! اگر آپ چاہتے تو اس سے پہلے ہی ان

کو اور مجھے ہلاک فرما دیتے۔ کیا آپ ہمارے چند بیوقوفوں کی حرکت کے سبب ہمیں ہلاک فرماتے ہیں۔ یہ محض آپ کی طرف سے آزمائش ہے آپ اس کے ذریعے جس کو چاہیں گمراہی میں ڈالیں اور جس کو چاہیں ہدایت پر رکھیں۔ تو ہی ہمارا ولی ہے۔ لہٰذا ہماری مغفرت فرما اور ہم پر رحم فرما اور بخش دینے والوں میں تو سب سے بہتر ہے (۱۵۵) اور لکھ دیجیے ہمارے لیے اس دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھی، بے شک ہم نے تیری طرف رجوع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا عذاب ہے میں اسے پہنچاتا ہوں جسے چاہوں اور میری رحمت ہر چیز کو شامل ہے سو میں اس کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور ان لوگوں کے لیے جو ہماری آیات پر یقین رکھتے ہیں۔ (۱۵۶) جو لوگ رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جنہیں وہ اپنے پاس توریت وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ انہیں اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں اور ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیتے ہیں۔ اور خبیث چیزوں کو ان پر حرام قرار دیتے ہیں، اور وہ طوق ہٹاتے ہیں جو ان پر تھے۔ سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لائے اور ان کی تکریم کی اور ان کی مدد کی اور اس نور کا اتباع کیا جو ان کے ساتھ اتارا گیا یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ (۱۵۷) آپ فرما دیجیے کہ اے لوگو! بلاشبہ میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ جس کے لیے بادشاہت ہے آسمانوں کی اور زمین کی۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے۔ سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر جو نبی امی ہے۔ جو ایمان لاتا ہے اللہ پر اور اس کے کلمات پر، اور اس کا اتباع کرو تا کہ تم ہدایت پا جاؤ۔ (۱۵۸) اور موسیٰ کی قوم میں ایک ایسی جماعت ہے جو حق کی ہدایت دیتے ہیں اور اسی کے موافق انصاف کرتے ہیں (۱۵۹) اور ہم نے ان کو بارہ خاندانوں میں تقسیم کروا کے الگ الگ جماعتیں بنا دیں، اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی جب ان کی قوم نے پانی مانگا کہ اپنی لاٹھی کو پتھر میں مارو سو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ ہر قبیلے نے اپنے پانی پینے کی جگہ جان لی اور ہم نے ان پر بادلوں کا سایہ کیا اور ان پر من اور سلویٰ اتارا، کھاؤ پاکیزہ چیزیں اس رزق میں سے جو ہم نے تمہیں دیا، اور انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا لیکن اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں (۱۶۰) اور جب ان سے کہا گیا کہ سکونت کرو اس بستی میں اور کھاؤ اس میں سے جہاں سے چاہو، اور کہو کہ ہمارے گناہ معاف ہوں اور دروازے میں جھکے ہوئے داخل ہو جاؤ۔ ہم بخش دیں گے تمہاری خطاؤں کو، ہم عنقریب اچھے کام کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے۔ (۱۶۱) سو ان میں سے جنہوں نے ظلم کیا اس قول کو بدل دیا۔ اس قول کے علاوہ جو ان سے کہا گیا۔ سو ہم نے ان پر عذاب بھیج دیا اس سبب سے کہ وہ ظلم کرتے تھے۔ (۱۶۲) اور آپ اس بستی کے بارے میں ان سے پوچھ لیں جو دریا کے قریب آباد تھی، جبکہ وہ لوگ سنیچر کے دن میں زیادتی کرتے تھے۔ جبکہ ان کے پاس ان کی مچھلیاں سنیچر کے دن اوپر کو ظاہر ہو کر آتی تھیں اور جس دن سنیچر کا دن نہ ہوتا اس دن ان کے پاس نہ آتی تھیں۔ اسی طرح ہم انہیں آزماتے تھے اس سبب سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے، (۱۶۳) اور جب ان میں سے ایک جماعت نے کہا کہ ایسی قوم کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنہیں ہلاک فرمانے والا ہے یا انہیں عذاب دینے والا ہے سخت عذاب، انہوں نے کہا کہ تمہارے رب کے حضور معذرت پیش کرنے کے لیے اور اس لیے کہ شاید یہ لوگ گناہ سے بچ جائیں۔ (۱۶۴) سو جب وہ لوگ بھول گئے اس بات کو جس کے ذریعے ان کو نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان لوگوں کو پکڑ لیا، جنہوں نے ظلم کیا اس سبب سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے، (۱۶۵) پھر جب اس کام کے بارے میں وہ حد سے نکل گئے جس سے منع کیے گئے تھے تو ہم نے ان سے کہا کہ تم ہو جاؤ بندر ذلیل، (۱۶۶) اور آپ کے رب نے یہ بات بتا دی کہ وہ قیامت کے دن تک ضرور ان پر ایسے اشخاص کو بھیجتا رہے گا جو انہیں برا عذاب چکھائیں گے، بے شک تیرا رب جلد سزا دینے والا ہے اور بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۱۶۷) اور ہم نے زمین میں ان کی متفرق جماعتیں کر دیں۔ ان میں نیک لوگ تھے اور ان میں دوسری طرح کے بھی تھے اور ہم نے ان کو خوشحالیوں اور بدحالیوں کے ذریعے آزمایا تا کہ باز آ جائیں، (۱۶۸) پھر ان کے بعد ایسے ناخلف آ گئے جو کتاب کے وارث بنے جو اس گھٹیا چیز کے سامان کو لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عنقریب ہماری مغفرت کر دی جائے گی اور اگر ان کے پاس اسی جیسا اور سامان آ جائے تو اسے لے لیتے ہیں، کیا ان سے کتاب کا یہ عہد نہیں لیا گیا کہ اللہ کی طرف حق کے سوا کسی بات کی نسبت نہ کرو اور انہوں نے اس کو پڑھ لیا جو کتاب میں ہے اور آخرت کا گھر ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو ڈرتے ہیں کیا تم سمجھ نہیں رکھتے؟ (۱۶۹) اور جو لوگ مضبوطی سے کتاب کو پکڑتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں بے شک اصلاح کرنے والوں کا ثواب اللہ ضائع نہیں فرماتا۔ (۱۷۰)

ربط وتعارف:...... اوپر آیات میں برابر بنی اسرائیل کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا جاتا رہا۔ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر جو

نعمتیں کیں وہ بھی بیان کیں۔ان کے انکار اور جفاکشی کا بھی تذکرہ ہوا۔اب اصحاب القریہ کا قصہ بھی بیان کیا جائے گا کہ انہوں نے ہفتے کے دن کا احترام نہ کیا اور ممانعت کے باوجود مچھلیاں پکڑیں۔اللہ نے انہیں بندر بنا دیا، اس میں زبردست عبرت ہے۔

لغات: اَسِفًا :...... الاسف، شدید حزن یا غصہ اِبْنَ اُمَّ : اصل میں اِبْنَ اُمِّیْ : ہے۔اس میں نرمی کا پہلو نمایاں ہے۔ تُشْمِتْ : الشماتۃ کسی دوسرے کو مصیبت میں مبتلا دیکھ کر خوش ہونا۔حدیث میں ہے: واعوذبك من شماتۃ الاعداء الرَّجْفَةُ : شدید زلزلہ هُدْنَآ : ہم نے توبہ کی، مقولہ ہے: ھاد یھود جب کوئی توبہ کرے۔شاعر کہتا ہے: انی امرو مما جنیت ھائدٌ مجھ سے جو غلطی سرزد ہوئی ہے، میں نے اس سے توبہ کر لی ہے۔ اِصْرَهُمْ : الاصر اصل میں اس بوجھ کو کہا جاتا ہے جو اٹھانے والے کو ہلنے بھی نہ دے۔مشقت طلب تکالیف۔ اَلْاَغْلٰلَ : غُلٌّ کی جمع ہے۔گلے میں ڈالا جانے والا طوق یا ہتھکڑی۔ عَزَّرُوْهُ : توقیر وعزت کی اور مدد کی۔ اَسْبَاطًا : سبط کی جمع ہے۔مراد بیٹے یا بیٹی کی اولاد۔ پھر اس کا اطلاق بنی اسرائیل کے ہر قبیلے پر ہونے لگا۔ تَاَذَّنَ : الایذان، اعلام، اعلان یَسُوْمُهُمْ : انہیں چکھایا۔ خَلْفٌ : لام کے سکون کے ساتھ مراد ہے۔برا جانشین۔لام کی فتح کے ساتھ اچھا جانشین اسی سے ہے۔جعلك اللّٰہ خیر خلف لخیر سلف۔اللہ تمہیں اپنے بزرگوں سے اچھا جانشین بنائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غم وغصہ اور حضرت ہارون علیہ السلام سے باز پرس

تفسیر: وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا :...... جب موسیٰ رب تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے بعد لوٹے تو بنی اسرائیل کی بچھڑے کی عبادت سے غصے کی حالت میں تھے اور شدید حزن وملال میں تھے۔ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ : میرے غائب ہونے کے بعد تم نے بہت برا فعل کیا جو تم بچھڑے کی پوجا کرنے میں لگ گئے۔ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ : کیا تم نے اتنی جلد بازی سے کام لیا اور اپنے رب کے حکم کا انتظار نہ کر سکے؟ یعنی موسیٰ علیہ السلام کی طور سے واپسی کا انتظار نہ کر سکے؟ استفہام برائے انکار ہے۔ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ : شدید غصے کی وجہ سے انہوں نے تختیاں پھینک دیں۔بچھڑے کی عبادت کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کو شدید غصہ آیا اور یہ غصہ اللہ کی خوشنودی کے لیے تھا۔اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے سر کے بال پکڑ لیے اور اپنی طرف انہیں کھینچنے لگے، کیوں کہ وہ سمجھتے تھے کہ میرے بعد ہارون نے بنی اسرائیل کو بچھڑے کی عبادت سے روکنے میں کوتاہی کی ہے۔موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کے لیے شدید غصہ آجاتا تھا۔ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو بچھڑے کی عبادت کرتے دیکھا تو اللہ کی خوشنودی کے لیے غصے میں آگئے اور تختیاں ایک طرف پھینک دیں اور وہ ٹوٹ بھی دیں۔پھر بھائی کو سر کے بالوں سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔[1]

حضرت ہارون علیہ السلام کا جواب اور معذرت

قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ :...... ہارون علیہ السلام نے کہا: اے میرے ماں جائے (یہ بات نرمی اور لطف وکرم کے طلب کے لیے کہی) میری قوم نے مجھے بے یار ومددگار اور کمزور سمجھ کر مغلوب کر لیا۔جب میں نے انہیں باز رہنے کی تاکید کی، قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیتے۔میں نے ان کی خیرخواہی میں کوتاہی نہیں کی۔ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ : آپ مجھ سے سختی کے ساتھ پیش نہ آئیں، کہیں دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ مل جائے۔میرا مواخذہ کر کے یا میری طرف کوتاہی کی نسبت کر کے مجھے ظالمین میں شامل نہ کیجیے۔ مجاہدؒ کہتے ہیں: ظالمین سے مراد بچھڑے کی پوجا کرنے والے ہیں۔ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ : جب موسیٰ علیہ السلام کے سامنے ہارون علیہ السلام کی بے گناہی متحقق ہو گئی تو اب انہوں نے اپنے لیے اور اپنے بھائی کے لیے مغفرت طلب کی اور فرمایا: اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ : الآیۃ زمخشری کہتے ہیں: موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی کے ساتھ جو سختی سے پیش آئے، اس پر مغفرت طلب کی اور بھائی کے لیے اس معنی میں

[1] الطبری ۱۳ / ۱۲۳

مغفرت طلب کی کہ خدانخواستہ اگر ان سے امر جانشینی میں کوتاہی ہوئی ہو تو معاف ہو جائے۔ آپ علیہ السلام نے رب تعالیٰ کی رحمت ہر حال میں شامل حال رہنے کا سوال کیا۔ چنانچہ دنیا و آخرت میں رحمت ایزدی ان کے ساتھ ساتھ ہے۔ [1] اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَیَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا: بلاشبہ جن لوگوں نے بچھڑے کی عبادت کی اور اسے اپنا معبود بنالیا، انہیں رب تعالیٰ کا شدید غضب نازل ہوگا اور دنیا میں انہیں ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: رہی بات غضب کی جس میں بنی اسرائیل مبتلا ہوئے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت تک ان کی توبہ قبول نہیں فرمائی، جب تک انہوں نے ایک دوسرے کو قتل نہ کر دیا اور ذلت و رسوائی یوں ان کا مقدر بنی کہ اس عمل کے بعد دنیا میں سخت ذلیل و رسوا ہوئے۔ [2] وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُفْتَرِیْنَ: جیسے ہم نے ان لوگوں پر غضب و ذلت نازل کر کے انہیں بدلہ دیا اسی طرح ہم ان لوگوں کو بھی بدلہ دیں گے جو اللہ پر جھوٹ بولیں۔ سفیان بن عیینہ کہتے ہیں: ہر بدعتی ذلیل و رسوا ہے۔ [3] وَالَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْۤا: جن لوگوں نے قبائح اور معاصی کا ارتکاب کیا، پھر توبہ کی، رجوع کیا اور اپنے ایمان پر قائم رہے اور خلوص دل سے ایمان لائے۔ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ: اے محمد! ایسی توبہ کے بعد اللہ ان لوگوں کے گناہوں کو بخشنے والا ہے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: آیت میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ گناہ اگرچہ بڑے بڑے کیوں نہ ہوں، مگر اللہ کی بخشش و معافی ان سے کہیں زیادہ عظیم بلکہ عظیم تر ہے۔ شاعر ابونواس نے کیا خوب کہا ہے:

یارب ان عظمت ذنوبي كثرة   فلقد علمت بأن عفوك اعظم

ان كان لايرجوك الا محسن   فبمن يلوذ ويستجير المجرم؟

"اے میرے رب اگرچہ میرے گناہ عظیم اور کثیر ہیں، تاہم مجھے علم ہے کہ تیری بخشش عظیم تر ہے۔

اس میں شک نہیں کہ نیکوکار ہی تجھ سے امیدیں وابستہ رکھ سکتا ہے۔ بھلا مجرم و گناہگار کس کے دامن سے وابستہ ہوگا؟"

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَی الْغَضَبُ:...... جب بھائی پر موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا پڑا۔ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ: تو انہوں نے توریت کی تختیاں جو پھینک دی تھیں اٹھائیں۔ وَفِیْ نُسْخَتِهَا هُدًی وَّرَحْمَةٌ: ان کے نسخوں میں حق کی راہنمائی اور مخلوق کے لیے رحمت ہے، کیوں کہ جب لوگ کتاب پر چلیں گے تو دارین کی سعادت کے مستحق ہوں گے۔ لِّلَّذِیْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ یَرْهَبُوْنَ: یہ رحمت ان لوگوں کے لیے ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور معاصی پر اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا استغفار

وَاخْتَارَ مُوْسٰی قَوْمَهٗ سَبْعِیْنَ رَجُلًا لِّمِیْقَاتِنَا:...... موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے ستر آدمی منتخب کیے۔ یہ ان لوگوں میں سے تھے، جنہوں نے بچھڑے کی عبادت نہیں کی تھی۔ فَلَمَّاۤ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ: پھر جب طور پہاڑ پر انہیں زلزلے نے آ پکڑا اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِیَّایَ: موسیٰ علیہ السلام نے عاجزی سے اللہ کے حضور سر تسلیم خم کرتے ہوئے کہا: اے میرے پروردگار! اگر تو اس سے پہلے ہم لوگوں کو ہلاک کرنا چاہتا تو ایسا کر سکتا تھا۔ ہم تیرے بندے ہیں اور تیری سطوت و قدرت کے ماتحت ہیں، تو جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا: اے ہمارے رب! کیا تو ہمیں اور سارے بنی اسرائیل کو ان احمقوں کے اس مطالبہ پر کہ اُرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً (یعنی ہمیں سر عام اللہ کا دیدار کرا دو) پر ہلاک کر دے گا۔ استفہام برائے طلب رحمت و کرم ہے۔ گویا یوں کہا: اے اللہ! ہمیں دوسرے کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک نہ کرنا۔ طبری سدی کی ایک روایت کے ضمن میں کہتے ہیں: اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں کو لے کر کوہ طور پر آئیں، جو بچھڑے کی عبادت سے معذرت کریں اور اللہ ان سے وعدہ کرے گا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے ستر آدمی منتخب کیے، پھر انہیں لے کر معذرت کے لیے چل پڑے۔ جب کوہ طور پر پہنچے تو کہنے لگے: اے موسیٰ! ہم تمہارے اوپر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، یہاں تک کہ

---

[1] الکشاف ۲/ ۱۶۲ [2] المختصر ۲/ ۵۲ [3] الطبری ۱۳/ ۱۳۱

ہم اللہ کو دیکھ نہ لیں، چوں کہ تم نے اللہ کے ساتھ کلام کیا ہے، لہٰذا ہمیں اللہ دکھادے۔ چنانچہ پہاڑ میں سخت ارتعاش پیدا ہوا اور یہ لوگ موت کے منہ میں چلے گئے۔ موسیٰ علیہ السلام رب تعالیٰ کے حضور عاجزی اور تضرع کرتے ہوئے کھڑے ہوئے اور کہا: اے میرے پروردگار! جب میں قوم کے پاس واپس جاؤں گا، میں انہیں کیا جواب دوں گا جبکہ تونے قوم کے سرداروں کو ہلاک کر دیا ہے۔ اگر تو چاہتا تو اس سے پہلے مجھے اور ان کو ہلاک کر دیتا۔[1]

مؤلف کہتے ہیں: جب اخیارِ بنی اسرائیل کا یہ مؤقف تھا بھلا ان کے اشرار اور بدخولوگوں کا کیا عالم ہوگا؟ یہودیوں کی خباثت سے اللہ کی پناہ۔

اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ: یہ واقعہ آپ کی طرف سے صرف ایک امتحان اور آزمائش ہے، جس کے ذریعے تو اپنے بندوں کا امتحان لے لیتا ہے۔ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ: اس امتحان کے ذریعے تو جسے چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے ہدایت دے۔ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا: اے ہمارے رب! تو ہی ہمارے امور کا متولی ہے اور تو ہی ہمارا مددگار و حافظ ہے۔ ہم سے جن گناہوں کا ارتکاب ہوا، ہمیں بخش دے اور ہمارے اوپر رحمت نازل فرما اور اپنی وسیع رحمت کی لپیٹ میں لے۔ وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ: تو بہترین درگزر اور معاف کرنے والا ہے۔ تو برائی معاف کرتا ہے اور اسے نیکی میں بدل دیتا ہے۔

وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ...... یہ بھی من جملہ موسیٰ علیہ السلام کی دعا کا حصہ ہے۔ یعنی دنیا و آخرت میں ہمارے لیے اچھائیاں محقق کر دے۔ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ: ہم تیرے حضور توبہ کرتے ہیں اور تیری طرف رجوع کرتے ہیں۔ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: رہی بات میرے عذاب کی سو میں اپنے بندوں میں سے جسے چاہوں عذاب دوں رہی بات میری رحمت کی سو وہ میری ساری مخلوق کو عام ہے۔ ابوسعود کہتے ہیں: عذاب کی نسبت مضارع کا صیغہ لایا گیا ہے، جب کہ وسعت کی نسبت رحمت کی طرف صیغہ ماضی کے ساتھ کی گئی ہے۔ اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ رحمت تقاضائے ذات ہے رہی بات عذاب کی سو وہ انسانوں کے گناہوں کی وجہ سے۔[2] فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ: میں آخرت میں یہ رحمت ان لوگوں کے ساتھ مخصوص کردوں گا جو کفر اور معاصی سے بچتے ہوں۔ زکوٰۃ دیتے ہوں اور تمام انبیا اور کتب کی تصدیق کرتے ہوں۔ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ: یہ لوگ جنہیں رحمت حاصل ہوگی وہ ہیں جو محمد عربی نبی امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم[3] کے پیچھے چلیں۔ بیضاوی کہتے ہیں: آیت میں رسول اور نبی کے الفاظ آئے ہیں، رسول بہ نسبت اللہ تعالیٰ کے اور نبی انسانوں کی نسبت سے ہیں۔[4]

تورات اور انجیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ

الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ...... جس کا ذکر اور صفات تورات و انجیل میں لکھا پائیں گے۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ صفت انبیا کی کتب میں موجود ہے۔ انبیا اپنی امتوں کو نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی خبر دیتے رہے ہیں اور انہیں ان کی اتباع کا حکم دیا۔ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات انبیا کی کتابوں میں برابر بیان کی جاتی ہیں۔ چنانچہ ان کے علما و احبار ان صفات کو بخوبی جانتے ہیں۔[5] يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ: وہ ہر اچھی بات کا حکم دے گا اور ہر بری اور قبیح بات سے منع کرے گا۔ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ: اور لوگوں کے لیے وہ پاکیزہ چیزیں حلال قرار دے گا، جو ان کے ظلم کی وجہ سے ان پر حرام کر دی گئی تھیں اور جو چیزیں گندی سمجھی جاتی ہیں، جیسے مردار، خنزیر کا گوشت وغیرہ حرام قرار دے گا۔ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ: انہیں جن مشقت طلب تکالیف کا مکلف بنایا گیا تھا جو طوق کے مشابہ تھیں، جیسے قبول توبہ کے لیے ایک دوسرے کو قتل کرنا، نجس کپڑے سے نجاست والی جگہ کا کاٹنا، قاتل سے قصاص لینا خواہ قتل عمد ہو یا قتل خطا ہو یا قتل شبہ عمد ہو وغیرھا، ان تکالیف میں تخفیف کرے گا۔ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ: چنانچہ جن لوگوں نے محمد کی تصدیق کی، اس کی تعظیم و توقیر کی اور دین میں اس کی مدد کی۔ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ: روشن قرآن اور شریعت کی اتباع کی۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ: یہی لوگ ابدی سعادت کے ساتھ کامیاب ہونے والے ہیں۔ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا:

[1] الطبری ۱۳/ ۱۴۰ [2] ابوالسعود ۲/ ۲۰۱ [3] امی سے مراد جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو۔ [4] البیضاوی، ص ۲ [5] المختصر ۲/ ۵۵

یہ آپ ﷺ کی عموم رسالت کا بیان ہے۔ یعنی اے محمد! کہہ دیجیے اے لوگو! میں اللہ کی طرف سے تمام اہل زمین کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: ذات ساری کائنات کی مالک ہے۔ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ: اس کے سوا کوئی رب اور معبود نہیں۔ وہی معبود ہے جو زندہ کرنے اور مارنے پر قدرت رکھتا ہے۔ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ: اللہ کی آیات کی تصدیق کرو اور ساری مخلوق کی طرف بھیجے ہوئے اس کے رسول کی تصدیق کرو۔ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ: نبی جو صاحب معجزات ہے اور لکھنا پڑھنا نہیں جانتا پر ایمان لاؤ اور اللہ نے اس پر جو کتاب نازل کی وہ اس کی تصدیق کرتی ہے اور پہلے انبیا کی کتب بھی اس کی تصدیق کرتی ہیں۔ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ: اس نبی کے طریقے پر چلو اور اس کے نقش قدم پر چلو اس امید کی بنا پر کہ تم مطلوب تک رسائی حاصل کرو۔ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰۤی اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ یَعْدِلُوْنَ: اور بنی اسرائیل میں سے ایک جماعت ایسی ہے جو اللہ کی شریعت پر قائم ہے اور لوگوں کو کلمہ حق کی راہ دکھاتی ہے اور ظلم نہیں کرتی۔ زمخشری کہتے ہیں: اس سے قبل اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ایسے لوگوں کا ذکر کیا جن کا ایمان متزلزل تھا اور وہ شک کا شکار تھے، حتیٰ کہ دو عظیم گناہوں بچھڑے کی عبادت اور مطالبہ دیدار رب تعالیٰ کی جسارت کی، اب اس آیت میں بنی اسرائیل کی ایک ایسی جماعت کا ذکر کیا گیا ہے جو ایمان ویقین سے سرشار ہے اور لوگوں کو کلمہ حق کی راہ دکھاتی ہے اور انہیں استقامت کی ہدایت کرتی ہے۔ [1]

بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَیْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا:...... ہم نے بنی اسرائیل کو مختلف بارہ (۱۲) قبیلوں میں تقسیم کیا۔ یہ قبیلے یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں سے ہیں: ابوحیان کہتے ہیں: یعنی ہم نے بنی اسرائیل کو مختلف خاندانوں میں تقسیم وممتاز کیا تا کہ ہر قبیلے کا معاملہ اس کے رئیس کی طرف لوٹے تا کہ موسیٰ علیہ السلام کا معاملہ آسان رہے اور تا کہ بنی اسرائیل حسد میں پڑ کر فتنے کا دروازہ نہ کھل جائے۔ اسی لیے موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لیے بارہ چشمے جاری کروائے تا کہ پانی پر جھگڑیں نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہر قبیلے کے لیے ایک نقیب بھی مقرر کیا تا کہ ہر خاندان اپنے معاملات نقیب کے سامنے پیش کرے۔ [2] وَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰۤی اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗۤ: یعنی جب میدانِ تیہ میں بنی اسرائیل کو پانی کی سخت ضرورت پیش آئی۔ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ: یعنی ہم نے موسیٰ کو وحی بھیجی کہ اپنا عصا (لاٹھی) پتھر (چٹان) پر مارو فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا: اس پتھر سے قبیلوں کی تعداد کے مطابق بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ: ہر خاندان اور جماعت نے اپنا مخصوص چشمہ پہچان لیا۔ طبری کہتے ہیں: کوئی قبیلہ دوسرے قبیلے کے چشمے سے پانی لینے نہیں جا سکتا تھا (گویا پابندی تھی)۔ [3]

بنی اسرائیل کا وادیِ تیہ میں فضل واکرام

وَظَلَّلْنَا عَلَیْهِمُ الْغَمَامَ:...... ہم نے ان پر بادلوں کی چھتری تان دی تا کہ دھوپ کی شدت سے محفوظ رہیں۔ علامہ آلوسی کہتے ہیں: بنی اسرائیل جہاں جاتے بادلوں کا سایہ بھی ان کے ساتھ چلتا رہتا اور جہاں رکتے بادل بھی رک جاتے۔ وَاَنْزَلْنَا عَلَیْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی: اور ہم نے بنی اسرائیل کی عمدہ کھانوں سے تکریم کی "مَنّ" ایک میٹھی چیز جو آسمان سے اترتی اور درختوں پر اٹک جاتی تھی۔ پھر بنی اسرائیل درختوں سے جمع کر کے کھاتے تھے۔ "سلویٰ" بٹیر کی مانند کا ایک پرندہ جس کا گوشت نہایت لذیذ ہوتا تھا۔ یہ سب اللہ کے فضل وکرم سے تھا اور اس میں بنی اسرائیل کی کوئی کوشش ومحنت نہیں تھی۔ كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ: ہم نے بنی اسرائیل سے کہا: یہ پاکیزہ اور لذیذ چیزیں کھاؤ، ہم نے تمہیں یہ رزق عطا کیا ہے۔ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ: کلام میں حذف ہے۔ یعنی بنی اسرائیل نے ان نعمتوں کی ناشکری اور ناقدری کی۔ انہوں نے ہمارے اوپر ظلم نہیں کیا بلکہ اپنے اوپر ظلم کیا کیوں کہ انہوں نے کہ کفران نعمت کر کے اللہ کے عذاب کو دعوت دی ہے۔

---

[1] البحر المحیط ۴/ ۴۰۶، نسخہ میں (بِهٖ یَعْدِلُوْنَ) کی تفسیر نہیں ہے۔ معنی ہے کہ یہ جماعت حق کے ساتھ انصاف کرتی ہے۔ ضمیر مجرور کا مرجع الحق ہے۔ [2] البحر المحیط ۴/ ۴۰۶
[3] الطبری ۱۳/ ۱۷۷

وَاِذْ قِیْلَ لَھُمُ اسْکُنُوْا ھٰذِہِ الْقَرْیَۃَ وَکُلُوْا مِنْھَا حَیْثُ شِئْتُمْ:...... بنی اسرائیل کو یاد دلاؤ، جب ہم نے ان کے اسلاف سے کہا کہ بیت المقدس میں سکونت اختیار کرو اور اس سرزمین کا اناج اور پھل جہاں سے ملے کھاؤ۔ وَقُوْلُوْا حِطَّۃٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا: اور داخل ہوتے وقت کہو: یا اللہ! ہمارے گناہ معاف کر دے۔ نَّغْفِرْ لَکُمْ خَطِیْٓـٰٔتِکُمْ: ہم تمہارے گزشتہ سارے گناہ بخش دیں گے۔ سَنَزِیْدُ الْمُحْسِنِیْنَ: جو لوگ اللہ کا حکم بجالاتے ہیں اور اطاعت اختیار کرتے ہیں اور نیک اعمال کرتے ہیں، انہیں ہم بخشش سے بڑھ کر جنت میں داخل ہونے کا انعام بھی عطا کرتے ہیں۔ فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْھُمْ قَوْلًا غَیْرَ الَّذِیْ قِیْلَ لَھُمْ: ان ظالموں نے اللہ کے بتلائے ہوئے کلمہ کو ایسے کلمہ میں بدل دیا جو ذات باری تعالیٰ کے شایان شان نہیں تھا۔ چنانچہ حِطَّۃ کو حِنْطَۃٌ: سے بدل دیا اور یوں کہنے لگے: حِنْطَۃٌ فی شعیرۃ: گویا گناہوں کی معافی کے بجائے گندم اور جو کا سوال کرنے لگے۔ نیز انہیں حکم دیا گیا تھا کہ بیت المقدس میں سجدہ ریز ہو کر اللہ کے حضور عاجزی کرتے ہوئے داخل ہوں تاہم یہ بدبخت اللہ کے حکم کا مذاق اڑاتے ہوئے سرینوں کے بل ہجوم بنا کر شہر میں داخل ہوئے۔ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْھِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا کَانُوْا یَظْلِمُوْنَ: ہم نے ان کے ظلم و عدوان جو ان میں برابر رہا کے سبب ان پر آسمان سے عذاب بھیجا۔ ابوسعود کہتے ہیں: عذاب سے مراد، طاعون ہے۔ روایت ہے کہ ایک ہی وقت میں طاعون سے چودہ ہزار لوگ ہلاک ہوئے۔[1]

ہفتہ کے دن مچھلیوں کے شکار کی ممانعت اور یہود کی خلاف ورزی

وَسْـَٔلْھُمْ عَنِ الْقَرْیَۃِ الَّتِیْ کَانَتْ حَاضِرَۃَ الْبَحْرِ:...... اے محمد! یہود سے ان کے اسلاف کے بارے میں دریافت کرو اور اس بستی کی خبر بھی دریافت کرو جو ساحل سمندر پر آباد تھی کہ جب انہوں نے اللہ کی نافرمانی کی اور ہفتے کے دن مچھلیاں شکار کیں تو ان پر کیا عذاب نازل ہوا؟ کیا اللہ نے انہیں بندر اور خنزیر نہیں بنا دیا تھا؟ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اس بستی سے مراد ''ایلہ'' ہے۔ جو بحیرہ قلزم کے ساحل پر واقع ہے۔[2] اِذْ یَعْدُوْنَ فِی السَّبْتِ: جب وہ اللہ کی مقرر کردہ حد کو تجاوز کر گئے۔ وہ حد ہفتے کے دن شکار کا ممنوع ہونا تھا۔ اِذْ تَاْتِیْھِمْ حِیْتَانُھُمْ یَوْمَ سَبْتِھِمْ شُرَّعًا: جب مچھلیاں ان کے پاس ہفتے کے دن آتی تھیں جب کہ ہفتے کے دن شکار کرنا بنی اسرائیل پر حرام کیا گیا تھا۔ چنانچہ پانی کی سطح پر کثرت سے مچھلیاں آجاتی تھیں۔ وَّیَوْمَ لَا یَسْبِتُوْنَ لَا تَاْتِیْھِمْ: جب کہ ہفتے کے علاوہ بقیہ ایام میں مچھلیاں نہیں آتی تھی بلکہ غائب ہو جاتی تھیں۔ کَذٰلِکَ نَبْلُوْھُمْ بِمَا کَانُوْا یَفْسُقُوْنَ: اسی جیسی عجیب آزمائش میں انہیں ڈال کر ہم ان کا امتحان لیتے تھے کہ جس دن شکار حرام تھا اس دن پانی کی سطح پر مچھلیاں ظاہر کر دی جاتی تھیں اور بقیہ ایام میں مچھلیاں غائب ہو جاتی تھیں، یہ امتحان ان کے فسق اور اللہ کی حرام کردہ حدود کو توڑنے کی وجہ سے کیا گیا۔ قرطبی کہتے ہیں: روایت ہے کہ بنی اسرائیل کو اس آزمائش میں حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد میں ڈالا گیا تھا۔ ابلیس ملعون نے بنی اسرائیل کو آ کر بتایا کہ تمہیں ہفتے کے دن مچھلیاں پکڑنے سے منع کیا گیا ہے تم حوض بنا لو۔ چنانچہ بنی اسرائیل نے بہت سارے حوض بنا لیے اور جمعہ کے دن مچھلیاں ہانک کر حوضوں میں لے آتے۔ پیچھے سے پانی کاٹ دیتے اور پانی کم ہونے کی وجہ سے مچھلیاں باہر نہ نکل سکتیں اور پھر اتوار کے دن مچھلیاں پکڑ لیتے۔ یوں مچھلیاں شکار کرنے کے لیے اس طرح کا حیلہ کرتے۔[3]

یہود کی فرقہ بندی

وَاِذْ قَالَتْ اُمَّۃٌ مِّنْھُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا اللّٰہُ مُھْلِکُھُمْ اَوْ مُعَذِّبُھُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا:...... ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اس بستی کے رہنے والوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ تین فرقوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ایک فرقہ جو ممنوع کا مرتکب ہوا اور ہفتے کے دن مچھلیاں پکڑنے کے لیے حیلہ کر لیا۔ دوسرا فرقہ اس ممنوع فعل سے باز رہا اور مرتکبین سے الگ رہا۔ تیسرا فرقہ وہ کہ اس نے نہ ہی ممنوع کا ارتکاب کیا اور نہ ہی دوسروں کو باز رہنے کی تاکید کی بلکہ خاموش رہے، لیکن یہ فرقہ اسے منکر سمجھتا تھا۔ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا اللّٰہُ مُھْلِکُھُمْ: تم ان لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو، حالاں کہ

---

[1] ابوالسعود ۲/ ۲۰۵ [2] المختصر ۲/ ۵۸ [3] القرطبی ۷/ ۳۰۶

تمہیں معلوم ہے کہ یہ لوگ ہلاک ہو جائیں گے اور یہ سزا اور عذاب کے مستحق ہیں، لہٰذا انہیں منع کرنے میں کوئی فائدہ نہیں۔ [۱] قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ: نصیحت کرنے والے گروہ نے کہا: ہم تو انہیں اس لیے منع کرتے ہیں، تاکہ اللہ تعالیٰ کے حضور ہم بری الذمہ ہو سکیں، چوں کہ نصیحت کرنا ہمارے اوپر واجب ہے۔ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ: جن جرائم میں یہ مبتلا ہیں تاکہ ان سے باز آجائیں۔ طبری کہتے ہیں: تاکہ یہ لوگ اللہ سے ڈر جائیں اور اس کی طاعت کی طرف رجوع کریں اور ہفتے کے دن کی انہوں نے جو بے حرمتی کی ہے تاکہ اس سے توبہ کرلیں۔ [۲] فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ: جب اس گروہ نے اپنے صلحا کی نصیحتوں کو پس پشت ڈال دیا اور نصیحتیں قبول کرنے سے کلی طور پر اعراض کیا۔ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ: ہم نے تاکید و نصیحت کرنے والوں کو زمین میں پڑے فساد سے نجات دی۔ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۢ بَئِيْسٍ: اور ہم نے نافرمان ظالموں کو شدید عذاب میں پکڑا، یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے منکر کا ارتکاب کیا تھا۔ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ: ان کے فسق اور اللہ کے حکم کی نافرمانی کے بسبب فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ: جس بات سے انہیں روکا گیا تھا، جب انہوں نے باز رہنے سے سرکشی اور تکبر کیا۔

قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ:...... ہم نے انہیں مسخ کر کے بندر اور خنزیر بنادیا۔ معنی یہ ہے کہ اولاً اس گروہ کو شدید عذاب دیا گیا اور جب نافرمانی سے باز نہ آئے اور سرکشی میں روز بروز آگے بڑھتے گئے تو انہیں بندر اور خنزیر بنادیا گیا۔ حاصل یہ ہے کہ اصحاب قریہ تین گروہوں میں منقسم تھے۔ ایک گروہ جو نافرمانی کا مرتکب ہوا اور اس پر عذاب نازل ہوا، دوسرا فرقہ جو نافرمانی سے باز رہا اور نصیحت قبول کی۔ اللہ نے انہیں عذاب سے نجات دی اور تیسرا فرقہ جو کنارہ کش رہا نہ ہی دوسروں کو نافرمانی سے روکا اور نہ ہی خود نافرمانی کا ارتکاب کیا۔ اس گروہ کا حال بیان کرنے سے قرآن خاموش ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: مجھے معلوم نہیں کہ اس فرقے کا کیا انجام ہوا آیا کہ نجات پائی یا ہلاک ہو گئے؟ عکرمہ کہتے ہیں: میں برابر اس تیسرے فرقے کا انجام معلوم کرنے کی جستجو میں لگا رہا، بالآخر میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بتایا کہ یہ فرقہ نجات پا گیا کیوں کہ اس فرقے نے نافرمانوں کے فعل کو ناگوار سمجھا تھا۔ چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھے خوبصورت جوڑا انعام میں پہنایا۔ [۳]

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ:...... اے محمد! وہ وقت یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ روز قیامت تک یہود پر ایسے لوگوں کو مسلط رکھے گا جو انہیں نہایت سخت اور بری تکلیفیں پہنچائیں گے، کیوں کہ نافرمانی، مخالفت اور ارتکاب محارم کے لیے حیلہ گری ان کی طبیعت ثانیہ بن چکی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہود پر بخت نصر کو مسلط کیا جس نے انہیں ہلاک کیا اور قیدی بھی بنایا پھر ان پر نصاریٰ کو مسلط کیا، جنہوں نے انہیں ذلیل و رسوا کیا اور ان پر جزیہ مقرر کیا، پھر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان پر مسلط کیا اور انہوں نے جزیرہ عرب سے انہیں نکال باہر کیا اور عرب کو ان سے پاک کیا۔ پھر آخر میں ان پر ہٹلر کو مسلط کیا۔ اس نے تو یہود کے انڈے بچے ہلاک کر دیے، قریب تھا کہ ان کی نسل ہی دنیا سے ختم کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ برابر پورا ہوتا رہا ہے، بالآخر فیصلہ کن معرکہ میں مسلمان یہودیوں کا خاتمہ کریں گے۔ ان شاء اللہ۔ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ: اللہ نافرمان کو جلد سزا دینے والا ہے اور مطیع و فرمانبردار کو بخشنے والا ہے۔ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اُمَمًا: ہم نے زمین کے طول و عرض میں چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں انہیں تقسیم کر دیا ہے۔ چنانچہ ہر علاقہ میں ان کا ایک گروہ ہے۔ الگ سے ان کا ملکیتی ملک کوئی نہیں تاکہ انہیں شان و شوکت حاصل نہ ہو۔ عصر حاضر میں یہود ارض مقدسہ میں جو جمع ہو چکے ہیں، سو یہ اس لیے تاکہ مسلمان انہیں ذبح کریں اور ڈھونڈنے نہ پڑیں۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی جب تک مسلمان یہود کو قتل نہ کرلیں۔ الحدیث۔ (اخرجہ مسلم)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ سارے یہود فساق و فجار نہیں بلکہ ان میں سے کچھ اچھے بھی ہیں اور کچھ اشرار ہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے: مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ: ان میں سے کچھ لوگ ایمان بھی لائے ہیں اور یہ تھوڑی تعداد میں ہیں اور ان میں سے کچھ لوگ کفر و فسق کے بسبب ایمان سے دور ہیں اور یہ تعداد میں زیادہ ہیں۔ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ: ہم نے انہیں عیش و عشرت، عذاب، تنگی و

---

[۱] المختصر ۲/ ۵۹ [۲] الطبری ۱۳/ ۱۸۵ [۳] المختصر ۲/ ۵۹

فراخی کی آزمائشوں میں مبتلا کیا تا کہ کفر ومعاصی سے رجوع کرلیں۔ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ وَّرِثُوا الۡكِتٰبَ: ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اس کے بعد ان کی ایسی نسل جانشین ہوئی جن میں کوئی خیر نہیں اور یہی اپنے آبا کے بعد تورات کے وارث کہلائے۔[1] حالاں کہ ان کے آبا میں نیک لوگ بھی تھے اور برے لوگ بھی۔ يَاۡخُذُوۡنَ عَرَضَ هٰذَا الۡاَدۡنٰى وَيَقُوۡلُوۡنَ سَيُغۡفَرُ لَنَا: اس دنیا کا گھٹیا ساز وسامان لیتے ہیں، خواہ حلال ہو یا حرام اور پھر اتراتے ہوئے کہتے ہیں۔ جو کچھ ہم نے کیا ہے اللہ ہمیں معاف کردے گا۔ فی الواقع یہ بدبخت زبردست دھوکے میں ہیں اور اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں۔ وَاِنۡ يَّاۡتِهِمۡ عَرَضٌ مِّثۡلُهٗ يَاۡخُذُوۡهُ: گناہوں پر ڈٹے ہوئے ہیں بایں ہمہ مغفرت کی امید لگائے بیٹھے ہیں، جب بھی دنیا کی کوئی گھٹیا چیز ان کے سامنے آجاتی ہے، اسے لے لیتے ہیں، خواہ وحرام ہو یا حلال اَلَمۡ يُؤۡخَذۡ عَلَيۡهِمۡ مِّيۡثَاقُ الۡكِتٰبِ اَنۡ لَّا يَقُوۡلُوۡا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الۡحَقَّ: استفہام برائے توبیخ ہے۔ کیا ان سے تورات میں پختہ عہد نہیں لیا گیا تھا کہ صرف حق بات کہیں گے اور اللہ پر جھوٹ نہیں بولیں گے؟ پھر کیسے گمان کر رہے ہیں کہ اللہ ان کی بخشش کردے گا باوجودیکہ جھوٹ، کفر اور حرام خوری پر اصرار کیے ہوئے ہیں۔ وَدَرَسُوۡا مَا فِيۡهِ: اس جملے میں یہود کے لیے زبردست ڈانٹ ہے، یعنی حال یہ ہے کہ وہ کتاب میں لکھے، احکام پڑھتے ہیں اور انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ قول باطل اور اللہ پر جھوٹ بولنے کی کیا سزا ہے اور اس پر کیا وعید ہے؟ وَالدَّارُ الۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لِّلَّذِيۡنَ يَتَّقُوۡنَ: جو لوگ حرام ترک کرکے اللہ سے ڈرتے ہیں، ان کے لیے آخرت نہایت بہتر ہے۔ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ: استفہام انکاری ہے، یعنی آخر باز کیوں نہیں آتے اور عقل کیوں نہیں رکھتے۔ مراد یہ ہے کہ اگر سمجھدار ہوتے تو فانی دنیا کو باقی رہنے والی آخرت پر ترجیح نہ دیتے۔ وَالَّذِيۡنَ يُمَسِّكُوۡنَ بِالۡكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ: جو لوگ اپنے دین کے معاملات اللہ کے نازل کردہ کتاب کے مطابق طے کرتے ہیں اور نماز کے اوقات میں ادائیگی نماز کی حفاظت کرتے ہیں۔ اِنَّا لَا نُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُصۡلِحِيۡنَ: کتاب کو مضبوطی سے پکڑے رکھنے اور نیکوکاری پر ہم ان کا اجر وثواب ضائع نہیں کریں گے، بلکہ اجر عظیم عطا کریں گے۔

بلاغت: وَلَمَّا سَكَتَ عَنۡ مُّوۡسَى الۡغَضَبُ:...... میں غضب وغصے کو ایسے انسان کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو کپکپا رہا ہو اور انتقام لینے کے لیے باآواز چنگھاڑ رہا ہو، پھر یہ آواز دھیمی پڑ جائے اور وہ خاموش ہو جائے۔ کلام میں استعارہ مکنیہ ہے۔ اس استعارہ کا حسن وجمال طبع سلیم اور ذوق صحیح پر مخفی نہیں۔ تُضِلُّ: اور تَهۡدِىۡ: میں صنعت طباق ہے۔ اسی طرح يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ میں بھی۔ يَاۡمُرُهُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهٰىهُمۡ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيۡهِمُ الۡخَبٰٓئِثَ: میں محسنات بدیعیہ میں سے صفت مقابلہ ہے۔ صفت مقابلہ کا معنی ہے کہ دو یا دو سے زیادہ الفاظ لائے جائیں، پھر اس کے بالمقابل اسی ترتیب سے الفاظ لائے جائیں۔ وَيَضَعُ عَنۡهُمۡ اِصۡرَهُمۡ وَالۡاَغۡلٰلَ: بوجھ اور طوق کا استعارہ ہے احکام وتکالیف کے لیے۔ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ: میں غیبوبت سے خطاب کی طرف التفات ہے۔ اس سے مقصود زیادت توبیخ ہے۔

فائدہ:...... الخلف لام کے فتحہ کے ساتھ اچھے جانشین مراد ہے اور لام کے سکون کے ساتھ برے جانشین۔

یہود پر عتاب اور ان کی سزا کا تذکرہ

وَاِذۡ نَتَقۡنَا الۡجَبَلَ فَوۡقَهُمۡ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوۡۤا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمۡ ۚ خُذُوۡا مَاۤ اٰتَيۡنٰكُمۡ بِقُوَّةٍ وَّاذۡكُرُوۡا مَا فِيۡهِ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ ﴿۱۷۱﴾ وَاِذۡ اَخَذَ رَبُّكَ مِنۡۢ بَنِىۡۤ اٰدَمَ مِنۡ ظُهُوۡرِهِمۡ ذُرِّيَّتَهُمۡ وَاَشۡهَدَهُمۡ عَلٰۤى اَنۡفُسِهِمۡ ۚ اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ ؕ قَالُوۡا بَلٰى ۛۚ شَهِدۡنَا ۛۚ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنۡ هٰذَا غٰفِلِيۡنَ ﴿۱۷۲﴾ اَوۡ تَقُوۡلُوۡۤا اِنَّمَاۤ اَشۡرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنۡ قَبۡلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنۡۢ بَعۡدِهِمۡ ۚ اَفَتُهۡلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الۡمُبۡطِلُوۡنَ ﴿۱۷۳﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۱۷۴﴾ وَاتۡلُ عَلَيۡهِمۡ نَبَاَ الَّذِىۡۤ اٰتَيۡنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانۡسَلَخَ مِنۡهَا

معانقة ٧ = ع: ٥

[1] المختصر ٢/ ٦١

فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ
هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ سَآءَ مَثَلًا الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا
وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾
وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ
بِهَا ۫ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ وَلِلّٰهِ
الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ؕ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾
وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۚ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۜ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ
هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ
عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ
لَهٗ ؕ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

ترجمہ:......اور جب ہم نے ان پر اکھاڑ دیا پہاڑ گویا کہ وہ سائبان ہے اور انہوں نے یقین کرلیا کہ وہ ان پر گرنے والا ہے، جو ہم نے تمہیں دیا مضبوطی کے ساتھ پکڑلو اور اس میں جو کچھ ہے یاد کرو تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔ ﴿۱۷۱﴾ اور جب آپ کے رب نے اولادِ آدم کی پشت سے ان کی ذریت کو نکالا اور انہیں ان کی جانوں پر گواہ بنایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا ہاں آپ ہمارے رب ہیں، ہم نے اقرار کرلیا، کبھی تم قیامت کے دن کہنے لگو کہ بیشک ہم اس سے غافل تھے ﴿۱۷۲﴾ یا یوں کہو کہ پہلے سے ہمارے باپ دادوں نے شرک کیا اور ہم ان کے بعد میں آنے والی اولاد تھے کیا آپ ہم کو باطل عمل والوں کے فعل کی وجہ سے ہلاک کرتے ہیں ﴿۱۷۳﴾ اور ہم ایسے ہی واضح طور پر آیات کو بیان کرتے ہیں تاکہ وہ لوگ رجوع ہو جائیں۔ ﴿۱۷۴﴾ اور آپ ان کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنایئے جسے ہم نے اپنی آیات دیں پھر وہ ان سے نکل گیا۔ پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا تو وہ گمراہوں میں سے ہوگیا ﴿۱۷۵﴾ اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں کی بدولت اس کو بلند کردیتے لیکن وہ بالکل ہی زمین کی طرف مائل ہوگیا اور اپنی خواہش کے پیچھے لگ گیا سو اس کی ایسی حالت ہے جیسے کتے کی حالت ہوتی ہے۔ اگر تو اس پر بوجھ لاد دے تب بھی ہانپے اور اگر اس کو چھوڑ دے تب بھی ہانپے۔ یہ مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ سو آپ قصوں کو بیان کیجیے تاکہ وہ لوگ غور و فکر کریں۔ ﴿۱۷۶﴾ بری مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ ﴿۱۷۷﴾ جسے اللہ ہدایت دے، سو وہی ہدایت پانے والا ہے اور وہ جسے گمراہ کرے تو یہ لوگ ہیں نقصان میں پڑنے والے ﴿۱۷۸﴾ اور تحقیق ہم نے پیدا کیا جہنم کے لیے بہت سے جنات کو اور بہت سے انسانوں کو، ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں؟ اور ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں، اور ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں، یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ یہ ان سے بڑھ کر بے راہ ہیں، ایسے لوگ غفلت والے ہی ہیں۔ ﴿۱۷۹﴾ اور اللہ کے لیے اچھے نام ہیں سو تم اسے ان ناموں سے پکارو، اور ان

لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں کج روی اختیار کرتے ہیں عنقریب ان کو ان اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔ ⑱⓪ اور جن کو ہم نے پیدا کیا ان میں ایک جماعت ایسی ہے جو حق کے موافق ہدایت کرتے ہیں اور اسی کے موافق انصاف کرتے ہیں ⑱① اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ہم ان کو اس طرح ڈھیل دیں گے کہ ان کو خبر بھی نہ ہو ⑱② اور میں انہیں ڈھیل دوں گا بے شک میری تدبیر مضبوط ہے۔ ⑱③ کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا کہ ان کے صاحب کو کوئی جنون نہیں ہے۔ وہ تو صرف واضح طور پر ڈرانے والا ہے۔ ⑱④ کیا ان لوگوں نے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت میں اور دوسری چیزوں میں غور نہیں کیا جو اللہ نے پیدا فرمائی ہیں اور اس بات میں کہ ان کی اجل قریب آ پہنچی ہو۔ سو اس کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے۔ ⑱⑤ اللہ جسے گمراہ کرے سو اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور وہ انہیں گمراہی میں بھٹکتے ہوئے چھوڑ دیتا ہے۔ ⑱⑥

ربط و تعارف:...... قبل ازیں بنی اسرائیل کے عصیان، نافرمانی، سرکشی اور اللہ کے احکام سے اعراض کا تذکرہ ہوا۔ اب یہاں ان کی سزا کا ذکر ہے کہ طور پہاڑ کو ان پر سائبان کی طرح لا کر کھڑا کر دیا گیا کہ اگر تورات کے احکام پر عمل نہیں کریں گے تو اس کے تلے کچل دیے جائیں گے۔ اس کے بعد ایک قصے کے ضمن میں علمائے سو کی مثال بیان کی گئی ہے اور اس کے لیے ہانپتے ہوئے کتے کی مثال بیان کی گئی ہے۔ دراصل یہود دنیا پر پل پڑے ہیں اور ان کی عبادت بھی حصول مال کے لیے ہے۔ اس مثال سے ان کی زبردست تصویر کشی ہوتی ہے۔

لغات: نَتَقْنَا:...... قوت کے ساتھ کھینچنا۔ ابوعبید کہتے ہیں: اصل میں کسی چیز کو اس کی جگہ سے اکھاڑ پھینکنے کو "النتق" کہا جاتا ہے۔[1] ظُلَّةٌ: ہر وہ چیز جو سائبان کی مانند سر پر تنی ہو، جیسے چھت، بادل، سائبان، جمع ظُلَلٌ ظِلَالٌ ہے۔ وَظَنُّوْٓا: ظن یہاں علم و یقین کے معنی میں ہے۔ انْسَلَخَ: "الانسلاخ" خروج، کلی طور پر کسی چیز سے علیحدگی اختیار کر لینا، مقولہ ہے انسلخت الحیة من جلدھا: سانپ اپنی کینچلی سے باہر نکل آیا۔ اَخْلَدَ: کسی چیز کی طرف مائل ہوا۔ کسی جگہ اقامت لازم کر دی۔ اسی سے ہے الخلود فی الجنة یَلْهَثْ: جوہری کہتے ہیں: لھث الکلب اس وقت کہا جاتا ہے۔ جب کتا تھکاوٹ یا پیاس کی وجہ سے زبان نکال کر ہانپ رہا ہے۔ ذَرَاْنَا: ہم نے پیدا کیا۔ يُلْحِدُوْنَ: سیدھی راہ سے ہٹ جانا، دینی تعلیمات سے ہٹ جانے والے کو ملحد کہا جاتا ہے۔

رفع جبلِ طور کا واقعہ

تفسیر: وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ:...... یاد کرو، جب ہم نے کوہ طور اکھاڑ کر بنی اسرائیل کے اوپر اس طرح اٹھا دیا تھا۔ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ: جیسے چھت یا بادلوں کا سائبان ہوتا ہے۔ وَظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ: انہیں یقین ہو گیا کہ پہاڑ ان پر گرا چاہتا ہے، بشرطیکہ انہوں نے اللہ کا حکم بجا نہ لایا۔ مفسرین کہتے ہیں: روایت ہے کہ بنی اسرائیل نے تورات کے احکام شدت و گرانی کی وجہ سے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اللہ نے کوہ طور ان کے سروں پر لا اٹھایا اور ان سے کہا گیا: اگر تم تورات کے احکام قبول کرو تو بہت اچھا ورنہ تمہارے اوپر یہ پہاڑ گرا دیا جائے گا۔ جب بنی اسرائیل نے پہاڑ کو اپنے سروں پر دیکھا تو سب کے سب سجدے میں گر پڑے کہ کہیں پہاڑ نہ ان پر گرا دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ: اور ہم نے بنی اسرائیل سے کہا: سنجیدگی اور عزیمت سے تورات کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ وَاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ: جو کچھ تورات میں ہے عمل کے ذریعے اسے یاد رکھو تاکہ تم پرہیزگار لوگوں کے راستے پر چلنے والوں میں شامل ہو جاؤ۔

ربوبیت الٰہی کا عقیدہ انسان کی سرشت میں داخل ہے

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ:...... طبری کہتے ہیں: اے محمد یاد کرو جب تمہارے رب نے اولاد آدم کو ان کے آبا کے صلبوں سے باہر نکالا اور ان سے توحید کا اقرار لیا اور ایک دوسرے کو اس پر گواہ بھی بنایا۔[2] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے

---

[1] الرازی ۴/ ۵۴، ۳؎ اس آیت کی تفسیر کے بارے میں مفسرین کے دو اقوال ہیں: اول یہ کہ اللہ نے آدم علیہ السلام کی صلب سے ان کی اولاد نکالی اور اولاد چیونٹیوں کی مانند تھی۔ ان سے عہد لیا اور گواہ بنایا۔ یہی معنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد طرق سے ماثور ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی بڑی جماعت اسی کی قائل ہے۔ دوم یہ کہ اللہ نے اپنی وحدانیت پر دلائل قائم کیے اور اس پر عقل و دلائل گواہ ہیں اور یہ بطور تمثیل و تخییل بیان کیا ہے۔ یہ زمخشری، ابوحیان اور ابوسعود کا قول ہے، پہلا قول اصح ہے۔

آدم علیہ السلام کی پشت پر ہاتھ پھیرا، چنانچہ ہر وہ جان جو روز قیامت تک اللہ نے پیدا کرنی تھی، وہ باہر نکل آئی۔ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۚ شَهِدْنَا: اور اللہ نے اپنی ربوبیت اور وحدانیت کا التزام بھی کیا اور اس کا پابند بنایا۔ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ: تاکہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکو کہ ہم تو اس عہد و پیمان سے غافل رہے اور ہمیں اس پر آگاہ نہیں کیا گیا۔ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ: اور تاکہ تم قیامت کے دن یہ بھی نہ کہہ سکو کہ ہم نے اللہ کے ساتھ تو کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا، ہم نے تو بس اپنے آباؤاجداد کی تقلید کی ہے اور ہم ان کے راستے پر چلے ہیں، لہٰذا ہم معذور ہیں۔ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ: کیا تو ہمیں ہمارے گمراہ آباؤاجداد کے شرک کی وجہ سے ہلاک کرے گا کہ ہم نے جہالت کی بنا پر ان کی اتباع کی؟ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ: جیسے ہم نے عہد و پیمان کی وضاحت کی اسی طرح ہم آیات کو بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ ان میں غور و فکر کریں۔

بلعم باعورا کا عبرتناک قصہ

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا: ...... اے محمد! یہود کو اس عالم کا قصہ اور خبر سناؤ، جسے ہم نے اللہ کی بعض کتابوں کا علم عطا کیا تھا، لیکن وہ اللہ کی آیات سے ایسے علیحدہ ہوا، جیسے سانپ اپنی کینچلی سے الگ ہوجاتا ہے، یعنی اس نے اللہ کی آیات کا انکار کیا اور ان سے منہ موڑا۔ فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ: اس کے ساتھ شیطان آملا اور اسے اپنے قابو میں لے لیا، حتیٰ کہ اسے پکے گمراہوں کی جماعت میں شامل کردیا، حالاں کہ وہ قبل ازیں ہدایت پر تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: اس شخص سے مراد بلعم باعورا ہے، اس کے پاس اسم اعظم تھا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: بلعم باعورا کا تعلق بنی اسرائیل سے تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اسے مدین کے بادشاہ کے پاس دعوت الی اللہ کے لیے بھیجا، تاہم بادشاہ نے اسے رشوت میں آدھی بادشاہت دی اور دین موسوی ترک کروادیا اور اپنے دین کی پیروی کی ترغیب دی۔ چنانچہ بلعم باعورا نے ایسا ہی کیا اور خلق کثیر کو گمراہ کیا۔[1] وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ: اگر ہم چاہے اسے علماء و صالحین کے مرتبہ عالیہ تک پہنچادیتے لیکن وہ دنیا کی طرف مائل ہوگیا۔ اس نے اپنے اعصاب اور دل و دماغ پر دنیا سوار کرلی اور دنیا کی لذات و شہوات کو آخرت پر ترجیح دی۔ خواہش نفس پر چلا اور سب سے نچلے درجے میں جاگرا۔ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ: گھٹیا پن اور کمینے پن میں اس کی مثال کتے جیسی ہے، اگر تم اسے دھتکارو تو بھاگنے لگتا ہے اور ہانپتا ہے اور اگر اسے اپنی حالت پر چھوڑ دو، تب بھی وہ ہانپتا رہتا ہے۔ ظاہری بلاغت کی رو سے یہ مثال ایسے شخص کی ہے جس پر بظاہر خوف و ہراس طاری ہو۔

ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا: ...... یہ نہایت بری مثال ہر اس شخص کی ہے جو اللہ کی آیات کو جھٹلاتا ہو۔ آیت میں یہود پر تعریض بھی ہے۔ چنانچہ انہیں تورات دی گئی اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات و علامات اچھی طرح جانتے تھے۔ چنانچہ جب انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار کیا، تورات کے حکم سے نکل گئے، جیسے سانپ کینچلی سے نکل جاتی ہے۔ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ: جو قصے ہم تمہیں وحی کے ذریعے بھیجتے ہیں، اپنی امت سے بیان کرو تاکہ وہ ان میں غور و فکر کریں اور نصیحت حاصل کریں۔ سَاۗءَ مَثَلَا الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا: اللہ کی آیات کو جھٹلانے والی قوم کی مثال بہت بری مثال ہے۔ وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ: انہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلا کر اپنے اوپر ہی ظلم کیا ہے۔ چنانچہ اس کا وبال کہیں اور نہیں پڑے گا۔ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ: یعنی اللہ جس شخص کو ہدایت دیتا ہے، وہ خوش قسمت ہے اور اللہ اسے توفیق دیتا ہے اور جس شخص کو گمراہ کرتا ہے وہ حقیقت میں محروم اور خسارہ پانے والا ہے۔ غرض اس سے یہ ہے کہ ہدایت اور گمراہی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ: ہم نے جنات اور انسانوں میں سے کثیر مخلوق کو جہنم کے لیے پیدا کیا ہے تاکہ اس کا ایندھن بن جائیں۔ جن و انس سے وہ جہنمی ہیں جن کے حق میں بدبختی ازل ہی سے لکھ دی گئی ہے۔ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا: ان کے پاس ایسے دل ہیں جن سے حق بات سمجھتے نہیں۔ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا: ان کے پاس ایسی آنکھیں ہیں جن سے اللہ کی قدرت

---

[1] التسہیل ۲/ ۵۴

کے دلائل عبرت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا: ان کے پاس ایسے کان ہیں، جن سے وہ سنتے نہیں۔ ان کے کانوں میں سماعت کی قوت تو تھی مگر سن کر غور وفکر نہیں کرتے تھے نصیحت نہیں حاصل کرتے تھے۔ آیت میں کلی طور پر دیکھنے سننے کی نفی کرنا مراد نہیں بلکہ نفع کی نفی کی گئی ہے۔ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ: عدم فہم، عدم بصر اور عدم سماعت میں یہ لوگ حیوانات کے مترادف ہیں، بلکہ جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں۔ کیوں کہ جانور نفع نقصان میں تمیز کرتے ہیں جب کہ یہ لوگ نفع ونقصان میں تمیز نہیں کرتے۔ اسی لیے انہیں دوزخ میں دھکیلا جائے گا۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ: یہ لوگ غفلت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

اسمائے حسنیٰ کے ساتھ دعا کا حکم

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا:...... اللہ کے مختلف نام ہیں جو نہایت اچھے اور باعظمت ہیں۔ چنانچہ ان اسما کے اچھے اور عمدہ معنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو انہی اسما کے ساتھ موسوم کرو۔ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ: ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اللہ کے ناموں کے بارے میں حق سے منہ موڑ لیتے ہیں جیسا کہ مشرکین کا غلط رویہ تھا کہ وہ اللہ کے اسما سے اپنے معبودان کے لیے نام مشتق کر لیتے تھے، جیسے اللہ سے لات مشتق کیا، عزیز سے عزیٰ اور منان سے منات۔ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ: آخرت میں وہ اپنے اعمال کا بدلہ پائیں گے۔ وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ: ہماری پیدا کردہ امتوں میں سے ایک امت ایسی بھی ہے جو قول وعمل میں اللہ کی شریعت کو مضبوطی سے پکڑے رکھتی ہے، لوگوں کو حق کی طرف بلاتی ہے اور حق پر عمل پیرا ہے اور حق کے ساتھ فیصلے کرتی ہے۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: آیت میں امت سے مراد امت محمدیہ ہے کیوں کہ حدیث میں آتا ہے۔ میری امت میں سے ایک جماعت برابر حق پر قائم رہے گی جو انہیں بے یار ومددگار چھوڑے گا وہ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اور ان کا مخالف بھی انہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ ہو جائے اور وہ اسی حالت پر قائم ہوں گے۔ [1] یہ جماعت کسی ایک زمانے اور ایک جگہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر زمانے میں اور ہر جگہ موجود ہے۔ حدیث میں امت محمدیہ کو عظیم بشارت دی گئی ہے کہ اسلام اشرف و اعلیٰ مذہب ہے اور اس کے ماننے والے بھی افضل واعلیٰ ہیں اور یہ مرتبہ تاقیامت قائم رہے گا۔

مکذبین کے لیے استدراج اور ڈھیل

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ:...... اہل مکہ اور ان کے علاوہ جو لوگ قرآن کی تکذیب کے مرتکب ہوئے ہم ان کی تھوڑی داروگیری کریں گے اور پھر انہیں ہلاکت کے قریب کر دیں گے اور انہیں اس کا شعور بھی نہیں ہوگا۔ بیضاوی کہتے ہیں: انہیں مہلت یوں دی گئی کہ انہیں نعمتیں دی گئیں، وہ سمجھے ہمارے اوپر تو اللہ کا لطف وکرم ہے۔ وہ روز بروز تکبر، خودغرضی اور سرکشی میں بڑھتے ہی چلے گئے۔ یہاں تک کہ ان پر عذاب کا حکم ثابت ہو گیا۔ [2] وَاُمْلِيْ لَهُمْ: میں انہیں مہلت دیتا ہوں، پھر ان کی زبردست پکڑ کروں گا، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے اور جب اس کی پکڑ ہوتی ہے تو بچ نہیں پاتا۔ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ: میری پکڑ اور میرا عذاب بہت سخت ہے۔ پکڑ وعذاب کو ''کید'' (مکروفریب) سے تعبیر کیا گیا ہے، چوں کہ اس کا ظاہر اچھا اور باطن نری رسوائی ہوتا ہے۔ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ: اللہ کی آیات کو جھٹلانے والے یہ لوگ غور وفکر نہیں کرتے اور یہ نہیں سمجھتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جنوں کا اثر نہیں بلکہ وہ تو اللہ کے سچے رسول ہیں۔ اللہ نے انہیں جھٹلانے والوں کی ہدایت کے لیے بھیجا ہے۔ آیت میں مشرکین کی غلط بیانی کی تردید ہے وہ کہا کرتے تھے کہ محمد پر جنوں کا اثر ہے، جیسا کہ قرآن نے بھی ان کا قول حکایت کیا ہے۔ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ۔ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ: محمد تو پیغمبر ہے اور ڈرسنانے والا ہے، اس کا معاملہ عقل مند اور دل والے کے لیے بالکل واضح ہے۔ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: اللہ کی وسیع بادشاہت میں یہ لوگ استدلال کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ بہت سارے دلائل موجود ہیں جو اس کی عظیم بادشاہت اور کمال قدرت پر دلالت کرتے ہیں۔

---

[1] المختصر ۲ / ۲۰ والحدیث فی الصحیحین [2] البیضاوی، ص ۲۰۵

استفہام برائے انکار و تعجب و توبیخ ہے۔ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ: اللہ کی ساری مخلوقات میں اور دقیق سے دقیق چیز میں بھی نہیں دیکھتے کہ پھر اس کے ذریعے صانع کی قدرت کاملہ اس کی عظیم الشان بادشاہت، اس کی یکتائی اور ایجاد و ابداع پر استدلال کریں؟ وَّاَنْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ: یہ کہ غور و فکر کریں کیوں کہ وہ عنقریب مرجائیں گے، اس لیے جلد از جلد غور و تدبر کرلیں تاکہ موت آنے سے پہلے اللہ کے ہاں ان کی خلاصی کا سامان ہو سکے۔ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ: بھلا قرآن کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے۔ جب انہوں نے قرآن پر ایمان نہیں لایا حالاں کہ یہ کتاب نہایت واضح اور کھلی ہے۔ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ: اللہ جس کے مقدر میں گمراہی لکھ دیتا ہے، اسے کوئی بھی ہدایت نہیں دے سکتا۔ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ: اللہ ایسے لوگوں کو بے یار و مددگار کفر اور سرکشی میں چھوڑ دیتا ہے۔ وہ اس میں حیران و پریشان بھٹکتے پھرتے ہیں۔

بلاغت: وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ:...... میں متکلم سے مخاطب کی طرف التفات ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کی عظمت شان بیان کرنا مقصود ہے اور رَبُّكَ: میں اضافت برائے تکریم و تشریف ہے۔ آیت میں اجمال کے بعد تفصیل ہے۔ فَانْسَلَخَ مِنْهَا: یعنی کلی طور پر نکل گئے، جیسے کھال بکری سے جدا کرلی جاتی ہے۔ ابوالسعود کہتے ہیں: خروج کو انسلاخ سے اس لیے تعبیر کیا گیا، تاکہ کمال اتصال کے بعد کمال مباینت واضح ہو جائے۔ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ: میں تشبیہ تمثیلی ہے۔ یعنی نہایت بدحالی کی مثال حقیر ترین جانور کی حالت کے ساتھ دی گئی ہے کہ تھکاوٹ اور راحت کی حالتوں میں یہ جانور ہانپنے کی حالت میں بدستور رہتا ہے۔ چنانچہ متعدد سے صورت منتزع ہوتی ہے، اسی لیے اسے تشبیہ تمثیلی کا نام دیا گیا ہے۔ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ میں تشبیہ مرسل ہے۔

فائدہ:...... آیت کریمہ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى: کے متعلق ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اگر انسان جواب میں بَلٰى کے بجائے نَعَمْ کہتے تو کفر کر بیٹھتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نَعَمْ مخبر نفی کی تصدیق کے لیے یا مخبر ایجاب کی تصدیق کے لیے آتا ہے، گویا نَعَمْ کہنے کی صورت میں اقرار کرلیتے کہ اللہ ان کا رب نہیں ہے۔ بخلاف بَلٰى کے کیوں کہ بَلٰى صرف جواب ہے جو نفی کے ساتھ خاص ہے اور ابطال نفی کا فائدہ دیتا ہے۔ چنانچہ معنی ہوا بلٰی انت ربنا بے شک تو ہمارا رب ہے اور اگر جواب میں نعم کہتے، معنی ہوتا جی ہاں تو ہمارا رب نہیں ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول میں یہی دقیق نکتہ ہے اور اسی پر متنبہ کیا ہے۔

تنبیہ:...... حدیث شریف میں ہے: اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جو انہیں یاد کرے گا جنت میں داخل ہو جائے گا۔ (رواہ الترمذی)

علما نے معنی بیان کیا ہے کہ جو شخص ان اسما کو یاد کرے گا اور ان کے مدلولات میں غور و فکر کرے گا جنت میں داخل ہو جائے گا۔ حدیث میں اسما کو ننانوے کے عدد میں محصور کرنا مراد نہیں۔ کیوں کہ دوسری حدیث میں ہے: میں ہر اس نام کے ذریعے تجھ سے سوال کرتا ہوں، جس سے تو نے اپنے آپ کو موسوم کیا ہے یا علم غیب میں اس نام کو تو نے ترجیح دی ہے۔ ابن عربی نے بعض علما سے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار اسما ہیں۔

کفار کا وقوع قیامت سے متعلق استہزا اور ان کے عقائد باطلہ کا تذکرہ

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ۭ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ۭ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٧﴾ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۖ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿١٨٨﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا

حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ
الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۸۹﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾ اَيُشْرِكُوْنَ
مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾ وَاِنْ
تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ۭ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ اَلَهُمْ
اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ
يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾ اِنَّ وَلِيِّۦَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ښ
وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾
وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ۭ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾ خُذِ
الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ
اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾
وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ۭ قُلْ
اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ وَاِذَا قُرِئَ
الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ
الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ
عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ السجدۃ

ع ۲۴ ۱۸ ۱۴ — السجدۃ الاولیٰ

ترجمہ:...... وہ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ اس کا واقع ہونا کب ہے؟ آپ فرما دیجیے کہ اس کا علم صرف میرے رب ہی کے پاس ہے اسے اس کے وقت پر وہی ظاہر فرمائے گا، وہ آسمانوں میں اور زمین میں بھاری پڑ جائے گی، تمہارے پاس اچانک ہی آ جائے گا وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ گویا آپ اس کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کر چکے ہیں، آپ فرما دیجیے کہ اس کا علم صرف اللہ ہی کے پاس ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ (۱۸۷) آپ فرما دیجیے کہ میں اپنی جان کے لیے کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں ہوں مگر اتنا ہی جتنا اللہ نے چاہا، اور اگر میں غیب کو جانتا ہوتا تو بہت سے منافع حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی ناگوار چیز نہ پہنچتی، میں تو ان لوگوں کو صرف بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہوں جو ایمان رکھتے ہیں۔ (۱۸۸) وہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنا دیا تاکہ وہ اس کے پاس ٹھکانہ پکڑے۔ پھر جب اس نے جوڑے کو ڈھانکا تو عورت کو ہلکا سا حمل رہ گیا۔ پھر وہ اس کو لیے ہوئے چلتی پھرتی رہی۔ پھر جب وہ بوجھل ہو گئی تو دونوں اللہ سے دعا کرنے لگے جو ان کا رب ہے کہ اگر آپ نے ہمیں صحیح سالم بچہ عطا فرما دیا تو ہم شکر کرنے والوں میں سے ہوں گے۔ (۱۸۹) پھر جب اللہ نے ان کو صحیح سالم بچہ

عطا فرما دیا تو جو چیز ان کو عطا فرمائی اس میں اللہ کے لیے شریک قرار دینے لگے، سواللہ برتر ہے ان کے شریک بنانے سے۔ (۱۹۰) کیا وہ لوگ ان کو شریک بناتے ہیں جو کچھ پیدا نہیں کرتے اور وہ پیدا کیے جاتے ہیں (۱۹۱) اور وہ ان کی مدد پر قدرت نہیں رکھتے اور نہ وہ اپنی جانوں کی مدد کر سکتے ہیں، (۱۹۲) اور اگر تم ان کو ہدایت کی طرف بلاؤ تو تمہارے کہنے پر نہ چلیں گے برابر ہے تم ان کو پکارو یا تم خاموش رہو، (۱۹۳) بے شک تم جن کو اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تمہارے جیسے بندے ہیں سو تم ان کو پکارو پھر وہ تمہاری پکار کو قبول کر لیں اگر تم سچے ہو؟ (۱۹۴) کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہیں یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑتے ہیں یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں یا ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہیں؟ آپ فرما دیجیے کہ اپنے شریکوں کو بلالو، پھر میرے بارے میں ضرر پہنچانے کی جو تدبیر کر سکتے ہو کر لو اور پھر مجھے مہلت نہ دو، (۱۹۵) بے شک میرا مددگار اللہ ہے جس نے کتاب نازل فرمائی اور وہ نیک بندوں کی مدد فرماتا ہے، (۱۹۶) اور جن لوگوں کو اس کے سوا تم پکارتے ہو وہ تمہاری مدد نہیں کر سکتے اور نہ وہ اپنی جانوں کی مدد کر سکتے ہیں، (۱۹۷) اور اے مخاطب! اگر تو ان کو ہدایت کی طرف پکارے تو وہ نہ سنیں گے اور تو سمجھے گا کہ وہ تجھے دیکھ رہے ہیں، حالانکہ وہ نہیں دیکھ رہے ہیں۔ (۱۹۸) معاف کرنے کو اختیار کیجیے اور نیک کاموں کا حکم دیجیے اور جاہلوں سے کنارہ کیجیے (۱۹۹) اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیجئے۔ بلاشبہ وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ (۲۰۰) بلاشبہ جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں جب ان کو شیطان کی طرف سے کوئی خطرہ پہنچ جاتا ہے تو وہ ذکر میں لگ جاتے ہیں۔ سو اچانک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں (۲۰۱) اور جو لوگ شیاطین کے بھائی ہیں شیاطین ان کو گمراہی میں کھینچے چلے جاتے ہیں، سو وہ کمی نہیں کرتے۔ (۲۰۲) اور جب آپ ان کے پاس کوئی نشانی نہ لائیں تو کہتے ہیں کہ آپ نے یہ معجزہ کیوں نہ اختیار کیا، آپ فرما دیجیے میں تو صرف اس کا اتباع کرتا ہوں جو میرے رب سے میری طرف وحی کی جاتی ہے، یہ تمہارے رب کی طرف سے بصیرت کی باتیں ہیں اور ہدایت ہیں اور رحمت ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔ (۲۰۳) اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ (۲۰۴) اور اپنے دل میں عاجزی کرتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے اور ایسی آواز سے اپنے رب کو یاد کیجیے جو زور کی بات سے کچھ کم ہو صبح کے وقت اور شام کے اوقات میں، اور غفلت والوں میں سے مت ہو جانا۔ (۲۰۵) بے شک جو لوگ آپ کے رب کے نزدیک ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور اس کو سجدہ کرتے ہیں۔ (۲۰۶)

ربط وتعارف:...... قبل ازیں دعوت رسول ﷺ کی استہزا کرنے والوں اور مذاق اڑانے والوں کے موقف کا تذکرہ ہوا ہے۔ اب یہاں کفار کے بغض وعناد کی ایک صورت بیان کی جارہی ہے کہ وہ قیامت کے قائم ہونے کے متعلق سوال کر کے مزید استہزا کے مرتکب ہوئے ہیں، اس کے بعد بتوں کی عبادت کے متعلق مشرکین کے عقیدے کے بطلان پر دلائل و براہین ذکر کیے گئے ہیں۔ سورت کے اختتام پر عظمت قرآن پر روشنی ڈالی گئی ہے اور تاکید کی گئی ہے کہ تلاوت قرآن کے وقت خاموشی سے تلاوت سنی جائے۔

لغات: مُرْسٰهَا:...... استقرار ہونا، حصول ہونا، ارساہ ثابت کرنا، مقولہ ہے رست السفینۃ کشتی رک گئی۔ يُجَلِّيْهَا: وہ اسے ظاہر کرتا ہے۔ التجلیۃ کشف واظہار۔ حَفِيٌّ: الحفی۔ کسی مسئلہ کی تہہ تک پہنچنا، کسی معاملہ میں پوری کوشش کرنا۔ اعشی کہتا ہے:

فان تسالنی عنی فیا رب سائل حفی عن الاعشی بہ حیث اصعدا [1]

اگر تم میرے بارے میں سوال کرتے ہو تو اعشی کے بارے میں بہت سارے سوال کرنے والے جو معاملے کی تہہ تک پہنچتے ہیں، پوچھتے ہیں کہ وہ کہاں جاتا ہے۔ الإحفاء تہ تک پہنچنا، کھوج لگانا، اسی سے ہے احفاء الشوارب مبالغہ کر کے مونچھیں کاٹنا۔ حفی عن الشی کسی چیز کو معلوم کرنے کے لیے کھوج لگانا، تحقیق کرنا۔ العرف: المعروف، ہر اچھی خصلت جس کو عقل پسند کرے اور دل اس پر مطمئن ہو۔ الآصال: اصیل کی جمع ہے۔ جوہری کہتے ہیں: عصر کے بعد مغرب تک کے وقت کو اصیل کہا جاتا ہے۔ [2]

شان نزول:...... مشرکین نے نبی کریم ﷺ سے کہا: اگر تم سچے نبی ہو تو ہمیں بتاؤ کہ قیامت کب آئے گی؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا [3]

---

[1] القرطبی ۷/۳۳۶ [2] الصحاح مادہ اصل [3] القرطبی ۷/۳۳۵

وقوع قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے

تفسیر: يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ: ...... اے محمد! لوگ تم سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا: کہ قیامت کا وقوع کب ہوگا؟ قیامت کو الساعۃ اس لیے کہا جاتا ہے کیوں کہ قیامت میں حساب بہت جلد چکا دیا جائے گا جب کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ (سورۃ النحل، آیت ۷۷) اور قیامت کا معاملہ بس ایسا ہوگا جیسے آنکھ کا جھپکنا، بلکہ اس سے بھی جلدی۔ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ: اے محمد! ان لوگوں سے کہو: قیامت کے وقوع کا وقت صرف اللہ جانتا ہے۔ اس کی مزید تاکید میں فرمایا۔ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ: قیامت کو کھول کر لوگوں کے سامنے صرف رب تعالیٰ ہی ظاہر کرے گا وہی قیامت کے وقت سے آگاہ ہے۔ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: اہل آسمان اور اہل زمین پر قیامت نہایت گراں چیز ہے، کیوں کہ لوگ قیامت سے نہایت ڈرتے اور سہمے ہوتے ہیں اور اس کی ہولناکیوں اور شدائد سے سخت خوفزدہ ہوتے ہیں۔[1] لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً: قیامت تمہارے او پر اچانک واقع ہوگی۔ تمہیں پتہ ہی نہیں ہوگا کہ یکا یک قیامت آجائے گی۔ (نسخہ میں آیت کا یہ حصہ کاتب کی غلطی سے رہ گیا ہے)۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا: ...... اے محمد! تم سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں، گویا تم کثرت سے اس کے بارے میں پوچھتے ہو اور اس کے وقوع کی جان پہچان میں انہماک سے لگے ہو اور تم نے اس کی پوری تحقیق کر رکھی ہے۔ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ: قیامت کے وقوع کا وقت صرف اللہ جانتا ہے، کیوں کہ قیامت امور غائبہ میں سے ہے، جو ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ: لیکن اکثر لوگ اس سبب کو نہیں جانتے، جس کی وجہ سے قیامت کو پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ امام فخر الرازی کہتے ہیں: انسانوں سے قیامت کو مخفی رکھنے میں یہ حکمت ہے تا کہ لوگ طاعت و عبادت کی طرف مائل رہیں اور معصیت سے رکے رہیں اور لوگوں پر قیامت کا خوف چھایا رہے۔[2] قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ: میں اپنی ذات کے لیے جلب خیر اور دفع شر کا اختیار نہیں رکھتا ہوں، ہاں مگر اللہ کی مشیت سے، بھلا قیامت کے علم کا اختیار مجھے کیسے حاصل ہوسکتا ہے؟ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ: اگر میں امور غیب کو جانتا ہوتا تو مجھے دنیا کے کثیر منافع اور مال حاصل ہوتا اور میں دنیا کے مصائب و آلام اپنے سے دور کرتا اور آسانی سے اپنا دفاع کر سکتا۔ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ: اگر میں غیب کا علم رکھتا مصیبت و پریشانی سے اپنی حفاظت کر سکتا، لیکن مجھے غیب کا علم نہیں اس لیے خیر و شر کا مجھے سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ: میں تو بس اللہ کا بندہ اور پیغمبر ہوں تا کہ لوگوں کو ہوشیار کروں اور بشارت سناؤں لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ: ان لوگوں کے لیے جو اللہ کے پاس سے لائی ہوئی میری تعلیمات کی تصدیق کرتے ہیں۔

تخلیق حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا رضی اللہ عنہا

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ: ...... اللہ تعالیٰ جس کی عظمت شان یہ ہے کہ صرف اسی نے تم سب کو بغیر کسی مددگار و معاون کے ایک ہی جان یعنی آدم علیہ السلام سے پیدا کیا۔ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا: اور آدم سے حوا کو پیدا کیا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا: تا کہ آدم کو اطمینان حاصل ہو اور حوا سے مانوس ہے۔ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا: جب آدم نے حوا سے ہمبستری کی تو حوا نے حمل کا ہلکا سا بوجھ اٹھالیا اور اس میں کوئی اضطراب و بے قراری نہیں تھی، کیوں کہ شروع میں حمل نطفہ کی صورت میں ہوتا ہے۔ ابوسعود کہتے ہیں: جب حمل نطفہ یا خون کی صورت میں ہوتا ہے وہ بعد کے مراحل سے ہلکا ہوتا ہے۔ حمل کے ہلکے پن کو بیان کرنے سے مقصد یہ ہے کہ انسان کی تخلیق مختلف مراحل سے گزر کر بتدریج ہوتی ہے اور انسان عدم سے وجود میں اور ضعف سے قوت میں آتا ہے۔ حقیقت میں یہ بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے۔[3] فَمَرَّتْ بِهٖ: یہ حمل وقت ولادت تک برابر رہا۔ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ: جب حمل بوجھ ہو گیا اور وہ پیٹ میں حمل بڑا ہوجانے کی وجہ سے بوجھ محسوس کرنے لگی۔ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا: ان دونوں نے اللہ جو ان کا پروردگار ہے کو پکارا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ: اگر تو نے ہمیں اولاد صالح جو خلقت میں بھی صحیح ہو عطا فرمائی تو ہم تیری نعمتوں پر تیرا شکر ادا کریں گے۔

---

[1] یہ قتادہ کا قول ہے۔ مفسرین نے دوسرا معنی یہ بیان کیا ہے کہ اہل آسمان اور اہل زمین پر قیامت کا علم پوشیدہ ہے۔ [2] الفخر الرازی ۴/ ۸۴ [3] ابوالسعود ۲

شرک کی مذمت

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا:...... جب اللہ نے ان کو صالح اور تندرست بیٹا عطا فرمایا۔ جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا: تو اس اولاد نے اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرا دیا اور بتوں کی پوجا کرنے لگی۔[۱] فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ: مشرکین اللہ کی طرف جن مشرکانہ باتوں اور عقائد کو منسوب کرتے ہیں اللہ ان تمام سے پاک و منزہ اور برتر ہے۔[۱] اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا: استفہام برائے توبیخ ہے، یعنی اللہ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہراتے ہیں جو سرے سے ہی کسی چیز کے پیدا کرنے کی قدرت ہی نہیں رکھتیں۔ وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ: حال یہ ہے کہ یہ بت اور یہ معبودان بذات خود مخلوق ہیں۔ بھلا یہ لوگ ان کی عبادت کیسے کرتے ہیں؟ قرطبی کہتے ہیں: ضمیر واؤ اور نون کے ساتھ جمع لائی گئی ہے، کیوں کہ مشرکین کا عقیدہ تھا کہ بت نفع و نقصان کے مالک ہیں اس لیے بتوں کو انسانوں کے قائم مقام بنایا گیا ہے۔[۲]

بتوں کی پوجا خلاف عقل ہے

وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا:...... یہ بت اپنے عبادت کرنے والوں کی مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ: اور اگر کوئی شخص بتوں کے بارے میں غلط ارادہ رکھتا ہو تو بت اپنی مدد نہیں کر سکتے کہ اپنے آپ کو بچا سکیں۔ بت تو نہایت درجے کے عاجز اور بے ہمت ہیں۔ بھلا بت خدا کیوں کر ہو سکتے ہیں؟ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ: اور اگر بتوں کو خیر و بھلائی کی دعوت دی جائے تو وہ کوئی جواب نہیں دیتے کیون کہ وہ نرے جمادات ہیں۔ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ: عدم افادہ (فائدہ نہ پہنچانے) میں تمہارا پکارنا اور خاموش رہنا برابر ہے۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: یعنی یہ بت پکارنے والے کی پکار کو نہیں سنتے۔ ان کے لیے پکارنے والا اور دھتکارنے والا برابر ہے، جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا: يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا (سورہ مریم، آیت ۴۲) اے میرے باپ! تم ایسی چیز کی کیوں عبادت کرتے ہو جو نہ کچھ سنتے ہیں، نہ کچھ دیکھتے ہیں اور نہ تمہارے کچھ کام آسکتے ہیں۔ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ: اللہ کے علاوہ جن بتوں اور معبودوں کو تم پوجتے ہو، وہ تمہاری طرح کی مخلوق ہیں بلکہ انسان تو ان سے افضل ہے، چوں کہ انسان سنتا ہے، دیکھتا ہے اور چھو سکتا ہے جب کہ مشرکین کے معبودان میں اس طرح کی کوئی صفت نہیں۔ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ: عاجز قرار دینے کے طور پر امر ہے، یعنی جلب منفعت اور دفع مضرت کے لیے انہیں پکارو، کیوں کہ تم انہیں اپنا معبود سمجھتے ہو۔[۳]

---

[۱] آیت کی تفسیر میں ہم نے یہ رائے واضح ہونے کی وجہ سے اختیار کی ہے اور محققین اہل علم نے اسی رائے کو راجح قرار دیا ہے۔ بعض مفسرین کی رائے ہے کہ آیت کریمہ جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ میں تثنیہ کی ضمیر آدم و حوا کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اس کی تائید میں مختلف احادیث و آثار بھی روایت کیے ہیں، جن میں سے ایک حدیث سمرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے کہ جب حوا کے ہاں لڑکا پیدا ہوا تو ان کے پاس ابلیس نے چکر لگانے شروع کر دیے۔ حوا علیہا السلام کی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی۔ چنانچہ ابلیس نے کہا کہ بچے کا نام ''عبدالحارث'' رکھو تو وہ زندہ رہے گی۔ حوا علیہا السلام نے لڑکے کا نام عبدالحارث رکھا اور وہ زندہ رہا اور یہ شیطان کا مکر و فریب تھا۔ رواہ احمد والترمذی، حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو معلول قرار دیا ہے اور پھر حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے ذکر کیا کہ یہ آدم و حوا کا واقعہ نہیں بلکہ کسی امت کے دو افراد کا قصہ ہے۔ اس کے بعد ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ہم حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کو اپناتے ہیں اور سیاق آیات میں آدم و حوا مراد نہیں ہے بلکہ مراد مشرکین ہیں کیوں کہ آیت کے آخر میں ہے۔ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ: میں کہتا ہوں یہی حق ہے۔ [۲] القرطبی ۷/ ۳۴۱ [۳] حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: حضرت معاذ بن جبل اور حضرت معاذ بن عمرو بن جموح نے اسلام قبول کیا۔ یہ دونوں نوجوان تھے اور رات کو اٹھ کر مشرکین کے بت توڑ دیتے تھے۔ چنانچہ عمرو بن جموح کا بھی ایک بت تھا جسے خوشبو میں معطر کر کے پوجتے۔ یہ دونوں رات کو آتے اور بت الٹا لٹکا کر اسے پلیدی میں لتھیڑ دیتے۔ عمرو بن جموح صبح اسے دھو کر پھر پوجنا شروع کر دیتے۔ ایک رات ان دونوں نے بت پلیدی میں لتھیڑا اور پھر مردہ کتے کے ساتھ ملا کر کنویں میں لٹکا دیا۔ صبح کو عمرو بن جموح تلاش کرتے آئے اور اس حالت میں دیکھا تو فوراً پکار اٹھے کہ میرا دین باطل ہے اور یہ شعر پڑھا:

تاللّٰہ لو کنت آلھا مستدن   لم تك والکلب جمیعا فی قرن

ترجمہ:...... ''اللہ کی قسم! اگر تو خدا ہوتا تو آج کتے کے ساتھ نہ ملا ہوتا۔''

انہوں نے اسلام قبول کیا اور غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔

اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ:...... توبیخ کے بعد توبیخ ہے۔اسی طرح استفہام بھی برائے توبیخ مزید ہے یعنی کیا ان بتوں کے پاؤں اور ٹانگیں ہیں، جن سے یہ چلتے ہیں؟ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ ۔ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۔ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ: یا کیا ان کے کان ہیں جن سے آوازیں سنتے ہیں؟ اس سے غرض مشرکین کی جہالت اور کم عقلی بیان کرنا ہے۔ کیوں کہ ایسے جمادات جو نہ سنتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں اور نہ کچھ فائدہ پہنچاتے ہیں کی عبادت کوئی عقلمند شخص نہیں کرتا۔ ان بتوں کے تو حواس ہی مفقود ہیں۔ یہ اپنے عبادت کرنے والوں کو کیا دے سکتے ہیں؟ بتوں سے تو انسان صدہا وجوہ کی بنا پر افضل ہے۔ انسان میں عقل ہے، حواس ہیں بلکہ افضل گھٹیا چیز کی عبادت میں کیسے مشغول ہو گیا، جس سے کسی فائدہ کی توقع نہیں اور نہ وہ جلب منفعت کا مالک ہے نہ ہی دفع مضرت کا۔ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ: اے محمد! مشرکین سے کہہ دیجیے! اپنے بتوں کو پکارو اور ان سے مدد طلب کرتے رہو۔ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ: تم اپنی جہد مسلسل جاری رکھو، اس حال میں کہ وہ میرے لیے مکر و فریب میں لگے ہیں، مجھے اذیت اور نقصان پہنچانے کے درپے ہیں اور مجھے لمحہ بھر کے لیے بھی مہلت دینے کو تیار نہیں۔ سو مجھے تمہاری کوئی پرواہ نہیں، چوں کہ مجھے اللہ پر بھروسہ ہے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: مشرکین رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے معبودان سے ڈراتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مسکت جواب دینے کا حکم دیا۔

اِنَّ وَلِيِّ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ:...... میری مدد اور میری حفاظت کا ذمہ دار تو صرف اللہ ہے، جس نے مجھ پر قرآن نازل کیا ہے۔ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ: اور اللہ تعالیٰ ہی اپنے نیکوکار بندوں کی حفاظت و تائید کا ذمہ دار ہے اور وہی دنیا و آخرت میں ان کا حمایتی اور مددگار ہے۔ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ: اوپر کا مضمون دوبارہ ذکر کیا گیا ہے۔ یہ بات بیان کرنا مقصود ہے کہ مشرکین جن خداؤں کی عبادت کرتے ہیں وہ جلب منفعت اور دفع مضرت کے مالک نہیں۔ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا: اور اگر تم ان بتوں کو ہدایت کی طرف بلاؤ وہ تمہاری پکار نہیں سنیں گے چہ جائے کہ تمہاری مدد کریں۔ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ: تم انہیں اپنے سامنے (بالمقابل) اس طرح دیکھو گے کہ وہ بنائی گئی آنکھوں سے تمہیں دیکھ رہے ہیں حالانکہ یہ جمادات ہیں، دیکھ نہیں سکتے، کیوں کہ ان کے پاس صرف صورتاً آنکھیں ہیں حقیقت میں ان سے کسی چیز کو نہیں دیکھ سکتے۔

مکارم اخلاق کا حکم

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ:...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکارم اخلاق کا حکم دیا جا رہا ہے۔ لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے اور معاشرت میں درگزر سے کام لو۔ ابن کثیر کہتے ہیں: یہ زیادہ مشہور قول ہے۔ اس کی تائید جبرئیل علیہ السلام کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ جو شخص آپ پر ظلم کرے اسے معاف کر دو اور جو شخص آپ کو محروم رکھے اسے عطا کرو اور جو شخص آپ سے قطع تعلق کرے اس کے ساتھ رشتہ جوڑو۔ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ: اچھی بات لو، اچھے فعل کا لوگوں کو حکم دو۔ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ: بے وقوفوں کے ساتھ انہی کے طرز عمل سے پیش نہ آؤ بلکہ ان کے ساتھ بردباری سے پیش آؤ۔ قرطبی کہتے ہیں: آیت میں اگرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے۔ حقیقت میں ساری مخلوق کی تادیب کی جا رہی ہے۔[1] وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ: اے محمد! اگر شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آ جائے اور حق کے معاملے میں شک پڑ جائے۔ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ: تو فوراً اللہ کی پناہ مانگو اور وسوسہ دور کرنے کے لیے اللہ کا سہارا لو۔ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ: یعنی جو تم کہتے ہو، اللہ اسے سنتا ہے اور جو کچھ تم کہتے ہو اسے جانتا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا: درحقیقت جو لوگ تقویٰ کی صفت کے ساتھ متصف ہوتے ہیں۔ اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ: جب شیطان کی طرف سے انہیں کوئی وسوسہ پہنچتا ہے اور اس کی طرف سے کوئی خیال ان کے گرد گھومتا ہے۔ تَذَكَّرُوْا: تو وہ اللہ کے عذاب اور ثواب کو یاد کر لیتے ہیں۔ فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ: چنانچہ وہ نور بصیرت سے حق کو دیکھ رہے ہوتے ہیں اور شیطان کے وسوسوں سے خلاصی حاصل کرتے ہیں۔ وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ: شیطان کے بھائی جو اللہ سے نہیں ڈرتے (تقویٰ نہیں اختیار کرتے) اور وہ کفار و فجار ہیں۔

[1] القرطبی ۳۴۷/۷

شیاطین انہیں گمراہ کر دیتے ہیں اور گمراہی کے راستے ان کے لیے آراستہ کر دیتے ہیں۔ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ: پھر وہ نتیجتاً شیاطین کے اغوا کاری سے بچتے نہیں (اور گمراہی میں بڑھتے ہی جاتے ہیں) وَاِذَا لَمْ تَأْتِهِمْ بِاٰيَةٍ: اور جب تم ان کے سامنے ان کی تجویز کے مطابق معجزہ پیش نہیں کرتے۔ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا: تو کہتے ہیں: اے محمد! تم نے طبع زاد اور اپنی طرف سے گھڑ کے معجزہ پیش کیوں نہیں کیا؟ دراصل کفار کا یہ اعتراض تہکم پر مبنی ہے۔ اللہ کی لعنت ہو۔ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ: اے محمد! ان سے کہہ دیجیے: مجھے اس کا اختیار حاصل نہیں کہ میں اپنی طرف سے کوئی چیز پیش کروں۔ میں تو اللہ کا بندہ ہوں۔ اللہ مجھے جو حکم دیتا ہے، بجالاتا ہوں۔ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ: یہ قرآن تمہارے رب کی طرف سے حجتوں اور براہین کا مجموعہ ہے۔ بلاشبہ یہ دوسرے معجزات سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ قرآن دل کی بصیرتوں کے بمنزلہ ہے جن کی وساطت سے حق کو دیکھا جاتا ہے اور حق کا ادراک کیا جاتا ہے۔ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ: یہ قرآن مؤمنین کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔ کیوں کہ مؤمنین قرآن کے انوار سے اقتباس کرتے ہیں اور اس کے احکام سے نفع اٹھاتے ہیں۔

قرآن سننے اور ذکر اللہ کے آداب

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا: ...... اور جب قرآن کی آیات پڑھی جائیں تو غور سے انہیں سنتے رہو اور قرآن کی عظمت وشان کے پیش نظر خاموش رہو۔ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ: تاکہ تم اللہ کی رحمت سے کامیاب ہو جاؤ۔ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ: اپنے رب کو آہستگی کے ساتھ یاد کرو، اس حال میں کہ اپنے رب کی عظمت وجلال کا دل میں استحضار ہو۔ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً: رب کے حضور عاجزی کرتے ہوئے اور اس سے ڈرتے ہوئے۔ وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ: آواز بلند کرنے اور نہایت آہستگی کے درمیان متوسط آواز سے بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ: صبح اور شام۔ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ: یعنی اللہ کے ذکر سے غفلت نہ کرنا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ: حقیقت میں جو فرشتے تمہارے رب کے پاس ہیں لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ: وہ تکبر کر کے اس کی عبادت سے اعراض نہیں کرتے۔ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ: وہ ایسی چیزوں سے اللہ کی پاکی کا اظہار کرتے ہیں جو اس کے شایانِ شان نہیں۔ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ: یعنی وہ فرشتے اللہ کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتے۔

بلاغت: كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا: ...... تشبیہ مرسل ہے اور ادات تشبیہ کا ذکر اجمالی ہے اور وجہ شبہ بھی محذوف ہے۔ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا: تَغَشّٰى (ڈھانپ لیا) جماع سے کنایہ ہے۔ یہ لطیف کنایات میں سے ہے۔ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ: میں اطناب ہے اور اس کا فائدہ توبیخ مزید ہے۔ يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ: میں شیطان کے وسوسے اور لوگوں کو گناہ پر اس کے اکسانے کو ''نزغ'' کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ اور نزغ سوئی جیسی کسی چیز کو کھال میں چبھونے کو کہا جاتا ہے۔ اس میں لطیف استعارہ ہے۔ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ: میں بلیغ تشبیہ ہے۔ اصل میں عبارت یوں ہے: هٰذَا كَالْبَصَآئِرِ: حرف تشبیہ محذوف ہے اور وجہ شبہ بھی محذوف ہے اور یہ تشبیہ بلیغ ہے۔ بعض علما کی رائے ہے کہ یہ مجاز مرسل ہے چوں کہ مسبب کا اطلاق سبب پر کیا گیا ہے کیوں کہ قرآن عقول کی روشنی کے لیے سبب ہے اور اس پر بصیرت کے لفظ کا اطلاق کیا گیا ہے۔

لطیفہ: ...... حکایت ہے کہ اسلاف میں سے کسی بزرگ نے اپنے شاگرد سے کہا: اگر تمہیں شیطان گناہوں پر اکسائے تم کیا کرو گے؟ شاگرد نے جواب دیا۔ میں اس کے ساتھ مقابلہ کروں گا اور مجاہدے سے کام لوں گا۔ شیخ نے کہا: اگر شیطان پھر حملہ کرے؟ شاگرد نے کہا: میں اس کا مقابلہ کروں گا۔ شیخ نے کہا: اگر معاملہ طول پکڑ جائے۔ مجھے بتاؤ اگر تم بکریوں کے پاس سے گزر رہے ہو اور تمہارے اوپر بکریوں کا رکھوالا کتا بھونکنے لگے اور تمہیں گزرنے سے روک دے، تم کیا کرو گے؟ شاگرد نے جواب دیا۔ میں اسے پیچھے ہٹانے کی کوشش کروں گا۔ شیخ نے کہا: یہ سلسلہ طول بھی پکڑ سکتا ہے، لیکن تم بکریوں کے مالک سے مدد لو تاکہ وہ کتے کو پکڑ لے۔ یہ استعاذہ (اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ) کا فائدہ ہے۔

بحمد اللہ سورۃ الاعراف کی تفسیر مکمل ہوئی۔

سورۃ الانفال

تعارف: ......سورۃ الانفال مدنی سورتوں میں سے ایک سورت ہے، جس میں شرعی احکام بیان کیے گئے ہیں، بالخصوص اس سورت میں غزوات و جہاد کے متعلق احکام بیان ہوئے ہیں۔ چنانچہ بعض غزوات کے بعد کچھ حربی پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے۔ یہ سورت بہت سارے حربی قوانین پر مشتمل ہے اور اس میں ارشادات بھی ہیں، دوران جنگ جن کی اتباع مؤمنین پر واجب ہے۔ سورت میں صلح اور جنگ کے پہلو پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ قید کرنے اور مال غنیمت کے احکام بھی اس بیان کیے گئے ہیں۔

یہ سورت غزوہ بدر کے بعد نازل ہوئی ہے۔ غزوہ بدر ہی تاریخ اسلام میں افتتاحی غزوہ تھا۔ غزوہ بدر ہی میں پہلی پہلی بار اللہ تعالیٰ کا لشکر مسلمانوں کی نصرت کے لیے زمین پر اترا تھا۔ یہی وجہ ہے بعض صحابہ اس سورت کو "سورۃ بدر" کے نام سے موسوم کرتے تھے، کیوں کہ اس سورت میں غزوہ بدر کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور اس میں جنگ کا تفصیلی خاکہ بھی پیش کیا گیا ہے۔ سورت میں بیان کیا گیا ہے کہ مسلمان پر بہادری، دلیری، شجاعت، جرأت مندی اور باطل کے سامنے ڈٹ جانا واجب ہے۔

غزوہ بدر کا واقعہ ۲ ہجری میں پیش آیا۔ یہ حق و باطل کا کا پہلا معرکہ تھا۔ اسی جنگ میں کفر و ضلالت کے بخیے ادھیڑ دیے گئے اور کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کو نجات ملی جو نہایت ضعف کے عالم میں کفار کے ساتھ مکہ میں مجبور و مقہور رکے ہوئے تھے اور اللہ کے حضور گڑگڑا کر دعا کرتے تھے کہ وہ انہیں ظالموں کی بستی سے نجات دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر میں ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کی خلاصی کے لیے حالات سازگار ہوئے۔ باوجودیکہ مسلمانوں کی تعداد کم تھی۔ اللہ نے مسلمانوں کو فتح سے سرفراز کیا۔ مسلمانوں کی نفری میں کمزور لوگ بھی تھے اور جنگی تیاری بھی معدوم تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بسا اوقات باطل کے مددگاروں کو طویل مہلت مل جاتی ہے۔ ان کی شوکت قوت یافتہ ہوتی ہے۔ اس کا رعب زیادہ ہوتا ہے۔ بایں ہمہ ایک نہ ایک دن انہیں حق کی عظمت وجلال اور قوت ایمان کے آگے جھکنا ہی پڑتا ہے۔ غزۂ بدر میں بھی کچھ اسی طرح کا سماں بندھا، مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور کفار شکست سے دوچار ہوئے۔

اہل ایمان کو صفت ایمان کے ساتھ چھ بار ندا

سورت میں مؤمنین کو چھ بار صفت ایمان کے ساتھ متصف کر کے ندا دی گئی ہے۔ یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا: گویا دشمنان خدا کے ساتھ نبرد آزما ہونے میں مسلمانوں کو صبر اور ثابت قدمی کی ترغیب دی جارہی ہے اور مسلمانوں کو یاددہانی کروائی جارہی ہے کہ انہیں جن تکالیف کا حکم دیا جارہا ہے۔ یہ ایمان کے مقتضایات میں سے ہیں اور یہ کہ فتح کا سبب ایمان ہے، اسلحہ اور جنگجوؤں کی کثرت نہیں۔

پہلی ندا میں مسلمانوں کو معرکہ میں فرار سے ڈرایا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے: یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ: اے ایمان والو! جب جنگ میں کفار سے تمہارا مقابلہ ہوجائے تو پیٹھ پھیر کر مت بھاگو۔ آیت میں دشمن کے سامنے سے بھاگنے پر سخت عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

دوسری ندا میں اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس سے منہ نہ موڑو اور تم سن رہے ہو جیسا کہ آیات میں کفار کو چوپایوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو نہ کچھ سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں اور نہ ہی دعوت حق کو قبول کرتے ہیں۔

تیسری ندا میں اس امر کو واضح کیا گیا ہے کہ پیغمبر جس دین کی طرف دعوت دے رہا ہے۔ اس میں ان کی حقیقی زندگی، عزت اور دنیا و آخرت کی سعادت ہے۔ یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ: اے ایمان والو! اللہ اور رسول کا حکم مانو، جب وہ تمہیں ایسی چیز کی طرف بلائے، جس میں تمہاری زندگی ہے۔

چوتھی ندا میں اہم بات پر تنبیہ کی گئی ہے کہ دشمنوں کے سامنے امت کا راز افشا کرنا حقیقت میں اللہ، اس کے رسول اور امت سے خیانت ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ: اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے خیانت مت کرو اور اپنی امانتوں میں بھی خیانت مت کرو اور تم جانتے ہو۔

پانچویں ندا میں تقویٰ کے ثمرات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ تقویٰ ہر بھلائی کی اساس ہے۔ خدائی نور تقویٰ کے عظیم ثمرات میں سے ہے، جسے اللہ مؤمن کے دل میں ڈال دیتا ہے اور اسی نور کی وجہ سے رشد و ہدایت اور گمراہی میں فرق کیا جاتا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّیُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ: اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرو وہ تمہارے لیے امر فارق پیدا کر دے گا۔ تمہارے گناہ مٹا دے گا اور تمہاری بخشش کرے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

چھٹی ندا میں طریقہ عزت اور فتح و نصرت کی بنیادوں کی وضاحت کی گئی ہے اور اس سے مراد دشمن کے سامنے ڈٹ جانا، جنگ میں صبر کرنا، اللہ کی عظمت کا استحضار، اس کی قوت کا یقین اور اللہ کی مدد کا پختہ یقین رکھنا ہے اور اس سب کا دارومدار اللہ کے ذکر پر ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ: اے ایمان والو! جب کسی جماعت سے تمہارا مقابلہ ہو جائے تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا زیادہ سے زیادہ ذکر کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

سورت کا اختتام ایک اہم امر پر کیا گیا ہے اور وہ جذبۂ محبت والا ہے جو مسلمانوں کے درمیان قائم و دائم ہے اور اسی پر وحدت ایمانی استوار ہے جیسے کفر ملت واحدہ ہے اور تمام کفار کفر و ضلالت پر مجتمع ہیں، جب کہ مؤمنین و کفار میں کوئی رشتہ ولا نہیں۔ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِی الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِیْرٌ: اور کفار ایک دوسرے کے دوست ہیں اگر تم (جہاد) نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ برپا ہوگا اور بڑا فساد پھیلے گا۔ یہ سورت کا خلاصہ ہے جس کی طرف سورت میں اشارہ کیا گیا ہے۔

اٰیَاتُهَا ۷۵ — (۸) سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِیَّةٌ (۸۸) — رُكُوْعَاتُهَا ۱۰

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِكُمْ ۠ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۲﴾ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ ﴿۴﴾ كَمَاۤ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَیْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَكٰرِهُوْنَ ﴿۵﴾ یُجَادِلُوْنَكَ فِی الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَیَّنَ كَاَنَّمَا یُسَاقُوْنَ اِلَی الْمَوْتِ وَهُمْ یَنْظُرُوْنَ ﴿۶﴾ وَاِذْ یَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَی الطَّآىِٕفَتَیْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَیُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَیَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۷﴾ لِیُحِقَّ الْحَقَّ وَیُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸﴾ اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّیْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ مُرْدِفِیْنَ ﴿۹﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی وَلِتَطْمَىِٕنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿١٠﴾ اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ﴿١١﴾ اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿١٢﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿١٣﴾ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿١٤﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿١٥﴾ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿١٦﴾ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿١٧﴾ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٨﴾ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٩﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿٢٠﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿٢١﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٢٢﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٢٣﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٢٣﴾

ترجمہ: ...... یہ لوگ آپ سے انفال کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجیے کہ انفال اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے ہیں۔ سو تم اللہ سے ڈرو، اور آپس میں تعلقات کو درست کرو، اور اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اگر تم ایمان والے ہو۔ ① ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو ان کے ایمان کو زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ اپنے رب ہی پر بھروسہ کرتے ہیں ② جو نماز کو قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں، ③ یہ وہ لوگ ہیں جو سچے ایمان والے ہیں ان کے لیے ان کے رب کے پاس درجات ہیں اور مغفرت ہے اور رزق کریم ہے۔ ④ جیسا کہ آپ کے رب نے گھر سے حق کے ساتھ آپ کو نکالا اور بلاشبہ مؤمنین کی ایک جماعت کو گراں گزر رہا تھا ⑤ وہ آپ سے حق کے بارے میں جھگڑ رہے تھے اس کے بعد کہ ظہور ہو چکا تھا، گویا کہ موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں اس حال میں کہ وہ دیکھ رہے ہیں، ⑥ اور جب اللہ تم سے وعدہ فرما رہا تھا کہ دو جماعتوں میں سے ایک جماعت تمہارے لیے ہے اور تم خواہش کر رہے تھے کہ جو جماعت شوکت والی نہیں ہے وہ تمہارے لیے ہو جائے اور اللہ چاہتا ہے کہ اپنے کلمات کے ذریعے حق کا حق ہونا ثابت فرما دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے ⑦ تا کہ حق کو سچا کر دے اور باطل کا باطل ہونا ثابت کر دے اگر چہ مجرموں کو

ناگوار ہو۔⑧ جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے سو اس نے تمہاری دعا قبول فرمائی کہ میں ایک ہزار فرشتوں کے ذریعے تمہاری مدد کروں گا جو مسلسل آتے رہیں گے⑨ اور اللہ نے اس امداد کو نہیں بنایا مگر بشارت اور تا کہ مطمئن ہو جائیں تمہارے دل اور مدد صرف اللہ کی طرف سے ہے۔ بے شک اللہ غلبے والا حکمت والا ہے۔⑩ جب چین دینے کے لیے اللہ اپنی طرف سے تم پر اونگھ طاری فرما رہا تھا اور تم پر آسمان سے پانی نازل فرما رہا تھا کہ تمہیں پاک کر دے اور تم سے شیطان کے وسوسے کو دور فرما دے اور تا کہ تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور اس کے ذریعے قدموں کو جما دے۔⑪ جب کہ آپ کا رب فرشتوں کو حکم دے رہا تھا کہ بلاشبہ میں تمہارے ساتھ ہوں سو تم ایمان والوں کو جماؤ میں عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا۔ سو تم گردنوں پر مارو اور ان کے ہر پورے پر مارو۔⑫ یہ اس وجہ سے کہ بلاشبہ انہوں نے اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی مخالفت کرے سو اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔⑬ سو یہ سزا تم چکھو اور بلاشبہ کافروں کے لیے دوزخ کا عذاب ہے۔⑭ اے ایمان والو! جب تم کافروں سے دوبدو مقابل ہو جاؤ تو ان سے پشت مت پھیرو⑮ اور اس دن بجز اس شخص کے جو لڑائی کے لیے رخ بدلنے والا ہو یا اپنی جماعت کی طرف پناہ لینے والا ہو جو شخص پشت پھیرے گا سو وہ اللہ کے غصے کو لے کر لوٹا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے۔⑯ سو تم نے انہیں قتل نہیں کیا اور لیکن اللہ نے انہیں قتل کیا، اور جب آپ نے پھینکا آپ نے نہیں پھینکا لیکن اللہ نے پھینکا اور تا کہ اللہ مؤمنین کو اپنی طرف سے اچھا انعام دے، بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔⑰ یہ بات ہے اور بلاشبہ اللہ کافروں کی تدبیر کو کمزور کرنے والا ہے۔⑱ اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو فیصلہ تمہارے سامنے آ چکا ہے، اور اگر تم باز آ جاؤ تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے، اور اگر تم پھر وہی کام کرو گے تو ہم بھی وہی کام کریں گے، اور تمہاری جماعت ہر گز تمہارے کچھ کام نہ آئے گی۔ اگرچہ کثیر تعداد میں ہو، اور بلاشبہ اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔⑲ اے ایمان والو! اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو، اور اس سے روگردانی نہ کرو حالانکہ تم سنتے ہو،⑳ اور ان میں سے مت ہو جاؤ جنہوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا اور حال یہ ہے کہ وہ نہیں سنتے،㉑ بے شک زمین پر چلنے پھرنے والوں میں اللہ کے نزدیک سب سے برے وہ لوگ ہیں جو گونگے ہیں، بہرے ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے،㉒ اور اگر اللہ جانتا کہ ان میں کوئی بھلائی ہے تو ان کو ضرور سنا دیتا، اور اگر ان کو سنا دے تو وہ ضرور روگردانی کریں گے بے رخی کرتے ہوئے۔㉓

لغات: اَلْاَنْفَالُ: ......نَفَل بِالْفَتْحِ بمعنی زائد چیز، اضافہ، اموال غنیمت کو انفال کہا جاتا ہے، چوں کہ دین و وطن کی حفاظت پر مال غنیمت زائد چیز ملتی ہے۔ صلوٰۃ تطوع کو بھی نفل کہا جاتا ہے۔ پوتے کو بھی نافلہ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ لبید شاعر کہتا ہے:

ان تقویٰ ربنا خیر نفل　　وباذن اللّٰہ ریثی والعجل

رب تعالیٰ سے ڈرنا بہترین زائد چیز ہے اور میرا تقدم و تاخر اللہ کے حکم سے ہے۔

وَجِلَتْ: ......الوجل سے ماخوذ ہے۔ خوف، گھبراہٹ۔ **ذَاتِ الشَّوْكَةِ:** اسلحہ۔ اصل میں الشوكُ سے ماخوذ ہے، بمعنی کانٹا۔ ابوعبیدہ کہتے ہیں: الشوکۃ کا مجاز الحد ہے۔ چنانچہ محاورہ ہے۔ مااشد شوکۃ بنی فلان یعنی فلاں لوگ کتنے تیز طرار ہیں۔ **تَسْتَغِيْثُوْنَ:** باب استفعال سے فعل مضارع ہے بمعنی مدد طلب کرنا۔ **مُرْدِفِيْنَ:** لگاتار ایک دوسرے کے پیچھے۔ طبری کہتے ہیں: عرب کا محاورہ ہے۔ اردفتہ، وردفتہ۔ میں اس کے پیچھے چلا، شاعر کہتا ہے:

اذا الجوزاء اردفت الثریا　　جب جوزا ستارہ ثریا کے پیچھے چلتا ہے۔[1]

بَنَانٍ: ......بنانۃ کی جمع بمعنی انگلیوں کے پورے اور اطراف۔ عنترہ شاعر کہتا ہے:

وکان فتی الھیجاء یحمی ذمارھا　　ویضرب عندالکرب کل بنان

بہادر شخص اپنے حرم کی حفاظت کرتا ہے اور جنگ کے وقت پورے کاٹ کاٹ دیتا ہے۔

---

[1] زادالمسیر ۳/ ۳۶۳

زَحْفًا:...... آہستہ آہستہ قریب ہوتا۔ محاورہ ہے زحف الصبی بچوں کا زانو اور سرینوں کے بل چلنا، یہاں مراد لشکر ہے کیوں کہ وہ بھی کثرت کے سبب بچے کی طرح آہستہ آہستہ چلتے دکھائی دیتا ہے۔ مُتَحَيِّزًا: سکڑ کر کسی کے پاس مجتمع ہوجاتا۔ باء: واپس لوٹا۔ مُوْهِنُ: دو گنا کرنے والا۔ تستفتحوا: فتح اور نصرت طلب کرنا۔

شان نزول: الف:...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ غزوہ بدر کے موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی دشمن کو قتل کیا اس کے لیے فلاں فلاں چیز انعام ہے اور جس نے کسی دشمن کو قید کیا اس کے یہ یہ چیزیں انعام ہیں۔ پختہ عمر کے لوگ جھنڈے تلے ثابت قدم رہے، جب کہ نوجوان طبقہ دشمن کی صفوں میں گھس گھس کر انہیں قتل کرنے لگا اور اموال غنیمت بھی جمع کرنے لگا۔ چنانچہ بوڑھے نوجوانوں سے کہنے لگے: مال غنیمت میں ہمیں بھی شریک کرو، ہم تمہارا دفاع کرتے رہے ہیں۔ اگر تمہیں ہزیمت ہوتی تم ہمارے پاس پناہ حاصل کرتے، لیکن نوجوانوں نے غنیمتوں میں شراکت سے منع کر دیا۔ چنانچہ جھگڑا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے گئے۔ اس پر یہ آیات يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۠ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ: نازل ہوئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اموال غنیمت سب میں تقسیم کیا۔[1]

ب:...... روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ بدر کے موقع پر مٹھی بھر خاک لی اور دشمن کی طرف اچھال دی اور فرمایا: شاہت الوجوہ یعنی کفار کے چہرے بدشکل ہوجائیں۔ چنانچہ ہر مشرک کی آنکھوں اور نتھنوں تک یہ خاک ضرور پہنچی اور وہ پیٹھ پھیر کر پیچھے ہٹنے لگے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَاۗءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۔[2]

اموال غنیمت کس کا حق ہے؟

تفسیر: يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ:...... اے محمد! تمہارے اصحاب اموال غنیمت کے بارے میں سوال کرتے ہیں جو بدر سے تمہیں ملا کہ یہ کن لوگوں کی ملکیت ہے؟ اور کیسے تقسیم کیا جائے گا؟ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ: ان سے کہہ دیجیے! اس میں اللہ اور پیغمبر کا حکم چلے گا، تمہارا حکم نہیں۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ: طاعت بجالا کر اور معاصی سے اجتناب کرکے اللہ سے ڈرو۔ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ: اور آپس میں اتفاق قائم کرکے اور اختلاف دور کرکے آپس کے تعلقات درست کرو۔ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ: اموال غنیمت کے بارے میں اللہ کے حکم اور پیغمبر کے حکم کی اطاعت کرو۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب ہم اصحاب بدر کا اختلاف ہوا اور ہم نے بدخلقی کا مظاہرہ کیا اس وقت یہ آیات ہمارے بارے میں نازل ہوئیں۔ اللہ نے ہمارے ہاتھوں سے غنائم چھین لیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اختیار میں دے دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مساوی طور پر اموال غنیمت تقسیم کر دیے گویا اسی میں تقویٰ، طاعت رسول اور آپس کے تعلقات کی درستی تھی۔[3] اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ: یہ شرط ہے اور اس کا جواب محذوف ہے، یعنی اگر تم سچے مؤمنین ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔

سچے مؤمنوں کی صفات

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ:...... یعنی ایمان میں کامل اور مخلص لوگ تو وہ ہیں۔ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ: جن کے سامنے جب اللہ کا نام ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں، ان کے محض اللہ کے ذکر اور اس کی عظمت شان اور اس کی ہیبت سے ڈر جاتے ہیں۔ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا: جب انہیں قرآن کی آیات پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں ان کی تصدیق میں اضافہ ہوجاتا ہے اور اللہ پر ان کا یقین بڑھ جاتا ہے۔ وَّعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ: یعنی سچے مؤمنین غیر اللہ سے امید نہیں رکھتے اور نہ ہی اللہ کے سوا کسی اور سے ڈرتے ہیں۔ بحر میں لکھا ہے: اللہ تعالیٰ نے سچے مؤمنین کے بارے میں اسم موصولہ کے ساتھ تین عظیم مقامات میں خبر دی ہے۔ وہ یہ ہیں: مقام خوف، زیادت ایمان کا مقام، مقام توکل۔[4]

---

[1] روح المعانی ۹/ ۱۶۲ [2] الطبری ۱۳/ ۴۴۵ [3] التسہیل ۲/ ۶۰ [4] البحر ۴/ ۴۵۷

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ: یعنی پورے اہتمام کے ساتھ، خشوع کے ساتھ اور آداب کی رعایت کر کے جو نماز ادا کرتے ہیں۔ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ: اللہ نے انہیں جو کچھ عطا کیا ہوا ہے۔ اس میں سے اللہ کی طاعت میں خرچ کرتے ہیں اس میں زکوٰۃ اور نفلی صدقات شامل ہیں۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا: یعنی مذکورہ بالا صفات کے ساتھ جو لوگ متصف ہوتے ہیں وہی سچے مؤمنین کہلانے کے لائق ہوتے ہیں، کیوں کہ وہی لوگ ایمان اور نیک اعمال کو جمع رکھتے ہیں۔ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ: یعنی جنت میں ان کے لیے اعلیٰ درجات اور منزلیں ہیں۔ وَمَغْفِرَةٌ: انہوں نے جو گناہ کیے ہیں ان کی تکفیر اور بخشش ہے۔ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ: یعنی ان کے لیے دائمی رزق ہے جو عزت و اکرام کے ساتھ مقرون ہے۔ كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ: کاف برائے تشبیہ ہے جو مشبہ کا تقاضا کرتی ہے۔ ابن عطیہ کہتے ہیں: گھر سے نکلنے کے قصے کو غنائم کے بارے میں سوال کرنے کے قصے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔[1] اور معنی ہے: غنائم کی تنفیل میں ناپسندیدگی میں ان کا حال ایسا ہی ہے، جیسا جنگ کے لیے نکلنے کے وقت کا حال، طبری کہتے ہیں: معنی ہے: جیسے تمہارے رب نے تمہیں مؤمنین کی ایک جماعت کی ناپسندیدگی کے باوجود نکالا اسی طرح وہ حق واضح ہو جانے کے بعد آپ سے جھگڑتے ہیں جبکہ حق وہی ہے، جس کے متعلق وہ نبی ﷺ سے جھگڑتے تھے۔[2]

غزوۂ بدر میں اختلاف آرا

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ:...... حالاں کہ مؤمنین کی ایک جماعت دشمن کے ساتھ لڑنے کے لیے گھروں سے باہر نکلنے کو ناپسند کرتی تھی۔ قتل سے خوفزدہ ہونے کی وجہ سے یا جنگ کی تیاری نہ ہونے کی وجہ سے۔ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ: اے محمد! حق واضح ہو جانے کے بعد جنگ کے لیے نکلنے پر تمہارے ساتھ جھگڑتے ہیں۔ اس جماعت کا جھگڑا تھا کہ وہ کہتے تھے: ہم تو ابوسفیان کے تجارتی قافلے کی راہ روکنے کے لیے گھروں سے نکلے تھے۔ اگر ہمیں جنگ کا علم ہوتا ہم اس کی تیاری کر کے آتے۔ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ: امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: یعنی وہ جنگ کو اس طرح ناپسند کرتے تھے جیسے کوئی آدمی موت کے اسباب سامنے دیکھ رہا ہو اور وہ ناپسندیدگی کے عالم میں موت کی طرف ہانکا جا رہا ہو۔ اس کی بنیادی وجہ مسلمانوں کی تیاری نہ ہونا اور تعداد کم ہونا ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس جماعت کا بحث کرنا گھبراہٹ کی وجہ سے تھا۔[3] وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ: اے اصحاب محمد! اس وقت کو یاد کرو جب اللہ نے تمہارے ساتھ دو جماعتوں میں سے ایک جماعت کا وعدہ کیا کہ وہ تمہارے لیے غنیمت ہوگا۔ یعنی تجارتی قافلہ یا عسکری لشکر۔

وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ:...... اور تم بے اسلحہ جماعت کا سامنا کرنا چاہتے تھے اور وہ تجارتی قافلہ تھا جو قریش کے سامانِ تجارت سے لدا پھندا تھا۔ مفسرین کہتے ہیں: قریش کا عظیم الشان تجارتی قافلہ ابوسفیان کی قیادت میں شام سے واپس لوٹ رہا تھا۔ جبرئیل امین علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا: اے محمد! اللہ نے دو جماعتوں میں سے ایک جماعت کا وعدہ کیا ہے یا تجارتی قافلہ یا لشکر۔ رسول کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ لیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جنگجویانہ بار کی تخفیف اور قلت تعداد کے پیش نظر اور کثرت غنیمت کو سامنے رکھتے ہوئے تجارتی لشکر کا انتخاب کیا، جب صحابہ قافلے کا راستہ روکنے کے لیے گھروں سے نکلے اہل مکہ کو اس کی خبر ہوگئی۔ ابوجہل نے اہل مکہ میں اعلان کیا اور کہا: اے اہل مکہ! اپنے تجارتی قافلے اور اموال کی خبر لو۔ اگر محمد کے ہاتھوں چڑھ گیا تم کبھی بھی فلاح نہیں پاؤ گے۔ چنانچہ مشرکین افتاں وخیزاں گھروں سے نکل پڑے۔ ان کے ساتھ ابوجہل بھی تھا اور بدر آن پہنچے۔ تاہم قافلہ جان بچا کر نکل گیا اور نبی کریم ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو خبر دی کہ ساحل کے راستے سے قافلہ جا چکا ہے اور تمہارے مقابلے کے لیے ابوجہل آ گیا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: آپ قافلے کا پیچھا کریں اور دشمن سے لڑنا چھوڑ دیں۔ اس پر رسول کریم ﷺ کو سخت غصہ آیا۔ آپ ﷺ کو غصے میں دیکھ کر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا: آپ اپنے منشا کے مطابق چلیں، ہم آپ کی اتباع کریں گے۔ ان کے بعد حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا: قسم اس ذات کی جس نے آپ کو برحق مبعوث کیا ہے۔ اگر آپ ہمیں لے کر سمندر میں گھس جائیں، ہم آپ کے ساتھ گھس جائیں گے۔ اللہ کے حکم پر ہمیں ساتھ لے کر چلیں۔ رسول کریم ﷺ خوش ہو گئے

---

[1] الطبری ۴/ ۶۱ [2] الطبری ۱۳/ ۲۹۳ [3] البیضاوی

اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: اللہ کے حکم پر چلو اور تمہارے لیے خوشخبری ہے۔ اللہ نے میرے ساتھ دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کیا ہے۔ اللہ کی قسم! میں قریش مکہ کے پچھاڑے جانے کی جگہیں (ان کی قتل گاہیں) کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔[1] وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ: اللہ دین اسلام کو غلبہ دینا چاہتا ہے، یہ غلبہ کفار کے قتل اور بدر میں کفار کی ہزیمت سے ہوا۔ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ: اور کفار کا استیصال کر کے ان کی جڑ ہی کاٹ دینا چاہتا ہے۔ بحر میں ہے: معنی ہے کہ تم دنیاوی فائدہ کی رغبت رکھتے ہو، سلامتی احوال چاہتے ہو اور تمہاری نظر سطحی امور پر ہے جبکہ اللہ تعالیٰ عظیم الشان امور چاہتا ہے، اعلائے حق چاہتا ہے اور دارین کی کامیابی چاہتا ہے جبکہ ان دونوں مرادوں میں بعد المشرقین ہے۔ اسی لیے تمہارے لیے اللہ نے اسلحہ والی جماعت کا انتخاب کیا ہے اور اللہ تمہیں کفار کی ہزیمت اور بے یاری کھلی آنکھوں دکھانا چاہتا ہے۔ چنانچہ اللہ نے تمہاری مدد کی اور کفار کو شکست فاش دی۔ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ: ظرف محذوف سے متعلق ہے۔ تقدیری عبارت یوں ہے۔ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ: فعل ما فعل۔ اس سے مراد اسلام کا اظہار اور کفر کا ابطال ہے۔ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ: یعنی اگرچہ کفار کو اسلام کا غلبہ اور کفر کا ابطال ناپسند ہی کیوں نہ ہو۔

غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی امداد کے لیے فرشتوں کا نزول

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ:...... اس وقت کو یاد کرو جب تم مشرکین پر فتح حاصل کرنے کے لیے مدد طلب کر رہے تھے۔ روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین کی تعداد کی طرف دیکھا تو وہ ایک ہزار تھے۔ مسلمانوں کی طرف دیکھا وہ تین سو تیرہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبلہ رخ ہو بیٹھے اور دعا کے لیے ہاتھ پھیلا دیے اور اللہ کے حضور یوں عرض کی: یااللہ! تو نے میرے ساتھ جو وعدہ کیا ہے، وہ پورا کر، یااللہ اگر تو نے یہ مٹھی بھر جماعت ہلاک کر دی زمین پر تیری عبادت ہرگز نہیں کی جائے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلسل دعا میں لگے رہے تاوقتیکہ چادر آپ کے کاندھے سے گر پڑی۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چادر اٹھا کر آپ کے کاندھوں پر ڈال دی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم التزاماً کھڑے ہو گئے اور عرض کیا: اے اللہ کے نبی! رب تعالیٰ کے حضور آپ کا واسطہ کافی ہو چکا بالیقین اللہ آپ کا وعدہ پورا کرے گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ: اللہ نے دعا قبول کر لی کہ میں ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ تمہاری مدد کروں گا۔ مُرْدِفِيْنَ: جو ایک دوسرے کے پیچھے لگاتار اتریں گے۔ مفسرین کہتے ہیں: جبرئیل امین پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ اترے اور مسلمانوں کے لشکر کے دائیں جانب لڑنے لگے۔ میکائیل علیہ السلام پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ اترے اور لشکر کے بائیں جانب لڑنے لگے۔ فرشتوں کے لڑنے کے بارے میں صرف بدر میں لڑنا ثابت ہے جبکہ دوسری جنگوں میں فرشتے مسلمانوں کی تعداد میں اضافے کے لیے اترتے تھے، لڑتے نہیں تھے۔[2] وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى: اللہ نے فرشتوں کی مدد صرف اس وجہ سے بھیجی تاکہ تمہیں فتح و نصرت کی خوشخبری مل جائے۔ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ: اور تاکہ تمہارے دلوں کو اطمینان مل جائے۔ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ: حقیقت میں مدد اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ وہ اس پر قادر اور عظیم مرتبے والا ہے۔ اللہ کی مدد پر بھروسہ رکھو اور اپنی قوت اور تعداد پر بھروسہ نہ رکھو۔ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ: اللہ غالب ہے، مغلوب نہیں۔ وہی کچھ کرتا ہے جو حکمت کا تقاضا ہوتا ہے۔

بدر کے میدان میں اللہ کی نعمتوں کا نزول

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ:...... اللہ نے اپنی طرف سے تمہارے اوپر نیند کی چادر ڈال دی، یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ ہے کہ شدید خوف کے وقت پورے لشکر پر نیند طاری ہو گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: غزوۂ بدر کے موقع پر مقداد رضی اللہ عنہ کے علاوہ ہمارے بیچ کوئی اور شہسوار نہیں تھا۔ ہم سب پر نیند طاری تھی اور سو رہے تھے۔ صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار تھے اور درخت کے نیچے نماز پڑھ رہے تھے اور رو رہے تھے حتیٰ کہ صبح ہو گئی۔[3] ابن کثیر کہتے ہیں: نیند کی چادر مسلمانوں پر خوف کے وقت طاری کر دی گئی تاکہ مسلمانوں کے دل مدد و فتح سے مطمئن ہو جائیں۔[4]

---

[1] البیضاوی، ص ۲۰۹ [2] حاشیۃ الصاوی علی الجلالین ۲ / ۱۱۸ [3] رواہ ابو یعلی [4] المختصر ۲ / ۹۰

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً:...... ایک اور انعام کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جب مسلمان بدر میں پہنچے پانی نہیں تھا، اللہ تعالیٰ نے آسمان سے بارش برسائی، حتیٰ کہ وادیاں بہہ پڑیں۔ چنانچہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو جنابت لاحق ہوگئی تھی، غسل کر کے طہارت حاصل کر لی۔ لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ: تا کہ اللہ تمہیں گندگیوں اور جنابتوں سے پاک کر دے۔ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ: اور تا کہ تم سے شیطان کا وسوسہ دور کر دے اور شیطان کا تمہیں پیاس کا دلایا ہوا خوف دور کر دے۔ بیضاوی کہتے ہیں: روایت ہے کہ مسلمان میدان کے چٹیل حصے پر جا اترے تھے اور یہاں پانی نہیں تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم سو گئے اور اکثر کو احتلام ہو گیا۔ ان کے دلوں میں شیطان نے وسوسہ ڈالا کہ تمہاری مدد کیوں کر ہو سکتی ہے۔ تمہارے پاس پانی نہیں اس حال میں کہ تم حدث و جنابت کی حالت میں نماز پڑھو گے اور تمہیں اللہ کے اولیا ہونے کا دعویٰ ہے جب کہ تمہارے درمیان اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود ہیں؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرمائی اور مسلمانوں کا وسوسہ جاتا رہا۔[1] وَلِيَرْبِطَ عَلٰي قُلُوْبِكُمْ: تا کہ اللہ کی نصرت و مدد پر بھروسے کے ذریعے تمہیں تقویت بخشے۔ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ: تا کہ بارش کی وجہ سے ریت بیٹھ جائے اور اس میں پاؤں نہ دھنسیں اور تم ثابت قدم رہو۔ طبری کہتے ہیں: بارش کی وجہ سے مسلمانوں کے پاؤں ریت میں دھنسنے سے محفوظ رہے، چوں کہ بارش سے ریت کا ڈھیلا پن ختم ہو گیا اور گیلی ہو جانے کی وجہ سے ریت اپنی جگہ جمی رہی۔[2]

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰۗىِٕكَةِ اَنِّىْ مَعَكُمْ:...... آیت میں ایک اور انعام کا ذکر ہے۔ یعنی اللہ نے فرشتوں کو وحی بھیجی کہ میں مدد و نصرت میں تمہارے ساتھ ہوں۔ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: مؤمنین کے قدم جماؤ اور دشمن کے خلاف انہیں تقویت پہنچاؤ۔ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ: میں کافروں کے دلوں میں خوف اور گھبراہٹ ڈال دوں گا، حتیٰ کہ انہیں شکست ہو جائے گی۔ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ: ان کی گردنوں پر وار کرو۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے فَضَرْبَ الرِّقَابِ ہے۔ دوسرے قول کے مطابق: اس سے مراد سر ہے، کیوں کہ سر گردن پر ہوتا ہے۔ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ: ان کے ہاتھوں کی انگلیوں کے پوروں پر وار کرو۔ تسہیل میں ہے: اس کا فائدہ یہ ہے کہ جب جنگجو کی انگلیاں کاٹ دی جائیں تو وہ جنگ سے باز آ جاتا ہے اور اسے گرفتار کرنا یا قتل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

مخالفین کے لیے رسوا کن عذاب

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاۗقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ:...... یہ رسوا کن عذاب انہیں اس لیے ہے چوں کہ انہوں نے اللہ کے حکم اور اس کے رسول کے حکم کی مخالفت کی ہے۔ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ: جو شخص کفر و عناد کے ارتکاب سے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی مخالفت کرتا ہے تو اس کے لیے اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ: اے کفار کی جماعت! یہ عذاب دنیا میں چکھو۔ اس کے ساتھ تمہیں آخرت میں بھی عذاب ہوگا اور وہ دوزخ کی آگ ہے۔

میدان جہاد میں پیٹھ دکھانے کی مذمت

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا:...... جب کفار دشمنان سے تمہارا مقابلہ ہو جائے، اس حال میں کہ وہ سب اکٹھے ہوں اور وہ کثرت کی وجہ سے حالت زحف میں ہوں۔ فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ: ان کے سامنے شکست کا مظاہرہ مت کرو، بلکہ ثابت قدم رہو اور ڈٹ جاؤ۔ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗٓ: جس شخص نے دشمن سے مقابلے کے دن شکست خوردہ ہو کر پیٹھ پھیری۔ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ: ہاں البتہ دشمن کے دوسرے گروہ کی طرف جو متوجہ ہونے کے لیے (عارضی طور پر) پیٹھ پھیر کر بھاگے، یا دشمن کو دھوکا دینے کے لیے بھاگے، تا کہ دشمن سمجھے کہ شکست کھا کر بھاگا ہے اور پھر پلٹ کر حملہ کرے، کیوں کہ جنگ دھوکا ہے۔ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰي فِئَةٍ: یا مسلمانوں کی جماعت سے ملنا چاہتا ہو تا کہ ان سے کمک حاصل کرے۔ فَقَدْ بَاۗءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ: تو وہ اللہ کا سخت غضب لے کر لوٹے گا۔ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ: اس کا مقدر اور ٹھکانا جس میں وہ پناہ لے گا

---

[1] البیضاوی، صفحہ ۲۱۰ [2] الطبری ۱۳ /۴۲۱

دوزخ ہوگا۔ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ: اور وہ بہت برا ٹھکانا اور مرجع و مآل ہے۔ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ: اے مسلمانو! تم نے انہیں بدر میں اپنی قوت سے قتل نہیں کیا، لیکن اللہ نے انہیں قتل کیا۔ اللہ نے کفار کے خلاف تمہاری مدد کی اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دشمنوں کی طرف کنکریاں پھینکنا

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ:...... اے محمد! درحقیقت تم نے مٹھی بھر خاک کفار کی آنکھوں میں نہیں ماری، کیوں کہ اتنے بڑے لشکر کی آنکھوں میں مٹھی بھر خاک کیسے پہنچ سکتی تھی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاک کی ایک مٹھی لی اور مشرکین کے مونہوں پر ماری اور فرمایا: شاهت الوجوه چہرے خاک آلود ہوں۔ چنانچہ ہر کافر کی آنکھوں اور نتھنوں تک یہ مٹی ضرور پہنچی اور شکست کھا کر بھاگ گئے۔[1] وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى: یہ خاک اللہ نے کفار کی آنکھوں اور نتھنوں تک پہنچائی ہے۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کنکریاں اللہ کے حکم سے ماریں۔ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا: اللہ نے ایسا اس لیے کیا تاکہ کافروں کو مغلوب کر دے اور مؤمنین پر اجر و ثواب، فتح اور غنیمت کا انعام کرے۔ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ: اللہ ان کی باتیں سنتا ہے اور ان کی نیتوں اور احوال کو جانتا ہے۔ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ: یہ کفار قریش کے لیے خطاب ہے۔ یعنی اے جماعت کفار! اگر تم مسلمانوں پر فتح چاہتے تھے، تمہارے پاس فتح آ چکی اور یہ فتح بصورت شکست ہے۔ آیت میں شکست کو فتح سے بطور تہکم تعبیر کیا گیا ہے۔ طبری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: زہری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے: ابوجہل نے بدر کے دن کہا کہ یا اللہ! ہم میں سے جو فریق گناہ و معصیت پر ہو اور قطع رحمی کا مرتکب ہو اسے آج ہلاک کر دے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ: گویا طالب فتح ابوجہل تھا۔ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ: اے جماعت کفار! اگر تم رسول کے ساتھ جنگ کرنے سے باز آ جاؤ اور اس کی عداوت چھوڑ دو اور کفر سے دست کش ہو جاؤ تو یہ دنیا و آخرت میں تمہارے لیے بہتر ہے۔ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ: اگر تم پیغمبر سے دوبارہ جنگ کرو گے تو ہم ان کی مدد دوبارہ کریں گے۔ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ: اور تمہاری جماعت جس سے تم مدد لیتے ہو وہ تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتی، اگرچہ تمہارے اعوان و انصار کتنے ہی زیادہ ہوں۔ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ: چوں کہ اللہ تعالیٰ کی مدد، نصرت اور تائید مؤمنین کے ساتھ ہے۔

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کا حکم

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ:...... اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر قائم و دائم رہو۔ بدر میں حاصل ہونے والی عزت دائمی رہے گی۔ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ: اور پیغمبر کے حکم کی مخالفت کر کے اس سے اعراض نہ کرو۔ تَوَلَّوْا اصل میں تتولّوا تھا۔ ایک تاء تخفیفاً حذف کر دی گئی ہے۔ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ: اور تم قرآن اور مواعظ سن رہے ہو۔ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ: اور ان کفار جیسے مت ہو جاؤ جو کانوں سے تو سنتے ہیں لیکن دلوں سے نہیں سنتے۔ گویا ان کا سننا نہ سننے کے مترادف ہے کیوں کہ سننے کا مقصد تدبر اور نصیحت پکڑنا ہوتا ہے۔ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ: سطح زمین پر رینگنے والے بدترین چوپایوں اور بدترین مخلوق میں سے الصُّمُّ الْبُكْمُ: بہرے ہیں جو حق نہیں سنتے اور گونگے ہیں، جو حق نہیں بولتے۔ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ: ان کے پاس ایسی عقل نہیں، جس کے ذریعے آدمی خیر و شر میں تمیز کر سکے۔ یہ آیت بنو عبد الدار کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو کہا کرتے تھے کہ محمد جو کچھ لے کر آیا ہے اس کے متعلق ہم بہرے اور گونگے ہیں۔ پھر ابوجہل کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلے میں جنگ کرنے پر اتر آئے۔ آیت میں غایت درجے کی کفار کی مذمت ہے کہ وہ کتے، خنزیر اور گدھے سے بھی بدتر ہیں چوں کہ وہ اپنے حواس سے فائدہ نہیں حاصل کرتے، لہٰذا وہ حقیر سے حقیر تر ہیں۔ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ: اگر اللہ

---

[1] الطبری ۳/ ۴۴۳

ان میں بھلائی دیکھتا تو انہیں فہم وتدبر والی سمجھ وسماعت سے نوازتا۔ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ: اگر فرض کر لیا جائے کہ اللہ انہیں سماعت کی توفیق دے دے تو وہ جحود وانکار اور عناد کی وجہ سے اعراض کر دیں گے۔ اس میں کفار کے عدم ایمان پر نبی کریم ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے۔

بلاغت: اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ:..... قریب کے لیے بعید کا اشارہ لایا گیا ہے۔ اس سے بعد رتبی کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ: مراتب عالیہ اور منازل عالیہ کے لیے درجات کا استعارہ ہے۔ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ: میں تشبیہ تمثیلی ہے۔ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ: میں تجنیس اشتقاق ہے۔ ذَاتِ الشَّوْكَةِ: الشَّوْكَةِ: بمعنی کانٹا۔ اسلحہ کے لیے استعارہ ہے اور وجہ جامع شدت اور تیزی ہے۔ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ کفار کے استیصال سے کنایہ ہے۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ:..... مضارع کا صیغہ برائے استحضار لایا گیا ہے۔ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً: مفعول بہ پر جار مجرور مقدم کیا گیا ہے جو اس سے مقدم کا اہتمام اور مؤخر کا شوق دلانا مقصود ہے۔ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ: بطور تہکم مشرکین کو خطاب ہے۔ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ: کفار کو چوپایوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، بلکہ ان سے بھی بدترین قرار دیا گیا ہے۔ یہ انتہا درجے کی بلاغت اور نہایت درجے کا اعجاز ہے۔ چنانچہ چوپایوں کی طرح کافر بھی حق بات نہیں سنتا۔

تنبیہ:..... اس سورت میں ذکر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کے لیے ایک ہزار فرشتے بھیجے، جب کہ سورت آل عمران میں تین ہزار فرشتوں کا ذکر ہے۔ آیات میں تعارض نہیں، چنانچہ یہاں لفظ مُرْدِفِيْنَ کا ذکر ہے، جس کا معنی ہے لگاتار، ایک دوسرے کے پیچھے۔ چنانچہ اولاً ایک ہزار فرشتے مدد کے لیے بھیجے، پھر تین ہزار۔

مؤمنین کو اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کی تاکید اور دعوت حق کو قبول کرنے کا حکم

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۭ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ

اَلِیۡمٍ ﴿۳۲﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ وَاَنۡتَ فِيۡهِمۡ‌ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمۡ وَهُمۡ يَسۡتَغۡفِرُوۡنَ ﴿۳۳﴾

وَمَا لَهُمۡ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمۡ يَصُدُّوۡنَ عَنِ الۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ وَمَا كَانُوۡۤا اَوۡلِيَآءَهٗ‌ؕ اِنۡ اَوۡلِيَآؤُهٗۤ

اِلَّا الۡمُتَّقُوۡنَ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۴﴾ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمۡ عِنۡدَ الۡبَيۡتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصۡدِيَةً‌ ؕ

فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَكۡفُرُوۡنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ لِيَصُدُّوۡا عَنۡ

سَبِيۡلِ اللّٰهِ‌ؕ فَسَيُنۡفِقُوۡنَهَا ثُمَّ تَكُوۡنُ عَلَيۡهِمۡ حَسۡرَةً ثُمَّ يُغۡلَبُوۡنَ ؕ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِلٰى جَهَنَّمَ

يُحۡشَرُوۡنَ ﴿۳۶﴾ لِيَمِيۡزَ اللّٰهُ الۡخَبِيۡثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجۡعَلَ الۡخَبِيۡثَ بَعۡضَهٗ عَلٰى بَعۡضٍ فَيَرۡكُمَهٗ جَمِيۡعًا

فَيَجۡعَلَهٗ فِىۡ جَهَنَّمَ‌ ؕ اُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۳۷﴾ قُلْ لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِنۡ يَّنۡتَهُوۡا يُغۡفَرۡ لَهُمۡ مَّا قَدۡ

سَلَفَ‌ ۚ وَاِنۡ يَّعُوۡدُوۡا فَقَدۡ مَضَتۡ سُنَّتُ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۳۸﴾ وَقَاتِلُوۡهُمۡ حَتّٰى لَا تَكُوۡنَ فِتۡنَةٌ وَّيَكُوۡنَ الدِّيۡنُ

كُلُّهٗ لِلّٰهِ‌ ۚ فَاِنِ انْتَهَوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ﴿۳۹﴾ وَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ مَوۡلٰٮكُمۡ‌ ؕ نِعۡمَ

الۡمَوۡلٰى وَنِعۡمَ النَّصِيۡرُ ﴿۴۰﴾

ع ۱۸

ترجمہ:.....اے ایمان والو! تم حکم مانو اللہ کا اور رسول کا جب وہ تمہیں اس چیز کی طرف بلائے جو تمہیں زندہ کرتی ہے، اور جان لو کہ بے شک اللہ حائل ہو جاتا ہے آدمی کے اور اس کے دل کے درمیان، اور بے شک تم اللہ ہی کی طرف جمع کیے جاؤ گے۔ ﴿۲۴﴾ اور تم ایسے فتنے سے بچو جو خاص کر انہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں سے گناہوں کے مرتکب ہوئے اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ سخت عذاب والا ہے۔ ﴿۲۵﴾ اور اس وقت کو یاد کرو جب تم تھوڑے تھے۔ زمین میں کمزور شمار کیے جاتے تھے تم اس بات سے ڈرتے تھے کہ لوگ تمہیں اچک لیں، سو اللہ نے تمہیں ٹھکانہ دیا اور اپنی مدد سے تم کو قوت دی اور تمہیں پاکیزہ چیزیں عطا کیں تاکہ تم شکر گزار رہو۔ ﴿۲۶﴾ اے ایمان والو! خیانت نہ کرو اللہ کی اور رسول کی، اور نہ خیانت کرو اپنی آپس کے امانتوں میں حالانکہ تم جانتے ہو۔ ﴿۲۷﴾ اور تم جان لو کہ بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہیں اور بلاشبہ اللہ کے پاس بڑا اجر ہے، ﴿۲۸﴾ اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو تو اللہ تمہیں فیصلے والی چیز دے گا اور تمہارے گناہوں کا کفارہ فرمادے گا اور تمہاری بخشش فرمادے گا، اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ ﴿۲۹﴾ اور جب کافر لوگ آپ کے بارے میں تدبیریں سوچ رہے تھے کہ آپکو قید کردیں یا آپکو قتل کردیں یا آپ کو جلاوطن کردیں، اور وہ اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ بھی تدبیر فرما رہا تھا اور اللہ تدبیر کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔ ﴿۳۰﴾ اور جب ان پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اگر ہم چاہیں تو اس جیسا کلام کہہ سکتے ہیں۔ یہ کچھ بھی نہیں ہے مگر وہ باتیں ہیں جو اگلے وقتوں کے لوگوں سے نقل ہوتی چلی آرہی ہیں ﴿۳۱﴾ اور جب ان لوگوں نے کہا کہ اے اللہ! اگر یہ آپ کی طرف سے واقعی حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دیجیے یا ہم پر کوئی دردناک عذاب واقع کردیجیے ﴿۳۲﴾ اور اللہ انہیں اس حالت میں عذاب نہیں دے گا جبکہ آپ ان میں موجود ہوں، اور اللہ تعالیٰ اس حال میں عذاب نہیں دے گا کہ وہ استغفار کرتے ہوں۔ ﴿۳۳﴾ اور ان کا کیا استحقاق ہے کہ اللہ انہیں عذاب نہ دے حالانکہ وہ مسجد حرام سے روکتے ہیں حالانکہ وہ اس کے اولیا نہیں ہیں، اس کے اولیا صرف متقی لوگ ہیں۔ لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے، ﴿۳۴﴾ اور بیت اللہ کے نزدیک ان کی نماز بس ہی تھی کہ سیٹیاں بجاتے اور تالیاں پیٹتے تھے۔ سو عذاب چکھ لو اس وجہ سے کہ تم کفر کرتے تھے۔ ﴿۳۵﴾ بے شک جو لوگ اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے روکیں سو یہ لوگ ابھی اپنے مالوں کو خرچ کریں گے پھر یہ مال ان کے حق میں حسرت کا سبب بن جائیں گے پھر یہ لوگ مغلوب

ہوں گے اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ دوزخ کی طرف جمع کیے جائیں گے ﴿۳۶﴾ تا کہ ناپاک کو اللہ پاک سے جدا کر دے، اور ناپاک کو بعض کو بعض کے ساتھ ملا دے۔ پھر اس کو اکٹھا ڈھیر بنا دے پھر اس کو دوزخ میں داخل فرما دے، یہ لوگ تباہ کار ہیں۔ ﴿۳۷﴾ جن لوگوں نے کفر کیا آپ ان سے فرما دیجیے اگر وہ باز آ جائیں تو جو کچھ گزر چکا وہ ان کے لیے معاف کر دیا جائے گا اور اگر وہ پھر بھی وہی کریں جو کرتے رہے ہیں تو پہلے لوگوں کا طریقہ گزر چکا ہے۔ ﴿۳۸﴾ اور ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور سارا دین اللہ کے لیے ہو جائے سو اگر وہ باز آ جائیں تو بے شک اللہ ان کاموں کو دیکھتا ہے جو وہ کرتے ہیں ﴿۳۹﴾ اور اگر وہ روگردانی کریں تو یقین جانو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارا مولیٰ ہے وہ اچھا مولیٰ اور اچھا مددگار ہے۔ ﴿۴۰﴾

ربط و تعارف:...... قبل ازیں کفار کا ذکر ہوا اور انہیں قبول دعوت سے اعراض کرنے کی وجہ سے چوپایوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی۔ اب ان آیات میں مؤمنین کو اللہ اور اس کے رسول کا حکم ماننے کی تاکید کی جا رہی ہے اور قبول دعوت کا حکم دیا جا رہا ہے کیوں کہ دعوت ہی میں دلوں کی زندگی ہے اور اسی میں دنیا و آخرت کی سعادت ہے۔

لغات: مُكَاءً...... سیٹی۔ ابوعبیدہ کہتے ہیں: کثیر آوازیں و چیخ و پکار۔[1] تَصْدِيَةً: تالیاں، صدّیٰ تصدیۃ ہاتھوں سے تالیاں بجانا ''صدّیٰ'' اصل میں اس آواز کو کہا جاتا ہے، جو پہاڑ سے واپس سنائی دیتی ہے۔ فَيَرْكُمَهٗ: الرکم بمعنی جمع کرنا۔ اوپر نیچے کسی چیز کا ڈھیر کی طرح جمع ہونا جیسے ریت، بادل وغیرہ۔ سَلَفَ: گزرا ہوا۔ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ: عادۃ اللہ، سنت اللہ۔ گزشتہ اقوام کو ہلاک کرنے کا طریقہ۔ مَوْلٰىكُمْ: تمہارا مددگار و حمایتی۔

شانِ نزول:...... ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے زہری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود بنو قریظہ کا محاصرہ کیا بنو قریظہ نے صلح کا مطالبہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلے کے مطابق قلعوں سے نیچے اتر آؤ، بنو قریظہ نے کہا کہ ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ہمارے پاس بھیجو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھیج دیا۔ بنو قریظہ نے ابولبابہ سے پوچھا: اے ابولبابہ تمہاری کیا رائے ہے؟ ہم سعد بن معاذ کے فیصلے کے مطابق قلعوں سے نیچے اتر آئیں؟ ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے ہاتھ سے حلق کی طرف اشارہ کیا یعنی انہیں ذبح کر دیا جائے گا۔ ابولبابہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! میں اس جگہ سے ہلنے نہیں پایا تھا کہ مجھے یقین ہو گیا کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول سے خیانت کی ہے۔ چنانچہ انہوں نے عہد کر لیا کہ اللہ کی قسم! میں کھانا نہیں کھاؤں گا پانی نہیں پیوں گا تاوقتیکہ مر جاؤں یا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول کر لے۔ چنانچہ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾

تفسیر: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ:...... اے ایمان والو! جب اللہ کا رسول تمہیں ایمان کی دعوت دے، جس میں تمہارے نفوس کی زندگی مضمر ہے تو اسے قبول کرو۔ اسی کے ذریعے تم ابدی زندگی کے مستحق ہو گے۔ اس سے مراد قرآن حکیم ہے۔ اس میں زندگی ہے، ایمان ہے، اعتماد ہے، دنیا و آخرت کی عصمت ہے۔[2] وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ: یعنی تمام اشیا میں تصرف کرنے والا اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ دلوں پر بھی جیسے چاہتا ہے تصرف کرتا ہے جب کہ خود اصحاب قلوب کو اپنے دلوں پر قدرت نہیں ہوتی۔ اللہ اصحاب قلوب کے عزائم کو فسخ کر دیتا ہے اور ان کے مقاصد کو تبدیل کر دیتا ہے۔ وہی دلوں کو ہدایت دیتا ہے یا انہیں کجروی پر چلا دیتا ہے۔ حدیث میں ہے: اے دلوں کو بدلنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: یعنی اللہ مؤمن اور کفر کے درمیان، کافر اور ایمان کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔[3] ابوحیان کہتے ہیں: اس آیت میں مراقبہ پر ابھارا گیا ہے اور خوف دلایا گیا ہے کہ اللہ کا حکم ماننے میں جلدی کی جائے۔[4] وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ: تمہارے لوٹ کر جانے کی جگہ اللہ ہی کے پاس ہے۔ وہ تمہیں تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً: اگر تم اللہ کے حکم کی نافرمانی کرو گے تو وہ تم سے انتقام لے گا۔ اس لیے پکڑ اور انتقام سے ڈرو اور اس فتنے سے ڈرو جو صرف ظالموں ہی کو اپنی لپیٹ میں نہیں لے گا بلکہ اس کی لپیٹ میں سبھی آئیں گے، جو نیک و بد تک پہنچے گا۔ ظالم اپنے ظلم

---

[1] البحر ۴/۴۷۳ [2] الطبری ۱۳/۴۶۸ [3] روح المعانی ۹/۱۹۱ [4] البحر ۴/۴۸۱

کی وجہ سے ہلاک ہوگا اور غیر ظالم اپنے سکوت پر ہلاک ہوگا۔ حدیث میں ہے۔ لوگ جب ظالم کو دیکھتے ہیں اور اس پر اپنی گرفت مضبوط نہیں کرتے تو قریب ہوتا ہے کہ اللہ سبھی کو عمومی عذاب میں پکڑے۔ [1] ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو حکم دیا ہے کہ اپنے درمیان منکر (برائی) کو نہ پنپنے دیں، ورنہ اللہ انہیں عمومی عذاب میں گرفتار کرلے گا اور اس کی لپیٹ میں ظالم وغیر ظالم آئے گا۔ [2] وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ: اس میں شدید وعید ہے، یعنی اللہ نافرمانوں کو سخت عذاب دینے والا ہے۔

انعامات خداوندی کی یاد دہانی

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ:...... اللہ نے تمہارے اوپر جو انعام کیا ہے اسے یاد کرو کہ جس وقت تم مکہ میں قلیل تعداد میں تھے اور کفار تمہیں کمزور سمجھتے تھے، وہ تمہیں تمہارے دین کے متعلق طرح طرح کی آزمائشوں میں ڈالتے تھے۔ تمہیں سخت سخت اذیتیں پہنچاتے تھے۔ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ: تم مشرکین سے ڈرتے تھے کہ تمہیں قتل کردیں گے۔ الخطف کا معنی ہے جلدی کے ساتھ کسی چیز کو اچک لینا۔ فَاٰوٰىكُمْ: اور تمہارے لیے محفوظ ٹھکانا مقرر کیا، جہاں تم دشمن سے اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے ہو اور یہ ٹھکانا مدینہ منورہ ہے۔ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ: اور بدر کے موقع پر تمہاری مدد کی اور تمہیں تقویت بخشی، حتیٰ کہ تم نے کفار کو شکست دے دی۔ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ: اللہ نے ان کے اموال بطور غنیمت تمہیں عطا فرمائے اور یہ تمہارے لیے حلال وطیب قرار دیے حالاں کہ اس سے پہلے غنائم کسی کے لیے حلال نہیں تھے۔ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ: تاکہ اس عظیم نعمت پر تم اللہ کا شکر ادا کرو۔ اس سے غرض نعمت کی یاد دہانی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے قلیل تعداد میں بے یارومددگار تھے۔ ظہور کے بعد عزت ورفعت مل گئی، لہٰذا ان پر اللہ کی اطاعت واجب ہے اور اس نعمت پر شکر ادا کرنا لازمی ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ: مشرکین کو مؤمنین کے بھیدوں پر آگاہ کرکے اپنے دین اور رسول کے ساتھ خیانت نہ کرو۔ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ: یعنی جو شرعی ذمے داریاں تمہارے سپرد کی گئی ہیں ان میں خیانت نہ کرو، انہیں پوری کرو، جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ. (سورۃ الاحزاب، آیت ۷۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: اللہ کے فرائض کا ترک اس سے خیانت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیانت اس کی سنن کا ترک اور اس کی معصیت ہے اور امانات سے مراد وہ اعمال ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بندوں پر فرض کیے ہیں۔ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ: اور تم جانتے ہو کہ یہ خیانت ہے اور تمہیں اس کے وبال اور تاوان کا بھی علم ہے۔

مال واولاد فتنہ ہیں

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ:...... یعنی یہ چیزیں اللہ کی طرف سے آزمائش ہیں کہ تم ان کے ہوتے ہوئے اللہ کی حدود کی کیسے حفاظت کرتے ہو۔ امام فخر الدین الرازی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: یہ چیزیں اس لیے آزمائش ہیں چوں کہ دل کو دنیا میں مشغول کردیتی ہیں اور رب تعالیٰ کی عبادت میں رکاوٹ بن جاتی ہیں۔ [3] وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ: اللہ کا ثواب اور عطا اموال واولاد سے بہتر ہے، لہٰذا رغبت کے ساتھ خدا کی اطاعت بجالاؤ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا: اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی اطاعت کرو اور معصیت سے اجتناب کرو اللہ تمہارے دلوں کو ہدایت اور نور سے بھر دے گا۔ تم اس ہدایت ونور کے ذریعے حق وباطل میں فرق کرسکو گے، جیسا کہ سورہ حدید میں ہے۔ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ: (سورۃ الحدید: آیت ۲۸) آیت میں اس بات پر دلالت ہے کہ تقویٰ دل کو منور کردیتا ہے۔ سینہ کھول دیتا ہے اور علم ومعرفت میں اضافہ کرتا ہے۔ وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ: اور تمہارے گزشتہ گناہوں کو معاف کردے گا۔ وَيَغْفِرْ لَكُمْ: تمہارے گناہوں کی پردہ پوشی کرے گا اور ان پر مواخذہ نہیں کرے گا۔ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ: اللہ فضل وکرم والا ہے اور بہت زیادہ عطا کرنے والا ہے۔

---

[1] رواہ البخاری [2] حاشیۃ الصاوی ۲ / ۱۲۲۔ آیت میں فتنہ سے مراد قیامت ہے۔ [3] التفسیر الکبیر ۱۵ / ۱۵۲

حضور علیہ السلام کے خلاف مشرکین مکہ کی تدابیر اور ان کا انجام

وَاِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا:......اس سے قبل مؤمنین پر عمومی انعام کا ذکر ہوا، اب اس آیت میں مخصوص انعام کا ذکر ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہوا۔ یعنی اے محمد! وہ وقت یاد کرو جب مشرکین نے تمہارے بارے میں دارالندوہ میں مشاورت کی۔ لِیُثْبِتُوْكَ: تاکہ تمہیں قید کرلیں۔ اَوْ یَقْتُلُوْكَ: یا تمہیں کسی ایک شخص کی تلوار سے ضرب واحد سے قتل کردیں تاکہ متفرق قبائل پر تمہارا خون بہا تقسیم ہوجائے۔ اَوْ یُخْرِجُوْكَ: یا تمہیں مکہ سے نکال دیں۔ وَیَمْكُرُوْنَ وَیَمْكُرُ اللّٰهُ: اے محمد! تمہارے خلاف طرح طرح کے حیلے تراشتے ہیں اور مشاورت کرتے ہیں۔ اللہ تمہارے لیے ایسی تدابیر کررہا ہے جس سے ان کے حیلے اور مکروفریب باطل ہوجائے گا اور ان کی مشاورت کالعدم ہوجائے گی۔ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ: اللہ کی چال مشرکین کی چالوں سے زیادہ کارگر ہے اور زیادہ موثر ہے۔ طبری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے کہ قریش کے سردار دارالندوہ میں جمع ہوئے ان کے ساتھ ابلیس بھی ایک بوڑھے کی شکل میں آن بیٹھا۔ جب قریش نے اُسے دیکھا تو پوچھا: تم کون ہو؟ کہا میں عرب میں ایک بوڑھا شخص ہوں۔ میں نے جب تمہارے اجتماع کی خبر سنی تو میں نے چاہا میں بھی تمہارے ساتھ مل بیٹھوں اور اپنی رائے پیش کروں۔ قریش بولے: بہت اچھا، آجائیں۔

چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق مشاورت شروع ہوئی۔ ایک نے کہا: اسے بیڑیوں میں جکڑ کر قید کرلو، پھر اس کی موت کا انتظار کرو، تاکہ اسی حالت میں مرجائے۔ اس پر ابلیس، اللہ کا دشمن چلایا اور کہا: یہ رائے درست نہیں، کیوں کہ محمد کے ساتھی حملہ آور ہوکر اسے چھڑا لے جائیں گے۔ دوسرا بولا: اسے جلاوطن کردو، کیوں کہ جب تمہارے درمیان سے نکل جائے گا تو تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا اور اس کا اثر و رسوخ کہیں اور ہوگا۔ بوڑھے نے اس رائے پر یوں تبصرہ کیا۔ بخدا تمہاری یہ رائے بھی درست نہیں، کیا تم نے اس کی شیرینی کلام اور طلاقت لسانی کو نہیں دیکھا۔ بلاشبہ وہ تو دلوں کو موہ لیتی ہے؟ بخدا! اگر تم نے ایسا کیا تو سارے عرب تمہارے خلاف جمع ہوجائیں گے اور تمہیں اپنے وطن سے نکال باہر کریں گے اور تمہارے سرداروں کو قتل کردیں گے۔ قریش نے کہا: تم سچ کہتے ہو۔ اس کے علاوہ کسی اور رائے پر غور و خوض کرو۔ چنانچہ ملعون ابوجہل بولا: بخدا میں تمہارے سامنے ایک رائے پیش کرتا ہوں جو منفرد ہے۔ قریش بولے: وہ کیا؟ ابوجہل نے کہا: ہم ہر قبیلے سے ایک نوجوان لیں، جو دلیر بھی ہو۔ ہر ایک کو تلوار تھمادیں، پھر وہ سب مل کر یکبارگی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر وار کریں اور یوں اس کا خون بہا تمام قبائل پر منقسم ہوجائے گا۔ میں نہیں سمجھتا کہ بنوہاشم قریش کے ساتھ جنگ کرنے کی سکت رکھتے ہوں ناچار دیت پر اتفاق کرلیں گے، یوں ہم محمد سے اپنی جان چھڑا سکتے ہیں اور اس کی اذیت ختم ہوسکتی ہے۔ ابلیس پکار اٹھا: بخدا! یہی رائے معتبر ہے چنانچہ اسی رائے کے استحکام پر قریش کا اجلاس برخواست ہوا۔ جبرئیل امین رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور کہا: آج رات آپ بستر پر نہ گزاریں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہجرت کی اجازت بھی دی۔ ہجرت کے بعد اللہ تعالیٰ نے احسان نعمت کے طور پر اس واقعہ کا ذکر کیا اور فرمایا:

وَاِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ ؕ وَیَمْكُرُوْنَ وَیَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ ﴿۳۰﴾

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا:......اور جب ان پر قرآن کی آیات پڑھی جاتی ہیں۔ قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ: متکبرانہ اور معاندانہ انداز میں کہتے ہیں: ہم نے یہ کلام سن رکھا ہے۔ اگر ہم چاہیں تو ایسا کلام کہہ سکتے ہیں۔ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ: یہ قرآن جو تم ہمیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہو۔ یہ جھوٹ، باطل اور سابقہ امتوں کی حکایات کا پلندہ ہے۔ یہ اللہ کا کلام نہیں ہے۔ ابوسعود کہتے ہیں: یہ انتہا درجے کا متکبرانہ اور معاندانہ انداز ہے۔ بھلا کیوں نہیں ہوگا۔ اگر وہ قدرت رکھتے ایسا کلام پیش کرنے میں تاخیر نہ کرتے، حالاں کہ انہیں دس سال سے اس کا چیلنج دیا جاتا رہا وہ اس سے عاجز رہے۔ بالآخر تلوار اٹھانے پر مجبور ہوئے۔ ان میں نفرت اور بغض انتہا درجے کا تھا۔ بایں ہمہ انہیں غلبہ نہیں مل سکا۔[1]

---

[1] ابوالسعود ۲/ ۲۳۷

عذاب کی درخواست کرنا اور عذاب کا عدم نزول

وَإِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ:......یعنی اگر یہ قرآن حق ہے اور تیری طرف سے نازل ہوا ہے۔ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ: ہمارے اوپر آسمان سے پتھروں کی بارش برسا، جیسے قوم لوط پر برسائی تھی۔ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ: یا ہمارے اوپر دردناک عذاب نازل کر دے، جو ہمیں ہلاک کر دے۔ یہ کفار کی طرف سے استہزا اور تہکم ہے۔ ابن کثیر کہتے ہیں: یہ کفار کے شدید بغض و عناد، تکذیب اور جہالت کا نتیجہ ہے، حالاں کہ ان بدبختوں کو یوں کہنا چاہیے تھا: اے اللہ! اگر یہ قرآن برحق ہے اور تیری طرف سے منزل ہے تو ہمیں ہدایت دے اور اس کی اتباع کی توفیق عطا فرما، لیکن بے وقوفی کی وجہ سے عذاب کا مطالبہ کیا۔[1] وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيْهِمْ: یہ ان کے قبیح اعتراض کا جواب ہے اور انہیں مہلت دینے کا جو سبب موجب ہے، اس کی وضاحت ہے۔ یعنی وہ تو عذاب کے مستحق ہیں، لیکن اللہ نے انہیں عذاب میں اس لیے گرفتار نہیں کیا، چوں کہ آپ ﷺ ان کے درمیان موجود ہیں۔ اے محمد! تمہارے اکرام کی وجہ سے ان پر عذاب نازل نہیں کیا۔ چنانچہ سنت اللہ ہے کہ اللہ اس قوم کو عذاب نہیں دیتا جس کا نبی ان کے درمیان موجود ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: کسی امت کو عذاب نہیں ہوا اس حال میں کہ ان کا نبی ان کے درمیان موجود ہو۔[2] عذاب سے مراد ایسا عذاب ہے جو کفار کا استیصال کر دے۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ: اللہ ان کفار کو عذاب دینے والا نہیں، اس حال میں کہ ان کے درمیان مؤمنین موجود ہوں جو اللہ کے حضور استغفار کر رہے ہیں۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کمزور مسلمان جو کفار کے درمیان رہ گئے تھے، وہ استغفار کرتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: کفار کے لیے دو چیزیں امان قرار دی گئی ہیں۔ (اول)......نبی کریم ﷺ وہ تو اس دنیا سے رخصت ہو چکے۔ (دوم)......استغفار، وہ تو تا قیامت باقی رہے گا۔[3]

وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ:......بھلا ایسی کونسی چیز ہے جو ان سے عذاب کو روک سکتی ہے؟ انہیں عذاب کیونکر نہ ہوتا، حالاں کہ یہ کفر و ضلالت پر مصر ہیں؟ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ: اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ مسجد حرام سے روکتے ہیں، جیسا کہ حدیبیہ والے سال رسول کریم ﷺ کو مسجد حرام میں جانے سے روکا اور انہوں نے رسول کریم ﷺ اور مؤمنین کو ہجرت پر مجبور کیا۔ وَمَا كَانُوْا أَوْلِيَآءَهُ: اور یہ کفار مسجد حرام کے متولی بننے کی اہلیت نہیں رکھتے، کیوں کہ یہ شرک کے مرتکب ہیں۔ إِنْ أَوْلِيَآؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُوْنَ: مسجد حرام کی ولایت کی اہلیت صرف نیکوکار اور پرہیزگاروں میں ہے۔ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ: لیکن ان میں سے اکثر جاہل اور گھٹیا لوگ ہیں۔ چنانچہ کہا کرتے تھے: ہم بیت اللہ اور مسجد حرام کے متولی ہیں ہم جسے چاہیں حرم سے روک دیں اور جسے چاہیں داخل کریں۔ اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ کفار عذاب استیصال کے مستحق ہیں، لیکن اللہ نے انہیں اس وجہ سے عذاب نہیں دیا کیوں کہ رسول کریم ﷺ کا اکرام و احترام ملحوظ رہا اور کمزور مسلمان استغفار کرتے رہے۔ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً: مشرکین کی قباحتوں میں سے ایک یہ بھی ہے یعنی بیت اللہ حرم کے پاس مشرکین کی عبادت اور نماز صرف سیٹیاں بجانا اور تالیاں بجانا ہے، جب مسلمان نماز پڑھ رہے ہوتے، مسلمانوں کو خلط میں ڈالنے کے لیے سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے۔ آیت کا معنی ہے کہ مشرکین نے نماز اور تقرب خداوندی کے بجائے سیٹیاں اور تالیاں مقرر کر لی تھیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: مشرکین ننگے بدن سیٹیاں اور تالیاں بجاتے ہوئے بیت اللہ کا طواف کرتے تھے۔[4]

فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ:......قتل و قید کا عذاب چکھو، یہ عذاب تمہارے کفر اور قبیح افعال کے باعث ہے۔ اس میں جنگ بدر کے نتائج کی طرف اشارہ ہے۔ إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: مشرکین کفار اس غرض میں خرچ کرتے ہیں تا کہ لوگ دین اسلام میں داخل نہ ہوں اور محمد کے ساتھ لڑنے کے لیے اپنے اموال خرچ کرتے ہیں۔ طبری کہتے ہیں: جب جنگ بدر میں کفار کو شکست ہوئی اور زخموں سے چور باقی ماندہ لوگ مکہ واپس آئے تو کہنے لگے: اے جماعت قریش! محمد نے تمہیں دم بریدہ کر دیا ہے اور تمہارے عظما روسا کو قتل کر دیا ہے۔ اپنے مال سے ہماری مدد کرو تا کہ ہم انتقام لینے میں کامیاب ہو جائیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔[5]

---

[1] المختصر ۲/۱۰۱ [2] البحر ۴/۴۸۹ [3] الرازی ۱۵/۱۵۸ [4] ... [5] الطبری ۳/۵۲۴

فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً:...... کفار یہ اموال خرچ لیں، پھر ان کے لیے باعث ندامت ہوگا، کیوں کہ یہ اپنے اموال خرچ کر دیں گے اور اللہ کے نور کو مٹانے اور اعلائے کلمۃ اللہ میں رکاوٹ ڈالنے کی جس غرض سے یہ خرچ کرتے تھے وہ غرض پوری نہیں ہوگی۔ ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ: غیب کی خبر دی جاری ہے، یعنی آخر کار مشرکین کو شکست ہوگی، چنانچہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ: اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب ہو کر رہیں گے۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ: ان میں سے جو لوگ کفر پر مر چکے انہیں جہنم کی طرف ہانکا جائے گا۔ اس وقت ان کی ندامت دو چند ہوگی، بلکہ کئی گنا بڑھی ہوگی۔

لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ:...... تا کہ اللہ، رحمٰن کے لشکر اور شیطان کے لشکر میں امتیاز کر دے۔ صالح مؤمنین اور کفار اشرار میں فیصلہ کر دے۔ خبیث سے مراد کافر ہے اور طیب سے مراد مؤمن ہے۔ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ: اور تا کہ کفار کو ایک دوسرے کے اوپر رکھے۔ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا: پھر ان کا اوپر تلے ڈھیر بنادے۔ ان کا یہ ڈھیر کثرت ہجوم کی وجہ سے ہوگا۔ فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ: اور پھر انہیں دوزخ کی آگ میں ڈال دے۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ: یہی لوگ کامل طور پر خسارے میں ہیں کیوں کہ انہوں نے اپنی جانوں اور اموال کو ضائع کر دیا۔ اس کے بعد اللہ نے مشرکین کو توبہ اور انابت کی دعوت دی ہے اور کفر و ضلالت پر اصرار کرنے سے ڈرایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ: اے محمد! ان مشرکین سے کہہ دیجیے: اگر یہ کفر سے باز آجائیں اور اللہ پر ایمان لائیں اور تمہارے ساتھ اور مؤمنین کے ساتھ جنگ کرنا چھوڑ دیں تو ان کے سابقہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ: اور اگر پھر تمہارے ساتھ دوبارہ جنگ کریں اور تمہاری تکذیب کریں تو میرا طریقہ اور معاملہ پہلے لوگوں کے ساتھ گزر چکا ہے اور وہ بھی میرے انبیا کی تکذیب کرتے تھے۔ اسی طرح ہم ان کے ساتھ کریں گے۔ آیت میں کفار کے لیے شدید وعید ہے۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ:...... اے مؤمنین کی جماعت! اپنے دشمن مشرکین سے لڑتے رہو یہاں تک کہ مشرک کا وجود نہ رہے اور صرف اللہ کی عبادت کی جانے لگے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: آیت میں فتنہ سے مراد شرک ہے، یعنی جنگ کرتے رہو یہاں تک کہ سطح زمین پر کوئی مشرک باقی نہ رہے۔ ابن جریج کہتے ہیں: یہاں تک کہ کسی مؤمن کو اس کے دین کے متعلق آزمائش کا شکار نہ ہونا پڑے۔ وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ: یعنی باطل ادیان مضمحل ہو جائیں اور صرف دین اسلام باقی رہے۔ علامہ آلوسی کہتے ہیں: باطل ادیان کا اضمحلال یا تو ان ادیان کے نام لیواؤں کی ہلاکت سے ہو پاتا ہے یا ان ادیان سے رجوع کرنے سے۔[1] کیوں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے ساتھ لڑتا رہوں، یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیں۔ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ: اگر مشرکین کفر سے باز آجائیں اور اسلام قبول کر لیں تو اللہ دلوں پر مطلع ہے، لہٰذا وہ انہیں ان کی توبہ اور قبول اسلام پر ثواب عطا فرمائے گا۔ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ: یعنی اگر کفر سے باز نہ آئیں اور ایمان سے اعراض کریں تو اے مؤمنین کی جماعت! جان لو، اللہ تمہارا مددگار اور تمہارا حمایتی ہے، لہٰذا اللہ کی مدد و نصرت اور اس کی دوستی اور حمایت پر اعتماد رکھو۔ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ: اللہ تمہارا بہت اچھا رکھوالا جو اس کا دم بھرتا ہے وہ ضائع نہیں ہوتا اور بہترین مددگار ہے، جس کی وہ مدد کرتا ہے وہ مغلوب نہیں ہوتا۔

بلاغت: يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ:...... میں استعارہ تمثیلیہ ہے۔ بندوں کے دلوں پر اللہ کے اختیار و تصرف کو ایسے شخص کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو دو چیزوں کے درمیان حائل ہو۔ یہ لطیف استعارہ ہے۔ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ: مشرکین کے اجلاس کی صورت عجیبہ کے استحضار کے لیے مضارع کا صیغہ لایا گیا ہے۔ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ: مکر کی نسبت اللہ کی طرف بطور مشاکلت ہے۔ یعنی اللہ نے مشرکین کے مکر و فریب کو اکارت کر دیا۔ مشاکلت کا معنی ہے کہ الفاظ ایک جیسے ہوں، جبکہ معنی مختلف ہو۔ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً: یہ قرآنی اسلوب کی خوبصورت تعبیر ہے۔ مُكَآءً اور تَصْدِيَةً کو صلوٰۃ کی جگہ لایا گیا ہے۔ بیت اللہ کے پاس سیٹیوں اور تالیوں کے بجائے نماز پڑھنی ہوتی ہے۔ گویا مشرکین چوپایوں کے مترادف ہیں جو عبادت کا معنی ہی نہیں سمجھتے اور نہ بیت اللہ کا احترام کرتے ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ”فلاں شخص نے قوم کی تواضع کوڑوں اور جوتوں سے کی۔“

---

[1] روح المعانی ۹/ ۲۰۷

اَلْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ:......مؤمن وکافر سے کنایہ ہے اور خبیث وطیب کے الفاظ میں طباق بھی ہے محسنات بدیعیہ میں سے ہے۔

تنبیہ:......حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ابوسعید بن معلّٰی رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے، وہ کہتے ہیں: ایک مرتبہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ اتنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس سے گزرے اور مجھے بلایا، میں آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہوا، حتیٰ کہ نماز ادا کی اور پھر خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا: تم میرے بلانے پر میرے پاس کیوں نہیں آئے؟ حالاں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ: اے ایمان والو! اللہ اور اللہ کے رسول کا حکم مانو۔ جب اللہ کا رسول تمہیں ایسی چیز کی طرف بلائے، جس میں تمہاری زندگی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: میں تمہیں قرآن کی عظیم سورت کے متعلق بتاؤں گا قبل اس کے کہ میں باہر نکلوں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر نکلنے لگے۔ میں نے آپ کو یاد کرایا۔ آپ نے فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ: یہ سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا کیا گیا ہے۔[۲]

لطیفہ:......حکایت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قوم سبا کے ایک شخص سے کہا: تمہاری قوم نے ایک عورت (بلقیس) کو اپنی ملکہ بنا کر کتنی بڑی جہالت کا مظاہرہ کیا ہے۔ وہ شخص بولا: میری قوم کی بہ نسبت تمہاری قوم زیادہ جاہل نکلی ہے۔ چنانچہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حق کی دعوت دی تو آگے سے ان کا جواب تھا۔ اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ: یا اللہ اگر یہ قرآن حق ہے اور تیری طرف سے منزل ہے تو ہمارے اوپر آسمانی پتھر برسادے یا ہمارے اوپر دردناک عذاب مسلط کردے۔ تمہاری قوم نے یوں نہیں کہا: اگر یہ قرآن برحق ہے تو ہمیں اس کی ہدایت دے۔ گویا تمہاری قوم نے ہدایت کے بجائے عذاب طلب کیا۔ اس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خاموش رہے۔

(نویں پارہ کی تفسیر ختم ہوئی۔ والحمد للہ علی ذٰلک)

[۲] مختصر ابن کثیر ۲/ ۹۵۶

پارہ نمبر ۱۰ ...... وَاعْلَمُوْٓا

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۱﴾ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْیَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰی وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِی الْمِیْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۬ۙ لِّیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَیِّنَةٍ وَّیَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْۢ بَیِّنَةٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۴۲﴾ اِذْ یُرِیْكَهُمُ اللّٰهُ فِیْ مَنَامِكَ قَلِیْلًا ؕ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِیْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾ وَاِذْ یُرِیْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَیْتُمْ فِیْۤ اَعْیُنِكُمْ قَلِیْلًا وَّیُقَلِّلُكُمْ فِیْۤ اَعْیُنِهِمْ لِیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَاِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِیْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ ﴿۴۷﴾ وَاِذْ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْیَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّیْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰی عَقِبَیْهِ وَقَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّیْۤ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾ اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰۤؤُلَآءِ دِیْنُهُمْ ؕ وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۴۹﴾ وَلَوْ تَرٰۤی اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ﴿۵۰﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴿۵۱﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ یَكُ مُغَیِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۳﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِیْنَ ﴿۵۴﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَلَّذِیْنَ عٰهَدْتَّ

مِنۡهُمۡ ثُمَّ يَنۡقُضُوۡنَ عَهۡدَهُمۡ فِىۡ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمۡ لَا يَتَّقُوۡنَ ﴿۵۶﴾ فَاِمَّا تَثۡقَفَنَّهُمۡ فِى الۡحَرۡبِ فَشَرِّدۡ بِهِمۡ مَّنۡ خَلۡفَهُمۡ لَعَلَّهُمۡ يَذَّكَّرُوۡنَ ﴿۵۷﴾ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنۡ قَوۡمٍ خِيَانَةً فَانۢبِذۡ اِلَيۡهِمۡ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡخَآئِنِيۡنَ ﴿۵۸﴾ وَلَا يَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا سَبَقُوۡا ؕ اِنَّهُمۡ لَا يُعۡجِزُوۡنَ ﴿۵۹﴾ وَاَعِدُّوۡا لَهُمۡ مَّا اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ قُوَّةٍ وَّمِنۡ رِّبَاطِ الۡخَيۡلِ تُرۡهِبُوۡنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمۡ وَاٰخَرِيۡنَ مِنۡ دُوۡنِهِمۡ ۚ لَا تَعۡلَمُوۡنَهُمۡ ۚ اَللّٰهُ يَعۡلَمُهُمۡ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَىۡءٍ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيۡكُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تُظۡلَمُوۡنَ ﴿۶۰﴾

ترجمہ:......اور تم جان لو کہ جو کوئی چیز تمہیں مال غنیمت سے ملے سو بلاشبہ اللہ کے لیے اس کا پانچواں حصہ ہے اور رسول کے لیے اور قرابت والوں کے لیے اور یتیموں کے لیے مسکینوں کے لیے اور مسافروں کے لیے، اگر تم ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور اس چیز پر جو ہم نے نازل کی اپنے بندے پر فیصلے کے دن جس روز بھڑ گئی تھیں دونوں جماعتیں اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ ﴿۴۱﴾ جبکہ تم قریب والے کنارے پر تھے اور وہ لوگ دور والے کنارے پر، اور قافلے والے تم سے نیچے کی طرف تھے اور اگر تم آپس میں وعدہ کر لیتے تو تم میعاد کے بارے میں اختلاف کر لیتے اور لیکن تاکہ اللہ تعالیٰ اس امر کا فیصلہ فرمائے جو ہو جانے والا تھا، تاکہ جو شخص ہلاک ہو حجت قائم ہونے کے بعد ہلاک ہو، اور جو شخص زندہ رہے وہ حجت قائم ہونے کے بعد زندہ رہے اور بلاشبہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے، ﴿۴۲﴾ جبکہ اللہ ان کو آپ کے خواب میں کم دکھا رہا تھا، اور اگر وہ تمہیں ان کی تعداد زیادہ دکھاتا تو تم ہمت ہار جاتے اور اس امر میں باہمی تم میں نزاع ہو جاتا لیکن اللہ نے بچا لیا۔ بے شک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے، ﴿۴۳﴾ اور جبکہ تم باہم مقابل ہوئے وہ ان کو تمہاری آنکھوں میں کم کر کے دکھا رہا تھا اور تمہیں ان کی آنکھوں میں کم کر کے دکھا رہا تھا۔ تاکہ اس بات کا فیصلہ ہو جائے جس کا وجود میں آنا مقرر ہو چکا تھا، اور تمام امور اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔ ﴿۴۴﴾ اے ایمان والو! جب تم کسی جماعت سے بھڑ جاؤ تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ، ﴿۴۵﴾ اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، اور صبر کرو بلاشبہ اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔ ﴿۴۶﴾ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے لوگوں کو دکھانے کے لیے نکلے اور وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روک رہے تھے اور اللہ ان کے اعمال کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ ﴿۴۷﴾ اور جب شیطان نے ان کو اعمال خوشنما کر کے دکھائے اور اس نے یوں کہا کہ لوگوں میں سے آج تم پر کوئی بھی غلبہ پانے والا نہیں ہے اور میں تمہاری حمایت کرنے والا ہوں پھر جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں تو وہ الٹے پاؤں بھاگ نکلا اور اس نے کہا کہ بلاشبہ میں تم سے بری ہوں بے شک میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے، بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ سخت عذاب والا ہے۔ ﴿۴۸﴾ جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے یوں کہہ رہے تھے کہ ان لوگوں کو ان کے دین نے گھمنڈ میں ڈال دیا اور جو کوئی شخص اللہ پر بھروسہ کرے تو بلاشبہ اللہ عزت والا ہے غلبہ والا ہے۔ ﴿۴۹﴾ اور اگر آپ دیکھیں جبکہ فرشتے کافروں کی جان قبض کرتے ہوئے ان کے مونہوں پر اور ان کے پشتوں پر مارتے جاتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ جلنے کا عذاب چکھ لو۔ ﴿۵۰﴾ یہ ان اعمال کی وجہ سے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجے اور بلاشبہ اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ ﴿۵۱﴾ جیسا کہ آل فرعون کی حالت تھی اور ان لوگوں کی جو ان سے پہلے تھے انہوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا سو اللہ نے ان کے گناہوں کے سبب ان کو پکڑ لیا بے شک اللہ قوی ہے سخت عذاب والا ہے۔ ﴿۵۲﴾ یہ اس وجہ سے کہ بلاشبہ اللہ کسی نعمت کا بدلنے والا نہیں جو کسی قوم کو دی ہو یہاں تک وہ خود ہی اپنے ذاتی اعمال کو نہ بدل دیں اور بلاشبہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ ﴿۵۳﴾ جیسا کہ آل فرعون اور ان لوگوں کی حالت تھی جو ان سے پہلے تھے انہوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا۔ سو ہم نے ان کے سبب انہیں ہلاک کر دیا اور ہم نے آل فرعون کو ڈبو دیا اور یہ سب ظالم تھے، ﴿۵۴﴾ بے شک زمین پر چلنے پھرنے والوں میں اللہ کے نزدیک بدترین لوگ وہ ہیں جنہوں نے کفر اختیار کیا سو وہ ایمان نہ لائیں گے۔ ﴿۵۵﴾ یہ وہ

لوگ ہیں جن سے آپ نے معاہدہ کیا پھر وہ اپنے عہد کو توڑ ڈالتے ہیں اور وہ نہیں ڈرتے ﴿۵۶﴾ سو اگر آپ ان کو جنگ میں پالیں تو ان کے ذریعے ان لوگوں کو منتشر کر دیجیے جو ان کے پیچھے ہیں تا کہ ان کو عبرت حاصل ہو، ﴿۵۷﴾ اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو ان سے جو عہد آپ نے کیا ہے وہ ان کی طرف پھینک دیجیے تا کہ وہ اور آپ برابر ہو جائیں بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ ﴿۵۸﴾ اور کافر لوگ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ وہ آگے بڑھ کر بچ نکلے، وہ لوگ عاجز نہیں کر سکیں گے۔ ﴿۵۹﴾ اور ان کے مقابلے کے لیے تیاری کرو جو کچھ تم سے ہو سکے قوت سے بھی اور پلے ہوئے گھوڑوں سے بھی اس کے ذریعے تم اللہ کے دشمن کو اور اپنے دشمن کو اور ان لوگوں کو جو ان کے علاوہ ہیں ڈراتے رہو، تم ان کو نہیں جانتے اللہ ان کو جانتا ہے اور جو بھی کوئی چیز تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا پورا دے دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہ کیا جائے گا۔ ﴿۶۰﴾

ماقبل سے ربط وتعارف:.....قبل ازیں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیا اور غزوۂ بدر کے کچھ احوال بیان کیے۔ لامحالہ جنگ کے بعد مجاہدین کو غنیمت ملتی ہے اور غنیمت مشرکین کے اموال ہیں۔ اب ان آیات میں اموال غنیمت اور ان کی تقسیم کا ذکر کیا ہے اور پھر غزوہ بدر کے بقیہ احوال بیان کیے گئے ہیں۔

لغات: اَلْعُدْوَةِ الدُّنْيَا:.....عُدوہ کا معنی ہے۔ جانب، سمت، کنارہ، الدنیا، ادنیٰ کا مؤنث ہے۔ قریب کے معنی میں ہے۔ اس سے مراد مدینہ کی جانب ہے۔ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى: اقصیٰ کا مونث ہے، دور کی چیز، مراد دور کا نا کا یعنی مکہ کی جانب۔ نَكَصَ: النکوص، یہ کسی چیز سے ہٹ جانا۔ كَدَاْبِ: عادت کو ''داب'' کہا جاتا ہے۔ چوں کہ عادت بھی دائمی ہوتی ہے۔ اس لیے اسے بھی دأب کہا جاتا ہے۔ تَثْقَفَنَّهُمْ: لیث کہتے ہیں: محاورہ ہے: ثقفنا فلانًا في موضع کذا۔ یعنی فلاں شخص کو ہم نے فلاں جگہ پکڑ لیا۔[۱] فَشَرِّدْ: تشرید سے ہے بمعنی بھگانا۔

مال غنیمت کے احکام ومصارف

تفسیر: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ:.....اے مؤمنین! جان رکھو کہ مشرکین کے اموال میں سے دوران جنگ جو چیز بطور غنیمت تمہارے قبضے میں آئے۔ خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر۔ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ: حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: یہ افتتاح کلام ہے۔ دنیا وآخرت اللہ ہی کی ہے۔ گویا ابتدا میں اللہ کا نام تبرک وتعظیم کے طور پر لایا گیا ہے جیسے وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ (سورۃ التوبہ، آیت ۶۲) مفسرین کہتے ہیں: مال غنیمت پانچ حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ پانچواں حصہ آیت میں مذکورہ مصارف کو دیا جائے گا اور باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کیے جائیں گے۔ وَلِلرَّسُوْلِ: یعنی خمس میں سے ایک حصہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا جائے گا۔ وَلِذِي الْقُرْبٰى: یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں یعنی بنو ہاشم اور بنو مطلب کو حصہ دیا جائے۔ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ: آیت میں مذکور اصناف کو بھی خمس میں سے دیا جائے وہ ایسے بچے جن کا والد فوت ہو گیا ہو۔ مساکین جو محتاج ہوں اور مسافر۔ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ: جواب شرط محذوف ہے۔ تقدیری عبارت یوں ہے: ان کنتم آمنتم باللہ فاعلموا ان هٰذا هو حکم اللہ یعنی اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو تمہیں علم ہونا چاہیے کہ اموال غنیمت کے متعلق یہ اللہ کا حکم ہے، لہٰذا اللہ کے حکم کو بجالاؤ۔

یوم بدر، فیصلے کا دن

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰي عَبْدِنَا:.....اگر تم اس چیز پر ایمان رکھتے ہو، جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی۔ يَوْمَ الْفُرْقَانِ: یعنی بدر کے دن چوں کہ اس دن اللہ نے حق و باطل میں فرق کیا ہے۔ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ: دو جماعتیں ایک جماعت مسلمانوں کی اور ایک جماعت کفار کی اور رحمن کے لشکر کا شیطان کے لشکر سے مقابلہ ہو۔ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ: اللہ قدرت والا ہے، اسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی۔ خواہ تمہاری تعداد قلیل ہو یا کثیر وہی تمہاری مدد کرنے والا ہے۔ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا: یہ جنگ کا جغرافیائی نقشہ ہے، یعنی اے مؤمنین کی جماعت! جس وقت تم وادی کے اس جانب تھے جو مدینہ کے قریب ہے۔ وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى: اور تمہارا دشمن مشرکین وادی کے اُس جانب تھے جو مدینہ سے دور واقع ہے۔

---

[۱] الرازی ۱۵/ ۱۸۹

وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ :......اور قریش کا تجارتی قافلہ تم سے نیچے کی طرف تھا اور یہ جگہ ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ تھی۔ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ: اگر تم اور مشرکین جنگ کا وقت پہلے سے متعین کر لیتے تو تقدیم و تاخیر میں ضرور تمہارے درمیان اختلاف ہو جاتا، لیکن اللہ نے اپنی حکمت سے معاملہ آسان کر دیا اور تمام فرمایا۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمان قریش کے تجارتی قافلے کا راستہ روکنے کے لیے گھروں سے نکلے تھے لیکن اللہ نے مسلمانوں کو ان کے دشمن مشرکین کے ساتھ بغیر کسی طے شدہ پالیسی کے جنگ پر جمع کر دیا۔[1] امام رازی کہتے ہیں: معنی ہے اگر تم اور اہل مکہ جنگ پر اتفاق کر لیتے۔ تم ایک دوسرے سے اختلاف کرتے چوں کہ تمہاری تعداد کم تھی اور دشمن کی تعداد زیادہ تھی۔[2] وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا: لیکن اللہ نے بغیر طے شدہ معاہدے کے تمہیں اکٹھا کر دیا تا کہ اللہ جو چاہتا ہے، اسے پورا کرے۔ اللہ نے اسلام اور اہل اسلام کا اعزاز چاہا اور مشرکین کی ذلت چاہی۔ گویا جنگ کا واقعہ لامحالہ پیش آ کر رہنا تھا۔ ابو سعود رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: آیت کی غرض ہے کہ مسلمانوں کے لیے جو فتح متحقق ہوئی وہ صرف اور صرف خارق عادت کے طور پر اللہ کے اختیار سے ہے۔ مسلمانوں کے ایمان میں اضافہ ہوا اور اللہ کا زیادہ شکر کرنے لگے اور خمس کی تقسیم سے ان کے دل مطمئن ہو گئے۔[3] لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ: اللہ نے ایسا اس لیے کیا تا کہ جس نے کفر کرنا ہے وہ کفر پر واضح دلیل کے ساتھ برباد ہو۔ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ: اور جس نے ایمان لانا ہے وہ واضح دلیل کے ساتھ ایمان پر قائم رہے۔ چنانچہ واقعہ بدر اولیا کی مدد اور ان کے دشمنان کی ذلت پر اللہ کی واضح اور ظاہر و باہر نشانی ہے۔ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ: اللہ اپنے بندوں کی باتیں سنتا ہے اور ان کی نیتوں سے واقف ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خواب

اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا:...... اے محمد! یاد کرو جب اللہ نے تمہیں خواب میں تمہارے دشمن تعداد میں کم کر کے دکھائے، تم نے اپنے صحابہ کو ان کی خبر دی اور وہ سن کر خوش ہو گئے اور ان میں قوت و شجاعت کی لہر دوڑ گئی۔ مجاہد کہتے ہیں: اللہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں مشرکین کی تعداد کم دکھائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو خبر دی جو ان کے لیے قوت اور ثابت قدمی کا باعث بنی۔ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ: اگر اللہ تمہیں دشمن کی تعداد زیادہ دکھاتا، تمہارے اصحاب ہمت ہار جاتے اور مشرکین کے ساتھ جنگ کرنے کی قدرت نہ رکھتے۔ آیت میں ہمت ہارنے کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نہیں کی گئی، چوں کہ آپ معصوم ہیں، بلکہ صحابہ کی طرف کی گئی ہے۔ یہ محاسن قرآن میں سے ہے۔ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ: اے جماعت صحابہ! تم مشرکین کے ساتھ جنگ کرنے کے معاملے میں اختلاف کا شکار ہو جاتے۔ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ: لیکن اللہ نے تمہیں ہمت ہارنے اور آپس میں جھگڑنے سے محفوظ رکھا۔ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ: اللہ تعالیٰ دلوں کے احوال یعنی دلیری، شجاعت، بہادری، کمزوری، سستی کو خوب جانتا ہے۔

وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْۤ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْۤ اَعْيُنِهِمْ:...... پہلی آیت میں خواب میں دکھائے گئے منظر کے احوال بیان کیے جا رہے تھے۔ اب میدان جنگ میں بیداری کے احوال بیان کیے جا رہے ہیں۔ یعنی اے مؤمنین کی جماعت! وہ وقت یاد کرو جب تم معرکہ میں ایک دوسرے کے مقابل ہوئے۔ اللہ نے تمہارے دشمن کی تعداد تمہاری نظروں میں کم کر دی تا کہ تم جرأت و بہادری کا مظاہرہ کر سکو اور تمہاری تعداد دشمن کی نظروں میں کم کر کے دکھائی تا کہ جنگ کی خاطر خواہ تیاری نہ کر پائیں اور تم سے مرعوب ہو کر بھاگ نہ جائیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جنگ بدر میں مشرکین کی تعداد ہماری نظروں میں کم کر دی گئی تھی، حتیٰ کہ میں نے ایک شخص سے کہا: تمہاری کیا رائے ہے، ان کی تعداد ایک سو تھی؟[4] یہ معرکہ شروع ہونے سے پہلے کی کیفیت ہے۔ جب جنگ شروع ہو چکی تو اللہ تعالیٰ نے کفار کی آنکھوں میں مسلمانوں کی تعداد بڑھا دی تھی، تا کہ ان پر مسلمانوں کا رعب اور ہیبت طاری ہو جائے اور ان کا شیرازہ بکھر جائے اور وہ کچھ دیکھ لیں جو ان نے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ یہ

[1] الطبری ۲/۵۲۶ [2] تفسیر الرازی ۵/۱۶۷ [3] ابو السعود ۲/۲۴۰ [4] الطبری ۱۳/۵۷۳

اس غزوہ کی عظیم الشان نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا: یہ اللہ نے کیا ہے۔ مؤمنین کو کفار پر جرأت دی اور کفار کو مؤمنین پر تاکہ معرکہ کا وقوع ہو اور گھمسان کا رن پڑے، اللہ اپنے لشکر کو فتح مند کرے اور دشمن کے لشکر کو شکست دے، اللہ کا حکم بلند و بالا ہو جائے اور کفار کا انجام ذلت و رسوائی ہو۔ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ: تمام امور نے اللہ کی طرف لوٹنا ہے۔ معاملات میں وہ جیسے چاہتا ہے، تصرف کرتا ہے، اللہ کے حکم میں پچھتا وا نہیں وہ حکمت والا ہے اور پاک ہے۔

جہاد اور ذکر اللہ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا:...... دشمن کے ساتھ مقابلے کی صورت میں فتح و نصرت کا یہ راستہ بتا دیا گیا ہے۔ یعنی کفار کی جماعت سے تمہارا مقابلہ ہو تو جنگ میں ثابت قدمی کا مظاہرہ کرو اور سستی مت دکھاؤ۔ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ: اپنی زبانوں سے زیادہ سے زیادہ اللہ کا ذکر کرو تاکہ تم اس کی مدد طلب کرتے رہو اور قدم بہ قدم اللہ کی مدد تمہارے ساتھ رہے۔ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ: اپنے تمام اقوال و افعال میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور کسی چیز میں بھی ان کے حکم کی مخالفت مت کرو۔ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا: آپس میں اختلاف نہ کرو، کمزور پڑ جاؤ گے اور دشمن کا مقابلہ کرنے سے سست پڑ جاؤ گے۔ وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ: تمہارا اقبال اور شان و شوکت جاتی رہے گی۔ تمہارے اندر کمزوری اور پست ہمتی عود کر آئے گی۔ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ: جنگ کے شدائد اور ہولناکیوں پر صبر کرو، چوں کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

مشرکین مکہ کا غرور و نمائش

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ:...... کفار قریش کی طرح مت ہو جاؤ، جب وہ مکہ سے سوئے بدر متکبرانہ انداز میں نکلے تھے اور فخر و غرور کی حالت میں چلتے آئے تھے۔ آیت میں ابوجہل کے قول کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ کی قسم! ہم واپس نہیں جائیں گے، یہاں تک کہ ہم بدر وارد ہو جائیں، وہاں شراب پی لیں اور اونٹوں کو ذبح کر لیں۔ مغنیات سے گانے گوالیں اور عرب میں ہماری شہرت کا ڈنکا بج جائے۔ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو لوگ ہمارے اوپر اپنا رعب جماتے رہیں گے۔ طبری کہتے ہیں: کفار قریش نے جام کی جگہ کھوپڑیوں میں موت کی شراب پی۔ [1] اور مغنیات کی بجائے عورتوں نے نوحہ کیا۔ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ: اور وہ لوگوں کو اسلام میں داخل ہونے سے منع کرتے ہیں۔

مشرکین مکہ کو شیطان کا دھوکہ

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ:...... اس وقت کو یاد کرو جب شیطان نے ان کے قبیح اعمال شرک، بت پرستی اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کو آراستہ کر دکھایا۔ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ: یعنی محمد اور اس کے ساتھی تمہارے اوپر غالب نہیں ہو سکتے۔ وَاِنِّىْ جَارٌ لَّكُمْ: میں تمہارا محافظ اور نگران ہوں اور تمہارا مددگار و رفیق ہوں۔ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ: جب دونوں جماعتوں کا آمنا سامنا ہوا، شیطان پیٹھ پھیر کر بھاگ گیا۔ وَقَالَ اِنِّىْ بَرِىْۤءٌ مِّنْكُمْ: میں تمہاری رفاقت کے عہد سے بری الذمہ ہوں۔ اس میں کفار کی بے یاری اور رسوائی کا مبالغہ ہے۔ اِنِّىْۤ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ: میں مؤمنین کی مدد کے لیے فرشتوں کو اترتے دیکھ رہا ہوں اور تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔ حدیث میں ہے: شیطان اتنا زیادہ حقیر، مغلوب و مقہور، رسوا اور حیرت میں ڈوبا ہوا نہیں دیکھا گیا، جتنا کہ عرفہ کے دن ہوتا ہے، البتہ بدر کے موقع پر جبرئیل امین علیہ السلام کو فرشتوں کی کمان کرتے دیکھ کر اس کی حالت نہایت غیر ہو گئی تھی۔ اِنِّىْۤ اَخَافُ اللّٰهَ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ: میں اللہ سے ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے عذاب دے گا اور اس کا عذاب بہت سخت ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ابلیس بدر کے دن شیاطین کی کمان کرتے ہوئے

---

[1] الطبری ۱۳ / ۵۷۸

حاضر ہوا اس کے ہاتھ میں شیاطین کا جھنڈا تھا اور وہ سراقہ بن مالک کی صورت میں حاضر ہوا تھا۔ شیطان نے مشرکین سے کہا: آج لوگوں میں سے کوئی بھی تمہارے اوپر غالب نہیں آسکتا اور میں تمہارا رفیق ہوں۔ جب فریقین نے صفیں باندھ لیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مٹھی بھر خاک لی اور مشرکین کے چہروں پر دے ماری۔ خاک پڑتے ہی مشرکین پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ جبرئیل علیہ السلام شیطان کی طرف متوجہ ہوئے، اسے دیکھا کہ اس کا ہاتھ ایک مشرک کے ہاتھ میں ہے اور اس سے اپنا ہاتھ چھڑا رہا ہے۔ جب ہاتھ چھڑا لیا تو اپنی جماعت کے ساتھ بھاگ نکلا، جس کے ہاتھ میں اس کا ہاتھ تھا وہ شخص بولا: اے سراقہ! تم کہتے تھے کہ میں تمہارا رفیق اور مددگار ہوں؟ اس پر ابلیس نے جواب دیا۔ جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں، وہ تم نہیں دیکھتے۔ ابلیس نے جھوٹ بولا تھا، اسے علم تھا کہ اس کے پاس کوئی قوت نہیں اور جب اس نے فرشتوں کو دیکھا اس کی ہوا نکل گئی۔[1]

اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ:..... جب اہل نفاق جو ایمان ظاہر کرتے تھے اور دلوں میں کفر چھپائے ہوئے تھے اور اللہ پر اعتقاد کمزور ہونے کی وجہ سے کہنے لگے: غَرَّ هٰۤؤُلَآءِ دِیْنُهُمْ: مسلمانوں کو ان کے دین نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ انہوں نے اپنے اندر ایسی چیز داخل کر رکھی ہے جن کی ان میں طاقت نہیں، اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا: وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ: اور جو شخص اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کرتا ہے، اللہ اس کا مددگار ہوتا ہے چوں کہ اللہ غالب ہے جو اس کی پناہ حاصل کرتا ہے، اسے بے یار نہیں چھوڑتا۔ اپنے افعال و کاریگری میں حکیم ہے۔ وَلَوْ تَرٰۤی اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ: اے مخاطب یا اے سامع! تم اگر بدر میں کفار کی حالت دیکھ لیتے اور اس کا مشاہدہ کر لیتے، جب فرشتے کفار مجرمین کی روحیں قبض کر رہے تھے۔ لَوْ کا جواب محذوف ہے اور یہ حذف تہویل کے لیے یعنی تم نہایت ہولناک کا سماں دیکھتے۔ ابوحیان کہتے ہیں: اس جیسی ترکیب میں لو کا جواب حذف کرنا جائز ہے بلکہ زیادہ بلیغ ہے چوں کہ وہ تہویل و تعظیم پر دلالت کرتا ہے، یعنی تم ناقابل بیان سخت ہولناک یوں والا منظر دیکھتے۔ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ فرشتے ان کے چہروں اور پیٹھوں پر ہتھوڑے مارتے تھے۔ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ: اور فرشتے ان سے کہتے تھے: اے فاجروں کی جماعت! دوزخ کی آگ کا عذاب چکھو۔ آیت میں کفار کو عذاب آخرت کی اطلاع دی جا رہی ہے۔ ایک اور قول کے مطابق فرشتوں کے پاس آگ کے کوڑے تھے۔ ان سے کفار کو پیٹتے تھے، جونہی کوڑا برستا زخم آگ سے مشتعل ہو جاتے۔[2] ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْكُمْ: یہ عذاب اس وجہ سے ہے جو تم کفر اور گناہ کرتے تھے۔ وَاَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ اور یہ کہ اللہ عادل ہے اپنے بندوں میں سے کسی پر ظلم نہیں کرتا، حتیٰ کہ اللہ بغیر گناہ کے کسی کو عذاب دے دے، اور صیغہ ظلاّم، مبالغہ نہیں۔ یہ تو محض نسبت کے لیے ہے، یعنی اللہ کی طرف ظلم منسوب نہیں۔ یا صیغہ مبالغہ بمعنی فاعل ہے، تاہم ظلم کی نفی ہے۔

قوموں کی ہلاکت ان کے اعمال وافعال اور کفر وعصیان کی وجہ سے ہوتی ہے

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ:..... جرم کرنے میں ان کفار کا طریقہ ایسا ہی ہے جیسا طریقہ اور عمل فرعونیوں کا تھا اور ان سے پہلے امتوں کا تھا، جیسے قوم نوح، قوم عاد، قوم لوط، ثمود وغیرھا۔ وہ بھی کفر و عناد اور جرم کرنے میں انہی جیسے تھے۔ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ پیغمبران کے پاس جو پیغام لاتے اس کا انکار کرتے تھے۔ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ان کے کفر اور تکذیب کی وجہ سے اللہ نے انہیں برباد کر دیا۔ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ اللہ کی پکڑ سخت ہے اور وہ سخت عذاب دینے والا ہے، اس پر کوئی غالب نہیں ہو سکتا اور کوئی بھاگنے والا اس سے بھاگ نہیں سکتا۔ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ یَكُ مُغَیِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ ان پر جو عذاب نازل ہوا ہے، اس سبب سے کہ اللہ اپنے فیصلے میں عادل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو نعمت کسی پر کی ہے وہ نعمت اللہ تبدیل نہیں کرتا، مگر یہ کہ منعم علیہ کسی گناہ کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے تو اللہ بھی نعمت تبدیل کر دیتا ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نعمت کو نقمت سے نہیں بدلتا۔ حَتّٰى یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ: یہاں تک کہ وہ خود نعمت کو کفر وعصیان سے بدل دیتے

---

[1] مختصر ابن کثیر ۲/ ۱۱۱ [2] البیضاوی، ص ۲۱۵

ہیں، جیسے کفار قریش نے آسودگی، وسعت، امن وعافیت کی نعمتوں کو کفر، اللہ کے راستے میں رکاوٹ ڈالنے سے بدل دیا تھا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے قریش پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور نعمت مبعوث کیا تھا۔ انہوں نے اس نعمت کو کفر اور تکذیب سے بدل دیا۔ پھر اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منتقل کر دیا اور مشرکین پر عذاب آیا۔[1] وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ: اللہ کفار کی باتوں کو سنتا ہے اور ان کے افعال کو جانتا ہے۔ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ: کفار کی گناہگاری پر زیادہ تشنیع اور توبیخ کے لیے آیت دہرائی گئی ہے۔ ان کفار کی حالت ایسی ہی ہے، جیسے ان سے پہلے مکذبین کی حالت تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنی حالت تبدیل کر دی اللہ نے بھی ان پر جو نعمت کی تھی، وہ تبدیل کر دی۔ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ: ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا۔ ان میں سے بعض کو زلزلے سے ہلاک کیا، بعض کو پتھر برسا کر ہلاک کیا۔ ان میں سے بعض کو غرق کیا۔ اسی لیے آگے ارشاد ہے: وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ: ہم نے فرعون اور اس کے ساتھ اس کی قوم کو غرق کیا۔ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ: تکذیب کرنے والے فرقوں میں سے ہر فرقہ کفر و معاصی کے بسبب اپنے اوپر ظلم کرنے والا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے آپ کو عذاب پر پیش کیا۔ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ: سطح زمین پر رینگنے والے جانوروں میں سے بدترین جانور اللہ کے علم و حکمت میں۔

عہد شکنوں کے ساتھ معاہدے کے احکام

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ:۔۔۔۔۔۔یعنی جن لوگوں نے کفر پر اصرار کیا اور کفر میں راسخ ہوتے گئے۔ ان سے ایمان کی کوئی توقع نہیں کی جا سکتی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: یہ آیت بنو قریظہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ چنانچہ کعب بن اشرف اور اس کے ساتھیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ کیا تھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ نہیں کریں گے، تاہم انہوں نے یہ معاہدہ توڑ دیا۔[2]

یہود کی عہد شکنی پر سرزنش

اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ:۔۔۔۔۔۔اے محمد! جن لوگوں کے ساتھ تم نے معاہدہ کیا کہ وہ مشرکین کی مدد نہیں کریں گے۔ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ: پھر وہ بار بار معاہدہ توڑتے رہے، گویا نقضِ عہد پر قائم رہے۔ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ: اور وہ نقضِ عہد کے متعلق اللہ سے نہیں ڈرتے۔ مفسرین کہتے ہیں: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود بنو قریظہ کے ساتھ معاہدہ کیا تھا کہ وہ ان کے ساتھ جنگ نہیں کریں گے اور ان کے خلاف مشرکین کی مدد نہیں کریں گے۔ چنانچہ بنو قریظہ نے عہد توڑ دیا اور بدر کے موقع پر اسلحہ کے ساتھ کفار مکہ کی مدد کی، پھر کہنے لگے: ہمیں معاہدہ یاد نہیں رہا تھا۔ چنانچہ انہوں نے دوبارہ معاہدہ کیا اور پھر توڑ دیا اور غزوۂ خندق کے موقع پر کفار کا بڑھ چڑھ کر ساتھ دیا۔[3] فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ: اگر جنگ میں تم انہیں پکڑنے میں کامیاب ہو جاؤ۔ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ: ان کے ساتھ لڑو اور انہیں ایسی سخت سزا دو کہ جو ان کے پیچھے ہیں، انہیں بھی بھگا دو۔ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ: تاکہ جو وہ دیکھیں اس سے نصیحت حاصل کریں اور کفر سے باز آ جائیں معنی ہے: انہیں دوسروں کے لیے عبرت بنا دو، حتیٰ کہ انہیں تمہارے ساتھ جنگ کی قوت باقی نہ رہے۔

عہد شکنوں کے ساتھ معاہدے کے احکام

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً:۔۔۔۔۔۔اے محمد! کسی معاہد قوم سے اگر تمہیں خیانت اور نقض عہد محسوس ہو اور نقض عہد کی ظاہری نشانیاں پاؤ۔ فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰي سَوَآءٍ: آپ اُن کی طرف ان کا معاہدہ صاف واضح اور نمایاں طریقے سے پھینک دو۔ نحاس کہتے ہیں: یہ قرآن عظیم کے اعجاز کی ایک مثال ہے۔ ایسا مختصر کلام معانی سے لبریز نہیں لایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ معنی ہے: اگر کسی قوم کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہو اور تمہیں اس کا اندیشہ ہو۔ معاہدہ ان کی طرف پھینک دو اور کہو، میں نے تمہارا معاہدہ تمہاری طرف پھینک دیا اور میں تمہارے ساتھ جنگ کروں گا، تاکہ انہیں اس کا علم ہو جائے اور

---

[1] القرطبی ۸/۲۹ [2] القرطبی ۸/۹ [3] القرطبی ۸/۲۹

معاہدہ توڑنے کی اطلاع میں وہ قوم تمہارے ساتھ برابر ہو۔ اگر قوم کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے تو ان کے ساتھ جنگ نہ کرو۔ درحالیکہ وہ تمہارے اوپر اعتماد کرتے ہوں اور اگر جنگ کردی تو یہ خیانت اور دھوکا ہے۔[1] اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ: معاہدہ پھینکنے کا جو حکم ہے یہ اس کی تعلیل ہے یعنی اللہ اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو وفائے عہد نہیں کرتا۔ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا: وہ کفار جو جنگ بدر میں قتل سے بچ نکلے، وہ ہرگز گمان نہیں کریں کہ وہ ہم سے بھاگ نکلے ہیں اور ہم ان پر قدرت نہیں رکھتے، بلکہ وہ ہمارے قبضے، مشیت اور غلبے میں ہیں۔ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ: یہ کلام مستانف ہے، یعنی یہ لوگ اپنے رب کو عاجز نہیں کرسکتے، بلکہ ہر لمحہ اللہ ان سے بدلہ و انتقام لینے پر قدرت رکھتا ہے۔ زمین و آسمان میں اسے کوئی بھی عاجز نہیں کرسکتا۔ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ: اپنے دشمنوں سے جنگ کرنے کے لیے ہر طرح کی قوت تیار رکھو۔ مادی اعتبار سے بھی اور معنوی اعتبار سے بھی، شہاب کہتے ہیں: اس آیت میں خصوصیت کے ساتھ قوت حاصل کرنے کا ذکر ہے۔ چوں کہ جنگ بدر میں مسلمانوں کی تیاری نہیں تھی، لہٰذا مسلمانوں کو تنبیہ کردی گئی کہ ہر زمانے میں نصرت اور فتح استعداد (تیاری) کے بغیر نہیں آتی۔[2]

وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ: ...... اور اللہ کی راہ میں گھوڑوں کی چھاؤنیاں تیار کرو۔ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ: تاکہ تم اس قوت سے کفار پر اپنا رعب قائم رکھ سکو، لہٰذا انہیں ڈراتے دھمکاتے رہو۔ کفار تمہارے بھی دشمن ہیں اور وہ اللہ کے دشمن ہیں۔ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ: اور تاکہ تم ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کو بھی ڈرا دھمکا سکو۔ ابن زید کہتے ہیں: ان سے مراد منافقین ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں: بنوقریظہ کے یہود مراد ہیں۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے چوں کہ آگے ارشاد ہوتا ہے۔ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ: تم ان کے نفاق کو نہیں جانتے، لیکن اللہ انہیں جانتا ہے۔ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: اور تم جہاد اور اچھائی کے کاموں میں جو کچھ بھی خرچ کرو گے۔ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ: تمہیں قیامت کے دن پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ: اور تمہارے اجر و ثواب میں سے کچھ بھی کم نہیں کیا جائے گا۔

بلاغت: مِّنْ شَيْءٍ: ...... نکرہ برائے تقلیل ہے۔ عَلٰى عَبْدِنَا: تشریف و تعظیم اور تکریم کے لیے آپ ﷺ کے لیے عبد کا لفظ لایا گیا ہے۔ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا: لفظ دنیا اور قصویٰ میں طباق ہے۔ لِيَهْلِكَ وَّيَحْيٰى: کفر و ایمان کے لیے ہلاکت اور حیات کا استعارہ ہے اور الفاظ يَهْلِكَ: اور يَحْيٰى: میں طباق ہے۔ وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ: میں استعارہ ہے۔

تنبیہ: ...... مذکورہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں دشمنوں سے لڑنے کے لیے قوت کی تیاری کا حکم دیا ہے اور اس کے لیے عام لفظ "قُوَّةٍ" لایا گیا ہے، جس میں مادی اور روحانی قوت شامل ہوگئی ہے اور اس میں تمام اسباب قوت بھی شامل ہیں۔ بھلا دشمن اسلامی ممالک کو طمع کی نظروں سے کیوں نہیں دیکھے گا؟ دشمن کو ہمارے ہاں اسلحہ کی فیکٹریاں اور ہتھیاروں کے ذخیرے دکھائی نہیں دیتے بلکہ اسلامی ممالک دشمن سے اسلحہ خریدتے ہیں، لہٰذا اگر ہم عزت اور غیرت سے جینا چاہتے ہیں تو اسلامی تعلیمات کی طرف رجوع کرنا ازبس ضروری ہے۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۱﴾ وَاِنْ يُّرِيْدُوْۤا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِيْۤ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّاۤ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۳﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۴﴾ ع يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ

---

[1] تفسیر قرطبی ۸ / ۳۲ [2] محاسن التاویل ۸ / ۳۰۲۴

يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٦٦﴾ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٧﴾ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٦٨﴾ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٦٩﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِىُّ قُلْ لِّمَنْ فِىْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِىْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٧٠﴾ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٧١﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَىْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٧٢﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِى الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ﴿٧٣﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿٧٤﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٧٥﴾

ترجمہ: ......اور اگر وہ لوگ صلح کے لیے مائل ہو جائیں تو آپ بھی اس کے لیے مائل ہو جائیں اور اللہ پر بھروسہ کیجیے۔ بے شک وہ سننے والا جاننے والا ہے ﴿٦١﴾ اور اگر وہ لوگ آپ کو دھوکہ دینے کا ارادہ کریں تو بے شک اللہ آپ کو کافی ہے، اللہ وہی ہے جس نے اپنی مدد کے ساتھ اور اہل ایمان کے ساتھ آپ کو قوت دی ﴿٦٢﴾ اور ان کے دلوں میں الفت پیدا فرمائی۔ اگر آپ سب کچھ خرچ کر دیتے جو زمین میں ہے تب بھی آپ ان کے دلوں میں الفت پیدا نہیں کر سکتے تھے، اور لیکن اللہ نے ان کے درمیان الفت پیدا فرمائی، بے شک وہ غلبہ والا ہے۔ حکمت والا ہے۔ ﴿٦٣﴾ اے نبی! آپ کو اللہ کافی ہے اور وہ مؤمن بندے جنہوں نے آپ کا اتباع کیا۔ ﴿٦٤﴾ اے نبی آپ مؤمنین کو جہاد کی ترغیب دیجیے اگر تم میں سے بیس افراد ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب ہو جائیں گے، اور اگر تم میں سے سو افراد ہوں گے تو ہزار کافروں پر غالب ہو جائیں گے۔ اس وجہ سے کہ یہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔ ﴿٦٥﴾ اب اللہ نے تمہارا بوجھ ہلکا کر دیا اور اس نے جان لیا کہ بے شک تمہارے اندر کمزوری ہے۔ سو اگر تم میں سے ثابت قدم رہنے والے سو افراد ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے، اور تم میں سے ایک ہزار افراد ہوں گے تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب ہوں گے اور اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔ ﴿٦٦﴾ نبی کی شان کے لائق نہیں کہ ان کے پاس قیدی موجود رہیں جب تک کہ وہ زمین میں اچھی طرح خون ریزی نہ کر لے، تم دنیا کا سامان چاہتے ہو اور اللہ آخرت کو چاہتا ہے، اور اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔ ﴿٦٧﴾ اگر اللہ کا نوشتہ پہلے سے مقدر نہ ہو چکا ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس کے بارے میں تم کو بڑا عذاب پہنچ جاتا۔ ﴿٦٨﴾ سو کھاؤ اس میں سے جو تمہیں بطور غنیمت کے مل گیا حلال پاکیزہ ہونے کی حالت

میں اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ ﴿۶۹﴾ اے نبی! جو قیدی آپ کے قبضہ میں ہیں ان سے فرما دیجیے کہ اگر اللہ کو تمہارے دلوں میں ایمان معلوم ہوگا تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تم کو عطا فرما دے گا، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ﴿۷۰﴾ اور اگر وہ آپ کی خیانت کا ارادہ کریں۔ سو وہ اس سے پہلے اللہ کی خیانت کر چکے ہیں پھر اللہ نے ان پر قابو دے دیا اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا ہے۔ ﴿۷۱﴾ بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں، اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی تمہارا ان سے میراث کا کوئی تعلق نہیں جب تک کہ ہجرت نہ کریں اور اگر وہ تم سے دین میں مدد طلب کریں تو تمہارے ذمے ان کی مدد لازم ہے سوائے اس قوم کے مقابلے میں کہ ان میں اور تم میں کوئی معاہدہ ہو، اور اللہ تعالیٰ ان کاموں کو دیکھتا ہے جو تم کرتے ہو ﴿۷۲﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں اگر تم ایسا نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور بڑا فساد ہوگا ﴿۷۳﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے ٹھکانہ دیا اور مدد کی یہ وہ لوگ ہیں جو واقعی ایمان والے ہیں ان کے لیے مغفرت ہے اور رزق کریم ہے ﴿۷۴﴾ اور جو لوگ اس کے بعد ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا سو یہ لوگ تم میں سے ہیں، اور جو لوگ رشتہ دار ہیں وہ اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے سے قریب تر ہیں۔ بلاشبہ اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ ﴿۷۵﴾

ماقبل سے ربط و تعارف:...... قبل ازیں اللہ تعالیٰ نے جنگی ساز و سامان تیار رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اب ان آیات میں دشمن سے صلح کا حکم دیا جا رہا ہے، بشرطیکہ اسلامی غیرت و عزت برقرار رہے، چوں کہ جنگ ایک ضرورت ہے جس کا تقاضا زندگی کے مختلف احوال کرتے ہیں تاکہ ظلم و زیادتی کا خاتمہ ہو اور ادیان کو آزادی ملے اور بربریت سے زمین پاک ہو جائے۔ پھر ان آیات میں قیدیوں کا حکم بھی بیان کیا گیا ہے اور سورت کا اختتام مسلمانوں کے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون و مدد کے وجوبی حکم پر ہوا ہے۔

لغات: جَنَحَ:...... مائل ہوا، مقولہ ہے: جنح الرجل الی فلان یہ آدمی فلاں شخص کی طرف مائل ہوا اور اس کے آگے جھک گیا۔ اسی طرح مقولہ ہے۔ جنحت الابل یعنی چلتے چلتے اونٹوں کی گردنیں جھک گئیں۔ پسلیوں کو بھی ٹیڑھا ہونے کی وجہ سے "جوانح" کہا جاتا ہے۔ **لِلسَّلْمِ**: صلح، زمخشری کہتے ہیں۔ اَلسَّلْمُ: مؤنث استعمال ہوتا ہے، چوں کہ اس کی ضد "الحرب" بھی مونث ہے۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے۔

السلم تاخذ منها مارضیت به　　　والحرب تكفيك من انفاسها جرع

"صلح تم اپنی مرضی کے مطابق طویل المدت بھی کر سکتے ہو جب کہ تمہیں ہمارے ساتھ معمولی سی جنگ بھی کافی ہے۔"

حَرِّضِ:...... التحریض سے ہے۔ ابھارنا، اکسانا۔ **یُثْخِنَ**: واحدی کہتے ہیں: الاثخان کسی چیز کی قوت و شدت کو اثخان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ مقولہ ہے: أثخنه المرض بیماری شدت پکڑ گئی۔ یہاں اثخان سے مراد قتل اور زخموں میں مبالغہ کرنا ہے۔[۱]

شان نزول، الف:...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: جب اللہ تعالیٰ نے بدر میں مشرکین کو شکست سے دوچار کیا۔ مشرکین کے ستر سر برآوردہ لوگ قتل ہوئے اور ستر قید ہوئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے مشاورت کی، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یہ قیدی آپ کے رشتہ دار ہیں اور چچا کے بیٹے ہیں۔ میری رائے ہے کہ آپ ان سے فدیہ لے لیں اور یہ مال کفار پر ہمارا رعب بڑھانے کا باعث ہوگا۔ عین ممکن ہے، اللہ انہیں ہدایت دے دے اور یہ ہمارے دست و بازو بن جائیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابن خطاب! تمہاری کیا رائے ہے؟ عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کی قسم میری وہ رائے نہیں جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے ہے۔ میری رائے ہے کہ فلاں شخص میرا قریبی رشتے دار ہے۔ میرے سپرد کیا جائے میں اس کا سر قلم کروں گا۔ عقیل، علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا جائے وہ اس کا سر قلم کر دیں۔ حمزہ رضی اللہ عنہ کو ان کا بھائی دیا جائے تاکہ وہ اس کی گردن اڑا دیں، تاکہ اللہ تعالیٰ دیکھ لے کہ ہمارے دلوں میں مشرکین کی ذرہ برابر چاہت نہیں۔ یہ تو کفر کے ائمہ اور سرغنے ہیں۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے کو ترجیح دی اور میری رائے ترک کر دی اور مشرکین قیدیوں سے فدیہ لے کر انہیں

[۱] الفخر الرازی ۱۵/ ۲۰۱

چھوڑ دیا۔ چنانچہ دوسرے دن صبح کے وقت میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کیا دیکھتا ہوں کہ آپ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ دونوں بیٹھے رو رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے بتائیں آپ کیوں رو رہے ہیں؟ اگر مجھے رونا آیا، روؤں گا، ورنہ رونے کی صورت بنالوں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے ساتھیوں نے مجھے جو فدیہ لینے کا مشورہ دیا تھا میں اس پر رو رہا ہوں۔ حالاں کہ مجھے اس درخت سے بھی زیادہ قریب ان کا عذاب دکھایا گیا ہے۔ آپ نے قریب ایک درخت کی طرف اشارہ کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۞ [1]

ب:...... جب نبی کریم ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ قیدی بنا لیے گئے، ان کے پاس بیس اوقیہ سونا تھا۔ یہ سونا ان کے فدیہ میں محسوب نہیں ہوا بلکہ ان پر یہ ذمے داری ڈال دی گئی کہ وہ اپنے دو بھتیجوں کا فدیہ ادا کردیں۔ چنانچہ اسّی اُوقیہ سونا بھتیجوں کا فدیہ ادا کیا اور نبی کریم ﷺ سے فرمایا: عباس سے دُوگنا فدیہ وصول کرو، چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عباس رضی اللہ عنہ سے اسّی اوقیہ وصول کیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رسول کریم ﷺ نے فرمایا: تم نے مجھے قریش کے آگے ہاتھ پھیلانے والا کردیا ہے۔ میرے پاس کچھ رہا ہی نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وہ سونا کہاں ہے جو تم نے اُمِ فضل کے پاس چھوڑا ہے؟ عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: کونسا سونا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے امِ فضل سے کہا تھا: مجھے نہیں معلوم کہ میرا کیا حال ہوگا۔ اگر مجھے کوئی حادثہ پیش آجائے تو یہ مال تمہارا اور تمہاری اولاد کا ہے۔ عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اے بھتیجے تمہیں کس نے یہ بتایا؟ مجھے اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے۔ عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تم سچے ہو۔ اس سے پہلے مجھے یقین نہیں تھا کہ تم اللہ کے رسول ہو۔ چنانچہ عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے دو بھتیجوں کو حکم دیا اور انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔ چنانچہ انہی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ قُلْ لِّمَنْ فِىْۤ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِىْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞ [2]

کفار سے صلح کی اجازت

تفسیر: وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا:...... اگر دشمن صلح کی طرف مائل ہو تو آپ بھی صلح کی طرف مائل ہوجاؤ اور اگر ان کے مطالبے میں مصلحت ہو تو قبول کرلو۔ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ: اور اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کردو تا کہ صلح پر تمہاری مدد ہوسکے۔ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ: اللہ ان کے اقوال کو سنتا ہے اور ان کی نیتوں کو جانتا ہے۔ وَاِنْ يُّرِيْدُوْۤا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ: اور اگر صلح کے نام پر وہ تمہیں دھوکا دے رہے ہو، تا کہ تمہارے خلاف از سرِ نو تیاری کریں۔ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ: تمہیں اللہ کافی ہے۔ اس کے اور آپ ﷺ پر کی گئی نعمت و انعام کا ذکر ہے۔ هُوَ الَّذِىْۤ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ: یعنی وہی تو ہے جس نے تمہیں تقویت بخشی اور اپنی نصرت سے تمہاری اعانت کی اور مؤمنین کے ذریعے تمہاری کمر مضبوط کی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: آیت میں مؤمنین سے مراد انصار ہیں۔ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ: اور ان کے دلوں کو جمع کردیا، باوجودیکہ ان کی آپس میں عداوت اور دشمنی تھی۔ چنانچہ اللہ نے عداوت کو محبت سے بدل دیا اور بُعد کو قُرب سے بدل دیا۔ قرطبی کہتے ہیں: عرب میں سخت عصبیت کے ہوتے ہوئے دلوں میں الفت پیدا کردینا نبی کریم ﷺ کی نشانیوں اور معجزات میں سے ہے۔ چوں کہ عرب میں سے کوئی شخص کسی دوسرے کو اگر تھپڑ مار دیتا، اس پر ان کے درمیان جنگ چھڑ جاتی تھی۔ ان میں خاندانی حمیت انتہا درجے کی تھی۔ اللہ نے ایمان کے ذریعے ان میں الفت پیدا کردی۔ یہاں تک کہ ایک شخص دین کی بنیاد پر اپنے باپ اور بھائی سے لڑنے لگا۔ [3]

عربوں میں اتحاد اور الفت

لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّاۤ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ:...... اگر آپ اہلِ عرب کے آپس کے تعلقات کی اصلاح کے لیے بھری زمین کے بقدر اموال خرچ کردیتے تو آپ تالیفِ قلوب اور ان سب کو ایک دوسرے کی محبت پر جمع کرنے پر قدرت نہ رکھتے۔ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ لیکن

---

[1] زاد المسیر ۳/ ۳۸۰ والروایۃ لمسلم [2] القرطبی ۸/ ۴۲ [3] القرطبی ۸/ ۵۳

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے محض اپنی قدرت سے انہیں جمع کر دیا اور انہیں اکٹھے ہونے کی توفیق بخشی۔ اللہ تعالیٰ دلوں کا مالک ہے، وہ جیسے چاہتا ہے، دلوں کو پھیرتا ہے۔ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ: اللہ اپنے اختیار پر قدرت رکھتا ہے اور جو کچھ بھی کرتا ہے وہ حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔

مسلمانوں کے لیے اللہ کافی ہے

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ:...... اکیلا اللہ تمہارے لیے کافی ہے اور تمہارے جو متبعین ہیں وہ کافی ہیں، لہٰذا اللہ کے ساتھ کسی اور کی طرف محتاج نہ ہو۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: معنی ہے کہ اللہ اور مؤمنین تمہیں کافی ہیں۔ [1]

جہاد کی ترغیب اور دس گنا تعداد پر غلبے کا وعدہ

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ:...... پوری کوشش کے ساتھ مؤمنین کو مشرکین کے ساتھ جنگ کرنے پر ابھارو اور انہیں ترغیب دو۔ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ: ابوسعود کہتے ہیں: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ ہے کہ مؤمنین کی ہر جماعت اپنے سے دس گنا زیادہ لشکر پر غالب رہیں گے۔ [2] معنی ہے: اے جماعت مؤمنین! تم میں سے بیس (۲۰) آدمی ایسے ہوں، جو جنگ کے شدائد پر صبر کرنے والے ہوں۔ وہ دشمن کے دوسو جنگجوؤں پر غالب آئیں گے۔ ان بیس کے ساتھ اللہ کی مدد اور تائید ہوگی۔ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا: اور اگر تمہارے سو آدمی ہوں (بشرطیکہ جنگ میں ڈٹ جانے والے ہوں) اللہ کی مشیئت سے ایک ہزار کفار پر غالب آئیں گے۔ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ: با برائے سببیّت ہے، یعنی تمہارے غالب رہنے کا سبب یہ ہے کہ کفار جاہل لوگ ہیں۔ وہ اللہ کی حکمت نہیں سمجھتے۔ فتح اور نصرت کا طریقہ اور سبب نہیں جانتے۔ وہ آخرت کے یقین اور ایمان کے بغیر لڑتے ہیں اور ثواب کے طلب گار نہیں ہوتے اسی لیے مغلوب رہیں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ایک کا دس کے سامنے ڈٹ جانا فرض تھا، لیکن جب یہ حکم مسلمانوں کے لیے گراں ثابت ہوا تو منسوخ کر دیا گیا اور ایک مسلمان کا دو کافروں کے سامنے ڈٹ جانا فرض قرار دیا گیا۔ [3]

حکم میں تخفیف دوگنی تعداد پر غلبے کا وعدہ

اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ:...... اللہ نے یہ حکم جس میں تمہارے لیے مشقت تھی اٹھالیا ہے۔ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا: تمہاری کمزوری اللہ کے علم میں ہے۔ اس لیے جنگ کے معاملے میں تمہارے اوپر نرمی اور مہربانی فرمائی۔ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ: اور اگر تم میں سے ایک سو آدمی جنگ کی سختیوں پر صبر کرنے والے ہوں وہ دوسو کفار پر غالب آئیں گے۔ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفَيْنِ: اور اگر میدان جنگ میں تمہارے ایک ہزار آدمی صبر کرنے والے ہوں وہ دو ہزار دشمنوں پر غالب آئیں گے۔ بِاِذْنِ اللّٰهِ: اللہ کے آسان کرنے سے۔ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ: ثابت قدم رہنے کی ترغیب ہے اور فتح ونصرت کی بشارت دی جارہی ہے۔ یعنی اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ان کی حفاظت کرتا ہے۔ ان کی نگرانی کرتا ہے اور انہیں فتح ونصرت عطا فرماتا ہے اور جس کے ساتھ اللہ ہو وہ غالب رہتا ہے۔

قیدیوں سے فدیہ لینے پر عتاب

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ:...... قیدیوں سے فدیہ لینے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے عتاب ہے اور معنی ہے: کسی نبی کے لیے روا نہیں کہ وہ قیدیوں سے فدیہ لے الا یہ کہ بکثرت قتل کر لینے اور قتل میں مبالغہ کر لینے کے بعد۔ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا: اے مؤمنین! تم فدیہ لے کر دنیا کا زائل ہونے والا ساز وسامان چاہتے ہو۔ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ: اللہ تمہارے لیے آخرت چاہتا ہے، جو

---

[1] پہلا معنی زمخشری نے اختیار کیا ہے۔ دوسرا معنی مجاہد اور حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اسے سیوطی اور محلی نے اختیار کیا ہے۔ [2] تفسیر ابی السعود ۲/ ۲۴۷ [3] پہلا حکم ایک نسبت دس تھا، دوسرا حکم ایک نسبت دو ہے۔

باقی رہنے والی اور دائمی ہے۔ اس سے مراد آخرت کا ثواب ہے۔ دین کے اعزاز وغلبہ سے اور دشمن کو قتل کر کے۔ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ: اللہ اپنی بادشاہت میں غالب ہے وہ مقہور ومغلوب نہیں ہوتا۔ بندوں کے مصالح کی تدبیر حکمت سے کرتا ہے۔ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ: اور اگر ازل سے اللہ کا لکھا ہوا حکم اور فیصلہ نہ ہوتا۔ وہ یہ کہ اللہ اجتہاد میں خطا کرنے والے کو عذاب نہیں دے گا۔ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ: قیدیوں سے فدیہ لینے پر تمہیں عذاب عظیم ہوتا۔ روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی آپ ﷺ نے فرمایا: اگر عذاب نازل ہوتا تو اس سے عمر کے علاوہ کسی کو نجات نہ ملتی۔ [1]

مال غنیمت پاکیزہ اور حلال ہے

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا: ......اے مجاہدین کی جماعت! جنگ میں دشمن سے جو تمہیں غنائم ملے ہیں، ان کی حالت یہ ہے کہ وہ تمہارے لیے حلال ہیں۔ طَيِّبًا: یہ پاکیزہ کمائی سے حاصل ہوئے ہیں، چوں کہ غنائم تمہارے جہاد کا ثمر ہے۔ صحیح حدیث میں ہے: اللہ نے میرا رزق میرے نیزے کے سائے تلے رکھ دیا ہے۔ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ: اللہ کے امر اور نہی کی مخالفت کرنے سے ڈرو۔ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰى: دشمنوں میں سے جو لوگ قیدی ہوئے ان سے کہہ دیجیے، ان سے مراد بدر کے قیدی ہیں۔ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا: اگر اللہ تمہارے دلوں میں ایمان اور اخلاص دیکھتا اور تمہارے دعوائے ایمان میں سچائی دیکھتا۔ يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ: تم سے جو فدیہ لیا گیا ہے۔ اللہ اس سے بہتر تمہیں عطا فرماتا۔ وَيَغْفِرْ لَكُمْ: اور تمہارے گزشتہ گناہ معاف کرتا۔ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ: اللہ وسیع مغفرت والا ہے اور توبہ کرنے والے کے لیے عظیم رحمت والا ہے۔ بیضاوی کہتے ہیں: یہ آیت حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جب رسول کریم ﷺ نے ان سے ان کی اپنی اور دو بھتیجوں عقیل اور نوفل کی طرف سے فدیہ لیا۔ عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: تم نے مجھے قریش سے بھیک مانگنے والا بنا دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ سونا کہاں ہے، جو گھر سے نکلتے وقت آپ اپنی بیوی ام فضل کو دے کر آئے ہیں اور اس سے آپ نے کہا: مجھے معلوم نہیں کہ اس مہم میں مجھے کن حالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اگر مجھ پر کوئی آفت نازل ہو جائے (زندگی ختم ہو جائے) تو یہ سونا تمہارا اور تمہارے عیال کی ملکیت ہے۔ عباس رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تمہیں کیا خبر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے میرے رب نے خبر دی ہے؟ عرض کیا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ سچے ہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ کی قسم! اس مال کی کسی کو خبر نہیں تھی۔ میں نے رات کی تاریکی میں ام فضل کو یہ مال دیا تھا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ نے ان کے بدلہ میں مجھے بہت بہتر چیز عطا فرمائی اور مجھے زمزم عطا کیا، جس کے متعلق مجھے پسند نہیں کہ اس کے بدلے میں مکہ کے سب اموال ہوں اور میں اپنے رب کی مغفرت کا انتظار کر رہا ہوں۔ یعنی اللہ نے اپنے قول وَيَغْفِرْ لَكُمْ میں مغفرت کا وعدہ کیا ہے۔ [2] وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ: اے محمد! اگر یہ قیدی لوگ آپ سے خیانت کرنا چاہیں جو وہ اپنے قول اور دعوائے ایمان سے ظاہر کرتے ہیں۔ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ: تو وہ لوگ غزوہ بدر سے پہلے بھی خیانت کر چکے ہیں۔ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ: اللہ نے آپ کو ان پر تقویت دی اور ان پر فتح دی اور انہیں تمہارے قابو میں دے دیا۔ اگر وہ پھر خیانت کریں تو اللہ انہیں تمہارے قابو میں پھر دے دے گا۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ: جو کچھ بھی ہو رہا ہے اس کا علم رکھتا ہے اور اس کی حکمت بالغہ جس چیز کا تقاضا کرتی ہے۔ وہی کرتا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق کی۔ وَهَاجَرُوْا: جنہوں نے اپنے گھروں اور وطن کو چھوڑا اور انہوں نے ایسا اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت کی خاطر کیا۔ وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ ان سے مراد مہاجرین ہیں۔ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا: جنہوں نے مہاجرین کو اپنے گھروں میں آباد کیا اور اللہ کے رسول کی نصرت اور مدد کی۔ ان سے مراد انصار ہیں۔

---

[1] التفسیر الکبیر للرازی [2] تفسیر البیضاوی ۱/۲۱۷

اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ:......ان عمدہ صفات سے موصوف لوگ نصرت و مدد اور وراثت میں ایک دوسرے کے حقدار ہیں اسی لیے مہاجرین وانصار کے درمیان مواخات قائم کی گئی۔

دارالحرب کے مسلمانوں کے احکام

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا:......جن لوگوں نے ایمان لایا اور مکہ میں اقامت اختیار کی اور مدینہ ہجرت نہیں کی۔مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا: یعنی تمہارے اور ان کے درمیان وراثت کا کوئی رشتہ اور تعلق نہیں یہاں تک کہ وہ شہر کفر سے ہجرت نہ کرلیں۔وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ: اور اگر یہ لوگ دین کی سربلندی کی خاطر تم سے مدد مانگیں تو ان کے دشمن کے خلاف ان کی مدد کرنا تمہارے اوپر واجب ہے چوں کہ وہ تمہارے بھائی ہیں۔اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ: ہاں البتہ اگر وہ ایسے لوگوں کے خلاف تم سے مدد مانگیں، جن کے ساتھ تمہارا جنگ بندی کا معاہدہ ہے، پھر ان کی مدد نہ کرو۔وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ: اللہ تمہارے اعمال کی نگرانی اور دیکھ بھال کرتا ہے، لہٰذا اس کے حکم کی مخالفت مت کرو۔اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کا ذکر کیا اور ان کی تین اقسام بیان کیں۔مہاجرین، انصار اور وہ مسلمان جو ہجرت نہیں کرسکے۔چنانچہ مہاجرین سے ابتدا کی، چوں کہ وہ اصل اسلام ہیں اور انہوں نے اللہ کی رضامندی کے لیے ہجرت کی۔ اپنے گھروں کو اپنے وطن کو چھوڑا۔انصار کی تعریف کی چوں کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مدد کی اور جان و مال سے جہاد کیا۔اللہ نے مہاجرین وانصار کے درمیان ولایت ونصرت کا رشتہ قائم کیا۔پھر ان مؤمنین کا حکم بیان کیا،جنہوں نے ہجرت نہیں کی۔بیان کیا کہ ان کا تمہارے ساتھ کوئی رشتہ ولایت نہیں یہاں تک کہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت کرلیں۔ان تین اقسام کے بعد کفار کا حکم ذکر کیا ہے۔

کفار ایک دوسرے کے دوست ہیں

چنانچہ ارشاد ہے:وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ: یعنی کفار کفر وضلالت میں ملت واحدہ ہیں۔ان کے ساتھ دوستی کا رشتہ وہی استوار کرتا ہے جو انہی میں سے ہو۔اِلَّا تَفْعَلُوْهُ:تمہیں مؤمنین کے ساتھ رشتہ دوستی استوار کرنے اور کفار کے ساتھ قطع تعلق کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے بجا نہیں لاؤ گے۔تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ:تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد برپا ہوگا، چوں کہ اس پر کفار کی قوت اور مسلمانوں کا ضعف مرتب ہوتا ہے۔اس کے بعد پھر مہاجرین وانصار کی ثنائے جمیل اور تعریف کی جارہی ہے۔وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: ان سے مراد مہاجرین ہیں جو اسلام میں سبقت لے گئے۔وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا:ان سے مراد انصار ہیں،جنہوں نے ایثار کی مثال قائم کی ہے اور مہاجرین کو ٹھکانا مہیا کرکے دیا۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا:......یہ لوگ کامل ایمان والے ہیں اور مراتب احسان میں ان کا تحقق ہوچکا ہے۔لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ: ان کے گناہ بخشے ہوئے ہیں اور نعمتوں والی جنت میں ان کے لیے عزت کی روزی ہے۔مفسرین کہتے ہیں: ان آیات میں تکرار نہیں ہے۔پہلی آیات میں مؤمنین کے درمیان رشتہ ولایت ونصرت کا ذکر ہوا ہے اور ان آیات میں مؤمن کی ثنائے جمیل اور شرف و مرتبہ بیان کیا گیا ہے۔ان ابرار اور صالحین کا مآل مغفرت اور جنت میں عزت کی روزی ہے۔وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ: یہ چوتھی قسم ہے۔یہ وہ مؤمنین ہیں،جنہوں نے پہلے ہجرت کے بعد دوسری بار پھر ہجرت کی،ان کا حکم اجر وثواب میں پہلے مؤمنین جیسا ہے۔وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ: قرابت دار ہیں جو اللہ کے حکم اور شریعت میں اجنبیوں کی بہ نسبت وراثت کے زیادہ حق دار ہیں۔علما کہتے ہیں: اس آیت سے حلف و بھائی بندی کے ذریعے وراثت کا حق دار ہونا منسوخ ہوگیا ہے۔اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ: اللہ نے باعتبار علم کے ہر چیز کا احاطہ کررکھا ہے۔اللہ نے جو چیز بھی مشروع کی ہے وہ حکمت اور صلاح پر مبنی ہے،لیکن اس شخص کے لیے جو قلب سلیم رکھتا ہوا اور غور سے سنتا ہو۔ اس آیت پر سورۃ الانفال ختم ہوئی،اس میں برأت بھی ہے۔

بلاغت: وَاَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ لَوۡ اَنۡفَقۡتَ مَا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا مَّاۤ اَلَّفۡتَ بَیۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیۡنَهُمۡ :...... اس اسلوب کلام کو ''اطناب'' کہا جاتا ہے۔ اس کا فائدہ احسان عظیم اور نعمت عظمیٰ یاد دلانا ہے۔ اِنۡ یَّکُنۡ مِّنۡکُمۡ عِشۡرُوۡنَ صٰبِرُوۡنَ یَغۡلِبُوۡا مِائَتَیۡنِ ۚ وَاِنۡ یَّکُنۡ مِّنۡکُمۡ مِّائَةٌ یَّغۡلِبُوۡۤا اَلۡفًا مِّنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا یَفۡقَهُوۡنَ:...... بحر میں لکھا ہے: اس عظیم کلام کی فصاحت کو دیکھیں۔ چنانچہ جملہ اولیٰ شرطیہ میں صبر کی قید ثابت کردی گئی ہے اور دوسرے شرطیہ جملے میں حذف کردی گئی ہے۔ دوسرے جملے میں دشمن کے کافر ہونے کی قید ثابت کی گئی ہے اور یہ قید پہلے جملہ سے حذف ہے، جب کہ صبر زیادہ مطلوب چیز ہے، تخفیف کے دونوں جملوں میں اس کا اثبات ہے اور پھر ان آیات کو وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ: کے مضبوط قول کے ساتھ ختم کیا گیا ہے یہ قسم بدیع میں سے ہے اور اسے الاحتیاك کہا جاتا ہے۔ سبحان اللہ! قرآن عظیم کی فصاحت کتنی عجیب ہے اور اس کی بلاغت کتنی شاندار ہے۔

سورۃ الانفال کی تفسیر کا ترجمہ ختم ہوا۔

سورۂ توبہ

یہ مقدس سورت مدنی ہے، جس کا قانون سے تعلق ہے اور یہ ان سورتوں میں سے جو آخر میں آپ ﷺ پر نازل ہوئیں۔ چنانچہ امام بخاری حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ آخری سورت جو نازل ہوئی وہ سورہ براءۃ ہے۔ اور حافظ ابن کثیر کی روایت ہے۔ اس سورت کا ابتدائی حصہ حضور اکرم ﷺ پہ غزوہ تبوک کی واپسی کے موقع پر نازل ہوا۔ اسی سال آپ علیہ السلام نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حج کا امیر بنا کر روانہ کیا تھا، تاکہ آپ لوگوں کو مناسک حج ادا کروائیں۔ جب واپس ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کے بعد روانہ فرمایا تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مناسک کے احکام پہنچانے والے ہوں جو ہجرت کے نوے سال نازل ہوئے اور یہ وہ سال ہے جس میں رسول اللہ ﷺ روم سے جنگ کے لیے نکلے تھے، جسے غزوات میں غزوہ تبوک سے شہرت حاصل ہے۔ یہ غزوہ شدت کی گرمی اور لمبے سفر کے بعد پیش آیا جب پھل پک کر تیار ہو چکے تھے اور عام لوگ دنیاوی ساز و سامان کی طرف پوری طرح مائل ہو چکے تھے، لہٰذا یہ موقع مؤمنین کے ایمان کا امتحان تھا اور ان کی سچائی اور اللہ تعالیٰ کے دین کے ساتھ خیر خواہی کا امتحان اور ان میں اور منافقین کے درمیان امتیاز کرنے کا تھا۔ اس سورت کے دو بنیادی ہدف ہیں جن کا تعلق احکام کے ساتھ ہے اور وہ دونوں اہداف یہ ہیں۔ اول: مشرکین اور اہل کتاب سے اسلامی قانون کا معاملہ کرنے کا بیان۔ دوم: جس وقت رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو روم سے جنگ کے لیے جمع کیا اس وقت دلوں کی جو حالت تھی اس کا اظہار۔ پہلے ہدف کی نسبت سے سورۃ نے مشرکین کے عہد و پیمان کا رخ کر کے ان کے لیے ایک حد مقرر کی اور مشرکین کو حج بیت اللہ سے روک دیا۔ مسلمانوں اور ان کے درمیان تعلق داری کو ختم کر دیا اور جزیرۂ عرب میں اہل کتاب کی بقا اور ان کے ساتھ معاملات روا رکھنے کے لیے ایک بنیاد و اساس مقرر کی۔ اس سے پہلے رسول اللہ ﷺ اور مشرکین کے درمیان عہد و پیمان تھے جیسے آپ ﷺ اور اہل کتاب کے مابین عہد و مواثیق تھے، لیکن مشرکین نے ان عہود کو توڑ دیا اور کئی بار مسلمانوں کے خلاف جنگ میں یہودیوں کا ساتھ دیا اور یہودی گروہوں میں سے بنونضیر، بنوقریظہ اور بنوقینقاع نے ان باتوں کی خلاف ورزی کی، جن کا رسول اللہ ﷺ نے ان سے معاہدہ کیا تھا اور کئی کئی بار انہوں نے اپنے وعدے اور معاہدے توڑے، لہٰذا یہ حکمت کا تقاضا نہ تھا کہ مسلمان عہد و پیمان کو تھامے رکھیں اور ان کے مخالفین انہیں توڑ دیں۔ چنانچہ یہ سورت کریمہ ان عہود و مواثیق کو ختم کرنے اور کھلے بندوں ان کے منہ پر واپس مارنے کے لیے نازل ہوئی۔ اس واسطے کہ عہد شکنی کرنے والے موقع پا کر خیانت سے باز نہیں آتے۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ان تعلقات کو قلع قمع کر دیا جو مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان تھے۔ اس لیے اب نہ کوئی معاہدہ رہا نہ صلح اور نہ امان۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے انہیں کافی فرصت دی جو زمین میں چار ماہ کی سیاحت اور چلت پھرت کی صورت میں تھی جس میں وہ امن و امان سے چلتے اور اپنے بارے میں غور و فکر کرتے اور اس چیز کو پسند کرتے، جس میں انہیں اپنی مصلحت نظر آتی۔ اسی بارے میں سورت کریمہ کا ابتدائی حصہ نازل ہوا۔ بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔

اس کے بعد کی آیات اہل کتاب کے ان لوگوں سے جنگ کرنے کے بارے میں ہیں جو عہد شکنی کرنے والے ہیں: قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴿۱۲۳﴾ ان کے متعلق گفتگو تقریباً بیس آیات پر مشتمل ہے، جن پر اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی خفیہ باتوں سے پردہ ہٹایا ہے اور جو مکر و خباثت ان کے سینوں میں بھری تھی اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو کینہ ان کے دلوں میں تھا اسے آشکارا کر دیا۔ دوسرے ہدف کی طرف سورت نے رخ کیا، جو مسلمانوں کی نفسیات کی تشریح ہے جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں روم سے جنگ کے لیے روانگی کا کہا۔ آیات نے بوجھل ہونے والوں، پیچھے رہ جانے والوں اور مشغول ہونے والوں کے متعلق کلام کیا ہے اور منافقین کے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں زبردست خطرے کے لحاظ سے ان کے فتنوں کو ظاہر کیا ہے اور ان کے نفاق والے طرز و طریقوں کو واضح کیا ہے اور کس کس انداز سے وہ فتنہ انگیزی کرتے اور مسلمانوں کا ساتھ چھوڑتے اس کو بے غبار کیا ہے، یہاں تک کہ ان کا جو پردہ بھی تھا، اسے چاک کر دیا اور جو ریشہ دوانی تھی، اسے کھول دیا اس کے بعد تو ان کی حالت یہ ہوگئی تھی کہ مسلمانوں کے ہاتھ انہیں چھونے

کے قریب ہو گئے تھے۔ان سے متعلق گفتگو پر سورت کا زیادہ تر حصہ مشتمل ہے۔جس کی ابتدا ان آیات سے ہوئی ہے۔لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ ...... وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ :[1]

اسی بنا پر بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کا نام فاضحۃ رکھا ہے، کیوں کہ اس نے منافقین کا پول کھول کر انہیں رسوا کر دیا۔حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے: میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سورت برأت کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: وہ فاضحہ ہے۔اس میں بار بار اس طرح کی آیات نازل ہوتی رہیں۔وَمِنْهُمْ .مِنْهُمْ: ان سے فلانا، ان میں سے فلانا، یہاں تک کہ ہم ڈر گئے کہ یہ ان میں سے کسی کو نہ چھوڑے گی۔حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ نے فرمایا: تم لوگ سورت برأت کو سورت توبہ کہتے ہو، حالاں کہ یہ سورت عذاب ہے۔اللہ کی قسم اس نے ہر منافق کی خوب خبر لی ہے۔اس کے آغاز میں بِسْمِ اللّٰهِ: نہ ہونے کا یہی راز ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے پوچھا: سورت برأت میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ: کیوں نہیں لکھی گئی۔آپ نے فرمایا: کیوں کہ بِسْمِ اللّٰهِ: امان ہے اور سورت برأت شمشیر زنی کا حکم لے کر نازل ہوئی۔اس میں امان نہیں اور حضرت سفیان بن عیینہ کا ارشاد ہے۔اس سورت کے آغاز میں بِسْمِ اللّٰهِ: اس لیے نہیں لکھی گئی کہ بِسْمِ اللّٰهِ: رحمت ہے اور رحمت امان ہے اور یہ سورت منافقین اور تلوار کا حکم لے کر نازل ہوئی اور منافقین کے لیے امان نہیں۔

خلاصہ یہ کہ اس سورت نے پانچویں صف کی خوب مٹی پلید کی ہے جو مسلمانوں کی صف میں گھسنے والی تھی اور وہ ایسے منافق ہیں جو مسلمانوں کے لیے مشرکین سے زیادہ خطرناک ہیں تو اس سورت نے انہیں ذلیل و رسوا کر کے ان کے بھید اور مکاریوں کو واضح کر دیا اور ان پہ برابر آگ برساتی رہی، یہاں تک کہ ان میں سے کسی کو (اپنے نفاق میں) آباد نہ چھوڑا۔(یہ اس کا نتیجہ تھا کہ) مسلمانوں کے خلاف کینہ پروری نے انہیں اس حد تک پہنچا دیا تھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ (کی عبادت) کے گھروں کو فتنہ انگیزی اور فساد کے لیے ٹھکانہ بنا لیا۔تاہم مسلمانوں کو مساجد کی بدولت شر پھیلائیں جو مسجد ضرار کے نام سے مشہور ہے۔اس سورت میں اس کے متعلق چار آیات نازل ہوئیں۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ: ...... جب تک آپ نے اپنے صحابہ سے یہ نہ فرما دیا۔اس مسجد کی جانب بڑھو، جس کے لوگ ظالم ہیں اسے گرا دو اور آگ لگا دو۔آپ پر وحی نہ اتری۔اللہ تعالیٰ نے اسلام اور مسلمانوں کو ان کے شر، داؤ اور خباثت سے بچا لیا اور قیامت تک انہیں رسوا کر دیا۔

وجہ تسمیہ: ......اس سورت کے کئی نام ہیں جنہیں بعض مفسرین نے چودہ تک شمار کیا ہے۔علامہ زمخشری کا قول ہے۔اس سورت کے بہت سے نام ہیں: براۃ، توبۃ مقشقشۃ، مبعثرۃ، مشردۃ، مخزیۃ، فاضحۃ، مُثیرۃ، حافرۃ، منکلۃ، مدمومۃ اور سورہ عذاب فرماتے ہیں کیوں کہ اس میں مسلمانوں کی توبہ قبول کرنے کا بیان ہے اور یہ نفاق سے بری کرتی ہے۔منافقین کے پردے اٹھاتی ہے۔انہیں تلاش کرتی۔پھیلاتی اور چھیدتی ہے اور انہیں رسوا کرتی ہے، انہیں ہٹاتی، منتشر کرتی، انہیں رسوا کرتی اور ان پر برستی ہے۔[2]

اٰيَاتُهَا ۱۲۹ — (۹) سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ (۱۱۳) — رُكُوْعَاتُهَا ۱۶

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱﴾ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲﴾ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ

[1] ۴۲ سے ۱۱۰ تک کی آیات، لگتا ہے سورت کا نشیب و فراز نفاق اور منافقین کے بارے میں ہے۔ [2] الکشاف ۲/ ۲۴۵

عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْۤا اِلَيْهِمْ
عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝۴ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ
حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا
الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ
اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝۶ كَيْفَ
يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا
اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝۷ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا
يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝۸ اِشْتَرَوْا
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۹ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا
وَّلَا ذِمَّةً ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝۱۰ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي
الدِّيْنِ ؕ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۱۱ وَاِنْ نَّكَثُوْۤا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ
دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْۤا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَاۤ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝۱۲ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْۤا
اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ
كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۳ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ
قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۴ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۱۵ اَمْ
حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ
وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۶ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ
شٰهِدِيْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۖۚ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝۱۷ اِنَّمَا يَعْمُرُ
مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰۤى
اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝۱۸ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۹

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ﴿۲۰﴾ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ﴿۲۱﴾

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۲﴾

ترجمہ:......اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے ان مشرکوں کی طرف برأت ہے جن سے تم نے عہد کیا۔ ①سو تم چلو پھرو زمین میں چار مہینے اور جان لو کہ بے شک تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو اور یہ بات کہ اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے ②اور حج اکبر کے دن اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے لوگوں کے لیے اعلان ہے کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بری ہے۔ سو اگر تم توبہ کرلو تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر تم اعراض کرو تو یہ جان لو کہ بلاشبہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو اور کافروں کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو۔ ③سوائے ان لوگوں کے جن سے تم نے معاہدہ کیا پھر انہوں نے تمہارے ساتھ ذرا کمی نہ کی اور نہ تمہارے مقابلے میں کسی کی مدد کی۔ سو تم ان کے معاہدے کو ان کی مدت مقررہ تک پورا کردو۔ بلاشبہ اللہ تقویٰ اختیار کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ ④پھر جب اشہر حرم گزر جائیں سو تم مشرکین کو قتل کرو جہاں بھی پالو اور ان کو پکڑو اور گھیرو اور ان کی تاک میں گھات کے ہر موقع پر بیٹھو۔ سو اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو بلاشبہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے ⑤اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص آپ سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دیجیے یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے پھر اسے امن کی جگہ پہنچا دیجیے۔ یہ اس لیے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو علم نہیں رکھتے۔ ⑥اللہ کے نزدیک اور اس کے رسول کے نزدیک مشرکین کا عہد کیسے رہے گا مگر جن لوگوں سے تم نے مسجد حرام کے نزدیک عہد کیا، سو جب تک یہ لوگ تم سے سیدھی طرح رہیں تم بھی ان سے سیدھی طرح رہو۔ بلاشبہ اللہ تقویٰ اختیار کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ ⑦ان کا عہد کیسے رہے گا اور حال ان کا یہ ہے کہ اگر وہ تم پر غلبہ پا جائیں تو تمہارے بارے میں نہ کسی قرابت کی پاسداری کریں اور نہ کسی معاہدے کی ذمے داری کا خیال کریں۔ یہ لوگ تمہیں اپنے مونہوں سے راضی کرتے ہیں اور ان کے دل انکار کرتے ہیں اور ان میں اکثر فاسق ہیں۔ ⑧انہوں نے اللہ کی آیات کے بدلے تھوڑی قیمت کو خرید لیا، سو انہوں نے اللہ کے راستے سے روک دیا۔ بلاشبہ وہ جو کام کرتے ہیں برے کام ہیں۔ ⑨وہ کسی مؤمن کے بارے میں کسی قرابت داری کا اور کسی ذمے داری کا پاس نہیں رکھتے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جو زیادتی کرنے والے ہیں۔ ⑩سو اگر یہ لوگ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو یہ تمہارے دینی بھائی ہوں گے، اور ہم تفصیل کے ساتھ احکام بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو جانتے ہیں۔ ⑪اور اگر وہ لوگ اپنے معاہدے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعن کریں تو تم کفر کے سرغنوں سے جنگ کرو بلاشبہ یہ لوگ ایسے ہیں کہ ان کے یہاں قسمیں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں، تاکہ وہ باز آجائیں۔ ⑫کیا تم ایسے لوگوں سے جنگ نہیں کرتے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ دیا اور رسول کو نکالنے کا پختہ ارادہ کیا اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے تم سے پہلے خود چھیڑ چھاڑ کی ابتدا کی، کیا تم ان سے ڈرتے ہو۔ سو اللہ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم مؤمن ہو۔ ⑬ان سے جنگ کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں ان کو سزا دے گا اور ان کو ذلیل کرے گا اور ان کے مقابلے میں تمہاری مدد کرے گا اور مسلمانوں کے سینوں کو شفا دے گا ⑭اور ان کے دلوں کی جلن کو دور فرما دے گا اور جس کو چاہے توبہ نصیب فرمائے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ ⑮کیا تم کو یہ گمان ہے کہ چھوڑ دیے جاؤ گے اور حالانکہ اللہ نے ابھی تم میں سے ان لوگوں کو نہیں جانا جنہوں نے جہاد کیا اور جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ اور مؤمنین کے علاوہ کسی کو دوست نہیں بنایا اور اللہ ان کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔ ⑯مشرکین اس کے اہل نہیں ہیں کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں اس حال میں کہ وہ اپنے بارے میں کافر ہونے کی گواہی دے رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال اکارت ہوگئے اور وہ دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ ⑰اللہ کی مسجدوں کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور جنہوں نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرے۔ سو توقع ہے کہ یہ لوگ ہدایت پانے والوں میں سے ہوں گے۔ ⑱کیا تم نے حج کرنے والوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کے

آباد کرنے کو اس شخص کے برابر بنا دیا جو اللہ پر ایمان لائے اور آخرت کے دن پر، اور جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، اللہ کے نزدیک یہ لوگ برابر نہیں ہیں اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔⑲ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا یہ لوگ اللہ کے نزدیک درجے کے اعتبار سے بڑے ہیں اور یہ لوگ کامیاب ہیں۔⑳ ان کا رب اپنی طرف سے انہیں رحمت کی اور رضامندی اور ایسے باغوں کی بشارت دیتا ہے جن میں ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ہیں㉑ یہ لوگ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ بلاشبہ اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔㉒

لغوی تحقیق: بَرَآءَةٌ:...... برأت من الشیء۔ جب تم اس کے اور اپنے مابین ہر قسم کے تعلق کو ختم کر کے اسے اپنے پاس سے ہٹا دو۔ زجاج کا قول ہے: کہا جاتا ہے۔ میں مرد اور قرض سے بری ہوا اس کا مصدر براٗۃ ہے اور میں بیماری سے جانبر ہوا اس کا مصدر بروءا آتا ہے۔ فَسِيْحُوْا: سیاحت زمین میں چلنے اور اس میں تجارت یا عبادت وغیرہ کی غرض سے جانے کو کہا جاتا ہے۔ اَذَانٌ: اعلان۔ اسی سے نماز کی اذان ہے۔ مَرْصَدٍ: گھات، جس جگہ دشمن کا انتظار کیا جائے۔ عربوں کا مقولہ ہے: میں فلاں کی گھات میں رہا جب تم اس کے منتظر ہو۔ شاعر کا شعر ہے:

بے شک موت جوان کے لیے گھات میں ہے

اسْتَجَارَكَ:...... تمہارا پڑوس یعنی تمہاری امان طلب کرے۔ اِلًّا: الال عہد اور قرابت کو کہا جاتا ہے۔ ابوعبیدہ نے یہ شعر سنایا:
لوگوں کو خلاف ورزیاں کرنے والوں نے خراب کیا، جنہوں نے وعدہ خلافیاں کیں اور انہوں نے قرابت کو ختم کر کے رشتہ داری کے نشان مٹا ڈالے۔
نَّكَثُوْٓا :...... نکث توڑنے کو کہا جاتا ہے۔ اس کی اصل ہر اس چیز کے بارے میں ہے جسے پہلے بٹا جائے اور پھر کھول دیا جائے۔ وَلِيْجَةً: رازداری، بھیدی۔ ابوعبیدہ کا قول ہے: ہر وہ چیز جسے تم دوسری چیز میں شامل کر دو، حالاں کہ وہ اس کا حصہ نہ ہو تو اسے وَلِيْجَةً: کہا جاتا ہے۔ اس کی اصل ولوج سے بنی ہے۔ مراد قوم میں داخل ہونے والا، جو ان میں نہ ہو۔ اسے وَلِيْجَةً: کا نام دیا جاتا ہے۔ فراء کا قول ہے: وَلِيْجَةً: مشرکین کا جاسوس جو انہیں اپنا راز بتائے اور اپنے معاملہ سے آگاہ کرے۔

سبب نزول:...... مروی ہے کہ سرداران قریش کی ایک جماعت بدر کے روز گرفتار ہوئی۔ جن میں حضرت عباس بن عبدالمطلب بھی تھے تو رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے چند افراد انہیں شرک کی عار دلانے لگے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف لڑنے اور قطع رحمی کرنے پر ملامت کرنے لگے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: تم لوگ بھی بھلے مانس ہو۔ ہماری برائیوں کا تو خوب ڈھنڈورا پیٹا اور ہماری اچھائیاں چھپانے لگے ہو؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ بولے: تم لوگوں کی اچھائیاں (نیکیاں) بھی ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: ہاں! ہم ہی تو مسجد حرام کی تعمیر کرتے۔ کعبہ کے حاجب و دربان بنتے۔ حاجیوں کو مشروبات دیتے اور قیدیوں کو رہا کراتے ہیں جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِى النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ⑰

چار اہم اعلان اور کفار و مشرکین کو چار ماہ کی مہلت

تفسیر: بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ:...... یعنی یہ مشرکین کے ان عہود و مواثیق سے برأت ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ تھے۔ مفسرین فرماتے ہیں: عربوں نے جو وعدے رسول اللہ ﷺ سے کیے تھے انہیں توڑنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے عہدوں کو ختم کرنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا تاکہ لوگوں کو مناسک حج ادا کروائیں اور بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا تاکہ لوگوں کو برأت سے آگاہ کریں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں میں کھڑے ہو کر چار اعلانات کیے۔ اس سال کے بعد کوئی مشرک مسجد حرام کے قریب نہ آئے۔ کوئی ننگا بیت اللہ کا طواف نہ کرے۔ جنت میں صرف اسلام قبول کرنے والا جائے گا اور جس کا رسول اللہ ﷺ سے کوئی عہد ہے تو وہ بس اسی کی مدت تک ہے اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بری ہے۔ فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ: یعنی اے مشرکین! چار ماہ کی مدت چل پھر لو جس میں تمہیں ہماری طرف سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ یہ اباحت کا امر ہے۔ جس کے ضمن میں ڈانٹ ہے۔ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ: یعنی تم اللہ تعالیٰ سے بچ کر جانے والے نہیں۔ اگرچہ اس نے تمہیں یہ چار ماہ کی مدت دی ہے۔ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى

الْكٰفِرِيْنَ: یعنی انہیں دنیا میں قید اور قتال سے اور آخرت میں سخت عذاب کے ذریعے ذلیل ورسوا کرنے والا ہے۔وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ: یعنی تمام لوگوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا مشرکین سے بری ہونے کا اعلان ہے۔يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ: یعنی نحر کے دن جو ایام مناسک میں سب سے افضل دن ہے۔زمخشری کا قول ہے: حج کی صفت اکبر بیان کی گئی ہے۔کیوں کہ عمرۃ کو حج اصغر [1] کہا جاتا ہے۔اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ: یعنی ان کے لیے اطلاع ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرکین سے اور ان کے عہود و مواثیق سے بری ہے۔اسی طرح ان کا رسول ﷺ بھی بری ہے۔فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ: یعنی اگر تم کفر سے باز آجاؤ اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف لوٹ آؤ تو یہ تمہارے لیے گمراہی میں پڑنے سے زیادہ بہتر ہے۔

عہد شکن قبائل کے لیے کھلا اعلان

وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِی اللّٰهِ:......یعنی اگر تم اسلام سے اعراض کرو اور ضلالت و گمراہی پر ہی ڈٹے رہو تو یاد رکھو تم اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ سکنے والے نہیں اور نہ بھاگ کر اسے عاجز کر سکتے ہو۔وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ: یعنی کافروں کو اس دردناک عذاب کی خوشخبری سنادو، جو ان پر نازل ہونے والا ہے۔ابوحیان فرماتے ہیں: ان سے استہزا کے طور پر انذار کو بشارت کہا گیا ہے جب کہ اس میں ان کے لیے بہت بڑی وعید ہے۔[2]

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ:......یعنی وہ لوگ جن سے تم نے معاہدہ کیا اور انہوں نے عہد شکنی نہیں کی تو ان کی میعاد تک ان کا معاہدہ پورا کرو۔کشاف میں ہے: استثنا استدراک کے معنی میں ہے۔یعنی لیکن جنہوں نے عہد پورا کیا اور عہد شکنی نہیں کی تو ان کا معاہدہ پورا کرو۔انہیں ان کی گزرگاہ پر مت دوڑا اور وفادار، دغاباز جیسا مت سمجھو۔[3] ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا: یعنی انہوں نے معاہدے کی کسی شرط میں کمی نہیں کی وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا: یعنی تمہارے دشمنوں میں سے تمہارے خلاف کسی کی مدد نہیں کی۔فَاَتِمُّوْۤا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ: یعنی مقرر میعاد تک عہد کو پورا کرو۔اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ: یعنی اپنے رب سے ڈرنے والے اور اپنے معاہدوں کو پورا کرنے والوں کو۔بیضاوی فرماتے ہیں: اس سے تعلیل اور اس بات کی تنبیہ ہے کہ عہد کو پورا کرنا تقویٰ کے باب سے تعلق رکھتا ہے۔[4] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے کہ بنو کنانہ کے ایک قبیلے کے معاہدے کے نو ماہ باقی رہ گئے تھے تو آپ ﷺ نے ان سے معاہدہ پورا کیا۔

مہلت کے بعد کفار کے قتال کا حکم

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ:......یعنی گزر جائیں اور وہ چار ماہ ختم ہو جائیں، جن میں ان سے جنگ کرنا حرام ہے۔فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ: تو انہیں حل و حرم کی جس جگہ اور جس وقت پاؤ قتل کر دو۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔حل و حرم اور اشہر حرم میں۔[5] وَخُذُوْهُمْ: یعنی قید کر کے وَاحْصُرُوْهُمْ: یعنی انہیں قابو کر رکھو اور شہروں میں آمد ورفت سے باز رکھو۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: اگر وہ قلعہ بند ہو جائیں تو انہیں گھیر لو اور اس وقت تک ان کا محاصرہ رکھو، یہاں تک کہ قتل ہونے یا اسلام لانے کے سوا ان کے سامنے کوئی راہ نہ ہو۔وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ: یعنی جس راستے سے وہ گزرتے وہاں ان کی تاک میں بیٹھو اور جس راستے سے سفر کرتے ہیں وہاں ان پر نگاہ رکھو۔بحر میں فرماتے ہیں: اس میں تنبیہ ہے کہ مقصود انہیں ہر طرح سے اذیت پہنچانا ہے خواہ قتال کے ذریعے ہو یا خفیہ قتل [6] کے ذریعے فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ: یعنی اگر شرک سے تائب ہو جائیں اور ان پہ جو نماز اور زکوٰۃ فرض ہے اسے ادا کرنے لگ جائیں۔فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ: یعنی ان سے ہاتھ روک لو اور ان سے کوئی تعرض نہ کرو۔اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ: یعنی جو اس کے حضور توبہ کرے اور انابت ورجوع کرے اس کے لیے وسیع مغفرت اور رحمت والا ہے۔

---

[1] الکشاف ۲/۲۴۵ [2] البحر ۵/۸ [3] الکشاف ۲/۲۴۶ [4] البیضاوی ۲۱۸ [5] زاد المسیر ۳/۳۹۸ [6] البحر المحیط ۵/۱۰

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ:...... یعنی جب کوئی مشرک آپ سے امن کا خواستگار ہو اور آپ سے آپ کا پڑوس مانگے۔ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ: یعنی قرآن مجید سننے اور اس کے بارے میں غور وفکر کرنے تک اسے امن فراہم کرو۔ زمخشری کا قول ہے: مطلب یہ ہے کہ مقررہ مہینوں کے گزر جانے کے بعد آپ کے پاس کوئی ایسا مشرک آ جائے، جس کا آپ سے کوئی عہد و پیمان نہ ہو اور آپ سے امن کا طلب گار ہو تا کہ آپ کی دعوت توحید اور قرآن سنے تو اللہ تعالیٰ کا کلام سننے اس میں غور وفکر کرنے تک اسے امن مہیا کرو تا کہ دین کی حقیقت سے وہ واقف ہو جائے۔[1] میں کہتا ہوں: حسن معاملہ اور عمدہ اخلاق کی انتہا ہے کیوں کہ کافروں پہ قابو پالینا مقصود نہیں، بلکہ ان کی تسلی اور ہدایت مراد ہے تا کہ وہ حق کو پہچان کر اس کی پیروی کریں اور جس گمراہی پہ وہ قائم تھے اسے چھوڑ دیں۔

ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ:...... یعنی وہ اگر اسلام قبول نہ کرے تو اسے اس کی قوم کے علاقہ میں پہنچا دو، جہاں اسے اپنی جان و مال پہ اطمینان ہو اور کسی قسم کے دھوکے اور خیانت کا خدشہ نہ ہو۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ: یعنی مشرکین کو پناہ دینے کا معاملہ اس لیے کہ یہ لوگ دین اسلام کی حقیقت سے لاعلم ہیں، لہٰذا انہیں امن دینا ضروری ہے تا کہ وہ (کلام الٰہی) سنیں اور غور وفکر سے کام لیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے عہد و پیمان سے برأت کی حکمت بیان کی ہے۔ چنانچہ فرمایا: كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖ: استفہام انکار اور استبعاد کے معنی میں ہے۔ یعنی ان کا عہد و پیمان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ہاں کیسے شمار ہو سکتا ہے؟ پھر اللہ تعالیٰ نے استثنا کر کے فرمایا: اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ: یعنی لیکن وہ مشرکین جن سے مسجد حرام کے پاس تمہارا معاہدہ ہوا اور انہوں نے عہد شکنی نہیں کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: وہ اہل مکہ ہیں اور ابن اسحاق کا قول ہے: وہ بنو بکر کے قبائل ہیں جو حدیبیہ اس مدت کے دوران داخل ہوئے جو آپ علیہ السلام اور قریش کے درمیان تھی تو ان میں سے جس نے عہد شکنی نہیں کی اُن سے معاہدہ مکمل کرنے کا حکم دیا۔[2]

فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ:...... یعنی جب تک وہ اپنے معاہدوں پہ کاربند رہیں تو ان سے معاہدہ پورا کرو۔ طبری کا قول ہے: جب تک وہ نبھاتے رہیں تم بھی ان سے وفا کرو۔[3] اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ: یعنی جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں اپنے عہد پورے کرتے اور دھوکے بازی اور خیانت کو ترک کرتے ہیں۔ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ: معاہدے پہ ان کے ثابت قدم رہنے کے استبعاد کی تکرار ہے، یعنی ان کے لیے کیسے معاہدہ ہو سکتا ہے جبکہ ان کا حال یہ ہے کہ اگر انہیں تم پہ دسترس حاصل ہو جائے۔ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً: یعنی تمہارے بارے میں کسی معاہدے اور ضمانت کا پاس نہ کریں، کیوں کہ ان کا نہ کوئی معاہدہ ہے اور نہ امان۔ ابوحیان اندلسی کا قول ہے: یہ سب کچھ معاہدے[4] پر ان کے قلبی ثبات کے استبعاد کا بیان ہے۔ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ: اگر تمہیں ان پر فتح ہو تو تمہیں اچھی گفتگو سے خوش کرتے ہیں۔ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ: یعنی جس چیز کو انہوں نے ظاہر کیا اسے پورا کرنے اور اس کا اظہار کرنے سے ان کے دل باز رہتے ہیں۔ طبری کا قول ہے: مطلب یہ ہے کہ جو بغض و عداوت وہ اپنے سینوں میں چھپائے بیٹھے ہیں۔ اس کے برخلاف باتیں تم سے کرتے ہیں اور ان کے دل ان باتوں کی تصدیق کرنے کا انکار نہیں کرتے، جو ان کی زبانوں سے ظاہر ہوتی ہیں۔[5]

وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ:...... یعنی اکثر ان میں سے عہد شکنی کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے نکل جانے والے ہیں۔ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا: یعنی انہوں نے قرآن کے بدلے دنیا کا تھوڑا سا گھٹیا سامان لے لیا۔ فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ: لوگوں کو (اللہ تعالیٰ کے) دین اسلام کی پیروی سے روک دیا۔

اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ:...... یعنی ان کا یہ کام بے حد برا ہے۔ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً: اگر انہیں کسی مسلمان کے قتل کا موقع مل جائے تو کسی عہد و پیمان کا لحاظ نہ کریں۔ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ: جن لوگوں میں یہ برے اخلاق پائے جاتے ہیں۔ وہ ظلم و زیادتی کی حدوں کو پار کرنے والے ہیں۔

---

[1] الکشاف ۲/۲۴۸ [2] البحر ۵/۱۲ [3] الطبری ۲/۸۱ [4] البحر ۵/۱۳ [5] الطبری ۱۰/۸۵

کفار توبہ کر لیں تو وہ تمہارے بھائی ہیں

فَإِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ:......اگر وہ کفر سے تائب ہو کر نماز قائم اور زکوٰۃ دینے لگ جائیں۔فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ: وہ تمہارے دینی بھائی ہیں انہیں بھی وہ سہولتیں حاصل ہوں گی جو تم برت رہے ہو اور ان پر بھی وہی احکام واجب ہوں گے، جن کے تم پابند ہو۔وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ: ہم علم و فہم رکھنے والوں کے لیے دلائل و براہین بیان کرتے ہیں۔یہ غور و فکر کی ترغیب کے لیے "اعتراضیہ جملہ" ہے۔

بدعہد کفار سے قتال

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ :......اگر یہ اپنے ان عہدوں کو توڑ ڈالیں، جنہیں اپنی قسموں سے مضبوط کیا تھا۔وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ : یعنی دین اسلام پہ طعن کریں اور عیب لگائیں۔فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ : یعنی کفر کے سرداروں اور لیڈروں کو اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ : ان کے نہ کوئی عہد و پیمان ہیں اور نہ قسمیں جنہیں وہ پورا کریں۔لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ: تاکہ وہ جرم کرنے اور اسلام پر طعن کرنے سے باز آئیں۔بیضاوی کا قول ہے: یہ قاتلوا کے متعلق ہے۔یعنی تمہاری غرض جنگ سے ان باتوں سے باز رہنا ہے، جن پر وہ ہیں انہیں اذیت پہچانا نہیں، جیسا ایذا رساں لوگوں کا طریقہ ہے۔[1] اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ :ان سے جنگ کرنے کی ترغیب ہے۔یعنی اے ایمان والو! تم ان لوگوں سے کیوں نہیں لڑتے؟ جنہوں نے معاہدوں کو توڑ ڈالا اور تمہارے دین پر اعتراض کرتے ہیں؟

وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ:......یعنی جب انہوں نے تمہارے درمیان سے دارالندوہ میں باہمی مشورہ کر کے رسول اللہ ﷺ کو نکالنا چاہا اور آپ کو مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا۔وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ: اور انہوں نے جنگ کا آغاز بھی خود ہی کیا ہے جب انہوں نے تمہارے حلفا خزاعہ سے جنگ کی اور ابتدا کرنے والا زیادہ ظالم ہوتا ہے۔تو اب ان کے ساتھ لڑنے سے تمہیں کیا مانع ہے؟ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ: کیا تم ان سے خوف کی وجہ سے ان سے قتال کرنا ترک کیے بیٹھے ہو تو اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ اگر تم اس کا حکم چھوڑ دو تو اس کی سزا سے ڈرو۔اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ: اگر تم اس کے عذاب و ثواب کی تصدیق کرتے ہو۔زمخشری کا قول ہے کہ صحیح ایمان کا یہ تقاضا ہے کہ مؤمن اپنے رب سے ہی ڈرتا ہے اور اس کے علاوہ کسی کی پروا نہیں کرتا۔[2]

اس ترغیب و تشویق کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو کفار سے جنگ کرنے کا صراحتاً حکم دیا ہے۔ارشاد ہوتا ہے: قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ : یعنی اے ایمان والو! ان سے لڑو! تمہارا ان سے لڑنا اللہ تعالیٰ کے دوستوں کے ہاتھوں ان کے لیے عذاب اور ان سے لڑنے والوں کے لیے جہاد ہے۔وَيُخْزِهِمْ :انہیں قید اور قہر سے ذلیل کرے۔وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ :یعنی تمہیں ان پہ فتح و نصرت عطا کرے گا۔وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ: ایمان والوں کے دلوں کو اللہ تعالیٰ کے دین کے غالب کرنے اور کفار کو عذاب دینے سے ٹھنڈا کرے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے: یہ یمن کے لوگ تھے جو مکہ آئے اور اسلام قبول کر لیا۔جس کے نتیجے میں انہیں اُن کے گھر والوں سے بہت زیادہ اذیت اٹھانی پڑی۔انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی۔آپ نے فرمایا: مبارک ہو، کشادگی کا وقت قریب ہے۔[3] وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ : یعنی ان کے دلوں میں جو غم و غصہ اور پریشانی ہے، اسے ختم کر دے گا۔شفائے صدور کی گویا تاکید ہے اور اس کا فائدہ مبالغہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو عذاب دے کر انہیں مسرور و خرم کیا ہے۔امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: اللہ تعالیٰ نے ان سے جنگ و قتال کرنے کا حکم دیا ہے اور اس میں پانچ قسم کے فوائد ذکر کیے ہیں۔جس میں سے ہر ایک کی الگ حیثیت ہے تو جب ان سب کو یکجا کر دیا جائے تو اس وقت کیا صورتحال ہوگی[4] وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ: جملہ مستانفہ ہے۔یعنی ان میں سے جس پر چاہتا توبہ قبول کرنے اور اسلام میں داخل ہونے کا احسان کرتا ہے۔جیسے ابوسفیان رضی اللہ عنہ ہے: وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ :یعنی پوشیدہ باتوں کا جاننے والا ہے۔اس سے کوئی پنہاں اور چھپا ہوا نہیں اور حکمت والا ہے

---

[1] البیضاوی، ص ۲۱۹ [2] الکشاف ۲ / ۲۵۲ [3] ابوالسعود ۲ / ۲۵ [4] الفخر الرازی ۱۶ / ۲

اس کا کوئی کام حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔ ابوالسعود کا قول ہے: اللہ تعالیٰ نے جن جن باتوں کا وعدہ کیا تھا انہیں بہت احسن انداز سے پورا فرمایا ہے اور آپ ﷺ کا ان واقعات کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے آگاہ کرنا بہت بڑا معجزہ ہے۔[1] اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا: ام منقطعہ بل اور ہمزہ کے معنی میں ہے یعنی اے مسلمانوں کی جماعت! بلکہ تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ تمہیں بغیر آزمائش کے چھوڑ دیا جائے گا اور تم میں سے جو دین میں سچا ہے وہ جھوٹے سے ممتاز کر دیا جائے گا۔ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ: اور حال یہ ہے کہ تم میں سے مجاہد غیر مجاہد سے ابھی تک ممتاز و رونما نہیں ہوا۔ علم سے مراد علم ظہور ہے۔ علم خفا نہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ غیب سے اس بات کو جانتا ہے تو اس علم کو ظاہر کرنے کا ارادہ فرمایا ہے تاکہ عمل کا بدلہ دے۔ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً: یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا اور مشرکین میں سے کسی کو راز دار نہیں بنایا، جنہیں مسلمانوں کے بھید بتاتے اور مسلمانوں کے علاوہ ان سے دوستی نبھاتے، اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو جانچے بغیر نہیں چھوڑتا تاکہ اس جانچ پڑتال میں طیب و پاک، خبیث سے الگ ہو جائے۔ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ: یعنی تمہارے سارے اعمال کا علم رکھتا ہے۔ اس سے کچھ مخفی نہیں۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ:...... مشرکین کو کسی مسجد کی تعمیر کرنے کا کام نہیں جچتا اور نہ ان کے مناسب اور لائق ہے۔ شٰهِدِيْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ: حال یہ ہے کہ وہ کفر کا اقرار کرتے اور اپنے اقوال و افعال میں اس کا اظہار کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ لوگ حج کے تلبیہ میں کہا کرتے تھے۔ لبیك لاشریك لك الا شریكا هولك تملكه وما ملك، جس سے مراد ان کی بت[2] ہوتے تھے۔ مطلب یہ ہوا اُن کے لیے یہ بات کہاں مناسب ہے کہ وہ دو متضاد کاموں کو جمع کریں۔ اللہ تعالیٰ کے گھروں کی تعمیر اور ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کی عبادت و وحدانیت کا انکار۔ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ: یعنی شرک کی وجہ سے ان کے اعمال برباد ہو گئے۔ وَفِى النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ: یعنی جہنم کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے۔ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ: یعنی اللہ تعالیٰ کی مساجد کو تعمیر کرنے کا کام اُن مؤمنین کے شایان شان ہے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ: یعنی فرض نمازوں کو ان کی حدود میں قائم کرتے اور زکوٰۃ اس کی شرائط کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ: یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ فَعَسٰۤى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ: یعنی قیامت میں ہدایت یافتہ لوگوں کے زُمرے میں ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے: قرآن میں جہاں جہاں لفظ عسیٰ آیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا ہے وہ واجب ہے۔

حضور ﷺ سے مقام محمود کا وعدہ

عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا:...... یعنی آپ کو آپ کا رب مقام محمود پر فائز کرے گا جو شفاعت[3] ہے۔ ابوحیان اُندلسی کا قول ہے: جہاں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں لفظ عسیٰ استعمال فرمایا ہے۔ وہ واجب و یقینی ہے اور عسیٰ سے تعبیر کرنے میں مشرکین کی طمع ختم کر دی کہ وہ ہدایت یافتہ نہیں اس لیے کہ جو ان چار صفات کا جامع ہو اس کے لیے ہدایت کی امید کی جا سکتی ہے لیکن جو ان سے عاری ہو۔ اس کا کیا حال ہوگا؟ نیز اس میں خشیت و خوف کو امید پر ترجیح حاصل ہے اور اعمال صالحہ پر غرور کرنے کا خاتمہ ہے۔[4] اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: مشرکین سے خطاب[5] ہے اور یہاں استفہام انکار اور زجر و توبیخ کے لیے ہے۔ مطلب یہ ہے: اے مشرکین کے گروہ! تم لوگوں نے حاجیوں کو ستو پلانا اور کعبہ کی دربانی کرنے کو اس شخص کے ایمان کی طرح سمجھ لیا ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا اور اس کی راہ میں جہاد کرتا ہے؟ اس میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی تردید ہے۔ جب انہوں نے کہا تھا: تم لوگ اگرچہ اسلام قبول کرنے اور ہجرت کرنے میں پہل کر گئے ہو، مگر ہم بھی مسجد حرام کو آباد کرتے اور حاجیوں کو پانی پلاتے تھے، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ طبری کا قول ہے:

---

[1] ابوالسعود ۲/ ۲۵۸ [2] الصاوی علی الجلالین ۲/ ۱۴۱ [3] الطبری ۱۰/ ۹۴ [4] البحر المحیط ۵/ ۲۰ [5] دیکھیے سبب نزول

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں پر زجر ہے جنہوں نے حاجیوں کو پانی پلانے اور بیت حرام کی دربانی پر فخر کیا تھا۔ تو انہوں نے بتایا کہ فخر کرنے کی چیز اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لانا اور اس کے راستے میں جہاد کرنا ہے۔[1]

مؤمنین و مشرکین اعمال و مراتب کے اعتبار سے برابر نہیں

لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ:...... یعنی مشرکین مؤمنین کے برابر نہیں اور نہ ان لوگوں کے اعمال و مراتب ان کے اعمال و منازل جیسے ہیں۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ: یہ گویا علت ہے، یعنی ظالموں کو حق پہچاننے کی توفیق نہیں دیتا۔ البحر المحیط کے مصنف لکھتے ہیں: آیت کا مطلب اس بات کا انکار ہے کہ مشرکین مؤمنین کے مشابہ ہوں اور ان کے برباد اعمال ان کے ثابت اعمال جیسے ہوں پھر جب دونوں میں مساوات کی نفی کر دی تو اس بات کو واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ کا انکار کرنے والے ہی ظالم ہیں۔ ایمان نہ لا کر انہوں نے اپنے آپ پہ ظلم کیا اور مسجد حرام کو اپنے بتوں کا بت خانہ بنا کر اس پر ظلم کیا اور سابقہ آیت میں ایمان والوں کے لیے ہدایت ثابت کی اور یوں مشرکین سے اس کی نفی کی چنانچہ فرمایا: اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔[2]

ایمان، جہاد اور ہجرت کے انعامات

پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ: یہ مجاہدین اور اہل ایمان کے لیے زیادہ وضاحت ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جن لوگوں نے اپنے آپ کو ایمان کی وجہ سے شرک کے میل سے پاک کر لیا اور اپنے بدنوں کو علاقوں سے ہجرت کے ذریعے طاہر و پاکیزہ کر لیا اور رحمٰن تعالیٰ کی راہ میں جہاد کے لیے اپنی جانوں اور اموال کا نذرانہ پیش کیا ایسے عمدہ صفات کے مالک بڑے اجر والے اور بلند ذکر کرنے والے ان لوگوں سے بڑھ کر ہیں جو حاجیوں کو پانی پلانے اور بیت حرام کو آباد کرنے والے ہیں۔ حالاں کہ وہ (ستو پلانے والے) اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ: یعنی یہی لوگ نعمتوں کی جنتوں میں بڑی کامیابی کے ساتھ مخصوص ہیں۔

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ:...... یعنی مولیٰ انہیں عظیم رحمت اور بڑی رضامندی کی بشارت دیتا ہے جو رب عظیم کی طرف سے ہے۔

وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ: یعنی ایسے عالی باغ جن کے خوشے جھکے ہوئے ہیں، وہاں ان کے لیے ایسی نعمتیں ہیں، جنہیں زوال نہیں۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا: یعنی ان جنتوں میں نہ ختم ہونے والی مدت وہ رہیں گے۔ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ: یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا ثواب بہت زیادہ ہے جس کے بیان سے انسانی عقلیں عاجز ہیں۔ ابوحیان اندلسی فرماتے ہیں: جب مؤمنین کی تین صفات بیان فرمائیں جو ایمان، ہجرت اور نفس و مال کے ذریعے جہاد ہے تو اس کے مقابلے میں تین چیزوں کی بشارت بھی دی۔ رحمت، رضوان اور جنات، پھر آغاز رحمت سے کیا، کیوں کہ ایمان کے مقابلے میں سب سے عام نعمت ہے اور دوسرے نمبر پر رضوان کا ذکر کیا جو جہاد کے مقابلے میں احسان کی انتہا ہے اور تیسرے نمبر پر جنات کو بیان کیا جو ہجرت اور ترک وطن کے مقابلے میں ہے۔[3] اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: جنات کا یہ وصف کہ ان میں ان کے لیے دائمی نعمتیں ہیں۔ نظافت کے اعلیٰ درجے میں ہے، کیوں کہ ہجرت میں سفر کرنا پڑتا ہے، جو تکلیف و مشقت کا ایک جزو ہے۔[4]

بلاغت: ...... بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ: تنوین تفخیم اور تقیید کے لیے ہے کہ یہ برأت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور وَرَسُوْلِهٖ: کا اضافہ تفخیم و تحویل کے لیے مستزاد ہے۔ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ: اسے تحقیر کا اسلوب کہا جاتا ہے، کیوں کہ عذاب کی بشارت ان کی تحقیر ہے۔ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ: اس کا تعلق استعارہ سے ہے۔ مہینوں کے گزرنے کو کھال کے اترنے سے تشبیہ دی ہے جو جانور اور اس کی کھال کے درمیان پایا جاتا ہے۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ: دل میں خوف بٹھانے اور ہیبت طاری کرنے کے لیے ضمیر کی جگہ اسم جلالہ کا ذکر کیا ہے۔

---

[1] الطبری ۱۰/ ۹۴ [2] البحر المحیط ۵/ ۲۰ [3] البحر ۵/ ۲۱ [4] روح المعانی ۱۰/ ۷۰

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ: جملہ حصر کا فائدہ دے رہا ہے کہ بس یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ: نماز اور زکوٰۃ کو الگ سے ذکر کرنے میں ان دونوں کی عظمت شان اور ان دونوں کے لیے متنبہ رہنے کی ترغیب مراد ہے۔

فِىْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ رحمت ورضوان کو نکرہ لانے میں تفخیم و تعظیم مقصود ہے، یعنی ایسی رحمت جسے کوئی بیان نہ کر سکے۔

فائدہ:...... مساجد کی عمارت و آبادی کی دو قسمیں ہیں۔ حسی اور معنوی۔ حسی تو بنیاد و مضبوطی کے ذریعے اور معنوی نماز اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ذریعے۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان اور مسجد کی تعمیر کے درمیان ربط پیدا کر دیا ہے۔ حدیث میں ہے: جب تم ایسا شخص دیکھو جو مساجد کا عادی ہو تو اس کے ایماندار ہونے کی گواہی دو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ کے مساجد وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔[1] لہٰذا حقیقی تعمیر نماز اور ذکر کے ذریعے ہے۔

لطیفہ:...... قرطبی نے ذکر کیا ہے کہ ایک دیہاتی مدینہ منورہ آیا اور کہنے لگا: جو کلام محمد ﷺ پر نازل ہوا ہے مجھے کون سکھائے گا؟ تو اسے ایک شخص نے سورہ برأت سکھانا شروع کی۔ جب اس آیت پر پہنچا اَنَّ اللّٰهَ بَرِىْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ: تو پڑھانے والے رسولہ کو زیر کے ساتھ پڑھا تو وہ دیہاتی کہنے لگا: اسی طرح میں بھی اللہ کے رسول سے بری ہوتا ہوں۔ لوگوں نے اس بات کو بہت بڑی جسارت سمجھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک اس کی اطلاع پہنچی۔ آپ نے اسے بلاوا بھیجا۔ آپ نے فرمایا: دیہاتی! کیا تو اللہ کے رسول سے بری ہوتا ہے؟ اس نے اپنا سارا واقعہ سنایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اعرابی! آیت اس طرح نہیں ہے تو وہ پوچھنے لگا: امیر المؤمنین کس طرح ہے؟ آپ نے اس کے سامنے وَرَسُوْلُهٗ: کو پیش کے ساتھ پڑھا جس پر وہ اعرابی کہنے لگا: جس چیز سے اللہ اور اس کا رسول بری ہے میں بھی اس سے بری ہوتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فرمان جاری کر دیا کہ لوگوں کو صرف وہی شخص قرآن پڑھائے، جیسے عربی زبان آتی ہو۔[2]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ٱقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِىْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِىْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۸﴾ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

ع ۸

[1] رواہ الترمذی [2] القرطبی ۱/ ۲۴

الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۱﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِــُٔـوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾

ع ۹ — النصف

ترجمہ:...... اے ایمان والو! اپنے باپوں کو اور بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ کفر کو ایمان کے مقابلے میں پسند کرتے ہوں، اور تم میں سے جو شخص ان سے دوستی کرے گا تو یہ لوگ ہی ظلم کرنے والے ہیں۔ ﴿۲۳﴾ آپ فرما دیجیے کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور کنبہ اور وہ اموال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے نہ چلنے سے تم ڈرتے ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو تمہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہوں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے اور اللہ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ ﴿۲۴﴾ یہ واقعی بات ہے کہ اللہ نے بہت سے مواقع میں تمہاری مدد فرمائی اور حنین کے دن بھی، جب تمہیں اپنی کثرت پہ گھمنڈ ہو گیا۔ پھر اس کثرت نے تمہیں کچھ بھی فائدہ نہ دیا اور زمین اپنی فراخی کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے، ﴿۲۵﴾ پھر اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اور مؤمنین پر اطمینان قلبی نازل فرمایا اور ایسے لشکر اتار دیے جنہیں تم نہیں دیکھ رہے تھے، اور اللہ نے کافروں کو عذاب دیا اور یہ سزا ہے کافروں کی، ﴿۲۶﴾ پھر اس کے بعد اللہ جس کی چاہے توبہ قبول فرمائے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ ﴿۲۷﴾ اے ایمان والو! مشرکین پلید ہی ہیں سو وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ آئیں اور اگر تم فقر سے ڈرتے ہو تو عنقریب اللہ تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا اگر چاہے بے شک اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ ﴿۲۸﴾ ان لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے اسے حرام نہیں سمجھتے اور دین حق کو قبول نہیں کرتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں کتاب دی گئی ان سے یہاں تک جنگ کرو کہ وہ ماتحت ہو کر ذلت کی حالت میں اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔ ﴿۲۹﴾ اور یہودیوں نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح، اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ ان کی باتیں ہیں جو ان کے مونہوں سے نکلتی ہیں۔ یہ ان لوگوں کی طرح باتیں کرتے ہیں جنہوں نے ان سے پہلے کفر اختیار کیا۔ اللہ انہیں غارت کرے، کدھر الٹے جا رہے ہیں۔ ﴿۳۰﴾ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں کو اور درویشوں کو رب بنا لیا اور مسیح ابن مریم کو بھی اور حالانکہ ان کو یہی حکم ہوا تھا کہ صرف ایک معبود کی عبادت کریں جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اس چیز سے پاک ہے جو وہ شریک بناتے ہیں۔ ﴿۳۱﴾ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے بجھا دیں۔ حالانکہ اللہ کو اس کے علاوہ کوئی بات منظور نہیں کہ وہ اپنے نور کو پورا کرے۔ اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو۔ ﴿۳۲﴾ اللہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین کو ناگوار ہو۔ ﴿۳۳﴾

مناسبت:...... جب اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی قباحتوں کو ذکر کیا اور ان مؤمنین مہاجرین کی تعریف کی، جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور رسول کی محبت میں وطن اور علاقے چھوڑ دیے تو یہاں کافروں سے دوستی اور تعلق قائم کرنے سے ڈرایا اور یہ ذکر کیا کہ کفر کی وجہ سے آباؤ اجداد اور عزیز و اقارب سے تعلق منقطع کرنا واجب ہے۔ پھر عمومی طور پر مؤمنین کی یاد دہانی کروائی کہ مختلف مقامات پر ان کی مدد کی گئی ہے تا کہ وہ اپنے دین پر فخر کریں۔ اس کے بعد اہل کتاب کی قباحتوں کا رخ کیا تا کہ ان کی دوستی سے احتراز کیا جائے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھانے میں یہ

مشرکین کی طرح کوشاں ہیں۔

لغات:...... اَوۡلِيَآءَ: ولی کی جمع ہے۔ ناصر و مددگار جو دوسرے کے کاموں کا ذمے دار ہو اور اس کی مدد و نصرت کر کے اسے تقویت پہنچاتا ہو۔
وَعَشِيۡرَتُكُمۡ: عشیرۃ، وہ جماعت جس کی حمایت انسان کو حاصل ہو۔ واحدی کا قول ہے: عشیرۃ آدمی کے قریبی رشتہ دار ہوتے ہیں۔ یہ لفظ عشرۃ سے ماخوذ ہے یعنی ساتھ و صحبت، کیوں کہ یہ رشتہ داروں کی حالت سے تعلق رکھتی ہے۔
كَسَادَهَا: کسد الشئی کسادًا و کسودا، جب کسی چیز کا چلاؤ نہ ہو، مندا پڑنا، کساد بازاری۔
عَيۡلَةً: فقر و محتاجی، مقولہ ہے: عال الرجل یعیل جب وہ محتاج ہو جائے تو اس موقع پر کہا جاتا ہے۔ ایک شاعر کا قول ہے:

وما يدری الفقير متى غناء — وما يدری الغنی متى يعيل[1]

''فقیر کو معلوم نہیں کہ کب مال دار ہو جائے اور نہ مال دار جانتا ہے کہ کب محتاج ہو جائے۔''

الۡجِزۡيَةَ:...... جو مال ذمیوں سے لیا جائے اسے جزیہ اس لیے کہا جاتا ہے کیوں کہ وہ یہ رقم اس امن کے بدلے میں دیتے ہیں جو انہیں فراہم کیا جاتا ہے۔ يُضَاهِـُٔوۡنَ: مشابہت اختیار کرتے ہیں۔ مضاهاۃ مماثلت اور نقل کرنے کو کہتے ہیں۔
يُؤۡفَكُوۡنَ: حق سے ہٹا دیے جاتے ہیں۔ افك کا معنی پھیرنا مقولہ ہے: افك الرجل جب وہ پلٹے اور پھرے۔
سبب نزول:...... کلبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم ہوا تو آدمی اپنے والد، بھائی اور بیوی سے کہنے لگا: ہمیں ہجرت کا حکم ہو چکا ہے تو ان میں سے بعض تو اس سلسلے میں جلدی کرتے اور اسے پسند کرتے اور بعض سے اس کی بیوی اور اولاد کہتی: اللہ کا واسطہ اگر آپ نے ہمیں نادار چھوڑ دیا تو ہم مر جائیں گے، جس سے وہ نرم دل ہو کر ان کے ساتھ بیٹھ جاتا اور ہجرت کا خیال دل سے نکال دیتا، جس پر یہ آیت نازل ہوئی، جس میں ان پر عتاب ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡۤا اٰبَآءَكُمۡ وَاِخۡوَانَكُمۡ اَوۡلِيَآءَ اِنِ اسۡتَحَبُّوا الۡكُفۡرَ عَلَى الۡاِيۡمَانِ ؕ وَمَنۡ يَّتَوَلَّهُمۡ مِّنۡكُمۡ فَاُولٰۤـئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۲۳﴾[2]

مشرکین آباؤ اجداد، عزیز و اقارب سے تعلق کے احکام

تفسیر:...... يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡۤا اٰبَآءَكُمۡ وَاِخۡوَانَكُمۡ اَوۡلِيَآءَ: لفظ ایمان سے نداعزت دینے اور ہمت کو متحرک کرنے کے لیے ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر کی بجا آوری میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: جب تم سنو کہ اللہ تعالیٰ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا: کہہ کر خطاب کر رہا ہے تو اپنا کان لگاؤ وہ یا تو کسی بھلائی کا حکم ہو گا یا کسی برائی سے روکا جا رہا ہو گا۔ مطلب یہ ہوا: اپنے غیر مسلم آبا اور بھائیوں کو اپنا ایسا دوست نہ بناؤ جنہیں تم پسند کرتے اور ان سے محبت کرتے ہو۔ اِنِ اسۡتَحَبُّوا الۡكُفۡرَ عَلَى الۡاِيۡمَانِ: یعنی جب وہ کفر کو فضیلت دیں اور ایمان کے مقابلے میں اسے اختیار کریں اور اسی پر ہی ڈٹے جمے رہیں۔ وَمَنۡ يَّتَوَلَّهُمۡ مِّنۡكُمۡ فَاُولٰۤـئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ وہ انہی جیسا مشرک ہے کیوں کہ جو شرک کو پسند کرے وہ مشرک ہے۔[3] قُلۡ اِنۡ كَانَ اٰبَآؤُكُمۡ وَاَبۡنَآؤُكُمۡ وَاِخۡوَانُكُمۡ وَاَزۡوَاجُكُمۡ: یعنی آباو اجداد، بیٹوں اور بیویوں میں سے یا ان کے علاوہ کوئی رشتہ دار وَعَشِيۡرَتُكُمۡ: یعنی تمہاری وہ جماعت جس سے تم مدد مانگتے ہو۔ وَاَمۡوَالُ اقۡتَرَفۡتُمُوۡهَا: یعنی تمہارے وہ اموال جو تم نے کمائے ہیں۔ وَتِجَارَةٌ تَخۡشَوۡنَ كَسَادَهَا: یعنی جس کے نہ چلنے کا تمہیں خدشہ ہے۔ وَمَسٰكِنُ تَرۡضَوۡنَهَاۤ: یعنی تمہارے وہ گھر جن میں رہائش پذیر رہنا تمہیں پسند ہے۔ اَحَبَّ اِلَيۡكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ: یہ کان کا جواب ہے۔ یعنی جب یہ مذکورہ چیزیں تمہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرنے سے زیادہ عزیز ہیں۔ وَجِهَادٍ فِىۡ سَبِيۡلِهٖ: یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کے لیے جہاد کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہیں۔ فَتَرَبَّصُوۡا: تو انتظار کرو۔ یہ سخت وعید اور دھمکی تھی۔ حَتّٰى يَاۡتِىَ اللّٰهُ بِاَمۡرِهٖ: یعنی اپنی سزا خواہ جلدی خواہ دیر

---

[1] البحر ۵/۲۴ [2] اسباب النزول، ص ۱۴۰ [3] القرطبی ۸/۱۰۳، اسی کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن بصری سے نقل کیا گیا ہے۔ امام رازی اور آلوسی رحمہما اللہ نے اسے راجح قرار دیا ہے۔ آیت کا ظاہر بھی یہی ہے جب کہ جمہور کا مسلک ہے کہ یہ بطور تشبیہ۔

سے وَاللّٰہُ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِیۡنَ: یعنی اپنی فرمانبرداری سے نکل جانے والوں کو سعادت کی راہ نہیں دکھاتا یہ ان لوگوں کے لیے وعید ہے، جنہوں نے ہجرت و جہاد کے مقابلے میں اپنے اہل و عیال، مال اور وطن کو فوقیت دی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے خلاف مسلمانوں کی مختلف مقامات پر مدد کرنے کا ذکر کیا ہے۔ لَقَدۡ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ فِیۡ مَوَاطِنَ کَثِیۡرَۃٍ: یعنی بہت سے معرکوں اور کئی لڑائیوں میں اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کی۔ وَّیَوۡمَ حُنَیۡنٍ: اسی طرح حنین کے روز تمہاری نصرت کی جب اس نے شکست کے بعد تمہیں سنبھالا دیا اور تمہیں اپنی کثرت فوج کی وجہ سے دھوکا ہو گیا تھا۔

مدد و نصرت اللہ ہی کی جانب سے ہے

اِذۡ اَعۡجَبَتۡکُمۡ کَثۡرَتُکُمۡ فَلَمۡ تُغۡنِ عَنۡکُمۡ شَیۡئًا:...... جب تمہیں اپنی نفری دیکھ کر عجب ہوا اور تم لوگ کہنے لگے: آج ہم فوج کی قلت کے باعث مغلوب نہ ہوں گے۔ تمہاری تعداد بارہ ہزار اور تمہارے دشمن کی گنتی چودہ ہزار تھی، لیکن تمہاری کثرت کا تمہیں کچھ فائدہ نہ ہوا اور نہ وہ تمہارا دفاع کر سکی۔ وَّضَاقَتۡ عَلَیۡکُمُ الۡاَرۡضُ بِمَا رَحُبَتۡ: اور زمین باوجودیکہ کشادہ اور وسیع ہے، لیکن خوف کا یہ عالم تھا کہ وہ تمہارے لیے تنگ ہوگئی۔ ثُمَّ وَلَّیۡتُمۡ مُّدۡبِرِیۡنَ: تو تم لوگ شکست کھا کر پیٹھ دے کر مڑ گئے۔ طبری کا قول ہے: اللہ تعالیٰ انہیں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مدد تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور اسی کی طرف سے ہوتی ہے اس کا مدار کثرت تعداد پر نہیں اور وہی تھوڑوں کو زیادہ کے مقابلے میں غلبہ دیتا ہے۔ جب اس کی مرضی ہوتی ہے اور اسی طرح کم تعداد کا ساتھ دے کر زیادہ تعداد والوں کو شکست دے دیتا ہے۔

غزوہ حنین میں مسلمانوں کی مدد

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا: کیا آپ لوگ حنین کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگے تھے؟ حضرت براء رضی اللہ عنہ بولے: میں گواہی دیتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میدان میں جمے رہے۔ آپ اپنے سفید خچر پر سوار تھے، جس کی لگام ابوسفیان رضی اللہ عنہ (آپ کے پھوپھی زاد بھائی) تھامے کھینچے جا رہے تھے۔ جب مشرکین نے آپ کو گھیر لیا تو اس وقت آپ نیچے اتر کر بولے: میں سچا نبی اور عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ اس کے بعد ایک مٹھی خاک اٹھا کر ان کے چہروں پر پھینک دی اور فرمایا: رسوا ہوں یہ چہرے! تو وہ سب تتر بتر ہو گئے۔ ہر ایک نے اپنی آنکھیں صاف کیں۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! جب جنگ بھڑکی تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اوٹ لیتے۔ ہم میں زیادہ بہادر وہ تھا جو آپ کے ساتھ تھا۔

ثُمَّ اَنۡزَلَ اللّٰہُ سَکِیۡنَتَہٗ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ وَعَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ:...... یعنی شکست کے بعد امن عطا کیا اور مؤمنوں کو اطمینان بخشا، یہاں تک کہ ان کے دلوں کو سکون ملا۔ ابوسعود کا قول ہے: یعنی اپنی وہ رحمت نازل کی، جس سے دلوں کو سکون اور اطمینان ملتا ہے۔

وَاَنۡزَلَ جُنُوۡدًا لَّمۡ تَرَوۡہَا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے: یعنی فرشتے نازل کیے: وَعَذَّبَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا: یعنی کافروں کو قتل، قید اور ان کی بیوی بچوں کو غلام بنانے کا عذاب دیا۔ وَذٰلِکَ جَزَآءُ الۡکٰفِرِیۡنَ: یعنی اللہ کا کفر کرنے والوں کی یہی سزا ہے۔

ثُمَّ یَتُوۡبُ اللّٰہُ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ: یعنی جس کو چاہے گا توبہ قبول کر کے اسے اسلام کی توفیق بخشے گا۔ اس میں بنو ہوازن کے اسلام لانے کی طرف اشارہ ہے۔ وَاللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ: یعنی بڑی مغفرت اور وسیع رحمت والا ہے۔

حدود حرم میں مشرکین کے داخلے کی ممانعت

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّمَا الۡمُشۡرِکُوۡنَ نَجَسٌ: یعنی اپنی باطنی خباثت کی وجہ سے گندگی ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: ان کے سردار نجس ہیں، جیسے کتے اور خنزیر۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: جس نے کسی مشرک سے ہاتھ ملایا اسے وضو کر لینا چاہیے۔ جمہور کا مسلک ہے۔ یہ تنبیہ کے طور پر ہے کہ وہ نجاست کی طرح ہیں یا نجاست کے بمنزلہ ہیں، ان کا عقیدہ گندا ہے اور انہوں نے اللہ کی وحدانیت کا انکار کیا ہے۔ انہیں نجاست عینی قرار دیا گیا ہے جو برائی میں مبالغہ ہے، جیسا کہ مقولہ ہے: علی شیر ہے یعنی شیر کی طرح ہے۔

فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا:...... یعنی حرم میں داخل نہ ہوں۔ مسجد حرام پہ اطلاق کر کے سارا حرم مقصود ہے۔ ابوسعود رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: بقول بعض: حج وعمرہ کی ممانعت ہے۔ یعنی وہ اس سال ہجرت کے نویں سال کے حج کے بعد حج وعمرہ نہ کریں، جس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔ (عام اعلان کردو!) کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کرنے نہ آئے۔ [۱] یہ وہ سال تھا، جس میں سورہ برأت نازل ہوئی تھی اور ایام حج میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں میں منادی کرائی تھی۔ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ: یعنی اے مسلمانو! اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ انہیں حرم میں داخل ہونے سے روکنے یا حج سے باز رکھنے سے محتاجی ہوگی تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وعطا سے تمہیں ایک اور طریقے سے ان سے بے نیاز کردے گا۔ مفسرین کا کہنا ہے۔ جب مشرکین کو حرم میں داخلے سے روک دیا گیا۔ مشرکین ایام حج میں کھانے پینے کی اشیا اور تجارتی سامان لے کر آتے تھے تو شیطان نے ان کے دلوں میں حزن وملال ڈال دیا اور ان سے کہنے لگا: تم کہاں سے کھاؤ گے؟ کاروبار اور اشیا خورونوش تم سے روک دی گئیں تو تم زندہ کیسے رہو گے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فقر ومحتاجی سے امن عطا کیا اور انہیں غنیمتیں اور جزیہ عطا کیا۔ [۲]

اِنْ شَآءَ: یعنی اپنی مشیت اور ارادے سے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ:...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: تمہاری مصلحت کا علم رکھتا ہے اور جو فیصلہ مشرکین کے بارے میں کیا اس کی حکمت سے واقف ہے، پھر مشرکین کا حکم ذکر کیا تو اہل کتاب کا حکم بھی بیان فرماتے ہوئے ارشاد ہوا: قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ: یعنی ان لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر صحیح ایمان نہیں رکھتے۔ اگرچہ ان کا گمان ایمان کا ہے۔ اس واسطے کہ یہودی کہتے ہیں: عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسائی کہتے ہیں: مسیح اللہ کے بیٹے ہیں اور ساتھ تثلیث کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ: یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں حرام کردہ چیزوں کو حرام نہیں مانتے، بلکہ جو شریعت ان کے مذہبی پیشواؤں، پوپ پادریوں نے بنا رکھی ہے اسے اختیار کرتے ہیں اسی بنا پر شراب اور خنزیر جیسی چیزوں کو حلال سمجھتے ہیں۔ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ: اور دین اسلام جو دین حق ہے اس کا اعتقاد نہیں رکھتے۔ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ: یہ ان یہود ونصاریٰ کے منحرف لوگوں کا بیان ہے، جن کا ابھی ذکر ہوا ہے، جن کے ہاں توریت وانجیل جیسی کتابیں نازل ہوئیں۔

حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ: یہاں تک کہ منقاد وفرمانبردار ہو کر تمہیں جزیہ دینے لگ جائیں۔

وَهُمْ صٰغِرُوْنَ: یعنی اسلام کے اقتدار کے سامنے مجبور اور دبے ہوئے ذلیل ورسوا ہو کر، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی چند قباحتوں کا ذکر کیا تھا۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ:...... یعنی ان لعینوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کی جب کہ وہ یکتا وتنہا ہے، بے نیاز ہے۔ بیضاوی کا قول ہے: انہوں نے یہ بات اس لیے کہی کہ بخت نصر کی تباہی کے بعد ان میں عزیر کے علاوہ کوئی توریت کا حافظ نہ بچا تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے سو سال کی میعاد کے بعد انہیں زندہ کیا تو انہوں نے توریت بول کر لکھوائی جس پر انہیں بڑا تعجب ہوا اور کہنے لگے: یہ محض اس وجہ سے ہوا کہ یہ اللہ کے بیٹے ہیں۔ [۳] وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ: یعنی نصاریٰ، اللہ کے دشمنوں کا گمان ہے کہ مسیح علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ کیوں کہ عیسیٰ علیہ السلام بن باپ پیدا ہوئے اور کوئی بچہ بن باپ پیدا ہونا ناممکن ہے، لہٰذا (ان کی ناقص عقل کے مطابق) وہ اللہ کے بیٹے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ: یعنی یہ بے ہودہ بات، جو صرف زبانی دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل وحجت نہیں۔ تسہیل میں ہے۔ یہ آیت دو مفہوم ومعانی کو شامل ہے۔ انہیں اس قول کا پابند کرنا اور اس کے بارے میں تاکید کرنا۔ دوم ان کے پاس اس بارے میں کوئی دلیل نہیں۔ یہ محض ان کا دعویٰ ہے، جیسے جس شخص کو آپ جھوٹا قرار دیں اسے یوں کہیں: یہ صرف تمہارا زبانی دعویٰ ہے۔ [۴] يُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ: یعنی وہ اس بری بات کے کہنے میں سابقہ مشرکین کے مشابہ ہیں۔ انہوں نے کہا تھا: فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ۔ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ: ان کے لیے بربادی کی بددعا ہے۔ یعنی وہ کیسے حق سے ہٹا کر باطل کی طرف پھیر دیے جاتے ہیں، باوجود یکہ حق واضح ہے

[۱] ابوالسعود ۲/ ۲۶۴ [۲] الطبری ۱۰/ ۱۰۱ [۳] البیضاوی، ص ۲۲۲ [۴] التسہیل

پھر بھی اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد قرار دیتے ہیں۔ اللہ انہیں ہلاک کرے۔ امام رازی کا قول ہے: یہ صیغہ تعجب ہے جو عرب کی عادت ہے جیسا کہ وہ اپنے خطاب میں استعمال کرتے ہیں، خلق کی طرف سے راجع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس تعجب سے آگاہ کیا ہے کہ یہ باطل پہ مصر اور حق کو ترک کیے ہوئے ہیں۔ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ: یعنی یہود ونصاریٰ نے حلت وحرمت اور اللہ تعالیٰ کا حکم چھوڑنے میں اپنے راہبوں اور پادریوں کی بات مانی۔ گویا انہوں نے ان کی عبادت شروع کر دی۔ مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے ان کی ایسی اطاعت وفرمانبرداری کی، جیسے رب تعالیٰ کی جاتی ہے، اگر چہ انہوں نے ان کی عبادت نہیں کی۔ رسول اللہ ﷺ سے یہی تفسیر منقول ہے۔ عدی بن حاتم کا قول ہے: میں جب رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو میرے گلے میں سونے کی صلیب تھی۔ رسول اللہ نے دیکھ کر فرمایا: عدی اس بت کو اتار پھینکو! فرماتے ہیں: میں نے آپ کو سورہ برأت کی یہ آیت تلاوت کرتے سنا۔ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ: میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! وہ لوگ ان کی عبادت تو نہیں کرتے تھے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: کیا ایسا نہیں تھا کہ جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے حلال کی ہیں وہ راہب و پادری انہیں حرام کہتے اور یہ لوگ انہیں حرام ہی سمجھتے اور جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دی ہیں، انہیں حلال کہتے اور یہ لوگ بھی انہیں حلال سمجھتے تھے۔ میں نے عرض کی: کیوں نہیں ایسا ہے۔ آپ نے فرمایا: یہی اس کی عبادت ہے۔

وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ: یعنی عیسائیوں نے انہیں رب اور معبود بنا لیا۔ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا: یعنی حال یہ ہے کہ اُن کفار کو انبیا کی زبانی صرف ایک اللہ کی عبادت کا حکم ملا تھا جو اللہ تمام جہانوں کا رب ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ: یعنی عبادت کیے جانے کا حق اس کے سوا کسی کو نہیں۔ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ: یعنی جو بکواسات یہ مشرکین کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان باتوں سے، بہت منزہ اور عالی شان ہے۔ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ: یعنی یہ کفار مشرکین اہل کتاب چاہتے ہیں کہ اسلام کے نور اور شریعت محمد ﷺ کو اپنے حقیر مونہوں سے محض اپنے جھگڑے اور جھوٹے دعووں سے بجھانا چاہتے ہیں اور وہ ایسا نور ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لیے روشنی بنایا ہے تو اس سلسلے میں ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اپنے منہ کی پھونک سے سورج کی شعاع یا چاند کی روشنی بجھانا چاہتا ہو جبکہ وہ ایسا کر نہیں سکتا۔ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ: جب کہ اللہ تعالیٰ تو اسے بلند کرنا اور اس کی شان کو بڑھانا ہی چاہتا ہے۔ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ: خواہ کفار کو یہ بات گراں گزرے۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ: یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو بھرپور ہدایت اور کامل دین اسلام دے کر بھیجا ہے۔ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ: تا کہ اسے تمام مذاہب پر غالب کرے۔ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ: اس کا جواب محذوف ہے، یعنی اگر چہ مشرکین اس کے غلبہ کو ناپسند کریں۔

بلاغت: فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ: ...... صیغہ امر ہے، جس کی حقیقت وعید ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ (سورہ فصلت: آیت ۴۰) وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ: عطف خاص علی العام کے قبیل سے ہے۔ اس شان کو بڑھانے کے لیے کیوں کہ مدد ناامیدی کے بعد اور کشادگی، تنگی وسختی کے بعد آئی تھی۔ وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ: ان حضرات پر جو پریشانی، شکست اور جانی تنگی واقع ہوئی اسے بطور استعارہ زمین کی تنگی کے بمقابلہ اس کی کشادگی سے تشبیہ دی ہے۔ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ: صیغہ حصر کا فائدہ دیتا ہے اور لفظ میں بلیغ تشبیہ ہے۔ یعنی نجاست ہونے میں، کیوں کہ ان کا باطن اور عقیدہ خبیث اور گناہ ہے، بلیغ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے تشبیہ کا کلمہ اور وجہ تشبیہ محذوف ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا: بھی اسی جیسا ہے۔ یعنی حلت وحرمت میں ان کے حکموں کی پابندی کرنا اور ان کی فرمانبرداری کرنے میں گویا وہ ارباب ہیں۔ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ: مبالغہ کے لیے قرب سے دخول مراد ہے۔

يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ: اس سے اسلام کا نور مراد ہے، کیوں کہ اسلام اپنے چمکتے نور اور روشن دلائل کی وجہ سے دمکتے اور تیز روشنی والے سورج کے مشابہ ہے۔ اس کا تعلق بھی استعارہ سے ہے اور لطیف استعارات سے تعلق رکھتا ہے۔

لطیفہ: ......علامہ قرطبی فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ: اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قرب سے قرب ادیان مراد ہے نہ کہ ابدان واجسام کا قریب ہونا، اس بارے میں شعرا کا کلام ہے۔

لوگ مجھ سے کہنے لگے: محبوبوں کے گھر قریب آ گئے اور ریت کے ٹیلے کی طرح بے حس وحرکت ہو۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ میں نے ان

سے کہا: مجھے قریبی گھروں سے کیا فائدہ، جب دل ملے ہوئے نہ ہوں:

از یاایھا الذین ان کثیرًا فھم فی ریبھم یترددون

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۶﴾ اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۴۲﴾ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾

ترجمہ:......اے ایمان والو! بلاشبہ بہت سے علما اور راہب ایسے ہیں جو لوگوں کے مال باطل طریقے پر کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، اور جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجیے ۳۴ جس روز ان کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا۔ پھر ان کی پیشانیوں، کروٹوں اور پشتوں کو داغ دیا جائے گا یہ وہ ہے جس کو تم نے اپنی جانوں کے لیے جمع کیا تھا۔ سو اب اسے تم چکھ لو جسے تم جمع کرتے تھے۔ ۳۵ بلاشبہ اللہ کے نزدیک اللہ کی کتاب میں جس دن اس نے آسمان اور زمین پیدا فرمائے مہینوں کی گنتی بارہ مہینے ہے۔ ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔ یہ دین مستقیم ہے، سو ان مہینوں میں تم اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو اور تمام مشرکین سے قتال کرو جیسا کہ وہ تم سب سے قتال کرتے ہیں اور جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔ ۳۶ مہینوں کی حرمت کو آگے بڑھا دینا کفر میں ترقی کرنا ہے جس سے کافر لوگ گمراہ کیے جاتے ہیں کہ وہ اس مہینے کو کسی سال حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال حرام قرار دے دیتے ہیں تاکہ ان مہینوں کی گنتی پوری کر لیں جنہیں اللہ نے حرام قرار دے دیا ہے۔ پھر اللہ کے حرام کیے ہوئے مہینے کو حلال کر لیتے ہیں، ان کے برے اعمال ان کے لیے مزین کر دیے گئے اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ۳۷ اے ایمان والو! تمہیں کیا ہوا جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکل کھڑے ہو تو زمین پر بوجھل بن جاتے ہو، کیا تم آخرت کو چھوڑ کر دنیا والی زندگی پر راضی ہو گئے۔ سو دنیا والی زندگی آخرت کے مقابلے میں بہت تھوڑی سی ہے، ۳۸ اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا اور تمہارے علاوہ دوسری قوم کو تمہارے بدلے پیدا فرما دے گا اور تم اس کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے ہو، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ۳۹ اگر تم اس کے رسول کی مدد نہ کرو تو اللہ نے ان کی مدد کی ہے جبکہ ان کو کافروں نے نکال دیا تھا۔ جبکہ وہ دو آدمیوں میں سے ایک تھے۔ جبکہ وہ دونوں غار میں تھے۔ جبکہ وہ اپنے ساتھی سے فرما رہے تھے کہ غم نہ کرو بلاشبہ اللہ ہمارے ساتھ ہے، پھر اللہ نے آپ پر اپنا سکینہ نازل فرمایا اور ایسے لشکروں کے ذریعے آپ کی مدد فرمائی جنہیں تم نے نہیں دیکھا اور اللہ نے ان لوگوں کی بات نیچی کر دی جو کفر اختیار کیے ہوئے تھے اور اللہ کی بات اونچی ہی ہے اور اللہ عزت والا ہے حکمت والا ہے۔ ۴۰ نکل کھڑے ہو ہلکے ہونے کی حالت میں اور بھاری ہونے کی حالت میں، اور اللہ کی راہ میں اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کرو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔ ۴۱ اگر قریب ہی میں سامان ملنے والا ہوتا اور سفر معمولی ہوتا تو وہ آپ کے ساتھ ہو لیتے لیکن ان کو مسافت دور دراز نظر آئی اور وہ عنقریب اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم میں طاقت ہوتی تو ہم ضرور آپ کے ساتھ نکلتے۔ وہ اپنی جانوں کو ہلاک کرتے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ بے شک وہ جھوٹے ہیں۔ ۴۲ اللہ نے آپ کو معاف فرما دیا آپ نے ان کو کیوں اجازت دی جب تک کہ آپ کے سامنے سچے لوگ ظاہر نہ ہو جاتے اور جب تک آپ جھوٹوں کو معلوم نہ کر لیتے۔ ۴۳ آپ سے وہ لوگ اجازت نہیں مانگتے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کریں اور اللہ متقیوں کو جانتا ہے۔ ۴۴ آپ سے وہی لوگ اجازت مانگتے ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں سو وہ اپنے شک میں حیران ہیں۔ ۴۵

سبب نزول:......جب رسول اللہ ﷺ طائف اور غزوۂ حنین سے واپس آئے تو لوگوں کو رومیوں سے جہاد کا حکم دیا اور یہ وقت تنگ دستی، قحط سالی، سخت گرمی کا تھا۔ جب کھجوروں کے درخت پھلوں سے سج کر پک چکے تھے۔ اس لیے لوگوں پر روم سے جہاد کرنا (طبعًا) ناگوار گزرا۔ انہیں سایہ دار مقامات میں بیٹھنا اور مال و مکانات میں قیام کرنا پسند تھا اور قتال کے لیے اس عالم میں نکلنا گراں گزر رہا تھا۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝۳۸ [1] (سورۃ توبہ، آیت ۳۸)

مناسبت:......اللہ تعالیٰ نے جب یہود و نصاریٰ کے رؤسا و اکابر کو متکبر و ہٹ دھرم اور ربوبیت کا مدعی (دعویدار) بتایا تو یہاں ان کا لالچی ہونا اور لوگوں کے مال کھانے کا حریص ہونا بتایا ہے، جس سے ان کی حقارت اور بے وقوفی بتانا مقصود ہے۔ اس واسطے کہ انہوں نے دین کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنا لیا تھا جو ذلت و کمینگی کی انتہا ہے۔ اس کی بعد حق تعالیٰ نے ان کے اور مشرکین کے قبائح ذکر کیے ہیں۔ پھر عام نفر کی طرف بلایا اور جہاد فی

[1] القرطبی ۸/ ۱۲۰

سبیل اللہ سے جی چرانے والے منافقین کا موقف بیان کیا۔

لغت: اَحۡبَارَ:...... یہودی علما۔ الرھبان: نصاریٰ کے علما ابن المبارک کا شعر ہے:

هل افسد الدين الا الملوك — واحبار سوء و رهبانها[1]

دین میں بگاڑ ہمیشہ بادشاہوں اور علمائے سونے پیدا کیا ہے۔ یَکۡنِزُوۡنَ: لغت کے لحاظ سے کنز کی اصل جمع کرنا اور ملانا ہے اسی سے یہ حدیث ہے: کیا میں تمہیں آدمی کے بہترین خزانے کی خبر دوں؟ نیک بیوی، یعنی جسے وہ اپنے لیے جمع کرتا اور سمیٹتا ہے۔ پھر اس کا استعمال سونے، چاندی کے دفینے پر زیادہ ہونے لگا۔ طبری کا قول ہے: جو چیز زمین میں یا زمین کے اوپر ڈھیر کی صورت میں ہو اسے کنز کہا جاتا ہے۔[2] تُکۡوٰی: گرم لوہے کو عضو کے ساتھ لگانا یہاں تک کہ جلد پگھل جائے۔ امثال میں ہے: سب سے آخری علاج داغنا ہے۔ النسی: تاخیر و مقولہ ہے: نساء وانساء اس نے مؤخر کیا۔ اسی سے حدیث ہے: اس کی مدت حیات میں تاخیر کردی جاتی ہے۔ زمخشری کا قول ہے: النسی ایک مہینے کی حرمت کو دوسرے مہینے کی حرمت تک مؤخر کرنا۔ لیواطئوا: یعنی موافقت کریں۔ مواطاۃ موافقت کو کہا جاتا ہے۔ مقولہ ہے: تواطا القوم جب کسی خفیہ کام پر اتفاق ہو جائے۔ انفروا: نفر کا مطلب جلدی نکلنا ہے۔ اسی سے یہ ارشاد ربانی ہے: وَلَّوۡا عَلٰۤی اَدۡبَارِهِمۡ نُفُوۡرًا۔ اثَّاقَلۡتُمۡ: اصل میں تثاقلتم تھا، جس کا معنی ہے تم نے تاخیر کی جلدی نہیں کی۔ عَرَضًا: عرض دنیا کے وہ فوائد جو انسان کو پیش آئیں، ان کا نام عرض اس لیے رکھا گیا ہے کیوں کہ یہ دائمی ہیں اور حدیث میں ہے: دنیا میں موجودہ سامان جن میں ہر نیک و بد کھاتا ہے۔ الشُّقَّةُ: وہ لمبی مسافت جسے بغیر مشقت کے طے نہ کیا جائے۔ جوہری کا قول ہے: شقة لمبا سفر[3] ہے۔ گویا یہ مشقت سے ماخوذ ہے۔ چنانچہ مقولہ ہے: شقة شاقة: طویل سفر۔

زکوٰۃ نہ دینے کا انجام اُخروی

تفسیر: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّ كَثِيۡرًا مِّنَ الۡاَحۡبَارِ وَالرُّهۡبَانِ:...... یعنی اے ایمان والو! جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تصدیق کی! بہت سے یہودی علما احبار اور عیسائی علما رھبان لَيَاۡكُلُوۡنَ اَمۡوَالَ النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ وَيَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ: یعنی حرام طریقے سے لوگوں کا مال بٹورتے اور انہیں دین اسلام میں داخل ہونے سے روکتے ہیں۔ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: مقصود علمائے سو اور جاہل عبادت گزاروں سے پرہیز ہے۔ ابن عیینہ کا قول ہے: ہمارے علما میں سے جو خراب ہوئے۔ ان کی مشابہت یہود سے تھی اور جو زاہدین خراب ہوئے، ان کی مشابہت نصاریٰ سے تھی۔[4]

وَالَّذِيۡنَ يَكۡنِزُوۡنَ الذَّهَبَ وَالۡفِضَّةَ:...... یعنی مال جمع کرتے اور ثروتیں سمیٹتے ہیں۔ وَلَا يُنۡفِقُوۡنَهَا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ: یعنی ان کی زکوٰۃ نہیں دیتے اور ان میں سے کار خیر میں صرف نہیں کرتے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے: جس کی زکوٰۃ نہ دی جائے وہ کنز اور ذخیرہ ہے اور جس کی زکوٰۃ ادا کردی جائے وہ کنز نہیں: فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ: دھمکی کا اسلوب ہے۔ یعنی انہیں جہنم کے دردناک عذاب کی خبر سنادو۔ زمخشری کا قول ہے: ذخیرہ اندوزوں اور یہود و نصاریٰ کو یکجا اس لیے ذکر کیا ہے تاکہ ان پر سختی ہو اور یہ بتانے کے لیے کہ جو ان میں سے حرام لے گا یا جو مسلمان اپنے پاکیزہ مال نہیں دے گا وہ اور یہ دردناک عذاب کی خوشخبری میں برابر ہیں۔[5] يَّوۡمَ يُحۡمٰى عَلَيۡهَا فِىۡ نَارِ جَهَنَّمَ: یعنی جس دن زیورات و مال کو بھڑکتی آگ میں تپایا جائے گا یہاں تک کہ وہ لال سرخ ہو جائیں گے۔ فَتُكۡوٰى بِهَا جِبَاهُهُمۡ وَجُنُوۡبُهُمۡ وَظُهُوۡرُهُمۡ: یعنی ان سے پیشانیاں، پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ کسی بندے کو کنز سے نہیں داغا جائے گا کہ دینار، دینار کو اور درہم، درہم کو چھوئے بلکہ اس کی جلد کو بڑھا دیا جائے گا۔ پھر ہر درہم و دینار علیحدہ علیحدہ رکھا جائے گا۔[6] ان جگہوں کو اس لیے خاص طور پر ذکر کیا کہ بخیل شخص جب محتاج کو آتے دیکھتا ہے تو اپنی پیشانی پر بل ڈالتا ہے پھر جب وہ اس کے پاس پہنچ جاتا ہے تو اس سے منہ پھیر لیتا ہے اور

---

[1] الطبری ۱/۱۲۱ [2] القرطبی ۸/۱۵۴ [3] اسباب النزول للواحدی، ص ۱۴۱ [4] المختصر ۲/۱۳۸ [5] الکشاف ۲/۲۶۶ [6] الطبری ۱۰/۱۲۴

جب اس سے خیر خواہی کا مطالبہ کرتا ہے تو اس سے اپنی پیٹھ پھیر لیتا ہے۔ قرطبی کا قول ہے: چہرے کا داغنا زیادہ مشہور اور برا ہے اور پیٹھ اور پہلو کا داغ دردناک ہے۔ اسی بنا پر انہیں دوسروں سے علیحدہ ذکر کیا۔[1] هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ: یعنی انہیں ڈانٹ دھمکا کر کہا جائے گا: یہی وہ ذخیرہ ہے جسے تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا۔ اب اپنے ذخیرہ کیے ہوئے مال کا وبال چکھو۔ صحیح مسلم میں ہے: جو بندہ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا، اس کے لیے قیامت کے دن آگ کی پلیٹیں ہیں، جن سے اس کی پیشانی، پہلو اور پیٹھ داغ دی جائے گی۔ وہ دن جو پچاس ہزار سال کا ہوگا، یہاں تک کہ بندوں کا فیصلہ ہو جائے۔ پھر اسے جنت یا جہنم کا راستہ دکھایا جائے۔

حرمت والے مہینوں میں قتال حرام ہے

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا:...... یعنی گنتی کے وہ مہینے جو اللہ تعالیٰ کی شریعت اور حکم کے مطابق مقرر ہیں، وہ تو بارہ مہینے ہیں جن کا اعتبار چاند کی منازل سے ہے۔ اس سے مراد قمری ماہ ہیں، کیوں کہ احکام شرعی کا فلک ان پر گھومتا ہے۔ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ: یعنی لوح محفوظ میں۔ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ نے یہ بات اس دن، اس کتاب میں لکھی جو اس کے پاس ہے، جس دن اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ: یعنی ان میں سے چار ماہ حرمت والے ہیں جو یہ ہیں: ذیقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب۔ انہیں حرمت والا اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ انتہائی معظم و محترم ہیں۔ ان میں دوہری عبادتیں ہوتی ہیں اور ان میں جنگ کرنا حرام ہے۔ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ: یعنی سیدھی شریعت۔ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ: یعنی ان حرمت والے مہینوں میں ان کی بے حرمتی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرام کاموں اور گناہوں کا ارتکاب کر کے اپنے آپ پر ظلم نہ کرو۔

کفار سے متحد ہو کر لڑنے کا حکم

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً:...... یعنی ان سے متحد ہو کر لڑو بے اتفاقی سے نہیں، جیسے وہ تم سے یکجا ہو کر لڑتے ہیں۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ: یعنی نصرت و تائید میں ان کے ساتھ ہے۔ اس میں اہل تقویٰ کے لیے بشارت اور ضمانت ہے۔ اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ: یعنی ایک مہینے کی تاخیر دوسرے مہینے کے لیے کفر میں زیادتی و اضافہ ہے، کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیز کو حرام قرار دینے اور اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ شے کو حلال قرار دینے کا طرز ہے، جو ایک کفر ہے اور دوسرے کفر سے مل گیا۔ مفسرین فرماتے ہیں: اہل عرب جنگجو اور غارت گر قوم تھی اور اشہر حرم میں ان پر قتال کرنا حرام تھا۔ جب حرمت کا مہینہ آتا اور وہ کسی جنگ میں مصروف ہوتے تو جنگ سے باز رہنا ان پر دشوار گزرتا تو وہ اس مہینے کو حلال کر کے اس کی جگہ دوسرے مہینے کو حرام قرار دے دیتے، گویا وہ ایک مہینے کو دوسرے کی جگہ قرض لے لیتے تھے۔ کبھی وہ محرم کو حلال کر کے صفر کو حرام کر دیتے، یہاں تک کہ سال میں حرمت والے چار مہینوں کی میعاد مکمل ہو جاتی تھی۔

يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا:...... یعنی اس کی وجہ سے کفار کی گمراہی میں مزید اضافہ ہو جاتا۔ يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا: یعنی ایک سال حرمت والے مہینے کو حلال کر لیتے اور حلت والے مہینے کو ایک سال، اسے اس کی جگہ کر لیتے اور کبھی اس کے برعکس کرتے تھے۔ لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ: یعنی تاکہ حرمت والے چار مہینوں کی تعداد کی موافقت کریں۔ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ: یعنی اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ مہینوں کو حلال سمجھتے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: بنو کنانہ کا ایک شخص ہر سال ایام حج میں اپنے گدھے پر سوار ہو کر آتا اور لوگوں سے کہتا ہے: لوگو! نہ میرا عیب نکالا جائے اور نہ مجھے جواب دیا جائے اور نہ کوئی میری بات کی تردید کرے۔ ہم نے محرم کو حرام قرار دے دیا ہے اور صفر کو مؤخر کر دیا ہے۔ پھر وہ آئندہ سال آ کر کہتا: ہم نے صفر کو حرام کر دیا اور محرم کو مؤخر کر دیا ہے۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ۔[2] زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ: یعنی شیطان نے ان کے برے اعمال ان کے لیے آراستہ کر دیے، جنہیں وہ اچھا سمجھنے لگے۔

---

[1] القرطبی ۸/۱۲۹ [2] الطبری ۱۰/۱۳۴

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ:.....یعنی انہیں سعادت کا راستہ نہیں سمجھاتا۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ: استفہام توبیخ اور زجر کے لیے ہے۔ یہ ترک جہاد پر زجر اور ان لوگوں کے لیے عتاب ہے جو غزوۂ تبوک سے رہ گئے تھے۔ مطلب یہ ہے: مؤمنو! تمہیں کیا ہوا جب تمہیں اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے جہاد کرنے کے لیے روانہ ہونے کو کہا گیا تو تم نے بھاری پن دکھایا اور تاخیر کی، تم لوگ دنیا اور اس کی لذتوں کی طرف مائل ہو گئے اور سفر کی صعوبت و مشقت کو ناپسند کیا۔ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ: کیا تم آخرت کی نعمتوں اور ثواب کے مقابلے میں دنیا کی نعمتوں اور اس کے فانی سامان پر راضی ہو گئے۔ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ: آخرت کے مقابلے میں دنیاوی لذتوں سے لطف اندوز ہونا ایک حقیر سی چیز ہے، اس کی کوئی قیمت نہیں۔ پھر ترک جہاد پر انہیں وعید سنائی۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا: یعنی اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جہاد کے لیے نہ نکلے اللہ تعالیٰ تمہیں دردناک عذاب دے گا، جو دنیا میں دشمن کو تم پر غلبے کی صورت میں اور آخرت میں جلا دینے والی آگ کے ذریعے ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے: بارش روکنے کا عذاب ہے۔[1]

وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ:.....یعنی تمہیں ہلاک کر کے تمہارے بدلے میں تم سے بہتر لوگ لے آئے گا، جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات جلد ماننے والے اور زیادہ فرمانبرداری کرنے والے ہوں گے۔ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا: تم اپنی جہاد سے تاخیر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرر نہ پہنچا سکو گے۔ اس لیے کہ حق تعالیٰ تمام جہانوں سے بے پرواہ ہے۔ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ: یعنی ہر چیز پر قادر ہے۔ اسی سے تمہارے بغیر دشمنوں کے خلاف مدد کرنا ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ زجر کی شدت پر یہ تنبیہ ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ تو قادر ہے اس پر عاجزی کا آنا جائز نہیں، جب وہ عذاب کی وعید سناتا ہے تو کر گزرتا ہے۔[2] اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ: یعنی اگر (بالفرض) تم نے اللہ کے رسول کی مدد و نصرت نہ کی تو اللہ تعالیٰ ان کے ناصرو محافظ ہیں۔ شرط کا جواب محذوف ہے۔ تقدیر یوں ہے: عنقریب اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے گا۔ جس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے۔ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ: مطلب یہ ہوا: اگر تم ان کی مدد نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ ہی ان کی مدد کرے گا، جس نے ان کی مدد کی۔ جب دو میں کا دوسرا، جب ان کے ساتھ معاون و مددگار نہ تھے۔ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا: جب وہ ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ جا رہے تھے۔ نکلنے کی نسبت کفار کی طرف کی، کیوں کہ انہوں نے آپ کو نکلنے پر مجبور کیا تھا اور آپ کے قتل کا منصوبہ بنایا تھا۔ یہاں تک کہ آپ کو ہجرت کرنی پڑی۔ ثَانِىَ اثْنَيْنِ: دو میں سے دوسرا، تیسرا ان کے ساتھ کوئی نہ تھا۔ اور وہ دوسرے سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ تھے: اِذْ هُمَا فِى الْغَارِ: یعنی جب وہ اور صدیق دونوں جبل ثور کی کھوہ میں چھپے ہوئے تھے۔

اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا:.....یعنی جب وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تسلی و اطمینان دلا کر کہہ رہے تھے۔ خوف کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ کی مدد و معاونت ہمارے ساتھ ہے۔ طبری بحوالہ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غار میں تھا اور ہمیں مشرکین کے پاؤں نظر آ رہے تھے۔ میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! اگر ان میں سے کوئی اپنا قدم اٹھائے تو ہمیں دیکھ لے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ابوبکر! ان دو کے بارے تمہارا کیا گمان ہے، جن کا تیسرا اللہ ہے۔[3] حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پریشانی تھی اور آپ کا خوف تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دلجوئی کے لیے یہ بات ارشاد فرمائی تھی: فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ: تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر سکون و اطمینان نازل فرما دیا۔ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا: یعنی اپنے پاس سے فرشتوں کے لشکر کے ذریعے ان کی مدد کی جو غار میں ان کی حفاظت فرما رہے تھے جو تمہیں نظر نہ آئے۔ وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى: یعنی شرک کی بات کو نیچا، گھٹیا اور حقیر بنا دیا۔ جس سے شرک اور مشرکین کو ذلیل کیا۔ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِىَ الْعُلْيَا: یعنی کلمہ توحید لا الٰہ الا اللہ غالب رہے گا، جس سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو غلبہ عطا کرے گا اور شرک اور مشرکین کو ذلیل کرے گا۔ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ: یعنی اللہ غالب ہے، اس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ وہی کرتا ہے جس میں حکمت اور مصلحت ہوتی ہے۔

---

[1] الطبری ۱۰/ ۱۳۱ [2] الرازی ۱۶/ ۶۱ [3] الطبری ۱۰/ ۱۳۶

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا :...... اے مؤمنوں کی جماعت! قتال کے لیے بوڑھے جوان، پیادہ اور سوار تمام حالات میں نکلو! خوش حالی و بدحالی، تنگ دستی و کشادہ دستی میں اللہ کی راہ میں چل پڑو! وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: یعنی اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے اپنی جانیں اور مال لگا کر جہاد کرو۔ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ: یعنی یہ اعلان اور جہاد زمین سے لگے رہنے اور اس پر پڑے رہنے اور دنیا کے تھوڑے سے سامان پر راضی ہو جانے سے بہتر ہے۔ اگر تم واقعی اس بات کو جانتے ہو۔ ''بحر'' میں ہے دنیا میں بہتری دشمن کی مغلوبیت اور زمین کی وراثت کے ذریعے اور آخرت میں ثواب عظیم اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے۔[1] پھر اللہ تعالیٰ نے غزوۂ تبوک سے رہ جانے والوں کا اور ان میں سے جمے رہ جانے والے منافقوں کا مؤقف ذکر کیا ہے۔ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا: جس چیز کی طرف انہیں بلایا گیا وہ اگر قریبی غنیمتیں ہوتیں، جنہیں حاصل کرنا آسان ہوتا۔ وَّسَفَرًا قَاصِدًا: اور دور کے بجائے درمیانی سفر ہوتا۔ لَّاتَّبَعُوْكَ: تو ضرور آپ کے پیچھے ہو لیتے۔ انہیں اللہ کی رضا مقصود نہ ہوتی، بلکہ غنیمتوں کا لالچ ہوتا۔ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ: یعنی ان کے سامنے راستے کی مسافت دور ہو گئی۔ اسی بنا پر اپنے دلی روگ نفاق کی وجہ سے نکلنے سے معذرت کرنے لگے۔

وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ :...... وہ تمہارے سامنے اپنے جھوٹے حیلے[2] بہانے پیش کر کے کہیں گے، اگر ہمیں نکلنے کی جانی یا مالی مقدرت ہوتی تو ہم تم سے پیچھے نہ رہتے۔ ساتھ نکل کھڑے ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید و تکذیب کرتے ہوئے فرمایا: يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ: یعنی اپنی جھوٹی قسموں کے ذریعے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ: یعنی اپنے دعویٰ میں جھوٹے ہیں، کیوں کہ وہ نکل سکتے تھے لیکن نہیں نکلے۔ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ: رسول اللہ ﷺ کو لطیف عتاب ہے۔ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے عتاب سے پہلے عفو کا ذکر کیا ہے جو محض آپ کا اکرام و اعزاز ہے۔[3] مطلب یہ ہوا اللہ تعالیٰ نے اے محمد (ﷺ) آپ سے درگزر کیا۔ آپ نے صرف عذر بیانی کی وجہ سے ان منافقوں کو پیچھے رہ جانے کی اجازت کیوں دی۔ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ: یعنی آپ نے انہیں کیوں چھوڑا، یہاں تک کہ آپ کے سامنے اپنے عذر میں سچا شخص، جھوٹے منافق سے ظاہر ہو جاتا۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ آیت منافقین کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان میں سے کچھ لوگ کہنے لگے: اللہ کے رسول سے اجازت طلب کرو۔ اگر اجازت دے دیں تو بیٹھے رہنا اور اگر اجازت نہ دیں تو پھر بھی بیٹھ جانا[4] انہوں نے جہاد کے مقابلے میں بیٹھے رہنے پر اصرار کیا، اگرچہ انہیں اجازت نہ ملی۔ اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر دی کہ اہل ایمان آپ سے اجازت نہیں مانگیں گے۔ چنانچہ ارشاد ہے: لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ: یعنی اے محمد! جو لوگ اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، وہ جہاد میں نہ جانے کی آپ سے اجازت نہیں مانگیں گے۔ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ: یعنی مال اور جان سے جہاد کرنے کو ناپسند کرنے کی وجہ سے کیوں کہ انہیں معلوم ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجاہدین ابرار کے لیے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے، وہ بھلا اس سے پیچھے کیسے رہ سکتے ہیں؟ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ: یعنی انہیں جانتا ہے کیوں کہ وہ (اپنے) ایمان میں مخلص اور رحمٰن تعالیٰ سے ڈرنے والے ہیں۔ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ: اے محمد! آپ سے وہی لوگ اجازت مانگتے ہیں جو منافق ہیں اور ایمان ان کے دلوں میں ثابت قدم نہیں ہوا۔ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ: یعنی ان کے دلوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے ثواب میں شک کیا۔ اب وہ حیران و ششدر ہیں انہیں معلوم نہیں کیا کریں۔

بلاغت: يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا :...... يُحِلُّوْنَ وَيُحَرِّمُوْنَ: میں طباق ہے، جس کا تعلق محسنات بدیعہ سے ہے۔ مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ: اس سے مقصود انکار و توبیخ ہے۔ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ: اس حذف کے ساتھ ایجاز ہے۔ یعنی کیا تم دنیا کی نعمتوں اور لذتوں پر آخرت

---

[1] البحر ۵/ ۴۴ [2] یہ اخبار غیب ہے، یعنی غزوہ تبوک سے واپسی پر یہ لوگ ان جھوٹی قسموں کو پیش کریں گے۔ پھر ایسا ہی ہوا اور یہ قرآن کا واضح معجزہ ہے۔ [3] مفسرین کا کہنا ہے: اس آیت سے انسان کو رسول اللہ ﷺ کے ان کے رب کے ہاں مقام معلوم ہوگا اور آپ ﷺ کی شان و منزلت ہے کہ آپ کو خطا سے پہلے عفو کی بشارت دی۔ اگر آپ کو عتاب کر کے کہتے: آپ نے اجازت کیوں دی؟ تو خوف تھا آپ کا دل غم سے پھٹ جاتا۔ حضرت عون رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: کیا تم نے اس سے احسن عتاب سنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عتاب سے پہلے عفو سے خطاب کیا۔ میں کہتا ہوں۔ اس جگہ زمخشری نے رسول اللہ ﷺ کے مقام میں جو کچھ ذکر کیا ہے وہ بے ادبی ہے۔ [4] الطبری ۱۱/ ۱۴۲

کے بدلے راضی ہو گئے ہو؟ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا: دنیا کی حقارت و دناءت کو آخرت کے مقابلے میں، زیادہ مبالغے کے لیے ضمیر کی اظہار کا استعمال کیا ہے۔ یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا: دونوں میں اشتقاق جناس ہے۔ وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى: كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا: شرک سے کنایہ ہے۔ جیسا کلمۃ اللہ ایمان اور توحید سے کنایہ ہے۔ خِفَافًا وَّثِقَالًا: دونوں میں طباق و مطابقت ہے۔ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ: مشقت طویل سفر سے کنایہ ہے، جس سے بدن تھک جائے۔ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ: خبر ہے جس سے مقصود مضرت سے پہلے مسرت کو لانا ہے اور کسی کا یہ قول انتہائی احسن ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی سے یہ لطف و کرم ہے کہ عتاب سے پہلے عفو سے آغاز کیا ہے۔

فائدہ:...... مروی ہے کہ ایک اعرابی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہنے لگا: مجھے ارشاد باری تعالیٰ کا مطلب سمجھائیں: وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ: تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس نے ان کے ڈھیر لگا کر ان کی زکوٰۃ نہ دی تو اس کے لیے خرابی ہے اور ایسا زکوٰۃ کا حکم نازل ہونے سے پہلے ہوتا تھا۔ پھر جب اس کا حکم آ گیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اموال کی پاکیزگی کا ذریعہ بنا دیا۔ مجھے کوئی پرواہ نہیں، اگر میرے پاس احد جتنا سونا ہو اور میں اس کی زکوٰۃ ادا کرتا رہوں اور اسے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں لگاؤں۔[1]

تنبیہ:...... یہ آیت: اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی عظیم فضیلت اور قدر و منزلت پر دلالت کرتی ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں غار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھی چنا ہے اور ہجرت کا رفیق بنایا ہے۔ اسی بنا پر علما فرماتے ہیں: جو صدیق اکبر کی صحابیت کا انکار کرے وہ کافر ہے، کیوں کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کا رد کیا ہے۔

لطیفہ:...... حیان بن زید سے مروی ہے، فرمایا: ہم لوگ صفوان بن عمرو کی معیت میں ایک مہم میں گئے۔ میں نے پیر عمر شخص کو دیکھا جس کی بھنویں آنکھوں پر پڑی تھیں۔ ان کا تعلق دمشق سے تھا وہ اپنی سواری پر تھے۔ مجاہدین میں وہ بھی شامل تھے، میں نے انہیں مڑ کر دیکھا اور کہا: چچا جان! اللہ تعالیٰ نے آپ کو معذور قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں: انہوں نے اپنی بھنوؤں کو اٹھا کر فرمایا: بھتیجے! اللہ تعالیٰ نے ہم سے ہلکے ہوں یا بوجھل دونوں حالتوں میں چلنے کا مطالبہ کیا ہے۔ دیکھو! جسے اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے، اسے مصیبت میں مبتلا کرتا ہے۔ پھر اسے لوٹاتا اور باقی رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے صابر، شاکر اور ذاکر بندوں کی آزمائش کرتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی عبادت نہیں کرتے۔[2] میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ ان پاکیزہ نفوس پر رحمت کرے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضامندی پانے کے لیے اپنی ارواح کا سودا کر لیا۔

منافقین کے چند قبیح اعمال کا ذکر

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَاۤ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۰﴾ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَاۤ اِلَّاۤ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ؕ وَنَحْنُ

[1] ابن ماجہ [2] الطبری ۱۰/ ۱۳۸

نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۖ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿۵۲﴾
قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ
تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا
يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ۭ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ
وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿۵۶﴾ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿۵۷﴾
وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿۵۸﴾
وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ
اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاۗءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي
الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۰﴾

ع ۱۴ / ۱۲

ترجمہ:......اور اگر وہ لوگ نکلنے کا ارادہ کرتے تو اس کے لیے ضرور تیاری کرتے لیکن اللہ نے ان کے جانے کو پسند نہیں فرمایا سو ان کو روک دیا اور کہا گیا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ ﴿۴۶﴾ اگر وہ تم میں شامل ہو کر نکل جاتے تو زیادہ فساد کرنے کے سوا کچھ کام نہ کرتے اور تمہارے درمیان فتنہ پردازی کی فکر میں تیزی کے ساتھ دوڑے پھرتے، اور تمہارے اندر وہ لوگ ہیں جو ان کے لیے جاسوسی کرنے والے ہیں اور اللہ ظالموں کو جانتا ہے۔ ﴿۴۷﴾ وہ پہلے سے فتنہ پردازی کی فکر میں لگے رہے ہیں اور آپ کے لیے کاروائیوں کا الٹ پھیر کرتے رہے ہیں یہاں تک کہ حق آ گیا اور اللہ کا حکم غالب ہوا حالانکہ ان کو ناگوار ہو رہا تھا ﴿۴۸﴾ اور ان میں ایسا شخص بھی ہے جو کہتا ہے کہ آپ مجھے اجازت دیجیے اور مجھے فتنے میں نہ ڈالیے خبردار وہ فتنے میں پڑ چکے ہیں اور بلاشبہ جہنم کافروں کو گھیرنے والا ہے۔ ﴿۴۹﴾ گر آپ کو اچھی حالت پیش آ جائے تو انہیں بری لگتی ہے، اور اگر آپ کو کوئی مصیبت پہنچ جائے تو یوں کہتے ہیں کہ ہم نے تو پہلے ہی اپنا کام سنبھال لیا تھا اور پشت پھیر کر خوش ہوتے ہوئے چل دیتے ہیں۔ ﴿۵۰﴾ آپ فرما دیجیے کہ اس کے علاوہ ہمیں تکلیف نہ پہنچے گی جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی ہے وہ ہمارا کارساز ہے اور ایمان والے اللہ ہی پر بھروسہ کریں۔ ﴿۵۱﴾ آپ فرما دیجیے کہ تم ہمارے بارے میں یہی انتظار کرتے ہو کہ ہمیں دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی مل جائے اور ہم تمہارے بارے میں یہ انتظار کرتے ہیں کہ اللہ تم پر اپنے پاس سے کوئی عذاب بھیج دے یا ہمارے ہاتھوں سے عذاب دے دے، سو تم انتظار کرو۔ بلاشبہ ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار میں ہیں۔ ﴿۵۲﴾ آپ فرما دیجیے کہ تم خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے ہرگز تم سے قبول نہ کیا جائے گا، بلاشبہ تم نافرمان لوگ ہو ﴿۵۳﴾ اور ان کے صدقات قبول کیے جانے سے کوئی چیز اس کے سوا مانع نہیں ہے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا، اور یہ لوگ نماز نہیں پڑھتے مگر سستی کے ساتھ اور خرچ نہیں کرتے مگر ناگواری کے ساتھ ﴿۵۴﴾ سو آپ کو ان کے مال اور ان کی اولاد تعجب میں نہ ڈالیں، اللہ یہی چاہتا ہے کہ انہیں دنیا والی زندگی میں ان چیزوں کے ذریعے عذاب دے اور یہ کہ ان کی جانیں اس حال میں نکل جائیں کہ کفر کی حالت میں ہوں۔ ﴿۵۵﴾ وہ لوگ قسم کھاتے ہیں کہ بلاشبہ وہ تم میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں، لیکن وہ ایسے لوگ ہیں جو ڈرتے ہیں، ﴿۵۶﴾ گر انہیں کوئی پناہ کی جگہ یا کوئی غار مل جائے یا گھس بیٹھنے کے لیے کوئی جگہ حاصل ہو جائے تو پیٹھ پھیر کر جلدی سے اسی کی طرف دوڑے چلے جائیں۔ ﴿۵۷﴾ اور ان

میں بعض وہ لوگ ہیں جو صدقات کے بارے میں آپ پر طعن کرتے ہیں، سو اگر ان میں ان کو دیا جائے تو راضی ہو جاتے ہیں اور اگر ان کو اس میں نہ دیا جائے تو اسی وقت وہ ناراض ہو جاتے ہیں، (۵۸) اور ان کے لیے بہتر ہے کہ وہ اس پر راضی ہوں جو اللہ نے اور اس کے رسول ﷺ نے انہیں دیا اور وہ یوں کہیں کہ اللہ ہمیں کافی ہے۔ عنقریب اللہ ہمیں اپنے فضل سے عطا فرمائے گا اور اس کا رسول (ﷺ) بے شک ہم اللہ کی طرف رغبت کرنے والے ہیں۔ (۵۹) صدقات صرف فقرا کے لیے اور مساکین کے لیے اور ان کارکنوں کے لیے ہیں جو صدقات پر متعین ہیں اور ان لوگوں کے لیے جن کی دلجوئی کرنا منظور ہو اور گردنوں کے چھڑانے میں، اور قرض داروں کے قرضے میں اور اللہ کے راستہ میں، اور مسافروں کے لیے ہیں یہ حکم اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا ہے اور اللہ علیم ہے اور حکیم ہے۔ (۶۰)

مناسبت:...... اللہ تعالیٰ نے جب منافقین کا اور جہاد کے لیے نکلنے سے اُن کا پیچھے رہ جانے کا ذکر کیا تو یہاں ان کے بعض قبیح اعمال جیسے فریب، مکر، مسلمانوں میں فتنے پھیلانے اور ان کی تکلیف پر خوش ہونے کا ذکر کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر کیا ہے کہ وہ اگر مسلمانوں کے ساتھ نکلتے تو لشکر میں کمزوری، جماعت کا شیرازہ بکھیرنے اور اختلاف ڈالنے کا ہی سبب بنتے اور ان کے بہت سے برے جرائم اور مکر ذکر کیے ہیں۔

لغت: انۢبِعَاثَهُمْ ...... کسی کام کو کرنا۔ فَثَبَّطَهُمْ: انسان کو اس کام سے ہٹانا جس کا اس نے ارادہ کر لیا ہے۔ اسے تثبیط کہتے ہیں: خَبَالًا: ہر چیز میں شر و فساد، جس شخص کی عقل ماری گئی ہو اسے مخبول کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ اس بنا پر ہے۔ وَلَاْ اَوْضَعُوْا: تیز چال، راجز کا شعر ہے:

کاش میں ان اونٹنیوں میں جوان ہوتا ۔۔۔ ان میں آہستہ اور تیز چلتا ہوتا

مقولہ ہے: وضع البعیر: جب وہ تیز چلے اور اوضع الرجل جب وہ خود تیز تیز قدم بھرے۔[1]

يَجْمَحُوْنَ: ...... بے قابو ہونا۔ عربوں کا قول ہے: فرس جموح ایسا گھوڑا جسے لگام نہ روک سکے۔ يَلْمِزُكَ: لمز عیب کو کہا جاتا ہے مقولہ ہے: لمزہ جب کوئی کسی کی عیب جوئی کرے۔ جوہری فرماتے ہیں: اصل میں آنکھ وغیرہ کے اشارے کو لمز کہا جاتا ہے۔ لمّاز بہت عیب جو آدمی۔[2]

الغارمین: مقروض۔ زجاج فرماتے ہیں: غرم اصل میں ایسی شے کو کہتے ہیں جو دشوار ہو۔ مشقت آمیز سزا کو بھی غرام کہا جاتا ہے۔ اسی طرح عشق کو بھی غرام کہتے ہیں، کیوں کہ ایسی دردناک بیماری ہے جو چمٹ جاتی ہے۔ قرض کو غرام اس لیے کہتے ہیں کہ یہ انسان کے لیے دشوار ہے۔[3]

سبب نزول:...... جب رسول اللہ ﷺ نے تبوک جانے کا قصد کیا تو جد بن قیس (جو ایک منافق شخص تھا) سے کہا: ابو وہب کیا تمہیں زرد رنگ کی جلدوں سے دلچسپی ہے یعنی رومی۔ ہم ان کی عورتوں کو لونڈیاں اور لڑکوں کو خادم بنائیں گے؟ وہ کہنے لگا: اللہ کے رسول! میری قوم جانتی ہے میں عورتوں کا بڑ دلدادہ ہوں، مجھے خدشہ ہے کہ ان زرد رنگ والیوں کو اگر میں نے دیکھ لیا تو مجھ سے رہا نہ جائے گا، لہٰذا آپ مجھے فتنے میں نہ ڈالیں۔ میں اپنے مال سے تعاون کروں گا۔ آپ مجھے رہ جانے کی اجازت مرحمت فرمائیں تو آپ ﷺ نے اس سے رخ انور پھیر لیا اور فرمایا: جاؤ میں نے تمہیں اجازت دے دی۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی: وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ

تفسیر: وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً: ...... یعنی اگر یہ منافقین آپ کے ساتھ جہاد کے لیے جانا چاہیں یا ان کی نیت ہوتی تو اس کے لیے تیاری کرتے زاد سفر تیار کرتے۔ تیاری نہ کرنے سے ان کا پیچھے رہ جانا ہی اصل مقصود تھا۔ وَلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ: لیکن اللہ تعالیٰ کو ان کا آپ کے ساتھ نکلنا ہی ناپسند تھا۔ فَثَبَّطَهُمْ: یعنی ان کا عزم توڑ کر ان کے دلوں میں کسل مندی اور سستی ڈال دی۔ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ: یعنی پیچھے رہ جانے والے بچوں، عورتوں اور معذوروں کے ساتھ بیٹھ جاؤ۔ یہ ان کی مذمت ہے کہ انہوں نے جہاد میں جانے کے مقابلے میں بیٹھے رہنے کو ترجیح دی۔ آیت میں نبی کریم ﷺ کو تسلی ہے تاکہ منافقین کے نہ جانے سے ملال نہ ہو کیوں کہ ان میں کوئی فائدہ تھا اور نہ مصلحت، بلکہ اذیت و مضرت تھی۔ اسی بنا پر ارشاد ہے: لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا: یعنی اگر وہ تمہارے ساتھ نکلتے تو شر و فساد کا باعث ہی بنتے۔ وَّلَاْاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ: یعنی تمہارے درمیان چغلی کھانے کی جلدی کرتے۔ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ: یعنی تمہیں دشمنی میں ڈال کر فتنے کے متلاشی ہوتے۔

---

[1] الرازی ۱۶/۸۱ [2] الصحاح للجوھری [3] البحر ۵/۳۵

وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ : یعنی تم میں کمزور دل والے ہیں جو اُن کی باتوں پر کان لگاتے ہیں اور ان کی بات مانتے ہیں۔ [1] وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ :یعنی اسے منافقون کا علم محیط ہے۔ جو ان کے ظاہر و پوشیدہ سے واقف ہے۔ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ :یعنی انہوں نے آپ کو پریشان کرکے اور آپ کے صحابہ کو متفرق کرکے غزوۂ تبوک سے پہلے شر انگیزی کی کوشش کی، جیسا کہ ابن ابی ابن سلول نے احد سے واپسی پر کیا۔ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ : وہ آپ کے خلاف مکر و فریب کے جال بنتے اور آپ کے دین کو بے فائدہ قرار دینے کی افواہیں پھیلاتے۔ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ :یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی مدد آ پہنچی اور اس کا دین تمام ادیان پر غالب آ جائے۔ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ :جب کہ وہ اپنے نفاق کی وجہ سے اس بات کو ناپسند کرتے ہیں۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ :ان میں سے بعض ایسے ہیں جو کہتے ہیں: اے محمد! مجھے بیٹھے رہنے کی اجازت دیجیے اور نکلنے کے حکم کی وجہ سے فتنے میں نہ ڈالیے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: یہ آیات جد بن قیس کے بارے میں نازل ہوئیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے رومیوں سے جنگ کرنے کے لیے بلایا۔ وہ کہنے لگا: اللہ کے رسول! مجھے جہاد کے مقابلے میں بیٹھنے کی اجازت دیجیے اور عورتوں کی وجہ سے فتنے میں نہ ڈالیے۔ [2]

اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا :...... جس فتنے سے یہ بھاگنا چاہتے ہیں۔ اس میں تو یہ جا پڑے بلکہ اس سے بھی عظیم فتنہ اور وہ جہاد کے مقابلے میں پیچھے رہ جانا ہے اور ان کا کفر و نفاق ظاہر ہو چکا ہے۔ ابو سعود رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فتنے میں پڑنے سے تعبیر کرنا انہیں ہلاکت و تباہی کی جگہ پہنچانا مقصود ہے جو انہیں جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں گرا دے گی۔ [3] وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ :یعنی وہ اس سے بھاگ سکنے والے نہیں اس لیے کہ وہ ان کا ایسے گھیراؤ کیے ہوئے ہیں، جیسے کنگن کلائی کا۔ اس میں سخت وعید ہے۔ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ :یعنی اگر آپ کو کسی غزوے میں کوئی بھلائی حاصل ہوتی ہے خواہ فتح مندی ہو یا غنیمت تو انہیں بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ :یعنی اگر آپ کو کوئی تکلیف و پریشانی ہو یا شکست کی صورت حال ہو تو یہ بڑے خوش ہوتے ہیں اور کہتے ہیں۔ ہم نے تو اپنے بارے میں احتیاط سے کام لیا اور حفظ ماتقدم کو اختیار کیا اور کسی مصیبت سے دو چار ہونے سے پہلے ہی ہم جہاد کے لیے نہیں نکلے۔ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ :اور جب وہ اپنی مجلسوں سے واپس ہوتے ہیں تو شاداب و فرحاں ہو کر جاتے ہیں۔ [4] قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا :یعنی ہمیں کوئی خیر و شر خوف و اُمید، سختی اور نرمی اس وقت تک نہیں پہنچ سکتی جو ہمارے مقدر میں نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے ہاں لکھی نہ ہو۔ هُوَ مَوْلٰىنَا :یعنی وہ ہمارا مددگار اور محافظ ہے۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ :یعنی ایمان والوں کو اپنے اُمور اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا چاہیے اور اُس کے سوا کسی پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ :یعنی اُن سے کہو: اے منافقین کی جماعت! کیا تم ہمارے بارے میں دو میں سے ایک بھلائی کے منتظر ہو۔ شہادت یا فتح اور ان دونوں میں سے ہر ایک بہتر ہے۔ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا :جبکہ ہم تمہارے بارے میں دو رسوا کن انجاموں میں سے بدترین کے منتظر ہیں۔ ایک تو اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے ایسا عذاب مسلط کرے جو تمہاری بیخ کنی کر دے یا ہمارے ہاتھوں تمہیں مقتول بنا دے۔ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ :سو ہم پر آنے والی چیز کے تم منتظر رہو اور تم پر آنے والی آفت کے ہم منتظر ہیں۔ یہ ایسا معاملہ ہے جو تہدید اور وعید کو شامل ہے۔ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ :یعنی کہو اے منافقوں کی جماعت! خواہ تم خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے۔ جب بھی تم مال خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ ہرگز تم سے قبول نہیں کرے گا۔ طبری فرماتے ہیں: یہاں امر خبر کے معنی میں ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ (سورہ توبہ، آیت ۸۰) مطلب یہ ہوا تم مرضی سے خرچ کرو یا زبردستی کسی صورت میں ہرگز تمہارا مال قبول نہیں ہوگا۔ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ :اُن کے نفاق کی تردید کی علت کا بیان ہے کیوں کہ تم ایسے سرکش اناڑی اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے نکلنے والی قوم ہو، پھر اس مفہوم کو اس ارشاد سے مؤکد کر دیا۔

---

[1] مجاہد فرماتے ہیں: ان کے جاسوس تم میں موجود ہیں جو اُن تک باتیں پہنچاتے ہیں۔ پہلا مطلب زیادہ واضح اور مشہور ہے، جسے قتادہ کا مذہب کہا جاتا ہے اور ابن کثیر نے اسے پسند کیا۔ [2] اسباب النزول [3] ابوالسعود ۲ / ۲۷۵ [4] قرطبی کا قول ہے: مطلب یہ ہے وہ ایمان سے منہ پھیرتے ہیں اور اس پر تعجب کرتے ہیں۔

وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ:...... یعنی ان کے نفقات وصدقات اس لیے قبول نہیں ہوتے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے کفر کیا ہے۔ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى: یعنی سستی کے مارے نماز کے لیے آتے ہیں۔ وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ: اور اپنے اموال زبردستی خرچ کرتے ہیں، کیوں کہ وہ اسے تاوان خیال کرتے ہیں۔ بحر میں ہے: اللہ تعالیٰ نے ان کے اموال کی عدم قبولیت کا سبب ان کا کفر ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی اس کا لازم بھی ذکر کر دیا اور وہ نماز کے لیے اس کا کسل مندی کے ساتھ آنا ہے اور زبردستی مال خرچ کرنا ہے کیوں کہ اس خرچ سے انہیں ثواب کی امید نہیں اور نہ خوف کا ڈر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نیکی کے دو اہم کام ذکر کیے ہیں اور وہ نماز اور خرچ ہے کیوں کہ نماز بدنی عبادات میں سے افضل ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا مالی عبادات میں سے اشرف [1] ہے۔ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا: یعنی اے سامع! جو کچھ دنیا کی زیب وزینت اور مال واولاد کی نعمتیں ہم نے انہیں عطا کی ہیں، ان کی وجہ سے فتنے میں نہ پڑو اور انہیں بہتر نہ سمجھو! ان کا ظاہر تو نعمت ہے، لیکن باطن میں عذاب ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو ان سے ان کا استدراج چاہتا ہے، تاکہ دنیا میں انہیں عذاب دے۔ بیضاوی کا قول ہے: ان کا ان سے عذاب اس طرح ہے کہ وہ انہیں جمع کرنے اور ان کی حفاظت کرنے میں کئی مصائب وتکالیف برداشت کرتے ہیں۔ [2]

وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ:...... یعنی وہ دنیا کی زیب وزیبائش سے لطف اندوز ہو کر، آخرت سے آنکھیں بند کر کے زندگی گزارتے گزارتے مر جاتے ہیں۔ یوں آخرت میں انہیں سخت عذاب ہوگا۔ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ: یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں۔ وہ تمہاری طرح کے مؤمن ہیں۔ حالاں کہ وہ اپنے قلبی کفر کی وجہ سے بے ایمان ہیں۔ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ: یعنی وہ تم سے ڈرتے ہیں کہ تم انہیں اس طرح قتل کر دو گے، جیسے مشرکین کو قتل کرتے ہو۔ اس لیے وہ اپنے آپ کو چھپانے کے لیے اسلام کا اظہار کرتے اور جھوٹی قسموں سے اسے پختہ کرتے ہیں۔ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً: یعنی کوئی قلعہ پناہ کے لیے پائیں۔ اَوْ مَغٰرٰتٍ: یا چھپنے کے لیے (قناطیس نما) غار میں۔ اَوْ مُدَّخَلًا: یعنی گھسنے کی جگہ خواہ تنگ ہی ہو۔ لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ: یعنی وہ ان مقامات کی طرف بے قابو گھوڑے کی طرح بھاگتے ہوئے پہنچیں گے۔ آیت سے مراد مؤمنوں کو متنبہ کرنا ہے کہ منافقین کو اگر تم سے بھاگنے کی مقدرت حاصل ہو جائے، خواہ بری سی بری جگہ ملے تو یہ باز نہیں آئیں گے، کیوں کہ انہیں تم سے سخت بغض ہے، لہٰذا ان کی جھوٹی قسموں سے دھوکا نہ کھانا کہ وہ تمہارے ہیں اور تمہارے ساتھ ہیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِى الصَّدَقٰتِ:...... یعنی اے محمد! ان میں سے بعضے تو ایسے ہیں جو زکوٰۃ کی تقسیم میں آپ کی عیب جوئی کرتے ہیں۔ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا: یعنی اگر تم انہیں ان زکوٰۃ کے اموال میں سے دو تو یہ آپ کے کام کو بہتر کہیں گے۔ وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ: یعنی اگر آپ انہیں ان صدقات میں سے نہ دیں تو یہ ناراض ہو کر آپ کی عیب جوئی کرنے لگ جائیں۔ مفسرین فرماتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ حنین کی غنیمتیں بانٹ رہے تھے۔ آپ کے پاس ایک منافق ذوالخویصرہ نامی آ کر کہنے لگا: محمد (ﷺ) آپ انصاف فرمائیں، آپ نے انصاف سے کام نہیں لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تیرا ناس ہو اگر میں انصاف نہیں کر پایا تو کون انصاف کرے گا۔ [3] الحدیث۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ: یعنی اے محمد! اگر یہ لوگ جنہوں نے آپ پر نکتہ چینی کی۔ آپ نے جو کچھ انہیں دیا، اس پر راضی ہو جاتے اور اس تقسیم پہ اکتفا کر لیتے اگرچہ وہ حصہ کم تھا۔ ابوالسعود فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر تعظیم وتکریم کے لیے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ کیا اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا ہے۔ [4] وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ یعنی اللہ تعالیٰ کا فضل وانعام ہمارے لیے کافی ہے۔ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ: یعنی عنقریب اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بہتر یا اس سے زیادہ زکوٰۃ یا غنیمت عطا کرے گا۔ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ: یعنی ہم اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور فضل وکرم کی طرف رغبت کرنے والے ہیں۔ لو کا جواب محذوف ہے، تو اس کے لیے بہتر ہوتا۔ تقدیری عبارت ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس مقام پر جواب کا ترک زیادہ عظمت اور دہشت پر دلالت کرتا ہے۔

---

[1] البحر المحیط ۵ / ۵۳ [2] البیضاوی، ص ۲۲۶ [3] روح المعانی ۱۰ / ۱۱۹ [4] ابوالسعود ۲ / ۲۲۲

جیسے آپ کسی سے کہتے ہیں: کاش تم ہمارے پاس آتے، پھر آپ جواب میں کچھ نہیں کہتے۔ یعنی اگر تم ایسا کرتے تو بہت کچھ ہوتا۔ [۱]

مصارف زکوٰۃ کا بیان

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے مصارف کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ: طبری فرماتے ہیں: صدقات و زکوٰۃ کے اموال صرف فقرا اور مساکین کو ملنے چاہیے اور جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے۔ [۲] آیت کا تقاضا صدقات کا حصر کرنا ہے اور وہ آٹھ قسموں میں زکوٰۃ کو صرف کرنا ہے، لہٰذا ان کے علاوہ کسی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ فقیر جس کے پاس گزر بسر کا سامان ہو اور مسکین جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ یونس فرماتے ہیں: میں نے ایک بدو سے پوچھا کیا تم فقیر ہو؟ وہ کہنے لگا: نہیں اللہ کی قسم! میں مسکین ہوں۔ ایک قول ہے کہ فقیر سے جس کا حال بہتر ہو وہ مسکین ہے۔ بہر کیف یہ سلسلہ اختلافی ہے۔ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا: یعنی وہ لوگ جو زکوٰۃ وصول کرتے ہیں۔ وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ: عرب کے وہ معزز لوگ جنہیں رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی طرف ان کا قلبی میلان بڑھانے کے لیے اموال دیے تھے۔ طبری کی صفوان امیہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے مال دیا، حالاں کہ اس وقت آپ سے مجھے شدید نفرت تھی۔ پھر آپ مجھے برابر عطا کرتے رہے یہاں تک کہ آپ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہو گئے۔ [۳] وَفِي الرِّقَابِ: یعنی غلاموں کو آزاد کرنے کے لیے۔ وَالْغٰرِمِيْنَ: یعنی وہ مقروض جنہیں قرض نے بے بس کر دیا ہو۔ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: یعنی مجاہدین اور مورچہ بند سپاہی اور جو اسلحہ و جنگی سامان انہیں درکار ہوتا ہے: وَابْنِ السَّبِيْلِ: یعنی وہ مسافر جو اپنے سفر میں نادار ہو گیا ہو۔ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ: یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے فرض قرار دیا اور اس کی حد بندی کی ہے۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ: یعنی بندوں کی مصلحتوں کا علم رکھتا ہے۔ حکیم، حکمت کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا۔ تسہیل میں ہے: ان مصارف میں زکوٰۃ کو منحصر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ منافقوں کی طمع ختم ہو جائے، لہٰذا یہ آیت مفہوم میں زکوٰۃ کی تقسیم پر عیب جوئی کی آیت سے مل گئی۔ [۴]

بلاغت: لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً: ...... دونوں میں جناس اشتقاق ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ۔ وَلَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ: طیبی کا قول ہے، اس میں استعارہ تبعیہ ہے اس لیے کہ اس کی فساد انگیزی اور چغل خوری کو سواری کی تیز رفتاری سے تشبیہ دی ہے۔ پھر اس کے لیے تیزگی کو مستعار لیا جو اونٹ ہے۔ اصل عبارت یوں ہے: ان کی چغلی کی سواریاں تمہارے درمیان گردش کرنے لگ جائیں۔ [۵] وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ: اس میں استعارہ ہے، کیوں کہ جہنم میں ان کے واقع ہونے کو دشمن کے لشکر کو گھیرنے یا کنگن کے کلائی کو گھیرنے سے تشبیہ دی ہے اور جملہ اسمیہ کا استعمال ثبات و دوام پر دلالت کرنے کے لیے ہے۔ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ: اس میں محسنات بدیع کی قسم مقابلہ ہے۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ: قصر کا فائدہ پہنچانے کے لیے جار مجرور کو فعل سے مقدم کیا ہے اور ضمیر کی جگہ اسم جلال کا اظہار خوف و ہیبت کو بڑھانے کے لیے ہے۔ طَوْعًا اَوْ كَرْهًا دونوں میں طباق ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَاۤ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ: رضامندی اور ناراضی میں بھی۔ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ: کے متعلق زمخشری کا قول ہے: یہ ان کی مذمت اور انہیں عاجز قرار دے کر عورتوں، بچوں اور ان اپاہج لوگوں کے ساتھ ملا دیا جن کی عادت گھروں میں جم کر بیٹھنا ہے۔ [۶] جیسا کہ ایک کہنے والے نے کہا ہے: اچھے اخلاق کی باتیں چھوڑ، ان کی تلاش میں سفر نہ کر، بلکہ بیٹھا رہ کیوں کہ کھانے اور پہننے والا ہے۔

تنبیہ: ......ابن کثیر کا قول ہے: جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے، تو سارے عرب آپ کے مخالف ہو گئے۔ مدینہ کے یہودی اور منافق آپ سے لڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔ جب بدر کے دن اللہ تعالیٰ نے آپ کی نصرت کی اور اپنے کلمہ کو بلند کیا تو ابن ابی ابن سلول اور اس کے ساتھی کہنے لگے: یہ دین متوجہ ہو گیا ہے۔ تو یہ لوگ بظاہر اسلام میں داخل ہو گئے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ اسلام کو غلبہ عطا کرتا تو انہیں بڑا غصہ آتا اور بڑا ناگوار گزرتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ [۷]

---

[۱] الرازی ۹۹/۱۶ [۲] الطبری ۱۵۷/۱۰ [۳] الطبری ۱۶۲/۱ [۴] التسہیل ۷۹/۲ [۵] روح المعانی ۱۱۲/۱۰ [۶] الکشاف ۲۷۶/۲ [۷] المختصر ۱۴۷/۲

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ
وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۱﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ
لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۳﴾ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ
سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ
لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ
كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۶۶﴾
اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ
اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ
وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۶۸﴾ كَالَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ
بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ
اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ
نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا
كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ
بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ
ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۷۲﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ
جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۳﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ
اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا

ع ۱۴
وقف لازم
ع ۱۵

يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَإِن يَتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿٧٤﴾

ترجمہ:......اور ان میں بعض وہ لوگ ہیں جو نبی کو تکلیف دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بس وہ تو کان ہیں۔ آپ فرما دیجیے کہ وہ تمہاری لیے خیر کا کان ہیں وہ ایمان لاتے ہیں اور اللہ پر یقین کرتے ہیں مؤمنین کی بات کا اور وہ ان لوگوں کے لیے رحمت ہیں جو تم میں سے مؤمن ہیں، اور جو لوگ اللہ کے رسول کو تکلیف دیتے ہیں۔ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ ﴿۶۱﴾ یہ لوگ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تا کہ تمہیں راضی کر لیں اور اللہ اور اس کا رسول اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ انہیں راضی کریں اگر یہ لوگ مؤمن ہیں، ﴿۶۲﴾ کیا ان لوگوں نے اس بات کو نہیں جانا کہ جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کرے اس کے لیے دوزخ کا عذاب ہے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ یہ بڑی رسوائی ہے۔ ﴿۶۳﴾ منافقین اس بات سے ڈرتے ہیں کہ ان کے بارے میں کوئی ایسی سورت نازل نہ ہو جائے جو ان باتوں کو بتا دے جو ان کے دلوں میں ہیں آپ فرما دیجیے کہ تم مذاق بنا لو۔ بلا شبہ اللہ اس چیز کو ظاہر کرنے والا ہے جس سے تم ڈرتے ہو، ﴿۶۴﴾ اور اگر آپ ان سے سوال کریں گے تو وہ کہہ دیں گے کہ ہم تو بس یونہی باتوں میں مشغول تھے اور دل لگی کر رہے تھے۔ آپ فرما دیجیے کیا تم اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ ہنسی کرتے تھے۔ ﴿۶۵﴾ عذر بیان نہ کرو۔ تم اپنے ایمان کے بعد کافر ہو گئے، اگر ہم تم میں سے ایک جماعت کو معاف کر دیں گے تو دوسری جماعت کو ہم عذاب دیں گے اس وجہ سے کہ وہ مجرم تھے۔ ﴿۶۶﴾ منافق مرد اور منافق عورتیں آپس میں سب ایک ہی طرح کے ہیں۔ بری باتوں کا حکم کرتے ہیں اور اچھی باتوں سے روکتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کو بھول گئے، سو اللہ انہیں بھول گیا، بے شک منافقین نافرمان ہی ہیں۔ ﴿۶۷﴾ اللہ نے منافق مردوں سے اور منافق عورتوں سے اور تمام کافروں سے دوزخ کی آگ کا وعدہ فرمایا ہے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ ان کے لیے دوزخ کافی ہے اور اللہ نے ان کو ملعون قرار دے دیا اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے۔ ﴿۶۸﴾ تمہاری حالت انہیں لوگوں کی طرح سے ہے جو تم سے پہلے تھے، وہ لوگ قوت میں تم سے زیادہ سخت اور مال و اولاد میں تم سے زیادہ تھے۔ سو انہوں نے اپنے حصے سے فائدہ حاصل کیا جو تم سے پہلے تھے سو تم نے بھی اپنے حصے سے خوب فائدہ حاصل کیا جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں نے اپنے حصے سے فائدہ حاصل کیا تھا اور تم بھی ایسے ہی گھستے چلے گئے جیسا کہ وہ لوگ گھسے تھے۔ ان کے اعمال دنیا و آخرت میں اکارت ہو گئے، اور وہ لوگ نقصان میں پڑنے والے ہیں۔ ﴿۶۹﴾ کیا ان کے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے پہلے تھے یعنی قوم نوح، اور عاد اور ثمود اور قوم ابراہیم اور مدین والے لوگ اور الٹی ہوئی بستیاں، ان کے پاس ان کے رسول کھلی دلیلیں لے کر آئے سو اللہ ان ظلم کرنے والا نہ تھا لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ ﴿۷۰﴾ اور مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں آپس میں بعض بعض کے مددگار ہیں۔ بھلائیوں کا حکم کرتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر عنقریب اللہ رحم فرمائے گا۔ بے شک اللہ عزت والا ہے حکمت والا ہے۔ ﴿۷۱﴾ اللہ نے مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں سے ایسے باغوں کا وعدہ فرمایا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور ایسے عمدہ مکانوں کا وعدہ فرمایا جو ہمیشگی والے باغوں میں ہوں گے اور اللہ کی رضامندی سب سے بڑی چیز ہے یہ بڑی کامیابی ہے۔ ﴿۷۲﴾ اے نبی کافروں سے اور منافقوں سے جہاد کیجیے اور ان پر سختی کیجیے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔ ﴿۷۳﴾ وہ لوگ قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم نے نہیں کہا حالانکہ انہوں نے کفر کا کلمہ کہا ہے اور مسلمان ہونے کے بعد کافر ہو گئے اور انہوں نے اس چیز کا ارادہ کیا جو انہیں نہ ملی اور صرف انہوں نے اس بات کا بدلہ دیا ہے کہ اللہ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے انہیں مالدار کر دیا، سو اگر وہ توبہ کر لیں تو یہ ان کے لیے بہتر ہوگا اور اگر روگردانی کریں تو اللہ انہیں دنیا و آخرت میں دردناک عذاب دے گا اور ان کے لیے روئے زمین میں نہ کوئی یار ہوگا اور نہ کوئی مددگار۔ ﴿۷۴﴾

مناسبت:......آیات کریمہ مسلسل منافقین کے خطرے کے پیش نظر وضاحت کرتی رہیں اور ایمان والوں کو ان کے کید و فریب سے ڈراتی رہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں چند قباحتیں ذکر کی ہیں اور وہ ان کی رسول اللہ ﷺ کو ایذا رسانی، جھوٹی قسمیں کھانے کا اقدام اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کی شریعت مطہرہ کے ساتھ مزاح وغیرہ ہے۔ اس کے علاوہ ان کے دیگر خبیث اعمال اور منکر افعال ہیں۔

لغت: اُذُنٌ:...... جوہری فرماتے ہیں: مقولہ ہے: رجل اذن جب وہ ہر ایک کی بات سنے، واحد و جمع کے لیے یکساں ہے۔[1] زمخشری کا قول ہے: اذن، اس شخص کو کہا جاتا ہے جو ہر سنی بات کی تصدیق کر لے اور ہر ایک کی بات مان لے۔ یہ نام سننے والے عضو کان کی وجہ سے دیا گیا۔[2]

شاعر کا قول ہے:

''سننے والے چغل خور لوگوں کے تم کان بن گئے ہو جو میری ہتک کرتے ہیں۔ تم اگر چاہتے تو ان کی مجال نہ تھی۔''

یُحَادِدِ:...... محادۃ، مخالفت، محاداۃ خلاف ورزی کی طرح ہے جو یہ ہے کہ آپس میں جھگڑنے والے دو شخصوں میں سے ایسی حد اور کنارے پر ہو جس پر دوسرا نہ ہو۔ بِخَلَاقِهِمْ: خلاق، حصہ، جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ: یہ لفظ پہلے بھی گزر چکا ہے۔ وَخُضْتُمْ: خوض، لہو و باطل میں انہماک کو کہتے ہیں۔ جو پانی میں غوطہ زن ہونے سے مستعار ہے۔ حَبِطَتْ: باطل ہو گئے، ان کا اجر و ثواب جاتا رہا۔ اَلْمُؤْتَفِكٰتِ: الائتفاك انقلاب کو کہتے ہیں۔ مراد اس سے قوم لوط علیہ السلام ہے کیوں کہ ان کی زمین الٹ گئی تھی۔ بقول بعض حالت خیر سے حالت شر کی طرف پھرنے سے مجاز ہے، جیسا کہ ابن الرومی کا قول ہے:

وما الخسف ان تلقى اسافل بلدة، اعاليها بل ان تسود الا راذل

زمین میں دھنسنا (صرف) یہ نہیں کہ کسی شہر کے نشیبی حصے فراز اور بلند حصوں پر جا پڑیں بلکہ یہ ہے کہ کمینے لوگ سردار اور حکمران بن جائیں۔

سبب نزول:...... منافقوں کا ایک ٹولہ رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچایا کرتا اور آپ کے متعلق نامناسب باتیں کرتا تھا۔ ان میں سے ایک کہنے لگا: ایسا نہ کرو، ہمیں خدشہ ہے کہ جو باتیں تم کرتے ہو ان کا وبال ہم پر پڑ جائے۔ جس پر جلاس بن سوید کہنے لگا: جو ہماری مرضی ہو گی وہی کہیں گے۔ پھر ان کے پاس جائیں تو وہ ہماری باتوں کی تصدیق کریں گے، کیوں کہ محمد (ﷺ) سنوا کان ہیں۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۱﴾[3]

مجاہد کا قول ہے: منافقین آپس میں رسول اللہ ﷺ کی عیب جوئی کرتے تھے۔ پھر کہتے: امید ہے اللہ تعالیٰ ہمارا راز فاش نہ کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ہدایت نازل فرمائی:

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾[4]

حضور ﷺ کے لیے منافقین کی بدگوئی

تفسیر: وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ:...... یعنی ان منافقوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کو اپنی باتوں اور کاموں سے تکلیف پہنچاتے ہیں۔ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ: یعنی ہر سنی بات کی تصدیق کرتے ہیں۔ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ: یعنی وہ خیر کا کان ہیں شر کا نہیں۔ بھلائی کی بات سن کر اس پر عمل کرتے ہیں اور جب شر کی بات کوئی سنائے تو اس پر عمل نہیں کرتے۔ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ: یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، اس کی تصدیق کرتے اور جو اطلاعات مؤمنین انہیں دیتے ہیں، ان کی تصدیق کرتے ہیں، کیوں کہ انہیں ان کے اخلاص کا علم ہے۔ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ:...... یعنی وہ ایمان والوں کے لیے رحمت ہیں۔ اس لیے کہ آپ علیہ السلام ان کے ایمان لانے کا سبب ہیں۔ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ: یعنی جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں نامناسب باتیں کرتے اور آپ کی عیب جوئی کرتے ہیں، ان کے

---

[1] الصحاح للجوھری [2] الکشاف ۲/ ۲۸۴ [3] اسباب النزول، ص ۱۴۳ [4] زاد المسیر ۳/ ۴۶۳

لیے آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ یعنی وہ ہمارے سامنے قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ انہوں نے کوئی ایسی بات نہیں کی، جس سے رسول اللہ ﷺ کی تنقیص ہوتا کہ وہ ان قسموں سے تمہیں راضی کریں۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ: حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول راضی کیے جانے کے زیادہ لائق ہیں۔ جو صرف فرمانبرداری، اتباع اور آپ کی شریعت کی عظمت سے حاصل ہوسکتا ہے۔ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ: یعنی اگر وہ برحق مؤمنین ہیں تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو راضی کریں۔ اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ یعنی کیا ان منافقوں کو پتہ نہیں کہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے استفہام ڈانٹ کے لیے ہے۔ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا یعنی اس کا جہنم میں جانا اور ہمیشہ کے لیے رہنا برحق ہے۔ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ: یہ بڑی ذلت، عظیم بدبختی ہے جو رسوائی کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ جب یہ لوگوں کے روبرو رسوا ہوں گے۔

منافقین کا نفاق کھولا جائے گا

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ:...... یعنی منافقین کو اس کا خدشہ ہے کہ کوئی ایسی سورت نازل ہوجائے گی جو ان کے نفاق کا پول کھول دے گی۔ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا: یعنی جیسا چاہتے ہو اللہ کے دین سے ٹھٹھا، مزاح کرلو۔ یہ امر تہدید و تخویف کے لیے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ: (سورہ فصلت، آیت ۴۰)

اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ:...... یعنی جس نفاق کے عیاں اور ظاہر ہونے سے تم لرزاں ہو، اللہ تعالیٰ اسے برملا کرنے والا ہے۔ زمخشری کا قول ہے: وہ لوگ اسلام کا مزاح اڑاتے اور اس بات سے ڈرتے تھے کہ وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ انہیں رسوا کردے گا۔ یہاں تک کہ کسی نے کہا: اللہ کی قسم! ہم اللہ تعالیٰ کی بدترین مخلوق ہیں۔ کاش! مجھے سو کوڑے لگا دیے جاتے، لیکن ہمارے متعلق کوئی رسواکن آیات نہ نازل ہوتیں۔ [1]

آنحضرت ﷺ کی منافقین سے باز پرس

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ:...... یعنی اے محمد! (ﷺ) آپ اگر ان منافقین سے ان کی ان باطل اور جھوٹی باتوں کے متعلق پوچھیں جو انہوں نے آپ کے لیے اور اسلام کے بارے میں بکی ہیں تو یقیناً یہی جواب دیں گے ہم سنجیدہ نہ تھے۔ ہم تو بس دل لگی اور مزاح کررہے تھے۔ طبری کا قول ہے: رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک کے لیے جارہے تھے۔ آپ کے سامنے چند منافقین تھے۔ آپس میں کہنے لگے: ان صاحب کو دیکھو! یہ شام کے محلات اور قلعوں کو فتح کرنے جارہے ہیں۔ واہ بھئی واہ! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اطلاع دی۔ آپ ان کے پاس آکر فرمانے لگے: تم نے فلاں فلاں بات کی ہے۔ وہ جھٹ سے بولے: ہم تو مزاح کررہے تھے۔ [2] قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ: یعنی ان منافقوں سے کہو! کیا تم اللہ تعالیٰ کے دین، شریعت، اس کی کتاب اور اس کے رسول سے استہزا اور مزاح کرتے ہو؟ یہ استفہام توبیخ اور ڈانٹ کے لیے ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کا معاملہ واضح کیا اور ان کے حال کی رسوائی کی۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ: ان جھوٹی قسموں کے ذریعے حیلے بہانے نہ کرو۔ اب جب کہ تمہارا معاملہ ظاہر ہوچکا، یہ تمہیں کچھ کام نہ دیں گے۔ تم لوگوں نے ایمان ظاہر کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کو اذیت پہنچا کر کفر کیا۔ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ یعنی اگر ہم تمہارے ایک فریق کی توبہ اور اخلاص کی وجہ سے درگزر کرتے ہیں۔ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ تو دوسرے فریق کو عذاب دیں گے، کیوں کہ انہوں نے نفاق اور جرم پر کمر باندھی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فراموش کردہ لوگ

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ:...... یعنی منافق مرد اور منافق عورتیں ایک صنف ہیں۔ نفاق کے قریب ہونے اور ایمان سے دور ہونے میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ جیسے کسی ایک چیز کے اجزا باہمی متشابہ ہوتے ہیں۔

---

[1] الکشاف ۲/ ۲۸۶ [2] یہ قتادہ کی روایت ہے۔ کذا فی تفسیر الطبری

کشاف میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بَعۡضُهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ: سے ان کے ایماندار ہونے کی نفی ہے اور انہیں اس بارے میں جھوٹا قرار دینا۔ وَيَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمۡ لَمِنۡكُمۡ [1] (سورہ توبہ، آیت ۵۶) پھر ان کی وہ حالت بیان کی جو ایمان والوں کی حالت سے مختلف ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمُنۡكَرِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمَعۡرُوۡفِ: یعنی یہ لوگ کفر و معاصی کا حکم دیتے ہیں اور ایمان لانے اور فرمانبرداری سے منع کرتے ہیں۔ وَيَقۡبِضُوۡنَ اَيۡدِيَهُمۡ: یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے اپنے ہاتھ روکتے ہیں۔ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمۡ: یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری ترک کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمت وفضل سے محروم کردیا۔ گویا وہ ایسے ہیں، جیسے فراموش کردہ لوگ۔ اِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ: یعنی سرکشی اور نافرمانی میں پورے اور رحمن تعالیٰ کی طاعت سے نکلنے والے۔ منافقوں کے لیے اتنا زجر کافی ہے۔ وَعَدَ اللّٰهُ الۡمُنٰفِقِيۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتِ وَالۡكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ: یعنی اللہ تعالیٰ نے منافقین اور کفر کا اظہار کرنے والوں سے جہنم کی آگ میں پہنچانے کا وعدہ ہے۔ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا: اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ هِىَ حَسۡبُهُمۡ: عذاب میں وہ ان کے لیے کافی ہے، کیوں کہ وہاں اس کے برابر کوئی عذاب نہیں ہوگا۔ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ: اپنی رحمت سے دور کرکے انہیں رسوا کیا ہے۔ وَلَهُمۡ عَذَابٌ مُّقِيۡمٌ: نہ ختم ہونے والا دائمی عذاب۔

گزشتہ انبیا علیہم السلام کی تکذیب کا انجام

كَالَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ: ...... یعنی اے منافقو! تمہارا حال بالکل ویسا ہے جیسا تم سے پہلے جھٹلانے والوں کا حال تھا۔ اس جملے میں غائب سے مخاطب کی طرف التفات ہے۔ كَانُوۡۤا اَشَدَّ مِنۡكُمۡ قُوَّةً: یعنی وہ اجسام میں تم سے طاقتور اور سخت گیر تھے۔ اَكۡثَرَ اَمۡوَالًا وَّاَوۡلَادًا: یعنی ان کے اموال وافراد اور اولاد بکثرت تھی۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کیا۔ سو تم پرہیز کرو۔ ایسا نہ ہو جو عذاب ان پر آیا تم پر آ جائے۔ فَاسۡتَمۡتَعُوۡا بِخَلَاقِهِمۡ: یعنی انہوں نے دنیا کی لذتوں میں سے اپنا حصہ اور نصیب پالیا۔ فَاسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِخَلَاقِكُمۡ كَمَا اسۡتَمۡتَعَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ بِخَلَاقِهِمۡ: اور تم نے بھی سابقہ لوگوں کی طرح اپنے حصۂ دنیا سے فائدہ اٹھایا۔ جیسے انہوں نے فائدہ حاصل کیا۔ وَخُضۡتُمۡ كَالَّذِىۡ خَاضُوۡا: جیسے وہ لوگ باطل اور گمراہی میں گھسے اسی طرح تم بھی گھسے۔ طبری کا قول ہے: منافقو! تم نے سابقہ لوگوں کی طرح دنیا سے فائدہ اٹھایا اور باطل و گمراہی میں ان کی روش چلے۔ جس کی وجہ سے تم نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا۔ سوڈرو کہیں تم پر وہ عذاب نہ آ جائے جو ان کے کاموں کی وجہ سے ان پر آیا۔ [2] اُولٰۤئِكَ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ: یعنی یہ لوگ جن کے قبیح اعمال بیان ہوئے ہیں، ان کے کردہ اعمال برباد گئے ان کا اجر سوائے جہنم کے کچھ نہیں۔ وَاُولٰۤئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ: اور یہی لوگ کامل خسارے والے ہیں۔ اَلَمۡ يَاۡتِهِمۡ نَبَاُ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ: کیا ان منافقوں کو سابقہ امتوں کا حال معلوم نہیں ہوا، جنہوں نے رسولوں کی نافرمانی کی اور ان پر کیسا عذاب آیا؟

قَوۡمِ نُوۡحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوۡدَ:...... قوم نوح جو طوفان سے ہلاک ہوئی اور قوم ہود و عاد جو ہوا کے ذریعے ہلاک ہوئی اور قوم صالح چیخ سے ہلاک ہوئی۔ وَقَوۡمِ اِبۡرٰهِيۡمَ: جو نعمت کے چھن جانے سے ہلاک ہوئی۔ وَاَصۡحٰبِ مَدۡيَنَ: قوم شعیب علیہ السلام جو سائے والے دن کے عذاب سے ہلاک ہوئی۔ وَالۡمُؤۡتَفِكٰتِ: قوم لوط علیہ السلام کی بستیاں جو ان پر اُلٹ گئیں۔ ان کے اوپر والا آباد حصہ نیچے اور غیر آباد اوپر ہوگیا۔ پھر ان پر ڈھیلوں کی بارش ہوئی۔ اَتَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ: یعنی ان کے رسول ان کے پاس معجزات لے کر آئے اور انہوں نے ان کی تکذیب کی۔ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظۡلِمَهُمۡ: یعنی اللہ تعالیٰ نے ظلم کی وجہ سے انہیں ہلاک نہیں کیا۔ انہیں ان کے جرائم کی وجہ سے ہلاک کیا ہے۔ وَلٰكِنۡ كَانُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ: لیکن انہوں نے کفر اور گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ کیا یہ منافق اس بات سے بے خوف ہیں کہ ان سے اس طرح انتقام نہیں لیا جائے گا، جیسا ان کے اسلاف سے لیا گیا؟ جب اللہ تعالیٰ نے منافقین کی صفات ذمیمہ بیان کی تو اس کے بعد ایمان والوں کی صفات حمیدہ کا ذکر کیا۔

---

[1] الکشاف ۲/ ۲۸۷ [2] الطبری ۱۰/ ۱۷۵

اہل ایمان کی صفات

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ :...... یعنی وہ دین میں بھائی بھائی ہیں۔ایک دوسرے کی مدد ونصرت کرتے ہیں۔يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ : یعنی لوگوں کو ہر اس بات کا حکم دیتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور ہر اس چیز سے روکتے ہیں،جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں۔یہ منافقوں کے برعکس ہے جو برائی کا حکم دیتے اور نیکی سے روکتے ہیں۔وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ :یعنی نماز کامل طریقے سے ادا کرتے ہیں:وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ : یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے زکوٰۃ مستحقین تک پہنچاتے ہیں۔وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ : ہر امرونہی میں۔اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ :یعنی اپنی رحمت میں داخل کر کے ان پر اپنی نعمتوں کا فیضان کرے گا۔اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ : یعنی غالب ہے جو اس کی اطاعت کرتا ہے مغلوب نہیں ہوتا اور جو اس کی نافرمانی کرتا ہے ذلیل ہوتا ہے۔حکیم: حکمت کی بنیاد پر ہر چیز کو اس کی جگہ پر رکھتا ہے۔نعمت میں اور عذاب ہیں۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ :...... یعنی ان کے ایمان کی وجہ سے ان کے ساتھ سایہ دار باغوں کا وعدہ کیا، جن کے درختوں کے نیچے نہریں رواں ہیں۔خٰلِدِيْنَ فِيْهَا : ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ان کی نعمتیں خراب ہوں گی اور نہ فنا۔وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ : یعنی ایسے گھر جن میں عیش و آرام کی زندگی ہوگی، ہمیشہ کی جنتوں میں۔حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وہ موتیوں، سرخ یاقوت اور زبرجد[1] کے محلات ہوں گے۔وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ : ان سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے۔حدیث میں ہے: اللہ تعالیٰ جنتیوں سے فرمائے گا۔اے اہل جنت! وہ عرض کریں گے: اے ہمارے رب ہم حاضر ہیں اور ہماری سعادت ہے۔اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔کیا تم راضی ہو؟ وہ عرض کریں گے، ہمیں کیا ہوا کہ ہم راضی نہ ہوں جب کہ آپ نے ہمیں وہ کچھ عطا کیا جو اپنی دوسری مخلوق کو نہیں دیا۔اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں تمہیں اس سے بھی افضل چیز عطا کرنے لگا ہوں۔وہ عرض کریں گے۔اس سے بڑھ کر افضل کیا چیز ہوگی؟ اللہ تعالیٰ فرماتے: تمہیں میری رضامندی کا پروانہ عطا ہوا۔اب میں تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ : یہ بڑی کامیابی ہے۔اس سے بڑھ کر کوئی سعادت مندی نہیں۔

منافقین سے سختی کا حکم

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ :...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کفار سے تلوار کے ذریعے اور منافقین سے زبان کے ذریعے جہاد کرو۔وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ : یعنی جہاد قتال اور رعب ڈال کر، ان پر سختی کرو۔وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ : یعنی ان کا ٹھکانہ اور مقام جہنم ہے۔وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ : وہ مقام جس کی طرف انہوں نے جانا ہے، وہ بہت برا ہے۔يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا : یعنی منافقین قسمیں کھا کر کہیں گے کہ ہماری طرف سے جو زبان درازی کی باتیں آپ تک پہنچیں ہیں، وہ انہوں نے نہیں کہیں۔قتادہ فرماتے ہیں: یہ آیات عبداللہ بن ابی بن سلول کے بارے میں نازل ہوئیں، جس کا قصہ یوں ہوا کہ دو شخص آپس میں لڑ پڑے۔ایک جھنی تھا اور دوسرا انصاری۔جھنی نے انصاری پر حملہ کر دیا۔ابن سلول انصار سے کہنے لگا: تم اپنے بھائی کی مدد نہیں کرتے۔اللہ کی قسم! ہماری اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی کا مقولہ ہے "اپنے کتے کو پال تاکہ تجھے کاٹ کھائے۔" کسی مسلمان نے یہ بات سن کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچادی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھنے کے لیے اسے بلا بھیجا تو وہ اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھا کر کہنے لگا: اس نے ایسی کوئی بات نہیں کی ہے، جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔[2] وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ : اور وہ ابن سلول کی یہ بات تھی۔اگر ہم مدینہ پہنچ گئے تو وہاں کے زیادہ عزت مند ذلیل ترین لوگوں کو ضرور وہاں سے نکال دیں گے۔وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ : یعنی انہوں نے اسلام کا اظہار کرنے کے بعد کفر کا پرچار کیا۔

---

[1] الکشاف ۲/۲۸۶ [2] محاسن التاویل ۸/۳۲۰۴

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کی سازش

وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا: ......علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: منافقوں کی ایک جماعت تھی، جنہوں نے یہ پلان بنایا تھا کہ وہ (نعوذ باللہ) غزوہ تبوک سے حضور کی واپسی پر قاتلانہ حملے کریں گے۔ ان کی تعداد دس سے اوپر تھی۔ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰـىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ: انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عیب جوئی صرف اس کی وجہ سے کی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آپ علیہ السلام کی برکت اور سعادت مندی سے بے نیاز کر دیا۔ حالاں کہ انہیں آپ کی کوئی لغزش نہ ملی۔ یہ صیغہ (لفظ) وہاں بولا جاتا ہے، جہاں کوئی گناہ نہ ہو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں توبہ کی دعوت دی۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ: اگر یہ نفاق سے توبہ کرلیں تو ان کا رجوع اور توبہ ان کے لیے بہترین اور زیادہ افضل ہے۔ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا: اور اگر اعراض کریں اور نفاق پہ ڈٹے رہیں۔ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا: تو انہیں سخت عذاب دے گا۔ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ: دنیا میں بذریعہ قتل وقید اور آخرت میں جہنم اور رب تعالیٰ کی ناراضگی کے ذریعے۔ وَمَا لَهُمْ فِى الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ: انہیں عذاب سے چھڑانے یا ان کی سفارش کرنے والا کوئی نہیں جو انہیں حساب کے روز نجات دے اور عذاب سے خلاصی عطا کرے۔

بلاغت: هُوَ اُذُنٌ: ......اصل عبارت یوں تھی۔ هو كالاذن، وہ کان کی طرح ہے جو بات اس سے کی جائے سن لیتا ہے۔ حرف تشبیہ اور وجہ شبہ دونوں حذف کرلیے گئے، یوں یہ تشبیہ بلیغ بن گئی، جیسے زید شیر ہے۔ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ: اسم رسول کو ظاہر کیا۔ ضمیر نہیں لائے، یوں نہیں فرمایا: يؤذونه: آپ علیہ السلام کی عظمت شان کی وجہ سے اور آپ کے دو عظیم رتبوں، نبوت ورسالت کو یکجا کرنے کے لیے اور اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت، شرف وعزت میں اضافے کے لیے ہے۔[1] ذٰلِكَ الْخِزْىُ الْعَظِيْمُ: قریب کی جگہ اسم اشارہ بعید کے ذریعے خوفناکی میں اس کے درجے کے بعد کو بتانے کے لیے ایسا کیا گیا ہے۔ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ: ہاتھ کو روکنا، بخل وکنجوسی سے کنایہ ہے، جیسا کہ کشادہ دستی کرم وسخاوت سے کنایہ ہے۔ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ: از باب مشاکلت کیوں کہ اللہ تعالیٰ تو نہیں بھولتا، یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری چھوڑ دی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنی رحمت ہٹالی۔ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ: غائب سے مخاطب کی طرف التفات زیادہ ڈانٹ اور عتاب کے لیے ہے۔ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ: اس میں اطناب (طوالت) ہے، جس سے غرض مذمت اور ڈانٹ ہے، کیوں کہ وہ نفیس شے کے عوض گھٹیا چیز میں مشغول ہیں۔ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰـىهُمُ اللّٰهُ: مذمت کے مشابہ کی تاکید ہے، جیسے کسی شاعر کا قول ہے: ان میں اس کے سوا کوئی عیب نہیں کہ ان کی تلواریں۔

فائدہ: ......ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت نقل کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چار تلواریں دے کر مبعوث ہوئے۔ ایک تلوار مشرکین کے خلاف فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ (سورہ توبہ، آیت ۵) ایک تلوار اہل کتاب کے خلاف قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (سورہ توبہ، آیت ۲۹) ایک تلوار منافقین کے خلاف جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ (سورہ توبہ، آیت ۷۳) ایک تلوار باغیوں کے خلاف فَقَاتِلُوا الَّتِىْ تَبْغِىْ حَتّٰى تَفِىْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ[2] (سورۃ الحجرات، آیت ۹)

لطیفہ ونکتہ: ......امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: جب اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کا ایک دوسرے سے ہونا بیان کیا تو اس کے بعد پانچ امتیازی علامات ذکر کیں۔ جب سے مؤمنین منافق سے ممتاز ہوتے ہیں۔ منافق بری بات کا حکم دیتا اور اچھائی سے روکتا ہے۔ نماز میں سستی سے کھڑا ہوتا ہے۔ زکوٰۃ ودیگر واجبات کی ادائیگی میں بخل کرتا ہے اور جب جہاد کی طرف سبقت کا حکم دیا جاتا ہے تو وہ خود بھی رکتا ہے اور دوسروں کو بھی روکتا ہے جب کہ ایمان والا اس کے برعکس نیکی کا حکم دیتا ہے۔ برائی سے روکتا ہے، نماز کامل طریقے سے ادا کرتا ہے اور زکوٰۃ ادا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کی طرف دوڑتا ہے۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں اور منافقین کی علامات وصفات میں تقابل کیا ہے۔ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (سورہ توبہ، آیت ۷۱) جیسے جہنم کی آگ میں بدلے کا تقابل کیا ہے۔ یوں لطیف تقابل ہوگیا۔[3]

---

[1] البحر المحیط ۵/ ۱۳ [2] المختصر ۲/ ۱۵۶ [3] تفسیر الرازی ۱۶/ ۱۳۰ تھوڑے تصرف کے ساتھ۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ
فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا
اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ
الْغُيُوْبِ ﴿۷۸﴾ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ
فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ
تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۸۰﴾ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ
وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾
فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ
مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ
بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى
قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ
اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ
اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۸۶﴾
رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾ اَعَدَّ
اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾ وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ
مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۰﴾ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ
اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا
مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۠ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا

يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾

ترجمہ: ......اوران میں بعض ایسے ہیں جو اللہ سے عہد کرتے ہیں کہ اگر اللہ نے ہمیں اپنے فضل سے عطا فرمایا تو ہم ضرور ضرور خیرات کریں گے اور ضرور ضرور ہم نیک آدمیوں میں شمار ہو جائیں گے۔ ﴿۷۵﴾ سو جب اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمادیا تو اس میں کنجوسی کرنے لگے اور وہ اعراض کرتے ہوئے روگردانی کر گئے۔ ﴿۷۶﴾ سو اللہ نے اس دن تک جو اللہ کی ملاقات کا دن ہوگا ان کی سزا میں ان کے دلوں میں نفاق قائم کر دیا اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا اس کی خلاف ورزی کی اور اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔ ﴿۷۷﴾ کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ اللہ ان کے دلوں کے راز کو اور ان کے خفیہ مشوروں کو جانتا ہے اور یہ کہ اللہ غیب کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔ ﴿۷۸﴾ یہ ایسے لوگ ہیں جو ان مؤمنین پر صدقات کے بارے میں طعن کرتے ہیں جو اپنی خوشی سے صدقات دیتے ہیں اور ان لوگوں پر جن کو اپنی محنت کے علاوہ کچھ میسر نہیں آتا، سو یہ ان سے تمسخر کرتے ہیں۔ اللہ ان کے تمسخر کا بدلہ دے گا اور ان کے لیے عذاب الیم ہے۔ ﴿۷۹﴾ آپ ان کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں اگر آپ ان کے لیے ستر مرتبہ استغفار کریں تب بھی اللہ انہیں نہ بخشے گا یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ اور اللہ کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ﴿۸۰﴾ جو لوگ رسول اللہ کے بعد پیچھے ڈالے گئے۔ وہ اپنے بیٹھے رہ جانے پر خوش ہوئے اور انہیں یہ ناگوار ہوا کہ اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں، اور کہنے لگے کہ گرمی میں مت نکلو۔ آپ فرمادیجیے کہ دوزخ کی آگ بہت زیادہ گرم ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ یہ لوگ سمجھتے۔ ﴿۸۱﴾ سو یہ لوگ تھوڑا سا ہنس لیں اور زیادہ روئیں ان اعمال کے بدلہ جو وہ کیا کرتے تھے۔ ﴿۸۲﴾ سو اگر اللہ آپ کو ان کی کسی جماعت کی طرف واپس لے جائے پھر وہ آپ سے نکلنے کی اجازت مانگیں تو آپ فرمادیجیے کہ تم ہرگز بھی میرے ساتھ نہ نکلو گے اور ہرگز میرے ساتھ کسی دشمن سے جنگ نہ کرو گے۔ بے شک تم پہلی مرتبہ بیٹھنے پر راضی ہو گئے۔ سو تم پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ ﴿۸۳﴾ اور ان میں سے جو کوئی شخص مرجائے آپ اس پر کبھی نماز نہ پڑھیں، اور اس کی قبر پر کھڑے نہ ہوں، بے شک ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور وہ اس حال میں مر گئے کہ نافرمان تھے ﴿۸۴﴾ اور آپ کو ان کے اموال اور اولاد تعجب میں نہ ڈالیں اللہ یہی چاہتا ہے کہ ان کو ان چیزوں کے ذریعے دنیا میں عذاب دے اور ان کی جانیں اس حالت میں نکل جائیں کہ وہ کافر ہوں ﴿۸۵﴾ اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ مل کر جہاد کرو تو ان میں سے مقدور والے لوگ آپ سے اجازت مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دیجیے۔ ہم بیٹھے رہنے والوں کے ساتھ ہو جائیں۔ ﴿۸۶﴾ یہ لوگ اس بات پر راضی ہو گئے کہ گھروں میں پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ رہ جائیں اور ان کے دلوں پر مہر لگادی گئی سو وہ نہیں سمجھتے، ﴿۸۷﴾ لیکن رسول اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ ایمان لائے انہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے خوبیاں ہیں اور یہ وہی لوگ ہیں جو کامیاب ہیں ﴿۸۸﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسے باغ تیار فرمائے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے ﴿۸۹﴾ اور دیہاتیوں میں سے کچھ لوگ بہانہ کرنے والے آئے تا کہ ان کو اجازت دے دی جائے، اور جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا تھا وہ بیٹھے رہ گئے، جو لوگ ان میں سے کفر ہی پر رہیں گے انہیں دردناک عذاب پہنچے گا۔ ﴿۹۰﴾ ضعیفوں اور مریضوں اور ان لوگوں پر کوئی گناہ نہیں جو خرچ کرنے کے لیے نہیں پاتے جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے خلوص دل سے حاضر ہوں، محسنین پر کوئی الزام نہیں ہے اور اللہ غفور ہے رحیم ہے ﴿۹۱﴾ اور ان لوگوں پر بھی کوئی گناہ نہیں جو آپ کے پاس اس لیے حاضر ہوئے کہ آپ ان کو سواری دے دیں۔ آپ نے کہہ دیا کہ میں ایسی چیز نہیں پاتا جس پر تمہیں سوار کر دوں، وہ اس حال میں واپس ہو گئے کہ اس رنج میں ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے کہ وہ خرچ کرنے کے لیے نہیں پاتے۔ ﴿۹۲﴾ الزام تو انہی لوگوں پر ہے جو مالدار ہوتے ہوئے آپ سے اجازت چاہتے ہیں وہ اس بات پر راضی ہو گئے کہ پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ رہ جائیں اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی سو وہ نہیں جانتے۔ ﴿۹۳﴾

مناسبت:...... آیات میں مسلسل منافقین کے بارے میں کلام ہوا اور ان کے بھیدوں سے پردہ ہٹایا، ان کی حالات کو آشکارا کیا، کیوں کہ مسلمانوں کے لیے ان کا خطرہ بہت بڑھا ہوا تھا۔

لغت: فَاَعْقَبَهُمْ: لیث فرماتے ہیں: اعقب فلانا ندامة۔ جب کسی کے انجام پر ندامت ہو تو اس موقع پر کہا جاتا ہے۔ مقولہ ہے: اس نے ایسا لقمہ کھایا، جس کا انجام بیماری ہوتی۔ یعنی اس کی وجہ سے بیماری لاحق ہوئی۔ ہذلی کا شعر ہے:

میری اولاد نے ہلاک کردیا اور آخرکار مجھے حسرت و افسوس دے گئے
یہ سب کچھ سونے کے بعد اور ایسے آنسوؤں کے بعد ہوا جو تھمتے نہ تھے [1]

سِرَّهُمْ:...... سینہ جس پر مشتمل ہو اسے سر کہا جاتا ہے۔ نَجْوٰىهُمْ: جو سرگوشی دو یا دو سے زیادہ اشخاص میں ہو اسے نجوی کہا جاتا ہے۔ یہ نجوۃ سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں خفیہ بات۔ گویا دوسرگوشی کرنے والے کسی اور کو اپنی گفتگو میں شامل ہونے سے روک دیتے ہیں۔ يَلْمِزُوْنَ: عیب جوئی کرتے ہیں لمز عیب کو کہا جاتا ہے۔ الْمُخَلَّفُوْنَ: چھوڑ دیا گیا وہ شخص جو جہاد سے پیچھے رہ جائے، شریک نہ ہو سکے۔ الْمُعَذِّرُوْنَ: معذر جو مقصر کی طرح ہے۔ اس کی جمع ہے وہ شخص جو بلا عذر، عذر خواہی کرے۔ جوہری فرماتے ہیں: ایسا شخص جو جھوٹ موٹ [2] کا عذر کرے اس کی اصل عذر سے ہے۔ امثال اور کہاوتوں میں ہے۔ اعذر من انذر یعنی جو شخص تمہاری طرف بڑھے اور تمہیں ڈرائے، عذر کرنے میں مبالغہ کرو۔

سببِ نزول:...... مروی ہے کہ ایک شخص ثعلبہ نامی رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کرنے لگا: اللہ کے رسول! میرے لیے دعا کریں تا کہ اللہ تعالیٰ مجھے مال عطا کرے! آپ ﷺ نے فرمایا: ثعلبہ! وہ تھوڑا مال جس کا تم شکر ادا کر لو، اس سے بہتر ہے جو تمہاری دسترس سے باہر ہو، وہ کہنے لگا: اس ذات کی قسم، جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے مال عطا کر دیا تو میں ہر حقدار کو اس کا حق دوں گا۔ بہر کیف وہ بار بار اصرار کرتا رہا تو آپ علیہ السلام نے اس کے لیے دعا کر دی۔ اس نے بکریاں رکھ لیں۔ ان میں ایسے بڑھوتری آئی جیسے کیڑے بڑھتے ہیں۔ مدینہ رہنا اس کے لیے مشکل ہو گیا۔ مدینہ کے نواحی علاقے میں کسی وادی میں جا ٹھہرا۔ ظہر و عصر کے علاوہ کی نمازیں جماعت کے ساتھ نہ پڑھ سکتا تھا۔ مال میں اور اضافہ ہوا، یہاں تک اس نے جماعت اور جمعہ بھی ترک کر دیا۔ آپ ﷺ نے لوگوں سے اس کے متعلق پوچھا: تو انہوں نے بتایا۔ آپ علیہ السلام نے تین بار فرمایا: وائے ثعلبہ! جس پر یہ آیت اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی: وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَىِٕنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (سورۃ التوبۃ، آیت ۷۵) [3] پھر وہ خلافت عثمانی میں فوت ہو گیا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرمایا: جب عبداللہ بن ابی فوت ہوا تو اس کا بیٹا رسول اللہ ﷺ کے پاس آپ علیہ السلام کی قمیص مانگنے آیا تا کہ اسے اس میں کفنائے۔ آپ نے انہیں وہ قمیص عطا کر دی۔ پھر آپ علیہ السلام سے جنازہ پڑھانے کی درخواست کی آپ جنازہ پڑھانے کے لیے اٹھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جھٹ سے اٹھے اور عرض کرنے لگے: اللہ کے رسول! کیا آپ دشمن خدا کا جنازہ پڑھانے لگے ہیں؟ آپ نے فرمایا: عمر! میرا دامن چھوڑ دو، مجھے اختیار دیا گیا ہے اس لیے میں نے اختیار کر لیا۔ مجھے کہا گیا ہے۔ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ (سورہ توبۃ، آیت ۸۰) اگر مجھے معلوم ہو جاتا کہ ستر بار سے زیادہ استغفار کرنے سے اس کی بخشش ہو جائے گی تو میں ضرور اضافہ کرتا۔ پھر اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور میت کے ساتھ چلے اور اس کی قبر پر کھڑے ہوئے۔ ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت نازل فرمادی۔ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا [4] (سورۃ التوبۃ، آیت ۸۴)

منافقین کی عہد شکنی

تفسیر: وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ:...... یعنی منافقین میں سے جس نے اللہ تعالیٰ سے عہد و پیمان کیا۔ لَىِٕنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ: یعنی اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا

---

[1] الرازی ۱۶ / ۱۴۲ [2] القرطبی ۸ / ۲۲۵ [3] اسباب النزول ۱۴۵ یہ شخص جس کا مفسرین نے ذکر کیا ہے۔ مشہور صحابی ثعلبہ بن ابی حاطب کے علاوہ ہے۔ یہ ثعلبہ نامی منافق ہے۔ [4] مختصر ابن کثیر ۲ / ۱۶۱

فضل عطا کرے اور ہم پر رزق کی فراوانی کرے۔ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ: یعنی ہم فقراو مساکین کو صدقہ خیرات دیں گے اور اہل خیر و صلاح کے عمل فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ: یعنی جب اللہ تعالیٰ نے انہیں رزق دیا اور اپنے فضل سے غنی کردیا۔ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ: یعنی خرچ کرنے میں بخل کیا اور عہد شکنی کرکے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری سے اعراض کرلیا۔ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ: یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کا انجام یہ کیا کہ قیامت تک ان کے دلوں میں نفاق کو جمادیا۔ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ: یعنی جس صدقے و صلاح کا انہوں نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا اس کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے۔ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ: یعنی ایمان و احسان کے دعویٰ میں جھوٹ بولنے کی وجہ سے۔ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ: استفہام توبیخ وزجر کے لیے ہے، یعنی کیا ان منافقوں کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر اور پوشیدہ معاملات کو جانتا ہے، جو باتیں اپنے سینوں میں چھپاتے اور جو جو باتیں وہ آپس میں کرتے ہیں؟ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ: یعنی جو باتیں کانوں اور آنکھوں سے غائب ہیں وہ اس سے چھپی ہوئی نہیں؟

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ:...... یعنی نادار مؤمنین کو صدقات میں الزام لگاتے ہیں۔ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ: یعنی ان مسلمانوں کی عیب جوئی کرتے ہیں جو محنت و مشقت کرتے ہیں۔ ان سے مزاح کرتے ہیں، طبری کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے روایت ہے۔ فرمایا: عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سونے کی چالیس اوقیہ لائے اور ایک انصاری کھجور کا ایک صاع لائے تو کسی منافق نے کہا: عبدالرحمن نے جو کچھ دیا محض نمود و نمائش کے لیے اور اس صاع کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ضرورت نہیں۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔[1] سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ: اس کا تعلق باب مشاکلہ سے ہے، یعنی انہیں ان کے استہزا اور مزاح کا بدلہ اور سزا دی ہے۔[2] وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ: دردناک عذاب ہے اور وہ آخرت کا دائمی عذاب ہے۔ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ: امر ہے جس کا معنی ہے خبر یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اگر ان منافقین کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں اللہ تعالیٰ ہرگز اُن کی مغفرت نہیں کرے گا۔ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ: زمخشری کا قول ہے: ستّر کا لفظ عرب کے محاورہ میں کثرت اور بہتات کے پیش نظر آیا ہے۔[3] مطلب یہ ہوا آپ نے جب کبھی بھی ان کے لیے زیادہ استغفار کیا اور اس میں مبالغہ کیا تو اللہ تعالیٰ ہرگز کبھی بھی ان کی مغفرت نہیں کرے گا۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ: یعنی ان کے عدم مغفرت کی وجہ ان کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا کھلا انکار ہے، کیوں کہ انہوں نے ایمان کا اظہار کیا اور اندرون خانہ کفر کو چھپائے رکھا۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ: یعنی اپنی اطاعت و فرمانبرداری سے نکل جانے والوں کو ایمان کی توفیق اور سعادت کی راہ کی راہنمائی نہیں کرتا۔

بغیر عذر کے جہاد کے لیے نہ جانے کی وعید

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ:...... یعنی جو منافقین جان بوجھ کر پیچھے رہ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک میں شامل نہیں ہوئے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چلے جانے کے بعد بیٹھے رہنے پر خوش ہوئے کہ انہوں نے آپ کی مخالفت کی آپ روانہ ہوگئے، وہ ٹھہرے رہے۔ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: یعنی انہوں نے راحت و آرام کو ترجیح دینے اور مال و جان کو ضائع کرنے کے خوف سے جہاد کے لیے نکلنا ناپسند کیا، کیوں کہ ان کے دلوں میں کفر اور نفاق تھا۔ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ: ایک دوسرے سے کہنے لگے: گرمی کے موسم میں جہاد کے لیے نہ نکلو، کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں گرمی کے موسم میں جہاد کے لیے نکلنے کا حکم دیا تھا۔ ابوالسعود فرماتے ہیں: وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: فرمایا اور کرھوا ان یخرجوا الی الغزو نہیں فرمایا۔ یہ بتانے کے لیے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد جو سب سے افضل و اشرف چیز ہے، جس میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنا چاہیے۔ ان لوگوں نے اسے ناپسند کیا۔ اسی طرح انہوں نے سب سے قبیح اور بری چیز پر خوشی کا اظہار کیا اور وہ جہاد چھوڑ کر پیچھے رہ جانا ہے اور انہوں نے اپنے بھائیوں کو شر و فساد کی وصیت کی کہ گرمی میں نہ نکلو۔ یوں انہوں نے کفر و ضلالت کی تین خصلتیں جمع کرلیں۔ بیٹھے رہنے پہ خوش ہونا۔ جہاد کو ناپسند کرنا اور دوسروں کو اس سے روکنا۔[4]

---

[1] الطبری ۱۰/ ۱۹۴ [2] مشاکلہ: دو کلمات بالفظ ایک جیسے ہوں، لیکن ان کا معنی مختلف ہو تو یہ مشاکلہ کہلاتا ہے۔ [3] الکشاف ۲/ ۲۹۵ [4] ابوالسعود ۲/ ۲۸۶

اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا: یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے کہو! جہنم کی وہ آگ جس تک انہوں نے پہنچنا ہے، وہ اس گرمی سے زیادہ سخت ہے کیوں کہ دنیا کی گرمی زوال پذیر اور فانی ہے جب کہ جہنم کی گرمی دائمی اور نہ ختم ہونے والی ہے تو تم اس آگ سے کیوں نہیں ڈرتے۔ زمخشری کا قول ہے: یہ انہیں جاہل قرار دینے کے لیے فرمایا: کیوں کہ جو گھڑی بھر کی مشقت سے محفوظ ہو گیا اور اس بچاؤ کی وجہ سے ہمیشہ کی مشقت میں پڑ گیا وہ سب سے بڑا جاہل ہے۔[1] لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ: یعنی اگر انہیں سمجھ ہوتی تو گرمی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل پڑتے، تاکہ اس کے ذریعے جہنم کی اس آگ سے بچ سکیں، جو اس سے دوگنا سہ گنا ہے، لیکن ان کی حالت تو یہ ہے، جیسے کوئی آگ کے ذریعے گرمی سے بچے: فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا: امر ہے جس سے مراد خبر ہے۔ مطلب یہ ہے وہ تھوڑا ہنسیں گے اور پھر زیادہ رونا پڑے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: دنیا تھوڑی ہے، لہٰذا وہ اس میں جتنا چاہیں ہنس لیں۔ جب دنیا ختم ہو جائے گی اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچ جائیں گے تو نئے سرے سے رونا شروع کریں گے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔[2]

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ:...... یعنی ان قسما قسم گناہوں کا انہیں بدلہ اور سزا دینے کے لیے۔ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآىِٕفَةٍ مِّنْهُمْ: یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو غزوۂ تبوک سے ان منافقین کی طرف لوٹایا جو بلا عذر پیچھے رہ گئے تھے۔ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ: تو وہ دوسری مہم میں شرکت کرنے کے لیے آپ سے اجازت طلب کریں گے۔ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا: آپ ان سے کہہ دیں کہ تم لوگ ہرگز میرے ساتھ جہاد کے لیے نہیں نکلو گے۔ وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا: یعنی تمہارے لیے میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے قتال کا شرف ہرگز نہیں ہوگا۔ یہ خبر ہے جس کا معنی مبالغہ کے لیے ہی ہے، جو اُن کے نفاق کو ظاہر کرنے کے لیے ان کی مذمت کے قائم مقام ہے۔ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ: تم میرے ساتھ پہلی بار ہی نکلنے سے باز رہے۔ جب تم تبوک کے لیے نہیں نکلے۔ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ: یعنی غزوے میں شریک نہ ہونے والے بچوں اور عورتوں کے ساتھ جا کر بیٹھ جاؤ۔

منافقین پر نماز پڑھنے کی ممانعت

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا:...... یعنی اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) جب ان منافقین میں سے کوئی مر جائے تو اس کی نماز جنازہ نہ پڑھاؤ، کیوں کہ آپ کی دعا رحمت ہے اور وہ رحمت کے اہل نہیں۔ وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ: یعنی تدفین کے لیے یا زیارت اور دعا کے لیے اس کی قبر پر کھڑے نہ ہونا۔ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ: کیوں کہ انہوں نے اپنی زندگی میں ایمان کا اظہار کیا اور باطن میں نفاق تھا۔ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ: یعنی انہیں اس حال میں موت آئی کہ وہ اپنے نفاق پر قائم اور اسلام سے خارج تھے اور نافرمانی میں حد سے گزرے ہوئے تھے۔ یہ آیت ابن سلول کے بارے میں نازل ہوئی۔[3] وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ: یعنی جو مال اور اولاد کی نعمتیں ہم نے انہیں عطا کی ہیں، انہیں آپ اچھا نہ سمجھیں۔ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا: یعنی ان سے خیر کا ارادہ نہیں کیا بلکہ ان سے دنیا میں مصائب و آلام دینے کا ارادہ ہے۔ وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ: انجام میں غور و فکر کیے بغیر یہ لوگ مال و اولاد سے لطف اندوز ہونے میں مشغول ہوں گے کہ ان کی روحیں نکل رہی ہے اور وہ کفر پر مر رہے ہوں گے۔ وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ: تنکیر عظمت شان کے لیے ہے یعنی جب کوئی جلیل القدر سورت ہوتی ہے۔ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهٖ: یعنی اللہ تعالیٰ پہ صدق و یقین کے ساتھ ایمان لاؤ اور حق کی نصرت اور دین کے غلبے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جہاد کرو۔ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ: تو زیادہ مال دار اور ثروت والے لوگ آپ سے پیچھے رہ جانے کی اجازت مانگنے لگ جائیں گے۔ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ: یعنی ہمیں چھوڑیے تاکہ ہم ان لوگوں کے ساتھ ٹھہر جائیں جو غزوے کے لیے نہیں نکلے اور کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی قباحت اور مذمت بیان کرتے ہوئے فرمایا: رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ: یعنی وہ اس بات پر راضی ہو گئے کہ عورتوں، بیماروں اور اُن عاجز لوگوں کے ساتھ شامل ہو جائیں جو گھروں میں ٹھہر گئے ہیں۔

---

[1] الکشاف ۲/۲۹۶ [2] مختصر ابن کثیر ۲/۱۶۰ [3] سبب النزول دیکھیے۔

وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ :......ان پر مہر لگ گئی ہے: فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ: یعنی انہیں جہاد میں شرکت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری میں جو سعادت ہے، اس کی سمجھ نہیں اور آپ سے پیچھے رہ جانے میں جو بدبختی ہے اس کا فہم نہیں ہے۔ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ: امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب منافقین کا حال بیان کیا تو ان کے مقابلے میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین کا حال بیان فرمایا، کیوں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور اس کا قرب[1] تلاش کرنے میں مال وجان کو لگایا۔ مطلب یہ ہوا اگر یہ لوگ پیچھے رہ گئے اور انہوں نے جہاد نہیں کیا تو ان سے بہتر اور خالص نیت واعتقاد والوں نے جہاد کیا ہے۔ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ: یعنی ان کے لیے دونوں جہانوں کے منافع ہیں۔ دنیا میں نصرت وغنیمت اور آخرت میں جنت اور عزت۔ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ: اور اصل میں یہی لوگ کامیاب ہیں۔ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ: یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان اور جہاد کی بنیاد پر ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں، جن کے محلات کے نیچے سے نہریں رواں ہیں۔ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا: یعنی وہ اس جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ: یعنی یہی بڑی کامیابی ہے، اس سے بڑھ کر کوئی کامرانی نہیں۔

دیہاتی منافقین کے احوال کا بیان

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ:......یعنی دیہات سے وہ عذر کرنے والے آ گئے جنہوں نے حیلے بہانے تراشے اور جہاد سے پیچھے گئے۔ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ: یعنی ترک جہاد کا اذن اہل مدینہ منافقین کے حالات کے بعد دیہاتی منافقین کے حالات کا بیان ہے۔ بیضاوی فرماتے ہیں: وہ قبیلہ اسد اور غطفان تھا، جنہوں نے مشقت اور زیادہ عیال داری کا عذر کر کے پیچھے رہ جانے کی اجازت مانگی تھی۔[2] وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ: یعنی جہاد سے وہ لوگ رہ گئے، جنہوں نے دعوائے ایمان میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا اور یہ چند ایسے تھے، جنہوں نے نہ تو جہاد کیا اور نہ پیچھے رہ جانے کا عذر بیان کیا۔ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ: ان لوگوں کے لیے سخت وعید ہے، یعنی دعویٰ ایمان میں پیچھے رہ جانے والی جھوٹے لوگوں کے لیے دنیا میں قید اور قتل اور آخرت میں جہنم میں دردناک عذاب۔

جہاد سے پیچھے رہنے والے معذور لوگوں کا بیان

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى:......یعنی عمر رسیدہ بوڑھے مردوں اور لاچار مریضوں یہ کوئی حرج نہیں جو عاجزی یا بیماری کی وجہ سے جہاد نہیں کر سکتے۔ وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ: یعنی وہ فقرا جن کے پاس جہاد میں خرچ کرنے کی کوئی چیز نہیں۔ حَرَجٌ: بیٹھے رہنے میں کوئی گناہ نہیں۔ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ: جب ان کا ایمان اور عمل خالص ہو نہ لوگوں کو چھیڑا اور نہ روکا اور نہ فتنے برپا کیے تو ان لوگوں پر غزوے میں شرکت نہ کرنے پر کوئی گناہ نہیں، کیوں کہ یہ لوگ معذور ہیں۔ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ: یعنی ان پر کوئی گناہ نہیں اور نہ ان پر داروگیر کی کوئی سبیل ہے۔ تسہیل میں فرماتے ہیں: انہیں محسنین کہا ہے کیوں کہ انہوں نے اللہ اور رسول کے ساتھ خیر خواہی کی ہے اور ان سے عذاب، ڈانٹ اور ملامت دور کر دی۔[3] یہ بلیغ کلام میں ہے، کیوں کہ ان کا معنی ہے عتاب کرنے والا، ان پر عتاب کا کوئی موقع نہ پائے گا اور یہ بطور محاورہ ہے۔ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ: وسیع مغفرت ورحمت والا، کیوں کہ اس نے معذوروں کو وسعت عطا کی ہے۔ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ: ان رونے والوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی، جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوے میں جانا چاہا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سواری کا بندوبست نہیں تھا۔ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وہ کثرت سے رونے والے انصار کے سات افراد تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر عرض کرنے لگے: ہم نے نکلنے کی نذر مانی ہے سو ہمارے لیے سواریوں کا انتظام فرمائیں تاکہ ہم لوگ آپ کی معیت میں جہاد کر سکیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں کیا کروں؟ میرے پاس تمہاری سواری کا کوئی سامان نہیں تو وہ حضرات روتے ہوئے منہ پھیر کر چل دیے۔[4]

---

[1] الرازی ۱۶ / ۱۵۷ [2] البیضاوی، ۲۳۰ [3] التسہیل ۲ / ۸۳ [4] البیضاوی ۲۳۰

قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ: ......یعنی میرے پاس تمہاری سواری کے جانور نہیں ہیں۔تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا: غم کے مارے ان کی آنکھیں اشکبار تھیں جب وہ منہ پھیر کر جا رہے تھے۔اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ: کہ انہیں اپنے غزوے کا ساز وسامان کیوں نہ ملا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس بھی سواریاں نہیں تھیں۔اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ: یعنی گناہ اور باز پرس ان لوگوں سے ہوتی ہے جو باوجود جہاد کی قدرت رکھنے اور اپنی مال داری کی وجہ سے خرچ کرنے کی دسترس رکھتے ہیں اور پھر بھی آپ سے پیچھے رہ جانے کی اجازت مانگتے ہیں۔رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ: یعنی وہ عورتوں، بچوں اور اپاہج لوگوں کے ساتھ رہنے پر راضی ہو گئے۔وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ: یعنی ان کے دلوں پر مہر لگادی، اس لیے وہ ہدایت نہیں پاتے۔[1]

بلاغت: اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ: ......يَعْلَمُ اور عَلَّامُ میں جناس اشتقاق ہے: وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ: عذاب کی تنوین دھمکانے اور بڑائی کی ہے۔اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ: دونوں میں طباق سلب ہے۔بات اپنی حقیقت سے نکل کر برابری تک پہنچ گئی ہے۔فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا: محسنات بدیع میں سے یہاں مقابلہ ہے۔رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ: خَوَالِفِ وہ خواتین ہیں جو خانہ نشین ہوں، جب مرد سفر پر نکل جاتے ہیں، اس میں استعارہ ہے۔خواتین کو خوالف کہا گیا ہے جو وہ ستون ہیں جو محلہ کے گھروں کے آخری حصے میں ہوں تو ان ستونوں سے خواتین کو تشبیہ دی گئی ہے کیوں کہ ستون گھروں کے لیے لازم وملزوم ہیں۔[2] وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ: اس کا تعلق عطف الخاص علی العام سے ہے۔ان کی شان بڑھانے کے لیے افادہ از آلوسی۔[3]

فائدہ: ......زمخشری نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً: کے تحت لکھا ہے۔ستّر کا لفظ کلام عرب میں کثرت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا قول ہے: عاص اور ابن عاص ستّر ہزار ہو گئے، پیشانیاں باندھنے والے، اس کا ذکر معین مقدار کے لیے نہیں ہے عرب کے اسلوب کے مطابق مبالغہ کے لیے ہے۔

تنبیہ: ......منافقین کی نماز جنازہ سے آپ علیہ السلام کو اس لیے روکا گیا کیوں کہ نماز جنازہ میں دعا و استغفار اور اس کے لیے سفارش ہوتی ہے۔

لطیفہ: ......حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ رازدارِ رسول کے نام سے مشہور ہیں۔آپ ﷺ نے ان سے فرمایا تھا: میں تمہیں ایسی راز کی بات بتانے والا ہوں جو تم نے کسی سے نہیں کرنی۔ مجھے فلاں فلاں کی نماز جنازہ پڑھنے سے روک دیا گیا ہے۔آپ نے یہ بات منافقین کی ایک جماعت کے متعلق فرمائی۔اسی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کہتے تھے: میں تم سے اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں: کیا رسول اللہ ﷺ نے مجھے بھی منافقین میں شمار کیا ہے؟

(دسویں پارہ کی تفسیر ختم ہوئی۔ والحمد للہ علی ذلك)

---

[1] تلخیص البیان للرضی ۱۴۸ [2] روح المعانی ۱۰/۱۵۹ [3] الکشاف ۲/۲۹۵

پارہ نمبر ۱۱...... یَعْتَذِرُوْنَ

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ
اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا
كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۴﴾ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا
عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۫ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۵﴾ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا
عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۹۶﴾ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا
وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۹۷﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ
مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾
وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ
الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾ وَالسّٰبِقُوْنَ
الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ
وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ
مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛؕ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۫ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ
سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا
صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ
صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾
اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾
وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ
فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا
لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾

ترجمہ:......وہ لوگ آپ کے پاس عذر پیش کریں گے جب آپ ان کی طرف واپس ہوں گے، آپ فرمادیجیے عذر پیش نہ کرو ہم ہرگز تمہاری بات کو سچی نہ مانیں گے۔ اللہ نے تمہاری خبریں ہمیں بتادی ہیں، اور عنقریب اللہ تمہارے عمل کو دیکھ لے گا اور اس کا رسول بھی۔ پھر تم اس ذات کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو چھپی ہوئی اور ظاہری باتوں کا جاننے والا ہے، سو وہ تمہیں ان کاموں سے باخبر فرمادے گا جو تم کیا کرتے تھے، ﴿۹۴﴾ وہ عنقریب تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے درگزر کرو۔ سو آپ ان سے اعراض کریں بے شک وہ ناپاک ہیں اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ ان کو ان کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔ ﴿۹۵﴾ وہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہوجاؤ اگر تم ان سے راضی ہوجاؤ سو اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں سے راضی نہیں ہوتا۔ ﴿۹۶﴾ دیہاتی لوگ کفر اور نفاق میں بہت سخت ہیں اور اس لائق ہیں کہ اللہ نے اپنے رسول پر جو احکام نازل فرمائے ہیں ان سے واقف نہ ہوں اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا ہے ﴿۹۷﴾ اور دیہاتیوں میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو اپنے خرچ کرنے کو تاوان سمجھتے ہیں اور تمہارے لیے مصیبتوں کے آنے کے منتظر رہتے ہیں۔ ان پر بری گردش ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے ﴿۹۸﴾ اور دیہاتیوں میں وہ لوگ بھی ہیں جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کی نزدیکی کا اور رسول کی دعائیں لینے کا ذریعہ بناتے ہیں۔ خبردار یہ ان کے لیے نزدیکی کا سبب ہے اللہ عنقریب انہیں اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔ بلاشبہ اللہ غفور ہے، رحیم ہے ﴿۹۹﴾ اور مہاجرین اور انصار میں سے جو لوگ سبقت لے جانے والے ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے اخلاص کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہوا وہ اللہ سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ان میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے ﴿۱۰۰﴾ اور تمہارے گردوپیش جو دیہاتی ہیں ان میں منافق ہیں اور اہل مدینہ میں بھی ایسے لوگ ہیں جو منافقت پر اڑ گئے ہیں، آپ انہیں نہیں جانتے۔ ہم انہیں جانتے ہیں، ہم انہیں دو مرتبہ عذاب دیں گے، پھر وہ عذابِ عظیم کی طرف لوٹائے جائیں گے ﴿۱۰۱﴾ اور کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کرلیا انہوں نے ملے جلے عمل کیے جن میں نیک عمل بھی ہیں اور برے اعمال بھی۔ عنقریب اللہ ان کی توبہ قبول فرمالے گا۔ بلاشبہ اللہ غفور ہے رحیم ہے۔ ﴿۱۰۲﴾ آپ ان کے اموال سے صدقہ لے لیجیے جو انہیں پاک کرے گا اور ان کو دعا دیجیے، بے شک آپ کی دعا ان کے لیے باعث تسکین ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے ﴿۱۰۳﴾ کیا ان لوگوں نے نہیں جانا کہ بلاشبہ اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور صدقات قبول فرماتا ہے اور بلاشبہ اللہ خوب زیادہ توبہ قبول کرنے والا ہے مہربان ہے ﴿۱۰۴﴾ اور آپ فرمادیجیے کہ عمل کرتے رہو سو عنقریب اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ لے گا اور اس کا رسول بھی اور اہل ایمان بھی، اور عنقریب تم اس ذات پاک کی طرف لوٹائے جاؤ گے جسے چھپی ہوئی چیزوں کا اور کھلی ہوئی چیزوں کا علم ہے پھر وہ تمہیں جتادے گا جو عمل تم کیا کرتے تھے۔ ﴿۱۰۵﴾ اور کچھ لوگ ایسے ہیں جن کا معاملہ اللہ کا حکم آنے تک مؤخر کیا ہوا ہے وہ انہیں عذاب دے یا ان کی توبہ قبول فرمائے اور اللہ علیم ہے حکیم ہے۔ ﴿۱۰۶﴾ اور جن لوگوں نے اس لیے مسجد بنائی کہ ضرر پہنچائیں اور کفر اختیار کیے رہیں اور مؤمنین کے درمیان پھوٹ ڈالیں اور اس شخص کے قیام کا انتظام کریں جس نے اس سے پہلے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی، اور البتہ وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے تو صرف بھلائی ہی کا ارادہ کیا تھا اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک وہ جھوٹے ہیں۔ ﴿۱۰۷﴾ آپ اس مسجد میں کبھی بھی کھڑے نہ ہوں، البتہ جس مسجد کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہو وہ اس لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں اس میں ایسے

آدمی ہیں کہ وہ خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ خوب پاک ہونے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (۱۰۸) بھلا کیا وہ شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ سے ڈرنے اور اللہ کی خوشنودی پر رکھی ہو یا وہ بہتر ہے جس کی بنیاد کسی گھاٹی کے کنارے پر رکھی گئی ہو جو گرنے والی ہے پھر وہ اسے لے کر دوزخ کی آگ میں گر پڑے، اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ (۱۰۹) انہوں نے جو عمارت بنائی وہ ہمیشہ ان کے دلوں میں کھٹکتی رہے گی۔ الّا یہ کہ ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا ہے۔ (۱۱۰)

ماقبل سے ربط ومناسبت:...... آیات میں بے دھڑک ان منافقین کے بارے میں کلام ہوتا رہا جو جہاد سے رہ گئے اور ان حیلوں بہانوں کو جھوٹی قسموں سے پختہ بنانے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کی فریب کاریاں ذکر کی تھیں، جنہوں نے مسجد ضرار بنائی، انہوں نے مسجد ضرار کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنا ٹھکانا بنایا ہوا تھا اور اپنے نبی کو اس میں نماز پڑھنے سے باز رکھا ہے، اس لیے کہ اس کی بنیاد تقویٰ پر نہ تھی بلکہ انشقاق ونفاق والوں کا مرکز اور مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے لیے بنائی گئی تھی۔ وہ مسجد ضرار کے نام سے مشہور ہو گئی تھی۔

لغت: انْقَلَبْتُمْ:...... تم لوٹے۔ رِجْسٌ: گندی اور خبیث چیز کو رجس کہا جاتا ہے۔ نجس پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ وَّمَاْوٰىهُمْ: جوہری کا قول ہے: ماویٰ ہر اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں رات یا دن کے وقت پناہ لی جائے۔ اَلْاَعْرَابُ: اعرابی کی جمع ہے۔ اہل لغت کا قول ہے: مقولہ ہے رجل عربی جب وہ عرب کا باشندہ ہو، اس کی جمع عرب ہے اور رجل اعرابی جب وہ دیہاتی ہو اور شادابی اور بارش کا متلاشی ہو، خواہ عرب کا ہو یا اس کا مولی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص عربی دیہاتوں کو اپنا مسکن بنالے وہ عربی ہے اور جو صحرا میں فروکش ہو جائے وہ اعرابی ہے۔ [۱] اَجْدَرُ: زیادہ حقدار اور لائق۔ مَغْرَمًا: المغرم، گھاٹا اور نقصان۔ اس کی اصل غرام سے بنی ہے، جس کا مطلب ہے کسی چیز سے چمٹے رہنا۔ [۲] مَرَدُوْا: ڈٹے رہے، اس لفظ کی اصل نرمی، لمس اور تجرد (اکیلے پن) سے ہے گویا وہ نفاق کے لیے یکسو ہو گئے۔ اسی سے ہے رملة مرداء جس میں کوئی نباتات نہ ہو اور غصن امرد، جس شاخ پر کوئی پتا نہ ہو۔ غلام مرد: بے ریش لڑکا۔ مُرْجَوْنَ: ارجاء کا مطلب ہے تاخیر، مقولہ ہے ارجأته میں نے اسے مؤخر کیا۔ اسی سے مرجئہ فرقہ ہے، کیوں کہ انہوں نے عمل کو مؤخر کیا ہے۔ ضِرَارًا: نقصان کا قصد حدیث شریف میں ہے "لاضرر ولا ضرار" [۳] نہ نقصان اٹھاؤ نہ نقصان پہنچاؤ۔ اِرْصَادًا: ارصاد گھات اور انتظار، مقولہ ہے ارصدت له جب تم اس کا انتظار کرنے کے لیے کوئی جگہ تیار کرو۔ شَفَا: کنارہ کوشی، اسی سے محاورہ ہے اشفى على كذا، جب وہ کسی چیز کے قریب ہو۔ جُرُفٍ: جہاں سے سیلاب گزر کر ٹیلے ٹبے بنا کر وادیوں کو گرنے کے قریب کرے۔ اس کی اصل یہ ہے کہ کسی چیز کو جڑ سے اکھیڑ دینا۔ هار: گرنے والا، مقولہ ہے۔ تهور البناء جب کوئی عمارت گر جائے۔ اس کی اصل ہے هائر۔

سبب نزول:...... ایک روایت میں آتا ہے کہ ابو عامر راہب [۴] زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو کر راہب ہو گیا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ جہاد کے لیے نکلے تو وہ آپ کا مخالف ہو گیا، کیوں کہ اس کا ٹھاٹھ باٹھ اور برتری کی چھت زمین بوس ہو گئی۔ وہ کہنے لگا: جو لوگ بھی آپ سے لڑیں گے، میں ان سے لڑوں گا۔ نبی کریم ﷺ نے اس کا نام ابو عامر الفاسق رکھ دیا۔ ادھر جب غزوہ حنین میں ہوازن کو شکست ہوئی تو وہ شام چلا گیا اور منافقین کو پیام پر پیام بھیجا کرتا تھا کہ جتنی قوت وطاقت اور اسلحہ جمع کر سکتے ہو کرو اور میرے لیے ایک مسجد بنواؤ! میں قیصر کے پاس جا کر رومی لشکر لاؤں گا اور محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں کو نکال دوں گا۔ چنانچہ انہوں نے مسجد قبا کے پاس ایک مسجد بنا رکھی تھی اور رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگے: ہم نے بیماروں، اپاہجوں اور بارانی راتوں کے لیے ایک مسجد بنائی ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ آپ آ کر اس میں ہماری دلجوئی کے لیے نماز پڑھائیں۔ آپ نے پہننے کے لیے لباس منگوایا تا کہ ان کے پاس جائیں۔ اسی اثنا میں آپ پر قرآن نازل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے رسول کو مسجد ضرار اور اس سے مقصود ساری کارروائی سے آگاہ کر دیا۔ آپ ﷺ نے اپنے چند صحابہ کو بلایا اور ان سے فرمایا: اس مسجد میں جس کے لوگ ظالم ہیں، اسے آگ لگا دو۔ یہ حضرات وہاں پہنچے۔ اور اسے جلا کر منہدم کر دیا۔ وہاں کے لوگ تتر بتر ہو گئے۔ اسی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا [۵] (سورة التوبة، آیت ۱۰۷)

---

[۱] الرازی ۱۶/ ۱۶۵ [۲] القرطبی ۸/ ۲۳۴ [۳] رواہ الدار قطنی [۴] وہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے والد ہیں، جنہیں ملائکہ نے غسل دیا تھا۔ [۵] البحر المحیط

منافقین کی عذر خواہی اور جھوٹی قسمیں

تفسیر: يَعۡتَذِرُوۡنَ اِلَيۡكُمۡ اِذَا رَجَعۡتُمۡ اِلَيۡهِمۡ :...... تم سے پیچھے رہ جانے والے آ کر عذر خواہی کرتے ہیں۔ جب تم سفر جہاد سے لوٹ کر ان کے پاس جاتے ہو۔ قُلْ لَّا تَعۡتَذِرُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَكُمۡ : ان سے کہو: عذر پیش نہ کرو، ہم اس بارے میں تمہاری تصدیق نہیں کرتے۔ ان سے یوں کہو گے: قَدۡ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنۡ اَخۡبَارِكُمۡ : اللہ تعالیٰ نے تمہارے حالات اور جو کچھ تمہاری سینوں میں خباثت اور نفاق ہے، اس سے ہمیں آگاہ کر دیا ہے۔ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمۡ وَرَسُوۡلُهٗ: یعنی آئندہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تمہارا عمل دیکھیں گے۔ آیا تم اپنے نفاق سے تائب ہوتے ہو یا اسی پر قائم رہتے ہو؟ ثُمَّ تُرَدُّوۡنَ اِلٰى عٰلِمِ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ: یعنی پھر تم اپنی موت کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جاؤ گے، جو ظاہر اور پوشیدہ کو جاننے والا ہے۔ اس سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ: یعنی وہ تمہارے ان تمام اعمال سے تمہیں خبردار کر دے گا جب تم اس کے حضور کھڑے ہوں گے اور تمہیں انصاف سے بدلہ دے گا۔ سَيَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ لَكُمۡ : یعنی یہ منافق لوگ تمہارے سامنے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھائیں گے۔ اِذَا انۡقَلَبۡتُمۡ اِلَيۡهِمۡ : جب تم غزوہ تبوک سے ان کی طرف لوٹو گے، تو یہ لوگ جھوٹے عذر پیش کریں گے۔ لِتُعۡرِضُوۡا عَنۡهُمۡ : تا کہ تم ان سے درگزر کرو اور ان کی مذمت سے اعراض کرو۔ فَاَعۡرِضُوۡا عَنۡهُمۡ : سو ان سے ایسا اعراض کرو، جس میں ناراضی اور اجتناب و بچاؤ کی آمیزش ہو۔ انہیں اور جو کچھ کفر و نفاق انہوں نے اختیار کر رکھا ہے۔ اس کے آگے سے ہٹ جاؤ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: سلام کلام چھوڑنا مراد ہے۔[1] اللہ تعالیٰ نے علت وسبب بیان کر کے فرمایا: اِنَّهُمۡ رِجۡسٌ : یعنی وہ اپنی باطنی خباثت کی وجہ سے گندگی کی طرح ہیں۔ وَّمَاۡوٰٮهُمۡ جَهَنَّمُ : یعنی ان کا ٹھکانہ جہنم ہے جو ان کے رہنے کی جگہ ہے۔ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ: یعنی دنیا میں ان کے نفاق کا اور جو گناہ انہوں نے کیے: ان کا بدلہ دینے کے لیے۔ يَحۡلِفُوۡنَ لَكُمۡ لِتَرۡضَوۡا عَنۡهُمۡ : ان کی قسمیں کھانے والی بات کو بار بار اس لیے بیان کیا تا کہ ان کا جھوٹ ہو اور ان کے جھوٹ عذروں کے دھوکے میں آنے سے بچایا جائے۔ یعنی وہ تمہارے سامنے سب سے بڑی قسم کھائیں گے تا کہ انہیں تمہاری رضامندی حاصل ہو جائے۔ فَاِنۡ تَرۡضَوۡا عَنۡهُمۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرۡضٰى عَنِ الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِيۡنَ: یعنی اگر تم لوگ ان سے راضی ہو جاؤ تو تمہاری رضامندی سے انہیں کوئی فائدہ نہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہے۔ ابو السعود فرماتے ہیں: فاسقین کو ضمیر کی جگہ ذکر کرنے سے ان پر فسق اور فرمانبرداری سے باہر نکل جانے کی مہر ثبت کرنے کے لیے ہے۔[2]

اعراب منافقین کے احوال

اَلۡاَعۡرَابُ اَشَدُّ كُفۡرًا وَّنِفَاقًا : ...... الاعراب دیہاتی، شہریوں سے زیادہ سخت کفر اور نفاق والے ہیں۔ ایک تو وہ بے لحاظ ہوتے ہیں دوسرے ان کے دل سخت ہوتے ہیں۔ اہل خیر و صلاح کا انہیں مشاہدہ کرنے کا کم موقع ملتا ہے۔ وَاَجۡدَرُ اَلَّا يَعۡلَمُوۡا حُدُوۡدَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ: بلکہ انہیں تو یوں کہنا چاہیے کہ وہ ان احکام اور شریعت کی باتوں کو جانتے ہی نہیں، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل کی ہیں۔ بحر میں فرماتے ہیں: انہیں اپنے فخر اور طیش کی وجہ سے کفر و نفاق میں مبتلا ہونا پڑا، کیوں کہ ان کی تربیت کسی رہبر اور ادب سکھانے والے کے بغیر ہوئی تھی۔ وہ ایسے پلے بڑھے تھے، جیسا انہوں نے چاہا، علما کے مشاہدے اور کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت سے بعد کی وجہ سے وہ منافقین مدینہ[3] سے کفر کے بارے میں زیادہ تیز زبان والے تھے۔ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ : یعنی اپنی مخلوق کے بارے میں علم رکھنے والا، اپنی کاریگری میں حکمت والا ہے۔ وَمِنَ الۡاَعۡرَابِ مَنۡ يَّتَّخِذُ مَا يُنۡفِقُ مَغۡرَمًا : یعنی ان جاہل بدوؤں میں سے جو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور صدقہ دینے کو تاوان اور خسارہ شمار کرتے ہیں، کیوں کہ وہ ثواب کی نیت سے خرچ نہیں کرتے، اس لیے وہ ثواب کی امید نہیں رکھتے۔ وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ : یعنی تمہارے لیے مصائب دنیا کے منتظر ہیں، تا کہ خرچ کرنے کی مشقت سے نجات پائیں۔ عَلَيۡهِمۡ دَآئِرَةُ السَّوۡءِ: جملہ معترضہ ہے۔ ان پر بددعا ہے۔ یعنی

---

[1] اسباب النزول ۱۴۹ [2] الرازی ۱۶ / ۱۶۴ [3] ابو السعود

انہی پر عذاب اور ہلاکت نازل ہوگئی۔ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ: یعنی ان کے اقوال کا سننے والا، ان کے افعال کا علم رکھنے والا ہے۔ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ: یعنی بدوؤں میں سے بعض ایسے ہیں، جو ان منافقین کے برعکس اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور موت کے بعد دوبارہ جی اٹھنے پر ایمان لاتے ہیں۔ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ: یعنی جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، اُسے اللہ کی رضا اور اس کی محبت کے قریب ہونے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ: یعنی رسول اللہ ﷺ کی دعا اور آپ ﷺ کا اس کے لیے بخشش مانگنا۔ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ (الا): حرف استفتاح ہے جو اس حکم کے اہتمام کے لیے ہے۔ یعنی آگاہ رہو اور خرچ کرنا قربت عظیمہ ہے جو انہیں اپنے رب کی رضا کے قریب کرتی ہے کیوں کہ انہوں نے اس نفقے کو اخلاص کے ساتھ خرچ کیا۔ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ: اللہ تعالیٰ انہیں اس جنت میں داخل فرمائیں گے، جسے متقین کے لیے تیار کیا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ: یعنی اپنی اطاعت کرنے والوں کو بخشنے والا اور ان پر رحم کرنے والا ہے۔ کیوں کہ اُنہیں اطاعت کی توفیق بخشی ہے۔

سابقین اولین کے فضائل

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ: ...... یعنی جو ہجرت اور رسول اللہ ﷺ کی نصرت میں سبقت لے گئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم[1] میں سے وہ لوگ جو ایمان کی طرف سبقت لے گئے۔ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ: یعنی ان کے راستے پر چلے اور سیرت حسنہ میں ان کی اقتدا کی۔ وہ تابعین کرام رحمۃ اللہ علیہم اور قیامت تک جو ان کے راستے پر چلے۔ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ: بخشش اور رضامندی کا وعدہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور انہیں راضی کر دیا۔ یہ بلند ترین مرتبہ ہے، جس کے لیے مؤمنین سعی کرتے ہیں اور رغبت کرنے والے اس کے بارے میں رغبت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور انہیں راضی کر دے۔ طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ ان سے اپنی اطاعت اور اپنے نبی کی دعوت کو قبول کرنے سے راضی ہوا اور وہ اس لیے اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے کہ ان کے لیے اطاعت اور ایمان کا اجر عظیم ہے۔ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ: یعنی ان کے لیے آخرت میں ایسے باغات تیار کیے گئے جن کے اشجار اور محلات کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا: یعنی وہ اس میں رہیں گے جس کی کوئی انتہا نہیں۔ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ: یعنی یہ وہ کامیابی ہے جس سے بڑھ کر کوئی کامیابی نہیں۔ بحر میں فرماتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے دیہاتی مؤمنین کے فضائل بیان کیے تو ان میں سابقین کا حال بھی بیان کر دیا۔ لیکن دونوں مدحتوں میں بڑا فرق ہے۔ وہاں فرمایا: اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ: اور یہاں فرمایا: وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ: اور وہاں اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ: پر کلام ختم کیا، جب کہ یہاں ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ:[2] پر جملہ پورا کیا۔

منافقین کی سزا کا ذکر

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ: ...... یعنی اے اہل مدینہ! تمہارے ارد گرد کے دیہاتی منافق منازل و مراتب میں تمہارے قریب ہیں۔ اسی طرح اہل مدینہ کے منافقین مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ: یعنی نفاق میں گھس گئے اور اس پر ڈٹے رہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ وہ اس میں ماہر ہوگئے اور اس پر جمے رہے، جن میں سے ابن سلول، جلاس اور ابو عامر راہب[3] ہے۔ لَا تَعْلَمُهُمْ ۖ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ: یعنی اے محمد (ﷺ)! آپ ان کی نفاق میں مہارت کی وجہ سے انہیں نہیں جانتے، کیوں کہ ان کا معاملہ اکثر لوگوں سے مخفی ہے، لیکن ہم انہیں جانتے ہیں اور آپ کو ان کے حالات سے باخبر کریں گے۔ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ: یعنی دنیا میں قتل و قید کے ذریعے اور موت کے وقت

---

[1] حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے بیعت رضوان کی ہے۔ ایک قول ہے: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی جانب نماز پڑھیں۔ ہم نے جو ذکر کیا ہے کہ اس سے وہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم مراد ہیں جو سابقین اولین ہیں۔ اس کو طبری نے راجح قرار دیا ہے اور فخر الرازی نے اختیار کیا ہے۔ [2] البحر ۵/۹۲ [3] تفسیر ابن الجوزی ۳/۴۹۱

عذاب قبر کے ذریعے ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ :یعنی پھر آخرت میں جہنم کے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے، جسے اللہ نے کفار اور فجار کے لیے تیار کر رکھا ہے۔ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ :یعنی کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اپنی لغزشوں کا اقرار کر لیا اور اپنے پیچھے رہ جانے پر جھوٹ موٹ کے حیلے بہانے نہیں تراشے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ [۱] فرماتے ہیں: یہ وہ مسلمان تھے جو غزوہ تبوک سے نفاق کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنی کسل مندی کی وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے۔ پھر انہیں اپنے کیے پر ندامت ہوئی اور توبہ کی۔ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا :یعنی انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں باقی غزوات میں شرکت اور جہاد سابق کو نامناسب عمل کے ساتھ ملا دیا، جو ان کا غزوہ تبوک سے اس مرتبہ پیچھے رہ جانا تھا۔ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ :یعنی شاید اللہ انہیں معاف کر دے۔ طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لفظ عسیٰ واجب ہوتا ہے، جس کا معنی ہیں: عنقریب اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرے گا۔ لیکن کلام عرب میں شاید کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ [۲] اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ :یعنی جو توبہ کرے اسے معاف کرنے والا اور جو انابت و رجوع اختیار کرے اس کے لیے بڑی رحمت والا ہے۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا :یعنی اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) جن لوگوں نے اپنی کوتاہی کا اعتراف کر لیا ہے ان سے صدقہ لو، جو انہیں لغزشوں اور کوتاہیوں سے پاک کرے اور اس صدقے کے ذریعے ان کی نیکیاں بڑھیں گی، جس سے بالآخر یہ مخلص اور نیک لوگوں کے مراتب تک جا پہنچیں گے۔

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ :......یعنی اُن کے لیے دعائے مغفرت فرمائیں، کیوں کہ آپ کی دعا و استغفار ان کے اطمینان کا باعث ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: سَكَنٌ لَّهُمْ :ان کے لیے رحمت ہے۔ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ :ان کی باتوں کو سننے والا اور ان کی نیتوں کا علم رکھنے والا ہے۔ اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ :استفہام تقریر اور تثبیت کے لیے ہے، یعنی کیا ان توبہ کرنے والوں کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے ان بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ :یعنی ان کے صدقات قبول کرتا ہے جو خاص نیت سے دیں۔ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ :یعنی اللہ تعالیٰ ہی توبہ قبول کرنے اور رحمت کرنے کا حق دار ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ (سورہ غافر، آیت ۳) وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ :امر کا صیغہ وعید کو متضمن ہے۔ یعنی جو چاہے اعمال کرو، اس واسطے کہ تمہارے اعمال اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں اور یہی اعمال قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ایمان والوں کے سامنے پیش ہوں گے۔ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ :یعنی تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، جس سے کوئی شے پوشیدہ نہیں۔ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ :یعنی تمہارے اعمال کا تمہیں بدلہ دے گا۔ اچھے ہوئے تو اچھا برے ہوئے تو برا۔ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ :یعنی پیچھے رہ جانے والوں میں سے چند لوگ وہ ہیں جنہیں اس وقت تک مؤخر کر دیا گیا ہے، جب تک ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم اور فیصلہ ظاہر نہیں ہو جاتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: وہ کعب بن مالک، مرارہ بن الربیع اور ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہم تھے۔ ان حضرات نے توبہ کرنے اور عذر پیش کرنے میں (منافقین کی طرح) جلدی نہیں کی۔ یہ بدری صحابہ تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے گفتگو کرنے اور انہیں سلام کرنے سے منع کر دیا تھا اور یوں وہ [۳] اللہ تعالیٰ کے حکم کے منتظر ہو گئے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان سے درگزر فرمایا: وہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی توبہ قبول کرتا ہے۔ اس کے علاوہ بندے کو توبہ کی توفیق کوئی نہیں دے سکتا۔ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ :یعنی اگر وہ توبہ نہ کرتے تو یا انہیں عذاب دیتا یا انہیں توبہ کی توفیق دے کر معاف کر دیتا۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ :یعنی ان کے حالات کا علم رکھنے والا اور جو برتاؤ ان سے کرے گا وہ حکمت سے خالی نہیں ہوگا۔ یہ تین حضرات جن کا تذکرہ اس آیت میں ہے۔ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا :(سورۃ التوبہ، آیت ۱۱۸) کا معاملہ پچاس دن تک موقوف رہا۔ لوگوں نے ان سے ملنا جلنا چھوڑ دیا، یہاں تک کہ ان کی توبہ کا مژدہ اور مبارکباد نازل ہوئی۔

---

[۱] الرازی ۶ / ۱۷۴ [۲] طبری ۱۱ / ۱۲ [۳] ابوالسعود ۲ / ۲۹۵

مسجد ضرار کا ذکر

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا:...... یعنی منافقین کا ایک ٹولہ ایسا ہے جو جرم کرنے کی اس حد تک پہنچ گیا کہ اس نے جمع ہونے کی ایک جگہ بنالی، جس میں یہ لوگ شر وفتن کی تدبیریں کرتے اور اس کا نام مسجد ضرار اس لیے رکھ دیا تا کہ ایمان [1] والوں تکلیف وضرر پہنچائیں اور وہ مسجد ضرار کے نام سے ہی مشہور ہوئی۔ وَّكُفْرًا: یعنی جو کفر وہ اپنے دلوں میں چھپائے بیٹھے تھے اس کی مدد کرنے کے لیے۔ وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ: اور اس کے ذریعے ایمان والوں کی جماعت میں تفرقہ اور رخنہ ڈالتے ہیں اور انہیں مسجد قبا سے ہٹاتے ہیں۔ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ: یعنی ابو عامر الفاسق کے آنے کا انتظار کرنے کے لیے جس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا: جو لوگ بھی آپ سے لڑیں گے میں ان کے ساتھ مل کر آپ سے لڑوں گا۔ اسی نے مسجد ضرار بنانے کا حکم دیا تھا تا کہ وہ اس کی شرارتوں کا اڈا بن سکے۔ ضحاک کی روایت میں طبری کا قول ہے: یہ منافقین تھے، جنہوں نے قبا میں ایک مسجد (نما عمارت) بنائی، جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے نبی اور مسلمانوں کو اذیت پہنچاتے تھے اور کہتے تھے: جب ابو عامر آئے گا تو اس میں نماز پڑھے گا (عبادت کرے گا کیوں کہ وہ نصرانی تھا) اور جب وہ آ جائے گا تو (نعوذ باللہ) وہ اور ہم محمد (ﷺ) پر غالب آ جائیں گے۔ [2]

وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى:...... یعنی وہ قسمیں کھا کر کہیں گے کہ ہمارا مقصد اس مسجد کی تعمیر سے خیر اور بھلائی ہے تا کہ مساکین پر مہربانی ہو اور نمازیوں کے لیے جگہ کشادہ ہو جائے۔ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ: یعنی اللہ تعالیٰ اس قسم خوری میں گواہ ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔ تاکید کو مزید تقویت دینے کے لیے لفظ ان اور لام کو استعمال کیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول علیہ السلام کو مسجد ضرار میں نماز پڑھنے سے روک دیا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا: یعنی اے محمد! (ﷺ) آپ کبھی اس میں نماز نہ پڑھیے گا، اس واسطے کہ اس کی بنیاد صرف منافقین کی چھاؤنی کے لیے رکھی گئی ہے۔ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى: لام قسمیہ ہے، یعنی مسجد قبا جس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے تقویٰ اور فرمانبرداری پر رکھی گئی ہے۔ مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ: جس دن سے اس کی بنیاد کا آغاز ہوا۔ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ: وہ مسجد ضرار سے زیادہ اولیٰ اور بہتر ہے کہ آپ اس میں نماز پڑھیں۔ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا: یعنی اس مسجد میں (نماز پڑھنے والے) ایسے پرہیزگار مرد ہیں۔ مراد انصار، جو گناہوں اور معصیتوں سے پاک رہنا پسند کرتے ہیں۔ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ: یعنی ظاہری، باطنی طہارت اختیار کرنے والوں کو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسجد ضرار پر مسجد تقویٰ کی فضیلت کی طرف اشارہ کیا تو فرمایا:

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ:...... استفہام انکاری ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ بھلا جو شخص اس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے تقویٰ، خوف اور اس کی رضا جوئی پر رکھے۔ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ: یہ بہتر ہے یا وہ جس نے اس کی بنیاد ایسی وادی کے کنارے پر رکھی جو گرنے کے قریب ہے؟ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ: اس نے اس عمارت کو جہنم میں گرا دیا۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ: یعنی ظالموں کو سیدھی راہ کی توفیق نہیں دیتا اور نہ ہدایت کی جانب ان کی رہنمائی کرتا ہے۔ آیت میں اہل ایمان و اخلاص اور اہل نفاق کے عمل کی تشبیہ ہے۔ مفہوم یہ ہوا، بھلا جس نے اپنے دین کی بنیاد تقویٰ اور اخلاص پر رکھی ہو وہ اس کی طرح ہو سکتا ہے، جس کی بنیاد باطل اور نفاق پر ہو، جو وادی یا پہاڑ کے اس کنارے کی مانند ہے جو گرنے والا ہے۔ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ: یعنی مسجد ضرار والوں کے دلوں میں ہمیشہ شک اور نفاق رچا بسا رہے گا اور انہیں اس کے منہدم ہونے کی وجہ سے ہمیشہ غیظ وغضب رہے گا کیوں کہ ان کا گمان تھا، اس کی تعمیر میں اس کی نیت اچھی تھی۔ روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس مسجد کو گرانے، جلانے کے لیے جو حضرات بھیجے انہیں حکم دیا کہ وہ وہاں کے منافقین کی اہانت کے لیے اس میں مردار جانور، بدبودار چیزیں اور کوڑا کرکٹ پھینکیں۔ یوں منافقین کا غم وغصہ اور کینہ دوگنا ہو گیا۔ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ: تبھی ان کے غصے کی آگ بجھ سکتی ہے کہ ان کے دل پارہ پارہ ہو جائیں اور یہ لوگ مر جائیں۔

---

[1] سبب النزول [2] الطبری ۱۱/ ۲۵

وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ:......یعنی اللہ تعالیٰ کو منافقین کے حالات کا علم ہے اور ان کی بدنیتوں کی وجہ سے وہ اس سے جو تدبیر کرے گا اور انہیں جو بدلہ دے گا وہ حکمت سے عاری نہیں ہوگا۔

بلاغت: اَلْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ:......دونوں کلمات میں طباق ہے۔ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ: ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کا استعمال قباحت وشناعت بیان کرنے میں اضافے کے لیے ہے، اصل ہے لَا يَرْضٰى عَنْهُمْ. سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ: اس میں مجاز مرسل ہے۔ یعنی انہیں پہلے ایسی جنت میں داخل کرے گا جو رحمت کی جگہ میں ہے، حال کو مطلق رکھ کر محل مراد ہے۔ عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا: اور صَالِحًا سَيِّئًا: میں طباق ہے۔ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ: اس میں تشبیہ بلیغ ہے، کیوں کہ دعا کو سکون واطمینان کی جان قرار دے کر مبالغہ کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اصل ہے "سکون کی طرح" پھر حرف تشبیہ اور وجہ تشبیہ کو حذف کر دیا، یوں بلیغ ہوگیا۔ هَارٍ فَانْهَارَ: دونوں میں جناس ناقص ہے، جس کا تعلق محسنات بدیعہ سے ہے۔ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى: کلام میں استعارہ مکنیہ ہے۔ اس لیے کہ تقویٰ اور رضوان کو ایسی سخت زمین سے تشبیہ دی ہے جس پر عمارت کی بنیاد ٹکتی ہے اور مشبہ بہ کے ذکر کو لپیٹ دیا اور اس کی طرف اس کے لوازمات میں سے کسی چیز کے ذریعے اشارہ کر دیا اور وہ بنیاد ہے۔[1]

تنبیہ:......لفظ "عسٰی" اللہ تعالیٰ کی طرف سے واجب ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں: اس بارے میں تحقیقی بات یہ ہے کہ قرآن مجید عربی کلام کے محاورے کے مطابق نازل ہوا ہے۔ بادشاہ سے جب کوئی محتاج کسی چیز کی التماس کرتا ہے تو وہ اسے عرف کے مطابق عسیٰ (قریب) یا لعل (شاید) کا لفظ استعمال کر کے ہی جواب دیتا ہے۔ جس میں اس بات کی طرف تنبیہ ہوتی ہے کہ کوئی شخص بادشاہ پر کوئی چیز لازم نہیں کر سکتا۔ بادشاہ جو کچھ بھی کرتا ہے فضل ومہربانی سے کرتا ہے۔ اس میں ایک فائدہ بھی ہے کہ مکلف کو طمع اور خوف سے رہنا چاہیے۔ اس لیے کہ یہ بھروسے اور بے کارگی سے زیادہ دور ہے۔[2] (اسباب کے بغیر بھروسہ انکال ہے اور توکل کے بغیر اہمال ہے)۔

لطیفہ:......اعمش کی روایت ہے کہ ایک دیہاتی شخص زید بن صوحان کے پاس بیٹھا تھا، وہ اپنے شاگردوں سے حدیث بیان کر رہے تھے۔ ان کا ہاتھ جنگ نہاوند میں شہید ہوگیا تھا۔ وہ دیہاتی شخص کہنے لگا: آپ کی حدیث بیانی تو مجھے اچھی لگتی ہے لیکن آپ کا ہاتھ مجھے شک میں ڈال دیتا ہے۔ تو زید بولے: تمہیں میرے ہاتھ سے کیا شک؟ یہ تو بایاں ہے۔ تو وہ کہنے لگے: اللہ کی قسم! مجھے کیا پتہ لوگ دایاں ہاتھ (چوری کی سزا میں) کاٹتے ہیں یا بایاں؟ جس پر حضرت زید رحمۃ اللہ علیہ بولے: اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا:

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ۔ (سورۃ التوبۃ، آیت ۹)

یہ اس دیہاتی کی خجالت تھی۔[3]

غزوۂ تبوک میں شرکت سے رہ جانے والے تین صحابہ رضی اللہ عنہم کی توبہ کی قبولیت

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْۤا

[1] اس آیت کے متعلق جو کچھ الشریف الرضی نے تلخیص البیان میں ص ۱۹۴ میں لکھا، اسے دیکھ لیں۔ اس میں بیان کی عمدہ مثالیں ہیں۔ [2] الرازی ۱۶/۱۷۶ [3] محاسن التاویل ۸/۳۲۳۹

أُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا
عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا
كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ
اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾ لَقَدْ
تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ
قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰٓى
اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ
اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ
رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ
صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ
وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا
كَآفَّةً ؕ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا
اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ
غِلْظَةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ
اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ
فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً
اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ؕ هَلْ
يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ
مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ

حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾

ترجمہ:...... بے شک اللہ نے مؤمنین سے اس بات کے عوض ان کی جانوں اور مالوں کو خرید لیا کہ ان کے لیے جنت ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتے ہیں جس میں قتل کرتے ہیں اور قتل کر دیے جاتے ہیں اس پر اللہ کا وعدہ ہے جو توریت، انجیل اور قرآن میں ہے، اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو پورا کرنے والا کون ہے۔ سو تم لوگ اپنی اس بیع پر خوش ہو جاؤ جس کا تم نے معاملہ کیا ہے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ ﴿۱۱۱﴾ یہ لوگ توبہ کرنے والے ہیں۔ عبادت کرنے والے ہیں، حمد کرنے والے ہیں۔ روزہ رکھنے والے ہیں، رکوع کرنے والے ہیں۔ سجدہ کرنے والے ہیں۔ نیک باتوں کی تعلیم دینے والے ہیں، اور بری باتوں سے روکنے والے ہیں اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں، اور آپ مؤمنین کو خوشخبری سنا دیجیے۔ ﴿۱۱۲﴾ نبی کو اور دوسرے مسلمانوں کو یہ جائز نہیں کہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کریں۔ اگرچہ وہ رشتہ دار ہی ہوں۔ اس بات کے ظاہر ہو جانے کے بعد یہ لوگ دوزخی ہیں ﴿۱۱۳﴾ اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے استغفار کرنا صرف اس لیے تھا کہ انہوں نے اپنے باپ سے ایک وعدہ کر لیا تھا۔ پھر جب ابراہیم پر یہ بات واضح ہو گئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے۔ بے شک ابراہیم بڑے رحم دل برداشت کرنے والے تھے۔ ﴿۱۱۴﴾ اور اللہ ایسا نہیں کرتا کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ کر دے جب تک کہ ان چیزوں کو واضح طور پر بیان نہ فرما دے جن سے وہ بچتے ہیں۔ بے شک اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے ﴿۱۱۵﴾ بے شک اللہ ہی کے لیے ہے ملک آسمانوں کا اور زمین کا، وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے اور تمہارے لیے اللہ کے سوا کوئی یار اور مددگار نہیں۔ ﴿۱۱۶﴾ بلاشبہ اللہ نے نبی پر اور مہاجرین پر اور انصار پر مہربانی فرمائی جنہوں نے اس کے بعد تنگی کے وقت میں نبی کا ساتھ دیا جبکہ ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں تزلزل ہو چلا تھا، پھر اللہ نے ان پر توجہ فرمائی۔ بلاشبہ اللہ ان پر مہربان ہے رحم فرمانے والا ہے ﴿۱۱۷﴾ اور اللہ نے ان تین شخصوں کے حال پر بھی توجہ فرمائی جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا یہاں تک کہ جب زمین اپنی فراخی کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور وہ خود اپنی جانوں سے تنگ آ گئے اور انہوں نے یقین کر لیا کہ اللہ سے بچ کر کہیں پناہ نہیں مل سکتی سوائے اس کے کہ اس کی طرف رجوع کیا جائے۔ پھر اللہ نے ان کے حال پر توجہ فرمائی تا کہ وہ رجوع کریں بے شک اللہ خوب توبہ قبول فرمانے والا ہے، اور رحم کرنے والا ہے۔ ﴿۱۱۸﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ ﴿۱۱۹﴾ مدینے والے اور ان کے آس پاس کے رہنے والے دیہات کے لوگوں کے لیے یہ زیبا نہیں تھا کہ رسول اللہ کے ساتھ جانے سے پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ بات کہ وہ رسول اللہ کو چھوڑ کر اپنی جانوں کو لے کر بیٹھ جائیں، یہ اس وجہ سے کہ انہیں جو بھی کوئی پیاس یا تھکن یا بھوک اللہ کی راہ میں پہنچتی ہے اور وہ کسی جگہ جو قدم رکھتے ہیں جس سے کافروں کو جلن ہوتی ہے اور دشمن سے جو بھی کوئی چیز لے لیتے ہیں تو اس سب کی وجہ سے ان کے لیے نیک عمل لکھا جاتا ہے۔ بلاشبہ اللہ اچھے کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔ ﴿۱۲۰﴾ اور وہ لوگ جو بھی کوئی چھوٹا بڑا خرچہ کرتے ہیں اور جس کسی میدان کو قطع کرتے ہیں تو یہ ان کے لیے لکھ لیا جاتا ہے تا کہ اللہ ان کو ان کے عمل کا اچھے سے اچھا بدلہ عطا فرمائے۔ ﴿۱۲۱﴾ اور مؤمنین کو یہ نہ چاہیے کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں، کیوں نہ نکلی چھوٹی جماعت بڑی جماعت میں سے تا کہ وہ دین میں سمجھ حاصل کریں۔ اور تا کہ یہ لوگ اپنی قوم کو ڈرائیں۔ جبکہ وہ ان کے پاس واپس آ جائیں۔ ﴿۱۲۲﴾ اے ایمان والو! ان کافروں سے قتال کرو جو تمہارے آس پاس ہیں اور وہ تمہارے اندر سختی محسوس کریں، اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ پرہیز گاروں کے ساتھ ہے ﴿۱۲۳﴾ اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس نے تم میں سے کس کے ایمان کو بڑھایا، سو جو لوگ اہل ایمان ہیں اس سورت نے ان کے ایمان کو بڑھا دیا اور وہ خوش ہوتے ہیں ﴿۱۲۴﴾ اور جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے سو اس سورت نے ان کی گندگی پر گندگی بڑھا دی۔ اور وہ اس حال میں مر گئے کہ وہ کافر ہیں۔ ﴿۱۲۵﴾ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ ہر سال ایک یا دو بار کسی نہ کسی مصیبت میں ڈالے جاتے ہیں پھر وہ رجوع نہیں کرتے اور نہ نصیحت حاصل کرتے ہیں ﴿۱۲۶﴾ اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں کہ تمہیں کوئی شخص دیکھ تو نہیں رہا، پھر چل دیتے ہیں، اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا، اس وجہ سے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو سمجھتے نہیں ہیں۔ ﴿۱۲۷﴾ بلاشبہ تمہارے پاس رسول آیا ہے، جو تم میں سے ہے۔ تمہیں جو تکلیف پہنچے وہ اس کے لیے نہایت گراں ہے وہ تمہارے نفع کے لیے حریص ہے۔ مؤمنین کے ساتھ بڑی شفقت اور مہربانی کا برتاؤ کرنے والا

ہے۔ (۱۲۸) سواگر لوگ روگردانی کریں تو آپ فرما دیجیے کہ میرے لیے اللہ کافی ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہ عرشِ عظیم کا مالک ہے۔ (۱۲۹)

ماقبل سے مناسبت:...... جب اللہ تعالیٰ نے جہاد سے پیچھے رہ جانے اور اس سے روکنے والے منافقین کے حالات ذکر کیے اور ایمان دار مجاہدین کی صفات ذکر کیں، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اپنی جانیں بیچ ڈالیں اس کے بعد اُن تین حضرات کا واقعہ ذکر کیا جو غزوہ تبوک میں شرکت سے رہ گئے تھے اور ان کی توبہ قبول کرنے کا قصہ ذکر کیا اور سورت کے اختتام پر مؤمنین کو ایک بہت بڑی نعمت کی یاد دہانی کرائی کہ سراج منیر کی بعثت، نبی عربی جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے، وہ عظیم نعمت ہیں۔

لغت: اَوَّاهٌ:...... زیادہ آہ و بکا کرنے والا، معنی ہے زیادہ خشوع وخضوع اور عاجزی کرنے والا۔ مقولہ ہے تأوہ ارجل تأوھا جب کوئی دردمند اور تکلیف زدہ ہو۔ شاعر کا شعر ہے:

اذا ما قمت ارحلها بليل   تأوه آهة الرجل الحزين [1]

''میں جب کسی رات میں اٹھ کر اس اونٹنی پہ کجاوہ کستا ہوں تو وہ غمزدہ شخص کی طرح آہ آہ کرتی ہے۔''

حَلِيْمٌ:...... بہت زیادہ بردبار وہ شخص جو گناہ سے درگزر کرے اور اذیت پر صبر سے کام لے۔ الْعُسْرَةِ: سختی، کام کی شدت، غزوہ تبوک کا ایک نام ''غزوۂ عسرۃ'' بھی ہے، کیوں کہ اس میں مشقت و سختی تھی۔ يَزِيْغُ: زیغ میلان، مقولہ ہے "زاغ قلبه" جب ہدایت اور ایمان سے ہٹ جائے۔ ظَمَاٌ: پیاس کی شدت۔ نَصَبٌ: تھکاوٹ و تکان۔ مَخْمَصَةٌ: سخت بھوک، جس سے پیٹ کی کمزوری ظاہر ہونے لگے۔ يَنَالُوْنَ: حاصل کریں گے پائیں گے۔ مقولہ ہے: نال الشيء: جب وہ اسے پالے اور حاصل کرلے۔ غِلْظَةً: سختی، قوت اور حفاظت۔ عزیز: صعوبت و مشقت اٹھانے والا۔ عَنِتُّمْ: سختی و مشقت کو عنت کہا جاتا ہے۔

سبب نزول:...... لیلہ عقبہ میں انصار جن کی تعداد ستر تھی نے جب رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: اللہ کے رسول! اپنے لیے اور اپنے رب کے لیے جو شرط طے کرنا چاہیں کرلیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: میں اپنے رب کے لیے یہ شرط عائد کرتا ہوں کہ تم بس اسی کی عبادت کرو، کسی چیز کو اس کا شریک نہ بناؤ اور اپنے لیے یہ شرط لگاتا ہوں کہ جس چیز سے تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کو روکتے ہو، مجھے بھی روکو گے۔ جس پر وہ عرض کرنے لگا: جب ہم ایسا کرلیں گے تو ہمیں کیا ملے گا؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: جنت۔ تو سب حضرات کہنے لگے: فائدہ مند سودا ہے۔ نہ ہم توڑیں گے اور نہ توڑنے کی درخواست کریں گے، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (۱۱۱) [2]

جب ابوطالب کی وفات کا وقت ہوا تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے۔ اس وقت ان کے پاس ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بیٹھے تھے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: چچا جان! لا الہ الا اللہ کہہ لیں تاکہ میں اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کے لیے گواہی دے سکوں۔ آپ لگاتار ان سے یہی بات کہتے رہے، یہاں تک ابوطالب نے آخری الفاظ یہ کہے کہ وہ عبدالمطلب کے طور طریقے پر ہیں اور لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کردیا جس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! جب تک مجھے روکا نہ گیا میں آپ کے لیے استغفار کرتا رہوں گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ: اور یہ آیت اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ [3]

جنت کے بدلہ اہل ایمان کی جانوں کا سودا

تفسیر: اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ:...... یعنی جنت کے بدلے ایمان والوں کی جانیں اور ان کے

[1] البحر ۵/ ۸۸ [2] زاد المسیر ۳/ ۵۰۴ [3] اخرجہ مسلم

اموال خرید لیے۔ یہ انتہائی بلند درجہ کی بلاغت و بیان میں مجاہدین کے اجر کی تمثیل ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان کے اجر وثواب کو جنت کے ساتھ مثال بنا کر بیان کیا ہے کیوں انہوں نے اپنے اموال اور اپنی جانیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرید وفروخت کی صورت میں صرف کی ہیں۔حسن فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ان سے بیع وشرا کا معاملہ کیا اور ان کے لیے ثمن [1] (قیمت) کو گراں کر دیا۔ دیکھو اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی جانیں تو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیں اور اموال انہیں بخشے، پھر انہی کو سونپ دیے اور پھر ان سے اس گران ثمن کے بدلے خرید لیں۔ بے شک یہ نفع بخش سودا ہے۔بعض کا قول ہے: کیا ہی مبارک ہے وہ بیع جس میں بیچنے والا مؤمن اور خریدار رب العزت ہے اور قیمت جنت ہے اور تحریری دستاویز آسمانی کتابیں اور واسطہ حضرت محمد ﷺ ہیں: يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کو غالب کرنے اور اس کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے جہاد کرتے ہیں۔فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ: یعنی کامیابی کی دونوں حالتوں میں خواہ قتل کر کے دشمن پر غلبہ پا کر یا معرکہ میں شہادت کی موت پانے کی صورت میں۔وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا: یعنی ان سے مولیٰ تعالیٰ نے پکا وعدہ کر رکھا ہے۔فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ: ایسا وعدہ جو کتب سماویہ تورات، انجیل اور قرآن میں ثابت ہے۔وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ: استفہام انکاری ہے جو نفی کے معنی میں ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی وفا کرنے والا نہیں۔زمخشری کا قول ہے: کیونکہ وعدہ خلافی بری بات ہے، جس کا اقدام شریف لوگ نہیں کرتے۔تو اس ذات سے اس کا صدور کیسے ہوسکتا ہے جو غنی ہے؟ آپ کو جہاد کے بارے میں اس سے بہترین اور بلیغ [2] ترغیب نہیں ملے گی۔فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ: یعنی یہ جو معاملہ تم نے کیا ہے جو انتہائی سودمند اور نفع بخش ہے۔اس پر حد سے زیادہ خوشی مناؤ اور بشارت پاؤ۔وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ: یعنی یہ ایسی کامیابی جس سے بڑھ کر کوئی کامیابی و کامرانی نہیں۔

ایمان والے کون لوگ ہیں اور ان کے انعام کے بارے میں

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ: ...... جملہ مستانفہ (نیا کلام) ہے۔زجاج فرماتے ہیں: یہ مبتدا ہے جس کی خبر محذوف ہے، یعنی ایسے تائب وعبادت گزار جنتی ہیں اگر چہ انہوں نے جہاد نہیں کیا۔جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى (سورۃ النساء، آیت ۹۵) معنی ہوا، گناہوں سے توبہ کرنے والے، عبادت میں اخلاص اختیار کرنے والے، تنگی وخوشحالی میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرنے والے۔السَّآئِحُوْنَ: یعنی غزوے یا طلب علم کے لیے زمین میں چلنے والے، سیاحت سے زمین میں پند ونصیحت اور غور وفکر کے لیے مختلف شہروں اور ویران علاقوں کا سفر کرنا۔[3] الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ: یعنی نماز پڑھنے والے۔الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ: یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے، لوگوں کو رشد وہدایت کی دعوت دیتے اور انہیں فساد انگیزی اور ہلاکت سے روکتے ہیں۔وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ: یعنی اللہ تعالیٰ کے فرائض کی حفاظت کرنے والے، اللہ تعالیٰ نے شریعت کے جو حلال وحرام احکام بیان کیے ہیں، انہیں مضبوطی سے تھامنے والے ہیں۔طبری فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے فرائض کو ادا کرنے والے، اس کے امر ونہی تک پہنچنے والے۔وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ: یعنی انہیں نعمتوں والی جنتوں کی بشارت دے دو جس چیز کی بشارت دی گئی وہ محذوف ہے، جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ دائرہ شمار سے باہر ہے، بلکہ ان کے لیے ایسی نعمتیں ہیں، جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل میں ان کا خیال ہے۔

مشرک کے لیے استغفار کرنا جائز نہیں چاہے وہ باپ ہی کیوں نہ ہو

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ: یعنی نبی ﷺ اور ایمان والوں کے لیے مناسب اور صحیح نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے

---

[1] الطبری ۱۱/۵ [2] الرازی ۱۶/۱۹۹ [3] بعض نے سائحون کا ترجمہ صائمون روزہ دار کیا ہے۔عطا فرماتے ہیں: وہ جہاد کرنے والے ہیں۔ابن زید کا قول ہے: وہ ہجرت کرنے والے ہیں اور جو تفسیر ہم نے اختیار کی ہے اُسے امام رازی رحمہ اللہ نے راجح قرار دیا ہے۔آیت کریمہ کی تفسیر کے لیے یہ بہتر ہے۔اس پر یہ آیت بھی دلالت کرتی ہے۔فسیحوا فی الارض۔واللہ اعلم

اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں۔ وَلَوْ كَانُوٓا اُولِىْ قُرْبٰى: یعنی اگر چہ وہ مشرکین رشتہ دار ہوں۔ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ: یعنی انہیں اُس کی وضاحت ہو چکی کہ وہ جہنمی ہیں، کیوں کہ انہیں کفر پر موت آئی۔ یہ آیت ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی۔ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ: یہ اس سبب کا بیان ہے، جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے والد آزر کے لیے استغفار کرنے پر ابھارا۔ یعنی ابراہیم نے استغفار کا اقدام صرف اس لیے کیا تھا۔ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ: کیوں کہ انہوں نے اپنی اس بات سے سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّىْ: ایک وعدہ کر لیا تھا جو پہلے ہو چکا تھا اور یہ وعدہ آزر کے شرک پر جمے رہنے سے پہلے ہوا تھا۔ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ: یعنی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر یہ عیاں ہو گیا کہ ان کا والد کفر پر ڈٹا اور جما ہوا ہے تو پوری طرح اس سے دست بردار ہو گئے، چہ جائے کہ اس کے لیے استغفار، پھر اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جس چیز نے استغفار پر ابھارا وہ ان کی اپنے والد سے حد درجہ صلہ رحمی اور اس سے تعلق نہ ختم کرنا تھا۔ چنانچہ ارشاد ہے: اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ: یعنی نرم دلی اور بے حد رحم کی وجہ سے بڑے آہ و بکا کرنے والے تھے۔ حَلِيْمٌ یعنی جو اذیتیں انہیں پہنچیں، اُن پر صبر کرنے والے تھے۔ اسی بنا پر انہوں نے اپنے والد سے درگزر کیا، باوجود یکہ اس نے آپ کو یہ دھمکی بھی دی تھی کہ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ (سورہ مریم، آیت ۴۶) لہٰذا کوئی اس بارے میں اس کا اسوہ اور طرز نہ اپنائے۔

ابوحیان فرماتے ہیں: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد کے لیے استغفار کرنا اقتدا کے درجے میں تھا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اپنے والد کے لیے استغفار کرنے کی علت اور وجہ بیان کر دی جو ایک وعدے کی بنا پر تھا جو انہوں نے اس سے کیا تھا، کیوں کہ انہیں اس کے ایمان کی امید تھی، لیکن جب ان پر بذریعہ وحی یہ کھلا کہ وہ تو اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے اور کفر پر مرے گا تو آپ علیہ السلام کی امید ختم ہو گئی، پھر اس سے دست بردار ہو گئے اور استغفار کرنا چھوڑ دیا۔[1] وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا: یہ آیت ان مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی، جنہوں نے مشرکین کے لیے استغفار کیا تھا۔ اس سے وہ خوفزدہ ہو گئے تو یہ آیت انہیں تسلی دینے کے لیے نازل ہوئی۔[2] یعنی اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ کسی قوم کے بارے میں گمراہی کا فیصلہ کر دے۔ بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ: یعنی جب انہیں ایمان کی توفیق دے چکا۔ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ: یہاں تک کہ ان سے ان باتوں کو بیان نہ کر دے، جن سے وہ اجتناب کریں۔ پھر اگر وہ ممانعت اور نہی کے بعد بھی مخالفت کریں تو اس وقت سزا کے مستوجب اور حق دار ہوں گے۔ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ: یعنی تمام اشیا کا علم رکھنے والا ہے۔ اسی طرح وہ یہ بھی جانتا ہے۔ کون ہدایت کا اور کون گمراہ کیے جانے کا مستحق ہے۔

زمین وآسمان کی بادشاہت اور موت وحیات کا مالک کون؟

اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: ...... یعنی اس کے لیے زمین وآسمان اور ان دونوں کی بادشاہت ہے۔ ان میں بسنے والے اس کے غلام اور مملوک ہیں۔ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ: یعنی صرف اسی کے ہاتھ ان کی موت وحیات ہے۔ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ: یعنی لوگو! تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں، جس کی تم پناہ لو یا جس پر اعتماد کرو۔ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے انہیں مشرکین کے لیے استغفار کرنے سے منع فرمایا، اگر چہ وہ رشتہ دار ہی ہوں، جس کے ضمن میں ان سے دست بردار ہونا بھی ہے تو ان سے یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر موجود (وجود رکھنے والی چیز) کا مالک ہے اور اس کے معاملے کا ذمے دار ہے۔ اس پر غالب ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ولایت و مدد حاصل ہوگی، تاکہ وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو جائیں اور اس کے سوا سے بری اور دستبردار ہو جائیں۔ صرف اسی کا قصد کریں۔[3]

صحابہ رضی اللہ عنہم کی مغفرت دنیا ہی میں ہوگی

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ: ...... یعنی اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات کو معاف کیا کہ انہوں نے منافقین کو پیچھے رہ جانے کی اجازت دی اور مہاجرین کی توبہ اس طرح قبول کی کہ غزوہ تبوک میں کسی کے منہ سے ایسے الفاظ نکل گئے تھے جو بارگاہ الٰہی میں ناپسند

---

[1] البحر المحیط ۵/۱۰۵ [2] التسہیل ۲/۸۶ [3] روح المعانی ۱۱/۳۹

تھے، جس کی وجہ سے بعض نے تاخیر کی اور کچھ جہاد سے جی چرانے لگے۔ غرض ان مؤمنین کی توبہ قبول ہوئی جو غزوہ تبوک سے رہ گئے تھے۔ پھر انہوں نے توبہ اور انابت کی۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی سچائی معلوم تھی، اس لیے ان کی توبہ قبول کی۔ توبہ کا آغاز اپنے رسول ﷺ اور آپ کے اکابر صحابہ سے کیا تا کہ ان کی دلجوئی اور ان کی شان بڑھے اور ایمان والوں کو توبہ کی رغبت دلانے کے واسطے ایسا کیا۔ اس لیے کہ ہر صاحب ایمان توبہ واستغفار کا محتاج ہے، یہاں تک کہ نبی کریم اور مہاجرین وانصار بھی۔ [1]

الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ :...... یعنی گرمی کی سخت شدت میں ان مؤمنین نے غزوہ تبوک میں آپ علیہ السلام کے حکم کی پیروی کی۔ ایک طرف زادسفر کی کمی، دوسری جانب سخت تنگی۔ طبری حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرتے ہیں: فرمایا: ہم رسول اللہ ﷺ کی معیت میں غزوہ تبوک کے لیے روانہ ہوئے۔ اس وقت سخت گرمی پڑ رہی تھی۔ ہم نے ایک جگہ پڑاؤ کیا، جہاں ہمیں سخت پیاس لگی۔ ایسا لگتا تھا کہ ہماری گردنیں ڈھلک کر گر پڑیں گی۔ حالت یہ تھی کہ بعض لوگوں نے اپنے اونٹ ذبح کر کے ان کی اوجھیں نچوڑ کر پی رہے تھے۔ یہ عالم دیکھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھلائی مانگنے کا عادی بنایا، سو آپ ہمارے دعا فرمایئے! آپ علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم یہ چاہتے ہو؟ عرض کی: جی ہاں؟ چنانچہ آپ ﷺ نے ہاتھ بلند کیے۔ ابھی ہاتھ نیچے بھی نہیں کیے تھے کہ آسمانی بندھن کھل گئے۔ ایسی بارش ہوئی کہ لوگوں کے پاس جو برتن تھے انہوں نے پانی سے بھر لیے۔ ہم واپس آئے تو وہ ہمیں نظر نہ آیا۔ لشکر کوچ کر چکا تھا۔ [2] مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ : یعنی قریب تھا بعض کے دل حق سے ہٹ کر شک کی دلدل میں آلودہ ہو جاتے، کیوں کہ انہیں تنگی اور سختی کا سامنا تھا۔ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ : پھر جب وہ نادم و پشیمان ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حق پر ثابت قدم رہنے کی توفیق بخشی۔ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ : یعنی مہربان اور ایمان والوں پر رحم کرنے والا ہے۔ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا : یعنی اسی طرح ان تین کی توبہ قبول کی جو غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے۔ وہ کعب، ہلال اور مرارہ تھے۔ [3]

حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ :...... یعنی زمین باوجود کشادگی کے ان پر تنگ ہوگئی۔ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ : یعنی جو غم و پریشانی انہیں لاحق ہوئی تو ان کی اپنی جانیں بھی تنگ ہونے لگیں کہ ان میں انس وسرور کی گنجائش نہ تھی۔ جس کی وجہ یہ بنی کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے قطع تعلقی کا اعلان کر دیا تھا۔ پھر ان کے قریب سے قریب تر شخص بھی سلام کا جواب نہ دیتا تھا۔ اُن کی بیویوں اور بچوں نے ان سے علیحدگی اختیار کر لی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی۔ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ : یعنی انہیں یقین ہو گیا کہ اب اللہ تعالیٰ اور اس کے عذاب سے بچاؤ کا ذریعہ صرف اس کی طرف رجوع اور انابت ہی ہے۔ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا : یعنی ان کی توبہ قبول کی اور ان پر رحمت کی تا کہ وہ توبہ پر قائم رہ کر ہمیشگی اختیار کریں۔ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ : یعنی بے حد توبہ قبول کرنے والا ہے۔ اگر چہ جرائم کتنے ہی زیادہ اور بھاری ہوں، بندوں پر خصوصی رحمت کرنے والا ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ : یعنی اپنے تمام افعال واقوال میں اللہ تعالیٰ کو حاضر وناظر جانو اور سچے اور یقین والوں کے ساتھ رہو! جنہوں نے دنیا میں نیت، قول اور عمل میں سچائی سے کام لیا۔

غزوۂ تبوک سے رہ جانے والوں پر عتاب

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ :...... غزوہ تبوک سے رہ جانے والوں پر عتاب ہے، یعنی اہل مدینہ اور ان کے آس پاس کے دیہاتی لوگوں کے لیے صحیح و درست نہیں کہ وہ غزوات میں رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دیے بغیر پیچھے رہ جائیں۔ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ : یعنی وہ آپ کی ذات سے تغافل نہ برتیں۔ اپنے لیے مشکلات کو ناپسند سمجھیں اور ان کے لیے ناپسند نہ سمجھیں بلکہ انہیں چاہیے ان پر اپنے دل وجان قربان کر دیں اور جو جو مصائب ومشکلات وہ جھیلتے ہیں یہ بھی جھیلیں۔ زمخشری کا قول ہے: انہیں حکم دیا گیا کہ وہ تنگی وخوشحالی میں آپ ﷺ کا ساتھ نہ چھوڑیں اور جن مشکلات کا سامنا آپ نے کیا ہے، یہ بھی کریں۔ اس بات کو جانتے ہوئے کہ آپ کی ذات اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت اہم اور عزت مند ہے۔ ایسا نہ ہو کہ جو تکالیف آپ برداشت کریں ان کی برداشت میں یہ لوگ بخل کریں۔ یہ بلیغ نہی اور آپ علیہ السلام کی پیروی کی ترغیب ہے۔ [4]

---

[1] الکشاف ۲ / ۳۱۶ [2] الطبری ۱۱ / ۵۵ [3] ان کا واقعہ صحیح بخاری کتاب المغازی اور طبری ۱۱ / ۵۸ میں دیکھیں۔ [4] الکشاف ۲ / ۳۲۱

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ:...... پیچھے رہ جانے سے نہی اس وجہ سے ہے کہ انہیں نہ اس پیاس کی شدت محسوس ہوئی۔ وَّلَا نَصَبٌ: اور نہ تکان۔ وَّلَا مَخْمَصَةٌ: اور بھوک کی سختی۔ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: یعنی جہاد کے راستے میں وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا: یعنی کفار کی زمین میں سے کسی علاقے کو اپنے پاؤں یا اپنی سواریوں کے پاؤں سے نہیں روندتے۔ يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ: یعنی کفار کو اس روندنے سے غصہ آتا ہے۔ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا: اور یہ اپنے دشمنوں کو قتل، قید یا تھوڑی بہت شکست نہیں دیتے۔ اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ: مگر یہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی قربت و نزدیکی کا ذریعہ ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ: یعنی جو نیک اعمال کرتے ہیں، ان کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کھجور یا اس سے کم درجہ شے۔ وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا: آتے جاتے جہاد کے لیے جو زمین وہ پار کرتے ہیں۔ اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ: تو اس کے لیے اس کا اجر ثابت کر دیا جاتا ہے۔ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ: تاکہ انہیں ہر عمل کی، ان کے سب سے اچھے عمل کی جزا دے۔ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس مفہوم کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ ان کے اعمال کا اچھا بدلہ اور بہترین بدلہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کے لیے اچھا بدلہ پسند کیا ہے۔[1]

ہر ایک مسلمان کا غزوہ میں جانا ضروری نہیں

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً:...... یعنی سب ایمان والوں کا غزوات کے لیے نکل جانا مناسب نہیں۔[2] کیوں کہ ان کی وجہ سے شہر خالی ہو جائیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب پیچھے رہ جانے والوں پر سختی کی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: اب ہم میں سے کوئی بھی کسی غزوے اور سریے سے نہیں رہے گا۔ پھر جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ آئے اور کفار سے نبرد آزما ہونے کے لیے سرایا بھیجے تو تمام مسلمان جہاد کے لیے نکل پڑے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تنہا رہ گئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔[3] فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ: یعنی جب تمام لوگوں کا جہاد کے لیے نکلنا ممکن نہ ہو اور اس میں مصلحت بھی نہ ہو تو ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ ہر بڑی جماعت سے ایک گروہ نکل پڑے۔ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ: تاکہ وہ دین کی سمجھ رکھنے والے ہو جائیں اور علم کی طلب میں مشقتوں کو برداشت کریں۔ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ: یعنی وہ اپنی قوم کو ڈرائیں اور ان کی راہنمائی کریں جب وہ غزوات سے لوٹ کر ان کے پاس آئیں۔ شاید وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے اس کے اوامر کی بجا آوری اور اس کی ممنوع چیزوں سے اجتناب کر کے ڈریں۔ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ بظاہر لِيُنْذِرُوْا کی جگہ لِيَعْلَمُوْا اور يَحْذَرُوْنَ کی جگہ یفقھون ہونا چاہیے تھا لیکن عظیم کلام میں اس اسلوب کو اختیار کیا گیا ہے جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مناسب یہ ہے کہ معلم کی غرض رہنمائی اور ڈرانا ہو اور طالب علم کی غرض خشیت حاصل کرنا ہو نہ کہ غرور و تکبر۔[4]

قتال کا آغاز کن لوگوں سے کیا جائے؟

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ:...... یعنی اپنے قریب کے کافروں سے قتال کرو اور اپنا ماحول مشرکین کی گندگی سے پاک کرو پھر دوسروں کی طرف رخ کرو۔ غرض ان کی زیادہ درست اور مصلحت والے راستے کی طرف راہنمائی کرنا ہے۔ وہ یہ ہے کہ پہلے قریب پھر اس کے قریب سے آغاز کریں یہاں تک کہ دور سے دور تک پہنچ جائے۔ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً: یعنی ان کفار کو تمہاری طرف سے اپنے خلاف سختی محسوس ہو۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ: اور جان رکھو کہ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، اللہ تعالیٰ مدد و نصرت کے ذریعے اس کے ساتھ ہے۔ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ: یعنی جب قرآن کی کوئی سورت۔ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا: یعنی ان منافقین میں سے کچھ لوگ بطور استہزا و مزاح یہ کہتے ہیں: اس آیت سے کس کا ایمان بڑھا؟ قرآن کی تحقیر کے طور پر گویا وہ یوں کہتے ہیں کہ تعجب ہے اس میں اور اس میں کیا دلیل ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا: یعنی ایمان والوں کی تصدیق میں اضافہ ہوتا ہے۔ وہ اس طرح کہ جب کسی سورت کے نازل ہونے کے وقت ان کی سامنے نئے دلائل و براہین تازہ ہوتے رہتے ہیں۔ وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ: یعنی وہ اس کے نازل ہونے پر شاداب و فرحاں ہوتے ہیں، کیوں کہ جب بھی قرآن کی کوئی آیت نازل ہوتی ہے تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ: یعنی رہے، جن

---

[1] روح المعانی ۱۱/ ۴۷ [2] بعض کا قول ہے: اس سے مراد ہے کہ وہ حصول علم کے لیے نکلیں۔ [3] الرازی ۱۶/ ۲۲۵ [4] روح المعانی ۱۱/ ۴۸

کے دلوں میں نفاق اور اللہ کے دین میں شک کی بیماری ہے۔ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰی رِجْسِهِمْ :تو ان کا نفاق دگنے سے چگنا اور کفر بڑھ جاتا ہے۔ یوں جس گندگی اور گمراہی میں وہ تھے، وہ اس میں اور بڑھ جاتے ہیں۔ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ :اور کفر پر مرجاتے ہیں۔ اَوَلَا یَرَوْنَ اَنَّهُمْ یُفْتَنُوْنَ فِیْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَیْنِ : ہمزہ انکار اور توبیخ کے لیے ہے۔ یعنی کیا ان منافقوں کو نظر نہیں آتا کہ ہر سال ایک یا دو بار جب ان کے بارے میں وحی نازل ہوتی ہے تو ان کے بھید افشاں ہوجاتے ہیں۔ ثُمَّ لَا یَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ یَذَّكَّرُوْنَ: پھر بھی یہ اس نفاق سے نہیں ہٹتے ،جس میں مبتلا ہیں اور عبرت حاصل نہیں کرتے۔ وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ ؕ هَلْ یَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا :یعنی جب قرآن پاک کی کوئی ایسی سورت نازل ہوتی ہے جس میں منافقین کا عیب ہو اور وہ نبی کریم ﷺ کی مجلس میں موجود ہوں تو ایک دوسرے کو دیکھ کر کہتے ہیں: کسی مسلمان نے تمہیں دیکھا ہے تاکہ ہم یہاں سے کھسک جائیں، کیوں کہ ہمیں اس کے سننے کا یارا نہیں۔ وہ ہماری رسوائی کر رہے ہوں پھر یہ لوگ اُٹھ کر چلے جاتے۔ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ :جملہ بددعائیہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کے دل ہدایت وایمان سے پھیر دے۔

بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ:......کیوں کہ یہ لوگ حق کو نہیں سمجھ پاتے اور نہ غور وفکر کرتے ہیں۔ یہ تو بے وقوف وغافل ہیں۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ :یعنی اے ایمان والو! تمہارے پاس عظیم الشان رسول تمہاری جنس میں سے عربی، قریشی تشریف لایا ہے جو تم تک اللہ کا پیغام لایا ہے۔ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ : یعنی تمہیں جو تکلیف پہنچتی ہے وہ ان پر گراں گزرتی ہے۔ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ :یعنی تمہاری ہدایت کے بڑے حریص ہیں۔ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ :یعنی ایمان والوں پر مہربان اور گناہگاروں پر شفقت کرنے والے، بہت زیادہ شفقت ورحمت والے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے اسما میں سے دوناموں سے موسوم کیا ہے۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ :یعنی اے محمد (ﷺ)! یہ لوگ آپ پر ایمان لانے سے اعراض کریں تو آپ کہہ دیجیے: میرا رب میرے لیے کافی ہے۔ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ :اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ :اس پر میرا اعتماد ہے۔ اس کے سوا نہ مجھے کسی سے امید ہے اور نہ کسی کا خوف اور وہ اس عرش کا مالک ہے جو ہر چیز کو احاطہ کیے ہوئے ہے، کیوں کہ وہ سب چیزوں سے بڑا ہے، جس کی عظمت کی مقدار اللہ ہی جانتا ہے۔[1]

بلاغت :اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی:......استعارہ طبعیہ ہے۔ ان کے اموال اور جانوں کے خرچ کرنے اور اس کا بدلہ جنت کے ذریعے دینے کو خرید وفروخت سے تشبیہ دی۔ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ :اس میں جناس ناقص ہے، کیوں کہ شکل وصورت میں دونوں لفظ مختلف ہیں اور اس کا تعلق محسنات بدیعہ سے ہے۔ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ :یعنی نماز ادا کرنے والے اس میں مجاز مرسل ہے۔ جز بول کر کل مراد ہے۔ رکوع اور سجدے کو ذکر کرنے میں اس لیے مخصوص کیا ہے کہ یہ دونوں اشرف ہیں۔ وہ جس حالت میں بندہ اپنے رب کے زیادہ نزدیک ہوتا ہے، وہ سجدے کی حالت ہے۔[2] وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ :ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو لانے میں ان کا اہتمام اور عزت ہے۔ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ :دونوں میں جناس اشتقاق ہے۔ لِیُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ :دونوں میں طباق ہے۔ اسی طرح یُحْیٖ وَیُمِیْتُ :اسی طرح ضَاقَتْ عَلَیْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ :میں۔ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ :مبالغے کے صیغے ہیں۔ یَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا :جناس اشتقاق ہے، اسی طرح یَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّیْلًا :میں۔ صَغِیْرَةً وَّلَا كَبِیْرَةً :طباق ہے۔ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰی رِجْسِهِمْ : تلخیص البیان میں فرماتے ہیں: نہ سورت گندگی میں اضافہ کرتی ہے نہ دلوں کی بیماری بڑھتی ہے بلکہ یہ تو سینوں کے لیے شفا اور دلوں کے لیے جلا ہے، لیکن منافقین جب اس کے نازل ہونے کے وقت اندھے پن میں بڑھ گئے تو بہتر یہ تھا کہ اس بات کو بطور استعارہ سورت کی طرف مضاف کیا جائے۔

تنبیہ :......روایت ہے کہ حضرت ابوخیثمہ انصاری رضی اللہ عنہ اپنے باغات میں پہنچے۔ ان کی ایک خوبصورت بیوی تھی۔ اس نے سائے میں ان کے لیے جگہ بنا کے چٹائی بچھائی اور ان کے سامنے تازہ کھجوریں اور ٹھنڈا پانی رکھا۔ وہ دیکھ کر فرمانے لگے: گھنا سایہ، پکی کھجوریں، ٹھنڈا پانی اور خوبصورت بیوی (جیسی نعمتیں میرے پاس ہیں) جب کہ رسول اللہ ﷺ گرمی اور لُو میں ہیں، یہ تو بہتر نہیں۔ آپ اٹھے، اپنی اونٹنی پر کجاوہ کسا، اپنی تلوار اور نیزہ لیا اور تیز ہوا کی طرح چل پڑے۔ ادھر رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ کوئی سوار ہے، جس کے پیچھے گرد اڑ رہی ہے۔ آپ ﷺ نے دیکھ کر فرمایا: ہو نہ ہو! ابوخیثمہ ہیں۔ چنانچہ وہی تھے۔ رسول اللہ ﷺ انہیں دیکھ کر مسرور ہوئے اور ان کے لیے استغفار کیا۔ (سورہ توبہ اختتام پذیر ہوئی)

---

[1] زاد المسیر ۳/۵۲۱ [2] تلخیص البیان ۱۵۲

سورۂ یونس

تعارف:......سورت یونس ان سورتوں میں سے ہے، جن میں اسلامی عقیدے کے اصول پر توجہ دی گئی ہے۔یعنی ایمان باللہ، کتابوں پر ایمان، رسولوں پر ایمان، مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے پر ایمان اور قیامت کے دن جزا پر ایمان، البتہ باقی سورتوں سے یہ اس طرح ممتاز ہوتی ہے کہ اس میں آسمانی پیغامات کی طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ دی گئی ہے اور قرآن عظیم جو آخری کتاب ہے اور دائمی معجزہ ہے، پر ایمان لانے پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔

اس سورت میں رسالت اور رسول کے متعلق ابتدا میں بات کی گئی ہے اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ رسالت اولین وآخرین کی سنت اور طریقہ ہے۔ چنانچہ ہر امت کی طرف اللہ نے پیغمبر مبعوث کیا، لہٰذا مشرکین کے لیے کوئی داعیہ نہیں کہ وہ خاتم المرسلین کی بعثت پر تعجب کریں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ

کیا لوگوں کو تعجب ہوا کہ ہم نے انہی میں سے ایک شخص کو حکم بھیجا کہ لوگوں کو ڈرسنا دو۔ (سورہ یونس، آیت۲)

پھر اس کے بعد آیات میں الوہیت (خدائی) اور عبودیت (بندگی) کی حقیقت بیان کی گئی ہے اور خالق ومخلوق کے درمیان تعلق بیان کیا گیا ہے۔لوگوں کو برحق رب کا تعارف کروایا گیا ہے کہ وہی بندگی کا حقدار ہے اور وہی سجدے کا اہل ہے۔وہی اکیلا خالق ورازق ہے۔وہی زندہ کرنے والا اور مارنے والا ہے۔وہی صاحب تدبیر وحکمت ہے۔اس کے سوا سب کچھ باطل اور دھوکا ہے۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ

تمہارا رب اللہ ہی، جس نے چھ دنوں میں آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ (سورہ یونس، آیت۳)

سورت میں رسالت اور قرآن کے متعلق مشرکین کا موقف بھی بیان کیا گیا ہے اور ذکر کیا گیا ہے کہ قرآن دائمی معجزہ ہے جو نبی امی کی صداقت پر دلالت ہے۔ چنانچہ مشرکین کو چیلنج دیا گیا کہ وہ اس قرآن جیسی کوئی سورت پیش کردیں، لیکن وہ کمال فصاحت وبلاغت کے باوجود اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز رہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۳﴾

کیا (مشرکین) کہتے ہیں کہ اس قرآن کو اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے، کہہ دیجیے: اس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں پیش کردو اور اگر تم سچے ہو تو اللہ کے علاوہ جو تم سے ہوسکیں انہیں بھی ساتھ بلالو۔ (سورہ ہود، آیت۱۳)

سورت میں لوگوں کو خدائی صفات سے آگاہ کیا گیا ہے اور اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور رحمت کے آثار اور اس کی تدبیر وحکمت پر دلائل ذکر کیے گئے ہیں اور یہ کائنات اس کی قدرت باہرہ کا مظہر ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے وجود پر واضح برہان ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ (سورہ یونس، آیت۳۱)

یہ اس سورت کا اہم قضیہ ہے جو سورت کا محور ہے اور یہی اللہ کی یکتائی کا موضوع ہے۔سورت میں اس پر مختلف عقلی ونقلی دلائل پیش کیے گئے ہیں۔سورت میں بعض انبیا کے قصے بھی بیان کیے گئے ہیں۔ چنانچہ نوح علیہ السلام کا قصہ، موسیٰ علیہ السلام کا قصہ جو فرعون کے ساتھ پیش آیا اور یونس علیہ السلام کا قصہ اور اسی پر سورت کا نام بھی ہے اور یہ سارے قصے ظالموں کی ہلاکت کے متعلق سنت اللہ کا درجہ رکھتے ہیں اور ان میں مؤمنین کی نصرت بھی ہے۔

سورت کا اختتام شریعت کو مضبوطی سے پکڑنے اور صبر کا دامن تھامنے سے رکھنے کی تاکید کے ساتھ ہوا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ (سورہ ہود، آیت۱۰۹)

سورت کا نام "سورہ یونس" ہے۔ کیوں کہ سورت میں یونس علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا گیا ہے۔ یونس علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل ہوا چاہتا تھا، لیکن اٹھالیا گیا اور یہ یونس علیہ السلام کی قوم کی خصوصیت ہے۔ انہوں نے صدق دل سے توبہ کی اور ایمان لائے اور ان سے عذاب اٹھالیا گیا۔

اٰيَاتُهَا ۱۰۹ — سُوْرَةُ يُوْنُسَ مَكِّيَّةٌ (۱۰) (۵۱) — رُكُوْعَاتُهَا ۱۱

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿۱﴾ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲﴾ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳﴾ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۴﴾ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۵﴾ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ﴿۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ﴿۷﴾ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۹﴾ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ؕ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ

بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَاۤ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَاۤ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّاۤ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۲۰﴾

ع ۲

ترجمہ:......الٓرٰ یہ آیات ہیں کتاب حکیم کی، ① کیا لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے انہیں میں سے ایک شخص کی طرف وحی بھیجی کہ لوگوں کو ڈرایئے اور ان لوگوں کو بشارت دیجیے جو ایمان لائے یہ کہ ان کے رب کے پاس بڑا مرتبہ ہے۔ کافروں نے کہا کہ بے شک یہ کھلا جادوگر ہے۔ ② بلاشبہ تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا پھر وہ عرش پر مستوی ہوا، وہ ہر کام کی تدبیر فرماتا ہے اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش کرنے والا نہیں، وہ اللہ تمہارا رب ہے سو تم اس کی عبادت کرو، کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ ③ اسی کی طرف تم سب کو لوٹ جانا ہے، اس نے سچا وعدہ کر رکھا ہے بلاشبہ وہی مخلوق کو ابتداء، پیدا فرماتا ہے پھر وہ اسے دوبارہ لوٹا دے گا تاکہ وہ ان لوگوں کو انصاف کے ساتھ بدلہ دے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے، اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے پینے کو کھولتا ہوا پانی اور دردناک عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ کفر کرتے تھے۔ ④ اللہ وہ ہے جس نے سورج کو روشنی بنایا اور چاند کو نور بنایا، اور اس کے لیے منزلیں مقرر فرما دیں تاکہ تم برسوں کی گنتی جان لو اور حساب کو معلوم کر لو، یہ چیزیں اللہ نے حق ہی کے ساتھ پیدا فرمائی ہیں، وہ جاننے والوں کے لیے تفصیل کے ساتھ نشانیاں بیان فرماتا ہے۔ ⑤ بے شک رات اور دن کے ایک دوسرے کے بعد آنے جانے میں اور جو کچھ اللہ نے آسمان اور زمین میں پیدا فرمایا ہے ان میں ان لوگوں کے لیے دلائل ہیں جو ڈرتے ہیں۔ ⑥ بلاشبہ جو لوگ ہمارے پاس آنے کی امید نہیں رکھتے اور وہ دنیا والی زندگی پر راضی ہو گئے اور اس پر مطمئن ہو گئے اور وہ لوگ جو ہماری آیات سے غافل ہیں۔ ⑦ ایسے لوگوں کا ٹھکانہ ان کے اعمال کی وجہ سے دوزخ ہے۔ ⑧ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کا رب ان کے ایمان کی وجہ سے انہیں راہ بتا دے گا، ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، نعمت کے باغوں میں ہوں گے۔ ⑨ ان میں ان کی یہ بات ہوگی کہ اے اللہ! تو پاک ہے، اور اس میں ان کا تحیہ سلام ہوگا اور ان کی آخری بات الحمد للہ رب العٰلمین ہوگی۔ ⑩ اور اگر اللہ لوگوں پر نقصان واقع کرنے میں جلدی کرتا جیسے کہ وہ بھلائی کے لیے جلدی مچاتے ہیں تو ان کا وعدہ پورا ہو چکا ہوتا، سو جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے ہم ان کی سرکشی میں انہیں سرگرداں چھوڑ دیتے ہیں۔ ⑪ اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارتا ہے لیٹے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور کھڑے ہوئے، پھر جب ہم اس کی تکلیف ہٹا دیتے ہیں تو وہ اس حال میں گزر جاتا ہے کہ گویا اس نے ہمیں کسی تکلیف کے پہنچ جانے پر پکارا ہی نہ تھا، اسی طرح حد سے بڑھ جانے والوں کے لیے ان کے اعمال مزین کر دیے گئے ہیں۔ ⑫ اور ہم نے تم سے پہلے بہت سی جماعتوں کو ہلاک کیا جبکہ انہوں نے ظلم کیا اور ان کے پاس ان کے رسول کھلی ہوئی دلیلیں لے کر آئے، اور وہ لوگ ایمان لانے والے نہ تھے، ہم اسی طرح مجرموں کو سزا

دیا کرتے ہیں۔⑬ پھر ہم نے تمہیں زمین میں ان کے بعد خلیفہ بنادیا تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟⑭ اور جب ان پر ہماری واضح آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے یوں کہتے ہیں کہ آپ اس قرآن کے علاوہ دوسرا قرآن لے آیئے یا اس کو بدل دیجیے، آپ فرمادیجیے کہ مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ میں اسے اپنے پاس سے بدل دوں، میں تو بس اسی کا اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے، بے شک میں اگر اپنے رب کی نافرمانی کروں تو بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔⑮ آپ فرمادیجیے کہ اگر اللہ چاہتا تو میں تم لوگوں پر اس کی تلاوت نہ کرتا اور نہ تمہیں اللہ اس کی اطلاع دیتا، سو میں تمہارے درمیان اس سے پہلے عمر کے ایک بڑے حصے تک رہ چکا ہوں، کیا تم سمجھ نہیں رکھتے۔⑯ سو اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر بہتان باندھے یا اس کی آیات کو جھٹلائے، بے شک بات یہ ہے کہ مجرم کامیاب نہیں ہوتے⑰ اور وہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو نہ نقصان دے سکیں اور نہ نفع پہنچا سکیں، اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں، آپ فرمادیجیے کیا تم اللہ کو وہ بات بتاتے ہو جسے وہ نہیں جانتا آسمانوں اور زمینوں میں، وہ ان لوگوں کے شرک سے پاک ہے، اور برتر ہے۔⑱ اور لوگ پہلے ایک ہی امت تھے پھر انہوں نے آپس میں اختلاف کرلیا، اور اگر آپ کے رب کی طرف سے پہلے سے بات طے نہ ہوچکی ہوتی تو ان کے درمیان اس چیز میں فیصلہ ہوچکا ہوتا جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔⑲ اور وہ کہتے ہیں کہ اس پر کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے کیوں نہیں نازل کی گئی، سو آپ فرمادیجیے کہ غیب کا علم اللہ ہی کو ہے، سو تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔⑳

لغات: قَدَمَ صِدْقٍ:......لیث کہتے ہیں: القدم، سابق۔ شاعر ذو رمہ کہتا ہے:

وانت امرؤ من اهل بيت دوابة   لهم قدم معروفة ومفاخر

تو ذوبہ کے گھرانے کا ایک خاص آدمی ہے۔ اس خاندان کی سابقہ خصوصیات اور مفاخر ہیں۔[1]

ابوعبیدہ رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں: ہر سابقہ خواہ خیر ہو یا شر ہو وہ قدم ہے۔ یُدَبِّرُ: التدبیر سے ہے۔ حسب حکمت قضا و تقدیر۔ اَلْقِسْطِ: عدل و انصاف۔ حَمِیْمٍ: گرم پانی جو آگ پر کھول رہا ہو۔ یُفَصِّلُ: التفصیل سے ہے بمعنی وضاحت کرنا۔ مَاْوٰىهُمُ: ان کا ٹھکانا، مقام۔ طُغْیَانِهِمْ: الطغیان۔ اوپر اٹھنا، بلند ہونا، سرکشی۔ یَعْمَهُوْنَ: وہ حیران ہوتے ہیں۔ خَلٰٓئِفَ: خلیفۃ کی جمع ہے۔ وہ شخص جو مختلف معاملات میں کسی دوسرے کی پیروی کرے۔

شان نزول:......ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجا تو کفار نے انکار کردیا اور کہنے لگے: اللہ تعالیٰ اس سے بالاتر ہے کہ ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجے۔ کیا اللہ کو ابوطالب کے یتیم کے سوا کوئی اور نہیں ملا، جسے رسول بنا کر بھیجتا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؔ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ② (سورہ یونس، آیت ۲)

تفسیر: الٓرٰ:......اس میں اشارہ ہے کہ یہ کلام بلیغ و معجز انہی حروف سے مرکب ہے، جن سے تمہارا کلام مرکب ہوتا ہے۔ چنانچہ انہی حروف سے آیات قرآنیہ مرکب ہیں اور یہ تمہارے سامنے ہے، جب کہ تم اس جیسی ایک آیت بھی پیش کرنے سے عاجز ہو۔ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ: یہ محکم کتاب جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں، کی آیات ہیں۔ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ: کیا اہل مکہ کے لیے یہ تعجب کی بات ہے کہ ہم نے انہی میں سے ایک شخص محمد پر وحی بھیجی؟ ہمزہ برائے انکار ہے۔ یعنی اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں بلکہ یہ خدائی دستور ہے جو پہلی امتوں سے چلا آرہا ہے۔ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ: ہم نے اس کی طرف وحی بھیجی کہ کفار کو دوزخ کے عذاب سے ڈرائیں۔ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ: مؤمنین کو خوشخبری دو کہ ان کا اللہ کے ہاں سچا پایہ اور بلند مرتبہ ہے۔ یہ ان اعمال کے بدلے میں ہے جو انہوں نے کیے ہیں۔ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے ثابت ہوجانے اور قرآن کے معجز ہونے کے باوجود مشرکین کہتے ہیں: محمد

---

[1] التفسیر الکبیر للرازی ۱۷/۷

جادوگر ہے اور اس کا جادو نمایاں ہے اور جن باتوں کا دعویٰ کرتا ہے وہ باطل ہے۔ بیضاوی کہتے ہیں: اس میں اس بات کا اعتراف ہے کہ محمد ﷺ جو خارق عادت امور پیش کرتے ہیں، ان کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا اور بشری طاقت سے باہر ہیں۔[1] اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ: تمہارا رب اور تمہارے اختیار کا مالک، وہی عبادت کا حقدار ہے۔ وہ ہے جس نے دنیا کو چھ دنوں کی مقدار کے برابر وقت میں کائنات پیدا کی، اگر اللہ چاہتا تو ایک لمحے میں ساری کائنات پیدا کر دیتا، لیکن چھ دنوں میں کائنات کی تخلیق سے اللہ نے اپنے بندوں کی تعلیم کر دی کہ امور میں تحمل اور تثبت کا مظاہرہ کیا جائے۔ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ: استواء (عرش پر جلوہ افروز ہونا) بغیر کسی کیفیت، تشبیہ اور تفصیل کے جیسے بھی رب تعالیٰ کی شان کے لائق ہے ثابت ہے۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ہم استوا کے متعلق سلف صالحین کے مذہب پر چلیں گے اور وہ یہ کہ استواء کا ذکر جیسے آیا ہے اس پر بغیر تشبیہ و تعطیل کے اس پر ایمان رکھنا ہے۔ اہل تشبیہ کے اذہان کی طرف جو تصور متبادر ہوتا ہے وہ اللہ کی ذات سے منفی ہے۔ چنانچہ اللہ مخلوقات میں سے کسی چیز کے مشابہ نہیں، جس نے آیات صریحہ اور اخبار صحیحہ کے مطابق عقیدہ رکھا، وہ ہدایت کے راستے پر چلا۔[2] ابوسعود کہتے ہیں: اللہ عرش پر اسی طرح جلوہ افروز ہے جیسے اس نے چاہا۔ استوا اللہ کی صفت ہے اور اللہ کیفیت و استقرار سے منزہ و بالاتر ہے۔ اللہ جل جلالہ کی عظمت شان کے بعد یہ اس کی بادشاہت کی عظمت کا بیان ہے۔[3]

یُدَبِّرُ الْاَمْرَ: ...... حکمت و مصلحت کے تقاضے کے مطابق مخلوقات کے امور کی تدبیر کرتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: مخلوق کی تدبیر سے اسے کوئی چیز مشغول نہیں کرتی۔ مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ: قیامت کے دن اللہ کے ہاں کوئی سفارش کرنے والا سفارش نہیں کر سکے گا، الا یہ کہ اللہ تعالیٰ اجازت دے اس کے بعد کوئی سفارش کر سکے گا۔ اس میں مشرکین پر رد کیا گیا ہے۔ چوں کہ ان کا زعم تھا کہ بت ان کی سفارش کرتے ہیں۔ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ: یہ عظیم الشان ہی تمہارا رب ہے۔ وہی تمہارا خالق ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں، لہٰذا صرف تنہا اسی کی عبادت کرو۔ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ: بھلا تم نصیحت اور عبرت حاصل کیوں نہیں کرتے۔ اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا: اے لوگو! قیامت کے دن تم سب نے اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا: اللہ نے پختہ وعدہ کر رکھا ہے۔ اس میں تبدیلی نہیں ہوگی۔ اس میں دوبارہ اٹھائے جانے کے منکرین پر رد ہے۔ چنانچہ ان کا کہنا تھا۔ مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا یُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ: ہماری تو صرف دنیا کی زندگی ہے۔ ہم مرتے ہیں اور زندہ رہتے ہیں اور ہمیں صرف زمانہ موت دیتا ہے۔ (سورۃ الجاثیہ، آیت ۲۴)

اِنَّهٗ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ: ...... جیسے اللہ نے مخلوق کی ابتدا کی ہے ویسے ہی دوسری بار بھی انہیں پیدا کرے گا۔ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ: تاکہ مومنین کو عدل و انصاف کے ساتھ بدلہ دے اور انہیں پورا پورا بدلہ دے۔ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا: جن لوگوں نے اللہ کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کو جھٹلایا۔ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ: اور کافروں کے لیے پینے کے لیے جہنم میں نہایت کھولتا ہوا پانی ہوگا۔ وَّعَذَابٌ اَلِیْمٌۢ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ: ان کے کفر اور شرک کے سبب ان کے لیے سخت دردناک عذاب ہوگا۔ بیضاوی کہتے ہیں: یہ آیت پہلے مضمون کی علت کے طور پر ہے۔ چنانچہ ابتدأ تخلیق اور دوبارہ اٹھائے جانے کا مقصد مکلفین کو ان کے اعمال کا بدلہ دینا ہے، لہٰذا لامحالہ سب نے اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔[4]

چاند و سورج کے چند فوائد

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً: ...... قدرت و وحدانیت کے دلائل پر یہ آیت تنبیہ کر رہی ہے۔ یعنی اللہ نے اپنی قدرت سے سورج کو چمکدار بنایا ہے۔ وَّالْقَمَرَ نُوْرًا: اور رات کو چمکتا ہوا چاند بنایا۔ یہ اللہ کی اپنے بندوں پر کمال رحمت ہے۔ سورج کا حجم بڑا ہے اس لیے اس کی طرف ضیا کی نسبت کی، نیز سورج کی روشنی اور چمک اپنی ہے، مستعار نہیں۔ طبری کہتے ہیں: معنی ہے کہ اللہ نے سورج کو چمکدار بنایا اور چاند کو روشنی بخشی۔[5] وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ: اور چاند کی منزلیں مقرر کیں۔ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ: تاکہ تم اے لوگو! اوقات کا حساب کر سکو۔ چنانچہ سورج سے ایام کی پہچان ہوتی ہے اور چاند سے ماہ و سال کی پہچان ہوتی ہے۔ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ: اللہ نے ان سب کو فضول نہیں پیدا کیا، بلکہ یہ سب اس

---

[1] البیضاوی ۲۳۵ [2] المختصر ۲/ ۲۵ [3] ابوالسعود ۲/ ۳۰۷ [4] البیضاوی ۲۳۶ [5] الطبری ۱۱/ ۸۶

کی عظیم الشان حکمت کا شاہکار ہیں اور ان میں بہت سارے منافع ہیں۔ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ: کائنات کی ایجاد و تخلیق کی حکمت جانتے ہیں اور اس سے کائنات کے موجد کے معاملات وشؤون پر استدلال کرتے ہیں۔ یہ ابوسعود کی بیان کردہ تفسیر ہے اور معنی ہے۔ اللہ تعالیٰ نشانیاں بیان کرتا ہے اور ان کی وضاحت کرتا ہے، ان لوگوں کے لیے جو اللہ کی قدرت جانتے ہیں اور اس کی حکمت پر غور وخوض کرتے ہیں۔ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ: یعنی ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں، رات آتی ہے تو دن چلا جاتا ہے۔ دن آتا ہے رات چلی جاتی ہے۔ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: یعنی اللہ نے جو مختلف انواع واقسام کی چیزیں پیدا کر رکھی ہیں ان میں لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ: وجود صانع پر بڑی بڑی نشانیاں اور براہین ہیں، جو اللہ کی قدرت کاملہ پر دلالت کرتی ہے۔ یہ نشانیاں ان لوگوں کے لیے ہیں جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا: جو لوگ اللہ سے ملاقات کی توقع ہی نہیں رکھتے اور نہ ہی کبھی ان کے دل میں اس کا خیال آیا۔ خواہشات نے انہیں بعد الموت کے حالات سے غافل رکھا۔ وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا: اور وہ آخرت کے بدلے میں دنیا سے راضی رہے اور گھٹیا چیز کو اعلیٰ پر ترجیح دی۔ وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا: اس پر خوش رہے اور سکون محسوس کیا۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ: اور جو لوگ آفاقی دلائل سے غافل ہیں اور ان میں غور وفکر نہیں کرتے۔ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ: ان کا ٹھکانا اور رہنے کی جگہ دوزخ ہے۔ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ: ان کے کفر اور جرائم کے سبب۔ اللہ نے اشقیا کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد سعدا (نیک لوگوں) کا ذکر ہے، چنانچہ ارشاد ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ: یعنی ان کے ایمان کے سبب اللہ انہیں جنت کی راہ دکھائے گا۔ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ: ان کے محلات کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی یا ان کے تختوں کے نیچے سے اور یہ نعمتوں والی جنت میں مقیم رہیں گے۔

اہل جنت کی دعا اور سلام

دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ: ...... اور جنت میں ان کی دعا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ: ہوگی۔ حدیث میں ہے۔ اہل جنت کے زبانوں سے تسبیح وتحمید ایسے جاری ہوگی، جیسے سانس جاری ہوتی ہے۔ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ: ان کا ایک دوسرے کو تحفہ السلام علیکم ہوگا، جیسا کہ فرشتوں کا تحفہ وتحیہ ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ (سورۃ الرعد، آیت ۲۳) یعنی جنت میں ان پر ہر دروازے سے فرشتے داخل ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے۔ سلام علیکم۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ: اور وہ اپنی دعا کے آخر میں کہتے ہوں گے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ: مجاہد کہتے ہیں: یہ آدمی کی اپنے لیے یا اپنی اولاد کے لیے بددعا کا ذکر ہے جب وہ غصے میں بددعا دیتا ہے کہ یا اللہ فلاں کو ہلاک کردے۔ فلاں سے برکت کو دور کرے۔ طبری کہتے ہیں: اگر اللہ تعالیٰ جیسے خیر وبھلائی کی دعا فوراً قبول کرتا ہے اگر اسی طرح جلد از جلد شر وبرائی کی بددعا قبول کرلے، جس میں لوگوں کا ضرر ہو۔ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ: تو وہ ہلاک ہوجائیں اور انہیں بہت جلد موت آجائے۔[1]

نافرمانوں کے لیے مہلت

فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا: ...... جو لوگ ہماری ملاقات کی تکذیب کرتے ہیں اور دوبارہ اٹھائے جانے پر ایمان نہیں رکھتے۔ ہم انہیں (فی الحال) چھوڑے دیتے ہیں۔ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ: یہ لوگ سرکشی اور تمرد میں حیران وپریشان ہیں۔ معنی ہے: ہم مجرمین کو چھوڑے دیتے ہیں اور انہیں مہلت دے رکھی ہے اور ان کی سرکشی کے باوجود ہم ان پر نعمتوں کی بارش کرتے ہیں تاکہ ان پر الزام حجت ہوجائے۔ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ: جب انسان کو کوئی پریشانی، بیماری یا فقر وفاقہ وغیرہ پیش آتا ہے۔ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا: وہ تمام حالات میں ہمیں پکارتا ہے۔ لیٹے، بیٹھے، کھڑے تاکہ اسے درپیش پریشانی ختم ہوجائے۔ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ: اور جب ہم اسے درپیش

---

[1] الطبری ۱۱/۹۱، بعض مفسرین کہتے ہیں۔ یہ آیت کفار مکہ کے متعلق نازل ہوئی۔ وہ کہتے تھے: اے اللہ! اگر یہ قرآن برحق ہے تو ہمارے اوپر آسمان سے پتھر برسا۔ زمخشری کہتے ہیں: یعنی جس طرح ہم ان کی دعا قبول کرتے ہیں اگر بددعا بھی اسی طرح قبول کریں تو انہیں ہلاک کردیں۔

پریشانی دور کر دیتے ہیں۔ وہ معصیت پر بدستور قائم رہتا ہے اور وہ درپیش مصیبت، بلا اور آزمائش کو بھول جاتا ہے۔ آیت میں اس شخص پر عتاب کیا گیا ہے جو مصیبت کے وقت اللہ کو پکارتا ہے اور عاقبت کے وقت اللہ کو بھول جاتا ہے۔ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ: جیسے انسان کے لیے مصیبت کے وقت دعا کرنا اور خوشحالی کے وقت اعراض کرنا آراستہ کیا گیا ہے اسی طرح مسرفین حد سے تجاوز کرنے والوں کے لیے ان کے اعمال یعنی ذکر سے اعراض اور خواہشات کی متابعت آراستہ کی گئی ہے۔ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا: اے مشرکین! ہم نے تم سے پہلے بہت ساری امتوں کو ہلاک کیا جب انہوں نے کفر و شرک کیا اور گمراہی میں آگے بڑھتے گئے۔ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ: اور پیغمبر ان کے پاس زبردست معجزات لے کر آئے جو ان کے سچے ہونے پر دلالت کرتے تھے۔ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا: اور وہ پیغمبروں کی لائی ہوئی تعلیمات اور معجزات پر ایمان نہ لائے۔ یعنی انہوں نے ظلم کیا اور ایمان نہ لائے، گویا ان کی ہلاکت کا سبب دو چیزیں ہیں ظلم اور عدم ایمان۔ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ: اور ہم اسی جیسا بدلہ ہر مجرم کو دیتے ہیں، یعنی انہیں ہلاک کرتے ہیں۔ یہ اہل مکہ کی تکذیب پر وعید ہے۔ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ: ان اقوام کو ہلاک کرنے کے بعد اے اہل مکہ! ہم نے تمہیں زمین میں جانشین بنایا، تم ان اقوام کے احوال سنتے ہو اور ان کے آثار کا مشاہدہ بھی کرتے ہو۔ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ: تاکہ ہم دیکھیں کہ تم اچھے اعمال کرتے ہو یا برے۔ ہم تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق بدلہ دیں گے۔ قرطبی کہتے ہیں: معنی ہے: اللہ تمہارے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرے گا، جیسے ممتحن کرتا ہے تاکہ عدل کا اظہار ہو۔[1] تسہیل میں ہے: تاکہ وجود میں تمہارے عمل کو ظاہر کرے اور تمہارے اوپر حجت قائم ہو جائے۔[2] اس سے غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرکین کے اعمال سے اچھی طرح واقف ہے لیکن اللہ ان کا امتحان لینا چاہتا ہے تاکہ جو چیز اللہ کے علم میں ہے وہ ظاہر ہو جائے۔

مشرکین کا قرآن کے علاوہ دوسری کتاب کا مطالبہ اور استہزا

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ: ...... جب مشرکین کو قرآن مبین کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہے اس حال میں کہ یہ آیات واضح ہیں، ان میں کوئی التباس اور اشکال نہیں۔ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا: وہ لوگ جو بعث بعد الموت اور حساب پر ایمان نہیں رکھتے اور اجر و ثواب کی امید نہیں رکھتے، کہتے ہیں: ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ: اے محمد! اس قرآن کے علاوہ کوئی اور کتاب لاؤ جس میں ہمارے معبودان کے عیوب نہ بیان کیے گئے ہوں اور نہ ہماری عقلوں کی ناسمجھی بیان کی گئی ہو۔ اَوْ بَدِّلْهُ: یعنی آیات عذاب کی جگہ آیات رحمت ہوں۔ ہمارے معبودوں کی برائی کی جگہ ان کی مدح ہو، حرام کی جگہ حلال ہو، کفار یہ بات ہنسی مذاق اور تمسخر اڑانے کی نیت سے کہتے تھے: ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: اہل مکہ میں سے جو لوگ قرآن مجید کا مذاق اڑاتے تھے، ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ کہتے تھے: اے محمد! اس قرآن کے علاوہ کوئی اور لاؤ جس میں ہمارے مطالبات ہوں۔[3] قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ: اے محمد! ان سے کہہ دو کہ میرے لیے کسی طرح روا نہیں کہ میں اپنی طرف سے قرآن میں تفسیر کروں یا اسے بدل دوں۔ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ: میں صرف اسی چیز کی اتباع کرتا ہوں جو میرا رب میری طرف وحی کرتا ہے۔ میں تو اللہ کے حکم کا پابند ہوں اور پیغام پہنچانے والا رسول ہوں۔ میرے پاس اللہ کا جو حکم آتا ہے وہ آگے بھیجتا ہوں۔ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ: اگر میں نے اپنے رب کے حکم کی مخالفت کی یا اس کی وحی میں تبدیلی کر دی تو مجھے قیامت کے دن کے شدید عذاب کا خوف ہے۔ گویا یہ ماسبق کی تعلیل ہے۔ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ: اے محمد! ان سے کہہ دیجیے: اگر اللہ چاہتا یہ قرآن میں تمہیں پڑھ کر نہ سناتا۔ میں تو اللہ تعالیٰ کی مشیت سے تمہیں پڑھ کر سناتا ہوں، چوں کہ یہ قرآن من جانب اللہ ہے میری طرف سے نہیں ہے۔ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ: اور نہ ہی وہ تمہیں میری زبان سے آگاہ کرتا۔ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ: میں تمہارے درمیان طویل زمانے سے رہ رہا ہوں۔ تقریباً یہ عرصہ وحی سے پہلے چالیس سال کا زمانہ ہے۔ اس وقت میں نے تمہیں قرآن پڑھ کر نہیں سنایا۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ: کیا تم اپنی عقلوں

---

[1] القرطبی ۸/۳۱۸ [2] التسہیل ۲/۹۰ [3] البحر ۵/۱۳۱

سے غور وفکر کا کام نہیں لیتے کہ تمہیں علم ہو کہ یہ قرآن کا معجزہ ہے اور صرف اللہ کی طرف سے ہے؟ امام فخر رازی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: کفار رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے رہے ہیں۔ آپ کے حالات زندگی سے بخوبی آگاہ ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کتاب نہیں پڑھی اور نہ کسی استاذ سے تلمذ کیا اور نہ ہی کسی سے کسب علم کیا پھر چالیس سال گزرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کتاب لائے جو علم اصول کے نفائس، علم احکام کے دقائق، علم اخلاق کے لطائف اور اولین کے قصص کے اسرار ورموز پر مشتمل ہے اور اس کا معارضہ کرنے سے علما، فصحا اور بلغا عاجز ہیں، جس کے پاس بھی عقل سلیم ہے وہ جانتا ہے کہ یہ کتاب وحی الٰہی ہے اور منزل من اللہ ہے۔[1]

کفار کے زعم باطل کی نفی

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا: ...... استفہام انکاری ہے جو نفی کے معنی میں ہے، یعنی اس شخص سے بڑا ظالم کوئی نہیں جو اللہ پر جھوٹ گھڑتا ہو، اس سے مشرکین کے زعم باطل کی نفی کرنا مقصود ہے۔ وہ کہتے تھے کہ یہ قرآن محمد نے اپنی طرف سے پیش کر دیا۔ اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ: یا اس حق کی تکذیب کرتا ہو جسے پیغمبر لے کر آئے ہیں۔ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ: جو شخص ارتکاب جرم کرتا ہے اور پیغمبروں کی تکذیب کرتا ہے وہ کامیاب نہیں ہوتا۔

مشرکین کی قباحتوں کا بیان

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ: ...... مشرکین کی قباحتوں کا بیان ہے۔ یعنی مشرکین بتوں کی عبادت کرتے ہیں، جو جمادات ہیں اور جلب منفعت و دفع مضرت کی قدرت نہیں رکھتے۔ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ: اور ان کا زعم ہے کہ یہ بت ان کے سفارشی ہیں جب کہ پتھر دیکھتا ہے اور نہ ہی سنتا ہے۔ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ: اے محمد! ان مشرکین سے کہہ دیجیے: کیا تم کسی شریک یا سفارش کنندہ جو آسمانوں میں ہو یا زمین میں ہو، جس کا اللہ کو علم نہیں، اس کے بارے میں اللہ کو خبر دیتے ہو، اللہ تو غیب کا جاننے والا ہے اور اس کے علم نے ساری کائنات کو اپنے احاطے میں لے رکھا ہے۔ استفہام برائے تہکم ہے۔ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ: یہ ظالم اللہ کے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں اللہ ان سے پاک اور منزہ ہے۔

دین اسلام اور امت واحدہ

وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا: ...... لوگ صرف ایک ہی دین پر تھے اور وہ دین اسلام ہے۔ آدم سے نوح تک یہی دین رہا۔ پھر لوگوں نے دین میں اختلاف کیا اور مختلف فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: آدم اور نوح علیہما السلام کے درمیان بیس امتیں گزری ہیں، جو سب کی سب دین اسلام پر قائم تھیں۔ پھر لوگوں کے درمیان اختلاف واقع ہوا۔ بتوں کی پرستش کی جانے لگی اور اللہ تعالیٰ نے پیغمبر مبعوث کیے جو انہیں جنت کی خوشخبری سناتے اور دوزخ کے عذاب سے ڈراتے تھے۔[2] وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ: اگر روز قیامت جزا کی تاخیر کا فیصلہ اللہ کی طرف سے نہ ہو چکا ہوتا۔ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ: ان کے دین میں اختلاف کرنے کی وجہ سے انہیں دنیا ہی میں پیشگی عذاب ہو جاتا۔

وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ: ...... یہ معاندین کفار کہتے ہیں: محمد پر اس کے رب کی طرف سے معجزہ کیوں نہیں اترا، جیسے پہلے انبیا پر اترتے تھے۔ مثلاً صالح علیہ السلام کی اونٹنی، موسیٰ علیہ السلام کا عصا وغیرہ۔ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ: ان سے کہہ دیجیے کہ غیب کا معاملہ اللہ کے اختیار میں ہے۔ معجزات لانا صرف اللہ کا کام ہے۔ میں تو صرف پیغام پہنچانے والا ہوں۔ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ: تم انتظار کرو، دیکھو اللہ ہمارے درمیان کیا فیصلہ کرتا ہے۔ میں بھی انتظار کرتا ہوں۔

---

[1] الرازی ۱۷/ ۵۷ [2] المختصر ۲/ ۱۸۸

بلاغت: اَلْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ: ...... صیغہ فعیل بمعنی مفعول ہے یعنی حکیم بمعنی محکم ہے۔ محکم ایسی چیز ہوتی ہے جو فساد، شک اور تناقض سے دور ہو۔ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ: میں طباق ہے۔ قَدَمَ صِدْقٍ: بلند مرتبہ سے کنایہ ہے۔ اس عبارت میں انتہا درجے کی بلاغت ہے، چوں کہ "قدم" تقدم ہے، جیسے نعمت کو ید سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چوں کہ نعمت ہاتھ سے دی جاتی ہے۔ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ: میں طباق ہے۔ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا: اس میں التفات ہے۔ غیب سے مخاطب کی طرف التفات ہے۔ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ: حرف تشبیہ محذوف ہے، یعنی كَاسْتِعْجَالِهِمْ یہ تشبیہ موکد مجمل اور الشَّرَّ اور الْخَيْرِ: میں طباق ہے۔ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ: میں استعارہ تمثیلیہ ہے، چوں کہ رب کے ساتھ بندوں کے حال کو بادشاہ کے ساتھ رعایا کے حال کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور مشبہ بہ پر دلالت کرنے والا لفظ مشبہ کے لیے مستعار ہے جو کہ بطور تمثیل ہے۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ: استفہام برائے انکار ہے۔

فائدہ: ...... علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: آیت کریمہ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا: علم اوقات علم حساب و تاریخ اور منازل قمر کے تعین میں اصل الاصول ہے۔

لطیفہ: ...... حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: جو شخص سچا یا جھوٹا قول کرے، اس پر دلائل قائم کرنا ضروری ہوتا ہے۔ چنانچہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسیلمہ کذاب کو جس نے دیکھا اس نے دونوں کے درمیاں نمایاں فرق ملاحظہ کیا، جیسا کہ دن کے اجالے اور رات کی تاریکی میں فرق ہوتا ہے۔ عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہود متفرق ہو گئے۔ میں بھی آپ کے پاس نہیں آتا تھا۔ آپ سے دور رہنے کی کوشش کرتا تھا۔ جب میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا، میں فوراً پہچان گیا کہ یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہوسکتا۔ سب سے پہلی بات جو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی وہ یہ تھی: اے لوگو! سلام پھیلاؤ، کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو، راتوں کو نماز پڑھو، درحالیکہ لوگ سو رہے ہوں۔ تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ چنانچہ میں نے ان دلائل کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے ہونے کا یقین کر لیا۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

لو لم تكن فيه آيات مبينة　　　لكان منظره ينبيك بالخير

"اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں واضح نشانیاں نہ ہوتیں تو انہیں دیکھنے سے تمہیں حقیقت سے آگاہی ہو جاتی۔"

مشرکین کے مکر و فریب، انکار و عناد وغیرہ کا بیان

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ۭ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ۭ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿٢١﴾ هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ حَتّٰٓي اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڬ لَىِٕنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٢٢﴾ فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٣﴾ اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا

فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا
اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا
يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا
السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۢ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ
قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ
نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ
اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۲۹﴾ هُنَالِكَ
تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۳۰﴾ قُلْ
مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ
وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ
رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۖۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ
فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا
الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ
لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾
وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَمَا
كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا
رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ
كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۹﴾

ترجمہ: ......اور لوگوں کو تکلیف پہنچنے کے بعد جب ہم انہیں اپنی رحمت چکھادیں تو اچانک ہماری آیتوں کے بارے میں مکر کرنے لگتے ہیں، آپ فرما دیجیے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ مکر کی سزا جلد ہی دینے والا ہے، بلاشبہ ہمارے فرشتے تمہارے مکر کے کاموں کو لکھ لیتے ہیں۔ ﴿۲۱﴾ اللہ وہ ہے جو تمہیں سمندر اور خشکی میں چلاتا ہے یہاں تک کہ جب تم کشتی میں موجود ہو اور وہ کشتی اچھی ہوا کے ساتھ چلنے لگے اور جو لوگ اس میں سوار ہوں وہ اس پر

خوش ہو جائیں تو اس کشتی پر ایک سخت ہوا آجائے اور ہر جگہ سے ان پر موجیں آنے لگیں اور وہ یقین کر لیں کہ انہیں گھیر لیا گیا ہے تو اللہ کو پکارنے لگتے ہیں اس کے لیے خالص اعتقاد کر کے اگر تو نے ہمیں اس سے نجات دے دی تو ہم ضرور ضرور شکر گزاروں میں سے ہوں گے۔ ﴿۲۲﴾ پھر جب اللہ انہیں نجات دے دیتا ہے تو اچانک وہ زمین میں ناحق بغاوت کرنے لگتے ہیں، اے لوگو! تمہاری سرکشی تمہاری ہی جانوں پر ہے دنیاوی زندگی میں فائدہ اٹھا رہے ہو پھر ہماری طرف تم کو لوٹ کر آنا ہے، سو ہم تمہیں بتا دیں گے جو تم کرتے تھے۔ ﴿۲۳﴾ دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان سے ہم نے پانی اتارا، پھر اس پانی کی وجہ سے زمین سے نکلنے والی ہری بھری چیزیں جنہیں انسان اور مویشی کھاتے ہیں خوب گنجان ہو کر نکلیں، یہاں تک کہ جب زمین نے اپنی رونق کا پورا حصہ لے لیا اور اس کی خوب زیبائش ہو گئی اور زمین والوں نے خیال کر لیا کہ ہم اس پر صاحب قدرت ہو چکے ہیں تو رات کو یا دن کو ہمارا حکم آگیا۔ سو ہم نے اسے ایسا بنا دیا جیسے کٹا ہوا ڈھیر ہو، گویا کہ کل اس کا وجود ہی نہ تھا، ہم اسی طرح آیات کو کھول کر بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لیے جو سوچتے ہیں۔ ﴿۲۴﴾ اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ ﴿۲۵﴾ جن لوگوں نے اچھائی کے کام کیے ان کے لیے خوبی ہے اور اس سے زائد بھی ہے، اور ان کے چہروں پر نہ کدورت چھائے گی اور نہ ذلت، یہ لوگ جنت والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿۲۶﴾ اور جن لوگوں نے برے کام کیے ان کی برائی کی سزا برائی کے برابر ملے گی اور ان پر ذلت چھا جائے گی، انہیں اللہ سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ گویا کہ ان کے چہرے اندھیری رات کے ٹکڑوں سے ڈھانک دیے گئے ہیں۔ یہ لوگ دوزخ والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿۲۷﴾ اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے پھر ہم ان لوگوں سے کہیں گے جنہوں نے شرک کیا کہ تم اور تمہارے شریک اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو، پھر ہم ان کے آپس میں جدائی کر دیں گے، اور ان کے شریک کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ ﴿۲۸﴾ سو اللہ ہمارے تمہارے درمیان گواہ کافی ہے بے شک بات یہ ہے کہ ہم تمہاری عبادت سے غافل تھے۔ ﴿۲۹﴾ اس موقع پر ہر شخص اپنے ان کاموں کو جانچ لے گا جو اس نے پہلے کیے تھے، اور وہ اپنے مالک حقیقی کی طرف لوٹا دیے جائیں گے اور جو کچھ جھوٹ تراش رکھا تھا وہ سب غائب ہو جائے گا۔ ﴿۳۰﴾ آپ فرما دیجیے وہ کون ہے جو تمہیں آسمان سے اور زمین سے رزق دیتا ہے۔ یا وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر فرماتا ہے، سو وہ ضرور یوں کہیں گے کہ اللہ ہی ہے تو آپ فرما دیجیے کہ پھر کیوں نہیں ڈرتے ہو۔ ﴿۳۱﴾ سو وہ اللہ تمہارا حقیقی رب ہے، سو پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے؟ پھر کہاں پھرے جا رہے ہو۔ ﴿۳۲﴾ اسی طرح آپ کے رب کی یہ بات نافرمانوں کے بارے میں ثابت ہو چکی ہے کہ یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے۔ ﴿۳۳﴾ آپ فرما دیجیے کہ تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے جو مخلوق کو پیدا فرمائے پھر اسے دوبارہ زندہ کرے؟ آپ فرما دیجیے کہ اللہ مخلوق کو ابتداء پیدا فرماتا ہے پھر اس کو دوبارہ پیدا فرمائے گا۔ سو تم کہاں پھرے جا رہے ہو؟ ﴿۳۴﴾ آپ فرما دیجیے کہ تمہارے شرکا میں کوئی ایسا ہے کہ امر حق کا راستہ بتلاتا ہو آپ فرما دیجیے کہ اللہ ہی امر حق کا راستہ بتلاتا ہے، سو جو حق کی راہ بتاتا ہو وہ زیادہ اتباع کے لائق ہے یا وہ شخص جو ہدایت نہیں پاتا مگر جبکہ اسے راہ بتائی جائے، سو تمہیں کیا ہوا تم کیسی تجویزیں کرتے ہو۔ ﴿۳۵﴾ اور ان میں سے اکثر لوگ صرف اٹکل کے پیچھے چلتے ہیں، بلاشبہ اٹکل حق کے بارے میں ذرا بھی مفید نہیں ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کاموں کو جاننے والا ہے جن کاموں کو وہ کرتے ہیں۔ ﴿۳۶﴾ اور یہ قرآن ایسا نہیں ہے جو افترا کیا گیا ہو اللہ کی طرف سے نہ ہو۔ بلکہ وہ ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس سے پہلے ہیں، اور احکام ضروریہ کی تفصیل بیان کرنے والا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔ ﴿۳۷﴾ کیا وہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس کو آپ نے اپنے پاس سے بنا لیا ہے۔ آپ فرما دیجیے کہ تم اس جیسی سورت لے آؤ اور اللہ کے علاوہ جن لوگوں کو بلا سکتے ہو انہیں بلا لو اگر تم سچے ہو۔ ﴿۳۸﴾ بلکہ بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے اسے جھٹلایا جسے اپنے احاطۂ علمی میں نہیں لائے اور ابھی اس کا نتیجہ ان کے سامنے نہیں آیا، ایسے ہی جھٹلایا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے۔ سو دیکھ لیجیے ظالموں کا کیسا انجام ہوا۔ ﴿۳۹﴾

ربط وتعارف:...... قبل ازیں اللہ تعالیٰ نے بتوں کی عبادت کے فساد پر دلائل ذکر کیے ہیں اور مشرکین کے رسالت اور قرآن پر کیے گئے شبہات کا ذکر ہوا۔ اب ان آیات میں مشرکین اشقیا کی عادت مکر وفریب کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مشرکین کے جحود، انکار اور عناد کا ذکر بھی

ہے۔ اگر انہیں کوئی مصیبت پیش آ جائے تو عاجزی کرنے لگتے ہیں اور اگر آسودگی اور خوشحالی ملے تو کفر و تکبر پر اتر آتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دنیا کے زوال و فنا کے اعتبار سے مثال بیان کی ہے۔ پھر دلائل و براہین کا ذکر ہوا ہے۔

لغات: عَاصِفٌ:...... العاصف تیز آندھی جو درختوں اور پتوں کو اکھاڑ دیتی ہو۔ فراء کہتے ہیں: مقولہ ہے عصفت الریح و اعصفت یعنی شدید آندھی چلی۔ شاعر کہتا ہے:

ان الریاح اذا ما عصفت قصفت عیدان نجد ولا یعبان بالرتم

الْمَوْجُ:...... سمندر میں اٹھنے والی لہر۔ زُخْرُفَهَا: الزخرف کسی چیز کی کمال خوبصورتی اور رونق و آراستگی۔ تَغْنَ: مقولہ ہے۔ غنی بالمکان کسی جگہ میں مقیم ہونا اور اسے آباد کرنا۔ يَرْهَقُ: چھا جاتا ہے، محاورہ ہے۔ رهقه الذل فلاں کو ذلت نے ڈھانپ لیا۔ قَتَرٌ: القتر و القترة غبار جس میں سیاہی بھی ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ (عبس ۴۱) چہروں پر دوزخ کا غبار چھایا ہوگا۔ دوسرے قول کے مطابق "القتر" غبار ہے، اگرچہ اس میں سیاہی نہ ہو۔ فرزق کہتا ہے:

متوجٌ برداء الملك يتبعه موجٌ ترى فوقه الرايات والقترا

ممدوح نے بادشاہ کی چادر اوڑھ رکھی ہے اور اس کے پیچھے لوگوں کی موج بہہ رہی ہے۔ اے مخاطب تم اس کے اوپر جھنڈے اور غبار دیکھ سکتے ہو۔
زَيَّلْنَا:...... ہم نے فرق کیا اور تمیز کی۔ تُؤْفَكُونَ: تم حق سے باطل کی طرف پھیرے جاتے ہو۔

مشرکین کا مکر و فریب و استہزا

تفسیر: وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْ بَعْدِ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُمْ:...... آیت میں الناس سے مراد کفار مکہ ہیں۔ روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ پر سات سال تک قحط مسلط کیا۔ قریب تھا کہ ہلاک ہو جاتے۔ مشرکین نے رسول کریم ﷺ سے بارش کے لیے دعا کرنے کی درخواست کی اور انہوں نے آپ ﷺ سے پر ایمان کا وعدہ کیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرمائی تو مشرکین کفر و عناد پر مصر رہے اور وعدہ پورا نہ کیا۔ آیت کا معنی ہے: جب ہم ان مشرکین کو شدت و تنگی کے بعد خوشحالی اور آسودگی عطا کرتے ہیں، قحط کے بعد زرخیزی عطا کرتے ہیں۔ إِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِي آيَاتِنَا: مجاہد کہتے ہیں: یعنی وہ ہماری آیات کا مذاق اڑاتے ہیں اور ان کی تکذیب کرتے ہیں۔ قُلِ اللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا: یعنی تمہارے مکر و فریب پر جلد سزا دینے والا ہے۔ إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ: حفاظت کرنے والے فرشتے تمہارے مکر و فریب کو لکھتے ہیں۔ آیت میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ مشرکین کی تدابیر فرشتوں سے مخفی نہیں ہیں، چہ جائے کہ اللہ تعالیٰ جو علیم و خبیر ہے سے مخفی ہوں۔ هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ: وہی اللہ کی ذات ہے جو تمہیں خشکی میں جانوروں پر سوار کرتا ہے اور سمندر میں کشتیوں پر سوار کرتا ہے۔ حَتَّىٰ إِذَا كُنتُمْ فِي الْفُلْكِ: حتیٰ کہ جب تم سمندر میں کشتیوں پر سوار ہوتے ہو۔ وَجَرَيْنَ بِهِم بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ: اس میں خطاب سے غیب کی طرف التفات ہے۔ معنی ہے انہیں خوشگوار ہوا لے کر چلتی ہے، یعنی ہوا کے دوش پر کشتی حرکت کرتی ہے۔ وَفَرِحُوا بِهَا: کشتیوں میں سوار مسافر خوشگوار ہوا سے خوش ہو جاتے ہیں۔ جَاءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ: اچانک شدید آندھی آ جاتی ہے۔ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِن كُلِّ مَكَانٍ: اور ہر طرف سے سمندر کی لہریں انہیں گھیر لیتی ہیں۔ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ: اور انہیں ہلاکت کا یقین ہونے لگا۔

مخلص و مضطر کی دعا قبول ہوتی ہے

دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ:...... خالص اللہ سے دعا کرنے لگتے ہیں اور جن بتوں کی عبادت کرتے ہیں، انہیں بھلا دیتے ہیں۔ قرطبی کہتے ہیں: اس آیت میں دلیل ہے کہ انسان کی فطرت ہی ایسی ہے کہ شدائد و مصائب میں اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے اور یہ کہ مضطر انسان کی دعا قبول ہوتی ہے، اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو، چوں کہ اس وقت تمام اسباب منقطع ہو جاتے ہیں اور وہ رب الارباب کی طرف رجوع کرتا ہے۔ لَئِنْ

اَنْجَیْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ: اگر تو نے ہمیں ان شدائد سے خلاصی دے دی تو ہم تیری نعمتوں پر تیرے شکر گزار ہوں گے اور تیر اطاعت پر عمل کریں گے۔ بحر میں لکھا ہے: آیت میں مخلصین یعنی اخلاص سے مراد ہے کہ صرف اللہ کے حضور دعا کرتے ہیں اور دعا میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: مخلصین سے ایمان کا اخلاص مراد نہیں ہے، لیکن انہیں علم ہے کہ اس حالت میں انہیں صرف اور صرف اللہ ہی نجات دہندہ ہے۔ گویا ان کا یہ خیال اضطراری ایمان کے قائم مقام ہے۔ [1] فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ یَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ: جب انہیں اللہ خلاصی اور نجات دے دیتا ہے وہ زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور معصیت کے اعمال کرتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: دعا میں معصیت کرتے ہیں اور غیر اللہ کو پکارنا شروع کر دیتے ہیں۔ [2] چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان پر رد کرتے ہوئے فرمایا: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْیُكُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ: یعنی سرکشی اور فساد و معصیت کا وبال تمہارے ہی اوپر پڑے گا۔ اس کا پھل تم ہی توڑو گے۔ مَّتَاعَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا: اس زندگی میں تم فانی خواہشات کا فائدہ اٹھاتے ہو پھر ان کے بعد دائمی حسرت تمہارا مقدر بنے گی۔

ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ:...... مرنے کے بعد تم نے ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے۔ ہم تمہیں اس زندگی کا پورا پورا بدلہ دیں گے۔ اس آیت میں وعید بھی ہے اور تہدید بھی ہے۔ آیت کریمہ انسان کی منکر طبیعت کی تمثیل ہے۔ صرف تنگی کے عالم میں خدا یاد آتا ہے اور اللہ کی طرف شدت وکرب میں رجوع کیا جاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اسے تنگی سے نجات دے دیتا ہے اور سختی دور کر دیتا ہے تو کفر و معصیت کی طرف لوٹ آتا ہے۔ شر و طغیان اور گمراہی میں آگے بڑھتا جاتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فانی زندگی کی مثال بیان کی ہے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی مدت کو قلیل قرار دیا ہے۔

حیات دنیاوی کی مثال

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ:...... اس دنیا کی صفت اور حالت فنا و زوال، اس کی نعمتیں ختم ہونے اور ان سے لوگوں کے دھوکا کھانے میں ایسی ہے جیسے آسمان سے بارش برستی ہے پھر اس سے انواع و اقسام کا ملا جلا سبزہ اگتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: پانی کے اختلاط سے ہر رنگ کا سبزہ اگتا ہے۔ [3] مِمَّا یَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ: جس میں سے اناج، پھل اور سبزیات انسان کھاتے ہیں اور گھاس، بھوسہ جانور کھاتے ہیں۔ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا: حتیٰ کہ جب زمین سبزے سے خوشنما اور خوبصورت ہوگئی۔ وَازَّیَّنَتْ: اور پھولوں، پھلوں اور فصلوں سے آراستہ ہو جاتی ہے۔ وَظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَیْهَاۤ: اور زمین پر بسنے والے سمجھتے ہیں کہ وہ اس سبزے سے نفع اٹھانے پر قادر ہو چکے ہیں اور وہ اس کا غلہ اور پھل حاصل کرنے کے قریب ہیں۔ اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا لَیْلًا اَوْ نَهَارًا: اس سبزے کی تباہی کے متعلق رات کے وقت یا دن کے وقت ہمارا حکم آ جاتا ہے۔ فَجَعَلْنٰهَا حَصِیْدًا: ہم اسے ایسے تباہ کر دیتے ہیں، جیسے درانتیوں سے کاٹ لیا گیا ہو۔ كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ: گویا یہ سبزہ گزشتہ کل تھا ہی نہیں اور سطح زمین اس سے خالی تھی۔ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ: ہم نے اس زندگی کی جو عمدہ مثال بیان کی ہے، اسی طرح ہم آیات و امثال غور و فکر کرنے والوں کے لیے بیان کرتے ہیں۔ علامہ آلوسی کہتے ہیں: غور و فکر کرنے والوں کو خصوصیت سے اس لیے ذکر کیا گیا ہے چوں کہ زمین کے سبزہ سے وہی نفع اٹھانے کے حق دار ہیں۔ وَاللّٰهُ یَدْعُوْۤا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ: اللہ جنت کی دعوت دیتا ہے جو دار السرور اور اصلی دار الاقامہ ہے۔ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ: اللہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی ہدایت دیتا ہے اور وہ سیدھی راہ دین اسلام ہے۔ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى: جو لوگ اچھی طرح سے ایمان لاتے ہیں اور نیک اعمال کرتے ہیں ان کے لیے اچھائی ہے اور وہ اچھائی جنت ہے۔ وَزِیَادَةٌ: اس سے مراد ذات باری تعالیٰ کا دیدار ہے۔ [4] وَلَا یَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ: ان کے چہروں پر غبار اور سیاہی نہیں چھائی ہوگی جیسے اہل دوزخ کے چہروں پر چھائی ہوگی۔ وَّلَا ذِلَّةٌ: اور نہ رسوائی اور پریشانی چھائی ہوگی۔ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ: یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ جنت کی نعمتوں کو زوال نہیں ہوگا اور نہ کبھی ختم ہوں گی۔ دنیا اور اس کی خوشنمائی کے بخلاف۔

---

[1] البحر ۵/۱۳۹ [2] البحر ۵/۱۴۰ [3] الطبری ۱۱/۱۰۲ [4] اس میں صحیح حدیث وارد ہوئی ہے، جسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

آخرت میں کفار کے چہرے

وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۢ بِمِثْلِهَا :......اور وہ لوگ جنہوں نے دنیا میں کفر و نافرمانی کی، اس برائی پر انہیں اسی جیسا بدلہ دیا جائے گا اس سے زیادہ نہیں، نیکیوں کا بدلہ اللہ کے فضل سے چند در چند ہوگا جب کہ برائیوں کا بدلہ برائیوں جتنا ہوگا۔ اسی میں اللہ کے عدل کا مظاہرہ ہے۔ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ :ان پر ذلت اور رسوائی چھائی ہوگی۔ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ :اللہ کے غصے اور عذاب سے انہیں بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا : گویا ان کے چہرے سیاہی اور تاریکی کے زائد ہونے کی وجہ سے ایسے ہوں گے، جیسے نہایت تاریک رات کا ٹکڑا (یہ تاریکی درماندگی کی وجہ سے ہوگی) اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ :یعنی دوزخ سے کبھی بھی نہیں نکلیں گے۔ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا : یعنی دونوں فریقوں مؤمنین اور کفار کو ہم حساب کے لیے جمع کریں گے پھر ہم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والوں سے کہیں گے۔ مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ :تم اور تمہارے معبودان جن کی تم عبادت کرتے تھے اپنی جگہوں پر ٹکے اور جمے رہو اور اس جگہ سے ہلنے نہ پاؤ، حتیٰ کہ تم دیکھ لو کہ اللہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہے۔ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ :ہم نے ان کفار اور مؤمنین کے درمیان تفریق کردی، جیسا کہ ارشاد ہے: وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ : اے مجرمین آج کے دن الگ ہوجاؤ۔ (سورہ یٰسٓ، آیت ۵۹) وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ :اور ان کے شرکا جو کہ بت ہیں، جن کی وہ عبادت کرتے تھے، ان سے برأت کا اظہار کریں گے۔ مجاہد کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ بتوں کو قوت گویائی عطا فرمائے گا۔ چنانچہ وہ کہیں گے ہمیں تو اس کا شعور بھی نہیں تھا کہ تم ہماری عبادت کرتے تھے اور نہ ہی ہم نے تمہیں اپنی عبادت کا حکم دیا تھا۔ [1] چنانچہ رشاد باری تعالیٰ ہے:

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾

اور جب متبوعین تبعین سے برأت کریں گے اور وہ عذاب دیکھیں گے جب کہ تمام تر اسباب ان سے کٹ جائیں گے۔ (سورۃ البقرہ، آیت ۱۶۶)

فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ :......اور شرکا (بت) قیامت کے دن مشرکین سے کہیں گے: اللہ تعالیٰ ہمارے اور تمہارے درمیان بطور گواہ کافی ہے۔ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ :ہم تو تمہاری عبادت سے غافل ہیں، ہم نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں۔ چوں کہ ہم ٹھوس پتھر ہیں، جمادات ہیں اور ہمارے اندر روح نہیں ہے۔ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ :......اس وقت ہر جان کا امتحان لیا جائے گا اس نے جو اعمال اچھے یا برے آگے بھیجے ہیں ان کا امتحان لیا جائے گا۔ ہر شخص اپنے اعمال کا بدلہ پائے گا۔ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ :انہیں اللہ کی طرف لوٹایا جائے گا جو قیامت کے دن ان کے بدلے کا متولی ہے اور اس کا بدلہ عدل و انصاف پر مبنی ہوگی۔ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ :ان کا زعم و دعویٰ باطل ہوگا بت ان کے سفارشی ہیں۔ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ : ان آیات میں اللہ کی وحدانیت اور ربوبیت پر دلائل ہیں۔ یعنی اے محمد! ان مشرکین سے کہہ دیجیے کہ آسمان سے بارش کون نازل کرتا ہے اور زمین سے اناج اور پھل کون نکالتا ہے؟ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ : یعنی تمہارے کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے اور ان کا اختیار کس کے پاس ہے۔ کانوں سے تم سنتے ہو اور آنکھوں سے دیکھتے ہو؟ اگر ان حواس کو اللہ سلب کردے، کون ہے جو تمہیں یہ حواس واپس دلائے؟ دوسری جگہ ارشاد ہے:

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ (سورۃ الانعام، آیت ۴۶)

زندہ سے مردہ کی اور مردہ سے زندہ کی پیدائش

وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ :......یعنی انسان کو نطفے سے کس نے پیدا کیا، پرندے کو انڈے سے کس نے پیدا کیا۔ دانے سے خوشے کو کس نے پیدا کیا؟ زمین سے سبزہ کس نے اگایا اور کافر سے مؤمن کو کس نے پیدا کیا؟ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ : اور مخلوقات کے معاملات

[1] القرطبی ۸ / ۳۳۳

کی تدبیر کون کرتا ہے اور کائنات کے مختلف شئون و معاملات میں تصرف کون کرتا ہے؟ فَسَيَقُولُونَ اللهُ: یہ اقرار کریں گے کہ ان تمام چیزوں کا فاعل اللہ ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ چنانچہ یہ اقرار نہایت درجے کا واضح اور نمایاں ہے۔ اس میں انکار و عناد کی گنجائش نہیں۔ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُونَ: اے محمد! ان لوگوں سے کہہ دیجیے: کیا تم اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرتے؟ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو اور غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو۔ فَذٰلِكُمُ اللهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ: یہ بڑے بڑے کام جو ذات کرتی ہے وہی تمہارا رب ہے۔ ان کی ربوبیت اور وحدانیت براہین قاطعہ سے ثابت ہے۔ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ: استفہام انکاری ہے، یعنی حق کے بعد صرف گمراہی ہی باقی رہتی ہے، جو شخص حق کو پھلانگتا ہے جو کہ اللہ کی عبادت ہے، وہ گمراہی میں جا پڑتا ہے۔ فَاَنّٰى تُصْرَفُونَ: تم اللہ کی عبادت سے ایسے خداؤں کی عبادت کی طرف کیسے پھیر دیے گئے جو نہ پیدا کرتے ہیں نہ رزق دیتے ہیں نہ زندہ کرتے ہیں؟ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ: اسی طرح اللہ کا فیصلہ اور حکم ثابت ہو چکا ہے۔ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا: یہ فیصلہ ان لوگوں پر ثابت ہوا ہے جو اطاعت سے نکلے ہوئے ہیں اور انہوں نے کفر کیا اور تکذیب کی۔ اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ: چوں کہ وہ اللہ کی وحدانیت اور اس کے نبی کی رسالت کی تصدیق نہیں کرتے۔ ان کی شقاوت اور گمراہی کی وجہ سے عذاب کا فیصلہ ان پر ثابت ہو چکا ہے۔ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ: اے محمد! توبیخ کے لیے ان سے کہہ دیجیے: کیا بتوں میں سے کوئی ہے جو فعل خلق انجام دے سکتا ہو، عدم سے وجود میں لا سکتا ہو، پھر فنا کرتا ہو اور پھر زندہ کر سکتا ہو؟ طبری کہتے ہیں: جب وہ اس دعوے پر قدرت نہیں رکھتے اور اس میں حجت قاطعہ ہے اور واضح دلیل ہے کہ وہ اپنے خداؤں کے دعووں کے متعلق جھوٹے ہیں۔[1]

چنانچہ آپ ﷺ کو جواب کا حکم ہوا۔ قُلِ اللهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ: اے محمد! مشرکین سے کہہ دیجیے، صرف اللہ زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے۔ وہی شروع میں پیدا کرتا ہے اور بعد میں بھی وہی زندہ کرے گا، جب کہ تمہارے ان مزعومہ خداؤں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں کر سکتا۔ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ: بھلا تم حق سے باطل کی طرف کیوں پھرے جا رہے ہو؟ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ: استفہام کی صورت میں ایک اور توبیخ ہے، ان مشرکین سے کہہ دو: تمہارے ان خداؤں میں سے کوئی اس صفت کا مالک ہے جو گمراہ کو رشد و ہدایت پر لے آئے؟ حیران کو راستہ دکھا دے؟ یا راہ حق اور سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرے؟ قُلِ اللهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ: اگر تمہارے خدا اس بات سے عاجز ہوں اور حقیقت میں اس سے عاجز ہیں، پس صرف اللہ گمراہ کو ہدایت دیتا ہے اور راستہ دکھاتا ہے اور حق بیان کرتا ہے۔ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى: بھلا جو حق کی راہ دکھاتا ہے اور وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہے۔ وہ اتباع کا زیادہ حق دار ہے یا وہ بت جو کسی کو ہدایت نہیں دیتے؟ اور نہ وہ خود ہدایت کی استطاعت رکھتے ہیں، چہ جائے کہ دوسروں کو ہدایت دیں؟ فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ: اے مشرکین! تمہیں کیا ہو گیا، بتوں اور رب تعالیٰ کے درمیان یکسانیت قائم کرتے ہو اور اس صریح باطل کا دعویٰ کرتے ہو؟ استفہام بمعنی تعجب و انکار ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے عقیدے کے فساد کو بیان کیا ہے۔ اس سے پہلے مسکت دلائل پیش کیے گئے، چنانچہ ارشاد ہے: وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا: مشرکین بتوں کی خدائی کا جو اعتقاد رکھتے ہیں، یہ اعتقاد بلا سند اور بلا دلیل ہے، بلکہ نری وہم پرستی اور فاسد و خرافات ہیں۔ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا: اوہام اور خیالات باطلہ پر مبنی ان اعتقادات کی مثال ظن کاذب ہے جو یقین سے کوسوں دور ہوتا ہے۔ چنانچہ ظن یقین کی طرح نہیں ہوتا۔ اِنَّ اللهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ: کفار جس کفر اور تکذیب پر قائم ہیں اللہ اسے بخوبی جانتا ہے۔ مشرکین کے اتباع ظن پر یہ وعید ہے۔

وحی اور نبوت کے صدق کا بیان

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبوت اور وحی کے صدق کو بیان کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللهِ: عقل سلیم رکھنے والے کسی شخص کے لیے روا نہیں اور صحیح نہیں کہ وہ یہ گمان کرے کہ یہ قرآن اپنی طرف سے گھڑا ہوا ہے اور اللہ پر جھوٹ ہے، چوں کہ قرآن بشری طاقت سے بالاتر ہے۔ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ: لیکن یہ قرآن آیا ہے، اس حال میں کہ پہلی آسمانی کتابیں توریت اور انجیل کی

---

[1] الطبری ۱۱/ ۱۱۵

تصدیق کرتا ہے۔ وَتَفْصِيلَ الْكِتٰبِ: اور اس میں شرائع اور عقائد کی تفصیل اور بیان ہے۔ لَا رَيْبَ فِيهِ مِن رَّبِّ الْعٰلَمِينَ: اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کتاب تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے منزل ہے۔

کفار ومشرکین کو قرآن کا چیلنج

اَمْ يَقُولُونَ افْتَرٰىهُ:...... بلکہ مشرکین کہتے ہیں: کیا یہ قرآن محمد نے اپنی طرف سے گھڑلیا ہے۔ یہ استفہام ہے تقریع کے معنی میں ہے۔ قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ: اگر بات ایسی ہی ہے جو تم کہتے ہو تو اس قرآن جیسی ایک سورت لے آؤ، اس میں مشرکین کی تعجیز ہے اور ان پر حجت قائم کی گئی ہے۔ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللّٰهِ: اللہ کے علاوہ اس کی مخلوق مین سے انسانوں اور جنات کو ہوسکے تو اپنے ساتھ بلا لاؤ اور ان سے قرآن کی مثل پیش کرنے میں مدد لو۔ اِن كُنتُمْ صٰدِقِينَ: اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ محمد نے یہ قرآن اپنی طرف سے گھڑا ہے۔ طبری کہتے ہیں: مراد یہ ہے کہ اگر تم ایسا نہ کرسکو تو بلاشک تم جھوٹے ہو، چوں کہ محمد تمہاری طرح کے بشر ہیں۔ جب ساری مخلوق قرآن کا مثل پیش کرنے سے عاجز ہے تو فرد واحد بطریق اولیٰ اور زیادہ عاجز ہے۔[1] بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ: بلکہ یہ مشرکین قرآن عظیم کی تکذیب کرتے ہیں اور قرآن پر طعن کرتے ہیں۔ اسے سمجھتے نہیں اور اس میں تدبیر نہیں کرتے۔ لوگ ہمیشہ اس چیز کے دشمن ہوتے ہیں، جس سے وہ جاہل ہوتے ہیں۔ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ: حال یہ ہے کہ عاقبت کے بعد جو اس میں وعید ہے وہ نہیں آئی۔ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ: جیسے ان مشرکین نے تکذیب کی ہے اسی طرح گزشتہ امتیں بھی تکذیب کرتی رہی ہیں۔ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِينَ: اے محمد! دیکھو اللہ نے انہیں کس طرح عذاب میں پکڑا اور ان کے ظلم اور سرکشی کے بسبب انہیں ہلاک کیا، جیسے اللہ نے گزشتہ امتوں کے ساتھ کیا، ایسا ہی ان ظالموں اور سرکشوں کے ساتھ کرے گا۔

بلاغت: اَسْرَعُ مَكْرًا:...... اللہ کے عذاب اور سزا کو مکر سے بطور مشاکلہ تعبیر کیا گیا ہے۔ وَجَرَيْنَ بِهِمْ: میں غیبوبت سے خطاب کی طرف التفات ہے۔ اس سے غرض کفار کی اور زیادہ قباحت بیان کرنا ہے۔ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا: یہ بدیع استعارہ میں سے ہے۔ سرسبز وشاداب زمین کو زیورات اور کپڑوں سے آراستہ دلہن کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور اس خوبصورتی اور رونق کے لیے زخرف کا لفظ مستعار ہے۔ اَتٰهَآ اَمْرُنَا: میں امر عذاب اور تباہی سے کنایہ ہے۔ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى: میں جناس اشتقاق ہے: كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ: میں تشبیہ مرسل مجمل ہے۔ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ: میں طباق ہے۔ فَاَنّٰى تُؤْفَكُونَ: استفہام برائے توبیخ ہے۔ بَيْنَ يَدَيْهِ: استعارہ لطیفہ ہے۔ مراد ماسبق کتابیں یعنی توریت اور انجیل ہیں۔

لطیفہ:...... سید قطب نے تفسیر ''الظلال'' میں لکھا ہے: انسان ہمیشہ زمین وآسمان کے سربستہ رازوں سے رزق کے مواقع تلاش کرتا رہا ہے، بسا اوقات اسے خیر میں استعمال کرتا رہا اور کبھی شر میں، جیسا اس کا نظریہ اور عقیدہ رہا، اسی کے مطابق رزق کو تصرف میں لاتا رہا۔ سارا رزق اللہ کا عطا کیا ہوا ہے۔ سطح زمین پر بے شمار رزق اللہ نے پھیلا دیے ہیں۔ سطح سمندر پر بھی رزق ہے سمندروں کی گہرائیوں میں بھی رزق ہے۔ سورج کی شعاعوں میں بھی رزق ہے۔ چاند کی روشنی میں بھی رزق ہے حتیٰ کہ زمین کی تہوں میں علم اور دوا و تریاق ہے۔ اللہ نے سچ فرمایا:

قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَآءِ (سورہ یونس، آیت ۳۱)

قرآن کریم سے بغض وعناد اور اس کا انکار کرنے والوں کا ذکر

ع۔ وَمِنْهُم مَّن يُؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُم مَّن لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ۚ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿۴۰﴾ وَاِن كَذَّبُوكَ فَقُل لِّي عَمَلِي وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۖ اَنتُم بَرِيٓـُٔونَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۴۱﴾ وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُونَ

[1] الطبری ۱۱/ ۱۱۸

إِلَيْكَ ۚ أَفَأَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوا لَا يَعْقِلُونَ ﴿۴۲﴾ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْظُرُ إِلَيْكَ ۚ أَفَأَنْتَ تَهْدِي
الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوا لَا يُبْصِرُونَ ﴿۴۳﴾ إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَٰكِنَّ النَّاسَ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۴۴﴾
وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَنْ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ ۚ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا
بِلِقَاءِ اللَّهِ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿۴۵﴾ وَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ
ثُمَّ اللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ ﴿۴۶﴾ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَسُولٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ
وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۴۷﴾ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۴۸﴾ قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا
نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۗ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۚ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿۴۹﴾
قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُهُ بَيَاتًا أَوْ نَهَارًا مَاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُونَ ﴿۵۰﴾ أَثُمَّ إِذَا مَا وَقَعَ
آمَنْتُمْ بِهِ ۚ آلْآنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ ۖ هَلْ
تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿۵۲﴾ وَيَسْتَنْبِئُونَكَ أَحَقٌّ هُوَ ۖ قُلْ إِي وَرَبِّي إِنَّهُ لَحَقٌّ ۖ وَمَا أَنْتُمْ
بِمُعْجِزِينَ ﴿۵۳﴾ وَلَوْ أَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْأَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهِ ۗ وَأَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا
الْعَذَابَ ۖ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۚ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۵۴﴾ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ أَلَا إِنَّ
وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۵۵﴾ هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۵۶﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ
جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۵۷﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ
وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ ﴿۵۸﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ لَكُمْ مِنْ رِزْقٍ
فَجَعَلْتُمْ مِنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا قُلْ آللَّهُ أَذِنَ لَكُمْ ۖ أَمْ عَلَى اللَّهِ تَفْتَرُونَ ﴿۵۹﴾ وَمَا ظَنُّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ
عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ﴿۶۰﴾
وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُو مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا
إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ ۚ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ
ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿۶۱﴾ أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۶۲﴾ الَّذِينَ
آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿۶۳﴾ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ

وقف لازم

هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۴﴾ وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۵﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۶۶﴾ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِيُّ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۢ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

الثلثة

ترجمہ:...... اوران میں سے بعض وہ ہیں جو اس پر ایمان لائیں گے اور بعض وہ ہیں جو اس پر ایمان نہیں لائیں گے، اور آپ کا رب فساد کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔﴿۴۰﴾ اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ فرما دیجیے کہ میرے لیے میرا عمل ہے اور تمہارے لیے تمہارا عمل ہے تم اس سے بری ہو جو میں کام کرتا ہوں، اور جن کاموں کو تم کرتے ہو میں ان سے بری ہوں۔﴿۴۱﴾ اور ان میں بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں، کیا آپ بہروں کو سنا دیں گے اگر چہ وہ سمجھ بھی نہ رکھتے ہوں۔﴿۴۲﴾ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف دیکھتے ہیں، کیا آپ اندھوں کو راہ بتا دیں گے اگر چہ وہ دیکھتے بھی نہ ہوں۔﴿۴۳﴾ بلاشبہ اللہ لوگوں پر ذرا سا بھی ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ اپنی جان پر ظلم کرتے ہیں۔﴿۴۴﴾ اور جس دن اللہ انہیں جمع فرمائے گا گویا کہ وہ دن کے حصے میں سے صرف ایک گھڑی ٹھہرے ہیں، وہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے، بے شک وہ لوگ خسارے میں پڑ گئے جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا اور وہ ہدایت پانے والے نہ تھے۔﴿۴۵﴾ اور اگر ہم اس میں سے کچھ حصہ آپ کو دکھا دیں جس کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں یا ہم آپ کو وفات دے دیں تو ہماری طرف ان سب کو لوٹنا ہے پھر اللہ اس پر گواہ ہے جو کام وہ لوگ کرتے ہیں،﴿۴۶﴾ اور ہر امت کے لیے ایک رسول ہے سو جب ان کے پاس ان کا رسول آ جاتا ہے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا۔﴿۴۷﴾ اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو،﴿۴۸﴾ آپ فرما دیجیے کہ میں اپنی جان کے لیے کسی بھی ضرر یا نفع کا مالک نہیں مگر جو اللہ چاہے۔ ہر امت کے لیے ایک وقت مقرر ہے جب ان کا وقت مقرر آ جاتا ہے تو ایک گھڑی نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں﴿۴۹﴾ آپ فرما دیجیے کہ تم بتاؤ اگر اللہ کا عذاب رات کے وقت آ جائے یا دن کے وقت آ جائے تو اس میں وہ کون سی چیز ہے جس کی مجرمین جلدی مچا رہے ہیں،﴿۵۰﴾ کیا پھر جب وہ واقع ہو ہی جائے تو اس پر ایمان لاؤ گے۔ اب ایمان لاتے ہو حالانکہ تم اس کے جلدی آنے کا تقاضا کرتے تھے۔﴿۵۱﴾ پھر ان لوگوں سے کہا جائے گا جنہوں نے ظلم کیا کہ ہمیشگی کا عذاب چکھ لو، تمہیں انہیں اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جن کی تم کمائی کرتے تھے۔﴿۵۲﴾ اور وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کیا یہ حق ہے؟ آپ فرما دیجیے ہاں میرے رب کی قسم بلاشبہ وہ حق ہے اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو۔﴿۵۳﴾ ہر وہ شخص جس نے ظلم کیا اگر اس کے لیے وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے تو وہ اپنی جان کو عذاب سے چھڑانے کے لیے اس سب کو خرچ کر ڈالے گا۔ اور جب وہ عذاب دیکھیں گے تو پشیمانی کو پوشیدہ رکھیں گے اور ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔﴿۵۴﴾ خبردار! بے شک اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے خبردار بلاشبہ اللہ کا وعدہ حق ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔﴿۵۵﴾ وہی زندہ فرماتا ہے وہی موت دیتا ہے اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔﴿۵۶﴾ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی ہے اور ایسی چیز آئی ہے جس میں سینوں کے لیے شفا ہے اور ہدایت ہے اور رحمت ہے مؤمنین کے لیے۔﴿۵۷﴾ آپ فرما دیجیے اللہ کے

فضل اور اللہ کی رحمت سے خوش ہو جاؤ۔ سو وہ اس پر خوش ہوں، یہ اس سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔ ۵۸ آپ فرما دیجیے کہ تم بتاؤ جو رزق اللہ نے تمہارے لیے نازل فرمایا تم نے اس میں سے خود ہی بعض کو حرام اور بعض کو حلال تجویز کر لیا۔ آپ فرما دیجیے کیا اللہ نے تمہیں اس کی اجازت دی ہے یا اللہ پر افترا کرتے ہو۔ ۵۹ اور قیامت کے دن کے بارے میں ان لوگوں کا کیا گمان ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ بلاشبہ اللہ لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے اور لیکن ان میں سے بہت شکر ادا نہیں کرتے۔ ۶۰ اور آپ جس کسی حال میں بھی ہوں اور قرآن مجید کا جو بھی کوئی حصہ تلاوت کر رہے ہوں اور تم لوگ جو بھی کوئی عمل کرتے ہو ہم ضرور اس سے باخبر ہوتے ہیں جبکہ تم اس کام میں مشغول ہوتے ہو اور زمین اور آسمان میں ذرہ کے برابر کوئی چیز ایسی نہیں جو تیرے رب کے علم میں نہ ہو اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اس سے چھوٹی ہو یا بڑی ہو جو کتاب مبین میں نہ ہو۔ ۶۱ خبردار! بلاشبہ جو اولیاء اللہ ہیں ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے ۶۲ جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کرتے تھے، ۶۳ ان کے لیے بشارت ہے دنیاوی زندگی میں اور آخرت میں۔ اللہ کے کلمات میں کوئی تبدیلی نہیں، یہ بڑی کامیابی ہے۔ ۶۴ اور آپ کو ان کی بات رنجیدہ نہ کرے، بلاشبہ ساری عزت اللہ ہی کے لیے ہے۔ وہ سننے والا ہے جاننے والا ہے۔ ۶۵ خبردار! اس میں شک نہیں کہ اللہ ہی کے لیے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، اور جو لوگ اللہ کے سوا دوسرے شرکا کو پکار رہے ہیں وہ کس چیز کا اتباع کر رہے ہیں۔ یہ لوگ صرف گمان کے پیچھے چل رہے ہیں اور صرف اٹکل پچو گمان کرتے ہیں۔ ۶۶ اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات پیدا فرمایا تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو اور دن کو دیکھنے کا ذریعہ بنایا۔ بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں۔ ۶۷ ان لوگوں نے کہا کہ اللہ نے بیٹا بنا لیا ہے وہ اس سے پاک ہے وہ غنی ہے، اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تمہارے پاس اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے، کیا تم اللہ کے ذمے ایسی بات لگاتے ہو جس کا تم علم نہیں رکھتے۔ ۶۸ آپ فرما دیجیے بے شک جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہوں گے۔ ۶۹ دنیا میں تھوڑا سا فائدہ اٹھانا ہے پھر ہماری ہی طرف ان کو لوٹنا ہے پھر ہم انہیں ان کے کفر کی وجہ سے سخت عذاب چکھائیں گے۔ ۷۰

ماقبل سے ربط وتعارف:...... اس سے پہلے امر نبوت اور وحی کے متعلق کفار کا طعن ذکر کیا گیا ہے۔ اب یہاں ذکر کیا جا رہا ہے کہ ان لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو قرآن عظیم کی تصدیق کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، لیکن وہ مکابرہ کرتے ہیں اور عناد رکھتے ہیں اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو غباوت کی وجہ سے سرے سے ہی قرآن عظیم کا انکار کرتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا کہ قرآن عظیم دلوں کی شفا ہے اور اس کے بعد آخرت میں مشرکین کے انجام کا تذکرہ ہوا ہے۔

لغات: الصُّمّ :...... اصم کی جمع ہے بمعنی جو نہ سن سکتا ہو۔ بَیَاتًا: رات کے وقت۔ تُفِیْضُوْنَ: محاورہ ہے: افاض فلان فی الحدیث۔ فلاں شخص باتوں میں لگ گیا۔ یَعْزُبُ: وہ پوشیدہ اور غائب ہوتا ہے۔ مِثْقَالِ: وزن۔ سُلْطٰنٍ: حجت و برہان۔ سُبْحٰنَهٗ: نقائص سے اللہ کی پاکی۔

تفسیر: وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ :...... اے محمد! جن لوگوں کی طرف تم مبعوث کیے گئے ہو ان میں سے بعض اس قرآن پر ایمان رکھتے ہیں اور تمہاری اتباع کرتے ہیں اور جو پیغام ہائے رسالت لے کر تم آئے ہو ان سے انتفاع کرتے ہیں۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ: بلکہ وہ اسی عدم ایمان کی حالت میں مریں گے اور اسی حالت پر دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ: اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کون ہدایت کا مستحق ہے اسے ہدایت دے اور کون گمراہی وضلالت کا مستحق ہے، اسے گمراہ کرے۔ وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ: اگر یہ مشرکین آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو کہہ دیجیے میرے لیے میرے عمل کا بدلہ ہے اور تمہارے لیے تمہارے عمل کا خواہ اعمال حق ہوں یا باطل۔ اَنْتُمْ بَرِيْٓـــُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ: یعنی ایک آدمی سے دوسرے کے اعمال کا مواخذہ نہیں ہوگا۔

مشرکین اندھے اور بے عقل ہیں

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ :...... جب آپ قرآن پڑھتے ہیں، ان میں سے کچھ لوگ اسے غور سے سنتے ہیں اور جو کچھ آپ پڑھتے اور تلاوت کرتے ہیں وہ اسے یاد رکھتے ہیں اور بھولتے نہیں۔ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ : اے محمد! تم قدرت نہیں رکھتے کہ ان لوگوں کو (قرآن) سناؤ جن کی

قوت سماعت اللہ نے سلب کرلی ہے۔ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ: یعنی اگر چہ بہرے پن کی وجہ سے کچھ نہ سمجھتے ہوں اور کچھ نہ تدبر کرتے ہوں؟ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: معنی ہے ان لوگوں میں سے جو تمہارا خوبصورت کلام سنتے ہیں اور نفع دینے والا قرآن سنتے ہیں، لیکن ان کی ہدایت کا اختیار تمہارے پاس نہیں۔ سو جس طرح آپ بہرے کو سنانے پر قدرت نہیں رکھتے، اسی طرح ان لوگوں کو ہدایت دینے پر آپ قدرت نہیں رکھتے، البتہ یہ کہ اللہ چاہے۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ۚ اَفَاَنْتَ تَهْدِى الْعُمْىَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ: ان لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو آپ کو دیکھتے ہیں اور آپ کی نبوت کے واضح دلائل کا معائنہ کرتے ہیں، لیکن وہ اندھے ہیں چوں کہ جو کچھ دیکھتے ہیں اس سے نفع نہیں اٹھاتے۔ اے محمد! آپ انہیں ہدایت دینے پر قدرت رکھتے ہو، اگر چہ وہ دلوں کے اندھے ہوں۔ مشرکین کو اندھوں کے ساتھ مشابہت دی گئی ہے، چوں کہ وہ حق سے اندھے ہیں۔ قرطبی کہتے ہیں: آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا مقصود ہے۔ یعنی جس طرح آپ نابینا کو بصارت دینے پر قدرت نہیں رکھتے، اسی طرح آپ ان لوگوں کو ایمان کی توفیق دینے پر بھی قدرت نہیں رکھتے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا: یعنی اللہ بغیر گناہ کے کسی کو عذاب نہیں دیتا اور اپنی مخلوق کے ساتھ ایسا فعل نہیں کرتا، مخلوق جس کی مستحق نہ ہو۔ وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ: لیکن یہ لوگ کفر و معاصی اور اللہ کے حکم کی مخالفت کر کے اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔ طبری کہتے ہیں: آیت میں اللہ کی طرف سے اعلان ہے کہ وہ ابتداءً بغیر کسی جرم کے ایمان سلب نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کے گناہوں کی وجہ سے ان کا ایمان سلب کر دیتا ہے، لہٰذا ان پر حق ثابت ہو چکا کہ اللہ ان کے دلوں پر مہر لگا دے۔[1]

مشرکین کا حساب و کتاب کے لیے جمع کیا جانا

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ:...... یعنی اس دن کو یاد کرو جب ہم ان مشرکین کو حساب کے لیے جمع کریں گے۔ گویا یہ لوگ دنیا میں نہیں ٹھہرے، مگر دن کی ایک گھڑی کے بقدر، ان کی یہ کیفیت اس وجہ سے ہوگی چوں کہ وہ قیامت کے دن کی ہولناکیاں دیکھیں گے۔ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ: وہ ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے، جس طرح دنیا میں ایک دوسرے کو پہچانتے تھے۔ یہ جان پہچان برائے توبیخ و حقارت ہوگی۔ چنانچہ ایک شخص دوسرے سے کہے گا: تو نے مجھے سیدھی راہ سے ہٹایا اور گمراہ کیا، گویا یہ تعارف اور جان پہچان محبت و مودت کی بنا پر نہیں ہوگی۔ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ: یہ لوگ صحیح معنوں میں خسارے میں ہوں گے یہ لوگ ظالم ہیں۔ انہوں نے بعث بعد الموت کی تکذیب کی ہے۔ اس زندگی میں انہیں خیر و بھلائی کی توفیق نہیں ملی۔ وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ: اے محمد! اگر ہم تمہیں مشرکین کے عذاب کا کچھ حصہ دنیا میں دکھا دیں تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں تو ایسا ہو سکتا ہے، اور اگر ہم اس سے قبل آپ کو دنیا سے اٹھا لیں تو آخرت میں ان سب نے لوٹ کر ہمارے پاس آنا ہے۔ چنانچہ جزا کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں، خواہ فوراً ملے یا بدیر۔ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ: یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کے افعال اور جرائم کو دیکھتا ہے اور جو کچھ کرتے ہیں اس پر انہیں بدلہ دے گا۔

ہر امت کے لیے رسول بھیجا گیا ہے

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ:...... ہر امت کی طرف ایک پیغمبر بھیجا گیا جو انہیں راہ ہدایت دکھاتا۔ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِىَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ: مجاہد کہتے ہیں: یعنی قیامت کے دن لوگوں کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ہر امت اللہ کے سامنے اپنے رسول کی موجودگی میں پیش کی جائے گی اور اس کا نامہ اعمال خواہ خیر پر مبنی ہو یا شر پر وہ بھی ساتھ ہوگا۔ اسی طرح حفاظت کرنے والے فرشتے (کراماً کاتبین) بھی موجود ہوں گے۔[2] وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ: یعنی بغیر گناہوں کے انہیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ: اور کفار مکہ کہتے ہیں: یہ عذاب جس کا تم ہمارے ساتھ وعدہ کرتے ہو، اگر تم سچے ہو کب واقع ہوگا؟ کافر یہ بات استہزا اور ہنسی مذاق کے طور پر کہتے تھے۔ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا: میں اپنے آپ سے ضرر دور کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا اور نہ اپنے لیے جلب منفعت کی

---

[1] الطبری ۱۱/ ۱۲۰ [2] المختصر ۲/ ۱۹۶

قدرت رکھتا ہوں۔ بھلا عذاب جس کا تم پیشگی مطالبہ کر رہے ہو، میں اس کا کیسے اختیار رکھتا ہوں۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ: مگر جو اللہ چاہے میں اس کا اختیار رکھتا ہوں اور اس کی قدرت رکھتا ہوں۔ بھلا جس عذاب کا تم مطالبہ کرتے ہو میں اس پر کیسے اختیار رکھتا ہوں۔

ہر امت کے لیے ایک وقت مقرر ہے

لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ:...... ہر امت کو ہلاک کرنے اور اسے عذاب دینے کا ایک وقت مقرر ہے۔ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ: جب ان کی ہلاکت کا مقررہ وقت آ جاتا ہے تو ان کے لیے ممکن نہیں ہوتا کہ ایک گھڑی بھی اس سے دیر کر سکیں اور انہیں کچھ مہلت مل جائے اور اس سے جلدی بھی نہیں کر سکتے، چوں کہ اللہ کا فیصلہ مقررہ وقت میں واقع ہو کر رہتا ہے۔ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا: ان مکذبین سے کہہ دیجیے۔ مجھے خبر دو اگر اللہ کا عذاب رات کے وقت یا دن کے وقت آ جائے، بھلا اس میں تمہارا کیا نفع ہے؟ مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ: استفہام کا معنی تہویل و تعظیم ہے۔ یعنی مجرمین کسی عظیم چیز کی جلدی کرتے ہیں، جیسے کوئی شخص نہایت خطرناک چیز کا مطالبہ کر رہا ہو۔ اس سے کہا جاتا ہے: تم اپنی جان کو کیوں خطرے میں ڈالتے ہو؟ اپنے اوپر کیوں ظلم کرتے ہو؟ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ: کلام میں حذف ہے۔ تقدیری عبارت ہے: اتوخرون الی ان تومنوا بها واذا وقع العذاب: کیا تمہیں ڈھیل دی جا رہی ہے کہ تم اس پر ایمان لے آؤ اور جب عذاب واقع ہو جائے اور تم اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لو تو ایمان کا کوئی فائدہ نہیں اور اس میں تمہارا کوئی نفع نہیں جب کہ اس وقت ایمان نفع بخش ثابت نہیں ہوگا۔ طبری کہتے ہیں: معنی ہے: اے مشرکین اب کے جب اللہ کا عذاب تم پر واقع ہو جائے، اس وقت تم اس کی تصدیق کر لو۔ اس وقت تمہیں تصدیق کوئی نفع نہیں پہنچائے گی۔[1] آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ: اے مجرمین! تم سے کہا جائے گا: اب تم ایمان لاتے ہو، حالاں کہ اس سے پہلے تم ہنسی مذاق کرتے تھے، تمسخر اڑاتے تھے اور جلدی نزول عذاب کا مطالبہ کرتے تھے؟ ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ: دائمی عذاب چکھو جو کبھی زائل نہیں ہوگا اور نہ کبھی ختم ہوگا۔ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ: تمہیں تو صرف تمہارے کفر اور تمہاری تکذیب کا بدلہ دیا جائے گا۔

وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ:...... اے محمد! آپ سے خبر لیتے ہیں اور استفسار کرتے ہیں کہ جس عذاب اور بعث بعد الموت کا ہم سے وعدہ کرتے ہو کیا یہ حق ہے؟ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ: کہہ دیجیے! جی ہاں، اللہ کی قسم یہ ہو کر رہے گا اور اس میں کوئی شک نہیں۔ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ: تم بھاگ کر اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو بلکہ تم اللہ کے قبضہ و قدرت اور اس کی سلطنت میں ہو۔ وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ: اور اگر ہر کافر کے لیے دنیا کے اموال اور خزانے ہوں اور سارے منافع جات ہوں۔ لَافْتَدَتْ بِهٖ: تو یہ سب کچھ اللہ کے عذاب سے اپنی جان کو چھڑانے کے فدیہ میں دے دے، لیکن یہ فدیہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ سورت آل عمران میں گزر گیا۔ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ (سورہ آل عمران، آیت ۹۱) اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دوزخ میں کفار کے افسوس اور ندامت کا ذکر کیا ہے۔ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ: جب یہ ظالمین عذاب کو آنکھوں سے دیکھ لیں گے، ندامت اور پشیمانی کو چھپائیں گے۔ جلال الدین کہتے ہیں: رؤساء ضعفا سے ندامت کو چھپائیں گے تاکہ ضعفا انہیں عار نہ دلائیں۔[2] وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ: اور مخلوقات کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا۔ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ: ان کے اعمال میں سے کچھ بھی ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا اور انہیں صرف ان کے جرائم کی سزا دی جائے گی۔ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: "اَلَآ" کلمہ تنبیہ ہے جو شروع کلام میں سامع کی تنبیہ میں اضافہ کرتا ہے۔ یعنی متنبہ رہو اور جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے غور سے سنو کہ جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ کی ملکیت ہے۔ اللہ کے سوا کوئی چیز کسی کی ملکیت نہیں۔ اللہ ہی خالق اور مالک ہے۔ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ: یعنی اللہ نے بعث بعد الموت اور جزا و سزا کا جو وعدہ کیا ہے وہ حق ہے۔ لامحالہ پورا ہو کر رہے گا۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ:

---

[1] الطبری ۱۱/ ۱۲۲ [2] تفسیر الجلالین ۲/ ۱۹۲

لیکن اکثر لوگ قصورِ عقل اور قصورِ فہم کی وجہ سے نہیں سمجھتے اور طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ هُوَ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ: وہی اللہ سبحانہ و تعالیٰ زندہ کرنے والا اور مارنے والا ہے اور آخرت میں تمہیں اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور وہ تمہیں تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔

قرآن نصیحت اور شفا کا ذریعہ ہے

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ:...... تمام انسانوں سے خطاب ہے۔ یعنی اے لوگو! تمہارے پاس یہ قرآن آ چکا ہے جو تمہارے لیے تمہارے رب کی طرف سے نصیحت ہے۔ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ: اور یہ قرآن دلوں کی بیماریوں یعنی جہالت اور شک وغیرہ کے لیے شفا ہے۔ وَهُدًی وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ: اور گمراہی سے ہدایت ہے اور اہل ایمان کے لیے رحمت ہے۔ صاحب کشاف کہتے ہیں: تمہارے پاس ان فوائد عظیم سے لبریز کتاب آ چکی ہے۔ یہ فوائد از قسم موعظت، توحید پر تنبیہ، عقائد فاسدہ کی دوا، دعوت الی الحق اور تم میں سے جو ایمان لائیں ان کے لیے رحمت ہے۔[1]

قرآن و اسلام اللہ کی رحمت ہے

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْیَفْرَحُوْا:...... ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: قرآن اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے۔ معنی ہے: اللہ کی طرف سے قرآن اور اسلام آیا ہے، اس پر خوش ہو جاؤ اور یہ چیز خوش ہونے کے زیادہ لائق ہے۔ هُوَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ: اور جو انہوں نے دنیا کا ساز و سامان اور فانی رونقیں جمع کر رکھی ہیں اور ختم ہو جانے والی نعمتیں جمع کر رکھی ہیں ان سب سے قرآن اور اسلام بہتر و افضل ہے۔ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں، جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔ قُلْ اَرَءَیْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ: کفار عرب سے خطاب ہے۔ معنی ہے: اے مشرکین! مجھے بتاؤ! اللہ نے تمہارے لیے حلال رزق پیدا کیا ہے۔ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا: اس میں سے بعض کو تم حرام قرار دیتے ہو اور بعض کو حلال قرار دیتے ہو، جیسے بحیرہ، سائبہ اور مردار۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: یہ آیت کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ وہ بحیرہ اور سائبہ کو حرام قرار دیتے تھے۔ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَی اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ: اے محمد! ان سے کہہ دیجیے: مجھے خبر دو، کیا حلال و حرام قرار دینے کی اجازت تمہیں اللہ کی طرف سے حاصل ہوئی ہے اور تم اس اجازت کے ضمن میں اللہ کا حکم بجا لاتے ہو یا یہ محض اللہ پر افترا پردازی اور بہتان ہے۔ وَمَا ظَنُّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ: اور ان لوگوں کا کیا گمان ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور اشیا کو اپنی طرف سے حلال و حرام قرار دیتے ہیں۔ کیا ان کا گمان ہے کہ قیامت کے دن اللہ انہیں معاف اور درگزر کر دے گا؟ ہرگز نہیں، بلکہ اللہ انہیں دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دے گا۔ افترا پردازوں کے لیے یہ شدید وعید ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ: اللہ نے بندوں پر بڑا انعام کیا ہے اور رحمت کی ہے کہ انہیں جلد عذاب میں نہیں پکڑا اور پیغمبروں کو مبعوث کر کے اور کتابیں نازل کر کے بندوں پر بڑا انعام کیا ہے۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَشْكُرُوْنَ: یعنی اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتے، بلکہ اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں، انکار اور کفر کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خطاب

وَمَا تَكُوْنُ فِیْ شَاْنٍ:...... رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خطاب ہے، یعنی اے محمد! تم جس معاملے اور جس عمل میں بھی مشغول ہوتے ہو۔ وَمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ: یا تم قرآن کتاب اللہ میں سے کچھ پڑھتے اور تلاوت کرتے ہو۔ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ: اور اے لوگو! تم بھی جو عمل کرتے ہو، خواہ خیر ہو یا شر۔ اِلَّا كُنَّا عَلَیْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِیْضُوْنَ فِیْهِ: الا یہ کہ ہم دیکھ رہے ہوتے ہیں اور جب تم اعمال میں مصروف ہوتے ہو ہم تمہارے اعمال شمار کر رہے ہوتے ہیں۔ وَمَا یَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ: اور اللہ پر پوشیدہ اور مخفی نہیں۔ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ: ساری کائنات اور

[1] الکشاف ۲/ ۳۵۳

موجودات میں، فضا میں اڑتے ہوئے ذرے یا چھوٹی سی چیونٹی کے بقدر بھی اللہ پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ: ذرے سے بھی چھوٹی چیز یا اس سے بڑی کوئی چیز بھی ہو وہ ہمارے نزدیک معلوم و متعین ہے اور لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔ طبری کہتے ہیں کہ آیت میں اس بات کی خبر دی جا رہی ہے کہ ذرے سے چھوٹی چیز جو وزن میں اس سے بھی خفیف ہو اللہ پر پوشیدہ نہیں اور ذرے سے بڑی چیز اگرچہ وزن میں بہت زیادہ کیوں نہ ہو وہ بھی پوشیدہ نہیں۔ اے لوگو! تمہارے اعمال ایسے ہونے چاہئیں جو اللہ کو راضی کرنے والے ہوں۔ چنانچہ ہم تمہارے اعمال حساب و شمار میں لاتے ہیں۔ تمہیں اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔[1]

اولیاء اللہ کے اوصاف و فضائل

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ:...... اے لوگو! متنبہ رہو اور جان لو کہ اللہ کے محبوب بندوں اور اس کے اولیا پر آخرت میں عذاب کا خوف نہیں ہوگا اور نہ ہی انہیں دنیا کی کسی چیز کے فوت ہونے کا حزن و ملال ہوگا۔ اس کے بعد اللہ نے ان اولیا کے اوصاف ذکر کیے ہیں۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ اور اللہ کے رسول کی تصدیق کی اور اس کے اوامر بجا لائے۔ اس کے نواہی سے اجتناب کیا۔ چنانچہ ولی وہ ہوتا ہے جو مؤمن ہو، متقی اور پرہیزگار ہو۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ہیں جو نہ انبیا ہیں اور نہ ہی شہدا۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انہیں جو مرتبہ اور مقام دے گا اس پر انبیا اور شہدا کو بھی رشک آئے گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! ان کے متعلق ہمیں آگاہ کریں۔ ان کے اعمال کیسے ہیں تاکہ ہم ان سے محبت کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے لیے ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں اور ان کی آپس میں کوئی رشتہ داری بھی نہیں ہوتی اور ایک دوسرے سے اموال کا لین دین بھی نہیں کرتے۔ اللہ کی قسم! ان کے چہرے سراپا نور ہوں گے اور یہ نور کے منبروں پر براجماں ہوں گے۔ جب لوگ خوفزدہ ہوں گے تو انہیں کسی قسم کا خوف نہیں ہوگا۔ جب لوگ حزن و ملال میں ڈوبے ہوں گے، انہیں کوئی حزن نہیں ہوگا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ: یعنی دونوں جہانوں میں ان کے لیے ایسی چیزیں ہوں گی جو انہیں خوش کر دیں گی اور موت کے وقت فرشتے انہیں رب تعالیٰ کی رضامندی و رحمت کی بشارت دیں گے اور آخرت میں ان کے لیے نعمتوں والی جنت اور عظیم کامیابی ہے۔ چنانچہ سورت فصلت میں ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾
جن لوگوں نے کہا: اللہ ہمارا رب ہے اور پھر اس پر استقامت دکھائی، ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور کہتے ہیں: خوفزدہ نہ ہو اور حزن و ملال نہ کرو اور تمہیں اس جنت کی خوشخبری ہے، جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ (سورہ فصلت، آیت ۳۰)

لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ:...... یعنی اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ: یہ ایسی کامیابی ہے کہ اس کے بعد اور کوئی کامیابی نہیں اور یہ ایسی ظفر و کامرانی ہے جس کے مشابہ اور کوئی کامرانی نہیں۔ وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ: اے محمد! آپ کو ان کی تکذیب اور ان کا یہ کہنا کہ آپ بھیجے ہوئے پیغمبر نہیں، حزن و ملال اور تکلیف میں نہ ڈالے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یوں ابتدا کی۔ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا: یعنی کامل قوت اور تمام تر غلبہ صرف اللہ کو حاصل ہے۔ وہی تمہارا مددگار اور دفاع کرنے والا ہے۔ وہی اکیلا عزت کا مالک ہے اور وہی اپنے نیک بندوں کو عزت سے نوازتا ہے اور اپنے دشمنوں کو عزت سے محروم کرتا ہے۔ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ: یعنی ان کے اقوال کو سنتا ہے اور ان کے اعمال کو جانتا ہے۔ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ: یعنی سب کچھ اللہ کی ملک ہے اس کے بندے ہیں اور اس کی مخلوقات ہیں۔ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ: یہ مشرکین جو اللہ کے علاوہ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں، حقیقت میں معبودان کی اتباع نہیں کرتے، بلکہ ان کا ظن و گمان ہے کہ یہ معبودان ان کی سفارش کریں گے یا انہیں نفع پہنچاتے ہیں۔ حالاں کہ یہ معبودان ان کے نفع و نقصان

[1] المختصر ۲/ ۱۹۸

کے مالک نہیں ہیں۔ اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ: یعنی مشرکین صرف ظن باطل کی اتباع کرتے ہیں۔ وَاِنۡ ھُمۡ اِلَّا یَخۡرُصُوۡنَ: یہ صرف اٹکل اور اندازے کرتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں اور وہموں کو حقیقت سمجھتے ہیں۔ ھُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الَّیۡلَ لِتَسۡکُنُوۡا فِیۡہِ: قدرت کاملہ پر تنبیہ کی جارہی ہے۔ معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلائل ہیں، وہ یہ کہ اللہ نے تمہاری راحت کے لیے رات بنائی ہے، جس میں تم سکون و آرام حاصل کرتے ہو اور طلب معاش میں تمہارے ابدان جو تھک جاتے ہیں انہیں رات کو استراحت پہنچاتے ہو۔ وَالنَّھَارَ مُبۡصِرًا: اور دن کو روشن بنایا، تاکہ تم اس میں مختلف اشیا کو دیکھو اور روشنی میں اپنی حوائج پوری کرسکو اور کام کرسکو۔ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّسۡمَعُوۡنَ: اس میں علامتیں اور دلائل ہیں اللہ کی وحدانیت پر، یہ علامتیں ان لوگوں کے لیے ہیں جو عبرت کے لیے سماعت رکھتے ہوں۔

یہود و نصاریٰ کی گمراہی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہودیوں اور نصرانیوں کی ضلالت و گمراہی پر متنبہ کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا: یعنی یہود و نصاریٰ اللہ کی طرف اولاد منسوب کرتے ہیں اور کہتے ہیں: عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ جیسے کفار مکہ کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ سُبۡحٰنَہٗ ؕ ھُوَ الۡغَنِیُّ: جن چیزوں کی نسبت اللہ کی طرف کرتے ہیں، ان سے منزہ و پاک ہے وہ تو ساری مخلوق سے بے نیاز ہے۔ اولاد تو احتیاج کی وجہ سے حاصل کی جاتی ہے اللہ احتیاج سے پاک ہے اور وہ کسی چیز کا محتاج نہیں، لہٰذا اللہ کی اولاد نہیں۔ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ: یعنی سب کچھ اللہ کی مخلوق ہے اور اس کی ملکیت ہے۔ اِنۡ عِنۡدَکُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍۭ بِھٰذَا: تمہارے پاس اس قول کی کوئی حجت اور دلیل نہیں ہے۔ اَتَقُوۡلُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ: کیا تم اللہ پر افترا اور جھوٹ بولتے ہو اور اس کی طرف شریک اور اولاد کو منسوب کرتے ہو؟ یہ مشرکین کی جہالت پر توبیخ ہے۔ قُلۡ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَفۡتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ لَا یُفۡلِحُوۡنَ: یعنی جو بھی اللہ پر جھوٹ بولتا ہے، کامیابی اس کے حصے میں نہیں آتی۔ مَتَاعٌ فِی الدُّنۡیَا: دنیا میں تھوڑا سا فائدہ ہے جو اپنی زندگی کے دوران حاصل کرسکتے ہیں۔ ثُمَّ اِلَیۡنَا مَرۡجِعُھُمۡ: پھر جزا و حساب کے لیے انہوں نے ہمارے پاس لوٹ کر آنا ہے۔ ثُمَّ نُذِیۡقُھُمُ الۡعَذَابَ الشَّدِیۡدَ بِمَا کَانُوۡا یَکۡفُرُوۡنَ: پھر آخرت میں ہم انہیں دردناک عذاب چکھائیں گے۔ یہ عذاب ان کے کفر اور جھوٹ کے بسبب ہوگا۔

بلاغت: مَّنۡ یُّؤۡمِنُ بِہٖ وَمِنۡھُمۡ مَّنۡ لَّا یُؤۡمِنُ:...... میں طباق ہے۔ تُسۡمِعُ الصُّمَّ وَلَوۡ کَانُوۡا لَا یَعۡقِلُوۡنَ﴿۴۲﴾ وَمِنۡھُمۡ مَّنۡ یَّنۡظُرُ اِلَیۡکَ ؕ اَفَاَنۡتَ تَھۡدِی الۡعُمۡیَ: اَلصُّمَّ: اور اَلۡعُمۡیَ کفار کے لیے مجاز ہے۔ کفار کو صم اور عمی کے ساتھ حق سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ضَرًّا وَّلَا نَفۡعًا: میں طباق ہے۔ بَیَاتًا اَوۡ نَھَارًا: اور یُحۡیٖ وَیُمِیۡتُ: میں بھی طباق ہے۔ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوۡرِ: میں مجاز مرسل ہے۔ محل بول کر حال مراد لیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن دلوں کے لیے شفا اور سینہ دل کا محل ہوتا ہے۔ حَرَامًا وَّحَلٰلًا: میں طباق ہے۔ وَالنَّھَارَ مُبۡصِرًا: تلخیص البیان میں ہے۔ یہ عجیب استعارہ ہے۔ اَلنَّھَارَ: (دن) کو مبصر (دیکھنے والا) قرار دیا گیا ہے۔ حالاں کہ دن میں دیکھا جاتا ہے گویا کہ یہ شے کی صفت ہے جو بطور مبالغہ سبب ہے۔ جیسے محاورہ ہے۔ لیل اعمیٰ، لیل عمیاء تاریک رات میں جب شدید تاریکی کی وجہ سے لوگ دیکھ نہ سکیں۔ اَتَقُوۡلُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ: استفہام برائے توبیخ ہے۔

فائدہ:...... اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کو قرآن مجید میں تین جگہوں میں حلف اٹھانے کا حکم دیا ہے۔ ایک اس سورت میں قُلۡ اِیۡ وَرَبِّیۡۤ اِنَّہٗ لَحَقٌّ: دوسری جگہ سورت سبا میں۔ وَقَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَا تَاۡتِیۡنَا السَّاعَۃُ ؕ قُلۡ بَلٰی وَرَبِّیۡ لَتَاۡتِیَنَّکُمۡ (سورہ سباء، آیت ۳۰) اور تیسری جگہ سورت التغابن میں زَعَمَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنۡ لَّنۡ یُّبۡعَثُوۡا ؕ قُلۡ بَلٰی وَرَبِّیۡ لَتُبۡعَثُنَّ (سورۃ التغابن، آیت ۷)

تنبیہ:...... کلمہ أرایت، رویت بصری کے لیے استفہام کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی رویت علمیہ میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہ اصل وضع کے اعتبار سے ہے۔ پھر یہ أخبرنی کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔ چنانچہ محاورہ ہے: ارایت ذالك الامر یعنی مجھے فلاں معاملہ کے متعلق خبر دو اور رویت یا تو بصری ہوتی ہے یا علمی۔ چنانچہ تقدیری عبارت یوں ہے۔ أأبصرت حالته العجيبة، او، أعرفت امره العجيب؟

مجھے اس کے متعلق خبر دو۔ اسی لیے غیر عجیب امر میں یہ کلمہ استعمال نہیں ہوتا جیسے: اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ اور اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ۝ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ارشاد باری تعالیٰ ہے:

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تسلی کے لیے بعض انبیاء کے قصص وواقعات

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْۤا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْۤا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ۝۷۱ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝۷۲ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝۷۳ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ۝۷۴ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝۷۵ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْۤا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷۶ قَالَ مُوْسٰۤى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ۝۷۷ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۷۸ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ۝۷۹ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ۝۸۰ فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۸۱ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۸۲ فَمَاۤ اٰمَنَ لِمُوْسٰۤى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝۸۳ وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ۝۸۴ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۸۵ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝۸۶ وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۸۷ وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَاۤ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰۤى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝۸۸ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ

وقف لازم

ع ۱۲

دَّعۡوَتُكُمَا فَاسۡتَقِيۡمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيۡلَ الَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۹﴾

ترجمہ:......اورآپ ان کونوح کا قصہ پڑھ کر سنائیے، جب کہ نوح نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم اگر میرا قیام کرنا اور اللہ کی آیات کی یاد دہانی کرنا تم پر بھاری ہے تو میں نے صرف اللہ پر بھروسا کیا سو تم سب مل کر اپنے شرکا کے ساتھ اپنی تدبیر کرلو، پھر وہ تمہاری تدبیر ڈھکی چھپی نہ رہے، پھر تم میرے بارے میں جو چاہو فیصلہ کرلو اور مجھے مہلت نہ دو۔﴿۷۱﴾سو اگر تم رُوگردانی کرو تو میں نے تم سے کسی معاوضے کا سوال تو کیا نہیں ہے۔ میرا اجر تو صرف اللہ پر ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرماں برداروں میں سے رہوں۔﴿۷۲﴾سو انہوں نے ان کو جھٹلایا پھر ہم نے ان کو اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں تھے نجات دے دی، اور ہم نے انہیں پہلے لوگوں کے بعد زمین کے آباد کرنے والا بنا دیا، اور ہم نے ان لوگوں کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا، سوائے مخاطب دیکھ لے جن کو ڈرایا گیا تھا ان کا کیسا انجام ہوا۔﴿۷۳﴾پھر ہم نے نوح کے بعد کتنے ہی پیغمبر بھیجے جو اپنی اپنی قوموں کی طرف مبعوث ہوئے۔ سو وہ ان کے پاس کھلی دلیلیں لے کر آئے۔ سو وہ ایسے نہ تھے کہ جس چیز کو پہلے جھٹلا چکے تھے اس پر ایمان لے آئیں، ہم اسی طرح حد سے نکل جانے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔﴿۷۴﴾ پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو اپنی آیات کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کی طرف بھیجا، سو ان لوگوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے۔﴿۷۵﴾سو جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آ گیا تو کہنے لگے کہ بلاشبہ یہ تو کھلا جادو ہے۔﴿۷۶﴾موسیٰ نے کہا کہ جب تمہارے پاس حق آ گیا تو کیا تم اس کے بارے میں ایسی بات کہتے ہو؟ کیا یہ جادو ہے؟ اور جادو کرنے والے کامیاب نہیں ہوتے۔﴿۷۷﴾ وہ کہنے لگے کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ جس چیز پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے تو ہمیں اس سے ہٹا دے اور زمین میں تم دونوں کو سرداری مل جائے اور ہم تم دونوں پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔﴿۷۸﴾ اور فرعون نے کہا کہ میرے پاس ہر جادوگر کو لے آؤ جو خوب جاننے والا ہو۔﴿۷۹﴾سو جب جادوگر آئے تو موسیٰ نے ان سے کہا ڈال دو تم جو کچھ ڈالنے والے ہو۔﴿۸۰﴾سو جب انہوں نے ڈالا تو موسیٰ نے کہا تم جو کچھ لائے ہو یہ جادو ہے بلاشبہ عنقریب اللہ اسے باطل کر دے گا بے شک اللہ فساد کرنے والوں کا کام نہیں بننے دیتا۔﴿۸۱﴾ اور اللہ اپنے وعدوں کے موافق حق کو ثابت فرماتا ہے اگرچہ مجرمین برا مانیں۔﴿۸۲﴾سو موسیٰ پر ان کی قوم میں سے تھوڑے سے لوگ ایمان لائے وہ بھی فرعون اور اس کے سرداروں سے ڈرتے ہوئے کہ کہیں وہ انہیں فتنے میں نہ ڈالے، اور بلاشبہ فرعون اس زمین میں بلندی والا تھا، اور اس میں شک نہیں کہ وہ حد سے آگے بڑھ جانے والوں میں تھا۔﴿۸۳﴾ اور موسیٰ نے کہا کہ اے میری قوم اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہوئے ہو تو اسی پر بھروسہ کرو اگر تم فرماں بردار ہو۔﴿۸۴﴾انہوں نے کہا کہ ہم نے اللہ پر ہی بھروسہ کیا اے ہمارے رب تو ہمیں ظالم قوم کے لیے فتنہ نہ بنا۔﴿۸۵﴾ اور اپنی رحمت سے ہمیں کافر قوم سے نجات دے،﴿۸۶﴾ اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ تم اپنی قوم کے لیے مصر میں گھر برقرار رکھو اور اپنے گھروں کو نماز پڑھنے کی جگہ بنا لو، اور نماز قائم کرو اور مؤمنین کو خوشخبری دو۔﴿۸۷﴾اور موسیٰ نے عرض کیا کہ اے ہمارے رب! بے شک آپ نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو دنیا والی زندگی میں زینت اور اموال دیے ہیں اے ہمارے رب! یہ اس لیے ہیں کہ وہ آپ کے راستے سے ہٹایا کریں، اے ہمارے رب! ان کے مالوں کو نیست و نابود کر دیجیے اور ان کے دلوں کو سخت کر دیجیے، سو وہ ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ درد ناک عذاب کو دیکھ لیں۔﴿۸۸﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی سو تم دونوں ثابت قدم رہو اور ان لوگوں کے راستے کا ہرگز اتباع نہ کرو جو نہیں جانتے۔﴿۸۹﴾

ربط وتعارف:......قبل ازیں اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت اور یکتائی پر دلائل ذکر کیے ہیں اور کفار مکہ اور رسول کریم ﷺ کے درمیان جو معاملہ ہوا اس کا ذکر ہوا۔ اب یہاں بعض انبیا کے واقعات وقصص کا ذکر کیا جا رہا ہے تا کہ نبی کریم ﷺ کو تسلی ہو جائے اور آپ کے غم واندوہ میں کمی ہو۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے تین قصص ذکر کیے ہیں۔

① ......نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کے ساتھ قصہ ② ......موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا فرعون کے ساتھ قصہ ③ ......یونس علیہ السلام کا اپنی قوم کے ساتھ قصہ۔
ہر قصے میں عبرت کا سامان ہے اور غور وفکر کرنے والے کے لیے نصیحت ہے۔

لغات: كَبُرَ :......کبر: واحدی کہتے ہیں: كَبِرَ، يَكْبَرُ، كِبَرًا، یعنی عمر میں بڑا ہونا۔ كَبُرَ الْاَمْرُ، يَكْبُرُ، كَبُرًا، كُبَارَةً کسی چیز کا بڑا ہونا۔ [1]
فَاَجْمِعُوْٓا :الاجماع: کسی معاملے کی تیاری اوراس کا عزم کرنا، افراء کہتا ہے:

یالیت شعری والمنی لاینفع　　　هل اغدون یوما وامری مجمع

اے کاش! مجھے پتہ ہوتا، اس حال میں کہ آرزوئیں نفع نہیں پہنچاتیں، میں کسی دن ضرور نکل جاتا اور اپنے کام کا عزم کرتا۔
غُمَّةً :......مبہم ہونا، محاورہ ہے۔ غم علینا الهلال: یعنی چاند پوشیدہ رہا۔ طرفہ کہتا ہے:

لعمرك ما امری علی بغمة　　　نهاری ولا لیلی علی بسرمد

تیری عمر کی قسم! میرا معاملہ مبہم نہیں ہے۔ میرا دن اور میری رات مجھ پر پوشیدہ نہیں۔
نَطْبَعُ :......ہم مہر لگاتے ہیں۔ لِتَلْفِتَنَا: تو ہمیں پھیرتا ہے۔ اللفت: کسی معاملے میں پھیر دینا۔ اس کی اصل اللیُّ ہے۔ لغت عنقه، گردن موڑنا۔ الْكِبْرِيَآءُ: عظمت، بادشاہت، سلطنت۔ عَالٍ: متکبر۔ الْمُسْرِفِيْنَ: حد سے تجاوز کرنے والے، گمراہ وسرکش۔ اَطْمِسْ: الطمس مسخ کرنا، اسی سے ہے عین مطموسة: پھوڑی ہوئی آنکھ۔

قوم نوح کا قصہ

تفسیر: وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ :......اے محمد! مشرکین اہل مکہ کو اپنے بھائی نوح کا واقعہ جو ان کی قوم کے ساتھ ہوا سناؤ۔ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ : جب انہوں نے اپنی قوم جو ان کا انکار کرتی تھی اور تکذیب کرتی تھی، سے کہا: اے میری قوم! تم پر گراں گزرتا ہے۔ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ: طویل مدت سے تمہارے پاس میرا رہنا اور تمہارے درمیان میرا ٹھہرنا اور میرا تمہیں اللہ کی آیات سے ڈرانا، جب کہ تم نے میرے قتل وانکار کا عزم کر رکھا ہے۔ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ: میں نے صرف اللہ پر اعتماد کیا اور اسی پر بھروسہ کیا۔ مجھے تمہاری کوئی پرواہ نہیں۔ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ : اپنے کام کا عزم کرلو اور اپنے شرکا کو بلالو اور میرے ساتھ جس طرح کی چال چلنا چاہتے ہو، اس کی تدبیر کرلو۔ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً: پھر میرے بارے میں تمہارا معاملہ مستور (پوشیدہ) نہ رہے بلکہ وہ کھلم کھلا اور مشہور ہو۔ ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ: پھر میرے بارے میں جو چاہتے ہو وہ کر گزرو اور مجھے ایک گھڑی بھی مہلت نہ دو۔ ابوسعود کہتے ہیں: قوم سے اس طرز کا خطاب اس لیے کیا تاکہ اپنی بے پرواہی کا اظہار کریں اللہ پر بھروسہ ظاہر کریں اور اللہ کی حفاظت وذمے داری کا جو وعدہ ہے وہ ظاہر کریں۔ [2]
فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ :اگر تم میری نصیحت سے اعراض کرو تو میں تمہیں اس لیے نصیحت نہیں کرتا کہ میں تم سے اس پر اجرت ومزدوری چاہتا ہوں، بلکہ میں تمہیں تمہاری شقاوت اور گمراہی کو دیکھ کر نصیحت کرتا ہوں۔ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ: میں تبلیغ رسالت پر اجر وثواب صرف اللہ سے طلب کرتا ہوں۔ میں صرف اللہ کی رضا کے لیے تمہیں نصیحت کرتا ہوں کسی دنیوی غرض کے لیے نہیں۔ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی توحید کا اقرار کرنے والوں میں شامل ہو جاؤں۔ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ: قوم نوح علیہ السلام کی تکذیب پر مصر رہی اور برقرار رہی۔ ہم نے نوح اور ان کے ساتھ جو مؤمنین تھے، انہیں نجات دی اور کشتی میں سوار کر کے بچالیا۔ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ: ان کے ساتھ جو مؤمنین تھے انہیں زمین میں آباد کیا اور طوفان میں غرق ہونے والوں کا جانشین بنایا۔ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا: تکذیب کرنے والوں کو ہم نے طوفان کے ذریعے غرق کر دیا۔ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ: اے محمد! دیکھیں پیغمبروں کی تکذیب کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا؟ اس سے رسول کریم ﷺ کو تسلی دینا مقصود ہے اور کفار مکہ کو ڈرانا ہے کہ کہیں ان پر بھی وہ عذاب نازل نہ ہو جائے جو پہلی امتوں پر نازل ہوا۔ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ :یعنی نوح علیہ السلام کے بعد ہم نے بہت سارے پیغمبر ان کی قوموں کی طرف مبعوث کیے، یعنی ہود،

---
[1] الرازی، ۱۷/۱۳۶ [2] ابوالسعود ۲/۳۴۱

صالح، لوط، ابراہیم اور شعیب علیہم السلام۔ فَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ: یعنی واضح معجزات کے ساتھ آئے۔ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ: ان کی قومیں پیغمبروں کے لائے ہوئے پیغامات کی تصدیق نہیں کرتیں اور نہ ہی ان سے پہلے لوگوں کے انجام سے انہیں عبرت ہوتی تھی۔ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ: اسی طرح کفر، تکذیب اور عناد میں حد سے تجاوز کرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ: پھر ہم نے ان پیغمبروں اور امتوں کے بعد موسیٰ اور ہارون کو فرعون و راس کی قوم کے اشراف ورؤسا کی طرف بھیجا۔ بِاٰيٰتِنَا: واضح دلائل اور معجزات کے ساتھ اور یہ نو معجزات ہیں جو سورۃ الاعراف میں مذکور ہیں۔ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ: ان معجزات پر ایمان لانے سے انکار کیا اور تکبر کیا اور مفسدین تھے، انہوں نے جرائم اور گناہوں کو اپنی عبادت بنالیا تھا۔ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ: جب ان کے لیے حق واضح ہو چکا جسے موسیٰ لے کر آئے تھے، یعنی ہاتھ سفید ہونا، عصا وغیرہ۔ چنانچہ شدت عناد اور سرکشی کی وجہ سے کہنے لگے: یہ تو کھلم کھلا جادو ہے اور موسیٰ ہمیں دھوکا دینا چاہتا ہے۔ قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ: استفہام برائے انکار و توبیخ ہے۔ یعنی کیا تم اس حق کے بارے میں کہتے ہو کہ یہ جادو ہے؟ اس کے بعد ایک اور استفہام کے ذریعے قوم موسیٰ علیہ السلام پر نکیر کی گئی ہے۔ اَسِحْرٌ هٰذَا: میں تمہارے پاس جو حق لایا ہوں کیا یہ جادو ہے؟ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ: حالاں کہ جادوگر کامیاب نہیں ہوا کرتے۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا:...... کیا تم اس لیے آئے ہو تا کہ ہمیں اپنے آباؤ اجداد کے دین سے پھیر دو؟ وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِى الْاَرْضِ: تا کہ تمہارے لیے اور تمہارے بھائی کے لیے مصر میں عظمت، بادشاہت اور سلطنت ہو جائے۔ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ: تم جو کچھ ہمارے پاس لائے ہو ہم اس کی تصدیق نہیں کرتے۔ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ: میرے پاس ہر ماہر جادوگر کو لے آؤ جو فن جادوگری سے اچھی طرح واقف ہو۔ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ: کلام میں محذوف ہے۔ یعنی فاتوہ بالسحرۃ ...... یعنی فرعون کے کارندے اس کے پاس جادوگر لے آئے۔ جب وہ آ گئے، موسیٰ نے ان سے کہا: تم جو رسیاں اور لاٹھیاں ہمارے سامنے ڈالنا چاہتے ہو وہ ڈالو۔ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ: اب تم نے جو کچھ پیش کیا ہے یہ جادو ہے اور جس کی تم مجھ پر تہمت لگاتے ہو وہ جادو نہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ: اللہ اسے مٹا دے گا اور لوگوں کے سامنے اس کا باطل ہونا ظاہر کر دے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ: اللہ فساد پھیلانے والوں کے عمل کو سنوارتا نہیں ہے۔ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ: اللہ حق کا اثبات کرتا ہے اور دلائل و براہین سے حق کی تقویت کرتا ہے۔ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ: اگر چہ ان کفار و فجار کو یہ ناگوار کیوں نہ گزرے۔ فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ: موسیٰ کے ساتھ ایمان لانے والے اور ان کے دین میں داخل ہونے والے جنہوں نے معجزات کا مشاہدہ کیا، بنی اسرائیل کی اولاد میں سے تھوڑے سے لوگ تھے۔ مجاہد کہتے ہیں: یہ ان لوگوں کی اولاد تھی جن کی طرف موسیٰ علیہ السلام بھیجے گئے تھے اور ان کے آباؤ اجداد مر چکے تھے۔[1]

عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ:...... فرعون اور اس کے اشراف ورؤسا کے خوف سے کہ کہیں وہ انہیں سزا نہ دیں اور انہیں دین سے ہٹا نہ دیں۔ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى الْاَرْضِ: فرعون سرکش، متکبر اور زمین میں فساد پھیلانے والا ہے۔ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ: یعنی خدائی کا دعویٰ کر کے حد سے تجاوز کرنے والا ہے۔ وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ: جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرعون سے ڈرتے دیکھا تو ان سے کہا: اے میری قوم! اگر تم اللہ اور اس کی آیات کی تصدیق کر چکے ہو۔ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا: صرف ایک اللہ پر بھروسہ رکھو۔ وہ ہر شر اور ضرر سے تمہاری کفایت کرے گا۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ: اگر تم اللہ کے حکم کے آگے سر جھکاتے ہو اور اس کی شریعت کے لیے منقاد ہوتے ہو۔ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا: انہوں نے جواب دیا: ہم نے اپنے رب پر بھروسہ کیا اور اسی کو سہارا بنایا۔ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ: اے اللہ! ظالم فرعونیوں کو ہمارے اوپر مسلط نہ کرنا تا کہ ہمیں عذاب و سزا نہ دیں اور یہ نہ کہیں کہ اگر یہ حق پر ہیں تو انہیں مصائب کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ: یعنی اپنے فضل و انعام سے ہمیں فرعون اور اس کے انصار سے خلاصی عطا فرما۔

---

[1] امام جلال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: آل فرعون میں سے چھوٹی سی جماعت ایمان لائی تھی، جو تفسیر ہم نے ذکر کی ہے۔ وہ طبری کی مختار ہے اور جمہور کا بھی یہی قول ہے۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا:...... یعنی تم دونوں اپنی قوم کے لیے نماز اور عبادت کے لیے مکان بناؤ۔ وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً: یعنی ان گھروں کو نماز کی جگہ بنالو تاکہ خوف کے وقت تم ان میں نماز پڑھ سکو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مؤمنین خوف زدہ تھے، اللہ نے انہیں حکم دیا کہ اپنے گھروں میں نماز پڑھیں۔[1] وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ: یعنی فرض نماز وقت پر ادا کرو اور اس کی شرائط و ارکان کا پورا پورا اہتمام کرو۔ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ: اے موسیٰ! مؤمنین جو تمہارے متبعین ہیں، انہیں دشمن پر فتح مندی اور نصرت کی خبر دو۔ وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا: اور موسیٰ نے کہا: اے ہمارے پروردگار! تو نے فرعون اور اس کی قوم کے بڑوں اور اشراف ورؤسا کو دنیاوی زینت عطا کی ہے اور دنیوی ساز وسامان دیا ہے اور مال کی کثیر انواع دے رکھی ہیں۔ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ: لام برائے عاقبت ہے۔ یعنی تو نے انہیں کثیر اموال اس لیے دیے ہیں تاکہ انجام کار لوگوں کو گمراہ کرنا ہو اور تیری طاعت وتوحید سے روکنا ہو۔ یعنی یہ لوگ تیرے دین کی رکاوٹ بنے رہیں۔ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ: یہ فرعونیوں کے لیے بددعا ہے۔ یعنی اے اللہ! ان کے اموال ہلاک کردے اور تباہ کردے۔ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ: ان کے دلوں کو سخت بنادے اور ان پر مہر لگادے، تاکہ ان کا ایمان کے لیے شرح صدر ہی نہ ہو۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: یعنی ایمان سے انہیں روک دے۔ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ: نفی کے لفظ کے ساتھ ان کے لیے بددعا ہے۔ یعنی اے اللہ! یہ لوگ ایمان نہ لائیں، یہاں تک کہ دردناک عذاب چکھ لیں اور انہیں ایمان کا یقین ہوجائے اور اس وقت ایمان کا یقین انہیں کچھ نفع نہ پہنچائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعونیوں کو اس لیے بددعا دی چوں کہ وہ گمراہی اور سرکشی کی انتہا کو پہنچے ہوئے تھے اور انہیں وحی کے ذریعے معلوم ہوچکا تھا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے اس لیے انہیں بددعا دی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: موسیٰ علیہ السلام بددعا کرتے تھے اور ہارون علیہ السلام اس پر آمین کہتے تھے۔ اس لیے بددعا ان دونوں کی طرف منسوب ہے۔[2] قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے تم دونوں کی بددعا جو تم نے فرعون اور اس کی قوم پر کی قبول کرلی۔ فَاسْتَقِيْمَا: دعوت الی اللہ کے جس اہم فریضے کو تم انجام دے رہے ہو، اس پر ثابت قدم رہو۔ وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ: اللہ کے وعدے پر عدم اطمینان میں جاہلوں کے راستے پر مت چلو۔ طبری کہتے ہیں: روایت ہے کہ اس بددعا کے چالیس سال بعد اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کیا۔

بلاغت: فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ:...... میں تقدیم ماحقہ التاخیر ہے، یعنی جس کلمے کو مؤخر کرنا تھا اسے مقدم کیا گیا ہے اور ایسا افادۂ حصر کے لیے کیا گیا ہے۔ یعنی صرف اللہ پر میں نے بھروسہ کیا کسی اور پر نہیں۔ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ: دونوں میں تجنیس اشتقاق ہے۔ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً: التباس دستر کا غمۃ سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ استعارہ ہے۔ یعنی تمہارا معاملہ مبہم نہ ہو۔ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ: اَلشَّدُّ سخت عذاب سے استعارہ ہے۔

تنبیہ:...... ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: موسیٰ علیہ السلام کی فرعون کے لیے بددعا غضب للہ اور دین کی خاطر تھی، جیسے حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو بددعا دی تھی۔

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ (سورہ نوح، آیت ۲۶-۲۷)

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول کی، جس میں ان کے بھائی ہارون علیہ السلام بھی شریک تھے جیسے نوح علیہ السلام کی بددعا قبول کی تھی۔

فرعون وآل فرعون کے غرق ہونے اور ان کی سرکشی کا ذکر

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۰﴾ اٰۗلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا

[1] ایک اور تفسیر کے مطابق یعنی اپنے گھروں کو قبلہ رخ بنالو۔ [2] البحر ۵/ ۱۸۶

مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ۝۹۲ وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰھُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَاۗءَھُمُ الْعِلْمُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَھُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝۹۳ فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْــَٔـلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَاۗءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝۹۴ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۹۵ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۹۶ وَلَوْ جَاۗءَتْھُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝۹۷ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۭ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْھُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰھُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۝۹۸ وَلَوْ شَاۗءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّھُمْ جَمِيْعًا ۭ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝۹۹ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَي الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۱۰۰ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰۱ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝۱۰۲ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۰۳ قُلْ يٰٓاَيُّھَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ښ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۰۴ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۰۵ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰۶ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا ھُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَاۗدَّ لِفَضْلِهٖ ۭ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۱۰۷ قُلْ يٰٓاَيُّھَا النَّاسُ قَدْ جَاۗءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝۱۰۸ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ښ وَھُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝۱۰۹

ترجمہ:.....اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے گزار دیا پھر بغاوت اور زیادتی کرتے ہوئے فرعون اور اس کا لشکر ان کے پیچھے ہولیا، یہاں تک کہ جب فرعون ڈوبنے لگا تو کہنے لگا کہ میں ایمان لاتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں فرماں برداروں میں سے ہوں۔ (۹۰) کیا اب ایمان لاتا ہے؟ حالاں کہ اس سے پہلے نافرمانی کرتا رہا اور تو فساد کرنے والوں میں سے ہے۔ (۹۱) سو آج ہم تیری لاش کو نجات دیں گے تا کہ تو ان کے لیے موجب عبرت ہو جو تیرے بعد موجود ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ بہت سے آدمی ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔ (۹۲) اور ہم نے بنی اسرائیل کو رہنے کا اچھا ٹھکانہ دیا اور انہیں پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں، سو انہوں نے اختلاف نہیں کیا یہاں تک کہ ان کے پاس علم پہنچ گیا۔ بلاشبہ آپ کا

رب قیامت کے دن ان چیزوں میں ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔ ﴿۹۳﴾سو اگر آپ کو اس میں شک ہے جو ہم نے آپ کی طرف اتارا تو آپ ان لوگوں سے دریافت کر لیجیے جو آپ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں، بلاشبہ آپ کے رب کے پاس سے آپ کے پاس حق آ گیا ہے، ﴿۹۴﴾سو آپ ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔ اور ان لوگوں میں سے ہرگز نہ ہو جایئے جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا ورنہ آپ تباہ کاروں میں سے ہو جائیں گے۔ ﴿۹۵﴾بے شک جن لوگوں پر آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہ لائیں گے۔ ﴿۹۶﴾اگرچہ ان کے پاس تمام دلیلیں آ جائیں، جب تک کہ وہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں۔ ﴿۹۷﴾سو کوئی بستی ایمان نہ لائی جس کا ایمان لانا اسے نفع دیتا مگر یونس کی قوم کہ جب وہ لوگ ایمان لائے تو ہم نے رسوائی والا عذاب دنیا والی زندگی میں ان سے ہٹا دیا۔ اور انہیں ہم نے ایک وقت تک فائدہ پہنچایا۔ ﴿۹۸﴾اور اگر آپ کا رب چاہتا تو زمین میں جتنے بھی لوگ ہیں سارے کے سارے ایمان لے آتے، کیا آپ لوگوں پر زبردستی کریں گے تاکہ وہ مؤمن ہو جائیں، ﴿۹۹﴾اور کسی شخص سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ کے حکم کے بغیر ایمان لے آئے، اور اللہ ان لوگوں پر گندگی واقع فرماتا ہے جو سمجھ نہیں رکھتے۔ ﴿۱۰۰﴾آپ فرما دیجیے دیکھ لو آسمانوں میں اور زمین میں کیا چیزیں ہیں اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے انہیں دلائل اور ڈرانے والی چیزیں نفع نہیں دیتیں۔ ﴿۱۰۱﴾سو کیا وہ انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس انہیں لوگوں کے واقعات آ جائیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں، آپ فرما دیجیے کہ تم انتظار کر لو میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔ ﴿۱۰۲﴾پھر ہم اپنے رسولوں کو نجات دیتے ہیں اور اسی طرح ان لوگوں کو جو ایمان لائے، ہمارے ذمہ ہے کہ ہم ایمان والوں کو نجات دیں گے۔ ﴿۱۰۳﴾آپ فرما دیجیے کہ اے لوگو! اگر تم میرے دین کی طرف سے شک میں ہو سو میں ان لوگوں کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو لیکن میں اس کی عبادت کرتا ہوں جو تمہیں موت دیتا ہے، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ایمان والوں میں سے ہو جاؤں۔ ﴿۱۰۴﴾اور یہ بھی حکم ہوا کہ اپنی ذات کو اس دین کی طرف اس طرح سے متوجہ رکھوں کہ دوسرے سب طریقوں سے علیحدہ رہوں اور یہ کہ ہرگز مشرکوں میں سے مت ہو جانا۔ ﴿۱۰۵﴾اور تو اللہ کے سوا کسی کو مت پکار جو تجھے نفع نہ دے سکے اور نہ ضرر دے سکے، سو اگر تو نے ایسا کیا تو بلاشبہ تو ظالموں میں سے ہو جائے گا۔ ﴿۱۰۶﴾اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچا دے تو اللہ کے سوا اسے کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تیرے ساتھ خیر کا ارادہ فرمائے تو اس کے فضل کو کوئی بھی ہٹانے والا نہیں وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اپنے فضل سے نواز دے۔ اور وہ غفور ہے رحیم ہے۔ ﴿۱۰۷﴾آپ فرما دیجیے کہ اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آ گیا ہے سو جو شخص ہدایت پائے وہ اپنی ہی جان کے لیے ہدایت پاتا ہے اور جو شخص گمراہی میں رہے تو اس کی گمراہی اسی کے نفس پر پڑنے والی ہے۔ اور میں تم پر مسلط نہیں کیا گیا۔ ﴿۱۰۸﴾اور آپ اس کا اتباع کیجیے، جس کی آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے، اور صبر کیجیے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے اور وہ فیصلہ کرنے والوں میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ ﴿۱۰۹﴾

ماقبل سے ربط و تعارف:..... قبل ازیں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی بددعا ذکر کی ہے۔ اب یہاں فرعون اور آل فرعون کے سمندر میں غرق ہونے کا ذکر ہے۔ فرعون کی سرکشی اور گمراہی کا نتیجہ ہے اور یہ کہ مضطر کا ایمان نفع بخش نہیں ہوتا، اس کے بعد یونس علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا گیا ہے اور سورت توحید کی حقیقت پر ختم کی گئی ہے کہ اللہ کے ہاں نجات دینے والی چیز صرف ایمان ہے۔

لغات: لَوَانَا...... ہم نے اتارا اور ہم نے سکونت دی۔ الْمُمْتَرِيْنَ: شک کرنے والے، امتریٰ: شک کیا۔ فَلَوْلَا: لولا برائے تحضیض ہے اور ہلا کے معنی میں ہے۔ حَنِيْفًا: تمام باطل ادیان سے کنارہ کش۔ يَمْسَسْكَ: تجھے پہنچا۔ كَاشِفَ: دور کرنے والا اور زائل و ختم کرنے والا۔ بِوَكِيْلٍ: نگران و محافظ، حفیظ۔

فرعون کے غرق ہونے اور بنی اسرائیل کے بچنے کا قصہ

تفسیر: وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ:..... ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر پار کرایا اور وہ سمندر عبور کر گئے۔ بحر سے مراد بحر سویس ہے۔ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا: ظلم و زیادتی کی وجہ سے فرعون اپنے لشکر کے ساتھ بنی اسرائیل کا پیچھا کرنے لگا، تاکہ ناحق ان پر اپنا تسلط جما لے۔

[1] الطبری ۱۱/ ۱۶۳

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ: یہاں تک کہ جب فرعون سمندر میں ڈوبنے لگا اور اسے ہلاکت کا یقین ہو گیا۔ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ: اب ڈوبتے وقت کہنے لگا: میں اقرار اور تصدیق کرتا ہوں کہ اللہ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، جس کا بنی اسرائیل نے اقرار کیا اور ایمان لایا۔ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ: دعوائے ایمان کے لیے یہ تاکید ہے، یعنی میں ان لوگوں میں شامل ہوں جنھوں نے اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیا ہے اور خالص ایمان لایا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جبرئیل امین علیہ السلام نے فرعون کے منہ میں مٹی ڈالی تاکہ اس پر اللہ کی رحمت نہ ہو جائے۔ [1] آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ: تم اب ایمان لائے ہو جب زندگی سے مایوس ہو گئے۔ اللہ کے عذاب سے پہلے تو نے اللہ کے حکم کی نافرمانی کی ہے اور گمراہی میں انتہا تک پہنچ گیا ہے اور لوگوں کو اللہ کے دین سے روکتا رہا ہے۔ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ: آج ہم تمہاری لاش کو سمندر سے باہر نکال دیں گے۔ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً: تاکہ تو بعد میں آنے والے لوگوں کے لیے سامانِ عبرت بن جائے۔ جابر و ظالم فرعونوں کے لیے عبرت بنے تاکہ تیری طرح وہ سرکشی میں مبتلا نہ ہوں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: بعض بنی اسرائیل فرعون کی موت کے بارے میں شک کرتے تھے، اللہ نے سمندر کو حکم دیا۔ سمندر نے اس کی لاش باہر لا پھینکی تاکہ بنی اسرائیل کو فرعون کی موت اور ہلاکت کا یقین ہو جائے۔ [2] وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ: اور بہت سارے لوگ ہماری نشانیوں میں غور و فکر کرنے سے اعراض کرتے ہیں اور عبرت نہیں حاصل کرتے۔

بنی اسرائیل پر نعمت خداوندی کا نزول اور ان کا باہمی اختلاف

وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ:...... بنی اسرائیل کو ہم نے ان کے دشمن کے ہلاک کرنے کے بعد رہنے کے لیے عمدہ جگہ دی جو ان کی من پسند تھی۔ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ: اور ہم نے انہیں پاک، نفع بخش اور لذت سے بھرپور اشیا عطا کیں۔ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ: انہوں نے دین کے معاملے میں اختلاف اسی وقت کیا جب ان کے پاس علم آ چکا۔ علم سے مراد توریت ہے، جس میں اللہ کے احکام تھے۔ یہ بنی اسرائیل کے لیے مذمت ہے، چوں کہ ان کے اختلاف کا سبب دین تھا، جب کہ دین اجتماعیت کی طرف لاتا ہے نہ کہ تفریق کی طرف۔ دین اتحاد پیدا کرتا ہے نہ کہ اختلاف۔

طبری کہتے ہیں: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بنی اسرائیل کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر اجماع تھا اور آپ کی بعثت کا اقرار کرتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ پر ایمان لانے سے انکار کر دیا اور ان میں سے بعض آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے اور آیت میں اختلاف سے مراد یہی ہے۔ [3] فَاِنْ كُنْتَ فِیْ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ: یہ بطور فرض ہے۔ یعنی بالفرض اگر تمہیں شک ہے تو پوچھ لو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ شک کیا اور نہ ہی کسی سے پوچھا: زمخشری کہتے ہیں: یہ فرض و تمثیل کے طور پر ہے۔ گویا کہا جا رہا ہے: مثلاً اگر شک واقع ہو اور بالفرض شیطان کوئی خیال ڈال دے تو علمائے اہل کتاب سے سوال کر لو۔ چنانچہ سورہ ہود کی آیت: وَاِنَّهُمْ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ ﴿۱۱۰﴾ (سورہ ہود، آیت ۱۱۰) اس میں شک کی تاکید و تحقیق لائی گئی ہے۔ گویا کفار بالجزم (یقیناً) شک میں پڑے ہوئے ہیں اور اس آیت: فَاِنْ كُنْتَ فِیْ شَكٍّ: میں بہت بڑا فرق ہے۔ یہ آیت بطور فرض و تمثیل ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں: آیت میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور مراد دوسرے لوگ ہیں۔ فَسْـَٔلِ الَّذِیْنَ یَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ: اہل کتاب سے سوال کر لو جو توریت و انجیل کا علم رکھتے ہیں۔ یہ چیز ان کے ہاں تحقیق کو پہنچی ہوئی ہیں، جیسا کہ ہم نے تمہارے سامنے بیان کیا ہے۔ اس سے مقصد قرآنی قصوں سے شک کو دور کرنا ہے۔

خبر صادق کا نزول

لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ:..... اے محمد! آپ کے پاس بیان حق اور خبر صادق جس پر شک کا گزر نہیں ہوا، آ چکی ہے۔ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ: شک کرنے والوں میں شامل نہ ہونا۔ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ: یعنی اللہ کی آیات میں سے کسی آیت کی بھی تکذیب

---

[1] المختصر ۲/ ۲۰۶ [2] الطبری ۱۱/ ۶۷ [3] الکشاف ۲/ ۳۷۰

مت کرنا۔ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ: ورنہ تم ان لوگوں میں شامل ہو جاؤ گے، جن کا دنیا و آخرت میں خسارہ ہوا۔ بیضاوی کہتے ہیں: یہ تثبیت کے باب میں سے ہے اور آپ ﷺ کے بارے میں مشرکین کی ہر طرح کی طمع ختم کرنا ہے۔[۱] قرطبی کہتے ہیں: ان دونوں آیات میں خطاب نبی کریم ﷺ سے ہے اور مراد امت ہے۔[۲] اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ: جن لوگوں پر اللہ کے ازلی ارادے سے عذاب کا فیصلہ واجب و ثابت ہو چکا ہے۔ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ: وہ کبھی بھی تصدیق نہیں کریں گے اور ایمان نہیں لائیں گے، اگرچہ آپ ان کے سامنے براہین اور معجزات ہی کیوں نہ پیش کر دو۔ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ: یعنی جب عذاب دیکھیں گے اس وقت فرعون کی طرح ایمان لائیں گے، لیکن اس وقت انہیں ایمان کچھ نفع نہیں پہنچائے گا۔

قوم یونس علیہ السلام کا قصہ

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ: ......ہم نے جن بستیوں کو ہلاک کیا ان میں سے کوئی بستی ایسی نہ ہوئی جو کفر سے توبہ کرتی اور عذاب دیکھ کر خالص ایمان لے آتی اور اس وقت اسے ایمان نفع پہنچاتا۔ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ: بجز یونس علیہ السلام کی قوم کے۔ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا: جب قوم یونس علیہ السلام نے کفر سے توبہ کی اور اللہ پر ایمان لائے، ہم نے ان پر سے عذاب اٹھایا جو ذلت و رسوائی کا عذاب تھا اور یہ عذاب انہیں دنیا کی زندگی میں ملنا تھا۔ وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ: اور ہم نے ان کی عمریں ختم ہونے تک انہیں موخر کر دیا (یعنی ہلاکت سے انہیں بچا لیا)۔ قتادہ کہتے ہیں: روایت ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم کو عذاب سے ڈرایا، پھر آپ علیہ السلام اپنی قوم کو بستی میں چھوڑ کر چل دیے۔ جب قوم نے اپنے نبی کو غیر موجود پایا اور انہیں یقین ہو چکا کہ عذاب ان کے قریب تر ہے، اللہ نے قوم کے دلوں میں توبہ کی فکر ڈالی۔ چنانچہ قوم نے ٹاٹ کے کپڑے پہنے اور اللہ کے حضور سچی توبہ کی۔ جب اللہ نے ان کے دلوں میں سچی توبہ دیکھی اور گزشتہ نافرمانی پر ندامت دیکھی تو اللہ نے ان پر آنے والے عذاب کو ٹال دیا۔[۳] وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا: اگر اللہ چاہتا تو سب لوگ ایمان لے آتے، لیکن اللہ نے ایسا نہیں کیا، چوں کہ یہ حکمت کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے اختیاری ایمان چاہتا ہے۔ اضطراری ایمان یا حالت اکراہ کا ایمان نہیں چاہتا۔ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ: اے محمد! کیا آپ لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کرنا چاہتے ہیں اور انہیں زبردستی اپنے دین میں داخل کرنا چاہتے ہیں؟ اس کا اختیار آپ کو حاصل نہیں۔ آیت میں آپ ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے، چوں کہ آپ ﷺ مشرکین کے ایمان کے لیے بہت زیادہ حریص تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ سب کے سب لوگوں کے ایمان لانے کے حریص تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر دی کہ وہی لوگ ایمان لائیں گے جن کے مقدر میں ایمان لکھ دیا گیا ہے اور سعادت اس کا مقدر بن چکی ہے اور وہی لوگ گمراہ ہوں گے جن کے مقدر میں شقاوت لکھ دی گئی ہے۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ: کسی شخص کے اختیار میں نہیں کہ وہ ایمان لائے، مگر اللہ کے ارادہ اور اختیار سے۔ اور اللہ جسے توفیق دیتا ہے وہی ایمان کی دولت سے بہرہ مند ہوتا ہے۔ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ: اور اللہ ان لوگوں کو عذاب دیتا ہے جو اللہ کی آیات میں غور و فکر نہیں کرتے اور جو چیزیں ان کے لیے نفع بخش ہیں ان میں اپنی عقلوں کو نہیں استعمال کرتے۔ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: اے محمد! ان کفار سے کہہ دیجیے: غور و فکر کرو کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ کی وحدانیت پر دلالت کرنے والی کتنی نشانیاں ہیں اور اس کی قدرت کاملہ پر کتنی زیادہ نشانیاں ہیں۔ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ: جن لوگوں کے مقدر میں شقاوت و بدبختی لکھ دی گئی ہے، نشانیاں اور ڈرانے والے ان کو کچھ نفع نہیں پہنچائیں گے۔ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ: یعنی مشرکین مکہ تو بس اپنے اسلاف کے انجام کا انتظار کر رہے ہیں۔ ان پر جو عذاب نازل ہوا اسی کے انتظار میں لگے ہوئے ہیں۔

قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ: اے محمد! ان مشرکین سے کہہ دیجیے: نافرمانی اور تکذیب کے انجام کا انتظار کرو، میں بھی تمہاری تباہی

---

[۱] البیضاوی، ص ۲۴۵ [۲] القرطبی ۸ / ۳۸۳ [۳] الطبری ۱۱ / ۱۷۱

و بربادی کا انتظار کرتا ہوں۔ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ: تکذیب کے مرتکبین پر جب ہمارا عذاب نازل ہوتا ہے، ہم پیغمبروں اور مومنین کو نجات دے دیتے ہیں، جیسی نجات اوپر مذکور ہوئی۔

حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ: بغیر کسی شک کے ہمارے اوپر ثابت شدہ حق ہے۔ ربیع بن انس کہتے ہیں: اللہ نے مشرکین کو اپنے عذاب اور نقمت سے خوف دلایا ہے، پھر بیان کیا کہ جب عذاب واقع ہوجاتا ہے، اللہ اپنے رسولوں اور مومنین کو نجات دیتا ہے۔[1]

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ: اے محمد! ان مشرکین سے کہہ دیجیے! اگر تم میرے دین کی حقیقت اور صحت کے بارے میں شک کرتے ہو۔فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ: جن بتوں اور مورتیوں کی تم عبادت کرتے ہو، جو نفع پہنچاتے ہیں اور نہ ہی نقصان، میں ان کی عبادت نہیں کرتا (اور نہ کبھی کروں گا)۔وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ: لیکن میں اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری روحیں قبض کر لیتا ہے۔ اسی کے قبضہ میں تمہاری حیات و موت ہے۔ طبری کہتے ہیں: یہ خوبصورت تعریض ہے، گویا یوں فرمارہے ہیں کہ تمہارے لیے روا نہیں کہ میرے دین کے متعلق شک کرو بلکہ روا تو یہ ہے کہ تم بتوں کی عبادت کے بارے میں شک کرو جو عقل نہیں رکھتے، جو نفع و نقصان کے مالک نہیں۔ رہی بات میرے معبود برحق کی سو وہی مخلوق کی روحیں قبض کرتا ہے اور وہی نفع و نقصان کا مالک ہے۔[2]

وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مؤمن اور موحد رہوں اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤں۔

وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا: اور مجھے دین میں استقامت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو کہ ملت ابراہیم ہے۔

وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ: اور جو لوگ اپنے رب کی عبادت میں شریک ٹھہراتے ہیں، ان میں شامل نہ ہو۔

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ: یہ نہی مذکور کی تاکید ہے، یعنی غیر اللہ جو نفع و نقصان کا مالک نہیں، جیسے بت وغیرہ۔

فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ: اگر تم نے ان مزعومہ خداؤں کی عبادت کی، تم ان لوگوں میں شامل ہوجاؤ گے جنہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا، چوں کہ اس صورت میں تم اپنے آپ کو اللہ کے عذاب کے لیے پیش کردو گے۔ آیت میں خطاب رسول کریم ﷺ سے ہے اور مراد دوسرے لوگ ہیں۔وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ: یعنی اگر اللہ آپ کو کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو اس کو دور کرنے والا اللہ کے سوا کوئی نہیں۔

وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ: اگر اللہ آپ کو کوئی نعمت یا آسودگی عطا کرنا چاہے تو اسے آپ سے کوئی بھی نہیں روک سکتا۔

يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے فضل واحسان عطا فرماتا ہے۔

وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ: اللہ سبحانہ اپنے بندوں کے گناہوں کو بخشنے والا ہے اور اہل ہدایت پر رحم کرنے والا ہے۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ: تمہارے پاس قرآن عظیم آچکا ہے جو اچھے اچھے احکام پر مشتمل ہے۔

فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ: جس شخص کو ہدایت ایمان مل جاتی ہے اس کی ہدایت کا نفع بالخصوص اس کو ملتا ہے۔

وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا: جو شخص کفر اختیار کرکے گمراہی کی راہ پر چلا اور حق سے اعراض کیا اس کی گمراہی کا وبال اسی پر پڑے گا۔

وَمَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ: میں تمہارا نگران نہیں ہوں جو تمہارے اعمال کی نگرانی کرتا رہوں، میں تو بشارت اور خوشخبری دینے والا اور ڈرسنانے والا ہوں۔وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ: اے محمد! آپ اپنے تمام امور میں وحی کی اتباع کرتے رہو، جو تمہارا رب تمہاری طرف بھیجتا ہے۔

وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ: آپ کو تبلیغ کی راہ میں جن مشقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ان پر صبر کرو، یہاں تک کہ اللہ آپ اور مشرکین کے درمیان فیصلہ کرے۔وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ: اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ آیت میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے اور مشرکین کو وعید سنائی جارہی ہے۔

---

[1] الطبری ۱۱/۱۷۶، [2] الطبری ۱۱/۱۷۶

بلاغت: ...... آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ: استفہام برائے توبیخ وانکار ہے۔ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ مُبَوَّاَ: میں جناس اشتقاق ہے۔
كَلِمَتُ رَبِّكَ: شقاوت وبدبختی کے ازلی حکم سے کنایہ ہے۔ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا: صیغہ مضارع ماضی سے حکایت ہے، تاکہ ماضی کی صورت کا استحضار ہو۔ اس سے ہولنا کی ظاہر کرنا مقصود ہے۔ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ: میں طباق (تضاد) ہے۔
وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ: دونوں جملوں کے درمیان لطیف مقابلہ ہے جو کہ محسنات بدیعہ میں سے ہے۔
فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ: میں طباق ہے۔
يَحْكُمَ اللّٰهُ ښ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ: میں تجنیس اشتقاق ہے۔
فائدہ: ...... امام فخر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: فرعون تین بار ایمان لایا۔ اول اٰمَنْتُ: یعنی میں ایمان لایا۔ دوم: لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَاۗءِيْلَ: یعنی میں اس معبود پر ایمان لایا جس پر بنی اسرائیل ایمان رکھتے ہیں۔ سوم: وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ: اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ اس کے ایمان کے عدم قبول کا سبب کیا ہے؟
جواب: ...... وہ نزول عذاب کے وقت ایمان لایا ہے، یعنی جب اس پر عذاب آچکا اور اس وقت ایمان غیر مقبول ہے چوں کہ یہ حالت، حالت الجا واضطرار ہے۔ اس حالت کی توبہ اور ایمان نفع نہیں پہنچاتا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا: جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا اس وقت ان کا ایمان انہیں نفع نہیں پہنچاتا۔ (سورہ غافر، آیت ۸۵)
تنبیہ: ...... اللہ تعالیٰ نے فرعون کے مردہ بدن کو اس لیے نجات دی، چوں کہ اس کی قوم اسے خدا سمجھتی تھی۔ اللہ نے چاہا تا کہ اس کی قوم اسے مردہ حالت میں دیکھ لے۔ قوم کا عقیدہ تھا کہ فرعون کو کوئی نہیں مار سکتا، نیز قوم کے نزدیک یہ امر متحقق ہو جائے کہ کل تک جسے اپنی عظمت و جلالت پر گھمنڈ تھا، اس کا غرور آج خاک میں مل گیا اور مخلوق کے لیے نشان عبرت بن گیا اور اس کی لاش کو نجات دینے میں اہل کفر کے لیے زجر و توبیخ بھی ہے۔

آج مورخہ ۲۹ شعبان المعظم ۱۴۳۲ مطابق ۲۰ جولائی ۲۰۱۲ء بروز جمعہ صفوۃ التفاسیر کی جلد اول (شروع تا سورہ یونس) کا اردو ترجمہ مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق بخشنے والا ہے۔ دعا ہے اسے مصنف، مترجم، مدیر ترجمہ اور جملہ معاونین کے لیے سامان نجات بنائے۔ (آمین)

صفوۃ التفاسیر

جلیل القدر کتاب ”قرآن کریم“ کی خدمت کرنے کے لیے علماء کرام نے بے شمار کتابیں لکھی ہیں جن سے ضخیم کتب کا ایک مستقل اسلامی کتب خانہ وجود میں آ گیا ہے، لیکن پھر بھی قرآن کریم (ابھی تک) عجائبات سے لبریز، موتیوں اور جواہر سے لبالب باقی ہے۔ یہ قرآن وقتاً فوقتاً ہمیں ان موتیوں سے واقف کراتا رہتا ہے، جن سے عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں اور اہلِ فہم حیران اور انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں، کیوں کہ اس کتاب میں وہ قدسی فیوض، الٰہی روشنیاں اور نورانی خوشبوؤں کے جھونکے ہیں، جو انسانیت کے لیے جہنم کی آگ میں سلگتی جھلستی زندگی کے لیے چھٹکارہ اور نجات کی ذمہ دار ہیں۔

ہر علم ختم ہو کر فنا ہو جائے سوائے ”علم تفسیر“ کے کہ یہ ہمیشہ ایک متلاطم اور اتھاہ سمندر بن کر زندہ رہے گی اور ان کے انتظار میں رہے گا جو اس کی گہرائیوں اور پنہائیوں میں اتر کر اس کے قیمتی خزانوں کو نکال لائیں اور اس کے نہایت عمدہ اور نفیس اسرار کو تلاش کر لائیں، علما کرام علم کے اس سمندر کے ساحل پر آ کر اس کے چشمہ صافی سے (ان کے علوم کا آبِ حیات) پیتے رہیں، مگر سیراب نہ ہوں گے اور بھلا کون ایسا ہو سکتا ہے جو ربّ ذوالجلال والاکرام کے اس کلام کا علمی احاطہ کر سکے اور اس کے بھیدوں کو جان سکے اور اس کے دقائق وحقائق تک رسائی حاصل کر سکے اور اس کی اعجاز نمائیوں تک پہنچ سکے۔ حاصل یہ کہ یہ ایک معجزہ نما کتاب ہے جو انسانیت کو اپنے ان علوم ومعارف اور بھیدوں اور حکمتوں سے نوازتی رہے گی جو ان کے اس ایمان ویقین کو بڑھاتی رہیں گی کہ یہ کتاب نبی امّی وعربی حضرت محمد ﷺ کا ایک ”دائمی معجزہ“ اور ربّ حکیم وحمید کی اتاری ہوئی ہے۔

قرآنی وتفسیری ثقافت ایک ایسے قلم کی محتاج ہے جس کی عبارت سہل، ادائیگی میں سلاست، فنی اصطلاحات سے دور اور فلسفیانہ مباحث سے گریزاں ہو، اور اس کا زیادہ زور اس آسمانی عبارت کو واضح کر دینے اور کسی تکلّف بغیر عام لوگوں کو اس کے معانی ومطالب تک پہنچا دینے پر لگے۔ جناب محترم فضیلت الشیخ علامہ محمد علی الصابونی اس مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب رہے ہیں کہ انہوں نے قرآن کریم کی ایک نہایت آسان تفسیر لکھی ہے۔ آپ نے اپنی اس تفسیر میں آئمہ تفسیر کے ان اقوال کو جمع کیا ہے جو علم وادب کا خلاصہ ہیں، ان اقوال نے اس تفسیر کو حقائق ومعارف اور پُر از حکمت باتوں سے لبریز کر دیا ہے۔

صفوۃ التفاسیر کی چند خصوصیات:

مصنف نے نہایت سہل وآسان اسلوب اختیار کیا اور ساتھ ساتھ اختصار کو بھی ملحوظ رکھا، چنانچہ مصنف نے سب سے پہلے سورت کا مختصر تعارف بیان کیا جس سے سورت میں بیان کردہ مضامین سے واقفیت اور بنیادی مقاصد کی توضیح ہو جاتی ہے۔

مصنف نے ذکر ربط میں خاص خیال رکھا ہے کہ جو ربط نمایاں ہو وہی ذکر کیا ہے۔ لغات میں معنی مقصود، معنی مشہور ومتداول پر اکتفا کیا ہے۔ لغات کے ذیل میں معنی مقصود کو زبان وبیان کے شواہد سے مبرھن کیا ہے اور جہاں ضرورت محسوس کی ہے بلغائے عرب کے اشعار سے استشہاد پیش کیا ہے۔ آیات یا سورت کا سبب نزول میں بھی مصنف نے نہایت اعتدال اور شفافیت سے کام لیا ہے اور صرف ان ہی آیات اور سورتوں کا سبب نزول بیان کیا ہے جن کی روایات حد صحت کو پہنچتی ہوں۔

حاصل یہ کہ یہ تفسیر مختصر، سہل، آسان اور عصر حاضر کے روزمرہ کے محاورات پر مشتمل ہے، جس میں مختلف الاقوال تفسیر آیات کا ربط ومناسبت، لغات کا مختصر اور واضح بیان، سبب نزول، بلاغت کے اہم نکات اور فوائد ولطائف بیان کیے گئے ہیں۔

دارالاشاعت کراچی اس تفسیر کا اردو ترجمہ کروا کر دو رنگہ طباعت کے ساتھ اس کو شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے

اللہ تعالیٰ اس محنت وکاوش کو قبول منظور فرما کر ہمارے لیے ذریعۂ نجات وذخیرہ آخرت بنادے (آمین)

دارالاشاعت
اردو بازار کراچی نمبر 1